1
بازی
ایم، اے راحت

میرے ملنے جلنے والوں کا خیال تھا کہ میں ایک مثالی نوجوان ہوں۔ پڑوس کے بڑے بوڑھے اپنی اولاد کو میری مثال دیتے تھے۔ سب مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ سوائے ان لفنگے نوجوانوں کے جو پان کی دکان یا رمضان کے جھونپڑہ ہوٹل کی بینچوں پر ڈیرہ جمائے رہتے تھے اور اسکول آنے جانے والی لڑکیوں کو چھیڑنے اور ان پر آوازے کسنے کو ہی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔ ان کو مجھ سے شدید بیر تھا۔ کیونکہ میں نے ان میں سے کئی ایک کو نقصان بھی پہنچایا تھا۔ مثلاً علی بخش جس کے کلے میں ہر وقت پان کی گلوری دبی رہتی تھی اور وہ در و دیوار کو پان کی پیک کی گلکاریوں سے سجاتا رہتا تھا۔ علاقے میں جگہ جگہ اس کے شاہکار نظر آتے تھے۔ وہ اسکول لگنے کے وقت اور چھٹی ہونے کے بعد بڑی باقاعدگی سے لچر' بے ہودہ فلمی گانے گاتا اور لڑکیوں پر آوازے کستا' اسی قماش کے دوسرے بھی تھے لیکن علی بخش کے دادا جان ان جیسے لوگوں کے لئے بڑے خطرناک تھے۔ ریٹائرڈ فوجی تھے اور اب بھی اتنا کس بل رکھتے تھے کہ علی بخش جیسے لونڈوں کو دو چار ہاتھ میں لمبا کر دیں' پانچوں وقت کے نمازی اور نیک فطرت انسان تھے۔ محلے کے سب لوگ انہیں دادا جان کہتے تھے۔ ایک روز میں کالج سے آ رہا تھا کہ وہ راستے میں مل گئے۔ میں نے سلام کیا تو رک گئے۔

"کیا حال ہے منصور میاں' کیسی پڑھائی ہو رہی ہے؟" انہوں نے شفقت سے پوچھا۔

"خدا کا احسان ہے' دادا جان۔ آپ بزرگوں کی دعائیں ہیں۔"

"خدا عمر دراز کرے میاں۔ بارہویں میں پڑھ رہے ہو نا؟"

"جی دادا جان۔"

"ایک وہ اپنے علی بخش ہیں۔ آوارہ گردی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ لاکھ کوشش کی کہ کچھ پڑھ لکھ جائیں لیکن چوتھی جماعت پاس کر کے نہ دی۔ نہ جانے زندگی میں کیا کریں گے۔"

"دادا جان' غیبت گناہ ہے لیکن ایک ایسی بات بتانا چاہتا ہوں جو انسانی رشتے سے متعلق ہے۔ علی بھی دوسرے بے کار لڑکوں کی طرح اسکول کے وقت ہوٹل کے بینچوں پر جا بیٹھتے ہیں اور لڑکیوں کو چھیڑتے ہیں اگر آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے تو خود اپنی

آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان لوگوں کو سرزنش کریں۔ محلے والے سخت پریشان ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اس پر توجہ دیں گے۔"

"علی بھی ان میں شامل ہوتا ہے؟" دادا جان غصے سے کانپتے ہوئے بولے۔

"جی دادا جان۔"

"تمہارا شکریہ بیٹے۔" دادا جان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور آگے بڑھ گئے۔

دوسرے دن جب تمام لڑکے بے خبر بیٹھے اسکول کی چھٹی ہونے کا انتظار کر رہے تھے تو اچانک دادا جان ہوٹل کے عقب سے برآمد ہوئے۔ علی بخش ماتھے پر بالوں کا چاند بنائے ہونٹ پان سے رنگے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ دادا جان نے اس کی گردن ناپی۔

علی کی گھٹی گھٹی چیخ سے سب چونک پڑے اور بھگدڑ مچ گئی لیکن کیا مجال کہ علی ان کے چنگل سے نکل سکتا۔ دادا جان نے وہیں اس کی کھال ادھیڑ کر رکھ دی اور ہوٹل کے مالک امان اللہ کو وارننگ دی کہ اگر اسکول کے اوقات میں اس نے ہوٹل پر لڑکوں کا جمگھٹا ہونے دیا تو پھر اسے یہ ہوٹل بند ہی کرنا پڑے گا۔

کچھ عرصے تک لڑکے سہمے رہے کسی کو تفریح کی سوجھتی تو کہیں اور چلا جاتا تھا۔ علی بخش اس مخبر کی کھوج میں تھا جس نے دادا جان کو اطلاع دی تھی۔ شبہے میں وہ کئی لوگوں سے لڑ بھی چکا تھا اور پھر نجانے کس طرح اسے میرے بارے میں علم ہو گیا۔ منو کی پان کی دکان کے نزدیک ایک دن اس نے مجھے پکڑ لیا۔ میں کالج سے واپس آ رہا تھا۔ علی کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے۔

"دادا جان سے شکایت کس نے کی تھی؟" علی بخش نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں نے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں، تو میرا خیال ٹھیک تھا۔" علی نے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مارو سالے کو۔" ایک لڑکے نے کہا۔ میں نے کتابیں پان کی دکان پر رکھ دیں اور آگے بڑھ کر اس لڑکے کا گریبان...... پکڑ لیا۔

"مارو سالے کو۔ کیوں؟" میں نے کہا اور ایک گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑایا تو میں نے اس کے لات رسید کر دی۔ معاً علی بخش اور دوسرا لڑکا مجھ سے لپٹ پڑا۔ میں لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں تھا لیکن تھا ان سب سے زیادہ تندرست و توانا۔ صبح دو گھنٹے کی کسرت سے میں نے اپنے بدن کو فولاد بنا لیا تھا چنانچہ میں نے تینوں کی زبردست ٹھکائی کی۔ ان لوگوں نے پہلی بار میرے ہاتھ دیکھے تھے۔

نہ جانے کس طرح اس وقت ابا آ گئے۔ انہوں نے ہنگامہ دیکھ کر گاڑی روکی اور مجھے دیکھ کر نیچے اتر آئے حالانکہ پلہ میرا بھاری تھا۔ ابا کو یہ دیکھ کر غصہ آیا کہ تین تین لڑکے مجھ سے لپٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے طیش میں آکر پستول نکال لیا۔

مجھے پہلی بار علم ہوا کہ ابا کے پاس پستول بھی ہے۔ لڑکے تو بھاگ کھڑے ہوئے لیکن محلے میں سنسنی پھیل گئی۔ شام کو پڑوس کے دس بارہ آدمی جمع ہوئے جن میں دادا جان بھی شامل تھے۔

ابا نے کہا۔ "مجھے صرف ان لوگوں سے کہنا ہے جن کے بیٹے محلے میں آوارگی کرتے ہیں وہ اپنی اولاد کو روکیں ورنہ یہ محلہ چھوڑ دیں۔ مجھے بھی یہیں رہنا ہے اور ان کو بھی جن کی بیٹیاں جوان ہو رہی ہیں۔ ہمیں اپنے ناموس کی حفاظت کرنا ہے اور اس حفاظت کے لئے اگر خون خرابہ بھی کرنا پڑا تو خدا کی قسم، دو چار کو میں ٹھنڈا بھی کر دوں گا، میرا لڑکا اس لفنگے پن میں شامل نہیں ہے لیکن اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اسے بھی غلط راستے پر دیکھے تو آپ کو اجازت ہے کہ اس کی دونوں ٹانگیں توڑ کر اسے گھر پہنچا دیں۔ میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔"

"بچے ہیں احمد میاں۔ عقل آ جائے گی تو خود ٹھیک ہو جائیں گے تمہیں ان پر پستول نہیں نکالنا چاہئے تھا۔" ایک صاحب نے اعتراض کیا۔

"خود ٹھیک نہیں ہوں گے۔ انہیں ٹھیک کرنا ہو گا۔ ہم ان کے خود بخود ٹھیک ہونے کا انتظار کر کے کسی المناک حادثے کو دعوت نہیں دیں گے۔" ابا نے سخت لہجے میں کہا۔

اس سے قبل کہ کوئی کچھ بولے، دادا جان بول پڑے۔ "احمد میاں نے ٹھیک کیا۔ بچوں سے کسی کو نفرت نہیں ہوتی میاں! لیکن برائیوں کو بڑھنے سے پہلے ہی روکنا ضروری ہے۔ میرے گھر جا کر دیکھو علی چلنے پھرنے سے رہ گیا ہے۔ جو کرنا ہے آج کرو۔ کل کا انتظار حماقت ہے۔"

دادا جان نے سب کو لاجواب کر دیا اور سب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی کریں گے لیکن اکثر لوگ ہم سے ناراض بھی ہو گئے۔ خاص طور پر لفنگے میرے دشمن بن گئے۔ اب آوارگی ہوتی تھی لیکن محلے سے باہر۔ ابا کے پستول نے زبانیں بند کر رکھی تھیں ورنہ شاید کچھ ہو کر رہتا۔ بہرحال میں اپنی تعلیم میں مصروف تھا۔ امتحانات میں بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا۔

میری بہن فریدہ نے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا تو ابا نے پورے محلے میں مٹھائی تقسیم کی۔ فیضان کے گھر میں خود مٹھائی لے کر گیا۔ محلے میں فیضان ہی ایک ایسا لڑکا تھا جس سے میری دوستی تھی۔ وہ بھی میری طرح لکھنے پڑھنے کا شوقین اور فضول باتوں میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اس کے والد ایئرپورٹ سیکورٹی فورس میں ملازم تھے۔ درمیانے درجے کی زندگی گزارتے تھے بہرحال اچھے لوگ تھے...... البتہ فیضان کی نانی کسی قدر متفنی عورت تھیں۔ ایک ایک گھر کا گشت ان کا معمول تھا اور پھر یہاں کی وہاں، وہاں

کی یہاں، لگانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہمارے ہاں انہیں زیادہ گھاس نہیں ڈالی جاتی تھی، امی ان سے کافی محتاط رہتی تھیں۔ ان کی زبانی دوسرے گھروں کی کہانیاں سنتی تھیں۔ اس لیے نہیں چاہتی تھیں کہ اپنی بھی کہانیاں دوسرے گھروں تک پہنچیں۔

مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر نانی نے آنکھیں مٹکائیں۔ "کیسی مٹھائی ہے منصور میاں؟"

"فریدہ نے میٹرک پاس کرلیا ہے نانی۔" میں نے جواب دیا۔

"پورے پورے ڈبے بانٹے ہیں احمد علی نے یا صرف ہمارے ہاں......!"

"نہیں نانی۔ ابا نے ہر گھر کے لئے ایک ڈبا بنوایا ہے۔"

"سینکڑوں روپے کی مٹھائی منگوائی ہو گی۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی منصور میاں! تمہاری کوئی جائداد وغیرہ ہے۔ زمینیں ہیں کہیں؟"

"نہیں نانی۔ کیوں؟"

"تمہارے ابا صرف ڈرائیور ہیں۔ کیا تنخواہ ملتی ہو گی ڈرائیور کو، چار سو؟ اور تمہارا گھر بھرا ہوا ہے۔ ہر چیز موجود ہے جب کہ مجھے یاد ہے کہ جب تم اس محلے میں آئے تھے تو بانوں کی چار پائیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہائے یہ سب کچھ ڈرائیوری سے ہوا ہے؟...... پورے محلے کا خیال ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ورنہ یہ پورے پورے ڈبے گھروں میں نہ بانٹے جاتے۔"

"اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ خدا سب کو دیتا ہے۔ اور پھر آپ کو کیا پڑی ہے کہ دوسروں کے گھروں کی ٹوہ لیں۔" فیضان کی ماں نے اپنی ماں کو ٹوکا۔

"خدا تو سب کو دیتا ہے مگر شاید احمد علی کو کوئی اور بھی دیتا ہے۔ تو کون ہوتی ہے مجھے ٹوکنے والی! پہرے بٹھائے گی میری زبان پر؟ لے ذرا بچے سے بات کرنے بیٹھ گئی تو زبان پکڑنے دوڑی۔ ارے میں کسی کا دیا کھاتی ہوں؟ مجھے کیا پڑی ہے گھر گھر کی ٹوہ لینے کی۔ سب کہتے ہیں تو میں نے بھی کہہ دیا اور تو کان کھول کر سن لے! اپنے میاں کی پینشن کھا رہی ہوں داماد کے ٹکڑوں پر نہیں آ پڑی ہوں جو اکڑ اکڑ کر بولتی ہے۔ ساری دنیا چھوڑ کر مامتا سے تیرے گھر پڑی ہوں ورنہ کیا میرے لئے ٹھکانے نہیں ہیں۔"

فیضان کی ماں بے چاری دم سادھ کر رہ گئی۔ لیکن میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا۔ ابا کسی سیٹھ کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھے اور ڈرائیور کی اتنی تنخواہ تو نہیں ہوتی۔ کیا چیز تھی جو ہمارے ہاں موجود نہیں تھی۔ فریدہ میٹرک تک جا پہنچی تھی۔ میں کالج میں پڑھ رہا تھا۔ اچھے خاصے اخراجات تھے ہمارے۔ کبھی کسی چیز کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ تو کیا ابا کچھ اور بھی کرتے ہیں؟ لیکن کیا؟

میں فیضان کے گھر سے یہی خلجان لیے لوٹا اور امی سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"امی۔ ابا کو کیا تنخواہ ملتی ہے؟"

"پانچ سو روپے۔ کیوں، آج یہ خیال کیسے آ گیا؟"

"لیکن امی ہمارا رہن سہن تو اس تنخواہ سے کہیں زیادہ ہے۔"

"تمہارے ابا دن رات جتے جو رہتے ہیں۔ سیٹھ جس وقت بھی بلا لے، خواہ آدھی رات ہو۔ وہ چون و چرا نہیں کرتے۔ وہ تمہارے ابا سے بہت خوش ہے اور اکثر انعام بھی دیتا رہتا ہے۔"

"امی لوگ ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جس دن سے ابا نے لڑکوں پر پستول نکالا ہے، ہمارے بارے میں افواہیں اڑنے لگی ہیں۔"

"میں نے پوچھا تھا بیٹے۔ پستول سیٹھ صاحب کا تھا۔ وہ اکثر کار میں رات کو سفر کرتا ہے۔ اس لئے اپنی حفاظت کے لئے پستول رکھتا ہے لیکن تمہیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے! اس محلے کے رہنے والے تم جانتے ہو جیسے ہیں۔ ان افواہوں پر کان نہ دھرا کرو۔"

"جی۔" میں نے گردن ہلا دی۔ ذہن کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ یوں بھی یہ میرا مسئلہ نہیں تھا۔ شب و روز گزرتے رہے۔ میں امتحان کی تیاریوں میں لگا رہا۔ پہلے بھی کسی سے ملنا جلنا زیادہ نہیں تھا اور اب تو بالکل ہی گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ہاں پڑوس کے حالات خود بخود کانوں تک پہنچ جاتے۔ عزیز کو چوری کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ علی کا کسی سے جھگڑا ہو گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ حافظ یوسف مکان چھوڑ کر چلے گئے اور ان کے مکان میں فیروز نامی کوئی شخص آ گیا جو بڑا جھگڑالو ہے اور دو بار چاقو نکال چکا ہے۔ علی بخش گھر سے بھاگ گیا تھا لیکن پکڑا گیا۔

ان ساری باتوں کی تفصیل امتحان کے بعد ہی معلوم ہوئی۔ فیروز خان ایک ہٹا کٹا، خوفناک شکل کا آدمی تھا۔ محلے کے اوباش لڑکوں نے اس سے دوستی گانٹھ لی تھی اور اکثر اس کے ہاں جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ فریدہ کے بارے میں ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ کالج میں اسے داخلہ دلایا جائے یا نہیں۔ ابا اس کی مزید تعلیم کے خلاف تھے لیکن امی کا کہنا تھا کہ بچی کو شوق ہے تو پڑھنے دیا جائے۔ حالات اچھے ہیں اور اس کی تعلیم کسی دشواری کا باعث نہیں ہے۔ بہرحال ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔

اس شام بارش ہو گئی۔ سردی پہلے ہی شدید تھی۔ بارش کی وجہ سے پالا پڑنے لگا۔ ابا کہہ کر گئے تھے کہ دیر سے آئیں گے۔ امی اس وقت تک جاگتی رہتی تھیں جب تک ابا نہیں آ جاتے تھے خواہ رات کے چار بج جائیں۔ ہم بہن بھائی سو جاتے تھے۔ رات کا نہ جانے کیا بجا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ ابا آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے اور امی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ بتی جل رہی تھی۔ ابا کی کراہوں سے میری نیند کافور ہو گئی۔ میں تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے امی۔ کیا ہوا؟"

"تمہارے ابا کے سینے میں سخت درد ہو رہا ہے منصور۔ بے حال ہوئے جا رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس وقت کیا کروں؟"

"ڈاکٹر صاحب کے گھر چلا جاؤں؟ ان کے پاس تو موٹر سائیکل ہے۔ آ جائیں گے۔"

"نہیں منصور۔ صبح کو دیکھا جائے گا۔ ویسے میں صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ہوا لگ گئی ہے۔" ابا نے کراہتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی ابا۔ میں دوڑتا ہوا جاؤں گا۔"

"باہر پالا پڑ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی قیمت پر اس وقت باہر نہیں نکلیں گے۔ تمہارا جانا بے سود ہو گا۔ میں اس وقت تمہیں گھر سے نہیں نکلنے دوں گا۔"

"منصور تم انگیٹھی جلا کر لے آؤ۔ باورچی خانے میں کوئلے پڑے ہوئے ہیں۔ لاؤ ذرا سینکائی کروں۔ ممکن ہے فائدہ ہو جائے۔" امی نے کہا اور میں سردی سے بے نیاز دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انگیٹھی جلا کر لے آیا۔ فریدہ بھی جاگ گئی تھی اور امی کے کہنے پر چائے بنانے چلی گئی تھی۔ ابا کی کراہیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

امی بے چاری جو کچھ کر سکتی تھیں، انہوں نے کیا۔ صبح میں منہ اندھیرے ڈاکٹر صاحب کے ہاں دوڑا دوڑا گیا۔ اس وقت بھی اتنی سردی تھی کہ........ دانت بج رہے تھے۔ سورج آج بھی نہیں نکلا تھا۔ ان ڈاکٹر صاحب سے ابا کی کچھ شناسائی تھی۔ انہوں نے پہلے تو کچھ تامل کیا لیکن جب میں نے صورت حال بتائی تو چلنے کو تیار ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ موٹر سائیکل پر گھر آیا۔ ابا کی حالت اسی طرح تھی۔ پڑوسن خالہ، امی کے پاس تھیں اور ان کے شوہر بھی آ گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو انگیٹھی پر ہاتھ سینک کر اپنی حالت درست کی۔ پھر ابا کا معائنہ کیا آلہ لگا کر دیر تک دیکھتے رہے پھر بولے۔ "ڈبل نمونیہ ہے اگر فوراً کنٹرول کر لیا جاتا تو شاید حالت سنبھل جاتی۔ لیکن اب مشکل ہے۔ فوراً ہسپتال لے جانا ہو گا۔"

امی رونے لگیں۔ ہمارے پڑوسی اللہ دین خالو نے انہیں تسلی دی۔ میں بڑی مشکل سے ٹیکسی تلاش کر کے لایا اور ہم ابا کو ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سفارش کی تھی جس کی وجہ سے ابا کو فوراً ہسپتال والوں نے داخل کر لیا۔ لیکن اسی دن ایک بجے مجھے اپنی زندگی کے سب سے المناک لمحات سے دو چار ہونا پڑا۔

ابا کے انتقال کی خبر ماں اور بہن کو مجھ بدنصیب نے ہی سنائی۔ ابا اس طرح اچانک چلے گئے تھے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ امی پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ سب کچھ ایک خواب کے سے عالم میں ہوا۔ تجہیز و تکفین ہوئی۔ سوئم ہوا۔ چالیسواں ہوا۔ لیکن

سب کچھ ایک بے یقینی کے عالم میں ہوا۔

زندگی کے بیس سال ایک حساس نوجوان کو بہت کچھ دے دیتے ہیں۔ گو میری پرورش ایسے محلے اور ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں ذہن اور ذات کی کوئی انفرادیت نہیں ہوتی۔ فکر و نظر محدود ہوتی ہے۔ ذمے داریاں ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتیں۔ لیکن میں کسی قدر منفرد سوچ کا حامل تھا۔ انسانیت کے اصولوں سے بچپن ہی سے متاثر تھا اور اسی بنا پر بہت سی نگاہوں میں خار تھا۔ محلے کے اوباش مجھے اپنے راستے کا پتھر سمجھتے تھے اور ان کی آنکھوں سے میرے لئے نفرت ٹپکتی تھی۔

ان دنوں صحت بھی کچھ گر گئی تھی۔ امی کے چہرے پر غم و اندوہ کی چھاپ لگ گئی تھی۔ وہ مسکرانا بھول گئی تھیں۔ میری پیاری بہن کے گالوں پر جھلکتی سرخی سنولا گئی تھی۔ یہ ساری باتیں مجھے خوفزدہ کرتی تھیں۔ اب ان پھولوں کے رنگ مجھے برقرار رکھنے تھے، مجھے، جس نے باپ کی زندگی میں کسی ذمے داری کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ اب میں سوچتا تھا کہ میں بے سہارا ہوں۔ اب کسی سے جھگڑا ہو گیا تو میرا باپ پستول نکال کر نہیں کھڑا ہو گا۔ مجھے خود ہی سب کچھ کرنا ہے۔ فریدہ میری عزت۔ ماں میری جنت۔ مجھے ان دونوں کو قائم رکھنا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ تعلیم ترک کر دوں۔ ابا نے ایک اچھا گھر بنایا تھا۔ ہماری پرورش میں انہوں نے کہیں بھی مایوسی اور حسرت پیدا نہیں ہونے دی تھی اور اس کے لئے انہوں نے جو کچھ کمایا وہ خرچ کر دیا تھا۔ امی بھی کچھ زیادہ دور اندیش نہیں تھیں۔ اس لئے انہوں نے بھی کچھ پس انداز نہیں کیا تھا۔ چنانچہ فریدہ کے بہتر مستقبل کے لئے مجھے اب میدان عمل میں آنا تھا۔

نانی کہہ رہی تھیں۔

"اے بیٹی۔ جانے والے تو چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بے شمار یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن صبر کرنا پڑتا ہے۔ تمہارے آگے بچے ہیں۔ خاص طور سے بیٹی۔ ماشا اللہ فریدہ سیانی ہو گئی ہے۔ اس کے لئے کیا سوچا تم نے؟"

"کچھ بھی نہیں نانی۔ جو سوچنے والا تھا۔ اس نے اچانک منہ موڑ لیا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے؟" امی نے غمزدہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں۔ خدا اسے جنت نصیب کرے۔ ویسے کمائی تو اچھی تھی۔ بیٹی کا جہیز تو جوڑا ہی ہو گا تم نے۔ میری مانو تو جو پہلا رشتہ آئے اسے منظور کر کے دو بول پڑھوا دو۔"

"افسوس نانی، کچھ نہیں کیا۔ ابھی تو ہم راستے ہی میں تھے، کمایا اور کھا لیا۔ یہ تو خیال بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی ذمے داریاں پوری کئے بغیر ہی چلے جائیں گے۔ اب تو زندگی فکروں اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں رہ گئی۔ بچہ بھی ابھی اس قابل نہیں ہے۔"

"یہ تو واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

نانی نے کہا تو امی ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"وہ اپنا فضل کریم ہے نا' دودھ والا۔ تین بھینسیں ہیں۔ چالیس پچاس روپے روز کما لیتا ہے۔ تمہیں تو پتہ ہو گا بے چارے کی بیوی مر گئی پچھلے سال۔"

"ہاں ہاں نانی' ہمارے ہاں بھی تو دودھ وہی دیتا ہے۔" امی نے سادگی سے کہا۔

"کئی بار کہہ چکا ہے کہ نانی کہیں نکاح کرا دو' تو بیٹی! وہی ایک ایسا ہے جسے جہیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم کہو تو بات کروں۔"

میرا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ 'تو فریدہ ابا کے مرنے کے بعد کیا اتنی بے وقعت ہو گئی کہ دودھ والا........ فضل کریم دودھ والا...... میرا دل چاہا کہ نانی کی گردن دبا دوں۔ اتنا دباؤں کہ ان کی زبان باہر نکل آئے۔ تب وہ زبان کاٹ کر میں گندی نالی میں پھینک دوں۔ فضل کریم میرا بہنوئی؟ فریدہ کا شوہر؟ جس کے بدن پر ہر صبح ایک انگوچھا اور ایک بنیان ہوتی تھی۔ ہاتھ میں دودھ کا ڈبا اور۔ دودھ ناپنے کا پیمانہ۔ وہ۔ وہ۔ وہ۔ میرا بہنوئی...'

امی پھٹی پھٹی آنکھوں سے نانی کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے اوپر جو بیت رہی تھی مجھ سے چھپی نہیں تھی۔ اچانک ان کی دھاڑ گونجی۔ "نانی۔ نکل جاؤ۔ نکل جاؤ۔ ابھی اسی وقت۔" وہ دیوانوں کی طرح چیخیں اور نانی جلدی سے پلنگ سے اتر گئیں۔

"اے کیا ہوا بیٹی۔ کیا ہو گیا؟"

"نکل جاؤ۔" امی نے نانی کے شانوں پر دو ہتھڑ مارے اور نانی دروازے کی طرف لپکیں۔

"اے میں کہتی ہوں' ہوا کیا۔ بیٹھے بٹھائے ! اے..... اے۔" نانی کے منہ سے نکل رہا تھا۔ امی نے ان کا کفن نما برقعہ ان کے منہ پر دے مارا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں۔ غیرت نہیں آئی۔ کاش تمہاری بھی کوئی اور بیٹی ہوتی۔ تم بیاہ دیتیں اسے فضل کریم کو۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" اب نانی کا لہجہ بدلا۔

"جاتی ہو یا نہیں۔" امی نے آگے بڑھ کر سل کا پتھر اٹھا لیا اور نانی برقعہ سر پر رکھے بغیر' کھٹ سے باہر نکل گئیں۔ راستے میں انہوں نے جو بھی واویلا کیا ہو لیکن دروازے پر ان کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ امی دیوار سے لگی زار و قطار رو رہی تھیں۔ فریدہ ہکا بکا کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ میں نے امی کے ہاتھ سے سل کا پتھر چھین کر پھینک دیا۔

"رو کیوں رہی ہیں امی۔ یہ تو دنیا ہے اور نانی کی تو یوں بھی مت ماری گئی ہے۔ ابا مر گئے تو کیا ہوا امی' آپ سمجھ لیں کہ آپ پر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ ایک ہی بہن ہے۔ میں اس کے لئے ساری دنیا کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ میں اس کی شادی ایسی جگہ

کروں گا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ وہ آپ کے سر کا بوجھ نہیں ہے امی۔ میری ذمہ داری ہے۔"

میرے الفاظ امی کے لئے بہت بڑی ڈھارس بن گئے۔ میں نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ "دیکھئے امی۔ اس سینے کی چوڑائی میں آپ چھپ جاتی ہیں۔ جب تک یہ آپ کی ڈھال ہے' آپ کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔ میں آپ کو کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔"

امی مجھ سے لپٹ کر آنسو بہاتی رہیں لیکن اب ان کے آنسوؤں میں وہ شدت اور چہرے پر وہ بے بسی نہیں تھی۔ فریدہ نے اور میں نے' انہیں کافی سمجھایا اور ان کے آنسو تھم گئے لیکن وہ رات میں نے کانٹوں پر پہلو بدل بدل کر کاٹی ابا جس سیٹھ کے ہاں ملازمت کرتے تھے' میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا بس دو ایک بار ابا کے ساتھ بازار گیا تھا تو انہوں نے راستے میں سیٹھ کی کوٹھی دکھائی تھی۔ ان کی موت کے بعد ایک بار سیٹھ کا آدمی آیا تھا اور اس نے رسمی سے پرسان حال کے بعد پانچ سو روپے امی کو دیئے تھے جو ابا کی تنخواہ تھی۔ رات کے آخری پہر' میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے ملازمت کر لینی چاہیئے' گھر کی کفالت کے ساتھ فریدہ کا مستقبل اب میری قوت بازو کا منتظر ہے اور اس کے لئے ابتداء سیٹھ عبد الجبار کے پاس سے ہی کرنی چاہیئے۔ اپنے ابا کے حوالے سے میں اس سے مل سکتا تھا۔

امی سے مشورہ کرنا فضول تھا۔ ان سے آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہ ملتا جو ہماری پریشانیوں کا حل نہیں تھے۔ مجھے وہی کرنا تھا جو وقت کی ضرورت تھی۔ خوابوں کی تعبیر الٹی بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے مجھے جو کچھ بنانے کے خواب دیکھے تھے وہ بے بنیاد تھے۔ چنانچہ دوسرے دن صبح میں تیار ہو گیا۔

"کہاں جا رہے ہو' منصور؟" امی نے پوچھا۔

"کچھ کام ہیں امی۔" میں نے جواب دیا۔

"کب تک واپس آ جاؤ گے بیٹے؟"

"دوپہر تک۔" میں نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

جھونپڑی ہوٹل کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ چند لڑکوں نے میرا راستہ روک لیا۔

"استاد بلا رہے ہیں۔"

"کون استاد؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا تو....... ایک لڑکے نے ہوٹل کی بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ فیروز کو میں پہچانتا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا گھٹے ہوئے سر کے ساتھ ننگے بدن بیٹھا ہوا تھا۔ گلے میں تعویذ پڑا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔

"تمہارا نام منصور ہے بابو جی؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے۔؟" میں نے سوال کی۔

"کچھ نہیں، بچے بڑی شکایت کرتے ہیں تمہاری۔ سنا ہے تم نے بڑے باز دکھائے ہیں مگر اب ایسا مت کرنا بابو جی۔ بچے اس عمر میں کھیلیں گے کھائیں گے نہیں تو بوڑھے ہو کر ایسا کریں گے! خود بھی عیش کرو اور انہیں بھی کرنے دو۔ تمہارا کیا جاتا ہے) ویسے میرا نام فیروز ہے۔"

"کوئی کام ہے مجھ سے؟" میں نے پوچھا۔

"بس یہی کام تھا بابو جی۔ بچوں کو اب شکایت نہیں ہونی چاہیئے اور ہاں کبھی کبھار سلام کرنے آ جایا کرو ڈیرے پر۔ بڑی برکت ہے دعا سلام میں۔"

جی تو چاہا اسی وقت سلام دعا شروع کر دوں لیکن امی اور فریدہ کے چہرے سامنے آ گئے اور میں آگے بڑھ گیا۔ فیروز کی مکروہ ہنسی دور تک میرا تعاقب کرتی رہی۔ دیر تک ذہن کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خون کھول گیا تھا میرا لیکن اب واقعی وہ حالات نہیں تھے۔ کوئی بھی اونچ نیچ ماں اور بہن کے لئے مہلک بن جاتی۔ نوکری مل جائے تو یہ مکان بھی بیچ دوں گا۔ اس کی رقم فریدہ کے لئے رکھ لوں گا اور کسی کرائے کے مکان میں زندگی بسر کر دوں گا۔

انھی خیالات میں ڈوبا ہوا سیٹھ جبار کی کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا کوٹھی کیا تھی پورا محل تھا۔ گیٹ پر کوئی نہیں تھا۔ ایک شارع کوٹھی کے صدر دروازے تک گئی تھی جس پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف سبز گھاس کے وسیع میدان تھے۔ میں ٹھٹکا پھر ہمت کر کے اندر داخل ہو گیا۔ آخری سرے پر مالی کیاریوں میں کام کر رہا تھا۔ اس کے سوا دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ سوچا کہ مالی سے بات کروں لیکن پھر قدم خود بخود صدر دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ ابھی قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک لڑکی اندر سے نکلی۔ فریدہ کی تقریباً ہم عمر ہو گی لیکن چھوٹی بچی بنی ہوئی تھی۔ گھٹنوں تک سفید خوبصورت فراک، سنہرے بالوں کے گچھوں میں سیاہ ربن، آنکھوں میں شوخی اور شرارت ایک نگاہ میں ہی ناز ابھرا۔

"فرمایئے۔" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"سیٹھ عبدالجبار صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو مشکل ہے۔ ہم لوگ باہر جا رہے ہیں۔ کوئی خاص کام ہے تو مجھے بتا دو۔ ڈیڈی سے کہہ دوں گی۔" لڑکی نے قدرے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"میرا نام منصور ہے۔ احمد علی......" میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک طویل قامت شخص گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس اندر سے نکلا۔ بڑی بارعب شخصیت تھی۔ چہرے

لگا نہیں جمتی تھی۔ میرے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ بھلا میں اس شخص سے بات کیسے کروں گا؟

"کیا بات ہے اینجل؟ کون ہے یہ؟" اس شخص نے نزدیک آ کر کہا۔

"منصور ہیں ڈیڈی، سولی پر چڑھنے آئے ہیں۔" لڑکی نے شگفتگی سے جواب دیا۔

"ہر وقت شرارت اچھی نہیں اینجل۔" سیٹھ جبار نے اسے پیار سے ڈانٹا اور مجھ سے پوچھا۔ "کیا بات ہے، کون ہو تم۔ کیوں آئے ہو؟"

"جی، میرا نام منصور ہے۔ احمد علی کا لڑکا ہوں۔ جو آپ کے ہاں ڈرائیور تھے جن کا انتقال پچھلے ماہ ہوا ہے۔"

"اوہو۔ تم احمد علی کے بیٹے ہو! ہاں مرحوم نے کئی بار تمہارا تذکرہ کیا تھا۔ مجھے احمد علی کی موت کا بہت رنج ہے۔ کہو، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ کوئی کام ہے مجھ سے؟" سیٹھ صاحب کی آواز نرم تھی۔

"جی۔ میں ملازمت چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ ڈرائیونگ کر لیتے ہو؟"

"جی نہیں۔ ویسے میں نے انٹر کیا ہے۔"

"وقت ضائع کیا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ کوئی ہنر سیکھتے نجانے تم جیسے لوگ اونچے خواب کیوں دیکھنے لگتے ہیں! ہوتے کچھ ہیں بننا کچھ چاہتے ہیں، خیر۔ تم اگر چاہو تو کل سے آ سکتے ہو۔ میں ڈرائیور سے کہہ دوں گا کہ تمہیں ڈرائیونگ سکھا دے پھر تم اپنے باپ کا کام سنبھال سکتے ہو۔ اور ہاں، احمد علی وفادار آدمی تھا، اس لئے تمہاری تنخواہ کل سے ہی شروع ہو جائے گی۔ احمد علی کو پانچ سو روپے ملتے تھے۔ تمہیں بھی اتنے ہی دیا کریں گے۔ لیکن دس بارہ دن میں سیکھ لینا۔ ٹھیک ہے؟" سیٹھ صاحب نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"آؤ اینجل۔" وہ لڑکی کو لے کر آگے بڑھ گئے......... اور مجھے سوچ کی لہروں میں چھوڑ گئے۔ ابا ایک معمولی ڈرائیور تھے۔ انہیں کیا حق تھا کہ مجھے اسکول اور کالج کی راہ پر ڈالتے! کیوں نہ کسی میکنک کے پاس یا ورکشاپ میں بٹھایا جہاں میں اپنے طبقے کے مطابق کارآمد آدمی بنتا۔ سیٹھ صاحب نے اپنے طبقے کی نمائندگی کرتے ہوئے صحیح کہا تھا کہ رینگنے والوں کو اڑنے کا تصور نہیں کرنا چاہیئے۔ ڈرائیور کے بیٹے کو ڈرائیور ہی بننا چاہیئے۔ لیکچرار یا ڈاکٹر نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بابو گیری کے خواب دیکھ لے........

"کیا بات ہے میاں۔ کیوں کھڑے ہو یہاں؟" آواز سن کر میں چونکا تو مالی سر پر کھڑا تھا۔

میں نے اس سے معذرت کی اور کوٹھی سے نکل آیا۔ گھر جانے پر امی سوالات

کرتیں اور مجھے جواب دینا پڑتے۔ نجانے صورتحال کیا ہوتی! اس سے نمٹنے کے لیے مہلت
درکار تھی۔ سیٹھ جبار نے برا سلوک نہیں کیا تھا البتہ انسانی تفریق کا احساس بیدار کر دیا
اور یہ ایک حقیقت تھی۔ اس سے مفر نہ تھا۔ مجھے ان کی پیش کش کو قبول کرنا ہو گا۔ ا
کی بیوگی کی خاطر' فریدہ کے مستقبل کے لئے..... آخر خود کو قائل کر کے میں گھر لوٹا۔

"کہاں گئے تھے منصور؟" امی نے حسب عادت پوچھا۔

"نوکری تلاش کرنے اور آپ کی دعا سے کامیاب لوٹا ہوں۔" میں نے جواب
اور امی ہکا بکا مجھے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت اور کرب کے سائے لہرا گئے۔

"کہاں ملی ہے نوکری؟" انہوں نے بجھے دل سے کہا۔

"سیٹھ جبار کے ہاں۔ وہی ملازمت جو ابا کی تھی۔ سیٹھ صاحب بہت اچھے انسان
معلوم ہوتے ہیں۔ ڈرائیونگ نہیں جانتا لیکن سیکھ لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں امی۔ ہم ابا
واپس نہیں لا سکتے لیکن میں آپ کو ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔" امی ٹھنڈی
سانس بھر کر خاموش ہو گئیں۔ ان کے وہ سارے خواب بکھر گئے تھے جو انہوں نے میرے
مستقبل کے لئے دیکھے تھے...... دوسرے دن میں تیار ہو کر سیٹھ جبار کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔
اس وقت ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ کیا کروں' دفعتاً عقب سے ایک
نسوانی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔" میں چونک کر پلٹا۔ یہ اینجل تھی۔ وہ پسینے میں شرابور
تھی....... اس نے ایک رنگین نیکر اور دھاری دار بنیان پہن رکھی تھی۔ میری نگاہیں جھک
گئیں۔

"ڈیڈی تو رات کو چلے گئے۔ میرا خیال ہے تقریباً دس دن بعد آئیں گے۔"

"کک... کہاں چلے گئے؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔

"ساؤتھ ویلز' کاروباری دورے پر' لیکن تم فکر مت کرو۔ ڈیڈی نے میرے
سامنے ہی تم سے آج کے لئے کہا تھا۔ چلو میں ڈرائیور سے کہے دیتی ہوں وہ آج
تمہیں ٹریننگ دے گا۔ آؤ۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے اطمینان کی سانس
اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگر اس وقت اس لڑکی کا سہارا نہ مل جاتا تو نہ جانے مایوسی کے
کتنے غار کھل جاتے۔

کوٹھی کے عقب میں ملازموں کے کوارٹروں کی قطار تھی۔ چھوٹی بڑی کئی گاڑیاں
بھی کھڑی تھیں۔ انھی میں وہ کار بھی تھی جو میرے ابا چلاتے تھے۔ میری آنکھوں میں
تیر گئی۔ ڈرائیور ایک نوجوان اور تندرست آدمی تھا۔ اینجل کی آواز پر وہ بوکھلایا ہوا سا
کوارٹر سے نکلا۔

"کل ڈیڈی نے ان سے کہا تھا کہ یہ تم سے ڈرائیونگ سیکھیں۔ جس قدر
ممکن ہو' انہیں ڈرائیونگ سکھانی ہے۔" اینجل نے کہا۔

"جو حکم بی بی جی۔" ڈرائیور نے ادب سے کہا۔

اینجل چل دی اور ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ "آؤ میاں' اندر آ جاؤ۔"
میں اس کے ساتھ اندر گیا۔ چھوٹے سے کوارٹر میں اس کی بیوی اور دو بچے بھی
تھے۔ اس نے بیوی سے چائے کے لئے کہا اور مجھ سے بولا۔

"میرا نام امجد ہے۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"منصور۔" میں نے جواب دیا۔

"پہلی بار نوکری کے لئے نکلے ہو؟" اس نے پوچھا اور میں نے اثبات میں گردن
ہلا دی۔

"مگر ڈرائیوری ہی کیوں؟"

"میرے والد بھی یہاں ملازم تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ نیلے رنگ کی کار
چلاتے تھے۔"

"کون احمد علی؟ تم ان کے بیٹے ہو۔" امجد نے تعجب سے پوچھا اور میں نے سر
کے اشارے سے جواب دیا۔

"ارے قاخرہ۔ یہ احمد علی کا بیٹا ہے۔ تم تو پڑھ رہے تھے؟" امجد نے کہا اور اس
کی بیوی بھی قریب آ گئی۔

"جی ہاں۔ ابا کی موت کے بعد تعلیم کیسے جاری رکھ سکتا تھا؟" میں نے کہا۔

دونوں میاں بیوی مجھ سے اظہار ہمدردی کرتے رہے۔ امجد نے کہا کہ میں کسی
بات کی فکر نہ کروں وہ بہت جلد مجھے ڈرائیونگ میں طاق کر دے گا۔ وہ ابا کا بہت مداح تھا
اور دیر تک ان کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اس نے اسی دن مجھے دو گھنٹے تک ایک
میدان میں ٹریننگ دی۔ اگلے روز میں مقررہ وقت پر کوٹھی پہنچ گیا اور شام پانچ بجے تک
وہیں رہا۔ اس دوران میں دو گھنٹے تک میدان میں کار کے اسٹیرنگ پر بیٹھا رہا۔ ایک ہفتے
کے اندر میں اس قابل ہو گیا کہ کار سڑک پر لے آؤں۔ امجد میری لگن اور ہوشیاری سے
بہت خوش تھا اور اس نے میری بہت حوصلہ افزائی کی جس سے میرا اعتماد بحال رہا۔

پھر ایک دن سنا کہ سیٹھ صاحب دورے سے واپس آ گئے۔ لیکن ان سے سامنا
نہیں ہوا۔ نجانے میرے بارے میں کسی نے انہیں بتایا بھی تھا یا نہیں۔ میں عموماً امجد کے
کوارٹر میں ہی رہتا تھا۔ اس کی بیوی جسے میں بھابی کہنے لگا تھا مجھ سے بہت مہربانی سے پیش
آتی تھی۔ ایک شام میں کوارٹر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا۔

"امجد بھائی کہاں ہیں؟ بیگم صاحب کو کہیں جانا ہے۔" اس نے کہا۔

وہ تو کسی کام سے گئے ہیں۔ منصور' تم چلے جاؤ۔" بھابی نے کہا اور میں جلدی
سے کھڑا ہو گیا۔ نیلی کار اب میری تحویل میں ہی رہتی تھی۔ میں اسے خوب چمکا کر رکھتا تھا

کیونکہ اس سے ابا کی یاد وابستہ تھی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پورٹیکو میں لے گیا۔ بیگم صاحبہ کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا خوب لمبی تڑنگی' گوری چٹی خاتون تھیں۔

"اینگل روڈ چلو۔ کوٹھی نمبر اٹھائیس۔ آفتاب صاحب کا مکان دیکھا ہے تم نے؟"

"جی میں آپ کو کوٹھی تک لے چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کون ہو تم؟ نئے آئے ہو؟" بیگم صاحبہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"وردی نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"جی نہیں۔"

"وردی کا انتظام کرو اور ہاں گاڑی آہستہ چلانا۔" انہوں نے ہدایت کی۔

امجد نے مجھے راستوں سے خوب روشناس کرا دیا تھا۔ اس لئے میں نے اطمینان سے بیگم صاحبہ کو ان کی مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔ وہاں سے واپسی ہوئی تو سیٹھ صاحب لان پر ہی مل گئے۔ میں نے اتر کر ادب سے سلام کیا تو وہ مجھے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"ارے تم گاڑی چلا رہے ہو؟ تم احمد علی کے لڑکے ہو نا!"

"جی ہاں' جناب۔"

"سیکھ لی تم نے ڈرائیونگ؟ بہت خوب۔ ہونہار معلوم ہوتے ہو۔ کیسی گاڑی چلائی تھی اس نے بیگم؟"

"اچھی چلا رہا تھا۔"

"چلو بھئی۔ تم ہماری بیگم کو پسند آئے' تمہاری نوکری پکی۔ یہی گاڑی تمہارا باپ چلاتا تھا۔ ہاں ایک نصیحت سن لو۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھنا لیکن زبان بند رہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔ جاؤ کل تمہارا لائسنس وغیرہ بن جائے گا۔" سیٹھ صاحب کی نصیحت سمجھ میں نہیں آئی لیکن اسے پلے باندھنا ضروری تھا۔

پہلے ماہ کی تنخواہ کے پانچ سو روپے لے کر امی رو پڑیں۔ انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ چار ماہ گزر گئے اب میں ہر قسم کی گاڑی چلا لیتا تھا۔ ٹرک' پک اپ وغیرہ۔ سیٹھ صاحب کے ہاں گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ ہر روز ایک نئی چیز نظر آتی تھی۔ ان کی کئی فیکٹریاں تھیں۔ ملیں تھیں۔ شوروم تھے اور نہ جانے کیا کیا تھا؟ نہ جانے کتنے ملازم تھے؟ کئی ایک سے میری شناسائی ہو گئی۔ ان میں طارق بھی تھا صحت مند اور وجیہہ نوجوان...... کوئی خاص ہی حیثیت رکھتا تھا۔ تب ہی تو جب بھی آتا' سیٹھ صاحب اسے چائے وغیرہ ضرور پلاتے تھے۔ بہت خوش مزاج انسان تھا۔ ایک شام تقریباً چار بجے آیا۔ کسی کی تلاش میں تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو میرے نزدیک آ گیا۔

"یار منصور' ایک کام آ پڑا ہے۔ امجد بڑے بے وقت چلا گیا۔ چلو تم تیار ہو

جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"ابھی آیا طارق بھائی۔" میں نے جواب دیا اور امجد کے کوارٹر سے اپنا کوٹ اٹھا لایا۔

طارق نے اپنی کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ میں کسی قدر ہچکچاتا ہوا بیٹھ گیا۔

"پریشان کیوں ہو؟" طارق نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کسی سے اجازت نہیں لی طارق بھائی۔ کہیں کوئی شکایت نہ ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"پرواہ مت کرو۔ تم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا جائے گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ طارق مجھے ایک عمارت میں لے گیا۔ یہاں دوسرے لوگ بھی تھے۔ کچھ شناسا' کچھ اجنبی۔ شناسا اس حد تک کہ میں نے انہیں کبھی سیٹھ صاحب کی کوٹھی پر دیکھا تھا۔ طارق نے مجھے ایک آدمی کے سپرد کر دیا اور اسے کچھ ہدایات دیں۔ وقت گزرتا گیا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ طارق مجھے یہاں کیوں لایا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے میرے نگران نے مجھے چلنے کے لئے تیار ہونے کو کہا۔ پہلی بار مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہو رہی تھی۔ پریشان تھا کہ امی اور فریدہ فکر مند ہوں گی لیکن مجبوری تھی نوکری' نوکری ہوتی ہے۔ میں اس شخص کے ساتھ باہر نکل آیا اور اس نے ایک ٹرک کی چابی مجھے دی۔

"ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور جو یہ کہیں وہی کرنا۔" اس نے مجھے ہدایات دیں اور میں نے ٹرک کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کل چھ ٹرک تھے اور ان کا رخ شہر سے باہر کی جانب تھا۔ میں ان کے پیچھے چلتا رہا۔ ٹرک ایک سنسان ساحل پر پہنچ گئے جہاں سفید رنگ کی ایک بڑی لانچ لنگر انداز تھی۔ بہت سے لوگ اس سے مال اتار رہے تھے۔ ایک ٹرک میں مال لادا گیا اور وہ بھر گیا تو دوسرا اس کی جگہ لایا گیا۔ اسی طرح میرے ٹرک کی بھی باری آئی اور سارے ٹرک سامان سے لد کر چل پڑے۔ شہر سے تقریباً چالیس میل دور ایک ویران جگہ ٹرک رک گئے۔ یہاں ان سے مال اتارا گیا۔ یہیں طارق بھی نظر آیا لیکن اس سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ ٹرک ایک ایک کر کے جانے لگے اور صرف میرا رہ گیا تو وہ میرے پاس آیا۔

"ٹرک کو جہاں سے لائے تھے وہیں چھوڑ دو اور گھر چلے جاؤ۔ کوئی تمہیں گھر پہنچا دے گا۔" اس نے کہا اور سو سو کے تین نوٹ میری طرف بڑھائے۔ میں ہچکچایا تو اس نے نوٹ میرے کوٹ کی جیب میں ٹھونس دیئے اور کہا "یہ بونس ہے۔ خبردار' رازداری رہے۔" میں خاموشی سے ٹرک میں جا بیٹھا۔

راستے بھر یہ احساس کچوکے لگاتا رہا کہ جیسے یہ سب کچھ کوئی خفیہ کام ہے۔ شاید ناجائز بھی ہو۔ رات کی تاریکی، ساحل سمندر، لانچ سے مال اتارنا اور اسے ویران جگہ پہنچانا، تین سو روپے معاوضہ یا انعام۔ یہ سب بلاوجہ نہیں تھا لیکن وجہ کیا تھی؟ بے شک یہ میرا دردسر نہیں تھا تاہم میں اس میں ملوث تھا۔ انجانا سا خوف میری رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔

دو بجے گھر پہنچا تو امی اور فریدہ دروازے پر آنکھیں لگائے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر امی کی جان میں جان آئی۔

"اتنی دیر کیسے ہو گئی بیٹے؟" امی نے پوچھا۔

"ابا بھی تو دیر سے آتے تھے امی۔" میں نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ لیکن....."

"اور جب وہ دیر تک ڈیوٹی کرتے تھے تو انہیں اوور ٹائم بھی ضرور ملتا ہو گا۔"

"ہاں ملتا تھا۔"

"کتنے پیسے امی؟"

"تین سو روپے؟" امی نے بتایا تو میں نے تین نوٹ ان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"آج میں نے بھی اوور ٹائم کیا ہے۔" میں نے کہا اور امی میری صورت دیکھتی رہ گئیں۔ میں اندر چلا گیا۔ فریدہ میرے لئے کھانا لائی تو کہہ دیا کھا چکا ہوں اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن ذہن میں طوفان برپا تھا۔ یقیناً وہ اسمگلنگ کا مال تھا۔ طارق اسمگلر ہے۔ اگر سیٹھ صاحب کو اس کا پتہ چل گیا تو نوکری بھی جائے گی اور ممکن ہے جیل بھی بھجوا دیں۔ ابا بھی ضرور طارق کے ساتھ رہتے ہوں گے۔ فیضان کی نانی کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ ذہن دیر تک اسی عذاب میں مبتلا رہا پھر تھکاوٹ غالب آ گئی اور سو گیا۔

صبح جاگا تو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ذہن سے بوجھ بھی کم ہو گیا تھا۔ ناشتہ کر کے سیٹھ صاحب کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ پہلے تو سوچا کہ امجد بھائی سے تذکرہ کروں لیکن کہیں یہ تذکرہ مصیبت نہ بن جائے، یہ سوچ کر خاموش رہا۔ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا کہ کل شام کہاں گیا تھا۔

دو تین روز گزرے تو ایک دوپہر کو طارق پھر آیا اور مجھے قریب بلا کر کہا۔

"پانچ بجے چھٹی کر کے نکل روڈ پہنچ جانا۔ جگہ یاد ہے؟"

"جی ہاں۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"ٹھیک پانچ بجے۔" طارق نے کہا اور سیٹھ صاحب سے ملنے اندر چلا گیا۔ میرے ذہن میں پھر کشمکش شروع ہو گئی۔ اسمگلنگ کے چکر میں کسی دن دھر لیا گیا تو مصیبت آ جائے گی۔ میں تو اپنی ماں اور بہن کا تنہا سہارا ہوں۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا

چاہیئے۔ لیکن کیا؟ طارق سے دشمنی مول لینا بھی مناسب نہیں تھا۔ اسی شش و پنج میں شام کو پانچ بجے نکل روڈ کی اسی عمارت میں پہنچ گیا۔ یہاں میری ملاقات پھر اسی شخص سے ہوئی جس نے مجھے ہدایات دی تھیں۔ اس کا نام اصغر تھا۔ سارے کام حسب سابق ہوئے۔ ہم اسی ساحل پر گئے۔ وہاں سے مال لیا اور چل پڑے۔ اس مرتبہ اتفاق سے میرا ٹرک سب سے آگے تھا۔

ہم ایک پل سے مڑے تو اچانک ٹرک تیز روشنی میں نہا گئے۔ یہ روشنی ایک پولیس پٹرول کار کی چھت پر لگی ہوئی سرچ لائٹ سے پھینکی گئی تھی۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے جلدی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رفتار سست کر دو۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا وائرلیس ٹرانسمیٹر نکالا۔

"ہوشیار! پولیس آ گئی ہے۔"

"ہم نے تمہارے ٹرک کی روشنی میں دیکھ لیا ہے۔ سائڈ کر کے کٹ کر دو۔ سب صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہیں۔" ٹرانسمیٹر سے دوسری آواز ابھری۔

"او کے۔" میرے ساتھی نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"ٹرک کو سائڈ میں لے لو۔" اس نے مجھ سے کہا اور میں نے وہی کیا۔ اتنے میں پولیس والے قریب آ گئے۔

"نیچے اتر آؤ۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا اور میرا ساتھی نیچے اتر گیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ان ساری باتوں کے جواب میں صرف ایک ہی بات ہے۔ ٹرک سیٹھ عبدالجبار کے ہیں۔"

"میں انہیں نہیں جانتا۔"

"انچارج صاحب جانتے ہوں گے۔ آپ نئے آئے ہیں۔ شاید۔" میرا ساتھی نہایت اطمینان سے جواب دے رہا تھا۔

"تھانے لے چلو! ان سب کو۔" سب انسپکٹر پولیس والوں سے مخاطب ہوا۔

"وقت بڑا قیمتی ہے انسپکٹر صاحب۔ بہتر یہ ہے کہ آپ وائرلیس پر انچارج صاحب سے بات کر لیں یا پھر ان سپاہیوں سے پوچھ لیں۔"

"کیوں، تم اس سیٹھ کو جانتے ہو؟"

"ہاں صاحب! ان کے ٹرک روکے نہیں جاتے۔" ایک سپاہی بولا۔

"میں انچارج صاحب سے بات کرتا ہوں۔ تم ان کا خیال رکھو۔" سب انسپکٹر نے کہا اور چلا گیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" اس نے لوٹ کر مری ہوئی آواز میں کہا اور ہم اطمینان سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن میرے دل میں کسک اٹھ رہی تھی یہ لوگ سیٹھ جبار کا نام استعمال کر کے مذموم کاروبار کرتے ہیں۔ اس اچھے انسان کو اس طرح بدنام تو نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

اس رات پھر تین سو روپے لے کر میں دو بجے گھر پہنچا۔ امی نے آج کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے ان سے پوچھا۔

"امی، کیا ابا نے آپ کو کبھی بتایا تھا کہ..... اوور ٹائم اتنا زیادہ کیوں ہوتا ہے!"

"میں نہیں سمجھی منصور!"

"کیا آپ کو علم ہے کہ ابا کو اوور ٹائم میں کیا کرنا پڑتا تھا؟"

"نہیں بیٹے۔ نہ میں نے کبھی پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔ شروع شروع میں وہ بھی تمہاری طرح پریشان سے لگتے تھے۔ لیکن بعد میں ٹھیک ہو گئے تھے۔ لیکن بات کیا ہے بیٹے؟"

"یہ اوور ٹائم اسمگلنگ کا ہوتا ہے امی۔ بندرگاہ سے مال لے کر ایک جگہ پہنچانا پڑتا ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سب کچھ سیٹھ جبار کے نام پر کیا جاتا ہے۔ جب کہ سیٹھ صاحب اس بات سے واقف بھی نہیں ہیں۔ ان کا ایک دوست یہ حرکتیں کرتا ہے۔" میں نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔

امی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔ "نہیں، نہیں، بیٹے۔ تم آئندہ ایسا مت کرنا۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں ایسے اوور ٹائم پر۔ تمہارے علاوہ اب اور کوئی ہمارا سہارا نہیں ہے بیٹے۔ تم صاف منع کر دینا۔۔۔۔ بلکہ یہ نوکری ہی چھوڑ دو۔"

"نوکری تو میں سیٹھ صاحب کے ہاں کرتا ہوں امی۔ میرا خیال ہے کیوں نہ میں سیٹھ صاحب کو بتا دوں؟"

"اور اگر وہ موذی دشمن بن گیا تو؟"

"سیٹھ صاحب خود ہی سنبھال لیں گے۔ وہ خود بھی تو بدنام ہو رہے ہیں۔"

"تم جو مناسب سمجھو منصور۔ مگر بیٹے خدا کے لئے کسی سے بیر مت باندھنا۔"

"آپ بے فکر رہیں امی۔" میں نے کہا۔

دوسرے دن اتفاق سے سیٹھ صاحب ہی کی کار پر میری ڈیوٹی لگی۔ دن کو دس بجے سیٹھ صاحب اپنی مرسڈیز میں آ بیٹھے اور مجھ سے ایک جگہ چلنے کے لئے کہا۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ جس جگہ سیٹھ صاحب کو جانا تھا اس کا فاصلہ کافی تھا۔ بڑی دیر تک سیٹھ صاحب سے بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کرتا رہا۔ پھر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"جناب میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟" انہوں نے نرم لہجے میں کہا اور میری ڈھارس بندھ گئی۔

"یہ طارق صاحب جو آپ کے پاس آتے جاتے ہیں!....."

"ہاں ہاں۔ کیا ہوا انہیں؟"

"جناب، یہ اسمگلر ہیں۔ آپ کے نام سے اسمگلنگ کا کاروبار کرتے ہیں۔ پچھلی رات بھی انہوں نے پولیس کو آپ کا نام بتایا تھا۔ یہ میرا فرض تھا جناب کہ میں آپ کو مطلع کر دوں۔"

"اوہ۔ تم نے بڑا اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔ لیکن طارق ایسا آدمی تو نہیں ہے بہرحال میں معلوم کروں گا۔" انہوں نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور مجھے ان کے اس سکون پر سخت حیرت ہوئی۔ انہیں تو حیرت اور غصے سے اچھل جانا چاہیئے تھا۔ دوپہر کو ہم کوٹھی واپس آئے۔ بظاہر اب کوئی کام نہیں تھا۔ لیکن ڈیوٹی تو بہرحال دینی تھی۔ چنانچہ میں لان میں بیٹھ گیا۔ تقریباً تین بجے تھے کہ امجد آیا۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں امجد بھائی۔ کوئی کام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" امجد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

بیگم صاحبہ برآمد ہوئیں۔ انہوں نے امجد کو اشارہ کیا اور وہ دوڑتا ہوا ان کی طرف چلا گیا لیکن جاتے جاتے جو نظر مجھ پر ڈالی وہ برمے کی طرح میرے دل میں چھید کر گئی۔

بیگم صاحبہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلی گئیں میں سوچ میں ڈوبا رہ گیا۔ امجد مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا؟

پانچ بجے تک امجد واپس نہیں آیا۔ میں چھٹی کر کے گھر جانے والا تھا کہ طارق کی کار کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اس نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"تمہاری خاطر آنا پڑا ہے، پارٹنر۔ آ جاؤ بیٹھو۔ چھٹی تو ہو گئی ہو گی!"

"ہاں۔ لیکن طارق بھائی۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آ جا یار۔ باقی باتیں گاڑی میں ہوں گی۔ جلدی آ......" طارق نے کار کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ میں بیٹھ گیا تو اس نے کار ریورس کی اور کوٹھی سے باہر لے جا کر رفتار تیز کر دی۔

"ہاں، اب بولو، کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے کہا۔

"طارق بھائی، کیا آپ اسمگلنگ کرتے ہیں؟"

تو کیا انڈوں کا کاروبار کرتے ہیں؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔" میں نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"تمہارا کام ہی کتنا ہے منصور! صرف مال کو ایک مخصوص اڈے تک پہنچانا ہوتا ہے اور اس کے عوض تمہیں اتنا معاوضہ مل جاتا ہے جو تم کسی اور طرح نہیں کما سکتے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ جرم ہے۔ میں کسی غیر قانونی کام میں شرکت نہیں کر سکتا۔"

"حالانکہ تمہارا باپ آٹھ سال سے یہی کام کر رہا تھا۔"

"اگر مجھے علم ہوتا تو ابا کو بھی میں یہ کام نہ کرنے دیتا۔"

"لیکن بیٹے' اس میں حرج ہی کیا ہے! یہ بھی تو تجارت ہے۔ بس حکومت کو پسند نہیں ہے۔"

"اور کسی بھی وقت حکومت ہم سب پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے مین کہا۔

"ابے ڈرائیور کے بچے! یہ سب باتیں ہمارے سوچنے کی ہیں۔ تیری کھوپڑی کے لئے نہیں ہیں۔ ابے حکومت یا پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟"

"سیٹھ صاحب کی وجہ سے ہم لوگ بچ گئے تھے ورنہ......" معاً طارق نے کار روک دی۔ میں نے اب تک غور نہیں کیا تھا کہ آج کار اس عمارت کی طرف نہیں گئی تھی جس میں ہم عموماً جاتے تھے بلکہ شہر سے باہر ایک پہاڑی علاقے میں آ گئی تھی۔ طارق نے کار سڑک سے نیچے کچے میں اتار دی۔ ایک بڑے درخت کے نیچے میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جن کی موٹر سائیکلیں درخت کے نیچے کھڑی تھیں۔ کار ان کے قریب جا رکی۔

"اتارو اس مصلح قوم کو!" طارق نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور میرا گریبان پکڑ کر مجھے نیچے کھینچ لیا۔ میں منہ کے بل گرا۔ دونوں کہنیاں اور گھٹنے چھل گئے۔ طارق دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑا تھا۔

"میں نے تجھے منع کیا تھا کہ یہ بات کسی کے کانوں تک نہ پہنچے۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"میں نے سیٹھ صاحب کے علاوہ کسی اور سے نہیں کہا۔ طارق بھائی۔ تم لوگ ان کا نام بھی تو استعمال کر رہے ہو۔ اور میں نمک حرام نہیں ہوں۔" میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب کے نمک حلال کتے۔ میں بھی تو تجھے چھ سو روپے دے چکا ہوں۔"

طارق نے آگے بڑھ کر الٹا ہاتھ میرے منہ پر جڑ دیا اور میری برداشت کی طاقت جواب دے گئی۔ میں اس سے لپٹ پڑا۔ اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے زمین پر دے پٹخا۔ پھر دو تین ٹھوکریں لگائیں تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے چاروں ساتھی مجھ پر

ٹوٹ پڑے۔ ایک نے میری ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے کھینچ لی اور میں طارق سے علیحدہ ہو گیا اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ میں نے بھی مقابلہ کیا لیکن ان کے سامنے ایک نہ چلی ذرا سی دیر میں' میں زمین پر گر پڑا اور حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ ہوش آیا تو رات ہو گئی تھی۔ سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کپڑے جابجا پھٹ گئے تھے اس پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ ہمت کر کے اٹھا اور سڑک کی طرف چل پڑا۔ وہ لوگ جا چکے تھے۔

اس راستے پر صرف ایک بس چلتی تھی۔ میں نے جیب دیکھی تو کچھ پیسے موجود تھے۔ سڑک پر پہنچ کر جس قدر حلیہ درست کر سکتا تھا کیا۔ بڑی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بس کی روشنیاں نظر آئیں تو سڑک کے درمیان آ کر اشارہ کیا۔ بس کے مسافر ہمدردی سے پیش آئے۔ میں انہیں صحیح بات تو بتا نہیں سکتا تھا' کہا کہ میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ کچھ لوگ اس طرف لے گئے۔ مارا پیٹا۔ پیسے چھین لیے اور ٹیکسی لے کر فرار ہو گئے۔ بات بن گئی۔ پولیس اسٹیشن جانے کے مشورے دیئے گئے ڈاکوؤں کا حلیہ پوچھا گیا۔ میں سارے راستے سوالات کا نشانہ بنا رہا۔ خدا خدا کر کے اسٹاپ آیا۔ اور ڈگمگاتے قدموں سے گھر پہنچا وہ تو شکر تھا کہ رات ہو چکی تھی ورنہ محلے میں شور مچ جاتا۔ مخالف نہ جانے کیا سمجھتے اور کیا کہتے۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی امی اور فریدہ کے اوسان خطا ہو گئے۔

"ارے کیا ہوا میرے لعل! تجھے کیا ہو گیا منصور! میرے بچے......" امی واویلا کرنے لگیں۔

"امی حوصلہ کریں۔ محلے میں آواز جائے گی تو لوگ جمع ہو جائیں گے۔" فریدہ نے سمجھداری کا ثبوت دیا۔

"زیادہ پریشان نہ ہوں امی۔ مجھے دوسرے کپڑے دیں۔ زیادہ چوٹ نہیں ہے۔" میں نے بمشکل کہا۔ گھر آ کر تکلیف کا صحیح احساس ہو رہا تھا۔

"ابھی لاتی ہوں بھائی جان۔" فریدہ جلدی سے کپڑوں کی الماری کی طرف دوڑی۔

امی مجھے چاروں طرف سے ٹٹول رہی تھیں۔ وہ میرے سارے زخموں کو دیکھ لینا چاہتی تھیں۔

"وہی ہوا امی! میری ان لوگوں سے دشمنی ہو گئی۔ آج سیٹھ صاحب کو بتایا تھا کسی طرح ان لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ انہوں نے مجھے ویرانے میں لے جا کر مارا ہے۔"

"خدا انہیں غارت کرے۔ اے خدا ہم مظلوموں کی آہ لگے انہیں۔" امی زار و قطار رونے لگیں۔

"میں کل سیٹھ صاحب کے پاس جاؤں گا امی۔ ان سے کہوں گا کہ ان کی حماقت کا یہ نتیجہ نکلا۔ وہ ان سے نمٹ لیں گے۔"

"نہیں بیٹے، نہیں۔ میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔ اب میں تجھے وہاں قدم نہیں رکھنے دوں گی، تو وہاں نہیں جائے گا۔" امی تلملا کر بولیں۔ فریدہ کپڑے لے آئی تھی۔ دونوں باہر چلی گئیں اور میں لباس تبدیل کرنے لگا۔ کئی چھوٹے چھوٹے زخم آئے تھے۔ فریدہ کوئی مرہم تیار کرنے میں لگ گئی پھر اس نے میرے زخموں پر مرہم لگایا۔

"میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا امی۔ میں کسی طرح انہیں معاف نہیں کروں گا۔ وہ ملک دشمن ہیں۔ قوم کے غدار ہیں۔ وہ اس ملک کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا وطن ہے۔ ہم وطن کے غداروں کو نہیں چھوڑیں گے۔ میں۔ میں۔ ان کو...." فریدہ نے بتایا کہ میں ساری رات ہذیان بکتا رہا۔ تیز بخار ہو گیا تھا مجھے۔ دوسرے دن بھی بخار میں پھنکتا رہا۔ تیسرے روز خدا خدا کر کے بخار اترا۔ امی ڈاکٹر سے دوا لے آئی تھیں۔ زخموں کی ٹکور کی جاتی رہی تھی۔ کافی افاقہ تھا۔ تاہم کمزوری تھی۔ صحیح معنوں میں ہوش تیسرے دن آیا تھا۔

"سیٹھ جبار کے ہاں سے تو کوئی نہیں آیا امی؟" میں نے پوچھا۔

"ارے جھاڑو پھیرو ان سب پر۔ کوئی آئے تو سہی۔"

"میں سیٹھ صاحب کے پاس جاؤں گا امی۔"

"نہیں میرے بچے۔ خدا کے واسطے اب ادھر کا رخ مت کرنا۔" امی گھگھیا کر بولیں۔

"سیٹھ صاحب اتنے برے انسان نہیں ہیں امی۔ وہ ان سب کو ٹھیک کر دیں گے۔"

"ابھی تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ آرام کرو۔ ہمیں اس نوکری کی ضرورت نہیں ہے۔" امی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا لیکن میرے ذہن میں غصے اور نفرت کا لاوہ کھول رہا تھا۔ میں ان لوگوں کو کسی قیمت پر معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ایک ہفتے کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا۔ اس دوران میں فیضان کئی بار مجھے دیکھنے آیا تھا۔ لیکن میں نے اسے حقیقت نہیں بتائی تھی۔ کہہ دیا تھا ویسے ہی جھگڑا ہو گیا تھا۔ نویں دن میں، صبح جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ امی نے بہت واویلا کیا۔ اور میں بڑی مشکل سے انہیں سمجھا پایا۔

سیٹھ صاحب گھر پر موجود تھے۔ میں نے کہلوایا کہ ان سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے فوراً اندر بلا لیا گیا۔ سیٹھ صاحب ایک صوفے پر نیم دراز تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ۔ کیا نام ہے تمہارا منصور؟ خیریت؟ مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"جی، میں ایک ہفتے کے بعد ڈیوٹی پر آ رہا ہوں سیٹھ صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں کہاں تھے؟"

"بستر پر پڑا تھا طارق صاحب نے اپنے آدمیوں سے مجھے پٹوایا تھا۔ پھر شاید مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔"

"پیچ پیچ.... کوئی خاص بات ہوئی تھی؟" سیٹھ صاحب نے اپنے اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ شاید وہ کسی شخص کی بات کو اہمیت دینے کے عادی نہیں تھے۔

"جی ہاں۔ میں نے جو آپ کو اطلاع دی تھی کہ وہ آپ کے نام پر اسمگلنگ کرتے ہیں۔ میرا یہی قصور تھا سیٹھ صاحب۔"

"جس دن تم آئے تھے صاحبزادے، اسی دن میں نے تمہیں ایک نصیحت کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ آنکھیں اور ذہن کھلا رکھنا اور زبان بند۔ کہا تھا نا؟"

"جی ہاں..."

"تم نے عمل نہیں کیا، اس نصیحت پر۔ کیوں فضول باتوں میں الجھتے ہو۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اسے کرنے دو۔ تمہیں فائدہ ہوتا ہے تو تم بھی حاصل کرتے رہو۔ ابھی تم نے زندگی کی ابتدا کی ہے۔ آگے بڑھو گے تو دیکھو گے اور حیران رہ جاؤ گے۔ نوجوان! باہر کی دنیا گھر کی چار دیواری سے بہت مختلف ہے۔ تمہیں زندگی اس دنیا کے ساتھ بسر کرنی ہے۔ آج تمہارا طارق کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے کل دوسروں کے ساتھ ہو گا۔ کس کس سے لڑو گے؟ بہتر یہ ہے کہ ان سے مفاہمت کر لو۔ تم چاہو تو میں طارق سے تمہاری دوستی کرا دوں گا۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ سیٹھ عبدالجبار کس قسم کا انسان تھا؟ اپنی جان بچانے کی فکر نہیں تھی۔ میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا لیکن اس نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار تک نہیں کیا تھا۔

"لیکن سیٹھ صاحب، وہ آپ کا نام لے کر یہ کام کر رہا ہے۔" میں نے احتجاجاً کہا۔

"جس دن میرے اوپر کوئی بات آئی تو میں خود نمٹ لوں گا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ اب جاؤ۔ میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔" سیٹھ صاحب نے بے رخی سے کہا۔ میں گردن جھکائے باہر نکل آیا لیکن میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا گھر سے باہر کی دنیا یہی ہے؟ کیا میں اس دنیا سے بالکل انجان ہوں۔ بظاہر تو اس دنیا کے اصول دوسرے ہیں۔ اسمگلنگ، چوربازاری جیسی چیزوں کو لعنت کہا جاتا ہے۔ کیا

یہ لعنت صرف کتابوں اور بیانوں تک محدود ہے؟ ان سے باہر نہیں؟ امجد کا کوارٹر میری واحد پناہ گاہ تھا۔ امجد موجود تھا وہ میری طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی نہیں پوچھیں گے امجد بھائی، میں کہاں تھا؟"

"مجھے معلوم ہے منصور۔ کیسے ہو اب؟"

"آپ کو معلوم ہے لیکن کس طرح؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے خود نادانی کی منصور! میں تمہاری کوئی اور مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس روز یہی بتانا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی سے بیگم صاحبہ باہر نکل آئیں اور میں تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔ تم نے سیٹھ صاحب کو اطلاع دی تھی کہ طارق اسمگلنگ کرتا ہے؟"

"ہاں دی تھی۔"

"کیوں دی تھی؟ حماقت کی تھی نا! کیا سیٹھ صاحب اس بات سے ناواقف تھے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ طارق انہیں دھوکا دے کر یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ سیٹھ عبدالجبار خود ایک بہت بڑا سمگلر ہے۔ طارق جیسے لوگ اس کے کارندے ہیں اور تم نے کارندے کی شکایت مالک سے کر دی۔ اس نے طارق کو فون کیا اور ڈانٹا کہ وہ بے وقوف ہے۔ اس قسم کے لونڈوں سے کیوں کام لیتا ہے۔ پہلے ٹھونک بجا کر دیکھ لیا کرے۔ اسی نے کہا تھا کہ لڑکے کے ہاتھ پاؤں توڑ دو۔ سزا مل جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔ سمجھے تم منصور خان صاحب!"

میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ کانوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی، سیٹھ عبدالجبار نے خود مجھے پٹوایا تھا! وہ اسمگلر ہے۔" میں سوچتا رہا اور میرا خون کھولتا رہا۔

"میں جا رہا ہوں امجد بھائی۔ خدا حافظ۔" میں نے امجد پر الوداعی نظر ڈالی۔

"سنو تو۔ کہاں جا رہے ہو؟ تم سیٹھ صاحب کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا بات چیت ہوئی ان سے؟"

میں نے پوری تفصیل دہرائی۔ امجد نے یہ سن کر کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ طارق سے صلح کر لو۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہاں سب کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بس زبان بند کیے اپنا کام کرتے رہو۔"

"امجد بھائی، میں لعنت بھیجتا ہوں اس نوکری پر اور رہی سیٹھ کی بات تو امجد بھائی، اسے اگر کٹہرے کے پیچھے نہ پہنچایا تو منصور نام نہیں۔" یہ کہہ کر میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ امجد آواز دیتا رہ گیا۔

میں نے امی کو سیٹھ جبار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ صرف یہ کہا کہ نوکری پر لات مار آیا ہوں۔ وہ چاہتی بھی یہی تھیں۔ سن کر انہیں اطمینان ہو گیا۔ کہنے لگیں "نوکری

کا کیا ہے، دوسری مل جائے گی۔ ایک دروازہ بند ہو تو خدا دس دروازے کھول دیتا ہے۔ تم چند روز آرام کرو اللہ مالک ہے۔"

سارا دن میں چارپائی پر پڑا رہا۔ دوسرا دن بھی میں نے گھر پر ہی گزارا۔ ذہن میں الجھاؤ تھا۔ دماغ میں چنگاریاں سی چٹخ رہی تھیں۔ کچھ کر گزرنے کی خواہش دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ تیسرا روز تھا کہ امجد صبح ہی صبح آ گیا۔ پتہ پوچھتا پوچھتا پہنچ گیا تھا۔ میں نے امی سے اس کا تعارف کرایا۔ انھوں نے اسے ڈھیروں دعائیں دیں اور اچھی تواضع کی۔

"ڈیوٹی پر کیوں نہیں آ رہے ہو، منصور؟ اب تو طبیعت ٹھیک ہے!" چائے کے بعد امجد نے کہا۔

"میں نے اس نوکری پر اسی دن لعنت بھیج دی تھی بتا دیا تھا نا؟" میں نے جواب دیا۔

"نہیں منصور بیٹے۔ اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں عذاب میں نہ ڈالو۔ تم نہیں سمجھتے ہو۔ سیٹھ جبار کیسا آدمی ہے۔ اب تم اس کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہو۔ اگر وہ تمہارے خلاف کچھ کرنے پر اتر آیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ میری بات مان لو منصور۔"

"امجد بھائی، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں! آپ لوگ تو ضمیر فروخت کر چکے ہیں۔ میرا ضمیر ابھی محفوظ ہے۔ سیٹھ جبار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس کا آلہ کار بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ براہ کرم آپ......"

"میں خود آنے کی ہمت نہ کرتا منصور، مجھے بھیجا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ تمہیں لے کر آؤں۔"

"تو آپ جا کر بتا دیں کہ میں نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"ایک بار پھر سوچ لو منصور۔"

"بس امجد بھائی بس۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں کیونکہ آپ میرے استاد بھی ہیں۔ آپ نے میرا جواب سن لیا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" امجد مایوس ہو کر چلا گیا لیکن میرا غصے سے برا حال تھا۔ میں سیٹھ جبار کی ہٹ دھرمی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے لئے کچھ کرنا ہی تھا۔ اسی روز میں دوپہر کو گھر سے نکلا اور سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچا۔

"میں انچارج صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور کچھ دیر بعد مجھے انچارج صاحب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ایک بارعب انسپکٹر نے مجھے غور سے دیکھا۔

"فرمائیے۔" اس نے سرسری طور سے کہا۔

"میں ایک جرائم پیشہ شخص کی نشاندہی کے لئے حاضر ہوا ہوں جناب۔"

"بہت اچھا کیا بیٹے!" انسپکٹر نے کہا۔ "کون ہے وہ؟"

"اس کا نام سیٹھ عبدالجبار ہے۔ ایک بہت بڑا اسمگلر جو اپنے گرگوں کے ذریعے اسمگلنگ کراتا ہے اور خود شریف بنا رہتا ہے۔ میں آپ کو ان جگہوں تک لے جا سکتا ہوں۔ سمندر کے کنارے اس کا مال اترتا ہے اور وہاں سے ایک جگہ لے جایا جاتا ہے۔ میں ان لوگوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

انسپکٹر حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آخر بولا۔

"لیکن تم ان ساری باتوں کو کس طرح جانتے ہو؟" اور جواب میں، میں نے اسے پوری کہانی سنا دی۔ وہ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "تو اب تم اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں جناب! میں تو قانون کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا پتہ کیا ہے؟" انسپکٹر کے انداز میں کسی قدر تبدیلی آ گئی۔ میں نے اس تبدیلی کو محسوس کیا لیکن سمجھ نہیں سکا اس نے میرا پتہ لکھا اور کہا۔ "تم جاؤ لیکن گھر پر ہی رہو گے۔ شہر سے باہر نہ جانا۔ پولیس تم سے خود رابطہ قائم کرے گی۔"

"بہت بہتر جناب۔" میں نے جواب دیا اور پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آیا میں بہت مگن تھا۔ فخر محسوس کر رہا تھا کہ میں نے سیٹھ عبدالجبار کو پھنسوا دیا....... خوش خوش گھر میں داخل ہوا تو امی اور فریدہ میری منتظر تھیں اور بدحواس نظر آ رہی تھیں۔

"کہاں گئے تھے؟ جبار سیٹھ کے آدمی آئے تھے۔ کہہ گئے ہیں کہ جیسے ہی تم آؤ تمہیں ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ کئی آدمی تھے اور صورت سے غنڈے لگ رہے تھے۔" امی نے جلدی جلدی بتایا۔

"آپ نے کیا جواب دیا امی؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"میں نے یہی کہا کہ اب وہ وہاں نوکری نہیں کرے گا۔ کہنے لگے کہ وہ سیٹھ صاحب سے بات کر لے۔ اب کیا ہو گا منصور؟" امی سخت پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"جو کچھ بھی ہو گا آپ خود دیکھ لیں گی امی۔ میں جاہل نہیں ہوں۔ کیا یاد کرے گا یہ سیٹھ جبار بھی۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"منصور، خدا کے واسطے یہ گھر بدل دو۔ یہ شہر چھوڑ دو۔ ہم لاوارث ہیں۔ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کو غارت کرے، کہیں تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔"

"نہیں پھنسوں گا امی۔ آپ بے فکر رہیں۔ اور ہاں میں اس سیٹھ سے مل ہی لوں۔ اس سے کہہ دوں کہ وہ کھال میں رہے۔ میں اس سے ملنے جا رہا ہوں امی۔" امی

کچھ بولنے کے لئے منہ کھول کر رہ گئیں اور میں باہر نکل گیا۔

میں ایک بار پھر سیٹھ جبار کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے فوراً بلوا لیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"سنا ہے تم نے نوکری چھوڑ دی ہے۔" اس نے بلاتمہید کہا۔

"جی ہاں سیٹھ صاحب۔" میں نے بلاجھجک جواب دیا۔

"یقیناً تم اتنے اچھے آدمی کے بیٹے ہو کہ تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ میری خواہش ہے کہ تم یہاں نوکری کرتے رہو۔ عیش کرو گے۔"

"لیکن سیٹھ صاحب، میں قانون شکنوں کے درمیان نہیں رہ سکتا۔"

"ہوں، تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں۔ اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ آپ ہی نے مجھے پٹوایا بھی ہے۔"

"ارے ارے ارے! یہ تم سے کس نے کہا؟ بہرحال جس نے بھی تم سے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ میں تو تمہاری باتوں پر غور کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ تم کتنے نیک انسان ہو۔ کتنی عمدہ سوچ ہے تمہاری۔ کیوں نہ میں اپنی اصلاح کر لوں۔"

"آپ... اپنی اصلاح کریں گے سیٹھ صاحب؟" میں حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں؟ تم نے میرے ذہن کو جھنجوڑ دیا ہے۔"

"آپ کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ سیٹھ صاحب! پھر آپ یہ مکروہ کام کیوں کرتے ہیں؟ دولت کی کوئی کمی ہے آپ کے پاس؟"

"ہاں بیٹے، یہی سب کچھ میں سوچ رہا تھا۔ بہرحال تم ابھی آرام کرو۔ میری طرف سے تمہیں ایک ہفتے تک آرام کی اجازت ہے۔ جب بالکل تندرست ہو جاؤ تو آ جانا۔ تمہیں تمہاری پوری تنخواہ ملے گی۔"

"شکریہ سیٹھ صاحب۔" میں اپنی مسرت چھپا نہ سکا۔ دل چاہا کہ اپنی اس حماقت کو ظاہر کر دوں جو میں نے پولیس اسٹیشن جا کر کی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمت نہ پڑ سکی۔ یہ خیال آیا کہ کہیں وہ بددل نہ ہو جائے۔ میں تو خود پرسکون زندگی کا خواہشمند تھا۔ سیٹھ صاحب کے پاس سے لوٹا تو خوشی کے ساتھ ایک خلش بھی تھی کہ پولیس اسٹیشن جا کر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ اگر پولیس نے سیٹھ صاحب کے خلاف قدم اٹھایا تو کیا ہو گا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ گھر پہنچا تو امی لپک کر آگے بڑھیں۔

"مل آئے سیٹھ صاحب سے؟" انہوں نے اضطراب سے پوچھا۔

"جی امی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا بات ہوئی؟"

"آج جو باتیں ہوئی ہیں ان سے میں آسمانوں پر اڑ رہا ہوں۔" میں نے جواب

دیا۔ "دعا کریں خدا مجھے میرے مشن میں کامیابی عطا فرمائے۔ سیٹھ صاحب نے کہا ہے کہ میں ملازمت جاری رکھوں۔ وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ امی کے چہرے پر بدستور تشویش تھی۔

"کیوں، اطمینان نہیں ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں منصور۔ میرا خیال ہے تم شکریئے کے ساتھ یہ ملازمت اسے لوٹا دو۔ بیٹے جس منہ کو حرام لگ جاتا ہے مشکل ہی سے چھوٹتا ہے اور پھر ان بڑے لوگوں کا کیا اعتبار؟ زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ۔"

"میں آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گا امی، لیکن میرے خیال میں کچھ دن اور گزرنے دیں۔ دراصل میں ایک غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں نے پولیس کو سیٹھ صاحب کے بارے میں اطلاع دے دی ہے اور یقین ہے کہ پولیس کارروائی ضرور کرے گی۔ اگر میں ملازمت چھوڑ دوں گا تو سیٹھ صاحب یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنے دل سے کینہ دور نہیں کیا..... پھر یہ دشمنی بڑھ جائے گی۔"

"تو تم نے پولیس کو اطلاع دے دی ہے؟"

"ہاں۔ لیکن میرے دل پر بوجھ نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے پولیس تفتیش کے دوران تمہارا نام ضرور لے گی، اور پھر....."

"اگر ایسی صورت ہوئی تو بتادوں گا کہ یہ رپورٹ میں نے اس وقت کی تھی جب طارق نے مجھے پیٹا تھا۔" میں نے جواب دیا لیکن امی مطمئن نہیں ہوئیں۔

بہرکیف دوسرے دن میں ڈیوٹی پر گیا لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ تیسرے دن مجھے بیگم صاحبہ کی خدمت انجام دینا پڑی۔ اینجل کو بھی میں نے دو تین بار دیکھا لیکن ظاہر ہے، میں اسے یاد بھی نہیں رہا ہوں گا۔ بڑے لوگوں کی بڑی بات۔ میں بہت خوش تھا کہ پولیس کی طرف سے کوئی اقدام نہیں کیا گیا تھا۔ چوتھے دن میرے لئے ایک پریشانی آ کھڑی ہوئی۔ اس واقعے کے بعد پہلی بار منحوس طارق کی شکل نظر آئی تھی۔ بے غیرت انسان مسکراتا ہوا میری جانب بڑھا۔ اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہیلو منصور، کیسے حال ہیں؟" اس نے مصافحے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن میں نے جنبش نہ کی۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاتھ ملاؤ یار۔ سیٹھ صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو۔"

"ٹھیک ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ اب تم خلوص دل سے ہمارے ساتھ ہو۔"

"یعنی تمہارے گندے دھندوں کے ساتھ!"

"تم اب بھی انہیں گندہ سمجھتے ہو۔" طارق نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"غلاظت ہمیشہ غلاظت ہی رہتی ہے۔"

"گویا آج تم میرے ساتھ نہیں چلو گے؟"

"میں تمہاری طرح بے غیرت نہیں ہوں طارق۔ تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کے بعد بھی ملاپ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟" میں نے نفرت سے کہا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو منصور۔" طارق نے آنکھیں نکالیں۔ "پہلے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ تم طارق سے واقف نہیں ہو۔ نوجوان ہو۔ ترقی کے راستے اپناؤ۔ ضروری نہیں کہ صرف ڈرائیور ہی رہو۔ اگر ذہانت اور کارکردگی دکھائی تو دوسرے کام بھی سونپے جا سکتے ہیں جو تمہاری تقدیر بدل دیں گے۔ تم اس گندے علاقے سے نکل کر ایک خوبصورت مکان کے مالک بن سکتے ہو۔ بہت کچھ کر سکتے ہو لیکن شرط یہ ہے کہ نوجوان کہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لو۔ ہم جیسے لوگوں کے آپس میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔ تم ہم میں شامل ہو جاؤ گے تو تمہارے ساتھ جھگڑا بھی خود ختم ہو جائے گا۔"

"تم احمق ہو طارق۔ شاید تم نے تفصیل نہیں معلوم کی۔" میں نے اسے

"کیسی تفصیل؟"

"یہ بات تو مجھے معلوم ہو چکی ہے کہ تم بھی سیٹھ صاحب کے ایک ادنیٰ ملازم ہو اور سب کچھ انھی کے ایما پر ہوتا ہے لیکن میں نے یہ ملازمت دوبارہ اس لئے شروع کی ہے کہ سیٹھ صاحب میرے ہم خیال ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں گے۔"

"اوہ۔" طارق مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، لیکن جب تک سیٹھ صاحب اپنی اصلاح نہ کر لیں، ان کا ساتھ تو دو۔ رہی ملازمت کی بات تو میری جان، تم ہمارے کام سے واقف ہو ہی چکے ہو۔ اس لئے تمہیں دوسری ملازمت کی اجازت دی بھی نہیں جا سکتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب تم نوکری کرو گے تو صرف سیٹھ صاحب کے ہاں۔ کسی دوسری جگہ تمہیں نوکری کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"کون روکے گا مجھے طارق؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جن کے سپرد یہ کام ہے۔ ہر شخص کا کام بٹا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے تم اپنے ان دوستوں کو بھولے نہیں ہو گے جن سے چند روز قبل ملاقات ہوئی تھی۔"

"اور مجھے بھی یقین ہے طارق، کہ تم بھی اپنی کیفیت کو نہیں بھولے ہو گے کیا

میں اس منظر کو دہراؤں؟"

میں نے دانت پیس کر کہا تو طارق کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"اگر تمہاری بدبختی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی تو کوئی کیا کر سکتا ہے!" اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

میرے ذہن میں لاوا سا پک رہا تھا۔ میں اس وقت کو کوس رہا تھا جب میں نے سیٹھ جبار کے دروازے پر قدم رکھا تھا۔ ملازمت کہیں بھی مل سکتی تھی۔ امی کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے کہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس شام میں الجھا الجھا گھر لوٹا لیکن گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی حالت درست کر لی۔ امی کو پریشان کرنے سے کیا حاصل تھا! گھر کے معمولات میں اسی طرح حصہ لیا جیسے روز لیتا تھا لیکن ساری رات نیند نہیں آئی۔ یہی سوچتا رہا کہ طارق نے جو باتیں کی تھیں ان سے کہیں یہ مطلب تو نہیں نکلتا کہ سیٹھ صاحب اپنی بات پر قائم نہیں رہیں گے۔ کیا محض میری وجہ سے ایک شخص اپنی لاکھوں روپے کی آمدنی چھوڑ سکتا ہے؟

صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ سیٹھ صاحب کے ہاں نہیں گا بلکہ کوئی دوسری ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس کے علاوہ آج پھر پولیس اسٹیشن جاؤں گا۔ انچارج سے بات کروں گا۔ آخر پولیس کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ اتنا تساہل کیوں؟

ناشتے کے بعد گھر سے نکلا۔ کچھ دیر سڑکوں پر پھرتا رہا۔ خیالات کا تانا بانا بنتا رہا۔ طارق کی دھمکی کہ میں کہیں اور ملازمت نہیں کر سکتا۔ بار بار یاد آ رہی تھی۔ آخر پولیس اسٹیشن کا رخ کیا۔ انسپکٹر موجود تھا۔ اس کے پاس چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور چونک پڑا۔

"تم باہر بیٹھو۔ میں ابھی بلواتا ہوں۔" اس نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ دیر تک میں انسپکٹر کے کمرے کے باہر پڑی ہوئی بینچ پر بیٹھا رہا۔ لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا رہا۔ دنیا اس قدر مسائل سے دوچار ہے، اس سے قبل نہیں سوچا تھا تقریباً پونے گھنٹے بعد میرا بلاوا آیا۔

"بیٹھو۔ تمہارا نام منصور ہے نا؟" انسپکٹر نے کہا۔

"جی۔ میں پہلے بھی حاضر ہوا تھا۔"

"ہاں، مجھے یاد ہے لیکن سیٹھ صاحب سے تو تمہاری مصالحت ہو گئی تھی۔" انسپکٹر نے کہا۔

میں چونک پڑا۔ "جی۔ مگر آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟"

"میرا مطلب ہے...... تم دوبارہ نہیں آئے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ......"

"آپ نے کہا تھا کہ آپ خود مجھ سے رابطہ قائم کریں گے۔ آپ نے میرا پتہ بھی نوٹ کیا تھا۔ میں تو انتظار کرتا رہا تھا۔"

"ہوں! لیکن اس دوران میں بھی کیا تم سیٹھ جبار کے ہاں ملازمت کرتے رہے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اور حسب معمول اسمگلنگ کے کام میں حصہ لیتے رہے ہو؟"

"ایک بار بھی نہیں انسپکٹر صاحب۔"

انسپکٹر نے سگریٹ جلایا اور پن میز پر بجاتے ہوئے خلا میں گھورتا رہا، جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کئی سیکنڈ گزر گئے تو اس نے ہنکارا بھرا۔

"نوجوان، تم بلاشبہ ایک اچھے انسان ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔" اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ان کے ساتھ کام کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ بہتر ہے کہ تم وہاں سے ملازمت چھوڑ کر کسی اور جگہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پولیس خود موقع کی تاک میں ہے۔ جس وقت بھی سیٹھ جبار گرفت میں آگیا ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔"

"لیکن اس کے کارندے نے دھمکی دی ہے کہ سیٹھ جبار مجھے کہیں اور نوکری نہیں کرنے دے گا۔" میں نے انسپکٹر کے مشورے پر حیران ہو کر کہا۔

"میں تمہاری اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" انسپکٹر رکھائی سے بولا۔ "میں نے کہہ دیا ہے کہ سیٹھ جبار ہماری نظر میں رہے گا اور تمہیں کوئی نقصان پہنچنے سے پہلے اس کی گردن ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔" انسپکٹر فائل دیکھنے لگا اور میں نے باہر کا رخ کیا۔

تقریباً تین بجے میں گھر لوٹا۔ امی نے میرا منہ اترا ہوا دیکھا تو بولیں۔

"تو ٹھیک تو ہے؟"

کوئی خرابی نظر آ رہی ہے مجھ میں؟" میں نے ظرافت کا سہارا لے کر ان کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔ میں جانتا تھا کہ میرے گھر سے نکلنے کے بعد سے میرے گھر میں داخل ہونے تک وہ سولی پر لٹکی رہتی ہیں۔

"چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ کیا نوکری پر گئے تھے؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہاں سے تو کوئی نہیں آیا؟" میں نے جواباً کہا۔

"نہیں، کوئی نہیں آیا۔ لیکن پھر کہاں رہے اتنی دیر؟"

"وہی ملازمت کی تلاش میں سڑکیں ناپتا رہا اور ہوائیاں اسی لئے اڑ رہی ہیں

چہرے پر' کہ کھانا نہیں کھایا۔ فریدہ کچھ کھلاؤ گی؟"

"ابھی لائی بھائی جان۔" فریدہ باورچی خانے کی طرف لپکی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور کھانے کا انتظار کرنے لگا۔

"پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے منصور' چند روز آرام کر لو۔ ملازمت مل ہی جائے گی۔ ہم بھوکے تو نہیں مر رہے ہیں۔ تم پہلے سیٹھ جبار کے ہاں سے بخیر و خوبی چھٹی کر لو' اس کے بعد اطمینان سے تلاش کر لینا ملازمت۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی ہے نوکری تو مل ہی جائے گی لیکن گھر بیٹھے نہیں۔"

کھانا کھانے کے بعد میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ بڑی گہری نیند آئی۔ سات بجے کے قریب امی نے جگایا۔ "اب اٹھ جاؤ۔ رات کو نہیں سوؤ گے؟" میں اٹھا لیکن طبیعت کسلمند تھی۔ بے بسی کے احساس نے پژمردہ کر رکھا تھا۔ رات کو بھی جلدی لیٹ گیا۔ اس گھر میں ہلچل ہی کیا تھی! صرف تین افراد۔ کوئی آ جاتا تو تھوڑی سی رونق ہو جاتی۔ ورنہ وہی خاموش ماحول۔ تاریک لمحے گزرتے رہے اور میری بے قراری بڑھتی رہی۔ دیر تک سوئے رہنے سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ امی اور فریدہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ آدھی رات کا عمل ہو گا کچھ غنودگی طاری تھی کہ اچانک فریدہ کی چیخ ابھری اور فوراً بعد دروازے پر دھماکا سا ہوا۔ میں چارپائی سے اچھل کر فرش پر کھڑا ہو گیا اور دیکھا کہ فریدہ اپنے بستر سے امی کی چارپائی پر آ گری تھی۔ میں اس کی طرف لپکا تو وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ سارا جسم کانپ رہا تھا اور پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا فریدہ۔" امی بھنچی بھنچی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"فریدہ۔ فریدہ۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

"وہ۔ وہ۔" فریدہ ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بمشکل کہہ پائی۔ آواز میں نے بھی سنی تھی۔ لیکن تمام تر توجہ فریدہ کی جانب ہونے کی وجہ سے اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔ لپک کر گیا تو دروازہ کھلا تھا باہر نکلا تو گلی سنسان پڑی تھی۔ کون آیا تھا؟ کوئی چور تھا؟ لیکن پہلے کبھی محلے میں ایسی واردات نہیں ہوئی تھی۔ لوفر' اوباش ضرور تھے لیکن چوری چکاری نہیں کرتے تھے۔ محلے میں جو چاہے کرتے پھریں لیکن گھروں میں نہیں جھانکتے تھے۔

میں دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ امی نے الماریوں کے تالے کھول کر دیکھے۔ سارا سامان موجود تھا۔ کوئی چیز چوری نہیں ہوئی تھی۔ فریدہ نے بتایا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے کمرے میں ایک ہیولا سا دیکھا جو اس کی چارپائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار چیخ ماری اور آنے والا دروازے کی طرف

بھاگا۔ ظاہر تھا کہ وہ کھڑکی کے راستے آیا تھا اور آتے ہی دروازہ کھول دیا تھا تاکہ بھاگ سکے۔

"کوئی باہر کا آدمی ہو گا۔" میں نے کہا۔ "محلے والوں نے اب تک ایسی جرات نہیں کی ہے۔ چوری کرنے آیا ہو گا لیکن فریدہ کے چیخنے سے بھاگ گیا۔ صبح دیکھا جائے گا۔ اب تم سو جاؤ' وہ دوبارہ آنے سے رہا۔"

ہم لیٹ گئے رات کا باقی حصہ جاگتے ہی گزرا۔ صبح امی نے پڑوسن خالہ کو رات کا واقعہ سنایا تو وہ انگشت بدنداں رہ گئیں۔ کہنے لگیں کہ وہ اپنے میاں سے کہیں گی اور محلے کے بڑوں کو جمع کیا جائے گا۔ اس بارے میں کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہئے۔ اگر چور نے ایک گھر دیکھ لیا ہے تو دوسرے بھی دیکھے گا۔ دوپہر تک میں گھر پر رہا۔ میرا خیال تھا کہ سیٹھ جبار کے ہاں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ممکن ہے امجد ہی آ جائے لیکن کوئی نہ آیا اور میں نے دل میں کہا کہ خدا کرے کوئی نہ آئے۔ دو تین دن انتظار کر لوں' اس کے بعد ملازمت تلاش کروں گا۔ خدا کرے سیٹھ جبار سے میری جان چھوٹ جائے۔

کوئی تین بجے میں گھر سے نکلا۔ پنواڑی کی دکان بند تھی اس لئے لفنگوں کی ٹولی بھی نہیں تھی۔ میں ٹہلتے ٹہلتے بلدیہ کے پارک میں چلا گیا اور ایک بینچ پر بیٹھ کر حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ کیا ہو رہا تھا؟ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ہو گا؟ ذہن ایک تھا اور سوالات کی یلغار تھی۔ کوئی دوسرا ذہن مددگار نہ تھا۔ کسی کا تجربہ میرا معاون نہ بن سکتا تھا۔ کسی کی راہنمائی میسر نہیں تھی۔ اندھیرے میں کوئی قندیل روشن نظر نہ آتی تھی۔ کیا یہ شہر چھوڑ دوں؟ لیکن ماں اور بہن کو لے کر پرائے دیس کس امید پر جاؤں.....؟" جب ذہن نے مزید ساتھ نہ دیا تو اٹھا اور بوجھل قدموں سے گھر لوٹ آیا۔

پنواڑی کی دکان کھل گئی تھی۔ حسب دستور ٹولی موجود تھی۔ میں سر جھکائے چلتا رہا۔

"لو آ گئے فرشتہ صاحب!" پنواڑی نے مجھ پر پھبتی کسی لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی اور چلتا رہا۔

"ابے ان فرشتوں کی................" ایک اور آواز میں گالی دی گئی اور میرے قدم رک گئے۔ گردن بے اختیار دکان کی سمت مڑ گئی۔ سارے میری طرف دانت نکالے دیکھ رہے تھے۔

"کیا گھور رہا ہے بے!" بنو بولا۔ "بڑا فرشتہ بنا پھرتا ہے سارا پول کھل گیا۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی لیکن مصلحتاً غصے کو دبا کر نپے تلے قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور شائستگی سے پوچھا۔ "تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟"

"شکایت کے بچے' تم جیسے............" اس کی دوسری گالی حلق میں اٹک کر رہ

گئی۔ میرا ہاتھ اس کے گلے پر تھا۔ دوسرے لمحے میں نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور تابڑ توڑ دو چار گھونسے اس کے جبڑے پر رسید کیے۔

"ارے بنو بھائی کو مار ڈالا۔ بنو بھائی کو بچاؤ۔" پنواڑی نے شور مچا دیا اور سارے لفنگے مجھ پر جھپٹے۔ میں نے پھرتی سے قریب پڑا ہوا لکڑی کا کندہ اٹھا لیا اور پیچھے ہٹ کر بولا۔

"اگر کوئی سامنے آیا تو اس کی خیر نہیں۔ پہل بنو نے کی میرا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"محلے کا ستیاناس کر دیا ہے تم نے اور کہتے ہو کوئی قصور نہیں تھا۔" ایک بزرگ آگے بڑھ کر بولے جن کی میں بے حد عزت کرتا تھا۔

"میں نے؟ میں نے محلے کا ستیاناس کر دیا...... چچا جان میں نے؟" مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ الفاظ انہوں نے کہے تھے۔

"میاں سمجھتے تو ہم بھی معصوم تھے۔ بہت بے وقوف بنا لیا اب نہیں بنا سکتے۔ خدا کی پناہ! پورے محلے کو حیرت تھی کہ احمد علی صرف ڈرائیور ہے لیکن ٹھاٹھ باٹھ دیکھو۔ اب پتہ چلا کہ قصہ کیا تھا؟ توبہ توبہ............"

"چچا میں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا ہے کچھ بتایئے تو' آپ نے ہماری کیا بات دیکھی؟"

"ماں اور بہن تھانے میں بیٹھی ہیں۔ ان سے جا کر پوچھو۔" بزرگ بولے۔

میرے ہاتھ سے لکڑی چھوٹ گئی۔ "کون تھانے میں بیٹھا ہے؟"

"تمہاری ماں اور بہن۔ پولیس انہیں لے گئی ہے۔" کسی نے جواب دیا۔

میرے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی اور میں گھر کی طرف بھاگا۔ گھر کے دروازے پر دو پولیس والے کھڑے تھے۔

"اندر کون ہے؟ کون ہے اندر؟ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"تو تم ہی منصور ہو؟ چلو تم بھی تھانے۔" ایک پولیس والے نے کہا۔

میں انہیں وہیں چھوڑ کر دوڑ پڑا۔ محلے والوں کے آوازے اور قہقہے سنسناتی ہوئی گولیوں کی طرح مجھے چیر رہے تھے لیکن میری' سننے اور دیکھنے کی تمام طاقت ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر سب سے پہلے نظر فیضان پر پڑی۔ محلے میں میرا واحد ہمدرد' دنیا میں میرا واحد دوست فیضان۔

"تم آ گئے منصور---- امی اور فریدہ بہن..." اس نے میری طرف لپک کر کہا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا ان کو فیضان؟" میں نے سے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"اندر دفتر میں بیٹھی ہیں۔ انچارج صاحب موجود نہیں ہیں۔" فیضان نے مردنی

سے کہا۔

"انہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے فیضان؟"

"تم گھر نہیں گئے؟ کیا تمہیں پتہ نہیں چلا؟"

"مجھے کچھ نہیں پتہ فیضان۔ کیا امی اور فریدہ کے ساتھ کوئی بدسلوکی۔"

"نہیں۔ کسی نے ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی۔"

"مگر پولیس انہیں یہاں لائی کیوں ہے؟ کیا الزام ہے ان پر؟"

"دوپہر دو بجے کے قریب بدمعاش فیروز تمہارے گھر گیا۔ وہ نشے میں تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا کہ چرس چاہیئے۔ اور جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اول فول بکنے لگا۔ لوگ جمع ہو گئے تو اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے چرس خریدتا ہے۔ گواہی کے لئے اس نے کئی لڑکوں کو بلوا لیا۔ لوگوں نے تمہاری امی سے پوچھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور رونے لگیں۔ بات بگڑ گئی اور پولیس طلب کر لی گئی۔ تلاشی لی تو.... چرس برآمد ہوئی۔"

"کیا۔؟" میرے منہ سے بھیانک چیخ نکلی اور گرد و پیش کے پولیس والے میری طرف دیکھنے لگے۔

"ہاں جب تک چرس برآمد نہیں ہوئی تھی لوگوں کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ تھیں۔" فیضان کہہ رہا تھا۔" مرزا صاحب اور دوسروں نے تو پولیس کو اندر جانے سے روکے بھی رکھا کہ گھر کے مرد کو آنے دیا جائے لیکن لڑکوں نے شور مچا دیا کہ پولیس طرفداری کر رہی ہے۔ مجبوراً مرزا صاحب اور چند آدمی پولیس کے ساتھ اندر گئے اور ان کے سامنے گھر کی تلاش لی گئی۔ کوئی سیر بھر چرس صندوق کے پیچھے پڑی ملی۔"

میرے ذہن میں جیسے کوئی شیشہ ٹوٹ گیا۔ پچھلی رات کا چور یاد آ گیا۔ جو کچھ چرائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ ایک باقاعدہ سازش ہوئی تھی ہمارے خلاف۔ پھر کیا ہوا...؟ تم ہمارے خلاف کیوں نہ ہوئے فیضان؟ تم نے بھی تو چرس برآمد ہوتے دیکھی ہے۔" میں دل مسوس کر بولا۔

"کاش میں تمہارے کچھ کام آ سکتا منصور۔" فیضان نے آبدیدہ ہو کر کہا۔

"اب تم جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہیں یہاں دیکھے اور تمہارے بارے میں بھی لوگوں کی رائے خراب ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" میں نے اصرار کر کے فیضان کو واپس بھیج دیا اور انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر امی اور فریدہ بیٹھی ہوئی تھیں ان کے چہرے زرد تھے اور گالوں پر آنسوؤں کے دھبے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے آگے بڑھ کر فریدہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مت روؤ۔ ہم بے گناہ ہیں۔ انسپکٹر کو سارے حالات کا علم ہے وہ بہت اچھا

آدمی ہے۔" میں نے رندھے ہوئے گلے سے امی اور فریدہ کو دلاسا دیا۔ "رات کو جو آیا تھا وہ چور نہیں تھا۔ چرس رکھنے آیا تھا۔ ہمارے خلاف سازش کی گئی ہے، امی۔"

میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسپکٹر آگیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر درشتی سے کہا۔ "تو تم خود حاضر ہو گئے؟"

"میں فرار کہاں ہوا تھا؟ ذرا باہر گیا تھا۔ آپ نے میرا انتظار بھی نہ کیا اور باپردہ شریف خواتین کو تھانے...... بلوا کر...... مذاق اڑایا۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ہم قانون کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔" انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا اور گھنٹی بجائی۔ ایک کانسٹیبل آیا تو اسے دس روپے کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو رکشے میں عزت کے ساتھ گھر پہنچا دو۔"

"میں اپنے بچے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی بڑے صاحب!" امی تلملا کر بولیں۔ "ہمارا یہی ایک سہارا ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو ہم ماں بیٹی جیتے جی مر جائیں گے۔"

"اسے یہاں رکنا ہو گا اماں جی۔ آپ کو بھی تکلیف اس لئے دی کہ کہیں یہ فرار نہ ہو جائے۔ معافی چاہتا ہوں اب آپ جائیں۔ مجھے کیس مکمل کرنا ہے۔"

"ہاں۔ آپ جائیں امی۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔" میں نے امی کو اطمینان دلانے کے لئے کہا۔ وہ میرا سر اور ماتھا چوم کر اٹھیں اور فریدہ کو لے کر دروازے کی طرف بڑھیں۔ فریدہ نے دروازے پر رک کر میری طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تو میرا دل کٹ گیا۔

میں پتھر کے بت کی مانند ساکت بیٹھا تھا۔ انسپکٹر نے ایک فائل اپنے سامنے رکھ لی اور سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبائی۔ وہ کسی قدر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سرد نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"چرس کہاں سے آئی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"پچھلی رات ہمارے گھر میں ایک چور آیا تھا جو کچھ چرائے بغیر بھاگ گیا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ چور نہیں تھا بلکہ......"

"پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی؟" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں۔"

"پڑوسیوں کو آواز دی تھی؟"

"نہیں۔"

"بقراط تو تم خود ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کام بھی کر لیتے تو کچھ بات بن سکتی تھی۔" انسپکٹر نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔

"صاحب جی، اس کے خلاف ایک شکایت اور آئی ہے۔" اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیسی شکایت۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس نے محلے کے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ محلے والے زخمی کو لائے ہیں۔ دوسروں پر بھی لکڑی کے کندے سے حملہ کرنے والا تھا کہ اسے روک دیا گیا۔"

"ہوں۔ کیا یہ سچ ہے؟" انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ انسپکٹر صاحب، سچ ہے۔" میں نے زہرخند سے کہا۔ انسپکٹر کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"اسے لاک اپ میں بند کر دو۔" اس نے حکم دیا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا۔

○

عدالت سے مجھے پانچ سال قید بامشقت کی سزا ملی۔ سات مہینے تک میرا مقدمہ چلا۔ میرے دفاع کے لئے ایک وکیل مہیا کیا گیا تھا کیونکہ میں اپنے طور سے وکیل نہیں کر سکتا تھا۔ استغاثہ کا کیس مضبوط تھا۔ محلے کے بیشتر لوگ میرے خلاف تھے۔ گواہی کے لئے لوفروں کی ایک فوج موجود تھی۔ میرے بھی ہمدرد ہوں گے لیکن ان کا عدالت کے چکروں سے بچنا اور غنڈوں سے ڈرنا لازمی تھا۔ چرس بیچنے اور بنو کی ریڑھ کی ہڈی توڑنے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

مقدمے کے دوران تین چار بار امی سے ملاقات ہوئی تھی۔ فیضان ہر تاریخ پر باقاعدگی سے آتا رہا۔ لیکن فیصلے کے دن کوئی نہیں تھا۔ امی، فریدہ کو لے کر دو بار جیل ملنے آئیں پھر میں نے بڑی خوشامد سے انہیں آنے سے منع کر دیا۔ یہ شریف عورتوں کے آنے کی جگہ نہیں تھی۔ پھر وہ نہیں آئیں۔ شاید انہوں نے سینے پر صبر کا پتھر رکھ لیا تھا۔ اپنے مقدر کو بیٹھی روتی رہی ہوں گی یا خداوند عزوجل کی مشیت پر شاکر ہو گئی ہوں گی۔ فیضان جیل میں برابر آتا رہا۔ وہ ہمارے گھر نہیں جاتا تھا تاکہ کوئی بدنامی گلے نہ پڑ جائے۔ البتہ پڑوس کے خدا ترس لوگوں کا ذکر ضرور کرتا تھا جو میری بے سہارا ماں اور بہن کی اشک شوئی کرتے رہتے تھے۔ شکر تھا کہ ان پر کوئی آنچ نہیں آئی تھی۔

○

سزا کا پہلا ہفتہ تو ہفتہ مہمانداری رہا اور کوئی کام نہیں لیا گیا لیکن دوسرے ہفتے

جب قیدیوں کی ڈیوٹیاں لگائی گئیں تو میرے حصے میں لان کی گھاس کاٹنے کا کام آیا۔ جیل کے اندرونی احاطے میں گھاس کے بڑے بڑے لان تھے۔ دو آدمی تھے اس کام کے لئے۔ میرا جوڑی دار...... گھاس کاٹنے کے فن سے واقف تھا۔ اس نے چند ہی دن میں مجھے بھی یہ کام سکھا دیا۔ اس وسیع و عریض لان کو ہم دونوں نے مل کر ایک ہفتے میں درست کر لیا۔

پھر میری بیرک تبدیل کر دی گئی۔ یہ قدرے بہتر تھی۔ صاف ستھری اور بڑی۔ ایسی بیرکوں میں آٹھ آٹھ اور دس دس قیدی تھے۔ سب کو چھ بجے اٹھنا پڑتا' ہلکی سی ورزش کے بعد گنتی ہوتی' پھر ڈیوٹی پر بھیج دیا جاتا۔ جیل کی زندگی' عام زندگی سے مختلف نہیں تھی۔ وہی صبح اٹھنا حوائج سے فارغ ہونا اور کام میں مصروف ہو جانا۔ شام کو چھٹی اور پھر رات کو چار دیواری میں۔ اس دوران میں چھوٹے چھوٹے حادثات بھی ہوتے رہتے تھے۔ مثلاً قیدیوں میں جھگڑے' بعض اوقات شدت بھی اختیار کر جاتے تھے اور اس کے بعد ان قیدیوں کو سخت سزائیں بھی ملتی تھیں لیکن یہ سزائیں ان کے لئے بے معنی تھیں۔ انہیں بھگت کر وہ اور ہشاش بشاش نظر آتے۔ کھلے عام چرس' افیون اور بھنگ پی جاتی اور پھر نشے میں ہنگامے ہوتے۔

شروع شروع میں تو میرے دل نے اس ماحول کو قبول نہیں کیا۔ ہر وقت کلیجہ منہ کو آتا۔ امی اور فریدہ کی طرف خیال جاتا تو سانس رکنے لگتی اور یوں لگتا جیسے اب یہ گھٹن زندگی کی اذیت سے نجات دلا دے گی لیکن زندگی اتنی آسانی سے کہاں پیچھا چھوڑتی ہے آہستہ آہستہ یہ گھٹن کم ہوتی گئی۔ میں ماحول کا عادی ہونے لگا۔ ماں اور بہن کے لئے صرف دل سے دعا نکلتی تھی کہ خدا انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے اس کے علاوہ ان کے لئے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ اب تو ان کا خیال بھی اتنا بے چین نہیں کرتا تھا۔

یہاں عجیب عجیب کہانیاں تھیں' قسم قسم کے لوگ تھے۔ سب خود کر اس ماحول میں رنگ چکے تھے۔ ایک شخص بہت دلچسپ تھا لوگ اسے ماسٹر کے نام سے پکارتے تھے۔ مجھ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا ویسے اس کا طرز گفتگو عام قیدیوں کی نسبت شریفانہ تھا۔ ایک دن اس سے باتیں ہوئیں۔

"میاں پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ کتنی تعلیم حاصل کی ہے؟"

"انٹر کیا ہے' ماسٹر۔"

"میاں درجے بتاؤ درجے۔ یہ انٹر ونٹر اپنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مڈل تو آٹھویں درجے کو کہتے ہیں۔ انٹر کونسا درجہ ہوتا ہے؟"

"بارہویں کو کہتے ہیں۔"

"واہ واہ! پڑھ لکھ کر جیل آئے ہو! شاباش' شاباش' جیل ہی آنا تھا تو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کوئی دھندہ وندہ جانتے ہو؟"

"ہاں۔ ڈرائیونگ جانتا ہوں۔"

"باپ کے برابر ہوں تمہارے۔ مذاق اچھا نہیں لگتا۔"

"میں نے مذاق تو نہیں کیا۔"

"میں دھندے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"بیکار ہو تب' اس دنیا کے لئے۔ یہاں شراب بنانا سیکھو۔ جیب تراشی کے ہنر میں مہارت حاصل کرو۔ ہمیں دیکھو' معشوق کی آنکھوں سے کاجل غائب کر دیں۔ اول درجے کی شراب ہم بنا لیں۔ مضبوط سے مضبوط تجوری ہمارے آگے موم۔ کیسی ہی دیوار ہو ہمارے لئے راستہ موجود۔ دروازے بند کے بند اور ہم اندر۔ اسی لئے تو ہمیں ماسٹر کا لقب ملا ہے جیسے ماسٹر لاک یا ماسٹر کی۔"

"واقعی آپ تو بڑی خوبیوں کے مالک ہیں ماسٹر!" میں حیرت سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے بولا۔

"شاگرد بن جاؤ ہمارے۔ کچھ لے لو۔ کما کھاؤ گے۔ نکالو بیلا ہاتھی۔"

میں نے ہنستے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ یہاں میں نے سگریٹ شروع کر دی تھی۔ پہلے تو مفت کی ملی اور عادت پڑ گئی پھر میں خود خریدنے لگا۔ کام کرنے کی جو تھوڑی بہت اجرت ملتی تھی' اس میں صرف سگریٹ کا خرچ فالتو تھا۔ باقی ضرورت کی چیزیں جیسے صابن' تیل وغیرہ خرید لیتا تھا۔ تھوڑی رقم پس انداز بھی کر لیتا تھا۔ پیکٹ جیب میں موجود نہیں تھا۔

"یہ لو اپنا پیکٹ چھ سگریٹیں ہیں اس میں۔ ماسٹر نے سگریٹ کا پیکٹ واپس کرتے ہوئے کہا۔" یہ ایک ہلکا سا نمونہ ہے۔"

"واقعی ماسٹر آپ لاجواب ہیں۔ لیکن یہاں کیسے آ گئے؟" میں نے ان کی سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنی سگریٹ بھی جلا لی۔

"لگائی۔ خدا کی قسم لگائی۔ سوہرن لگائی کے چکر میں پھنس گئے۔ پوری زندگی عشق نہ کیا کسی سے۔ اس عمر میں شامت آ گئی۔ ہزاروں روپے کھلا دیئے۔ خوب کھائے حرافہ نے۔ پر جب اس سے کہا عزیزن دو بول پڑھوا لو۔ گھر بسائیں۔ شریف آدمی ہیں۔ ابھی عمر ہے نسل بڑھائیں گے۔ کوئی نام وغیرہ تو ہو گا اور گزر گئے چار چھ سال تو تمہاری لونڈیا گلہ جھانکے گی' تو کہنے لگی پندرہ ہزار لاؤ۔ میاں روپیہ تو ہاتھ کا میل ہوتا ہے لیکن ہمیں تو اس کی کمینگی پر غصہ آیا۔ ہم نے کہا کوڑی نہ دیں گے اور ناک الگ کاٹ لیں گے تمہاری۔ مگر میاں عورت کا چکر! اللہ بچائے۔ لونڈیا کو کہیں بھگا دیا اور نام ہمارا لگا دیا اور پھر سرکار نے برآمد بھی کرا لیا۔ ہمارے پاس سے۔ بدذات نے عدالت میں بیان دے دیا کہ

ماسٹر ناک پر رومال رکھ کر لے گئے تھے۔ تو میاں اغوا اور حبس بے جا کے الزام میں آ گئے یہاں۔ پر ناک تو ضرور کاٹیں گے اس عزیزن کی۔ بچا جائے ہم سے تو ہم جانیں۔" ماسٹر نے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لئے۔

میری ہنسی نہیں رک رہی تھی لیکن آدمی تھا استاد بننے کے قابل، تو اس دن سے میں اس کا شاگرد بن گیا۔

میری سرشت دوسری تھی۔ برے کاموں سے مجھے اب بھی نفرت تھی مگر یہ معاشرہ، یہ ماحول کچھ اور کہتا تھا۔ بے گناہ آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ بدکرداروں کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ خودداری، غیرت مندی، وطن پرستی یہ سب خوبصورت افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ میرے دل میں یہ خیالات گھر کر گئے تھے نیکی اور بدی کی کشمکش میں نیکی ہمیشہ زیر نظر آئی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، میرے باپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا نہ کبھی پولیس آئی نہ کوئی افتاد پڑی۔ اگر میں بھی سیٹھ جبار کی بات مان لیتا اور طارق کے ساتھ خاموشی سے کام کرتا رہتا تو شاید آج بقول طارق کسی خوبصورت سے مکان میں رہنے کے قابل ہو جاتا اور فریدہ کسی اونچے گھرانے کی بہو بن جاتی۔ ہم لوگ بھی شریف اور خاندانی..... کہلاتے۔ دنیا یہ جاننے کی کوشش کبھی نہیں کرتی کہ ہمارا ماضی کیا ہے؟

سات ماہ کے اندر میں نے جیب تراشی، شراب بنانے کی ترکیبیں اور نقب زنی کے بہترین گر سیکھ لئے۔ یہ محض شوقیہ تھا۔ ورنہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ اٹھانے کا تصور تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ قیدیوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ہوتی رہتی تھی۔ ماسٹر کو کہیں اور بھیج دیا گیا۔ میری بیرک بھی تبدیل ہو گئی اور ڈیوٹی بھی۔ کبھی جھاڑو لگائی کبھی کچھ اور کیا۔ ایک بار پھر مالی کے کام پر لگا دیا گیا۔ میرے ذہن میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں، امی اور فریدہ اب ایک کسک سی بن کر رہ گئی تھیں لیکن کبھی یاد آتی تو آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ سوچتا کہ جانے ان پر کیا گزر رہی ہو گی۔ لیکن پھر خیال آتا کہ ننھے منے معصوم بچے بھی تو بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ ان کا بھی خدا نگہبان ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ اس طرح پرورش پاتے ہیں کہ ان کے والدین بھی کیا کریں گے۔ ان دونوں کا بھی کوئی سہارا پیدا ہو گیا ہو گا۔

... کا کام ہمیشہ دو آدمی کرتے تھے۔ اس بار میرے ساتھ جس آدمی کو لگایا گیا۔ وہ ایک دبلا پتلا درمیانی عمر کا شخص تھا۔ چہرے پر چھوٹی سی کھچڑی داڑھی، پچکے ہوئے گال، چھوٹا سا قد، بڑی خاموش طبیعت کا مالک تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کا ایک ہی ہاتھ تھا۔ دوسرا ہاتھ شانے کے پاس سے کٹا ہوا تھا..... میں نے مہندی کی باڑ کانٹتے کانٹتے دیکھا کہ وہ اپنے ایک ہاتھ سے.....بے تکان باڑ کی سخت ٹہنیاں کاٹ رہا ہے۔ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ رک گیا۔

"میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں بابا۔ لاؤ قینچی مجھے دے دو۔"

"کیوں؟"

"میں کاٹ دوں گا۔ یہ کوئی احسان نہیں ہو گا۔ بس میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا کام کر دوں۔" میں نے کہا اور وہ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ایک عجیب سے خوف کا احساس میرے ذہن میں ابھرا۔ نہ جانے کیسی آنکھیں تھیں؟ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر باریک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام کرو اور دیکھو کسی محنت کش کو کام کرتے دیکھو تو اس پر بالکل ترس نہ کھاؤ۔ یہ دوستی کا نہیں دشمنی کا ثبوت ہے۔ تم اس کی مدد کر کے اسے ناکارہ کر دو گے۔"

"لیکن یہ کام آپ کا نہیں ہے۔ آپ کے دوسرے ہاتھ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔"

"میرے کٹے ہوئے ہاتھ کا یہ ٹکڑا پورے بدن میں سب سے زیادہ مضبوط ہے، سمجھے؟ بہت مضبوط ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"منصور۔"

"کون سی بیرک میں ہو؟"

"آٹھ نمبر میں۔"

"میں تین نمبر میں ہوں اور میرا نام جلال ہے۔"

جلال بابا نے اپنا کام ختم کیا اور قینچی ایک طرف ڈال دی۔

"صبح کو ورزش کرتے ہو؟"

"بس وہی جو قیدیوں کو کرائی جاتی ہیں۔"

"سر کے بل کھڑے ہوا کرو۔ اس ورزش سے بہت فائدہ ہے۔ جب اس کی مشق کر لو گے تو خود بخود واقف ہو جاؤ گے۔"

"بیرکوں میں جانے کا وقت آ گیا اور ہم دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کر کے اپنی اپنی بیرک میں چلے گئے۔

میری بیرک میں ایک نو وارد کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ایک قبائلی ڈاکو، رنگا جو کسی اور جیل سے یہاں منتقل کیا گیا تھا۔ دیو ہیکل اور ہیبت ناک۔ اس کے کئی جاننے والے تھے۔ جو اس کی خدمت میں مصروف تھے۔ کوئی پاؤں دبا رہا تھا کوئی شانے۔

میں اندر داخل ہوا تو اس نے محافظ سے کہا۔ "فالتو لوگ یہاں نہیں چلیں گے۔ اسے کہیں اور لے جاؤ، ورنہ میرا ذمہ نہیں۔"

"جیلر صاحب ہی فیصلہ کریں گے رنگا خان۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" محافظ نے جواب دیا۔

رنگا نے نفرت سے ناک سکوڑی اور مجھ سے کہا۔ "چل بے ہاتھ دبا۔ آ جا۔"
میں اسے دیکھنے لگا۔

"اونچا سنتا ہے ماں کے خصم۔" وہ چیخ کر بولا اور میرے بدن میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ گالی دینے پر ہی میں نے ایک شخص کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی اب پھر مجھے ماں کی گالی دی گئی تھی۔

میں آہستہ آہستہ رنگا کی طرف بڑھا اور پھر میرے پاؤں کی ایک بھرپور ٹھوکر اس کے منہ پر پڑی۔ رنگا کی بھیانک چیخ نکل گئی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ رنگا کے چیلوں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میں دیوانگی کے عالم میں ان سے لڑنے لگا۔ ذرا سی دیر میں محافظ پہنچ گئے۔ انہوں نے قیدیوں کی بری طرح مار لگائی اور مجھ سے علیحدہ کیا۔ کئی بید میرے بدن پر بھی پڑے تھے۔ ویسے بھی میرے بدن اور چہرے پر کئی زخم آئے تھے۔ بہرحال وہ مجھے اس بیرک سے نکال لے گئے۔ محافظوں کو مجھ سے ہمدردی تھی کیونکہ رنگا ویسے ہی ناپسندیدہ اور خطرناک مجرم تھا۔

جیل کے ہسپتال سے مرہم پٹی کرائی گئی اور کوئی سزا نہیں دی گئی۔ صرف میری بیرک تبدیل کر دی گئی۔ اتفاق سے جلال بابا بھی اسی میں تھا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور جلدی سے کھڑا ہو گا۔

"کوئی خاص بات نہیں بابا۔ جیل میں نیا پنچھی آیا ہے۔ رنگا نام ہے۔ کوئی اونچی شے ہے۔ اس نے مجھے گالی دی اور میں اس پر پل پڑا۔ لیکن اس کے ساتھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بہر حال اس بہانے آپ کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔"

"تم نے مارا؟"

"کئی کے سر کھول دیئے۔ ایک لات رنگا کو بھی جما دی تھی۔"

"رنگا ہے کون؟"

"کوئی قبائلی ڈاکو ہے۔"

"کم ظرف ہو گا۔ ضرور کم ظرف ہو گا۔ صبح کو ٹھیک کر دیں گے۔ سب ٹھیک کر دیں گے۔ تم آرام کرو۔ کیا پیو گے۔؟"

"چائے ملے گی بابا؟"

"کیوں نہیں، بھائی غلام علی' او بھائی غلام علی! چائے کی حاجت ہے۔ پلاؤ گے؟" جلال بابا نے سامنے کھڑے ہوئے محافظ سے کہا۔ اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی اور چلا گیا۔

"میٹھی زبان میں بڑی طاقت ہے۔ دشمن سے بھی میٹھی زبان بولو۔ دھوکے میں آ جائے گا۔ پھر خوب مارو۔ جتنا چاہے مارو۔ گر جائے تو چھوڑ دو۔ سمجھے؟ گر جائے تو چھوڑ دو۔"

"آپ کی باتوں میں بڑی گہرائی ہوتی ہے بابا۔"

"باہر نکلو گے تو کیا کرو گے؟"

"باہر نکلنے کا تصور تو ایک خوش آئند خواب کے سوا کچھ نہیں ہے بابا۔ ابھی تو ایک طویل عرصہ باقی ہے۔ میں نے باہر کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔" جلال بابا خاموش ہو گیا۔ محافظ نے چائے کے مگ سلاخوں کے اندر دے دیئے اور جلال بابا نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ہم دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ چائے کے بعد اس نے مجھے سونے کی ہدایت کی۔ اور اس روز مجھے بھی سکون کی نیند آئی۔

صبح کو حسب معمول ہم حاضری دینے گئے تو رنگا بھی کھڑا تھا۔ بدمست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔ جب اس کا نام پکارا گیا تو جلال بابا نے چونک کر اسے دیکھا حاضری ختم ہو گئی اور سب قیدی اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ ڈیوٹی رنگا کی بھی لگائی گئی تھی لیکن وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھی کام کرنے لگے۔ دفعتاً جلال اپنا کام چھوڑ کر رنگا کے سامنے پہنچ گیا۔ میں چونک پڑا۔

"میں تمہیں مارنا چاہتا ہوں۔" جلال بابا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور رنگا تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے جھینگے؟ گرمی چڑھ گئی ہے کیا؟" وہ جلال بابا کو گھورتا ہوا بولا۔

"بدتمیزی نہیں۔ بدتمیزی نہیں۔" جلال بابا نے اس کے دونوں گالوں پر تھپڑ لگا دیئے۔ رنگا غصے میں۔ کھڑا ہو گیا۔

"او جھینگے۔ موت آئی ہے تیری۔" رنگا نے دانت پیس کر کہا اور گینڈے کی طرح لپکا لیکن جلال بابا نے اپنے اکلوتے ہاتھ کا گھونسہ اس کی ناک پر جڑ دیا۔ رنگا اچھل کر چاروں خانے چت گر پڑا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ چند ساعت وہ چت پڑا رہا۔ پھر جونہی اٹھنے لگا۔ جلال بابا نے زمین پر لوٹ لگائی اور دونوں ٹانگیں رنگا کی گردن میں ڈال کر قینچی بنائی پھر جو قلابازیاں کھائیں تو ہر قلابازی کے ساتھ رنگا کا بدن ہوا میں اچھلتا اور پورے وزن کے ساتھ زمین پر آ لگتا۔ اس کا سارا چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔ رنگا کے حواری منہ کھولے کھڑے تھے۔

"کیسے بودے آدمی کا دم بھرتے ہو۔ تم لوگ۔ یہ صرف ڈیل ڈول کا ہے۔ سمجھے' صرف دکھاوے کا۔ اس سے کہو کہ کھڑا ہو کر دکھائے۔" کوئی کچھ نہیں بولا اور جلال بابا خاموشی سے اپنے کام پر واپس آ گیا۔

محافظوں کو اس وقت ہنگامے کا پتہ نہ چلا اور جب معلوم ہوا تو ایک دلچسپ تماشا ہوا۔ رنگا کے ساتھی کہہ رہے تھے کہ اسے جلال بابا نے مارا ہے لیکن محافظ اسے تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ کا منحنی اور مرنجان مرنج آدمی اپنے سے چار گنا طاقت ور دیو

قامت کو کس طرح اتنی بیدردی سے مار سکتا تھا؟ رنگا کے ساتھیوں کی ٹکٹکی سے باندھ کر پٹائی کی گئی لیکن ان کی زبان پر جلال بابا کا ہی نام تھا پر جلال بابا سے پوچھا گیا تو اس نے سا منہ بنا کر کہا۔

"ہمارا مذاق کیوں اڑا رہے ہو؟ بولو' کیوں اڑا رہے ہو؟ ہاتھی کے نیچے دب ہم مرنے جاتے !" اس کی سادگی سے کون کافر متاثر نہ ہوتا۔ البتہ رات کو جلال بابا خوش تھا۔

"خوش ہو نا؟ ہم نے تمہارا بدلہ لے لیا ہے سمجھے۔" رات اس نے بیرک کہا۔

"لیکن بابا...... آپ آپ..." میں صحیح طور سے حیرت کا اظہار بھی نہ کر سکا۔

"بے وقوف ہیں ہم جو بلاوجہ تم سے کہا تھا کہ سر کے بل کھڑے ہوا کرو۔ پہلی مشق ہے بنوٹ کی۔ ہم بنوٹ جانتے ہیں۔ سمجھے' بنوٹ!"

"صرف نام سنا ہے۔ میں آپ سے آپ کے بارے میں کچھ پوچھنے کی جرات نہیں کر سکتا لیکن خواہش ہے کہ کچھ جانوں۔"

"کیا کرو گے جان کر لیکن پوچھ رہے ہو تو سنو۔ راجپوتانہ کے ایک قصبے کے رہنے والے ہیں ہم۔ ہمارے والد بنوٹ جانتے تھے۔ انہوں نے ہمیں بنوٹ سکھا چارپائی کے نیچے مرغی چھوڑ دیتے تھے۔ مجال ہے نکل جائے۔ زد پر آئی اور ماری گئی مگر نہ سکی۔ یہ تھا ایک چھوٹے سے ڈنڈے کا کمال۔ پھر حالات خراب ہو گئے تو ہم نے ا پیشہ بنا لیا۔ بہت سارے لوگوں کو ہلاک کیا۔ ڈاکے بھی ڈالے پھر ہم نے شرافت کی زن گزارنے کی قسم کھا لی لیکن ہمارا ضمیر داغ دار تھا۔ وہ ہمیں چین سے نہیں بیٹھنے دے تھا۔ تب ہم نے ایک فیصلہ کیا۔ ہم نے سوچا کہ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا مل جا سکون مل جائے گا۔ ایک نوجوان نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے اپنی بہن عزت بچانے کے لئے قتل کیا تھا۔ ہم نے وہ الزام اپنے سر لے لیا اور ہمیں سزا ہو گ اب بڑے سکون سے ہیں ہم۔ شاید خدا ہمیں معاف کر دے۔ ورنہ ہم نے انسانیت بڑے ظلم کیے ہیں۔"

پہلی بار میں نے جلال بابا کے لہجے میں لرزش محسوس کی تھی۔ لیکن اس کی روداد سن کر میں دم بخود رہ گیا۔ پہلی ملاقات میں' میں نے اسے قابل رحم سمجھ کر کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی پھر اس کے جوہر کھلے۔ لیکن یہ وہم و گمان میں بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ شخص اندر سے اتنا خطرناک ہو گا۔ تاہم اس کے تائب ہو جانے سے ممکن کہ اس کے گناہ دھل جاتے۔

"بنوٹ تو ہم تمہیں مکمل طور پر نہیں سکھا سکتے۔ اس کے لئے بڑی مشق

ضرورت ہے۔ لیکن اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے چند ترکیبیں بتا دیں گے۔ ممکن ہے کبھی تمہارے کام آئیں۔" اس نے میرے مطلب کی بات کی۔

اس نے بڑی سادگی سے میری ذہنی تربیت شروع کر دی تھی۔ وہ کچھ ایسی طلسماتی قوتوں کا مالک تھا کہ جو بات کہتا ذہن کی گہرائیوں میں بیٹھ جاتی۔ میں اپنے اندر نمایاں تغیر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مجھے لڑنے کے کئی حربے' داؤ پیچ اور جسمانی کرتب سکھائے مثلاً معمولی سے رومال میں کوئی سکہ باندھ کر مقابل کے چھکے چھڑائے جا سکتے ہیں۔ یہ گویا نن چکو کی ایک شکل تھی۔ بعض داؤ پیچ اور پینترے ایسے تھے جن کی مدد سے اپنے دشمن کو باآسانی زیر کیا جا سکتا تھا۔

ایک دن کہنے لگا۔" اگر کبھی ہاتھی سے سامنا ہو جائے تو تم اسے گرا سکتے ہو۔ بولو کیسے۔ بولو کیسے؟"

"یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے بابا۔"

"انسان خود اپنی ذات میں شہ زور اور کمزور ہے ممکن ہے تمہاری جسمانی قوت کسی گینڈے کی مانند ہو جائے۔ لیکن تمہارے بدن کی رگیں اتنی طاقت ور نہیں ہو سکیں گی۔ میں تمہیں رگوں کا کھیل سکھاؤں گا۔ بڑے بڑے' پہلوانوں کو باآسانی زیر کر سکو گے لیکن بیٹے یہ ساری چیزیں سکھانے کے ساتھ ساتھ میں ایک نصیحت بھی کروں گا۔ جہاں تک ہو سکے درگزر سے کام لینا۔ ہاں مجبوری دوسری چیز ہے۔"

پھر اس نے مجھے یہ کھیل بھی سکھانا شروع کر دیا۔ غضب کی بات تھی کہ میں اتنا کمزور انسان بھی نہیں ہوں لیکن اس نے ایک ہلکا ہاتھ مارا اور مجھے صبح تک ہوش نہیں آیا۔ ایک رگ دبائی اور جان نکل گئی۔ بڑی بات یہ کہ وہ کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح ایک ایک رگ کی خاصیت اور اس کے عمل کی تفصیل بھی جانتا تھا۔

جلال بابا کے ساتھ میں نے سات ماہ گزارے۔ پھر مجھے جیل کے دوسرے حصے میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں قیدیوں کی ضرورت تھی۔ ایک چھوٹا سا بند تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اس کے لئے مزدور درکار تھے۔ یہ عرصہ سب سے زیادہ تکلیف دہ گزرا۔ جلال بابا سے دور رہ کر بہت دکھ ہوا۔ کبھی کبھی بھولی بسری یادوں کی مانند امی اور فریدہ کا چہرہ نگاہوں میں گھوم جاتا۔ لیکن میں ان کے خیال کو ذہن سے جھٹک لیتا۔ یہ خیال مجھ پر جنون طاری کر دیتا تھا اور اس جنون کے تحت میں ساری زندگی جیل میں نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ اسے تو میں نے ایک مخصوص وقت کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ وقت جس سے میری آزادی مربوط تھی۔

اب میری شخصیت بالکل بدل چکی تھی۔ بات بات پر طیش نہیں آتا تھا۔ بلکہ ہر معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں فولاد ہو گئے تھے۔ جو کچھ کرنا چاہتا تھا اسے خاموشی سے کر گزرنے کا قائل ہو گیا تھا۔ بیشتر قانونی نکات سے واقفیت ہو گئی تھی۔

جیل میں ہر قسم کے لوگوں سے ملاقات ہونے سے جرائم کی نوعیت' ان کے طریقے اور نتائج سے بھی آگاہی ہو گئی تھی۔ ذہنی اعتبار سے اپنی عمر سے کئی گنا آگے بڑھ گیا تھا۔ اتنا کچھ جان کر اور جلال بابا سے اتنا کچھ سیکھ کر بھی میرے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں نے کبھی جیل کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ کبھی بیگار لینے والے سینئر قیدیوں کی حکم عدولی نہیں کی۔ رنگا کے سوا کسی سے میرا کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہر مشقت خندہ پیشانی سے جھیلی اور ہر ڈیوٹی تندہی سے انجام دی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ حالات میرے حق میں ساز گار تھے۔

ایک روز مجھے صبح صبح جیلر کے آفس میں طلب کیا گیا۔ جیلر کے پاس محافظوں کا انچارج بھی تھا۔

"کیسے ہو منصور؟" جیلر نے پوچھا۔

"جناب کی کرم نوازی ہے۔" میں نے ادب سے جواب دیا۔

"تمہیں یاد ہے کہ تمہاری سزا کی کتنی میعاد باقی ہے؟" اس نے نیم مسکراہٹ سے کہا۔

"آزادی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے صاحب۔" میں نے بجھے دل سے کہا۔

"خدا کی ذات سے مایوس ہو گئے ہو؟"

"نہیں۔ لیکن زندگی اس چار دیواری کی عادی ہو گئی ہے۔"

"باہر کی دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"واقعی نہیں جانتے کہ تمہاری سزا میں کتنا عرصہ رہ گیا ہے؟"

"عرض کیا نا صاحب' ماحول نے کچھ یاد رکھنے نہیں دیا ہے۔"

"تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ اچھے اخلاق عمدہ کارکردگی اور جیل کے انچارج صاحب کی سفارش پر تمہاری باقی سزا معاف کر دی گئی ہے۔ میری رپورٹ اوپر سے منظور ہو گئی ہے۔"

میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا کیا یہ ممکن تھا؟ میرے کان مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے.......... کیا میں درحقیقت جیلر کے آفس میں تھا یا بیرک میں پڑا خواب دیکھ رہا تھا؟

"کیوں تمہیں یہ سن کر خوشی نہیں ہوں۔" جیلر کے الفاظ کانوں میں پڑے تو میں چونک پڑا۔

"ہاں۔ ہاں........ خوشی........ ب........ ب........ بہت خوشی ہوئی ہے صاحب۔"

میں بوکھلا گیا پھر سنبھل کر ادب سے کہا۔ "میری خوش قسمتی اور آپ لوگوں کی نوازش ہے؟"

جناب۔ بہت بڑا احسان ہے مجھ پر اور میری... بیوہ ماں اور بہن پر......" میرا گلا رندھ گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"کل صبح نو بجے تم آزاد شہری ہو گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" جیلر نے کہا اور میں دونوں کو سلام کر کے آفس سے نکلا۔ میرے قدم زمین پر ٹکتے نہیں تھے۔ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ خود کو اتنا ہلکا پھلکا پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کس طرح اپنے کام کی جگہ پہنچا۔

سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو یہ خبر سنائی۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کو رشک ہوا ہو لیکن بظاہر سب خوش ہوئے۔ مجھے خوب خوب مبارکباد دی۔ اس روز کام بھی میں نے خوب ڈٹ کر کیا۔ ذرا بھی نہ ستایا جیل میں میری محنت مشقت کا آخری دن تھا۔ اس لئے میں لمحے لمحے کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔

پہلے رات کا انتظار رہا کرتا تھا اب رات آئی تو صبح کی طلب تھی۔ پلک جھپکنا محال تھا۔ یہ رات بھی بھلا سونے کی رات تھی؟ طبیعت کے ٹھہراؤ کے باوجود جذبات پر قابو نہ تھا۔

خدا خدا کر کے میری آزادی کی سحر طلوع ہوئی اور میرے اضطراب میں کمی آئی۔ اس روز حوائج اور ناشتے سے فارغ ہوا تو مجھے مشقت پر نہیں بھیجا گیا۔ سارے قیدی چلے گئے اور میں بیرک میں تنہا رہ گیا۔

ساڑھے آٹھ بجے مجھے جیلر کے آفس میں بلوایا گیا۔ ایک رجسٹر پر میرے دستخط لئے گئے اور آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔ جیلر کے اشارے پر ایک اردلی نے آگے بڑھ کر مجھے شلوار قمیض اور چپل دی اور دوسرے کمرے میں جا کر جیل کا لباس اتارنے اور ان کپڑوں کو پہننے کو کہا۔ میں لباس تبدیل کر کے آیا تو جیلر نے مجھے دو سو روپے کام کے معاوضے کے اور سو روپے اوپر سے دیئے۔ پھر اس نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور کامیابی و خوشحالی کی دعائیں دے کر رخصت کیا۔

میں شدت جذبات سے کچھ نہ کہہ سکا۔ صرف نمناک آنکھوں سے اس کے خلوص کا شکریہ ادا کر سکا۔ جیل کے پھاٹک سے نکل کر میں کئی لمحے گم صم کھڑا رہا جیسے قید نے مجھ سے آزادی سے ہمکنار ہونے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

باہر کی دنیا یوں لگی جیسے اسے آسمان سے دیکھ رہا ہوں۔ انوکھی اجنبی۔ یہ میری دنیا تو نہیں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ایک ایک چیز کو ذہن میں دہرایا۔ اس دنیا کی یادوں کو تازہ کیا اور جب دل سنبھلا تو ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی' ڈرائیور کو اپنے محلے کا پتہ دیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

اپنی گلی کے کونے پر میں نے ٹیکسی رکوائی۔ کرایہ دینے کے لئے میں نے سو کا

نوٹ ٹیکسی والے سے بھنایا اور اسے دو روپے ٹپ دی۔ وہ چلا گیا تو میں گلی میں داخل ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے پہلے کی طرح گھوم پھر کر گھر لوٹ رہا ہوں۔ سب کچھ اسی طرح تھا صرف دو ایک نئ دکانوں کا اضافہ ہوا تھا۔ یا لکڑی کے ٹال کی جگہ نیا مکان بن گیا تھا۔ وہ ہوٹل تھا اور پان کی دکان بھی وہی تھی۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ صرف میں بدل گیا تھا میں سر جھکائے تیز تیز قدموں سے چلتا رہا۔ میری طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ شاید کسی کو میرے اس طرح آنے کی توقع نہیں تھی یا لوگ مجھے بھول گئے تھے۔

ہمارا مکان جوں کا توں تھا۔ صرف دروازے کا پردہ بدل گیا تھا میں نے دھکا دیا دونوں پٹ کھل گئے۔ اور میں اندر داخل ہو گیا......... میری متلاشی نگاہیں یکبارگی ٹھہر گئیں۔ قدم زمین سے چپک گئے۔ کچا صحن جہاں ہم گرمیوں میں سوتے تھے' اب سیمنٹ سے پختہ تھا۔ اس پر فرشی دری بچھی ہوئی تھی اور کئی آدمی بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ چرس بھرے سگریٹوں کے کش پہ کش لگائے جا رہے تھے۔

"یہ چھکا۔" ایک پر جوش نعرہ بلند ہوا اور شور مچ گیا۔

"ابے یہ کون ہے؟" ایک آدمی نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

"کھیلنے آیا ہو گا یار۔" دوسرا بولا۔ "آ جا استاد' کتنا مال لایا ہے۔" اس نے مجھے آگے آنے کا اشارا کیا۔

میں ساکت کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے گونگا بہرہ ہو گیا تھا۔ یہ میرا گھر تھا باہر سے تو میرا ہی لگتا تھا۔ اس میں رہنے والے کیوں بدل گئے؟ امی اور فریدہ کہاں ہیں؟

"کچھ چاہیئے بھائی؟ فقیروں کی طرح کیوں کھڑا ہے؟" ایک تیسرے آدمی نے جو کھیل میں شریک نہیں تھا۔

"کچھ عرصے پہلے یہاں کچھ اور لوگ رہتے تھے۔ ایک معمر عورت اور اس کی بیٹی۔ کیا تم لوگ بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں گئے؟"

"کچھ عرصہ پہلے؟ ابے غلط جگہ گھس آیا ہے کوئی اور گھر ہو گا۔ شاباش' تلاش کرو۔"

"ساڑھے تین سال سے تو ہم لوگ یہاں رہ رہے ہیں یہ تو فیروز دادا کا اڈا جانو! فیروز دادا کا اڈا۔" ایک کھلاڑی نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ابے سی آئی ڈی والا نہ ہو۔" ایک شخص اچانک بولا اور کھلاڑیوں کے ہاتھ رک گئے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ میرے ذہن میں پن چکی چل رہی تھی۔ امی فریدہ۔ فریدہ' امی کہاں چلی گئیں وہ؟ معاً فیضان کا نام میرے ذہن میں گونج گیا اور میں باہر کی طرف لپکا۔

فیضان کے مکان پر دستک دی تو اندر سے نانی کی آواز سنائی دی۔

"آ رہی ہوں۔ دروازہ مت توڑو۔" دروازہ کھلا اور نانی نے ایک برتن آگے کر دیا۔ "ڈیڑھ پاؤ دے دے۔"

"سلام نانی۔" میں نے کہا اور نانی نے جلدی سے برتن پیچھے کر لیا۔

"اۓ توبہ۔ میں سمجھی دودھ والا ہے۔ کیا بات ہے بیٹا! کون ہو تم؟"

"فیضان گھر میں ہے نانی؟ میں............ میں منصور ہوں۔" میں نے کہا۔

"کون منصور؟ کیا کام ہے فیضان سے؟"

"احمد علی کا بیٹا منصور۔ نانی آپ فیضان..............." میری بات پوری ہونے سے پہلے نانی نے دروازہ کھٹ سے بند کر دیا۔ اندر سے ان کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اری سنتی ہے۔ وہ آگیا۔ پھر آگیا موا................"

"کون اماں؟ کون؟" فیضان کی ماں کہہ رہی تھی۔

"احمد علی کا لونڈا۔ وہ بدمعاش۔ دروازے پر کھڑا ہے۔" نانی نے بتایا۔ دروازہ کھلا اور فیضان کی ماں نے جھانکا۔

"ارے منصور میاں! آؤ' آؤ۔ اللہ توبہ۔ کس قدر بدل گئے ہو! آؤ اندر آ جاؤ۔ تمہاری امی اور فریدہ کیسی ہیں؟" فیضان کی ماں کے خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ نانی دالان میں کھڑی چلا رہی تھیں۔

"گھیٹر لے۔ گھیٹر لے۔ گھیٹر لے گھر میں۔ پھر سر پر ہاتھ رکھ کر روئے گی۔"

"اونہہ! آپ تو سدا کی عجیب ہیں اماں۔ آؤ بیٹے۔ تم اندر آ کر بیٹھو۔" فیضان کی ماں بولیں۔

"شاید میں اب اس قابل نہیں رہا ہوں۔ خالہ جان۔ فیضان کہاں ہے؟"

"دوبئ چلا گیا ہے وہ تو۔ چار سال ہو گئے ہیں۔ ہاں وہ تمہاری امی..........".

"انھی کے بارے میں تو آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔" میں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ! تو کیا تم ان کے ساتھ نہیں رہتے؟"

"نہیں۔ میں تو جیل میں تھا۔ آج ہی رہا ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

نانی جلدی سے اندر گھس گئیں۔ "بھگت اب بھگت خوش اخلاقی کو۔" فیضان کی ماں چند لمحے کھوئی کھوئی رہیں پھر بولیں۔

"منصور بیٹے۔ ہمیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ ہم نے تو دو سال کے لئے یہ مکان چھوڑ دیا تھا۔ فیضان کے ابا بیمار پڑ گئے تھے۔ ہم انہیں لے کر باہر چلے گئے اور دو سال تک باہر رہے۔ فیضان وہیں سے دوبئ چلا گیا۔ یہاں آئے تو ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔

تمہارا گھر اب تو اس محلے کا بدنام ترین گھر ہے۔"

"کبھی ان دونوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا' خالہ جان؟"

"کبھی نہیں۔"

"اچھا شکریہ۔" میں نے گلوگیر آواز میں کہا اور جانے کے لئے مڑا۔

"منصور۔ کچھ چائے' شربت......" فیضان کی ماں نے کہا۔

"مر جائے تو اللہ ماری۔ چل رے!" نانی جان اندر سے بولیں اور میں حسرت سے فیضان کی ماں کو دیکھ کر باہر نکل آیا۔

بڑا ویران ہو گیا تھا دل۔ کسی کونے میں منہ چھپا کر رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں قدم گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا' اسی طرح چلتے ہوئے بے اختیار پان کی دکان پر رک گیا۔ اس وقت گاہک نہیں تھے۔

"کیا چاہئے۔" پنواڑی نے سر اٹھائے بغیر پان لگاتے ہوئے کہا۔

"میں منصور ہوں احمد علی کا بیٹا۔ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"مم...... منصور۔" پنواڑی اچھل پڑا۔

"ہاں منصور۔ اپنی ماں اور بہن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"ہمیں۔۔۔۔ ہمیں کیا معلوم! وہ دونوں تو یہاں سے چلی گئیں۔" پنواڑی کی آواز کانپ رہی تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ یوں رسوا ہونے سے کیا فائدہ؟ اگر اس محلے میں ہوتیں تو کم از کم فیضان کی ماں کو ضرور علم ہوتا۔ کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے۔ میں گلی سے نکل آیا۔ اور اب میرا رخ پولیس اسٹیشن کی طرف تھا۔ پولیس اسٹیشن میں بھی کافی تبدیلی آ گئی تھی انچارج بھی بدل گیا تھا۔ اس نے مجھے بغور دیکھا۔

"میرا نام منصور ہے جناب۔ مجھے ایک الزام میں پانچ سال کی سزا ہو گئی تھی۔ واپس آیا تو میری ماں اور بہن لاپتہ ہیں۔ کوئی ان کا پتہ نہیں بتاتا ہے۔ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟"

"یقین کرو۔ وہ میرے ہاں نہیں ہیں۔ ویسے بے سہارا لوگ غلط جگہوں پر بھی پہنچ جاتے ہیں تم باقاعدہ رپورٹ درج کرا دو اور انھیں ڈھونڈنے کی خود بھی کوشش کرو۔"

انسپکٹر نے شگفتہ مزاجی کا مظاہرہ کیا اور میں کھول کر رہ گیا۔

میں وہاں سے اٹھا تو دماغ چیخ رہا تھا۔ سارے جسم میں جیسے شعلے سے دوڑ رہے تھے۔ حالات مجھے اس زندگی کی جانب دھکیل رہے تھے جسے میں اپنانا نہیں چاہتا تھا۔ جیل

میں پانچ سال ہر قسم کے مجرموں کے درمیان رہ کر میں ذہنی طور پر مجرم نہیں بن سکا تھا۔ لیکن جیل سے باہر شریفوں کی دنیا مجھے احساس دلا رہی تھی کہ میں پانچ سال ایک مجرم کی طرح گزار آیا ہوں۔ اس لئے مجھ میں مجرموں کے عادات و اطوار پیدا ہونے چاہئیں۔ میرے ذہن میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا کہ کچھ کرو کچھ کر گزرو۔

اسی طوفانی دباؤ میں' میں نے دوبارہ اپنے محلے کا رخ کیا' اور ایک بار پھر اپنے مکان کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ لیکن اب میری آمد کی اطلاع پڑوسیوں کو ہو گئی تھی۔ قریبی گھروں کے دروازے کھل گئے تھے۔ میں نے اپنے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ اس بار دروازہ بند تھا اور چند ساعت بعد کھل گیا۔ اندر وہی لوگ تھے جنہیں میں دیکھ گیا تھا۔

"تم پھر آ گئے۔" دروازہ کھولنے والے نے کہا اور میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ میں نے اسے ایک زور دار جھٹکا دیا اور وہ گلی میں آ پڑا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ اتنے میں اندر سے سارے غنڈے باہر نکل آئے۔ میں نے کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ کھول لی جس کے آگے لوہے کا کنڈہ لگا ہوا تھا۔ ان کی پیش قدمی کا انتظار بھی نہیں کیا اور ان پر پل پڑا۔ اتنی پھرتی سے ان پر حملہ کیا تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ پائے۔ مار مار کر ان کی شکلیں بگاڑ دیں۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ مجھے زیر کریں۔ لیکن اب میں مار کھانے والوں میں سے نہیں بلکہ مارنے والوں میں سے تھا۔ انہیں جانوروں کی طرح پیٹ رہا تھا۔ جلال بابا کے سکھائے ہوئے گر اور پینترے کام آ رہے تھے۔ تمام محلّہ جمع ہو چکا تھا۔ لیکن سب خاموش تھے۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"مکان اسی وقت خالی کر دو۔ اپنا سامان اٹھا کر لے جاؤ ورنہ میں باہر پھینک دوں گا۔" سامان تھا ہی کتنا؟ دو تین دریاں' کونوں میں تہ کئے ہوئے دو چار بستر' دو صراحیاں' پانی کے دو جگ اور کوئی درجن بھر اسٹیل کے گلاس' چار ٹیبل فین' ایک جھاڑو' دو ایک تولیئے' بس یہی تھی ساری کائنات' اس مکان کی جو میرے وقتوں میں کبھی بھرا پُرا تھا لیکن یہ مکان کہاں رہ گیا تھا؟ یہ تو جوئے اور منشیات کا اڈا بن چکا تھا! یہاں گھر گرہستی کے سامان کی کیا ضرورت تھی؟

خالی مکان میرا منہ چڑا رہا تھا۔ باورچی خانے میں مہینوں کا کوڑا کرکٹ نظر آ رہا تھا۔ کمروں کی دیواریں گندی تھیں اور جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ کونوں میں پان کی پچکاریوں کے نشان تھے۔ کوئی چیز بھی پہلے جیسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ ایک ایک دیوار' ایک ایک کونے سے امی اور فریدہ کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان کے نقوش کہاں کہاں نمایاں نہیں لگ رہے تھے؟ چاروں طرف ان کے سانسوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھی اور ہر قدم پر ان کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد میں گردوپیش کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلا تو دیکھا کہ فیروز اپنے چار گرگوں کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔ میں کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ محلے والوں کو گویا ایک تفریح ہاتھ آ گئی تھی۔ عورتیں دروازوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھیں اور مرد ٹولیوں میں بٹے ادھر ادھر کھڑے تھے۔ فیروز کچھ موٹا اور بھدا ہو گیا تھا۔ اس کی شکل پر پہلے سے زیادہ لعنت برس رہی تھی۔

"منصور میاں۔" اس نے قریب آ کر کہا۔ "بدمعاش بن کر آئے ہو جیل سے۔ لیکن ہم میں اور تم میں فرق ہے۔ بیٹے! تم ابھی نئے نئے بدمعاش بنے ہو اور ہم بہت اکھاڑے کھیلے ہیں۔ تم نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے اور مکان پر قبضہ بھی کر لیا کیوں؟" میں خاموشی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔

"بدمعاش بننا ہے تو پہلے کسی استاد کی شاگردی اختیار کرو۔ پھر ہم تمہیں بھی بدمعاش مان لیں گے۔ یہ مکان بھی تمہیں واپس کر دیں گے۔ بولو کیا جواب ہے؟"

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں فیروز؟ تم نے اس مکان پر کس طرح قبضہ کیا؟ وہ دونوں کہاں چلی گئیں؟" میں نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ "ہمیں نہیں معلوم وہ کہاں چلی گئیں؟ اور ہمارے پاس زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" فیروز نے رعونت سے کہا تو میں آگے بڑھا لیکن فوراً اس کے چار گرگے سامنے آ گئے۔ اور انہوں نے چاقو کھول لیے۔

ایک بار پھر مجھے بیلٹ کھولنا پڑی۔ اس بیلٹ سے میں جلال بابا کے بتائے ہوئے اس رومال کا کام لے رہا تھا جس کے سرے پر سکہ باندھا جاتا ہے۔ میں نے بیلٹ کو تیزی سے گھمانا شروع کیا تو ایک کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر دور جا گرا۔ دوسرے کی کلائی پر چوٹ آئی اور وہ اسے پکڑ کر رہ گیا۔ ایک کی ناک زد میں آئی اور خون کا پرنالہ بہہ نکلا۔ وہ زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔ چوتھے نے خود ہی چاقو پھینک دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ فیروز نو دو گیارہ ہونے ہی والا تھا کہ میں نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی اس نے نیفے سے کمانی دار چاقو نکال لیا۔ میں اتنے قریب سے بیلٹ گھما نہیں سکتا تھا اور یہی فیروز کے ذہن میں بھی آیا ہو گا۔ لیکن اب میں نے جلال بابا کا سکھایا ہوا دوسرا حربہ استعمال کیا اور جھکائی دے کر اس کی تھوڑی کے نیچے گھونسہ جما دیا۔ وہ لڑکھڑایا لیکن اس نے چاقو نہیں چھوڑا۔ میں نے ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر لگائی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔

"تم تو پرانے بدمعاش ہو فیروز۔ استاد ہو۔ کیوں؟ آؤ آج میں تمہیں کچھ اناڑی ہاتھ دکھاؤں۔" میں نے کہا اور زمین پر لیٹ کر اس کی گردن میں ٹانگوں سے قینچی ڈال دی۔ بیلٹ میں نے سنبھال رکھا تھا، تاکہ کوئی دوسرا اس کی مدد کو آگے بڑھے تو اسے د[illegible] رکھوں۔

میں نے پوری طاقت سے قینچی کس دی اور فیروز کی گھگی بندھ گئی اور چہرہ متغیر ہو گیا اور آنکھیں ابلنے لگیں۔ چاقو پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور مچلنے لگا۔

"بولو اب اس مکان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھو گے؟ مجھ پر اپنی بدمعاشی کا رعب جماؤ گے؟"

"نہیں۔" فیروز کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ میں اسے چھوڑ کر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں ایک باریش بزرگ آگے بڑھے اور میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ دادا جان تھے۔ علی بخش کے دادا اور جگت دادا جان۔

"دادا جان، میری امی کہاں ہیں۔ فریدہ، میری بہن کہاں ہے؟ آپ کی موجودگی میں اس گھر کا یہ حشر کیوں ہوا؟"

"اللہ گواہ ہے بیٹے، تمہاری ماں اور بہن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ اچانک ایک دن وہ دونوں غائب ہو گئیں۔ ویسے تمہاری گرفتاری کے بعد ان کے خلاف ایک نفرت کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ کوئی ان سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ سب نے بائیکاٹ کر دیا تھا اور خود ہی سوچو۔ قصور پڑوسیوں کا نہیں تھا۔ برائی سے سب نفرت کرتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد فیروز نے تمہارے مکان پر قبضہ کر لیا۔"

"کتنے بے حس ہو تم لوگ! انسانیت سے کتنے عاری ہو! ان بے سہارا عورتوں کا سہارا بنا جا سکتا تھا جو بہرصورت مجرم نہیں تھیں۔ اگر وہ مجرم ہوتیں تو سزا بھی ان کو ہی ملتی۔ لیکن قانون نے نہیں تم نے انہیں سزا دی۔ ہم نے تمہارے درمیان ایک اچھی زندگی گزاری تھی۔ دادا جان آپ، غفور ماموں آپ، کلن بھائی آپ، کیا ہم آپ سب کی نگاہوں میں اتنے ہی برے تھے؟ باپ کی موت کے بعد، میں تو نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا اور چاہتا تھا کہ مجھے اپنی ماں اور بہن کی پرورش کے لئے کوئی ایسی ملازمت مل جائے کہ میں عزت سے اپنے فرائض پورے کرتا رہوں۔ لیکن کچھ لوگوں کو ہماری یہ شرافت کی زندگی پسند نہیں آئی تھی۔ خدا کی قسم دادا جان، جس دن ہمارے گھر سے چرس برآمد ہوئی تھی، اس سے ایک رات قبل ایک چور ہمارے گھر میں گھسا تھا لیکن وہ کچھ نہیں لے گیا اور ہم نے یہی سوچا کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہمارا خیال غلط تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ ہمارے گھر میں چرس رکھوائی گئی تھی۔ جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، میں انہیں بخوبی جانتا ہوں۔ ان ہی کی بدولت بالآخر جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا۔ اور اب۔ اب آپ سب کان کھول کر سن لیں کہ میں آپ لوگوں سے نفرت کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ نفرت کہاں تک پہنچے گی۔ اپنی حفاظت کی فکر کیجئے۔" میں پلٹا اور مکان میں چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں میرے گھر میں چارپائی، بستر، کھانے کے برتن اور ضرورت کا

چھوٹا موٹا بہت سا سامان پہنچ گیا۔ میں نے فیروز کو اس بری طرح مارا تھا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید اب وہ اس طرف کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ وہ فیروز کی اس مرمت سے بہت خوش ہوئے تھے۔ شام کو کچھ لوگ آئے ان میں کچھ نئے چہرے بھی تھے جو ہمارے بعد اس محلے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے میری دلجوئی کی اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ امی اور فریدہ کو تلاش کے لئے خود بھی کوشاں رہیں گے۔ شکریے کے الفاظ میرے منہ سے ادا نہیں ہو رہے تھے چونکہ یہ الفاظ شرافت کی نشاندہی کرتے تھے اور اب شرافت کا تصور میری نگاہوں میں مضحکہ خیز ہو گیا تھا۔

پڑوسیوں کے جانے کے بعد بے کلی نے پھر آن لیا۔ کسی پل قرار نہیں آتا تھا۔ اگر اس مکان میں لوٹ کر نہ آتا تو امی اور فریدہ کا خیال شاید اتنے کچوکے نہ لگاتا۔ ذہن پر اتنے تازیانے نہ برستے، اب اگلا قدم کیا ہو گا؟ ان کی تلاش میں پولیس کی طرف سے ناکامی کے بعد اب کس سے مدد طلب کروں؟ کہاں کا رخ کروں؟

انھی سوچوں میں غلطاں گھر سے باہر نکل آیا۔ یونہی آوارہ گردی کرتا رہا۔ جس دنیا کو پانچ سال قبل میں نے چھوڑا تھا، وہ آج بھی جوں کی توں موجود تھی۔ بھٹکتے بھٹکتے اچانک ذہن میں ایک طوفان اٹھا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ سیٹھ جبار کی وجہ سے نہیں؟ کیا اس نے میرا سب کچھ چھین نہیں لیا تھا؟ اور بے اختیار میرے قدم سیٹھ جبار کی کوٹھی کی طرف اٹھ گئے۔

میں ایک سائے دار درخت کے نیچے رک گیا۔ یہاں سے میں سیٹھ جبار کی کوٹھی دیکھ سکتا تھا۔ میرے دل میں پیاس تھی۔ پانچ سال تک جس خیال کو خود سے دور رکھا تھا وہی حسرت بن گیا۔ آزادی کے بعد میں اپنی ماں اور بہن کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوں گی؟ معاً کوٹھی سے ایک کار نکلتی نظر آئی۔ سفید رنگ کی یہ کار طارق کی تھی اور طارق ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں ایک خیال کے تحت دوڑتا ہوا سڑک پر آ گیا دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ میرا حلیہ اتنا بدل گیا تھا کہ طارق بھی پہچان نہ سکا۔ اس نے کار روک دی اور پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ طارق صاحب ہیں، نا؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو میں نے مزید کہا۔ "آپ کے لئے ایک ضروری پیغام ہے لیکن یہاں نہیں......"

"کیا پیغام ہے؟ گاڑی میں آ جاؤ۔" طارق نے دروازہ کھول دیا۔

میں جھک کر اندر بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ میری نگاہیں اس کی جیب میں پستول کو بھانپ گئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ طارق کسی سانپ کی طرح پلٹا لیکن میں نے پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ "مجھے پہچانو طارق میں منصور ہوں۔ احمد علی کا بیٹا۔"

طارق کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم۔ تم۔ آزاد ہو گئے؟" وہ تعجب سے بولا۔

"ہاں--- اور اب لوگوں کا حساب کتاب چکاتا پھر رہا ہوں۔ تمہارے ذمے بھی کچھ قرض ہے لیکن خیر چھوڑو۔ جو ہوا سو ہوا۔ بالاخر تم نے مجھے وہ بنا ہی دیا جو تم چاہتے تھے۔ پستول میں نے صرف اس لئے نکال لیا تھا کہ کہیں تم غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاؤ اور اسے میرے خلاف استعمال نہ کرو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔" طارق کے حواس قدرے قابو میں آئے تو وہ جھلا کر بولا۔

"یہ تو نمونہ تھا طارق صاحب!"

"لاؤ پستول واپس کرو۔" طارق کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے تھوڑا سا تو اعتبار کرو۔ یار طارق یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم نے یا سیٹھ صاحب نے میرے گھر میں چرس رکھوا کر مجھے گرفتار کروایا تھا۔ اس کی وجہ بھی میں جانتا ہوں لیکن میری ماں اور بہن سے تمہیں کیا دشمنی تھی۔ ان دونوں کا کیا ہوا؟ وہ کہاں چلی گئیں۔"

"تم احمق تھے منصور۔ ہمارے بارے میں جان چکے تھے اس لئے ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے تھے لیکن تمہاری گرفتاری کے بعد ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا اس لئے ہم نے پھر کبھی تمہارے گھر کا رخ نہیں کیا۔ تمہیں اپنے پڑوسیوں سے معلوم کرنا چاہیئے تھا۔"

"کوئی بھی نہیں جانتا۔ خیر انہیں میں تلاش کر لوں گا۔ چلو نیچے اتر چلو....."

"کیا بکواس ہے؟" طارق غرایا۔

میرا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ طارق کے ہونٹ پھٹ گیا۔ "نیچے اترو۔" میں نے غرا کر کہا۔ اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے اتر گیا۔ میں نے اطمینان سے اس کی سیٹ پر بیٹھ کر کار آگے بڑھا دی اور طارق وہیں کھڑا ہونٹوں سے خون پونچھتا رہ گیا۔

طارق کی کار میں نے گلی کے قریب ایک سنسان پارک میں کھڑی کر دی۔ میری ذہنی حالت بہت خراب تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میں اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اداس اور سنسان مکان کے ہر گوشے سے گمان ہوتا تھا کہ ابھی فریدہ کی آواز سنائی دے گی یا ابھی امی نکل آئیں گی۔

رات ہو گئی پھر میں نے سوچا۔۔۔۔ کہ یہ مکان میرے لیے محفوظ جائے پناہ نہیں ہو سکتا۔ میرے سارے دشمن اسی جگہ سے واقف ہیں اور کوئی بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔ اسے یونہی رہنے دیا جائے۔ کبھی کبھی یہاں آتا رہوں گا اور کسی دوسری جگہ رہ کر اپنی ماں اور بہن کو تلاش کروں گا۔ اتنا سوچ کر گھر سے نکلا لیکن دروازے کے باہر ہی ٹھٹک گیا۔ ایک انسانی جسم نظر آیا۔ میں متعجب ہو کر جھکا تو وہ ایک ایسی لاش ثابت ہوئی جس کے سینے سے خون ابل ابل کر جم گیا تھا۔ کوئی نئی سازش' میں نے سوچا اور ایک بار پھر اچھل پڑا۔ ایک جیپ میرے دروازے پر آ کر رکی اور ٹارچوں کی تیز روشنیاں مجھ پر پڑیں تو صورت حال میری سمجھ میں آ گئی۔ دوسرے لمحے میں نے واپس گھر میں چھلانگ لگا دی اور دیوار کود کر مکان کے پچھواڑے اتر گیا۔ اس وقت طارق کی کار میرے لئے دنیا کی سب سے قیمتی چیز بن گئی تھی۔

میں نے جلدی سے کار اسٹارٹ کی اور گلی سے نکل آیا۔ لیکن پولیس والے بھی دوسری طرف سے جیپ نکال لائے۔ میں اندھا دھند کار دوڑا رہا تھا۔ پولیس جیپ کی رفتار بھی کافی تیز تھی میں تھوڑی دیر بعد شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ گیا۔ جیپ کی

روشنیاں اب بھی ٹمٹما رہی تھیں۔ اس طرح یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے سوچا اور کار کی روشنیاں بجھا دیں۔ تاریکی میں مجھے سڑک کے بائیں سمت ایک عمارت نظر آئی تو کار کچے راستے پر اتار کر اسے اسی سمت دوڑانے لگا۔ عمارت کے احاطے کی بائیں سمت کی دیوار کے ساتھ کار روک کر میں نے انجن بند کیا اور پھر کار کی چھت پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ عمارت کے سامنے کے رخ پر روشنی تھی پھر جو کھلا ہوا دروازہ مجھے نظر آیا میں اسی میں اندر داخل ہو گیا اور چند ساعت کے بعد میں نے خود کو وسیع کمرے میں پایا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟

کمرے میں تاریکی تھی صرف ایک روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس روشنی کے انعکاس سے کمرے کے ماحول کے نقوش کسی قدر اجاگر ہو گئے تھے۔ کافی سا فرنیچر پڑا ہوا تھا..... دیواروں پر پردے لہرا رہے تھے۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گو میری کیفیت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی لیکن میں فطری طور پر مجرم نہیں تھا۔ اس لئے یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ میرے کان کسی آہٹ کے منتظر تھے۔ میں یہاں زیادہ دیر محفوظ نہیں رہ سکتا تھا اس لئے ہمت کر کے باہر نکل آیا ایک وہ سمت تھی جس طرف سے میں آیا تھا۔ میں نے اس سمت کو چھوڑ کر دوسرا رخ اختیار کیا۔ راہداری کافی طویل تھی۔ راہداری آگے چل کر بائیں سمت گھوم گئی۔ یہاں تین سیڑھیاں تھیں اور سیڑھیوں کے اختتام پر بھی ایک دروازہ نظر آیا...... میں نے کمرے کے دروازے کو آزمایا جو میرے سامنے تھا حالانکہ یہ خطرناک بات تھی ممکن ہے یہ کمرہ پہلے کمرے کی مانند خالی نہ ہو لیکن کمرے میں داخل ہونے سے قبل میں نے یہ بات نہیں سوچی تھی۔ اندر داخل ہو کر محسوس ہوا کہ کمرہ ائرکنڈیشنڈ ہے۔ میں ٹھٹک گیا۔ اگر کمرے میں کوئی موجود نہ ہوتا تو ائرکنڈیشنر چل نہ رہا ہوتا۔ میں الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن اسی وقت انتہائی تیز روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ اتنی تیز کہ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں نے برق رفتاری سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور خود کار دروازے سے بری طرح ٹکرا کر زمین پر گر پڑا۔ خاصی چوٹ لگی تھی لیکن اس کے باوجود میں پھر کھڑا ہو گیا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے کھینچا اور اسی وقت تیز روشنی ہلکی ہو گئی اور غالباً تیز روشنی بجھا کر ہلکی روشنی کی گئی تھی۔

"اپنی احمقانہ جدوجہد سے تھک جاؤ تو میرے نزدیک آ جانا۔" ایک بھاری پُررعب لیکن متین آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کے بجائے کمرے سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا تھا لیکن کمبخت ہینڈل کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ دروازہ اب نہیں کھلے گا اور میں ایک گہری سانس لے کر گھوم گیا۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے اس جھولتی ہوئی کرسی کو دیکھا جو ایک

خوبصورت بیڈ کے نزدیک پڑی تھی۔ اس کرسی پر ایک دراز قامت شخص گہرے نیلے رنگ کا گاؤن پہنے ہاتھوں میں کتاب تھامے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔ جو شاید بجھ چکا تھا۔ ورنہ تاریکی میں اس کی چنگاری مجھے ضرور نظر آجاتی۔ آنکھوں پر سنہری فریم کی عینک تھی اور چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا' اور بالوں اور فرنچ کٹ داڑھی کی سفیدی اس رنگ سے ہم آہنگ ہو کر بے حد جاذب نگاہ لگ رہی تھی۔ بیک نگاہ بے حد شاندار شخصیت کا مالک لگا۔ تب اس نے کتاب ایک ہاتھ میں تھامی اور دوسرے ہاتھ سے دانتوں میں دبا ہوا پائپ نکال لیا۔

"تھک گئے؟" وہی بارعب آواز پھر گونجی۔

"دروازہ کیوں نہیں کھل رہا۔" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"آٹومیٹک ہے۔ ایک بٹن دبانے کے بعد اس طرح بند ہو جاتا ہے کہ اسے توڑ کر ہی کھولنا پڑتا ہے۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اسے کھول دو۔ ورنہ۔ ورنہ۔" مجھے اپنی آواز کے کھوکھلے پن کا احساس ہونے لگا۔

"مہمان کسی دروازے سے اندر آئیں' مہمان ہوتے ہیں اور میزبان پر ان کی ذمے داری عاید ہو جاتی ہے۔ آؤ بیٹھو۔ جانا ہے تو چلے جانا۔ مقصد میں ناکامی تو ہو ہی گئی ہے۔ اخلاق کے دامن کو ہاتھ سے کیوں چھوڑ رہے ہو؟ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"چالاکی سے گرفتار کرانا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"وعدہ رہا کہ ایسی کوئی بات نہ ہو گی۔"

"ان خوبصورت اور اعلیٰ درجے کے مکانات میں وعدے کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تجربات کے لیے طویل عمر درکار ہوتی ہے بیٹے۔ تم اس چھوٹی سی عمر میں اپنے تجربات کو اتنا مکمل سمجھتے ہو۔ یہ نا سمجھی ہے۔" آواز میں نرمی اور حلیمی تھی۔

"میں خطرات میں گھرا ہوں۔ اس وقت تمہاری ان گہری باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے جانے دو ورنہ تمہاری عمدہ شخصیت کا احترام نہیں کر سکوں گا۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم خواہ کسی بھی حیثیت سے اس مکان میں داخل ہوئے ہو۔ میں نے تمہیں ایک مہمان کا درجہ دیا ہے اور میزبان کے جو فرائض ہوتے ہیں' وہ مجھے پورے کرنے دو۔ میں اس چھت کا وقار مجروح نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے علاوہ مکانوں کی ساخت سے مکینوں کی فطرت کے بارے میں تمہارے تجربے کو غلط ثابت کرنے کا خواہشمند بھی ہوں۔ باقی رہا میری شخصیت کا احترام تو میں اپنے مہمان کی ہر خواہش کا احترام

کروں گا۔" اس کا مقصد تھا کہ میں اس پر حملہ کروں اور اپنی قوت آزماؤں لیکن نجانے کیوں میں ایسا نہیں کر سکا۔

"اعتبار کی مختلف اشکال ہوتی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "بعض اوقات ہم اپنی مجبوری کو بھی اعتبار کا نام دے دیتے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ ممکن ہے میں' تمہیں وہ بھی دے دوں جس کے حصول میں ناکام ہو کر تم صرف یہاں سے نکل جانے کو منافع سمجھ رہے ہو۔"

وہ شخص مہربان بادل کی طرح میری ذات کے آسمان پر چھا گیا تھا۔ مجھے اپنی شخصیت اس کے سامنے ہلکی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ نجانے کیا سمجھ رہا تھا۔

"ہر جذباتی شخص پہلے آزماتا ہے' پھر تسلیم کرتا ہے۔ میں نے تمہارے اندر یہ انجھنی ہلی خوبی تلاش کی ہے کہ تم تعاون کے قائل ہو اور جذباتی نہیں ہو۔ اگر جذباتی ہوتے تو تجھ ودکو ضرور آزماتے۔ تم برے انسان نہیں ہو۔"

"ابھی تم نے کچھ الفاظ کہے تھے۔ میں ان کی تشریح چاہتا ہوں۔ تم نے کہا تھا ممکن ہے' میں تمہیں وہ بھی دے دوں جس کے حصول میں ناکامی ہوئی ہے۔ یہ الفاظ تم نے مجھے چور سمجھ کر کہے تھے؟"

"کیا تم اس عمارت میں چوری کی نیت سے داخل نہیں ہوئے تھے؟"

"نہیں......... میں نے اپنی زندگی میں کبھی چوری نہیں کی۔"

"تو کیا تو خلیفہ ہارون الرشید کی طرح اپنے وطن کے لوگوں کے مسائل جاننے نکلے تھے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"براہ کرم میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ میں حالات کا شکار ہوں اور پولیس میرے پیچھے ہے۔ پولیس سے بچتا ہوا اس عمارت میں داخل ہو گیا ہوں مجھے یقین ہے کہ پولیس مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک ضرور پہنچے گی۔"

وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے بجھا ہوا پائپ دانتوں میں دبا لیا۔ اسے سلگا کر دو تین کش لئے اور پھر بولا۔ "میں اس وقت بھی میزبانی کے فرائض انجام دوں گا۔ پولیس کسی وجہ سے ہی تمہارے پیچھے لگی ہو گی اور وجہ یقیناً سماج دشمنی ہو گی۔ فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری نہیں بیٹے کہ انسان بہت سے افراد کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اگر وہ اپنی زندگی میں کسی ایک انسان کو بھی روشن راستہ دکھا دے تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ میں تمہیں اس عمارت میں تحفظ کی ضمانت دیتا ہوں۔ پولیس تم سے کتنی دور تھی؟"

"زیادہ دور نہیں تھی جس کار سے میں فرار ہوا تھا' وہ تمہاری کوٹھی کی ایک دیوار سے لگی کھڑی ہے۔ پولیس اسے تلاش کر لے گی اور اس عمارت میں پہنچ جائے گی۔"

"ہوں۔" اس نے پائپ کے کچھ اور کش لئے پھر ایک میز پر لگا ہوا بٹن دبایا اور

اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "عمارت کافی وسیع ہے۔ اگر خوف یا بے اعتمادی محسوس کرو تو ا
کمرے سے نکل کر کہیں اور پوشیدہ ہو جانا۔ نکلنا چاہو تو نکل جانا اور سنو۔ میں دعوت د
ہوں کہ اگر بے اعتمادی یا خوف تمہیں یہاں سے نکل جانے پر مجبور کرے تو ایک بار دن
روشنی میں میرے پاس ضرور آ جانا۔ مجھے تم سے بے حد ضروری کام ہے۔ اب میں ذرا با
جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"اس کار کو ٹھکانے لگانے جو تمہاری نشاندہی کر سکتی ہے۔" اس نے کہا ا
ے کی طرف بڑھ گیا پھر اس نے اطمینان سے وہ دروازہ کھولا جو مجھ سے کوشش
باوجود بھی نہیں کھل سکا تھا اور باہر نکل گیا۔

میری ذہنی حالت خاصی پریشان کن تھی۔ اس شخص کا کردار خاصا ڈرامائی لگ
تھا۔ کم از کم میں نے تو ایسے لوگ اس سے قبل نہیں دیکھے تھے جو کسی کو چور سمجھ کر
اس کے میزبان بن جائیں۔ دنیا چالاک ترین لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ اعلیٰ درجے
زندگی گزارنے والے، عموماً جذبوں سے خالی ہوتے ہیں ممکن ہے یہ شخص اپنی باتوں
مجھے مسحور کر کے اطمینان سے میرے لئے چوہے دان تیار کرنے نکل گیا ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ بھی اندر سے نہیں کھل
تھا میں نے سوچا کہ اس کے جال میں پھنس گیا ہوں چنانچہ میں نے دروازے کی طر
چھلانگ لگائی لیکن اس بار ہینڈل اطمینان سے کھل گیا۔ گویا اس نے وہ بٹن کھول دیا تھا ج
سے دروازہ لاک ہو جاتا تھا۔ میں ایک گہری سانس لے کر باہر آ گیا۔ پھر میں نے ا
راہداری کے اختتام پر مڑتے دیکھا۔ بڑی شاہانہ چال تھی۔ اور بڑے وقار کے ساتھ
راہداری میں جا رہا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اب میں ان لوگوں میں تھا جو
پر اعتبار نہیں کرتے۔ میں اس کا تعاقب کرتا رہا پھر میں نے اسے اچھل کر دیوار پر چڑ
دیکھا اور پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔ اس عمر میں بھی وہ جوانوں کی طرح چاق و چوبند ا
پھرتیلا تھا۔ اس نے مجھے خود سے طاقت آزمائی کی دعوت بھی دی تھی حالانکہ مجھے یقین تھا
میں اسے زیر کر سکتا ہوں۔ جیل میں، میں نے بہت کچھ سیکھا تھا لیکن اس کی شخصیت ا
تھی کہ بڑے بڑے اس کے سامنے چوہا بن کر رہ جاتے ہوں گے۔

میرا یہ خیال تو باطل ہو گیا کہ وہ پولیس کو فون کرنے گیا ہے۔ ممکن ہے وہ با
کا دھنی ہو اور اپنا قول نبھانا بھی جانتا ہو لیکن اب میں کیا کروں کیا یہاں سے بھاگ جاؤ
لیکن کہاں؟ اس وقت تو پوری دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ یہ عمارت شہر
اس قدر دور تھی کہ پیدل شہر جانے کا تصور بھی حماقت تھا۔ پھر کیوں نہ یہاں رکوں اور
کو تقدیر پر چھوڑ دوں جو کچھ ہونا ہے وہی ہو گا۔ اس وقت تقدیر کے ساتھ جنگ

سارے وسائل ختم ہو چکے تھے اور میں بے بسی کی منزل پر تھا۔ چنانچہ میں واپس اس کمرے
کی جانب چل پڑا۔ اب تو اسے بھی تھوڑا بہت اعتبار دینا ضروری تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واپس آ گیا۔ ایک پر سکون اور پر اعتماد مسکراہٹ اس
کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ اس نے کافی کا سامان میز پر رکھ دیا اور میز کی دراز سے ایک
چھوٹی سی الیکٹرک کیتلی نکالی اور اس کا سوئچ ایک سرکٹ میں لگا دیا۔ "میں میزبانی کا پہلا
فرض تمہیں کافی پلا کر پورا کروں گا۔ رات کے وقت نوکروں کو تکلیف نہیں دی جا سکتی
یوں بھی بعض اوقات اپنا کام خود کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"اوں؟" میں چونک پڑا۔

"نہیں سنیں میری باتیں۔ یہ غیر فطری بات نہیں۔ اس وقت تمہاری الجھنیں
تمہارے ذہن کو گرفت میں لیے ہوں گی۔ بھلا دوسری باتوں کی طرف تم کس طرح توجہ
دے سکتے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں' سوچ لو۔ فیصلہ کر لو ان حالات کے بارے میں۔ میں جب
تک کافی بناتا ہوں۔"

وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور میں خود کو پرسکون کرنے میں
لگ گیا۔

"وہ باتھ روم ہے اگر چاہو تو منہ ہاتھ دھو لو۔ تازہ دم ہو کر کافی پییں گے اور
گفتگو کریں گے۔" اس نے کہا۔

میں خاموشی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

.... ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں نے بڑا سکون بخشا تھا۔ کافی حد تک تازہ دم ہو
کر باہر آیا تو کافی کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس نے ایک پیالی میری طرف بڑھا دی اور
دوسری خود لے کر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تو میرے عزیز مہمان۔ پہلے تو ایک دوسرے سے اپنا تعارف کرا دیں جو صرف
نام کی حد تک ہو۔ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے یہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔.....
کیا نام ہے تمہارا؟"

"منصور احمد۔" میں نے جواب دیا۔

"عام طور پر مجھے پروفیسر شیرازی کہا جاتا ہے۔ یہ تو ہوا تعارف۔ اب تم پہلے مجھ
سے میرے بارے میں سوالات کر لو تاکہ پھر میں پوری تفصیل سے تمہیں جاننے کی کوشش
کروں اور ہاں ذہنی انتشار ختم کر دو۔ میں نے تمہاری کار اندر لا کر گیراج میں بند کر دی
ہے۔ پولیس کے افراد میرا احترام کرتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ میرے گیراج تک
پہنچنے کی کوشش کرے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر پولیس کو اس عمارت پر شبہ ہوا تو کم از
کم وہ رات کے اس پہر مجھے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اور صبح کو ہی آئے

گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"میں مطمئن ہوں پروفیسر۔" میں نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"میں ایک ناکارہ انسان ہوں۔ ازراہ انکسار نہیں کہہ رہا بلکہ ایک حقیقت بتا رہا ہوں۔" پروفیسر نے کہا۔ "میں نے پوری زندگی کچھ نہیں کیا اور اس میں قصور میرے والدین کا ہے اتنی دولت اکٹھی کر لی تھی انہوں نے اور اس طرح نشوونما کی تھی میرے ذہن کی کہ میں بالکل بے عمل ہو کر رہ گیا بس حصول علم میں زندگی گزاری اور آج تک یہی شغل جاری ہے۔ زیادہ افراد کبھی میری ذات سے منسلک نہ ہو سکے کیونکہ دوستوں کا پھیلاؤ نہ تھا۔ کچھ وقت کے لیے شادی کی تھی لیکن میری رفیقہ حیات میرے نکمے پن کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ میری زندگی کے لیے ایک سہارا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو گئی۔ اس سہارے کا نام سرخاب ہے۔ میری بیٹی جو اب عمر کی انیسویں منزل میں ہے۔ میں نے سرخاب کو اعلیٰ تعلیم سے نوازا ہے۔ اسے میرے نظریات سے اختلاف ہے اور وہ آزادی سے اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ یہ ہے پروفیسر شیرازی...... اس کے علاوہ میری ذات کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔"

پروفیسر کی باتیں دل میں اتر رہی تھیں۔ اس پر آشوب دور میں جبکہ چاروں طرف دشمنوں کی یلغار تھی، اس شخص کی گفتگو میں ایک اجنبی سا خلوص تھا۔ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "دنیا کے بارے میں میرا نظریہ کچھ اور ہی ہے پروفیسر۔ جو کچھ دیکھا ہے اور جن حالات سے گزرا ہوں۔ وہاں انسان کو صرف ایک خوفناک درندے کے روپ میں دیکھا ہے۔ میں خود ان درندوں سے مختلف نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے آپ کی محبت اور خلوص بالکل اجنبی لگ رہا ہے۔"

"حق بجانب ہو میرے دوست۔ والدین ہیں تمہارے؟"

"والدین تھے لیکن اب نہیں ہیں اور ہیں بھی تو نجانے کہاں ہیں؟ درندوں نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا ہے، پروفیسر۔"

"والدین تھے تو ان پر اعتبار کرتے تھے؟"

"اس وقت تو کسی پر بھی بے اعتباری نہیں تھی پروفیسر۔"

"تھوڑی دیر کے لیے ان لمحات کو واپس لے آؤ۔ اپنے والدین کے نام پر ماضی کے وہ لمحات پروفیسر شیرازی کو بھیک دے دو۔ اپنی ذات کے سارے دروازے کھول دو منصور۔ کبھی کبھی کسی کو کچھ دینے سے کچھ نہیں بگڑتا۔" پروفیسر کا لہجہ بے حد جذباتی تھا۔

میں تعجب سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کسی اجنبی کو میری ذات میں اس قدر دلچسپی کیوں؟ واقعی وہ انوکھا انسان تھا۔ اس وقت جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ تو...... تو...... ایک اور سوال میرے ذہن میں جاگ اٹھا۔

"جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا پروفیسر۔ تو کیا آپ جاگ رہے تھے؟"

"ہاں، میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میری عادت ہے۔"

"کتاب پڑھ رہے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "لیکن آپ کے کمرے میں تو اندھیرا تھا۔"

پروفیسر نے وہ کتاب اٹھالی جسے اس نے درمیان سے کھول کر رکھ دیا تھا۔ "مجھے نایاب کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ یہ کتاب کم از کم ایک ہزار سال پرانی ہے۔ قلمی نسخہ ہے۔ اس وقت کی تحریر جو ایک مخصوص روشنائی سے لکھی گئی تھی۔ تم دیکھو اس دور کا انسان بھی ذہانت میں کسی سے کم نہیں تھا۔" پروفیسر کا ذہن بھٹک گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور پھر اچانک کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ تب پروفیسر نے کتاب کھول کر میرے سامنے کر دی اور میں نے وہ حیرت انگیز چیز دیکھی۔ کتاب کے الفاظ جگنوؤں کی طرح چمک رہے تھے۔ اتنے صاف نظر آ رہے تھے کہ انھیں باسانی پڑھا جا سکتا تھا۔

"واقعی نایاب ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

پروفیسر نے کتاب بند کر کے دوبارہ روشنی کر دی۔ پھر بولا۔ "تمہارے بارے میں میرا اشتیاق بڑھ رہا ہے، منصور!"

"میری کہانی طویل ہے پروفیسر۔ منصور احمد بھی کسی دور میں نیک فطرت نوجوان تھا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر گزرے ہوئے لمحات میرے گالوں پر پانی بن کر لڑھکتے رہے۔ میں نے اس شخص کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو کر خود کو مکمل طور پر ظاہر کر دیا۔ پروفیسر بت بنا میری کہانی سنتا رہا پھر میں نے اسے لاش کے بارے میں بتایا اور یہاں تک پہنچنے کی تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔

"ہاں منصور! ہماری یہ دنیا بڑی عجیب ہے۔ نجانے لوگوں نے نفرت کو شعار کیوں بنا لیا ہے۔ نہ جانے یہ سب مل کر اس دنیا کو گلزار بنانے کا کیوں نہیں سوچتے۔" وہ تھوڑی دیر توقف کے بعد بولا۔ "پھر میرے بچے! اب تم نے کیا سوچا ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں پروفیسر! کہ ان لوگوں سے انتقام لوں جنھوں نے میری ذات کا حسن چھین کر مجھے یہ روپ دیا ہے۔"

"نہیں نہیں منصور۔ ایک غلطی انہوں نے کی ہے۔ دوسری تم نہ کرو۔ برائی کا جواب برائی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں کون سوچے گا، پروفیسر؟ کیا آپ کے پاس میرے زخموں کے لیے کوئی مرہم ہے۔ کیا آپ مجھے میرا کھویا ہوا سکون اور میری زندگی کے پانچ سال واپس دے سکتے ہیں اور پروفیسر کیا آپ مجھے میری ماں......اور...... مم...... میری بہن فریدہ واپس کر سکتے ہیں۔ لایئے یہ ساری چیزیں مجھے واپس دے دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ برائی کا راستہ

نہیں اپناؤں گا۔"

میں نے کہا اور آنسوؤں کے چند قطروں نے مجھے احساس دلا دیا کہ میں رو رہا ہوں۔ "مجھے ان آنسوؤں سے نفرت ہے پروفیسر! جو نجانے کیوں تمہارے سامنے ان آنکھوں نے بہا دیئے۔ اب ان آنکھوں سے آنسو نہیں شعلے نکلیں گے میں شرمندہ ہوں کہ آپ کی' انتقام نہ لینے والی نصیحت کو قبول نہیں کر سکوں گا۔ ہاں زندگی میں کبھی کبھی نفرت اور انتقام کے جذبات سے اکتاہٹ محسوس ہوئی تو اس محبت اور شفقت کے تصور سے روح کو ٹھنڈا کر لوں گا یا کسی کو تکلیف پہنچاتے وقت یہ احساس ضرور رکھوں گا کہ دنیا صرف نفرت اور انتقام کا نام نہیں ہے۔"

"منصور بیٹے! تمہارے جذبات کو میں بالکل تمہاری ہی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود میری درخواست ہے کہ تم برے راستوں پر نہ جاؤ۔ جانتا ہوں کہ تمہاری نیکی اور شرافت تمہیں کچھ نہ دے سکی۔ لیکن برائی تمہیں مزید اذیت دے گی۔"

"میں نہیں مانتا پروفیسر! سیٹھ کے کرتوتوں نے اسے عزت دی ہے اور وقار دیا ہے۔ ہم جیسے لوگوں پر فوقیت دی ہے۔ پھر آپ بدی کے راستوں کی یہ خوفناک تصویر کس فریم میں فٹ کریں گے؟"

"اس کا اختتام بھی ہو گا۔ ضرور ہو گا اور تم دیکھو گے کہ انتہا کتنی عبرتناک ہوتی ہے۔"

"میں ساری باتیں مان لوں پروفیسر لیکن فریدہ اور ماں کو نہیں بھول سکتا۔ کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"ان کی تلاش میں' میں تمہاری مدد کروں گا۔" پروفیسر نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ "لیکن تم قتل کے الزام کا کیا کرو گے؟ باہر نکلو گے تو پولیس تمہیں گرفتار کر لے گی۔"

"کچھ بھی ہو جائے مجھے یہ سازش تو ناکام بنانی ہی ہے۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن اس کے لیے وہ ذرائع اختیار مت کرو منصور جو تمہیں مزید گہرائی میں پہنچا دیں میری پیش کش ہے کہ تم اس مکان کو اپنی پناہ گاہ تصور کرو۔ ابھی کچھ روز خاموشی سے گزارو۔ میں حالات کا جائزہ لوں گا۔ اور پھر کوشش کروں گا کہ اپنے تعلقات سے کام لے کر تمہارے مسائل حل کروں۔ تمہیں میرے ساتھ اتنا تعاون تو کرنا ہی چاہیئے۔" پروفیسر کے لہجے میں عاجزی تھی۔

میں تعجب سے اس شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ بے لوث انسان میرے لیے اتنا درد مند کیوں ہو گیا ہے؟ میں تو اس کے لئے بے مصرف ہوں۔ اگر ابتدا ہی میں اس سے ملاقات ہو جاتی تو کیا آج میں ایک شریف انسان کی مانند زندگی نہ گزار رہا ہوتا' کیا

پانچ سال میری زندگی کے سنہری سال نہ ہوتے؟ کیا میں فریدہ کی شادی نہ کر چکا ہوتا؟ وہ یری نگاہوں سے اوجھل کیوں ہوتیں؟ نہ جانے میرے بعد کتنے مسائل' کتنے مصائب ھانے پڑے، ہوں گے ان بے چاریوں کو؟ یہ سب کیوں ہوتا؟ پروفیسر شیرازی کو تلاش رنے کے لیے مجرم بننا کیوں ضروری ہے؟ کیوں ضروری ہے؟ "پروفیسر۔ آپ مجھے پہلے یوں نہ مل گئے؟ ایک بات بتا دیں پروفیسر! صرف ایک بات۔ مجھ جیسے انسان سے آپ کو نی ہمدردی کیوں ہو گئی؟ میں تو۔ میں تو اس ارادے سے داخل ہوا تھا کہ اگر کوئی مزاحم د گا تو ہر طرح سے میں اپنی آزادی کا تحفظ کروں گا۔"

"میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے منصور اور انسان مجھے دنیا کی ہر اندار شے سے زیادہ معصوم اور بے بس نظر آیا ہے۔ کتابی علم کہتا ہے کہ انسان ازل سے صوم ہے اور ابد تک معصوم ہی رہے گا۔ برائیاں زندگی کے لیے جہنم تعمیر کرتی ہیں اور ں جہنم کو سرد کرنا ہر صاحب ہوش کا فرض ہے' مجھے اس دنیا سے پیار ہے۔ میں دنیا کے ستان میں پھولوں کا آرزومند ہوں اور میرے بچے! پھولوں کی کاشت کے لیے دنیا بھر کی ین نہ مل سکے تو ایک پودا ہی لگا دو۔ صرف ایک پودا' جس پر کھلنے والا پھول تمہاری روح وہمیشہ کی بالیدگی بخشے گا۔ میں اس بالیدگی کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔ بولو۔ تم میری د کرو گے میرے بچے؟"

"میں۔ میں کیا کر سکتا ہوں پروفیسر؟"

"صرف یہی کہ مجھ سے تعاون کرو۔ اس وقت تک جرم کے راستوں پر نہ جاؤ ب تک میں تمہارے مسئلے میں بے بسی کا اظہار نہ کر دوں۔ بولو مجھ سے تعاون کرو گے؟"

"مجھ پر قتل کا الزام ہے۔ پروفیسر۔ کیا میں ایک قاتل کی حیثیت سے تمہارے لئے مصیبت نہیں بن جاؤں گا۔"

"صرف الزام ہے۔ تم قاتل تو نہیں۔ اگر اس الزام میں' میں بھی شامل ہو جاؤں کیا حرج ہے۔ ہم دونوں مل کر خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہتر ہے لیکن مجھے اپنی ماں اور بہن کو تو تلاش کرنے دیں۔"

"جہاں اتنا صبر کیا ہے تھوڑا اور کر لو۔ ہمارا دوسرا مرحلہ یہی ہو گا۔ تم باہر نکلو گے تو تمہارے ذہن میں انتقام کا جذبہ ابھرے گا اور یہ جذبہ تمہیں مزید برائیوں کی طرف لے جائے گا۔ تم قاتل بھی بن سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر! آپ کے اس بے لوث احساس کے عوض میں مزید دوڑنے ے رک جاتا ہوں۔ لیکن اگر میری ماں اور بہن کسی حادثے کا شکار ہو گئیں تو میں اس دنیا و معاف نہیں کروں گا۔"

پروفیسر نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "خدا نے چاہا تو وہ بخیریت

ہوں گی۔ قوت ایزدی تمام شیطانی قوتوں پر حاوی ہے اور ایسا ہوتا ہے جو ہماری سوچ سمجھ
سے کہیں بالاتر ہوتا ہے۔ وقت کافی گزر چکا ہے۔ آؤ میں تمہیں آرام کی جگہ بتا دوں،
اطمینان سے سو جاؤ۔" اس نے اپنی خواب گاہ سے تھوڑی دور ایک کمرے کا دروازہ کھولا،
وہاں آرام دہ بستر لگا ہوا تھا۔ ضرورت کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔

"یہ تمہاری خواب گاہ ہے۔"

"شکریہ پروفیسر۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلا
گیا۔

میں نے جوتے اتارے اور بستر پر دراز ہو گیا۔ لیکن ذہن سوچ سمجھ سے بیگانہ ہو
رہا تھا۔ کون کسی کی آگ میں کودتا ہے اور پھر لوگ تو نیک ناموں کی دوستی اپناتے ہیں،
برے لوگوں کو سہارا دینے والے تو معاشرے میں مسخرے کہلاتے ہیں۔ یہ شخص اتنا مختلف
کیوں ہے۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ بظاہر تو اس کی کوئی غرض بھی نہیں محسوس ہوتی۔ پھر
محبت۔ یہ التفات؟ میرا سر دکھنے لگا۔ پروفیسر کی شخصیت نے ڈانواں ڈول کر دیا تھا ذہن بری
طرح دکھنے لگا تھا۔ چنانچہ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نیند آ
گئی۔ جب میں بیدار ہوا تو کمرہ بدستور نیم تاریک تھا۔ دیواری گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی
تھی۔ دن کے ساڑھے بارہ۔ یقیناً میں گہری نیند سویا تھا۔ میں باتھ روم میں گھس گیا،
ٹھنڈے پانی نے روح کو شگفتہ کر دیا تھا۔ شیو بنانے کا سامان موجود تھا۔ میں باتھ روم سے
نکلا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور ایک ملازم منتظر کھڑا تھا۔ "سلام سرکار۔" اس نے جلدی سے
سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ آپ کو لائبریری میں پہنچا دوں۔"

میں اثبات میں سر ہلا کر ملازم کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔ دن کی روشنی میں
میں نے عمارت کے ہر حصے کو بغور دیکھا نہایت خوبصورت تعمیر تھی۔ ہر چیز سے سلیقہ اور
نفاست ٹپکتی تھی۔ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے ملازم نے مجھے لا کھڑا کیا۔ میں
دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ کمرے کے چاروں طرف چھت تک بلند الماریاں تھیں
جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ درمیان میں جگہ جگہ شیلف رکھے ہوئے تھے جو نفیس
جلد والی کتابوں سے سجے ہوئے تھے۔ پروفیسر ایک انتہائی آرام دہ نشست پر نیم دراز تھا
اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور کتاب بند کر کے رکھ
دی۔ پھر آنکھوں سے چشمہ اتار کر بولا۔ "صبح بخیر!"

"شکریہ پروفیسر۔ لیکن اب تو دوپہر ہو گئی ہے۔"

"ہوں۔ تم خوب سوئے۔ آؤ بیٹھو۔ ناشتے کے وقت جی چاہ رہا تھا کہ تمہیں
لوں۔ لیکن پھر یہ سوچا کہ تمہیں نیند کی شدید ضرورت ہے۔ اب جوس کا ایک گلاس پی لو
اس کے بعد لنچ کریں گے۔ ورنہ تمہاری بھوک خراب ہو گی۔" پروفیسر نے کہا تو مجھے ہنسی

ئی۔ "کیوں۔ ہنسی کیوں آئی؟" پروفیسر نے چشمہ دوبارہ ناک پر رکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"آپ مجھے کیا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں' پروفیسر! میں تو ٹاٹ کا کیڑا ہوں۔
مخمل کی زندگی کیسے گزار سکتا ہوں؟"

"پھر وہی بات۔ دیکھو تم رات کو کچھ وعدے کر چکے ہو اور ان وعدوں کے تحت
تم وہ نہیں ہو جو پہلے تھے۔ اپنی زندگی میری ہدایات پر چلانے کا تجربہ کرو۔ اگر سکون نہ ملا تو
میں تمہیں دوبارہ مجبور نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر! لیکن میں اتنا بدبخت انسان ہوں کہ آپ کا' آپ جیسے
خوبصورت الفاظ میں شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ احسان چکانے کی بات الگ رہی۔" میں
نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ملازم اس کے لئے دو گلاس لے آیا۔
پروفیسر نے اپنا گلاس لے کر اخبار میرے سامنے کر دیا۔ میں چونک پڑا۔ ایک خبر نمایاں تھی۔
پروفیسر نے اس پر حاشیہ بنا دیا تھا۔

"جیل سے آزاد ہونے والے مجرم نے ایک نوجوان کو قتل کر دیا۔ مجرم پولیس کو
دھوکا دے کر فرار ہو گیا۔" یہ سرخی تھی اور اس کے بعد خبر یوں تھی۔ "منصور احمد نامی
نوجوان نے اپنے دیرینہ دشمن فیروز کو قتل کر دیا۔ واقعات کے مطابق پانچ سال قبل منصور
کو چرس فروشی اور دیگر جرائم کی بنا پر پانچ سال قید کی سزا دی گئی تھی۔ منصور کے بارے
میں اس کے پڑوسیوں کا خیال تھا کہ وہ ایک شریف نوجوان ہے۔ اپنی سزا پوری کرنے کے
بعد منصور واپس اپنے گھر آیا تو اس کی ماں اور بہن موجود نہیں تھیں اور اس کا مکان فیروز
نامی ایک شخص کے قبضے میں تھا۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ چرس فروشی کے الزام میں فیروز نے
ہی اسے جیل بھجوایا تھا۔ چنانچہ منصور نے کل رات انتقاماً اسے ہلاک کر دیا۔ اس نے پتھر
سے فیروز کو زدو کوب کیا اور اس کا چہرہ مسخ کر دیا۔ گزشتہ رات کسی پڑوسی نے لاش کی
اطلاع پولیس کو دی لیکن پولیس کو دیکھتے ہی منصور ایک کار میں فرار ہو گیا۔ پولیس سرگرمی
سے قاتل منصور کو تلاش کر رہی ہے۔

خبر پڑھ کر میری حالت عجیب ہو گئی۔ حالانکہ میں نے فیروز کو قتل نہیں کیا تھا مگر
مجھے اس کے مرنے کی خبر پڑھ کر خوشی ہوئی اور دل اس بات پر رو دیا کہ ایک بار پھر پولیس
کے لئے درد سر بن گیا تھا۔ "خبر پڑھ لی تم نے؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"ہاں پروفیسر۔ اب میں چرس فروش سے قاتل بن گیا ہوں۔ بہرحال کچھ اہمیت تو
بڑھی۔" میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لاش فیروز کی تھی؟" پروفیسر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ اسے میرے خلاف سازش کرنے کے لئے قتل کیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی
موت کی خبر پر خوشی ہوئی ہے۔ فیروز جیسے لوگ ہی مجرموں کی تخلیق کرتے ہیں۔ اس بدبخت

انسان نے میرے پڑوس کے لڑکوں کو غلط راستوں پر لگایا تھا۔ اس سے قبل جو کام وہ چھپ چھپ کر کرتے تھے اب کھلے عام کرنے لگے تھے کیونکہ انہیں فیروز کی پشت پناہی حاصل ہو گئی تھی۔"

پروفیسر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور کہا لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ کھانا کھائیں۔" میں خاموشی سے اس کے ساتھ اٹھ گیا' ہم کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ اور ایک خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"تمہاری تعلیمی قابلیت کیا ہے؟" پروفیسر نے لقمہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"انٹر کر چکا ہوں۔"

"ان دنوں تمہارے پاس کافی وقت ہے۔ میں چند کتابیں تمہیں دوں گا۔ ان کا مطالعہ تمہارے لئے بے حد ضروری ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ اسی وقت ایک لڑکی کمرے میں آگئی۔ سفید سے سادہ لباس میں' بڑی بڑی اور ذہین آنکھوں والی اس لڑکی کے لمبے لمبے بالوں کی ایک لٹ کان کے پاس سے باہر نکل آئی تھی اور اس لٹ نے نجانے کیوں فوراً ہی میرے دل میں ایک خلش پیدا کر دی مجھے کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ سلام کر کے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پروفیسر کے ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ تھی۔ "یہ سرخاب ہے۔" پروفیسر نے کہا اور پھر سرخاب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور سرخاب یہ منصور ہیں۔"

"جی......" سرخاب نے ایک بار پھر مجھے دیکھا۔ اس کی بادامی آنکھوں میں کوئی جذبہ اور کوئی چمک نہیں تھی۔ کھانے کے دوران پروفیسر نے کئی بار سرخاب کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے گردن جھکائے کھانے میں مشغول رہی۔

"میں نے صبح سرخاب کو تمہارے بارے میں بتایا تھا' منصور!" پروفیسر بولا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے پر بے حد اعتماد کرتے ہیں اور اپنے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ رکھتے ہیں اور پھر تمہارے بارے میں سرخاب کو مطلع کرنا ضروری تھا۔ سرخاب نے کہا تھا کہ وہ تم سے ملاقات کے بعد ہی تمہارے بارے میں رائے دے گی۔ کیوں سرخاب اب تم منصور کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"میرے خیال میں منصور صاحب کی سوچ ناپائدار اور کسی قدر احمقانہ ہے۔" سرخاب نے بیباکی سے کہا۔

پروفیسر کے چہرے پر ہلکا سا تغیر نمودار ہو گیا۔ "کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"ان سے بنیادی طور پر غلطی ہوئی ہے۔ معاشرے میں ہر شخص کی اپنی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ منصور صاحب کو کم از کم ایک طرف سے پر سکون رہنا چاہئے تھا۔ اگر یہ ان حالات کا شکار ہو گئے تھے تو کم از کم قانون کا تحفظ کرنے والے اداروں سے انہیں بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"مس سرخاب۔ میں نے ایک انسپکٹر کو پیش کش کی تھی کہ میں اسے اس جگہ پہنچا سکتا ہوں جہاں سیٹھ جبار کا مال اترتا ہے لیکن اس انسپکٹر نے الٹا مجھے گرفتار کر لیا جبکہ سیٹھ جبار آج بھی آزاد ہے۔"

"یہ ادارہ کسی ایک فرد تک تو محدود نہیں ہے۔"

"انہیں اس کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی سرخاب' ان کے خلاف سازش پر فوری طور پر عمل ہوا تھا۔" پروفیسر نے میری حمایت میں کہا۔

"بہرحال ڈیڈی۔ آخری بات یہ رہ جاتی ہے کہ اگر ایک حادثہ ہو ہی گیا تو درگزر سے کام لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ انہوں نے معاشرے سے دوبارہ جنگ کی ٹھانی اور انتقام کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ گویا معاشرے کو ایک اور سماج دشمن مل گیا۔"

"مجھے تمہاری انتہا پسندی سے اختلاف ہے۔ زمین فرشتوں کی نہیں انسانوں کی ہے۔ کسی کو کچلو گے تو وہ چیخنے گا اور پھر مزاحمت میں کوشاں ہو جائے گا۔" پروفیسر نے قدرے ناخوشگواری سے کہا اور سرخاب خاموش ہو گئی۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ لڑکی نے مجھے پسند نہیں کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اٹھ گئے۔ میں پروفیسر کے ساتھ اس کی لائبریری کی طرف چلا گیا اور سرخاب اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"سرخاب کی باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دینا۔ اس کی سوچ ابھی تجربات سے عاری ہے۔" پروفیسر بولا۔

"مجھے اندازہ ہے پروفیسر!"

"میں چند ضروری کاموں سے جاؤں گا۔ تم یہ کتابیں لے لو۔ ......ان کتابوں کا مطالعہ کرو۔ رات کو ملاقات ہو گی۔" پروفیسر نے الماری سے دو کتابیں نکال کر مجھے دیں۔ میں نے اخبار بھی اٹھا لیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ سرخاب کی باتوں سے ذہن میں تکدر ضرور پیدا ہوا تھا لیکن پروفیسر کی وجہ سے یہ تلخی زائل ہو گئی۔ بھلا ایک دولت مند باپ کی بیٹی ان دکھوں کو کیا جانے جو مجھ جیسے انسان کو پیش آ سکتے ہیں۔ اس کا علم کتابوں تک محدود رہا۔ حالات کی چکی میں پسنے والے ہی حالات کے صحیح رخ سے واقف ہو سکتے ہیں' سرخاب نہیں۔ پروفیسر نے جو کتابیں مجھے دی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام تھا۔ "تہذیب کے بڑے" اور دوسری کا نام "معاشرے میں انسان کا مقام" تھا۔ میں نے ان کے چند صفحات کھول کر دیکھے بہت سی خوبصورت باتیں لکھی ہوئی تھیں' لیکن میرا دل کتابوں میں نہیں لگا۔ میرے خیال میں یہ سب حالات سے ناواقف لوگ ہیں جو ایسی کتابیں تخلیق کرتے ہیں۔ کاش وہ مجھ سے ملتے۔ کاش وہ میرے جیسے حالات سے گزرتے تب دیکھتا یہ کتابیں کیسے تخلیق ہوتی ہیں۔ میں نے دونوں کتابیں اٹھا کر دور پھینک دیں اور پھر اخبار اٹھا لیا۔ قتل

کے متعلق خبر کو میں نے کئی بار پڑھا اور ہر بار نئی کیفیت سے دو چار ہوا۔ پھر میں نے اخبار بھی رکھ دیا اور لیٹ گیا۔ میرا ذہن خیالات کے بھنور میں پھنس گیا۔ میں' ماں اور فریدہ کو کیسے بھول سکتا تھا؟ میرے ذہن میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ یہ آگ جب بھی بھڑکتی میرے وجود کو خاکستر کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا میرا وجود سلگنے لگا۔ "نہ جانے۔ نہ جانے وہ کہاں ہوں گی؟" بے چینی میرے سارے وجود میں پھیل گئی۔ نہیں پروفیسر! میں تمہاری دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں زندگی سے پیار نہیں کر سکتا۔ میں معاشرے کا اچھا کردار کبھی نہیں بن سکتا۔ تمہارا علم کتابوں تک ہے اور کوئی کتاب دل کی آگ کی ترجمان نہیں ہوتی۔ وہ جذبات اس میں نہیں مل سکتے جن کا تعلق گوشت کے اس ٹکڑے سے ہے۔ افسوس مجھے تمہاری یہ حسین چھت راس نہیں آسکتی۔

میں اٹھ گیا اور دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں اس راستے کی جانب چل پڑا جدھر سے اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔ لیکن راہداری کے موڑ پر سرخاب مل گئی۔ الجھے ہوئے بالوں کی ایک حسین لٹ اس کے رخسار پر جھوم رہی تھی۔ میں رک گیا۔ "میں تمہارے پاس ہی آ رہی تھی۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"کوئی حکم ہے میرے لئے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میرے ساتھ میرے کمرے میں آؤ۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولی اور پھر واپس مڑ گئی۔

نہ جانے کیوں میں اس کے پیچھے پیچھے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں کا ماحول بڑا پرسکون محسوس ہو رہا تھا۔ "بیٹھو۔" وہ بولی اور میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میری طرح متلون مزاج معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں۔ میرا ذہن صاف ہے۔"

"ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ تم بھی مت بولو۔" اس نے کہا اور میں نے تلخ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میرے لئے یہ کیسے ممکن ہے مس سرخاب! میں اس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جو اخلاقیات کا حسن تو محسوس کر سکتا ہے لیکن اپنا پسندیدہ کردار تخلیق نہیں کر سکتا۔ آپ مصائب کی اس بھٹی کی تپش سے بہت دور ہیں جو کردار مسخ کرتی ہے چنانچہ آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جب کہ بعض اوقات ہم زندہ ہی جھوٹ کی بنیادوں پر رہ سکتے ہیں۔ بہرحال' آپ ایک اچھے انسان کی اچھی بیٹی ہیں۔"

"شکریہ۔ لیکن میں ڈیڈی کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتی۔ تم بے گناہ ہو تو

لوگوں کو تمہاری بے گناہی تسلیم کر لینی چاہئے اور تمہیں بھی اس سلسلے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔"

میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کسی قدر کشمکش کے عالم میں کہا۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"تو پھر عمل کیوں نہیں کرتے؟"

"کروں گا۔ ضرور کروں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ بدی کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ نیکی ہے۔ میں بھی مانتی ہوں لیکن یہ نیکیاں اگر انسان کو وقت سے پہلے قبر میں پہنچا دیں تو پھر انسان کیا کرے۔ ہم اپنی گردن پر کسی معصوم سی چڑیا کو گھونسلہ بنانے کی اجازت تو نہیں دے سکتے۔ رات کو ڈیڈی سے میرا کافی اختلاف رہا۔ اگر تم نے اپنے بارے میں جھوٹ نہیں بولا تو تمہیں پورا حق ہے کہ اپنی بے گناہی ان لوگوں کے سامنے لاؤ جو جرم و سزا کا فیصلہ کرتے ہیں۔"

"آپ کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ قانون کی حدود کیا ہیں؟"

"قانون لا محدود ہے اور ہر انسان کے لئے بنایا جاتا ہے۔"

"کچھ لوگ اپنے وسائل سے قانون کو اپنا ہم آواز بنا لیتے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کی آوازیں دب جاتی ہیں۔"

"تم مجھے اپنے حالات سناؤ۔ ایک ایک لفظ سنا دو۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"ہم مل کر حالات پر تبصرہ کریں گے اگر کوئی ساتھ دینے والا مل جائے تو بہت سی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بہت سے فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

میں نے ایک طویل سانس لے کر اپنی کہانی کا آغاز کر دیا۔ سرخاب بڑی محویت سے سن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد وہ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "یوں تو بے شمار کردار ہیں اس داستان کے لیکن ہمیں ان کے درجے مقرر کرنا پڑیں گے۔ مثلاً سیٹھ جبار اونچی چیز ہے۔ براہ راست اس پر چھلانگ لگانا ممکن نہیں۔ ماں اور بہن کا پتہ معلوم کرنے کے لئے ایک شخصیت اور رہ جاتی ہے۔ جو کسی حد تک تم سے ہمدردی کر سکتی ہے۔ وہ ڈرائیور جس نے سیٹھ جبار کے ہاں تمہیں ڈرائیونگ سکھائی تھی۔ وہ تمہارے والد کا دوست بھی ہے اور اس نے تمہیں ایک بار ہوشیار کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ باقی رہے وہ الزام جو تم پر لگائے گئے ہیں تو میرا خیال ہے ایک بار پھر تم طارق کو پکڑ لو۔ سیٹھ ان کاموں میں خود آگے نہیں بڑھتا ہو گا۔ جب طارق جیسے لوگ اس کے لئے اسمگلنگ کرتے ہیں تو اس کے دوسرے معاملات کی نگرانی بھی کرتے ہوں گے۔ اس قتل کا سراغ

طارق ہی سے مل سکتا۔"

میرے ذہن میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ یہ معمولی سی بات میرے ذہن میں پہلے نہیں آئی تھی۔ بلاشبہ ان حالات میں طارق ہی کار آمد ثابت ہو سکتا تھا۔

"کیا تمہیں مجھ سے اتفاق ہے؟" سرخاب نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ کی دونوں باتیں بہت گہرائی رکھتی ہیں۔"

"تیسری بات یہ ہے کہ جب تک تم خود کو اس الزام سے بری الذمہ نہیں کرتے پولیس سے بچنے کی کوشش کرنا اگر ایک بار پولیس کے ہاتھ آ گئے تو پھر تمہاری کوئی نہیں سنے گا۔"

"آپ بے حد ذہین ہیں سرخاب۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"لیکن منصور آپ ہیں۔ مجھے سولی پر نہ چڑھائیں جو کچھ کریں اپنے طور پر کریں۔ دیکھئے میں نے آپ کو جرائم کی طرف راغب نہیں کیا۔ اگر آپ کے ذہن میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اور کوئی بہتر ذریعہ ہے تو آپ ضرور استعمال کریں۔ کل کہیں ڈیڈی مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں نے آپ کو غلط راہ دکھائی۔"

"میں پروفیسر سے اس گفتگو کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"ہاں یہی بہتر ہے۔ ویسے آپ خود بتائیں آپ کیا کریں گے اور کوئی ذریعہ ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا یہ لڑکی مجھے پہلی نگاہ میں اچھی لگی تھی نہ جانے کیوں اس پر پیار آنے لگا تھا۔ میں چند ساعت اسے دیکھتا رہا اور وہ پہلو بدلنے لگی۔ تب میں اٹھ گیا۔

"اب مجھے اجازت دیں۔"

"بہتر ہے۔" وہ خشک سے انداز میں بولی لیکن میں اس کے لہجے پر توجہ دیئے بغیر باہر نکل آیا۔

نجانے کیوں سرخاب سے گفتگو کے بعد ایک سکون کا احساس ہوا تھا۔ شام کی چائے تنہا پی۔ پروفیسر واپس نہیں آئے تھے اور سرخاب بھی کہیں چلی گئی تھی۔ رات کے کھانے کے لئے ایک نوکر بلانے آیا تھا۔ پروفیسر نے ایک پروقار مسکراہٹ سے مجھے دیکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس پرسکون ماحول نے تمہیں بہتر سوچ دی ہو گی۔ چلو کھانا شروع کرو۔" پروفیسر نے بے تکلفی سے کہا۔ سرخاب کا چہرہ حسب معمول تاثرات سے خالی نظر آ رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

"سرخاب کا رویہ ممکن ہے تمہارے لئے ناپسندیدہ ہو لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ماں کے پیار سے محرومی نے اس کی ذات میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں پروفیسر۔ یہاں آ کر میں نے انسانیت کے کئی نئے رخ دیکھے ہیں۔"

"ارے ہم کیا ہماری بساط کیا۔ آؤ تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھیں۔" اور ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے جو پروفیسر نے رہائش گاہ کے طور پر مجھے بخشا تھا۔ پروفیسر اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ہوں پورے دن کا شغل کیا رہا۔ نفسیات کی رو سے تم میری دی ہوئی کتابوں میں دلچسپی نہیں لے سکے ہو گے۔ تم نے انہیں کھول کر دیکھا ہو گا لیکن ان کے الفاظ تمہارے لئے ذرا بھی دلکش نہیں ہوں گے۔ پھر تم نے اخبار میں اپنے متعلق تو ضرور پڑھا ہو گا اور بقیہ دن اسی سوچ میں گزارا ہو گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔" پروفیسر نے کہا اور میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"آپ کا خیال درست ہے پروفیسر۔" میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ سوچا ہے پروفیسر اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے دشمن میرے گرد اپنی گرفت تنگ سے تنگ کرتے جا رہے ہیں اور میں خاموشی سے یہ حلقہ تنگ ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں پروفیسر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟۔ میں ہر قیمت پر اس الزام کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ باہر جا کر میں سراغ لگاؤں گا کہ قتل کس نے کیا ہے اور پھر اس مجرم کو منظر عام پر لاؤں گا۔"

"کس طرح میرے بچے! کس طرح؟ تمہارے پاس اس کے لئے کیا وسائل ہیں؟ تم مفرور ہو پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اس چار دیواری سے باہر تمہارے لئے بے پناہ خطرات ہیں' میں تمہیں خطرات کے حوالے نہیں کر سکتا۔ میرا ایک مشورہ مان لو منصور تم یہاں آرام سے رہو اور حالات ساز گار ہونے کا انتظار کرو۔ پولیس کی سرگرمی جلد ختم ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو۔"

"اول تو یہ بات میری طبیعت کے خلاف ہے پروفیسر کہ میں دشمنوں سے منہ چھپا کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں۔ دوم میں اپنی ماں اور بہن کی تلاش ترک نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم پروفیسر کہ وہ کہاں اور کس طرح زندگی گزار رہی ہیں۔"

"تمہارا دکھ میں سمجھتا ہوں منصور۔ میں جانتا ہوں کہ تم پر کیا بیت رہی ہے لیکن اس وقت وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

دیر تک میں پروفیسر سے گفتگو کرتا رہا۔ پروفیسر نے پہلی اور آخری بات یہی کہی تھی کہ میں اس کا مہمان بنا رہوں لیکن یہ بات کسی طور مجھے ہضم نہیں ہو سکی تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور پھر پروفیسر مجھے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ میرے لئے پھر وہی سوچ اور تنہائی تھی...... دوسرا دن بھی گزر گیا۔ شام کی چائے پر پروفیسر موجود نہیں تھا۔ کوئی ملاقاتی آ گیا

تھا۔ اس لئے اس نے ڈرائنگ روم میں چائے طلب کرلی تھی۔ البتہ سرخاب میرے ساتھ چائے پینے آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر میری آنکھوں میں پیار امڈ آیا۔

"کیسی ہو سرخاب؟"

"ٹھیک ہوں۔" سرخاب نخوت سے بولی اور اپنے بالوں کی لٹ سنوارنے لگی۔

"ایک درخواست کروں سرخاب؟" میں نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔ "بالوں کو اس لٹ کو اسی طرح پڑا رہنے دو۔"

"کسی کی ذات پر اتنی توجہ مناسب نہیں ہوتی منصور صاحب!" سرخاب نے کہا اور چائے بنانے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر میں نے کچھ نہیں کہا اور چائے پینے میں مشغول ہو گیا۔ سرخاب نے بھی مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں نے بھی اسے مزید پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

یہ رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن صبح کے ناشتے پر پروفیسر نے کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ ممکن ہے واپسی میں کچھ دن لگ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو بور نہیں کرو گے۔"

"کہاں جا رہے ہیں ڈیڈی؟" سرخاب کسی قدر بے چین ہو کر بولی۔

"بھئی میرے ایک دوست نے دعوت دی ہے۔ اس کے ہاتھ کچھ نایاب کتابیں لگی ہیں۔ میں انہیں دیکھنے جاؤں گا۔ فون پر بات ہوئی تھی۔"

پھر دس بجے پروفیسر مجھے آرام سے قیام کرنے کی ہدایت کر کے چلا گیا اور میں اپنے دلچسپ مشاغل میں ڈوب گیا۔ یعنی اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر مجھے سرخاب کا خیال آیا، اور میں اپنے کمرے سے نکل کر اس کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دستک دی اندر سے سرخاب کی آواز سنائی دی۔ اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بستر پر دراز تھی مجھے دیکھ کر جلدی سے اٹھ گئی۔

"آیئے.... تشریف رکھیے۔"

"شکریہ۔ آپ بھی گوشہ نشینی زیادہ پسند کرتی ہیں۔"

"جی ہاں۔ عادی ہوں۔ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ یہاں پر؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے تو ساری زندگی کوئی ایسی آرام دہ قیام گاہ نہیں دیکھی۔ آپ نے بال بہت کس کر باندھے ہوئے ہیں اور اپنے رخسار کو پھر اس حسین لٹ سے محروم کر دیا ہے۔" میں نے پھر شرارتاً کہا اور سرخاب کے چہرے پر بے چینی کے نقوش ابھر آئے۔

"دیکھئے براہ کرم برا نہ مانئے۔ میں اپنی ذات پر تبصرہ پسند نہیں کرتی۔ مجھے آپ کی یہ بات دونوں دفعہ بری محسوس ہوئی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ آپ بالوں کی اس لٹ کو یونہی پیشانی سے رخسار تک آنے کی اجازت دے دیا کریں۔ جس طرح پہلے وہ آپ کے رخسار پر جھولتی رہتی تھی۔"

"مجھے اخلاق کا درس دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ لیجئے۔" سرخاب نے جھلاہٹ میں سارے بال بے ترتیب کر دیئے۔ اب کئی لٹیں اس کے رخسار پر جھولنے لگی تھیں۔ مجھے ہنسی آگئی۔ لیکن سرخاب کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"شکریہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ نہیں پوچھا سرخاب کہ میں پروگرام کے مطابق یہاں سے گیا کیوں نہیں؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں نہ تو اپنی ذات پر کسی کی گرفت پسند کرتی ہوں اور نہ خود کسی کو گرفت میں لینا چاہتی ہوں۔ یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"کل تک آپ مجھے تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ بڑی بے تکلفی اور اپنائیت تھی۔"

"بعض اوقات مجھے اپنی بے تکلفی کی عادت سے شرمندگی ہوتی ہے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں، اس تخاطب پر منصور صاحب۔"

"گویا آپ مجھے وہ بے تکلفی اور وہ اپنائیت نہیں دے سکتیں۔"

"یہ بات نہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ بے تکلفی کے اس انداز میں آپ کا احترام کم ہو جاتا ہے اور مہمان کا احترام فرض ہے۔" سرخاب نے جواب دیا۔ میں اس کے لہجے کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں اس بے چینی سے لطف اندوز ہوتا رہا اور پھر وہاں سے نکل آیا۔

پروفیسر نے مجھ جیسے انسان سے جس محبت کا سلوک کیا تھا وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھا اور اس پر سخت حیرت ہوئی تھی۔ پھر یہ حیرت، محبت اور احترام میں بدل جاتی تھی۔ لیکن انتظار۔ اپنی ذات کے گم ہو جانے کے انتظار میں ایک طویل وقت گزارنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں صرف اپنی زندگی کی حفاظت نہیں چاہتا تھا۔ میرے سامنے تو ایک مشن تھا اور میں اس مشن کو چھوڑ کر ایک پناہ گزین کی زندگی نہیں اپنا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے سرخاب کو بھی کچھ نہیں بتایا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ طارق کی کار کا کیا ہوا؟ یقیناً وہ گیراج میں بند ہو گی لیکن اس کا استعمال کسی طور مناسب نہیں تھا اول تو کار کی چابی ہی میرے پاس نہیں تھی اگر سرخاب سے مانگتا تو اسے علم ہو جاتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ کار فوری طور پر پولیس کی نگاہ میں آسکتی تھی۔

دن کی روشنی میں تو کبھی اس کوٹھی کے جائے وقوع کا جائزہ بھی نہیں لے سکا

تھا۔ اس وقت یہ سارا ماحول میرے لئے اجنبی تھا لیکن ذیلی سڑک سے بڑی سڑک تک پہنچنا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ میں سڑک کے کنارے کنارے چل پڑا۔ پھر میں نے ایک گزرتی ہوئی سوزوکی وین کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وین ایک نوجوان دیہاتی چلا رہا تھا۔ عقب میں مرغیوں کے پنجرے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے لفٹ مانگی اس نے مجھے شہر میں اتار دیا۔ جہاں کی ہر گلی ہر کوچہ میری تاک میں تھا۔ میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپتا چھپاتا سیٹھ جبار کی کوٹھی تک پہنچ گیا اور پھر چور دروازے کے ذریعے امجد بھائی کے کوارٹر تک پہنچ گیا۔ عقبی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو امجد بھائی موجود تھے۔ میں نے آہستگی سے امجد بھائی کو آواز دی۔ فاصلہ ہی کتنا تھا۔ امجد بھائی میری طرف متوجہ ہو گئے اور پھر مجھے پہچان کر ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور دانت بھینچ کر بولے۔

"اندر آ جاؤ۔ جلدی کرو۔" اور میں کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو گیا۔ امجد بھائی نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر کھڑکی بھی بند کر کے اندر کی بتی جلاتے ہوئے بولے۔

"تم منصور۔ تم جیل سے چھوٹ گئے؟"

"آپ نے مجھے پہچان لیا امجد بھائی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہ پہچاننے کی کیا بات ہے؟ لیکن منصور تم نے۔ تم نے بلاوجہ اپنی زندگی ختم کر لی۔"

"جو کچھ ہوا امجد بھائی۔ وہ میری تقدیر ہے۔ آپ کا خوفزدہ ہونا بھی بجا ہے۔ آپ بال بچوں والے آدمی ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ صرف یہ بتا دیں کہ میری ماں اور بہن کی کچھ خبر ہے؟"

"بھابی اور فریدہ؟ جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ تمہیں نہیں ملیں؟"

"نہیں امجد بھائی۔ کیا آپ کو ان کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"خدا کی قسم نہیں۔ حالانکہ تمہارے لئے میرا دل روتا تھا منصور لیکن بیٹے میں بھی مجبور تھا۔ اپنا وہ حال نہیں کرنا چاہتا تھا جو تمہارا ہوا...... پھر سیٹھ کو مجھ پر شبہ بھی تھا۔ میں تو یہاں زندگی صرف اس لئے گزار رہا ہوں منصور کہ کہیں اور نوکری نہیں کر سکتا کیونکہ سیٹھ کے دھندوں سے واقف ہوں ورنہ کبھی کا یہ جگہ چھوڑ گیا ہوتا۔" امجد بھائی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں بڑی امید لے کر آپ کے پاس آیا تھا امجد بھائی۔" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور امجد بھائی کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

"کاش میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔ گھر کی طرف گئے تھے؟"

"ہاں گھر جوئے کا اڈہ بنا ہوا تھا اور اب میرے اوپر قتل کا نیا الزام عائد کیا گیا ہے لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوں امجد بھائی۔ امی اور فریدہ مل جائیں انہیں کسی مناسب مقام پر

پہنچا دوں۔ پھر ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ مجھے صرف یہ خطرہ ہے...... کہ کہیں امی اور فریدہ بھی سیٹھ جبار کی کسی سازش کا شکار نہ ہو گئی ہوں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے بیٹے۔" امجد بھائی بے چارگی سے بولے۔

"امجد بھائی کیا آپ کو طارق کی رہائش گاہ معلوم ہے؟"

"آوارہ گرد انسان ہے۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے امجد بھائی۔ میں تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آؤں گا جب تک آپ ہر خطرے سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔" امجد بھائی کچھ نہ بولے اور میں اسی کھڑکی کے راستے باہر نکل آیا پھر کسی حادثے کے بغیر ہی اس منحوس کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ لیکن یہاں سے کہاں جاؤں؟ جیب میں کچھ بھی نہیں تھا بغیر پیسوں کے تو کوئی کام بننا مشکل ہے۔ پیسے۔ میں نے راہ چلتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ان لوگوں کی جیبوں میں جو کچھ ہے میرا اپنا ہے۔ کسی سے کچھ بھی لے لوں۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے راہ گیروں کو دیکھا۔ انگلیوں کا کمال میں نے جیل میں سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ میں ایک ایسے شخص کی تلاش میں لگ گیا جس کی جیبیں بھری ہوئی ہوں۔ پھر ایک بازار میں میں نے ایک جوڑے کو تاک لیا اور اس کے بٹوے کو اپنی جیب میں منتقل کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن مجھ سے قبل ہی ایک "ضرورت مند" اس تک پہنچ گیا میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ اس "ضرورت مند" نے "لاسا" ڈالا اور سیاہ رنگ کا ایک موٹا سا پرس اس کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ "دست تیرے کی" پہلا نشانہ ہی چوک گیا میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ دبلا پتلا ضرورت مند ایک ذیلی سڑک پر مڑ گیا اور نہ جانے کیا سوچ کر میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ وہ گلی میں اطمینان سے جا رہا تھا۔ میں نے عقب سے اس کا کالر پکڑ لیا۔ دبلا پتلا نوجوان لڑکا خوفزدہ انداز میں پلٹا۔

"آدھا آدھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور لڑکے کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔

"ارے استاد؟" وہ تعجب سے بولا۔

"ترپ لگا رہے ہو چلتے رہو۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں کی آنکھ۔ تم سے ترپ لگاؤں گا استاد! لو بٹوا رکھو۔" لڑکے نے پرس نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"میں تمہیں پہچان گیا ہوں استاد! جیل میں دیکھا تھا۔ جلال بابا کے ساتھ۔ تم نے بھگے کو پھینٹی لگائی تھی، ایک دن۔ مزا آ گیا تھا استاد۔ بھلا بھول سکتا ہوں تمہیں۔" لڑکا مسکرا کر بولا۔

"ہوں۔ تو تم جیل میں تھے؟"

"لو۔ سسرال ہے اپنی آتے جاتے رہتے ہیں۔" وہ ہنس پڑا۔ اور میرے ذہن ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ ایک شناسا شہر میں۔ ایک ایسا شخص جو کسی کام آ سکے۔ ہے لڑکا کام کا ہی ثابت ہو۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"ایاز۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ رکھ لو اب تم شناسا ہی نکل آئے۔ ویسے میں نے اسے تاکا لیکن کوئی بات نہیں ہے۔"

"ارے تم رکھ لو استاد۔ اپن کسی سے کہیں گے تھوڑی۔ ویسے چمن کے علا میں کام مت کرنا استاد۔ بہت حرامی ہے۔ میرا تو خیال ہے اس کے کسی گرگے نے میرا دیکھ لیا ہو گا۔ تم ایسا کام کرو۔ آدھی رقم رکھ لو۔ بٹوا میں اس سالے کو دے دوں گا۔ اس کونے پر ہوٹل ہے۔ وہاں چلیں۔" ایاز نے ایک طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں ہو کی طرف بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل کے ایک کیبن میں بیٹھے چائے کی چسک لے رہے تھے۔ "تو تم یہی کام کرتے ہو ایاز؟"

"دس سال کی عمر سے یہی کام کر رہے ہیں منصور بھیا۔ پہلے یتیم خانے میں مگر وہاں مار بہت پڑتی تھی۔ وہاں سے بھاگے تو استاد چمن کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے سکھایا اور اب اس کے اڈے کے لئے کام کرتے ہیں۔ اچھی گزر رہی ہے۔ ویسے چمن حرامی ہے کبھی دو چار سو مار لو تو سالا سزا کے طور پر جیل بھجوا دیتا ہے اور ضمانت بھی کراتا۔ ٹھیک کام کرتے رہو تو مجال ہے پولیس والے آنکھ اٹھا کر دیکھ جائیں۔"

"رہتے بھی اسی کے پاس ہو؟"

"نہیں استاد۔ رہتے تو گریسی لین میں ہیں۔ ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر رکھا ہے۔ استاد کسی کو رکھتا نہیں ہے۔" ایاز نے جواب دیا۔

"کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یار۔ تم کوئی جگہ دلوا سکتے ہو؟"

"تو پھر اپن کے ساتھ رہو یار! مکان چھوٹا ہے پر دو کمرے ہیں۔ پکی چھ والے اور صحن بھی ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ایمان سے اپن خلوص سے کہہ ر ہیں۔ اپنا بھی سالا دل نہیں لگتا۔ اگر کہو گے تو کام بھی لگوا دیں گے چمن کے ہاں۔ ایسے کرنا خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں یہ کام نہیں کرتا ایاز۔ وہ تو بس پیسوں کی ضرورت تھی اس لئے اس کو تاکا تھا۔ جس پر تم نے ہاتھ صاف کر دیا۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرنا اور نہ بھی کرو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اپن

نہیں بھائی کہا ہے۔ ایمان سے نبھا دیں گے۔" ایاز کے لہجے میں خلوص ہی خلوص تھا۔ میں گردن جھکائے سوچتا رہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کے ساتھ قیام پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ایاز خوش ہو گیا دیر تک ہم ہوٹل میں بیٹھے رہے۔ پھر ایاز نے جیب سے پرس نکالا اور رقم کا جائزہ لے کر اس سے کافی نوٹ کھینچے اور میری جیب میں ٹھونس دیئے۔ "یہ رکھ لو منصور بھائی۔ عیش سے خرچ کرنا۔ اپن دھندہ کر لیں۔ ٹھیک چار بجے اسی ہوٹل میں مل جانا۔ اپنی ڈیوٹی چار بجے ختم ہوتی ہے۔ ہم تمہیں لے کر چمن کے اڈے پر چلیں گے اور پھر چھٹی ہو جائے گی تو گھر چلیں گے۔ ہم تو ابھی تمہیں گھر لے چلتے مگر چمن کے سپروائزر چیکنگ کرتے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے ٹائم گھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ سالا سوچتا ہے مال چھپانے گئے ہیں۔ تو چلو گے چار بجے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور میں کیبن کی کرسی سے ٹک گیا۔ تقدیر کے تماشے بھی کیا خوب ہوتے ہیں۔ کہاں سے کہاں پہنچ گیا لیکن اب نہایت ہوشیاری سے کام شروع کرنا تھا۔ سڑکوں پر زیادہ آوارہ گردی مناسب نہیں تھی۔ کسی کی نگاہ پڑ جانے کا خدشہ تھا۔ ویسے میں نے سوچا تھا کہ اپنا حلیہ بدل لوں گا تاکہ خطرہ کم ہو جائے۔ کئی گھنٹے اس ہوٹل میں گزار دیئے۔ دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھایا۔ پھر یہاں سے نکل کر تھوڑی دیر تک چہل قدمی کی اور چار بجے واپس ہوٹل پہنچ گیا۔ ایاز اسی کیبن میں موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"چمن اس بات پر اعتراض تو نہیں کرے گا کہ تم مجھے اس کے اڈے پر لے گئے؟"

"ڈرتا ہی کس سے ہے حرامی۔ بڑا دلیر ہے۔ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ میں اس سے کہوں گا کہ تم میرے ماموں زاد بھائی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور ایاز مجھے لے کر اڈے پر پہنچ گیا۔ چمن استاد معمولی سی جسامت کا آدمی تھا۔ پورے وجود میں صرف اس کی آنکھیں خطرناک محسوس ہوتی تھیں کسی ہپناٹسٹ کی آنکھوں کی مانند۔ ذہن کی گہرائیوں میں اتر جانے والی۔ تخت پر نوٹوں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں۔ پرس زیورات اور نہ جانے کیا کیا۔ ایاز کے ساتھ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سوالیہ انداز پیدا ہوا تھا۔

"ماموں کا بیٹا ہے استاد۔ بہت دنوں بعد ملنے آیا ہے۔ نوکری کرے گا اس شہر میں۔" ایاز نے انکسار سے کہا۔

"ماموں کا بیٹا۔ نوکری کرے گا۔ اگر نوکری کرے گا تو پھر یہاں کیوں لائے ہو؟" چمن نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے استاد کی ہی خدمت میں لے چلوں۔" ایاز کسی

قدر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہوں ! ادھر آؤ۔" چمن نے کہا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ "ہاتھ سا دو۔" وہ پھر بولا اور میں نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔ استاد میری انگلیا ٹٹولنے لگا۔ لیکن اس کے ہاتھوں کی فولادی سختی کو میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب۔ اچھا کیا جو یہاں لے آئے۔ بات کر لی ہے اس سے۔"

"نہیں استاد۔ پہلے آپ کی اجازت ضروری تھی۔"

"کل صبح لے آنا۔ جاؤ سیر تفریح کراؤ۔ شہر دکھاؤ اسے۔ اس نے چند نوٹ اٹھ ایاز کو دے دیئے اور وہ سلام کر کے میرے ساتھ باہر نکل آیا۔

"میرا خیال ہے استاد نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔" ایاز نے ایک رکشہ رو ہوئے کہا اور ہم دونوں رکشہ میں بیٹھ کر چل پڑے اور ایک گندی سی بستی میں ر روکا۔ میں اس شہر میں رہنے کے باوجود کبھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ بہرحال ایاز نے ا مکان کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے جلدی چار پائی پر نئی چادر بچھائی اور پھر بولا۔ "نہا لو منصور بھیا۔ پھر بازار چل کر تمہارے ریڈی میڈ کپڑے خرید لیں گے۔ آج تو عیش ہیں۔ میرا خیال ہے تین چار ہزار روپے میرے پاس۔"

"آج آرام کریں ایاز کل دن میں دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور ایاز نے گر ہلا دی۔

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ رات کو کسی ہوٹل سے کھانا لے آؤں گا۔ چا بناؤں؟"

"بناؤ۔ پھر باتیں کریں گے۔" میں نے کہا اور ایاز باہر نکل گیا۔ میں چار پائی بیٹھ کر ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایاز سے اس طرح ملاقات اور اس کا خلوص اس وقت میرے لئے ایک زبردست سہارا بن گیا تھا۔ کاش کوئی بہتر سہارا اس وقت ملا ہو جب میں ایک نیک فطرت انسان تھا۔ ایاز چائے بنا لایا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"سچ کہہ رہا ہوں منصور بھیا۔ اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی۔ پہلی بار کو میرے گھر آیا ہے۔ ورنہ میں تو اسے خالی دیکھنے کا عادی ہوں۔"

"ایک خالی گھر میرا بھی ہے ایاز۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تمہیں جیل کس سلسلے میں ہوئی تھی بھیا؟"

"ناکردہ گناہ تھا۔ ایک سیٹھ سے چل گئی تھی۔ اس نے چرس فروشی کے الزا میں پھنسا دیا تھا۔" میں نے مختصراً کہا۔ اب ہر ایک کو تو اپنی کہانی نہیں سنا سکتا تھا۔

"اوہ یہ بڑے آدمی۔ میں کیا کہوں انہیں۔"

"نہیں ایاز لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میری ایک ماں اور چھوٹی بہن بھی تھیں۔ جیل جانے کے بعد وہ در بدر ہو گئیں۔ میں انہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا؟" ایاز نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کچھ پتہ نہیں چلا ایاز۔ سیٹھ پھر ایک چال چل گیا ہے۔ اس نے مجھے قتل کے الزام میں پھنسا دیا ہے اور میں مفرور ہوں۔ پولیس میری تلاش میں ہے دوست۔ میں نے یہ بات تمہیں اس لئے بتا دی ہے کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہو۔ میری وجہ سے تم بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔" میں نے کہا اور ایاز چند لمحات کے لئے خاموش ہو گیا پھر بولا۔

"کرتوت اپنے بھی کونسے اچھے ہیں منصور بھیا۔ پھنس گئے تو دیکھا جائے گا۔ تم اپنا حلیہ بالکل بدل لو اور اپنی ماں اور بہن کو تلاش کرو۔ ایاز تمہاری پوری مدد کرے گا۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ تمہاری راتیں یہیں گزرنی چاہئیں۔ دیکھو منصور بھیا! اپن کا بھی کوئی نہیں ہے۔ یتیم خانے میں آنکھ کھولی ہے آج تک پتہ نہیں کہ میرا باپ کون تھا اور ماں کون تھی۔ بس کچھ لوگوں کو دیکھا جو مارتے تھے اور بھیک منگواتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کبھی رحم نہیں آیا۔ اپن کو کھانے کو اس طرح ملتا تھا جیسے کتوں کو۔ وہاں سے بھاگے تو چمن کے ہاتھ لگے اور زندگی کے بارے میں' میں نے سوچنا چھوڑ دیا۔ لیکن محبت اور دوستی کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔ تمہیں بھیا کہا ہے تو قول نبھائیں گے چاہے گردن نخ کیوں نہ ہو جائے۔ تمہارے دشمن ہمارے دشمن' تمہارے دوست ہمارے دوست اور پھر ماں اور بہن مل گئیں تو اپن بھی اپنا ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے۔ تمہاری ماں' ہماری بھی ماں ہو گی اور تمہاری بہن اپن کی بہن۔ ہم بھی ماں بہن والے ہو جائیں گے منصور بھیا۔ شریف آدمی ایک دم فس کلاس۔" ایاز کی آنکھوں میں سنہرا مستقبل جھانک رہا تھا۔ اور میں ایک برنے آدمی کے اندر جھانک رہا تھا۔ کیا انسان اتنا ہی برا ہوتا ہے یا حالات سب کو میری مانند بنا دیتے ہیں؟

ایاز کی آنکھوں میں خواہش مچل رہی تھی۔ میں اس کے جذبات کی سچائی کو سمجھ رہا تھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "اور پھر بھیا تم شمو سے میری شادی کرا دینا بڑی اچھی لڑکی ہے مگر کہتی ہے کہ تمہارا کوئی کام دھندہ نہیں ہے۔ میرے ماں باپ کیسے مانیں گے۔"

"وہ کہاں رہتی ہے؟" میری ذہنی کیفیت بدل گئی۔

"اس سڑک کے آخری گھر میں۔ شریف ماں باپ کی بیٹی ہے بس اپن سے آنکھ لڑ گئی۔" ایاز نے جھینپے جھینپے لہجے میں کہا۔

"وعدہ کرتا ہوں ایاز۔ اگر کبھی اچھی زندگی نصیب ہوئی اگر ماں اور بہن مل گئیں

تو تیرے لئے بہت کچھ کروں گا۔"

"ارے کیسے نہیں ملیں گی ان کے دو دو بیٹے جو انہیں تلاش کریں گے پر تمہیں کس کے قتل کے الزام میں پھنسایا گیا ہے بھیا؟"

"تفصیل پھر کبھی بتاؤں گا ایاز۔ اس وقت دل نہیں چاہ رہا۔ ہاں اس چمن کے بارے میں اور کچھ بتاؤ۔ بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے۔"

"بے حد خطرناک ہے پورا علاقہ اس سے کانپتا ہے۔ کبھی نہیں پھنستا۔ پولیس تو اس کی مٹھی میں ہے تمہارے لئے بھی بڑے کام کا آدمی ثابت ہو گا۔"

"شاید۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

"کل چلو گے اس کے پاس؟" ایاز نے پوچھا۔

"میری زندگی کا مقصد کچھ اور ہے ایاز۔ کیا کروں گا جا کر۔" میں نے کہا۔

"ارے تو کیا نہیں چلو گے؟" ایاز کا چہرہ اتر گیا۔

"کیوں۔ تم پریشان کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں نے کہا نا۔ بڑا حرامی ہے وہ۔ ہنسی ہنسی میں بات کہتا ہے اور جو کہتا ہے اسے ہر قیمت پر پورا کرتا ہے۔ نہ ماننے والے کا دشمن بن جاتا ہے۔ تم یقین کرو اس نے آج تک کسی سے ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے تو حیرت ہے ویسے کافی تعلیم یافتہ ہے۔ موٹی موٹی کتابیں پڑھتا رہتا ہے اور ہاتھ کی لکیریں بھی دیکھتا ہے اتنی سچی باتیں بتاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔"

"کمال ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کام ہی آئے گا منصور بھیا۔ میری وجہ سے چلنا۔ ورنہ میری کم بختی آ جائے گی۔" ایاز گڑگڑانے لگا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔

"تیری مرضی ایاز۔ ورنہ میری زندگی کا مقصد تو کچھ اور ہی ہے۔"

"تمہارے اوپر ضرورت سے زیادہ ہی مہربان ہو گیا ہے عام طور پر اس طرح کسی کو قبول نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے ایاز۔" میں نے کہا پھر ہم شمو کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور ایاز شرما شرما کر اس سے ملاقاتوں کی تفصیل بتانے لگا۔

"کسی وقت تم سے ملاؤں گا بھیا۔ اس کو بتاؤں گا کہ اب میں بھی گھریلو آدمی ہوں۔ اب تم یہیں رہو بھیا۔ ماں جی اور بہن کی تلاش کے لئے مل کر پروگرام بنائیں گے۔"

"میں مستقل یہاں نہیں رہ سکوں گا ایاز۔"

"کیوں بھیا؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں ایاز کہ پولیس میری تلاش میں ہے۔ نہ جانے کب کیا کرنا پڑے۔ پولیس سے بھی بچنا ہے اور ان دشمنوں سے بھی اور پھر ان سے بدلہ بھی لینا ہے۔ اس لئے کسی ایک جگہ قیام مناسب نہیں ہو گا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ تو پھر ایسا کروں گا آج ہی ایک نیا تالا خرید لاتا ہوں جس کی دو چابیاں ہوں گی ایک تمہارے پاس رہے گی' دوسری میرے پاس۔ جب دل چاہے آ جانا اور جب جی چاہے چلے جانا۔"

اگلے دن تیار ہونے کے بعد ہم چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اڈہ اس وقت خالی پڑا تھا۔ ایاز مجھے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ چمن آنکھوں پر چشمہ چڑھائے آرام کرسی پر دراز ایک موٹی سی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ ہماری آہٹ پر اس نے گردن اٹھائی اور پھر مجھے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آؤ دوست۔ ٹھیک ہے ایاز۔ تم جا سکتے ہو۔" اس نے پروقار انداز میں کہا۔ صورت سے وہ بدمعاش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ایک سنجیدہ اور پروقار سی شخصیت کا مالک جسے دیکھ کر ذہن میں کوئی برا تاثر نہیں ابھرتا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ چمن کی نگاہیں مجھے ٹٹول رہی تھیں۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اجنبی ہو اس شہر میں؟"

"ہاں۔"

"اور نوکری کرنے آئے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے مختصراً کہا۔

"میں ایک برے پیشے سے منسلک ہوں دوست لیکن اس کے علاوہ میرے چند دلچسپ مشاغل اور ہیں۔ مثلاً چہرہ شناسی اور دست شناسی۔ محسوس نہ کرو تو میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا اور آگے کھسک آیا۔ میں نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے آگے کر دیا اور وہ دیر تک میرے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"لکیروں کی زبان بڑی سچی ہوتی ہے۔ تم ایاز کے بھائی نہیں ہو۔" چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔ "کچھ گم ہو گیا ہے تمہارا۔ دشمنی ہے کسی سے۔ بھٹکے ہوئے ہو۔ کسی شدید ذہنی الجھن کے شکار۔" اور میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ کیا ہاتھ کی لکیریں ایسے اہم راز کھول دیتی ہیں یا پھر اس شخص کی ذات میں اور کوئی گہرائی ہے .... ممکن ہے میں کسی غلط آدمی کے سامنے آ گیا ہوں۔ میرے دل میں پریشانیاں سر ابھارنے لگیں۔

"بہرحال میں اپنے فن سے جنون کی حد تک عشق کرتا ہوں۔ عام لوگوں کو یہاں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ممکن ہے ایاز کو تمہارے یہاں لانے پر سرزنش کرتا لیکن تمہارے چہرے کی لکیروں نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کر دیا۔ دیکھو دوست تم جو کچھ بھی ہو مجھے اس سے سروکار نہیں ہے۔ میں ایک برا آدمی ہوں لیکن بعض اوقات ہم برے لوگ غیر فطری طور پر اچھائیوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تم اگر پریشان ہو تو میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں۔ اگر ضرورت محسوس کرو تو آ جانا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور گردن جھکائے سوچتا رہا۔ کچھ وقت خاموشی سے گزر گیا تب میں نے اس سے اجازت چاہی۔

"نہیں۔ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ ہی کھاؤ۔ اس کے بعد چلے جانا۔" میں نے معذرت کی تو وہ اصرار کرنے لگا۔ دوپہر کے کھانے تک مجھے رکنا پڑا۔ اس کے بعد میں اس سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

رکشہ لے کر ایاز کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ میرا اب بھی یہی خیال تھا کہ وہ کافی مشتبہ شخصیت ہے اور اسے میرے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلوم ہے۔ ایاز کے مکان پر پہنچا تو تالا لگا ہوا تھا۔ ایاز کی دی ہوئی چابی کام آئی اور میں اندر داخل ہو گیا۔ ممکن ہے ایاز مجھے لینے ہی گیا ہو میں اس کا انتظار کرتا رہا...... اور سوچتا رہا۔ ان حالات میں تو یہاں رکنا مشکل ہی ہو جائے گا۔ خواہ مخواہ بے چارا ایاز بھی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا وہ شخص کافی خطرناک معلوم ہوتا ہے؟

ایاز رات کو تقریباً دس بجے واپس آیا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ لباس بھی بے ترتیب تھا۔ عجیب حلیہ ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے ایاز۔ کوئی خاص بات ہو گئی؟"

"ہاں منصور بھیا۔ کل تمہارا' وہاں لے جانا غلط ہو گیا۔ کاش میں ایسا نہ کرتا۔" ایاز نے افسردہ لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"ہوا کیا ایاز؟"

"اس حرامی نے تمہارا ہاتھ دیکھا تھا؟"

"ہاں یقین کرو بڑی شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔"

"میں واپس وہاں گیا تو مجھ سے کہنے لگا کہ بابو کون ہے۔ تیرا بھائی تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا استاد میرا ماموں زاد بھائی ہے۔ تو بس بگڑ گیا اور اس کے بعد کمبخت نے اچھی خاصی پٹائی کر دی۔ تب میں نے تھوڑی سی حقیقت اگل دی منصور بھائی۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔" ایاز نے گردن جھکالی۔

"تم نے اسے کیا بتایا ایاز؟"

"یہی کہ میری تم سے ملاقات جیل میں ہوئی تھی۔ اور ان دنوں تم پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو۔ اس نے پوچھا کہ چکر کیا ہے تو میں نے بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا کہ تم نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ پولیس تمہاری تلاش میں کیوں ہے؟" ایاز نے جواب دیا۔

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے ایاز۔ اس حد تک تو کوئی بات نہیں۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا چمن کو مجھ پر پہلے ہی کوئی شبہ نہیں ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے وہ پہلی ہی نگاہ میں کسی شک میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ورنہ اسے کسی بے کار۔۔۔۔۔۔۔۔ آدمی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے بھیا بس وہ کمبخت عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے بعض اوقات ایسی ہی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ اس لئے میں نے سوچا تھا کہ..............."

"بہرحال میں بھی موم کا بنا ہوا نہیں ہوں ایاز! دیکھ لوں گا' سب کو دیکھ لوں گا۔"

ایاز دیر تک شرمندگی کا اظہار کرتا رہا پھر اس نے رات کے کھانے کے بارے میں پوچھا...... اس سے معذرت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ چمن نے اصرار کر کے مجھے اتنا کھلا دیا تھا کہ اس وقت کھانا گول کرنا پڑے گا۔ ویسے بھی طبیعت میں گرانی ہے اور پھر میں نے سونے کا فیصلہ کر لیا۔ ایاز کی نیند بہت کچی تھی۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد سو گیا لیکن میں بہت کچھ سوچ رہا تھا اگر وہ بدبخت شخص بھی کسی طرح جبار سیٹھ کا آلہ کار نکلا تو پولیس بہت جلد یہاں بھی پہنچ جائے گی اور مجھے پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی کچھ کر لینا چاہئے۔ چنانچہ میں خاموشی سے اٹھا اور ایاز کے مکان سے باہر نکل آیا۔ کافی دور تک میں پیدل چلتا رہا پھر ایک سڑک پر آ کر ایک ٹیکسی روکی۔

"سپر اسٹار چلنا ہے دوست۔ کرایہ دونوں طرف کا دوں گا۔" میں نے ڈرائیور سے کہا۔

"اس وقت جناب۔ چوکی سے آگے جانا ہے یا پیچھے ہی؟" ڈرائیور نے مجھے مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑا سا آگے۔ وہ جو سرخ کوٹھی ہے نا۔ میرے ماموں وہاں رہتے ہیں بس وہیں جاؤں گا۔ تم کرایہ ایڈوانس رکھ لو۔"

"چلو صاحب۔ حالانکہ رات کا وقت ہے مگر کوئی بات نہیں۔ یہ کالا ناگ کس لئے خریدا ہے؟" ڈرائیور نے پستول نکال کر مجھے دکھایا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ مجھے انتباہ کر رہا تھا کہ وہ مسلح ہے اور میں کوئی گڑبڑ کروں گا تو اسے پستول سے نمٹنا پڑے گا۔ سڑکیں سنسان تھیں اس لئے ڈرائیور نے رفتار ستر اسی سے نیچے نہ گرنے دی اور بہت جلد مجھے

میری مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔ آگے سڑک کچی ہے میں یہ فاصلہ پیدل طے کر لوں گا۔" میں نے ٹیکسی رکواتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے سلام کیا اور انتہائی تیز رفتاری سے واپس مڑ گیا۔ میں پروفیسر شیرازی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ پروفیسر کی کوٹھی کے گیٹ کی تو میں نے صورت ہی نہیں دیکھی تھی اپنے مخصوص راستے سے میں اندر داخل ہو گیا۔

واقعی یہ جگہ میرے لئے بہترین پناہ گاہ تھی نہ جانے پروفیسر آیا یا نہیں۔ بہرحال صبح معلوم ہو جائے گا۔

دوسری صبح میں وقت پر تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ اتفاق سے سرخاب اس وقت سامنے ہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار ابھرے لیکن دوسرے لمحے پھر سرد مہری نے ڈیرے ڈال دیئے۔

"ہیلو سرخاب۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو۔ کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

"پھر آپ۔ ویسے رخسار پر جھولنے والی اس لٹ کا شکریہ۔"

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟" سرخاب نے پھر اسی انداز میں پوچھا۔ "آپ نے میری دوسری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔"

"بس ایسے ہی سرخاب۔ میری وحشت مجھے لے گئی تھی۔"

"آیئے۔ ناشتے کے کمرے کی طرف چلیں۔ میں اسی طرف جا رہی تھی۔" وہ بدستور سرد لہجے میں بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اس نے پہلے میرے لئے پھر اپنے لئے پلیٹ سیدھی کی اور اشارہ کر کے بولی۔

"پلیز.....!" میں نے شکریے کے ساتھ کچھ چیزیں قبول کر لیں۔

"پروفیسر واپس نہیں آئے۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔ فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ دو تین دن اور لگ جائیں گے۔"

"اوہ۔ آپ نے میرے بارے میں بتا دیا ہو گا۔"

"جی ہاں۔"

"کچھ کہہ رہے تھے؟"

"نہیں خاموش ہو گئے۔ ویسے منصور صاحب اگر گستاخی نہ خیال فرمائیں تو ایک عرض کروں۔" سرخاب سنجیدگی سے بولی۔

"ضرور۔ فرمائیں۔"

"آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ڈیڈی آپ کا احترام کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی

ہدایت کی ہے کہ آپ کی دل شکنی نہ کی جائے لیکن عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے منصور صاحب ! آداب میزبانی ہوتے ہیں تو کچھ آداب مہمانی بھی ہوتے ہیں۔ آپ اتنی خاموشی سے چلے گئے۔ میں پریشان رہی اگر آپ بتا کر چلے جاتے تو بہتر تھا۔ اس کے علاوہ آپ منصور صاحب! میرے رخسار پر جھومنے والی لٹ سے بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار فرما رہے ہیں اور بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کیا آپ کی یہ دلچسپی میرے نسوانی وقار کو مجروح نہیں کرتی۔ میں یہ لٹ آپ کے لئے نہیں ڈالتی۔ بلکہ اس انداز میں بال درست کرنا میری عادت ہے۔ کئی بار میرا دل چاہا کہ اس لٹ کو کاٹ دوں لیکن معاف کیجئے ایسا کرنے کے بعد میرے دل میں آپ کے لیے رنجش پیدا ہو جائے گی اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔" مجھے اس وقت بھی سرخاب کی بات بری نہیں محسوس ہوئی تھی حالانکہ شاید اس کا خیال ہو گا کہ میرا ہاتھ کھاتے کھاتے رک جائے گا اور میں سکتے کے عالم میں رہ جاؤں گا۔ لیکن میں اطمینان سے کھاتا رہا۔

"آیندہ اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا سرخاب ! حالانکہ جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا تو یہ لٹ میرے لیے بے حد دلکش بن گئی تھی۔ اس حسین لٹ سے کچھ یادیں وابستہ ہیں ایسی یادیں سرخاب جو اب ایک حسرت بن چکی ہیں۔"

"میں نے ساری زندگی۔ کسی ایسی بات کی پزیرائی نہیں کی۔ لیکن کیا میں جان سکتی ہوں کہ یہ لٹ آپ کی حسرت کیوں بن گئی؟" سرخاب کا چہرہ تمتمار رہا تھا اس کی آنکھوں میں غصے کے نقوش نمایاں تھے۔

"جب وہ میرے سامنے تھی تو آپ یقین کریں سرخاب میں نے کبھی اس کی لٹ پر توجہ نہیں دی لیکن جب وہ میرے لیے خواب بن گئی تو مجھے اس کا ایک ایک نقش یاد آتا ہے۔ وہ میری بہن تھی سرخاب۔ میری فریدہ۔ میری اکلوتی بہن جس کی چاہت کو میں نے اس وقت محسوس نہیں کیا تھا جب وہ میرے سامنے تھی، لیکن جب وہ اس دنیا کے ہجوم میں گم ہو گئی تو وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ سرخاب میری بہن! خدا کی قسم تمہارے بالوں کی لٹ نے میرے دل میں فریدہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ پہلی ہی نگاہ میں، میں نے محسوس کیا تھا کہ تم میری بہن سے کسی حد تک مشابہ ہو۔ بالوں کی اس لٹ نے میرے دل میں تمہارے لئے بھائی کا پیار جگا دیا تھا۔ میں تم سے شرارت کرتا رہا..... سرخاب اب نہیں کروں گا۔"

سرخاب اب خود سکتے میں رہ گئی تھی۔ چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں لرز رہی تھی اور پھر اس نے آہستہ سے پیالی رکھ دی۔ ایک انوکھا تاثر اس کے چہرے سے نمایاں تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کیفیت کا شکار رہی۔ میں بھی فطری طور پر اداس ہو گیا تھا۔

پھر سرخاب نے کیتلی اٹھائی اور میرا کپ دوبارہ بھر گیا تھا۔

"پیئیں۔" اس کا لہجہ عجیب تھا۔

"اب ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔"

"نہیں بس پیپئیں اٹھالیں۔" اس نے اسی لہجے میں کہا اور میں اسے دیکھنے لگا۔ سرخاب مسکرا رہی تھی۔

"ایمان سے میں شرمندہ ہوں۔" اس نے گردن جھکالی۔ "مگر میرا قصور بھی تو نہیں ہے۔"

"نہیں سرخاب۔ میں نے خود شرارت کی تھی۔"

"اللہ معاف کر دیں منصور بھائی۔ معاف کر دیں۔ سچ دل ہی دل میں' بڑی ذلیل ہو رہی ہوں۔ لڑکی ہونا بھی ایک لعنت ہے۔"

"نہیں سرخاب۔ بہنیں تو بھائیوں کا غرور ہوتی ہیں۔ ایسا مت کہو۔"

"خدا کرے آپ کی فریدہ مل جائے۔ خدا کرے ہماری فریدہ مل جائے۔ بس اب ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔"

"نہیں کریں گے۔" میں نے بھی اپنا موڈ درست کر لیا۔

"اب یہ بتائیں کہ آپ کہاں گئے تھے اور کیا کرتے رہے۔"

"میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے سرخاب لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔"

"ہو گی۔ انشا اللہ تعالیٰ ضرور ہو گی۔" سرخاب نے خلوص سے کہا اور پھر بولی۔

"وہ شخص ملا' جس کے بارے میں' میں نے کہا تھا۔"

"طارق؟ نہیں وہ کمبخت نہیں ملا۔ تاہم میں تلاش جاری رکھوں گا اور اسے ضرور تلاش کر لوں گا۔"

"آپ نے شہر میں اپنی رہائش کہاں رکھی؟"

"ایک شناسا مل گیا تھا۔" میں نے سرخاب کو تفصیل بتائی۔

"اس وقت کسی شناسا پر بھروسہ نہ کریں۔ ڈیڈی کی واپسی میں ابھی دو تین دن باقی ہیں۔ آپ اس دوران بھرپور کوشش کر لیں۔ کسی ہوٹل میں قیام کریں اور تھوڑا سا اپنا حلیہ بھی بدل لیں۔"

"ہاں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کب آئے تھے آپ؟"

"رات کو۔"

"مجھے اطلاع نہیں دی۔"

"اس عمارت میں داخلے کے لئے میرا راستہ دوسرا ہے اور ظاہر ہے اس راستے سے آنے کے بعد آپ کو اطلاع دینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔"

"اوہ۔ اچھا یہ بات تھی۔ ٹھیک ہے۔ ایسے ہی سہی۔ خداوند کریم وہ وقت لائے

آپ آزادی سے ہر جگہ آئیں جائیں۔" سرخاب نے خلوص سے کہا اور پھر ہم ناشتے کمرے سے نکل آئے۔

"آج دوپہر کا کھانا میں آپ کے لئے خود تیار کروں گی۔ اپنی پسند کی کوئی چیز یں؟" اس نے کہا۔

"محبت سے جو پکاؤ گی کھا لوں گا سرخاب۔" میں نے جواب دیا اور وہ کچھ سوچتی ی چلی گئی۔ سرخاب کے لئے درحقیقت میرے ذہن میں ابتدا ہی سے ایک بہن کا پیار تھا وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر اتنی سنجیدہ نہ ہو جاتی تو شاید اس انکشاف کی ضرورت نہ پیش ۔ بس اسے چھیڑنا اچھا لگتا تھا۔ اس پر یہ انکشاف کر کے مجھے کسی کمی کا احساس نہیں ہوا

دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے پھر شہر جانے کا فیصلہ کر لیا اور سرخاب سے کا اظہار کیا تو وہ بولی۔

"میں اس سلسلے میں آپ کو کچھ مشورے دینا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمائیے؟"

آپ یہاں سے ایک اچھی حیثیت کے انسان بن کر جائیے سب سے پہلے کسی ل میں ایک کمرہ حاصل کیجئے اور وہاں فروکش ہو کر اپنے کام کا آغاز کیجئے۔ آپ کو شہر کچھ خریداری کرنا ہو گی اور اس کے لئے آپ میرے ذاتی اکاؤنٹ کو استعمال کریں "

"پیسے میرے پاس کافی ہیں سرخاب۔ یہ دیکھو۔ میں نے اپنے دوست سے کچھ لے لی تھی۔"

"خیر۔ دوست' دوست ہوتے ہیں مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن اس کے بعد جب رات ہو آپ صرف مجھ سے کہیں گے اور ہاں ہماری منی انجلیا بے کار کھڑی ہے۔ وہ کے تصرف میں رہے گی جیسا کہ مجھے علم ہے کہ آپ ڈرائیونگ کر لیتے ہیں۔"

"اوہ نہیں سرخاب کار کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ ضرورت میں سمجھتی ہوں آپ نہیں۔" سرخاب نے جواب دیا اور میں ش ہو گیا۔ تقریباً تین دن میں پہلی بار اس عمارت کے گیٹ سے باہر نکلا۔ سرخاب ے تک مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے آئی تھی۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار نے متحیرانہ ں سلام کیا تھا۔ سوچ رہا ہو گا کہ یہ مہمان کہاں سے برآمد ہو گیا۔ میں شہر جانے راستے پر چل پڑا۔ ان آسانیوں کے لئے میرا رواں رواں سرخاب اور پروفیسر کا شکر رتا۔ انسان کو مل سب کچھ جاتا ہے بس اس کی تلاش میں خامی ہوتی ہے۔ اگر ایسا مجھے پانچ سال پہلے مل جاتا۔ بار بار یہ خیال میرے ذہن میں آ جاتا۔ اور میں ٹھنڈی

سانس لے کر رہ جاتا تھا۔

شہر میں داخل ہو کر میں نے ہوٹل منی فورٹ پسند کیا۔ درمیانے درجے کی پرانی سی عمارت تھی۔ ہوٹل زیادہ مہنگا بھی نہیں تھا۔ کار پارکنگ کے لئے جگہ موجود تھی۔ میں نے اس کی دوسری منزل پر کمرہ حاصل کر لیا اور پھر اس کمرے کے عقب میں کھلنے والی کھڑکی کے نزدیک آرام کرسی پر بیٹھ کر آیندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔ دفعتاً مجھے یاد آیا کہ طارق اور کہیں ملے یا نہ ملے اس ساحل پر ضرور مل سکتا ہے۔ جہاں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ انتہائی دانشمندی سے اسے وہاں تلاش کیا جائے جس دن نظر آ جائے اس کا تعاقب کیا جائے اور پھر اسے مناسب پروگرام کے تحت پکڑا جائے۔ یہ اتنا عمدہ خیال تھا کہ میں خوشی سے اچھل پڑا اور پھر میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اسمگلنگ روزانہ نہیں ہوتی تھی۔ جب لانچ آتی تو وہ مال اتارنے پہنچ جاتے تھے اور مال اتارنے کی نگرانی طارق بذات خود کرتا تھا اس لئے ممکن ہے یہاں کئی روز گزارنے پڑیں...... ویسے لانچ کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ ہفتے میں ایک بار ضرور آتی ہے۔

اس شام جب جھٹپٹا ہوا میں باہر نکل آیا۔ سنہری فریم کے چشمے نے میری ہیئت کافی بدل دی تھی۔ اس کے علاوہ لباس بھی بہتر تھا اور پھر مونچھیں بھی کافی بڑھ گئی تھیں۔ شیو بنانے کے بعد وہ اور نمایاں ہو گئی تھیں۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ بازار سے جو چیزیں میں نے خریدیں ان میں کھانے پینے کی اشیاء اور ایک لمبا شکاری چاقو بھی تھا۔ پستول وغیرہ کا حصول میرے لئے مشکل تھا لیکن میں نے طے کر رکھا تھا کہ اگر کہیں سے پستول حاصل ہو گیا تو ضرور خرید لوں گا۔ مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ اور پانی کا برتن وغیرہ میں نے گاڑی میں رکھا اور واپس ہوٹل چل پڑا۔ رات کے کھانے کے بعد میں اس ساحل کا رخ کرنا چاہتا تھا حالانکہ یہ خطرناک کام تھا۔ لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا۔ میں نے کار ہوٹل کی نیم تاریک پارکنگ میں کھڑی کی اور نیچے اترنے کے لئے دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ نزدیک کھڑی ہوئی ایک کار سے آواز ابھری۔

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں یار یہیں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" دوسری آواز نے کہا اور کوئی شخص کار سے اتر کر آگے بڑھ گیا لیکن پہلی آواز مجھے آشنا معلوم ہوئی تھی اور میں ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ میری سانس تک بند ہو گئی تھی کیونکہ۔ کیونکہ میں اس آواز کو پہچان گیا تھا۔

"دادا سگریٹ پیو۔" ایک آواز ابھری۔

"چھوڑ یار-------- مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ اس بار اپن برے پھنس گئے ہیں۔ دوسرے کام تو ٹھیک تھے پر یہ منہ چھپائے چھپائے پھرنا اپنے لئے بہت مشکل ہے۔"

"تم ایسا کرو دادا۔ تھوڑے دن کے لئے یہ شہر چھوڑ دو۔"

"کہاں جائیں......... کونسی جگہ ہے ہمارے لئے؟"

"لیکن اور کرو گے بھی کیا فیروز دادا۔ سیٹھ کے چنگل میں جو ایک بار پھنس جائے اس کا نکلنا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی جس آواز پر میں چونکا تھا وہ فیروز ہی کی تھی لیکن اس کی آواز سن کر حیرتوں کے جو پہاڑ مجھ پر ٹوٹے تھے ان کا ثانی نہیں ہو سکتا۔ فیروز تو مر چکا تھا۔ میری گردن پر اس کے قتل کا الزام تھا لیکن وہ زندہ تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ لاش کسی اور کی تھی اور اسے فیروز کی لاش بنایا گیا تھا۔ میرے پورے بدن میں بجلیاں بھر گئی تھیں اگر کسی طرح فیروز کو زندہ ثابت کر دیا جائے تو میری گردن سے قتل کا الزام دور ہو سکتا ہے۔ لیکن کس طرح؟

میں کار میں دبک گیا۔ اس سے اچھا موقع اور نہیں مل سکتا تھا۔ میں نے دروازہ آہستہ سے بند کر لیا۔----۔ اور پھر کان اس کار میں ابھرنے والی آوازوں کی طرف لگا دیئے لیکن اب ادھر خاموشی تھی۔ میں سانس روکے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر تقریباً دس منٹ کے بعد وہ شخص واپس آ گیا جو ہوٹل کی عمارت میں گیا تھا۔

"وہ حرامی یہاں بھی نہیں ہے۔ گیا ہو گا کسی ماں کے پاس۔ چلو۔" آنے والے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور کار اسٹارٹ ہو گئی۔ سرخاب کی یہ عنایت آج میرے لئے زندگی کی سب سے کار آمد شے ثابت ہوئی تھی ورنہ میں اتنے اہم مہرے کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔ کار کے رخ کا اندازہ کرنے کے بعد میں تھوڑا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ انتہائی ہوشیاری سے میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مختلف سڑکیں طے کرتی ہوئی وہ کار ایک درمیانے درجے کے علاقے میں پہنچ گئی اور سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رک گئی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک سے اتار دیا تھا۔ تعاقب کرتے ہوئے میں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ کبھی میں روشنیاں بجھا دیتا تا کہ تعاقب کا شبہ نہ ہو، اور کوئی بھرا پرا علاقہ ہوتا تو روشنیاں جلا لیتا تھا۔ بہرحال مجھے یقین تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ نہیں ہو سکا ہے۔

کار سے تین آدمی نیچے اترے۔ یوں بھی میرے اندازے کے مطابق وہ تین ہی تھے۔ اور پھر وہ بنگلے میں چلے گئے۔ میں اپنی کار ایک درخت کی آڑ میں کھڑی کر کے نیچے اتر آیا اور سڑک کے نیچے ہی نیچے چلتا ہوا بنگلے کی طرف بڑھنے لگا پھر اس کی بائیں سمت والی دیوار کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ بنگلے کے آہنی پھاٹک پر آواز پیدا ہوئی تھی۔ وہاں روشنی بھی ہوئی تھی۔ میں نے کنارے سے جھانک کر دیکھا۔ باہر نکلنے والے دو آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور کی وردی میں تھا اور دوسرا پتلون قمیض پہنے ہوئے تھا۔

ان میں فیروز دادا موجود نہیں تھا۔

قدرت میری مدد کر رہی ہے۔ میں نے خوش ہو کر سوچا اور ان لوگوں کے کا انتظار کرنے لگا۔ میں تو ساری عمر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ فیروز زندہ ہے اور مقیم ہے۔ اس وقت تو میری غیبی رہنمائی ہوئی تھی۔

کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی اور پھر میں واپس اپنی کار کی طرف چل اب تو میدان میرے ہاتھ تھا۔ میں نے کار اسٹارٹ کی اور اسے بنگلے سے تھوڑے فاصلے لا کھڑا کیا۔ اگنیشن سے چابی نکال کر احتیاط سے جیب میں رکھی اور بنگلے کے عقب میں گیا۔ یہاں بھی روشنی تھی میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور پھر ایک خیال تحت سامنے والے آہنی پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پھاٹک کے برابر کال بیل بٹن لگا ہوا تھا۔ میں بٹن دبایا اور برق رفتاری سے اندرونی دروازے کی بائیں سمت والی دیوار کے ساتھ کھڑا گیا۔

ترکیب کار گر رہی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا اور گیٹ کی طر چل پڑا۔ میں نے صرف ایک نگاہ اسے دیکھا فیروز ہی تھا۔ دوسرے لمحے میں کمرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ڈرائنگ روم تھا جس میں تاریکی تھی لیکن اس دوسرے دروازے سے روشنی اندر آ رہی تھی اور کچھ آہٹیں بھی۔ کوئی اندر موجود تھا۔

فی الوقت میں نے ڈرائنگ روم میں چھپنے کے لئے جگہ تلاش کی اور ایک بڑ شوکیس کے عقب میں بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد فیروز واپس آ گیا۔ اس نے ڈرائنگ روم دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر اس دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"کون تھا ڈیئر۔" ایک نسوانی آواز ابھری جو کسی قدر خمار آلود تھی۔

"باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"پھر بیل کس نے بجائی؟"

"پتہ نہیں۔ ویسے یہ بیل خراب ہو گئی ہے بارش میں ارتھ ہو جاتی ہے اس دن بھی جب بارش ہوئی تھی تو یہ مسلسل بجتی رہی تھی۔"

"اوہ۔ آؤ۔ اپنا گلاس خالی کرو تا کہ میں دوسرا پیگ بناؤں۔" نسوانی آواز میں کہا گیا اور میں نے صورت حال کا کسی قدر اندازہ لگا لیا۔ یوں لگتا ہے جیسے اس چھوٹے سے بنگلے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اگر ہوتا تو دروازہ کھولنے جاتا۔ لیکن اب کیا کیا جائے؟ ان دونوں کے بریک ڈاؤن ہونے کا انتظار؟ لیکن انتظار اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ رہ گئی وہ عورت۔ تو وہ بھی کوئی اچھی عورت تو نہیں ہو گی۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے سے تھوڑا سا اندر جھانکا عورت مسہری پر دراز تھی فیروز اس کے نزدیک ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور مسہری کے نزدیک میز پر شراب کے برتن رکھے ہوئے تھے۔

میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اپنا شکاری چاقو کھولا اور پھر دروازے پر ایک زور دار لات مار کر اندر داخل ہو گیا۔ عورت کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ فیروز بھی نروس ہو گیا تھا اور دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے سے خوف نمایاں تھا۔

"چچ۔ چچ۔ چاقو۔ چاقو۔" عورت نے ہکلاتے ہوئے کہا اور انگلی سے میری طرف اشارہ کیا۔

"کک۔ کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" فیروز نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کی گردنیں اتار کر لے جاؤں گا۔ سمجھے؟" میں نے عورت کو خوفزدہ کرنے کے لئے کہا۔ نشے میں تو تھی ہی ایک دلدوز چیخ مار کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ گردن پر رکھے اور ایک طرف لڑھک گئی۔ میرا کام آسان ہو گیا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔" فیروز غصے سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شراب کی بوتل گردن سے پکڑ لی تھی۔

"اب ٹھیک ہے فیروز دادا۔ مجھے پہچانو۔ میں کون ہوں؟" میں نے چشمہ اتار کر جیب میں رکھ لیا اور فیروز فوراً مجھے پہچان گیا۔

"مم۔ منصور۔ تم۔ یہاں کیسے آئے؟"

"میں نے سوچا دادا۔ تم نے جھوٹی موت کا کھیل رچایا ہے میں اس کھیل کو سچا ہی کر دوں۔"

"تم۔ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو؟ تم مجھے قتل کر دو گے؟"

"دل تو یہی چاہتا ہے فیروز دادا لیکن مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"کیا تم مجھے چوہا سمجھتے ہو؟" فیروز ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے بوتل دیوار پر مار کر توڑ دی اور اس کی گردن ہاتھ میں لئے ہوئے میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

"میں تمہیں کسی چوہے کی طرح ہی دبوچ کے لے جاؤں گا فیروز دادا۔" میں نے چاقو جیب میں رکھ لیا۔

آج پہلے دشمن سے سامنا ہوا تھا بڑے قرض چکانے تھے۔ فیروز دادا بوتل ہاتھ میں لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے جھکائی دے کر مجھ پر چھلانگ لگائی لیکن میرے نزدیک اب یہ بچوں کا کھیل تھا۔ میں نے صرف اپنے بدن کو تھوڑا سا ترچھا کیا اور میری ایک ٹانگ گھوم کر فیروز دادا کے پیٹ پر پڑی۔ فیروز دادا اچھل کر میز کے پیچھے جا پڑا تھا۔

"اٹھو فیروز دادا بڑا قرض ہے تمہارے اوپر سب چکانا ہے۔ آؤ۔ جلدی کرو۔"

میں نے اشارے سے اسے بلایا۔ دوسرے لمحے فیروز نے بڑے خونخوار انداز میں میرے اوپر

چھلانگ لگائی لیکن اصول ہی غلط تھا۔ میں نے پھر ایک لات اسی انداز میں رسید کی اور دوبارہ وہیں جا پڑا۔ تب میں آگے بڑھا اور میز پر ٹھوکر ماری۔ جو دادا کے منہ پر جا کر لگی اور بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نے جھک کر اس کی ٹانگ پکڑی اور اچھال کر کمرے کے وسط میں پھینک دیا۔ پھر پلٹ کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس بار فیروز دادا نے سوئپ لگا کر میری ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں پھنسانے کی کوشش کی لیکن میں نے اچھل کر اس کے ٹخنے کو اپنے جوتے کی نوک پر نشانہ بنایا اور فیروز دادا کی کراہ گونج اٹھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پنڈلی پکڑنے کی کوشش کی تو میری دوسری ٹھوکر نے اس کی کلائی بیکار کر دی۔

"تم اپنی چوٹوں کو سہلا بھی نہیں سکتے دادا۔ میری اجازت نہیں ہے۔" میں نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا اور فیروز کے منہ سے گالیاں نکل پڑیں۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ اس بات کی علامت ہے کہ تم ہار مان چکے ہو۔۔۔۔۔۔" میں آگے بڑھا اور فیروز سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن میرے دل میں اس وقت رحم کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوکر اس کے سر کی پشت پر لگائی اور فیروز نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا پھر جھومنے لگا اور اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

میں نے دو تین ٹھوکریں مار کر اسے دیکھا اور جب یقین ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے تو اسے لے کر چل پڑا۔ بنگلے سے باہر لانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں ایاز کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے وہی جگہ مناسب سمجھی تھی۔

ایاز نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ کار کو دیکھ کر وہ چونک پڑا پھر مجھے پہچان کر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی میں نے کہا۔

"کار میں ایک شخص بے ہوش پڑا ہے ایاز۔ آؤ اسے اندر لانے میں میری مدد کرو۔"

"اوہ۔" ایاز نے آہستہ سے کہا اور پھر اس نے خاموشی سے میری ہدایات پر عمل کیا۔ وہ متعجب نگاہوں سے بے ہوش فیروز کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے دشمنوں میں سے ایک۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔"

"کار کا باہر کھڑے رہنا تمہارے لئے نقصان دہ تو ثابت نہیں ہو گا؟"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ کوئی توجہ نہیں دے گا۔ لیکن کیا یہ بے ہوش ہے؟"

"ہاں اور اب اسے ہوش میں لانا ہو گا۔ میں اس سے کچھ معلومات حاصل کروں گا۔"

"پانی لاتا ہوں۔" ایاز نے کہا اور پھر وہ پانی لے آیا لیکن فیروز ہوش میں نہیں آیا تھا تب میں نے ایاز سے ماچس مانگی اور اس کی ایک تیلی جلا کر میں نے فیروز کی ناک سے لگائی تو وہ بری طرح اچھل پڑا۔ اسے ہوش آ گیا تھا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے مجھے اور ایاز کو دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا پھر کسی خیال کے تحت چونک کر چاروں طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟"

"قبرستان میں۔ باہر ایک عدد گڑھا موجود ہے، جس میں تمہیں باآسانی دفن کیا جا سکتا ہے۔ میں سچ مچ قاتل بننا چاہتا ہوں فیروز۔"

"نہیں نہیں منصور۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں' میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تو خود مجبور ہو گیا ہوں۔ زندگی حرام ہو کر رہ گئی ہے اس حرامی کے چکر میں پڑ کر۔"

"کس حرامی کے چکر میں پڑ کر؟"

"سیٹھ جبار کے۔ میں تو مجبوراً اس کا آلۂ کار بنا ہوں۔"

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں فیروز؟" میری آواز میں درندوں کی سی غراہٹیں تھیں۔

"خدا کی قسم۔ ان کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ بس ایک دن طارق نے کہا تھا کہ میں احمد کے مکان میں منتقل ہو جاؤں۔ وہ مکان مجھے خالی ملا تھا۔"

"اپنی موت کو نزدیک لا رہے ہو فیروز۔" میں نے چاقو نکال لیا۔ "مجھے اپنی ماں اور بہن کا پتہ درکار ہے۔" میں آگے بڑھا اور فیروز خوفزدہ انداز میں پیچھے سرکنے لگا۔ لیکن کہاں تک وہ دیوار سے جا لگا اور میں نے چاقو کی نوک سے اس کی پیشانی پر ایک گہری لکیر ڈال دی۔ اس لکیر سے خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں جانے لگا۔ فیروز کے حلق سے گھگیائی ہوئی آوازیں نکلنے لگیں۔ تب میں نے چاقو کی دھار اس کی گردن پر پھیری۔

"ایک ہلکا سا دباؤ تمہیں زندگی کے بوجھ سے نجات دلا دے گا۔"

"تم مجھے مار لو منصور لیکن یقین کرو مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" اس نے بمشکل کہا۔

"میرے گھر میں چرس کس نے رکھی تھی؟"

"میں نے۔ میں نے۔"

"کیوں؟"

"طارق کے کہنے پر۔ وہ تمہیں گرفتار کرانا چاہتا تھا۔"

"لاش کس کی تھی؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"طارق لایا تھا۔ ہسپتال سے کسی لاوارث شخص کی لاش تھی جو کسی حادثے کا

شکار ہو گیا تھا۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"مجھے یہاں لا کر رکھا گیا۔ میرا مطلب ہے اس مکان میں جہاں سے تم مجھے لائے ہو۔"

"تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

"یقین کرو منصور۔ اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا فیروز۔ تمہیں ماں اور بہن کے بارے میں بتانا ہو گا۔" میں اس پر بے تحاشا ٹوٹ پڑا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ ارے مجھے نہیں معلوم۔ ہائے مر گیا۔ ہائے میں مر گیا۔ فیروز ہاتھ جوڑنے لگا اور پھر دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ ایاز ایک کونے میں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"معاف کرنا ایاز۔ مجھے تمہارے گھر میں یہ سب کچھ کرنا پڑا لیکن اس وقت اس شہر میں میرا تمہارے علاوہ اور کوئی دوست بھی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں منصور بھیا لیکن یہ کون ہے؟"

"تم اندازہ لگا چکے ہو گے۔ بہرحال میں اسے لے جاؤں گا۔ اس کے ذریعے میرے سر سے قتل کا الزام ہٹے گا۔ یہ وہ ہے جس کے قتل کا الزام مجھ پر ہے۔"

"اوہ تو آپ اسی کی تلاش میں تھے؟"

"ہاں تم سناؤ۔ ٹھیک ہو؟"

"کہاں ٹھیک ہوں۔ وہ الو کا پٹھا چمن میری جان کو آ گیا ہے۔"

"اوہ۔ کیا کہتا ہے؟"

"بس یہی کہ مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اسے بتاؤں اور تمہیں تلاش کر کے اس سے ملاؤں۔ نہ جانے کیوں؟"

"مل لوں گا اس سے بھی۔ مگر ابھی نہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم اسے دوبارہ میری کار میں پہنچا دو ایاز۔ میں اسے لے جا رہا ہوں۔ چمن کو چکر دیتے رہو۔ موقع ہوا تو کسی دن مل لوں گا اس سے۔ اچھی مصیبت ہے۔"

"جب تک تم اس سے نہ ملو گے جان نہیں چھوٹے گی بھیا۔ خیال رکھنا۔" ایاز نے کہا اور پھر میں نے اس کی مدد سے فیروز کے ہاتھ پاؤں باندھے، منہ میں کپڑا ٹھونسا اور ہم دونوں نے مل کر اسے کار میں ڈال دیا۔ میں نے ایاز کا شکریہ ادا کر کے اسے خدا حافظ

کہا اور ایک بار پھر میں پروفیسر شیرازی کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ اس پہلی کامیابی پر میں بہت خوش تھا۔

ہارن دینے پر گیٹ کھول دیا گیا اور چوکیدار نے مجھے سلام کیا کیونکہ وہ مجھے دیکھ چکا تھا۔ میں نے کار پورچ میں کھڑی کر دی اور نیچے اتر آیا۔ پھر میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو چونک پڑا۔ پروفیسر شیرازی گاؤن پہنے خاموشی سے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو پروفیسر۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو منصور۔" پروفیسر کے تپاک میں کوئی کمی نہیں تھی۔

"آپ تو دو تین دن کے بعد آنے والے تھے۔"

"طبیعت گھبرائی تو پروگرام کینسل کر کے آ گیا۔ تم کہاں سے آ رہے ہو۔"

"شہر سے پروفیسر!" میں نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔

"سرخاب نے فون پر بتایا تھا کہ تم غیر حاضر ہو۔"

"ہاں پروفیسر۔ میری ذہنی الجھنیں تعطل برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔"

"آؤ اندر چلو۔ کار صبح کو گیراج میں بند کر دیں گے۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کار میں ایک بے ہوش شخص موجود ہے پروفیسر۔ میرے دشمنوں میں سے ایک۔ میں اسے بغیر اجازت یہاں لے آیا ہوں لیکن یہاں کے علاوہ میرا کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔"

"ارے۔ کون ہے؟ بے ہوش کیوں ہے؟" پروفیسر نے مضطربانہ انداز میں کہا اور کار کی طرف لپکا۔ "نکالو۔ اسے نکالو۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں نے دروازہ کھول کر فیروز کو باہر نکال لیا۔ "اوہ۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا ہے۔ اسے نکالو" پروفیسر نے آگے بڑھ کر کپڑے کا گولا فیروز کے منہ سے نکال لیا میں نے فیروز کو کندھے پر ڈال لیا تھا۔" اندر لے چلو۔ اندر لے چلو۔" پروفیسر نے اس انداز میں کہا جیسے اسے سخت اذیت ہو رہی ہو۔ میں فیروز کو لئے ہوئے ایک کمرے میں آ گیا۔ "اب اس کے ہاتھ پاؤں کھول دو یہاں سے کہاں جائے گا لیکن یہ بے ہوش کیوں ہے؟"

"ہوش کے عالم میں، میں اسے یہاں نہیں لا سکتا تھا پروفیسر۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ پروفیسر کا ہمدردانہ رویہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔

"مگر یہ کون ہے؟"

"وہ شخص جس کے قتل کے الزام میں پولیس میری تلاش میں ہے۔"

"کیا مطلب۔ یہ زندہ ہے؟"

"ہاں۔ یہ زندہ ہے اور وہ لاش ہسپتال سے حاصل کی گئی تھی جس کا چہرہ مسخ کر

کے اسے میرے مکان کے دروازے پر ڈالا گیا تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اسی کے ذریعے۔ اس کے علاوہ پانچ سال قبل پروفیسر! وہ چرس بھی اسی نے میرے گھر میں رکھی تھی۔"

"اس نے ان تمام باتوں کا اعتراف کیا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور پروفیسر افسوسناک انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"افسوس۔ انسان کس طرح انسان کے درپئے آزار ہو جاتا ہے۔ معصوم ذہنوں کو کتنے بھیانک راستوں پر ڈال دیتا ہے۔ ارے ہاں۔ کیا اسے تمہاری ماں اور بہن کا پتہ معلوم ہے؟"

"نہیں۔ اس بات کا اس نے اقرار نہیں کیا۔ اس کے لیے مجھے دوسرے شیطان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔اور پروفیسر کے ایما پر فیروز کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ تھوڑی دیر بعد فیروز ہوش میں آگیا۔ لیکن اس کی حالت خراب تھی اب وہ بری طرح نروس تھا۔ اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ خود سے اٹھ کر بیٹھ سکتا حالانکہ اب وہ بندشوں میں نہیں تھا۔

نرم دل پروفیسر اس کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آیا۔ اس نے کہا کہ وہ تمام تر صورت حال بتا دے۔ اس کے ساتھ اب کوئی برا سلوک نہیں ہو گا اور فیروز مشینی انداز میں بول پڑا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا جس میں جبار سیٹھ اور طارق کا نام شامل تھا۔

پروفیسر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ فیروز کو اس کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔

"میں ٹیلی فون پر اپنے ایک شناسا سے بات کرتا ہوں کیا خیال ہے ہم اسے پولیس کے حوالے کر دیں؟"

"سوچ لیں پروفیسر صاحب۔ دوسری طرف مقابل سخت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے اوپر بھروسہ رکھو بیٹے۔ میں انتہائی حد تک کوشش کروں گا۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ پروفیسر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ سرخاب ان ساری کارروائیوں سے بے خبر اپنے کمرے میں سوتی رہی۔ اسے کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔

رات کو تقریباً ڈھائی بجے ایک پولیس جیپ پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ جس نے باہر ہی اس کا استقبال کیا تھا۔ تین پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک ایس پی تھا۔ جس پروفیسر شیرازی کو بڑے ادب سے سلام کیا تھا لیکن میرے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ میں اس

ایس پی کو صاف پہچان گیا تھا۔ وہی انسپکٹر تھا جس نے میں نے شکایت لی تھی اور اسمگلروں کو پکڑوانے کی پیش کش کی تھی جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ انسپکٹر نے شاید ابھی مجھ پر غور نہیں کیا تھا۔

"جناب مجھے ڈی آئی جی صاحب نے بھیجا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے ان سے بات کی تھی آیئے۔ یہ منصور ہے۔" پروفیسر نے کہا اور تب ایس پی نے مجھے دیکھا۔

"ایس پی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ پروفیسر صاحب! مجھے پہلی بار گرفتار کرنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔" ایس پی مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں۔ ہم ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہیں۔" اس نے کہا اور ہم اندر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ پروفیسر کی درخواست پر ایس پی ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بات اگر آج بھی سیٹھ جبار کی ہے پروفیسر صاحب! تو براہ کرم ڈی آئی جی صاحب سے میرے لئے سفارش کر دیں کہ اس بار میرا تبادلہ اس شہر سے کہیں اور کر دیا جائے۔"

"میں سمجھا نہیں آفیسر۔" پروفیسر نے تعجب سے پوچھا۔

"منصور کو مجھ سے کچھ بھی شکایت ہو۔ میں اس کے سد باب کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پولیس نے چرس برآمد کی تھی۔ اور انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ یہ چرس کہاں سے آئی میں نہیں جانتا۔ جاننے کی کوشش کی تھی تو اس اسٹیشن سے میرا تبادلہ کر دیا گیا۔ منصور گواہ ہیں کہ میں ان کے خلاف کبھی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ اگر آج پھر کوئی ایسی ہی صورت حال ہے تو۔ آپ یقین کریں میرے تبادلے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔"

"اوہ۔ لیکن۔ لیکن کیا پولیس کچھ سرکردہ لوگوں کے ہاتھوں اتنی ہی مجبور ہے؟" پروفیسر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"بس ہماری مجبوریاں ہم تک ہی رہنے دیں۔" ایس پی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس بار انہیں قتل کے جرم میں پھانسا گیا ہے اور وہ شخص یہاں موجود ہے جس کے قتل کی خبریں اخبارات میں چھپی ہیں۔ اس نے چرس رکھنے کا اقرار بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ایک لاوارث لاش کو ہسپتال سے حاصل کر کے فیروز کی لاش ثابت کیا گیا ہے۔"

"وہ شخص یہاں موجود ہے جس کے قتل کا الزام ان پر ہے۔"

"ہاں۔ ہم اسے آپ کے حوالے کر سکتے ہیں وہ اقرار کر چکا ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا اور ایس پی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کافی دیر کے بعد گردن اٹھا کر بولا۔ "ڈی آئی

جی صاحب نے حکم دیا ہے میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں۔ اور آپ کے پاس فوراً چلا جاؤں۔ اس بے گناہ نوجوان کی بے گناہی کا بخدا مجھے پہلے بھی یقین تھا اور آج بھی ہے۔ میں ذاتی طور پر صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ ہسپتال سے اس تاریخ کا ریکارڈ نکلوا کر یہ ثابت کر دوں کہ ایک لاوارث لاش کو حاصل کر کے اس بے گناہ کو قتل کے الزام میں پھانسا گیا ہے نیز جس شخص کو مقتول ثابت کیا گیا ہے وہ زندہ ہے ان پر سے قتل کا الزام ختم ہو جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن پروفیسر صاحب۔ اپنے بیان میں یہ جس وقت سیٹھ جبار کا نام لیں گے کیس اسی وقت بگڑ جائے گا۔ ان کے خلاف کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ آپ میری یہ بات نوٹ کر لیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ اپنی نوکری داؤ پر لگا دوں اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ اب آپ اس شخص کو میرے حوالے کر دیں۔" ایس پی نے کہا اور پروفیسر نے شرمندگی سے گردن جھکا لی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا دیر تک کوئی بھی نہیں بولا تھا۔ خاموشی کا یہ طلسم ٹوٹا اور ایس پی صاحب نے کہا۔ "آپ یقین کریں پروفیسر شیرازی صاحب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری بدقسمتی ہے کہ حقیقت حال سے واقف ہونے کے باوجود میں وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جو کرنا چاہئے جو کچھ میں کروں گا اس کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ردعمل کیا ہو گا۔ مجھے کسی عتاب کا شکار ہونا پڑے گا یا بات ٹل جائے گی لیکن اس وقت ایک موقع ہے۔ ڈی آئی جی صاحب کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ جو کچھ کہیں کر دیا جائے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ کام تو کر ہی دوں بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا' خود میری بھی دلی خواہش ہے کہ اس نوجوان کے کچھ کام آؤں جس کے لئے میں کچھ نہیں کر سکا۔"

"یقین نہیں آتا۔ بالکل یقین نہیں آتا۔ دل چاہتا ہے ایک دفعہ ڈی آئی جی سے اور بات کروں۔ پوچھوں کہ کیا وہ بھی اتنے ہی معذور ہیں۔"

"جیسا آپ مناسب تصور کریں لیکن میری پیش گوئی ہے کہ اس کے بعد حالات بگڑ جائیں گے آپ چاہیں تو رسک لے لیں۔" ایس پی نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پروفیسر شیرازی ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔

"نہیں ایس پی صاحب۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گا۔" بالآخر انہوں نے کہا۔

"بس زیادہ دیر مناسب نہ ہو گی۔ آپ خود کو ان تمام معاملات سے لاتعلق رکھیں گے۔ میں کہیں بھی آپ کا نام نہیں آنے دوں گا۔ ہاں اگر ڈی آئی جی صاحب آپ سے اس بارے میں پوچھیں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں بات برابر کر دیں۔" ایس پی نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد ایس پی صاحب نے تمام کارروائیاں نہایت خفیہ طور پر کی تھیں۔ فیروز کو انہوں نے لاک اپ میں ڈال دیا۔ وہاں اس سے بیانات لیے گئے اور پھر نہایت ذہانت سے ایک کہانی تیار کی گئی۔ فیروز کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ عدالت میں سیٹھ جبار کے بارے میں کچھ نہ کہے بلکہ اس کارروائی کو کسی نامعلوم شخص سے منسوب کر دے جو اسے وارننگ دینا چاہتا تھا۔ ہسپتال سے لاوارث لاشوں کا پورا ریکارڈ طلب کیا گیا اور ایک لاش کی گمشدگی کے بارے میں رپورٹ کی گئی۔ کہانی یوں تیار کی گئی تھی کہ کوئی شخص فیروز کو چند مجرمانہ کارروائیوں کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور اسے برابر دھمکیاں دے رہا تھا کہ اگر اس نے اس کی ہدایات پر عمل نہ کیا تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔ یہی شخص منصور نامی نوجوان کو بھی اسی طرح بلیک میل کر رہا تھا لیکن منصور بھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ منصور کو پھانسنے کے لئے ہسپتال سے ایک لاش چرائی گئی اور اسے منصور کے گھر کے دروازے پر ڈال دیا گیا۔ منصور سے پہلے یہ لاش فیروز نے دیکھی اور خوفزدہ ہو گیا اور یہی سمجھا تھا کہ منصور کو قتل کر دیا گیا ہے اور اب اس کی باری ہے چنانچہ وہ روپوش ہو گیا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ منصور زندہ ہے اور خود اس کے قتل کا الزام منصور پر لگ گیا ہے تو انسانی ہمدردی کے تحت وہ پولیس اسٹیشن پیش ہو گیا اور ساری صورت حال بتا دی۔

یہ کہانی عدالت میں پیش کر دی گئی۔ میری ضمانت ہو گئی اور دوسری پیشی پر مجھے قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا کیونکہ مقتول زندہ تھا اور عدالت میں پیش ہو گیا تھا اس نامعلوم شخص کی تلاش کی ہدایات بھی جاری کر دی گئی تھیں۔

عدالت سے بری ہو کر میں باہر نکلا تو سرخاب کی گاڑی احاطہ عدالت کی دیوار سی لگی کھڑی نظر آئی۔ وہ شاید میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے مسرت پھوٹ پڑی اس نے جلدی سے کار کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا؟" اس نے مسرور لہجے میں پوچھا اور میرے ہونٹوں پر حزنیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کاش۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

سرخاب نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس وقت جو کچھ ہوا ہے سرخاب اس میں دشمن کی برتری نمایاں ہے۔ آزادی اس شکل میں ملی ہے کہ مجرم کا نام نہ لیا جائے۔ ظالم کا ظلم آشکار نہ کیا جائے۔ یہ آزادی بھیک کی شکل میں ملی ہے۔ مجھے اس کی مبارکباد نہ دو۔"

سرخاب نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتی رہی۔ پھر مجھے بھی

اس خاموشی کا احساس ہوا اور میں جلدی سے بولا۔ "مگر تم مجھے لینے کیوں آ گئیں؟"

"ڈیڈی نے یہی کہا تھا۔ وہ شاید لمحے لمحے کے حالات سے واقف تھے۔ مجھ سے کہا کہ آج منصور رہا ہو جائیں گے تم پہنچ جانا انہیں لینے کے لئے۔"

"پروفیسر کہاں ہیں؟"

"کہیں گئے ہوئے ہیں کوٹھی میں موجود نہ تھے۔"

O

رات کے کھانے پر پروفیسر سے ملاقات ہو سکی۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" پروفیسر نے کھانے کے دوران پوچھا۔

"گرفتاری کے خوف سے تو نجات مل گئی ہے لیکن رد عمل کا اندازہ نہیں۔ پتہ نہیں اُسے میری رہائی پسند آئے گی یا نہیں۔" میں نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔ پروفیسر کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے کھانے پر رکا اس کے بعد وہ دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ چند ساعت خاموش رہے پھر بولے۔ "تحمل مزاجی بگڑے ہوئے کام بنا دیتی ہے۔ ایک الجھن دور ہو گئی ہے۔ اس کے بعد ہم دوسری الجھن پر توجہ دیں گے۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"ایک کام کرو منصور۔ اخبار میں ایک اشتہار دے دو۔ فریدہ اور امی کی تلاش کے سلسلے میں۔ ہمیں کوئی بھی حصہ خالی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ممکن ہے بات ہمارے خیال سے مختلف ہو۔ ممکن ہے واقعی وہ اس ماحول کو اپنے لئے ناسازگار پا کر وہاں سے نکل گئی ہوں اور کہیں اور رہنے لگی ہوں۔ کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔"

میں نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ میں اس امکان پر غور کر چکا ہوں پروفیسر۔ یہ ممکن نہیں ہے اگر وہ اپنی مرضی سے جاتیں تو کسی نہ کسی طور مجھے اپنی منتقلی کی اطلاع ضرور دیتیں۔ کم از کم محلے کے کسی معتبر شخص کو ہی اپنا پتہ بتا جاتیں۔ انہیں میری زندگی اور واپسی کا یقین تھا وہ اتنا تو ضرور کرتیں۔"

"بعض اوقات حالات انسان کو اس قدر بدحواس کر دیتے ہیں کہ وہ بہت اہم باتیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ میں بھی زیادہ پرامید نہیں ہوں' لیکن یہ اشتہار دینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ میری رائے ہے یہ اشتہار ضرور دیا جائے بلکہ کئی دن تک دیا جاتا رہے۔ خیر میں خود کر لوں گا۔ یہ سب کچھ۔" پروفیسر نے کہا۔ میں نے اس بات پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹ کر بھی میں بہت کچھ سوچتا رہا۔ میرے اوپر سے قتل کا الزام ہٹ چکا تھا۔ لیکن اس شکل میں کہ میں نے سیٹھ جبار کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ اس سے زیادہ افسوسناک' بے بسی اور کیا ہو سکتی تھی۔ پروفیسر بے چارہ اپنی سی تگ و دو کر رہا تھا اور مجھے شدید احساس تھا کہ وہ میری وجہ سے بہت زیر بار ہے۔ میں نے خواہ مخواہ اسے بھی

مشکلات کا شکار کر دیا ہے۔

دوسری صبح ناشتہ کرتے ہوئے میں نے اخبار میں اشتہار دیکھا۔ پروفیسر علی الصباح کہیں چلے گئے تھے۔۔ سرخاب میرے ساتھ ناشتہ کر رہی تھی۔ "ارے یہ اشتہار رات ہی کو بک ہو گیا۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کونسا اشتہار؟" سرخاب چونک کر بولی اور میں نے اخبار اس کے سامنے کر دیا۔ جس میں لکھا تھا۔

"امی اور فریدہ متوجہ ہوں .... میں واپس آ گیا ہوں۔ آپ لوگ گھر میں نہیں ملیں۔ میں آپ کے لئے سخت پریشان ہوں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔" نیچے ایک فون نمبر دیا گیا تھا جو اس کوٹھی کا نہیں تھا۔ میں نے سرخاب سے اس بارے میں پوچھا لیکن اس نے بھی فون نمبر سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ بہرحال پروفیسر نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فون نمبر دیا ہو گا۔

کئی بار میں نے یہ اشتہار پڑھا۔ میرے دل میں ایک ہوک اٹھ رہی تھی۔ کاش یہ ناممکن، ممکن ہو جائے۔ کاش مجھے اچانک یہ اطلاع ملے کہ امی اور فریدہ مل گئی ہیں۔ میں نے اخبار کے دوسرے حصوں پر نگاہ دوڑائی اور میری نگاہ ایک اور چھوٹے سے اشتہار پر پڑی۔ یہ اشتہار "ضرورت ہے" کے' اشتہارات میں تھا۔

جہانگیر لمیٹڈ نامی کسی فرم میں اسٹاف ڈرائیور کی ضرورت تھی۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ طارق نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کہیں اور ملازمت نہیں کر سکتا۔ ملازمت کروں گا تو صرف سیٹھ جبار کے ہاں۔ اگر اب میں کوئی نوکری کروں تو کیا سیٹھ جبار اب بھی مزاحمت کرے گا؟ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے اور پھر یوں بھی پروفیسر کی کوٹھی میں مفت کی روٹیاں توڑتے رہنا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے اس خیال کا اظہار سرخاب سے کیا تو وہ ناراض ہونے لگی۔

"نوکری کریں گے اور وہ بھی ڈرائیور کی۔"

"کیا حرج ہے سرخاب۔ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔"

"بڑی مالی پریشانیاں آ پڑی ہیں نا۔ بچے بھوکے مر رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا کر طنز کیا اور میں مسکرانے لگا۔

"یہ بات نہیں ہے سرخاب۔ بس میں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی سے بات کر لیں۔" سرخاب منہ پھلا کر بولی۔ دوپہر کو پروفیسر آ گئے تو یہ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو گیا لیکن ان کا جواب غیر متوقع تھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔" انہوں نے کہا اور سرخاب کا منہ تعجب سے پھیل گیا۔

"لیکن ڈیڈی۔" اس نے احتجاج کیا۔

"یہ منصور کے حق میں بہتر ہے۔" پروفیسر فیصلہ کن لہجے میں بولے۔ پھر انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کل ہی کوشش کر ڈالو۔" سرخاب خاموش ہو گئی تھی۔

ـرے دن میں درخواست لے کر انٹرویو کے لئے پہنچ گیا۔ اشتہار میں یہی لکھا تھا۔ اس ـتہار کے جواب میں صرف تین آدمی آئے تھے۔ فرم کے ٹرانسپورٹ آفیسر نے ہمارا انٹرویو اور میرا انتخاب کر لیا۔ ڈرائیونگ لائسنس کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ وہ گم ہو ـیا ہے لیکن میں ڈپلی کیٹ نکلوا لوں گا۔ تب ٹرانسپورٹ آفیسر نے کہا کہ تین دن کے اندر ـلائسنس لے کر آ جاؤں اور اپنا چارج سنبھال لوں۔

یہاں سے فارغ ہو کر آوارہ گردی کرتا ہوا یونہی ایک بازار میں نکل آیا۔ یہاں ـز مل گیا۔ مجھے دیکھ کر لپک کر میرے پاس پہنچ گیا۔ "منصور بھیا۔" اس کی آواز میں ـیت تھی۔

"ہاں ایاز۔ شام کو تمہارے پاس آنے والا تھا۔ سوچا تھا کہ ڈیوٹی ختم ہو جائے ـاری تو تمہارے پاس جاؤں گا۔ اس وقت تو ڈیوٹی پر ہو گے؟"

"ہوں تو ڈیوٹی پر۔ مگر ایک اور ڈیوٹی بھی لگ گئی ہے میری۔"

"کیا؟"

"استاد کا حکم ہے کہ جب بھی تم ملو' لے کر سیدھا اس کے پاس آؤں اور دوسرا ـچھوڑ دوں۔"

"اوہ۔ یہ استاد چمن آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ ٹھیک ہے آج اس سے ـل لیں گے۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"میں تو بڑا بے چین تھا۔ اس رات سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں تلاش ـلاں۔ آؤ کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں پھر استاد کے پاس چلیں گے۔" ایاز نے کہا اور میں ـگردن ہلا دی۔ تھوڑے فاصلے پر ہم ایک ریستوران میں جا بیٹھے۔

"کیا رہی منصور بھیا۔ مجھے کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔ کتنا پریشان تھا' تم اندازہ ـلگا سکتے۔"

"مجھے اندازہ تھا ایاز لیکن میں پولیس کی تحویل میں تھا۔"

"پولیس۔" ایاز آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ لیکن حالات ٹھیک ہو گئے۔ میرے اوپر سے قتل کا الزام ہٹ گیا۔ اس ـپولیس کا خطرہ ٹل گیا ہے۔"

"چلو یہ ایک خوشخبری سننے کو ملی۔ دوسری خوشخبری بھی خدا سنائے گا۔ اب کیا ـہے؟"

"نوکری کروں گا۔ بات ہو گئی ہے ایک فرم میں۔ اس کے ساتھ ہی ای او
فریدہ کی تلاش جاری رکھوں گا۔"

"اوہ۔ اچھا خیال ہے۔ رہو گے کہاں بھیا اب۔ میرے پاس ہی نا؟"

"بس کبھی تمہارے [illegible] کی دو سری جگہ۔ دعا کرو ایاز وہ دونوں کو حاصل [illegible]
میں تمہیں بھی کام نہیں کرنے دوں گا۔ شریف لوگوں کی طرح زندگی گزاریں گے
لوگ۔" ایاز نے شدت جذبات سے میری کلائی دبائی۔ زبان سے وہ کچھ نہیں بول سکا تھا۔

پھر ہم استاد چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔ چمن اڈے پر موجود تھا۔ ایاز کو دیکھ
اس کی تیوریاں چڑھ گئیں لیکن مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر وہ نارمل ہو گیا تھا۔

"کہاں ہو دوست ہاتھ ہی نہیں لگتے۔ کنوؤں میں بانس ڈال دیئے لیکن۔" ا
نے پر جوش انداز میں میرا استقبال کیا پھر ایاز سے بولا۔ "ٹھیک ہے بیٹے تم کام پر جاؤ اپنی
محفل رہے گی۔"

"جی استاد۔" ایاز نے گردن جھکا دی۔

"رات کو گھر آؤں گا ایاز۔ کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" میں نے کہا
ایاز چلا گیا۔ چمن استاد مجھے ساتھ لے کر اندرونی کمرے میں پہنچ گیا تھا۔

"ہاں منصور میاں سناؤ کیسے گزر رہی ہے؟"

"ٹھیک ہوں بس۔"

"منصور میاں۔ میں بھی سنکی آدمی ہوں۔ جو بات دماغ کو چڑھ جاتی ہے
نکالے نہیں نکلتی۔ تمہیں دیکھ کر پہلی ہی نگاہ میں ایک خواہش ابھری تھی کہ تم میر
ساتھی بن جاؤ۔ ایاز سے تمہارے بارے میں اکثر گفتگو رہتی ہے۔ تمہارے لئے اس
بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہے منصور! کہاں بھاگے بھاگے پھر رہے ہو یہاں تمہیں مالی ا
بھی ملے گا اور اس کے علاوہ اب چمن اتنا بے حقیقت بھی نہیں ہے... مل جل کر کچھ کر
گے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہارا خیال ہے کہ میں
تراشی کروں؟" میں نے پوچھا۔ اور چمن کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"بد قسمتی سے تم نے چمن کے بارے میں کبھی معلومات حاصل کرنے کی کو
ہی نہیں کی ورنہ شاید اتنی چھوٹی بات نہ کہتے۔"

"اگر ایاز نے تمہیں میرے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات بتائی ہیں چمن ا
! تو اس نے یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میری ساری زندگی صرف ایک ضد کا شکار ہوئی ہے۔
برائی کے راستوں سے بھاگ کر زندگی کے جہنم میں جا پڑا ہوں اور اس جہنم سے نکلنے
جدوجہد میں مصروف ہوں اگر کامیاب ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس زمین پر سینکڑوں

دوں گا۔ ہزاروں کو میرے ساتھ ہی آگ میں جلنا ہو گا۔ ابھی مجھے اس کے لئے مجبور مت
کرو۔ ابھی میں آزمائش کی منزل میں ہوں۔ میں تمہاری اس پر خلوص پیشکش کی دل سے
قدر کرتا ہوں لیکن ابھی نہیں۔ میرے لئے دعا کرو استاد چمن کہ میں اپنی منزل پا لوں۔ وہی
بنوں جو بچپن میں بننا چاہتا تھا۔ جب تک ہمت رہے گی برائی سے بچنے کی جدوجہد کرتا رہوں
گا اور جب ہمت ہار بیٹھا تو........"

چمن گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اتنی تفصیل بھی نہیں
بتائی تھی ایاز نے۔ تم اگر چاہو تو مجھے اپنی زندگی کے اس مشن کی کچھ تفصیلات بتا دو۔ ممکن
ہے میں تمہارے کام ہی آ سکوں۔"

"مجھے کچھ اور وقت دو چمن استاد۔ کچھ اور وقت دو۔ میں خود ہی تمہارے پاس
آؤں گا اور تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں گا۔" میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اس سے زیادہ مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن میری پیشکش
ہے کہ کسی بڑی الجھن میں پھنس جاؤ تو یہ دروازہ بند نہیں پاؤ گے۔"

"میں ان الفاظ کا خلوص' دل میں رکھوں گا استاد۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر
کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ رات کو ایاز کے ساتھ رہا اور اسے چمن سے ہونے والی گفتگو بتا
دی۔ ایاز سر کھجانے لگا تھا۔

"اب وہ پھر میری جان کھائے گا۔"

"جو کچھ تمہیں معلوم ہے دل چاہے تو اسے بتا دینا ایاز لیکن اس سے یہ بھی کہہ
دینا کہ میں کہیں چلا گیا ہوں۔ ابھی مجھے ایسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے
کہا اور ایاز نے گردن ہلا دی۔

لائسنس کی ڈپلی کیٹ حاصل کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ کچھ پیسے خرچ
کرنے پڑے تھے۔ بہرحال اس کے بعد میں نے جہانگیر لمیٹڈ میں نوکری کر لی۔ ایک نئی ویگن
پر میری ٹرائی لی گئی اور پاس کر دیا گیا۔ فرم کی وردی دی گئی تھی۔ کام بس یہ تھا کہ اسٹاف
کے کچھ مخصوص لوگوں کو صبح کو ان کے گھروں سے لینا ہوتا تھا اور شام کو چھوڑنا ہوتا تھا۔
ان میں مرد بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ فرم بیگم جہانگیر چلاتی تھیں۔ جوان العمر اور نہایت
خوبصورت خاتون تھیں۔ لیکن چہرے پر ایسی سنجیدگی اور متانت تھی کہ نگاہ ٹھہرنا مشکل ہو۔
خاموش طبع معلوم ہوتی تھیں۔ بہرحال میرا ان سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ میرا تعلق
اسٹاف سے رہتا تھا۔ صبح کو سرخاب مجھے جلدی جگا دیتی تھی۔ ناشتے کے بعد میں دفتر پہنچ کر
گاڑی لیتا اور چل پڑتا۔

شام کو جن لوگوں کو میں ان کے گھروں پر چھوڑتا ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ یہ
سب سے آخر میں رہ جاتی تھی کیونکہ ایسے ہی روٹ پر رہتی تھی۔ بڑی معصوم اور پاکیزہ سی

شکل کی مالک تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں جھکی رہتی تھیں جیسے اچانک کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ ایک بار میری نگاہ اس سے ملی تھی۔ ویسے شاید میں اس پر توجہ نہ دیتا لیکن چونکہ وہ سب سے آخر میں رہ جاتی تھی اس لئے ایک آدھ بات ہو ہی جاتی تھی۔ شروع شروع میں اس کے انداز میں جھجک اور اضطراب ہوتا تھا لیکن پھر وہ پرسکون نظر آنے لگی۔ میں نے ضرورت سے زیادہ کوئی بات نہیں کی تھی اس سے۔ لیکن اس دن وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہو گئی۔

"آپ کا نام کیا ہے ڈرائیور صاحب؟" انداز ایسا تھا جیسے کسی کے ٹھوکا دینے سے بول پڑی ہو۔

"ڈرائیور صاحب ٹھیک نہیں ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نام بھی تو کچھ ہوگا؟"

"منصور ہے میرا نام۔"

"میں راشدہ ہوں۔ آپ بہت شریف انسان ہیں منصور صاحب۔ عام لوگوں سے بہت مختلف۔ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ بس خود میں کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔"

"آپ مجھے بہت غور سے دیکھتی ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ جھونک میں بولی اور پھر شرمندہ سی نظر آنے لگی۔ "میرا مطلب ہے دیکھتی ہی ہوں۔ آپ سامنے جو ہوتے ہیں۔" وہ بات برابر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آپ جہانگیر لمیٹڈ میں کیا کرتی ہیں؟" میں نے پوچھا اور اس نے اپنی لانبی سفید انگلیاں میرے سامنے لہرائیں۔ اس کے اس خاموش جواب پر مجھے ہنسی آنے لگی تھی۔

"پیانو بجاتی ہیں؟" میں نے کہا۔

"ٹائپسٹ ہوں۔" اس نے کہا اور اس کا گھر آ گیا۔ "یہاں سے آپ کہاں جاتے ہیں؟" وہ نیچے اترتے ہوئے بولی۔

"پہلے گاڑی کھڑی کرنے جاتا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر۔" میں نے کہا اور وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی۔ عجیب سا انداز تھا جس میں سادگی اور معصومیت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا لیکن دیر تک اس کی معصوم حرکتیں یاد آتی رہی تھیں۔

رات کو سرخاب سے بھی اس کا ذکر کر بیٹھا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس یونہی تذکرہ آ گیا تھا۔ سرخاب چونکہ خود بھی صاف ستھرے ذہن کی مالک تھی اس لئے اس نے بھی کوئی توجہ نہیں دی۔

دوسرے دن راشدہ نے کچھ اور باتیں کیں۔ کہنے لگی۔ "میں نے امی کو آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ آپ کا نام منصور ہے۔" وہ سادگی سے بولی اور میں ہنسی نہ روک سکا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا کہا آپ کی امی نے اس بات پر؟"

"بس پوچھتی رہیں، آپ کے بارے میں۔ ارے ہاں آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں؟" اسے جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"دو بہنیں ہیں۔ ماں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھائی کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ابو بھی نہیں ہیں؟"

"ہاں وہ بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں بتا دوں گی۔" اس نے کہا اور نیچے اتر گئی۔ میں حیرت سے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا لیکن اب میں نے سرخاب سے بھی اس کی احمقانہ گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔ زیادہ تذکرہ اسے مشکوک کر سکتا تھا۔ لیکن راشدہ کا کردار مجھے عجیب لگا۔ پھر ایک دن اس کے مجبور کرنے پر میں اس کے ساتھ اس کے گھر میں چلا گیا۔ چھوٹے سے مفلوک الحال گھر میں ایک شریف صورت خاتون سے ملاقات ہوئی اور زندگی کا ایک اور المیہ میرے سامنے آیا۔ راشدہ کے ابو مر چکے تھے اس نے میٹرک کیا تھا اور اب مجبوراً ملازمت کر رہی تھی۔ اس کی ماں کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی کسی شریف نوجوان کے پلے بندھ جائے۔ وہ خود بیمار رہتی تھیں۔ اور یہ بیماری بھی راشدہ ہی تھی۔ خاتون نے مجھے بتایا کہ انہیں نہ تو دولت کی طمع ہے نہ ہی کسی زیادہ تعلیم یافتہ نوجوان کی۔ وہ تو بس کسی محنتی اور شریف نوجوان کی تلاش میں ہیں اس کے لئے شاید انہوں نے راشدہ کو بھی اجازت دے دی تھی۔

میرا دل خون ہو گیا۔ ان معصوم لوگوں کی نگاہ انتخاب بھی پڑی تو کس پر۔ میری زندگی تو ایک مشن کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ میں ان غریبوں کے کس کام آ سکتا تھا۔

سرخاب کو تمام صورت حال بتاتے ہوئے میں نے اس سے درخواست کی کہ اس معصوم لڑکی کو کسی طور مطمئن کر دیا جائے تاکہ اس کے ذہن کو بھی اذیت نہ ہو۔ سرخاب میرے کرب کا اندازہ کر رہی تھی۔ دوسرے دن میں نے راشدہ سے کہا کہ کل وہ اپنی امی سے کہہ آئے کہ دیر سے آئے گی۔ میری بہن اس سے ملنا چاہتی ہے اور راشدہ مسرور ہو گئی۔ تیسرے دن وہ تیاریاں کر کے آئی تھی۔ میں تمام لوگوں کو اتارنے کے بعد اسے واپس لے گیا اور گاڑی کھڑی کر کے ٹیکسی سے پروفیسر کی کوٹھی پہنچ گیا۔

راشدہ' سرخاب سے ملی۔ کوٹھی دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ ا
ہونق سی ہو گئی تھی۔ سرخاب میری بہن کی حیثیت سے ملی۔ میں نے بھی اندر جا کر لباس
تبدیل کر لیا۔ باقی معاملات میں نے سرخاب پر چھوڑ دیئے تھے۔ سرخاب نے نہ جانے راشد
سے کیا گفتگو کی۔ راشدہ کے چہرے کی مردنی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ سرخاب خود اسے
کار میں چھوڑنے گئی۔ واپسی پر وہ بہت ملول تھی۔

"خدا کی قسم منصور بھیا فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔ جتنا دکھ مجھے ہوا ہے میں
بتا نہیں سکتی۔ اس نے سادگی سے مجھے سب کچھ بتا دیا کہ اس کی امی نے اسے حکم دیا تھا کہ
اگر کوئی بہتر نوجوان اس کی نظر میں آ جائے اور اس پر توجہ دے تو اس کے بارے میں
انہیں بتایا جائے جانتے ہو کیا کہہ رہی تھی؟ کہنے لگی۔ منصور کا تو اب سوال ہی نہیں پید
ہوتا کیونکہ ہم لوگ تو بہت غریب ہیں۔ ہم تو ایسی کوٹھیوں میں رہنا بھی نہیں جانتے۔ میں
نے اسے سہیلی بنا لیا ہے اور اس سے وعدہ لے لیا ہے کہ اکثر ملتی رہے گی۔"

اس رات میرا کرب بھی بڑھ گیا تھا۔ راشدہ کے حالات سن کر مجھے امی اور فرید
یاد آ گئی تھیں نہ جانے وہ کس حال میں ہیں۔ میری فریدہ بھی تو شادی کے قابل تھی۔ ا
دونوں بھی بے سہارا رہ گئی تھیں۔ نہ جانے امی فریدہ کے لئے کس قدر پریشان ہوں۔
جانے فریدہ کون سے دفتر میں اپنی زندگی کے سہارے تلاش کر رہی ہو۔

کرب اور اذیت میں رات گزر گئی۔

دوسرے دن ایک تبدیلی ہوئی۔ مجھے اسٹاف ڈرائیور کی ڈیوٹی سے ہٹا کر لیڈ
جہانگیر کی ڈیوٹی میں دے دیا گیا تھا۔ اس تبدیلی کی کوئی کاص وجہ نہیں تھی بس لیڈی جہانگیر
کا ڈرائیور بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہو گیا تھا۔ اسٹاف کو دوسری گاڑی مہیا کر دی گ
تھی۔ میرے خیال میں یہ بہتر ہوا مجھے راشدہ کے کرب سے نجات مل گئی تھی۔ میں ک
بھولی بھالی لڑکی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

مسز جہانگیر کی ڈرائیوری اور زیادہ آرام دہ تھی۔ صبح کو انہیں دفتر لانا ہوتا تھا ا
شام کو چھوڑنے جانا ہوتا تھا اس کے بعد چھٹی مل جاتی تھی۔ ان کی زندگی کا بس یہی معمو
تھا۔ نہایت پروقار خاتون تھیں۔ بہت کم گفتگو کرتی تھیں۔ ایک آدھ بار ہی انہوں نے
سے بات کی تھی۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا۔

کافی دن گزر گئے۔ اس دن چھٹی تھی۔ صبح کے ناشتے پر پروفیسر اخبار دیکھ ر
تھے۔ میری نگاہ اس اشتہار پر پڑی جو آج کے اخبار میں بھی موجود تھا۔ امی اور فریدہ
تلاش کا اشتہار۔

میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ مجھ سے ناشتہ نہ ہو سکا۔ سرخاب میرے برا
بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ کوئی خاص بات ہے اور وہ چونک کر سامنے دیکھ

لگی۔ اشتہار پر اس کی نگاہ بھی پڑ گئی تھی۔ اس نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا اور
بولی۔ "ناشتہ کریں منصور بھائی۔" اس کے لہجے کو محسوس کر کے پروفیسر نے بھی اخبار چہرے
کے سامنے سے ہٹا لیا۔

"کیا بات ہے؟" وہ ہم دونوں کو دیکھ کر بولے۔

"منصور بھائی اس اشتہار کو دیکھ کر رنجیدہ ہو گئے ہیں شاید۔"

"اوہ۔ اوہ۔ نہیں منصور۔ ناشتہ کرو۔ حوصلہ رکھو۔ تم نے خود کو جس طرح
سنبھالا ہے' اس پر مجھے فخر ہے۔ وقت ضرور لگ رہا ہے لیکن بالآخر ہمیں کامیابی نصیب ہو
گی۔"

"یہ اشتہار کب تک آتا رہے گا پروفیسر؟"

"کیا حرج ہے بھئی بس ایک امید ہے۔ ممکن ہے کوئی کام بن جائے۔ چھٹی
والے دن میں خاص طور سے یہ اشتہار لگواتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے یہ سلسلہ اب بند کر دیں۔ کیا فائدہ اس سے۔ امی اور فریدہ اگر
زندہ ہیں تو سیٹھ جبار کی قید میں ہوں گی۔ میں بد نصیب انسان ایک گوشے میں جھوٹی آس
لگائے بیٹھا ہوں۔ نوکری کر رہا ہوں' کھا پی رہا ہوں۔ نہ جانے انہیں کیا کیا جتن کر کے روٹی
ملتی ہو گی۔ پروفیسر میرے سینے میں آتش فشاں پک رہا ہے۔ ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری
ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنی یہ خاموشی ایک جرم محسوس ہوتی ہے' یوں لگتا ہے مجھے جیسے میں
جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کئے ہوئے ہوں۔ میرا ایمان ہے پروفیسر کہ سیٹھ جبار ان کے
بارے میں جانتا ہے۔ لیکن لیکن میں شرافت کا لحاف اوڑھے بیٹھا ہوں۔ میں معاشرے کے
قوانین کا احترام کر کے ان دونوں سے نگاہیں چرائے ہوئے ہوں۔"

پروفیسر شیرازی سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سرد اور ٹھوس لہجے
میں بولا۔ "تم شاید سوچ رہے ہو گے منصور کہ تمہیں اپنے سنہری الفاظ و افکار کے جال میں
جکڑ کر میں مطمئن ہو گیا ہوں۔ خاموش بیٹھا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ میرا ہر لمحہ اسی تردد
میں گزرتا ہے۔ بہرحال میں تم سے صرف تین دن کی مہلت طلب کرتا ہوں۔ صرف تین
دن کی مہلت۔ اس کے بعد میں آخری فیصلہ دے سکوں گا۔ پھر تم میری عائد کی ہوئی
پابندی سے آزاد ہو گے۔"

پروفیسر کے الفاظ کا آہن میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

وہ پھر بولے۔ "تین دن زیادہ نہیں ہوتے منصور۔ ناشتہ کرو۔" اور میں خاموشی
سے دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

دوسرا دن حسب معمول گزرا۔ مسز جہانگیر کو دفتر میں چھوڑ کر میں کینٹین میں جا
بیٹھا۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب ان کا چپراسی مجھے بلانے آیا اور میں اس کے ساتھ ان

کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ ایک خوش پوش شخص ان کے سامنے کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس لئے میں اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ تب مسز جہانگیر کی آواز ابھری۔

"منصور' طارق صاحب کی کار خراب ہو گئی ہے۔ میری گاڑی لے کر ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ اور جہاں یہ کہیں وہاں پہنچا دو۔"

طارق کا نام سن کر میں چونکا اور شاید میرا نام سن کر وہ بھی۔ اس نے فوراً پلٹ کر مجھے دیکھا اور میری رگوں میں پارہ دوڑنے لگا۔ طارق ہی تھا۔ وہی طارق جس کا نام سن کر میرا خون کھولنے لگتا تھا۔ ایک بار پھر وہ میرے سامنے آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک مکارانہ چمک ابھری۔۔ اور پھر وہ لیڈی جہانگیر کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کون ہے؟"

"ڈرائیور۔" مسز جہانگیر نے اس استفسار پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ طارق ایک لمحے خاموش رہا پھر اٹھ گیا۔

"او کے لیڈی صاحبہ۔ پھر کسی وقت ملاقات ہو گی۔"

"او کے۔" مسز جہانگیر نے سپاٹ لہجے میں کہا اور طارق باہر چل پڑا۔ میں بھی خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اور پھر میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ طارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں لے چلوں۔ طارق صاحب؟

"کسی عمدہ سے ریستوران میں چلو۔ وہاں تمہارے ساتھ ایک پیالی چائے پیوں گا۔ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔

"جو حکم۔" میں نے کہا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد طارق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سامنے ایک خوبصورت ریستوران نظر آ رہا تھا۔ میں نے ریستوران کے نزدیک کار فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"آؤ۔ شیشے وغیرہ چڑھا دو۔" طارق کار سے اتر گیا۔ لیکن میرے انداز میں کسی قدر ہچکچاہٹ تھی۔

"کیوں؟" طارق نے مجھے دیکھا۔

"طارق صاحب۔ میرا لباس اور میری شخصیت مجھے اس ریستوران میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے؟" میں نے سوال کیا اور طارق مسکرانے لگا۔

"اس دنیا کے بارے میں ابھی تمہاری معلومات بہت محدود ہیں منصور۔ کسی صاحب حیثیت انسان کا ساتھی بن جانا ہی کافی ہے۔ لوگ تمہاری عزت کریں گے خود کو دنیا کے رنگوں میں شامل کرو۔ عام ناکام لوگوں کی طرح کامیاب انسانوں سے نفرت کرو گے تو گھٹن اور جلن کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ بھی نہیں اٹھائے گا۔" وہ ریستوران کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول کر کاروباری سلام کیا تھا جس کا جواب ضروری نہیں ہوتا۔

اندر چند میزیں آباد تھیں۔ طارق ایک میز کے گرد پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے اعلیٰ درجے کے سگریٹ کا پیکٹ اور ایک انتہائی حسین لائٹر نکال کر میز پر رکھ لیا۔ پھر پرسکون انداز میں کرسی کی پشت سے ٹک کر سگریٹ کا پیکٹ اٹھا لیا۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر میری طرف بڑھائی اور میں نے شکریہ کے ساتھ گردن ہلا دی۔

"اوہ' پیتے نہیں ہو؟"

"نہیں طارق صاحب۔ شکریہ۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا اور طارق نے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ ویٹر کے آنے پر اس نے چائے کے لئے کہہ دیا اور پھر دو تین گہرے گہرے کش لے کر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔

"کیسی گزر رہی ہے؟"

"زندہ ہوں۔"

"صرف زندہ رہنا اچھا نہیں ہے۔ زندگی کے ساتھ پورا پورا انصاف ضروری ہے۔"

"کیا انسان اپنی ذات کا منصف بن سکتا ہے؟" میں نے پوچھا اور طارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بن سکتا نہیں' ہوتا ہے۔ اپنی ذات سے خود انصاف کیا جاتا ہے۔ دوسروں سے توقع فضول ہے۔"

"لیکن تقدیر بعض لوگوں کو اس کا موقع کہاں دیتی ہے۔"

"تقدیر۔" طارق نے پھر سگریٹ کا کش لیا۔ "تقدیر کے وجود سے میں انکار نہیں کرتا منصور! لیکن یہ جانتا ہوں کہ تقدیر زندگی میں ایک موقع ضرور دیتی ہے۔ اب یہ انسان کی صلاحیت کی بات ہے' کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ بعض لوگ جان بوجھ کر ضد کر کے اس موقعے کو ٹھکراتے ہیں۔ تمہاری ہی بات کر رہا ہوں۔ دنیا کا مزاج شناس ہونا ضروری ہے۔ شرافت کا ڈھول صرف بجتا ہے اس کا حاصل کچھ نہیں۔"

"شاید۔" میں نے خود کو سنبھال لیا ورنہ ذہن میں تو بہت سی باتیں آئی تھی۔

"جہانگیر لینڈ میں کتنے عرصے سے کام کر رہے ہو؟"

"جیل سے رہا ہونے کے بعد پہلی ملازمت ہے۔"

"تعجب ہے۔" طارق نے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر ہلکی سی مسکراہٹ ساتھ کہا۔

"کتنا عرصہ رہے جیل میں؟"

"پانچ سال۔"

"جیل کی زندگی میں تمہیں کوئی تربیت نہیں ملی؟"

"بہت کچھ سیکھا ہے میں نے وہاں مسٹر طارق۔"

"اور اس کے بعد بھی ڈرائیور کی نوکری کر رہے ہو؟" طارق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اپنی ذات کا منصف نہیں بن سکا۔"

"بالکل۔ یہی بات ہے لیکن اب کیا خیال ہے سوچ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی؟"

"سوچنے کا موقع ہی کہاں ملا ہے طارق صاحب۔ آپ لوگ زیادہ پھرتی سے کام کرنے کے قائل ہیں۔ میں اتنی ہی پھرتی سے آپ کا مقابلہ نہیں کر پا رہا۔"

"اوہ۔" طارق ہنس پڑا۔ "ویسے تمہاری صلاحیتیں نکھری ہیں۔" اس نے کہا۔

ویٹر نے چائے لا کر رکھ دی اور میں نے خود ہی چائے بنا کر ایک پیالی اسے پیش کی اور دوسری اپنے سامنے رکھ لی۔

طارق نے گرم گرم چائے کے دو گھونٹ لئے تھے۔

"میں نے تمہاری اس کوشش سے خوش ہوں۔"

"کون سی کوشش کی بات کر رہے ہیں؟"

"تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن ایک سوال میرے ذہن میں پیدا ہو رہا ہے۔ تم نے پولیس کے سامنے اور پھر عدالت میں سیٹھ جبار کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟"

"رہا ہونا چاہتا تھا۔" میں نے کہا اور طارق نے جلدی سے چائے کی پیالی رکھ دی۔ وہ مجھے تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا واقعی؟ کیا واقعی تمہاری سوچ میں یہ نکھار پیدا ہوا ہے۔" اس نے پر جوش انداز میں پوچھا۔

"تجربہ سوچ بدل دیتا ہے طارق صاحب۔" میں نے اداس' لہجے میں کہا۔

"اگر یہ بات تھی تو پھر سیٹھ جبار کے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"موقع دیا گیا تھا مجھے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوں۔" طارق کچھ سوچنے لگا۔ پھر خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ذہن میں کچھ فیصلے کر رہا ہو۔

"طارق صاحب۔" میں نے اسے مخاطب کیا اور اس نے پیکٹ اٹھا کر اس سے دوسرا سگریٹ نکال لیا۔ پھر وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

"اوہ۔ میں نے اخبارات میں تمہارے اشتہارات دیکھے تھے۔ ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا؟" طارق نے پوچھا۔

"آپ لوگ نہیں چاہیں گے تو پتہ کس طرح چل سکے گا۔" میں نے کہا۔

"ذاتی طور پر اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن سیٹھ جبار چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال' ہم تمہاری اس بات سے خوش ہیں کہ تم نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام لینے کی احمقانہ کوشش نہیں کی۔"

"میں ان کا فوری پتہ چاہتا ہوں طارق صاحب۔"

"کوئی کام فوری نہیں ہوتا منصور۔ ہر کام کے لئے ایک مناسب وقت اور محنت درکار ہوتی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا اور میرا خون کھول کر رہ گیا لیکن جلد بازی کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ میں اس بات سے بخوبی واقف تھا۔ آج تک جو کچھ کرتا رہا تھا اس کے نتیجے میں مشکلات کا شکار ہی رہا تھا۔ وقت نے تجربہ دیا تھا اور اس تجربے سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت تھی چنانچہ میں نے گردن جھکالی۔

"آئندہ زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے منصور؟"

"کونسی زندگی کی بات کر رہے ہیں طارق صاحب۔ یہ جو موجود ہے۔ یہ زندگی جس میں ماں اور بہن کی جدائی کے غم ہیں۔ انہیں تلاش کر لوں تو زندگی کے بارے میں غور کروں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ بہرحال اگر تم چاہو اور کوئی ضرورت محسوس کرو تو مجھے اس نمبر پر رنگ کر لینا۔ میں تمہارے لئے اور بھی کچھ کروں گا۔" طارق نے اشارہ کر کے ویٹر کو بل لانے کے لئے کہا اور پھر بل ادا کر کے اٹھ گیا۔

اس کے بعد راستے میں طارق سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے اسے اس کی مطلوبہ جگہ چھوڑ دیا اور طارق مزید کوئی بات کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ جیسے میرے وجود کو بھول ہی گیا ہو۔ میں اپنی جگہ رکا اسے دیکھتا رہا۔ میری آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی۔ لیکن پہلی بار میں نے مصلحت کا دامن پکڑا تھا۔ ورنہ۔ ورنہ آج طارق کی زندگی ممکن نہیں تھی۔

شام کو کوٹھی واپس پہنچ گیا۔ سرخاب حسب معمول منتظر ملی تھی۔ بڑی چاہت سے استقبال کرتی تھی میرا۔ بلاشبہ اس کی آنکھوں میں ایک بہن کی سی چاہت مل گئی تھی مجھے۔ اور میں ان لوگوں کے اسی سلوک سے اپنی فطرت کا زہر مار رہا تھا۔ ورنہ دل تو یہ

چاہتا تھا کہ قتل عام شروع کر دوں۔ تباہی پھیلا دوں۔ وہ کچھ کروں جو تصور نہ کیا جا سکے لیکن لیکن........

"پروفیسر صاحب موجود نہیں ہیں؟"

"صبح سے گئے ہوئے ہیں۔" سرخاب نے جواب دیا پھر بولی۔ "صبح کو ایک بات کہہ رہے تھے۔"

"کیا؟"

"کہہ رہے تھے کہ اگر منصور تیار ہو جائیں تو کچھ روز کسی پر فضا مقام پر گزارے جائیں یعنی وہ خود نہیں جائیں گے بس ہمارے لئے سوچ رہے تھے۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"بھئی۔ میں نے کہہ دیا کہ اس کا موقع نہیں ہے۔ منصور بھیا کا ذہن کسی تفریح کا متحمل نہیں ہو سکتا اور پھر ان کی نوکری۔ منصور بھیا اس نوکری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"دراصل ڈیڈی کے تمام راز آپ پر کھول دینے کو جی چاہتا ہے آپ سے تو کچھ چھپا ہی نہیں سکتی۔" سرخاب نے کہا۔ "آپ کو ابھی نوکری کی ضرورت تھوڑی ہے بھیا مگر ڈیڈی چاہتے ہیں کہ آپ اپنی ذات میں زندہ رہیں اور اس کے علاوہ آپ کا ذہن بٹا رہے۔ آپ زندگی کے سیدھے راستوں کو نہ بھول جائیں۔ وہ آپ کے لئے جس قدر فکر مند ہیں وہ میں ہی جانتی ہوں کیا آپ یقین کریں گے کہ وہ پوری رات نہ سو سکے۔"

"میں۔ میں جاننا چاہتا ہوں سرخاب کہ پروفیسر میرے لئے کس قدر پریشان ہیں۔ میری گردن شرم سے جھک جاتی ہے، جس وقت میں یہ سوچتا ہوں۔"

"نہیں بھیا۔ یہ غیریت کی بات ہے اگر ہم کسی تکلیف کا شکار ہو جائیں تو کیا آپ ہمارے لئے اتنے پریشان نہ ہوں گے۔" سرخاب نے کہا اور میں نے گردن جھکا لی۔

"میں چائے کا بندوبست کر لوں ...... ابھی آئی۔" سرخاب اٹھ کر چلی گئی پھر چائے پیتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

"آج طارق سے ملاقات ہو گئی تھی سرخاب۔"

"اوہ۔ کہاں۔ کیسے؟"

"وہ میری فرم کی مالک مسز جہانگیر کا شناسا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور سرخاب پریشان نظر آنے لگی۔

"پھر۔ کوئی خاص بات ہوئی؟"

"نہیں۔ بس اس سے بات چیت ہوئی ہے۔ میں اسے چھوڑنے گیا تھا۔ اس نے

ایک ریسٹوران میں مجھے چائے کی پیش کش کی اور میں نے مصلحتاً قبول کر لی۔ چائے کے دوران اس نے مجھ سے دوستانہ انداز میں گفتگو کی اور اس بات کو سراہا کہ میں نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہیں لیا۔"

"اوہ۔ پھر؟ اور کیا گفتگو ہوئی اس سے؟" سرخاب بدستور بے چین نظر آ رہی تھی۔

"میں نے امی اور فریدہ کے بارے میں اس سے پوچھا تھا۔ مجھے یقین ہے سرخاب کہ وہ ان کے بارے میں جانتا ہے۔"

"کیسے اندازہ لگایا۔ مجھے بتاؤ۔"

"بس اس کی گفتگو سے۔ اس نے کہا کہ میں اگر کوشش کروں تو انہیں پا سکتا ہوں۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کوشش کیا ہو گی؟"

"نہیں۔ لیکن یقیناً اس کا خیال ہے کہ میں سیٹھ جبار کو اپنی خدمات پیش کروں۔ اس طرح میری میرے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔"

"کیا اس نے یہ پیش کش کی ہے؟"

"نہیں۔ لیکن فون نمبر دے کر کہا ہے کہ اگر کوئی ضرورت محسوس کروں تو اس سے بات کر لوں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتی ہو۔" سرخاب کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"منصور بھیا۔ کیوں نہ تم واقعی مصلحت کا لبادہ اوڑھ لو۔ تم کسی بڑے مقصد کے لئے یہ کام نہیں کرو گے۔ امی اور فریدہ کی تلاش ہمارا نصب العین ہے۔ ہمیں ان کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے، کریں گے۔ ان لوگوں کے ذہنوں سے یہ خیال نکال دو کہ تم ان کے لئے کوئی برائی رکھتے ہو۔ طارق کا اعتماد حاصل کر لو اور کسی طرح اس سے ان دونوں کا پتہ معلوم کر لو۔"

"اتنے کچے نہیں ہیں، وہ لوگ۔ مجھے گردن گردن تک جرائم کی دلدل میں غرق کر دیں گے تب کہیں جا کر میرے اوپر اعتماد کریں گے سرخاب! اور اس کے بعد اگر امی اور فریدہ مل بھی گئیں تو میں ان کے مطلب کا نہ رہوں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" سرخاب تڑپ کر بولی۔

"یہی سب کچھ ہو گا سرخاب! یقین کرو یہی سب کچھ ہو گا۔"

"تو پھر؟"

"نہیں سرخاب۔ اس کا آلہ کار بن کر جرائم کروں گا تو خود پر ہنسی آئے گی۔ سوچوں گا کہ زندگی کے پانچ سال مصیبتوں کا طویل عرصہ کس حساب میں درج کروں۔ اس

سے تو بہتر تھا کہ پہلے ہی ان کی بات مان لیتا۔ نہیں سرخاب! پروفیسر شیرازی نے کہا ہے کہ تین دن کے اندر اندر وہ مجھے کوئی جواب دیں گے اور سرخاب اگر پروفیسر نے مجھے اجازت دے دی تو۔ تو پھر یقین کرو۔ جرائم کی زندگی میں داخل ہو جاؤں گا لیکن میرا مقصد صرف ماں اور بہن کی تلاش ہو گا۔ میں اس زندگی کو عیش و عشرت کے حصول کے لئے نہیں اپناؤں گا۔ ہاں سرخاب! میں پروفیسر سے وعدہ کروں گا کہ جرائم کے ایک پیسے کا بھی منافع خود پر حرام سمجھوں گا۔" میں نے کہا اور سرخاب گردن ہلانے لگی۔

"ہاں بھیا۔ مجھے یقین ہے فطری طور پر اگر تم برائیوں کی طرف راغب ہوتے تو ابتدا ہی میں انہیں نہ ٹھکراتے۔" سرخاب نے کہا اور پھر ایک دم بولی۔ "شاید ڈیڈی آ گئے۔" ہم دونوں باہر نکل آئے۔ پروفیسر کار سے اتر رہا تھا اور پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف چلا گیا۔ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ شاید وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ سرخاب ٹھٹھک گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"وہ صرف میری وجہ سے پریشان ہیں؟" میں نے کہا۔

"چلیں ان کے پاس؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے گہری گہری سانس لے کر کہا اور سرخاب رک گئی۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ دیر تک لان پر ٹہلتے رہے۔ پھر سرخاب نے ماحول بدلنے کے لئے کہا۔

"راشدہ سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔ ویسے بڑی مسرت کی بات ہے کہ وہ لڑکی غلط فہمی سے نکل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ مجھ سے نہیں ملے گی۔"

"کیوں؟"

"اس کا نسوانی وقار مجروح ہوا ہے سرخاب! اس نے اپنی آن کی قربانی صرف اس لئے دی تھی کہ اس کی ماں کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ اس کے باوجود اسے کچھ نہیں مل سکا۔ اس نے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔"

"افسوس یہ دنیا کتنے دکھوں کا گھر ہے۔ کیا یہاں کوئی انسان دکھوں سے خالی ہے منصور بھیا ہر ایک کے الگ مسائل ہیں اور بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کا کوئی حل بھی نہیں ہوتا۔" سرخاب نے افسردگی سے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن پروفیسر کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا تھا۔ یہ نیک انسان جو سکون سے اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھا ہو تھا میری وجہ سے ذہنی عذاب کا شکار ہو گیا تھا۔ کیا کروں' ان لوگوں کے افکار ایسے ہیں کہ انہیں چھوڑنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ بہت دیر تک میں اور سرخاب لان پر ٹہلتے رہے۔ سرخاب میری اس کیفیت سے واقف تھی۔ اس لئے وہ بھی بہت کم بول رہی تھی۔ پھر جب

رات ہو گئی تو ہم دونوں لان سے واپس پلٹ پڑے فضا میں خنکی ہو گئی تھی۔

کھانا تیار ہو چکا تھا۔ پروفیسر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میں اور سرخاب اسی طرف چل پڑے۔

"میں مصروف ہوں۔" اندر سے پروفیسر کی آواز آئی۔ اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

"کھانا نہیں کھائیں گے ڈیڈی؟ لگ گیا ہے۔" سرخاب نے کہا۔

"تم کھاؤ۔ میرے بچو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ میری درخواست ہے کہ تم مجھے میرے مشاغل میں مصروف رہنے دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی ڈیڈی۔" سرخاب نے کہا اور ہم اس کے کمرے کے سامنے سے واپس آ گئے۔ کھانا بھی نہایت بے دلی سے اور مختصر کھایا گیا تھا۔ سرخاب بھی کسی قدر مضمحل ہو گئی تھی۔ میں نے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

"کیا بات ہے؟" سرخاب بھی پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"میں خاموشی سے تمہارا گھر چھوڑ کر بھاگ جاتا سرخاب! خدا کی قسم ایسا ہی کرتا تاکہ میرے وجود کے منحوس سائے اس گھر سے رخصت ہو جاتے۔ مجھے احساس ہے کہ اس ننھی سی پر سکون جھیل میں۔ میری وجہ سے کتنا انتشار برپا ہو گیا ہے۔ لیکن سرخاب۔ میں تم لوگوں کے اس خلوص کی کوئی قیمت دینے کا اہل نہیں ہوں سوائے اس کے کہ خلوص و محبت کے اس عظیم الشان تاج محل کے سائے میں کھڑا رہوں اور جب یہ سائے سمٹ جائیں تو یہاں سے آگے بڑھ جاؤں۔ میں اس وقت کا منتظر ہوں جب پروفیسر مجھ سے معذرت کر لیں۔"

"اس خلوص کے سائے کبھی نہیں سمٹیں گے منصور! میں ڈیڈی کو جانتی ہوں لیکن تم وعدہ کرو کہ اس تاج محل کو مسمار نہیں کرو گے۔"

"میں اپنی ذات میں وہ ہمت نہیں پاتا سرخاب! کئی بار سوچا ہے لیکن اس سوچ میں مجھے پروفیسر کا وجود زخموں سے چور نظر آتا ہے۔ میں اپنے محسن کو کوئی زخم لگا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"تمہارا شکریہ منصور۔ ہاں اگر کبھی ہماری طرف سے اپنی ذات اور اپنے مسائل کے لئے کوئی اکتاہٹ پاؤ تو پھر تم آزاد ہو گے۔" سرخاب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن حسب معمول اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ صبح کو ناشتے پر بھی پروفیسر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن پروفیسر کی الجھن سے میں بھی پریشان تھا۔ مسز جہانگیر آج اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ لیکن شام کو جب میں اسے اس کے مکان

پر چھوڑنے جا رہا تھا تو راستے میں اس نے مجھ سے گفتگو کی۔

"طارق کو پہلے سے جانتے ہو؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"کب سے؟"

"تقریباً ساڑھے پانچ سال سے؟"

"ان لوگوں کے ساتھ کام کر چکے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کیا کام کرتے تھے؟"

"ڈرائیور تھا۔"

"پانچ سال کام کیا ہے ان کے ساتھ؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ۔"

"اس کے بعد؟"

"جیل چلا گیا تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور مسز جہانگیر چونک پڑی۔ دیر تک خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"ان کے لئے؟"

"جی نہیں۔ ان کی وجہ سے۔"

"اوہ۔" اس نے اتنا کہا اور خاموش ہو گئی اور اس کے بعد دیر تک اس نے گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ کوٹھی آ گئی۔ کار سے اترتے ہوئے اس نے کہا۔ "گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے؟"

"جی۔ جی نہیں تو۔ کوئی حکم ہو تو۔"

"یہ بریف کیس لے کر اندر آ جاؤ۔ تم سے باتیں کروں گی تھوڑی دیر۔" وہ سرد انداز میں بولی اور میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ اپنی خوابگاہ میں پہنچ گئی تھی۔ پھر اس نے ایک ملازم کو بلایا اور اس کے آنے کے بعد بولی۔

"کوئی فون آئے تو کہہ دینا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سو رہی ہوں۔ کوئی ملنے آئے تو اس سے بھی یہی کہہ دینا خواہ کوئی ہو اور کافی بھجوا دو۔"

"جی صرف آپ کے لئے؟"

"میں تمہیں تھکی نظر آ رہی ہوں؟" وہ سخت لہجے میں بولی اور ملازم گردن جھکا کر

"بیٹھو منصور! تمہاری بات نے مجھے حیرت کا شکار کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا اور اس کے اشارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"معاف کرنا۔ میں تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ اپنی کرسی آگے کھسکاؤ۔" مسز جہانگیر نے مسہری پر دراز ہو کر ایک چادر بدن پر ڈال لی اور میں اپنی کرسی اس کے نزدیک لے آیا۔

"آرام سے بیٹھو۔ اس وقت میں تمہاری باس نہیں ہوں بلکہ تم میرے مہمان ہو۔"

"شکریہ۔" میں نے مختصراً کہا۔

"پڑھے لکھے ہو منصور؟"

"نہ ہونے کے برابر۔"

"یعنی۔"

"انٹر کے بعد تعلیم چھوڑ دی تھی۔"

"کیوں؟"

"والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔"

"وہ کیا کرتے تھے؟"

"ڈرائیور تھے سیٹھ عبد الجبار کے ہاں۔"

"اوہ۔ تو جبار سے تمہاری واقفیت یوں تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تم ان لوگوں کے پاس کس طرح پہنچ گئے۔"

"والد کی اچانک موت کے بعد نوکری کی تلاش ہوئی۔ دنیا سے اتنا ناواقف تھا سوچا کہ نوکریاں صرف سیٹھ جبار کے ہاں ملتی ہیں، سو وہاں چلا گیا اور نوکری مل گئی۔ ڈرائیونگ سکھائی گئی تھی لیکن پھر پتہ چلا کہ یہ نوکری اسمگلروں اور جرائم پیشہ افراد کی ہے تو نوکری چھوڑ دی اور سیٹھ جبار کے عتاب کا شکار ہو گیا۔ چرس فروشی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اثر و رسوخ سے کام لے کر سیٹھ جبار نے پانچ سال کی سزا کرا دی۔ رہائی کے بعد معلوم ہوا ماں اور بہن غائب ہیں۔ دنیا میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جبار سیٹھ کے ایک آدمی کو مار پیٹ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ماں اور بہن کہاں ہیں تو قتل کے الزام میں پھنسا دیا گیا لیکن اتفاق سے گلو خاصی ہو گئی۔ وہ شخص مل گیا جس کے قتل کا الزام تھا۔ ایک لاوارث لاش کو ہسپتال سے حاصل کر کے اس شخص کی لاش کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ ایک کرم فرما کی مدد سے قتل کے کیس سے نجات مل گئی لیکن اس شرط پر کہ عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہ لوں۔ اس کے بعد آپ کے ہاں نوکری کر لی۔

اب صرف ایک خواہش ہے کہ ماں اور بہن مل جائیں۔ انہیں سیٹھ جبار وغیرہ نے ہی غائب کرایا ہے اور طارق جانتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ لیکن۔" میں خاموش ہو گیا۔ میری آواز بھرا گئی تھی۔ میں نے مسز جہانگیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے متوجہ پا کر اس نے جلدی سے آنسو خشک کر لئے اور نگاہیں جھکائے ہوئے بولی۔

"بڑی پر درد ہے تمہاری کہانی۔"

"میرا درد حد سے گزر چکا ہے۔ اس لئے اب پر سکون ہوں۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"معاف کرنا۔ میں تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔" وہ بولی.......

"جی۔ میں نہیں سمجھا؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"طارق سے تمہاری کل کچھ گفتگو ہوئی تھی؟"

"جی ہاں۔ اس نے مجھے ایک ریستوران میں چائے کی پیش کش کی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں اور بہن کا اسے علم ہے۔ اس لئے میں نے کوئی غلط رویہ نہ اختیار کیا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ میں نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہیں لیا۔ بہرحال وہ اسے جذبہ خیر سگالی سمجھا اور ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے مجھے دوبارہ سیٹھ جبار سے رجوع کرنے کے لئے کہا۔"

"تم نے اپنی والدہ اور بہن کے بارے میں پوچھا تھا؟"

"جی ہاں۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی لیکن کہا کہ سیٹھ جبار چاہے تو انہیں تلاش کرا سکتا ہے۔ مقصد صاف ظاہر تھا۔"

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"ابھی تک کچھ نہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا فیصلہ کرو گے؟ معاف کرنا ذاتی سا سوال ہے لیکن میرے دل میں اسے جاننے کی خواہش ہے۔" مسز جہانگیر کی خوبصورت آنکھیں مجھ پر آنکیں اور میں سوچ میں ڈوب گیا لیکن نجانے کیوں جھوٹ بولنے کو جی نہیں چاہا تھا۔

"نہیں.......... میں ان لوگوں سے تعاون نہیں کر سکتا۔ میں جرائم کے راستوں پر نہیں آنا چاہتا جس جذبے کے تحت اتنی مشکلات مول لیں' اسے فنا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ میرا وطن ہے میں اس کا دشمن نہیں بن سکتا۔ جرم کیوں کروں۔ اگر جرائم کے راستے پر چل کر ماں اور بہن تک پہنچا تو پھر ان کے کس کام کا رہوں گا۔ میں سیٹھ جبار سے تعاون نہیں کروں گا۔"

"خدا تمہیں استقامت عطا کرے۔" مسز جہانگیر خلوص سے بولی اور پھر تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر بولی۔

"طارق نے تمہاری سفارش کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہو تمہیں کوئی اچھی نوکری دے دی جائے تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آپ خود فیصلہ کریں لیڈی صاحبہ۔" میں نے دوسری طرف رخ کر کے کہا اور لیڈی جہانگیر نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ اسی وقت ایک ملازمہ کافی اور دوسرے چند لوازمات کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر لے آئی۔

"یہاں چھوڑ دو۔ میں بنا لوں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا اور ملازمہ ٹرالی مسہری کے نزدیک لے آئی پھر باہر چلی گئی۔ مسز جہانگیر کافی بنانے لگی تھی۔ اس نے ٹرالی میرے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔

"پلیز کچھ لو۔"

"بہت بہت شکریہ میں....."

"منصور مجھے خوشی ہو گی۔" اس نے کہا اور میں نے پلیٹ سے ایک سیب اٹھا لیا۔ تب وہ بولی۔

"میری طرف سے اجازت ہے تم اپنے لئے جو سیٹ منتخب کرو میں تمہارا تقرر اس پر کر دوں گی۔ فوری طور پر میں نے تمہاری تنخواہ میں پانچ سو روپے کا اضافہ کر دیا ہے۔"

"یہ فیصلہ کیا ہے آپ نے؟" میں نے شکایتی انداز میں کہا اور وہ چونک پڑی۔

"بخدا میں نہیں سمجھی؟"

"کیا آپ مجھے طارق کا احسان مند دیکھنا پسند کریں گی؟"

"اوہ۔ تو اس کا مطلب ہے؟"

"اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں آپ کی اس ملازمت پر لعنت بھیجتا ہوں کل میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ میرا استعفا قبول فرمائیے۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔ سیب میں نے واپس رکھ دیا تھا۔

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم نہیں منصور! مجھے تمہاری ناراضگی قبول نہیں ہے للہ اپنا مقصد واضح کرو۔ یقین کرو منصور۔ میں بھی ایک مظلوم عورت ہوں۔ میں کسی طور تمہاری اہانت نہیں کر رہی۔"

"طارق کی وساطت سے تو میں جنت بھی قبول نہیں کروں گا لیڈی صاحبہ۔ میرے ہونٹ تو اس کے لہو کی پیاس سے خشک ہیں۔ میں اس کے لہو کی ایک ایک بوند چاٹ جانا چاہتا ہوں۔ کاش مجھے اس کا موقع مل جائے۔" میری آنکھوں میں خون لہرانے لگا۔ لیڈی جہانگیر مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"سیب کھاؤ منصور۔ میرا دل بہت عرصے بعد خوش ہوا ہے۔ پلیز کھاؤ۔ مجھے

معاف کر دو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے نزدیک ایسے ہیرے بکھرے ہوئے ہیں۔ لو کافی پیو۔"

"آپ نے میری کہانی سننے کے بعد بھی مجھے یہ پیش کش کر دی لیڈی صاحبہ؟"

"ہاں، مجھ سے حماقت ہوئی ہے اور میں پورے خلوص سے، تم سے معافی چاہتی ہوں۔ اس بدبخت نے تمہاری سفارش کی تھی اور میں اس کے لئے مجبور تھی۔"

"مجبور؟" میں چونک پڑا۔

"ہاں منصور میں بھی اس شیطان کا شکار ہوں۔ وہ منحوس مجھے بلیک میل کر رہا ہے لاکھوں روپے اینٹھ چکا ہے مجھ سے۔"

"اوہ تو اس سے آپ کا؟"

"صرف یہی تعلق ہے۔ وہ میری زندگی پر حکمران ہے۔"

"کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔ وہ آپ کو۔" میں نے پوچھا اور وہ مجھے دیکھنے لگی پھر بے اختیار مسکرا دی۔

"تم نے کتنی سادگی سے میری زندگی کے تاریک ترین پہلو کے بارے میں سوال کر لیا ہے لیکن میرے دل میں اس سادگی کا ایک مقام پیدا ہو گیا ہے منصور! بہت دنوں کے بعد مجھے ایک انسان دیکھنے کو ملا ہے۔ لیکن طارق نے مجھے میرے شوہر جہانگیر کا قاتل ثابت کیا ہے۔ سر جہانگیر بہت بڑے آدمی تھے وہ خود بھی اچھے انسان نہیں تھے۔ ان کی بے پناہ دولت جائز ذرائع کا نتیجہ نہیں تھی۔ سیٹھ جبار سے بھی ان کا گٹھ جوڑ تھا اور کسی چپقلش کے نتیجے میں انہیں قتل کر دیا گیا لیکن حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ میں ان کی قاتل قرار پاؤں۔ سیٹھ جبار کا صرف اتنا مقصد تھا کہ ان کی موت کے بعد میں اس کی طرف اشارہ نہ کر سکوں۔ ورنہ پھانسی کے پھندے تک جانا ہو گا لیکن طارق نے اس سے دوسرے فائدے بھی اٹھانے شروع کر دیئے اور آج میں اس کے چنگل میں بے بس ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیا اس پورے ملک پر سیٹھ جبار کی حکومت ہے۔ کیا اسے دیکھنے والا اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے؟" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ لیڈی جہانگیر کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ دیر تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہی اور پھر بولی۔

"تو منصور۔ اب۔ اب تم کیا کرو گے؟"

"میری زندگی کا صرف ایک مشن ہے لیڈی صاحبہ۔ ماں اور بہن کی تلاش اور جب تک زندہ ہوں کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ جو کچھ مجھے دے رہی ہیں، وہی کافی ہے۔ مزید ضرورت نہیں ہے۔"

"میرے لئے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ منصور اور ہاں میرے ذہن میں ایک اور

خیال آیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم بدستور اپنا کام کرتے رہو۔ اس طرح میرے قریب رہ سکو گے۔ دفتر میں لگ گئے تو پھر ہمیں بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں تم سے ملتے رہنا چاہتی ہوں۔"

"میں کوئی دفتری کام کرنا بھی نہیں چاہتا۔ نہ ہی میں اس کا اہل ہوں لیکن طارق سے آپ کیا کہیں گی؟"

"جو تم کہو۔"

"تو آپ اس سے کہہ دیں کہ میں نے دفتری کام کرنا قبول نہیں کیا البتہ آپ نے میری تنخواہ بڑھا دی ہے۔"

"اوہ۔ لیکن۔ لیکن کیا تم یہ برداشت کر سکو گے؟"

"ہاں۔ لیڈی صاحبہ۔ اسی طرح جس طرح میں نے اس کا ڈرائیور بننا برداشت کیا تھا اور اس کے بعد اسے زندہ رہنے دیا تھا۔ میں اس سے اپنی ماں اور بہن کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میں مصلحت سے کام لوں گا۔"

"خدا تمہاری مدد کرے لیکن منصور کسی بھی طور پر میری مدد درکار ہو تو میں حاضر ہوں۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

"شکریہ لیڈی صاحبہ۔ کاش آپ مجھے پہلے مل جاتیں۔ میں بھی اس دنیا میں نیک انسانوں کی مانند زندگی گزارنے کا خواہاں تھا۔ مجھ سے میری شرافت چھین لی گئی ہے۔ لیڈی صاحبہ! میرا قصور نہیں ہے۔"

"پہلے میں صرف اپنے لئے دکھی تھی۔ اب تمہارے لئے بھی ہو گئی۔ زندوں سے بچھڑنے کا غم معمولی نہیں ہوتا۔"

"میری ذات ہی منحوس ہے جو مجھ سے ہمدردی کرتا ہے الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب مجھے اجازت دیں۔"

"بہتر اور سنو منصور! تمہیں خدا کا واسطہ کوئی جذباتی فیصلہ مت کرنا۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ کم از کم تم اپنا دکھ مجھ سے کہہ سکو گے اور میرا سن سکو گے۔"

میں لیڈی جہانگیر کے ہاں سے واپس چل پڑا۔ طارق کے خلاف میرے دل میں نفرت کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن ایک بے بسی اور اس بے بسی کی تلملاہٹ میرے رگ و پے میں اذیت کی لہریں دوڑا رہی تھی۔ میں ایک زخمی شیر کی مانند تھا جسے کٹہرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

لیڈی جہانگیر کے معاملے کو میں نے خود تک محدود رکھا۔ سرخاب سے بھی اس کا

تذکرہ نہیں کیا تھا۔ سرخاب کسی قدر فکر مند تھی۔

"ڈیڈی کسی خاص ہی چکر میں معلوم ہوتے ہیں منصور بھیا۔" اس نے کہا۔

"خیریت؟ موجود نہیں ہیں؟"

"نہیں صبح کو نکل گئے تھے۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب واپس آئے اور دوسرا لباس پہن کر تھوڑی دیر تک اپنے کمرے میں بند رہنے کے بعد چلے گئے۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں تو صرف مسکرا دیئے لیکن ان کی مسکراہٹ اجنبی اجنبی تھی۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "فکر مت کرو سرخاب۔ کل تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" سرخاب اور پریشان ہو گئی۔

"نہیں کوئی غلط بات مت سوچو۔ میں پروفیسر کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"کیوں کل کیا خاص بات ہے؟"

"کل پروفیسر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے؟"

"کیا فیصلہ؟"

"میری ان سے بات ہوئی تھی۔ آج تک میں ان کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا ہوں۔ میں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جو ان کی مرضی کے خلاف ہو۔ وہ نیک انسان نیکیوں کے راستے پر چل کر بروں کو شکست دینے کے خواہاں ہیں لیکن میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے۔"

"پھر؟" سرخاب کے لہجے میں تجسس اور بے چینی تھی۔

"پروفیسر نے مجھ سے تین دن کی مہلت مانگی تھی۔ وہ کل پوری ہو رہی ہے۔"

"میرا مطلب ہے اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"برائی کا خاتمہ۔ برائی سے ختم کرنے کی مہم شروع کی جائے گی سرخاب! میں دوسری شکل میں خود کو پیش کروں گا اور یقین کرو سرخاب جو کچھ ہو گا۔ وہ۔ وہ سب کی توقع کے خلاف ہو گا۔"

"منصور بھیا۔ خدا کی قسم میں تمہاری زندگی کی خواہاں ہوں۔ تم نے مجھے ایک بھائی کے پیار سے آشنا کیا ہے۔ تو بہن کے لئے زندہ رہنا۔ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جانا۔" سرخاب نے فرط جذبات سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور میں نے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

میرا دل بھر آیا تھا۔

"ایک اور سر ہے سرخاب! جو اس سینے سے لگنے کے لئے بے چین ہو گا۔ اگر وہ سر بھی اس سینے سے آ لگتا سرخاب تو تمہارا بھائی ایک مثالی انسان بن کر دکھا دیتا۔ میں

بروں کی برائیاں بھول جاتا۔ ان سب کو معاف کر دیتا۔ اپنی بہن کے لئے۔ سرخاب کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ میری فریدہ کے لئے۔ کوئی اور روشنی نہیں ہے لیکن میری ماں کی آنکھوں کے لئے۔ اس لئے۔ اس لئے سرخاب..."

"میں جانتی ہوں اور میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میں کبھی نہیں روکوں گی اور۔ اور میں خود بھی اپنا فرض انجام دوں گی۔ تم یہ مت سوچنا بھیا کہ میں صرف الفاظ خرچ کر کے خاموش ہو جاؤں گی۔"

"تیرے لب میرے لئے دعا کرتے رہیں گے سرخاب! تو میں ہر آفت سے محفوظ رہوں گا۔ خدا ان معصوم لبوں کی دعاؤں کو نظرانداز نہیں کرے گا۔" میں نے کہا اور دیر تک ہم جذبات میں ڈوبے رہے۔

پروفیسر اس رات واپس ہی نہیں آیا تھا۔ رات کو تین بجے تک ہم اس کا انتظار کرتے رہے۔ کوئی فون وغیرہ بھی نہیں ملا....... میں بھی پریشان ہو گیا۔ ایک بار پھر دل پریشانیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ پروفیسر میری وجہ سے کسی مصیبت کا شکار تو نہیں ہو گیا۔

تین بجے میں نے زبردستی سرخاب کو سونے کے لئے بھیج دیا اور خود پروفیسر کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن رات کے کسی پہر مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔ صبح پانچ بجے سرخاب نے جگایا۔

"بھیا کمرے میں جاؤ بستر پر لیٹو۔"

"ایں۔ کیا بج گیا ہے سرخاب؟"

"پانچ بجے ہیں۔"

"پروفیسر؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"گاڑی موجود ہے اور کمرہ اندر سے بند ہے۔ میرا خیال ہے سو رہے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی اور پھر سرخاب کی آنکھوں کو دیکھ کر بولا۔ "میرا خیال ہے تم بالکل نہیں سو سکیں۔"

"نہیں۔ سو گئی تھی لیکن بس تھوڑی دیر۔ صبح کو جاگنے کی عادی ہوں خواہ کسی بھی وقت سونے کو ملے۔"

"میرا خیال ہے اب سونا بیکار ہے۔ چائے وغیرہ بنواؤ۔"

"دفتر جائیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"چاہیں تو فون کر کے چھٹی لے لیں۔ طبیعت بوجھل رہے گی دن بھر۔"

"نہیں سرخاب! یقین کرو اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں چائے بنواتی ہوں۔" سرخاب نے کہا اور میں پروفیسر کے کمرے

کی طرف چل پڑا۔ میں نے کان لگا کر اندر کی آوازیں سنیں لیکن مخصوص دروازے کی وجہ سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہاں سے ہٹ آیا۔ سرخاب چائے لے آئی تھی۔ چائے پینے کے بعد ہم باتیں کرتے رہے اور پھر میرے دفتر جانے کا وقت ہو گیا۔ ناشتے کے بعد میں کوٹھی سے نکل آیا۔

لیڈی جہانگیر مجھے دیکھ کر بڑے خلوص سے مسکرائی تھی پھر وہ کار میں آ بیٹھی اور میں کار اسٹارٹ کر کے دفتر چل پڑا۔ راستے میں غیر معمولی خاموشی رہی۔ اور دفتر پہنچ کر لیڈی جہانگیر خاموشی سے اتر کر چلی گئی۔ دن نہایت سکون سے گزر گیا تھا۔ شام کو لیڈی جہانگیر نے واپسی میں اخلاقاً پوچھا۔

"اور کوئی بات تو نہیں منصور؟"

"نہیں لیڈی صاحبہ۔ سب کچھ حسب معمول ہے۔"

"رہتے کہاں ہو؟ اپنے گھر میں۔ میرا مطلب ہے اس مکان میں جہاں اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہتے تھے؟"

"نہیں۔ وہ جگہ تلخ یادیں رکھتی ہے۔ میں وہاں نہیں رہتا۔"

"پھر کہاں رہتے ہو۔ کسی عزیز کے ہاں۔"

"ہاں میرے کرم فرما ہیں۔ اتنے مخلص اور مہربان کہ بیان سے باہر ہے۔ خدا انہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔"

لیڈی جہانگیر خاموش ہو گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے کہا۔

"اگر چائے پینا پسند کرو تو؟"

"نہیں لیڈی صاحبہ۔ مجھے میری حیثیت میں رہنے دیں اور پھر آپ بھی پریشان کن حالات کی شکار ہیں۔ آپ یقین کریں کہ میں بڑا سبز قدم ہوں، خدشہ ہے کہ آپ کے لئے بھی مصیبت نہ بن جاؤں۔"

"اس انداز میں نہ سوچو منصور! آنے والا وقت ہماری ان پریشانیوں کو ختم کر دے گا۔ مجھے یقین ہے۔"

"اجازت؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے کل تو چھٹی ہے اب پرسوں ملاقات ہو گی۔"

"جی۔" میں نے سلام کیا اور واپس پلٹ پڑا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا اور ذرا سی حیرت ہوئی۔ لیڈی جہانگیر اپنی جگہ کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے مڑتے ہی واپس پلٹ گئی۔ میں بھی گیٹ سے نکل آیا تھا۔

پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تو ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا۔ پروفیسر اور سرخاب برآمدے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے اور پروفیسر کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ سرخاب

بھی مسکرا رہی تھی اور بہت شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ میں دونوں کی طرف بڑھ گیا۔ میز پر چائے کے دوسرے لوازمات رکھے ہوئے تھے لیکن ابھی کوئی چیز استعمال نہیں کی گئی تھی۔

"آؤ بھئی۔ بڑی دیر سے چائے کے تصور میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن پھیکی چائے بے مزہ ہوتی ہے۔" پروفیسر نے کہا اور میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"پھیکی چائے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ڈیڈی آپ کو شکر دان کہہ رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ شکر دان آ جائے تو پھر چائے شروع کریں۔"

"ہاں بھئی۔ منصور کے بغیر اب سب کچھ نامکمل لگنے لگا ہے۔ بس اب جلدی سے چائے آ جانی چاہئے۔ چلو منصور ٹوٹ پڑو پلیٹوں پر۔" پروفیسر نے ڈرائی فروٹس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ سرخاب نے ہاتھ اٹھا کر ملازمہ سے چائے لانے کے لئے کہہ دیا تھا۔

"سرخاب کا خیال ہے کہ اگر وہ کھانے کے لئے بیٹھ گئیں تو پلیٹیں صاف ہو جائیں گی حالانکہ یہ خیال غلط ہے کیوں منصور؟"

"جی......" میں نے ہنس کر کہا۔ پروفیسر کو اس بچکانہ موڈ میں، میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"اور سناؤ تمہاری گاڑی کیسی چل رہی ہے؟ میرا مطلب ہے وہ کار جو تم چلا رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جہانگیر لمیٹڈ وہی تو نہیں ہے جس کا بانی اختر جہانگیر تھا اور جس کی موت مشتبہ تھی۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"میں نہیں کہہ سکتا۔ کبھی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"میرا خیال ہے، وہی ہے۔ بیگم جہانگیر چلا رہی ہیں نا اس فرم کو؟"

"جی ہاں۔"

"خیر چھوڑو۔ ویسے دل گردے کی عورت ہے۔ کسی کاروبار کا بوجھ سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے منصور؟"

"کس بارے میں جناب؟"

"کیا تم ذہنی طور پر کاروباری بن سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے تمہارے اندر کسی کاروبار کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے؟"

"آپ کو علم ہے کہ میری صلاحیتیں کہاں تک ہیں۔ ہاں میں ڈرائیونگ عمدہ کر سکتا ہوں۔"

"نہیں میں متفق نہیں ہوں۔ انسان کا ذہین ہونا شرط ہے۔ وہ ہر کام کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو۔ ارے چائے نہیں آئی ابھی تک۔" پروفیسر نے کہا۔

میں بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پروفیسر بہلانے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ کچھ بھولنا چاہتا ہو یا اپنے چہرے سے کسی ایسے تاثر کا اظہار نہ ہونے دینا چاہتا ہو جس سے اس کی سبکی ہو۔ نہ جانے اس کا ذہن کیسے انتشار کا شکار تھا۔

چائے کے دوران وہ اسی قسم کی باتیں کرتا رہا۔ اس کی ذات سے سنجیدگی کا خول اتر گیا تھا اور اس وقت وہ ایک نئے انسان کے روپ میں تھا۔ میں حیرت زدہ تھا اور یہی کیفیت سرخاب کی تھی۔

وہ بھی چونک کر پروفیسر کو دیکھنے لگتی تھی۔

"بھئی۔ میں نے ایک تجویز پیش کی تھی پچھلے دنوں۔" چائے پیتے ہوئے پروفیسر نے کہا۔

"کیا ڈیڈی؟"

"وہی سیر و تفریح۔"

"اوہ۔ آپ کو پھر وہ بات یاد آ گئی۔"

"بچے ہو تم لوگ۔ تمہاری بہتری کے لئے میں نہیں سوچوں گا تو پھر کیا دوسرے لوگ سوچیں گے؟"

"لیکن پروفیسر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں ممکن کیوں نہیں ہے۔ کونسی بات ناممکن ہے مجھے بتاؤ۔ یعنی جو عقل میں آ جائے' ذہن میں آ جائے اس کے ناممکن ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور میری نوکری؟"

"نوکری۔" پروفیسر غرایا۔ "میں اس مذاق کو اب ختم کرنا چاہتا ہوں سمجھے۔ جاؤ اس بے وقوف عورت سے کہو کہ وہ تمہاری نوکری کرے۔ اس سے کہو کہ جہانگیر لینڈ ہمارے ہاتھ فروخت کر دے۔ کیا مانگتی ہے وہ اس کا؟" پروفیسر نے کہا اور میں سناٹے میں رہ گیا۔ کیا پروفیسر کا ذہن متاثر ہوا ہے؟

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ خود ہی بولا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو بعد میں سوچیں گے۔ ایک پیالی چائے اور دینا سرخاب۔"

پروفیسر نے اپنی پیالی آگے کر دی اور سرخاب چائے انڈیلنے لگی۔

"بھئی تم لوگ بہت خاموش ہو۔ ہنسو۔ بولو۔ بات کرو۔ یہ عمر سے اتنے پیچھے کیوں سرک گئے ہو تم لوگ؟"

"آپ کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں ڈیڈی؟" سرخاب دبی آواز میں بولی۔

"ہاں عمر رفتہ یاد آ گئی ہے۔ بوڑھا ہونے کے بعد ضروری تو نہیں کہ انسان مردہ دل بھی ہو جائے۔ میری سوچ میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے۔"

"اچانک ڈیڈی؟"

"ہاں۔ اچانک۔ دراصل میری زندگی کتابوں سے وابستہ ہے اور ایک غلط کتاب میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔"

"غلط کتاب؟"

"ہاں لیکن میں اسے صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے افکار میرے ذہن نے قبول کر لئے ہیں۔"

"کونسی کتاب ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"دکھا دیں گے کسی وقت اور ہاں منصور! آج تو ہمارے اور تمہارے درمیان فائنل ہے۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے گردن جھکالی۔ پروفیسر کی اس بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد پروفیسر نے کوئی بات نہیں کی اور پھر چائے ختم ہو گئی۔

"منصور لباس وغیرہ تبدیل کر لو اور پھر میرے کمرے میں آؤ۔ آؤ سرخاب۔ میں تمہیں بھی اس گفتگو میں شریک رکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی ڈیڈی۔" سرخاب نے جواب دیا اور پروفیسر وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں تم دونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ میں اور سرخاب وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

"آؤ منصور بھائی! ڈیڈی کا موڈ آج عجیب ہے۔"

"ہاں بہت عجیب؟"

"دوپہر کو آ گئے تھے۔ کھانا میرے ساتھ کھایا۔ بڑی عجیب سی باتیں کر رہے تھے جو بڑی جذباتی تھیں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے ہی بارے میں تھیں...... کہنے لگے کیا ضروری ہے کہ انسان اپنے ہی خون سے تشکیل ہو تو قابل محبت ہو۔ خون آدم تو ہر رگ میں سرایت کر رہا ہے۔ کیا الفاظ کے رشتے سے بڑا کوئی رشتہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا اشارہ کسی خاص سمت ہے تو کہنے لگے میں منصور کی بات کر رہا ہوں۔ کیا وہ غیر لگتا ہے؟ پھر کہنے لگے۔ میرے سینے میں جھانکو تو میرے دل میں اس کے لئے وہ تڑپ ہے جو کسی باپ کے دل میں ہوتی ہے۔ میں اسے اپنی ذات سے جدا محسوس نہیں کرتا اور میں اس کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو کوئی کسی کے لئے کر سکتا ہے۔ کوئی وہ جو خون کے رشتے سے اپنا ہو۔" سرخاب خاموش ہو

گئی۔ میں بھی خاموش ہو گیا' پھر میں نے کہا۔

"میں لباس تبدیل کر لوں سرخاب۔"

"ہاں ان کے پاس پہنچو۔" سرخاب نے کہا اور ایک طرف چلی گئی۔ میں ان الفاظ کی گونج اپنے ذہن میں محسوس کر رہا تھا اور نجانے یہ آواز مجھ سے کیا کہہ رہی تھی۔ کیا ان لوگوں کو غیر سمجھنا جائز ہے؟ کیا ان لوگوں کے بارے میں کسی غلط انداز سے سوچنا گناہ عظیم نہیں ہے اور میرے ذہن نے بھی بہت سے فیصلے کیے۔ میں پروفیسر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سرخاب بھی وہاں موجود تھی۔ پروفیسر نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا۔

"بیٹھو منصور۔" اور میں بیٹھ گیا۔ "ہاں بھئی اپنے طور پر تمہیں کچھ معلوم ہو سکا؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"کوئی کوشش؟"

"خاص نہیں۔ ہاں طارق سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ۔ کب۔ کہاں؟" پروفیسر نے پوچھا اور میں نے پوری تفصیل بتا دی۔ میں بھی جذباتی ہو رہا تھا اور پروفیسر سے کچھ چھپانا ناجائز سمجھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے مسز جہانگیر کی کہانی سنائی اور آخر تک سب سنانے کے بعد خاموش ہو گیا۔

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔" پروفیسر نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"بہرحال میں نے تین دن کی مہلت طلب کی تھی تم سے منصور! وہ ختم ہو گئی اور میں ناکامی کا اعتراف کر رہا ہوں۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔"

"مجھے یقین ہے پروفیسر۔ طارق اس سلسلے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"ہاں امکان ہے۔ لیکن وہ کیا چاہتے ہیں آخر۔" پروفیسر بولا۔ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب پروفیسر نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ کمرے کے ایک حصے میں گیا اور اس نے ایک ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آن کر دیا۔ میں اور سرخاب چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ تب ایک آواز ابھری۔

"آہ۔ پروفیسر شیرازی۔ میرے دوست! بہت دن کے بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"گوشہ نشین آدمی ہوں۔ آپ لوگوں کے لئے قطعی غیر اہم۔" یہ پروفیسر کی آواز تھی۔

"تشریف لائیے۔ آپ جیسے لوگ تو ہماری ملکی ثقافت کا سرمایہ ہیں۔ کبھی کبھی آپ کے مضامین نظروں سے گزر جاتے ہیں۔"

"یہ شوق جاری ہے۔" پروفیسر کی آواز ابھری۔

"ہاں۔ جسم نہ روح دونوں کی بقا کے لئے انسان کو مصروف رہنا پڑتا ہے۔ بدن کی توانائی کے لئے پولیس کی نوکری کرنی پڑ رہی ہے اور روح کی بقا کے لئے آپ جیسے لوں کا سہارا ضروری ہے۔ جرائم اور سماجی مسائل کی ذمے داریوں سے جب روح کی کن ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو پھر آپ کے روح پرور افکار تسلی بخش دیتے ہیں اور ائیے کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"درس و تدریس کی ڈگڈگی پھٹ گئی ہے ڈی آئی جی صاحب! اور ہم جیسے لفظوں کے مداری اب اپنے کھیل کی مضحکہ خیزی پر خود شرمندہ ہونے لگے ہیں۔ سوچ رہے ہیں کوئی اور کاروبار کریں۔" پروفیسر شیرازی کی آواز ابھری۔

"اوہ خیریت۔ کوئی الجھن ہے؟"

"لاتعداد الجھنیں ہیں۔ گھر کی چار دیواری خوابوں کی جنت بنی رہتی ہے۔ باہر نگاہ ڈالیں تو دنیا بڑی اجنبی لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے ہم ان لوگوں کے درمیان نہ ہوں جن کی باتیں کرتے ہیں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ خوابوں کی جنت بہت پیچھے رہ گئی ہے اور دنیا ان الفاظ کے جال سے نکل کر بہت آگے بڑھ گئی ہے جن کے ذریعے ہم دلوں میں اور ذات میں پھول کھلانے کی باتیں کرتے ہیں۔"

"ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ حالات کا رخ ٹھیک نہیں ہے لیکن شیرازی صاحب اتنی بددلی مناسب نہیں ہے۔ آپ جیسے لوگ اگر ہمت ہار دیں گے تو پھر بینائی کہاں تلاش کی جائے گی۔"

"ہم تنہا ہیں ڈی آئی جی صاحب اور اب اعضا تھکن محسوس کرنے لگے ہیں۔ آپ لوگ ہماری مدد نہیں کرتے۔"

"مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو معاف کر دیں۔ میں تو آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔" ڈی آئی جی نے کہا۔

"افکار و احساسات کا تعلق صرف ذہن و قلم سے نہیں ہے۔ بعض اوقات عمل کی منزل بھی آ جاتی ہے اور اس وقت اگر بے بسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری زندگی ایک بے مصرف عمل میں گزاری ہے۔ میں آپ کی توجہ کچھ عرصہ پیچھے لے جانا چاہتا ہوں جب میں نے آپ سے ایک مسئلے کے حل کی درخواست کی تھی۔"

"مجھے یاد ہے لیکن میں نے ایک ایس پی کو۔۔۔"

"انہوں نے میرے ساتھ پورا تعاون کیا بات ایک نوجوان کی تھی جو کچھ ایسے لوگوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا تھا جو اس سے بہت برتر تھے۔ ایک قتل کا الزام لگایا گیا تھا اس پر' مگر مقتول زندہ تھا اور اسے ایک خراش بھی نہیں آئی تھی لیکن اس کی گلو خلاصی

کے لئے ایک شرط عائد کی گئی کہ اگر وہ رہائی چاہتا ہے تو عدالت میں ان لوگوں کا نام لے جنہوں نے سازش کی تھی اور یہی کر کے وہ الزام سے بری ہو سکا۔"

"شرط کس نے عائد کی تھی؟" ڈی آئی جی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"سماج نے۔ حالات نے۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ اگر اس نے سازش کرنے والے کا نام لیا تو کیس اس کے خلاف ہو جائے گا۔ یہ ہدایات آپ کے محکمے کی تھیں۔"

"سازش کرنے والا کون تھا؟"

"اس کا نام سیٹھ عبد الجبار لیا جاتا ہے۔"

"اوہ سیٹھ عبد الجبار۔" ڈی آئی جے کے لہجے کی تبدیلی نمایاں تھی۔ وہ چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔

"کیا آپ کی سیٹھ صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی شیرازی صاحب؟"

"نہیں۔"

"وہ اس قسم کے آدمی نہیں ہیں اور وہ کون نوجوان ہے جس نے ان کا نام لیا ہے؟ ممکن ہے اسے غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"ہاں ممکن ہے لیکن یہ اگر اس کی غلط فہمی نہ ہوئی تو؟ وہ سیٹھ صاحب کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہے اور شاید ثبوت بھی۔" شیرازی کے لہجے میں چبھن تھی۔

"آپ ان کے حالات سے ناواقف ہیں شیرازی صاحب! سیٹھ عبد الجبار ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو ملکی دولت کے ستون کہلاتے ہیں ان کا سرمایہ معیشت کے کارخانے چلاتا ہے۔ اگر یہ کارخانے بند ہو جائیں تو آپ نہیں جانتے ملک کیسے خسارے سے دو چار ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی دولت ملک سے سمیٹ کر نکل جائیں تو لاکھوں افراد بے روزگار ہو جائیں اور لاکھوں روپے کا زرمبادلہ رک جائے گا۔ وہ حکومت کو بہت کچھ دیتے ہیں۔ آپ خود سوچیں ایسے لوگوں کے دشمنوں کی تعداد کتنی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس نوجوان کو ان کے کسی حریف نے اکسایا ہو اور آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں۔"

"اوہ۔ ہاں یہ ممکن ہے۔" پروفیسر شیرازی کی آواز سنائی دی۔

"میں کسی تقریب میں ان سے آپ کی ملاقات کراؤں گا۔ آپ یقیناً ان سے مل کر خوش ہوں گے۔"

"ضرور۔ ضرور۔ میں اس کے لئے آپ کو زحمت دوں گا۔"

"امید ہے آپ کی غلط فہمی دور ہو گئی ہوگی۔ ویسے اس نوجوان کا آپ سے کیا تعلق ہے؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"کوئی خاص تعلق نہیں۔ بس ایسے ہی مجھ تک پہنچ گیا تھا۔"

"آپ فضول لوگوں کے لئے اپنا وقت ضائع نہ کیا کریں شیرازی صاحب۔ آپ

ملک کا عظیم سرمایہ ہیں۔ ہمیں اپنی معیشت کے ساتھ ثقافتی سرمائے کو بھی محفوظ رکھنا ہے جو لوگ آپ کے ذہن کو مکدر کرتے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔"

"بے شک۔ بے شک انہیں سزا ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ لیکن کیوں نہ ہم اس نوجوان کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔"

"آپ اسے میرے حوالے کر دیں۔ میں اسے اچھی طرح راہ راست پر لے آؤں گا۔"

"دراصل اس کی والدہ اور بہن گم ہو گئی ہیں اور اس کے خیال میں اس کا محرک بھی سیٹھ صاحب ہیں۔ کیوں نہ اس کی یہ خواہش پوری کر دی جائے یعنی اس کی والدہ اور بہن تلاش کر کے اس کے حوالے کر دی جائیں۔ میرا خیال ہے اس کا جنون ختم ہو جائے گا۔"

"یعنی یہ الزام بھی اس نے سیٹھ صاحب پر لگایا ہے۔ کمال ہے بھئی۔ میرا خیال ہے ایک بار آپ سیٹھ صاحب سے مل لیں شیرازی صاحب! ان خیالات کی تردید ہو جائے گی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سیٹھ صاحب کسی ایسی حرکت میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ باقی رہی اس کی ماں اور بہن کی تلاش تو ٹھیک ہے میں متعلقہ تھانوں کو ہدایات جاری کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"اب تو آپ کا ذہن صاف ہو گیا ہو گا؟"

"بالکل۔ بالکل۔" شیرازی کی آواز ابھری اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

سرخاب کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

پروفیسر نے سکون کے ساتھ اٹھ کر ٹیپ بند کر دیا۔ میں خاموش بیٹھا تھا۔ "اس کے بعد میں نے کسی سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں سیٹھ عبد الجبار کے دشمن کی حیثیت سے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ تو منصور میں تمہاری ماں اور بہن کی تلاش کی کوشش میں ناکام ہو گیا ہوں لیکن تم اس سلسلے میں فوری اقدام کیا کر سکتے ہو؟"

"اس کا فیصلہ کرنا ہو گا شیرازی صاحب!" میں نے کہا۔

"کب تک کرو گے؟"

"بہت جلد۔"

"کیا مجھے اس فیصلے سے آگاہ کرو گے؟"

"جی۔"

"بہتر یہی ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"ابھی کوئی انتہائی اقدام نہیں کرنا منصور! میں تمہاری ذہنی کیفیت جانتا ہوں لیکن کیا تم ایک فرد کے بجائے ایک تحریک بننا پسند نہیں کرو گے۔ کیا سیٹھ جبار جیسے لوگوں کی توجہ صرف ایک تمہاری ذات پر مرکوز ہو گی۔ کیا دوسرے بے شمار منصور اس کی چیرہ دستیوں کی سولی پر نہ چڑھے ہوں گے۔ تم صرف اپنی ذات کا سکون چاہتے ہو اگر ایسا ہے تو پھر دوسرے منصور کیا کریں گے وہ کہاں جائیں گے؟"

"آپ کا کیا حکم ہے پروفیسر؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"میں ابھی مایوس نہیں ہوں۔ تم اپنے طور پر اپنی ماں اور بہن کی تلاش جاری رکھو میں اپنے طور پر کوششیں جاری رکھتا ہوں۔ اور دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"بہتر ہے۔" میں نے سکون سے کہا اور پروفیسر حیران ہو گیا۔

"کیا تم درست کہہ رہے ہو منصور؟"

"ہاں پروفیسر! میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے۔ ہم اتنے مجبور نہیں ہیں۔ میں بس برائیوں کا فروغ نہیں چاہتا ورنہ۔ ورنہ۔" پروفیسر جذباتی انداز میں خاموش ہو گیا۔

میرے ذہن میں ایک عجیب سا سکوت تھا۔ میں خود اپنی کیفیت سے آشنا نہیں تھا نہ جانے مجھے یہ سکون کیوں تھا۔ نہ جانے میں مضطرب کیوں نہیں ہوا تھا بس دل میں ایک ٹھہراؤ سا تھا۔

"لیکن ڈیڈی۔ آپ نے یہ گفتگو ٹیپ کس طرح کر لی؟"

"بس ایک مجرمانہ کیفیت تھی ذہن میں۔ جھنجلاہٹ تھی۔ میں ہوم سیکرٹری سے بھی ملنا چاہتا تھا لیکن پھر میں نے باقی پروگرام ملتوی کر دیئے۔ اب میں کچھ نئے پروگرام ترتیب دوں گا۔ بالکل نئے پروگرام۔"

"کیا ڈی آئی جی کو اس ریکارڈنگ کے بارے میں معلوم ہے؟"

"نہیں۔" پروفیسر عجیب انداز میں ہنسا۔ مجھے اس کی ہنسی عجیب محسوس ہوئی تھی۔ پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولا۔

"منصور۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں کم از کم پندرہ دن کا وقفہ رکھو میری ہدایت ہے۔"

"بہتر ہے پروفیسر۔" میں نے جواب دیا۔

"چنانچہ آج کی میٹنگ ختم۔" پروفیسر بولا اور ہم اٹھ گئے۔ باقی وقت میں پر سکون رہا تھا۔ سرخاب کے ساتھ ہنستا بولتا رہا تھا۔ لیکن رات کو جب میں بستر پر لیٹا تو میرے ذہن میں بند جوالا مکھی پھٹ پڑا۔ 'یہ نیک انسان برائی کے خاتمے کا طالب ہے اور میں صرف تم [illegible] بہتری کی بھیک مانگنے والا ایک بے عمل انسان۔ ہاں بالکل بے عمل۔ میری ماں

اور بہن کی آنکھوں کی بینائی میرا انتظار کرتے کرتے جا چکی ہو گی۔ وہ بلاشبہ مجھ سے مایوس ہو چکی ہوں گی۔ قطعی مایوس۔ وہ سوچتی ہوں گی کہ منصور مر چکا ورنہ۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو۔۔۔ تو۔۔۔'

میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہوں گی نہ جانے زندگی ان پر کتنی سخت ہو گی۔ لیکن میں۔ میں کیا کروں' پروفیسر کے جذبات سے میں واقف تھا۔ وہ ہر حالت میں میری بہتری چاہتا تھا لیکن وہ خود بھی حالات کے ہاتھوں بے بس ہو چکا تھا اور بالآخر اس نے کہا تھا کہ میں اپنے طور پر کوشش جاری رکھوں۔

"کوشش۔" میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو بند ہو گئے۔ ہاں اب مجھے کوشش کرنی ہی چاہیئے۔

دوسرے دن صبح کو پروفیسر ناشتے پر موجود نہیں تھا۔

"میں جاگ گئی تھی وہ تیار ہو کر باہر نکلے اور مجھ سے کہا کہ شاید وہ رات کو بھی واپس نہ آئیں۔ میں فکر مند ہوں۔" سرخاب نے بتایا۔

"کچھ کہہ کر نہیں گئے کہاں جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میرے لئے کوئی ہدایت نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں کہہ گئے۔ لیکن آپ ڈیوٹی پر جائیں گے بھیا؟"

"ہاں سرخاب۔"

"اب ختم کر دیں یہ چکر۔ مجھے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن کیا اب یہ تکلیف ضروری ہے۔"

"تھوڑے دن کی اجازت اور دے دو سرخاب۔"

"کیوں نہیں بھیا۔ اگر تم ضروری سمجھتے ہو تو۔"

"ہاں چند روز۔" میں نے کہا اور سرخاب مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"کیا تم نے کوئی خاص بات سوچی ہے؟"

"نہیں سرخاب۔ کیا سوچوں گا۔" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے بعد سرخاب نے کچھ نہیں کہا۔ ناشتہ کرتے ہوئے البتہ اسے نے کہا۔

"راشدہ کو میرا پیغام دے دینا۔ کہنا میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ۔ بہتر ہے کہ تم اسے فون کر لو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیوں تم اس سے بات کرنا نہیں چاہتے؟"

"کوئی حرج بھی نہیں ہے سرخاب! لیکن میں اسے مخاطب کرنے کی جرات نہیں کر پاتا۔ نہ جانے کیا سمجھے۔"

"ٹھیک ہے مجھے فون نمبر دے دو۔" سرخاب نے کہا اور میں نے اسے نمبر بتا دیا۔ پھر میں وہاں سے چل دیا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی۔ پروفیسر نے مجھے آزادی دے دی تھی اور میں اب اس آزادی سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے بہت غور و خوض کیا تھا اور یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس دنیا میں جذباتی بن کر زندہ نہیں رہا جاسکتا۔ یہ لمحہ الگ نوعیت کا حامل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ لمحوں سے تعاون کیا جائے اور اپنا مقصد نگاہ میں رکھا جائے۔

بیگم جہانگیر حسب معمول خلوص سے مسکرائی اور پھر راستے میں اس نے کہا۔

"طارق کو فون کر لینا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ بیگم جہانگیر کو دفتر چھوڑنے کے بعد میرے لئے کوئی کام نہیں رہ جاتا تھا۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ دن کو تقریباً گیارہ بجے میں نے طارق کے دیئے ہوئے نمبر پر ڈائل کیا اور ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"طارق صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"جی باتھ روم میں تشریف رکھتے ہیں۔ کون صاحب ہیں؟"

"میرا خیال ہے انہیں باتھ روم سے نکل آنے دیں۔"

"مجھے قائم مقام بنا گئے ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں کہہ دیں۔"

"اب آپ سے کیا کہوں؟ شرم آتی ہے۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہائے اللہ یہ مرد شرماتے ہوئے کیسے لگتے ہوں گے؟"

"دیکھ لیں گی خود چند روز کے بعد۔ کیونکہ آپ لوگوں نے تو شرمانا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آپ کی یہ ادا بھی مردوں نے قبول کر لی ہے۔"

"تو دیر کیوں کر رہے ہیں اتنی' جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں۔ خیر باقی آئندہ۔ طارق باتھ روم سے نکل آئے ہیں۔" اور پھر چند ساعت کے بعد طارق کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔"

"میں منصور بول رہا ہوں طارق صاحب۔"

"منصور۔ میں پہچان نہیں سکا۔"

"بیگم جہانگیر کا ڈرائیور۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ منصور۔ کیا احمقانہ تعارف کرایا ہے۔ تمہاری اپنی ایک الگ حیثیت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی قدر ضدی ہو اور حالات سے سمجھوتہ کرنا نہیں جانتے۔ خیر' کہو کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس آپ کی نوازش کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔"

"کونسی نوازش؟"

"آپ کی سفارش پر میری تنخواہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"اور عہدہ۔"

"آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ طارق صاحب۔ تعلیم ضرور حاصل کی تھی لیکن وقت نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں کسی لکھنے پڑھنے کے قابل ہی نہیں ہوں جو کر رہا ہوں وہی کر سکتا ہوں۔"

"میں نہیں مان سکتا منصور۔"

"کیا جناب؟"

"کہ تم جو کر رہے ہو وہی کر سکتے ہو۔ اپنی ضد چھوڑ دو تو نہ جانے کیا بن جاؤ۔ خیر فون پر زیادہ باتیں نہیں ہو سکتیں۔ تم ایسا کرو شام کو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر مجھ سے مل لو۔"

"کہاں طارق صاحب؟"

"کہاں؟ وہیں بلیو ہیون میں جہاں ہم نے اس دن چائے پی تھی۔"

"بہتر ہے۔ حاضر ہو جاؤں گا۔" لیکن کس وقت؟"

"پانچ بجے۔"

"بہتر ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ میں نے کہا اور پھر فون بند ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھ کر گہری سانس لی تھی۔ شام کو پانچ بجے۔ میرے ذہن میں گھنٹے بجنے لگے۔ بمشکل تمام پانچ بجے تھے۔ ٹھیک وقت پر میں بلیو ہیون کے سامنے پہنچ گیا اور جونہی میں یہاں رکا طارق کی سفید رنگ کی کار میرے نزدیک آ کر رک گئی اور وہ دروازہ لاک کر کے نیچے اتر آیا۔

"ہیلو منصور۔" اس نے کہا اور میں نے گردن جھکا دی۔ "آؤ۔" وہ بولا اور میں اس کے ساتھ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ ایک میز پر بیٹھ کر وہ مسکراتی نگاہوں سے میرا جائزہ لیتا رہا۔

"اتنی عمدہ شخصیت کے مالک ہو کہ خود کو ایک مرتبہ جانچ لو تو حیران رہ جاؤ۔"

"نہیں طارق صاحب۔ خود کو جانچتا ہوں تو بہت چھوٹا محسوس کرتا ہوں۔ کوئی حیثیت نہیں ہے میری۔"

"بن سکتی ہے' نجانے کیا بن سکتی ہے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ ہاں تو تنخواہ میں کتنا اضافہ ہوا؟"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میری تعلیم کتنی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر میں وہاں کوئی جگہ اپنے لائق سمجھوں تو میرا تقرر وہاں کر دیا جائے۔ میں نے انہیں حقیقت

بتا دی تو انہوں نے ازراہ کرم میری تنخواہ میں بہت بڑا اضافہ کر دیا اور کہا کہ یہ طارق صاحب کی سفارش پر کیا گیا ہے۔"

"اوہ۔ کیسے ترقی نہ کرتی۔ جانتی ہے کہ جس پر طارق کی نگاہ ہوتی ہے اس کی تقدیر جاگ اٹھتی ہے لیکن دوست۔ تم نے ابتداء میں ہم سے بلاوجہ بگاڑ لی۔"

"ناتجربہ کاری کہہ لیں طارق صاحب! اس کے نتیجے میں سب کچھ کھو بیٹھا۔ میں نے جواب دیا۔

"احساس ہو گیا ہے؟" طارق نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"اب بھی نہ ہو گا۔ طارق صاحب!"

"کچھ نہیں بگڑا ہے۔ کچھ بھی نہیں بگڑا ہے۔ سمجھے' انسان وہ ہے جو بگڑے ہوئے وقت کو سنبھال لے۔ وہ بن جاؤ گے جو تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا تعاون درکار ہے طارق صاحب۔"

"میں تیار ہوں لیکن تمہیں سیٹھ صاحب کو خوش کرنا پڑے گا۔ چھوٹے موٹے کام میں بھی کرتا رہتا ہوں۔ ان کا سیٹھ صاحب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ میں تمہیں اپنے طور پر بھی استعمال کر سکتا ہوں لیکن چونکہ سیٹھ صاحب تم سے ناخوش ہیں اس لئے میں اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا۔ یوں کرو تم ان سے معافی مانگ لو۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"گڈ۔ تو پھر کل میں تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے شکر گزاری سے کہا لیکن دل اندر سے چیخ رہا تھا۔ جذبات امڈ رہے تھے۔ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اس ہونے کو روکنا تھا۔ اسی میں ماں اور بہن کی بہتری تھی۔ ان کے مل جانے کی امید تھی اوراس کے بعد۔ اس کے بعد...

طارق بے حد خطرناک آدمی تھا۔ اس کی نگاہوں سے بچنا تھا۔ چنانچہ میں نے خود کو پر سکون کر لیا۔ تھوڑی دیر تک ہم ریستوران میں بیٹھے اور پھر طارق بل ادا کر کے اٹھ گیا۔ باہر آکر اس نے مجھے رخصت کیا اور اپنی کار میں جا بیٹھا۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔ میں جلتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر واپس پلٹ پڑا۔

سب کچھ کروں گا۔ معافی بھی مانگوں گا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہو گا۔ سیٹھ جبار تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بلاشبہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں تم سے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا انتقام لوں گا۔ ذرا امی اور فریدہ مل جائیں۔ فریدہ کی شادی کر کے امی کے لئے کوئی بہتر بندوبست کر دوں۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد۔

کوٹھی پہنچا تو سرخاب کے ساتھ راشدہ بھی موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر سرخاب

مسکرائی لیکن راشدہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ بہرحال اس نے مجھے سلام کیا تھا۔ میرا موڈ ایک دم بدل گیا۔

"ہیلو راشدہ۔ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں جی۔"

"امی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"وہ بھی اب ٹھیک ہیں۔"

"ویسے آپ نے ایک بداخلاقی کی ہے۔ منصور بھیا۔" سرخاب نے کہا۔

"کیا؟"

"آپ امی کو دیکھنے نہیں گئے حالانکہ آپ کو جانا چاہئے تھا۔"

"راشدہ صاحبہ نے میری شکایت کی ہو گی؟"

"میں نے نہیں کی۔" راشدہ جلدی سے بولی۔

"بہرحال اب چھٹی والے دن آپ کی ڈیوٹی ہے کہ مجھے راشدہ کے گھر لے چلیں۔ ویسے راشدہ سے تو میں خوب لڑ چکی ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی یک طرفہ رہی ہے۔"

اوہ تو تم نے اب مہمانوں سے جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔"

"بھئی یہ جھگڑا اس لئے تھا کہ یہ آئیں کیوں نہیں؟ بہرحال اب انہوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ ہفتے میں ایک بار ملاقات ضرور کر لیا کریں گی۔ کیوں راشدہ؟" سرخاب نے کہا اور راشدہ نے گردن ہلا دی۔

"اچھا آپ لوگ بیٹھئے۔ میں چائے کا بندوبست کرنے جا رہی ہوں۔ ہم نے آپ کے انتظار میں چائے نہیں پی۔ اور آپ دیر سے آئے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے کہا اور سرخاب وہاں سے چلی گئی۔

"کیسی ہیں راشدہ؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ نگاہیں جھکائے جھکائے بولی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی قدر گھبرائی ہوئی تھی۔

"دراصل امی کے سامنے جانے کی ہمت نہیں پڑی۔" میں نے کہا۔

"جی۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"آپ میری موجودگی سے گھبرائی ہوئی ہیں راشدہ۔ میں اٹھ جاؤں یہاں سے؟" میں نے سوال کیا اور اس نے جلدی سے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں۔

"نہیں۔ نہیں تو۔ ایسی کیابات ہے؟"

"کوئی بات نہیں ہے تو پھر باتیں کریں۔"

"میں۔ میں کیا باتیں کروں۔ ویسے آپ نے صرف میری وجہ سے اپنی جگہ بدل دی ہے نا۔ میرا مطلب ہے اب آپ؟"

"نہیں راشدہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی اور پھر غور کریں تو ہمارے درمیان کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی، جس پر مجھے یا آپ کو شرمندہ ہونا پڑے۔"

"بات تو ہوئی ہے۔ میں اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کو برا نہیں سمجھتیں۔ اگر آپ ہمیں اتنا برا سمجھتیں تو دوبارہ یہاں نہ آتیں۔"

"میں نے کبھی یہ بات نہیں سوچی کہ آپ لوگ برے ہیں میں تو خود شرمندہ تھی کہ۔ کہ۔"

"جن دیواروں کو آپ نے اپنے اور میرے درمیان تصور کر لیا ہے راشدہ۔ درحقیقت وہ دیواریں نہیں ہیں۔ میں نے آپ کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن بہرحال ...... راشدہ۔ کیا دوستی کے لئے حیثیتوں کا تعین ضروری ہے؟"

"بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں منصور صاحب! جو اپنے سے کم تر لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔"

"ہوتے تو ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تو آپ ہمیں ان میں سے سمجھ لیں اور اطمینان کر لیں کہ، ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی الجھن، کوئی پردہ نہیں ہے۔ دوستوں کی حیثیت سے ہم ایک دوسرے کے معاون و مدد گار ہیں اس میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ ذہن سے یہ سوچ، یہ ہچکچاہٹ نکال دیں اور دوستوں کی طرح اپنے مسائل کہیں، ہمارے مسائل سنیں، ایک دوسرے کی مدد کریں۔"

"میں جس قابل ہوں آپ جانتے ہیں منصور! ان حالات میں بھی اگر آپ مجھے کسی مدد کے قابل سمجھتے ہیں تو دل و جان سے حاضر ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی بلکہ مجھے بھی ایک مقام مل جائے گا اور میں بھی خود کو انسانوں میں شمار کرنے لگوں گی۔"

"تو پھر آیئے دوستی پکی کر لیں۔" میں نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا اور راشدہ جھینپے انداز میں مسکرانے لگی۔ پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا' اور جلدی سے چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ کی کپکپاہٹ میں نے صاف محسوس کی تھی۔

"ایک بات بتائیں۔" راشدہ نے کہا۔

"جی۔"

"آپ وہاں نوکری کیوں کر رہے ہیں۔ تفریحی مشغلے دوسرے بھی تو ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں آپ نہیں چاہتیں کہ میں وہاں نوکری کروں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں تو صرف پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں راشدہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یونہی اس دنیا میں دل نہیں لگتا۔ اس ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہوں۔ بہرحال بہت جلد وہاں سے ملازمت چھوڑ دوں گا۔" میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا آپ یقین کریں میں تو بس یونہی پوچھ تھی۔"

"ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نے خود بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ ویسے امی نے ے بارے میں نہیں پوچھا؟"

"پوچھا تھا' بلکہ اکثر پوچھتی رہتی ہیں۔"

"بتا دیا آپ نے"

"نہیں خود بھی ذلیل ہوتی اور انہیں بھی دکھ ہوتا۔"

"پھر کیا کہا ان سے؟"

"سچ بات بتا دی یعنی یہ کہ ڈیوٹی بدل گئی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور میں مسکرانے لگا۔ سرخاب واپس آ گئی تھی۔ ہم دونوں کو مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دی ائے پی گئی اور اس کے بعد سرخاب نے مجھے ہدایت کی کہ راشدہ کو کسی مناسب جگہ آؤں اور میں راشدہ کو لے کر چل پڑا۔ اس وقت اس کے گھر جانا مناسب نہیں سمجھا لیے گھر سے تھوڑے فاصلے پر میں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور خدا حافظ کہہ کر واپس پڑا۔

پروفیسر موجود نہیں تھا۔ میں نے سرخاب کو کوئی بات نہیں بتائی اور پھر دوسرا دن معمول تھا۔ ہاں شام کو پانچ بجے میں حسب پروگرام اس ریستوران کے سامنے پہنچ سوا پانچ بجے کے قریب طارق کی کار نظر آئی اور پھر وہ میرے نزدیک آ کر رک گئی۔ کا مسکراتا چہرہ نظر آیا تھا۔

"آؤ۔" اس نے کہا اور میں گھوم کر اس کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ طارق اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"تم نے اپنے آپ کو پوری طرح مضبوط کر لیا ہے؟" راستے میں اس نے پوچھا۔

"کس سلسلے میں طارق صاحب؟"

"سیٹھ صاحب کے سامنے کسی کمزوری کا اظہار تو نہیں کرو گے۔ یہ سوال
اس لئے کر رہا ہوں کہ تم ایک جذباتی انسان ہو۔"

"نہیں طارق صاحب۔ کبھی تھا اب کچھ نہیں ہوں۔" میں نے پھیکے انداز
مسکراتے ہوئے کہا۔

"جذباتیت اچھی بات نہیں ہے۔ اس دنیا کو اس نگاہ سے دیکھو جس کی یہ طا
ہے اور جس سے خوش رہتی ہے۔ نیکی' دیانت اور حب الوطنی جیسے الفاظ ایک دوسرے
وقوف بنانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کسی بھی شعبے میں دیکھ لو۔ ہر شخص
الفاظ کا سہارا ضرور لے گا۔ لیکن اس کا عمل وہی ہوتا ہے جو عقل مندی کا عمل کہلاتا ہے۔
سیاسی لیڈر ڈائس پر کھڑے ہو کر دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں۔ ووٹ لیتے ہیں' عہد
حاصل کرتے ہیں اور پھر۔ جو ہوتا ہے تمہیں بھی معلوم ہے۔ کچھ لوگ۔ بے وقوف بنانے
والے ہوتے ہیں کچھ بننے والے اور جو جتنا جذباتی ہو گا اسے اتنا ہی بے وقوف بننا پڑے
یہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے گر ہیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اب ان پر عمل کر
کرنا تمہارا کام ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی طارق صاحب۔" میں نے کہا۔

"پوچھو۔"

"آپ تو ہمیشہ مجھ سے ناراض تھے۔ اچانک آپ میرے اوپر مہربان کس طر
گئے؟"

"بس موج قلندری سمجھو۔ لڑائی اس سے ہوتی ہے جو جوابی لڑائی سے د
ہو۔ تم سے کیا لڑائی؟"

"اوہ۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"لیکن تمہیں بہت کچھ بننا ہو گا جس طرح تم اس دنیا میں گزارا کر رہے ہو
طرح نہ گزار سکو گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

"میں تمہیں تربیت دوں گا بشرطیکہ تم نے سیٹھ صاحب کا اعتماد حاصل کر
اس نے کہا اور میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پوچھا۔ "...... کیا آ
سیٹھ سے میرا تذکرہ کیا تھا؟"

"نہیں منصور۔ تم ابھی تک سیٹھ عبد الجبار کو نہیں جان سکے۔ وہ جتنا بڑ
ہے تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس ملک پر آدھی حکومت اس جیسے لوگوں کی ہے پھر
اور معمولی لوگوں کو کیا حیثیت دے سکتا ہے؟ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ تو تمہاری
بختی ہے کہ۔ تم اس کی پناہ میں آ جاؤ گے اور جو اس کی پناہ میں ہو۔ اس کی طرف

مجال ہے کہ آنکھ اٹھا سکے۔"

میرا دل سلگنے لگا۔ امی اور فریدہ مل جاتیں تو پھر میں اسے بتاتا کہ میں کس کی پناہ
میں ہوں۔ میں خاموش ہو گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد کار اس منحوس عمارت میں داخل
ہو گئی۔ جہاں میری تقدیر کے لئے بدترین فیصلے ہوئے تھے۔ کار رک گئی اور میں نیچے اتر
آیا۔ میری آنکھوں نے امجد بھائی کو تلاش کیا تھا لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے۔ طارق کے
ساتھ میں۔ کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا اور پھر ایک ڈرائنگ ہال میں طارق نے
مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

"میں سیٹھ صاحب کے بارے میں معلوم کر لوں تم یہاں رکو۔" وہ بولا اور پھر
کسی اندرونی دروازے میں داخل ہو گیا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ عجیب سا احساس تھا دل میں۔
اسی وقت بیرونی دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
اینجل تھی۔ ایک جدید ترین لباس میں ملبوس بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے ٹھٹک
کر مجھے دیکھا اور میرے نزدیک آ گئی۔ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی۔ فرمایئے۔" اس نے کہا۔

"وہ میں۔ طارق صاحب کے ساتھ آیا تھا۔"

"اوہ۔ اچھا۔ لیکن میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"جی۔ میں۔ میں۔"

"اونہہ۔ تم بھی میں میں کرنے والے ہو۔ مجھے ایسے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں
ہے جو میرے سامنے بکروں کی طرح میں میں کریں۔" اس نے نخوت سے کہا اور تیز تیز
قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایک بار پھر دل خون ہو گیا تھا لیکن کتنی بے عزتی برداشت کروں..... پھر طارق کی
ایک بات یاد آئی۔ اس دنیا میں جذباتی لوگ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ جذباتیت سے کوئی کام
بھی کبھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے خود کو پرسکون کر لیا۔

چند منٹ بعد طارق واپس آ گیا۔ "آؤ منصور۔ اتفاق سے سیٹھ صاحب تنہا
ہیں۔" اور میں اٹھ گیا۔ دل زور سے دھڑکا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور طارق کے
ساتھ آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک حسین ترین نشست گاہ میں داخل ہو گیا۔ اعلیٰ درجے کے
فرنیچر سے سجی ہوئی اس نشست گاہ کی ایک نشست پر سیٹھ جبار بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے
سامنے چند کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ انگلیوں میں موٹا سگار دبا ہوا تھا۔ چہرے پر رعونت
تھی۔

اس نے سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ دی۔ اور پھر طارق کی طرف دیکھا۔

"ہوں۔ کیا بات ہے طارق؟ یہ کون ہے؟"

"اگر مصروفیت نہ ہو سیٹھ صاحب تو چند لمحات؟"

"ہاں کہو۔"

"میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں۔"

"ہاں کوئی بات ہے؟" سیٹھ نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔

"یہ منصور ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو۔ ہمارے ہاں ڈرائیور رہ چکا ہے۔ وہ نوجوان جس نے ہمارے خلاف پولیس کو اکسانے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ یہ منصور ہے۔ بڑا ہو گیا ہے اب کیسے ہو منصور؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔"

"نہیں نہیں۔ ابھی ٹھیک نہیں ہو۔ بالکل ٹھیک نہیں ہو کیوں طارق؟"

"نہیں جناب۔ آپ کو یاد ہو گا اس نے عدالت میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ کا خیال تھا کہ میں نے اسے اس سے باز رکھا ہو گا۔"

"میرا آج بھی یہی خیال ہے۔ کیوں منصور؟ کیا طارق نے تمہیں اس کے لئے نہیں کہا تھا؟"

"نہیں جناب۔ طارق صاحب سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

"پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"پولیس نے مجھ سے یہی کہا تھا اور میں گلو خلاصی چاہتا تھا۔"

"اوہ۔ مگر ہماری خواہش تھی کہ تم وہاں ہمارے جرائم کا کچا چٹھا کھولتے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مخالف خود کو ہر طرح آزمائیں۔"

"یہ کوشش منصور نے شرمندگی کے جذبے کے تحت کی تھی اور آج بھی یہ آپ سے معافی مانگنے آیا ہے۔"

"ہمیں معافی مانگنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہم سے معافی مانگے وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے ہم یہ سیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"یہ احساس ہمیں کیا دے گا؟"

"یہ آپ کے تمام احکامات کی تعمیل کے لئے تیار ہے۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"میں اس سے معلومات کے بعد اس کی سفارش لے کر آیا ہوں۔" طارق نے کہا اور سیٹھ جبار غور سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا تم اس میں کوئی خاص بات پاتے ہو طارق؟ کیا یہ ہمارے لئے مفید رہے گا؟"

"میرا یہی خیال ہے جناب۔ جیل میں ضرور یہ کچھ نہ کچھ سیکھ کر آیا ہو گا۔"

"کیا سیکھا ہے تم نے وہاں۔ میرا خیال ہے ابھی کچھ نہیں۔ اگر یہ کچھ سیکھتا تو ہم سے انتقام لینے کی کوشش کرتا اور ہمیں ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو اپنا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔ نہیں طارق اگر اسے کچھ بنانا چاہتے ہو تو دوبارہ جیل بھیج دو۔ اس بار اسے کم از کم دس سال کے لئے بھیجو اور ایسا چارج لگاؤ کہ یہ کام کے لوگوں میں جائے تاکہ وہاں کچھ سیکھے۔ ابھی یہ مکمل نہیں ہے۔" سیٹھ صاحب نے سگار دوبارہ منہ سے لگا لیا۔

"میں اسے کام کے قابل بنا لوں گا جناب!" طارق بولا۔

"تب اس سے کوئی امتحان لو۔"

"جی۔ آپ تجویز کر دیں سیٹھ صاحب!"

"میں کیا تجویز کروں؟ تم خود سوچو۔ اچھا ٹھہرو۔ یوں کرو اس کے ہاتھوں پارک ریڈ کو قتل کرا دو۔ اگر اس نے یہ قتل ہوشیاری سے کر دیا تو میں اسے معاف کر دوں گا اور اس کے بعد تم اس کی تربیت کر سکتے ہو۔"

"بہتر ہے سیٹھ صاحب۔ میں اس سے یہ کام کرا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میرے پاس آنا اور اگر یہ کام نہ کر سکے تو اسے دوبارہ جیل بھجوا دو۔ میں نے نامکمل لوگوں کی تربیت گاہ نہیں کھولی ہوئی۔"

"جی بہتر ہے۔ آؤ منصور۔"

میں سیٹھ صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"سیٹھ صاحب! میں جن دنوں جیل میں تھا۔ اس دوران میری ماں اور بہن گھر سے غائب ہو گئیں۔ میں آپ کے سارے احکامات کی تعمیل کروں گا لیکن براہ کرم میری ماں اور بہن مجھے واپس دلوا دی جائیں۔"

"طارق! کیا بکواس کر رہا ہے؟" سیٹھ صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"پہلے سیٹھ کا اعتماد حاصل کر لو منصور! اس کے بعد یہ بھی ہو جائے گا۔ وہ جہاں بھی ہوں گی سیٹھ صاحب انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ ان کے ایک اشارے پر ہزاروں افراد ان کی تلاش پر مامور ہو جائیں گے۔ پولیس مستعد ہو جائے گی۔ کیا نہیں ہو سکتا۔۔۔ ٹھیک ہے سیٹھ صاحب یہ آپ کے امتحان پر پورا اترے گا۔"

"تو جاؤ۔ میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔" عبد الجبار نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور طارق مجھے لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ میں خاموش اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں تمہاری پشت پر ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن تم ہر قیمت پر سیٹھ کا

اعتماد حاصل کر لو۔ پارک ریڈ ایک غیر ملکی ہے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں معلومات فراہم کروں گا تم اسے قتل کر دو۔"

"ایک شرط پر طارق صاحب۔" میں نے بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"شرط؟"

"ہاں میں اسے قتل کر دوں گا لیکن اس سے پہلے میری ماں اور بہن مجھے مل جائیں۔"

"اوہ۔ یہ فضول شرط ہے۔ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اسے قتل کر دا گے تو وہ دونوں تمہیں مل جائیں گی۔"

"نہیں میں پہلے ان سے مل لینا چاہتا ہوں۔"

"اب یہ ضد کی بات ہے۔ میں تمہیں ایک دن کی مہلت دیتا ہوں۔ سوچ لو۔ فیصلہ کر لو۔ کل مجھے اطلاع دے دینا۔" طارق نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا' پھر اس نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ "کل کا دن آخری دن ہے۔" اور اس کے بعد اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں خاموش کھڑا رہ گیا تھا۔

پھر میں آہستہ آہستہ باہر نکل آیا۔ کل کا دن آخری ہے۔ کل کا دن۔ کل ک دن۔ دماغ پر ہتھوڑے چلنے لگے تھے۔ طارق کے الفاظ سے ایک بار پھر یقین ہو گیا تھا کہ وہ میری ماں اور بہن کا پتہ جانتا ہے۔

کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بلاشبہ میں ایک ناکارہ انسان ہوں۔ اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ پروفیسر شیرازی بھی میری وجہ سے الجھ گیا ہے۔ روزانہ اس کے پاس جا کر دھرنا دینا اچھا نہیں ہے۔ جب ماں اور بہن موجود نہیں ہیں تو پھر دوسروں کے دل دکھانے سے کیا فائدہ؟ سارے رشتے بے کار ہیں۔ سب کچھ۔ سب کچھ بے کار ہے۔ میں واپس شیرازی کی کوٹھی کی طرف نہیں گیا۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا اور طویل عرصے کے بعد ایک بار اپنے گھر کی جانب جا نکلا۔

اندھیرا ہو چکا تھا اس لئے کسی شناسا نے مجھے نہیں دیکھا۔ گلی کی شکل بدل گئی تھی۔ لیکن میرا گھر بے چراغ تھا۔ اس میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ پتھر کی ایک ضرب سے تالا ٹوٹ گیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ ویران مکان جہاں میرا بچپن سو رہا تھا۔

کھردری زمین پر لیٹ گیا۔ پورا بدن سلگ رہا تھا۔ یادیں ذہن میں کلبلا رہی تھیں۔ ایک ایک منظر یاد آ رہا تھا۔ کیا کوئی اتنا بے بس بھی ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی اتنا بے سکون بھی ہو سکتا ہے۔

ایک بار دل چاہا کہ خود کشی کر لوں۔ لیکن خود کشی اور اس کے بعد ماں اور بہن

تصور۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ صبح کی روشنی دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔ سلمندی کے باعث دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹا رہا۔ بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ بہرحال اٹھنا ہی تھا۔ دن کی روشنی میں مکان کے در و دیوار رو رہے تھے۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ ایک ایک منظر نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔

یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو سکا تو باہر نکل آیا اور پھر جہاں تک ممکن ہو سکا لوگوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا گلی سے بھی باہر نکل آیا۔ دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر ایک بس میں بیٹھ کر لیڈی جہانگیر کے مکان کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار نے بتایا کہ لیڈی صاحبہ چلی گئیں۔

"اوہ۔ کتنی دیر ہوئی؟"

"بہت دیر ہو گئی صاحب۔" چوکیدار نے جواب دیا۔ اور مجھے تھوڑا سا تعجب ہوا۔ مسز جہانگیر اتنی دیر پہلے تو نہیں جاتی تھی۔ آج اتنی جلدی کیسے چلی گئی۔ بہرحال وہیں سے بس میں بیٹھ کر دفتر پہنچ گیا۔ لیڈی صاحبہ کی کار یہاں موجود تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد لیڈی صاحبہ کے چپراسی نے مجھے آواز دی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس کچھ نہیں۔ لیڈی صاحبہ نے کہا ہے کہ میں تمہیں دیکھ آؤں۔ کہیں جا تو نہیں رہے؟"

"کہیں نہیں جا رہا۔ یہاں بیٹھا ہوں۔ لیڈی صاحبہ سے مل لوں؟"

"نہیں۔ کچھ لوگ ہیں ان کے پاس۔" چوکیدار نے جواب دیا اور میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لیڈی جہانگیر کے دفتر سے ایک پولیس انسپکٹر اور دو اسسٹنٹ انسپکٹر باہر نکلے۔ چوکیدار نے میری طرف اشارہ کیا تھا اور انسپکٹر میری طرف بڑھ آیا۔ نہ جانے کیوں دل پر گھونسہ لگا تھا۔ انسپکٹر نے میر کلائی پکڑ لی اور سب چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ اسسٹنٹ انسپکٹر نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی تھی۔

"اس کی وجہ جان سکتا ہوں۔ انسپکٹر صاحب۔" میں نے پوچھا۔

"جان جاؤ گے۔ سب کچھ جان جاؤ گے۔ چلو۔" انسپکٹر نے کہا اور اے ایس آئی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں خاموشی سے دفتر سے باہر نکل آیا تھا۔ ذہن اب بھی سپاٹ تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ایک لمحے کے لئے ذہن پر جنون بھی سوار ہوا تھا۔ لیکن جذباتیت بھیانک ہوتی ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ میں خاموشی سے تھانے پہنچ گیا۔

"کیا مجھے یہ نہیں بتایا جائے گا انسپکٹر صاحب! مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟" میں نے راستے میں پوچھا۔

"بن کیوں رہے ہو دوست؟"

"بن نہیں رہا انسپکٹر صاحب! براہ کرم بتا دیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"کل شام کو بیگم جہانگیر کے ہینڈ بیگ سے تم نے پندرہ ہزار روپے نکال لئے تھے ابھی تو تمہیں یہ بھی بتانا ہے کہ وہ پندرہ ہزار روپے کہاں ہیں؟"

"کیا لیڈی جہانگیر نے رپورٹ درج کرائی ہے؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے بعد میں نے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بس ایک خیال میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ طارق بلیک میلر ہے اور لیڈی جہانگیر کو بلیک میل کر رہا ہے۔ اس کی کل کی بے رخی سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھ سے مطمئن نہیں ہوا ہے اور اس کارروائی کا محرک طارق کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ "طارق۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔ "ٹھیک ہے طارق" وہی ہو گا جو تم چاہتے ہو۔

مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا یہاں چند اور لوگ بھی تھے۔ ان میں سے چند مجھے دیکھ کر مسکرائے لیکن میں تو ہوش و حواس میں ہی نہیں تھا۔ میں لاک اپ کے ایک کونے میں جا بیٹھا۔

چند لوگوں نے مجھ سے کچھ سوالات کیے لیکن ان کی آواز میرے کانوں میں نہیں آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں تو بس ایک گونج تھی۔ صرف ایک گونج۔ طارق۔ طارق۔ دوپہر ہو گئی۔ میں اب کسی حد تک پر سکون ہو چکا تھا۔ تقریباً دو بجے کا وقت تھا جب انسپکٹر کسی کے ساتھ لاک اپ کے دروازے پر آیا۔ اس کے ساتھ ایک سپاہی بھی تھا۔ سپاہی نے تالا کھولا اور انسپکٹر نے کسی کو آواز دی۔ "یوسف۔ باہر نکل آؤ۔" اور ایک دبلا پتلا نوجوان لاک اپ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

اور پھر اچانک میری نگاہ چمن پر اور چمن کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ وہ بری طرح چونک پڑا اور بے اختیار سلاخوں کے قریب آ گیا۔ "منصور۔" اس نے متحیرانہ انداز میں مجھے آواز دی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "انسپکٹر صاحب۔ یہ۔ یہ۔ کس جرم میں قید ہوئے ہیں؟"

"جانتے ہو اسے؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔ انہیں باہر نکالو۔" چمن نے کہا۔

"پندرہ ہزار کا ہاتھ مارا ہے چمن۔ پورے پندرہ ہزار کا۔"

"کس ماں کے خصم نے رپورٹ کی ہے؟" چمن کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"لیڈی جہانگیر نے جہاں یہ ڈرائیور کی نوکری کرتا ہے۔"

"ہوں۔ اسے باہر نکال لاؤ انسپکٹر۔ میں کہہ رہا ہوں اسے باہر نکال لاؤ۔ میں دفتر

چل کر بات کرتا ہوں۔"

"کوئی بہت قریبی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آ جا بھئی۔ استاد چمن کو کون ناراض کر سکتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا اور مجھے باہر نکال لیا گیا بعد میں، میں "یوسف" انسپکٹر اور چمن دفتر پہنچ گئے۔

"یوسف کی ضمانت کے فارم پر دستخط لے لو انسپکٹر۔ ویسے یہ اصول کے خلاف ہے۔" چمن نے کہا۔

"یار میں موجود نہیں تھا۔ بہرحال تم سے کچھ مانگ تو نہیں رہا مگر اس کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔"

"رپورٹ تحریری ہے؟" چمن نے پوچھا۔

"نہیں مگر بہت بڑی عورت ہے۔ جہانگیر لمیٹڈ کی مینجنگ ڈائریکٹر اور یہ فرم بہت بڑی ہے۔"

"تحریری رپورٹ کیوں نہیں دی؟"

"بیمار تھی۔ کہنے لگی۔ پھر دے دوں گی۔ میں اے ایس آئی کو شام کو اس کے گھر بھیجوں گا۔"

"ہوں کوئی اور گڑ بڑ تو نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"ضمانت دینا چاہتا ہوں۔"

"چمن استاد۔ یہ معاملہ دوسرا ہے۔ میرا خیال ہے اسے رہنے دو۔ بڑی مشکل پیش آئے گی۔" انسپکٹر نے کہا۔

"مشکل آسان بناؤ انسپکٹر۔ یہ دوبارہ اندر نہیں جائیں گے۔ چمن نے جیب سے چیک بک نکالی اور پھر کسی عبدالوحید کے نام سے پانچ ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا پھر دوسرا چیک اس نے پندرہ ہزار کا لکھا تھا۔ دونوں چیک اس نے انسپکٹر کی طرف بڑھا دیئے اور انسپکٹر مسکرائے۔

"چلو یوں کام بن جائے گا۔ شاکر ایک فارم اور لا دو۔ اس پر دستخط کر کے نکل جاؤ چمن استاد۔ بڑے لوگوں کے کھیل بڑے ہی ہوتے ہیں اس وقت تو میں کام چلا لوں گا۔ کیونکہ تحریری رپورٹ نہیں آئی۔ میں ذاتی طور پر......"

"جو دل چاہے کرو انسپکٹر۔ یہ تمہارا کام ہے اب میں چلتا ہوں۔" چمن نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "آؤ پارٹنر اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایک کونے میں سرخ رنگ کی کار کھڑی تھی۔ چمن میرے ساتھ بیٹھ گیا "دو نمبر چلو۔" اس نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ "یوسف" کہیں اور چلا گیا تھا۔

ایک بار پھر میں اس عمارت میں داخل ہو گیا تھا جہاں ایک دفعہ چمن کے ساتھ پہلے بھی آیا تھا۔

لیکن اب یہاں چند افراد نظر آ رہے تھے جو ملازم قسم کے تھے۔ چمن نے ان میں سے ایک سے کھانا تیار کرنے کے لئے کہا اور میرے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

"بیٹھو بادشاہ۔ کون سی شے ہے وہ اور تمہاری کیا دشمنی ہو گئی اس سے؟"

"تمہیں یقین ہے چمن کہ وہ رقم میں نے نہیں اڑائی ہو گی؟"

"یار۔ یہ سوال ہی کیوں پوچھ رہے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے چمن بے وقوف ہے؟"

"شکریہ چمن۔ بہرحال جس نے رپورٹ درج کرائی ہے وہ بھی مجبور ہے اسے بلیک میل کر کے یہ کام کرایا گیا ہے۔"

"اور بلیک میلر کون ہے؟"

"وہی میرے پرانے دشمن۔" میں نے جواب دیا۔

"یار منصور۔ برا مت ماننا پیارے۔ دیکھو چمن تمہارا دوست ہے جو کچھ اپنے پاس ہے حاضر ہے۔ سب کچھ لٹا دوں گا تمہارے اوپر۔ لیکن اتنا نہیں ہے جان من کہ ہمیشہ تمہارے کام آتا رہے۔ آخر تم کب تک سوتے رہو گے؟"

"چمن میں جاگ گیا ہوں۔ تابوت میں آخری کیل لگ گئی ہے بس اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو منصور؟"

"ہاں چمن۔"

"چمن تمہارے ساتھ ہے جس طرح چاہو گے حاضر ہوں۔ کبھی پیچھے نہ پاؤ گے۔ ہر خطرہ مول لے لوں گا تمہارے لئے۔ مگر منصور! شرافت کی زبان کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تم برے انسان مت بنو۔ لیکن برائی کو مٹانے پر تو کمربستہ ہو جاؤ کچھ کرنے کے لئے باہر تو نکلو۔"

"تم میری مدد کرو گے چمن؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ آزمالو۔"

"مجھے پستول چاہیئے۔"

"مل جائے گا۔ گاڑی کی بھی ضرورت ہو گی۔ وہ بھی مل جائے گی اور کہو؟"

"بس فی الحال یہی کافی ہے۔ یہاں اس عمارت میں فون ہے؟"

"ہاں موجود ہے۔" چمن نے جواب دیا۔

"میں تمہارا شکریہ نہیں ادا کروں گا چمن۔ کیونکہ یہ بیوقوف بنانے کا ایک گر ہو

ہے۔ تم میرے لئے جو کچھ کر رہے ہو۔ اگر زندگی رہی تو اس کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھو پارٹنر۔ ان باتوں کو جانے دو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم سے کوئی لالچ نہیں رکھتا۔ کوئی گہرا داؤ بھی نہیں...... بس تمہیں دیکھا اور دل نے تمہیں پسند کیا۔ ایک دوست کی حیثیت سے اور آدمی کو دل کی بات ماننے کا چانس ہو تو پھر وہ کیوں نہ مانے۔ بس خلوص ہی خلوص ہے تمہارے لئے اور خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔"

"ہاں چمن لیکن ایک بات سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دوں۔" میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرو۔"

"میں نے بارہا اپنی نحوست کو آزمایا ہے۔ جہاں جاتا ہوں وہاں میری نحوست میرے ساتھ جاتی ہے اور جو میرے اوپر احسان کرتا ہے یا مجھ سے مخلص ہو جاتا ہے وہ بھی نحوست کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔"

"واقعی؟" چمن ہنس پڑا پھر بولا "لاؤ ذرا ہاتھ آگے کرو۔" اور میں نے بے اختیار ہاتھ سامنے کر دیا۔ چمن میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "بے فکر رہو۔ یہ نحوست تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"دیکھو منصور۔ میں بذات خود تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔ جو تم چاہے کرتے رہنا لیکن کسی بھی خطرے کے وقت مجھے یاد رکھنا اور جہاں تک ممکن ہو مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ میں بڑی بات تو نہیں کہتا۔ لیکن اپنی بھی یاد اللہ کافی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"باقی اب تم جانو اور تمہارا کام۔ تمہاری ضرورت کی ساری چیزیں یہاں پہنچ جائیں گی۔ باقی تم خود ہوشیار ہو۔" چمن نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوپہر کا کھانا آ گیا اور کھانے کے بعد چمن نے ملازموں کو بلایا۔ دو عورتیں اور تین مرد تھے۔ اس نے انہیں ہدایت کی کہ اب میں یہاں رہوں گا۔ میرا پورا خیال رکھا جائے اور کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے مجھے۔

"میں ان کے سارے کام کر دیا کروں گی صاحب جی۔" عورتوں میں سے ایک نے کہا اور میں نے اس پر نگاہ ڈالی۔ سانولی سی اچھے نقوش کی مالک نوجوان لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ ہو گی۔

چمن نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ "اب سارے کام بھی مت کر

دینا۔ گھاٹے میں رہے گی۔"

"لو گھاٹا کیسا ہو گا۔ جتنی محنت کرو اتنی ہی جان بنتی ہے۔"

"تیری مرضی۔ تو جانے اور تیرا صاحب۔" چمن نے جواب دیا اور میں سنجیدہ رہا۔ اس وقت میں اس طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ میرے ذہن میں شدید انتشار تھا۔

چمن تھوڑی دیر تک میرے ساتھ رہا۔ پھر میرا شانہ تھپتھپا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں تقریباً آٹھ بجے تک یہاں پہنچوں گا دوست۔ رات کا کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" اس نے کہا اور پھر چلا گیا۔ میں ایک خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ایک بار پھر مجھے ایک بہتر ٹھکانہ مل گیا تھا۔ لیکن تقدیر کی کیسی ستم ظریفی تھی جب دو وقت کی روٹی بھی نہ تھی تو کوئی ہمدرد ایسا نہ ملا جو مجھے جائز اور حلال کی روٹی دیتا اور آج.........

بستر پر لیٹ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ذہن میں مسز جہانگیر کا ہیولا ابھر آیا۔ یہ عورت بے گناہ تھی اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یقیناً اسے مجبور کر دیا گیا ہو گا۔ میرے دل میں اس کے لئے کوئی برائی نہیں پیدا ہو پا رہی تھی۔ اصل لوگ۔ اصل لوگ آج بھی میرے خلاف تھے۔ نہ جانے کیا کدورت تھی انہیں۔ سیٹھ جبار مجھے قاتل بنانا چاہتا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لئے اس کے جال میں پھنس جاؤں اور کبھی نہ نکل سکوں لیکن برائی ہی اپنانی تھی تو پھر سیٹھ جبار کے ساتھ کیا ضروری تھا۔ قدم قدم پر بدی کے بیوپاری موجود تھے۔

نہ جانے میں کب تک سوچتا رہا۔ ایک بار فون کرنے کے بارے میں سوچا۔ لیکن پھر یہ فیصلہ ترک کر دیا۔ اس مکان کے فون سے کوئی ایسی بات کرنی مناسب نہیں تھی کوئی پبلک کال بوتھ اس کے لئے مناسب ہوتا۔ پھر دل میں خیال آیا تھا کہ سرخاب سے جا ملوں۔ اسے تسلی دوں۔ وہ مجھے جس قدر چاہتی ہے اس کے تحت۔ اسے بے خبر نہیں رکھنا چاہئے۔

لیکن جبر کرنا تھا' دل پر جبر کرنا تھا۔ اس کے بغیر چارہ [illegible] نہیں تھا۔ میں نے ساری کوششیں کر کے دیکھ لی تھیں۔ آنکھیں بند کر کے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

سامنے [illegible] والی وہی نوجوان ملازمہ کھڑی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے مجھے عجیب سے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بات کیا ہو گی سب کے سب ایک سے ہو۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" مجھے اس کے بھولپن سے دلچسپی محسوس ہوئی۔

"کوئی کام ہی نہیں ہے اس گھر میں اور ہم ٹھہرے چوبیس گھنٹے محنت کرنے والے۔ دوسرے سارے خوش ہیں کہ ہاتھ ہلانا پڑے نہ پاؤں۔ بس اپنے لئے کھانا پکاؤ اور تنخواہ الگ لو۔ ہم سے یہ نہیں ہوتا صاحب۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" میں نے پوچھا۔

"ارے کوئی کام بتاؤ نا ہمیں۔ ہم نے سوچا کہ تم آ گئے ہو اب کام دھندہ ضرور ہو گا۔ مگر تم بھی۔"

"کیا کام کرنا آتا ہے تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سارے کام صاحب جی! جھاڑو ہم دیں' جوتے پر پالش ہم کر لیں' روٹی ہم پکا لیں' کپڑے ہم دھولیں۔ ارے کون سا کام ہے جو ہم نہیں کر سکیں۔ پر کوئی کام تو ہو۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"حسینہ۔ ماں کا نام جمیلہ اور باپ کا شیخ جی ہے۔"

"واہ۔ ماں باپ ہیں تمہارے؟"

"ہاں ہیں تو۔ مگر دور ہیں۔ چھ بہنیں ہیں ہم اور میں سب سے چھوٹی ہوں۔ کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ شیخ جی چار چوٹ کی مار ماریں ہیں انہیں اور اچھا ہی کرے ہیں۔ کام کی نہ کاج کی۔ شادی کرنے کے لئے کوئی پوچھے نہیں ہے۔ کہاں سے کھلائیں؟ ہم نے تو [illegible] یہی سوچا ہے کہ کہیں دھندا کریں۔ سو ہم یہاں آ گئے۔"

"بڑا اچھا کیا حسینہ تم نے۔ کیا تنخواہ ملتی ہے؟"

"دو سو روپے۔ پورے کے پورے ابا کے پاس چلے جاویں اور ہمیں کرنا [illegible] ہے ان کا۔ ابا کا کام چلے گا۔" اس نے کہا اور میرے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ یہ معصوم بھی مسائل کا شکار ہے کون ہے یہاں جو کسی نہ کسی دکھ میں مبتلا نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے حسینہ۔ کوئی کام ہو گا تو تمہیں بتاؤں گا۔"

"سو رہے تھے آپ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"سر میں درد بھی نہیں ہوتا تمہارے۔"

"ایں۔ نہیں۔" میں نے اس انوکھے سوال پر کسی قدر گڑبڑا کر کہا۔

"ہوتا ہو گا جھوٹ بولتے ہو۔ سر کیسا ہو رہا ہے۔ جیسے سوکھا ببول' تیل ڈال دیں سر میں۔ اتنا اچھا دبائیں گے کہ نیند آ جائے گی۔"

"رہنے دو حسینہ۔ تمہیں زحمت ہو گی۔"

"تیل ڈالنے میں؟"

"ہاں اور کیا۔"

"بالکل نہیں ہو گی۔ ڈال دیں؟" وہ خوشی سے بولی۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے اگر منع کر دوں تو اسے رنج ہو گا چنانچہ میں نے گردن ہلا دی۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بندوق کی گولی کی طرح دروازے سے باہر نکل گئی۔ مجھے اس کی معصومیت پر ہنسی آنے لگی لیکن اس نے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تیل کی شیشی لئے اندر آ گئی۔ اطمینان سے میرے سرہانے آ بیٹھی اور پھر انتہائی بے تکلفی سے میرا سر اٹھا کر اپنے قریب رکھ لیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اس کے سراپا کا لمس میرے لئے عجیب تھا۔ رخسار تپنے لگے تھے۔ اس کے سراپا کی ہلکی سی بو میرے حواس پر مسلط ہو رہی تھی۔ لیکن پھر دماغ میں ایک ٹھنڈک کا احساس ہوا......... اور اس کے مشاق ہاتھوں کی جنبش نے ہر مدافعت کا احساس ختم کر دیا۔

وہ جی جان سے بے پرواہ ہو کر میرے سر میں مالش کر رہی تھی اور اس کا نوخیز سراپا میرے سانسوں سے پگھل رہا تھا۔

نہ جانے ذہن میں کیسے کیسے خیالات ابھرنے لگے۔ اس سے قبل کسی اجنبی لڑکی کا قرب نہیں ملا تھا۔ گلا خشک ہو گیا یوں لگا جیسے بخار ہو گیا ہو۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"اب ادھر کروٹ بدل لو۔" چند ساعت کے بعد اس کی آواز سنائی دی اور میں نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ میری نگاہ اس کے چہرے پر پڑی میں ایک دم چونک پڑا۔

اس کا حال میرے جیسا نہیں تھا۔ وہی پر سکون چہرہ اتنا ہی معصوم۔ اس پر وہی ازلی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ میرے جذبات ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس کی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔

"چھ بہنیں ہیں ہم اور میں سب سے چھوٹی ہوں۔ کام کی نہ کاج کی۔ شادی کے لئے کوئی پوچھے نہیں ہے۔" میری ذرا سی لغزش اسے زخمی کر دے گی۔ ہمیشہ کے لئے باپ کا بوجھ کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جائے گا پھر یہ سوچنا بھی چھوڑ دے گی کہ اس کی بھی شادی ہو گی اور یہ المیہ میری وجہ سے ہو گا۔ میری ذرا سی لغزش سے۔ نہیں میں تو خود ایک المیہ ہوں۔ میں تو خود زخمی ہوں کسی اور کو زخمی کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں بے اختیار اٹھ گیا وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر تو وہ مجھے گھورتی رہی...... پھر اس نے ہلہ بول دیا اور مجھے نیچے گرا کر بڑبڑانے لگی۔" اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے ہیں اور پورے سر میں خشکی بھری ہوئی ہے۔" اس نے تیل ہتھیلی پر ڈالا اور میرے بالوں پر ملنے لگی مجھے ہنسی آ گئی۔" اچھا نہیں لگ رہا؟" اس

نے پوچھا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے لیکن اب بس کرو۔ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔ لیکن حسینہ جب تک خود مطمئن نہ ہو گئی' اس نے مجھے نہیں چھوڑا اور اب صورت حال یہ تھی کہ میرے سر سے تیل بہہ بہہ کر پیشانی' رخساروں اور کانوں پر آ گیا تھا۔ میں نے گال پر آتے ہوئے تیل کو چھوا تو وہ جلدی سے اپنی میلی اوڑھنی سے تیل پونچھنے لگی...... حالانکہ اس سے ہلکی سی بدبو آ رہی تھی لیکن میں نے اعتراض نہ کیا اور اس نے بہتا ہوا تیل صاف کر دیا۔

"تمہارے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ہوا؟ دھو لیں گے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ' حسینہ۔ تم بہت اچھی ہو۔" میں نے کہا اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "پہلے بھی کسی کے تیل ملا ہے' تم نے؟"

"ابا جی روز تیل ملوایا کرتے تھے۔ اب ان سسریوں کی شامت آتی ہو گی۔ مار الگ پڑتی ہو گی اور دھندہ بھی کرنا پڑتا ہو گا۔ جب ہم وہاں تھے تو سارا کام ہم کرتے تھے صاب جی! اور وہ مسٹنڈیاں اینڈتی رہتی تھیں۔ اب مزے آتے ہوں گے۔ بابا ہمیشہ دعائیں دیتے ہوئے کہتے تھے کہ خدا تیرا مقدر اچھا کرے۔ آج انھی کی دعائیں تو کام آ رہی ہیں۔" اس نے کہا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ "کیا واقعی اس کا مقدر اچھا ہے؟" میں نے سوچا۔

"تیل رکھ آؤں صاب جی! ابھی آتی ہوں تھوڑی دیر میں۔"

"سنو حسینہ..... چائے بنانی آتی ہے تمہیں؟"

"ہاں صاب جی۔"

"تو میرے لئے عمدہ سی چائے بنا کر لے آؤ۔ میں ذرا نہانے جا رہا ہوں۔" میرا جملہ سن کر وہ خوشی سے اچھلتی ہوئی باہر نکل گئی..... غسل خانے کے آئینے میں' میں نے اپنا جائزہ لیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ حسینہ نے خوب ہی تیل ڈالا تھا۔ نہانے کے بعد میں نے وہی لباس پہن لیا اور باہر آ گیا۔

حسینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن چند ہی ساعت میں کمرے میں طوفان آ گیا۔ حسینہ بڑبڑاتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔" بس بس رہنے دے' کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو' جیسے مجھے کچھ آتا ہی نہیں۔ صاب جی..... صاب جی..." وہ چائے کی پیالی سنبھالے ہوئے اندر گھس آئی۔ پیالی سے چائے چھلک چھلک کر پلیٹ میں جمع ہو گئی تھی۔ حسینہ کے پیچھے پیچھے ایک ملازم اندر داخل ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"پی کر تو دیکھیں صاب جی۔ تم نے مجھ سے ہی کہا تھا نا' چائے بنانے کے لئے۔

دیکھو' یہ کریمو' پریشان کر رہا ہے مجھے۔"

"میرا قصور نہیں ہے صاب جی! یہ کسی کو کام ہی نہیں کرنے دیتی۔ چائے بنانی آتی نہیں ہے۔ نہ جانے کیا کر کے لائی ہے۔" ملازم نے کہا۔

"ارے واہ...... چائے بنانی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو صاب جی۔ یہ چائے نہیں تو اور کیا ہے...... تو ہٹ پیچھے۔"

"رہنے دو تم۔ میں دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا اور ملازم رک گیا۔ "تم جاؤ۔" میں نے اس سے کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"ذرا پی کر دیکھو صاب جی۔ کیا خرابی ہے' اس چائے میں۔ پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے' اپنے آپ کو۔ جیسے میں نے کبھی چائے نہیں بنائی۔" حسینہ بڑ بڑانے لگی۔ میں نے چائے کا رنگ دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ دودھ ہی دودھ تھا اور اوپر پتی تیر رہی تھی۔ ایک گھونٹ لے کر دیکھا تو مزا آ گیا۔ نمک اور شکر کی آمیزش نے چائے کو کیا خوب بنا دیا تھا۔ "کیسی ہے؟" حسینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک گلاس پانی اور لے آؤ۔" میں نے کہا اور حسینہ نے پھر چھلانگ لگا دی۔ میں نے جلدی سے چائے باتھ روم کے بیسن میں انڈیل دی اور جب وہ آئی تو میں نے خالی پیالی ہونٹوں سے لگا لی تھی۔ "بہت عمدہ چائے تھی۔" میں نے پیالی رکھ کر ہونٹ خشک کئے۔

"اور پانی..." حسینہ نے کہا۔

"ارے ہاں لاؤ' پانی بھی دو۔"

"اب نہیں۔ چائے کے بعد پانی نہیں پینا چاہئے۔ تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں۔"

"اوہ...... ہاں ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو حسینہ! مجھے کوئی ضرورت ہو گی تو تمہیں بتا دوں گا۔"

"اور کوئی کام نہیں ہے صاب جی۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"نہیں...... اگر کوئی کام ہوا تو تمہیں آواز دے لوں گا۔"

"مجھے ہی بلانا صاب جی۔ یہاں اور کوئی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔ اس تھوڑی سی تفریح سے موڈ کسی حد تک خوشگوار ہو گیا تھا۔ بہرحال' تھوڑی دیر بعد میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ پبلک کال بوتھ کی تلاش میں کافی دور تک جانا پڑا تھا اور پھر ایک جگہ بوتھ نظر آ گیا۔ ایک میڈیکل سٹور کے سامنے تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ چند ہی ساعت کے بعد سرخاب کی آواز سنائی دی تھی اور اس آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"ہیلو...... کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"سرخاب...... میں منصور ہوں۔"

"اوہ منصور بھیا! آپ...... آپ کہاں ہیں۔ آپ......" سرخاب کی آواز سسکیوں ں بدل گئی۔

"مجھے یقین ہے سرخاب! تم اس طرح رو کر میرے حوصلے پست نہیں کرو گی۔"

"مگر آپ کہاں ہیں؟"

"ایک محفوظ جگہ پر ہوں۔ میرے لئے فکر مند مت ہونا۔"

"جو کچھ میں نے سنا ہے' کیا وہ ٹھیک ہے؟"

"کیا سنا ہے تم نے؟"

"آپ گرفتار ہو گئے؟"

"ہاں اور رہا بھی ہو گیا۔"

"رہا ہو گئے مگر اب کہاں ہیں؟"

"بہت جلد تمہیں اس بارے میں بتاؤں گا...... پروفیسر کہاں ہیں؟"

"ابھی تک نہیں آئے۔"

"کوئی اطلاع؟"

"کوئی بھی نہیں...... میں بہت پریشان ہوں۔ رات کو ایک خاتون بھی آئی تھی۔"

"رات کو؟ کون تھیں؟"

"آپ کی فرم کی ڈائریکٹر مسز جہانگیر۔ آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ بہت شان دکھائی دے رہی تھیں' بے چاری۔ کافی دیر تک بیٹھی آپ کا انتظار کرتی رہیں اور یہ کہہ کر چلی گئیں کہ صبح' آپ کو دفتر نہ آنے دیا جائے۔ آپ کے لئے سخت خطرہ ہے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی انہوں نے اس خطرے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور جبھی میں پریشان ہوں۔ راشدہ بھی دن میں آئی تھی اور آپ کی گرفتاری کی خبر اسی نے دی وہ آپ کے لئے بہت روئی ہے بھیا لیکن مجھے بتائیں میں کیا کروں؟ ڈیڈی بھی موجود ہیں۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"میں رہا ہو چکا ہوں سرخاب! کیا میرے اوپر ایک احسان کر سکتی ہو؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں' منصور بھیا؟"

"اب میرے لئے پریشان نہ ہو۔ دیکھو سرخاب! تم اس بات سے انکار نہیں کر کہ میں نے پروفیسر سے تعاون کیا ہے۔ میری روح کے زخموں سے بھی تم ناواقف ۔ طارق جیسے لوگ کھلم کھلا اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ میری ماں اور بہن کے مالک ہیں اور اگر میں ان کی غلامی قبول کر لوں تو مجھے جینے کا حق دیا جا سکتا

ہے۔ بہت سی باتیں ہیں سرخاب! جو تفصیل سے تمہیں بتانی ہیں۔ فون پر نہیں بتا ک
یوں سمجھ لو کہ مجھ پر شرط عاید کی گئی کہ میں ایک شخص کو قتل کر دوں۔ ظاہر ہے سرخاب
میں قاتل نہیں بننا چاہتا تھا اس لئے مجھے گرفتار کروایا گیا۔ کیا اب بھی میں صبر کروں؟"

"کس نے گرفتار کرایا ہے بھیا؟"

"میرے دیرینہ دشمنوں نے۔"

"لیکن میں نے سنا ہے بلکہ مجھے راشدہ نے بتایا ہے کہ آپ پر پندرہ ہزار رو
کی چوری کا الزام آپ کی فرم کی مالکہ نے لگایا ہے؟"

"ہاں۔ اس بے بس عورت کو تختہ مشق بنایا گیا ہے ورنہ وہ رات کو تم سے
کیوں آتی؟"

"پر اب بھیا......"

"مجبوری ہے سرخاب! یقین کرو بالکل مجبور ہوں' طریقہ کار بدلے بغیر کام نہ
بنے گا۔ پروفیسر سے معذرت کر لینا' کہنا میں سخت شرمندہ ہوں لیکن اور کوئی چارہ کار بھی
نہیں تھا اور اب سرخاب!" میری آواز میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ چند لمحے میں کچھ
بول سکا۔ سرخاب بھی خاموش رہی تھی۔" اب سرخاب' حالات بدلنے پڑیں گے۔ عملی
میں آئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اب میرے لئے میدان عمل میں آنا امر مجبو
ہے...... ورنہ میں پروفیسر کے افکار سے انحراف نہ کرتا۔"

جواب میں سرخاب کی سسکیاں گونجتی رہی تھیں۔

"روؤ مت سرخاب! میری بہن' مجھے تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔
برے راستے پر نہیں جا رہا ہوں بلکہ برائی کے سدباب کے لئے قدم اٹھا رہا ہوں۔ تم
کرو' سرخاب! فریدہ کا کیا حال ہوا ہو گا۔ میری بوڑھی ماں کے آنسو روتے روتے خشک
چکے ہوں گے۔ ان کے لئے۔ میری ہمت بندھاؤ۔ تم میری زندگی میں بہت بڑا مقام ر
ہو۔"

"بھیا...... وعدہ کرو کہ اگر زمین تم پر تنگ ہو جائے تو تم اس گھر کو اپنی پناہ
بناؤ گے۔"

"ہاں سرخاب! اگر ماں اور بہن کی تلاش میں جان دینا پڑی تو...... تو سرخا
تمہاری آغوش میں آ کر مروں گا۔ وعدہ...... اب فون بند کر رہا ہوں۔ تم سے رابطہ رک
گا...... خدا حافظ۔" میں نے اس کی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں اس کی س
برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

میں اپنی رہائش گاہ پر واپس آ گیا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے چمن پہنچ گیا
ایک عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا اور بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا میرے نز

کر بیٹھ گیا۔

"اپنا کاروبار بھی خوب ہے اور ہاں وہ تمہارا بھائی کچھ بیمار ہو گیا ہے۔ دو تین دن
ے کام پر نہیں آیا۔ آج اسے پوچھنے بھی گیا تھا۔

"کون' ایاز؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں......"

"اوہ...... کیا بیمار ہے؟"

"یہ تو معلوم نہ ہو سکا۔ میری تجویز ہے کہ اسے بھی اپنے ساتھ یہاں لے آؤ۔
ہارا دل بھی بہل جائے گا۔ میں اسے منع کر دوں گا کہ وہ دو چار ماہ کام پر نہ آئے۔"

"کیا کیا کرو گے چمن میرے لئے۔ میں تمہارے ان احسانات کا بدلہ کس طرح
ؤں گا؟ کیا اس کے یہاں آنے سے تمہارا نقصان نہیں ہو گا۔"

"آج کے بعد اس قسم کی بات نہ کرنا' منصور! ہاں سمجھ لو' میں بھی سیٹھ جبار کا
زوال چاہتا ہوں۔ یہ تمہارا ہی نہیں' میرا بھی مشن ہے اور اس کار خیر کے لئے میں اپنی
آخری پونجی بھی داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

"چمن......" میں حیران رہ گیا۔

"اس سے زیادہ تمہیں اور کچھ نہیں بتا سکوں گا منصور...... مجھے امید ہے کہ تم
مجھ سے تعاون کرو گے۔" چمن نے کہا اور اپنی جیب سے ایک پستول اور کارتوسوں کے کچھ
بنڈل نکال کر میز پر ڈال دیئے۔ میں اس شخص کو بغور دیکھ رہا تھا۔ چمن میری نگاہوں میں
بے حد پراسرار ہو گیا تھا۔

"باہر کار کھڑی ہے۔ اسپورٹس کار ہے۔ بالکل فرسٹ کلاس کنڈیشن میں۔ اگر
کبھی اس کی نگاہوں میں آ جائے تو بلا تامل ضائع کر دینا۔ دوسری فراہم کر دی جائے گی۔ یہ
اس کی چابی ہے۔"

"شکریہ چمن۔"

"بس اب کھانے کے لئے کہہ دو تاکہ کھانا کھا کر میں جاؤں اور ہاں یہ کچھ رقم
بھی رکھ لو۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ جب پارٹنرشپ میں کام ٹھہرا تو پھر یہ باتیں کوئی
حیثیت نہیں رکھتیں۔"

"میں اب اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ ٹھیک ہے' مجھے اس کی بھی
ضرورت ہے۔" میں نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے۔ "اور ہاں اگر تم اجازت دو تو میں
آج ہی ایاز کو یہاں لے آؤں۔"

"ضرور لے آؤ۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔" چمن نے جواب دیا۔

میں نے حسینہ کو بلا کر کھانا لگانے کے لئے کہا اور چمن اس کے جانے کے بعد ہنس پڑا۔

"اس نے تمہارے سارے کام کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"مظلوم لڑکی ہے چمن۔ حالات کی ستائی ہوئی۔ کیا تم اس کے بارے میں نہیں جانتے؟"

"کوئی خاص بات ہے کیا۔ بس ایک ملازم اسے یہاں لے آیا تھا۔ ظاہر ہے، مجھے اس کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔" اور میں نے مختصراً حسینہ کے بارے میں اسے تفصیل بتا دی چمن نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "یہ دنیا ہی ساری دکھوں کا گھر ہے۔ کوئی دل صاف نہیں ہے۔ ہر چہرہ ایک دکھ چھپائے ہوئے ہے کس کس کو دیکھو گے۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے منصور کہ اس پوری دنیا کو بدل دیا جائے۔ کوئی سرمایہ دار ہے تو ہمیں اس کی دولت مندی سے کوئی پرخاش نہیں ہے لیکن دولت کے ڈھیر پر بیٹھ کر دوسرے کو حقارت سے دیکھنا اور ان کی زندگی تلخ کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔ ان لوگوں کے خلاف تو جہاد کیا جائے۔ بڑا نیک کام ہو گا۔"

"کھانا لگ گیا ہے صاب جی۔" حسینہ نے آ کر اطلاع دی اور ہم کھانے کے لئے اٹھ گئے۔

کھانا کھانے کے بعد چمن اٹھ گیا۔

"اچھا بھئی، اب ہمیں اجازت...... اور ہاں میں زیادہ یہاں نہیں آیا کروں گا، البتہ روزانہ ساڑھے نو بجے فون پر ہی بات ضرور ہونی چاہیئے تا کہ ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی رہے..... اوکے، خدا حافظ۔" چمن چلا گیا۔

میں خاموشی سے اسے جاتے، دیکھتا رہا...... اور پھر میں اس کی گفتگو کے بارے میں سوچنے لگا۔ کاش مجھے ان میں سے ایک بھی انسان اس وقت مل جاتا، جب میں سیٹھ جبار کے چنگل میں نہیں پھنسا تھا۔

"اندر آ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ آئینے میں خود کو دیکھا۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی ہو جائے تو اچھا ہے۔ کل دن میں اس کے لئے بندوبست کروں گا۔ پستول میں نے احتیاط سے رکھ لیا اور اس کے بعد کار کی چابی لے کر باہر نکل آیا۔ باہر سیاہ رنگ کی اسپورٹس کار کھڑی تھی اور اس کے بارے میں چمن نے کہا تھا کہ اگر کسی کی نگاہوں میں آ جائے تو اسے ضائع کر دیا جائے۔

میں نے کار اسٹارٹ کی اور باہر نکل آیا۔ پونے دس بجے تھے۔ سڑکیں پر رونق تھیں۔ تھوڑی دیر میں ادھر ادھر چکر لگاتا رہا پھر تقریباً ساڑھے دس بجے میں نے مسز جہانگیر کی کوٹھی کا رخ کیا...... مسز جہانگیر کی کوٹھی شہر کے ایک پرسکون علاقے میں تھی۔ پورا علاقہ سنسان پڑا تھا۔ کار میں نے عمارت سے کافی دور روک دی اور پھر اسے لاک کر کے پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

اس وقت گیٹ سے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں نے اطمینان سے چار دیواری پھلانگی اور اندر داخل ہو گیا۔ عمارت کے بہت سے حصے روشن تھے۔ چونکہ یہ عمارت میرے لئے اجنبی نہیں تھی اس لئے میں اطمینان سے مسز جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ عین اسی وقت ایک ملازمہ اندر سے نکلی اور میں پھرتی سے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ ملازمہ ایک طرف چلی گئی تو میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ مسہری پر نیم دراز تھی، ایک خوب صورت ریشمی چادر اس کے بدن پر تھی۔ نزدیک ہی دودھ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ چھت پر نگاہیں جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔

میں چند قدم آگے بڑھا اور مسز جہانگیر چونک پڑی۔ اس نے گردن گھمائی اور ایک لمحے کے لئے دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اب اس کا چہرہ پر سکون نظر آنے لگا تھا۔

"آؤ منصور...... انتقام لینے آئے ہو گے۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔

میں خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"ملازمہ دودھ دے کر جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ میں خواب آور گولیاں کھا کر سویا کرتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی ملازم ادھر نہیں آتا، جو کچھ کرنا چاہو سکون سے کرو۔ کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تفصیل بتائیں گی لیڈی صاحبہ!" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیسی تفصیل...... جھوٹا الزام تھا۔ بس شیطان نے بہکا دیا تھا۔ ان باتوں میں جانے سے کیا فائدہ۔ کس ارادے سے آئے ہو؟"

"کہا نا..... تفصیل معلوم کرنے۔"

"بے کار ہے۔ اپنا کام کرو۔ رحم دلی سے کام لیا تو کل صبح پھر پولیس کو فون کروں گی کہ تم میرے کمرے میں قاتلانہ حملے کی نیت سے آئے تھے۔ تمہاری ضمانت ضبط ہو جائے گی، سمجھے..... اور پھر شاید دوبارہ تمہاری ضمانت نہ ہو سکے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"پروفیسر شیرازی کی کوٹھی پر کیوں گئی تھیں آپ؟"

"ڈراما مکمل کرنے کے لئے...... تا کہ تم میرے اوپر شبہ نہ کر سکو۔ گرفتار تو تمہیں ہونا ہی تھا۔" مسز جہانگیر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن اس کی آنکھوں کی نمی اس کے دلی جذبات کی چغلی کھا رہی تھی۔

"بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گی، لیڈی صاحبہ!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"چور راستوں سے آنے والے کسی بات کی اجازت کے محتاج نہیں ہوتے۔"

"سامنے کا راستہ مخدوش تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو میرے یہاں آنے کی اطلاع ہو۔" میں نے کہا۔

"کیوں....؟"

"آپ تو جانتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تب آپ شاید بھول رہی ہیں۔ آپ نے مجھے طارق کے بارے میں بتایا تھا، لیڈی صاحبہ جس وقت میں گرفتار ہوا تھا۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ آپ کی کسی مجبوری نے آپ کو اس اقدام پر مجبور کیا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل میں آپ کے لئے کوئی برا خیال نہیں آیا اور بعد کے حالات نے میرے اس خیال کو یقین میں تبدیل کر دیا۔ ایک مجبور شخص دوسرے کی مجبوری بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے لیڈی صاحبہ ! آپ کیوں بھول گئیں۔"

"بعد کے حالات کون سے؟" لیڈی جہانگیر کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

"آپ نے اس وقت پولیس کو تحریری بیان نہیں دیا تھا۔ کیا صرف اس وجہ سے نہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے میری ضمانت ہو جائے اور پولیس کے لئے ضمانت کی گنجائش رہے؟" میں نے سوال کیا۔

لیڈی جہانگیر کے ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا۔

وہ سسکیاں لینے لگی۔ "تم اس انداز میں کیوں سوچ رہے ہو۔ کیوں مجھے فرشتہ سمجھ رہے ہو۔ میں نے تم پر پندرہ ہزار روپے کی چوری کا الزام لگایا ہے۔ جھوٹا اور بے بنیاد الزام' خود کو بچانے کے لئے۔ یہاں ہر شخص یہی کرتا ہے۔ بڑے بڑے دعوے کرتا ہے۔ لیکن اپنے مفاد کے لئے دوسروں کو ذبح کر دیتا ہے۔ دیکھ لو' میں نے کس آسانی سے تمہیں دنیا کی نگاہوں میں ذلیل کرا دیا۔ نہ خود فرشتہ بنو' نہ دوسروں کو فرشتہ سمجھو۔ مجھ سے انتقام لو منصور ! مجھ سے انتقام لو۔ مار ڈالو مجھے..... میری صورت بگاڑ دو۔ جو دل چاہے کرو۔ فرشتہ بن کر تم اس دنیا سے کچھ نہیں حاصل کر سکو گے۔ مجھ سے انتقام لو۔ مجھ سے انتقام لو۔" اس پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور جب وہ خوب روئی تو میں آہستہ آہستہ اس کے قریب ہو گیا۔ "میں انتقام ضرور لوں گا مسز جہانگیر لیکن تم سے نہیں..... تم تو محض آلۂ کار ہو۔ مجرم تو کوئی اور ہے۔"

"نہیں مجرم میں ہوں آہ..... مجرم میں ہوں۔"

"خدا کی قسم...... نہ میں اس وقت آپ کو مجرم سمجھا اور نہ اب سمجھتا ہوں۔

آپ کے پاس ایک دوسرے مقصد کے تحت آیا ہوں۔ براہ کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔" میں نے بے اختیار آگے بڑھ کر مسز جہانگیر کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور مسز جہانگیر نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اتنی زور سے مجھے بھینچ لیا کہ جس کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

"منصور..... منصور ! میں بے گناہ ہوں۔ میں مجبور تھی۔ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔ یقین کرو' انتہائی بے بسی کے عالم میں' میں نے یہ قدم اٹھایا تھا منصور!" وہ میرا شانہ بھگوتی رہی۔

میں اسے تسلیاں دے رہا تھا اور جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ آہستہ سے علیحدہ ہو گئی۔ مجھے دیکھتی رہی پھر درد بھرے لہجے میں بولی۔ "تم اتنے نیک طینت کیوں ہو منصور! کیوں نہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے۔ تم تو مضبوط ہو' نوجوان ہو۔"

"میری فطرت برائیاں نہیں قبول کرتی لیڈی صاحبہ ! آپ یقین کریں۔ زندگی مجھ پر اجیرن کر دی گئی ہے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں........... کہ میں ان لوگوں کے خلاف میدان عمل میں اتر آؤں اور اس کٹھن راستے میں مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"منصور..... کیا تم اب بھی مجھ پر بھروسہ کرو گے۔" وہ بولی۔

"کیوں نہیں.......... ابھی آپ کے اندر کی انسانیت مری نہیں ہے۔"

"میرے پاس کافی دولت' جائداد اور بہت بڑا کاروبار ہے۔ اسے داؤ پر لگا دو۔ سب کچھ لٹا دو مگر ان لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ خدا کی قسم جو کچھ کہہ رہی ہوں' پورے ہوش و حواس میں ہی کہہ رہی ہوں۔"

"لازماً مجھے مالی امداد کی ضرورت بھی پڑے گی۔ میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ صرف سیٹھ جبار ہی نہیں' اس جیسے دوسرے لوگوں کے خلاف بھی مہم شروع کروں گا۔ میں ایک تحریک شروع کروں گا۔ ایسے لوگوں کے خلاف.......... لیکن اب میں ایک ذاتی بات پوچھنا چاہتا ہوں مجھے امید ہے' آپ مجھ سے کچھ چھپائیں گی نہیں۔ طارق کے پاس آپ کی ایسی کون سی کمزوری تھی جس نے آپ کو اس حد تک مجبور کر دیا تھا؟"

"ایک تحریر۔ تصویروں کا ایک پیکٹ اور ایک کیسٹ' جس پر میری آواز ٹیپ کر لی گئی ہے۔"

"آپ کو اس کی رہائش گاہ معلوم ہے؟"

"وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ کسی ایک جگہ نہیں رہتا۔ کئی ٹھکانے ہیں' اس کے۔ میں تمہیں دو پتے دے سکتی ہوں۔"

"میں ایک فون نمبر دہراتا ہوں۔ آپ بتائیے' یہ کہاں کا ہے؟" میں نے کہا اور

وہ فون نمبر دہرا دیا جو مجھے طارق نے بتایا تھا۔

"ہاں... یہ ایک فلیٹ کا نمبر ہے۔ کوئین اسکوائر کا فلیٹ نمبر اٹھارہ۔ اکثر وہ وہاں بھی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹریٹ پیلس کے علاقے میں بنگلہ نمبر نو بھی اس کی ملکیت میں ہے۔ بس مجھے یہ دو پتے معلوم ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر میں ان دو پتوں پر اسے نہ پا سکا تو پھر میں آپ کو ایک اور تکلیف دوں گا۔"

"تم بلا تکلف ہر بات مجھ سے کہہ سکتے ہو۔ میں دل و جان سے تمہاری مدد کروں گی۔"

"آپ اسے اپنے پاس بلا کر مجھے اطلاع دیں.............. بس اتنا سا کام ہے' آپ کے ذمے۔"

"کہاں' تم کہاں ہو گے؟"

"میں غالباً کل تک اپنے ٹھکانے سے مطلع کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔"

"مجھے اجازت دیں۔"

"بیٹھو منصور اگر جلدی نہ ہو تو چائے پی کر جاؤ۔ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

"یقین کریں' بالکل طلب نہیں ہے۔"

"پروفیسر شیرازی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"صرف شرافت کا رشتہ ہے۔ میں نے انتہائی نامساعد حالات میں ان کے ہاں پناہ لی تھی اور وہ میرے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بڑی مدد ملی ہے' مجھے اس گھر سے لیکن ان حالات میں' میں نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آپ سرخاب کے پاس گئی تھیں؟"

"ہاں......" مسز جہانگیر نے گردن جھکا لی۔ "طارق نے مجھ سے کہا کہ تمہیں گرفتار کرا دوں۔ میں اس سے تو کچھ نہ کہہ سکی لیکن اس خیال سے گئی تھی کہ تم دوبارہ میرے پاس نہ آؤ اور پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکو لیکن تم نہ مل سکے۔"

"طارق سے ایک چوک ہوگئی۔ انسپکٹر کو سیٹھ جبار کا حوالہ نہ مل سکا ورنہ وہ میری ضمانت منظور نہ کرتا۔ بہرحال اب مجھے آپ کے تعاون اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ خدا حافظ۔"

میں جس راستے سے گیا تھا اسی راستے سے واپس آگیا۔ اب میرا دوسرا کام ایاز سے ملاقات تھا۔ ایاز قابل بھروسہ اور جاں نثار نوجوان تھا۔ میں اس سے بھی کام لے سکتا تھا۔ ویسے انسپکٹر کی چالاکی مجھے پسند آئی تھی.... اس نے ایک خطرہ مول لے کر دوسرا بڑا

خطرہ ٹالا تھا اور بلا شبہ چمن سے اپنے تعلقات نبھائے تھے۔

ایاز کے مکان سے تھوڑے فاصلے پر کار روک کر میں اس کے مکان پر پہنچ گیا۔ کافی دیر تک دستک دینے کے بعد ایاز نے دروازہ کھولا... وہ ایک چادر لپیٹے ہوئے تھا اور اس رات بھی اسے بخار تھا لیکن مجھے پہچان کر کھل اٹھا۔

"ارے منصور بھیا۔ آؤ۔ خیریت...... اس وقت؟"

"چمن نے مجھے بتایا تھا کہ تم بیمار ہو۔"

"ارے ہاں.... سالا ملیریا ہو گیا تھا۔ آؤ اندر آ جاؤ۔" ایاز نے پیچھے ہٹ کر کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔

"اب تم کیسے ہو؟"

"بس بخار ہے اور انسان تنہا ہو تو بیماری شیر ہو جاتی ہے۔ تم کچھ دیر بیٹھو گے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں ایاز۔" میں نے کہا۔

"چلو تیار ہوں۔ کوئی کام ہے؟"

"ہاں' بس اپنے کپڑے وغیرہ جمع کر لو' جو چیزیں لے جانا چاہتے ہو' وہ ساتھ لے لو۔"

"اوہ............ کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے۔"

"نہیں.......... لیکن تم میری رہائش گاہ پر اب میرے ساتھ ہی رہو گے۔ میں نے سب کچھ شروع کر دیا ہے ایاز! جو تم اور دوسرے بہت سے لوگ چاہتے تھے۔"

"یعنی.....؟"

"اپنے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ اور اب ہم دونوں میں سے ایک کا وجود رہے گا۔ صرف ایک کا۔" میں نے کہا اور ایاز خوشی سے اچھل پڑا۔

"یہ بات ہے تو ایاز بھی تمہارے ساتھ ہی جان دے گا بھیا۔ ایسی تیسی ان سالوں کی..... ایاز کو نہیں جانتے ابھی۔ بس ابھی تیار ہوتا ہوں۔ بس کسی وقت استاد کو بتا دینا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تمہاری بات نہیں ٹالے گا۔" ایاز نے چادر اتار کر پھینک دی اور جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

ایاز کو لے کر میں تقریباً بارہ بجے اپنی رہائش گاہ پر واپس پہنچا۔ ایاز نے اس عمارت کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یقیناً اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے بھی فوری طور پر اسے کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی اور ایاز بیمار بھی تھا اس لئے پہلے میں نے اس کے آرام کا بندوبست کیا۔ اپنے ہی بیڈروم میں میں نے اس کا بستر بھی لگایا تھا۔ ملازم سو چکے تھے۔ اس لئے اس وقت انہیں تکلیف

دینا مناسب نہیں سمجھا۔ ایاز کو میں نے آرام سے لٹا دیا۔

"کوئی دوا وغیرہ پی تم نے؟"

"استاد چمن نے فقیرو کو بھیجا تھا اور فقیرو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ ایک انجکشن تو ڈاکٹر نے ضرور لگایا تھا لیکن منصور بھیا! دوا پینے کی اپنے کو کبھی عادت نہیں رہی اور پھر کچھ دن آرام کرنے کو بھی جی چاہ رہا تھا۔ بس یہ بیماری ہی ایسی دوست ہے جو کچھ روز آرام کرنے کا موقع دے دیتی ہے' ورنہ اپنی ڈیوٹی تو سال کے تین سو پینسٹھ روز کی ہے' کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔"

"یوں بھی تو تمہاری چھٹی ہی رہتی ہے' کون سا ہل چلانا پڑتا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہائے کن خوش نصیبوں کی بات کر رہے ہو بھیا۔ جو دن بھر ہل چلاتے ہیں رات بھر سکون سے سوتے ہیں۔ ان سے زیادہ خوش نصیب انسان تو روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے۔ کتنا سکون ہے۔ ان کی زندگی میں...... اور یہاں دن رات لوگوں کی بددعائیں لیتے ہیں۔ سکون کہاں سے ملے؟ لوگ نہ جانے کتنی محنت سے روپیہ کماتے ہیں۔ نجانے ان کی کون کون سی ضرورتیں ہوتی ہیں' جنہیں ہم پامال کر دیتے ہیں۔ یقین کرو بھیا' رات کو ضمیر کی چیخیں برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اکثر ساری رات جاگتے گزر جاتی ہے۔ بس یہی بیماری کے چند روز ہوتے ہیں جو سکون سے گزر جاتے ہیں۔ انہیں بھی دوا پی کر غارت کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟"

"جیب تراشی کیوں کرتے ہو ایاز؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں خود نہیں بتا سکتا بھیا کہ میں جیب تراشی کیوں کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا اور اگر کرنا بھی چاہوں تو...... شاید نہ کر سکوں۔ استاد چمن کہاں چھوڑے گا۔ اس کے بعد ساری زندگی جیل ہی میں گزرے گی۔" ایاز نے جواب دیا۔

"تم نے کبھی چمن سے اس کا تذکرہ نہیں کیا؟"

"اب زندگی اتنی بری بھی نہیں لگتی مجھے۔" ایاز نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہرحال' ایاز...... میں چاہتا ہوں کہ اب تم یہاں کچھ روز میرے ساتھ گزارو۔ میں اپنی مہم کا آغاز کر چکا ہوں اور اس وقت تم تنہا راز دار ہو۔ جس سے میں دل کی ہر بات کر سکتا ہوں لیکن کیا تم دل سے میرے لئے کام کرنا پسند کرو گے ایاز؟"

"یہ بھی پوچھنے کی بات ہے بھیا۔ کیا تمہاری نظر میں ایاز قابل اعتبار نہیں ہے۔؟"

"بات اعتبار کی نہیں۔ اگر اعتبار نہ ہوتا تو میں تمہیں اپنے پہلے ساتھی کی حیثیت سے کیوں منتخب کرتا لیکن تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ میں جو کھیل شروع کر رہا ہوں۔ اس میں ہر قدم موت کی جانب ہو گا۔ تمہارے ہاتھوں کوئی قتل بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اس لئے پہلے سے بتا رہا ہوں کہ تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکو۔ اگر تم انکار کر دو گے تو مجھے کوئی صدمہ نہ ہو گا۔ یہ سب کچھ مجھے بھی پسند نہیں ہے' ایاز! لیکن دل کی آگ بجھائے نہیں بجھتی۔ میں اپنی ماں اور بہن کو نہیں بھول سکتا۔ بولو ایاز! خدا کو گواہ کر کے مجھے سچی بات بتاؤ۔"

"اگر تم سچی بات ہی سننا چاہتے ہو تو سنو کہ تمہاری بہن میری بہن ہے۔ تمہاری ماں میری امی ہیں۔ میں تمہارے مشن میں برابر کا شریک ہوں۔ میں بھی ان لوگوں سے انتقام لینا چاہتا ہوں' جنہوں نے منصور اور ایاز کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے بھیا کہ میں نے دنیا میں ماں اور بہن نہیں دیکھیں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ نجانے کیوں زندگی گزارتا ہوں۔ نجانے کس کے لئے زندہ ہوں۔ اب میرے سامنے زندگی کا کوئی مقصد تو ہو گا۔ اگر انسان کی زندگی میں کوئی مقصد ہو تو خود اس کی اپنی نگاہوں میں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ یہ احساس مجھے آج ہوا ہے۔ میں اب استاد چمن سے بھی لڑ جاؤں گا۔ کسی کی نہیں مانوں گا۔" ایاز کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں اس کے جذبات سے خود بھی متاثر ہوا تھا۔ "تقدیر کی بات ہے' ایاز۔ ایک وقت ایسا تھا' جب میری پھٹی ہوئی آنکھیں' سہما ہوا دل چاروں طرف کسی ہمدرد' کسی سہارا دینے والے کی تلاش میں تھا اور ایک بھی انسان نہیں مل سکا تھا۔ اس زمین پر۔ ہر شخص اجنبی تھا۔ اگر اس وقت مجھے ایک شیرازی' ایک ایاز' ایک چمن یا ایک لیڈی جہانگیر مل جاتی تو...... تو میں اس زمین پر سر اٹھا کر چلنے والوں میں سے ایک ہوتا۔ میں اپنے وطن کی زمین کے سینے پر گناہ کا بوجھ نہ ہوتا۔ لیکن تقدیر یاور نہ تھی' کوئی نہیں ملا اور جو ملا اس نے شرافت ہی چھین لی۔ وہ ارادے چھین لئے جو سینے میں مچل رہے تھے۔ ماں اور بہن چھین لیں۔ داغ ہی داغ بھر دیئے پورے وجود میں...... اور اب ہر داغ سلگ رہا ہے۔ ہر زخم لہو دے رہا ہے۔ اگر آج بھی میری ماں اور بہن مجھے واپس کر دی جائیں تو میں اپنے ماضی کی طرف لوٹ جاؤں گا۔ مجھے برا آدمی بننے کا شوق نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں' لوگ مجھے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے جانیں لیکن اب یہ سوچ صرف ہونٹوں پر ایک کرب ناک ہنسی بن جاتی ہے۔ میں اور مجھ سے متعلق ہر شخص مایوس ہو چکا ہے۔ کوئی دعوے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے میری کھوئی ہوئی جنت لوٹا دے گا۔ تقدیر مجھے برا دیکھنا چاہتی ہے ایاز تو میں کیا کروں۔ میں ان دونوں کے بغیر قبر میں بھی نہیں جا سکتا۔ شاید میں قبر میں بھی سکون نہ پا سکوں گا۔ ایک بار پھر سوچ لو ایاز! میں تمہاری زندگی میں......"

"منصور بھیا! جو کچھ میں نے کہا' کیا تمہیں اس میں خلوص اور ارادے کی پختگی نظر نہیں آئی۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور جب تک رگوں میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے........ میں انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا۔"

"تو عظیم ہے ایاز! میرا قابل اعتماد دوست۔ میرا دست راست۔" میں نے ایاز کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی آنکھیں پونچھ دیں۔ ایاز مسکرانے لگا تھا۔ "میں نے چمن سے بھی تیرے لئے بات کر لی ہے۔ اس نے خوشی سے تجھے میرے ساتھ کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اوہ........ یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ اس سے بگاڑنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"بگاڑنے کی بات کر رہے ہو ایاز! چمن نے میری بہت مدد کی ہے۔ یہ عمارت بھی اسی نے دی ہے' مجھے۔"

ایاز کے چہرے پر حیرت کے نقوش نظر آنے لگے پھر اس نے کہا۔ "کچھ بھی کہو منصور بھیا۔ تمہاری شخصیت میں ایک انوکھی کشش ہے۔ میں خود بھی اس کشش کا شکار ہوا ہوں۔ اور نہ جانے کتنے اور ہوں گے۔"

ایاز سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر میں نے اسے سونے کی ہدایت کی اور اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں البتہ دیر تک جاگتا رہا تھا۔ صبح کو ہم دونوں بہت دیر سے اٹھے۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اتفاق سے میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ میں نے حسینہ کا چہرہ دیکھا........ مجھے جاگتا دیکھ کر وہ اندر آ گئی۔ وہ بے اختیار ہنس رہی تھی' منہ میں کپڑا ٹھونس رہی تھی لیکن ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کیا ہو گیا تجھے؟" میں نے پوچھا اور حسینہ ہنس ہنس کر دہری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "ضرور تو پاگل ہو گئی ہے' حسینہ....."

"جو دیکھے گا' پاگل ہو جائے گا۔" حسینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "رات کو تم اکیلے سوئے تھے۔"

"تو پھر؟"

"رمضو کی بیوی کے ہاں لڑکا ہوا تھا مگر وہ اتنا سا تھا۔ بالکل اتنا سا.............. اور تمہارا لڑکا راتوں رات جوان ہو گیا۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ لیکن میں نے اس ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"بری بات ہے حسینہ! تم لڑکی ہو۔ ایسی بے ہودہ باتیں تمہیں نہیں کرنی چاہئیں۔ لوگ تمہیں اچھی لڑکی نہیں سمجھیں گے' جب کہ تم اچھی لڑکی ہو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

حسینہ کی ہنسی رک گئی۔ اس نے جھینپی جھینپی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا اور لی۔ "کیا بہت بری بات کہی ہے میں نے؟"

"ہاں........"

"ٹھیک ہے' اب ایسی بات نہیں کروں گی۔ اگر میرے منہ سے کوئی بری بات ل جائے تو مجھے ٹوک دیا کرو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ یہ میرا دوست ایاز ہے' اب ہمارے ساتھ ہی رہا کرے گا..... ر ایاز! یہ حسینہ ہے۔ بہت ہی اچھی لڑکی ہے' بس ذرا ہنسوڑ ہے.... ہاں حسینہ! ناشتے کا کیا ا؟"

"تیار ہے۔ میں کئی بار آ چکی ہوں۔ لگواؤں؟"

"ہاں بھئی........... بڑی بھوک لگی ہے۔ جلدی کرو۔" میں نے کہا۔

"تم دونوں جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پہنچو۔ ناشتہ تیار ملے گا۔" حسینہ نے کہا ر جلدی سے باہر چلی گئی۔ میں نے ایاز کو مختصراً اس کے بارے میں بتایا اور پھر ہم ناشتے میز پر پہنچ گئے۔

ہم دونوں ناشتہ کرنے لگے۔ ایاز کچھ سوچنے لگا تھا پھر وہ بولا۔ "اب کیا پروگرام ' منصور بھیا!"

"طارق...... میرا سب سے پہلا شکار وہی ہو گا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے اسے میری ماں اور بہن کے بارے میں ضرور معلوم ہے۔ میں آج اسے مجبور کروں گا وہ ان کے بارے میں بتائے۔"

"کیا تم اسے آسانی سے تلاش کر سکتے ہو؟"

"ہاں' مجھے اس کے دو ٹھکانے معلوم ہیں۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"بس میرے معاون رہو گے لیکن میرا خیال ہے' مجھ سے کچھ فاصلے پر رہو تو بہتر ۔ تمہیں کسی کی نگاہ میں نہیں آنا چاہئے۔ دور رہ کر تم ان لوگوں کی نگرانی کرو' جو میری میں ہوں ان کے سامنے آئے بغیر میرے لئے کام کرو۔"

"ویری گڈ.......... میں تیار ہوں۔ تم دیکھنا' کیا ہنر دکھاتا ہوں......" ایاز نے ل ہو کر کہا۔

شام کو تقریباً سات بجے ہم دونوں اس عمارت سے نکل آئے۔ چمن نے میرے
لئے جو سہولتیں فراہم کی تھیں' ان کے لئے میں تہ دل سے اس کا شکر گزار تھا۔ جو لباس
میں نے پہن رکھا تھا اور جس طرح کی کار میں سواری کر رہا تھا' اس کی وجہ سے کسی کو شبہ
نہیں ہو سکتا تھا کہ میں وہی معمولی سا انسان ہوں جو چند روز قبل ایک فرم میں ڈرائیوری
کرتا تھا۔ چمن نے میرا حلیہ ہی بدل دیا تھا۔

سڑکیں روشن ہو گئی تھیں' دکانیں جگمگا رہی تھیں۔ چاروں طرف زندگی رواں
دواں تھی۔ موٹریں' بسیں' تانگے اور رکشے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ان سڑکوں پر کسی بھی
طور چلتے ہوئے میری آنکھوں کی پیاس بڑھنے لگتی تھی۔ یہ منتظر آنکھیں کسی معجزے کی
طالب تھیں۔ کاش کسی رکشے میں یا بس کی کسی کھڑکی میں مجھے میری ماں کی صورت نظر
جائے۔ میں اس کا تعاقب کروں اور پھر ماں کو پا لوں۔ وہ مجھے بتائے کہ فریدہ مجھ سے ملنے
کے لئے بے چین ہے۔ وہ دن رات دعائیں کرتی ہے کہ اس کا بھائی اسے مل جائے اور
آج.............. آج خدا نے اس کی دعا پوری کر دی ہے۔

.... لیکن پھر وہ نقوش مٹ جاتے۔ رکشے میں کوئی اور ہی صورت نظر
آتی۔ بس میں کوئی نہ ہوتا اور میرے وجود میں تھکن اتر آتی۔ ایک شدید تھکن..........

آج بھی یہی کیفیت تھی۔ سڑکیں طے ہو رہی تھیں۔ ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا اور
آنکھیں ہر گزرتی ہوئی صورت کو تک رہی تھیں۔ کار گویا خود چل رہی تھی۔ موڑ کاٹتے
وقت بریک لگاتے ہوئے صرف اعضا کی مستعدی کار فرما تھی' دیر تک میرا ذہن غیر حاضر
رہا..... پھر ایاز کی آواز نے طلسم توڑا۔

"بہت خاموش ہو۔ منصور بھیا!"

"ہاں ایاز........... وقت گزاری کر رہا ہوں۔ ذرا رات ہو جانے دو۔ کیا خیال
ہے' کسی ہوٹل میں بیٹھا جائے؟"

"اپنے اور میرے تعلق کو دنیا کی نگاہوں سے چھپانا چاہتے ہو تو ایسی جگہوں
میرے ساتھ زیادہ نظر نہ آؤ' جہاں عام لوگ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔" ایاز نے کہا اور میں
ہونٹ بھینچ کر گردن ہلا دی۔

"یہ درست ہے ایاز۔"

"ایک اور بات بھی ہے بھیا۔ ہم دونوں جب بھی باہر نکلیں کیوں نہ اپنا حلیہ
تھوڑا سا بدل لیا کریں۔"

"میک اپ؟" میں نے پوچھا۔

"خیر باقاعدہ میک اپ تو نہ مجھے آتا ہے اور نہ ہی تمہیں آتا ہو گا لیکن چند ایسی
موٹی موٹی چیزیں جو آسانی سے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیں۔ جیسے عینک اور مونچھیں
وغیرہ....... آج کل تو یہ سامان عام مل جاتا ہے۔ جب اس لائن میں نکل آئے ہیں تو یہ
بہروپیا پن بھی کرنا ہی پڑے گا۔"

"آؤ...... یہ سامان خریدیں۔" میں نے کہا اور کار ایک بازار کی طرف موڑ دی۔
بے شمار دکانوں پر گھوم پھر کر ہم نے بہت سی چیزیں خریدیں۔ تھوڑی سی رقم میں نے ایاز
کی جیب میں بھی ڈال دی۔ تاکہ وہ بھی اپنی پسند کی کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید لے۔"
ایاز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ سارے بازار اپنے بینک ہیں منصور بھیا۔ ایسے بینک' جن کے لئے چیک کی
ضرورت بھی نہیں ہوتی۔"

"ہیں نہیں' تھے کہو ایاز! اب تم ان بینکوں سے رقم نہیں وصول کرو گے۔"

"بالکل نہیں کروں گا۔ میں تو صرف بات کر رہا تھا۔" ایاز نے کان پکڑتے ہوئے
کہا اور پھر ہم دونوں واپس چل پڑے۔ وقت اب بھی زیادہ نہیں ہوا تھا۔ دیر تک ہم
سڑکوں پر بلا مقصد گھومتے رہے۔ ایاز بہت خوش تھا اور پھر رات کو تقریباً دس بجے میں نے
ایاز سے کہا کہ اب کام کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ چنانچہ پہلے میں کوئین اسکوائر کا رخ کروں
گا۔

کوئین اسکوائر فلیٹوں کی بستی میں تھا۔ سڑک کے دونوں سمت مختلف کمپنیوں کے
فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ انھی میں سے ایک کوئین اسکوائر بھی تھا۔ ایک دوسرے پروجیکٹ
کے پاس کار کھڑی کر کے ہم دونوں نیچے اتر گئے۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ یہاں کئی اسنیک
بار تھے اور اچھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ ہم ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
کوئین اسکوائر ہمارے سامنے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس کے عقب میں تھے۔

"احاطے کی دیوار کے پاس چوکیدار ضرور ہو گا۔ میں اندر چلتا ہوں۔ میرے چند
منٹ کے بعد تم فلیٹ نمبر اٹھارہ میں آؤ گے۔"

میں اندر کی طرف چل پڑا اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپری منزل پر پہنچ گیا۔
فلیٹ نمبر اٹھارہ پہلی منزل پر ہی تھا۔ اٹھارہ نمبر کے سامنے رک کر میں نے بیل بجائی اور
اندر آواز گونجنے لگی لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ کئی بار گھنٹی بجائی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔
گیلری کے دوسرے سرے پر ایاز نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت فلیٹ کے سامنے والے دروازے

سے ایک درمیانی عمر کی عورت باہر آئی اور مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"یہ فلیٹ تو کئی دن سے بند ہے۔ یہاں جو صاحب رہتے تھے' اپنا سامان لے کر چلے گئے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اچھا......" میں نے مایوسی سے گردن ہلائی اور واپس چل دیا۔ سیڑھیوں پر ایاز مل گیا تھا۔ نیچے اترتے ہوئے اس نے صورت حال پوچھی اور میں نے بڑھیا کی اطلاع دہرا دی۔ ایاز خاموشی سے سیڑھیاں طے کرتا رہا۔

"پھر اب؟"

"ایک جگہ اور ہے ایاز! اگر وہ وہاں بھی نہ ملا تو...... تو پھر ہمیں مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو طارق نے یہ فلیٹ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"اس نے مجھے اپنا فون نمبر بتایا تھا اور یہ فون اسی فلیٹ میں ہے۔ فون سے کسی جگہ کا پتہ باآسانی چلایا جا سکتا ہے۔ اسے خیال ہو گا کہ میں کہیں یہاں نہ پہنچ جاؤں۔ اب غالباً وہ اسٹریٹ پیلس میں ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد کار اسٹریٹ پیلس میں داخل ہو گئی۔ بنگلہ نمبر نو نظر آ گیا تھا اور اسے دیکھ کر ایاز نے گہری سانس لی تھی۔

"شہنشاہوں کی سی زندگی گزار رہا ہے۔ کیا خوب صورت عمارت ہے۔" میں نے ایک جگہ کار روک دی۔ "تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے ایاز؟"

"نہیں......"

"سکھا دوں گا۔ ضروری ہے۔"

"ذرا سی دیر میں سیکھ جاؤں گا۔ اسکوٹر تو چلا لیتا ہوں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تم یہیں رکو۔ میں اندر جاتا ہوں۔"

"اکیلے......؟"

"ہاں اکیلا...... ویسے اگر تم چاہو تو کار یہاں چھوڑ کر اس بنگلے کی عقبی چہار دیواری سے اندر آ جاؤ۔ کوئی گڑ بڑ ہو تو سنبھال لینا...... ویسے اس کا امکان نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن ہلا دی۔

میں بنگلے کی طرف چل پڑا۔ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دروازے پر دیکھا۔ چوکیدار موجود نہیں تھا۔ ایک لمحے تک میں سوچتا رہا اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کیوں نہ اس وقت حکمت عملی سے کام لیا جائے یعنی میں باقاعدہ طارق سے ملاقات کروں اور اپنی بے بسی کا رونا روتے ہوئے اس سے کہوں کہ

میں سیٹھ جبار کے لئے کام کرنے پر رضا مند ہوں اور اس کے بعد حالات کا جائزہ لے کر کام کروں۔ اس طرح خطرات کم ہو جائیں گے۔ اندر ممکن ہے' زیادہ افراد ہوں اور اگر ایسا ہوا تو عقلمندی سے کام لے کر باہر آیا جا سکتا ہے۔ صرف اتنی سی بات رہ جاتی تھی کہ طارق مجھ سے سوال کرے گا' اس بنگلے کے پتے کے بارے میں' تو کوئی بھی نام لے دوں گا' کہہ دوں گا۔ میں نے سیٹھ جبار کے ہاں فون کر کے معلوم کیا تھا۔

اس پروگرام سے مطمئن ہو کر میں نے کال بیل کا بٹن تلاش کیا اور اس پر انگلی رکھ دی۔ دو تین بار بیل بجانے کے بعد مجھے برآمدے میں ایک دروازہ کھلتا نظر آیا۔ ایک لڑکی سیاہ رنگ کی میکسی پہنے ہوئے باہر نکلی۔ خاصی دل کش لڑکی تھی۔ وہ اچک اچک کر پھاٹک کے دوسری سمت جھانکنے لگی اور میں ذیلی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی رک گئی تھی۔ میں ٹھٹکا تو اس نے مجھے نزدیک آنے کا اشارہ کیا۔ اس کی آنکھیں بے حد خوب صورت اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"جی...... فرمایئے۔" اس نے پوچھا اور مجھے وہ آواز یاد آ گئی جو میں نے طارق کے فلیٹ میں فون پر سنی تھی۔

"طارق صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس وقت تو آپ صرف مجھ سے مل سکتے ہیں کیوں کہ طارق صاحب گھر میں موجود نہیں ہیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جلدی آنے کا امکان ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ سے ملنا پسند نہیں کریں گے۔ میں آپ کو بہت عمدہ چائے پلوا سکتی ہوں۔" شرارت سے بولی۔

"آپ اجنبیوں کو اتنی آسانی سے چائے کی دعوت دے دیتی ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ مجھے فون پر اس کی گفتگو یاد آ گئی تھی۔ خاصی بے تکلف لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

"چائے پینے کے بعد وہ اجنبی نہیں رہتے اور مجھے دوست بنانے کی عادت ہے۔ ویسے طارق صاحب آنے والے ہی ہوں گے۔ آیئے......" اس نے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ گئی۔ میں ایک گہری سانس لے کر اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔ لڑکی نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور روشنی کر کے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ "تشریف رکھیے۔ ابھی چند منٹوں میں چائے بنا کر لاتی ہوں' آپ کے لئے۔"

"آپ خود؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں...... یہاں صرف میں ہوں اور طارق صاحب۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ملازموں کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ گھر کے سارے کام میں خود کرتی ہوں۔"

"آپ طارق صاحب کی.....؟"

"کوئی نہیں ہوں۔ سوائے سیکرٹری کے' ویسے یہاں سارے عہدے میرے پا
ہیں۔ سوپیر' فراش اور باورچی........صرف یہ پھلواری وغیرہ درست کرنے کے لئے مالی آ
ہے اور پھر ہم مستقلاً اس جگہ رہتے بھی نہیں ہیں۔"

"خوب....."

"لیکن آپ کون ہیں۔ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟"

"میرا نام منصور ہے۔" میں نے جواب دیا اور لڑکی ایک لمحے کے لئے چو
پڑی۔

"جانتی ہوں' آپ کو۔ گو دیکھا پہلی بار ہے لیکن آپ کے تو شاید طارق صاح
سے خوشگوار تعلقات نہیں ہیں۔"

"پہلے نہیں تھے۔ اب ہیں..... اور جو کمی رہ گئی تھی' وہ آج پوری کرنے
ہوں۔ میں ان سے سارے اختلافات ختم کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"ان کی سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں بھی حالات سے واقف ہوں۔ آ
چند روز قبل گرفتار ہو گئے تھے نا؟"

"ہاں...... طارق صاحب مجھے بھٹی میں تپا کر کندن بنانے پر تلے ہوئے تھے ا
میں کندن بن گیا ہوں۔"

"چمک تو نہیں رہے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"چمکوں گا....... ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ ویسے آپ کا نام؟" میں نے پوچھا۔

"طارق صاحب سے پوچھ لیں۔ ویسے میں ذاتی طور پر آپ کو یہی مشورہ دوں
کہ ان سے اختلافات ختم کر لیں۔"

"میں نے کہا نا' اسی مقصد کے تحت آیا ہوں۔ آپ بھی ان سے میری سفارش
دیں۔ ویسے میں مشورے کی وجہ جان سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"انسانی ہمدردی سمجھ لیں۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں
بس اس سے زیادہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔" اس نے کسی قدر بے پرواہی سے کہا اور
اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں چائے لاتی ہوں' آپ اکیلے میں بور تو نہیں ہوں گے۔"

"ابھی نہیں خاتون! یقین کریں' اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا۔ طارق
صاحب آ جائیں' اس کے بعد ٹھیک رہے گی۔ اس وقت تک آپ مجھ سے گفتگو کریں۔"

"اوہ..... کیا گفتگو کی جائے' آپ سے؟ اچھا یہ بتائیں' طارق صاحب سے آپ
گفتگو کریں گے۔ ویسے سارے حالات........ اوہ چلیے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ طارق
صاحب بھی آ گئے ہیں۔"

میں نے بھی کسی کار کی آواز سن لی تھی۔ لڑکی اٹھی تو میں بھی اس کے ساتھ ہی
باہر آ گیا۔

طارق برآمدے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا لیکن پھر
اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "اوہ...... منصور!"

"ہاں طارق صاحب! آپ مجھے دیکھ کر حیران تو ہوئے ہوں گے' لیکن اس کے
سوا چارہ نہیں تھا۔"

"خوب۔ آؤ...... پنی! انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں لباس تبدیل کر کے
آتا ہوں۔" طارق نے خود کو نڈر اور بے پرواہ ثابت کرنے کے لئے کہا اور تیزی سے اندر
چلا گیا۔ لڑکی جس کا نام اب مجھے معلوم ہو گیا تھا' مجھے دوبارہ ڈرائنگ روم میں لے آئی اور
بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو..... میں طارق صاحب کو صورت حال پہلے سے ہی بتائے دیتی ہوں تاکہ اگر
ان کے ذہن میں کوئی غلط فہمی ہو تو وہ تم سے ملاقات سے قبل ہی دور ہو جائے اور تم
دونوں کی گفتگو خوشگوار ماحول میں ہو۔"

"بہتر ہے۔" میں نے سعادت مندی سے کہا اور پنی باہر چلی گئی۔ میں نے اندازہ
لگا لیا تھا کہ یہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایاز بھی عمارت
کے اندر ہو گا۔ بہرحال' صورت حال قابو میں تھی اور ایاز کی ضرورت پڑنے کی امید نہیں
تھی۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد طارق' شب خوابی کے لباس میں اندر داخل ہوا۔ پنی
بھی اس کے ساتھ تھی۔ طارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ "تو تم لوگ خاصی
گفتگو کر چکے ہو۔ ویسے منصور! پنی میری سیکرٹری بھی ہے اور محبوبہ بھی....... انتہائی زیرک
اور ہوشیار لڑکی۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے باریک گاؤن پر تنقیدی نظر
ڈالی۔ اس میں مجھے پستول جیسی کوئی وزنی چیز محسوس نہیں ہوئی۔ ایک ہاتھ میں وہ پائپ اور
تمباکو کا پاؤچ لئے ہوئے تھا۔ لائیٹر بھی ساتھ ہی تھا اور یہ تینوں چیزیں اس نے اپنے سامنے
میز پر رکھ دیں اور بولا۔ "کیا پیو گے؟"

"میں نے محترمہ سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ کسی شے کی خواہش نہیں ہے۔ براہ
کرم تکلیف نہ کریں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ یہاں کا پتہ کس طرح معلوم ہوا؟"

"سیٹھ صاحب کی کوٹھی فون کیا تھا۔ مس اینجل تھیں یا کوئی اور خاتون۔ انہوں
نے دو پتے بتائے کہ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک پتے پر مل سکتے ہیں۔ ایک کوئین
اسکوائر کے فلیٹ نمبر اٹھارہ کا پتہ اور دوسرا یہ۔"

"اوہ...... کون تھا وہ۔ میرا خیال ہے، اینجل کو یہ پتہ معلوم نہیں ہے شاید فو
ہو گی۔ وہ جانتی ہے۔ بہرحال، میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"
"کیا یہ گفتگو مس پینی کے سامنے ہو گی؟" میں نے پوچھا۔
"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ میری سب کچھ ہے۔" طا
نے مسکرا کر پینی کو دیکھا۔ اس کے خمیدہ ہونٹوں پر حسین مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں جاننا چاہتا ہوں طارق صاحب کہ جہانگیر لیمٹڈ میں میرے اوپر چوری کا الز
کیوں لگایا گیا تھا؟"
"وہ رقم تم نے نہیں لی تھی؟" طارق نے پوچھا۔
"نہیں......"
"تب پھر ایک بات ہو سکتی ہے۔ سیٹھ جبار نے لیڈی جہانگیر کو اس سلسلے :
کوئی ہدایت کی ہو گی۔ یوں بھی ان کا خیال ہے کہ ابھی تمہاری تربیت مکمل نہیں ہوئی ا
پھر ضد تم خود کر رہے ہو منصور! سیٹھ صاحب کو کسی ایک آدمی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے،
خود سوچو۔ ہزاروں آدمی ان کے لئے کام کر رہے ہیں۔ بس یہ ان کی فطرت سمجھو کہ
ہر سرکش انسان کو جھکتے دیکھنا چاہتے ہیں، اسی لئے وہ تم میں اتنی دل چسپی بھی لے ر
ہیں، ورنہ تم کیا، تمہاری حیثیت کیا؟"
"میں ان سے مکمل تعاون کرنا چاہتا ہوں اور اب کوئی اختلاف نہیں رک
چاہتا۔"
"ہاں، ابھی پینی نے مجھے تمہاری اس خواہش سے آگاہ کیا ہے..... ٹھیک ہے، م
سیٹھ صاحب تک تمہاری یہ درخواست پہنچا دوں گا۔ لیکن پھر وہ ویسی ہی کوئی شرط رکھ د
گے ممکن ہے پھر تمہیں کسی کو قتل کرنے کے لئے کہا جائے۔"
"پارک کا پتہ دو، مجھے۔" میں نے کہا اور طارق ہنس پڑا۔
"تمہارا خیال ہے، وہ معاملہ اب تک یونہی پڑا ہو گیا، پارک کی لاش سمندر
مچھلیاں اب تک چٹ بھی کر چکی ہوں گی۔ اب تو کوئی دوسری ہی بات ہو سکتی ہے لیکن
تم کسی کو قتل کر سکو گے منصور؟"
"ہاں، طارق! میں نے آخری حد تک شرافت کے راستے اپنانے کی کوشش ک
تھی، لیکن اب سارا ماحول ہی مجھ سے باغی ہو گیا ہے تو میں کیا کروں۔ دنیا مجھے جن راستو
پر لانا چاہ رہی تھی۔ طارق اب میں ان راستوں پر آ گیا ہوں اور ابتدا میں یہاں سے کر ر
ہوں، طارق! مجھے بتاؤ۔ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" طارق نے میرے بدلے ہوئے
کو محسوس کیا اور چونک پڑا۔ وہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
"پھر وہی فضول بات۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے فوراً ان کے بارے میں بتا دو طارق۔ ورنہ آج جیسی رات اس سے قبل
تمہاری زندگی میں کبھی نہیں آئی ہو گی۔ یقین کرو، طارق! آج میں نے خود پر سے بے بسی
کا لبادہ اتار دیا ہے۔ آج سے میں بے بس نہیں ہوں۔" میں کھڑا ہو گیا۔ پستول میری جیب
سے باہر نکل آیا تھا اور پستول دیکھ کر طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"خوب........ تو تم تیار ہو کر آئے تھے منصور! لیکن تمہارا کیا خیال ہے، میں بے
وقوف ہوں۔ تمہارے عقب میں میرے آدمی موجود ہیں۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا
لیکن میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ میں اس کی چال سمجھ گیا تھا۔
"تم غلط سوچ رہے ہو، طارق۔ بالکل غلط سوچ رہے ہو۔ جیل میں، میں نے
بہت کچھ سیکھا تھا لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے آخری وقت تک میرا دل نہیں چاہتا تھا۔
میں اپنی وہ معصومیت قائم رکھنا چاہتا تھا جو میری ماں اور بہن کا عطیہ تھی لیکن اب میں کیا
کروں........ تمہیں جواب دینا ہو گا طارق! ورنہ......" میں نے پستول سیدھا کر لیا اور طارق
پہلی بار کچھ پریشان نظر آنے لگا۔
"میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں منصور! مجھے ان کے بارے میں معلوم نہیں،
ممکن ہے سیٹھ جبار........"
"تم اس کے مہرے ہو، طارق۔ تم اس کے خاص کارکن ہو۔ آج تک میرے
خلاف جو کچھ ہوا۔ اس کے روح رواں تم ہی رہے ہو طارق۔ وقت مت ضائع کرو۔ بتاؤ وہ
دونوں کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"
"میں نے تم سے کہہ دیا نا۔ میں نہیں جانتا۔" طارق نے کہا اور میں نے گولی چلا
دی۔ طارق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دوں گا۔
گولی اس کے بازو کو چھیدتی ہوئی گزر گئی۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی لڑکی کی چیخ بھی ابھری
تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئی اور اس طرح لہرانے لگی جیسے بے ہوش ہو رہی ہو۔ طارق کا پورا
بازو خون سے تر ہو گیا تھا۔
طارق اب بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو پکڑے
پکڑے بولا۔ "یقین کرو، منصور! میں...... میں......" لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اس
کے زخمی ہاتھ پر دوسرا فائر کر دیا۔ اس بار کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ طارق زمین پر گر
پڑا۔ اب وہ شدید درد سے کراہ رہا تھا۔
"وہ اس گھر سے کس طرح نکلیں۔"
"میں..... میں ان دنوں یہاں نہیں تھا۔ تم کسی سے بھی معلوم کر سکتے۔ آہ...... تم
یقین کرو۔ اگر میں..... میں جانتا ہوتا تو ضرور ...... آہ ..... آہ......" وہ تڑپنے لگا۔
"طارق، میں تمہیں ایک ہاتھ سے محروم کر رہا ہوں۔ یہ ابتدا ہے، مجھے اپنی ماں

اور بہن کا پتہ چاہیئے اور یہ کام تم کرو گے۔ میں تم پر نگاہ رکھوں گا' طارق مر گئے تو دوسری بات ہے۔ زندہ رہو گے تو صرف اس شرط پر کہ مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ معلوم کر کے بتاؤ گے۔ میں جلدی دوبارہ تم تک پہنچوں گا اور اس بار تمہیں دونوں آنکھوں سے محروم کر دوں گا۔ سمجھے طارق...... جو کہہ رہا ہوں' وہی کروں گا۔"

میں نے لگاتار تین فائر کیے۔ نشانہ طارق کا زخمی بازو تھا۔ طارق ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے کراہیں اور چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ جان بچانے کے لئے دیوار کی طرف کھسک رہا تھا۔ دوسری طرف لڑکی بے ہوش ہو کر اوندھی پڑی تھی لیکن طارق اس شدید تکلیف کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور دیوار کی طرف کھسکتے کھسکتے بے ہوش ہو گیا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

میں چند ساعت اسے کھڑا دیکھتا رہا اور پھر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے ٹھوکر مار کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی' لیکن طارق پر گہری بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ تب میں نے لڑکی کی طرف دیکھا...... اور اچانک وہ سیدھی ہو گئی۔ میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے منصور۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ "میں بے ہوش نہیں ہوئی بلکہ نتائج کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے یہ ایکٹنگ اس لئے کی تھی کہ وہ مجھ سے کسی امداد کا طالب نہ ہو۔"

میں نے تیز نگاہوں سے پنی کو دیکھا۔ "لیکن اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں تم سے ہمدردی رکھتی ہوں' منصور! کسی قدر حالات میرے علم میں بھی ہیں لیکن میں نے یہ حالات سن کر فیصلہ کیا تھا کہ تم عام قسم کے ایک ناکارہ انسان ہو اور یقین کرو منصور! ناکارہ لوگوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی۔ تم اگر تیز دوڑ لگاؤ گے تو کوئی تمہارے ساتھ چند قدم چلنے میں عار نہیں محسوس کرے گا لیکن ایک ساکت و جامد وجود کسی کے لئے پرکشش نہیں ہوتا۔ میں طارق کی ساتھی ہوں لیکن مجھے اس سے ہمدردی نہیں ہے۔ وہ ایک ظالم' خود غرض اور گندی فطرت کا انسان ہے اور ایسے لوگوں کے دوست کم ہوتے ہیں۔ تم جانتے ہو منصور' یہ باتیں کر کے میں جان بچانے کی کوشش نہیں کر رہی ہوں کیوں کہ جان بچانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ میں بے ہوش بنی رہتی۔ میں ہوش میں اس لئے آئی ہوں کہ حتیٰ المقدور تمہاری کچھ مدد کروں۔"

"کیا تمہیں...... تمہیں درون خانہ کچھ راز معلوم ہیں؟" میں نے ایک موہوم سی امید کے ساتھ پوچھا۔

"یقین کرو نہیں... میں صرف اس کا کھلونا ہوں۔ وہ میرے اوپر اعتبار نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے' اس حد تک اعتبار نہیں کرتا کہ اپنے اندرونی راز مجھے بتائے لیکن مجھے اس

ی ایک خفیہ جگہ کے بارے میں معلوم ہے جہاں اس کے اہم کاغذات رکھے ہوتے ۔"

"کاغذات......" میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"ہاں...... ممکن ہے' وہ کاغذات تمہاری ماں اور بہن کے حصول میں تمہاری کچھ رسکیں۔"

"کیا تم مجھے ان کے بارے میں بتانا پسند کرو گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ان کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے لیکن یہ ہوش میں نہ آ جائے۔" اس نے ش نگاہوں سے طارق کو دیکھا۔

میں نے طارق کے نزدیک بیٹھ کر اسے غور سے دیکھا۔ اس کے بازو کے چیتھڑے ئے تھے۔ خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ ان حالات میں طارق کی موت بھی واقع ہو سکتی ۔ بہرحال مجھے اس سے ہمدردی نہیں تھی۔ "میرا خیال ہے' جلدی ہوش میں نہیں ے گا۔" میں نے کہا۔ پنی کچھ سوچ رہ تھی پھر اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ ہوش میں آ بھی گیا تو میں کہہ دوں گی کہ میں ڈاکٹر کو فون کرنے تھی۔ آؤ......" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ باہر آ ۔ ایک راہداری کے دوسرے سرے پر ایک سایہ نظر آیا جسے پنی نے بھی دیکھ لیا اور قدر دہشت زدہ ہو گئی۔

"کوئی...... کوئی اور بھی ہے؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "منصور کوئی اور بھی ا موجود ہے۔"

"اس کی فکر مت کرو۔ میرا ساتھی ہے۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔

"اوہ اچھا تب ٹھیک ہے' آؤ..." وہ تیزی سے عمارت کے اندرونی حصے کی جانب ھی۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر وہ لکڑی کے ایک خوب صورت شیف کے پاس ئی اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "تمہیں بھی میری مدد کرنی پڑے گی منصور۔ ت کے کمروں وغیرہ کی کیفیت ایسی کر دو جیسے تم نے یہاں سخت تلاشی لی ہے اور اس عد اس الماری تک پہنچے ہو۔"

"ٹھیک ہے' بے فکر رہو۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور اس کے کہنے کے ا الماری نیچے گرا دی۔ الماری کی عقبی دیوار میں ایک تجوری نصب تھی۔ پنی نے ا طرف دیکھا۔

"مجھے اس کی چابی کے بارے میں بھی معلوم ہے۔ لیکن براہ کرم پستول کی گولی اس کا تالا توڑ دو۔ کاغذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" اس نے کہا اور میرے ں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کافی ذہین ہو پنی۔"

"نہیں منصور...... چار سال سے ایک جرائم پیشہ شخص کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ براہ کرم جلدی کرو۔ اس کے بعد مجھے ڈاکٹر وغیرہ کو بھی بلانا ہے۔ وہ ہوش میں نہ آ جائے..." اور میں نے فائر کر کے تجوری کا تالا توڑ دیا لیکن اس کے بعد میں نے اپنا پستول دوبارہ لوڈ کر لیا تھا۔ تجوری میں نوٹوں کے بنڈل چنے ہوئے تھے۔ سونے کی چند چھوٹی اینٹیں بھی ایک طرف چنی ہوئی تھیں لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اور نچلے حصے میں رکھے ہوئے تین فائل اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لیے...... پنی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"ان کے علاوہ بھی کچھ اور کاغذات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں...... بس میں اس تجوری کے بارے میں ہی جانتی ہوں۔ ویسے منصور۔ تم اس ناجائز دولت کو یہیں چھوڑ دو گے؟"

"دولت......" میں نے حقارت سے نوٹوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ "نہیں پنی...... مجھے اس غلاظت کے ڈھیر سے دلچسپی نہیں ہے۔ میرا صرف ایک مشن ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میری ذات میں تو بڑے بڑے تاج محل چھپے ہوئے ہیں۔ یہ حقیر سی چیزیں انہیں مسمار نہیں کر سکیں گی۔ کاش ان کاغذات میں میری گمشدہ جنت موجود ہو۔ میں نے تجوری بند کر دی اور اس کے بعد کمرے کی دوسری چیزوں کو تتر بتر کرنے لگا۔ پنی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی پھر میں اسے لئے ہوئے دوسرے اور پھر تیسرے کمرے میں پہنچا...... یہاں بھی میں نے اپنے نشانات بنائے جیسے میں نے یہاں کی تلاشی لی ہو...... اور پنی کی طرف دیکھا۔

"تم مطمئن ہو پنی؟"

"ہاں۔ کافی ہے...... منصور! میں مزید تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"اس سے زیادہ میں تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا پنی۔"

"مجھے کوئی ایسا فون نمبر دے سکتے ہو، منصور! جہاں میں تم سے رابطہ قائم کر سکوں۔ میرے پاس اپنے خلوص کی کوئی سند نہیں ہے لیکن میں تم سے مزید تعاون کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"میں ایک گندی سی بستی میں رہتا ہوں پنی! اور میرے وسائل محدود ہیں۔ میں تمہیں کہاں کا فون نمبر دوں۔ ویسے اگر تم چاہو تو مجھے کوئی ایسا نمبر دے دو جس پر میں وقت مقررہ پر تم سے بات کر سکوں۔"

"اوہ...... یہ بھی ٹھیک ہے، تو پھر کل شام کو سات بجے تم مجھے اس نمبر پر رنگ کر لینا۔ اپنا نام مت بتانا۔ کوئی بھی بولے، مجھے طلب کر لینا۔" پنی نے ایک فون نمبر دہرایا اور

میں نے اسے ذہن نشین کر لیا۔ "مجھے بتانا منصور کہ تمہیں ان کاغذات سے اپنی ماں اور بہن کا کچھ پتہ چلا یا نہیں، اس کے بعد میں تمہیں مزید حالات سے آگاہ رکھوں گی۔"

"تمہارا شکریہ پنی۔ اس وقت جو بھی میری مدد کر رہا ہے، میں ساری زندگی اسے فراموش نہیں کروں گا۔ ویسے تمہیں تو ان حالات سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے، تم اب کیا کرو گی؟"

"میں طارق کے ڈاکٹر کو فون کروں گی اور اسے طارق کی حالت سے آگاہ کروں گی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہو۔"

"تب پھر خدا حافظ پنی...... ایک بار پھر تمہاری اس مدد کا شکریہ۔ بہر حال، اگر تمہیں میرے خلاف گواہی بھی دینی پڑے تو تم خود کو مجرم نہ سمجھنا۔ ظاہر ہے، اس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہو گا۔ میں بھی تمہاری طرف سے دل میں میل نہیں رکھوں گا۔" میں نے کہا اور پنی سے رخصت ہو کر باہر آ گیا ایاز میرے اندازے کے مطابق دیوار کود کر ہی واپس کار کے پاس پہنچا تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور ایاز دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر آ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ فائل میری گود میں پڑے ہوئے تھے۔ ایاز نے وہ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیے۔

"گولیوں کی آواز باہر سنی گئی ہوں گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں...... میں تو اس وقت اندر ہی تھا لیکن صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں نے باہر آ کر بھی حالات کا جائزہ لیا تھا۔ مکانات دور دور ہونے کی وجہ سے کوئی متوجہ نہیں ہوا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ اتنی بڑی عمارت میں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔"

"یہ اس کی خفیہ رہائش گاہ ہے۔ جس کے بارے میں دوسروں کو نہیں بتایا گیا ہو گا اور اسے خفیہ رکھنے کے لئے ہی یہاں ملازم وغیرہ نہیں رکھے گئے۔"

"لیکن تمہیں اس عمارت کا پتہ کہاں سے ملا، منصور بھیا؟"

"میری ایک ہمدرد مددگار ہے۔ تمہیں بھی اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ ویسے اب میرے مددگاروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے ایاز...... یہاں موجود لڑکی بھی میری دوست بن گئی ہے۔"

"ان کا زوال آ چکا ہے۔ یہ سب اسی کی علامات ہیں۔" ایاز نے کہا۔

"میں اور پنی باہر نکلے تھے تو تم کہاں تھے؟" میں نے پوچھا۔

"وہیں موجود تھا۔ تم لوگ اچانک نکل آئے اس لئے بمشکل بھاگ کر راہداری میں پہنچا تھا۔

"ہم نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بچ نہیں سکتا تھا۔ سمجھے......"

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" ایاز نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ تک پہنچ گئے۔ خاصی رات گزر چکی تھی۔ ایاز نے مجھ سے چائے کے لئے پوچھا اور میں نے شکریئے کے ساتھ اسے چائے بنانے کے لئے کہا۔ ایاز چلا گیا تو میں فائل لے کر بیٹھ گیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ تینوں فائلوں میں کافی کاغذات رکھے ہوئے تھے اور یہ سارے کاغذات بلیک میلنگ کے سلسلے میں تھے۔ کم بخت طارق چند پولیس افسروں کو بھی بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نے سرسری طور پر کاغذات کا جائزہ لیا اور پھر دوسرے فائل کو دیکھنے لگا۔ اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ یہ فائل لیڈی جہانگیر کا تھا۔ تصویریں اور ان کے نیگیٹو اور کچھ دستاویزات جو اس نے لیڈی جہانگیر سے حاصل کی تھیں۔ گویا لیڈی جہانگیر اس کے چنگل سے آزاد تھی پھر دھڑکتے دل سے میں نے اس تیسرے فائل کو دیکھا۔ اس فائل میں مجھے ایک کاغذ کے سوا اور کوئی کام کی چیز نہیں ملی تھی۔ یہ ایک خط تھا جو دوبئ سے آیا تھا اور اس میں کسی نے طارق کو لکھا تھا کہ اس نے ایک نیا کاروبار شروع کیا ہے اور طارق کو چاہیئے کہ وہ اس سے تعاون کرے۔ لکھا تھا۔

"ڈیئر طارق!

امید ہے خیرت سے ہو گے۔ نئے جہانوں کی تلاش میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ کام کے لوگوں کو تلاش کرتا رہا اور کچھ نئے ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بالآخر ایک کام تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ توجہ سے سنو۔ آج کل اپنے وطن میں ریکروٹنگ ایجنسیوں کا کاروبار زوروں پر ہے، لوگ مشرق وسطیٰ کی دولت سمیٹنے کے لئے دھڑا دھڑ یہاں آ رہے ہیں۔ ان میں خواتین بھی ہوتی ہیں، نوجوان بھی اور بوڑھے بھی۔ ایک خوب صورت سا دفتر بنا کر نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں کو یہاں بھیجنے کا انتظام کرو۔ خیال رہے کہ لڑکیاں سترہ سے بائیس سال کے درمیان ہوں۔ یہاں کا انتظام میں سنبھال لوں گا۔ ایسے طریقے سے انہیں یہاں وصول کریں گے کہ کوئی قانونی گڑ بڑ بھی نہ ہو۔ یہاں کئی خفیہ گروہ یہ کام کر رہے ہیں اور دولت سمیٹ رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں

قرب و جوار میں کافی قیمت پر نکل جاتی ہیں۔ بہت سے غیر مقامی افراد یہ کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر کر رہے ہیں۔ اگر تم اس تجویز میں کچھ دل چسپی محسوس کرو تو مجھے لکھ دو۔ میں آئندہ ماہ پہنچ جاؤں گا تاکہ تمہیں پوری تفصیلات سے آگاہ کر کے ضروری امور پر گفتگو کروں۔

تمہارا سلیم

خط کے پیچھے دوبئ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں چند نئے دروازے کھلے۔ بں ایک اور خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ کہیں میری بہن اور امی ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں ہوا؟ اشتہارات اور اس کے جواب میں خاموشی اس بات تویت دیتی تھی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اگر ایسا ہو چکا ہے تو..... تو..... نے اب وہ کہاں ہوں گی۔ نہ جانے ان کا کیا حال ہو گا؟

میرا دل روتا رہا...... اسی اثنا میں ایاز چائے لے کر آ گیا۔ اس نے میرے روں پر بہتے ہوئے آنسو دیکھے تو تڑپ اٹھا۔ "کیا ہو گیا بھیا..... خیریت ہے؟" وہ بے تابی لا۔

"کوئی خاص بات نہیں ایاز۔ بس ایسے ہی......"

"پھر بھی.... فائلوں میں کوئی خاص بات دیکھی ہے؟"

"ہاں ایاز..... ان میں میری ماں اور بہن کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔ لیکن ور گندے کاروبار کا پتہ چلا ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کی اسمگلنگ بھی کرتے ہیں۔ بس یہ ل رونا آ گیا تھا کہ کہیں میری ماں اور بہن کے ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں ہوا۔"

"خدا ان لوگوں کو غارت کرے۔ کیسے بے درد اور بے ضمیر لوگ ہیں، یہ۔" ایاز لہجے میں بولا۔

میں نے چائے کی پیالی اٹھا لی تھی۔ تھوڑی دیر میں چسکیاں لیتا رہا پھر میں نے "ایاز! ماں اور بہن میری نظروں سے دور ہو چکی ہیں۔ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا اللہ ہی جانے۔ اس سانحے کا رد عمل مجھ پر بہت خطرناک ہو رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہ میں ایک بدترین مجرم بن جاؤں اور اس وقت تک قتل و غارت گری کرتا رہوں، ک زندہ ہوں۔ خدا کی قسم ایاز! میں امی اور فریدہ پر ہونے والے ایک ایک ظلم کا ل گا۔ ابھی چند ساعت قبل میں نے سوچا تھا کہ ان فائلوں کے ذریعے جن لوگوں کو ل کیا جا رہا ہے، میں انہیں کاغذات واپس کر کے انہیں اس اذیت سے نجات دلاؤں

گا لیکن اب میں ان کی پوری قیمت وصول کروں گا۔ انہیں اپنے جرائم کی پوری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ لوگ جرم کرتے ہیں اور اپنی دولت کے بل بوتے پر محفوظ رہتے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ لوگ کس طرح جرم کو چھپا سکتے ہیں۔ بہت اعلیٰ پیمانے پر کام کروں گا ایاز۔ آخر میں ہی شرافت کیوں اپناؤں؟ جب کہ دنیا نے یہ تصور چھوڑ دیا ہے۔"

ایاز خاموشی سے چائے پیتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال بھیا! اب حالات دیکھو۔ طارق کا دوسرا قدم کیا ہوتا ہے؟"

"میں نے اسے صرف اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ مجھے میری ماں اور بہن کے بارے میں بتائے۔ میں پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کی دنیا ہمیشہ کے لئے تاریک کر دوں گا۔ میں اسے ایسا مزا چکھاؤں گا ایاز! کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"اب تمہارا دوسرا قدم کیا ہو گا بھیا؟"

"فی الوقت تو کچھ نہیں لیکن اس کے بعد باریک بینی سے ہمیں حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قانونی طور پر طارق ہمارے لئے کیا کرتا ہے۔ فی الوقت تو اسے ہسپتال میں رہنا ہو گا اور جو کارروائی کرے گا' سیٹھ جبار براہ راست کرے گا۔ تم ایک کام کرو' ایاز۔ وہ یہ کہ شہر میں جتنی بھی ریکروٹنگ ایجنسیاں ہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور اس کے لئے ایک بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ ایک بے روزگار نوجوان اور اس کی خوبصورت بہن جو نوکری کے لئے باہر جانا چاہتے ہیں' اس کے لئے تمہیں ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر حاصل کرنا ہو گی جسے تم' کسی فوٹوگرافر سے حاصل کر سکتے ہو۔"

"میں یہ کام کر لوں گا۔"

"بس تم آرام کرو۔ کام بہت صبر آزما ہے۔" میں نے کہا اور ایاز گردن ہلا کر اٹھ گیا۔

دوسری صبح میں نے سب سے پہلے' ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ایاز سے ..ت منگوائے اور انہیں کھنگالنے لگا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ایاز اپنے کام کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے میں کچھ تبدیلیاں کرنے کی کوشش کی تھی۔ یعنی بالوں کا انداز بدل لیا تھا۔ آنکھوں پر وہ عینک چڑھائی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی نگاہ خراب ہے۔ درحقیقت اس معمولی سے تبدیلی سے ایاز کی صورت کافی بدل گئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔

"تم تو واقعی ذہین آدمی ہو' ایاز۔ میرا خیال ہے' اگر ذرا سی محنت اور کر لی جائے تو تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔"

"کروں گا۔ دیکھتے رہو منصور بھیا۔ جب تم نے ایاز کی زندگی تبدیل کر دی ہے تو

صورت میں خود ہی تبدیل کر لوں گا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایاز باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک تو میں کاہلوں کے سے انداز میں بیٹھا رہا اور پھر میں نے بھی ایاز کی نقالی شروع کر دی۔ کوئی خاص کام تو تھا نہیں۔ میں آئینے کے سامنے بیٹھ کر خود کو مختلف انداز میں بدلنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر باریک مونچھیں اور ٹھوڑی پر پلاسٹک کا موٹا سا تل لگا کر اور آنکھوں پر عینک چڑھا کر میں نے خود کو بہت بدلا ہوا محسوس کیا اور لباس پہن کر تیار ہو گیا لیکن یہاں کے ملازمین ذہن سے نکل گئے تھے اور خاص طور سے آفت کی پڑیا حسینہ..... جو دروازے کے باہر قدم رکھتے ہی مجھے مل گئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گئی۔

"اے سنو ...... کون ہو تم؟" اس نے مجھے کترا کر نکلتے ہوئے دیکھ کر پوچھا اور میں رک گیا۔

"آدمی ہوں اور کون۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں مگر کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ منصور بابو کہاں ہیں؟" وہ مجھے بالکل نہیں پہچان سکی تھی۔

"اندر ہیں۔ تمہارا نام حسینہ ہے نا۔"

"ہاں ہے۔ تو پھر.....؟"

"وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔" میں نے کہا اور حسینہ جلدی سے آگے بڑھ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تیزی سے باہر آ گیا تھا۔ باہر آ کر میں نے کار اسٹارٹ کی۔ خطرہ تھا کہ حسینہ کہیں پیچھے ہی نہ دوڑی چلی آئے اس لئے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

سب سے پہلے چمن کے اڈے کا رخ کیا۔ چمن اس دوران نہیں آیا۔ اس لئے میں نے انہی سے ملاقات کا فیصلہ کیا تھا...... تھوڑی دیر تک تو میں قرب و جوار میں چکراتا رہا اور پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی کر کے پیدل چمن کے اڈے کی طرف چل پڑا۔ استاد چمن اندر موجود تھا۔ ایک آدمی نے مجھے اس کے پاس پہنچا دیا۔ چمن چند لمحے تو گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی......

"یہی تو میں نے سوچا کہ اس وقت یہاں کون آ گیا۔ خیریت ہے منصور؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں' بس ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے آ گیا۔"

"کل تو شہر میں ہی نہیں تھا۔ کام سے گیا تھا ذرا۔ ویسے بھی میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ زیادہ میل جول نہیں رکھوں گا تم سے۔ مجھ سے تو ہر قسم کے لوگ ملتے رہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کی نگاہ میں آؤ۔ ویسے شکل اچھی بدلی ہے۔ ایک نگاہ میں

کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اگر تم کہو تو کسی ایسے آدمی سے ملاقات کرا دوں..... جو میک اپ کا ماہر ہو اور تمہیں بہتر مشورے دے سکے۔"

"نہیں چمن..... اس کی ضرورت نہیں ہے ابھی۔ میں نے پچھلی رات سے اس کھیل کی ابتدا کر دی ہے۔"

"اوہ خوب..... چائے منگواؤں تمہارے لئے۔" چمن نے پوچھا۔

"نہیں...... بالکل ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔"

"جیسی تمہاری مرضی..... ہاں تو کیا کھیل شروع کیا ہے تم نے؟" چمن نے پوچھا۔

میں نے اسے طارق کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ چمن کسی خیال میں ڈوب گیا..... پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے طارق کو ان کی بابت معلوم ہی نہ ہو۔"

"اب اسے میری ماں اور بہن کی تلاش کی کوشش کرنا ہو گی۔ اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کا حساب بھی تو باقی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں' یہ تو ٹھیک ہے' بہرحال منصور! تم نے جب اس کھیل کا آغاز کر ہی دیا ہے تو تمہیں کافی محتاط رہنا ہو گا۔ زیادہ لوگوں کو خود سے قریب نہ کرو۔ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہو' یہ میری نصیحت ہے۔"

"ابھی میں بالکل ابتدائی دور میں ہوں چمن۔ مجھے تم لوگوں کے سہارے کی ضرورت ہے لیکن بہت جلد میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں منصور! میری فکر مت کرو۔ تم فطرتاً شریف انسان ہو اور لوگوں پر جلدی بھروسہ کر لیتے ہو اس لئے یہ بات کہہ رہا ہوں اور کچھ سناؤ۔ میرے لائق کوئی خدمت؟"

"نہیں..... سب ٹھیک ہے۔"

"ایاز تو اب تمہارے ساتھ ہے۔"

"ہاں........ میں نے اسے کام سے لگا رکھا ہے۔ چمن استاد! کیا تمہارے علم میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو مشرق وسطیٰ میں لڑکیاں اسمگل کرتے ہوں؟"

"میرے علم میں نہیں ہے۔"

"تم سے ہر قسم کے لوگ ٹکراتے رہتے ہیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو ایسے لوگوں کا پتہ چلانے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے' میں کوشش کروں گا۔" چمن نے جواب دیا...... میں تھوڑی دیر چمن کے پاس بیٹھا اور پھر یہاں سے اٹھ گیا۔ فی الوقت کوئی پروگرام نہیں تھا۔ پروفیسر شیرازی یاد آیا لیکن اس سے ملنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اگر وہاں جاتا تو نصیحتوں کا انبار' سرخاب کی

محبت اور نہ جانے کون کون سی باتیں میرا استقبال کرتیں۔ اب میں ان باتوں کو سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ سینے کی جلن جس مقام پر لے آئی تھی وہاں سے واپسی اب ممکن نہیں تھی۔

بہت دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا پھر ایک پبلک مقام سے جہانگیر لمیٹڈ فون کیا۔ دوسری طرف سے فون ریسیو ہونے کے بعد میں نے لیڈی جہانگیر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور چند لمحے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"منصور بول رہا ہوں۔"

"اوہ...... منصور خیریت۔ میں تمہارے لئے پریشان ہوں۔"

"بہت سی فکریں آپ نے پال رکھی ہیں لیڈی صاحبہ! ملاقات کا خواہش مند ہوں۔"

"بولو..... کب؟ کہاں؟" لیڈی جہانگیر نے بے تابی سے پوچھا۔

"گھر پر حاضر ہو جاؤں؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ شام کی چائے میرے ساتھ پیو۔" لیڈی جہانگیر نے پیش کش کی۔

میں نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ساڑھے پانچ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے ٹیلیفون کا چونگا رکھ دیا طبیعت میں اکتاہٹ سی تھی' اس لئے واپس گھر کی طرف چل دیا۔ گھر میں داخل ہونے سے قبل مونچھیں وغیرہ میں نے اتار لی تھیں اور پھر اندر داخل ہو گیا۔

حسینہ بڑے پرجوش انداز میں مجھے کسی اجنبی آدمی کے بارے میں اطلاع دے رہی تھی' جو میرے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ میں دیر تک اس سے اس شخص کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ اس لڑکی کی معصومیت بہت اچھی لگ رہی تھی۔

چار بجے ایاز واپس آ گیا اور اس نے اپنی معلومات کی رپورٹ پیش کر دی۔ عمدہ کام کیا تھا اس نے۔ تیس ایسی ایجنسیوں کا پتہ چلایا تھا لیکن ان میں سے ایک بھی کام کی نظر نہیں آئی۔ کوئی شخصیت طارق سے منسوب نہیں نظر آتی تھی۔

"ٹھیک ہے ایاز۔ آرام کرو۔ میں ذرا باہر جاؤں گا۔"

"کوئی خاص پروگرام ہے؟"

"نہیں...... بس ایسے ہی کسی سے ملنے جانا ہے۔" میں نے جواب دیا اور ایاز نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹھیک پانچ بجے تیار ہو کر میں باہر نکل آیا۔ گاڑی کے آئینے میں دیکھ کر میں نے مونچھیں چپکا لی تھیں اور پھر کار کا رخ لیڈی جہانگیر کی کوٹھی کی طرف کر دیا۔

لیڈی جہانگیر نے اپنی کوٹھی کے برآمدے میں میرا استقبال کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی لیکن پھر اس نے مجھے پہچان لیا۔

"خوب حلیہ بدلا ہے۔ ایک نگاہ میں تو میں پہچان ہی نہ سکی۔ آؤ......" اس نے بڑی اپنائیت سے کہا اور مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ ڈرائنگ روم کے بجائے وہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے گئی تھی۔ "بیٹھو منصور...... خیریت؟"

"آپ کے لئے دو خوش خبریاں ہیں لیڈی صاحبہ۔" میں نے کہا۔

"اوہ...... نہیں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوش خبری وہ ہو گی جب تم بتاؤ گے کہ تمہاری امی اور بہن مل گئیں۔"

"ہاں' شاید کبھی یہ خوش خبری بھی سنا دوں گا۔ فی الحال آپ کی ایک امانت لایا ہوں۔" میں نے کہا اور بیگ سے وہ فائل نکال کر لیڈی جہانگیر کی طرف بڑھا دیا۔ جس میں اس کے کاغذات وغیرہ موجود تھے۔

"کیا ہے یہ؟" لیڈی جہانگیر نے اشتیاق سے کہا اور مسکراتے ہوئے فائل کھول دیا۔ اس نے پہلے ایک دو کاغذ دیکھے' اس کی سمجھ میں شاید کچھ نہیں آیا تھا پھر اس نے تصویروں کا لفافہ نکالا اور ان میں ایک تصویر دیکھی۔ تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے دوبارہ تصویر اٹھائی اور اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کی بینائی متاثر ہو گئی ہو۔ اس کے بعد اس نے دوسری تصویریں نکالیں اور انہیں دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

تصویریں دیکھنے کے بعد اس نے کاغذات دیکھے اور وہ دیر تک گردن نہیں اٹھا سکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے میری موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس کا پورا بدن کانپ رہا تھا اور پھر وہ اضطرابی انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ بلاشبہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی گویائی سلب ہو گئی تھی۔ مجھے اس کی اس حالت پر رحم آنے لگا اور میں نے جرات کر کے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خود کو کنٹرول کریں لیڈی صاحبہ! کیا یہ آپ کے لئے خوشخبری نہیں ہے۔" میں نے محبت آمیز انداز میں کہا۔

"منصور...... منصور......" اس بار وہ چیخنے کے سے انداز میں بولی اور اٹھ ------ گئی۔ ایسے بے اختیار ہو کر ------ کہ اسے تن من کی سدھ بدھ نہ رہی۔ وہ اب بھی بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کیفیت پر میں اس سے تعرض نہ کر سکا۔ میرے ہاتھ اس کی پشت پر تھپکیاں دے رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ اسی عالم میں کھڑی رہی۔ اس کی اس بے پناہ خوشی سے مجھے بھی دلی مسرت ہوئی تھی۔ میں کسی کے کچھ کام تو آیا۔ آج تک دوسروں پر بوجھ تھا لیکن آج ...... اب جب میں نے اس زندگی میں پہلا قدم

رکھا تھا۔ میں خود بھی کسی کے کام آیا تھا۔

"منصور...... ! لیڈی جہانگیر نے ------ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

ان نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا ------ اظہار تشکر' اظہار ممنونیت' اظہار محبت اور نہ جانے کیا کیا...... میرا ہاتھ بے اختیار اس کے ریشمی بالوں میں الجھ گیا۔ اس کے اس درجہ اپنائیت کے اظہار نے میرے دل میں بھی اس کے لئے ہمدردی کے جذبات جگا دیئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ نارمل ہو سکی اور پھر اس نے میرے سینے سے سر لگا لیا۔

"کیسے یقین کر لوں منصور۔ کیسے یقین کر لوں؟" وہ کپکپاتے لہجے میں بولی۔

"مجھے خوشی ہے لیڈی صاحبہ کہ میں آپ کے کسی کام تو آیا...... ان کاغذات اور تصاویر نے آپ کو ذہنی طور پر پریشان کر رکھا تھا۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ آپ اس شکنجوں کی گرفت سے آزاد ہو گئیں۔"

"منصور.......... مجھے یقین نہیں آ رہا' منصور۔"

"براہ کرم ان چیزوں کا صحیح طور سے جائزہ لیں۔ اس کے علاوہ تو کوئی اور چیز نہیں رہ گئی۔"

"نہیں...... اس میں نیگیٹو بھی موجود ہیں۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"تب براہ کرم پہلے آپ میرے سامنے ان تمام چیزوں کو جلا دیں۔ انہیں تلف کرنے کے بعد ہم دوسری باتیں کریں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ خود باہر جا کر ماچس لائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس کی اس جذباتی کیفیت کو سمجھ رہا تھا اس لئے اس کی تمام اضطراری کیفیتوں میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ واش بیسن میں ساری چیزوں کو رکھ کر اس نے آگ لگا دی...... ذرا سی دیر میں ساری چیزیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ تب اس نے سکون کی سانس لی اور بیسن کا نل کھول دیا۔ راکھ کا آخری ذرہ بھی بہ گیا تو میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

ذرا سی دیر میں لیڈی جہانگیر کے چہرے کی کیفیت بدل گئی تھی' وہ بہت مطمئن اور مسرور نظر آنے لگی تھی۔ "اب تو بتا دو منصور! یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گئیں؟" اس نے پوچھا۔

"یہ سوال دوسری خوش خبری سے منسلک ہے' لیڈی صاحبہ! میں نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے' جس کے خواہش مند یہ لوگ تھے اور ابتدائی مہم کے طور پر میں نے طارق کو ایک ہاتھ سے محروم کر دیا ہے۔ اس وارننگ کے ساتھ کہ وہ مجھے میری ماں اور بہن کے معاملے میں معلومات فراہم کرے ورنہ...... میرا دوسرا وار اس کی آنکھوں پر ہو گا۔ میں اسے قتل بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے اسے آخری موقع دیا ہے اور میری یہ دھمکی سیٹھ کے لئے چیلنج بھی ہے۔"

"اوہ...... تم نے...... تم نے......؟"

"ہاں...... اس کے ایک ہاتھ میں تین گولیاں ماری ہیں اور وہ اب کسی ہسپتال میں ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس سے یہ فائل بھی حاصل کر لی۔"

"تمہیں اس عالم میں بھی میری الجھن کا احساس رہا منصور!" لیڈی جہانگیر نے ممنونیت سے کہا۔

"ہاں...... میں اپنے ہمدردوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"تم نے اس سے یہ فائل طلب کیا تھا؟"

"نہیں...... بلکہ میں نے اسے زخمی کرنے کے بعد گھر کی تلاشی لی تھی اور بہت کچھ پانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"بہت کچھ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"آپ کے علاوہ بہت سے لوگ بھی اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے تھے۔ بلیک میلنگ اسٹف بھی میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

"تو اسے یہ معلوم نہیں کہ تم میرے لئے...... میرا مطلب ہے کہ میرے تمہارے درمیان مفاہمت ہے؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"نہیں...... وہ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا اور لیڈی جہانگیر کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔ "اس سے ہم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہیں منصور!"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں کسی مناسب ذریعے سے اس کے زخمی ہونے کی خبر ملنے کے بعد اس کی عیادت کروں گی اور چند ماہ تک باقاعدگی سے اسے وہ رقم ادا کرتی رہوں گی جو اسے دے رہی ہوں تا کہ اسے یہ احساس نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رابطہ ہے۔ اس طرح میں تمہارے خلاف ہونے والی کارروائیوں سے بھی باخبر رہوں گی اور تمہیں ان سے مطلع کرتی رہوں گی۔"

"ترکیب عمدہ ہے لیکن آپ میرے لئے یہ تکلیف......"

"منصور......" لیڈی جہانگیر نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "اتنی غیریت کی گفتگو مت کرو۔ تمہیں نہیں معلوم میری زندگی کس طرح گزر رہی تھی۔ اس بدبخت نے کئی بار مجھے برے مقاصد کے لئے استعمال کیا تھا۔ میں وہ سب کچھ کرنے پر مجبور تھی، جس کا وہ مطالبہ کرتا تھا۔ تم خود سوچو منصور...... میرا، معاشرے میں ایک باعزت مقام ہے لیکن اگر میرے کسی گھناؤنے جرم کا انکشاف ہوتا..... تو پھر میری کیا پوزیشن رہ جاتی؟"

"ہاں، یہ تو درست ہے۔"

"تو پھر...... میری روح کو زنجیروں سے آزاد کرانے کے بعد بھی تم یہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے کوئی کام کر کے تکلیف محسوس کروں گی منصور...... میری ایک اور درخواست ہے منصور! مجھے امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ اس پوری دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جس پر میں بھروسہ کر سکوں۔ جس کی ذات کو میں کسی طور پر اپنی ذات سے منسلک سمجھوں۔ میری ذات پر مکمل بھروسہ کرو۔ مجھے اپنے مشن میں شریک سمجھو۔ میری خواہش ہے منصور کہ میں خود کو تنہا سمجھ کر نہ جیوں۔ مجھے احساس ہو کہ میں بھی کسی کے لئے کارآمد ہوں۔ میرا کوئی اپنا بھی ہے۔" لیڈی جہانگیر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

میں اس کے لہجے کی سچائی محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل اس کے سچے جذبات سے پگھل رہا تھا۔ وہ بے چاری اپنے لئے کچھ نہیں مانگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے اس کا خلوص، الفاظ کی شکل میں ٹپک رہا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے لیڈی صاحبہ! آپ مجھے ایسا مقام دے رہی ہیں جس کے قابل نہیں ہوں۔ میری اور آپ کی حیثیت اور مقام میں بڑا فرق ہے۔ میں تو تقدیر کے بھنور میں پھنسا ہوا ایک معمولی سا انسان ہوں جو کسی کی ذات کے لئے بوجھ تو بن سکتا ہے، اس کا سہارا نہیں...... لیکن اگر آپ مجھے سہارا دے رہی ہیں تو میں یہی سمجھوں گا کہ میری تقدیر بھنور سے نکل رہی ہے۔"

"آج سے تم کسی طور خود کو کمتر نہیں سمجھو گے۔ جو کچھ کرو گے، پورے اعتماد سے کرو گے۔ سچے انسان کی حیثیت سے وعدہ کرو منصور، کہ اپنی کسی الجھن کو مجھ سے نہیں چھپاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے لیڈی صاحبہ! میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"طویل عرصہ گزر گیا منصور۔ بہت طویل عرصہ...... جب سے کسی نے مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ جہانگیر نے بھی نہیں، کیوں کہ میں ان کے ہونٹوں سے یہ نام نہیں سننا چاہتی تھی... تم میری یہ خواہش بھی پوری کر دو گے؟"

"اوہ... کس نام سے پکارا جاتا تھا، آپ کو؟"

"گل... میرا اصلی نام دردانہ ہے لیکن بچپن میں مجھے، میرے پیارے گل ہی کہا کرتے تھے۔"

"لیکن میں آپ کا ملازم رہ چکا ہوں۔ یہ بے تکلفی کیسے روا رکھ سکوں گا۔"

"پرانی باتیں ذہن سے نکال دو، منصور!"

"کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

ہم دونوں ملازمہ کی طرف دیکھنے لگے جو چائے اور اس کے ساتھ دیگر لوازمات لے آئی تھی۔ جب وہ چلی گئی، تو لیڈی جہانگیر میری مدارات کرنے لگی۔ اس نے میرے

لئے چائے بنائی پھر اس نے کہا۔ "جب تم نے ان لوگوں کے خلاف کام شروع کر ہی دیا ہے منصور! تو اپنے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تمہیں کچھ اور انتظامات بھی کرنے ہوں گے۔"

"مثلاً......؟"

"تمہارا قیام اب کہاں ہے؟"

"میں آپ کو چمن کے بارے میں مختصراً بتا چکا ہوں، گل!" میں نے جواب دیا۔

"اسی مکان میں ہو؟"

"ہاں میرے خیال میں وہ محفوظ جگہ ہے۔"

"مجھے وہاں کا فون نمبر دو۔" اس نے کہا۔

میں نے اسے فون نمبر بتایا اور کہا۔ "لیکن انتہائی ضرورت کے تحت مجھے وہاں فون کرنا اور فون پر کوئی رسمی گفتگو بھی نہ ہو۔ سیٹھ جبار کے ہاتھوں کی وسعت سے میں واقف ہوں۔"

"بے شک...... تم اطمینان رکھو۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ اپنی پشت اور ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے تمہیں چند افراد کی لانا ضرورت پڑے گی۔"

"اوہ...... ابھی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ قابل اعتماد لوگوں کے لئے کچھ دوسری چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔"

"وہ دوسری چیزیں میں فراہم کروں گی۔"

"مثلاً......؟" میں نے پوچھا۔

"سرمایہ...... سیٹھ جبار کی بیخ کنی صرف ہمارے لئے ہی نہیں، وطن کے لئے بھی ضروری ہے۔ وہ ایک ایسا عفریت ہے، جس کے پنجہ ستم میں نہ جانے کتنے افراد تڑپ رہے ہوں گے۔ یہ عفریت صرف دولت کے بل بوتے پر اتنا خونخوار ہو گیا ہے کہ خود کو ناقابل شکست سمجھنے لگا ہے۔ ہم اس کی دولت کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے لیکن اسے پریشان ضرور کر سکتے ہیں۔ تم ایسے آدمیوں کی تلاش کرو جو تمہارے لئے قابل اعتماد ہوں، انہیں ملازم رکھ لو۔ میں اس مد میں ایک بڑا اکاؤنٹ کھول دوں گی۔ سارے اخراجات اسی سے کرو۔ تمہیں ایک مخصوص اور جامع لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا اور میرے خیال میں، میں چند کام اور کروں گی۔"

"وہ کیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری ایک رہائش گاہ نہیں ہونی چاہئے، بلکہ شہر میں کئی ٹھکانے ضروری ہیں تاکہ کسی ایک جگہ کی نشان دہی نہ ہو سکے۔ بہرحال یہ چھوٹے چھوٹے کام میں خود کر لوں گی۔"

میں نے اس کی اس پیش کش سے انکار نہیں کیا۔ جس انداز میں اس سے گفتگو ہو چکی تھی، اس کے بعد میرا انکار بے معنی تھا۔ چنانچہ میں نے گردن جھکا دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ کام بھی کروں گا اور کوئی حکم؟"

"جہاں تک ممکن ہو، مجھے حالات سے باخبر رکھنا۔ ہم اس وحشی کو شکست دے کر ہی دم لیں گے۔"

لیڈی جہانگیر کے ساتھ کافی وقت گزر گیا تو میں نے کہا کہ میں ایک فون کروں گا۔ سات بج رہے تھے۔ میں نے پنی کا دیا ہوا فون نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے چند لمحے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"پنی بول رہی ہوں۔"

"سات بجے ہیں پنی! اور تمہیں معلوم ہے، اس وقت کون فون کرے گا۔"

"ہاں...... میں تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کیا پوزیشن ہے؟"

"تمہارا فون قابل اعتماد جگہ ہے؟"

"ہاں......"

"وہ سینٹ جیکب اسپتال میں ہے۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ابھی تک بے ہوش ہے، لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر بتائی جاتی ہے۔ رات کو میں نے اس کے مخصوص ڈاکٹر کو فون کیا جو بڑے آدمی کا ساتھی ہے۔ اسے صورت حال بتائی تو وہ فوراً پہنچ گیا، اور پھر وہی مجھے اور اسے اپنے ساتھ اسپتال لے گیا۔ صبح کو بڑا آدمی بھی آیا تھا لیکن اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ دوپہر کو اس نے اسپتال فون کر کے خیریت پوچھی تھی اور آج رات اس کے حضور میری طلبی ہے۔ ٹھیک نو بجے مجھے جانا ہے۔"

"تمہارے لئے کوئی مشکل تو نہیں پنی؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔"

"بہرحال تم کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرو گی...... اپنی پوزیشن جس طرح ممکن ہو صاف کر لینا۔ میں تمہارے اس تعاون کے لئے خلوص دل سے شکر گزار ہوں اور ہاں کیا تم اس وقت بھی اسپتال میں ہو؟"

"نہیں، اس مخصوص جگہ جہاں ہونا چاہئے تھا۔"

"تو پھر اب میں تم سے کس وقت رابطہ قائم کروں؟"

"احتیاط کے پیش نظر کل صبح دس بجے...... میں انتظار کروں گی۔"

"اوکے پنی! ایک بار پھر تمہارا......" میں نے کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ میں چند لمحے ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر

رکھ دیا۔ یہ لڑکی میرے لئے پراسرار ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن طارق جیسے بدطینت انسان کی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچا جا سکتا تھا کہ اس کی ذات سے بھی کوئی خوف ناک کہانی وابستہ ہو گی۔

کہانیاں ہی کہانیاں تھیں۔ میں نے دوسرا فون پروفیسر شیرازی کی کوٹھی پر کیا اور انتظار کرتا رہا۔ چند لمحے بعد فون ریسیو کیا گیا اور ایک ملازم کی آواز ابھری۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں؟"

"جی نہیں؟"

"اور سرخاب؟"

"بی بی بھی صاحب کے ساتھ گئی ہیں۔ یہ نہیں معلوم' کہاں گئی ہیں اور کب تک واپسی ہو گی......... آپ کون صاحب ہیں؟ کوئی پیغام ہو تو بتا دیں' میں کہہ دوں گا۔"

ملازم نے کہا اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔ میرا دل ان لوگوں کے لئے افسردہ تھا۔ میری اس روش سے انہیں جتنی تکلیف ہو گی' مجھے اس کا احساس تھا لیکن میں بھی تو بے قصور تھا۔ پروفیسر کی نصیحتوں کو میرا دل قبول کرتا تھا لیکن زمانے کے نزدیک وہ ایک مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ پروفیسر کو خود بھی احساس ہو چکا تھا۔ البتہ پروفیسر کی ایک کارروائی پر میں حیران تھا۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی گفتگو کیوں ریکارڈ کی تھی۔ حالانکہ پروفیسر جیسے شخص سے اس بات کی توقع کسی کو نہ ہو گی۔ وہ ایک نیک نفس اور امن پسند انسان تھے۔

پھر میں نے لیڈی جہانگیر سے اجازت طلب کی۔ "اب کھانا کھانے کے بعد جانا۔" اس نے کہا۔

"یقین کریں گل! کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ تکلف کا اب کیا سوال ہے۔"

"پھر کب ملاقات ہو گی؟"

"یہ سوال بھی بے مقصد ہے۔ ظاہر ہے روزانہ کسی نہ کسی طور رابطہ رہے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

میں اسے الوداعی الفاظ کہہ کر باہر آ گیا۔ میری کار اب گھر کی طرف ہی مڑ رہی تھی لیکن پوری احتیاط کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا تھا۔ جیل کی زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

گھر پہنچ کر تھوڑی دیر ایاز سے گفتگو کرتا رہا۔ طارق کا حال اسے بتا دیا تھا اور دوسرے دن کے لئے اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ سینٹ جیکب اسپتال کی نگرانی کرے اور حالات پر نگاہ رکھے۔ اس کے بعد آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں آ گیا۔

حسب معمول خیالات کا ہجوم تھا لیکن ان خیالات میں انتشار نہیں تھا۔ بس خود ایک سکون کا سا احساس تھا۔ اب مجھے اپنے اقدامات کا تعین کرنا تھا۔ مناسب اقدامات کا ہی کامیابی کی ضمانت ہو سکتا تھا۔ سب سے پہلے مجھے کچھ قابل بھروسہ اور خطرناک کی تلاش تھی۔ مجرم ذہن سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوتا جن لوگوں کو میں اپنے ساتھ ک کروں گا' ان کی اپنی کچھ خصوصیات بھی ہونی چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ وہ وفادار ہوں۔ ن کی چمک میں پگھلنے والے نہ ہوں اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ جبار میرے مقابلے میں پیسہ پانی کی طرح بہا سکتا ہے۔ جب کہ میرا دارومدار تو ابھی دوں پر ہی تھا۔ ہاں' ایک ذریعہ اور بھی سمجھ میں آ رہا تھا۔ میں ان لوگوں کا جائزہ لوں' کے کاغذات مجھے طارق کے پاس سے ملے تھے......... ان سے واقفیت حاصل کر کے لوگوں کو جنہیں' ان کے کسی گھناؤنے جرم کی پاداش میں بلیک میل کیا جا رہا ہو' ذریعہ نی بناؤں............ خواہ وہ مستقل بلیک میلنگ کی صورت کیوں نہ ہو' لیکن بہرحال' ان بڑی رقمیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ لیڈی جہانگیر جیسے مظلوموں کو نظر انداز کیا جا سکتا

اس کے بعد دوسرا سوال پیدا ہوتا تھا' ان لوگوں کی فراہمی کا......... چمن اس کام لئے اچھا ذریعہ بن سکے گا۔ اس نے بھی لوگوں کی فراہمی کی پیش کش کی تھی لیکن اس آدمی عام طور سے جیب تراش اور معمولی ذہنیت کے مالک ہوں گے۔ ان سے کوئی بڑا نہیں لیا جا سکتا۔ چنانچہ بہتر تھا کہ ایسے لوگوں کو باقاعدہ تلاش کیا جائے' ان جگہوں پر ان کے ملنے کے امکانات ہوں۔ کافی دیر تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر میں طارق کے ہاں سے حاصل شدہ فائل نکالے اور ان کے مطالعے میں غرق ہو گیا۔ سب پہلے جس کاغذ پر میری نگاہ پڑی' وہ کسی شیخ جمال الدین کا تھا۔ ایک باقاعدہ تحریر تھی' نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

"میں شیخ جمال الدین ولد شجاع الدین اعتراف کرتا ہوں کہ مسمات رقیہ بنت فرحت اللہ ساکن بادیان پورہ مکان نمبر بائیس کا قتل میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ میرے بیٹے مسعود اختر نے اسے اغوا کیا اور اس کی آبرو ریزی کی......... میں نے عین موقعے پر دونوں کو پکڑ لیا اور اپنے بیٹے کو سرزنش کرنے کے بعد' میں نے لڑکی سے گفتگو کی کہ وہ زبان بند رکھے۔ اس کے لئے میں نے

اسے ایک بڑی رقم کی پیشکش کی لیکن اس نے نہ صرف
اتنی بڑی رقم ٹھکرا دی بلکہ میرے منہ پر تھوک دیا اور
بڑے خطرناک لہجے میں کہا کہ اسے قتل کر دیا جائے ورنہ
وہ میرے بیٹے کو زندہ نہیں رہنے دے گی۔ مجبوراً میں
نے اسے گولی مار دی۔ کیوں کہ میں اس کے الفاظ کی
گھن گرج اور عزائم سے خوف زدہ تھا۔ میں اس کے
قتل کا اعتراف ہوش و حواس کے عالم میں کرتا ہوں۔

شیخ جمال الدین

یہ اعتراف پڑھ کر میں سناٹے میں آگیا۔ ایک اور المناک کہانی میرے علم میں
آئی تھی۔ ایک اور غریب گھرانا دردناک المیے کا شکار ہوا تھا' لیکن یہ طارق.......... نہ جانے
کیا کیا جتن کر کے اس نے یہ اعتراف نامہ حاصل کیا ہو گا۔ میں نے اس کاغذ کو سرفہرست
رکھ لیا میں نے سوچا تھا کہ سب سے پہلے اس پر کام کروں گا۔ مجھے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس
اعتراف نامے کی کتنی رقم مل سکتی ہے۔

"میں نے دوبارہ لاش کی تصویر دیکھی۔ وہ ایک خوبرو لڑکی تھی لیکن اچانک ذ
ذہن کے سارے تار جھنجھنا اٹھے۔ معصوم لڑکی کی لاش ایک اور صورت اختیار کر گئی تھی
ایک ایسی شکل جسے دیکھ کر جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے۔ ہاں وہ میری فرید
تھی.......... بالکل میری فریدہ۔

کیا کسی وحشی نے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں کیا۔ میری فریدہ کے
ساتھ........ دل سینے میں اتنی زور سے پھڑپھڑایا جیسے باہر نکل آئے گا۔ میں نے بمشکل
جذبات پر قابو پایا تھا لیکن میرے فیصلے میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ شیخ جمال کا راز اس کے
حوالے کر کے اس کی قیمت حاصل کرنے کے بجائے پہلے اس بدنصیب خاندان کی خبر تو لی
جائے۔ یہ تو دیکھا جائے' ان بدنصیبوں پر کیا گزری۔ وہ کس حال میں ہیں۔ شیخ جمال کو تو بعد
تفصیل سے ہی دیکھ لیا جائے گا۔ میں اس لڑکی پر ہونے والے ظلم کی فروخت نہیں کر سکتا
تھا۔ میں اتنا سنگدل نہیں بن سکتا تھا۔

راتیں بے سکون گزر رہی تھیں۔ کوئی نہ کوئی خیال' کوئی نہ کوئی احساس' نیند پر
اچاٹ کر جاتا تھا۔ اس وقت تک سکون کہاں نصیب ہوتا' جب تک ان دو بدنصیبوں کی خبر
نہ مل جائے۔

آج کی رات بھی بے خوابی میں گزری۔ صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ ناشتہ کرنے کے

بعد ٹھیک ساڑھے نو بجے فون پر پہنچ گیا اور پنی کے نمبر ڈائل کیے۔ پنی فون پر میری منتظر
تھی۔

"پہچانو' میں کون ہوں۔" میں نے اس کی آواز پہنچان کر کہا۔
"ساڑھے نو بجے ہیں۔ یہی کافی ہے۔" پنی نے ہنس کر کہا۔
"خیریت ہے پنی؟"
"بالکل خیریت سے ہوں۔ رات کو گئی تھی۔ کافی گفتگو ہوئی۔"
"خوب .... تفصیل بتا سکو گی۔"
"معلومات حاصل کی گئیں۔ وہ کون تھا؟ کیا حلیہ تھا؟ تفصیل پہلے سے تیار تھی۔
میں نے انتہائی خوف کے عالم میں پوری کہانی دہرا دی۔ تمہارا حلیہ بھی واضح طور پر بتا دیا۔
یہ سن کر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ دیر تک سوچتا رہا پھر مجھ سے پوچھا کہ میں کوئی
خطرہ تو نہیں محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے کہا نہیں۔ میں نے جگہ بدل دی ہے۔ مجھے
تھوڑی سی رقم دے کر حکم دیا گیا کہ میں خاموشی سے بیٹھوں اور بہتر ہے کہ چند روز باہر ہی
نہ نکلوں۔ اس کے علاوہ اسے اسپتال سے ہٹا لیا گیا ہے۔"
"اوہ........... کہاں رکھا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"کوٹھی میں.......... اپنی نگرانی میں۔ کئی ڈاکٹر وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔
پورے ہاتھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی ہے۔ اسے جوڑنا ممکن نہیں ہے چنانچہ ڈاکٹروں کا خیال
ہے کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ورنہ باقی جسم بھی متاثر ہو گا۔ بہرحال ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا۔
ہاتھ کاٹنے کے لئے کہیں اور لے جایا جائے گا۔"
"کہیں اور سے کیا مراد ہے؟"
"ظاہر ہے یہ کام گھر پر نہیں ہو سکتا لیکن وہ بضد ہے کہ سارا انتظام گھر پر ہی کیا
جائے۔ اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد میں چلی آئی اور میرا خیال ہے کہ اب
میں تمہیں اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دے سکوں گی۔"
"ہوں..... میں جانتا ہوں پنی۔ بہرحال تمہارے اس تعاون کے لئے شکر گزار
ہوں۔"
"مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے؟"
"کیوں نہیں پنی.......... تم نے میری جو مدد کی ہے' کیا میں اسے فراموش کر سکتا
ہوں۔"
"فراموش نہیں کر سکتے لیکن اعتماد بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" اس
نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔
"یقین کرو پنی........... میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں آئندہ بھی اطلاعات فراہم کرتی رہوں؟"

"ہاں پینی.......... یہ خواہش تو ہے' میرے دل میں اور یہ میری ضرورت بھی ہے۔"

"تو پھر مجھے اپنا فون نمبر دو۔ وعدہ کرتی ہوں کہ اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو بھی تمہارا راز منکشف نہیں کروں گی۔"

پینی کی اس بات پر میں سوچ میں ڈوب گیا۔ حالات کا جائزہ لیا تو پینی کے جذبوں میں صداقت نظر آئی۔ میں ان کاغذات کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ جن کی نشان دہی پینی نے کی تھی۔ اس طرح پینی کم از کم اس وقت تو مخلص ہی تھی۔ یہ دونوں رپورٹیں بھی اس کے خلوص کی ضامن تھیں لیکن خطرہ صرف یہی تھا کہ کہیں چالاک سیٹھ جبار سنک نہ جائے۔ پینی بے چاری اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی لیکن اس وقت طارق کے بارے میں معلومات کا اس سے بہترین ذریعہ اور کوئی نہیں تھا لہٰذا اگر یہ خطرہ مول لے لیا جائے تو کوئی خاص حرج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مزید پروگرام بھی تھا۔ یعنی لیڈی جہانگیر نے چند دوسری جگہوں کے لئے بھی کہا تھا۔ اگر چند اور ٹھکانے بن جائیں تو پھر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو' دوست' بہرحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری تجویز تھی' خواہش نہیں۔" پینی نے کہا۔

"نہیں پینی.......... میں اس بات کو کس طرح نظرانداز کر سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ تم میرے لئے کر رہی ہو۔ یہ تو تمہارا احسان ہے' مجھ پر۔"

"کوئی احسان نہیں دوست۔ جنگلوں میں لگی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے لیکن جو آگ دل میں پوشیدہ ہو وہ کبھی نہیں بجھتی۔ میں ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک جہنم سلگ رہا ہے لیکن وہ جہنم کبھی بھڑک نہیں سکتا کیوں کہ مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس ہے۔ میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن تم نے آ کر اس آگ کو پھر بھڑکا دیا.......... میں نے اپنے دشمن کو کرب سے تڑپتے دیکھا ہے اور تم ہی نے میری آنکھوں کو یہ ٹھنڈک بخشی ہے' لہٰذا تمہاری اعانت ایک قدرتی امر ہے اور میرا دل چاہنے لگا ہے کہ میں تمہاری مدد کرتی رہوں۔ اس طرح ان شعلوں کو سکون ملتا ہے' اس طرح دل کی جلن میں کچھ سکون حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے تمہیں یہ پیش کش کی تھی۔"

"میں تیار ہوں پینی۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لو بلکہ بہتر ہے کہ لکھنے کی بجائے ذہن نشین کر لو۔" میں نے اپنا فون نمبر بتایا جسے پینی نے کئی بار زیر لب دہرایا۔

"شکریہ.......... کل کس وقت تمہیں فون کروں؟"

"یہی وقت بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے.......... کل ساڑھے نو بجے میں تمہیں رپورٹ دوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ پینی! کیا تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"قیامت تک نہیں۔ یہ آگ میرے سینے میں سلگ رہی ہے اسی میں دفن ہو ے گی۔ میرا وجود ایک باعزت گھرانے کی رسوائی بن جائے گا۔ اس لئے براہ کرم اس ے میں کبھی مجھ سے مت پوچھنا۔" پینی نے کہا۔

"ٹھیک ہے پینی۔ میں تمہارے جذبات کا احترام کروں گا۔ لیکن پینی اب تم بارہ ان کے درمیان کس طرح واپس جاؤ گی۔"

"زیادہ مشکل کام نہیں ہو گا۔ بڑا آدمی جانتا ہے کہ میں اس کی داشتہ ہوں۔ وہ ُجھ سے کافی رغبت رکھتا تھا۔ میں محبت کا سہارا لوں گی اور کہہ دوں گی کہ میں اس کی بت کرنا چاہتی ہوں اور اس کے دشمنوں سے خوف زدہ ہوں کہ کہیں وہ پھر مجھے تلاش کر لیں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گی۔"

"ہاں یقین ہے۔"

"ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں' پینی! اس سے زیادہ کیا کہوں' کاش میں ارے بارے میں کچھ جانتا اور تمہارے دل کی آگ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتا۔"

"خدا حافظ.......... کل ساڑھے نو بجے۔" پینی نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"میں چند لمحے تک پینی کی آواز میں کھویا رہا اور پھر گردن جھٹک کر ٹیلی فون رکھ ا۔ اس قسم کے واقعات سن کر ایک احساس ضرور اجاگر ہو جاتا تھا کہ ساری دنیا میں صرف ں ہی غمزدہ نہیں ہوں۔ میں ہی ناکام و نامراد نہیں ہوں۔ بے پناہ لوگ ہیں جو زندگی کے خم ہونٹوں پر سجائے پھرتے ہیں۔ لوگ ان زخموں کو ان ہونٹوں کی مسکراہٹ سمجھتے ہیں کن یہ تو قریب جانے پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسکراہٹ نہیں زخم ہیں۔ میں کیا کائنات کوئی ایک فرد ان زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتا تھا۔ زندگی اور وسائل قطعی ناکافی ہوتے نا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو زخم سامنے آئے' اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لو۔ یک بھی زخم پر مرہم رکھا جا سکے تو رکھو' ایک لمحے سکون کا احساس تو ہو گا اور پوری زندگی کا سکون کا ایک لمحہ حاصل زندگی بن سکتا ہے۔

میرے سامنے ایک مشن تھا۔ سیٹھ جبار سے انتقام۔ معاشرے میں ایک برے سان کو جنم دیا تھا اس نے' اسے اس برائی کا مزہ تو چکھنا چاہیے۔ ماں اور بہن کی تلاش' جو ب ایک بھولی بسری داستان بن گئی تھیں۔ یہ داستان میرے وجود کی ساتھی تھی۔ جب تک ندہ ہوں انہیں تلاش کرتا رہوں گا.......... ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر مل ہی جائیں۔

ممکن ہے' بہن کا پیار ایک بار پھر میری ہستی میں شامل ہو جائے۔ ماں کی ممتا کبھی نہ کبھی
دوبارہ نصیب ہو جائے لیکن ان کے لئے دوسروں کو بھولنا مناسب نہیں۔ جس کے لئے جو
کچھ ہو سکے کرو تا کہ کسی کی دعا ہی زندگی میں پھول کھلا دے۔ اب میں مجرم نہیں ہوں۔
میں تو جرم کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ میں تو برائیوں کے خاتمے کا خواہاں ہوں۔

دس بج چکے تھے۔ میں نے ضروری تیاریاں کیں اور پھر گھر سے نکل آیا۔ آج
اور کوئی خاص پروگرام نہیں تھا اس لئے سیدھا بادیان پورہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نواحی بستی
تھی' جہاں ہر طبقے کے لوگ رہتے تھے' ان کی حیثیت کا اندازہ یہاں کے مکانات سے ہوتا
تھا۔

بادیان پورہ کے ایک صاف ستھرے بازار میں' میں نے کار روک دی اور اسے
لاک کر کے نیچے اتر آیا۔ خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
لباس معمولی قسم کا پہنا تھا۔ کسی نے توجہ نہیں دی۔ میں نے ایک جگہ رک کر مکان نمبر
بائیس کا پتہ پوچھا اور اس شخص نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"وہ نیلے رنگ کا مکان ہے۔" اس نے بتایا اور بولا۔ "کیا آپ فرحت چچا کے
پاس آئے ہیں۔"

"ایں......... ہاں۔ فرحت اللہ۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ وہی مکان ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اس مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان نیلے رنگ کا تھا مگر انتہائی بوسیدہ۔ در و
دیوار پر کہیں کہیں نیلا رنگ نظر آ رہا تھا ورنہ وہ بے رنگ تھا۔ دیکھنے ہی سے ایک حسرت
سی برستی محسوس ہوتی تھی۔ حسرت کی اس تصویر کے سامنے میں رک گیا اور میں نے
دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد ایک بچی نے دروازہ کھولا......... بارہ تیرہ سال کی
لڑکی تھی۔ نقوش انتہائی حسین' جن کا اس مکان میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے مجھے
سلام کیا اور میں نے سلام کا جواب دے کر فرحت اللہ کے بارے میں پوچھا۔

"ابو بیمار ہیں۔ آپ کو جو کام ہو بتا دیں۔" بچی نے کہا۔

"ان سے ملنا ہے' بیٹے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا نام بتا دوں' آپ کا؟"

"منصور......."

"جی میں اطلاع دیتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی۔ لڑکی کے لہجے سے شرافت کا پتہ
چلتا تھا۔ وہ چند لمحے بعد واپس آئی اور بولی۔ "آیئے اندر تشریف لے چلیے۔"

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹے سے صحن سے گزر کر ایک کمرے
میں داخل ہوا۔ وہاں چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا۔

"تشریف رکھیے انکل......... ابو ابھی آ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹی اور
دروازے سے غائب ہو گئی۔ میں نے کمرے پر نگاہ ڈالی۔ ان چند کرسیوں اور اس
کے سوا یہاں کچھ نہیں تھا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ چند لمحے بعد ایک
اندر داخل ہوئے۔ سفید ریش' خمیدہ کمر اور چہرے سے نقاہت ٹپک رہی
.... میں نے سلام کیا اور نہایت تپاک سے جواب ملا۔

"بیٹھو بیٹے......... خدا خوش رکھے۔ بیمار ہوں' اس لئے کچھ آداب کی پیروی نہ
کر سکوں گا۔ محسوس مت کرنا۔" بزرگ پلنگ پر بیٹھ گئے۔ میں خاموشی سے ان کا جائزہ لیتا
.... جب وہ آرام سے بیٹھ گئے تو میں نے کہا۔

"میرا نام منصور ہے۔"

"ہاں......... صفیہ نے بتایا ہے لیکن بیٹے میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔"

"میں پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ نہ جانے کون سا جذبہ مجھے
لے آیا ہے۔ اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو میں آپ کی زندگی کے بارے میں چند
کرنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا آپ میری اس احمقانہ جرات کی پزیرائی کریں گے؟"
نے پوچھا۔

بزرگ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگے پھر آہ بھر کر بولے۔ "یہ گھر اس محلے کا سب
بدنام گھر ہے۔ اگر تم نے کسی سے اس کے بارے میں پوچھا ہو گا تو ہماری اوقات کا
اندازہ لگا لیا ہو گا۔ چنانچہ اب یہاں صرف جواب ملتے ہیں بیٹے! سوالات کرنے کا حق ہم کھو
چکے ہیں۔ تم سوال کرو۔ ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ سوال کیوں کیا گیا ہے۔" بزرگ نے
جواب دیا۔ ان کے لہجے کے اضمحلال سے میرا دل بھر آیا۔ بڑی مایوسی تھی' ان الفاظ میں۔
اس سے زیادہ مایوسی اور بے بسی کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ چند لمحے میں ان الفاظ کے غم آلود
اثر میں کھویا رہا پھر میں نے کہا۔

"یہ گھر بدنام کیوں ہے؟"

"مشیت ربی......... کون جانتے اس کے اس امتحان میں کیا بہتری پوشیدہ ہے۔"
بزرگ نے جواب دیا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہمارے زخم برہنہ ہیں۔ یہ تو روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے۔ کسی سے
چھپے نہیں۔ لوگوں کا یہی احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے ہم سے یہ چھت نہیں چھینی۔
اس احسان کے بدلے میں وہ ہمارے بارے میں کچھ بھی کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر ہم سے
سننا چاہتے ہو تو سنو......... ہماری مرحومہ بیٹی کو بدکار سمجھا جاتا ہے اور اس کی یہی بے
بسی جس میں ہم سب شریک تھے' اس کے قتل کا سبب بن گئی۔ ہمارا بیٹا چور تھا۔

ایک گھر میں چوری کرنے گیا تھا' گرفتار ہو گیا کیوں کہ گھر کے مالک پر قاتلانہ حملہ بھی کیا اس نے' اس لئے چوری کی سزا کے ساتھ ساتھ قتل عمد کی سزا بھی ملی۔ تین سال کی ہوئی ہے اسے۔" بزرگ نے بتایا۔

میرا دماغ جھنجنا کر رہ گیا۔ آہ...... یہ بدنصیب گھرانہ شدید غموں کا شکار تھا۔ بیٹے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ چنانچہ میں نے سوال کیا۔

"کیا نام ہے' آپ کے بیٹے کا؟"

"عظمت اللہ...... لیکن وہ اس نام کا مذاق ہے۔ ایک چور' اس نام کا مالک نہ ہو سکتا۔ تم اسے نفرت کہہ سکتے ہو۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"آپ کی بیٹی کا نام رقیہ تھا؟"

"ہاں...... یہی نام تھا اس بدنصیب کا۔"

"کتنے عرصہ قبل وہ قتل ہوئی؟"

"تین سال پورے نہیں ہوئے ابھی۔ اگر پورے ہو جاتے تو شاید ہمیں تمہارے سوالوں کا جواب نہ دینا پڑتا کیونکہ عظمت واپس آ چکا ہوتا۔"

"محترم...... اجنبی بلاشبہ اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں راز دار بنایا جا لیکن میرے کسی سوال میں کوئی تضحیک کا پہلو پوشیدہ نہیں۔ میں بصد احترام آپ سے سوالات کر رہا ہوں اور آپ نے کچھ کھویا نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں بیٹے۔ طویل عرصے بعد اس مکان کے دروازے پر ایک ا شخص نے دستک دی ہے جو قرض خواہ یا لعنت ملامت کرنے نہیں آیا بلکہ ایک مہ دوست کی حیثیت سے آیا ہے اور ہمارے احترام کی بات کرتا ہے۔ تم ہمارے لئے بے معزز مہمان ہو۔ ہم تمہاری مدارات کرنے کے قابل نہیں ہیں لیکن تمہارے سوالات خواہش پوری کر کے ہی دل مطمئن کر لیں گے۔" بزرگ کی آواز بھرا گئی۔

"آپ کا بیٹا کیا کرتا تھا؟"

"میں ریلوے میں ملازم تھا۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی مستقبل کی بہتری خواب دیکھے تھے۔ عظمت بی۔ اے کرنے کے بعد بہتر ملازمت کی تلاش میں تھا کہ یہ حا پیش آ گیا۔ اس کے بی۔ اے کرنے سے قبل ہی میں ریٹائر ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ ٹیوشن کے کما لیتا تھا...... ارادہ تھا کہ بی۔ اے کے بعد کوئی اچھی ملازمت کرے گا لیکن تقدیر گوارہ نہ ہوا۔ اب پینشن ملتی ہے۔ یہی ہماری گزر بسر کا ذریعہ ہے۔ میں ہوں' میری ب ہے اور ایک اور بوجھ ہے...... خدا اسے نظربد سے محفوظ رکھے۔ خدا کے علاوہ اس حفاظت کرنے والا اب کوئی نہیں ہے۔" بزرگ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آپ کی بیٹی پر بدکاری کا الزام کس نے لگایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"حالات نے بیٹے۔ ہمارے پاس تردید کے لئے آواز نہیں تھی' اس لئے خاموش ہو گئے۔"

"کیا وہ بھی پڑھتی تھی؟"

"ہاں۔ سال اول سے سال دوم میں آئی تھی۔ یہیں تک زندگی تھی۔"

"مسعود اختر کو جانتے ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔

"بوڑھے کا بدن کانپنے لگا۔ وہ بمشکل تمام برداشت کر رہا تھا لیکن اب اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"میں آپ کو رونے سے نہیں روکوں گا فرحت اللہ صاحب! روئیں تاکہ دل کا غبار نکل جائے کیوں کہ اس کے بعد آپ اتنی بے بسی میں کبھی نہیں روئیں گے۔ ہاں' فرحت اللہ صاحب! پھر آپ کبھی اس طرح نہیں روئیں گے۔"

"زخم دیکھ لو بیٹے! ان پر نمک پاشی کیوں کر رہے ہو؟" وہ روتے ہوئے بولے۔

"میں ان زخموں پر نمک نہیں بلکہ تیزاب لگانے آیا ہوں تاکہ تکلیف انتہا کو پہنچ جائے اور انتہا کے بعد تکلیف ختم ہو جاتی ہے سارے جراثیم جل جائیں گے اور زخم ٹھیک ہو ہی جائیں گے۔ سمجھے' فرحت اللہ صاحب! میں آپ کے زخموں کو مندمل کرنے آیا ہوں۔"

"ابھی نہیں میرے بیٹے...... ابھی نہیں۔ عظمت کو آ جانے دو۔ میں اپنا بوجھ اسے دے دوں پھر مجھے کوئی بھی غم نہیں ہو گا۔ مجھے ابھی نہ مارو۔" بزرگ بدستور روتے ہوئے بولے لیکن میں پتھر بن گیا تھا۔

"مسعود اختر کو آپ کس طرح جانتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا تھا۔ رقیہ نے مجھے بتایا تھا کہ ایک نوجوان اسے پریشان کرتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ بے حد خود سر اور بدتمیز...... میں نے عظمت کو سمجھا بجھا کر بھیجا کہ بیٹے جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے بس یہ احساس دلا دینا کہ غریبوں کی بھی عزت ہوتی ہے۔ عظمت اس سے ملا اور وہ عظمت کے ساتھ سخت بدتمیزی سے پیش آیا۔ اس نے کہا کہ عزت گھر میں محفوظ رکھو' اور میں نے اس دن سے رقیہ کے باہر جانے پر پابندی عاید کر دی' لیکن تقریباً ایک ماہ بعد جب رقیہ ایک دن اپنی سہیلی کے ہاں گئی تو مسعود اختر نے زبردستی اسے اپنی کار میں ڈال لیا اور اسے ساتھ لے گیا۔ رقیہ کی سہیلی نے مسعود کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا تھا ہم نے بھاگ دوڑ کی۔ پولیس میں رپورٹ کی لیکن رقیہ نہ مل سکی۔ پولیس نے رپورٹ لکھنے سے انکار کر دیا۔ شیخ جمال الدین بہت بڑا آدمی تھا اور اس کا بیٹا انتہائی معصوم...... پولیس نے صاف کہہ دیا کہ کار کا نمبر دیکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ مسعود اختر تو اغوا والے دن شہر ہی میں نہیں تھا...... پھر ایک سنسان علاقے میں رقیہ

کی لاش مل گئی۔ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اخبارات نے خبر شائع کی تھی کہ ایک بدکار لڑکی کو اس کے آشناؤں نے قتل کر دیا۔ کوئی گرفتار نہیں ہوا اور پولیس ہمیں پریشان کرتی رہی۔ ہم سے سختی سے کہہ دیا گیا تھا کہ مسعود اختر پر الزام نہ لگایا جائے۔ عظمت نوجوان تھا اور اپنی بہن سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس حادثے کے بعد تو وہ بے خوابی کا شکار ہو گیا تھا اور ایک رات جذبات سے بے قابو ہو کر وہ شیخ جمال الدین کی کوٹھی میں داخل ہو گیا لیکن غریب انسان کی تقدیر میں ناکامیوں کے سوا کیا ہوتا ہے۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں تین سال قید کی سزا سنا دی گئی اسے۔ یہ ہے ہماری کہانی۔" فرحت اللہ نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا.......... بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک اور منصور جیل میں تھا۔ ایک اور گھرانہ تباہیٔ کا شکار تھا۔ ایک اور عفریت نے ایک ہنستے بستے گھر کا سکون نگل لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ غم انگیز کیفیت کا شکار رہا اور پھر میں نے پوچھا۔ "آپ عظمت سے ملاقات کے لئے جیل جاتے ہیں۔"

"ابتدا میں کئی بار گیا تھا۔ اس وقت میں بیمار نہیں تھا لیکن پھر سخت بیمار پڑ گیا اور کوئی ایسا نہیں ہے جو خبر گیری کر سکتا۔ اب تو ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔" فرحت اللہ نے جواب دیا۔

"پڑوس کے لوگ آپ سے تعاون نہیں کرتے؟"

"پہلے کرتے تھے پھر یوں ہوا کہ میں بیمار پڑ گیا۔ چند لوگوں نے ہمارے حالات دیکھ کر تھوڑی بہت مدد کی لیکن بہت جلد انہیں احساس ہو گیا کہ بات ایک دو دن کی نہیں ہے' طویل عرصے کا معاملہ ہے اس لئے وہ اس یگانگت پر گھاٹے میں رہیں گے لیکن دور ہونے کے لئے انہوں نے غلط طریقوں کا انتخاب کیا۔ مظلوم رقیہ پر الزام تراشی کی گئی۔ عظمت کو سزا ہی چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں ہوئی تھی چنانچہ آہستہ آہستہ ہمارا شمار بدنام لوگوں میں ہونے لگا۔ شکر ہے' صفیہ ابھی چھوٹی ہے ورنہ..... ورنہ..... !" بزرگ کی آواز پھٹنے لگی اور انہوں نے بمشکل آنسو روکے۔

میں ذہن میں بہت سے فیصلے کر رہا تھا پھر میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"گزراوقات کا ذریعہ صرف پینشن ہے؟"

"ہاں بیٹے! خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ چھوٹا سا سہارا دے رکھا ہے' ورنہ خدا جانے کیا حال ہوتا ہمارا۔" فرحت صاحب نے کہا۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا "بہت بہتر محترم مجھے اجازت دیں۔ ہاں اگر مناسب سمجھیں تو یہ تھوڑی سی رقم رکھ لیں۔ میں آپ کے لئے بہت کچھ کروں گا لیکن پہلے سے آپ کو اس کے بارے میں بتاؤں گا نہیں اور یہ بھی نہیں

بتاؤں گا کہ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں۔ صرف ایک عرض کروں گا کہ اس کے پیچھے کوئی برا جذبہ یا آپ کو کوئی نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے۔"

"بیٹے! انسان کے پاس صرف چند چیزیں ہوتی ہیں۔ عزت' وقار اور دولت...... انہی چیزوں کو نقصان پہنچتا ہے اور انسان انہی کی حفاظت کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ ہمارے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے پھر نقصان کسے پہنچے گا۔ رہی اس رقم کی بات تو یقین کرو۔ ایک شے ہم نے اپنے پاس پوشیدہ رکھی ہے۔ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی' ہم نے۔ ورنہ ہم سے وہ بھی چھین لی جاتی اور وہ ہے ہماری انا..... تو میرے بیٹے تم دوست بن کر آئے ہو تو ہم سے ہماری انا نہ چھین کر لے جاؤ' ورنہ دوسروں میں اور تم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہم بھوکے نہیں ہیں۔ گزر ہو رہی ہے۔ جب اس قابل نہیں رہیں گے تو ضرور بھیک مانگنے لگیں گے۔"

میں نے خاموشی سے نوٹ جیب میں رکھ لئے۔ میں ان زندہ لوگوں کو نہیں لوٹ سکتا تھا' جو ان حالات میں بھی صبر و سکون سے جی رہے تھے۔ بڑی بات تھی۔ میں واپسی کے لئے اٹھ گیا تو وہ بزرگ بولے۔

"اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتاؤ گے بیٹے؟"

"میرا نام منصور ہے محترم۔ میں آپ کے اس چھوٹے سے خاندان سے بے پناہ ہمدردی رکھتا ہوں۔ اگر آپ کے لئے کچھ کر سکا تو بعد میں اپنا تفصیلی تعارف کرا دوں گا۔ ورنہ بے کار ہے۔" میں نے کہا اور انہیں حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ظاہر ہے انہیں اپنے بارے میں' میں کیا بتاتا............... ویسے ان کی داستان سے میرا دل دہل گیا تھا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا پھر ایک ہوٹل میں جا بیٹھا۔ چائے طلب کر کے میں خیالات میں ڈوب گیا۔ اب دوسرا اقدام کیا ہونا چاہیئے۔ نوجوان عظمت کی سزا نہ جانے کتنی رہ گئی ہے۔ کس طرح اس سے ملاقات کی جائے؟ یا اس کے لئے چمن بہتر رہے گا۔ چائے ختم کر کے میں نے بل ادا کیا اور باہر آگیا۔ اب میرا رخ چمن کے ٹھکانے کی طرف تھا۔

○

چمن نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ حسب معمول اپنے اڈے میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ "آؤ جان من! کہو' کیسی گزر رہی ہے؟" اس نے مسکراتے

"بس چمن...... دوستوں کی محبت کے سہارے جی رہا ہوں۔ ایک کام سے آ
ہوں۔"

"سو جان سے کہو۔" چمن بولا۔

"طارق کے بارے میں تمہیں معلوم ہی ہے' اس کے پاس سے کچھ کاغذات ملے
تھے۔ ان کاغذات میں مجھے ایک کہانی ملی ہے۔ تم بھی سوچو گے چمن کہ میرا کردار کیا ہے۔
خود ایک الجھا ہوا انسان ہوں اور دوسروں کی الجھنوں میں پاؤں پھنساتا پھر رہا ہوں۔ اس کے
لئے میں مسلسل تمہیں بھی پریشان کرتا ہوں۔"

"شہزادے! غور سے ایک بات سنو اور آئندہ کے لئے الجھنوں سے نجات پالو۔
میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سیٹھ جبار سے میری بھی دشمنی ہے۔ میں نے خود آج تک اس
کے خلاف کچھ نہیں کیا اور اس کی بھی چند وجوہ ہیں جن کی تفصیل میں تمہیں نہیں بتا
سکوں گا لیکن میں نے تمہیں اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ جو دل چاہے کرو' جہاں میری مدد کی
ضرورت ہے' وہاں تکلف مت کرو۔ باقی رہے' دوسروں کے معاملات...... تو یہ تمہارا ذاتی
فعل ہے اور میں۔ اس میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ مجھ سے جو امداد چاہو بلا تکلف
مجھے بتایا کرو۔ بولو کیا بات ہے؟"

"جیل میں ایک قیدی سے ملاقات کرنی ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں تین سال کی قید کاٹ رہا ہے۔ نام عظمت
ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم تنہا جاؤ گے یا میں بھی چلوں؟"

"جیسا تم پسند کرو۔"

"تو پھر یوں کرو' میں تمہیں جیلر کے نام ایک پرچہ دے دیتا ہوں۔ تم چلے جاؤ'
وہ تمہاری مدد کرے گا۔ میری اس سے شناسائی ہے۔"

"بہتر ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ چمن نے کاغذ قلم اٹھا کر مجھے ایک پرچہ لکھ
دیا۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ میں عظمت کا رشتے دار ہوں اور اس سے ملاقات کا
خواہش مند ہوں۔ پرچہ لے کر میں باہر نکل آیا۔ جیل سے بہت دور میں نے کار روکی تھی
اور پھر نیچے اتر کر پیدل چل پڑا۔ جیلر تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ تھوڑی سی رقم نے
ہر مشکل حل کر دی تھی...... البتہ جیلر شریف آدمی تھا۔ چمن کا خط دیکھ کر اس نے گردن ہلا
دی۔

"ٹھیک ہے تم قانوناً بھی اس سے مل سکتے ہو۔ اس پرچے کی ضرورت نہیں
تھی۔ میں بندوبست کئے دیتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد میں عظمت کے سامنے تھا۔ وہ بلند

قامت اور خوب صورت نوجوان تھا۔ چہرے پر شرافت اور معصومیت تھی لیکن جیل کی
زندگی نے اس کی صحت خراب کر دی تھی۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" وہ بولا۔

"ہاں عظمت...... میں تمہارے لئے اجنبی ہوں لیکن کیا حرج ہے' اب شناسائی
ہی۔ تمہاری سزا کتنی باقی رہ گئی ہے۔"

"دو ماہ...... کیوں کہ چھ ماہ کی سزا معاف ہو گئی ہے۔"

"اوہ...... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ جیل سے نکل کر تم کیا کرو گے؟" میں نے
پوچھا۔

"بڑا عجیب سوال ہے...... اور آپ یقین کریں' اس کا کوئی جواب میرے پاس
ہیں ہے۔ میں اپنے والدین کے پاس جاؤں گا اور اس کے بعد کوشش کروں گا کہ ان کے
کھوں کا مداوا کر سکوں۔"

"خدا تمہیں کامیاب کرے۔ ویسے آج میں تمہارے والد صاحب سے بھی ملا
وں۔"

"ملے ہو...... خدا کی قسم' میں ان کے لئے بہت پریشان ہوں۔ طویل عرصے سے
ن کی کوئی خیریت نہیں ملی۔ میں نے تین خط بھی لکھے تھے لیکن ان کا مجھے کوئی جواب نہیں
ا۔ جلدی بتاؤ' وہ کیسے ہیں؟" عظمت نے بے چینی سے پوچھا۔

"بالکل خیریت سے ہیں۔ فرحت اللہ صاحب کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ صفیہ
ر تمہاری امی خیریت سے ہیں۔ پینشن کی رقم برابر ملتی ہے جن سے ان کا گزارہ ہو جاتا
ہے۔"

"سب ٹھیک ہیں۔ خدا کا شکر ہے میرے دوست۔ تم نے میرا دن رات کا کرب
ر کر دیا ہے۔ میں نے کئی لوگوں سے کہا تھا کہ وہ مجھے میرے والدین کی خیریت سے آگاہ
ریں لیکن اس دنیا میں ایک دوسرے سے اس قدر بے نیازی ہے کہ کوئی کسی کو یاد نہیں
کھتا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ان کے بارے میں اطلاع دی۔"

"کوئی بات نہیں' دوست! میں کوشش کروں گا کہ تمہاری یہ سزا بھی ختم ہو
ئے۔ بہرحال اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو دو ماہ کے بعد جب تم یہاں سے آزاد ہو تو مجھ سے
ل پتے پر رابطہ قائم کرنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اسے چمن کا پتہ بتا دیا اور
ت نے پتہ ذہن نشین کر لیا۔

"یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو؟"

"میرا نام منصور ہے۔ بس اتفاق سے تمہارے حالات معلوم ہو گئے اور میں
نی ہمدردی کے ناتے' تمہارے والد سے اور پھر تم سے ملنے آیا ہوں۔"

"خدا تمہیں اس کا صلہ دے گا۔ تم نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔"

"یوں لگتا ہے عظمت کہ انسان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے اور پھر حالات اسے نہ جانے کیا بنا دیتے ہیں۔ بہرحال، ٹھیک ہے میرے دوست! کچھ لوگوں نے مجھے سنبھالا ہے۔ میں بھی اپنا فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔ خدا حافظ......"

میں وہاں سے نکل آیا۔ ایک بار پھر میں نے فون پر چمن سے رابطہ قائم کیا۔

"میں اس سے مل چکا ہوں، چمن! جیلر نے تمہاری وجہ سے مجھ سے تعاون کیا ہے۔ کیا تمہارے اس سے بہت گہرے تعلقات ہیں؟"

"میرے بارے میں جانتے ہو منصور! جو کام میں کرتا ہوں، اس کے سلسلے میں تعاون کرنے والے میرے کاروباری لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پولیس اور جیل...... میرا کاروبار انھی دائروں میں گھومتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے کاروباری تعلقات ہی ہیں۔"

"تب اگر ممکن ہو سکے تو ایک کام اور کر دو چمن!"

"ہاں کہو۔"

"عظمت کو تین سال کی سزا ہوئی تھی۔ چھ ماہ کی سزا معاف کر دی گئی اور اب صرف دو ماہ رہ گئے ہیں۔ کسی طرح یہ دو ماہ بھی ختم کرا دو۔ خواہ اس سلسلے میں کچھ ہی کیوں نہ خرچ ہو۔ میری خواہش ہے کہ اب وہ جیل میں نہ رہے۔"

"ہوں...... اگر دو ماہ رہ گئے ہیں اور جیل میں اس کا چال چلن بہتر ہو تو شاید یہ کام ممکن ہو جائے۔ ٹھیک ہے، میں جیلر سے بات کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ، چمن! تمہیں یہ کام کسی نہ کسی طور کرنا ہے۔"

"اطمینان رکھو، پوری کوشش کروں گا۔" چمن نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا تھا۔ ایاز موجود تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے بھیا...... وہ تو اسپتال سے جا چکا ہے۔"

"ہاں ایاز! معلوم ہو چکا ہے۔"

"یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟" ایاز نے پوچھا۔

"سیٹھ جبار لے گیا ہے، اسے؟" میں نے کہا اور ایاز مسکرانے لگا۔

"اس کا مطلب ہے، تمہارا محکمہ جاسوسی بہترین طریقے سے کام کر رہا ہے۔"

"اس کا ہاتھ ناقابل علاج ہے اور بہت جلد اسے کاٹ دیا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے۔ اس جیسے کمینے انسان کا یہی انجام ہونا چاہئے۔ وہ بھیا...... آج شام کو ذرا اجازت دے دو۔"

"ہاں، ہاں ضرور...... کہاں جانا ہے؟"

"وہ مل گئی تھی سسری۔ آج شام کو اس کے ساتھ پکچر دیکھنی ہے۔"

"اوہ...... ٹھیک ہے۔ ضرور دیکھو۔ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ارے نہیں بھیا...... ہم جیسے لچے لفنگے اس قابل کہاں کہ ایسے نیک کام کریں۔ ہاں اگر کبھی خود کو شریف زادہ سمجھ بیٹھے تو ضرور کوشش کریں گے...... تو میں جاؤں؟" ایاز نے پوچھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ایاز کے جانے کے بعد میں آج کے واقعات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ فرحت اللہ کی کہانی بے حد درد ناک تھی۔ میں ان لوگوں کی مدد کرنے کا خواہش مند تھا۔ گھائل کا دکھ گھائل ہی جان سکتا تھا۔ غیرت مند لوگ تھے لیکن کس طرح کچل کر رہ گئے تھے۔ ان پر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا لیکن اب میں انہیں کسمپرسی کا شکار نہ رہنے دوں گا۔ ممکن ہے کسی نیکی کے عوض میری جنت مجھے مل جائے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا پھر میں نے لیڈی جہانگیر کے دفتر فون کیا اور اس سے جلدی رابطہ قائم ہو گیا۔

"منصور بول رہا ہوں۔"

"خیریت دوست......" لیڈی جہانگیر کے لہجے کی تبدیلی صاف محسوس ہوئی تھی۔

"بالکل خیریت...... کیا کر رہی ہیں؟"

"پوری توجہ سے آج ہی دفتری امور پر توجہ دی ہے۔ سب لوگ حیران سے ہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"میری مسرتوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ میں نے ایک دوسرا کام شروع کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"فون پر نہیں بتا سکتا۔ آج آپ یہاں آ جائیں گی! میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"پتہ سمجھا دو۔ میں پانچ بجے پہنچ جاؤں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا اور میں نے اسے اپنے مکان کا محل وقوع بتا دیا تھا۔ "ٹھیک پانچ بجے پہنچوں گی۔"

"او۔ کے...... میں انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور فون ڈسکنکٹ کر کے شیرازی کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف رمضان ہی ملا تھا۔ اس نے بتایا سرخاب بی بی آئی تھیں۔ اپنے کپڑوں کے دو سوٹ کیس لے گئی ہیں، کہہ رہی تھیں، کہیں باہر جا رہی ہیں، چند روز کے لئے۔"

"اوہ...... میرے فون کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں..... پوچھنے لگیں کہ کوئی پتہ یا فون نمبر دیا ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔"
"کب تک واپس آئیں گی' یہ نہیں بتایا؟؟"
"نہیں صاحب! یہ نہیں معلوم' لیکن کافی سامان لے کر گئی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافی دن بعد آئیں گی۔" ملازم نے بتایا اور میں نے فون بند کر دیا۔

O

شام کو پانچ بجے لیڈی جہانگیر کار میں پہنچ گئی۔ میں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا...... وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی اور میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔
"عمدہ جگہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا...... اور میں بھی مسکرانے لگا۔
"ہاں' اب اس دوسرے کام کی تفصیل شروع کر دو۔ میں بے تاب ہوں۔" اس نے کہا۔
"میں نے آپ کو بتایا تھا گل! کہ آپ کے کاغذات کے ساتھ مجھے کچھ اور کاغذات بھی ملے ہیں' جن کے ذریعے طارق دوسرے لوگوں کو بھی بلیک میل کر رہا تھا۔ ان کاغذات میں مجھے ایک دستاویز ملی ہے جو کسی شیخ جمال کی ہے....."
میں نے لیڈی جہانگیر کو شروع سے آخر تک کی تفصیل بتائی اور لیڈی جہانگیر آبدیدہ ہو گئی۔ وہ بھی ان لوگوں کی غمناک کہانی سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ پھر اس نے آنسو خشک کر کے کہا۔
"میں جانتی ہوں منصور! تمہارے اندر ایک ہمدرد انسان چھپا ہوا ہے۔ اگر تم حالات کا شکار نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہوتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے' میرے دل میں تمہاری عزت بڑھتی جا رہی ہے۔ کیا تمہارے خیال میں عظمت رہا ہو جائے گا۔"
"چمن نے وعدہ تو کیا ہے۔ مجھے یقین ہے' وہ پوری کوشش کرے گا۔"
"اس کے بعد کیا کرو گے ان لوگوں کے لئے؟"
"آپ سے بھی کچھ امداد چاہوں گا گل!"
"حکم دو۔ میں دل و جان سے تیار ہوں۔"
"عظمت کو بہتر ملازمت دینا ہو گی۔"
"نہیں...... میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔" گل نے کہا۔
"کیا؟"
"اگر وہ اتنے اچھے لوگ ہیں تو پھر انہیں اس علاقے میں بھی نہیں رہنا چاہئے جہاں پر لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ فرحت اللہ تو یہ باتیں برداشت کر گیا لیکن جوان خون یہ باتیں نہیں برداشت کر سکے گا۔ ممکن ہے' عظمت سچ مچ کوئی جرم کر کے

مصیبت کا شکار ہو جائے۔"
"لیکن پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔"
"تم اگر مناسب سمجھو تو انہیں یہاں لے آئیں۔ میری تنہائی بھی دور ہو جائے ے۔ مجھے اب ہنگاموں سے دلچسپی ہو گئی ہے۔"
"اچھا خیال ہے۔ اگر اس طرح ایک خاندان کو بہتر زندگی مل جاتی ہے تو اس ے اچھی کوئی بات نہیں ہے گل!"
"بس تو ٹھیک ہے۔ باقی حالات تم مجھ پر چھوڑ دو اور ہاں...... مجھے ان کا پتہ بتا ۔ اگر چمن اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر میں اپنے طور پر کوشش کروں گی۔"
"آپ میری عظمت کے گن گاتی ہیں گل! حالانکہ آپ بذات خود فرشتہ سیرت ہا۔ مجھے تو بس رہ رہ کر ایک بات پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ جیسی فرشتہ نت خاتون مجھے پہلے مل جاتیں تو کیا میں ایک اچھا انسان نہیں ہوتا۔"
گل مسکرانے لگی...... پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "سچی بات تو یہ ہے منصور! اس نت تمہاری شخصیت میں یہ نکھار نہ ہوتا بس اس میں ایک غمناک پہلو امی اور فریدہ کی ندگی کا ہے ورنہ تم کندن بن گئے ہو اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں منصور! کہ ایک نہ ک دن وہ ضرور مل جائیں گی۔ خدا تم جیسے نیک سیرت انسان کو ایسا کوئی دکھ نہیں دے ۔ دشمن انہیں کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"
"خدا کرے ایسا ہی ہو گل۔ میں گزرے ہوئے تمام دکھوں کو بھول جاؤں گا۔"
"اچھا جناب...... یہ چند ضروری چیزیں آپ سنبھالیے۔" لیڈی جہانگیر نے پرس ول کر دو چابیاں نکالیں۔ "یہ چابی ایک فلیٹ کی ہے جو ساحل پر ہے۔ گرین شپ' ت کا نام ہے اور فلٹ نمبر گیارہ۔ یہ دوسری چابی ایک مکان کی ہے' اس کا پتہ میں آپ سمجھائے دیتی ہوں۔ دونوں جگہ فون موجود ہے۔ یہ جگہیں آپ کی رہائش گاہ بلکہ خفیہ نوں کے طور پر استعمال ہوں گی اور یہ کچھ پاس بکیں اور چیک بکیں ہیں۔ میں نے پانچ ف برانچوں میں آپ کے نام سے اکاؤنٹ کھولے ہیں۔ آپ کسی وقت جا کر کاغذات پر ط کر آئیں۔ میں نے بینکوں کے ذمے دار افراد کو سمجھا دیا ہے۔"
"جی......" میں نے گردن جھکا کر گہری سانس لی۔
"لیکن جناب منصور صاحب! ایک آخری بات اور عرض کر دوں۔ اگر آپ نے پیوں کے خرچ میں کسی بخل سے کام لیا تو میں یہ شہر چھوڑ کر خاموشی سے چلی جاؤں گی دا کی قسم پھر کبھی یہاں واپس نہیں آؤں گی۔ ذرا اس کا خیال رکھیں۔"
"نہیں گل...... میں آپ کے خلوص کا مذاق نہیں اڑاؤں گا۔ لیکن اس کے ہی گل! میں اور جگہوں سے بھی کچھ رقم حاصل کروں گا۔ جیسے شیخ جمال اور اس کے

بعد دوسرے لوگوں کو بھی دیکھ لوں گا۔"

"ہاں یہ کوئی حرج نہیں...... اس کے علاوہ آپ نے آدمیوں کے سلسلے میں کوئی کوشش کی ہے۔"

"نہیں...... میں تو اسی سلسلے میں مصروف رہا۔ پہلے اس سے نمٹ لوں۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چاہتی ہوں۔ لوگ تمہارے لئے مستعد رہیں۔ تمہیں کسی طور اس دجال سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

میں نے حسینہ سے چائے کے لئے کہہ دیا تھا۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر بعد چائے لے آئی اور لیڈی جہانگیر خود چائے بنانے لگی۔ حسینہ کو اس نے بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور اس سے چند باتیں بھی کیں۔ حسینہ کی باتوں پر وہ بھی خوب ہنسی تھی۔ اس نے رات کے کھانے کے لئے بھی حسینہ سے فرمائش کی اور حسینہ نے بڑی سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔

"تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے منصور! جانا ہو تو چلے جاؤ۔ میرا تو ابھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اطمینان سے جاؤں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

"نہیں گل! آپ یقین کریں، کوئی کام نہیں ہے۔" میں نے کہا اور وہ دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی۔

تقریباً سات بجے چمن کا فون موصول ہوا۔

"میں نے تمہارا کام کر دیا ہے منصور...... لیکن ابھی چار دن لگیں گے۔ پانچویں دن گیارہ بجے اسے رہا کر دیا جائے گا۔"

"اوہ چمن...... بہت بڑی خوش خبری ہے، میرے لئے۔"

"اور کوئی حکم سرکار؟"

"شرمندہ کر رہے ہو مجھے...... تو پھر میں اس کے استقبال کی تیاریاں کر لوں۔"

"ضرور...... اس کے علاوہ اور کوئی کام منصور؟ میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں چمن! اگر کوئی ہو گا تو ضرور بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر یہ بات لیڈی جہانگیر کو بھی بتا دی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی تھی۔ دس بجے کے قریب ایاز آ گیا۔ لیڈی جہانگیر کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میں نے اس کا تعارف کرا دیا۔ تقریباً گیارہ بجے کھانا کھا کر لیڈی جہانگیر رخصت ہو گئی۔ میں نے اسے چھوڑنے کی پیش کش کی تھی، لیکن اس نے قبول نہیں کی۔ اس کے جانے کے بعد ایاز مسکرانے لگا۔

"تم انہی کے ہاں ملازمت کرتے تھے بھیا؟"

"ہاں ایاز۔ .... بڑی نیک عورت ہے۔ اس نے میرے لئے وہ کچھ کیا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اتنے سارے ہمدرد مل گئے ہیں ایاز! کہ اب تو حسرت ہونے لگی ہے اس بات کی کہ کاش امی اور فریدہ بھی مل جائیں تو کتنی خوشیاں بیک وقت یکجا ہو جائیں۔ یہ دیکھو، اس نے میرے نام کے اکاؤنٹ کھولے ہیں اور یہ رقم اس لئے ہے کہ میں اپنے کام کے لئے ایسے لوگوں کو ملازم رکھوں جو میرے محافظ ہوں۔ کتنی رقم لکھی ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی۔" میں نے کہا اور پاس بکیں اٹھا کر دیکھنے لگا۔ مجموعی طور پر تمام بینکوں میں دس لاکھ روپے جمع کئے گئے تھے۔ میری آنکھیں پھیل گئیں۔ ان رقومات کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک میں عجیب سے احساسات میں ڈوبا رہا۔ ایاز بدستور مسکرا رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔ تب میں نے اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"کوئی بات ہے، ایاز؟"

"ہاں منصور بھیا! ہمت نہیں پڑ رہی۔"

"کہو... کیا بات ہے؟"

"عورت کی آنکھ سے کبھی سابقہ پڑا ہے، منصور بھیا؟"

"کوئی فلسفہ بیان کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ کائنات کا سب سے قدیم فلسفہ...... آنکھوں کی زبان بہت مشکل اور بہت آسان ہوتی ہے۔ بعض اوقات چٹکی بجاتے ہی سمجھ میں آ جاتی ہے اور بعض اوقات زیرک ترین انسان بھی اسے نہیں پڑھ سکتا۔ چاہے تو برا ہی مان جاؤ بھیا لیکن ان خاتون کی آنکھیں تمہیں کچھ بتاتی ہیں۔ کچھ کہتی رہتی ہیں تم سے۔ ایاز تمہارا بازو ہے۔ کیا تم اس سے بھی اپنے سینے کا راز چھپاؤ گے۔"

"ایاز...... کیسی باتیں کر رہے ہو۔ صاف صاف کہو، جو کہنا چاہتے ہو؟"

"لیڈی جہانگیر آپ کو چاہتی ہیں بھیا۔ یہ جذبہ ان کی آنکھوں میں بول رہا ہے۔ تم اس جذبے سے آشنا ہو یا نہیں؟"

"اب تو بقراط کا ہم نشین بن رہا ہے ایاز...... اور قصور تیرا بھی نہیں ہے، میرے دوست۔ محبوبہ کی رفاقت کے نشے نے تیری کھوپڑی ناکارہ کر دی ہے۔ یہ نشہ اتر جائے تو عقل کی باتیں کرنے لگے گا۔"

"گویا تم اس بات کو تسلیم نہیں کر رہے ہو۔" ایاز نے کہا۔

"ہاں...... اس لئے کہ اس کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک نیک نفس اور بلند حوصلہ خاتون ہیں۔ میں ان کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ یہ یگانگت صرف رحمدلی اور شکر گزاری کے طور پر ہے۔ کسی عورت کے لئے یہ سب سے مشکل کام ہے کہ وہ کسی کو اپنے خلوص کا یقین دلا سکے، دوسرا فوراً غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر بھیا! میں خاموشی اختیار کیے لیتا ہوں لیکن ایاز کی روزی ہی آنکھوں کا کھیل تھی۔ ہم جیب میں رکھی ہوئی رقم بھانپ لیتے ہیں اور اس بھانپنے کے فن میں اب اتنے طاق ہو گئے ہیں کہ ہر چیز بھانپ جاتے ہیں۔ چنانچہ پیارے بھائی! جب اظہار عشق ہو جائے تو ہمیں اس پیش گوئی پر داد ضرور دینا۔"

"نہیں ایاز! میں سنجیدہ ہوں۔ اس عورت کے بارے میں ایسا کوئی تصور ذہن میں نہیں آ سکتا۔ وہ ایک مخلص عورت ہے اور میرے لئے قابل احترام۔ اگر اس کے ذہن میں ایسا کوئی خیال پیدا ہو گیا تو مجھے سخت تکلیف ہو گی۔"

"یہ دوسری بات ہے۔ بہرحال میں یہ موضوع ختم کیے دیتا ہوں۔"

ایاز نے موضوع ختم کر دیا لیکن میں بستر پر لیٹ کر اس بارے میں سوچنے لگا۔ گل........ دردانہ گل' جہانگیر کی بیوی۔ اگر ایسے خیالات دل میں رکھتی ہے تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں تو صرف اس کا احترام کرتا ہوں۔ اس کے ان احسانات کے عوض.... میں اسے کوئی ایسا مقام نہیں دے سکتا۔

دوسری صبح پینی نے حسب وعدہ فون کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے بتایا کہ صورت حال کافی بگڑی ہوئی ہے۔ آج ڈاکٹر' طارق کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ سیٹھ جبار سخت غصے میں ہے اور میں اب مستقل طور پر طارق کی تیمار داری کے لئے مخصوص کر دی گئی ہوں۔"

"کیا سیٹھ جبار پریشان ہے؟"

"ہاں...... طارق اس کے لئے بے حد کار آمد تھا۔ رات کو اس کے پاس ایک شخص آیا تھا۔ جبار اسے افضال خان کے نام سے پکار رہا تھا۔ صورت سے ہی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ سیٹھ نے اسے تمہارا حلیہ بتایا ہے اور تمہاری تصویر دکھا کر کہا ہے کہ تم جہاں بھی نظر آؤ' تمہیں قتل کر دیا جائے اور وہ دو دن میں یہ کام کرنے کا وعدہ کر کے چلا گیا ہے۔"

"اوہ پینی ڈیئر...... بڑی دلچسپ بات ہے۔ اس کا حلیہ بتاؤ گی؟"

"بہت لمبا چہرہ ہے۔ آگے کے دانتوں کی پوری قطار سونے کی ہے۔ قد درمیانہ ہے لیکن بدن گٹھا ہوا۔ شلوار قمیض پہنتا ہے۔"

"خوب...... اور کوئی خاص بات پینی؟"

"نہیں بس اب مجھے اجازت دو۔ جہاں بھی ہوں گی تمہیں فون کروں گی۔ کل اسی وقت...... یا اگر تھوڑی بہت دیر ہو جائے تو فکر مت کرنا۔"

"خدا حافظ پینی...." میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سیٹھ جبار کو میرے ہاتھوں پہلی بار

ب پہنچی تھی لیکن اب مسلسل ضربیں پڑنی چاہئیں ورنہ لطف نہیں رہے گا۔ چنانچہ چند ت کے بعد میں نے چمن کے فون نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف سے چمن نے فون یو کر لیا۔

"منصور......."

"کہو شہزادے! خیریت؟"

"ایک آدمی کے بارے میں معلوم کرنا ہے' چمن!"

"ہاں ہاں۔ بولو.... کون ہے وہ؟"

"افضال خان....." میں نے کہا اور اس کا حلیہ دہرا دیا۔

"کیوں..... تمہیں اس شخص کی کیا ضرورت پیش آ گئی....." چمن حیرانی سے بولا۔

"اسے جانتے ہو چمن؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"بندرگاہ کے علاقے میں ایک ہوٹل "سی گل" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اسی ہے۔ یہ جوئے خانہ بھی ہے اور اس کی اوپری منزل میں افضال خان کی رہائش گاہ ہے۔ وہ وہیں ملتا ہے۔"

"اسے میرے قتل پر مامور کیا گیا ہے چمن۔ بہرحال' میں دیکھوں گا کہ کون کسے کرتا ہے۔ بس اسی لئے تکلیف دی تھی۔ خدا حافظ۔" میں نے فون بند کر دیا اور پھر کے پروگرام ترتیب دینے لگا۔ میرے اندازے کے مطابق آج کا دن خاصا ہنگامہ خیز ہونا ئے تھا۔

ایاز پر ان دنوں ایک اور دھن سوار ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیا کیا الٹی سیدھی ا خرید لایا تھا اور تنہائی میں بیٹھا طرح طرح کی شکلیں بناتا رہتا تھا۔ وہ میک اپ کی کر رہا تھا۔ اس وقت بھی جب میں اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو دروازے پر ہی نے مجھے روک دیا۔ وہ جھکی ہوئی' چابی کے سوراخ سے اندر جھانک رہی تھی اس نے وں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بازو سے پکڑ کر دروازے سے پیچھے آئی۔

"یہ کیا حرکت تھی حسینہ؟ اس طرح کسی کے کمرے میں جھانکنا بری بات ہے!" نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ساری ہی باتیں بری ہو گئیں تو پھر اچھی کون سی رہ جاتی ہے۔ یہ بری بات ڑہ بری بات ہے۔ اسے بھی تو دیکھو' میری مانو تو اسے کسی پیر فقیر کے پاس لے جاؤ میں تجربہ کار ہوں۔ صغرا کی بیٹی پر جب شاہ جنات کا اثر ہوا تو میں نے ہی اس کی ہتھیلیاں کر بتایا تھا کہ اس پر جن آ گیا ہے۔ اس لڑکے پر بھی آسیب سوار ہے۔ سمجھے؟ یقین نہ جھانک کر دیکھ لو۔ جب دیکھو سرخی پوڈر' جب دیکھو سرخی پوڈر۔"

"صغرا کی بیٹی بھی ایسا ہی کرتی تھی؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔ ایسا تو نہیں کرتی تھی پر حرکتیں اس کی بھی انوکھی تھیں۔" حسینہ
داہنے گال پر انگلی رکھ کر کہا۔
بڑی مشکل سے اسے ٹال کر میں ایاز کے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن ایاز
صورت دیکھ کر چونک پڑا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ ایاز کی محنت رنگ لائے گی۔ اس وق
اسے پہچاننا مشکل تھا اس نے جلدی سے ماسک اتار دیا اور مسکرانے لگا۔ "ہوں تو یہ ماس
تھا۔ کہاں سے لے آئے؟" میں نے پوچھا۔
"بازار سے......"
"اور ادھر حسینہ تمہارے لئے تعویز گنڈے کا انتظام کر رہی ہے۔" میں نے ا
حسینہ کی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ پھر میں نہ ایاز کو اپنا مافی الضمیر بتاتے ہوئے کہا
"ہمیں افضال خان کو دیکھنا ہے۔"
وہ خوش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ "ضرور دیکھیں گے بھیا بلکہ خوب غور سے دیکھ
گے۔"
میں نے ایاز کو پروگرام بتایا اور کمرے سے نکل آیا۔ افضال خاں کو میرے
پر مامور کیا گیا تھا اور میں آج پہلی بار سیٹھ جبار کو براہ راست چیلنج کرنے جا رہا تھا۔
رات کو تقریباً گیارہ بجے میں اور ایاز گھر سے نکل آئے۔ ہماری کار کا رخ ب
گاہ کی طرف تھا۔ ایاز نے سی گل' دیکھا ہوا تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی دیر بعد ہم سی گل'
داخل ہو گئے لیکن داخلے کے وقت ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اندر پہنچ کر ہم
الگ الگ میزیں سنبھال لیں۔ سی گل میں زیادہ رش نہیں تھا۔ غیر ملکی جہازوں کے
ملاح اور کچھ مقامی مزدور' جو بندر گاہ پر کام کرتے تھے...... وہاں موجود تھے سامنے ہی ا
لکڑی کا خوبصورت زینہ تھا۔ چند آنے والے سیدھے اس زینے سے اوپر چلے جاتے
میں نے اندازہ لگایا کہ اوپر شاید قمار خانہ ہے۔ میں نے کافی پی اور پھر اس کا بل ادا کر
اوپری حصے کی طرف چل پڑا۔ کسی نے تعرض نہ کیا۔ اوپر کا ہال کافی بڑا اور ایئر کنڈیشن
اور میزوں پر جوا ہو رہا تھا۔ مجھے اس سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ لیکن میں میزوں
درمیان چکر لگاتا رہا۔
حیرت کی بات تھی۔ ملک میں نہ تو جوئے خانے کے لائسنس جاری کیے جاتے
اور نہ ہی اس کی کسی اور طریقے سے ہمت افزائی ہوتی تھی۔ لیکن یہ قمار خانہ تو دھ
سے چل رہا تھا اور اس کی صرف ایک وجہ نظر آتی تھی کہ افضال خان' سیٹھ جبار کا
تھا۔ پولیس کو ادھر کا رخ کرنے کی جرات ہی نہیں ہوتی ہو گی۔ تھوڑی دیر میں جوا د
پھر آہستہ آہستہ ہال کی عقبی راہداری میں پہنچ گیا جو روشن لیکن سنسان پڑی تھی۔

داری کے اختتام پر ایک بڑا چوبی دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر مخمل کا قیمتی پردہ پڑا ہوا تھا۔
نے ایک نگاہ عقب میں ڈالی اور پھر تیز قدموں سے اس دروازے پر پہنچ گیا اور اسے
تہ سے دھکیل کر دیکھا۔
دروازے کا پٹ کھل گیا۔ میں آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دروازے کی
ری جانب ایک نفیس خواب گاہ تھی جہاں مدھم نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ فرش پر
ن قالین بچھا ہوا تھا اور اس کے بیچوں بیچ ایک صوفہ سیٹ تھا جس کے درمیان رکھے
ئے چاندی کے طاؤس پر پینے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ اور افضال خان ایک بھاری بھر
م عورت کے ساتھ بیٹھا لے نوشی کر رہا تھا۔ یہ عورت فاحشہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ
ی ساڑھی میں ملبوس تھی اور اس کے چہرے سے سخت گیری کا احساس ہوتا تھا۔ وہ دونوں
یں کرنے اور پینے میں اتنے محو تھے کہ انہوں نے میری آہٹ بھی محسوس نہیں کی تھی۔
نے دروازہ بند کیا تو افضال خان میری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس نے شاید کچھ کہا تھا
ونکہ عورت بھی گردن گھما کر دیکھنے لگی تھی۔
"افضال خان صاحب!" میں نے احمقانہ انداز میں کہا۔
"ہاں کیا بات ہے؟" اس نے گلاس رکھ دیا اور سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے
ھورنے لگا۔ "تم اونٹ کی مانند گردن اٹھا کر اندر کیسے گھس آئے۔ کسی نے روکا نہیں
ہیں؟" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔
"مجھے آپ سے بہت ضروری کام تھا۔" میں نے کہا تو وہ غصے سے کھڑا ہو گیا۔
اید وہ کسی ملازم کو بلانے کے لئے اس گھنٹی کی طرف جانا چاہتا تھا۔ جو ایک تپائی پر رکھی
ئی تھی۔
"اب آ ہی گیا ہے تو پوچھ لو کیا کام ہے۔ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے فائدہ۔"
رت نے کہا۔
"مجھے سیٹھ جبار نے بھیجا ہے۔" میں نے کہا۔
افضال خان کی پشت میں جیسے گولی لگ گئی ہو۔ وہ ایک دم رک گیا اور پھر پلٹ
ا پھر شاید اس کی عقل کھوپڑی میں واپس آ گئی۔ وہ غور سے مجھے دیکھنے لگا اور ساتھ ہی
ں کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔ لیکن اس کی جیب میں پستول نہیں تھا۔
کون سیٹھ جبار؟" وہ بوکھلا کر بولا۔
"تم اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہے ہو افضال خان!"
"میں کہتا ہوں تم یہاں کیوں آ مرے ہو؟"
"میں نے سوچا کہ تم مجھے تلاش کرتے پھرو گے۔ اس لئے......"
"لونڈے ہو ابھی۔ نئی نسل کے یہ گدھے چار دن میں ہی خود کو نہ جانے کیا

سمجھنے لگتے ہیں۔ تم افضال خان کو نہیں جانتے۔"

"میں جان پہچان کے لئے ہی آیا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" وہ سنبھل گیا اور اب اس کے چہرے پر خود اعتمادی کی جھلک تھی۔

"قتل ہونے آیا ہوں۔ یہی ہدایت ملی ہے' نا تمہیں؟"

"ہاں۔ یہی ہدایت ملی ہے لیکن بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں اس وقت کسی کو قتل کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ایک معزز خاتون یہاں موجود ہیں اور میرا قالین بے حد قیمتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں قابل احترام خاتون آپ کو میرے قتل پر اعتراض نہیں ہو گا؟" میں نے جھک کر کہا۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم دونوں۔" عورت کے چہرے پر بوکھلاہٹ نظر آنے لگی۔ اس نے اپنا پرس تلاش کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ارے۔ آپ تو تشریف رکھئے۔ ہم دونوں مذاق کر رہے تھے۔ بہت پرانے دوست ہیں اکثر ایسے مذاق کرتے رہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

عورت نے سوالیہ انداز میں افضال خان کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی تھی۔ اسے میری بے باکی میں اپنی توہین جھلکتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ تشریف رکھیں مسز بھیم جی میں واقعی اپنا قالین خراب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ گدھا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی رینگ رہا ہے۔"

"گردن دبا کر مارو گے تو قالین نہیں خراب ہو گا۔ تمہاری جیب میں پستول نہیں ہے۔ میں بھی خالی ہاتھ آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

افضال خان نے حقارت سے منہ بنایا اور دوبارہ اس گھنٹی کی طرف جھکا جو تپائی پر رکھی ہوئی تھی لیکن گھنٹی بج جاتی تو مزا ہی کیا تھا میں نے ایک نپی تلی چھلانگ لگائی اور اس کی پشت پر ایک زوردار لات رسید کر کے ایک صوفے کی پشت پر رکا اور پھر قالین پر کود گیا۔ وہ اچھل کر تپائی سے گزرتا ہوا دور جا گرا تھا۔

"ارے ارے یہ کیا شروع ہو گیا۔" عورت خوفزدہ آواز میں بولی پھر پرس سنبھال کر اٹھ گئی۔

میں نے بڑے احترام سے کہا۔" مادام آپ براہ کرم ایک کونے میں جا کھڑی ہوں۔ آپ کا باہر جانا میرے لئے بہتر نہ ہو گا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو کوئی......" یہ کہتے ہوئے میں نے جھکائی دی اور آبنوس کی ایک خوبصورت میز اچھل کر اس ایکویریم پر لگی جو سامنے ہی رکھا ہوا تھا۔ ایکویریم کا شیشہ ٹوٹ گیا اور مچھلیاں قالین پر گر کر تڑپنے

لگیں۔ "نقصان نہیں پہنچے گا۔" میں نے مسکرا کر جملہ پورا کیا۔

عورت دہشت زدہ ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور افضال خان اس صوفے سے ٹکرایا۔ جس کے پاس میں کھڑا تھا۔ میں نے قلا بازی کھائی اور اس کی گردن میں قینچی ڈال کر نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد دونوں کہنیاں قالین پر جما کر افضال خان کا چہرہ زمین سے رگڑنے لگا۔ کئی رگڑے دے کر میں نے اسے چھوڑ دیا اور دوسری قلابازی کھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور بڑے احترام سے خاتون کا بازو پکڑا اور اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس دوران افضال خان پیتل کا ایک مجسمہ لے کر میرے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ بل کھائی ہوئی حسین دوشیزہ کا تقریباً چار سیر وزنی مجسمہ پوری قوت سے میری طرف آیا۔ اگر میں جھک جاتا تو وہ عورت کے سر پر پڑتا اور یقیناً اس کے بعد اس کی شکل بھی پہچانی نہ جاتی اس لئے میں نے افضال خان کا وار...... اس کی کلائی پر روکا۔ عورت کو میری اس مدد کا پورا احساس ہوا تھا۔" میں نے اپنے حریف کو پیچھے دھکیل دیا لیکن وہ اب بھی اسی مجسمے سے پے درپے وار کر رہا تھا۔ مجسمے کے بازو اور ٹانگوں کے خلا میں اس کی انگلیاں جمی ہوئی تھیں اور وہ اسے گھما رہا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کا کوئی وار کامیاب نہیں ہوا تھا...... پھر مجھے موقع مل گیا اور اس بار میرے حملے سے افضال خان سر کے بل گرا تھا اور شاید اس کی گردن کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ میں نے خود ہی گریبان تھام کر اسے کھڑا کر دیا لیکن گردن کی شدید تکلیف اسے کھڑا نہیں ہونے دے رہی تھی اور وہ ادھر ادھر جھول رہا تھا۔ مجسمہ اس کے پیروں کے پاس کھڑا تھا لیکن وہ جھک کر اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ "نہیں افضال خان' تم اتنی جلدی ہار مان گئے۔ بڑا نام ہے تمہارا۔ سیٹھ جبار نے کچھ سمجھ کر ہی تمہیں میرے قتل پر مامور کیا ہو گا۔"

جواباً اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن تھام لی اور نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سر کے بل گرنے سے گردن کی کون سی گرہیں متاثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ افضال خان کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ میں نے اس کی گردن...... دونوں پیروں میں دبا کر ایک جھٹکا دیا تو وہ ڈکراتا ہوا ایک قلا بازی کھا گیا۔ البتہ اس کی گردن درست ہو گئی۔ رگوں کے اس کھیل کے لئے بھی میں جلال بابا کا ممنون تھا۔

"چلو اب کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ اٹھ بیٹھا لیکن اس کی حالت کافی خراب تھی۔ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے وہ کسی کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ بے بسی اس کے چہرے سے عیاں تھی اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو وہ اب تک چھ کی چھ گولیاں میرے سینے میں اتار چکا ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اس کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہونے

دیتا۔ "لعنت ہے سیٹھ جبار پر وہ ایسے گھٹیا لوگوں کے ہاتھوں منصور کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ دیکھا آپ نے خاتون' یہ افضال خان ہے اس علاقے کا بدمعاش۔ ایسے ہوتے ہیں بدمعاش۔ بہرحال' افضال خان! سیٹھ جبار سے کہہ دینا کہ اس نے جو پودا لگایا تھا وہ بخوبی پروان چڑھ رہا ہے۔ بہت جلد اسے اس کا پھل کھانے کو ملے گا۔" میں نے یہ کہہ کر اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

افضال خان کی آنکھوں میں موت ناچنے لگی تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے پستول کو دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ میں نے پستول کی نال اس کی پیشانی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "طارق کو میں نے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا تھا لیکن تمہیں دونوں ٹانگوں سے محروم کر دوں گا۔ اس چیلنج کے ساتھ کہ آج کے بعد تم کبھی اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہیں ہو سکو گے۔ ابھی پہلا مرحلہ ہے اور اس پہلے مرحلے میں' میں کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہو گا جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ میری ماں اور بہن مجھے نہیں مل سکیں گی اور اس وقت...... میں سیٹھ جبار پر زمین تنگ کر دوں گا۔ میرے یہ الفاظ اس تک پہنچا دینا۔" میں نے پستول کی نال سے اسے دھکیل دیا اور وہ چت گر پڑا۔

پستول جیب میں رکھ کر دوسرے ہی لمحے میں نے جھک کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں۔ افضال خان نے پیروں کی قوت سے مجھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے الٹا کر دیا اور پھر رانوں کے ایک مخصوص جوڑ پر دباؤ ڈالنے لگا...... افضال خان پوری شدت سے چیخ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی چیخ بھی ابھری تھی۔ میں نے دونوں ٹانگوں دائیں بائیں جھٹکے دیئے اور مخصوص پٹھے ہڈیوں سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اچھل اچھل کر قالین پر گر رہا تھا اور اس کے اردگرد ایکوریم سے گری ہوئی مچھلیاں بھی اسی طرح اچھل رہی تھیں۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں نے پستول نکال لیا۔ شاید افضال خان کی چیخیں سن لی گئی تھیں۔ پستول سیدھا کئے ہوئے میں دروازے کے پاس آیا اور پھر...... بھاری آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ناصر ہوں' صاحب۔ میری ضرورت تو نہیں ہے؟" باہر سے آواز آئی۔

"ہے۔" میں نے کہا اور دروازہ کھول دیا اور اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرے ایک جھٹکے سے باہر کھڑا ہوا شخص اندر آ گرا اور میں دروازے سے نکل کر دروازے کی کنڈی لگائی اور تیزی سے دوڑتا ہوا ہال میں جا پہنچا۔ جب میں ہال کی سیڑھیاں اتر رہا تھا تو میں نے قریب ہی لگی ہوئی گھنٹی کی کرخت آواز سنی۔ پیچھے سے کئی آدمی اوپر کی طرف دوڑے۔ میں نے انہیں جانے کا راستہ دے دیا تھا اور خود اطمینان سے اترتا ہوا

"بہت دیر لگ گئی منصور بھیا؟" ایاز نے کہا۔

"ہاں ایاز۔ اپنے متوقع قاتل سے ذرا لطف لے رہا تھا۔"

میں نے کاراسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"کام ختم ہو گیا؟"

"ہاں جتنا میں چاہتا تھا' اس حد تک تو ہو گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے ...ال خان کو دونوں ٹانگوں سے محروم کر دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ واپس پہنچ گئے تھے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی ...یت نہیں رکھتا تھا۔ سوائے اس کے کہ سیٹھ جبار کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ...ی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی ہے۔ بستر پر لیٹ کر میں نے ایک اور بات سوچی۔ افضال ...ن کے سلسلے میں' میں نے جو کچھ کیا ہے کہیں اس سے پنی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ ...ھ جبار یہ ضرور سوچے گا کہ افضال خان کے بارے میں مجھے اطلاع دینے والا کون ہے؟ ...یں شبہہ پنی تک نہ پہنچ جائے۔ بے چاری لڑکی میری اعانت کے جرم میں ماری جائے ...۔ واقعی اس کی زندگی غیر محفوظ تھی۔ بس ایک ہی کوشش ہو سکتی ہے آئندہ پنی کو ...ک نہ ہونے دیا جائے اس سے کہہ دیا جائے کہ فی الحال وہ میرے لئے اپنی سرگرمیاں ...رک کر دے۔

دوسری صبح میرے پیروں میں گدگدی ہوئی تو میں جاگ گیا۔ یہ احساس تھا کہ ...ئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ لیکن کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر ناریل کے تیل کی ...شبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور میں ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔ دیوار گیر گھڑی ...نے نو بجا رہی تھی۔ غسل خانے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے کہا۔ "حسینہ جلدی سے ...تہ لے آؤ۔ ایاز اگر نہ جاگا ہو تو اسے بھی جگا دو۔" اور پھر غسل خانے کا دروازہ کھول کر ...ر چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب باہر آیا تو "حسینہ کو وہیں مسہری کے پاس زمین پر بیٹھے دیکھا۔ ...شتہ لگ گیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں لگا' ناشتہ واشتہ۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے مسہری ...نیچے کیسے دیکھ لیا؟"

"اوہ۔ تو تم جب سے یہیں بیٹھی ہو۔ بہرحال' میں تیری طرح بچہ تو نہیں ہوں ...بڑا!"

"میں بچہ ہوں۔" وہ تن کر کھڑی ہو گئی اور میری آنکھیں جھک گئیں۔

"ہاں حسینہ تو بچی ہے۔ بہت چھوٹی سی۔ جا شاباش ناشتہ لگا دے۔ بھوک لگ رہی ہے۔"

"آنکھیں تو جیسے ہیں ہی نہیں۔ میں بچہ ہوں۔ اتنی بڑی تو ہو گئی۔ شادی ہو ہوتی تو آج چار بچوں کی ماں ہوتی۔ ہونہہ۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ب سے بھی گئی گزری تھی۔ اگر جوانی کا ذرا بھی احساس ہوتا تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتی۔

ناشتے کی میز پر ایاز نے بھی اس کے بارے میں بات کی تھی۔ یہ لڑکی بے وق ہے۔ ایسی فضول باتیں کرتی ہے کہ کوئی اور ہو تو اس کے کردار پر شک کرنے لگے۔

"اس کا ذہن ابھی بچوں جیسا ہے۔"

ایاز اخبار لے آیا کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے پینی کا فون آ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "منصور، افضال خان کے سلسلے میں کام دکھا دیا؟"

"اطلاع پہنچ گئی؟"

"ہاں۔ مسز بھیم جی کو جانتے ہو؟"

"پچھلی رات مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔"

"طارق کے خاص ساتھیوں میں سے ہے۔ رات ہی کو ہانپتی کانپتی پہنچی تھی۔ آدمی موجود نہیں ہے لیکن طارق پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ شاید کہیں باہر چلا جائے۔ بڑ آدمی کا انتظار کر رہا ہے۔ صبح کو ناشتہ بھی نہیں کر سکا۔"

"بڑے آدمی کو اطلاع پہنچ گئی؟"

"معلوم نہیں، لیکن میں کچھ پریشان ہوں منصور۔ اگر طارق ملک سے باہر چلا تو ممکن ہے مجھے بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرے۔ ان حالات میں، میں کیا کروں گی؟"

"مجھ پر بھروسہ کرو تو میں تمہیں پناہ دے سکتا ہوں لیکن یہ ضرور سوچ لینا ابھی سیٹھ جبار سے میرا جھگڑا بہت طویل ہے میرے ساتھی بھی میرے ساتھ مصائب کا ش رہیں گے۔ میں ابھی اپنے لئے بہتر راستے نہیں تلاش کر سکتا تو دوسروں کو کیا سہارا د سکتا ہوں۔"

"نہیں منصور تمہارا شکریہ۔ ابھی تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بڑا آدمی وا آئے گا تو اسی وقت کوئی صحیح صورت حال سامنے آئے گی۔"

"ایک انتباہ ضروری ہے، پینی۔ افضال خان کے معاملے میں انہیں کھوج ضرور گی کہ اس کی اطلاع مجھ تک کس طرح پہنچی۔ تم ہی وہاں ایک اجنبی شخصیت ہو اس طر تم خطرات میں گھر سکتی ہو۔"

"مجھے کوئی فکر نہیں، کسی دوست کے لئے کچھ ہو جائے تو کیا برا ہے۔" پینی بے پرواہی سے کہا۔

"لیکن دوستوں کو تمہاری زندگی کی ضرورت ہے پینی۔ اس لئے براہ کرم احتیاط رکھو مجھے روزانہ فون کرنا بند کر دو، ہاں اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو احتیاط کے ساتھ اپنے اردگرد سے باخبر رہ کر اطلاع دیا کرو۔"

"میری آواز سے بور ہونے لگے ہو کیا؟ خیر تمہاری ہدایت پر عمل کروں گی۔ خدا حافظ۔" پینی نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

ریسیور رکھ کر میں وہاں سے ہٹ آیا اور سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کوئی موثر ترکیب ہونی چاہئے جس کے ذریعے سیٹھ جبار کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو سکے۔ نہ جانے کیا بات تھی آج تک سیٹھ جبار کے جتنے بھی روپ سامنے آئے، ان میں وہ ایک ناقابل تسخیر پہاڑ کی مانند نظر آیا تھا۔ لوگ اس کا نام سن کر کانپ جاتے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے زیر کر لوں گا اور یہ یقین مجھے زندگی بخشتا تھا۔ آج اور کوئی پروگرام نہیں تھا سرخاب اور پروفیسر شیرازی یاد آئے تو کشمکش کا شکار ہو گیا۔ دل یہ کہتا تھا کہ اب ان سے ملنا بے کار ہے۔ اس عمارت میں اس وقت تک داخل ہوا جا سکتا تھا جب تک میں نے برائی کے راستوں پر چل نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا اب ان حالات میں وہ مقدس جگہ تھی اور وہاں قدم رکھتے ہوئے دل پر ایک بوجھ طاری ہوتا تھا۔ لیکن وہاں سرخاب تھی۔ اس کی پیشانی پر جھولتی ہوئی لٹ تھی جو فریدہ کی یاد دلاتی تھی ان لوگوں کا خلوص تھا اسی کشمکش میں بیٹھا تھا کہ ایاز آ گیا۔ حسب معمول میک اپ میں تھا "کہیں جا رہے ہو ایاز؟"

"ہاں منصور بھیا۔ آپ کا کوئی پروگرام؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ فکر مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔ میں ٹیلی فون کے پاس پہنچ گیا۔ اور پروفیسر کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے سرخاب نے ہی کال ریسو کی۔ "منصور بول رہا ہوں۔ سرخاب۔"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی طاری رہی تھی پھر وہ بولی۔ "اتنی جلدی کیوں بول پڑے بھیا۔ ہماری موت کا تو انتظار کر لیا ہوتا۔"

"پہلے بھی کوشش کر چکا ہوں تم لوگ موجود ہی نہیں تھے۔"

"دو روز ہو چکے ہیں آئے ہوئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے لیڈی جہانگیر کو بھی فون کر چکی ہوں۔ وہ نہ تو دفتر میں ملیں اور نہ ہی گھر میں ہیں۔ راشدہ بھی شاید ڈیوٹی پر نہیں آ رہی، سخت پریشان ہوں، میں تو۔" سرخاب کے لہجے میں واقعی پریشانی کی جھلک تھی۔

"پروفیسر کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بلجیم گئے ہیں۔"

"ارے اچانک...... اور مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے۔" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں بس مجھے بھی کچھ نہیں بتایا' اچانک ہی پروگرام بنا لیا۔"

"اور تم گھر پر اکیلی ہو؟"

"نہیں کچھ اور لوگ بھی ہیں......... مگر تم یہ ساری باتیں فون پر ہی کئے جاؤ گے' گھر نہیں آؤ گے؟" سرخاب نے کہا۔

"ان حالات میں تو میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ بہرحال' میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

پروفیسر کی اچانک روانگی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس دوران یہ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ ویسے میں پروفیسر کی کوٹھی دوسرے لوگوں کی نگاہ میں نہیں لانا چاہتا تھا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ شہر کے چپے چپے پر میری تلاش ہو رہی ہو گی۔ افضال خان کے ساتھی الگ دشمن بن گئے تھے۔ دوسری طرف طارق بھی خاموش نہیں ہو گا۔ ہرچند کہ وہ صاحب فراش تھا لیکن اس کے گرگے تو کام کر رہے تھے۔ ایاز کی کوشش مجھے پسند آئی تھی' وہ اپنا چہرہ بدل کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تو ہو جاتا تھا' میں نے بھی فیصلہ کیا کہ چہرے میں اتنی تبدیلی کرنا ضرور سیکھ لوں گا کہ عام لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکوں۔

میری کار کافی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی اور میں انتہائی توجہ سے اندازہ کرنے لگا کہ کہیں میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا؟ مجھے اس کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ دنیا اپنے اپنے معاملات میں مصروف تھی' مطمئن اور غیر مطمئن لوگ زندگی کی بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ قدرت نے انسان کو بھی کیا بنایا ہے۔ اس قدر بے بس ہونے کے باوجود کہیں خود کو سیٹھ جبار بنا لیتا ہے اور کہیں منصور......... کتنا فرق ہے ان دونوں کی زندگی میں؟..... حالانکہ موت دونوں کے لئے یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ ڈرائیونگ کے دوران میرے خیالات نجانے کہاں کہاں بھٹکتے رہے۔ بالآخر میں سرخاب کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ میری گاڑی دیکھ کر وہ قریب آیا اور مجھے پہچان کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ کار اندر جا کر پورچ میں رک گئی۔ پورچ کے سامنے ہی صدر دروازے میں سرخاب کھڑی تھی۔ اس کے عقب میں ایک اور نوجوان لڑکی بھی تھی۔ جسے میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سرخاب نے میرا استقبال کیا تھا۔ پھر اس لڑکی کی جانب رخ کر کے بولی۔ "یہ حنا ہے بھیا' میری کزن۔"

"بڑی خوشی ہوئی' آپ سے مل کر۔" میں نے سادگی سے کہا اور حنا نے ہلکی سی

مسکراہٹ کے ساتھ گردن خم کر دی۔ پڑھی لکھی لڑکی معلوم ہوتی تھی' خوش سلیقہ اور خوش لباس بھی تھی۔ سرخاب مجھے لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"حنا' منصور بھیا کے بارے میں' میں تمہیں بتا چکی ہوں اور یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ ان کے ساتھ میری ملاقات ذرا تنہائی ہی میں ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گی......"

"کوئی بات نہیں ہے' میں چلی جاتی ہوں۔" حنا نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے سرخاب سے کہا۔ "بھئی تم نے تو اس بے چاری لڑکی کو اس بری طرح نکال دیا ہے کہ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"نہیں بھیا۔ حنا بہت اچھی لڑکی ہے' میں اسے بتا چکی ہوں کہ تم میرے منہ بولے بھائی ہو اور ڈیڈی تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بہرحال' اپنی باتوں کے بعد ہم لوگ ساتھ بیٹھ کر چائے پئیں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے اندازہ تھا کہ تم مجھ سے ملاقات کے لئے کس قدر پریشان ہو گی' لیکن تم لوگ بھی تو اچانک ہی چلے گئے تھے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ میں کس حال میں ہوں۔ ضمانت ہوتے ہی سب سے پہلے تم سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے بھیا' مگر میں آپ کو تفصیل بعد میں بتاؤں گی' پہلے آپ مجھے جلدی جلدی شروع سے ابتک کے واقعات سنا ڈالیں خدا کی قسم آپ کو اندازہ نہیں ہے بھیا کہ ان اوقات کا ایک ایک لمحہ میں نے اور ڈیڈی نے آپ کے لئے پریشان ہو کر گزارا ہے۔" سرخاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"دیکھو بھئی تم جانتی ہو کہ میرے دشمن کس طرح میری تاک میں لگے ہوئے ہیں' ان حالات میں تو قابل معافی ہوں' بہرصورت تفصیل سن لو۔ لیڈی جہانگیر کے بارے میں' میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا تھا' وہ نہایت نیک اور شریف النفس خاتون ہیں اور مجھ پر لگایا ہوا الزام بھی ان کی ایک مجبوری تھی۔"

"واہ! اچھی مجبوری ہے' میں اس عورت سے نفرت کرنے لگی ہوں' جس نے آپ پر اتنا چھچھورا الزام لگایا۔"

"نہیں سرخاب! یقین کرو کہ وہ قابل نفرت نہیں بلکہ بہت عظیم عورت ہے' یوں سمجھ لو کہ وہ بھی اسی ذلیل شخص کا شکار ہے جس کا میں شکار ہوں۔"

"یعنی سیٹھ جبار......؟"

"ہاں سیٹھ جبار اور اس کا خاص آدمی طارق بھی..... طارق نے اس کی زندگی برباد کر کے رکھ دی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب وہ طارق کے پنجے سے آزاد ہو چکی ہے۔"

"ایسے نہیں جناب' میں تفصیل سننا چاہتی ہوں۔" سرخاب نے کہا۔

"بس تو یوں سمجھو کہ لیڈی جہانگیر نے طارق کے مجبور کرنے پر مجھ پر وہ الزام لگایا تھا' دراصل طارق مجھ سے ایک آدمی کو قتل کرانا چاہتا تھا۔"

"ہوں' طارق سے آپ کی ملاقات وہیں لیڈی جہانگیر کے دفتر میں ہی ہوئی تھی نا۔"

"ہاں' وہ کم بخت بلیک میلر ہے اور لیڈی جہانگیر کو ایک ناکردہ گناہ پر بلیک میل کر رہا تھا۔ بہرصورت اس کے بعد اس نے میری ملاقات سیٹھ جبار سے کرائی اور اپنی دانست میں مجھے سیٹھ جبار سے معافی دلوانے کی کوشش کی۔ سیٹھ جبار نے شرط عاید کر دی کہ میں ایک غیر ملکی کو قتل کر دوں لیکن میں نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا' چنانچہ چھوٹی سی سزا کے طور پر مجھے لیڈی جہانگیر کے ذریعے دوبارہ حوالات بھجوا دیا گیا' لیڈی جہانگیر نے ذہانت سے کام لے کر میرے لئے گنجائش چھوڑ دی اور میری ضمانت ہو گئی۔ یہ ضمانت ان لوگوں کے لئے غیر متوقع تھی اس پر سیٹھ جبار کافی پیچ پا ہوا لیکن بہرصورت جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا' میں جانتا تھا کہ اس کے بعد سیٹھ جبار دوبارہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا' اس لئے میں نے تمہاری طرف کا رخ نہیں کیا بلکہ ایک نیا ٹھکانہ بنا لیا۔ اسی ٹھکانے سے میں نے تمہیں اس وقت ٹیلی فون کیا تھا' جب تم نے مجھے لیڈی جہانگیر کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ بہرصورت اس کے بعد میں نے طارق کو پکڑ لیا اور اس سے اپنی ماں اور بہن کا پتہ پوچھا۔ اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا اور تمہیں شاید یہ سن کر خوشی ہو کہ اب طارق ایک ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے اور میں نے اسے وارننگ دے دی ہے کہ اگر فریدہ اور امی کا پتہ نہ چل سکا تو میں اس کی دونوں آنکھیں نکال لوں گا۔ وہ لوگ بے حد سراسیمہ ہیں اور اس سراسیمگی کے عالم میں انہوں نے ایک اور شخص کو میرے قتل پر مامور کیا لیکن وہ بھی اپاہج بن کر زندگی گزار رہا ہے۔"

"اوہ۔" سرخاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے چند لمحے وہ گردن جھکائے سوچتی رہی' پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "آپ بھی تو اس کے لئے مجبور تھے بھیا اور درحقیقت اب آپ سے کچھ کہنا بے کار ہے' حالات چاروں طرف سے آپ کو جس طرف دھکیل رہے تھے بالاخر آپ اسی طرف پہنچ گئے' لیکن بھیا آپ بالکل پریشان نہ ہوں فریدہ اور امی ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گی۔"

"میں اسی یقین کے ساتھ کام کر رہا ہوں سرخاب' بہت سے جال پھیلا رکھے ہیں۔ انشا اللہ امی اور فریدہ کا پتہ تو چلے گا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیٹھ جبار کو بھی سزا بھگتنا پڑے گی۔ بہرحال اب بتاؤ تم لوگ اچانک کہاں چلے گئے تھے؟"

"بس بھیا ہماری نہ پوچھو' ڈیڈی کی تو سرشت ہی بدل گئی ہے۔ نجانے کیا ہو گیا ہے انہیں۔ کہتے ہیں کہ ساری زندگی بے کار ہو گئی' وہ سارے مشن فیل ہو گئے' جن پر د

ب تک کام کرتے رہے تھے۔ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں' کہنے لگے' یوں لگتا ہے جیسے یں ابھی ابھی پیدا ہوا ہوں' نوزائیدہ ہوں اور اس دنیا کو سمجھنے کی نہ تو صلاحیت رکھتا ہوں اور نہ ہی قدرت........ تھوڑے دنوں بعد میرے حلق سے قلقاریاں نکلیں گی' پھر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگوں گا' پھر گھٹنوں کے بل چلوں گا' پھر اٹھ کر دوڑنے لگوں گا' لیکن یہ دوڑ مجھے کہاں تک لے جائے گی۔ اس کے بارے میں' میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ بس ایسی ہی باتیں کرتے رہتے تھے' آپ کے لئے جگہ جگہ ٹیلی فون کر کے معلومات حاصل کرتے تھے۔ نجانے کہاں کہاں' کیسے کیسے لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے پھر ایک دن اچانک بولے آؤ سرخاب اپنے چند عزیزوں سے ملنے چلیں' بہت عرصہ ہو گیا ہے' ہم نے سب ہی کو چھوڑ دیا ہے' لوگ تو ہمیں بھول بھی گئے ہوں گے۔ حنا ہم لوگوں کی بے حد قریبی رشتے دار ہیں' ہم لوگ انہی کے ہاں گئے تھے۔ پھر ہم تمہاری وجہ سے جلد واپس آ گئے لیکن ڈیڈی نے کوشش کر کے ان لوگوں کو راضی کر لیا کہ وہ چند ماہ میرے ساتھ گزاریں' حنا' جاوید اور چچی جان ہمارے ساتھ آئی ہیں' حنا کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے' بڑے اچھے لوگ ہیں۔"

میں نے چونک کر سرخاب سے پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔ "لیکن یہ پروفیسر اچانک بلجیم کیوں چلے گئے؟"

"خدا کی قسم مجھے کچھ نہیں معلوم۔ نجانے اس دوران وہ کیا کیا کرتے رہے ہیں۔ عجیب سی کیفیت تھی ان کی بھیا' پہلے ہم باپ بیٹی ایک دوسرے پر بہت اعتماد کرتے تھے' ڈیڈی اگر پاؤں بھی ہلاتے تھے تو مجھ سے مشورہ کر لیتے تھے۔ لیکن وہاں سے واپسی کے بعد ان کا زیادہ تر وقت اپنی لائبریری میں ہی گزرا ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں خط لکھ کر پوسٹ کرتے رہے ہیں۔ مختلف ممالک میں کالیں بک کرائیں اور ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرتے رہے میں خود حیران تھی کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے ایک آدھ بار پوچھا بھی تو ٹال گئے اور کہنے لگے جب حالات بدل جاتے ہیں تو انسان بھی بدل جاتا ہے۔ ذرا اس بدلے ہوئے انسان کو خود کو آزما لینے دو ناکام ہو جاؤں تو وعدہ کرتا ہوں سب کچھ بتا دوں گا اور کامیاب ہو گیا تو تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔ پھر کہنے لگے کہ وہ بلجیم جا رہے ہیں۔ نہیں کہہ سکتے کہ کتنے عرصے میں واپسی ہو اس لئے تم ان لوگوں کے ساتھ خوش و خرم رہنے کی کوشش کرو۔ منصور سے اگر ملاقات ہو تو اس سے صرف یہ کہہ دینا کہ اپنی پریشانیوں میں پروفیسر شیرازی کو برابر کا شریک سمجھے اور ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہ سوچے کہ پروفیسر اسے بھول چکا ہے۔"

میرا دل بھر آیا اور آنسو آنکھوں کی طرف دوڑنے لگے۔ سرخاب نے میری بھرائی آنکھیں دیکھیں اور آگے بڑھ کو دوپٹے سے میرے آنسو خشک کر دیئے۔

"ہم تمہارے ہیں بھیا تمہارے لئے اس انداز میں نہیں سوچیں گے تو اور کیا

کریں گے تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں ہماری دعائیں اور عمل دونوں چیزیں تمہارے سا
ہیں اور ہمارا یہ اعتماد بہر صورت آخر دم تک قائم رہے گا کہ ایک نہ ایک دن تم تر
الجھنوں سے نکل آؤ گے۔

"یقیناً سرخاب، مجھے بھی یقین ہے۔ آؤ باقی لوگوں سے ملاقات کریں۔ دیکھیں
سہی یہ حنا صاحبہ کیا چیز ہیں۔ سب کو بلا لو۔"

اس کے بعد کا ماحول خالص گھریلو قسم کا رہا، چچی جان ایک مشفق خاتون تھیں
پتہ نہیں سرخاب نے انہیں میرے بارے میں کیا بتایا تھا تاہم وہ مجھ سے اتنی اپنائیت سے
ملیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ جاوید ایک خوش رو نوجوان تھا۔ سرخاب سے ڈھائی سال چھو
تھا اس لئے اسے باجی کہہ کر پکارتا تھا۔ حنا، جاوید سے ایک سال بڑی تھی اور سرخاب سے
ڈیڑھ سال چھوٹی...... سب کے سب واقعی مخلص اور ہنسنے ہنسانے والے لوگ تھے۔ سرخاب
سے ملنے کے بعد دل کو ایک ڈھارس سی ملی تھی، ایک عجیب سا سکون میں اپنی رگ و پے
میں دوڑتا محسوس کر رہا تھا۔

کافی دیر تک میں اس کے ساتھ رہا پھر میں نے اجازت چاہی تو حنا نے پوچھا۔

"کھانا ہمارے ساتھ نہیں کھائیں گے منصور بھیا؟"

"نہیں حنا۔ کچھ اور مصروفیات ہیں، اجازت دو۔" میں نے کہا تو سرخاب اور حنا
دونوں مجھے باہر تک چھوڑنے آئیں۔

میں وہاں سے نکل کر پھر آوارہ گردی کے سے انداز میں کار ادھر ادھر گھمانے
لگا۔ کوئی خاص بات ذہن میں نہیں تھی، کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ اس لئے تھوڑی
دیر بعد واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ ایاز ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور حسینہ کھانے پر
میرا انتظار کر رہی تھی۔ "کھانا لگا دوں، وہ آسیب زدہ تو ابھی تک نہیں آیا۔"

"کون...... ایاز؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہاں، عجیب سا آدمی ہے۔"

"حسینہ وہ تمہارے بارے میں بڑے اچھے خیالات رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے تم
اس سے جلنے لگی ہو۔"

"لو بھلا میں کیوں جلوں گی، وہ سرخی پاؤڈر لگاتا ہے تو مجھے کیا۔ میں تو نہیں
لگاتی..... مگر ڈھنگ سے بات بھی تو نہیں کرتا۔ میں تو یہ ہی سوچتی ہوں کہ شاید اس قابل ہی
نہیں ہوں کہ کوئی مجھ سے پیار سے بات کرے۔"

"نہیں حسینہ تو بڑی اچھی ہے، اتنی پیاری اتنی سادہ اور اتنی معصوم کہ تجھے دیکھ
کر انسانوں پر سے اعتماد نہیں اٹھتا اور یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی سادگی اور محبت اس دنیا
میں باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"لو میری سمجھ میں تو تمہاری ایک بات بھی نہیں آ رہی، نہ جانے میری برائی کر
رہے ہو یا اچھائی؟"

"اچھا اچھا باتیں بعد میں سمجھ لینا یہ بتاؤ کہ کیا پکایا ہے؟" حسینہ کھانے کی تفصیل
بتانے لگی۔

"ارے اتنی ساری چیزیں؟"

"تو اور کیا۔ بیکار بیٹھی تھی جو جی چاہا پکا کر رکھ دیا لاؤں کیا؟"

"چلو لے آؤ۔" میں نے کہا اور حسینہ وہاں سے چلی گئی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا لیکن پھر اچانک ہی مجھے لیڈی
جہانگیر کا خیال آ گیا اور میں نے ریسیور اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا۔ لیڈی جہانگیر نہ تو دفتر
میں تھیں اور نہ ہی گھر پر ملیں میں ان کے بارے میں سوچتا رہا اور آرام کرنے کے لئے
لیٹ گیا۔ پانچ ساڑھے پانچ بجے کے قریب ایاز نے مجھے جگایا۔ اس نے اپنا میک اپ اتار دیا
تھا اور سلیپنگ سوٹ پہنے میرے نزدیک ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ "خیریت تو ہے ایاز؟" میں
نے پوچھا۔

"بالکل خیریت ہے۔ منہ ہاتھ دھولیں تو باہر بیٹھ کر چائے پیئیں گے۔ موسم
بے حد خوشگوار ہو رہا ہے۔"

"تم پہنچو میں ابھی آیا۔" میں نے جواب دیا اور غسل خانے میں گھس گیا.........
کچھ دیر بعد برآمدے میں ایاز کے ساتھ چائے پیتے ہوئے میں نے اس کی مصروفیات کے
بارے میں پوچھا۔

"ریکروٹنگ ایجنسیوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ یہ دیکھو ایک خوبصورت
لڑکی کی تصویر بھی لئے پھر رہا ہوں۔" ایاز نے سلیپنگ سوٹ کی جیب سے ایک تصور نکال
کر میرے سامنے کر دی۔ ہنستی مسکراتی سی ایک لڑکی کی تصویر تھی میں نے مسکرا کر تصویر
اسے واپس کر دی۔

"کہاں سے لی یہ تصویر؟"

"بس لے لی کہیں سے۔" ایاز شریر لہجے میں بولا۔
وہ جھینپے جھینپے سے انداز میں مسکرانے لگا۔

"شمو ہے نا یہ؟" میں نے پوچھا اور ایاز ہنس پڑا۔

"ہاں وہی ہے۔"

"بہت اچھی ہے۔ ملنے گئے تھے اسے؟"

"ہاں بھیا۔ تصویر بھی لینی تھی اور پھر اس سے کافی دن سے ملاقات نہیں ہوئی
بہت اچھی لڑکی ہے۔ کسی وقت آپ سے ملواؤں گا۔"

"ابھی نہیں ایاز۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن جھکا دی اور پھر میں اس سے اس کی آوارہ گردی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"ابھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھیا لیکن میں کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ ویسے ان ریکرونگ ایجنسیوں کے بارے میں بڑے بڑے انکشاف ہوئے ہیں۔ میں تفصیل سے آپ کو بتاؤں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ کیا فریدہ بہن کی کوئی تصویر مل سکتی ہے؟"

میں چونک پڑا اور ایاز کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے، شاید کسی ایجنسی سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔" ایاز نے وضاحت کی۔

"تصویر تو میرے پاس نہیں ہے۔ ایک کوشش کی جا سکتی ہے۔ فریدہ نے میٹرک کیا تھا۔ اس کی کوئی نہ کوئی تصویر بورڈ آفس سے مل سکتی ہے۔ مجھے اس کا رول نمبر یاد ہے۔" یہ کہہ کر میں نے نمبر دہرایا۔ نمبر دہراتے ہوئے میرا دل بھر آیا۔ کتنی بے چینی سے مجھے اس کے رزلٹ کا انتظار تھا اور جب فریدہ پاس ہوئی تھی تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ لمحے فلم بن کر آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایاز نے میری محویت میں مداخلت نہیں کی پھر حسینہ کی آمد نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"جھگڑا ہو گیا ہے کیا آپس میں؟" اس کی آواز عقب سے ابھری اور ہم دونوں چونک پڑے۔" بات کیا ہوئی؟" اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کو پوچھا اور اس بے تکی مداخلت پر ہمیں بے اختیار ہنسی آ گئی جس سے ذہنی کیفیت ایکدم بدل گئی۔

"چلو صلح کو لو آپس میں۔ جس گھر میں اتفاق نہیں ہوتا وہاں برکت نہیں ہوتی۔ بات کیا ہے مجھے تو بتاؤ۔" حسینہ ثالث بننے پر تلی ہوئی تھی۔

"یہ ایاز بہت خراب آدمی ہے حسینہ۔ ہر وقت تیری برائیاں کرتا رہتا ہے۔ کہنے لگا تیری ناک بہت موٹی ہے بالکل پکوڑا لگتی ہے۔ بس اسی بات پر جھگڑا ہو گیا' ہم دونوں میں۔"

حسینہ ایکدم چپ ہو گئی۔ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ "کہتا ہے تو کہنے دو ایسی ہی ہو گی اس میں لڑنے کی کیا بات ہے؟" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا نہ جانے اس کے ذہن کی کون سی گرہ متاثر ہو گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے چائے کے برتن اٹھائے اور واپس چلی گئی۔

"ارے۔ یہ سنجیدہ کیوں ہو گئی؟" ایاز تعجب سے بولا۔

"بس انسانی ذہن ہے کوئی گرہ متاثر ہو گئی ہو گی۔"

ہم دونوں بھی برآمدے سے اٹھ گئے۔ لیڈی جہانگیر کے لئے میرے ذہن میں کرید لگی ہوئی تھی۔ وہ نہ جانے کہاں ہے کسی مصیبت کا شکار تو نہیں ہو گئی۔۔ اگر اب

فون پر نہ ملی تو پھر اس کے بارے میں چھان بین کرنی پڑے گی۔ میں ایک بار پھر فون پہنچ گیا اور لیڈی جہانگیر کا نمبر ڈائل کیا تو دوسری طرف سے لیڈی جہانگیر کی آواز سنائی

"منصور بول رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ منصور! میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔"

"خیریت تو ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" لیڈی جہانگیر کی آواز سے خوشی چھلک رہی تھی۔ "طویل ے بعد ایک تقریب میں شرکت ہوئی۔ دعوتیں اس سے پہلے بھی ملتی تھیں لیکن کہیں نے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اس بار خود بخود جی چاہا اور چلی گئی۔ وہاں میں نے ایک ے شخص کے چہرے پر خوف کی زردی دیکھی جو شاید انسان تھا ہی نہیں بلکہ حیوانوں سے ز تھا۔ لوگوں کا تذکرہ کرتا تھا تو اس طرح جیسے آسمان سے بول رہا ہو۔ اس کی آنکھوں ں ہمیشہ ظلم کی چمک ہوتی تھی لیکن....." مسز جہانگیر خاموش ہو گئی۔ پھر چند لمحے بعد شوخ ے میں بولی۔ "بتاؤ وہ کون تھا؟"

"طارق......" میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی۔

"اپنے شکار کو نہ پہچانو گے تو پھر کسے پہچانو گے۔"

"مگر آپ کی ملاقات کیسے ہو گئی؟"

"طلب کیا گیا تھا' بگ باس کی کوٹھی پر........ وہیں بیٹھ کر موت کا انتظار کیا جا رہا ہے۔" لیڈی جہانگیر نے کھلنڈرے انداز میں کہا۔

"آپ کو کیوں طلب کیا گیا تھا؟"

"ضرورتاً۔ کچھ تجربے بھی کرنے تھے۔ اپنی حیثیت کا اندازہ کرنا بھی مقصود تھا۔ ر میں نے مایوس نہیں ہونے دیا میری طرف سے بھی تشویش تھی۔ مگر منصور فون پر ہی ری گفتگو ہو جائے گی آؤ گے نہیں؟"

"فون مخدوش تو نہیں ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔ تمہیں خود اندازہ ہے۔" وہ بولی۔

"اچھی بات ہے میں آ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ خطرہ ل لینا مناسب نہیں تھا سیٹھ جبار کے ہاتھوں کی لمبائی اچھی طرح ناپ چکا تھا۔ کون جانے ا کے وفادار کہاں کہاں موجود ہوں اس لئے فون پر زیادہ گفتگو کسی طور مناسب نہیں ی۔ لیڈی جہانگیر کی رپورٹ بھی خاصی دلچسپ تھی اسے بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں لیڈی جہانگیر کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ میری منتظر ی۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ رسمی باتوں کے بعد پوچھنے لگی۔ "کیا پیو گے؟"

"جو دل چاہے پلا دو۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور لیڈی جہانگیر نے ملازمہ کو طلب کر کے کولڈ کافی کا حکم دے دیا پھر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ پہلے چہرے پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری رہتی تھی جسے بیک نگاہ تمکنت اور وقار کا نام دیا جا سکتا تھا لیکن درحقیقت وہ مظلومیت اور بے بسی ہوتی تھی۔ جوانی اور ملاحت اس بے بسی کے پیچھے چھپی تھی اور اب جب مظلومیت اور بے بسی کا پردہ سرک گیا تو اس کی اصل شخصیت اجاگر ہو گئی تھی۔ دفعتاً مجھے ایاز کی بات یاد آ گئی اور میں نے چونک کر لیڈی جہانگیر کو دیکھا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں الجھن سی پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر میں نے خود کو مطمئن کر لیا کہ اگر لیڈی جہانگیر کے ذہن میں کوئی ایسا احمقانہ خیال موجود ہے تو میں اس کی پذیرائی نہیں کر سکتا۔

"ہاں تو ہماری گفتگو کا سلسلہ کہاں سے منقطع ہوا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ طارق سے ملاقات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔"

"فون کیا تھا اس نے مجھے کہ وہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔ میں اس سے سیٹھ جبار کی کوٹھی پر ملاقات کروں۔ بہرحال میں وہاں جا پہنچی۔ سیٹھ جبار کی کوٹھی پر پہلی بار گئی تھی۔ طارق وہاں موجود تھا۔ بہت دبلا اور زرد نظر آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ شانے کے پاس سے غائب تھا۔ میں نے رسمی ہمدردی کا اظہار کیا تو اس نے حادثے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ نشے میں کار ڈرائیو کر رہا تھا اور کار الٹ گئی' خود تو باہر نکل گیا لیکن ایک ہاتھ دبا رہ گیا اور اس کی ہڈی چور چور ہو گئی نتیجے میں ہاتھ کٹ گیا۔ منصور! میں نے اس کی آنکھوں میں بے بسی دیکھی تو مجھے بے حد روحانی سکون محسوس ہوا۔ وہ جو دوسروں کو بے بس دیکھنے کا عادی تھا۔ خود درد و کرب کا شکار نظر آ رہا تھا۔ بہرحال' پھر اس نے تمہارے بارے میں پوچھا کہ تم نے میری طرف کا رخ تو نہیں کیا۔ اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ تم اب مجھے بھی پریشان کرو گے۔ اس پر میں نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی تو اس نے مشورہ دیا کہ ہر وقت پستول ساتھ رکھوں اور تمہیں دیکھتے ہی بے دریغ گولی مار دوں۔ اس کے بعد طارق نے کہا کہ وہ مجھ سے چند اور کام لینے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ مجھے ان کاموں کی تفصیل نہیں بتائی گئی اور کہا گیا کہ مناسب موقع پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ لیکن منصور اصل بات میں سمجھتی ہوں۔ وہ صرف ایک امتحان تھا کہ مجھے اصل واقعات کی ہوا تو نہیں لگ گئی ہے۔ بہرحال' میں اس سلسلے میں اسے مطمئن کر کے آئی ہوں۔"

"خوب۔ سیٹھ جبار تو نظر نہیں آیا؟"

"نہیں۔ وہ شاید موجود ہی نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا مصروفیات رہیں؟"

"فرحت اللہ بیگ کے گھر گئی تھی۔ بڑے عجیب سے تاثرات لے کر آئی ہوں

ان لوگوں کے بارے میں۔ اعتراف کرتی ہوں کہ وہ خود دار لوگ میرے جال میں نہیں پھنسے۔"

"اوہ' کیا مطلب؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ خاص منصوبے کے تحت گئی تھی' ان لوگوں کے پاس۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ لوگ مجھے بھول گئے ہیں میں ان کی بہت دور کی عزیز ہوں۔ چھوٹے رشتے تھے کیا یاد آتے لیکن اس کے باوجود انہوں نے میری پذیرائی کی اور پوچھا کہ وہ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں جس پر میں نے اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا۔"

"کیا کہا آپ نے گل؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے کاش آپ لوگ مجھے پہچان لیتے تو میں آپ سے درخواست کرتی کہ اب مجھے تنہا نہ چھوڑیں۔ جس پر فرحت اللہ صاحب نے کہا کہ یہ گھر بہت چھوٹا ہے اگر تم محسوس کرتی ہو کہ اس گھر کے کسی گوشے میں گزر کر لو گی تو..... رقیہ کی جگہ خالی ہے۔ اب بتاؤ منصور اس کے بعد میرے لئے کتنی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم میں نے مزید کوشش کی اور کہا کہ میرا گھر موجود ہے اور وہ لوگ مجھے خدمت کا موقع دیں۔ فرحت اللہ صاحب نے معذرت کر لی اور کہا کہ وہ اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتے۔ اب بتاؤ منصور اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"ٹھیک ہے۔ کل کا دن بہت اہم ہے۔ کل عظمت رہا ہو رہا ہے۔ میں پروگرام کے مطابق اس سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ اسے کس طرح تیار کر سکتا ہوں۔"

لیڈی جہانگیر نے رات کے کھانے کے بعد ہی مجھے واپس آنے دیا تھا۔ میں اپنی رہائش گاہ واپس پہنچا تو ایاز ابھی نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر حسینہ سے گپ شپ ہوتی رہی بڑی سدا بہار لڑکی تھی اس کی موجودگی میں بس ہنستے رہنے کو ہی جی چاہتا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹ کر دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ دوسرے روز عظمت کا استقبال کرنا تھا اتنے میں' میں نے چند پروگرام ترتیب دے لئے تھے۔

صبح کو ناشتے پر ایاز ملا تو حسب معمول میک اپ میں تھا اسے دیکھ کر مجھے آگئی۔ "تم تو پورے جاسوس بن گئے ہو ایاز۔ یوں لگتا ہے، جیسے کسی جاسوسی فلم کا کردار ہو۔"

"جیسا بھی لگتا ہوں بھیا۔ میں تو بس اپنے کام میں مصروف ہوں۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ "آج پھر جاؤ گے؟" میں نے پوچھا

"ہاں بورڈ آفس جانا ہے۔ دیکھتا ہوں وہاں کیا کر سکتا ہوں۔ فریدہ کی تصویر ۔ بہت سے کام لینے ہیں، بس خدا کرے مل جائے۔" ایاز نے کہا اور ناشتے کے بعد رخ ہو گیا۔

میں نے عظمت کے سلسلے میں ایاز کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھوڑی دیر بعد میں بھی تیار ہو کر گھر سے نکل آیا۔ مجھے چاروں طرف کا خیال رکھنا تھا۔ بھی اور اپنے دشمنوں کا بھی ....چنانچہ ایاز کی طرح میں نے بھی اپنے چہرے پر ا وقت وہی حماقت پھیلائی تھی یعنی وہی ایک میک اپ جو میں پہلے بھی کر چکا تھا اور جس حسینہ کو دھوکا دیا تھا۔ آج بھی وہی دلچسپ اتفاق ہوا۔ جب میں مکان کے بیرونی حصے میں تو حسینہ نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچی اور پھر اس نے میرا گریبان تھ لیا۔

"ارے ارے۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پیچھے ہٹنے لگا۔

"اس دن تو نکل گئے تھے خاموشی سے آج جاؤ تو جانیں۔"

وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ بولی اور میں اس سے اپنا گریبان چھڑانے لگا میرا......میرا گریباں تو چھوڑ دو پھٹ جائے گا۔ میں نے کہا۔ "میں تو تمہارا سر پھاڑوں گی بتاؤ تم اس طرح اس گھر میں کیوں گھس آئے تھے۔ اس روز مجھے بے وقوف بنا کر چلے گئے اور آج پھر گھس آئے....کون ہو تم؟"

"منصور کا ایک دوست ہوں اسی سے ملنے آتا ہوں مگر کیا کروں وہ ملتا ؟ نہیں۔"

"ملنے کا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ منہ اٹھایا اور گھس آئے۔ دروازے پر کس سے کہتے، منصور کو بلواتے، ہمیں بتاتے، لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے کہیں کھلے بندھے ؟

نہیں ہو۔ بس گھس آئے گھر میں، جیسے باوا جی کا مکان ہو۔"

"اچھا اب معاف کر دو۔ آئندہ اس طرح کبھی گھسنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"معافی مانگتے ہو تو چھوڑے دیتے ہیں۔ جاؤ دروازے پر جا کر ہم سے کہو کہ منصور کو بلا کر لائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ حسینہ میرے پیچھے پیچھے ہی آئی تھی۔ اس مصیبت سے جان چھڑا لینا......آسان بات نہیں تھی۔ میں نے دست بستہ اس سے عرض کیا "خاتون آپ کو زحمت تو ہوگی ذرا جا کر منصور صاحب کو بلا لائیے۔"

"ٹھیک ہے لاتے ہیں، یہیں کھڑے رہو۔" حسینہ نے کہا اور اندر چلی گئی۔

جونہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی، میں گاڑی میں آ بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ مجھے حسینہ کی حرکتوں پر ہنسی آ رہی تھی بڑی ہی باغ و بہار لڑکی تھی۔ دیر تک نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ گیارہ بجنے میں ابھی دیر تھی۔ چمن نے کہا تھا کہ عظمت اللہ کو ٹھیک گیارہ بجے رہا کیا جائے گا۔ اس لئے ٹھیک گیارہ بجے کے بعد مجھے جیل کے دروازے پر پہنچنا تھا۔ لیکن میں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ عظمت اللہ سے فوراً ملاقات نہیں کروں گا۔

"میرا یہ فیصلہ اچھا ہی ثابت ہوا۔" ٹھیک گیارہ بج کر دس منٹ پر میں نے عظمت کو جیل کے دروازے سے باہر آتے دیکھا اسے رہائی مل گئی تھی اسے دیکھ کر چمن کے بارے میں یہ احساس ہوتا تھا کہ بلاشبہ وہ بڑے رسوخ کا مالک ہے۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا ہے۔ اس نے عظمت اللہ کے لئے بھی بہت بڑا کام کیا تھا۔ جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

عظمت اللہ کاندھے پر سوئیٹر ڈالے لاپرواہی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچھی شکل و صورت کا تنو مند نوجوان تھا، بے چارے کو میری طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ مجھ سے کہیں خوش نصیب تھا۔ کم از کم اس کا باقی گھرانا تو محفوظ تھا۔

آہستہ آہستہ میری کار آگے بڑھ رہی تھی اور میں عظمت کا تعاقب کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی تک وہ اس تعاقب سے بے خبر ہے۔ دفعتاً عظمت نے ایک رکشہ روکا اور میں نے سکون کی سانس لی۔ رکشہ چل پڑا اور میری کار مناسب رفتار سے اس کے پیچھے لگ گئی۔

میں عظمت کا تعاقب کرتا رہا لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے اپنے علاقے کا رخ کرنے کے بجائے اور ہی سمت کا رخ اختیار کیا تھا اور پھر اس نے ایک ہوٹل کے سامنے رکشہ رکوا دیا۔ رکشے سے اتر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پرس سے کچھ رقم نکال کر رکشہ والے کو دی۔ پھر وہ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ عظمت گھر

کے بجائے یہاں کیوں آیا ہے؟ میں کار ایک طرف کھڑی کر کے نیچے اتر آیا میں اس وقت بھی میک اپ میں تھا۔ اس لئے مجھے یقین تھا کہ اگر عظمت کو میرا چہرہ یاد بھی رہا تو اس وقت نہیں پہچان سکتا۔ میں بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ وہ کاؤنٹر پر کھڑا رجسٹر پر اندراج کر رہا تھا پھر وہ آگے بڑھا تو میں کاؤنٹر پر پہنچ گیا اور میں نے کاؤنٹر کلرک سے کمرے کے لئے کہا۔

"جی ہاں کمرہ مل سکتا ہے۔ آپ تنہا ہیں؟" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

"مجھے ایک سنگل روم چاہیئے۔" اور کاؤنٹر کلرک نے پھر رجسٹر کھول لیا اس نے رجسٹر میں روم نمبر دیکھا اور پھر قلم میرے ہاتھ میں پکڑا کر رجسٹر آگے کر دیا میں نے فرضی نام اور فرضی پتہ لکھ دیا لیکن میرا مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا۔ عظمت کا کمرہ نمبر سات تھا اور مجھے کمرہ نمبر آٹھ مل گیا تھا۔ عظمت نے بھی اپنا نام و پتہ صحیح نہیں لکھوایا تھا۔ اس نے اپنا نام جمیل الدین درج کیا تھا اور ٹھٹھہ سے آنے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے اپنا نام وہ پتہ لکھ کر پیشگی رقم نکالی اور کمرے کی چابی حاصل کر لی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ویٹر نے مجھے کمرہ نمبر آٹھ کے سامنے پہنچا دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے کسی بھی طرح چالیس روپے روز کا کمرہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اب اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا رکھوں اور برابر کے کمرے پر نگاہ رکھوں۔

ٹھیک ایک بجے ویٹر میرے کمرے میں آ گیا۔ "کھانا تیار ہے صاحب۔"

"کمرہ نمبر سات میں کھانا نہیں دیا۔؟" بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

"پوچھا تھا۔ صاحب نے منع کر دیا ہے۔"

"اوہ۔ کہیں جانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے؟

"پتہ نہیں صاحب' لیٹے ہوئے تھے۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ آپ کے کمرے کی طرح۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"کیا ہے کھانے میں؟" میں نے پوچھا اور ویٹر نے فہرست دہرا دی۔ اگر جلدی لا سکتے ہو تو بھنڈی گوشت لے آؤ مجھے جانا ہے۔" میں نے کہا اور ویٹر چلا گیا۔

کھانا بھی کمرے کی طرح نہایت گھٹیا اور بد مزہ تھا۔ میں نے اسے جلدی جلدی زہر مار کیا کہ نہ جانے عظمت کے ساتھ ساتھ کہاں کہاں مارے مارے پھرنا پڑے اور کھانے کا موقع بھی ملے یا نہ ملے۔ ویٹر خالی برتن اور بل لے کر چلا گیا تو میں نے سکون کی سانس لی۔ اچانک میں نے عظمت کے دروازے پر آہٹ سنی تو دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ عظمت اپنا دروازہ مقفل کر رہا تھا اس کے آگے بڑھ جانے کے بعد میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ عظمت نے نیچے آکر رکشہ لیا اور چل پڑا۔ میری کار اس سے دور کیوں رہتی۔

رکشہ دوڑتا رہا اور پھر وہ چھوٹی چورنگی کے ایک حصے میں پہنچ کر رک گیا۔ عظمت نے رکشہ چھوڑ دیا۔ چھوٹی چورنگی کا یہ حصہ بدنام لوگوں کی آبادی میں شمار ہوتا تھا۔ نہ جانے عظمت یہاں کیوں آیا تھا۔

میں نے نیچے اتر کر نہایت کامیابی سے اس کا تعاقب کیا۔ عظمت مکانوں کے درمیان چل رہا تھا۔ پھر اس نے ایک مکان کے دروازے پر دستک دی ایک بھدی سی شکل کے آدمی نے دروازہ کھولا........ وہ عظمت کو اپنے ساتھ اندر لے گیا اور میں انتظار کرتا رہا۔ تقریباً پون گھنٹے بعد عظمت باہر آیا تو اس کے بازو پر ایک میلی سی چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھدی شکل کا شخص اسے باہر چھوڑنے آیا تھا۔ عظمت باہر آکر شاید رکشہ کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ رکشہ مل گیا اور میں نے پھر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

عظمت اللہ کا رخ اس بار یقیناً اپنے گھر کی طرف تھا۔ میں بدستور اس کے پیچھے لگا رہا۔ اس کی تمام حرکات مشکوک تھیں۔ نہ جانے اس کی ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی لیکن میں بھی تہیہ کر چکا تھا کہ اسے کسی طور کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھانے دوں گا۔ اس نے گھر سے بہت دور رکشہ رکوایا اور نیچے اتر کر پیسے ادا کر دیئے پھر جب رکشہ دور چلا گیا تو اس نے ایک گوشے میں پہنچ کر بغل میں دبی ہوئی میلی سی چادر اوڑھ لی یقیناً اس نے چادر سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی پھر وہ آگے بڑھا تو اس کی چال میں........ لنگڑاہٹ تھی۔ گویا اس نے خود کو بدل لیا تھا۔ اس طرح وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔

میں اس سے کوئی پچاس گز دور تھا اس نے دروازے پر دستک دی اور چند ساعتوں بعد دروازہ کھلا۔ عظمت کا چھوٹا بھائی تھا۔ نہ جانے عظمت اس سے کیا باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنا چہرہ کچھ اور چھپا لیا تھا۔ بچہ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ واپس آیا اور اس نے چند روٹیاں عظمت کو دے دیں۔ روٹیوں پر سالن بھی رکھا ہوا تھا۔ عظمت چند لمحے روٹیوں کو ہاتھوں پر سنبھالے انہیں گھورتا رہا........ پھر گردن جھکائے واپس چل دیا۔ عظمت کے ذہن کا ایک ایک احساس' الفاظ کی شکل میں میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔ میں اس کی تمام تر دلی کیفیات سے آگاہ تھا۔

میں اس کا تعاقب کرتا رہا پھر میں نے عظمت کو ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر وہ روٹیاں کھاتے دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عظمت اگر چاہتا تو ہوٹل میں بھی کھانا کھا سکتا تھا۔ لیکن یہ اس کے جذبات تھے۔ اس نے عہد کیا ہو گیا کہ اپنی ماں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائے گا چنانچہ اس نے بھکاریوں کی طرح یہ کھانا مانگ کر کھایا تھا لیکن اس نے خود کو ظاہر کیوں نہیں کیا؟

وہ کھانا کھا کر اپنی جگہ سے اٹھا ایک نل سے پانی پیا اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے

چادر اتار کر پھر بغل میں دبالی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ رکشہ کر کے پھر چل پڑا۔ رخ ہو
کی طرف تھا۔

میں بھی اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو عظمت
سینے میں انتقام کا جہنم سلگ رہا تھا۔ وہ شیخ جمال سے انتقام لینے کا خواہاں تھا اسی لئے اس
گھر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ میں نے اپنے تمام پروگرام ملتوی کر دیئے۔ میرے لئے ا
سے زیادہ اہم کام اور کوئی نہیں تھا۔ میں خود جن حالات سے گزر چکا تھا' عظمت کو ان
نہیں گزرنے دینا چاہتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے وطن کے ہر چوتھے نوجوان کی کہا
میری کہانی ہو۔ دولت کے ان پجاریوں نے زندگی گزارنا کس قدر کٹھن کر دیا تھا۔ جینے
حق چھین لیا تھا انہوں نے غریبوں سے۔ میں نے رات تک عظمت کی کڑی نگرانی کی۔

نو بجے وہ باہر نکل آیا اور میں نے بھی افراتفری کے عالم میں ہوٹل چھوڑ د
ایک بار پھر میری کار اس کے رکشہ کا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر رکشہ ایک متمول رہا
علاقے کے بازار میں رکا۔ وہاں عظمت اتر کر پیدل چل پڑا۔ بازار کے عقب میں رہا
کوٹھیاں تھیں اور انہیں میں ایک کوٹھی کے درختوں سے گھرے ہوئے گیٹ پر شیخ جما
لکھا نظر آ رہا تھا۔

بس اس کے بعد سے خطرناک حدود شروع ہوتی تھیں۔ عظمت اس کوٹھی
عقب میں جا رہا تھا۔ میں نے رفتار تیز کر دی عظمت نے شاید میرے قدموں کی چاپ
لی اور وہ رک گیا۔ مجھے نزدیک آتے دیکھ کر وہ چوکنا ہو گیا۔ میں اس کے سامنے پہنچ گ

"کیا بات ہے؟" عظمت کی کرخت آواز ابھری۔

"مجھے تم سے کچھ کام ہے' نوجوان۔"

"کون ہو تم۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"مگر میں تمہیں جانتا ہوں۔"

"میں فضول لوگوں کے ساتھ وقت برباد نہیں کرتا۔ اگر تم مجھ سے کچھ ما
چاہتے ہو تو مجھے افسوس ہے۔"

"میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم جو کچھ کرنے جا رہے
عظمت! یہ وقت اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ابھی صرف دس بجے ہیں۔"

میرے یہ الفاظ عظمت کے لئے دھماکے سے کم نہیں تھے۔ وہ بھونچکا رہ گیا
صرف ایک لمحے کے لئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ پیچھے ہٹا اور دفعتاً اس نے اپنے لباس
پستول نکال لیا۔ پستول کا رخ میری طرف کر کے اس نے کہا۔ "تو شیخ جمال نے مجھ پر
نگاہ رکھی ہے لیکن اب وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود زندہ نہ بچ سکے گا۔"

یہ لمحات میرے لئے بڑے سنسنی خیز تھے۔ جیل سے نکلنے کے بعد سے اب

عظمت میری نگاہوں کے سامنے رہا تھا۔ اس کے پاس پستول کہاں سے آگیا۔ اس کے
پاس..... لیکن دوسرے لمحے میرے ذہن نے ہی اس کا جواب بھی دے دیا۔ چھوٹی چورنگی کا
وہ مکان جہاں عظمت نے کچھ وقت گزارا تھا اور وہ بھدی شکل کا آدمی جو صورت ہی سے
جرائم پیشہ لگتا تھا۔ پستول یقیناً وہیں سے حاصل کیا گیا تھا۔ "کیا چاہتے ہو۔ اب بتاؤ؟" وہ
غرایا۔

"پستول واپس اپنے لباس میں رکھ لو اور میرے ساتھ آؤ۔" میں نے قدرے
سخت لہجے میں کہا۔

"یہ احکامات شیخ جمال کی طرف سے ہیں؟"

"پولیس کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ شیخ جمال' پولیس
سے رابطہ قائم کر کے یہ درخواست نہیں کر سکتا کہ اسے تم سے زندگی کا خطرہ ہے اس لئے
تم پر نگاہ رکھی جائے۔ جیل سے نکلنے کے بعد تم نے اس کا خیال نہیں رکھا مسٹر عظمت......
میں تمہیں تمہاری دن بھر کی مصروفیات بتاؤں۔ گیارہ بج کر دس منٹ پر تم جیل کے
دروازے سے نکلے......" اور پھر میں نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ "کیا خیال ہے'
میں نے کوئی لفظ غلط تو نہیں کہا؟" یہ کہتے ہوئے میں غیر محسوس انداز میں آگے سرکتا رہا تھا
اور عظمت کو حیرت زدہ کر کے میں نے اسے پستول کی طرف سے بے خبر کر دیا تھا۔ اب
اس کا پستول میری زد میں تھا۔ چنانچہ میں نے ٹانگ گھمائی اور اس کی ضرب پوری قوت سے
پستول والے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہوا اور میں نے
اطمینان سے اسے کیچ کر لیا۔ عظمت تڑپ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر وحشت کے آثار
نمودار ہو گئے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"تو..... تمہارا تعلق پولیس سے ہے؟" وہ بڑبڑایا۔

"نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہارا ایک ہمدرد ہوں' ایک مخلص اور بے
غرض دوست ہوں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ شیخ جمال کو یا
تمہارے والدین کو ابھی تمہاری رہائی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اگر تم شیخ جمال کو
قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو ضرور کر دینا لیکن آج نہیں کل......"

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں میرے دوست۔ میری خواہش ہے کہ یہ ایک رات تم میرے ساتھ گزار
لو۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"وہی جو تم سے جیل میں ملا تھا۔ اور جس نے کہا تھا کہ رہا ہو کر تم اس سے
ملاقات کر لینا لیکن تم نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے تمہیں جیل میں دو ماہ نہیں

گزارنے دیئے اور چند روز میں تمہیں جیل سے نکال لایا ہوں۔"

"اوہ.... اوہ' یہ بات مجھے بتائی گئی تھی کہ ایک خاص سفارش پر میری سزا معاف کر دی گئی ہے۔"

"میں نے ہی اس سفارش کے لئے تگ و دو کی تھی۔"

"مگر تمہارا چہرہ۔ تم وہ تو نہیں ہو۔"

"آواز پہچاننے کی کوشش کرو۔ چہرہ بدلا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

عظمت گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر بولا۔ "اگر تم واقعی دوست ہو تو میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش پوری ہو جانے دو۔ میں ان دونوں باپ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم کہو تو اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن اتار کر تمہارے سامنے رکھ دوں گا۔"

"مجھے تمہاری گردن کی نہیں' تمہاری زندگی کی ضرورت ہے عظمت۔ ایسے تو ہزاروں واقعات اخبارات کی زینت بنتے ہیں کہ جوش انتقام میں فلاں نے فلاں کو ہلاک کر دیا۔ کیا تم تعلیم یافتہ انسان ہو کر جہالت کی وہی مثال قائم کرو گے؟ اسے انتقام نہیں دیوانگی کہتے ہیں۔ شیخ جمال مر جائے گا۔ کہانی ختم ہو جائے گی۔ موت کے بعد یہ کھیل ختم ہو جائے گا لطف تب ہے کہ کھیل جاری رہے۔ انتقام کا مزا تو اسی میں ہے کہ دشمن اذیت میں مبتلا موت کا آرزو مند ہو اور تم اس سے موت بھی چھین لو۔ تم شیخ جمال کو قتل کر دو گے تو پولیس کا شبہ تمہاری طرف ہی جائے گا۔ تم روپوش ہو جاؤ گے تو تمہارے اہل خانہ کو پریشان کیا جائے گا۔ گرفتار ہو جاؤ گے تو موت کی سزا مل جائے گی۔"

"پھر اور کیا کر سکتا ہوں میں؟" عظمت بولا۔

"ذہانت کا استعمال کرو۔ سوچو اس موضوع پر......"

"اور تم میرا ساتھ دو گے؟" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"کیوں......؟" اس کے لہجے میں بدستور طنز تھا۔

"اس کا جواب ابھی ممکن نہیں ہے۔ فی الحال جہاں میں کہوں میرے ساتھ چلو۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات سن لو۔ لفظ "خلوص" احمق بنانے کا ایک گر ہے۔ یہ بات میرا ایمان بن چکی ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے کوئی کام ہو گا اور اب میں تمہارا آلہ کار بننے کے لئے مجبور ہوں۔ کیوں کہ تم مجھے بے بس کر چکے ہو۔"

ایک لمحے کے لئے میرا ذہن کھول کر رہ گیا لیکن پھر میں نے اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو عظمت کو معاف کر دیا۔ میں واپس چل دیا تو عظمت میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

میں اپنی کار کے پاس پہنچ کر اس کا دروازہ کھولنے لگا تو عظمت نے کہا۔ "اوہ۔ یہ کار میں نے دن میں کئی مرتبہ دیکھی لیکن توجہ نہیں دی تھی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کار میں بیٹھ کر میں نے پستول عظمت کو واپس کر دیا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ عظمت پستول لے کر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے غالباً اس کی توقع نہیں تھی۔ راستے میں ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ عظمت البتہ بار بار چونک کر مجھے دیکھنے لگتا۔ پستول کی وجہ سے اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔

اپنی رہائش گاہ میں داخل ہونے سے قبل میں نے کار روکی اور اپنے چہرے سے میک اپ اتار دیا۔ اس وقت موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا اس لئے حسینہ وغیرہ کا کوئی جھگڑا بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ صدر دروازے پر ایاز موجود تھا۔ غالباً کار کو اندر آتے دیکھ کر آ گیا تھا۔ میں نیچے اتر آیا۔ عظمت میرے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔ "یہ عظمت اللہ ہیں۔" میں نے بھاری لہجے میں ایاز سے اس کا تعارف کرایا۔

"اوہ' رہا ہو گئے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر ایاز سے بولا۔ "تم کھانا کھا چکے ہو یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔ حالانکہ سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن وہ بلائے بے درماں کھانا دینے پر تیار نہیں ہوئی۔ سخت غصے میں ہے کہتی ہے پوچھ کر رہوں گی کہ یہ کھانا گھر میں کیوں نہیں کھایا جاتا۔"

"حسینہ؟" میں نے پوچھا۔

"ایک ہی تو قہر خداوندی ہے اس گھر میں۔ لیجئے نازل ہو گیا۔" ایاز بولا۔

حسینہ ہم سے چند گز دور کمر پر ہاتھ رکھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ "یہ گھر آنے کا وقت ہے؟" اس کی آواز ابھری۔

"حسینہ...... جاؤ آرام کرو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"آرام کروں' ارے جینا حرام کر دوں گی تمہارا' کیا سمجھ رکھا ہے' تم لوگوں نے؟ جب دیکھو گھر سے باہر' جب دیکھو گھر سے باہر جیسے میں پاگل ہوں کھانا پکائے بیٹھی انتظار کرتی رہوں اور کھانے کے لئے کوئی نہ آئے۔ سارے کا سارا کھانا ضائع جائے گا' میں کہتی ہوں رزق کی پروا بھی ہے' تم لوگوں کو یا نہیں؟"

"حسینہ' تم دیکھ رہی ہو کہ میرے ساتھ ایک مہمان ہے۔ اس کے باوجود تم الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔"

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں' دماغ خراب ہو گیا ہے میرا تو' مہمان ہیں تو میں کیا کروں' ان مہمانوں کے ساتھ ہی زندگی گزارو گے؟ گھر آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"ایاز' اس سے کہہ کہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

ایاز بوکھلا سا گیا۔ "حسینہ حسینہ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ چلو جاؤ اپنے کمرے میں......"

"ٹھیک ہے جا رہے ہیں' اس گھر سے ہی چلے جائیں گے۔ ہمیں نہیں کرنی ایسی نوکری....." حسینہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

میں قدرے جھنجلاہٹ محسوس کر رہا تھا لیکن حسینہ کے الفاظ قابل توجہ تھے۔ بس بے وقوف لڑکی پاگل پن کا شکار ہو گئی تھی۔ ہماری محافظ بن بیٹھی تھی' مجھے یاد تھا کہ کس طرح میری خدمت کر کے خوش ہوتی ہے۔ چنانچہ میرا ذہن زیادہ خراب نہ ہو سکا اور میں عظمت کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ عظمت اس ماحول کو گہری نگاہ سے دیکھ رہا تھا' سمجھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔

"سنائیے عظمت صاحب کیسے حال ہیں' ضمانت کے بعد زندگی کیسی پائی آپ نے؟" ایاز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

عظمت کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جو زندگی مسلط کر دی جاتی ہے' اس پر سوچا نہیں جاتا۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں منصور بھیا۔" ایاز نے تعجب سے پوچھا۔

"عظمت صاحب ہی تمہیں تفصیل بتا سکیں گے۔ سنو ایاز وہ بے وقوف لڑکی تو شاید روٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔ تم کھانے وغیرہ کا بندوبست کرو' عظمت صاحب کے لئے...... اگر یہ پسند کریں تو ان کے قیام کا بندوبست بھی کر دو اور اگر جانا چاہیں تو انہیں رخصت کر دینا۔ یہاں آ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ شاید میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ چنانچہ میں انہیں یہاں رکنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ تم انہیں اٹینڈ کرو' دل چاہے اور اگر یہ پسند کریں تو انہیں میرے بارے میں بھی بتا دینا' میں ان سے کچھ نہیں چھپانا چاہتا' سب کچھ جاننے کے بعد بھی اگر یہ جانا پسند کریں تو میری طرف سے انہیں اجازت ہے۔"

"آپ' آپ کہاں چلے بھیا؟" ایاز نے پوچھا۔

"میں آرام کروں گا۔ طبیعت کچھ سست ہو گئی ہے۔"

"کھانا نہیں کھائیں گے آپ؟"

"نہیں یار' بھوک نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

کمرے میں آ کر میں لباس تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا اور میرا ذہن خیالات کے بھنور میں پھنس گیا۔ اندر سے ایک عجیب سی گھبراہٹ ابھر رہی تھی' حالانکہ اس کی کوئی خاص وجہ

نہیں تھی۔ بس عظمت کے الفاظ سے طبیعت کسی قدر مکدر سی ہو گئی تھی۔ واقعی اس دور میں مخلص ہونا بھی حماقت ہی ہے۔ عظمت کا کہنا بھی غلط نہیں تھا۔ میں خود بھی اس سے متفق تھا لیکن اپنے خلوص کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

معاً دروازے سے ایاز کی آواز سنائی دی "منصور بھیا سو گئے آپ؟"

"نہیں ایاز آؤ۔" میں نے کہا اور ایاز دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا۔ ایاز کے پیچھے عظمت بھی تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ عظمت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "کھانا کھا لیا تم لوگوں نے؟"

"نہیں بھیا۔ میں نے عظمت صاحب سے کہا لیکن انہوں نے منع کر دیا' میں نے بھی نہیں کھایا۔ کوئی خاص بھوک بھی نہیں ہے۔"

"کیا خیال ہے عظمت صاحب' آپ یہاں رہیں گے یا جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

عظمت ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ "یہاں تو مسئلہ ہی دوسرا نکل آیا منصور صاحب! میں معذرت کرنے آیا ہوں۔ سخت شرمندہ ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ بھی مجھے بے قصور سمجھیں گے۔ کیونکہ حالات نے جو مذاق میرے ساتھ کیا ہے وہ آپ کے علم میں ہے۔"

"شاید ایاز نے تمہیں میری کہانی سنا دی ہے؟" میں نے بغور عظمت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ایاز صاحب نے مجھے وہ دلدوز داستان سنائی ہے اور اس کے بعد میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ میں آپ کے کسی حکم سے انکار کروں' بلاشبہ میرے الفاظ نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہو گی لیکن منصور صاحب! آپ کے سینے میں بھی وہی درد جاگزیں ہے جو میرے سینے میں ہے' درد کو درد بخوبی سمجھتا ہے اور میں اسی درد کے ناتے آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔"

"نہیں عظمت! معافی کی ضرورت نہیں' میں جانتا ہوں۔"

"اگر آپ جانتے ہیں تو مجھے معاف کر دیں۔" عظمت کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

میرا ذہن ایک دم کھل گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور عظمت کے قریب پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں عظمت درد مشترک ہے ہم دونوں میں سے کوئی بھی قصور وار نہیں۔ بہرصورت خدا کا شکر ہے کہ حقیقت سمجھ چکے ہو۔ نکال دو ذہن سے وہ ساری باتیں جو تکدر کا ذرا سا بھی نشان چھوڑتی ہیں' آؤ بیٹھو باتیں کریں گے۔ مستقبل کے فیصلے کریں گے تم میرے بارے میں جان چکے ہو میں تمہارے بارے میں جاننا چاہوں گا۔"

"منصور بھیا آپ کی کہانی سننے کے بعد میرے دل کو بڑی ڈھارس ملی ہے۔ انشاء
سے ہماری منزل ایک ہی ہے۔ انشاء اللہ آپ عظمت کو کسی طور اپنے سے دور نہیں پائیں
گے۔ میں آپ کی ان تمام ہدایات پر عمل کروں گا جو آپ مجھے دیں گے۔ یقین کریں منصو
بھیا میرا ہر قدم وہی ہو گا جو آپ کی منشا ہو گی۔"

"عظمت میں چاہتا ہوں کہ تم میرے کسی معاملے میں ملوث نہ ہو بس اپنے مَ
کو اس انداز میں حل کر لو کہ تم معاشرے کا کوئی برا کردار نہ بننے پاؤ۔ میرے ایک دوس
ہیں پروفیسر شیرازی' میں تمہیں ان کے بارے میں کیا بتاؤں' وہ عظمت کی ایک زندہ مثا
ہے۔ وہ معاشرے میں اچھائیاں دیکھنے کے خواہش مند ہیں لیکن ایسے ٹوٹے ہیں کہ شاید اب
کبھی نہ جڑ سکیں۔ عظمت میں بس یہ چاہتا ہوں کہ بیمار فرحت اللہ صاحب بے کسی کی
موت کا شکار نہ ہو جائیں۔ میں تمہیں مجرم نہیں دیکھنا چاہتا' ورنہ میں تمہیں یہ پیش کش کر
دیتا کہ میرے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ مل کر کام کرو۔"

"مگر منصور بھیا میں تو مجرم بن چکا ہوں جیل میں تین سال گزارے ہیں میں
نے۔ چوری کا الزام تھا مجھ پر' اور بھی چند الزامات لگائے گئے تھے اس کے بعد اگر میں کوئی
باعزت شخص بننا بھی چاہوں تو یہ میرے بس کی بات کہاں ہے۔ جیل میں رہنے والا شخص نہ
تو نوکری حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ اسے کوئی باعزت مقام دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا
کہ اہل محلہ اب ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یقینی طور پر ہم وہاں بدنام ہو چکے ہوں
گے اور بدنامی کی یہ زندگی مجھے کبھی کوئی صحیح راستہ اختیار نہیں کرنے دے گی۔ میں مجرم
نہیں تھا منصور بھیا۔ لیکن معاشرے نے ایک مجرم تشکیل کر دیا ہے اب بتایئے میں کیا
کروں؟"

"ہم اس معاشرے سے انتقام ضرور لیں گے عظمت لیکن ہم ذہین ہیں' بے
وقوفوں کی طرح لاٹھی لے کر میدان میں کیوں نکل آئیں؟ اس بات کو تو بالکل ذہن میں
اتار لو کہ شیخ جمال کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس ظالم شخص سے خوفزدہ ہو کر خاموش
نہیں بیٹھیں گے بلکہ اس کے لئے تانا بانا تیار کرتے رہیں گے۔ میں تمہارے لئے راہیں
متعین کروں گا۔ ایک بات بتاؤ عظمت تم نے گریجویشن کیا ہے؟"

"ہاں......." اس نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کوئی ایسی ملازمت پسند کرو گے جو ایک گریجویٹ کے لئے ہونی
چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔ میری پسند ناپسند کا اب کوئی سوال نہیں ہے۔ میرا مستقبل اب
آپ کے سامنے ہے منصور بھیا اور میں آپ کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔"

"ڈرائیونگ آتی ہے؟"

"ہاں اچھی طرح۔ میں نے باقاعدہ سیکھی تھی۔"

"میں تمہیں ڈرائیور کی ملازمت دلواؤں گا' مگر یہ ملازمت برائے ملازمت نہیں
ہو گی۔ بلکہ اس کا کچھ اور مقصد ہو گا۔"

"میں نے اب خود کو آپ کے حوالے کر دیا ہے منصور بھیا! یقین کرو جتنی
بداعتمادی تھی' اب اتنا ہی پراعتماد ہو گیا ہوں۔ یہ کایا پلٹ چند لمحات میں ہی ہوئی لیکن بعض
شخصیتیں ہی ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کی زندگی ہی بدل کر رکھ دیتی ہیں' آپ ان میں سے ہی
ایک ہیں۔ میں اب آپ پر مکمل طور پر اعتماد کرتا ہوں میرے لئے جو راستہ آپ متعین
کریں گے میں اب اسی پر چلوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ عظمت' یوں سمجھ لو کہ اب تم بھی میرے خاص ساتھیوں میں
شامل ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے' چنانچہ اب یہ موضوع ختم' رات کو میں یہیں رہوں گا۔ کل
صبح میں آپ سے ہدایات لینے کے بعد دوسرا قدم اٹھاؤں گا۔"

دفعتاً دروازہ دھڑ سے کھلا اور حسینہ اندر آ گئی۔

"الٰہی خیر۔" ایاز کے منہ سے نکلا۔ حسینہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔
اس کی آنکھیں آنسوؤں سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔ "مر
جائیں ہم' ستیاناس ہو جائے ہمارا' کبھی کبھی بس دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ ارے معاف کر
دو۔ ارے معاف کر دو تم لوگ۔ تم لوگ ہمیں معاف کر دو بس۔ بھائی مہمان صاحب تم
بھی ہمیں معاف کر دو' بس ہم پاگل ہیں ذرا سے۔ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ٹھیک ہی تو
کہا تھا اس موٹے نے کیا نام ہے اس کا۔ ہاں ایاز ہر وقت سرخی پاؤڈر لگاتا رہتا ہے۔ کہتا تھا
تم اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں' لیکن اب کیا کریں آدمی جب بڑھ جائے تو واپس کیسے
آئے۔ تم ہی بتا دو' بس معاف کر دو ہمیں۔ آئندہ ہم اپنی حد سے آگے نہیں بڑھیں
گے۔"

ہم لوگوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہمارے ہنسنے پر ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے
ہماری شکل دیکھی اور پھر مزید زور سے چیخنے لگی۔ "ہنس رہے ہو' ہائے ہنس رہے ہو۔ ہنس
پاگل جو ہیں ہم' ٹھیک ہے پاگلوں پر ہنسا ہی تو جاتا ہے۔ ہم پاگل نہ ہوتے تو یہاں کیوں
ٹھہرے ہوتے کہیں ملکہ بنے بیٹھے ہوتے۔ ملکائیں پاگل تھوڑی ہوتی ہیں۔"

"ارے ارے حسینہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"کہہ تو دیا پاگل ہو گئے ہیں اور کیا ہوا ہے' پہلے ہی سے پاگل تھے۔ پاگل نہ
ہوتے تو سب کو اپنا کیوں سمجھ بیٹھتے۔ بتاؤ گھر جائیں گے تو ہمارا ستیاناس ہو جائے گا۔ ہماری
ماں وہ پٹائی لگے گی۔ کام دھندہ الگ کرنا پڑے گا۔ تم سوچو بابا کیا کہے گا۔"

"حسینہ! بے وقوف! تجھے یہاں سے کون نکال رہا ہے۔" میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"نکال تو نہیں رہے پر ناراض ہو گئے تو ہمارا یہاں کیا کام ہو گا۔ ہم حرام کی کھاتے نہیں، یہ تم لوگوں کو اچھی طرح پتہ ہے خوب محنت کرتے ہیں اور اپنی روزی حلال کر لیتے ہیں۔ ارے اب کیا ہمیں حرام کی کھانا پڑے گی؟ ارے تم لوگ ہمارے ہاتھوں کی روٹی نہیں کھاؤ گے تو پھر ہمارا یہاں کام کیا ہو گا۔"

"جلدی کر کھانا نکال بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔" میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایں۔" حسینہ روتے روتے ایک دم چونک پڑی وہ بے یقینی کے انداز میں میری صورت دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایاز کو دیکھا، پھر عظمت کو اور پوچھا۔ "مہمان صاحب تم بھی کھانا کھاؤ گے نا؟"

"ہاں حسینہ بی بی! آپ کھلائیں گی تو ضرور کھائیں گے۔" عظمت نے جواب دیا۔

"اور حسینہ بی بی" خوشی سے مسکرانے لگی۔ روتے روتے ہنس دینے کا یہ انداز بڑا ہی دلکش تھا۔ "تت تو.... تو میں کھانا نکال لاؤں؟"

"ہاں ہاں، جلدی کرو، بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے نہ جانے کیا کیا پکایا ہو گا تو نے؟"

"دوپہر کو بھی پکایا تھا، شام کو بھی پکایا ہے۔ بہت ساری چیزیں ہیں بس ابھی نکال کر لا رہی ہوں تم ہاتھ دھو لو۔" حسینہ اٹھی اور باہر بھاگ گئی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" عظمت نے سوال کیا۔

"بس ایک مجبوری ہے، بے بسی ہے، دیکھ لو عظمت، انسان کس کس طرح نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ اچھا لباس پہن لے، میک اپ کر لے تو کسی بڑے گھرانے کی فرد معلوم ہو گی۔ لیکن یہ بدنصیب زندگی کا بوجھ اٹھائے وقت گزار رہی ہے۔"

حسینہ نے کھانا لگانے کی اطلاع دی اور ہم سب کھانا کھانے چلے گئے کھانے کے دوران حسینہ ہمارے پاس ہی کھڑی رہی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "حسینہ تم نے بھی کھانا کھایا۔"

"نہیں کھایا، غصہ آ رہا تھا دوپہر سے، اب تم کھا رہے ہو تو ہمیں بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

"تو کھانا کھا لو۔"

"تم لوگ کھا لو پھر کھا لیں گے۔" حسینہ نے کہا۔

"نہیں نہیں حسینہ ہم کھا لیں گے۔ جاؤ تم بھی کھانا کھا لو پھر بعد میں برتن اٹھا لینا۔" میں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

دوسری صبح ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے ان لوگوں سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت طلب کی اور ٹیلی فون کے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں مسز جہانگیر کو فون کرنا چاہتا تھا۔ اس سے عظمت کے گھر والوں کے بارے میں بھی پوچھنا تھا۔ چنانچہ میں نے ٹیلی فون پر مسز جہانگیر کا نمبر ڈائل کیا اور وہ شاید ابھی دفتر جانے کی تیاری ہی کر رہی تھیں۔ ملاقات ہو گئی۔

"خادم بول رہا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ میری آواز پہچان گئیں۔ "ہیلو منصور کیسے مزاج ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔ ان لوگوں کے لئے کیا رہا؟ میرا مقصد فرحت اللہ سے ہے۔"

"منصور میں انتہائی کوشش کر چکی ہوں۔ ان لوگوں نے میرا خلوص تو قبول کر لیا لیکن میرے ساتھ اس گھر سے منتقل ہونے پر تیار نہیں ہوئے اور میری مدد بھی قبول نہیں کی۔ تم نے کہا تھا کہ عظمت چار پانچ روز میں رہا ہو جائیں گے۔"

"ہاں، وہ رہا ہو چکے ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔"

"اوہو۔ تو تم نے اس شخص کے بارے میں کیا اندازہ لگایا؟"

"بالکل میرے ہی جیسے حالات ہیں۔ بہرحال، میں نے اس کے لئے ایک فیصلہ بھی کر لیا ہے گل۔"

"وہ کیا؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"آپ کو یقیناً ڈرائیور کی ضرورت ہو گی۔ میں عظمت کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ گریجویٹ ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے لیکن وہ آپ کے ڈرائیور کی حیثیت سے ہی ٹھیک رہے گا۔"

"آخر کیوں؟"

"بس گل! میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک آدمی آپ کے اس قدر قریب رہے کہ اگر میں آپ سے براہ راست رابطہ قائم نہ کر سکوں تو اس کے ذریعے کرتا رہوں۔"

"ویری گڈ یہ تو اچھا خیال ہے۔ عظمت سے بات کر لی ہے؟"

"ہاں بس ٹھیک ہے عظمت آج کل یا پرسوں آپ کے پاس پہنچ جائے گا اس کے بعد ان لوگوں کے حالات بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" میں نے کہا اور رسمی گفتگو

کے بعد فون بند کر دیا۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر میں، عظمت اور ایاز کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ "بس عظمت اب تم جاؤ۔ اپنے والدین سے ملو انہیں تسلی دو ایک آدھ دن ان کے ساتھ گزارو اور پھر اپنی ملازمت پر چلے جاؤ۔"

"ملازمت؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں، بات ہو گئی ہے تم جب چاہو اپنی ڈیوٹی پر جا سکتے ہو۔" میں نے پرسکون انداز میں کہا اور پھر میں نے ایاز سے کہا۔ "ایاز، عظمت کا پستول کہاں ہے؟"

"لے آؤں؟" ایاز نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ جونہی ایاز گیا میں نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ پچاس پچاس کے سو نوٹ تھے۔ وہ گڈی میں نے عظمت کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "اس دوران کچھ لوگوں کے قرض بھی ہوں گے اس کے علاوہ کچھ ضروری کام تمہاری غیر موجودگی کی وجہ سے رک گئے ہوں گے۔ اگر مزید ضرورت پڑے تو سیدھے یہاں آ جانا۔"

"منصور بھیا، یہ...... یہ...... !" عظمت کی آواز پھنسنے لگی۔

"اس کی گنجائش باقی ہے عظمت۔ ہمیں مل جل کر زندگی کے بے شمار مسائل حل کرنے ہیں کیا ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر سوچیں گے؟"

"نہیں منصور بھیا۔" عظمت کی گردن جھک گئی۔

ایاز واپس آ گیا۔ میں نے پستول لے کر عظمت کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ پستول ان لوگوں کو واپس کر دو۔ ویسے وہاں کا پتہ تمہیں کہاں سے ملا تھا؟"

"جیل سے۔ سیدو، رحمو نامی دو جرائم پیشہ آدمی جیل میں ملے تھے۔ سات سال کی سزا کاٹ رہے ہیں دونوں۔ مجھے کچھ کام بتائے تھے اور پتہ دے دیا تھا۔ وہاں سے میں نے دو سو روپے بھی لئے تھے۔"

"واپس کر دو جا کر۔ کام کیا تھے۔"

"چند چیزیں ایک جگہ سے لے کر دوسری جگہ پہنچانی ہیں۔ کوئی خاص کام نہیں ہے۔"

"کام تو خاص ہی ہے کون جانے وہ چیزیں کیا ہوں۔ بہرحال وعدہ کر آئے ہو۔ وعدہ خلافی اچھی بات نہیں ہے ان لوگوں کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔ ان کا کام کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔

اسے رخصت کر کے میں نے ایاز سے پوچھا۔ "تمہاری مصروفیت کیسی رہی، ایاز کوئی کام بنا؟"

"خداوند میری بہن کو جلد مجھ سے ملوا دے گا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"اس کی تصویر شمو کو دکھاؤں گا اور کہوں گا کہ بہت جلد میری امی اور بہن اس کا رشتہ مانگنے آئیں گی۔"

میرے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ذہن پر دیوانگی سوار ہونے لگی۔ لیکن میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ایاز نے مجھے پر سکون دیکھا تو بولا۔ "اگر مجھ سے کوئی خاص کام نہ ہو بھیا تو میں اپنی مہم پر چلا جاؤں؟"

میں نے اسے اجازت دے دی۔ اس کے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتا رہا اور پھر تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ کار لی اور چل پڑا۔ رخ سیٹھ جبار کی کوٹھی کی طرف تھا۔ میں نے چہرہ بھی نہیں بدلا تھا بس ایک جنون سوار تھا مجھ پر۔

"سیٹھ جبار کی کوٹھی کے گرد میں نے کئی چکر لگائے۔ پھر کار ایک جگہ کھڑی کر کے نیچے اتر آیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر قتل عام شروع کر دوں، جو سامنے آئے اسے گولی مار دوں۔ طارق اندر موجود تھا۔ زندہ تھا اور اسے میری امی اور فریدہ کے بارے میں معلوم تھا۔ آنکھوں میں خون اتر رہا تھا لیکن سیٹھ جبار کی کوٹھی میں گھسنا ٹھیک نہیں تھا...... عظمت کو جذباتیت سے روکا تھا اور خود جہنم میں جا رہا تھا۔ مجھے بھی صبر سے کام لینا چاہئے۔ واقعی صبر سے کام لینا چاہئے۔ چند ساعت بے چینی کے عالم میں وہاں رکا اور پھر واپس اپنی کار کی طرف چل پڑا۔ کار اسٹارٹ کر کے واپس موڑی ہی تھی کہ کوٹھی سے ایک خوبصورت کار نکلتی نظر آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اینجل موجود تھی۔ کار برق رفتاری سے، میرے سامنے سے گزر گئی اور نہ جانے کیا سوچ کر میں نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ اینجل بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں اس کے پیچھے لگا رہا اور تھوڑی دیر بعد کار ایک خوبصورت ہوٹل کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ اینجل نے نیچے اتر کر اسے لاک کیا اور اندر چلی گئی۔ میں نے بھی اس کا تعاقب ترک نہیں کیا اور اس کے پیچھے ہی ہوٹل میں پہنچ گیا۔ وہ ہال میں نظر آئی اسی وقت ایک خوبصورت سے نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ اینجل اس کی طرف بڑھ گئی۔ میں لاپرواہی سے آگے بڑھتا ہوا ان لوگوں کے قریب ایک میز پر پہنچ گیا اور پشت ان کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔ "کنول کہاں ہے؟" اینجل نے پوچھا۔

"بے ہودہ اور وعدہ خلاف لڑکی ہے۔ پھر گول ہو گئی۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"مجھے اتنا اصرار کر کے یہاں بلایا اور خود غائب ہو گئی۔ جبکہ اسے علم ہے کہ میں ایسے گھٹیا ہوٹل میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"مجھے احساس ہے مس اینجل۔ ایسی لڑکیوں سے تو دوستی بھی نہیں رکھی جا سکتی۔"

"سوری مسعود صاحب۔ مجھے اجازت دیں۔"

"مس اینجل۔ میں آپ کو روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا لیکن بس ا
درخواست ہے آپ چاہیں تو اسے رد کر دیں۔ یہ لنچ میری طرف سے قبول فرمالیں۔"
"اوہ اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟"
"میں نے کہا نا۔ بس ایک خواہش ہے۔ آپ اسے رد بھی کر سکتی ہیں۔"
میں نے کھانا منگوا لیا اور اسی دوران' ان کی چھوٹی موٹی باتیں سنتا رہا۔
خاص بات معلوم نہ ہو سکی اس لئے میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور
سے اٹھ گیا۔ واپس گھر پہنچا تو حسینہ کچھ اداس نظر آئی۔ میں اس اداسی کی وجہ جاننا
لیکن اس وقت لطف اندوز ہونے کو جی نہ چاہا۔ دل میں ویرانی سی بسی ہوئی تھی۔
"صاحب جی۔ کھانا لے آئیں؟" حسینہ نے پوچھا۔
"نہیں حسینہ' بھوک نہیں ہے۔ ایاز تو نہیں آیا؟"
"نہیں جی۔ ہاں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی۔ کوئی پنی بول رہی تھی آپ کو پوچھ
میں نے کہا کہ نہیں ہیں۔ کہنے لگی اگر آ جائیں تو کہہ دینا پانچ بجے بولے گی اور اگر
بجے بھی نہ آئے تو نو بجے بولے گی۔"
"ٹھیک ہے حسینہ۔ تم نے کھانا کھا لیا؟"
"جی صاحب جی۔" اس نے کہا اور واپس چلی گئی۔
شام کو ٹھیک پانچ بجے پنی نے فون کیا۔ میں اس کے فون کا انتظار ہی کر رہا تھ
میں نے ریسیور اٹھا لیا اور دوسری طرف سے پنی کی آواز پہچان کر بولا۔ "ہاں پنی' میں بو
رہا ہوں۔"
"ٹھیک تو ہو منصور؟"
"ہاں' تم نے فون کیا تھا؟"
"چند اطلاعات جمع ہو گئی تھیں۔"
"قرب و جوار کا ماحول ٹھیک ہے نا؟"
"بالکل۔ اس کی فکر مت کرو۔ میں بہت چالاک ہوں۔" پنی نے کہا۔ "بگ
واپس آ گیا ہے۔ افضال خان کی خبر اسے مل گئی جسے سن کر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا ب
خاموش ہو گیا۔ طارق کی حالت بالکل ٹھیک ہے۔ تمہارا نام لیتے ہوئے اس کی آنکھوں م
خون اتر آتا ہے کہہ رہا ہے کہ لونڈا ہے۔ میں نشے میں سونے کی وجہ سے مار کھا گیا ورنہ
اتنا زبردست نہیں ہے۔ خاص طور پر وہ اپنی رہائش کے مسئلے پر فکر مند ہے۔"
"کیا مطلب پنی؟"
"فوزی نامی ایک لڑکی یہاں رہتی ہے۔ طارق کی دوستوں میں سے ایک ہے ا
طارق کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ طارق کہہ رہا تھا کہ اس نے فوزی سے بات ک

ہے اس نے کسی کو اس کی رہائش گاہ کے بارے میں نہیں بتایا اور نہ ہی اینجل نے ایسی
کوئی حرکت کی ہے اس کا خیال ہے کہ یہ دونوں سچ بول رہی ہیں پھر اس نے کہا کہ میرے
ذہن میں ایک شبہ سر ابھار رہا ہے پنی! جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا
کہ ممکن ہے ان لوگوں میں سے کوئی ہو جو میرے شکار ہیں اور ان میں لیڈی جہانگیر
سرفہرست ہے میں نے جب اس شبہ کی وجہ پوچھی تو الجھے ہوئے انداز میں بولا کہ منصور'
لیڈی جہانگیر کا ڈرائیور تھا۔ ہر چند کہ لیڈی جہانگیر نے میرے کہنے پر اس کے خلاف کیس بنا
دیا لیکن یہ کوئی گہری چال بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے لیڈی جہانگیر میری دشمن ہے' دوست
نہیں ہے۔"
"گڈ پھر کیا ہوا پنی؟"
"بس اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ بس یہی اطلاع تھی منصور! کیا تمہارے
لئے اہم نہیں ہے؟"
"بہت اہم ہے پنی۔ لیکن اب ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے تم
منظور کر لو گی۔"
"میں......؟" پنی نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ "کیا بات ہے؟"
"اس کے بعد تم مجھے کوئی فون نہیں کرو گی۔ اس وقت تک' جب تک کہ میں
خود تم سے رابطہ قائم نہ کروں۔"
"کیوں.......... اگر کوئی اہم اطلاع ہوئی تو؟"
"کسی نہ کسی ذریعے مجھ تک پہنچ ہی جائے گی۔ تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔"
"مگر کیوں۔ تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"
"طارق بالکل ہی گھامڑ نہیں ہے۔ مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ اس کا شبہ تم پر
بھی جا سکتا ہے۔ پنی تم سب سے زیادہ مخدوش حالت میں ہو میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی
نقصان پہنچے۔"
پنی چند لمحات خاموش رہ کر بولی۔ "اس بیکار زندگی کا ایک ہی مصرف تو سامنے
آیا ہے منصور۔ تم اس سے بھی منع کر رہے ہو۔ پھر کروں گی کیا؟ میرا خیال ہے تم مجھے
اس کے لئے منع نہ کرو۔"
"پنی یہ میری درخواست ہے۔ زندگی کبھی بے مصرف نہیں ہوتی۔ حالات
ہمارے لئے بے شمار راستے منتخب کرتے ہیں ممکن ہے تم میری زندگی کے کسی اہم مسئلے میں
میرے لئے کار آمد بن جاؤ...... مجھے کتنی ڈھارس رہے گی کہ میرا ایک ساتھی ان کے
درمیان موجود ہے۔"
"اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو ٹھیک ہے منصور۔" پنی نے کہا اور میں نے خدا

حافظ کہہ کر فون بند کر دیا لیکن اب میرے ذہن میں ایک اور تشویش نے سر ابھارا تھا۔ کہ طارق کے شبے کو کہیں سے تقویت نہ مل جائے۔ لیڈی جہانگیر کسی نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ کیا کرنا چاہئے' لیڈی جہانگیر کو اس خدشے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ وہ کہیں دھوکا نہ کھا جائے لیکن اس کا ایک غلط نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ لیڈی جہانگیر اس بات سے خوف زدہ ہو جائے گی اور خوف کے عالم میں وہ کوئی حماقت نہ کر بیٹھے لیکن اس سے اس کی امید کم تھی۔ وہ سمجھ دار عورت تھی۔ دنیا ساز اور زمانہ دیکھے ہوئے بالاخر میں نے فیصلہ کیا کہ اس سے ملاقات کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کر دوں گا لیکن اب اس سے ملاقات بھی خطرناک تھی۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑے گا۔ اب اس آزادی سے فون بھی نہیں کیا جا سکتا طارق بستر پر ضرور ہے لیکن اس کے گرگے اس کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہوں گے۔ لیڈی جہانگیر کا فون ٹیپ کیا جا سکتا ہے...... احتیاط لازم تھی...... عظمت جلدی سے لیڈی جہانگیر کے پاس پہنچ جائے اس کے بعد آسانیاں ہو جائیں گی۔

سات بجے عظمت آ گیا۔ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا اور بہت پاکیزہ صورت نظر آ رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ "چائے پیوں گا منصور بھیا! دعائیں مانگتا آیا تھا کہ آپ گھر پر ہی ملیں۔"

"ابھی لو۔" میں نے کہا اور حسینہ کو بلا لیا۔ "حسینہ' یہ عظمت چائے مانگ رہے ہیں۔"

"ابھی لائی صاحب جی۔" حسینہ چلی گئی۔

"فرحت اللہ صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

"خراب تھی مجھے دیکھ کر ایک دم کایا پلٹ ہو گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا منصور بھیا کہ مجھے اپنی قید کے دن ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھے لیکن ان لوگوں نے ایک ایک دن کا حساب رکھا۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر شدید حیران ہوئے۔ انہیں خدشہ ہو گیا کہ کہیں میں جیل سے بھاگ کر تو نہیں آیا۔ بڑی مشکل سے انہیں یقین دلایا ہوں۔ بس ان لوگوں کی حالت کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں عظمت۔ تم بوڑھے والدین کا بہت بڑا سہارا ہو۔ خدا تمہیں آفات سے محفوظ رکھے۔ نوکری کے بارے میں کیا خیال ہے عظمت؟"

"میں نے ابو سے بھی بات کر لی ہے۔ گھر کے حالات واقعی خراب تھے۔ آپ کی دی ہوئی رقم نے ہماری زندگی کو بہت بڑا سہارا دیا ہے۔ ہر چند کہ وہ لوگ ابھی یہ نہیں چاہتے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی ان سے جدا ہوں لیکن میں نے ان سے کہا ہے کہ زندگی مشقت طلب کرتی ہے۔ یہ سب کچھ کرنا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ وہ تیار ہو گئے؟"

"ہاں۔" عظمت نے جواب دیا۔

"تو پھر تم کب سے ڈیوٹی پر جاؤ گے؟"

"جب آپ حکم دیں گے۔"

"شیخ جمال کے بارے میں اب فرحت اللہ صاحب کا کیا خیال ہے؟"

"وہی جو ہر بے بس انسان کا ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب شیخ جمال کا مسئلہ اس سب سے بڑے محاسب پر چھوڑ دیا جائے جو سب سے قوی و برتر ہے۔ میں ان کے سامنے خاموش ہو گیا تھا۔ حشمت اور صوفیہ کا مسئلہ بھی تو ہے۔ بہرحال ان لوگوں کو میں نے کسی تشویش کا شکار نہیں ہونے دیا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔ اب چائے پینے کے بعد تم ایک کام کرو عظمت۔"

"جی بھیا......؟"

"میں جہانگیر لمیٹڈ کی لیڈی جہانگیر کے لئے تمہیں ایک خط دوں گا۔ ان کی کوٹھی پر چلے جانا۔ موجود نہ ہو تو انتظار کر لینا۔ مل کر ہی آنا۔ ان سے خط کا جواب لانا ہے۔ تمہیں انہیں کے پاس کام کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔ چائے پینے کے بعد میں نے عظمت سے اجازت لی اور دوسرے کمرے میں جا کر لیڈی جہانگیر کو مفصل حالات لکھ کر آئندہ کے لئے ہدایات جاری کیں اور پھر عظمت کو روانہ کر دیا۔

اسی دوران ایاز آ گیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ساڑھے نو بجے عظمت واپس آ گیا۔ کسی قدر الجھا ہوا تھا۔ اس نے لیڈی جہانگیر کا جواب مجھے دے دیا اور میں اسی وقت اسے پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"تمہارا خیال درست ہے منصور۔ دشمن کے مقابلے کے لئے ہمیں بہت محتاط ہونا پڑے گا۔ میں تمہاری تمام ہدایات کی پابندی کروں گی' یہ عمدہ بات ہے کہ عظمت فوری طور پر کام کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ رہیں گے۔ فرحت اللہ صاحب کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسے عظمت ہیں۔ ویسے یہ میری پیش کش پر حیران ہیں انہیں ٹھیک کر لینا۔ میں محتاط رہوں گی۔

گل۔"

خط پڑھ کر میں نے پھاڑ دیا اور پھر عظمت سے پوچھا۔ "نوکری کی بات ہوگئی؟"

"وہ نوکری ہے منصور بھیا؟"

"کیا مطلب؟"

"بس عنایت ہے آپ کی۔ ڈرائیور کی تنخواہ ڈھائی ہزار روپے؟ اور مکان الگ...... انہوں نے میرے افراد خانہ کے بارے میں پوچھا پھر خود ہی اخراجات کا تخمینہ لگا کر تنخواہ متعین کر دی۔ ڈھائی ہزار روپے۔" عظمت ہنس پڑا۔

"اس میں کسی تعرض کی گنجائش نہیں ہے عظمت۔ اس بارے میں تم کچھ نہیں سوچو گے مکان کا کیا معاملہ ہے؟"

"کیجل روڈ پر فراست منزل کے گراؤنڈ فلور کا فلیٹ نمبر دس ہمیں الاٹ کر دیا گیا ہے۔ چھ کمروں کا فلیٹ ہے۔" عظمت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب منتقل ہو گے؟"

"فلیٹ ساری ضروریات سے آراستہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو کل ہی منتقل ہو سکتے ہیں۔" عظمت نے کہا اور ہنس پڑا۔

"آخر اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"بڑی زبردست نوکری ملی ہے منصور بھیا۔ خدا ہر بے روزگار کو ایسی ہی نوکری عطا فرمائے۔"

"اچھا بس بے کار باتیں بند۔ کل سے ڈیوٹی جوائن کر لو گے اور دو تین دن کے اندر اندر شفٹ ہو جاؤ گے۔"

"تعمیل ہو گی۔ ویسے مکان کا مسئلہ بہت عمدہ ہو گیا بھیا۔ اب اس گھر میں تو داخل ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ یوں بھی محلے والوں کی نگاہوں میں وہ گھر عجیب ہو گیا ہے اگر ہم اتنے نیک نام نہ ہوتے تو لوگ شاید کھلے عام ایسی باتیں کرنے لگتے جو نا قابل برداشت ہوتیں............"

"لیڈی جہانگیر کافی دنوں سے اس تاک میں تھیں کہ فرحت اللہ صاحب کو اس مکان سے لے جائیں لیکن وہ لوگ تیار نہ ہوئے بالآخر اس طرح کام بن گیا۔"

"کیا مطلب؟" عظمت چونک پڑا۔

"وہ تمہاری زبردستی کی رشتے دار بن کر تمہارے گھر جاتی رہی ہیں۔ یہ بات میں نے تمہیں اس لئے بتا دی ہے کہ نئے مکان میں منتقل ہونے کے بعد تم اس کا خیال رکھو اور لیڈی جہانگیر کو شرمندہ نہ ہونے دو۔"

"خدا کی پناہ۔ امی نے مجھے ان خاتون کے بارے میں بتایا تھا جو ہم پر احسان کرنا چاہتی تھیں۔ ویسے ان کا رشتہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"وہ در دانہ گل ہی تھیں۔"

"لیکن منصور بھیا۔ ہمارا ان سے کیا تعلق ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے۔ آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا...." میں نے جواب دیا اور عظمت سوچ میں ڈوب گیا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "بہرحال آپ نے جو بہتر سمجھا کیا۔ اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے میرے لئے اب کیا حکم ہے؟"

"بس گھر جاؤ۔ وہ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔ ابھی ان کے دلوں میں دہشت ہے۔ پہلی فرصت میں مکان شفٹ کر لو۔"

"او۔ کے سر۔" عظمت نے کہا اور سلام کر کے چلا گیا۔ میں نے اسے کھانے کے لئے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کے والدین کے جذبات کیا ہوں گے۔ نینہ نے کھانا لگایا...... میں اور ایاز کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ایاز آج بھی کوئی خاص خبر نہیں لا سکا تھا۔ میں نے اس سے اس کی آج کی مصروفیت کے بارے میں پوچھ لیا۔

"بھیا۔ شہر میں شاید ہی کوئی ایسی ریکروٹنگ ایجنسی بچی ہو جہاں میں نہ ہو آیا ہوں۔ میں نے سب سے رجسٹریشن کرا لیا ہے۔ کہیں میں موٹر مکینک تھا۔ کہیں ریفریجریٹر مکینک اور کہیں الیکٹرک ویلڈر۔ رجسٹریشن فیس بھی ہر جگہ جمع کی ہے اور ان لوگوں کو چائے وغیرہ پلا کر ان کے چھ سال تک کے اندراجات بھی دیکھے ہیں...... لیکن......"

"ممکن ہے ایاز' ایسی بات ہی نہ ہو۔"

"ہاں بھیا۔ اس طرف سے اطمینان ہو گیا ہے۔"

"ویسے ہماری کاوشیں سست پڑ گئی ہیں ایاز۔ طارق ٹھیک ہو چکا ہے۔ اسے دیا ہوا وقت بھی کبھی کا نکل چکا ہے اور ہم اب تک کچھ نہیں کر سکے۔ فریدہ اور امی تو اب ایک ...رت بن گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں ایاز کہ شیخ جمال سے بھی جلد حساب کتاب کر لیا جائے۔ یہ کمینے لوگ زیادہ عرصے تک عیش و عشرت میں نہیں رہنے چاہئیں۔"

"مجھے میری ڈیوٹی بتاؤ بھیا......؟"

"کل صبح سے تم شیخ جمال کی نگرانی کرو گے۔ مجھے اس کے اور اس کے بیٹے کے بارے میں مکمل معلومات درکار ہیں' ان لوگوں کے کیا مشاغل ہیں۔ اٹھنا بیٹھنا کہاں کہاں وغیرہ......"

"کل سے شروع۔" ایاز نے مستعدی سے کہا۔

"جس قدر تفصیلات مہیا ہو سکیں' تصویریں وغیرہ بھی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز نے کہا۔ میں نے مختصراً ایاز کو عظمت کے بارے میں بتایا اور
اس نے بھی اطمینان کا اظہار کیا پھر مجھے چمن کا خیال آ گیا۔

"یہ چمن کہاں غائب ہے آج کل؟"

"اس کا نام اس طرح نہ لے لیا کرو منصور بھیا۔ میرے سارے خواب ٹو
جاتے ہیں اور دل میں ایک خوف پیدا ہو جاتا ہے۔"

"خوف کیسا؟"

"یہی کہ کہیں دوبارہ اس کے چنگل میں نہ پھنس جاؤں۔"

"چمن کا رویہ عجیب ہے ایاز۔"

"وہ کیسے؟"

"ابھی تک وہ کھل نہیں سکا۔ اس کے ذرائع آمدنی ناجائز ہیں۔ بہت سے غنڈ
پال رکھے ہیں اس نے۔ بہترین تعلقات کا مالک ہے۔ کہتا ہے کہ سیٹھ جبار پر اس کا
قرض ہے اور وہ اس کے کشتگان میں سے ہے لیکن... ابھی تک اس کا کوئی عمل سامنے
نہیں آیا۔ اس کی مجھ پر اس قدر مہربانی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم تو بے بس تھے ا
اس لئے ہم نے اس کا سہارا قبول کر لیا لیکن وہ ہماری طرح بے بس نہیں ہے اگر وہ سیٹھ
جبار کے خلاف ہے تو وہ کیا کر رہا ہے؟"

"بہت گہرا انسان ہے۔ بڑی مشکل سے کھلتا ہے۔" ایاز نے کہا۔

"لیکن کچھ تو کھلنا چاہیے۔ سیٹھ جبار کے خلاف اگر کوئی محاذ ہی بنانا ہے تو کیا
ہمیں اس میں شامل نہیں کرے گا؟"

"خدا جانے۔"

"کیا خیال ہے اس سے بات کی جائے؟"

"جیسا مناسب سمجھو۔"

"نہیں تم خود بتاؤ۔ کئی دن ہو گئے اس سے ملاقات ہوئے۔ اس نے بھی خ
نہیں لی۔ اس طرح عنایت کر کے بھول جانا کچھ ہضم نہیں ہو رہا۔"

"بات کر لو اس سے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" ایاز نے کہا اور میں گہری سو
میں ڈوب گیا۔ چمن واقعی پراسرار کردار تھا۔

دوسرے دن ایاز کو اس کی ڈیوٹی پر روانہ کر کے میں چمن کے اڈے کی طرف
چل پڑا۔ چمن موجود تھا اور حسب معمول اپنی دکان سجائے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی
اظہار کیا اور پھر بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"کہو شہزادے کیا عیش ہو رہے ہیں؟"

"اوہ۔ خیریت شہزادے؟ کیسی الجھن ہے؟"

"مجھے اس عمارت میں پہنچا کر تم بالکل ہی خاموش ہو کر بیٹھ گئے؟"

"تو اور کیا کروں؟"

"ملاقات بھی نہیں ہوتی؟"

"احتیاط شہزادے۔ احتیاط۔ تم جانتے ہو...... اچھی طرح جانتے ہو کہ جبار سیٹھ
نے دشمنوں سے غافل نہیں رہتا۔ تمہارا کیا خیال ہے' اسے چمن کے بارے میں کچھ نہیں
لوم؟ شہزادے وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔"

"اس کے باوجود اس نے تمہیں آزاد چھوڑ رکھا ہے؟"

"ہاں۔ اسے خود پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔" چمن نے ٹھنڈی سانس لے
کہا۔

"یعنی اسے معلوم ہے کہ تم اسی شہر میں ہو' اس کے خلاف ہو اور موقع ملنے پر
کوئی نقصان پہنچا سکتے ہو' اس کے باوجود اس نے تمہیں نظر انداز کر رکھا ہے؟" چمن
ی اس بات پر ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ابھی صرف اپنے بارے میں سوچو شہزادے۔ میرا کھیل دوسرا ہے آہستہ آہستہ
میں آئے گا۔ تم بتاؤ کامیابی سے آگے قدم بڑھا رہے ہو یا رک گئے ہو۔ ویسے افضال
کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ کیا قصہ تھا؟"

"کیا معلوم ہو چکا ہے؟"

"یہی کہ تم نے اس کی دونوں ٹانگیں نکال دی ہیں ویسے جی دار کو مارا ہے۔
ٹھاک آدمی ہے' جان رکھتا ہے' تم نے اکیلے کام کیا تھا؟"

"تمہیں افضال خان کے بارے میں تفصیل کیسے معلوم ہوئی......؟"

"بھئی اسپتال میں ہے۔ ٹانگیں بیکار ہیں دونوں۔ تم نے اس دن اس کا پتہ پوچھا
اب تھوڑی سی عقل تو ہمیں بھی ہے۔" چمن ہنسنے لگا پھر بولا۔ "کوئی پرانی دشمنی تھی
؟"

"نہیں' نیا ہی معاملہ ہے۔ طارق کے بے کار ہونے کے بعد اسے میرے قتل پر
کیا گیا تھا۔"

"کس نے کیا تھا؟"

"سیٹھ جبار نے۔" میں نے جواب دیا اور چمن کی آنکھوں میں تشویش کے آثار
نے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"سیٹھ جبار نے؟ بات کچھ عقل میں نہیں آتی شہزادے۔ جبار کبھی ہلکے کام نہیں
۔ اگر وہ تمہیں قتل کرنا چاہتا تو کوئی لمبی چال چلتا' غلط اطلاع معلوم ہوتی ہے کہاں سے

ملی؟"

اسی وقت ایک گرانڈیل شخص اندر داخل ہو گیا۔ گٹھے ہوئے سر کا مالک تھا اور شکل سے کافی خطرناک لگتا تھا۔ چمن بری طرح چونک پڑا۔

"ارے تغلق خان... تم.... تم خدا کی پناہ تم زندہ ہو۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم فرانس کی جیل میں.... ا"

"بکواس مت کرو۔ یہ باہر تم نے کیسے آدمی چھوڑ رکھے ہیں، تمیز نہیں سکھائی انہیں مجھے روک رہے تھے کہنے لگے استاد اندر مصروف ہے۔" آنے والے نے کہا۔

"غیر ملک کی جیل میں رہ کر ملکی آداب بھول گئے؟ یہ سب سپاہی ہیں۔ ان کی ڈیوٹی اور کیا ہوتی ہے اور شکوہ کرنے کے بجائے تمہیں میرے گلے لگنا چاہیئے تھا۔"

"ہاں یار...... سب کچھ بھول گیا ہوں۔ موڈ خراب کر دیا ہے ان لوگوں نے۔ یہ لڑکا کون ہے؟ اسے بھگاؤ باتیں کریں گے۔"

"اوہ منصور۔ یہ تغلق خان ہے۔ تمہیں تو یقیناً علم نہیں ہو گا پرانی بات ہے۔ تقریباً پندرہ سال پرانی۔ تغلق خان نے بڑے ہنگامے کیے تھے یہاں بیس پچیس قتل کر کے گیا تھا پھر جب اس کے حلیف سیاسی ٹولے کا انحطاط ہوا تو یہ بھی ملک سے باہر بھاگ گیا پھر باہر اس کا نام سنا گیا تھا۔"

میں نے گردن ہلا دی تھی۔

"اور تغلق خان، یہ میرے لئے نہایت محترم ہستی منصور ہیں۔ تمہیں ان سے مل کر یقیناً خوشی ہو گی۔"

"مجھے...........؟" تغلق خان نے کہا اور پھر بڑے بھدے انداز میں ہنس پڑا۔

"تم جانتے ہو چمن کہ مجھے کیسے لوگوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ نئی نسل کے ان لونڈوں کو دیکھ کر تو آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، جن کا شمار مردوں میں ہوتا ہے نہ عورتوں میں۔ جاؤ...... یہاں جو کام بھی ہو پھر آ جانا۔ میں تیسری بار کہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"اچھا چمن۔ مجھے اجازت دو پھر کسی وقت ملاقات ہو گی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چمن کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ "خدا حافظ۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ چمن نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن میں نے موقع نہیں دیا اور باہر نکل آیا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں تھا۔ یہ پیشہ ور بدمعاشوں کی دنیا تھی۔ یہاں سب چمن نہیں ہوتے۔ ویسے تغلق خان کے بارے میں چمن نے جو الفاظ کہے تھے ان سے، اندازہ ہوتا تھا کہ تغلق خان کوئی خاص چیز ہے۔

چمن کے ہاں سے اچانک واپس آنا پڑا تھا۔ کوئی خاص پروگرام نہیں تھا اس لئے سرخاب یاد آ گئی اور میں اس طرف چلا گیا۔ سرخاب کی کوٹھی میں سامنے ہی حنا اور جاوید نظر آئے تھے۔ دونوں نے میرا استقبال کیا۔

"سرخاب موجود نہیں ہیں؟"

"ائرپورٹ گئی ہیں۔" حنا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیا پروفیسر آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں لیکن انکل شیرازی فوراً ہی کہیں اور چلے جائیں گے۔ شاید ان کا کیبل آیا تھا۔ سرخاب وہیں ائرپورٹ پر ان سے مل لیں گی۔ آپ آیئے، اندر آ جایئے، آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"پھر آ جاؤں گا۔ سرخاب آئیں تو۔"

"جی نہیں۔ آپ اندر تشریف لایئے۔ چائے پیجئے۔ ممکن ہے سرخاب آ جائیں۔ آیئے منصور صاحب، اب اتنے اجنبی بھی نہیں ہیں ہم لوگ۔" حنا نے کہا اور میں مجبور ہو گیا۔ سرخاب کے اہل خاندان تھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں میرے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم، سوائے اس کے کہ میں پروفیسر اور سرخاب کا چہیتا ہوں۔ پروفیسر اور سرخاب کے ظرف سے یہی امید تھی۔

چائے کے بعد بھی دیر تک بیٹھنا پڑا۔ ان لوگوں نے چھوڑا ہی نہیں تھا پھر اٹھنے کی اجازت مانگی تو سرخاب واپس آ گئی۔

مجھے دیکھ کھل اٹھی تھی۔ "خدا کی قسم منصور بھیا، راستے بھر آپ کے بارے میں سوچتی آئی تھی...... آپ کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ کتنی دیر ہوئی آپ کو آئے ہوئے؟"

"بہت دیر ہو گئی۔"

"حنا، چائے وغیرہ پلائی میرے بھیا کو؟"

"ہاں پی چکا ہوں۔ یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے، جتنے تمہارے خاندان کے لوگوں کو ہونا چاہیئے تھا۔"

"اب ایک کپ آپ کو میرے ساتھ پینا ہو گا۔ حنا، میرے اور منصور بھیا کے لئے ایک ایک کپ چائے بھجوا دو میرے کمرے میں۔ آیئے منصور بھیا۔"

"یہ چائے ہمارے ساتھ بیٹھ کر اور ہمیں شریک کر کے نہیں پی جا سکتی؟" حنا نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں۔ آپ اپنا حصہ وصول کر چکی ہیں۔ آیئے بھیا۔" سرخاب نے بڑے پیار سے کہا اور میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

"پروفیسر کا کیبل ملا تھا سرخاب؟"

"آئے تھے۔ جاپان جا رہے تھے۔ طیارہ جتنی دیر رکا اتنی دیر کے لئے مجھ سے ملاقات رہی۔" سرخاب نے کہا۔

"یہ پروفیسر آخر کس چکر میں ہیں؟"

"اللہ جانے بھیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی، مجھے بھی کچھ نہیں بتایا انہوں نے۔ آج بھی میں نے اصرار کیا تو بولے۔" اپنے منصور بیٹے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔"

"میرے لئے؟" میں ششدر رہ گیا۔

"میں خود پریشان ہوں۔ اگر آپ کے لئے کچھ کر رہے ہیں، تو دوسرے ممالک کے یہ طوفانی دورے کیوں ہو رہے ہیں۔" سرخاب نے کہا۔ ہم دونوں چائے پیتے رہے، غور کرتے رہے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پروفیسر کے سارے اقدامات بے حد پراسرار تھے۔ بہرحال اس کے بعد وہی ساری رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد میں نے سرخاب سے وعدہ کیا کہ اسے روزانہ فون کرتا رہوں گا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔

رات کو گیارہ بجے عظمت میرے پاس آیا تھا۔ اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ میں اس کی کیفیت دیکھ کر چونک پڑا۔ خیریت عظمت؟"

"آج شام چھ بجے لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔ میں کار چلا رہا تھا۔ وہ پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بزنس اسکوائر کے چوراہے کو کراس کرتے ہی ایک کار ایک گلی سے نکلی اور اس کے پستول سے لیڈی جہانگیر پر گولیاں چلائی گئیں۔ کار کی باڈی میں کئی سوراخ ہو گئے۔"

"اور لیڈی جہانگیر؟"

"وہ بخیریت ہیں۔ صرف شیشے کے چند ٹکڑے لگے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"کوٹھی پر ہی ہیں لیکن فون کرنے کو منع کر دیا ہے۔"

"اوہ۔ خوفزدہ ہوں گی؟"

"قطعی نہیں۔ مجھے پیغام دیا ہے۔ یہ پرچہ۔" عظمت نے لباس سے ایک پرچہ نکال کر مجھے دے دیا۔ میں نے پرچہ پڑھا۔

مختصر تحریر تھی۔

"منصور!

حالات عظمت سے معلوم ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے یہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا بلکہ خوفزدہ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ ورنہ جو لوگ گولیاں چلاتے ہیں، ان کے نشانے اتنے ناکارہ نہیں ہوتے سنو کسی قیمت پر نہ تو

فون کرنا اور نہ میری کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرنا۔ تمہارے خیال کے مطابق فون کہیں اور بھی سنا جا رہا ہے۔ مجھے اشارات ملے ہیں۔

گل۔"

میں نے گہری سانس لی اور گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملہ ھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت عظمت نے کہا۔ "منصور بھیا۔ مجھے ایک پستول فراہم کر ں کہیں سے۔ میرے ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ بس حفظ ماتقدم کے طور پر ہ رہا ہوں جیسا کہ آج ہی ہوا۔ اگر لیڈی جہانگیر کو سچ مچ ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی میں ان کی بخوبی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں کل لیڈی جہانگیر سے یہ بات کہہ دوں؟"

"میرا خیال ہے لیڈی جہانگیر یہ کام نہیں کر سکیں گی۔ کل کا دن اور نکال لو ظمت۔ میں کوشش کر کے کل تمہیں پستول فراہم کر دوں گا۔" میں نے کہا اور عظمت نے ردن ہلا دی۔ "اس کے علاوہ تو اور کوئی خبر نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں منصور بھیا۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ بس میں نے خاصی احتیاط سے کام لیا ہے۔ لیڈی جہانگیر، دفتر سے اٹھ کر کچھ شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ شاپنگ کر کے واپس کوٹھی طرف جا رہی تھیں کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ میں انہیں ان کی ہدایت کے مطابق لے کر دھا کوٹھی گیا تھا۔ وہاں انہوں نے ڈاکٹر کو بھی بلانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ شیشے کے د ٹکڑے ان کے چبھ گئے ہیں جس کی وجہ سے خون نکل آیا ہے اور یہ کوئی اہم بات ں ہے اس لئے میں فکر نہ کروں۔ میں نے پولیس میں رپورٹ کرنے کے لئے پوچھا تو وں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی اور کہنے لگیں "تم فکر مت کرو عظمت۔ سب ک ہے، میں اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ کروں گی۔" پھر بھی بھیا میں ھ بجے تک وہاں رکا۔ لیڈی جہانگیر خود ہی باہر آئیں تو مجھے دیکھ کر انہوں نے حیرت سے چھا کہ ابھی تک گئے نہیں عظمت اور میں نے گردن ہلا دی۔ "نہیں لیڈی صاحبہ۔ میں سوچا کہ ممکن ہے آپ کو مجھ سے کوئی کام پیش آ جائے۔"

"اوہ۔ ہاں کام تو ہے۔ بڑا اچھا ہوا عظمت۔ اس وقت مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ ے ساتھ آؤ۔" انہوں نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ تب انہوں نے مجھے یہ پرچہ کر کہا کہ اسے اپنے لباس میں چھپالوں اور کسی طرح یہ منصور تک پہنچا دوں، تو بھیا نے وہاں سے براہ راست تمہارے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا اور گھر چلا گیا۔ ساڑھے بجے میں اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے باہر نکلا ہوں اور تم تک آیا ہوں، بس یونہی اتا میں نے سوچا کہ یہ کہیں یونہی ایسا ویسا سلسلہ نہ ہو..."

"تمہیں یہی کرنا چاہئے تھا عظمت۔ بہترین سوچا تم نے۔ ہمیں اتنا ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر یہ حملہ؟ منصور بھیا۔ لیڈی جہانگیر بھی کسی کا نشانہ ہیں؟" عظمت نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں عظمت۔ ابھی تو تم پر بہت سے انکشافات ہوں گے بڑی دلچسپ زندگی محسوس کرو گے۔ کم از کم اس زندگی میں...... ہنگامہ خیزی تو ہے۔ ایک ہی محور پر گھومتے رہنے میں اتنا لطف نہیں آتا۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے اور آپ مجھے پستول فراہم کر دیں۔ انشاء اللہ لیڈی جہانگیر اب اتنی تنہا بھی نہیں ہوں گی۔" عظمت نے کہا۔

"کل انشاء اللہ میں کوشش کروں گا۔ مجھے یقیناً کہیں نہ کہیں سے پستول فراہم ہو جائے گا۔"

"ایاز کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں۔ دوپہر کو یہیں تھا۔ حسینہ سے کہہ کر گیا ہے کہ ممکن ہے رات کو دیر ہو جائے۔ ابھی تک تو نہیں آیا۔" میں نے کہا اور عظمت خاموش ہو گیا پھر میں نے عظمت کو واپسی کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ "بس اب جاؤ خواہ مخواہ جیل سے باہر نکلتے ہی ان مصیبتوں کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت اپنے والدین کے ساتھ گزارنا چاہئے تھا، لیکن اب کیا کیا جائے۔" عظمت مسکرانے لگا۔

"بھیا یہ بات تو نہ کہیں۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا تھا اور جس سے آپ نے مجھے روک دیا ہے۔ اگر کر لیتا تو کیا کہا جا سکتا تھا کہ دوبارہ والدین کی صورت دیکھنا نصیب بھی ہوتی یا نہیں۔ مجھے تو آپ لوگوں کا سہارا اس طرح مل گیا ہے کہ میں ابھی تک اچنبھے میں ہوں۔"

"میں تمہارے احساسات سمجھتا ہوں عظمت۔ یقین کرو، بالکل ایسے ہی احساسات میرے تھے۔ میں بھی اپنے ان ہمدردوں کو چونک چونک کر تعجب سے دیکھتا اور سوچتا تھا کہ یہ کہاں سے آ گئے۔ جب کہ مجھے زمین اپنے دوستوں سے خالی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اس روئے زمین پر میرا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ مجھ پر قرض تھا عظمت اور یہ قرض میں آہستہ آہستہ لوٹا رہا ہوں۔ بس اب جاؤ میرے دوست آرام کرو لیکن اسی احتیاط کے ساتھ، جس احتیاط کے ساتھ تم یہاں آئے تھے۔" میں نے کہا اور عظمت چلا گیا۔

میں خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ ذہن دوڑا رہا تھا کہ لیڈی جہانگیر پر کس نے اور کس مقصد کے تحت حملہ کیا ہے لیکن کوئی صحیح بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر وہ مجھے اتنی سختی سے منع نہ کر دیتی تو شاید میں اسی وقت اس کے پاس پہنچ جاتا خواہ چھپ کر ہی جانا پڑتا لیکن میں

اس کی خیریت ضرور معلوم کرتا۔ تاہم یہ احتیاط بھی میرے اور لیڈی جہانگیر کے حق میں بہتر تھی۔ چنانچہ میں نے صبر سے کام لیا۔ ایاز رات کو نہ جانے کس وقت آیا تھا۔ میں سوچتے سوچتے سو گیا تھا۔

صبح کو ایاز سے ملاقات ہوئی۔ وہ مطمئن تھا اور اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ناشتے کی میز پر میں نے اسے لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملے کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

"ارے کب ہوا؟ کس نے کیا؟" اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا ایاز! لیکن بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ تم فکر مند نہ ہو، ویسے لیڈی جہانگیر نے مجھے خود اپنے آپ سے کسی طرح رابطہ قائم کرنے سے منع کر دیا تھا ورنہ شاید میں وہیں ہوتا۔"

"واقعی بھیا یہ تو ذرا پریشان کن خبر ہے۔ بے چاری لیڈی جہانگیر جتنی نیک اور انسان دوست خاتون ہیں۔ اس کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو واقعی ان کے لئے فکر مند ہو گیا ہوں۔"

"ہاں ایاز...... لیکن خود لیڈی جہانگیر کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ حملہ انہیں قتل کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ شاید خوف زدہ کرنے کی کوئی کوشش تھی۔ میرا خیال ہے بہت جلد اس کوشش کا کوئی نتیجہ سامنے آ جائے گا۔" میں نے چائے دانی سے پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا اور ایاز سر ہلانے لگا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو ایاز! اس سلسلے میں جو کچھ ہو گا دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا اپنا مشن کیا رہا۔"

"بھیا! جس قدر آپ نے کہا تھا اتنا میں معلوم کر چکا ہوں۔" ایاز نے جواب دیا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً شیخ جمال صاحب کی گتے کے کارٹن بنانے کی ایک بہت بڑی فیکٹری ہے جو ملک میں بھی کارٹن سپلائی کرتی ہے اور یہ کارٹن ایکسپورٹ بھی ہوتے ہیں۔ شیخ جمال صاحب خود اس فیکٹری کی نگرانی کرتے ہیں۔ کافی بڑا کاروبار ہے۔ بے شمار مشینیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی مالی حالت بہت بہتر ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک بیٹا مسعود اختر امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کی ایک فرم چلاتا ہے۔ گرین روڈ پر ماڈل سینٹر میں اس کی یہ فرم گرانڈ ایکسپورٹرز کے نام سے چل رہی ہے۔ وہ اس کا مینجنگ ڈائریکٹر ہے اور خود ہی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے......" ایاز نے جواب دیا۔ اب میری حیران ہونے کی باری تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا نام لیا تم نے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"گرانڈ ایکسپورٹرز۔" ایاز نے جواب دیا۔

"گرین روڈ ماڈل سینٹر۔" میں بڑبڑایا۔

"ہاں ... کیوں۔ کیا آپ دیکھ چکے ہیں یہ فرم؟" ایاز نے سوال کیا۔

لیکن میرے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ ہاں ہاں' ٹھیک ہی تو ہے۔ اینجل نے اس شخص کا نام مسعود ہی لیا تھا اور مسعود نے اینجل کو یہی پتہ بتایا تھا۔ ایک دم سے میری حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ ایک انوکھا خیال میرے ذہن میں سرعت سے آیا تھا اور مجھے بے چین کئے دے رہا تھا۔ ایاز نے بھی میرے چہرے کی یہ پرجوش کیفیت دیکھی اور خاموشی سے مجھے گھورتا رہا پھر جب اس سے یہ خاموشی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے خود ہی اسے توڑا۔

"منصور بھیا! کوئی خاص بات ہے؟ کیا انکشاف ہوا ہے میری اس بات سے۔"

"بتا دوں گا ایاز! بتا دوں گا۔ کیا مسعود اختر کے بارے میں اس کے علاوہ بھی اور کچھ معلوم ہو سکا۔"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں' البتہ یہ تصویر میں نے حاصل کر لی ہے اس کی۔" ایاز نے کہا اور ایک تصویر نکال کر میرے سامنے ڈال دی۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ یہ وہی مسعود اختر تھا جسے میں نے اینجل کے ساتھ اس ہوٹل میں دیکھا تھا اور جو اینجل سے رومان بھگارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں بے اختیار اچھل پڑا اور بے تکلفی سے ایاز کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایاز! اگر کام بن گیا تو یوں سمجھو لطف آ جائے گا۔"

"کچھ پتہ بھی تو چلے بھیا! کیا کام بن رہا ہے۔ ہم تو بس آپ کی صورت دیکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ پا رہے۔" ایاز نے بھولی سی شکل بنا کر کہا اور میں پر خیال آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ویری گڈ ایاز۔ ویری گڈ۔ بہرصورت ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔ ذرا لیڈی جہانگیر کا مسئلہ حل ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ جب کام کریں گے' دیکھا جائے گا۔" ایاز بچوں کی طرح ناراض ہوتے ہوئے بولا اور میں ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔ میں غور کرنا چاہتا تھا' اس بارے میں اچھی طرح سوچنا تھا۔ واقعی یہ تو زبردست کام ہو رہا تھا۔ اتنا زبردست کہ اگر میری مرضی کے مطابق سب کچھ ہو جائے تو لطف ہی آ جائے۔ ایاز ناشتے کے کمرے سے اٹھ کر میرے ساتھ ساتھ ہی میرے پیچھے آیا تھا۔ وہ ناراضگی کا اظہار ضرور کر رہا تھا لیکن اس کے دل میں بھی یہ بے چینی موجود تھی کہ معلوم کرے کہ اس انکشاف سے مجھے کیا فائدہ ہوا

ہے۔ میں خیالات میں ایسا غرق تھا کہ...... ایاز کے ان جذبات پر توجہ نہیں دے سکا اور وہاں سے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"اوہ...... میرا خیال ہے بھیا؟ "میں آپ کو سوچنے دوں۔ شاید آپ تنہائی چاہتے ہیں۔" اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"ارے نہیں نہیں' ایاز۔ یقین کرو ایسی بات نہیں ہے.... بس اس انکشاف نے مجھے ذہنی طور پر اس قدر الجھا دیا ہے کہ میں ڈوب گیا تھا۔"

"تو اب بتا دو بھیا کیا معاملہ ہے۔"

"بیٹھو...." میں نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔ "دراصل ایاز! میں اس شخص کو ابھی ایک دو دن پہلے دیکھ چکا ہوں اور جن حالات میں دیکھا تھا انہیں سوچ کر مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ عظمت کے لئے ایک بہترین کام ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"سنو..... سنو۔ تفصیل سے سنو۔ میں نے اسے اینجل کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"مسعود اختر کو؟" ایاز نے کہا۔

"ہاں' وہ شاید کسی تیسری شخصیت کے مدعو کرنے پر آئی تھی لیکن جس شخصیت نے انہیں مدعو کیا تھا وہ اس ہوٹل میں نہیں پہنچی جہاں یہ دونوں یکجا ہوئے تھے پھر مسعود اختر اور اینجل ایک میز پر بیٹھ گئے' ساتھ کھانا کھایا۔ دونوں ایک دوسرے کے بہت زیادہ شناسا نہیں تھے۔ صحیح طور پر تعارف اسی دن ہوا تھا اور مسعود اختر' اینجل سے رومان بھگارنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"ہوں تو پھر؟" ایاز نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پھر تو بہت کچھ ہو جائے گا۔ اگر مسعود اختر جیسے ٹٹ پونجئے سیٹھ جبار کی لڑکی کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرنے لگیں اور سیٹھ جبار کو اس بارے میں پتہ چل جائے تو خود اس کا رویہ کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے' وہ ان معاملات کو پسند نہیں کرے گا اور ایاز اگر معاملات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر اس کے سامنے لایا جائے کہ وہ غصے کی شدت سے پاگل ہو جائے تو؟" میں نے سوال کیا۔

"بھیا اپن نہیں سمجھا۔ اپنا کھوپڑی بہت چھوٹا ہے۔ ذرا صحیح طرح سمجھاؤ۔" ایاز نے بازاری لہجے میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"ایاز' سیٹھ جبار غصے سے پاگل ہو جائے گا اور مسعود اختر کے خلاف یقینی طور پر کوئی ایسی کارروائی کرے گا کہ مسعود اختر کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ بات تو عقل میں آنے والی ہی نہیں ہے کہ وہ مسعود اختر جیسے لوگوں کو گھاس ڈالے چنانچہ نتیجے میں شیخ

دیتے رہیں تو میرا خیال ہے عظمت کو یا کسی اور کو شیخ جمال اور مسعود اختر سے انتقام لینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ ان دونوں کا حساب کتاب سیٹھ جبار ہی کے ہاتھوں درست ہو جائے گا۔ باقی اگر شیخ جمال بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے تو کم از کم دو سرمایہ دار آپس میں لڑ جائیں گے اور ہم ان کی اس لڑائی کا نتیجہ دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور ایاز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"پلاننگ تو بہت اچھی ہے بھیا! مگر ہم اس میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟"

"بس اسی پر تو غور کرنا ہے ایاز! یہی کام کرنے میں تو لطف آئے گا۔ بجائے اس کے کہ ہم براہ راست شیخ جمال اور اس کے بیٹے کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں اس مصیبت میں پھنسا دیں۔ باقی رہا مسئلہ شیخ جمال سے کچھ وصول کرنے کا تو اس کارروائی کا آغاز بھی میں جلد ہی کیے دیتا ہوں۔"

"جیسا تم پسند کرو بھیا۔ ویسے واقعی اگر تمہاری یہ کوششیں کامیاب ہو جائیں تو یہ لوگ اچھی خاصی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔" ایاز نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ میں اس سلسلے میں غور کرنے لگا تھا اور اپنے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے بہترین نقطے تلاش کر رہا تھا۔ ایاز بھی گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی میری اس سازش کے بارے میں غور کر رہا تھا پھر میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے، ایاز! ہمیں سب سے پہلے لیڈی جہانگیر کی خبر لینی ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت فکر مند ہوں۔" میں نے کہا اور ایاز بھی گردن ہلانے لگا۔ وہ خود بھی اس بارے میں بہت سوچ وبچار کر رہا تھا۔ ہم کافی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے پھر میں اٹھ کھڑا ہوا اور ضروری تیاریاں کرنے کے بعد ایاز کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ ہم دونوں نے چہرے پر میک اپ کر لیا تھا۔ ایاز اس سلسلے میں میرا استاد تھا۔ اس نے ناقدانہ نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھا تھا اور میرے میک اپ میں کچھ خامیاں نکالی تھیں۔

ایک مخصوص جگہ کار روک کر میں نے ایاز کو نیچے اتار دیا اور اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "کار کا نمبر تو تمہیں بتا چکا ہوں، ایاز..... اگر کار وہاں ہو گی تو عظمت بھی ہو گا۔ تم کسی طرح عظمت سے رابطہ کر کے میرا یہ پیغام اسے دے سکتے ہو۔ اس سے کہنا کہ وہ لیڈی جہانگیر کو بتا دے کہ منصور باہر موجود ہے اور آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ وہ پرچہ لکھ کر عظمت کو دے دیں۔"

"اگر کار اور عظمت نہ ہو تو؟" ایاز نے پوچھا۔

"ہم لیڈی جہانگیر کی کوٹھی چلیں گے۔" میں نے جواب دیا اور ایاز نے گردن ہلا دی پھر وہ ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں قرب و جوار میں نگاہیں دوڑانے لگا تھا لیکن کوئی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی۔ ممکن ہے، لیڈی جہانگیر کے دفتر کی نگرانی کی جا رہی ہو۔ تقریباً بیس

منٹ کے بعد ایاز واپس آ گیا۔ اس نے مجھے ایک پرچہ دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کہا۔

"عظمت نے کہا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔"

میں نے پرچہ کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"منصور!

"کسی طرح اس عمارت کے بائیں سمت کے دروازے سے اندر آ جاؤ۔ میں نے ادھر کھڑے، چوکیدار کو اطلاع بھجوا دی ہے۔ وہ تمہیں اس جگہ پہنچا دے گا جہاں میں تم سے ملاقات کر سکتی ہوں۔ آ جاؤ...... تم سے ملاقات کرنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔ تفصیل اسی وقت۔"

"ہوں......" میں نے پرچہ ایاز کو دے دیا۔

"چلے جاؤ بھیا۔" میرے خیال میں اس قدر احتیاط بھی مناسب نہیں ہوتی۔" ایاز نے کہا اور میں آگے بڑھ گیا۔ میں خود بھی جانتا تھا کہ لیڈی جہانگیر مجھ سے ملاقات کے لئے خود بھی کتنی بے چین ہو گی لیکن وہ نجانے کیا انکشاف کرنے والی ہے۔ بہرصورت میں اس کے بتائے ہوئے عقبی گیٹ پر پہنچ گیا اور پھر عقبی گیٹ کے چوکیدار نے مجھے دیکھ کر گردن ہلا دی۔

"اندر آ جائیے صاحب۔ بیگم صاحب کا حکم ہمیں پہنچ گیا ہے۔"

میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد چوکیدار نے خود ہی چونک کر پوچھا۔

"آپ ہی کو بلایا تھا نا۔ بیگم صاحب نے؟"

"ہاں ٹھیک ہے، چلتے رہو۔" میں نے جواب دیا۔

چوکیدار مجھے لے کر عمارت کے ان حصوں کی جانب چل پڑا..... جہاں کھپریل کے شیڈ پڑے ہوئے تھے، شاید یہ گودام وغیرہ تھا۔ اس نے ایک گودام کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر روشنیاں جلائیں اور پھر ایک کرسی کو اپنے کندھے پر پڑے ہوئے کپڑے سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھ جائیں صاحب۔ بیگم صاحب ابھی آتی ہی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لیڈی جہانگیر بھی اسی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں، ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ پیشانی اور رخسار پر ٹیپ چپکے ہوئے تھے۔ غالباً انہی جگہوں پر شیشے کے ٹکڑے لگے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو وہ میرے قریب آ گئیں۔

"اوہ منصور....... منصور کیسے ہو؟ یقین کرو' اب تو یوں لگتا ہے' جیسے تم کو دن میں ایک بار دیکھنا' تم سے بات کرنا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ایک عجیب سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔" لیڈی جہانگیر کے لہجے میں عجیب سا تاثر ابھر آیا تھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ "کیفیت تو میری بھی یہی ہے گل! آپ یقین کیجئے آپ پر حملے کی خبر سن کر میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔"

"اس میں یقین دلانے کی کیا بات ہے۔ ہونا ہی چاہئے تھا..... بہرصورت' طارق نے میرے خیال میں ایک اور احمقانہ قدم اٹھایا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"رات کو ان محترم کا فون آیا تھا۔"

"ہاں کیا فرما رہے تھے؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"ایک کہانی سنائی تھی۔" لیڈی جہانگیر مسکرا کر بولی۔

"کیا.....؟"

"کہانی یوں تھی کہ منصور کا برابر تعاقب کیا جا رہا ہے۔ منصور ان دنوں روپوش تھا اور طارق کے آدمی اسے تلاش کر رہے تھے پھر انہوں نے منصو کو تلاش کر لیا لیکن اس کے ارادے سے بے خبر تھے۔ ان کی موجودگی میں ہی منصور نے لیڈی جہانگیر پر حملہ تھا لیکن چونکہ یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے وہ ششدر رہ گئے اور منصور نکل گیا۔ طارق صاحب نے کہا کہ میں فکر نہ کروں۔ وہ میری حفاظت کر رہے ہیں البتہ محتاط رہوں۔ لیڈی جہانگیر نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔

"بات دلچسپ ہے گل! میرا خیال ہے' میں اس کی تہ تک پہنچ رہا ہوں۔"

"مجھے بھی بتاؤ منصور!" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے گل! آپ نے خود انہی لائنوں پر سوچا ہے۔"

"یہ خیال کیسے آیا تمہارے ذہن میں؟"

"اس لئے کہ آپ نے عظمت کے ہاتھ جو پیغام بھیجا تھا۔ وہ اسی خیال کا غماز تھا۔ آپ نے کہا تھا نا کہ میں آپ کو فون نہ کروں۔ نہ ہی آپ کی کوٹھی کی طرف آنے کی کوشش کروں۔"

"ہاں' مجھے اپنے فون کے ٹیپ ہونے کا احساس ہوا تھا۔"

"آپ کا خیال درست ہے گل! طارق کو ہوش آ گیا ہے۔ مجھے جو اطلاعات ملی ہیں' وہ یہ ہیں کہ طارق اب اس کھوج میں ہے کہ مجھے اس کی رہائش گاہ کس نے بتائی۔ وہ سب سے معلومات کر چکا ہے اور اس انکشاف میں ناکام رہا ہے۔ اس کا ذہن آپ کی

طرف بھی گیا تھا۔"

"میری طرف؟"

"ہاں......"

"یہ خیال اسے کیوں پیدا ہوا؟"

"صاف بات ہے گل! آپ اس کی دوست تو نہیں ہیں..... آپ تو اس کے دباؤ میں آ کر سب کچھ کرتی ہیں۔ اگر آپ کو موقع مل جائے تو کیا آپ اسے زندہ چھوڑ دیں گی؟"

"کاش کبھی یہ موقع مل ہی جائے۔" گل نے کہا۔

"اس لئے اس کا ذہن آپ کی طرف بھی گیا۔ میں آپ کا ڈرائیور رہ چکا ہوں۔ اس نے سوچا ہو گا کہ ممکن ہے' در پردہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایسا رابطہ ہو گیا ہو۔"

"ہاں..... اس کے امکانات تو ہیں۔"

"امکانات ہیں یہی بات ہے گل! یہ حملہ اسی لئے کرایا گیا ہے اور اس کے فون سے میری اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ اس نے آپ کے ذہن کو میری طرف سے مشکوک کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس طرح میری نشان دہی کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان کیسے تعلقات ہیں۔ آیا آپ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں یا نہیں۔"

"سو فیصدی درست...... اس کا مطلب ہے کہ ہماری سخت نگرانی ہو رہی ہو گی۔"

"یقیناً اسی لئے میں آپ سے ملاقات سے گریز کر رہا تھا۔"

"مگر میرا دل تم سے ملاقات کرنے کو چاہ رہا تھا۔"

"ہمیں چند روز احتیاط کرنی ہو گی۔ طارق کو تو میں بہت جلد ٹھیک کر لوں گا۔ بات ابھی سیٹھ جبار تک نہیں جانی چاہئے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"میرے خیال میں آپ طارق سے ایک بار اور مل لیں۔"

"اوہ..... پھر؟"

"اتنی دلیری کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ خوف زدہ نظر آئیں۔ اس سے مدد طلب کریں اور پوچھیں کہ کیا آپ کو پولیس سے رابطہ کرنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔"

"اس دوران عظمت ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ رہے گا۔"

"او کے۔" لیڈی جہانگیر پرخیال انداز میں بولی اور میں اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اب مجھے اجازت؟"

"دل تو نہیں چاہتا لیکن...... خدا حافظ۔" اس نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔

ایاز مستعد تھا...... اس نے مجھے بتایا کہ حالات پر سکون ہیں اور ہم دونوں واپس چل پڑے۔ اس وقت اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے گھر کا رخ کیا لیکن عمارت کے احاطے میں چمن کی کار دیکھ کر ہم چونک پڑے تھے۔

ڈرائنگ روم میں چمن موجود تھا۔ میں نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔ ایاز نے بھی سلام کیا تھا۔ رسمی سے انداز میں میرے سلام کا جواب دے کر چمن نے ایاز سے کہا۔ "تم جاؤ ایاز! ہم دونوں کچھ پرائیویٹ گفتگو کریں گے۔ کافی بنوا کر بھجوا دو ہمارے لئے۔"

ایاز گردن جھکا کر باہر چلا گیا۔

چمن کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔ "کہاں گئے تھے، تم دونوں؟"

"ہوا خوری کو۔"

"اس وقت؟"

"کوئی خاص پروگرام نہیں تھا چمن! بس یونہی نکل پڑے تھے۔ تم جانتے ہو، دل کہاں لگتا ہے۔ طبیعت اڑی اڑی سی رہتی ہے، اس لئے میں گھر سے باہر نکلتا ہوں کہ ممکن ہے، کسی سڑک پر، کسی گلی میں، کوئی نظر آ جائے اور...... مجھے میری زندگی واپس مل جائے۔" میں نے کہا۔

"یہ بچگانہ پن چھوڑ دو، منصور! دشمنی بدترین چیز ہے۔ دشمن بنانا بہت آسان ہے۔ جب کہ دوست بنانا بہت مشکل۔ ماں اور بہن اس طرح کبھی نہیں ملیں گی۔ ان کے لئے تو بہت کچھ کرنا ہو گا۔"

"بہت کچھ؟"

"ہاں بہت کچھ۔"

"کوئی راستہ تو ملے چمن کوئی چراغ تو روشن ہو۔ میں تو سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے اجازت دو تو میں اس بارے میں کچھ سوچوں۔ کوئی بہتر حل تلاش کروں؟"

"اجازت کی کیا ضرورت ہے چمن۔ میرے پشت پناہ ہو کر مجھ سے اجازت طلب کر رہے ہو۔ اپنے چند ہمدردوں کے بل بوتے پر تو میں نے زندگی دوبارہ جاری کی ہے۔ میرے حالات تو تمہارے علم میں ہیں مجھے بتاؤ کیا کروں؟"

"فکر مت کرو منصور! میں بہت جلد کوئی حل نکالوں گا۔ اس وقت خاص طور

ے تم سے ملنے آیا تھا۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں بس وہ کل کی بات...... تغلق خان نے تم سے بدتمیزی کی تھی۔ تم نے بس طرح اس کی بدتمیزی برداشت کی۔ وہ بڑے ظرف کی بات تھی لیکن کیا بتاؤں۔ ہماری بنا عجیب ہے حالانکہ...... شاید تمہیں یقین نہ آئے کہ یہ تغلق خان یونیورسٹی آف کیلی زرنیا کا پی۔ ایچ۔ ڈی ہے۔"

"اوہ......" میں نے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"بلاشبہ جی دار اور جاندار آدمی ہے۔ فرانس کی پولیس کو اس نے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ فرانس کی سب سے مضبوط جیل سے بھاگ کر آیا ہے اور بعض معاملات میں میرا استاد ہے اس لئے اس کا خیال کرنا پڑتا ہے۔"

"ہوں...... اسی ملک کا باشندہ ہے؟"

"ہاں...... پندرہ سولہ سال پہلے اس نے یہاں زبردست ہنگامے کیے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید زندگی کی آخری سانس تک اس ملک میں دوبارہ قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا۔ ں کے چند اہل خاندان آج تک اس کی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف دوبارہ آ گیا، بلکہ دیکھو لو، کس قدر آزادی سے دندناتا پھر رہا ہے۔"

"تمہارے پاس کیوں آیا تھا؟"

"بس ملاقات کرنے۔"

"کسی خاص مقصد سے آیا ہے؟"

"بہت گہرا انسان ہے۔ کہاں کھل سکتا تھا۔"

"رہائش کہاں ہے، اس کی؟"

"یہ نہیں معلوم۔"

"چمن میرا ایک کام کر دو۔" میں نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔

"کیا......؟" وہ چونک کر بولا۔

"میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"بس ایک بار ملاقات کرا دو لیکن کسی ایسے علاقے میں جہاں ہم تینوں کے علاوہ وئی نہ ہو۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کیوں ملنا چاہتے ہو اس سے؟" چمن نے گہری نگاہوں سے ھے دیکھ کر پوچھا۔

"ابھی نہیں چمن...... لیکن براہ کرم یہ کام کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔ اب جس وقت بھی ملا' میں کوشش کر کے بندوبست کر لوں
مجھے یہ بتاؤ' تمہارے دل میں میرے لئے تو کوئی کدورت نہیں ہے۔"

"نہیں میرے مخلص...... میں اتنا ناسپاس نہیں ہوں۔ اگر برا منانے کی کوئی با
ہوتی تو تم جان لیتے۔ میں اتنی جرات کہاں کر سکتا تھا کہ تمہارے گھر پر تمہاری کسی مج
شخصیت کی بات کا برا مانتا۔ یہ تصور ہی ذہن سے نکال دو۔"

"تم بار بار مجھے حیران کر دیتے ہو' منصور۔" چمن نے کہا اور کسی خیال
ڈوب گیا۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے میرا چہرہ تکتا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
سے جب بھی ملتا ہوں منصور تو ذہن پریشان ہو جاتا ہے۔"

"مجھے اپنی اس بدنصیبی کا احساس ہے چمن۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ
ساتھ جواب دیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میری بات کا غلط نتیجہ مت اخذ کرو۔ میری پریشانی کی وجہ تمہاری بدنصی
نہیں ہے بلکہ چند احساسات ہیں۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں ایک ایسا از
ہوں جو معاشرے کی پیشانی کا بدنما داغ ہے۔ منصور! لیکن میرا ضمیر جب مجھے ملامت ک
ہے تو میں کرب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ بہرحال میں نے جس الجھن کا ذکر کیا ہے وہ یہ
کہ تم صرف سازش کا شکار ہو کہ غلط راستوں کی طرف جا رہے ہو ورنہ تمہارے کر
میں شرافت اور انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور منصور تمہیں دیکھ کر میرا جی چا
ہے کہ تم کسی طور برے انسان نہ بن سکو۔"

"مگر حالات مجھے جہاں تک لے جا چکے ہیں چمن' تم جانتے ہو۔ خیر چھوڑو بس
تغلق خان کا مسئلہ حل کرا دو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ ویسے بگڑا ہوا آدمی ہے۔ اس لئے اس کے متعل
کوئی حتمی وعدہ نہیں کر سکتا۔ تاہم کوشش کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔"

"اوکے چمن بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور چمن نے رخصت چاہی۔

نہ جانے کیوں میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ چمن کے ذہن میں کوئی اور با
تھی جسے وہ کہہ نہ سکا۔ "آخر کیوں" اور اب اس کیوں کا جواب کہیں سے نہیں مل
تھا۔

چمن کے جانے کے بعد دیر تک تنہا بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر حس
نے دروازے سے منہ ڈال کر اندر جھانکا اور مجھ سے نگاہ ملتے ہی ہنس پڑی۔ میں نے گہ
سانس لے کر اسے دیکھا اور وہ اندر گھس آئی۔

"اکیلے ہی بیٹھے ہو؟" اور پھر کافی دیر تک میرا دماغ چاٹتی رہی۔

حسینہ کے جانے کے بعد میں نے سوچا...... کہ اس کے بابا کو ایک معقول ر... کہ آئندہ
وا دی جائے' کم از کم دنیا کے بہت سے پریشان حال لوگوں میں سے کسی ایک ہی کی مدد ہو... پ کی اپنی
ئے' چمن سے اس کا پتہ باآسانی معلوم ہو سکتا تھا' چمن کا خیال آیا تو ذہن پھر اسی میں الجھ... میں اسے
یا اور اس کے بعد اس الجھن کو ایاز کی آمد نے توڑ دیا۔

"کہو منصور بھیا کیسے مزاج ہیں؟"

"ہوں۔ چمن کی آمد کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! اسے دیکھ کر ذہن میں نجانے کیوں مجھے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ جاگنے
ا ہے حالانکہ برا انسان نہیں ہے' مگر بھیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے بڑا برا وقت گزارا
اس کے ساتھ۔ مجھ پر تو ایسے رعب گانٹھتا ہے۔ جیسے میں اس کا زر خرید غلام ہوں۔"

"استاد ہے تمہارا ایاز!"

"ہاں۔ مگر بڑا ناجائز استاد' کم بخت کوئی ڈھنگ کی بات ہی سکھا دیتا تو کم از کم میں
اس کی عزت تو کرتا۔ خیر چھوڑو' اب میرے لئے کوئی اور ڈیوٹی ہے؟"

"بہت بڑی ڈیوٹی ہے تمہارے لئے ایاز۔ بس تیار ہو جاؤ۔ میں آج شام تک تجھے
ک کیمرہ فراہم کر دوں گا۔ اس کیمرے کو لے کر تو گرانڈ ایکسپورٹر پر جم جائے گا۔ مسعود
ز اور اینجل کی تصویریں حاصل کرنا ہیں' جس طرح سے بھی ممکن ہو سکے ایاز' ان کی ایسی
ریں ہمیں درکار ہیں جو ذرا قابل اعتراض حالت میں ہوں تو مزا آ جائے۔ ویسے تو ابھی
ے کے امکانات نہیں ہیں' البتہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے' تم ان دونوں کی یکجا تصاویر
ل کرو' ہر جگہ ان کے پیچھے لگے رہو' اس کام میں بلا سے چار چھ دن لگ جائیں تو بھی
ا نہیں ہے' یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ سکتا ہے' ظاہر ہے دونوں کا ایک ساتھ ہونا
وری ہے اور تم بہر طور انہیں یکجا تو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں منصور بھیا یہی مسئلہ ہے' لیکن کام یہ بھی مجھے پسند ہے ویسے اگر تم کہو تو
ی طور پر کیمرہ میں کہیں سے حاصل کر لوں!"

"ٹھیک ہے تو پھر جاؤ اور اپنی اس ڈیوٹی پر مصروف ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور ایاز
گردن ہلا دی' وہ اٹھنے لگا تو میں نے اسے چائے کی پیش کش کی اور وہ پھر بیٹھ گیا۔

O

ایاز کے جانے کے بعد میں نے پھر وہ فائل نکال لئے جو مجھے طارق کے مکان
حاصل ہوئے تھے' ان فائلوں کو لے کر میں نے کمرہ بند کیا اور پھر ان کی ورق گردانی
عروف ہو گیا' تین چار فائل میں نے پڑھے تھے لیکن ان میں جو بلیک میلنگ اسٹف تھا
کے ذرائع کچھ دوسرے ہی تھے' یعنی ایسے جرائم جو قانونی حیثیت رکھتے تھے اور ان میں

ئی سماجی مسئلہ نہیں تھا لیکن یہ سب بڑے بڑے لوگ تھے' ان میں سے چند کے
برے علم میں بھی تھے' میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سب سے رقومات وصول کروں گا
شرافت اور سماج کی اچھائیاں اب میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ جو کچھ طارق کر
تھا وہی کچھ اب مجھے بھی کرنا چاہئے' طارق کا خیال آیا تو میں نے ایک بار پھر اس کے بار
میں سوچا' اس نے سیٹھ جبار کی کوٹھی میں پناہ لے کر بزدلی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے عہد
تھا کہ اسے چند ہی دنوں کے بعد آنکھوں سے محروم کر دوں گا لیکن ابھی اپنے عہد کی تکمی
کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے' پھر میں نے سوچا کہ موقع اور وقت کا انتظار کر لینا چاہئے
جذباتیت اور فضول قسم کی احمقانہ سوچ انسان کو کچھ نہیں دیتی' آج تک کا تجربہ یہی تو
طارق جب تک آزاد ہے' آزاد رہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں...... ہاں جس وقت
میرے ہاتھ چڑھ جائے گا میں اسے نہیں چھوڑوں گا' دیر تک میں یہی سوچتا رہا پھر میں
ایک فائل نکال کر اس میں دیئے ہوئے ٹیلیفون نمبر تلاش کیے۔ یہ کسی تفضل ح
صاحب کا فائل تھا جو غالباً کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کا ٹیلی فون نمبر دیکھ کر میں
اسے ذہن نشین کر لیا اور پھر فون کے قریب پہنچ گیا۔ دوسری جانب سے نسوانی آواز
دی تو میں فوراً بولا۔

"تفضل حسین صاحب سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"چند منٹ انتظار کیجئے' ابھی آ رہے ہیں۔" جواب ملا اور میں ٹیلی فون ہولڈ
کے بیٹھ گیا پھر ایک بھاری اور غراتی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ تفضل حسین بول رہا ہے۔"

"تفضل حسین صاحب نے اس ماہ کی ادائیگی نہیں کی؟"

"ایں! کون صاحب بول رہے ہیں' کیسی ادائیگی؟" تفضل حسین کی آواز
ہوئی تھی۔

"میرا مقصد ہے وہ ادائیگی جو آپ ہر ماہ کرتے ہیں۔ آپ نے اس بار مجھے
نہیں دی؟"

"کیا کہہ رہے ہو' تم رقم وصول کر چکے ہو!"

"فضول باتوں سے پرہیز کریں' آپ نے یہ رقم کیسے اور کس طرح دی تھی؟"

"جس طرح تم لیتے رہے ہو۔ میں نے چیک بنا کر اس اکاؤنٹ میں جمع کرا
جس کا نمبر تم نے مجھے دیا تھا۔"

"کون سی تاریخ کی بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چار پانچ روز ہی تو ہوئے ہیں۔ میں چیک بک دیکھ کر تمہیں تاریخ
ہوں۔"

"تفضل حسین صاحب۔ صرف ایک بات بتانی ہے آپ کو اور وہ یہ کہ آیندہ آپ اس اکاؤنٹ میں چیک نہ جمع کرائیں۔ اس ماہ کا جو نقصان ہوا ہے وہ آپ کی اپنی ذمے داری ہے۔ آپ یہ رقم کیش کی شکل میں مہیا کریں اور مجھے اپنا پتہ بتائیں' میں اسے آپ سے وصول کر لوں گا۔"

"مگر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا تم بے ایمانی کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں تفضل حسین صاحب۔ صورت حال ذرا سی بدل چکی ہے اب آپ کی لگام میرے ہاتھ میں ہے' وہ شخص میرے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے جو اب تک آپ کو ہینڈل کر رہا تھا۔ اگر وہ اب آپ سے رابطہ قائم کرے تو آپ اس سے کہہ دیں کہ آیندہ آپ یہ رقم اسے پیش نہیں کر سکیں گے۔ آپ کے تمام کاغذات جن کی تفصیل میں آپ کو مختصراً بتا دوں' اب میرے پاس ہیں اور آیندہ سے آپ ادائیگی مجھے ہی کریں گے۔"

وہ خاموش ہو گیا اور دیر تک سوچتا رہا پھر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "اگر یہ بات ہے دوست تو میں بڑی خوشی سے تیار ہوں لیکن اس کے علاوہ بھی میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمایئے؟"

"کیا ایسا ممکن نہیں ہو سکتا کہ تم ایک مخصوص رقم لے کر وہ کاغذات میرے حوالے کر دو۔ میں ہر ماہ کی موت سے بچنا چاہتا ہوں' تم تصور نہیں کر سکتے میں کتنی اذیت ناک زندگی گزار رہا ہوں۔ تم یقین کرو میرے دوست اگر تم میرے ساتھ یہ احسان کرو تو میں نہ صرف یہ کہ تمہیں رقم ادا کر دوں گا بلکہ تاعمر تمہارا شکر گزار رہوں گا' تمہارے یہ الفاظ تو میرے لیے ایک طرح کی خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں کہ میں اس منحوس شخص کے چنگل سے نکل چکا ہوں' میں نے یہ پیش کش پہلے کئی بار اسے بھی کی ہے لیکن وہ نہیں مانا۔" تفضل حسین کے لہجے میں ایسی عاجزی اور بے بسی تھی کہ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے بلیک میلنگ کو ذریعہ روزگار تو نہیں بنانا تھا۔ بعض فائل تو ایسے بھی تھے جن کے بارے میں' میں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ فائل متعلقہ لوگوں کو دے دوں گا۔ چنانچہ اس کی بات پر میں نے ہمدردی سے غور کیا پھر اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں اور اگر کوئی دھوکا دہی کی تو یقین کرو پھر زندگی بھر اس دوسری غلطی کو بھگتتے رہو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ تم اپنی تسلی کے لیے جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں ہر تعاون کے لیے تیار ہوں۔ بس تم مجھے رقم بتا دو اور جس وقت' جہاں تم کہو گے میں......"

"خیر رقم کی بات بھی بالمشافہ طے ہو جائے گی۔ آپ یہ بتائیں کہ میں کس وقت اور کہاں آپ سے ملوں؟"

"میری تو خواہش ہے کہ تم اسی وقت مجھ سے مل لو لیکن اس وقت سے لے کر شام تک جس وقت بھی پسند کرو' رین بو کلاتھ اسٹور میں آجاؤ۔ میں اوپری منزل پر بیٹھتا ہوں' تم میرا نام لے کر کسی بھی وقت آ سکتے ہو۔ اپنے حوالے کے طور پر کوئی بھی نام مجھے بتا دو تا کہ میں اپنے ملازمین کو ہدایت کر سکوں کہ تم جب بھی آؤ تمہیں فوراً میرے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے میں اب سے دو گھنٹے کے بعد آپ سے ملاقات کروں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

یہ ایک نئی مصروفیت ہاتھ لگ گئی تھی' فی الوقت اور کوئی کام نہیں تھا چنانچہ میں نے اس کے ہر پہلو پر غور کیا اور اس کے بعد فیصلہ کر لیا کہ مجھے تفضل حسین صاحب سے مل لینا چاہیئے لیکن اس احمقانہ انداز میں بھی نہیں کہ میں ان کی دکان میں جاؤں اور ایک بار پھر مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک بلیک میلر کی حیثیت سے جانا پڑ جائے چنانچہ اس سلسلے ایک اچھی سی تجویز سوچی اور ملازمت کی ایک درخواست لکھ کر جیب میں رکھ لی۔ اس کے بعد معمولی سے لباس میں ملبوس ہو کر میں گھر سے باہر نکل آیا۔

خاصا بڑا شوروم تھا۔ کپڑے کے تھان کے تھان بھرے ہوئے تھے' پانچ چھ ملازمین کپڑے کی فروخت میں مصروف تھے' برابر میں ایک پتلا سا زینہ اوپر کی طرف جاتا تھا۔ اس زینے کے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا اس لیے میں اطمینان سے اوپر چڑھ گیا۔ زینے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے میں نے ادھر دیکھ لیا تھا' بظاہر کوئی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی تھی۔ چنانچہ میں اوپر پہنچ گیا۔ شیشے کے ایک بڑے سے دروازے کے پیچھے سیٹھ تفضل حسین نظر آ رہا تھا۔ میں نے اندازے کی بنا پر ہی یہ سوچا تھا کہ یہی سیٹھ تفضل حسین ہو سکتا ہے۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور اندر پہنچ گیا۔ اس نے میز پر سے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری کے اثرات پیدا ہوئے۔

"جی کہیے کیا بات ہے؟"

پھر جب میں نے اسے فون کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ تو اس کا رویہ یکدم بدل گیا۔

"بیٹھو۔" تفضل حسین کا چہرہ ڈھیلا پڑ گیا اور میں اطمینان سے ان کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ "ویسے تمہاری شخصیت اس لباس سے ہم آہنگ نہیں۔" تفضل حسین مسکرا کر بولے اور میں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنے خطرناک آدمی ہو سکتے ہو۔ بہر صورت میں نے ان ساری باتوں کے لیے تمہیں تکلیف نہیں دی۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے کہ میں

کی طور تمہارے خلاف کوئی حرکت کی ہے تو اسے ذہن سے نکال دو بیٹے۔ میں تم سے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ایک ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ بے شک مجھ سے ایک غیر قانونی ی ہوئی ہے لیکن بیٹا انسان ہوں۔ اس کی جو سزا مجھے بھگتنی پڑی ہے اس کا تم تصور بھی کر سکتے' مالی طور پر تو جو کچھ ہوا سو ہوا' لیکن ذہنی طور پر مجھے شدید کرب سے گزرنا ہے۔ تم تو میرے مدد گار ہو' بھلا میں تمہارے خلاف کوئی سازش کس طرح کر سکتا تھا' بتاؤ جو کچھ تم نے کہا ہے' کیا وہ درست کہا ہے؟" تفضل حسین نے پوچھا۔

"آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کسی قدر کھردرے لہجے کہا۔ "مجھے بیٹا کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ ساری زندگی جذبات میں الجھ کر اپنے آپ کو احمق سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"اوہ' اچھا میں محسوس کر رہا ہوں لیکن یقین کرو' بھروسہ کرو مجھ پر۔ بیٹا کہہ کر تم سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا...... میرے تمہارے درمیان جو بات ہو گی' وہ طرح ٹھوس اور قابل عمل ہو گی جس طرح ہمارے درمیان ٹیلی فون پر گفتگو ہو چکی اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جائے گا۔"

"جی یہی بہتر رہے گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو پھر تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"اس کی بھی ضرورت نہیں ہے' میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آپ مجھ سے بجیے۔"

"کیا میرے کاغذات تمہارے پاس موجود ہیں؟"

"اس وقت نہیں ہیں۔ معاملے کی بات ہو جائے کاغذات آپ کے حوالے کر ائیں گے۔"

"تو کیا تم اس بات پر تیار ہو کر مجھے ہمیشہ کی اس اذیت سے نجات دلا دو؟"

"ہاں میرا طریقہ کار مختلف ہے۔ میں آپ کو وہ کاغذات دے سکتا ہوں اور اگر کے ذہن میں یہ خیال ہو کر میرے پاس ان کی کوئی فوٹو اسٹیٹ وغیرہ موجود ہو گی تو اہ کرم اپنے ذہن سے نکال دیں' مکمل فائل آپ کے حوالے کیا جائے گا اور جو کچھ سے طے کروں گا' وہ قطعی اور آخری ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں' بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ایک لاکھ روپے۔" میں نے جواب دیا اور تفضل حسین سوچ میں ڈوب گیا پھر

"یہ رقم فراہم کرنا میرے لئے مشکل ضرور ہو گا لیکن ناممکن نہیں' کوئی رعایت ہے اس میں؟"

"نہیں تفضل حسین میرے خیال میں' میں ابھی سودے بازی کرنا نہیں ہوں' آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ فائل اس شخص کے پاس رہتا تو نجانے کتنے عرصے ممکن ہے تا زندگی وہ آپ کو اس ذہنی کرب میں مبتلا رکھتا اور آپ سے رقومات وصول رہتا۔ اس طرح ایک لاکھ روپے میں یہ فائل بہت سستی ہے۔"

"ہاں۔" اس میں کوئی شک نہیں ہے' بہر صورت مجھے منظور ہے' فائل کب مل جائے گی؟"

"رقم کب ملے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"اگر تم فائل ساتھ لائے ہو تو یہ رقم ابھی مہیا ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔ میں فائل ساتھ نہیں لایا لیکن آپ آج ہی شام کو چار بجے یہ رقم کر کسی مقررہ جگہ آ جائیں' میں فائل آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

"فائل مکمل طور پر دیکھے بغیر میں رقم تمہیں نہیں دوں گا۔"

"وہ مجھے منظور ہے لیکن آپ بھی یہ سن لیں کہ اگر آپ نے اس کے علاوہ کوئی حرکت کی تو پھر آپ کو مزید نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا...... ٹھیک چار بجے اسکوئر کے سامنے جو کارپوریشن پارک ہے اس میں پہنچ جائیں' رقم آپ کے پاس چاہیئے فائل میرے پاس موجود ہو گی۔"

O

اسی شام چار بجے میں نے فائل ایک بریف کیس میں رکھی اور اسی لباس چل پڑا۔ حالانکہ راستہ طے کرتے ہوئے میں نے متعدد خطرات کے بارے میں سوچا میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ میں تنہا رہ کر ان تمام لوگوں سے رقومات وصول نہیں کر سکو جن کی فائلیں میرے پاس موجود ہیں۔ اس کے لئے مجھے چند افراد کی ضرورت ہو کیونکہ اس طرح میں ایسے خطرات مول لوں گا جن کا تعلق بظاہر میری موجودہ زندگی نہیں ہے۔ لیکن یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ یہ خطرات میں جان بوجھ کر خرید لیکن بہرصورت مجھے رقم بھی جمع کرنی تھی۔ ایک لاکھ روپیہ بہت ہوتا ہے نجانے کس کام آئے' خاص طور سے میرے ذہن میں تعلق خان تھا۔ میں اس خطرناک آدمی کو لئے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اسے اپنی مدد پر آمادہ کر لوں' اتنا آدمی اگر میرے ساتھ شامل ہو جائے تو میرے کام میں بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی تھیں نے چمن سے اس شخص سے ملاقات کرنے کے لئے کہا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ چمن اسے پاتا ہے یا نہیں۔ یا وہ مجھ سے ملاقات کرنے کے بعد میری مدد پر آمادہ ہوتا ہے یا مغرور آدمی تھا۔ اس کا غرور بھی توڑنا تھا اور اس کے لئے میرے ذہن میں خاص

تھا۔

بہرام اسکوائر کے سامنے ایک چھوٹا سا پارک تھا جو بلدیہ نے بنایا تھا' پارک میں جھولے وغیرہ لگے ہوئے تھے' ننھے ننھے بچے یہاں شام کے وقت کھیلنے آ جایا کرتے تھے' میں کئی بار اس پارک کو دیکھ چکا تھا اور کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش مجھے بھی اس پارک میں کھیلنے کا موقع مل سکتا۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر وہ مکان تھا جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پارک میں بہت سے بچے کھیل رہے تھے۔ بریف کیس میں نے ایک درخت کی آڑ میں رکھ دیا اور وہاں سے کافی دور ہٹ آیا۔

ٹھیک چار بجے تفضل حسین پارک میں داخل ہوا' میں نے اس کی نگاہوں سے بچ کر اس کے اطراف کا جائزہ لیا' بظاہر تو کوئی اور نہیں تھا' تفضل حسین کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا اور وہ بظاہر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد میں اس کے قریب پہنچ گیا اور وہ چونک پڑا۔

"اوہ تم آ گئے!" وہ لمبا سانس لے کر بولا۔

"ہاں آیئے۔" میں نے کہا اور وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگے' اس درخت کے پاس پہنچ کر جہاں وہ بریف کیس رکھا ہوا تھا میں نے تفضل حسین کے ہاتھ سے اس کے بریف کیس لے لیا'............ اور اسے کھول کر دیکھا۔ نوٹوں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں' یقینی طور پر یہ پورے ایک لاکھ تھے چنانچہ میں نے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"آپ پورے اطمینان سے اسے چیک کر لیں' جس طرح آپ نے دیانتداری سے اپنا کام سر انجام دیا ہے' اسی طرح میں نے بھی دیانتداری سے اپنا کام کیا ہے۔ تفضل حسین آپ ایک ایک کاغذ دیکھ لیں' اگر کہیں غیر مطمئن ہوں تو مجھے بتائیں' ابھی آپ کی رقم میرے پاس موجود ہے۔"

"یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا......

"جی نہیں' کوئی خطرہ نہیں ہے' آپ اطمینان سے یہاں اس بینچ پر بیٹھ جائیں۔" میں نے درخت کی دوسری سمت پڑی ہوئی سنگیں بینچ کی طرف اشارہ کیا اور تفضل حسین بینچ پر جا بیٹھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے بریف کیس کھولا اور پھر وہ فائل نکالی۔ اس کے بعد وہ فائل کا ایک ایک کاغذ دیکھنے لگے' میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں لیکن شاید تفضل حسین شریف آدمی ہی تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی تھی جس کے بارے میں' میں یہ سوچ سکتا کہ اسے تفضل حسین نے اپنی مدد کے لیے بلایا ہو گا۔ وہ جلدی جلدی سارے کاغذات دیکھتا رہا۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا لیکن چہرے پر خوشی کے آثار نظر آ رہے تھے پھر اس نے پوری فائل دیکھ کر بند کر دی اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ "بالکل مکمل فائل ہے۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"تو گویا ہمارے درمیان سودا بخیر و خوبی طے ہو گیا؟"

"سودا مت کہو اسے بیٹے' ایک بار پھر میں تمہیں بیٹا کہہ رہا ہوں۔ اب تو تمہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو گا کہ میرے ان الفاظ میں کوئی کھوٹ ہے' تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے تو مجھے ذہنی کرب سے نجات دلائی ہے' کاش میں تمہارے بارے میں کچھ جان سکتا....."

"شکریہ تفضل حسین بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے درمیان ایک صحیح سودا ہو گیا۔ اس سے زیادہ میرے بارے میں جاننا نہ آپ کے لیے سود مند ہو گا نہ میرے لیے۔" میں نے جواب دیا اور بریف کیس اٹھا کر چل پڑا۔

پارک سے نکل کر میں نے تیزی سے ایک سمت کا رخ کیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا وہاں سے دور نکل آیا۔ میں اب بھی اس بات سے کسی قدر خوفزدہ تھا کہ کہیں تفضل حسین نے کوئی گہری چال نہ چلی ہو لیکن بہت سے علاقے گھومنے کے بعد جب میں اپنے گھر تک پہنچا تو مجھے اطمینان ہو چکا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

رات کو عظمت حسب معمول اپنے گھر جانے کے بعد میرے پاس پہنچا' اس کے پاس لیڈی جہانگیر کا ایک لفافہ موجود تھا جو اس نے میرے حوالے کر دیا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ لکھا تھا۔

"ڈیئر منصور!

پروگرام کے مطابق میں طارق سے گرانڈ ایونیو کے ایک ریسٹورنٹ میں ملی جس کا حوالہ خود مجھے طارق نے دیا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تو بہت عمدہ اداکاری کی ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ اس میں کس حد تک کامیاب رہی ہوں۔ میں نے طارق سے کہا کہ میں بے حد خوفزدہ ہوں۔ کیوں نہ میں ملک چھوڑ دوں اور کچھ عرصے کے لئے باہر چلی جاؤں' کہیں یوں نہ ہو کہ منصور دوسری کوشش میں مجھے قتل کر دے' اس بات پر طارق نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ممکن نہیں ہو گا۔ میری دن رات نگرانی کی جا رہی ہے اور منصور کو اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہو گی۔ تب میں نے طارق سے پوچھا کہ اگر وہ کہے تو میں منصور کے بارے میں پولیس کو کوئی رپورٹ دے دوں۔ پولیس کو پرانے کیس کا حوالہ دیتے ہوئے بتاؤں کہ منصور اب مجھ سے انتقام لینے

پر آمادہ ہے۔ اس طرح پولیس بھی اس کے پیچھے لگ جائے گی۔ لیکن طارق نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہو گا۔ مجھے اس پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ اگر کوئی مزید ہدایت ہو تو عظمت کو زبانی سمجھا دو' ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ تر ہمارے پیغامات زبانی ہی ہونے چاہئیں' کیونکہ وہ کم بخت اب پوری طرح مستعد ہو چکا ہے اس کی صحت بھی اب بالکل ٹھیک نظر آتی ہے۔

تمہاری گل۔"

پرچہ پڑھنے کے بعد میں نے اسے پھاڑ دیا۔ "اور کوئی خاص بات عظمت؟"

"نہیں منصور بھیا۔ بس باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ آرام کرو اور لیڈی جہانگیر کا خیال رکھنا۔" میں نے کہا اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

O

مسہری ہلنے لگی' خاصی زور زور سے ہلی تھی۔ میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً میری آنکھ کھل گئی۔ یہ حسینہ تھی جو میرے بستر پر کود رہی تھی۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے تم پر' جو یوں کود رہی ہو۔" میں نے کروٹ بدل کر کہا۔

"وہ ٹنن ٹنن آئی تھی۔"

"کون؟" میں نے ناک سکوڑ کر پوچھا۔

"ارے وہی جو اس کالے کوے میں چیختی رہتی ہے۔"

"خدا ہی سمجھے گا تجھے حسینہ۔ کم از کم اپنی بات تو ڈھنگ سے سمجھا دے۔" میں جماہی لے کر اٹھ بیٹھا۔

"ہم نے کہا نا وہ جو تم کان سے لگا کر "ہالو ہالو" کرتے ہو نا۔ اسی میں گھنٹی بجی تھی' کوئی اور تو تھا نہیں ہم نے ہالو ہالو کر لیا' وہی بول رہے تھے۔"

"کون؟" میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ کسی نے ٹیلی فون پر گفتگو کی تھی۔

"بڑے صاحب۔"

"اوہو چمن؟ اچھا پھر؟"

"بس کہنے لگے منصور کو بلا دو کچھ کام ہے۔" میں نے کہا "کہاں بلا دوں۔" تو

کہنے لگے۔ اسی میں بات کرا دو۔ جلدی سے جاؤ سو ہم جلدی سے آ گئے اور اب تمہیں اٹھائے جا رہے ہیں پر تم اٹھتے ہی نہیں۔"

"اوہ اچھا۔ چلو جلدی سے ناشتہ وغیرہ لگا دو۔ میں ابھی منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"

"اور ان سے بات نہیں کرو گے؟"

"ہاں ہاں کیے لیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور جلدی سے وہاں پہنچ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا لیکن پھر یہ دیکھ کر میں نے گہری سانس لی کہ ٹیلی فون کا ریسیور اپنی جگہ رکھا ہوا تھا۔ احمق حسینہ نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ بہرصورت میں نے ریسیور اٹھا کر چمن کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے فوراً ہی چمن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہاں۔ وہ تغلق خان آنے والا ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں تو اسے نہیں بتایا...... بس یونہی اسے بلا لیا تھا۔" چمن بولا تو میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"وہ کس وقت پہنچے گا؟"

"ساڑھے گیارہ بجے تک لیکن تم اس سے پہلے ہی آ جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔" چمن نے کہا۔

"میں پہنچ رہا ہوں بس۔" میں نے جواب دیا اور ریسیور واپس رکھ دیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے تیاریاں کیں' ایاز کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ناشتہ کر کے جا چکا ہے۔ نجانے کیوں آج مجھے صبح کو اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ حالانکہ عام حالات میں' میں جلدی جاگ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کار اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں چمن کا اڈہ تھا۔ میں نے کار پارک کر کے لاک کی اور چمن کے اڈے میں داخل ہو گیا۔ یہاں اب سب لوگ مجھے پہچانتے تھے۔ چند ساعت کے بعد میں چمن کے پاس پہنچ گیا۔ وہ حسب معمول اپنے تخت طاؤس پر بیٹھا احکامات صادر کر رہا تھا۔ اچھی خاصی بادشاہت تھی چمن کی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا اور وہ پھر اپنے لوگوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ ان سے فارغ ہوا تو میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"ہاں منصور! تم کہو تغلق خان کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں کیا بات ہے؟"

"چھپانے کی بات نہیں ہے چمن' بس سوچ رہا تھا کہ تغلق خان بہت بڑی چیز ہے اور میں معمولی سا آدمی لیکن میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر ایسا آدمی سیٹھ جبار کے خلاف میرے ساتھ شامل ہو جائے تو بڑا لطف رہے گا۔"

"ہوں! تو یہ مسئلہ تھا۔" چمن نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر بولا۔ "منصور

منصور ناممکن ہے۔ تغلق خان کو تم جانتے نہیں ہو' وہ بہت اونچی چیز ہے۔ میں یہ تو کہہ سکتا کہ وہ کسی کے لئے کام نہیں کر سکتا لیکن وہ آزادی سے کام کرنے کا قائل ہے۔ مشکل ہی ہے کہ وہ کسی کے احکامات پر رہ کر کام کرے۔"

"میں احکامات کی بات نہیں کر رہا چمن! بس میں اسے اپنا مددگار اور ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔"

"اوہ اس کے ساتھ مل کر سیٹھ جبار کے خلاف کام کرو گے؟" چمن نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور چمن خاموش ہو گیا پھر اس نے کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہرحال ٹھیک ہے۔ تم کوشش کر لو لیکن مجھے امید نہیں ہے۔ وہ بہت مغرور آدمی ہے' مجھے بھی خاطر میں نہیں لاتا اور میں بھی اس سے الجھتا نہیں ہوں کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے دوست ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کر لوں گا۔ ناکام رہا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

چمن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر وہ شانے ہلا کر بولا...... "اس طرح تو تمہیں بلانے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟" میں نہیں سمجھا۔

"دراصل میرے ذہن میں کچھ منصوبے تھے' میرا خیال تھا کہ میں تمہیں ان منصوبوں پر لے آؤں۔ بات ہوئی تھی نا ہمارے درمیان۔ میں نے تم سے اجازت مانگی تھی کہ مجھے کچھ وقت دو اور اگر سچی بات سننا پسند کرو منصور' تو میں نے جو تمہیں پارٹنر شپ کی پیشکش کی تھی وہ بھی اسی خیال کے تحت کی تھی۔"

"کس خیال کے تحت؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"دیکھو منصور! میرا کوئی ایک کام نہیں ہے۔ اس کا اندازہ تم بھی کر چکے ہو گے۔ میں نے بھی کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور اس سلسلے میں مجھے ہمیشہ بہتر ساتھیوں کی ضرورت رہی ہے۔ تمہارا کیس تو مجھے معلوم نہیں تھا لیکن تمہیں دیکھ کر میرے اپنے تجربے نے مجھے بتایا تھا کہ تم نہایت ٹھوس شخصیت کے مالک ہو۔ ذہین بھی ہو اور میرے لئے کارآمد بھی ہو سکتے ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر تم تیار ہو گئے تو تمہیں اپنے ساتھ شامل کر لوں۔"

"مگر مسئلہ کیا ہے یہ تو بتاؤ؟" میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"میں چاہتا تھا کہ تم یہاں سے باہر نکل جاؤ۔ میرا کچھ مال ہے جسے چند جگہوں پر پہنچانا ہے۔ ان جگہوں کے بارے میں تمہیں تفصیلات مہیا کر دوں گا۔ بشرطیکہ تم پسند کرو۔

اس سے تمہیں بھی ایک فائدہ ہو گا۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم مشرق وسطی کی ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں اپنی ماں اور بہن کی تلاش
سکو گے جہاں عموماً یہاں کی لڑکیاں پہنچا دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر تم یہ کامیاب ہو
آئے تو تمہاری مالی حالت بھی کافی بہتر ہو جائے گی۔ اتنی بہتر کہ تم بڑی باقاعدگی سے
اعلیٰ قسم کا کاروبار کر سکتے ہو۔ دراصل تمہارے بارے میں بہت غور و خوض کیا۔ دعا تو
یہی ہے کہ تمہاری امی اور بہن زندہ سلامت ہوں۔ خدا کرے وہ تمہیں مل جائیں
جوں جوں وقت گزر رہا ہے میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے آخر اس طویل گم
کا پس منظر کیا ہے؟"

"پس منظر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں پس منظر۔ مسئلہ کچھ بھی تھا۔ ان دونوں کے ساتھ زیادتی کر کے کس
ملا؟" اس نے بڑبڑانے کے سے انداز میں کہا۔

میں خاموش نگاہوں سے چمن کو دیکھ رہ تھا۔ وہ چند لمحات تک خیالات
میری صورت تکتا رہا۔

"خاموش کیوں ہو گئے چمن۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بس منصور۔ ان دونوں کا خیال آ گیا تھا جنہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا
جن کے لئے میرا دل اسی طرح دکھتا ہے جیسے میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان
مل چکا ہوں۔" چمن کی آواز بھاری ہو گئی۔

"چمن میرے دوست۔ بار بار تمہارے احسانات کا تذکرہ کچھ بھلا نہیں لگتا۔
تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور خود میں یہ مجال نہیں پاتا کہ تمہاری کسی بات سے
کر دوں۔ لیکن جہاں تک ماں اور بہن کی تلاش کا معاملہ ہے میں باہر کے ممالک میں
انہیں کہاں تلاش کروں گا۔ کون سی جگہ انہیں ڈھونڈوں گا۔ کیا اس وسیع دنیا میں، مجھ
بے مایہ انسان ان گمنام ہستیوں کو تلاش کر سکے گا۔ میرا ایمان ہے چمن کہ سیٹھ جبار
دونوں کے بارے میں جانتا ہے اگر اس کی زبان کھل جائے تو یوں سمجھو ساری مشکلات
ہو جائیں مجھے تھوڑے عرصہ کی مہلت اور دے دو چمن۔ اس کے بعد تمہاری ہدایا
عمل کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہو گا۔"

"اس تھوڑے عرصہ میں تم کیا کرو گے؟"

"جو کچھ بھی بن پڑا۔ بس کسی طرح سیٹھ جبار کو مجبور کرنے کا چا
جائے۔"

چمن خاموش ہو گیا لیکن اس خاموشی کے بعد اس نے کوئی اور بات شروع

ی تھی کہ تغلق خان آ گیا۔ وہ اچانک ہی اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پ
مسکراہٹ تھی جو مجھے دیکھ کر سکڑ گئی۔

"یہ لڑکا پھر یہاں موجود ہے۔ چمن تجھے کیا ہو گیا ہے۔ مردوں میں اٹھنا بیٹھنا
چھوڑ دیا ہے کیا؟"

"تغلق خان۔ منصور میرا بہت عزیز دوست ہے۔ میں نے تمہیں اس دن بھی
بتایا تھا۔ آؤ بیٹھو میں تمہارا اس سے تفصیلی تعارف کراؤں۔ منصور تم سے ملنا بھی چاہتا
تھا۔" چمن نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ میں ٹھیک ٹھاک آدمی ہوں۔ کسی خراب چکر میں نہیں پڑتا۔ بھگاؤ
اس لڑکے کو تم سے بات کرنی ہے۔ چل بھئی گولی ہو جا۔" میں نے چمن کی طرف دیکھا اور
چمن خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مجھے دیکھنے لگا۔ تب میں نے چمن سے کہا۔

"تغلق خان سے پوچھو چمن۔ یہ مرد کسے سمجھتا ہے؟"

"ارے چھوٹے۔ جا میرے لعل' بھاگ جا یہاں سے۔ بچے ایسی باتیں نہیں پوچھتے
چل اٹھ جا شاباش۔"

"یہ میرے محسن کا اڈہ ہے تغلق خان اور تم اس کے دوست ہو۔ اس لئے میں
بھی خاموش ہوا جاتا ہوں۔ ورنہ ساری زندگی کے لئے تمہارا غرور خاک میں ملا دیتا۔ اچھا
چمن چلتا ہوں۔" میں اٹھ گیا لیکن تغلق خان کو میری بات لگ گئی تھی اس نے ایک ہاتھ
بڑھا کر کے میرا راستہ روک لیا۔

"چمن۔ یہ لڑکا تیری شہہ پر بولا ہے!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"مجھ سے بات کرو تغلق خان۔ بھینسے اور چیتے کا فرق سمجھتے ہو۔ اگر نہیں تو
میں اور ملنا سمجھا دوں گا۔ ہاتھ ہٹاؤ۔" میں نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور آگے بڑھ گیا
لیکن تغلق خان جلدی سے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ تیری شہہ پر بولا چمن' جواب دے؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو تغلق خان۔ منصور بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"لڑکا نہیں چیتا ہے' چیتا اور مجھے بھینسے اور چیتے کا فرق' سمجھانے پر آمادہ ہے۔
لوں فرق پھر بات کروں گا تم سے۔" تغلق خان نے کہا۔

"اجازت دے دو چمن۔ اس کے بعد ہم دوستی کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں منصور۔ یہ کس چکر میں پڑ گئے تم۔" چمن گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"یار تو بڑا تنگ دل ہو گیا ہے چمن۔ ذرا تیرے میدان میں کھیل لیں گے تو کون
زانی ہو جائے گی۔" تغلق خان بولا۔

"تغلق۔ تم ابھی تک نہیں بدلے۔ جینے چھیڑ کر جھگڑے نکالنے کی عادت نہیں

گئی تمہاری۔ منصور تم سے دوستی چاہتا ہے۔" چمن نے دوبارہ بات برابر کرنے کی کوشش کی پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "تم جاؤ منصور۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔" وہ آگے بڑھا۔

"دوستی ختم چمن۔ تو تغلق خان کی عادت سے واقف ہے۔ تغلق خان ایسے ں سے دوستی نہیں رکھتا۔ جو دوست کے خلاف کوئی بات سن کر خاموش رہیں۔ چھوڑ اس کا ہاتھ۔ ہم باہر جا کر فیصلہ کرلیں گے۔"

چمن کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بدحواس ہو گیا تھا۔ نہ وہ تغلق ں سے بگاڑ سکتا تھا نہ مجھ سے۔ اس وقت اس کی ساری ذہانت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ میں نے اس سے کلائی چھڑالی......

"آؤ تغلق خان۔ تم بہت اونچی چیز ہو۔ میں بھی زندگی میں کوئی مقام حاصل کرنے کے چکر میں ہوں۔ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں چمن کہ اسے قتل نہیں کروں گا لیکن اس مغرور آدمی کے چہرے پر اپنا نشان ضرور چھوڑ دوں گا تاکہ اسے یاد رہے۔"

"مرو۔ دونوں ہی پاگل ہو۔" چمن برا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے بھی غصہ آ گیا تھا۔

تغلق خان خونی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے اشارہ کر کے کہا۔

"آؤ تغلق خان اپنی پسند کی جگہ چلو۔ تمہارا دماغ تمہاری پسندیدہ جگہ پر درست کروں گا۔"

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہیں فیصلہ کر لو۔ چمن چوہا نہیں ہے۔ لاشیں ٹھکانے لگانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی۔" چمن کا لہجہ بدل گیا تھا۔ میرا بھی دماغ گھوم گیا تھا۔ تغلق خان نے ضرورت سے زیادہ بدتمیزی کی تھی۔ اس کا غرور توڑنا اب ضروری ہو گیا تھا۔ ورنہ آگے چل کر نہ جانے کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔

تغلق خان نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ اس کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ لمبے لمبے ہاتھوں کا پھیلاؤ بھی بہت زیادہ تھا میری آنکھوں میں جلال بابا گھوم گئے بلاشبہ ان معاملات میں وہ میرے لئے ایک روحانی حیثیت رکھتے تھے اور نہ جانے اس تصور نے کون سی حس بیدار کر دی۔ میں خود ہی آگے بڑھ گیا۔ تغلق خان ریسلرز کے انداز میں سینہ آگے کر کے مجھ پر جھپٹا اور اس نے مجھے اپنے لمبے ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ میں نے بھی سینہ پھلا کر سانس روک لیا اور دونوں کھلے ہوئے ہاتھ اس کے کانوں پر مارے۔ یقیناً ان کی ضرب زوردار ہو گی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تغلق خان کے دونوں ہاتھ جلدی سے کھل گئے۔ اس نے دانت کچکچا کر پھر ہاتھ پھیلائے اور مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے ایک ہاتھ کی کلائی پکڑ کر

پوری قوت سے کھینچی اور جونہی وہ آگے بڑھا میں نے اپنا پاؤں اس کے پاؤں میں پھنسا کر اسے گرا دیا۔ تغلق خان بری طرح گرا تھا لیکن گرانڈیل ہونے کے باوجود وہ بے حد پھرتیلا تھا۔ نیچے گرتے ہی وہ پھر کھڑا ہو گیا پھر اس نے اچھل کر مجھے ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن اب تو وقار کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ میرے حلق سے ایک دھاڑ نکلی اور میں نے گھوم کر سیدھی لات اس کے سر پر ماری' وہ رکا تو میری دوسری لات بھی اس کے سر پر پڑی اور تغلق خان کا سر چکرا گیا لیکن میں نہ رکا۔ میں نے اسے گھونسوں پر رکھ لیا اور تغلق خان کے جبڑے ہل گئے۔ وہ ابھی تک مجھے ایک ہاتھ بھی نہیں مار سکا تھا۔ بس ہاتھ پھیلا پھیلا کر مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب وہ اس کوشش میں ناکام رہا تو دفعتاً اس نے پیچھے ہٹ کر چاقو نکال لیا۔

"چاقو کا کھیل نہیں ہو گا تغلق خان۔" چمن آگے بڑھ کر بولا۔ لیکن تغلق خان نے غراتے ہوئے چمن پر حملہ کر دیا۔ وہ پاگل ہو گیا تھا۔ چمن بمشکل اس کی زد سے بچا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے اپنے آدمیوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چار پانچ خطرناک شکل آدمی اندر گھس آئے۔ اندر کی صورت حال دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے تھے۔

"پکڑو اسے یہ دیوانہ ہو گیا۔" چمن چیخا لیکن اس دوران میں تغلق خان نے ایک اور چاقو نکال لیا تھا۔ اب اس کے دونوں ہاتھوں میں کھلے ہوئے چاقو تھے اور وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے سب کو دشمن سمجھ رہا ہو پھر اس کی غراہٹ ابھری۔

"آ جاؤ۔ آ جاؤ۔ سب آ جاؤ۔ ایک ایک کو ڈھیر نہ کر دوں تو تغلق خان نام نہیں ہے۔" اس نے چمن کے آدمیوں کو للکارا۔

"چمن ان سب کو پیچھے ہٹا لو' اگر تم میرا نقصان نہیں چاہتے۔" میں نے کہا اور تغلق خان کے ایک حملے سے بچنے کے لئے اسے جھکائی دی۔ تغلق خان نے فوراً پلٹ کر میری کمر پر وار کرنے کی کوشش کی اور چاقو میری کمر سے صرف ایک انچ کے فاصلے سے گزر گیا۔ اب اسے کوئی موقع دینا خود کو ہلاکت میں ڈالنا تھا میں آگے بڑھا اور چاقوؤں کو کلائی پر روکا پھر 'چانٹی' مار کر اس کی دونوں کلائیاں ایک دوسرے سے ملائیں اور اس کے بعد الٹی قلابازی کھا کر اس کی گردن میں قینچی ڈال کر اسے گھما دیا۔ تغلق خان ہوا میں اچھل کر چت گرا' اور جونہی اس کے ہاتھ مڑے۔ میں اس کی دونوں کلائیوں پر کھڑا ہو گیا پھر میں نے جھک کر دونوں چاقو اس کے ہاتھوں سے نکال لیے اور دوسرے لمحے میں نے ان چاقوؤں کی نوکوں سے تغلق خان کی کشادہ پیشانی پر کراس بنا دیا۔ دونوں نشانوں سے خون پھوٹ پڑا تھا۔ میں نے تیز چاقو کی ایک لکیر تغلق خان کی گردن پر بنائی دوسری اس کے دل کے مقام پر اور پھر الٹا کود کر الگ کھڑا ہو گیا۔

"اب میں نے پہلی بار چمن اور اس کے ساتھیوں کی شکلیں دیکھی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات تھے۔ تغلق خان نے گردن جھٹکی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خون اس کی آنکھوں میں رینگ آیا تھا۔

"قتل نہیں کرے گا چھوٹے؟" اس بار اس کی آواز ڈھیلی تھی۔

"ابھی میں نے ایک بھی قتل نہیں کیا تغلق خان۔" میں نے جواب دیا۔

"چل ابتدا کر لے۔" وہ آنکھوں سے خون پونچھتا ہوا مسکرایا۔

"یار کا گھر ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اس کا افسوس ہے۔"

"یہ چیتا کہاں سے پکڑا ہے چمن۔ کون سے جنگل سے تلاش کیا ہے یار۔ اس نے تو دل خوش کر دیا۔ لے سہارا دے۔ اٹھا نہیں جا رہا۔" تغلق خان نے ہاتھ پھیلا دیا۔ چمن اور اس کے ساتھیوں نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا میں نے دونوں چاقو بند کر کے جیب میں رکھے اور چمن سے بولا۔

"پھر آؤں گا چمن۔ دل میں خون کی پیاس ابھر رہی ہے۔" چمن نے مجھے اشارہ کیا کہ میں چلا جاؤں اور میں نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے واپس جا رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا انتہائی ڈرامائی طور پر ہوا تھا۔ میں چمن کی پریشانی بھی سمجھتا تھا اور مجھے اس کا افسوس تھا۔ بہرحال اب تو ہو ہی چکا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ چمن پر کیا رد عمل ہوتا ہے۔ وہ تغلق خان سے کسی قدر دبا دبا سا محسوس ہوتا تھا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو بھگتنا تھا۔ بس ایک بات کا افسوس تھا تغلق خان اس طرح ہاتھ سے نکل گیا ورنہ جاندار چیز تھی۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا تھا اور اب اس کی فکر بیکار تھی۔ وہاں سے گھر کا رخ ہی کیا تھا۔

شام کو ایاز واپس آیا۔ بہت خوش تھا۔ چند تصویریں نکال کر میرے سامنے ڈال دیں اور میں چونک پڑا۔ یہ مسعود اختر اور اینجل کی تصویریں تھیں۔ اینجل غسل کے لباس میں تھی اور کئی پوز ایسے تھے جو میرے لئے نہایت کارآمد تھے۔ میں ایاز کی اس کارکردگی پر متحیر رہ گیا۔

ایاز کو میں نے آج دن کا واقعہ نہیں بتایا تھا۔ رات کو آٹھ بجے چمن آ گیا۔ مجھے بے چینی سے چمن کی آمد کا انتظار تھا۔ بہرحال میں نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"ہیلو چمن۔"

"ہیلو منصور۔ آج تو تم نے ساری زندگی کے تجربات غارت کر کے رکھ دیئے ہیں۔ افضال خان کے سلسلے میں ہی میں حیران تھا لیکن آج تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں نئی حیرتوں نے جنم لیا ہے۔ یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سیکھا منصور؟"

"شرمندہ کر رہے ہو چمن۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ تمہارے اڈے پر۔"

"ہاں یہ بہت برا ہوا ہے۔ میں تو تم سے ملاقات کے لئے بے چین تھا لیکن جان بوجھ کر تمہاری طرف رخ نہیں کیا۔ جب تک مکمل اطمینان نہ کر لیا۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی بس کیا بتاؤں، کہہ رہا تھا، نا کہ جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا۔ تغلق خان شاید زندگی میں پہلی بار تمہارے ہاتھوں اس طرح ذلیل ہوا ہے۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی اس طرح شکست نہیں کھائی، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے میں نے بھی اس سے بہت کچھ سیکھا ہے اور میں خود اس بات پر حیران ہوں کہ وہ یہاں واپس کیسے آ گیا اور اگر آیا ہے تو کس مقصد کے تحت آیا ہے۔ تمہاری بات پر میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ اتنی اونچی چیز ہے کہ کسی چھوٹے موٹے مسئلے میں دلچسپی لینا پسند ہی نہیں کرے گا، میرے ذہن میں تو رہ رہ کر ایک شبہ ابھرتا ہے۔ وہ یہ کہ کہیں سیٹھ جبار نے تو اسے یہاں نہیں بلایا۔"

"اگر یہ بات بھی ہے چمن تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے سیٹھ جبار نے اسے کسی بھی مقصد کے تحت بلایا ہو، اس کا واسطہ دوبارہ مجھ سے ہی پڑے گا نا۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا اور چمن تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"منصور تم یقین کرو کہ اب تو میں تمہارے بارے میں بھی حیران ہونے لگا ہوں۔ مجھے قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر تمہاری طرح کا کوئی باصلاحیت نوجوان کسی سے انتقام لینے پر تل جائے تو بلاشبہ خطرناک ترین ثابت ہو سکتا ہے۔ تم سیٹھ جبار کی کوٹھی میں گھس کر اس سے کیوں نہیں جا بھڑے، یہ ساری باتیں اب مجھے بہت حیران کر رہی ہیں منصور! میں تمہارے بارے میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ حالانکہ تم بارہا ایسی شکلوں میں میرے سامنے آئے ہو کہ اگر میری باریک بین نگاہیں تمہارا جائزہ نہ لے لیتیں اور میرے دل میں تمہاری محبت نہ پیدا ہو جاتی تو شاید میں تم پر توجہ نہیں دیتا۔ تم ایک جیب کترے کے ساتھ میرے پاس پہنچے، وہ تمہارا دوست ہے پھر لیڈی جہانگیر جیسی عورت نے تم پر الزام لگا کر تمہیں جیل بھجوا دیا۔ اس سے پہلے بھی تم حالات کا شکار ہوتے رہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا منصور، آخر کیا وجہ تھی؟ تم نے اپنے طور پر اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیوں نہیں کیا؟ اپنے دفاع کے لئے ہی سہی، تم نے اپنے دشمنوں کو ختم کیوں نہیں کیا۔ بڑی ہی حیران کن باتیں ہیں۔ بے حد تعجب خیز۔ میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔" چمن نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"چمن! تغلق خان کو اس طرح زک پہنچانے میں میری اپنی کوششوں کا دخل نہیں تھا۔ بس اس نے اس طرح بدتمیزی کی تھی...... کہ میں برداشت نہیں کر سکا۔ باقی جہاں تک رہا اپنے دشمنوں سے نمٹنے کا مسئلہ۔ تو یقین کرو چمن ایک بار پھر کہوں گا کہ بچپن

ہی سے میں نے وطن اور انسانوں سے محبت کرنا سیکھا ہے اور پیار محبت کے اس سبق کو جاری رکھنا چاہتا ہوں لیکن بدنصیبی مجھے بار بار برائیوں کی جانب دھکیل رہی ہے۔ میں معاشرے کا برا کردار نہیں ہوں لیکن برا بننے پر مجبور ہوں۔ چمن' اگر آج بھی میری ماں اور بہن مجھے مل جائیں تو میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دوں گا۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ حالانکہ انہوں نے میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ سیٹھ جبار اگر اپنی فطرت بدل کر مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ بتا دے تو یقین کرو میں اسے بھول جاؤں گا۔ میں مجرم نہیں بننا چاہتا چمن۔ میں جرم کرنا نہیں چاہتا۔"

چمن گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے میرے دوست۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔ کاش میں ایک انسان کو انسان بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکتا لیکن میں بھی بے بس ہوں۔ منصور میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تغلق خان اب سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہے گا۔ وہ تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔ بس وہ اسی قسم کا آدمی ہے' تمہارے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے۔ اب اس وقت تک کوئی کام نہیں کرے گا جب تک تمہیں نیست ونابود نہ کر دے۔ اس طرح تم نے ایک اور دشمن کا اضافہ کر لیا ہے۔"

چمن کی بات پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چمن۔ اگر ان میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔ میرے دوست بھی تو ہیں۔ میرے دوستوں نے جس طرح مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ میں اسے کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرے دشمنوں کی تعداد ہر چند کہ بہت زیادہ ہے لیکن جو میرے دوست ہیں ان کی محبت ان دشمنوں کی نفرت پر بھاری ہے۔ مجھے تو رہ رہ کر بس یہ شرمندگی ستا رہی تھی کہ تمہارے اڈے پر میرے ہاتھوں یہ حرکت ہوگئی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ تغلق خان تمہارا بھی دشمن ہو گیا ہوگا چمن؟"

"اس نے اس سلسلے میں کوئی بات تو نہیں کی لیکن میں اس کینہ پرور سے اچھی طرح واقف ہوں' ممکن ہے وہ میری جانب رخ نہ کرے۔ چونکہ میرے گھر کے احاطے میں کسی دوسرے کے ہاتھوں ذلیل ہوا ہے لیکن دوستی وہ مجھ سے بھی نہیں رکھے گا اب۔ ممکن ہے وہ میرے سامنے ہی نہ آئے۔" چمن نے جواب دیا۔

"خیر ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے میرے ذہن میں یہ تھا کہ وہ میرا ساتھ دے لیکن اب کھیل ہی الٹ گیا ہے۔ میں بھی تمہاری اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ ممکن ہے وہ سیٹھ جبار کا ساتھی ہو لیکن اب جو ہو گا دیکھا جائے گا' ایک اور سہی' کیا فرق

پڑتا ہے۔" میں نے کہا اور چمن کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میری تو خواہش ہے منصور کہ تم میری بات مان لو۔"

"کون سی بات؟"

"وہی۔ ایک ٹور کر لو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا۔ بس اس سے زیادہ تو نہیں صرف ہوگا۔ اس دوران میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے فرائض میں سنبھال لوں گا۔ امی اور فریدہ کی تلاش اسی طرح جاری رکھوں گا جس طرح تم اپنے طور پر لگن سے کوشش کر رہے ہو۔ تمہیں میرے خلوص پر یقین ہوگا منصور کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اس طرح سے مجھے سکون ملے گا۔ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ گے تو تغلق خان بھی تمہیں تلاش کر کے مایوس ہو جائے گا اور پھر ممکن ہے وہ دوسرے معاملات میں مصروف ہو جائے۔ مجھے بڑی آسانیاں ہو جائیں گی۔ کیونکہ میرے لئے وہری مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں ان مشکلات سے نکل سکتا ہوں۔"

میں پریشان ہو گیا تھا۔ چمن نے بلا شبہ بے لوث میرا ساتھ دیا تھا۔ اس نے مجھے رہنے کے لئے گھر دیا تھا۔ ہر چند کہ اب میرے پاس لیڈی جہانگیر کے دیئے ہوئے دو مکانات بھی تھے۔ جن کا ابھی تک کوئی مصرف دریافت نہیں ہو سکا تھا لیکن میں اس کی محبت کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چمن امید وبیم کی نگاہ سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔

"اچھا چمن۔ مجھے صرف پندرہ دن کی مہلت دے دو' پندرہ دن کے بعد تم جس طرح کہو گے میں اس پر عمل کروں گا چمن جہاں بھیجو گے چلا جاؤں لیکن یہ پندرہ روز کی مہلت ضروری ہے۔" میری اس بات پر چمن کی آنکھوں میں مسرت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"وعدہ کرتے ہو منصور؟"

"ہاں چمن وعدہ' پندرہ دن کے بعد میں تمہاری ہدایت کے مطابق عمل کروں گا۔" میں نے کہا اور چمن نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔

"بس اب میں چلتا ہوں لیکن خدا کے واسطے آئندہ تغلق خان کے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا۔ اس بات کو ذہن سے نکال دو کہ وہ کسی طور پر تمہاری مدد کر سکتا ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ اب تم نے اس کے بارے میں اچھی طرح اندازہ کر لیا ہو گا۔ وہ تمہارا دشمن ہو سکتا ہے دوست نہیں۔"

"ہاں۔ میں خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا اور چمن چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ چمن نے جو فرمائش کی تھی اس سے کسی طرح گلو خلاصی ممکن نظر نہیں آ رہی تھی۔ بہرصورت اس نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ اس کے لئے اتنا

کام تو کرنا ہی تھا اور پھر کون سا امی اور فریدہ میرے سامنے آ گئی تھیں کہ میں دوسری باتوں کو نظرانداز کر دیتا۔ ابھی تو انھی لوگوں کے درمیان زندگی گزارنی تھی۔ نجانے دکھ کا یہ سفر کتنا طویل ہو گا۔ اس میں جو چند شناسا، ساتھی یا ہمدرد ملے تھے، انہیں گنوانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ عظمت کے آنے پر میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹا۔ یہ اچھی بات تھی کہ عظمت، چمن کے سامنے نہیں آیا تھا۔ نجانے کیوں ابھی تک میں نے چمن کو عظمت کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اپنے دوسرے کام سے کسی کو باخبر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ بھی غیر فطری طور پر ہی ہوا تھا۔ ورنہ چمن جیسی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ اس سے کچھ چھپانا ضروری ہوتا۔ عظمت نے کوئی خاص رپورٹ نہیں دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی چلا گیا۔ لیکن خیالات نے آدھی رات تک مجھے پریشان رکھا تھا۔ آدھی رات کے بعد کسی وقت مجھے نیند آ گئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

اس کے بعد

بازی

کے دوسرے حصے

کا مطالعہ کریں!

بازی
2
ایم اے راحت
www.paksociety.com

تغلق خان دوست بننے کے بجائے دشمن بن گیا تھا اور اب اس دشمن پر نگاہ رکھنا بھی ضروری تھا لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ خوف نام کی ہر شے میری زندگی سے نکل گئی تھی۔ انسان پر ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے جب اپنی زندگی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں رہتی اور جب زندگی سے کوئی لگاؤ ہی نہ ہو تو پھر بھلا کون سی چیز خاطر میں لائی جا سکتی ہے۔ تغلق خان دشمن بن گیا تو کون سا فرق پڑتا ہے۔ اس سے بڑا دشمن تو سیٹھ جبار تھا۔ کتنے ہی دشمن ہوں' کام تو ایک ہی کریں گے یعنی مجھے قتل کر دیں گے کون سا فرق پڑے گا۔ چند ہنستے بولتے کردار میرے گرد ضرور تھے لیکن ان میں وہ نہ تھے جن کی مجھے طلب تھی۔ اب تو ان کا خیال بھی بھولے بسرے لوگوں کی مانند آتا تھا۔

عظمت کے سلسلے کو اب میں زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس دن سے آج تک عظمت نے مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اسے مجھ پر اعتماد تھا اور میں اس اعتماد کی ناجائز قیمت نہیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جلد از جلد اس قضیئے کو نمٹا دوں۔ ایاز کی کاوش نے میرے کام میں آسانی پیدا کر دی تھی۔ آج صبح میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ سوچا تھا اور گیارہ بجے کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں شیخ جمال کے فون نمبر مل گئے تھے۔ کئی نمبر تھے لیکن اتفاق سے پہلے ہی نمبر پر رابطہ قائم ہو گیا۔ آپریٹر نے میرا فون اس سے ملا دیا۔

"ہاں۔ کہو کیا بات ہے؟" شیخ جمال کی آواز میں بڑی رعونت تھی......

"بہت بڑی بات ہے شیخ جمال۔ دل جمعی سے سنو۔ وقت ہے تمہارے پاس اور تنہا ہو یا اور کوئی موجود ہے؟؟"

"کون ہو تم؟" شیخ جمال بگڑ کر بولا۔

"مصیبتوں کا سوداگر۔" میں نے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو تم نے کسے فون کیا ہے؟؟"

"ہاں۔ معاشرے کے ایک بدنما انسان کو۔ ایک مجرم کو جس نے اپنے بیٹے کا جرم چھپانے کے لئے بہت سے جرائم کیے۔ جن میں ایک بے گناہ لڑکی کا قتل بھی شامل ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا بکواس ہے؟" اس بار شیخ جمال کی آواز میں کھوکھلا پن نمایاں تھا۔

"جو کچھ ہے تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا شیخ جمال کہ تمہاری لگام تھامنے والے ہاتھ بدل گئے ہیں۔ تمہاری تحریر' اعتراف نامہ اور دوسرے ثبوت سب میرے پاس ہیں اور اس سلسلے میں اب تمہارا تعلق مجھ سے ہو گا اور میں نیا سودا کروں گا........" دوسری طرف خاموشی رہی۔ میں چشم تصور سے اس کے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھنے لگا پھر اس نے لرزتے لہجے میں پوچھا۔

"کیا فون پر یہ گفتگو مناسب ہو گی؟"

"ہاں شیخ جمال کوئی ہرج بھی نہیں ہے' تم اگر صحیح طور پر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو تو ہم اشاروں کنایوں میں گفتگو کر لیتے ہیں۔" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوں۔ تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہاتھ کیسے بدل گئے؟" شیخ جمال نے کہا۔

"بس یوں سمجھو شیخ جمال کہ پہلی شہنشاہیت ختم ہو گئی اور اب عنان حکومت میرے ہاتھ میں ہے۔ یعنی تخت و تاج کا وارث میں ہوں۔ خزانے کی چابیاں میرے پاس ہیں اور میرا طریقہ کار ذرا سا مختلف ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں۔ پھر کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے کہا نا شیخ جمال میرا طریقہ کار ذرا سا مختلف ہے' میں طویل سودے نہیں کرتا۔ حال میں حاصل کرنے کا قائل ہوں اور جو کچھ حاصل کر لیتا ہوں اس سے متعلق چیزوں کو بھول جانا پسند کرتا ہوں۔"

"گویا تم آخری سودا کرو گے؟"

"قطعی آخری' یعنی ہمارے تمہارے درمیان جو سودا ہو گا۔ اس کے صلے میں مال تمہارے حوالے کرنے کے بعد میں ان تمام باتوں کو بھول جاؤں گا اور کبھی تم سے کوئی رابطہ نہیں کروں گا۔"

"یہ بات مجھے پسند ہے۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"صرف پانچ لاکھ۔ نہ کم نہ زیادہ۔"

"بہت بڑی ڈیمانڈ کی ہے تم نے۔ پانچ لاکھ تو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ میں کچھ زیادہ بڑی رقم نہیں ادا کرتا تھا۔ اس میں کوئی کمی....."

"نہیں۔ شیخ جمال۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا نا' پہلی اور آخری بات۔ میں زبان کا پکا ہوں' جو کہہ دیا سو کہہ دیا اور پھر تم جانتے ہو کہ یہ رقم اس جرم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تم باآسانی اسے ادا کر سکتے ہو۔ مسعود اختر بہت پیارا نوجوان ہے اور یقیناً تم اس کی سلامتی کے خواہاں ہو گے۔" میں نے اپنے لہجے میں بھرپور سفاکی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"چوبیس گھنٹے کی مہلت۔ اس کے بعد تم مجھے کل صبح گیارہ بجے ٹیلی فون کو لینا۔ میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ میں نے شیخ جمال کے ٹیلی فون بند کرنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ شیخ جمال سے ہونے والی گفتگو تسلی بخش تھی۔ میں نے اسے اپنا مافی الضمیر سمجھا دیا تھا۔ دراصل شیخ جمال جیسے لوگوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس نے اپنے بیٹے کے جرم کو چھپانے کے لئے ایک خاندان کو موت کی آخری سرحدوں تک لا کھڑا کیا تھا۔ اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل بوتے پر اس نے اس زمین پر بسنے والے چند انسانوں کی زندگی چھیننے کی کوشش کی تھی اور انہیں ایک ایسا زخم دیا تھا جو تا زندگی نہیں بھر سکتا تھا۔ اس نے جوان بھائی کا سر جھکا دیا تھا۔ بوڑھے ماں باپ کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے عوض اسے مالی چوٹ بھی پہنچنی چاہیئے اور وہی زخم اس کے سینے میں بھی لگنا چاہیئے جو فرحت اللہ صاحب کے سینے پر لگا تھا میں کسی طور فرحت اللہ صاحب کے درد کا سودا نہیں کر سکتا تھا' ہاں شیخ جمال کے سینے میں یہ درد سوا کر دینا چاہتا تھا اور یہ سودے بازی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

ایاز حسب معمول مجھ سے اجازت لے کر آوارہ گردی کرنے نکل گیا تھا۔ سرخاب سے بھی رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ پروفیسر شیرازی کیا کر رہے تھے اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا اور نہ ہی میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اب ان لوگوں کے لئے میں مزید پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ اب پروفیسر کے کسی بھی عمل میں میری خواہش کا دخل نہیں تھا۔ ہاں اگر انہوں نے اپنے طور پر کچھ کر کے مجھے کوئی حکم دیا تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔ یہ میرا فیصلہ تھا۔ حالانکہ میں خود اپنی زندگی کے کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا لیکن شاید یہ میری فطرت ہی تھی کہ میں ان تمام لوگوں کو جنہوں نے مجھ پر احسانات کئے تھے' نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ ان کی محبت' ان کے احسانات کا بوجھ میرے شانوں پر تھا اور میں کسی سے بھی انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ چمن کی پیش کش اس وقت میرے لئے بڑی الجھن آمیز تھی۔ ان سارے معاملات کو چھوڑ کر چمن کی خواہش کی تکمیل کے لئے نکل جانا بڑی عجیب سی بات تھی لیکن میں اسے بھی ٹال نہیں سکتا تھا۔ دوسرے لیڈی جہانگیر تھیں۔ کتنے چہرے تھے' اپنے نہ ہوتے ہوئے بھی میرے اپنے تھے۔ میں نجانے کتنے لوگوں کی ملکیت بن گیا تھا۔ جب کہ بذات خود میں کچھ نہ تھا۔ مجھے خود پر ہنسی آ گئی اور مجھے ہنستا دیکھ کر حسینہ چونک پڑی۔ شاید وہ کسی کام سے اندر آئی تھی' میں نے اسے چائے کا کہہ کر ٹال دیا۔

چائے پینے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا کوئی خاص مقصد نہیں

تھا۔ بس ایسے ہی طبیعت گھبرا رہی تھی' سوچا تھوڑی سی آوارہ گردی کروں۔ اگر سرخاب سے مل لوں تو کیا ہرج ہے' لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ شکوے شکایت کرے گی اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ چنانچہ گھر سے کافی دور نکلنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ بھی ملتوی کر دیا۔ پھر لیڈی جہانگیر سے ملنے کو دل چاہا لیکن احتیاط کے پیش نگاہ میں نے وہاں جانے کا فیصلہ بھی ترک کر دیا۔ میں اپنے ہمدردوں سے بھی کٹ گیا تھا۔ چمن کی طرف رخ کرنے کا سوچا لیکن وہاں بھی خطرہ تھا کہ کہیں تغلق خان نے اپنے آدمیوں کو میرے پیچھے نہ لگا دیا ہو۔ چمن کو بھی میری وجہ سے پریشانی ہو گی چنانچہ چمن سے ملنا بھی مناسب نہیں تھا۔ گویا اس وقت میرے لئے کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ اس لئے بے مصرف ہی کار میں گھومتا رہا۔

پھر ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک ایسی شکل نظر آئی جسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ امجد بھائی تھے۔ سیاہ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسٹیشن ویگن میں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اپنی کار لے جا کر ان کے نزدیک روک دی۔ اس طرح کار روکنے پر امجد بھائی نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر سلام کر ڈالا۔ امجد بھائی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

وہ چند ساعت مجھے گھورتے رہے۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا پھر آہستہ سے بولے۔

"اور کوئی ساتھ ہے؟"

"نہیں امجد بھائی کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر ایسا کرو کہ اس سڑک کے پیچھے ایک پارک ہے' وہاں کار پارک کر کے اندر آ جاؤ۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" وہ بولے تو میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی اور پارک میں پہنچ گیا۔

کچھ ہی دیر میں امجد بھائی کی اسٹیشن ویگن بھی میری کار کے نزدیک آ کر رک گئی تھی۔ وہ بھی گاڑی لاک کر کے نیچے اتر آئے اور میرے ساتھ چلتے ہوئے ایک درخت کے نیچے آ بیٹھے۔

"کیسے ہو؟ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی۔" انہوں نے کہا۔

"آپ سنائیے امجد بھائی۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے سیٹھ جبار' طارق کی طاقت اور وسائل کی داستان چھیڑ دی ان کا نقطہ نظر یہی تھا کہ میں کسی طرح ان کی مخالفت سے باز آ جاؤں۔

"میں دل ہی دل میں ان کی سادگی پر ہنستا رہا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اب میں وہ سیدھا سادا مجبور و بے بس منصور نہیں رہا۔

انھی کی زبانی مجھے پنکی کی ہلاکت کا علم ہوا۔ جسے میری مدد کرنے کے شبے میں طارق نے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ پنکی کے انجام پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا۔ بیچاری لڑکی...... جو نہ معلوم کس جرم میں اپنی جوانی کے دن رات' طارق جیسے درندے کی بھینٹ چڑھاتی رہی۔ حتیٰ کہ اب اپنی متاع حیات بھی ہار بیٹھی تھی......

پنکی کے قتل نے جہاں طارق کے خلاف میری نفرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہاں مجھے یہ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا تھا کہ اب مجھے اندرون خانہ کا احوال کون بتائے گا؟"

میں چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ پارک میں بچوں کے شور و غل کے باوجود مجھے چاروں طرف سناٹا محسوس ہوا۔ امجد بھائی کی آواز بھی مجھے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ حالانکہ وہ میرے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نہ جانے مزید کتنی دیر خیالات کے سمندر میں غوطے لگاتا رہتا کہ امجد بھائی کے جھنجوڑنے پر ہوش میں آ گیا۔

"کہاں کھو گئے منصور؟" وہ بولے۔

"کچھ نہیں امجد بھائی۔" میں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بعض لمحے زندگی میں ایسے بھی آتے ہیں جب انسانوں کے سمندر میں رہتے ہوئے بھی تنہائی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کل کے مقابلے میں آج میرے دوستوں' ہمدردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے امجد بھائی لیکن......" میں نے کندھے اچکا کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں بیٹے۔ تم تنہا نہیں ہو۔ مجھے بتاؤ بیٹے میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ دفعتاً میرے ذہن میں امجد بھائی سے کام لینے کا خیال بجلی کے کوندے کی طرح چمکا اور پھر میں نے کسی نہ کسی طرح انہیں اس خیال کے لئے راضی کر لیا اور اپنا فون نمبر بھی دے دیا۔ امجد بھائی اندر کے آدمی تھے۔ ویسے بھی پنکی کے قتل کے بعد مجھے کوئی ایسا آدمی درکار تھا جو اپنے ہاتھ پیر بچا کر مجھے اندرون خانہ کی رپورٹیں دے سکے اور اب مجھے امجد بھائی کی شکل میں وہ قابل اعتماد ساتھی مل گیا تھا۔ میں نے مطمئن ہو کر ان سے رخصت چاہی۔

○

شیخ جمال کے جواب کا انتظار تھا اس سے قبل میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہ چند روز خاموشی سے گزر گئے۔ البتہ اس دوران میں' میں نے سیٹھ جبار کے لئے بہت کچھ تیار کر کے رکھا تھا۔ ایاز بدستور اینجل اور مسعود کے پیچھے لگا ہوا تھا لیکن اس نے بتایا تھا کہ اینجل اور مسعود اختر کے درمیان اور کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب مجھے شیخ جمال سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ میں نے اس

کے نمبر ڈائل کئے۔ وہ شاید میرا منتظر ہی تھا' فون ریسیو کرتے ہی اس نے میری آواز پہچان لی۔

"ہوں ٹھیک ہے دوست۔ مجھے تمہاری پیش کش منظور ہے۔ اب یہ بتاؤ۔ میں تمہیں یہ رقم کہاں پہنچاؤں؟"

"شیخ جمال' میں تمہاری فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لیکن یہ سوچ لینا کہ اگر تم نے کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو اس کے بعد تمہیں جس خسارے سے دو چار ہونا پڑے گا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر میں کوئی ایسی حرکت کروں تو تم اس کے لیے آزاد ہو گے۔" شیخ جمال نے کہا۔

"یہ رقم مجھے کب فراہم کر رہے ہو؟"

"اس وقت سے لے کر جب تم چاہو۔"

"تو پھر آج شام سات بجے ساحل سمندر پر اس جگہ پہنچ جانا جہاں عمارتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ میں تمہیں وہاں تلاش کر لوں گا اور وہیں تمہیں فائل واپس کر دی جائے گی۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کرنا چاہئے لیکن شرط یہی ہے کہ تم بھی اس اعتماد پر پورے اترو۔ ورنہ تمہیں نقصان بھی ہو سکتا ہے شیخ جمال۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دھمکیاں سننے کا عادی نہیں ہوں۔ سودا کرو میری چیز مجھے واپس کرو اور اپنی چیز مجھ سے حاصل کرو اور بس۔ فضول باتوں کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ان معاملات سے فارغ ہو کر میں احتیاطی تدابیر سوچنے لگا۔ کم از کم شیخ جمال جیسے شاطر آدمی سے تنہا ملنا بہتر نہیں تھا۔ فی الوقت میرے پاس دو آدمی تھے یعنی عظمت اور ایاز۔ میں نے ان دونوں کو اس معاملے میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا۔ شام کو چار بجے جب ایاز آیا تو میں نے عظمت کو بھی بلوا لیا اور سارا پروگرام ان کے سامنے رکھ کر ان سے رائے مانگی۔ دونوں نے غور سے ساری تفصیلات سنیں اور میرے پروگرام سے اتفاق کیا لیکن میں نے دیکھا کہ عظمت کچھ کھویا کھویا سا ہے۔ شاید اسے انتقام کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ہامی بھر لی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے مزید مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے عظمت۔ ہم رقیہ کا سودا نہیں کریں گے۔ کسی قیمت پر اس کے خون کا سودا نہیں کریں گے لیکن شیخ جمال کو دوہری مار پڑنی چاہئے۔ مسعود اختر نے رقیہ کو قتل کیا۔ شیخ جمال نے تمہیں پولیس کے حوالے کیا اور اپنی اس دولت سے اس نے اپنی اور اپنے بیٹے کی زندگی بچا لی اس دولت کا حصہ ہمیں بھی ملنا چاہئے۔ عظمت ہمارے بھی

مسائل ہیں۔ صفیہ کی شادی' چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش۔ فرحت اللہ صاحب کا بہترین علاج ہونا چاہئے۔ کیا ان تمام چیزوں کے لئے ہمیں رقم کی ضرورت نہیں؟ اور یہ رقم ہمیں شیخ جمال ہی فراہم کرے گا اور اس کے بعد اسے اپنی زندگی کے دوسروں خسارے سے دو چار ہونا پڑے گا۔ مسعود کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اس کے گرد بھی ایک مضبوط جال بن دیا ہے اور اس پہلے قدم کے بعد میں دوسرا قدم اٹھاؤں گا' سمجھے...... یہ ہے میرا پروگرام۔ تمہیں اس میں کوئی جھول نظر آتا ہو یا اس کے کسی حصے پر اعتراض ہو تو مجھے بتاؤ؟"

"ٹھیک ہے بھیا! مجھے آپ کے پروگرام سے مکمل اتفاق ہے۔ شیخ جمال کو دوہری مار پڑنی ہی چاہئے۔" عظمت نے کہا۔

عظمت کی بات پر میں نے اطمنان کا سانس لیا اور انہیں لے کر ساحل پر واقع ایک کاٹج میں پہنچ گیا۔ جو لیڈی جہانگیر نے خرید کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ کاٹج لیڈی جہانگیر نے بہت پہلے میرے حوالے کر دیا تھا لیکن آج تک اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ بہت ہی عمدہ کاٹج تھا۔ زندگی کی تمام سہولتوں سے مزین۔

"ایاز! تم ساحل کی جانب چلے جاؤ اور کسی محفوظ مقام کا انتخاب کر لو۔ میں شیخ جمال سے تنہا ملوں گا۔ عظمت چھت سے قرب و جوار پر نگاہ رکھے گا۔ کیا خیال ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک تو ہے۔ بس اس میں ذرا سی تبدیلی کر لیں۔" عظمت نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں اور ایاز یہیں رہیں گے اس عمارت کی چھت سے ہم دور تک نگاہ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک پستول ہے جس کی نہ جانے کسے ضرورت پیش آ جائے آپ ساحل پر جائیں گے اور اس کا انتظار کریں گے۔ اس طرح اگر کوئی خطرناک موقع آ گیا تو ہم دونوں مل کر کوئی موثر کارروائی تو کر سکیں گے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے مجھے امید تو نہیں کہ وہ کوئی گڑ بڑ کرے۔"

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب اس بارے میں کیا سوچنا۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے' تو پھر میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور فائل کپڑوں میں چھپا کر باہر آ گیا۔

سات بجنے میں صرف دو منٹ تھے اور دور سے ایک جیپ اچھلتی کودتی اس طرف آ رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس میں شیخ جمال ہی کو ہونا چاہئے تھا اور میرا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا۔ اس نے جیپ کا انجن بند کر دیا اور نیچے اتر آیا۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا تھا۔ اس وقت دور دور تک ساحل پر میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ میرے قرب پہنچ گیا۔

"شیخ جمال؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے۔ تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے۔"

"بریف کیس کھول دو؟" میں نے کہا۔

"میری چیز لائے ہو؟"

"ہاں موجود ہے۔"

"تو پھر آؤ۔ جیپ میں آ جاؤ۔ خالی ہے بھروسہ کرو مجھ پر' جو کچھ میں نے کہا ہے غلط نہیں ہے۔" شیخ جمال نے کہا۔ میں نے ایک نگاہ جیپ پر ڈالی اور گردن ہلا کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

ویسے میں اس کی طرف سے پوری طرح محتاط تھا۔ شیخ جمال نے بریف کیس جیپ کے بونٹ پر رکھا اور اس کے لاک کھول دیئے لیکن میں نے اس کے ڈھکن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا مطلب؟" شیخ جمال اچھل پڑا۔

"شیخ جمال۔ اس بریف کیس میں سے پستول بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ اس لئے ذرا سا پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں اسے خود کھول کر دیکھ لوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شیخ جمال مجھے گھورتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے اس پر نگاہ جمائے ہوئے بریف کیس کا ڈھکن کھول کر دیکھا۔ اس میں نوٹوں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے نیچے سے کچھ گڈیاں نکال کر دیکھیں۔ سب ٹھیک تھا۔ گڈیوں کی تعداد بتا رہی تھی کہ رقم پانچ لاکھ سے کم نہیں ہے۔ میں نے مطمئن انداز میں بریف کیس بند کر دیا اور پھر شیخ جمال کی فائل نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ شیخ جمال نے بے صبری سے فائل لے لی تھی اور پھر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ پوری فائل دیکھنے کے بعد اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ شکریہ۔ رقم پوری ہے۔"

"او۔ کے شیخ جمال۔ تم جا سکتے ہو۔" میں نے کھردرے لہجے میں کہا اور وہ جیپ پر چڑھ گیا۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ یہ جیپ اسٹارٹ ہو کر مجھ پر چڑھ بھی سکتی تھی یا شیخ جمال جیپ میں رکھی برین گن سے مجھ پر گولیاں بھی برسا سکتا تھا لیکن شیخ جمال کاروباری انسان تھا۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا ہو گا کہ کوئی بلیک میلر تنہا نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ شیخ جمال کوئی گرا پڑا انسان نہیں تھا۔ ممکن ہے پانچ لاکھ دے کر اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی جان چھڑا لی ہو..............

لیکن کچھ نہ ہوا۔ شیخ جمال کی جیپ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ میں اسی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا پھر میں گہری سانس لے کر واپس پلٹا اور اسی وقت فضا میں موٹر سائیکل کے

انجن کا شور ابھرا۔ کوئی موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوئی تھی۔ ایک کے بعد دوسری' تیسری اور پھر چوتھی.....اور آن کی آن میں چار موٹر سائیکلیں ایک عمارت کے عقب سے نکل کر میری سمت لپکیں۔ وہ اتنی برق رفتاری سے میری طرف آئی تھیں کہ میں حیران رہ گیا۔

چاروں موٹر سائیکلیں میرے گرد چکرانے لگیں..... ہیلمٹ میں چھپے ہوئے چہرے مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ چند لمحات اسی طرح میرے دائیں بائیں سے نکل کر غالباً مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے رہے پھر ایک موٹر سائیکل سیدھی میری طرف آئی اور میں بمشکل تمام اچھل کر خود کو اس کی زد سے بچا سکا لیکن یہی عمل دوسروں نے بھی شروع کر دیا تھا۔ میں بریف کیس سنبھالے ان کی زد سے بچتا رہا۔ خدا جانے وہ جان بوجھ کر مجھے بچا رہے تھے یا ابھی تک ان میں سے کسی کی کوشش بار آور نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال میں زخمی نہ ہو سکا۔ ایاز اور عظمت خاموش تھے۔ ان کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ نجانے ان پر کیا بیتی۔ بہرحال یہاں میرا پلان ایک طرح سے فیل ہو گیا تھا۔

چند لمحات کے بعد وہ رک گئے اور پھر ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔ "زندگی درکار ہے تو سیدھے اس عمارت کی طرف چلو جس کی چھت پر روشنی نظر آ رہی ہے۔ دونوں ہاتھ بلند رکھو اور یہ بریف کیس نیچے رکھ دو۔"

میں نے توقف کیا تو دوسرے نے کہا۔ "چلو جلدی کرو۔ ورنہ دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔" صورت حال اس وقت میرے حق میں نہیں تھی۔ شیخ جمال کام دکھا گیا تھا۔ اس لئے میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور بریف کیس نیچے رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے دوڑتے ہوئے آگے بڑھو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" آواز آئی اور میں اس عمارت کی طرف چل پڑا جس کی چھت پر روشنی موجود تھی۔ یہ عمارت گرین ہاؤس نامی عمارت سے دور نہیں تھی۔ لیکن پہلے اس میں زندگی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ بہرحال چوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے کچھ سوچنا ہی بے کار تھا۔

عمارت کے آہنی گیٹ سے گزر کر میں اندر داخل ہو گیا۔ چاروں موٹر سائیکلیں بھی اندر آ گئی تھیں۔ عمارت کا برآمدہ روشن تھا اور اس برآمدے میں طارق نظر آ رہا تھا۔ سفید پینٹ اور چیک کی ایک خوبصورت جرسی میں ملبوس جس کی ایک آستین خالی تھی۔

طارق کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے قدم ٹھٹکے تھے لیکن پھر میں خود کو سنبھال کر آگے بڑھ گیا۔ "ہیلو طارق۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ چاروں موٹر سائیکل سوار اس کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے بریف کیس طارق کے پیروں کے پاس رکھ دیا تھا۔

"شیخ جمال چلا گیا؟" طارق نے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ وہ جا چکا ہے۔"

"اس کو اندر لاؤ۔" طارق نے غرائی آواز میں کہا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔ چاروں آدمی میرے گرد آ کھڑے ہوئے تھے پھر ان میں سے ایک نے مجھے اندر دھکیلا اور میں آگے بڑھ گیا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک ہال تھا۔ ہال میں صرف ایک کرسی پڑی ہوئی تھی "تمہارے بارے میں' میں بار بار غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہوں منصور! یہ میری آخری غلط فہمی تھی۔" وہ گالی دے کر بولا۔

"شاید تمہاری زندگی کی آخری غلط فہمی طارق۔ تم نے مجھے گالی دے کر میری ماں کو گالی دی ہے۔ اس کا حساب الگ سے دینا ہو گا تمہیں۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گندے کتے۔ ایک چھوٹی سی کامیابی حاصل کر کے تو خود کو خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ اس دن میں نشے میں تھا اور اس فاحشہ کے فریب میں آ گیا تھا۔ بار بار ایسے مواقع نہیں ملتے منصور! لیکن تجھ جیسے گھٹیا نسل کے گدھوں کو اگر عقل آ جائے تو پھر ذہانت کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔" طارق نے بے پناہ نفرت و حقارت سے کہا۔

میرے تن بدن میں آگ سلگ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ طارق پر ٹوٹ پڑوں لیکن اب میں اتنا کچا نہیں رہا تھا۔ جذباتی حماقتیں ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس لئے خود کو کنٹرول کر کے صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔

"ممکن ہے طارق۔ اس بار تمہیں کامیابی ہو جائے لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ تمہارے آدمی ساحل پر بھی مجھے قتل کر سکتے تھے۔ یہاں تک لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تجھے تیری اوقات کا احساس دلانا تھا۔ تیرے ان ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں جو تیری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ تاکہ تیری موت کے بعد انہیں بھی سزا دی جا سکے۔"

"بہت اونچے اڑ رہے ہو طارق۔ اپنی چند روز پہلے کی حالت بھول گئے۔ میرا خیال ہے نہیں بھولے ہو گے۔ بہرحال ٹھیک ہے اب کہو کیا چاہتے ہو؟"

"وہ تمام فائلیں کہاں ہیں جو تم نے پینی کی مدد سے حاصل کی تھیں۔"

"پینی کی مدد سے۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "پینی ہی سے پوچھ لو طارق۔ وہ تمہاری مدد کرے گی۔"

"اس فاحشہ کی لاش تو اب تک سمندر کی مچھلیوں کا نوالہ بن چکی ہو گی۔ تم اب تک اسی کے خواب دیکھ رہے ہو؟" طارق مسکرا کر بولا......

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ "تو تم نے اسے قتل کر دیا؟"

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ اس جگہ کا پتہ بتاؤ جہاں تم رہتے ہو اور جہاں وہ سارے کاغذات موجود ہیں۔"

"بتا دوں گا۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے طارق۔ ایک فائل تو شیخ جمال لے گیا ہے۔"

"ہاں۔ تمہیں تمہاری اوقات بتانے کے لئے یہ نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ بلیک میلر بننے چلے تھے ہونہہ.............. پانچ لاکھ روپے کے مالک بننا چاہتے تھے کبھی زندگی میں اتنی بڑی رقم کا تصور بھی کیا ہے؟"

"کوشش کی تھی لیکن تم درمیان میں ٹپک پڑے۔ مجھے یقین ہے شیخ جمال نے خود تم سے رابطہ قائم کیا ہو گا۔"

"میرے شکار کسی اور کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں موت بھی میری ہی دی ہوئی پسند ہے۔ شیخ جمال کو تیری بکواس پر یقین نہیں آیا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتا ہے۔"

"میں نے ہمیشہ تمہاری برتری مانی ہے طارق! لیکن ماں اور بہن کا مسئلہ ایسا تھا کہ میں تمہارا دشمن بن گیا۔ آج بھی موقع ہے طارق۔ اگر تم مجھے ان دونوں کا پتہ بتا دو تو میں تمہارا غلام بن سکتا ہوں۔" جواب میں طارق نے مجھے ماں کی گندی سی گالی دی اور اسی وقت فائر کی آواز سنائی دی اور گولی طارق کے کان کو چھوتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی تھی۔

طارق کے چاروں ساتھی اچھل پڑے۔ دروازے کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ میں نے طارق پر چھلانگ لگا دی۔ طارق سانپ کی طرح پلٹا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور اس کا اکلوتا ہاتھ موڑ کر پشت پر کر دیا۔ میں نے اس کی جیب کا وزن محسوس کر لیا تھا اس لئے دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کی جیب میں رکھا ہوا پستول نکال لیا اور اسے طارق کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے دھاڑا۔

"خبردار۔ اگر کسی نے جنبش کی تو یہ جہنم رسید ہو جائے گا۔" طارق اپنے اکلوتے ہاتھ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا لیکن کنپٹی پر رکھے پستول کو دیکھ کر وہ سہم گیا۔ اس کے ساتھی بھی ایک دم ساکت ہو گئے تھے۔ "ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" میں نے انہیں حکم دیا اور طارق کو کھینچتا ہوا ایک دیوار کے قریب لے آیا۔ اب میری پشت پر دیوار تھی اور میں عقب سے محفوظ ہو گیا تھا۔ طارق کے ساتھیوں کے ہاتھ بلند ہو گئے تھے۔ اسی وقت اس ہال کے ایک کھلے ہوئے روشندان سے ایک جسم برآمد ہوا اور دبلا پتلا ایاز تقریباً چودہ فٹ کی بلندی سے نیچے کود آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا اور چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ دروازے سے عظمت بھی اندر گھس آیا تھا۔ عظمت نے برق رفتاری سے ان چاروں کو نہتا کر دیا جو ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کے پستول عظمت نے قابو میں کر لئے تھے.....

"چلو۔ تم اس دیوار سے چپک کر کھڑے ہو جاؤ۔ کسی نے جنبش کی تو گولی مار دوں گا۔" عظمت کی غراہٹ ابھری لیکن پلٹتے ہوئے دفعتاً ان میں سے ایک نے عظمت کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی۔ عظمت تو دھوکا کھا گیا تھا لیکن ایاز کے پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اس کے بھیجے میں سوراخ کر دیا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ بقیہ تینوں خوف کے مارے دیوار سے چپک گئے تھے عظمت نے پستول کے دستے ان کے سروں پر مار کر ان کے سر پھاڑ دیئے اور وہ دہشت زدہ آوازیں نکالتے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ طارق کو بھی کپکپی چڑھ گئی تھی۔ اسے اچانک بدل جانے والی صورتحال کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

عظمت نے گرے ہوئے لوگوں کے سروں پر مزید ضربیں لگا کر انھیں مکر کرنے کے قابل نہ چھوڑا اور سب لمبے ہو گئے۔ تب میں نے طارق کو آگے بڑھایا اور اس کی کمر پر زور دار لات رسید کر دی۔ طارق لہراتا ہوا آگے بڑھا تو ایاز نے اسے سنبھال کر ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔

"ذلیل کتے۔ تو نے میری ماں کو گالی دی تھی۔ تو نے میری ماں کی شان میں گستاخی کی تھی۔" ایاز نے اپنا جوتا طارق کے منہ پر رکھا اور زور سے اس کا منہ رگڑ دیا۔ طارق کے ہونٹ اور ناک بری طرح زخمی ہو گئے۔ شاید اس کے سامنے کے دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ وہ اوندھا ہو کر خون تھوکنے لگا۔ اس کے حلق سے کراہیں بھی نکل رہی تھیں۔

"میں اس کا قصہ پاک کر دوں چیف؟" ایاز بے حد غضب ناک ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"نہیں ایاز۔ ابھی نہیں۔ یہ بے حد مغرور ہے۔ خود کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ اسے زندہ رہنے دو تاکہ اس کے سرپرست اس کی بگڑی ہوئی شکل دیکھ سکیں اور یہ اپنی حالت پر غور کر سکے۔ سنو طارق! اگر تم زندہ رہو تو اس بات کو یاد رکھنا کہ تمہیں میری ماں اور بہن کو میرے حوالے کرنا ہے۔ اگر تم مجھے اب بھی ان کا پتہ بتا دو تو میرے اور تمہارے درمیان دشمنی ختم ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت میں اگر تم دنیا کے آخری گوشے میں بھی جا چھپو تو ایک دن میں تمہیں تلاش کر لوں گا اور تمہیں میری ماں اور بہن کا پتہ بتانا ہوگا۔ میں نے تم سے کہا تھا طارق کہ دوسری ملاقات پر میں تمہیں آنکھوں سے محروم کر دوں گا۔ تم جانتے ہو اس وقت میرے لئے یہ کام مشکل نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ بتاؤ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

طارق اب زمین پر دونوں ہاتھ ٹکائے ہوئے خون تھوک رہا تھا۔ وہ بار بار اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسی اس کی بینائی چلی گئی ہو۔ دفعتاً ایاز نے جیب سے چاقو نکال لیا اور طارق کی سر پر پہنچ گیا۔

"جواب دو طارق۔ وہ دونوں کہاں ہیں۔ جواب دو۔" اس نے چاقو کی نوک

طارق کی گدی میں چبھو کر کہا۔ "میں تمہیں بے ہوش نہیں ہونے دوں گا۔ جواب دو۔ جواب دو۔" ایاز جذباتی ہو رہا تھا۔ "تم بے ہوش نہیں ہو سکتے کتے۔ تم بے ہوش نہیں ہو سکتے۔" دفعتاً ایاز نے طارق کے کان پر چاقو پھیر دیا اور طارق کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ وہ ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور چند ساعت کے بعد ساکت ہو گیا۔

ایاز نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ "یہ زندہ ہے بھیا۔ میں اسے لے جاؤں گا اور اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ زبان نہیں کھولے گا۔" وہ کہنے لگا۔

"ابھی نہیں ایاز۔ ہم اسے زندہ رکھیں گے۔ یہ سیٹھ جبار کے لئے ہمارا چیلنج ہے۔ پہلے یہ ایک ہاتھ سے محروم ہوا تھا۔ یہ اس کے لئے دوسرا سبق ہے۔ سیٹھ جبار کو بھی اس کی کہانی سے لطف اندوز ہونے دو۔ اس دن کا انتظار کرو جب یہ سب مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ بتانے کے لئے بے چین ہوں گے۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ انھیں لے کر خود ہمارے سامنے آئیں گے مجھے یقین ہے۔" میں نے ایاز کو ٹھنڈا کیا اور پھر ہم نے وہاں اپنی موجودگی کے نشانات صاف کیے اوز وہاں سے واپس چل پڑے۔ بریف کیس ایاز نے اٹھا لیا تھا۔

راستے میں ایاز نے تفصیل بتائی۔ "ہم لوگوں نے دیر میں انھیں دیکھا تھا۔ اس وقت جب طارق کے ساتھی موٹر سائیکلیں اسٹارٹ کر کے آپ کی طرف دوڑے تھے۔ طارق اس وقت ان کے ساتھ تھا اور پھر وہ انھیں ہدایات دے کر اس مکان میں آیا تھا۔ اس نے جو ہدایات دی تھیں وہ ہمارے لئے تسلی بخش تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ منصور کو کوئی نقصان نہ پہنچے، بس اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ لیکن اچھی طرح خوفزدہ کرنے کے بعد۔ یہ تو ہم نہیں جانتے تھے منصور بھیا کہ وہ لوگ آپ کو کس طرح خوفزدہ کریں گے لیکن یہ خیال تھا کہ بالآخر وہ آپ کو لے کر یہاں آئیں گے۔ چنانچہ ہم نے یہاں پر انتظامات کر لئے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ہر ممکن کوشش یہ کی تھی کہ اپنے دشمنوں پر حاوی رہیں۔" ایاز نے کہا۔

"یہ واقعی سمجھ داری کی بات تھی ایاز۔" میں نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔ عظمت خاموش خاموش سا تھا۔ بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

میں نے ماحول میں شگفتگی پیدا کرنے کی غرض سے ایسے ہی کچھ ہنسنے ہنسانے والی باتیں کیں۔ حسینہ سے کھانا لگانے کے لئے کہا اور حسینہ آنکھیں مٹکاتی ہوئی چلی گئی۔ کھانے کی میز پر میں دونوں سے پرمزاح باتیں کرتا رہا۔

O

میں نے شیخ جمال کو فون کیا۔ فون اس نے ریسو کیا تھا۔

"کون بول رہا ہے؟"

"وہ جسے اپنی دانست میں تم نے بھرپور چوٹ دی تھی۔ بدنصیبی انسان کو ضرورت سے زیادہ ذہین بنا دیتی ہے شیخ صاحب! اور ضرورت سے زیادہ ذہین ہونا اتنی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ نے اپنی فائل چیک کر لی۔ کوئی ایسی چیز رہ تو نہیں گئی جو آپ کے لئے الجھن کا باعث ہو؟"

"نن نہیں۔" شیخ جمال نروس محسوس ہوتا تھا۔

"گویا میں نے دیانت داری سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور آپ نے؟" میں نے سوال کیا اور شیخ جمال میرے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ "آپ نے طارق کو اطلاع دے دی۔ حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ طارق میرے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے اور وہ اس اطلاع سے پورا فائدہ اٹھائے گا۔ گویا آپ نے میری موت کا سامان کیا تھا۔ بڑی گہری چال چلی تھی آپ نے۔"

"میں اس کے لئے مجبور تھا۔" شیخ جمال کی آواز بدل گئی۔ اب اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"خیر مجھے آپ کی مجبوری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں سزا کے طور پر میں آپ پر بیس لاکھ روپے جرمانہ کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بیس لاکھ روپے تاوان کے طور پر ادا کر دیں۔ کب اور کہاں، مجھے اسی وقت بتا دیں۔"

"شاید تمہارے دماغ پر چوٹ آئی ہے۔ تم صحیح الدماغ تو نہیں لگ رہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے شیخ جمال۔ رقم کی ادائیگی کب ہو رہی ہے؟"

"یوں کرو کسی وقت میرے دفتر آ جاؤ۔ دو چار گواہوں کی موجودگی میں یہ رقم تمہارے حوالے کروں گا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔" شیخ جمال نے ہنس کر کہا۔

"بہت خوش ہو شیخ جمال! یہ بھول گئے کہ فائل میرے ہاتھوں تم تک پہنچی ہے۔ طارق کبھی ایسا نہ کرتا۔"

"مجھے اس سے دلچسپی نہین ہے۔ اب تم میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔ اگر تم نے ان کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ بھی رکھ لی ہے تو وہ بے حقیقت ہے۔ اب شیخ جمال

اتنا چوہا بھی نہیں ہے۔"

"تب وقت کا انتظار کرو۔ میں بہت جلد تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا ہو۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ احتیاطاً میں نے ایک پبلک کال بوتھ سے فون کیا تھا۔

گھر واپس آ کر میں نے دوسرا قدم اٹھایا۔ یعنی وہ لفافہ سیٹھ جبار کو پوسٹ کر دیا جس میں اینجل اور مسعود اختر کی تصویریں تھیں۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی منسلک کر دیا۔

اسی رات عظمت اور ایاز کے سامنے میں نے اپنی اس کارکردگی کا اظہار کیا۔ میں نے عظمت سے کہا۔

"عظمت میں نے تمہارے کام کی ابتدا کر دی ہے، مسعود اختر کو ہم بھی سڑک پر گولی مار کر ہلاک کر سکتے تھے لیکن دلچسپ بات یہ ہو گی کہ اب شیخ جمال اور سیٹھ جبار میں ٹھن جائے گی۔ یقیناً سیٹھ جبار، شیخ جمال سے اس بارے میں گفتگو کرے گا اور ڈرامہ مکمل ہو جائے گا۔ ہم لوگ انتظار کریں گے کہ شیخ جمال پر کیا رد عمل ہوتا ہے۔ اگر بہت ہی برا آدمی ہے اور ٹال جاتا ہے اس بات کو تو پھر دوسری چال چلی جائے گی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میری اس کارروائی سے مطمئن ہو یا نہیں؟"

"میں تو حیران ہوں۔ آپ نے خوب سوچا اور تقدیر نے آپ کو یہ موقع بھی فراہم کیا۔"

"ہاں عظمت اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حالات اب بدلتے جا رہے ہیں، ہمیں جہاں جہاں الجھنیں پیش آ رہی تھیں وہاں اب ہمارے لئے الجھنیں باقی نہیں رہیں لیکن ابھی کوئی ٹھوس قدم اٹھایا نہیں جا سکا۔ اس کے لئے ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" پھر ایاز سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہارے اس استاد نے تو میری گردن میں ایک بہت بڑا پھندا ڈال دیا ہے۔"

"کیا مطلب بھیا؟"

"میں چمن کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔" ایاز نے کہا اور میں نے ایاز کو چمن سے گفتگو کی تفصیل بتا دی۔ ایاز کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "چمن کے بارے میں آخری بات تو شاید کوئی بھی نہیں کہہ سکتا لیکن وہ ٹھنڈی طبیعت کا آدمی ہے۔ ممکن ہے اس کے ذہن میں کوئی خاص ہی پروگرام ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ اس نے امی اور فریدہ کے بارے میں کہیں سے کوئی سن گن پائی ہو اور آپ کو اسی سلسلے میں روانہ کرنا چاہتا ہو۔ حتمی طور پر اس نے آپ کو یہ بات اس لئے نہیں بتائی ہو گی کہ ممکن ہے کہ افواہ غلط ہو، میں اس کی فطرت کے تحت ایسا کہہ رہا ہوں۔

وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔" ایاز کی بات پر میں سوچ میں ڈوب گیا۔ چمن کی باتیں میرے ذہن میں چکرا رہی تھیں لیکن ان سے کہیں اس بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہ ایسا کوئی خیال چمن کے ذہن میں ہے تاہم میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ اس لئے اس وعدے کو نبھانا ضروری تھا۔ اس سے پہلے ایاز اور عظمت کے لئے کوئی بہتر بندوبست کرنا بھی ضروری تھا۔ لیڈی جہانگیر سے ملاقات کر کے اسے اس بارے میں بتانا تھا۔ ایاز اور عظمت گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے پھر ایاز نے پر خیال انداز میں کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دے؟"

"ناممکن تو نہیں ہے ایاز لیکن مناسب نہ ہو گا۔"

"کیوں بھیا؟"

"یہاں کے معاملات کون سنبھالے گا۔ لیڈی جہانگیر کی حفاظت بھی ضروری ہے اور پھر ممکن ہے کسی طور امی اور فریدہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔ اگر یہاں کوئی نہ ہو گا تو....."

"ہاں یہ بات تو ہے۔" ایاز نے کہا۔ میرے سمجھانے کے انداز سے وہ سمجھ گیا تھا۔ عظمت نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تب میں نے عظمت سے کہا۔

"شیخ جمال کا مسئلہ اس دوران میں حل ہو جائے گا عظمت! مسعود اختر کو اگر اس کے کئے کی سزا نہ ملی تو ہمارے پاس یہ حق محفوظ ہے۔ شیخ جمال سے حاصل کی ہوئی آدھی رقم تمہاری ہے۔ میں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دوں گا۔ تمہاری طرف کوئی متوجہ نہیں ہے۔ اس لئے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ گھر والوں کی بہتری کے لئے جس طرح چاہو خرچ کرو لیکن میری ایک درخواست ہے تم میرے ساتھ رہو۔ اس دنیا کو دیکھ رہے ہو۔ یہاں صرف دو ہی طبقے رہتے ہیں۔ ظالم اور مظلوم۔ جو ظالم نہیں ہوتے وہ مظلوم ہوتے ہیں۔ لوگ شرافت کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے مجبوری ہے۔ ہمیں وقت کی ضرورت کے مطابق زندہ رہنا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں تم بدستور لیڈی جہانگیر کے ساتھ رہو۔ اسی حیثیت سے رہو۔ اس وقت تک جب تک کوئی اور تبدیلی رونما نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی لیکن ایک بات پر مجھے اعتراض ہے۔ میں اس رقم کا حق دار نہیں ہوں۔"

"پھر اس کا حق دار کون ہے عظمت۔ کیا ہو گا اس رقم کا۔ اس کا مصرف بتاؤ۔" میں نے پوچھا اور پھر کافی رد و قدح کے بعد وہ تیار ہو گیا۔

امجد بھائی کا فون ملا تو مجھے پتہ چلا کہ طارق لندن جا چکا ہے۔ سیٹھ جبار کی بے چینی کا بھی پتہ چلا۔ امجد بھائی نے کافی کام کیا تھا انہوں نے بھائی کو بھی اندر کی سن گن لینے کے لئے لگا دیا تھا۔ پھر میں نے کچھ ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

"ہوں۔" ریسیور رکھنے کے بعد میں نے گہری سانس لی تو طارق اس فیلڈ سے آؤٹ ہو گیا۔ لندن چلا گیا۔ خیر جائے گا کہاں، ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔

امجد بھائی کا فون دوسرے دن صبح ہی صبح موصول ہوا تھا۔ انہوں نے سنسنی آمیز لہجے میں بتایا۔ "تمہاری پیش گوئی بالکل درست نکلی منصور زات کو خاصے خراب حالات تھے۔ صحیح تفصیل تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن بیگم صاحب اور اینجل بری طرح رو رہی تھیں اور سیٹھ جبار شدید غصے میں تھے۔ اینجل کو ایک کمرے میں قید کر دیا گیا ہے۔"

"ان لوگوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی یہ بالکل نہیں معلوم ہو سکا؟"

"نہیں بھئی بہت مشکل کام تھا۔ بند کمرے میں یہ سارا ہنگامہ ہوا تھا۔ مگر مجھے بتاؤ گے نہیں مسئلہ کیا تھا؟"

"نہیں امجد بھائی۔ فی الوقت نہیں لیکن اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو مجھے ضرور فون کریں۔" میں نے کہا اور امجد بھائی نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

طارق کا کھیل فی الوقت ختم ہو گیا تھا۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے میں تیار ہو کر باہر نکل آیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ لیڈی جہانگیر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ ان کے دروازے کا چپراسی موجود نہیں تھا ورنہ شاید انہیں میری آمد کی اطلاع مل جاتی۔ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر لیڈی جہانگیر ششدر رہ گئی تھیں۔

میں نے انہیں اب تک رونما ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل بتا دی اور جب انہیں چمن کے پروگرام کے بارے میں بتایا تو وہ چونک اٹھی۔

"چمن کہاں بھیج رہا ہے تمہیں؟"

"بس مجھے اسمگلنگ کا کچھ مال لے کر سفر کرنا ہے۔ جہاں جہاں بھی جانا ہو۔ میں نے ابھی اس بارے میں تفصیلات نہیں پوچھیں۔"

"واپسی میں کتنا عرصہ لگ جائے گا؟"

ایک ڈیڑھ ماہ۔"

"کیا تم یہ پروگرام ملتوی نہیں کر سکتے؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے گل۔" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے لرزاں تھے پھر اس نے تشویش سے پوچھا۔ "اور اگر خدا نخواستہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو؟"

"نہیں گل۔ یقین رکھو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

لیڈی جہانگیر کے چہرے پر جو خوشی نمودار ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔ میرے جانے کے خیال سے وہ بہت افسردہ تھی۔ بہرحال دوپہر کا کھانا ہم نے ساتھ کھایا۔ شام کو چار بجے میں گھر واپس آیا تو ایاز موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ چمن کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے

کہ اسے فون کر لوں۔

میں فون کی طرف بڑھ گیا۔ چمن فون پر مل گیا تھا۔

"مجھے تمہارے فون کا انتظار تھا۔ تغلق خان سے تو مڈبھیڑ نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ کوئی خاص بات؟"

"گروہ بنا رہا ہے۔ جیل توڑی ہے اس نے پچھلی رات۔ سزائے موت کے چند قیدیوں کو لے اڑا ہے۔ اب ان کی پرورش کرے گا اور ان سے کام لے گا۔ ایسے لوگ بہترین ساتھی ہوتے ہیں۔ ویسے ابھی تک تمہاری تلاش میں ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں لیکن چمن اگر واقعی کبھی حالات خراب ہو گئے تو مجبوراً مجھے بھی اپنا بچاؤ کرنا پڑے گا نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

"ایسے وقت سے بچنا منصور۔ ایسا نہ ہو تو بہتر ہے۔ ویسے اس کی آمد پراسرار ہے میرے لئے۔ ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

"یہ تم ہی معلوم کر سکتے ہو چمن۔"

"معلوم کر لوں گا لیکن وہ مجھ سے بھی بگڑ گیا ہے مجھے یقین ہے تمہاری تلاش میں اس کے آدمی میرے اڈے کی نگرانی بھی کر رہے ہوں گے۔"

پھر میں نے اسے طارق سے مڈبھیڑ کے بارے میں ساری تفصیل بتائی۔

"ہوں۔ بڑی گرم خبر سنائی ہے تم نے۔ ویسے میرے کام کے لئے تو تیار ہو؟"

"ہاں چمن۔ میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"میں تیاریوں میں مصروف ہوں۔ ٹھیک انیس تاریخ کو تمہیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ او۔ کے خدا حافظ۔" چمن نے کہا اور فون بند کر دیا۔

دوسرے دن ایاز نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا تھا۔ وہ بہت پرجوش نظر آ رہا تھا۔ میں اٹھ گیا۔ "یہ..... یہ اخبار چیف۔ یہ خبر پڑھو۔" ایاز نے اخبار میرے سامنے کر دیا۔ اخبار کی سرخی پر نظر پڑتے ہی میں اچھل گیا۔

"مشہور صنعت کار شیخ جمال کے جواں سال صاحبزادے مسعود اختر کی کار کے حادثے میں ہلاکت۔ کسی نامعلوم گاڑی نے ٹکر مار کر مسعود اختر کی کار کے پرخچے اڑا دیئے۔"

اس کے بعد پوری خبر تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ کل شام ایک سنسان سڑک پر مسعود اختر کار کے حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ اس گاڑی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا جس سے حادثہ ہوا تھا خیال ہے کہ وہ کوئی بھاری گاڑی ہو گی ورنہ اس خوفناک حادثے کے بعد اس کا بھی وہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ پولیس تفتیش کر رہی تھی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پولیس تو خیر قیامت تک اس گاڑی کا پتہ

نہیں چلا سکتی جس نے مسعود اختر کی کار کو ٹکر ماری ہے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم شیخ جمال کو اطلاع دے دیں کہ مسعود اختر کو سیٹھ جبار نے قتل کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مسعود اختر سیٹھ جبار کی بیٹی سے عشق کرنے لگا تھا.........

دن کے گیارہ بجے تھے جب عظمت جنگلی بیل کی مانند دندناتا ہوا گھس آیا۔ اس کا چہرہ جوش مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے بھیا! میں راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ کہیں تم نکل نہ گئے ہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"خیریت عظمت۔ خیریت تو ہے؟" میں نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔ میں عظمت کے اس جوش کی وجہ سمجھتا تھا۔

"اخبار۔ ذرا اخبار تو دیکھو۔ اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا اخبار نکال کر میری طرف بڑھایا اور اسی وقت اس کی نگاہ میرے قریب رکھے ہوئے اخبار پر پڑی اور اس کے جوش میں کمی واقع ہو گئی۔" تو...... تو تم دیکھ چکے ہو وہ خبر۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں.............. اور تمہارے دشمن کے کیفر کردار تک پہنچ جانے پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر ہم ابھی اسے معاف نہیں کریں گے عظمت! ابھی تو اسے کرب کے بے شمار مراحل سے گزرنا ہو گا۔ اس کا جرم اتنا معمولی نہیں تھا۔ سیٹھ جبار کا اور اس کا مسئلہ ابھی آگے بڑھنا چاہئے۔ میں اور ایاز اسی کے انتظامات کر رہے تھے۔ آؤ میں تمہیں تفصیل بتاؤں۔"

اور میں نے عظمت کو اینجل اور مسعود اختر کی تصویریں دکھائیں پھر مختصراً اسے تفصیل بتا کر بولا۔ "سیٹھ جبار بڑا شاطر ہے۔ شطرنج پر اس کی چالیں غیر جذباتی ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ مسعود اختر پر براہ راست وار کرتا یا شیخ جمال سے رابطہ قائم کر کے اسے کسی قسم کی دھمکی دیتا اس نے خاموشی سے راستے میں آنے والی گندگی صاف کرا دی۔ انسانی زندگی کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہے اور وہ اپنے راستے میں آنے والوں کو گھاس کوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

عظمت متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "مگر تم نے بھی خوب گیم دکھایا۔ بڑی گہری چال چلی تھی تم نے بھیا! جسے دو گھاگ چالباز بھی نہ سمجھ سکے۔"

"وقت نے یہی سکھایا ہے عظمت! کسی کو زہر دے کر نہ مارو بلکہ میٹھی گولیاں دے کر مارو۔ اسی میں کامیابی ہے۔ تم جوش جذبات میں شیخ جمال یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیتے۔ سب کا خیال سو فیصد تمہاری طرف جاتا کیونکہ تم جیل سے رہا ہوئے تھے اور تمہاری اور شیخ جمال کی دشمنی اظہر من الشمس بھی تھی۔ چنانچہ تم گرفتار ہو جاتے یا بقیہ زندگی ایک مفرور کی حیثیت سے گزارتے۔"

عظمت نے گردن جھکا لی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "زندگی

ایسے ہی بے پناہ مسائل کا مجموعہ ہے عظمت! اس سے جنگ کرنی ہوتی ہے۔ خود کو اس جنگ کے لئے تیار کرو۔ اس جنگ کے لئے بہت ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ گزرے ہوئے وقت کو بھول جانا بہتر ہو گا۔"

"میں اب ٹھیک ہوں منصور بھیا! اور آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔"

"تمہارے علم میں لا چکا ہوں عظمت! کہ کچھ روز کے لئے ملک سے باہر جاؤں گا وقت کا تعین نہیں کر سکتا کہ کب تک واپسی ہو۔ اس دوران میں تم بدستور لیڈی جہانگیر کے ساتھ رہو۔ واپس آنے کے بعد سوچیں گے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔

"شیخ جمال کی کیفیت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ بہرحال میں نے دوسرے مرحلے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اینجل اور مسعود اختر کی تصویروں کا ایک پیکٹ تیار کر کے شیخ جمال کے نام پوسٹ کر دیا اور اسی شام ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ "جی۔ فرمایئے۔ کون صاحب ہیں؟"

"شیخ جمال صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بیٹے کے قاتل کے بارے میں سمجھے.............."

"کیا مطلب؟"

"مطلب شیخ جمال ہی کو بتایا جا سکتا ہے۔ جاؤ شیخ جمال سے کہہ دو کہ اگر مسعود اختر کے قاتل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں تو مجھ سے بات کریں۔"

"جناب اگر ایسی کوئی بات ہے تو....." سیکرٹری نے کہا۔

"مسٹر سیکرٹری۔ بیس سیکنڈ کے اندر شیخ جمال صاحب سے بات ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔"

"ہولڈ آن پلیز۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیخ جمال شاید اسی کمرے میں موجود تھا جہاں سے بات ہو رہی تھی۔ چنانچہ چند لمحات کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"کون..... کون؟" شیخ جمال کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"تم مجھے بھی بھول گئے شیخ جمال۔ پانچ لاکھ میرے ہی قبضے میں آئے تھے لیکن تم میری ہمدردیاں کھو بیٹھے۔"

"آہ۔ تو کیا تم نے ہی؟ تم نے ہی!"

"نہیں شیخ جمال۔ میں ایسے گھٹیا کام نہیں کرتا..... تم نے دھوکا دہی کی تھی۔ انتقام بھی تم سے لیا جاتا۔ مسعود اختر سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ ہاں وہ زد میں آ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کا کھیل دوسرا تھا۔ سیٹھ عبدالجبار کو جانتے ہو؟"

"ہاں سیٹھ جبار کو کون نہیں جانتا۔"

"تمہارے بیٹے سے عشق چل رہا تھا اس کی بیٹی کا۔ ہمیں تو ایسی آسامیوں کی تلاش رہتی ہے۔ ان دونوں کی تصاویر سیٹھ جبار کو بھجوا دی گئی تھیں لیکن سیٹھ جبار سے یہ توقع نہ تھی۔"

"کیا مطلب؟" شیخ جمال کی آواز لرز گئی۔

"اس کی فیکٹری کے ایک ٹرک نے مسعود اختر کا کھیل ختم کر دیا۔ ظاہر ہے اس کی سزا وہ اپنی بیٹی کو کیسے دے سکتا تھا۔"

"بکواس۔ جھوٹ۔ یہ ناممکن ہے۔"

"ان دونوں کی تصاویر کا ایک پیکٹ میں نے تمہارے پاس بھی بھجوا دیا ہے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے میں نے سیٹھ جبار سے۔ جو بہرحال میں اس سے وصول کر کے رہوں گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آہ۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ذلیل انسان بکواس کر رہے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو دس لاکھ روپے میں تمہیں ادا کروں گا۔ ان تصاویر کو شائع کرا دو۔ ملک کے کونے کونے میں پھیلا دو لیکن ٹھہرو ابھی نہیں۔ تم مجھے کل فون کرنا۔ میں اس کمینے سے بات کر لوں۔ قصور اس کی بیٹی کا بھی تو تھا۔"

"ٹھیک ہے شیخ جمال مجھے دس لاکھ کی ضرورت ہے۔ تم دو یا سیٹھ جبار۔ میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے فون بند کر دیا اور ٹیلی فون بوتھ سے باہر نکل آیا۔

صرف یہ فون کرنے آیا تھا۔ کیونکہ اتنا خطرناک فون گھر سے نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ رہی دس لاکھ کی بات تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سیٹھ جبار سے ملیں گے اور نہ شیخ جمال سے۔ بلکہ اب دس لاکھ کا لالچ ان دونوں خطرناک انسانوں کو اپنے پیچھے لگانے کے مترادف تھا۔ اس لئے اس تصور کو بھی میں نے ذہن سے نکال دیا تھا اور اب اس فون کے نتیجے کا انتظار تھا۔

کئی دن گزر گئے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ امجد بھائی نے بھی فون نہیں کیا۔ مین خود ایسی کوئی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے خاموشی اختیار کی اور پھر ایک شام چمن کا فون ملا جو میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"چمن بول رہا ہوں۔ تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"میں نے تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ صرف تمہاری طرف سے انتظار ہے۔"

"میں تیار ہوں چمن! جب کہو گے چلا جاؤں گا۔"

"تب میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"

"اوکے۔ آ جاؤ۔" میں نے جواب دیا اور چمن نے فون بند کر دیا۔ میں دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے سوچتا رہا تھا۔ چمن کی اس پیش کش سے میں بہت الجھ رہا تھا۔ ملک سے باہر جانے کو قطعی دل نہیں چاہتا تھا لیکن چمن نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ واقعی بڑے آڑے وقت میں وہ میرے کام آیا تھا۔ میری یہ آزادی اسی کی رہین منت تھی اور اس کے بعد اس نے مجھے جو سہولتیں فراہم کی تھیں انہوں نے میری زندگی میں اعتماد پیدا کیا تھا۔ اس لئے میں اس کی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی کئی بار ذہن میں آیا تھا کہ ممکن ہے ملک سے باہر نکل کر امی اور فریدہ کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہو جائے۔ یہاں تو میں ان کی تلاش سے مایوس ہی ہو چکا تھا......

چمن مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ میں نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ بیٹھ گیا۔

"اور منصور۔ کیسے مزاج ہیں؟ مصروفیات ختم ہو گئیں تمہاری؟"

"ہاں۔ بس مصروفیات کیا تھیں۔ دل کو بہلانے کی کوششیں تھیں ہر لمحے ایک احساس ذہن میں رہتا ہے چمن! ممکن ہے کہیں سے کوئی اطلاع مل جائے۔ کہیں سے کئی خط آ جائے۔"

"میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں منصور! بلکہ یقین کرو میری پیش کش میں ایک نظریہ یہ بھی ہے بس ایک موہوم سی امید ہے ممکن ہے باہر کی دنیا میں تمہیں ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔"

"ہمت سے کام لو منصور۔ میں نے جو کچھ سوچا ہے' بے مقصد ہی نہیں ہے۔ ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں جس کی ابتدا کر رہا ہوں۔ ابھی تمہیں اس کی تفصیل نہیں بتاؤں گا اور براہ کرم اس پر اصرار مت کرنا۔ بہرحال صرف اتنا کہوں گا کہ یہ تمہارے مفاد میں ہے۔ یہ بتاؤ کب تک روانہ ہو سکتے ہو؟"

"اب یہ تم پر منحصر ہے چمن۔"

"میری طرف سے تو زیادہ سے زیادہ پرسوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔"

"بس تو کل دوپہر تک تم اپنی تمام تر ضروریات سے فارغ ہو جاؤ اور دو بجے میرے پاس پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد تم میری تحویل میں رہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ بس ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ایاز کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے دو۔" میں نے کہا اور چمن چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پرخیال سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ضروری سمجھتے ہو؟"

"اگر تمہاری اجازت مل جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔ مگر پھر اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ اس کے بعد فرصت نہیں ہو گی۔ میں کل ہی سے لوڈنگ شروع کرا دوں گا۔" میں نے گردن ہلا دی۔ چمن تھوڑی دیر بیٹھا اور اس کے بعد چلا گیا۔ میں سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ بس ایک عجیب سی اداسی ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔ جو نہیں بننا چاہتا تھا وہ بن گیا تھا۔ چرس فروشی کے الزام میں جیل گیا۔ قاتل کہلایا' بلیک میلر بنا اور اب اسمگلر بننے جا رہا تھا۔ وقت کی یہی مانگ تھی۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ میں کیا کرتا تقدیر نے تو مجھے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ ٹھیک ہے یہ بھی سہی۔

میں دیر تک ہونٹ بھینچے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا حسینہ سامنے آ گئی۔ آج وہ سنجیدہ تھی میں اسے دیکھنے لگا۔ اس لڑکی کی ذمے داری بھی تھی۔

"کوئی کام صاحب جی؟"

"کوئی نہیں حسینہ۔ تجھے اپنا گھر یاد نہیں آتا؟"

"یاد آنے کو تو بہت سی چیزیں یاد آتی ہیں صاحب جی' پر مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"حسینہ میں باہر جا رہا ہوں۔ نہ جانے کتنے دن لگ جائیں۔ عظمت کو جانتی ہو' نا۔ میں اسے ہدایات دے جاؤں گا۔ تو اس کے ساتھ اپنے گھر چلی جانا۔ وہ تیرے لئے سارا بندوبست کر دے گا۔"

"کیسا بندوبست؟" وہ تعجب سے بولی۔

"تیری آئندہ زندگی کا بندوبست۔ اس کے بعد تجھے نوکری کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تیرے بابا کو بھی کوئی پریشانی نہیں رہے گی' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کون کرے گا صاحب جی؟"

"میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا' نا۔"

"مگر صاحب جی۔ آپ اتنے سارے پیسے ہمیں کیوں دیں گے؟"

"اس لئے حسینہ' کہ تو محفوظ رہے۔ تیری سادگی' تیرا اعتماد باقی رہے۔ تو اپنی معصوم آرزوؤں کی قبر میں نہ سوئے۔ میں تیری زندگی چاہتا ہوں۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"تو ہماری زندگی کو خطرہ ہے صاحب جی؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی.....

"ہاں حسینہ۔ قدم قدم پر خطرہ ہے۔ تو خوش نصیب ہے کہ چند زخمی لوگوں کے درمیان آگئی اگر وہ زخم خوردہ نہ ہوتے تو تجھے زخمی کر دیتے۔ چمن کو تیری عزت' تیری سادگی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ مگر تو ان باتوں کو کہاں سمجھ سکے گی۔ بس عظمت جس طرح تجھ سے کہے اس طرح کرنا۔ بول وعدہ کرتی ہے؟"

"ٹھیک ہے صاحب جی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

عظمت آیا تو میں نے حسینہ کے سلسلے میں اسے ہدایات دیں اور عظمت نے وعدہ کر لیا کہ وہ خوش اسلوبی سے اس ذمے داری کو نبھائے گا پھر جب ایاز کو میں نے یہ خبر سنائی کہ وہ بھی میرے ساتھ جائے گا تو وہ خوشی سے پاگل ہو گیا۔ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

ضروری تیاریوں کے بعد دوسرے دن ہم دونوں چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔

چمن ہمارا منتظر تھا۔ فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا اور ایک کار میں ہم دونوں کو لے کر چل پڑا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کار طویل فاصلہ طے کر کے شہر سے باہر نکل آئی اور پھر وہ ایک تفریحی ساحل کے ایک ہٹ کے سامنے رکی تھی۔ ہم تینوں اتر کر ہٹ میں داخل ہو گئے۔ یہاں چار پانچ آدمی اور موجود تھے۔ ان میں ایک قوی ہیکل بوڑھا بھی تھا۔ جسے صرف عمر کے لحاظ سے بوڑھا کہا جا سکتا تھا۔ ورنہ وہ بہت توانا اور چاق و چوبند معلوم ہوتا تھا۔

"مارٹی۔ اندر آؤ۔" چمن نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور ایاز کو باہر رکنے کا اشارہ کر کے وہ ہٹ کے اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا جہاں فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ میں اور چمن بیٹھ گئے لیکن مارٹی مودبانہ انداز میں کھڑا رہا۔ چمن نے اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔

"یہ منصور ہیں۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر منصور!" مارٹی بے تاثر لہجے میں بولا۔

"منصور۔ اس دورے میں مارٹی تمہارا نائب رہے گا۔ یہی اس لانچ کا کیپٹن ہے۔ تجربہ کار آدمی ہے۔ سمندری امور میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ تم اس پر مکمل اعتماد کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"کب تک روانہ وہ سکتے ہو مارٹی؟"

"کل رات چیف۔ لوڈنگ مکمل ہونے والا ہے۔ ان آدمی لوگ کو بھی قبضہ میں لے لیا ہے۔"

"گڈ۔ منصور! اب تفصیل سمجھ لو۔ اس سفر میں تمہیں تین اسٹیشن کور کرنے ہیں۔ ادائیگی نقد ہو گی اور ساری دولت تم سنبھال کر رکھو گے۔ لانچ کا عملہ آٹھ افراد پر

مشتمل ہے۔ دس آدمی وہ ہوں گے جو اسمگل ہو کر جا رہے ہیں۔ مارٹی اور تم گویا کل بیس افراد ہوں گے اس لانچ پر۔" چمن نے ایک بریف کیس نکالا اور اس سے کاغذات نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

دیر تک وہ مجھے تفصیلات سمجھاتا رہا پھر بولا۔ "اس دوران میں تم اگر کہیں رکنا چاہو تو رک سکتے ہو۔ لانچ کا محافظ مارٹی ہو گا۔ میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔ بس اب میری ذمے داری ختم۔ اب واپسی میں تم سے ملاقات ہو گی۔" چمن نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ چمن مجھ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ مارٹی مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا......

"ہمارا لائق کوئی خدمت بتاؤ باس! مارٹی ہر طرح حاضر ہے۔"

"اس کے بعد کیا پروگرام ہے مارٹی؟"

"ہٹ میں آرام کرنا مانگتا آرام کرو۔ پوائنٹ پر جانا مانگتا پوائنٹ پر چلو۔ تھوڑا ٹائم میں کشتی آجائے گا۔"

"کشتی....؟"

"ادھر پوائنٹ پر گیا ہے۔ چھ آدمیوں کو چھوڑنا تھا۔ مگر ادھر آرام کا جگہ نہیں ہے ماسٹر۔ ریت کا ٹیلوں پر رات گزارنا پڑے گا۔ جیسا بولو۔"

"یہ پوائنٹ کہاں ہے؟"

"ادھر سے چار میل دور ہے۔ جسیرہ۔ تم نام سنا ہو گا۔"

"اوہ۔ ہاں سنا ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"تو پھر کیا آرڈر ہے۔ باس؟"

"پوائنٹ پر چلیں گے۔ یہاں رکنے سے فائدہ؟"

"فائدہ ہو سکتا ہے ماسٹر۔ جیسا بولو۔ جس چیز کا ضرورت ہو آجائے گا۔" مارٹی آنکھ دبا کر مسکرانے لگا۔

"نہیں مارٹی شکریہ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ایک بات بولے چیف۔ ناراض تو نہیں ہو گے۔"

"نہیں' کہو مارٹی۔"

"مارٹی سالا دو چیزوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ عورت اور شراب...... اور پھر سالا سمندر تو ان دو چیزوں کے بغیر چلتا ہی نہیں۔ باس آپ اجازت دو تو ایک آدمی اور بڑھا لیں؟"

"پہلے کس سے اجازت لیتے رہے ہو مارٹی؟"

"ابھی پہلا مرتبہ مارٹی اسسٹنٹ بنا ہے اپن' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کوئی نیا حکم نہیں مسلط کرنا چاہتا جو دل چاہے کرو۔" میں نے

کہا اور مارٹی میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ مارٹی کے جانے کے بعد ایاز میرے پاس آگیا اور میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"سب ٹھیک ہے نا بھیا؟"

"ہاں ایاز۔ اسمگلر بننا مبارک۔" میں نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

"سب چلتا ہے مگر بھیا ایک بات کسی طور میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ایاز گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ چمن مجھ سے خار کھانے لگا ہے۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ میں نے کئی بار محسوس کیا ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہ سخت تو ہمیشہ سے ہے لیکن ایسا بھی نہیں۔ مجھے تو یوں گھورتا ہے جیسے میں اس کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ ممکن ہے' صرف تمہارا خیال ہو۔ بظاہر تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے تمہیں بخوشی میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ وہ منع بھی کر سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

ایاز نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مارٹی چلا گیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد کشتی آ گئی۔ مارٹی ہی اس کی اطلاع لے کر آیا تھا۔ "کشتی آ گیا ہے ماسٹر۔ اپنا سامان سنبھال لو اور اس کا بعد چلو۔ ہم تو اب بھی یہی کہتا ہے باس کہ نائٹ ادھر گزارو صبح کو آرام سے چلیں گا......"

"چلو۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور مارٹی نے شانے ہلا دیئے پھر میں اور ایاز باہر نکل آئے۔ ساحل پر ایک کشتی کھڑی ہوئی تھی جو سرخ اور سفید رنگ کی تفریحی کشتی تھی۔ اس کے بادبان پر ایک مونوگرام بنا ہوا تھا۔ جس پر ٹی۔ ایس لکھا تھا۔

کشتی پر صرف ایک ملاح تھا۔ یوں بھی وہ چھوٹی سی تھی اور چند لوگ اس پر سفر کر سکتے تھے۔ مارٹی ہمارے ساتھ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کشتی چل پڑی۔ میں اور ایاز خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ مارٹی کئی بار چور نگاہوں سے میرا جائزہ لے چکا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا بہرحال میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ کشتی کا سفر بہت طویل تھا۔ حالانکہ بادبان میں بھری ہوا اسے برق رفتاری سے چلا رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ تقریباً اسی منٹ تک سفر کرتی رہی اور پھر دور سے ایک ٹاپو نظر آنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی ساحل سے جا لگی۔ یہاں کئی افراد تھے جو ہمارے نزدیک آ گئے۔

"انچارج۔" مارٹی نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور ان لوگوں نے گردن جھکا دی۔

"لانچ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس طرف ہے باس۔" پہلے سے موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اور میں

اس طرف چل پڑا۔ چھوٹے سے ٹاپو کو ریت کا جزیرہ کہا جا سکتا تھا۔ یہاں ریت کے ٹیلوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد لانچ نظر آنے لگی۔ یہاں بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ سب اٹھ گئے اور ہمارے پاس آ گئے۔ سوائے ایک پستہ قد نوجوان کے۔ وہ ریت کے ٹیلے سے پشت لگائے بیٹھا چاقو سے ایک مسواک نما لکڑی کو چھیل رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر ہماری طرف نہیں دیکھا تھا اور بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

میں نے اس پر توجہ نہیں دی اور لانچ پر اتر گیا۔ کافی بڑی لانچ تھی۔ چھوٹا موٹا جہاز معلوم ہوتی تھی۔ پوری لانچ پر کارٹن لدے ہوئے تھے۔ لکڑی کی پیٹیاں قرینے سے چنی ہوئی تھیں۔

"پورا مال لوڈ ہے چیف!" مارٹی نے بتایا۔

"تب پھر انتظار کیوں ہے؟"

"کل نائٹ کو سفر اسٹارٹ کروں گا۔ کیونکہ کل کا کلیرنس ہے آج رات گشت ہے۔"

"گشت......؟"

"ہاں چیف۔ بس ضروری کارروائی ہوتا ہے۔ کل موسم صاف ہو گا۔" مارٹی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مارٹی۔" میں نے چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد کہا اور پھر اس شخص کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"وہ...... وہ گیشی ہے چیف۔ لانچ انجینئر' بے مثال انجینئر ہے وہ ہمارا۔ ماتحتوں میں نہیں آتا۔ کنٹریکٹ پر کام کرتا ہے۔"

"اسی لانچ سے سفر کرے گا؟"

"ہاں۔ انجن کی دیکھ بھال اسی کی ڈیوٹی ہے۔"

"مغرور آدمی ہے۔"

"کریک ہے۔" مارٹی نے کہا اور میں دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اوکے چیف۔ اجازت ہے۔ ہم جائیں؟" میں نے گردن ہلا دی اور مارٹی ان لوگوں کو ہدایات دے کر کشتی کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کشتی واپس جا رہی تھی۔ میں نے ایاز کا ہاتھ پکڑا اور دوبارہ لانچ پر پہنچ گیا۔ ہم دونوں خاموشی سے لانچ کا جائزہ لے رہے تھے۔

یہاں کافی گرمی تھی لیکن جوں جوں شام ہوتی جا رہی تھی موسم بہتر ہوتا جا رہا تھا

اور رات تو کافی خنک تھی۔ ریت کے ٹیلے ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ رات کا کھانا ان لوگوں نے تیار کیا اور احترام سے میرے سامنے پیش کیا پھر ہم ریت ہی کے ایک ٹیلے پر سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔

"ایاز۔" کافی دیر کے بعد میں نے ایاز کو پکارا تھا۔ ایاز میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس گیشی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بدمزاج آدمی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہوں۔" میں چند ساعت خاموش رہا پھر میں نے کہا۔ "راستے میں ٹھیک کر لیں گے لانچ روانہ ہونے دو۔" ایاز خاموش رہا پھر ہم سو گئے۔ جزیرے کی صبح بے حد خوشگوار تھی۔ پرندوں کے غول سمندر کی لہروں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ مشرق سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دوپہر حسب معمول گرم ہوتی جا رہی تھی۔ چار بجے ایک بڑی کشتی جزیرے پر آئی اور اس سے وہ لوگ نیچے اتر آئے جو ملازمت کی تلاش میں نقل وطن کر کے غیر قانونی طور پر جا رہے تھے۔ پریشان حال لوگ تھے اور گھبرائے گھبرائے لگ رہے تھے۔

سات بجے کشتی نے آخری چکر لگایا اور اس میں مارٹی کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ چست پتلون میں ملبوس اچھی خاصی..... شکل و صورت کی مالک تھی۔ تمام لوگوں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ مارٹی نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی اور لڑکی کو لانچ پر پہنچا دیا۔ کشتی واپس چلی گئی تھی۔

"کیسا گزرا باس۔ کوئی الجھن تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ سب ٹھیک ہے مارٹی کس وقت چلو گے یہاں سے....؟"

"ٹھیک گیارہ او کلاک۔" مارٹی نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم لانچ پر پہنچ گئے۔ دوسرے لوگ بھی آ گئے تھے۔ گیشی انجن روم میں داخل ہو گیا۔ دوسرے ملاح بھی اس کے ساتھ تھے۔

رات کو گیارہ بجے جب سمندر پر گہری خاموشی اور سکوت طاری تھا لانچ کا انجن اسٹارٹ ہو گیا اور لانچ نے ساحل چھوڑ دیا۔ میں اور ایاز ایک گوشے میں کھڑے ہوئے تھے۔ ایاز بھی خاموش تھا اور میں بھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مارٹی ہمارے پاس آ کھڑا ہوا۔

"کتنے دن کے بعد چکر لگاتے ہو؟" میں نے خاموشی توڑنے کی غرض سے کہا۔

"کوئی تعین نہیں باس۔"

"یہ لانچ چمن کی ہے؟"

"ہاں چمن ہی کا ہے۔"

سمندر پر سکون تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایک بھی تارا نہیں تھا۔ تقریباً دو بجے تک ہم جاگتے رہے۔ لیکن مارٹی اجازت لے کر چلا گیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔

"ڈھائی بجے میں اور ایاز اپنی منتخب جگہ آرام کرنے لیٹ گئے۔ یہ سفر دو رات اور ایک دن کا تھا۔ تیسرے روز کی صبح ہمیں منزل پر پہنچنا تھا۔ سر پر کھلا آسمان تھا اور نیچے سمندر۔ ہم ایک مخدوش سفر کر رہے تھے۔ اس خاموشی میں خیالات کا طوفان امڈ رہا تھا لیکن میں اس طوفان سے بچ کر سونا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ طوفان مجھ سے نیند چھین لے گا۔

دفعتاً دھیمے سروں میں سیٹی کی آواز سنائی دی اور میں گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔ سیٹی کی آواز دور نہیں تھی پھر ایک سایہ نظر آیا جو سست قدموں سے چل رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سیٹی کی آواز رک گئی۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا پھر سایہ میری طرف چل پڑا۔ گو اس کے خدوخال واضح نہیں تھے لیکن تاریکی کی عادی آنکھوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ مارٹی کی محبوبہ تھی۔ لانچ کی اکلوتی لڑکی۔

"ہیلو۔" اس کی آواز خوبصورت تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاگ رہے تھے یا سیٹی کی آواز سے جاگ گئے؟" وہ دوبارہ بولی......

"کہاں گھوم رہی ہو؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا اور وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنس پڑی۔

"یاد آ گیا کہ انچارج ہو۔"

"مارٹی کہاں ہے؟"

"لانچ پر ہی ہے اور ناک تک چڑھا کر گہری نیند سو گیا ہے...."

"تمہیں نیند نہیں آئی؟"

"عموماً آ جاتی ہے۔ آج نہیں آئی۔ بیٹھ جاؤں؟" اس نے پوچھا۔ میں نے ایاز کی طرف دیکھا۔ اس کے گہرے گہرے سانس ابھر رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا اور وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جین...... جین ووڈکر۔"

"دیسی عیسائی ہو؟"

"ہاں۔ مارٹی کی ہم نسل۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ کیا باتیں کرتا اس سے چند لمحات خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔"

"ہاں۔ پہلی بار ہی سفر کر رہا ہوں۔"

"اور وہ بھی انچارج کی حیثیت سے۔" اس کا انداز پھر مضحکہ خیز ہو گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے اس کے لہجے کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"میرا خیال۔ سچ بولوں یا جھوٹ؟"

"سچ ہی بولو۔"

"میرے خیال میں تو یہ سب مل کر تم سے مذاق کر رہے ہیں۔ جیسے کسی بچے کو بہلا رہے ہوں۔ اسے بڑے ہونے کا احساس دلا رہے ہوں۔ کیا تم نے یہ بات محسوس نہیں کی؟"

"میں اتنا ذہین نہیں ہوں۔" میں مسکرا کر بولا۔

"نو عمر ضرور ہو۔ تجربہ نہیں ہے زندگی کا۔ کسی دولت مند شخص کے بیٹے ہو گے یا پھر کسی خاص شخصیت کے منظور نظر۔"

"عمر تو تمہاری بھی اتنی زیادہ نہیں ہے جین!"

"ہاں...... لیکن تجربہ عمر سے تین گنا زیادہ ہے۔"

"محبوبہ بننے کا؟"

"نہیں۔ انسانوں کی فطرت سمجھنے کا۔"

"خوب۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"چابی کے گڈے ہو..... اور بس۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"پہلی خوبی علم میں آئی۔" وہ ہنس پڑی۔

"وہ کیا؟"

"ٹھنڈے ذہن کے مالک ہو۔ ایسے ذہن کچھ بن جانے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔"

"مارٹی کے ہاتھ کہاں سے لگ گئیں؟" میں نے بات بدلنے کے لئے پوچھا۔

"کوئی طویل اور دل گداز کہانی نہیں ہے۔ عورت ہوں۔ جوان ہوں اور انسان بھی ہوں جو ضرورتوں کا غلام ہوتا ہے۔ بس ان تین باتوں نے مارٹی کے قریب کر دیا۔ اس سے قبل کسی اور کی غلام تھی۔ ممکن ہے مارٹی کے بعد بھی کسی اور کے سامنے اظہار وفاداری کرنا پڑے۔"

"کوئی اور بھی کہانی ہے اس روئے زمین پر جین، چہرے کتنا دھوکا دیتے ہیں۔ ہم کسی کو پسند کرتے ہیں کسی سے نفرت کرتے ہیں ہمیں اس کے باطن کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ ہر ہنستے مسکراتے چہرے کے پیچھے ایک کہانی چھپی ہوتی ہے۔ ایک درد ناک کہانی! یہ دنیا ہے۔ اسے ہی دنیا کہتے ہیں۔ تعجب ہے۔ سخت تعجب ہے۔"

جین نے گردن جھکا لی تھی۔ دیر تک وہ سر جھکائے بیٹھی رہی پھر میری طرف

دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ "ان دکھوں کی دنیا سے نمٹنے کا طریقہ جانتے ہو؟"

"نہیں جین!" میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی پھر اس کے ہونٹوں سے سیٹی کی دھن نکلی اور اٹھ گئی پھر اسی انداز میں سیٹی بجاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں اسے آواز دینے کے لئے منہ کھول کر رہ گیا۔ میرے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ وہ نگاہوں سے معدوم ہو گئی اور سمندر کی تاریکی کچھ اور بڑھ گئی۔ آسمان اور سمندر یکجا لگ رہے تھے۔ تاریک اور ویران۔

"ایک اور طریقہ ہے ان دکھوں کو بھولنے کا۔" دفعتاً ایاز کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کہ آنکھیں بند کر کے گہری نیند سو جاؤ۔ بس۔ اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہے۔ شاید نیند اسی لئے انسان کو بخشی گئی ہے۔"

ایاز کے الفاظ عجیب تھے میں ان پر غور کرنے لگا اور پھر میرا ذہن نہ جانے کہاں سے کہاں بھٹک گیا۔ نہ جانے کیا سوچنے لگا تھا میں۔ چند آنکھیں میرے تصورات میں گردش کر رہی تھیں وہ آنکھیں جن میں آنسو ہوں گے، انتظار کی چمک ہو گی اور مایوسی ہو گی.........

چمک دار دن کا آغاز ہو گیا۔ روشنی پھیل گئی تھی لیکن آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں خاموش ماحول کا جائزہ لے رہا تھا کہ مارٹی نے خیالات کا طلسم توڑ دیا۔

"ناشتہ تیار ہے ماسٹر۔"

"اوہ۔ شکریہ مارٹی۔" ناشتے پر صرف مارٹی میرے ساتھ تھا۔ موسم اور سمندر کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر بولا۔

"وہ بدمعاش شراب لے کر بیٹھ گیا ہے۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"کیشی، بولتا موسم ہی ایسا ہے ہم کیا کروں۔ لانچ کا انجن بند کر کے اسے لنگر انداز کر دو۔"

"پی کر آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

"کم ظرف ہے۔ چند پیگ سے زیادہ کا نہیں ہے۔ آج دن بھر پیئے گا اور ہنگامہ کرتا رہے گا۔" مارٹی نے گردن جھٹک کر کہا۔

"اگر اس کی ضرورت پیش آ گئی تو؟"

"کہہ چکا ہے کہ لانچ کے انجن بند کر کے اسے لنگر انداز کر دو۔"

"تو اسے شراب پینے سے منع کر دو۔" میں نے کہا اور مارٹی کا ہاتھ رک گیا پھر وہ گردن کھجاتا ہوا بولا۔

"ذلیل انسان ہے۔ کسی کا بات نہیں سنتا۔"

"اسے سیدھا کرو مارٹی۔ یہ بات ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

"لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مارشل آرٹس کا ماہر ہے۔اور کسی گینڈے ...
مافوق طاقت ور ہے۔ جانے دو چیف۔ لانچ ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔" مارٹی نے کہا۔ ...
خاموشی سے چائے پیتا رہا اور ناشتہ ختم کر کے اٹھ گیا۔

"آؤ مارٹی۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟"

اور مارٹی چونک پڑا۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"جھگڑا ٹھیک نہیں رہے گا ماسٹر۔"

"تم لوگ مجھے ڈمی سمجھ رہے ہو شاید' گیشی کہاں ہے؟" میں نے کرخت لہ...
میں پوچھا اور مارٹی نے شانے ہلا دیئے پھر آگے بڑھ گیا۔ میں اور ایاز اس کے ساتھ تھے۔
لانچ کے ایک حصے میں گیشی نظر آ گیا۔ اس کے سامنے بوتل اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔
تھوڑے فاصلے پر جین ریلنگ سے ٹکی کھڑی تھی۔

میں گیشی کے پاس پہنچ گیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ "تمہیں انجن روم
میں ہونا چاہیئے تھا۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا اور گیشی کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر اس نے
غضب ناک انداز میں مارٹی کو پکارا۔

"مارٹی یہ کیا بک رہا ہے۔ اسے بتاؤ۔ میں کون ہوں۔" میں نے اس کے سامنے
رکھی ہوئی تپائی پر ٹھوکر ماری اور بوتل اچھل کر دور جا گری۔

"مارٹی تمہیں بتا چکا ہے کہ میں انچارج ہوں اور اس وقت لانچ پر جتنے لوگ
موجود ہیں وہ میرے چارج میں ہیں خواہ ان کی حیثیت کچھ بھی ہو۔ اٹھو اور انجن روم میں
جا کر اپنی ڈیوٹی انجام دو۔ اور سنو۔ شام کو سات بجے سے قبل شراب کو ہاتھ لگایا تو سزا ملے
گی۔"

گیشی کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ بھی جیسے خون اگل
رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر گھونسہ تان کر مجھ پر لپکا۔ مارٹی کے حلق سے آواز
نکل گئی تھی۔ میں نے نہایت اطمینان سے گیشی کے گھونسے کو اپنی کلائی پر روکا اور الٹا ہاتھ
اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ گیشی کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلا
دیئے۔

"گیشی۔ گیشی کیا دیوانگی ہے۔ ہوش میں آؤ۔ تم حماقت...." اس کے ساتھ ...
وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ورنہ گیشی کی زد میں آ جاتا گیشی نے سر جھکا کر کسی بھینسے کی
طرح ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ایک پاؤں اٹھا دیا اور اس کے سر پر ٹھوکر
رسید کر دی۔ اس کے ساتھ ہی پلٹ کر دوسری ٹھوکر میں نے اس کی گردن پر ماری اور پھر

چھلانگ لگا کر اس کے قریب پہنچ گیا لیکن گیشی بھی اب پوزیشن لے چکا تھا۔

"گیشی۔ میں آخری بار تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ انجن روم میں جاؤ اور اپنی
ڈیوٹی انجام دو۔ ورنہ اس بدتمیزی پر میں تمہیں ناکارہ کر دوں گا۔" جواب میں گیشی نے
فضا میں ہاتھ نچائے اور تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اس کے پاؤں میری پنڈلیوں کی طرف
بڑھے اور میں پیچھے ہٹتا رہا پھر مجھ پر بھی جنون سوار ہو گیا۔ جین نے کہا تھا کہ میں ڈمی
ہوں۔ میں یہ خیال ان سب کے ذہن سے مٹانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا۔

گیشی اگر مارشل آرٹس کا ماہر تھا تو جلال بابا نے مجھے بنوٹ کا فن دیا تھا۔ ایک
مضبوط ڈنڈا ہاتھ آ جائے تو پورے مجمع کو گرایا جا سکتا تھا۔ اب ان ساری صلاحیتوں کو سینے
میں گھونٹ کر رکھنے سے کیا فائدہ تھا۔ چنانچہ میں اچھلا اور گیشی کی کمر پر ایک چپٹی لگائی۔
وہ سیدھا ہوا تو میں نے اس کی گردن میں قینچی ڈال کر اسے پٹخ دیا پھر اٹھا تو میری لات اس
کی پیشانی پر پڑی۔ گیشی سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا لیکن میں نے چپڑاس ماری اور وہ نیچے
گر پڑا۔ ایک لمحے کے لئے میں اس کی پنڈلیوں پر کھڑا ہوا اور پھر میں نے پنڈلیوں میں پاؤں
پھنسا کر اسے الٹا کر دیا اور اس کے فوراً بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی پر دو ضربیں لگا دیں۔ اتنا
ہی کافی تھا۔ گیشی ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ وہ اوندھا پڑا
ہاتھ پاؤں مار رہا تھا سر پٹخ رہا تھا اور اس کے چہرے سے سخت کرب کے آثار ہویدا
تھے........

"بچاؤ۔ بچاؤ۔ مر جاؤں گا۔ آہ۔ میں مر رہا ہوں۔"

"مارٹی۔ مجھے بتاؤ یہ کون ہے۔ یا پھر اسے بتاؤ میں کون ہوں۔"

"آہ.... آ آ آ .... آہ.." گیشی سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں جانتا تھا
کہ اس کی ہر جنبش اسے مزید تکلیف دے گی۔ تمام لوگ گیشی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"اس کا کوئی ہمدرد؟" میں نے انہیں گھورا اور آگے بڑھ کر گیشی کے بال پکڑ
لیے۔ اسے اٹھایا اور پھر ایک ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ گیشی کے منہ سے خون
کی دھار پھوٹ نکلی تھی۔ سارا مجمع خاموش تھا۔ کسی نے دم مارنے کی جرات نہیں کی
تھی۔

"شام سات بجے سے پہلے' کوئی شراب کی بوتل کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ سن لیا تم
لوگوں نے؟" میں نے غرا کر کہا۔

"یس چیف!" بہت سی آوازیں ابھریں۔ لوگ معنی خیز نگاہوں سے ایک
دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مارٹی کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ میں نے ایاز کا ہاتھ پکڑا
اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ گیشی کی دھاڑیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ کسی نے اسے
اٹھانے کی کوشش کی تو وہ بری طرح چیخ پڑا۔

"وہ مر تو نہیں جائے گا بھیا؟" ایاز نے پوچھا۔

"نہیں اس کا امکان نہیں ہے۔"

"تم نے کہا تھا راستے میں اسے ٹھیک کر دیں گے' سو کر دیا۔ خدا کی قسم جیل کے دن یاد آ گئے...... اب انھیں اندازہ ہو گا کہ انچارج کیا ہے۔" ایاز بولا۔ میں خاموش ہی رہا تھا۔

"تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد' مارٹی نے میرے پاس آ کر وہی سوال کیا۔ "وہ مر تو نہیں جائے گا چیف' مسلسل تڑپ رہا ہے۔"

"اس سے پوچھو مجھے پہچان گیا ہے یا نہیں؟"

"بہت بری حالت ہے اس کی' چیخ چیخ کر آواز بیٹھ گئی ہے۔ میرا خیال ہے شام تک مر جائے گا۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"اس؟" مارٹی نے تعجب سے پوچھا اور میں اٹھ گیا۔ میں نے مارٹی کو اشارہ کیا اور وہ جلدی سے میرے ساتھ چل پڑا۔ گیشی کی حالت واقعی خراب تھی۔ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا آنکھیں زرد پڑ گئی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور گردن پٹخ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کی ریڑھ کی کڑیاں چڑھ گئی ہیں۔ میں نے اس کا گریبان پکڑا اور وہ کرب سے چیخ پڑا۔

"نہیں۔ آہ نہیں....." لیکن میں نے اسے کمر پر لاد کر پھر زمین پر دے مارا اور پھر اس کی دونوں ٹانگیں الٹی موڑ کر ایک گھٹنا اس کی کمر پر رسید کر دیا۔ گیشی کے حلق سے ایک دلدوز چیخ ابھری اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ مارٹی کے چہرے پر بدحواسی کے آثار تھے۔

"کیا یہ۔ کیا یہ مر گیا؟" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں مارٹی۔ ٹھیک ہو گیا ہے۔ لٹا دو اسے ہوش میں آئے گا تو ٹھیک ہو گا لیکن اسے اور دوسرے لوگوں کو سمجھا دینا۔ جب تک اس لانچ پر موجود ہیں میرے ماتحت ہیں۔" میں نے کہا اور وہاں سے واپس آ گیا۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ کون میرے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے۔

شام ہو گئی۔ بادل اور گہرے ہو گئے تھے۔ ایاز مجھے خبر دے چکا تھا کہ گیشی ہوش میں آ چکا ہے اور اب ٹھیک ہے۔ "دوسرے لوگوں کے کیا خیالات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ پر اسرار سا ماحول ہے استاد۔ وہ لوگ مجھ سے بھی محتاط ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ہمیں دوست کی نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں۔"

"اونہہ۔ کوئی پرواہ نہیں ہے ایاز۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مارٹی کہاں ہے؟"

"دوربین لئے آسمان دیکھ رہا ہے۔"

"کس طرف ہے؟" میں نے پوچھا اور ایاز مجھے مارٹی کے پاس لے گیا۔ مارٹی کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ "کیا بات ہے مارٹی؟"

"بادلوں کا رنگ ٹھیک نہیں ہے باس! طوفان کے...... آثار ہیں۔" مارٹی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ "طوفان ضرور آئے گا باس! ہمیں انتظامات کر لینے چاہئیں۔"

"ہاں۔ انتظامات کر لو۔ آؤ' انجن روم چلیں۔" میں نے کہا اور ہم انجن روم میں آ گئے۔ تین افراد انجن سنبھالے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے انجن کی کارکردگی کے بارے میں پوچھا اور انھوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر میں اور ایاز لانچ کے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ ہر طرف گہری تاریکی مسلط تھی' طوفان کی آمد آمد تھی۔ فضا پر ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں آسمان پر بادل گرجنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بجلی بھی چمک رہی تھی۔ آسمان بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں۔ ہوائیں تیز ہو گئیں اور لانچ ڈگمگانے لگی۔ طوفان آ گیا تھا۔ بجلی چمکتی تو سمندر کی لہریں خوفناک اژدہوں کی مانند لانچ کی طرف لپکتی نظر آتیں پھر بارش شروع ہو گئی اور کان سن ہونے لگے۔ طوفان کا مہیب شور برپا ہو گیا تھا۔ لانچ پر افراتفری پھیل گئی تھی۔ ملاح اور دوسرے لوگ دوڑتے پھر رہے تھے اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے۔ کارٹن پہلے ہی ترپالوں سے ڈھک دیئے گئے تھے لیکن طوفانی ہوائیں ان ترپالوں کو اڑائے پھینک رہی تھیں۔ ملاح ان حالات میں بھی اس مال کی حفاظت کے اقدامات کر رہے تھے۔ میں اور ایاز ایک ریلنگ مضبوطی سے پکڑے کھڑے' ان ہنگامی کارروائیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ لانچ پوری طرح طوفان میں گھر چکی تھی۔

دفعتاً مارٹی کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی اور وہ منہ کے آگے ہاتھوں کا بھونپو سا بنا کر چیخا۔ "ماسٹر۔ ماسٹر وہاں سے ہٹ جاؤ۔ خطرہ ہے کوئی اڑتا ہوا چیز لگ جائیں گا وہاں سے ہٹ جاؤ۔"

"سب ٹھیک ہے مارٹی۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے چیخ کر جواب دیا۔ پتہ نہیں مارٹی نے میری بات سنی یا نہیں۔ چند لمحات کے بعد وہ میرے پاس آ گیا۔

"طوفان بہت زور دار ہے باس کوئی محفوظ جگہ پکڑو۔ ورنہ زخمی ہو جائیں گا۔"

"تم بے فکر رہو مارٹی۔ اپنے کاموں میں مصروف رہو۔ لانچ کی کیا کیفیت ہے؟"

"انجن بند کر دیا ہے...... گیشی انجن روم میں موجود ہے وہ نگرانی کر رہا ہے۔ ہم چیختا ہے ماسٹر' بہتر ہو گا کہ آپ کھلی جگہ نہ کھڑے ہوں ورنہ زخمی ہو جائیں گا۔"

"میری فکر مت کرو مارٹی! یہ مال جو لانچ میں لدا ہوا ہے خراب ہو جائے گا۔"

مجھے اس کا افسوس ہے۔" میں نے کہا اور مارٹی میری بات پر ہنس پڑا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"کیوں؟ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"سمندر کسی کا غلام نہیں ہوتا۔ نہ ہی کسی کا بات مانتا ہے۔ وہ آزاد ہے اور جب جولانی پر آتا ہے تو من مانی کرتا ہے۔ ہم لوگ سمندر کا اس مستی کے لئے تیار رہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دوسرے معاملات کا خیال رکھنا پڑتا ہے لیکن سمندر اگر کوئی بدسلوکی کرے تو الزام کسی پر نہیں آتا۔ یہ تو اپنا مال ہے اگر کسی دوسرے کا مال بھی ہوتا تو ان حالات میں کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ خواہ نقصان کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔" مارٹی نے جواب دیا اور پھر لپک کر ایک ریلنگ کو پکڑ لیا ورنہ ہوا کا ایک طاقتور جھونکا اسے اڑا کر سمندر میں پھینک دیتا۔

"باس پلیز۔ کوئی محفوظ جگہ پکڑ لو۔ مال کا پرواہ مت کرو۔ ان ساری چیزوں کو طوفان کے بعد دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اپنی حفاظت کرو۔ میں کچھ دیر کے بعد یہاں سے ہٹ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور مارٹی اپنا توازن سنبھالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ میری کیفیت کو کیا جان سکتا تھا۔ اسے میرے اندر اٹھنے والے طوفانوں کی خبر نہیں تھی۔ کسی قومی ادارے کا انجینئر کسی اسپتال کا مصروف ترین ڈاکٹر۔ خوبصورت عمارتیں بنانے کا خواہش مند' بنجر زمین کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر دینے کی آرزو کرنے والا' ایک ملک دشمن انسان کی حیثیت سے' ایک اسمگلر کی حیثیت سے موت و زیست کے درمیان کھڑا..... اس سمندری طوفان کو دیکھ رہا تھا جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

ایاز میرے ساتھ تھا۔ اس کا خیال آیا تو میں چونک پڑا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کے بازو پر رکھ دیا۔ "اس سے قبل تو سمندری طوفان نہیں دیکھا ہو گا ایاز۔" میں نے پوچھا اور ایاز ہنس پڑا۔

"نہیں منصور بھیا! کبھی نہیں۔"

"کیسا لگ رہا ہے؟"

"یقین کر لو گے میری بات پر؟"

"کیوں نہیں۔"

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بے حد دلکش۔ بس عجیب سے خیالات ذہن میں آ رہے ہیں۔"

"ڈر تو نہیں لگ رہا؟"

"خدا کی قسم بالکل نہیں۔ ہاں اگر تم خوفزدہ ہوتے تو میں تم سے زیادہ ڈرتا۔ میرا تو تم ہو بھیا!" ایاز نے کہا اور میں اس کے ان الفاظ میں کھو گیا۔ ایاز کے بازو پر میری گرفت سخت ہو گئی۔

"تم نے ایک سائے سے پیار کیا ہے ایاز۔ کیا دے سکتا ہوں میں تمہیں؟"

"یہ سایہ میری پشت پر بہت چوڑے ستون کی حیثیت رکھتا ہے بھیا! ایسی باتیں مت کرو۔ تم نے مجھے جو کچھ دے دیا ہے وہ اتنا ہے کہ مزید جو کچھ ملے گا اسے میں سنبھالے نہ سنبھال سکوں گا۔"

"میں نے تمہیں کیا دیا ہے ایاز؟"

"تم نے بھیا.... تم نے میری ملاقات مجھ سے کرا دی ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے کہ اسے اسی سے ملا دے۔ ایاز کیا تھا؟ کچھ نہیں۔ کھونٹی پر لٹکا ہوا تولیہ یا دہلیز پر پڑی ہوئی جوتیاں' کیا تھا ایاز؟ سڑکوں اور گلیوں میں پھرنے والا ایک آوارہ بھوکا' جیب تراش جو صرف انسانوں کی جیبیں بھانپنے میں ماہر تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا تھا کہ کون کتنا دکھی ہے۔ کس نے کہاں سے کچھ حاصل کیا ہے' بس ایک مشین تھی جو عمل کرتی تھی' انسانوں کو پہچاننے کے ناقابل' کسی سڑک یا گلی پر پکڑا گیا تو دس بیس لوگوں نے کپڑے پھاڑ دیئے' جوتے مار مار کر حلیہ بگاڑ دیا۔ چہرہ سوج گیا' دانت ٹوٹ گئے اور اس کے بعد تین چار روز بستر پر گزارے' چمن کی عنایتوں کے درمیان' ورنہ ضروری تو نہیں تھا کہ مار کھانے کے بعد بستر کا سہارا بھی لیا جائے' یا پھر اگر پولیس والوں نے پکڑ لیا تو تھانے لے گئے۔ طنز کیا' مذاق اڑایا' مار لگائی' بند کیا' بھوکا رکھا اور جب عاجز آ گئے تو چھوڑ دیا۔ یہ زندگی تھی بھیا ایاز کی..... اور ایاز اس زندگی کو اچھی طرح محسوس کرتا تھا' وہ جانتا تھا کہ یہ اس کی تقدیر ہے' ہمیشہ اس وقت تک جب تک کہ زندگی ہے اس کی یا چمن کی۔ اسے یہی سب کچھ کرنا پڑے گا' کیونکہ وہ اسی لئے پیدا ہوا ہے' لیکن بھیا منصور ملا اور منصور نے ایاز کو بتایا کہ ایاز بھی انسان ہے اور جب انسان کو کوئی یہ بتا دے کہ وہ انسان ہے۔ نہ صرف بتا دے بلکہ اسے انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا موقع بھی فراہم کرے تو پھر انسان کا اس سے بڑا محسن اور کون ہو سکتا ہے؟ مجھے خود سے الگ نہ سمجھو بھیا' یہ طوفان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے لاکھوں طوفان بھی ایاز تمہارے قدموں میں جھیل سکتا ہے۔"

میں ایاز کا بازو پکڑے کھڑا رہا۔ نجانے کیسی کیفیت ہو رہی تھی میری۔ دفعتاً کارٹن پر پڑا ہوا ایک ترپال کسی بڑے پروں والی چیل کی طرح اڑتا ہوا ہمارے سروں کی طرف لپکا..... میں اور ایاز جھک گئے۔ ترپال سمندر میں جا پڑا تھا۔ ہم دونوں دلچسپ نگاہوں سے ان مناظر کو دیکھ رہے تھے۔

قیامت خیز لہریں پوری کی پوری لانچ کے اوپر سے گزر جاتی تھیں اور کئی دفعہ ہم نے خود کو پانی کی چھت کے نیچے پایا تھا' ہرچند کہ وہ پانی لانچ کی دوسری جانب نکل جاتا تھا لیکن اگر اس کا دباؤ براہ راست لانچ پر پڑ جاتا تو پھر لانچ کو غرق ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اتنی طویل و عریض کروڑوں روپے کے سامان سے بھری ہوئی یہ لانچ سمندر کے سینے پر کتنی بے حقیقت معلوم ہو رہی تھی' بالکل کسی پانی کے ٹب میں پڑی ہوئی مکھی کی مانند' جو ایک لمحہ بھی زندگی نہیں حاصل کر سکتی۔

لانچ کئی بار غرق ہوتے ہوتے بچی' ملاحوں کی حالت خراب تھی' مارٹی اس کے بعد نظر نہیں آیا تھا۔ شاید اس نے اپنی جان بچانے ہی میں عافیت سمجھی ہو گی' انجن بند تھے' گویا لانچ اب صرف طوفان کے رحم و کرم پر تھی' وہ چاہے تو اسے ڈبو دے اور چاہے تو اس سے کھیلتا رہے اور طوفان ساری رات لانچ سے کھیلتا رہا۔ نجانے کہاں سے کہاں جا پڑی تھی وہ' بار بار یوں محسوس ہوتا جیسے وہ غرق ہو جائے گی لیکن پھر وہ بچ جاتی۔

ہم سب قدرت کے رحم و کرم پر تھے' پھر صبح کاذب کے دھندلکے ابھرنے لگے اور طوفان کے جوش و خروش میں کمی ہو گئی' ہم دونوں اسی جگہ کھڑے ہوئے تھے' ایک انچ بھی نہیں ہلے تھے ہم اپنی جگہ سے..... گو روشنی پوری طرح نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی یہ محسوس ہو رہا تھا کہ صبح ہونے والی ہے اور ان دھندلکوں میں ہم نے ایک لکیر دیکھی جو لانچ کے علاوہ سمندر میں دوسری سیاہی کی مانند ابھری تھی۔ اس لکیر کے قریب پہنچتے پہنچتے کافی دیر لگ گئی' تب میں نے دیکھا کہ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں سر اٹھائے کھڑی ہیں۔

یہ یقیناً خشکی تھی' کوئی جزیرہ۔ میں اور ایاز خاموشی سے اسے دیکھتے رہے' ابھی تک شاید دوسرے لوگوں نے اس جزیرے کو نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ ان میں تحریک پیدا ہوتی۔ یوں بھی وہ لوگ شاید رات بھر کی تھکن سے نڈھال ہو گئے تھے۔

دفعتاً" جزیرے کی چٹانوں کے درمیان سے تیز سفید روشنی پھوٹ پڑی۔ روشنی نے میلوں دور تک سمندر روشن کر دیا تھا۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ بینائی زائل ہوتی محسوس ہوئی اور ہم دونوں کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں لیکن روشنی تھی کہ پپوٹوں کے اندر گھس رہی تھی۔ اس اذیت سے بچنے کے لئے میں نے اور ایاز نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ دفعتاً" لانچ پر شور ابھرنے لگا غالباً اب ان لوگوں کو بھی روشنی کی وجہ سے جزیرے کا احساس ہو گیا تھا۔

چند لمحات کے بعد ہی میں نے کچھ تیز آوازیں سنیں۔ یہ انجن اسٹارٹ ہونے کی آوازیں تھیں اور پھر محسوس ہوا کہ کوئی تیز رفتار لانچ ہماری لانچ کے علاوہ سمندر کے سینے پر دوڑنے لگی ہے۔ ایسی ہی آواز پھر دوسری سمت سے اور پھر تیسری سمت سے بھی آئی

تھی۔ ہم نے بڑی ہمت کر کے آنکھوں کو آہستہ آہستہ کھولا۔ گو آنکھیں ابھی تک تیز روشنی میں دیکھنے کی عادی نہیں ہوئی تھیں لیکن پھر بھی تھوڑا سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ روشنی کی طرف سے رخ بدل کر میں نے سمندر پر نگاہ دوڑائی تو عجیب منظر پایا۔

پانچ نقطے انتہائی تیز رفتاری سے سمندر کے سینے پر دوڑ رہے تھے۔ یہ روشن نقطے دراصل ہوور کرافٹس تھے۔ جو تیر کی سی رفتار سے سفر کر رہے تھے اور ان کا رخ چاروں طرف تھا۔ وہ لانچ کے گرد چکر لگا رہے تھے اور انتہائی برق رفتاری سے شائیں شائیں کرتے ہوئے ادھر ادھر نکل رہے تھے۔

میں اور ایاز حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگے۔ دوسرے تمام ملاح بھی لانچ کے کناروں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ ہوور کرافٹس سے ابھی تک کوئی عمل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہمیں یقین تھا کہ یہ کوئی خطرناک کارروائی ہی ہو سکتی ہے' میں نے مارٹی کو تلاش کیا' لیکن وہ نظر نہیں آیا۔ البتہ دوسروں ملاحوں سے میں نے بات کرنا پسند نہیں کی تھی۔ پھر ہوور کرافٹس کا فاصلہ کم ہونے لگا اور چند گولیاں شائیں شائیں کرتی ہوئی ہمارے نزدیک سے نکل گئیں' میں اور ایاز تیزی سے بیٹھ گئے تھے لیکن گولیاں شاید براہ راست نہیں چلائی گئی تھیں۔ وہ لانچ کے کافی اوپر سے گزری تھیں۔ ہوور کرافٹس نے شاید یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اس میں موجود لوگ مسلح ہیں۔

میں حیران نگاہوں سے ان ہوور کرافٹس کی کارروائی دیکھتا رہا جو انتہائی چابک دستی سے ادھر سے ادھر نکل رہے تھے اور لانچ کے گرد دائرہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ دفعتاً" مجھے مارٹی نظر آیا۔ وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔

"یہ کیا ہے مارٹی؟"

"پتہ نہیں باس پتہ نہیں' اجنبی بات ہے بالکل اجنبی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تم اس جزیرے کو دیکھ رہے ہو؟"

"پہلے نہیں دیکھا تھا باس' اب دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟"

"خدا جانے۔" مارٹی گہری سانس لے کر بولا۔

"کیوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے؟"

"نہیں باس' کہاں۔ طوفان نے لانچ کو نجانے کہاں سے کہاں پھینک دیا ہے۔ کمپاس کام کرنا چھوڑ چکے ہیں' انجن میں بھی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے' پتہ نہیں ہم کس طرف نکل آئے ہیں۔"

"یہ تو بہت ہی خطرناک بات ہوئی مارٹی!"

"ہاں سر' ایسا ویسا خطرناک بات۔ اگر سمندری پولیس ہم سے ٹکرا جاتی تو اس سے تو کچھ معاملہ بن بھی سکتا تھا' ہم اس سے مقابلہ کر لیتے' پرسکون حالات میں سب کچھ ہوتا لیکن یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے' ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ کون ہیں۔" مارٹی نے جواب دیا۔ نجانے کیوں مجھے اس کا یہ لہجہ مصنوعی مصنوعی سا محسوس ہو رہا تھا۔ مارٹی اتنا فکر مند نہیں تھا جتنا اسے ہونا چاہیئے تھا۔ ممکن ہے یہ صرف میرا احساس ہو' میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

"گیشی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سو رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں ساری رات جاگتا رہا ہے اور پھر اس کے' زخموں نے اسے نڈھال کر رکھا ہے۔ اگر عام حالات ہوتے تو شاید وہ ہفتوں بستر سے اٹھنا پسند نہ کرتا۔ بہت بری حالت کر دی ہے آپ نے اس کی۔ وہ تو اپنے آپ چل بھی نہیں سکتا' دو آدمی اسے پکڑ کر چلاتے ہیں۔"

"اس کے ساتھ یہی ہونا چاہیئے تھا۔ خیر' مگر اب یہ بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیئے؟"

"خاموشی چیف' بالکل خاموشی۔" مارٹی نے جواب دیا۔ میں گہری نگاہوں سے مارٹی کو دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے میری چھٹی حس مجھ سے کیا کہہ رہی تھی حالانکہ اس سے قبل میں نے ایسی باتوں پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ چھٹی حس وغیرہ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن اس وقت...... اس وقت......

ہوورکرافٹس قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ صبح کی روشنی بھی مددگار تھی اور چٹانوں سے پھوٹنے والی روشنی بھی اب اس قدر تیز نہیں لگ رہی تھی۔ چنانچہ ہوورکرافٹس صاف نظر آنے لگے تھے۔ ہر ہوورکرافٹ میں دو دو افراد تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ہوئے تھا اور دوسرا اسٹین گن تانے کھڑا تھا۔ لانچ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ دفعتاً پھر فائر ہوئے اور ایک ہوورکرافٹ قریب آ گیا پھر میگا فون سے ایک آواز ابھری۔

"لانچ والو۔ انجن اسٹارٹ کرو۔ کنارے کی طرف چلو۔ اگر لانچ سے کوئی کارروائی ہوئی تو چند سیکنڈ کے اندر پوری لانچ اڑا دی جائے گی۔ خبردار۔ حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ انجن اسٹارٹ کرو۔"

"کیا خیال ہے چیف؟" مارٹی نے پوچھا۔ ایک بار پھر مجھے اس کا لہجہ مصنوعی لگا دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کہ لانچ کو جزیرے کی مخالف سمت لے چلو لیکن اس کے بعد کے نتائج کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس لئے صرف ایک موہوم سے شبہے پر یہ خطرہ مول لینا

حماقت تھی۔

"ان کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں باس۔ پھنس گئے ہیں۔ میں انجن روم کو ہدایت دے دوں۔" مارٹی نے کہا اور میرے پاس سے چلا گیا۔ ایاز خاموش تھا۔ میں اب کھڑا ہو گیا تھا۔ چند ساعت کے بعد لانچ ساحل کی طرف چل پڑی۔ ہوورکرافٹ اب بھی تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے اب وہ لانچ کے بہت قریب سے گزر رہے تھے اور ہم انہیں بخوبی دیکھ سکتے تھے۔"

"یہ پولیس تو نہیں ہو سکتی بھیا!" ایاز نے کہا۔

"بظاہر تو نہیں لگتی۔"

"عام لباس میں ہیں یہ لوگ۔"

"ممکن ہے ایکسائز والے ہوں۔" میں نے کہا اور ایاز خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ میگا فون پر جو وارننگ دی گئی تھی وہ انگلش میں تھی اس کا مطلب ہے کہ وہ غیر ملکی تھے لیکن لانچ کس طرف نکل آئی ہے۔ اس مختصر وقت میں اس نے بہت طویل سفر تو نہ کر لیا ہو گا۔ طوفان بھی اسے زیادہ سے زیادہ کہاں تک لے جا سکتا تھا۔ بہرحال ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا ہمارے پاس۔

تھوڑی دیر کے بعد لانچ کنارے جا لگی۔ کنارے پر بیس پچیس آدمی کھڑے تھے ان میں سے پندرہ افراد کے پاس اسٹین گنیں تھیں جن کا رخ لانچ کی طرف تھا۔ بقیہ لوگ خالی ہاتھ کھڑے تھے۔

لانچ کا انجن بند ہو گیا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "لانچ پر موجود لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایک کر کے نیچے اتریں دونوں ہاتھ سر سے بلند ہوں اور سب قطار بنا کر اتریں۔ اگر لانچ سے ایک پتھر بھی پھینکا گیا تو پوری لانچ اڑا دی جائے گی۔"

ملاح ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ ان کے ہاتھ سروں سے اونچے اٹھے ہوئے تھے۔ ایاز نے ٹھنڈی سانس لے کر میری طرف دیکھا۔ "خاموشی بہتر ہو گی ایاز۔ جس وقت تک ہمیں صورت حال کا صحیح اندازہ نہ ہو جائے۔ ہماری ایک جنبش بھی خطرناک ہو گی۔"

"او کے۔" ایاز نے گردن ہلا دی۔

"خاموش تماشائی بنے رہو بس۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز کے لہجے میں مکمل اطمینان تھا۔ ہماری باری آ گئی اور ہم بھی نیچے اتر آئے۔ پیروں کے نیچے تھوڑی دیر تک پانی رہا۔ اس کے بعد ریت آ گئی۔ نرم ریت تھی ہمارے پاؤں گندے ہو گئے اور جوتوں میں ریت بھر گئی۔ بھیگے ہوئے پائنچے بھی ریت میں لتھڑ گئے تھے۔

لانچ سے اترنے والے ایک قطار میں کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ میں اور ایاز بھی ان کے نزدیک کھڑے ہو گئے۔ آخری آدمی گیشی تھا جو اب دو ملاحوں کے سہارے سے نیچے آیا تھا۔

دفعتاً" ان لوگوں میں سے دو آدمی آگے بڑھے اور گیشی کے پاس پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی گفتگو تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا انداز دوستانہ ہو۔ ان لوگوں نے گیشی کو سنبھال لیا پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر اسٹریچر طلب کیا۔ چٹانوں کے عقب میں اور لوگ بھی موجود تھے۔ فوراً ہی دو آدمی اسٹریچر لئے ہوئے دوڑے چلے آئے تھے۔ میری آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھ کر ایاز نے کہا۔

"یہ صورت حال تو خطرناک ہو گئی باس۔"

"ایں۔" میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں باس۔ اگر اس شخص کی ان لوگوں سے کوئی واقفیت ہے تو یہ ہمارے لئے انتہائی خطرناک بات ہو گی۔"

"ہوں۔ دیکھا جائے گا ایاز۔ فکر کیوں کرتے ہو۔" میں نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ اسٹریچر گیشی کے نزدیک پہنچ گیا اور انہوں نے اسے نیچے رکھ دیا۔ گیشی نے کچھ پس و پیش کیا تھا لیکن اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے اس سے کچھ بات کی تو گیشی اسٹریچر پر لیٹ گیا۔ دونوں آدمی اسٹریچر اٹھائے ہوئے انھی چٹانوں کی جانب بڑھ گئے تھے۔ باقی افراد اسی قطار میں کھڑے ہوئے تھے' ان میں مارٹی بھی شامل تھا۔

تب اسٹین گن بردار کچھ اور قریب آ گئے اور پھر چار آدمی دونوں سرون سے کھڑے ہوئے لوگوں کی تلاشی لینے لگے۔ دفعتاً" ان میں سے ایک نے چیخ کر پوچھا۔

"لانچ میں کوئی اور باقی تو نہیں رہ گیا؟"

"نہیں جناب کوئی نہیں ہے۔" مارٹی نے جواب دیا۔

"ہوں۔" اس شخص نے کچھ لوگوں کو اشارہ کیا اور مزید چار آدمی جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں آگے بڑھ کر لانچ کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد وا
لانچ میں داخل ہو گئے تھے۔ میری اور ایاز کی تلاشی بھی لی گئی اور ہماری جیبوں میں سے جو
کچھ بھی نکلا' انہوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا پھر اسٹین گن برداروں نے ہمیں قطا
کی شکل میں ایک طرف چلنے کے لئے کہا اور ہم چل پڑے۔ اب ہمیں ہاتھ اٹھانے ک
ہدایت نہیں کی گئی تھی۔

چٹانوں کے عقب میں باقاعدہ مکانات بنے ہوئے تھے' یہ مکانات پہاڑی پتھروا
سے بنائے گئے تھے۔ بھدے اور بدنما سے تھے جگہ جگہ اینٹیں گری ہوئی تھیں لیک
بہرصورت ان میں آبادی بھی ہو گی۔ باقی جزیرہ درختوں اور لمبی لمبی جھاڑیوں سے ڈھکا ہ

معلوم ہوتا تھا۔ صرف چٹانوں کے عقب کا حصہ پتھریلے مکانوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ چلتے چلتے آخر کار ہم ایک کھنڈر نما عمارت میں داخل ہو گئے جس کے اوپر ایک دید بان سا بنا ہوا تھا۔ اس دید بان میں ایک آدمی موجود تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس دید بان سے دور تک سمندر میں دیکھا جا سکتا ہو گا۔ تو وہ چٹانوں میں چھپے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

عمارت کے اندر ایک بڑے سے کمرے میں ہمیں لے جایا گیا' یہاں بھی چند لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے کھڑے ہو کر ہمارا استقبال کیا اور پھر کسی نامانوس سی زبان میں ایک دوسرے سے بات کرنے لگے' میں اس زبان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ یہ کون سی ہے' ان باتوں کا دوسرے لوگوں نے جواب بھی دیا اور پہلے سے موجود لوگ بغور ہمیں دیکھنے لگے پھر انہوں نے آہستہ آہستہ کچھ کہا اور اس میں سے دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میرے دونوں بازو پکڑ لئے تھے' میں کسی قدر چوکنا سا ہو گیا تھا۔ مجھے یوں پکڑنے کی کیا ضرورت تھی' وہ دونوں مجھے دھکیلتے ہوئے آگے لانے لگے۔

ایاز کے چہرے پر اضطراب کے آثار دیکھ کر میں نے اسے غیر محسوس انداز میں آنکھ ماری اور ایاز کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا۔ میرے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھ کر' شاید اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ تاہم میں نے اسے یہی اشارہ کیا تھا کہ وہ خود پر قابو رکھے اور حالات پر نگاہ رکھے۔

وہ لوگ مجھے لئے ہوئے' اسی کھنڈر نما عمارت کے ایک کمرے میں آ گئے۔ اس میں دروازہ لگا ہوا تھا' انہوں نے مجھے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

"اچھا خاصا کشادہ کمرہ تھا جس میں نجانے کیا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ پھٹے ہوئے لباس' جوتے' لوہے کی فضول چیزیں اور نجانے کیا کیا۔ یہ جگہ ایسی نہیں تھی جہاں چند منٹ بھی گزارے جائیں لیکن بہرصورت فی الوقت یہی میری آرام گاہ تھی' انہوں نے مجھے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا اور خود شاید چلے گئے تھے۔ کمرے کے کھردرے فرش پر بیٹھنے کی جگہ بھی نہ تھی۔ لوہے کی کیلیں کرسیوں کے ٹوٹے ہوئے پائے اور نجانے کیا کیا چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے چند منٹ کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر لکڑی کا ایک بڑا سا کنڈا اٹھا کر نیچے پڑی ہوئی چیزیں صاف کرنے لگا۔ اس کے علاوہ چارہ کار بھی نہ تھا۔ نہ جانے کتنی دیر مجھے یہاں قید رہنا پڑے۔ تھوڑی سی جگہ صاف کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے جگہ بنائی اور بیٹھ کر جوتے اتار دیئے۔ پیروں میں ریت چبھ رہی تھی جو موزوں میں بھی بھر گئی تھی۔ جس حد تک ممکن ہو سکا میں نے انگلیاں صاف کیں اور پھر پتلون کے پائنچے جھاڑنے لگا لیکن ابھی یہ پائنچے کافی گیلے تھے اس لئے ریت صاف نہیں ہو سکی تاہم کسی قدر سکون مل گیا تھا۔ البتہ قرب و جوار کی زمین پھر کرکری ہو گئی تھی۔

میں نے اس طرف سے توجہ ہٹا دی۔ رات بھر شدید طوفانی بارش میں کھڑے رہے تھے۔ پانی کے ریلوں نے بدن کو چور چور کر دیا تھا جس کا احساس اب ہو رہا تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا اور آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ بس سو جاؤں لیکن یہ جگہ.....

پھر نیند اور سولی کا مقولہ یاد آیا اور ایک بار پھر ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ جگہ کم تھی، تھوڑی سی جگہ اور بنائی تھی چنانچہ میں نے چند چیزیں صاف کیں اور انہیں سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ بھیگا ہوا لباس بدن پر مصیبت لگ رہا تھا لیکن اب کوئی مصیبت مصیبت نہیں تھی۔ اس طرف سے توجہ ہٹا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل میں ایک ہی خواہش تھی کہ نیند آ جائے۔ دماغ بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا، سمجھنا چاہتا تھا لیکن رات بھر کی صعوبتوں نے اسے اس قابل نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں بھی نیند آ گئی اور وہ تصور ثابت ہو گیا۔ نیند درحقیقت رب کریم کی بہت بڑی نعمت ہے نہ جانے کب تک سوتا رہا۔ نیند پوری ہوئی تو آنکھ خود بخود کھل گئی۔ کمرے میں گھپ تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ ذہن ایاز کی طرف مڑ گیا۔ اسے مجھ سے دور کیوں رکھا گیا ہے۔ کوئی خاص وجہ ہے اس کی یا صرف اتفاق ہے۔ ممکن ہے انہوں نے تمام گرفتار شدگان کو الگ الگ رکھا ہو تا کہ ان کے خلاف کوئی سازش نہ کی جا سکے۔

ذہن سے کچھ اور گرد چھٹی تو میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا۔ یہ کون اور یہ جزیرہ۔ کوئی باقاعدہ آبادی ہے یا صرف ایک جزیرہ ہے اور اگر صرف جزیرہ ہے تو یہ جزیرہ کس کی تحویل میں ہے؟ کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا۔ پھر گیشی یاد آیا۔ انہوں نے گیشی کے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔ کیا گیشی سے ان لوگوں کا کوئی تعلق تھا؟ اگر ایسا ہوا، پھر تو مصیبت ضرور آئے گی۔ گیشی انتقام لے گا۔

بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تو اس سفر کے حق میں ہی نہیں تھا بس چمن کی فرمائش پوری کرنے والی بات تھی۔ ورنہ مجھے کون سا اسمگلر بننا تھا۔ ساری زندگی اور فریدہ کی تلاش میں صرف کر دیتا لیکن ان کا کوئی نشان ملتا جب نا...... اور اب تو مجھے صبر آتا جا رہا تھا، جو تڑپ پہلے دل میں تھی وہ اب نہیں رہی تھی اور جو اب ہے وہ آئندہ نہیں رہے گی۔ آخر لوگ مرنے والوں کے لئے بھی تو صبر کر لیتے ہیں۔ ویسے اگر مجھے ان کی موت کا یقین ہو جاتا تب بھی صورت حال بدل سکتی تھی...... کم از کم یکسوئی مل جاتی دل میں یہ آگ تو نہ لگی ہوتی۔ حالانکہ دبے لفظوں میں، میں نے چمن سے اس سلسلے میں معذرت چاہی تھی لیکن وہ پیچھے ہی پڑ گیا۔ بڑی انوکھی کیفیت تھی۔ اگر غور کرتا تھا تو دماغ میں پن چکی سی چلنے لگتی تھی۔ کتنے لوگ میرے دشمن تھے اور کتنے لوگوں کا میں ممنون کرم تھا۔ پروفیسر شیرازی، سرخاب، لیڈی جہانگیر، چمن، ان سب کے میرے اوپر بے پناہ احسانات تھے اور بڑا ہی قرض چڑھ گیا تھا میری ذات پر...... میں تو یہی محسوس کرتا تھا کہ میری

اپنی شخصیت کچھ بھی نہیں رہ گئی، بس ان لوگوں کے سہارے زندگی پائی ہے ورنہ کسی جیل کی سلاخوں کے پیچھے پڑا سڑ رہا ہوتا، کیا یہ مناسب ہے؟

یہ سوال میرا، اپنے آپ سے تھا۔ کیا میں اسی طرح دوسروں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہوں، پہلے دوسروں کی دشمنی کا شکار تھا اب دوسروں کی دوستی کا شکار ہوں۔ کیا اسی طرح میری زندگی گزر جائے گی، اگر نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔ کیا کہتا میں چمن سے؟ کیسے منع کرتا اسے کہ ابھی میں یہ سب کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے پہلے اپنی زندگی کا مقصد تلاش کرنے دیا جائے اس کے بعد میں ان لوگوں کے یہ احسانات بھی اتار دوں گا لیکن میں دل سے چاہنے کے باوجود یہ سب کچھ نہیں کہہ سکا تھا، کیوں۔ آخر کیوں؟

ایسا کب تک ہوتا رہے گا، کب تک، آخر زندگی کا کوئی لمحہ تو ایسا ہونا چاہئے جس پر صرف اور صرف میرا حق ہو۔ ٹھیک ہے ان لوگوں کے احسانات نے بے شک مجھے جھکا رکھا ہے لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ میں کچھ نہ کہہ سکوں کچھ نہ بول سکوں۔ ذہن و دل پر شدید جھنجلاہٹ سوار ہو گئی اور میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس جھنجلاہٹ سے نجات پانے کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا۔ ورنہ یہ احساسات مجھے پاگل کر دیتے بس ایک جنون سوار ہو گیا تھا۔ میں نے دھر ادھر دیکھا۔ اسی وقت دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

نہ جانے میرے ذہن میں کیا سمائی کہ میں اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چند ثانیئے کے بعد دروازہ کھلا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔ ٹارچ کی روشنی کمرے میں پھیلتی ہوئی آئی اور مجھ پر رک گئی۔ دو آدمی دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس ٹارچ تھی۔ اسٹین گنیں شاید اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک کی آواز سنی۔

"مزے سے سو رہا ہے کتا۔"

"جگاؤ اسے...... اپنے باپ کا گھر سمجھ لیا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا اور میں نے ان کے مزاج کا اندازہ لگا لیا۔ مجھے پتہ چل گیا کہ میں ان کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہوں اور وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ان میں سے ایک میرے نزدیک آ گیا اور پھر اس نے میری پسلی پر ٹھوکر لگانے کے لئے پاؤں اٹھایا ہی تھا کہ میں نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی پھر نہایت پھرتی سے اسے مروڑ دیا۔ وہ بڑی بری طرح اوندھے منہ گرا تھا لیکن میں نے اسے یونہی نہ چھوڑا۔ میں نے اس کی گردن انگلیوں کے شکنجے میں کس کر اس کا منہ زمین سے رگڑ دیا تھا۔

دوسرا شخص جو ٹارچ لئے کھڑا تھا اپنے ساتھی کی یہ درگت دیکھ کر اچھل پڑا اور پھر وہ پوری قوت سے مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن میری لات کی ایک ہی ضرب سے وہ

لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا' اس کے منہ سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی تھی۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نے فوراً ٹارچ پر قبضہ کیا اور اسے بند کر کے اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر کھڑے ہو کر ٹھوکروں سے ان کی تواضع شروع کر دی۔ چند ساعت کے بعد وہ دونوں بے ہوش پڑے تھے' ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی' میں نے دروازے کی جانب دیکھا اور پھرتی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا لیکن دروازوں کو اندر سے بند کرنے کا انتظام نہیں تھا۔ اندر کوئی چٹخنی وغیرہ نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں نے کواڑ بھیڑنے پر ہی اکتفا کیا' اس دوران میں' میں اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر میں نے ٹارچ روشن کر کے ان دونوں کو دوبارہ جائزہ لیا ایک کا سر پھٹ گیا تھا اور دوسرے کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں دیکھتا رہا پھر دبے پاؤں دروازہ کھول کر پھرتی سے نکل آیا۔

سامنے کا حصہ تاریک پڑا تھا' دور دور تک کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ میں ایک گوشے میں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ کیونکہ یہاں سے فرار ہونے کا مسئلہ بے حد مشکل تھا۔ اول تو یہ ایسا ...... جزیرہ تھا جس کے بارے میں مجھے کچھ معلومات نہیں تھیں کہ کتنا وسیع و عریض ہے اور میں اس میں کہاں تک جا سکتا ہوں' سمندر کے راستے بھی آگے بڑھنا ناممکن تھا کیونکہ میں وہ ہوورکرافٹس دیکھ چکا تھا جو انتہائی برق رفتار تھے اور جن کے ذریعے کسی بھی فرار ہونے والے کو باآسانی پکڑا جا سکتا تھا۔ بس یہی ایک ترکیب تھی کہ میں اندھا قدم اٹھاؤں اور جزیرے کے کسی ایسے حصے میں نکل جاؤں' جہاں ان کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکوں۔ ہرچند کہ مجھے اس کے بارے میں معلومات نہیں تھیں اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ یقیناً مجھے ڈھونڈ نکالیں گے اور اس کے بعد میرے ساتھ جو سلوک ہو گا اس کا تصور باآسانی کیا جا سکتا تھا۔ ویسے یہ مسئلہ بھی بہت زیادہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ میں نے ان کے دو آدمیوں کو شدید زخمی کر دیا تھا جس کے نتیجے میں فوری دشمنی کا آغاز ہو گیا تھا۔ یعنی یہ ناممکن تھا کہ وہ مجھ سے گفت و شنید کر کے کوئی رعایت کر دیتے گویا اب اپنے ساتھیوں کے اس حشر کے بعد تو ان کے نزدیک کسی رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک طرح سے مجھ سے بھی حماقت ہی ہوئی تھی' ان لوگوں کو زخمی نہ کیا جاتا بلکہ کوئی اور ترکیب کی جاتی لیکن ذہن پر جو چھپکلی سوار ہو گئی تھی اسے اتارنا بے حد مشکل کام تھا' بس ایک جنون تھا اور عجیب احساسات تھے جو میرے ذہن پر مسلط ہو گئے تھے' ان میں یہ احساس بھی تھا کہ خواہ مخواہ احسانات اتارنے کی حماقت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ابھی احسانات اتارنے کا وقت نہیں ہے ابھی تو مجھے خود ہی اپنے بچاؤ کے لئے کوئی بہتر بندوبست کرنا ہے' میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا' دوستوں کی دوستی سر آنکھوں پر لیکن اس دوستی کا قرض ابھی ادا نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کہ اپنی کیفیت درست نہ ہو۔

ابھی میں اس حماقت کی تلافی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک چار پانچ افراد اسی طرف آتے نظر آئے۔ یہ سب مسلح تھے۔ میں نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا لیکن فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ ان لوگوں کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ ایک ہی ترکیب دماغ میں آئی۔ میں نے ٹارچ ایک طرف اچھال دی اور وہیں زمین پر لیٹ کر کراہنے لگا۔

"ٹارچ گرنے کی آواز پر ہی وہ چونک پڑے تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں میرے چہرے پر پڑیں اور مجھے پہچان کر وہ میری طرف لپکے دوسرے لمحے وہ میرے گرد کھڑے تھے۔

"یہ باہر کیسے نکل آیا؟"

"کیا دروازہ بند نہیں کیا گیا تھا؟"

"پانی۔ آہ۔ مجھے پانی دو۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا اور دو آدمی جھک کر ٹارچ کی روشنی میں میرا چہرہ دیکھنے لگے پھر انہوں نے اسی نامعلوم زبان میں ایک دوسرے سے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آتی تھی اور اس کے بعد دو آدمیوں نے جھک کر دونوں طرف سے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔

اس وقت وہ میری زد پر تھے۔ تھوڑی سی کوشش سے میں ان کے دماغ درست کر سکتا تھا لیکن یہ سب مسلح تھے اور اسٹین گنوں کی مسلسل گولیاں میرے پورے بدن میں روشندان کھول سکتی تھیں۔ ایک حماقت کرنے کے بعد دوسری حماقت بہتر نہ ہوتی۔

چنانچہ میں ان کے ساتھ گھسٹتا رہا۔ میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ لوگ کافی دور تک گھسیٹتے رہے اور پھر ایک کمرے میں لا کر فرش پر ڈال دیا۔ کافی وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں ایک میز کے گرد دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا اس لئے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔

"مجھے لانے والے اپنی اسی مخصوص زبان میں ان دونوں سے کچھ کہہ کر باہر نکل گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنا بدن ساکت کر لیا۔ آنکھوں سے انتہائی خفیف سی جھری پیدا کر کے میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور مجھے دیکھنے لگا۔

"شاید بے ہوش ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"پتہ نہیں۔"

"ہوش میں لاؤ اسے۔" دوسرے نے کہا اور میرے نزدیک آنے والا ایک طرف ہٹ گیا چونکہ اب وہ میری طرف متوجہ تھے اس لئے میں نے آنکھوں کی جھری بھی بند کر لی مبادا انہیں شک ہو جائے۔

وہ شخص واپس پلٹ کر میرے پاس آیا اور یکایک پانی سے بھرا ہوا ایک جگ میرے سر پر الٹ دیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر لڑکھڑا کر گر پڑا۔

اب دوسرا آدمی بھی نزدیک آ گیا تھا۔ دونوں نے مل کر مجھے اٹھایا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ کمرے میں چند موم بتیاں جل رہی تھیں جن کی روشنی محدود تھی اور پورے کمرے کا ماحول صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم شمعوں کی کانپتی ہوئی روشنی میں، میں نے ان دونوں کا جائزہ لیا۔

ان میں ایک ایشیائی باشندہ تھا اور دوسرا غیر ملکی۔ دونوں تندرست و توانا اور خشک سے چہروں کے مالک تھے۔ ان کے بشرے سے خشونت ٹپکتی تھی اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سفاک اور سنگدل ہیں، دونوں گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ملاح۔" میں نے جواب دیا۔

"لانچ کس کی ہے؟"

"چمن کی۔"

"چمن کون ہے؟"

"اس لانچ کا مالک۔"

"لانچ انچارج کون ہے؟" اسی شخص نے پوچھا۔

"مارٹی۔" میں نے جواب دیا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"مارٹی انچارج ہے؟"

"ہاں۔"

"مگر وہ کہتا ہے کہ لانچ کے انچارج تم ہو۔"

"انہوں نے مجھے صرف ایک ڈمی کی حیثیت سے رکھا ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"کسر نفسی سے کام لے رہے ہو۔ لانچ پر تمہارے احکامات چلتے تھے۔" اس نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا، کہ میں ڈمی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل احکامات مارٹی کے ہی ہوتے تھے جو میری زبانی دوسروں تک پہنچتے تھے۔"

"تمہیں ڈمی کس نے مقرر کیا تھا؟"

"اس لانچ کے مالک چمن نے۔"

"کیا وہ اسمگلر ہے؟"

"ہاں!"

"لانچ پر کیا لدا ہوا ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"لیکن مال کے کاغذات تمہارے لباس سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"جو کچھ ہوا ہے، سب ایک مذاق ہے۔ میں ایک معمولی سا انسان ہوں اور تم لوگوں کے لئے بالکل بیکار۔"

"پھر انکسار سے کام لے رہے ہو۔ اب اتنے معمولی بھی نہیں ہو تم۔ بہرحال یہاں ہماری تحویل میں رہ کر تمہیں خوشی ہو گی۔" اس نے کہا اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ خون کھول رہا تھا ان کی ہنسی پر۔ مگر صورت حال عیاں تھی۔ بے مقصد جان دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے ان کی شکلیں دیکھتا رہا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ دفعتاً دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھول کر تین چار افراد بگڑے ہوئے سانڈوں کی طرح اندر گھس آئے۔ ان کے چہرے خوفناک ہو رہے تھے۔

"مارو۔ مارو اسے مار مار کر ہلاک کر دو کتے کے بچے کو جان سے مار دو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور وہ سب میری طرف لپکے لیکن وہ شخص آگے بڑھ کر زور سے چیخا جو اب تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" وہ سب ایک دم رک گئے تھے۔

"اوہ مسٹر بل۔ اس کتے نے تھامس اور روبل کو شدید زخمی کر دیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"وہ دونوں اس کے کمرے میں بے ہوش پڑے تھے۔ شدید زخمی ہیں دونوں، انہیں اسپتال بھجوا دیا گیا ہے۔"

"تمہاری بکواس سمجھ میں آتی ہے؟ تم اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے تھے۔"

"وہ اس کی اداکاری ہو سکتی ہے۔ مسٹر گیشی آپ کو اس شیطان کے بارے میں بتا چکے ہیں۔" اس شخص نے کہا اور دونوں آدمی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ دفعتاً اس شخص کا چہرہ اتر گیا جس نے گیشی کا نام لیا تھا۔ میں بھی سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا شبہہ درست تھا۔

"مم۔ معافی چاہتا ہوں جناب۔" وہ ہکلایا۔

"جاؤ۔ انسان کو پاگل پن کا خمیازہ بھگتنا ہوتا ہے۔ جاؤ آرام کرو تم اور ہاں سنو

جیگر اور کولین کو بھیج دو۔"

"یس سر۔ یس سر۔" وہ شخص سب سے پہلے باہر نکلا تھا۔ باقی لوگوں نے بدحواسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

"گیٹ آؤٹ۔" بل حلق پھاڑ کر چیخا اور وہ سب باہر نکل گئے۔ تب بل میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیا یہ حقیقت ہے؟"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے کسی کو مارا ہے؟"

"کیا آپ میری حالت ایسی پا رہے ہیں مسٹر بل؟ ہاں اتنی حقیقت ضرور ہے کہ نشے میں ڈوبے ہوئے دو آدمی لڑتے ہوئے میرے کمرے میں گھس آئے تھے اور وہاں بھی لڑ رہے تھے۔"

"پھر؟"

"پھر وہ گر پڑے۔ ان کے گرنے کے بعد ہی میں باہر نکلا تھا۔ اتنی دیر میں دو نئے آدمی اندر گھس آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی اسٹین گنیں دبی ہوئی تھیں۔

"اسے لے جاؤ اور بارہ نمبر میں بند کر دو۔ دو آدمیوں کا پہرہ لگا دو۔ جاؤ اندر اگر تمہاری خوش بختی اجازت دے تو سکون سے وقت گزارو۔ اگر دوسری کوئی حرکت ہوئی تو دونوں ٹانگیں درمیان سے چیر دی جائیں گی۔ یہاں اس کا معقول انتظام ہے۔"

"چلو۔" نئے آنے والوں میں سے ایک نے اسٹین گن کی نال میری گردن میں چبھوئی اور میں تھکے تھکے انداز میں کرسی سے اٹھ کر ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس احاطے کی پہلی کوٹھری نمبر بارہ تھی مجھے اس تنگ و تاریک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا اور دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔

یہ کوٹھری بہت مختصر تھی۔ زمین کھردری تھی اور وہاں کوئی چیز نہیں تھی سوائے زمین اور دیواروں کے۔ میں زمین پر بیٹھ گیا۔ دیکھنا تھا کہ تقدیر اب کون سے نئے گل کھلاتی ہے۔ دوسری صبح کوٹھری کا دروازہ کھلا اور دو آدمی میرے لئے ناشتہ لے کر آئے اور اسے اندر رکھ کر چلے گئے۔

چائے کا ایک کپ اور دو روٹیاں تھیں جو بالکل کچی اور .... موٹی موٹی تھیں۔ میں نے صرف چائے پی لی جو پھیکی اور بدمزہ تھی۔ اس کے بعد پورا دن گزر گیا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھوک لگ رہی تھی اور طبیعت کسی قدر مضمحل ہو گئی تھی۔ صبح کے ناشتے کے بعد وہ مجھے بھول گئے تھے لیکن رات کو ایک بار پھر کوٹھری کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں افراد نظر آئے جو دن میں ناشتہ رکھ گئے تھے۔

"باہر آؤ۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ دونوں مسلح تھے لیکن

اب میں کوئی احمقانہ جدوجہد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ہاں کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کا موقع مل جائے تو سوچا جا سکتا ہے۔ میں ان کے ساتھ چلتا ہوا دوبارہ اسی عمارت میں آ گیا جہاں پہلے قید تھا۔

اس بار مجھے دو بالکل نئے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور یہ دونوں یقیناً میرے ملک کے باشندے تھے۔ میرے اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد جو تیسری شخصیت اس کمرے میں داخل ہوئی وہ چونکا دینے والی تھی۔

یہ گیشی تھا جو اپنے قدموں سے چلتا ہوا آیا تھا۔ اس کے جسم پر ایک عمدہ تراش کا سوٹ تھا اور وہ بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے خونی نگاہوں سے مجھے گھورا اور ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے علاوہ کمرے میں چار افراد اور تھے جو اسٹین گنیں تانے کھڑے ہوئے تھے۔

"شروع کریں مسٹر گیشی!" پہلے سے موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اور گیشی مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"کیسے مزاج ہیں انچارج صاحب؟" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"کچھ معلومات درکار ہیں آپ کے بارے میں؟" گیشی پھر بولا۔ میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ "زبان نہیں کھولو گے؟" گیشی دھاڑا..... اور پھر اس نے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے کچھ کہا اور اس نے گردن ہلا دی پھر وہ زور سے بولا۔

"ہیڈ لینو۔ مارکو!" ایک اسٹین گن بردار باہر نکل گیا اور چند ساعت کے بعد گٹھے ہوئے بدن کے دو افراد کے ساتھ اندر آ گیا۔ دونوں کے چہرے بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔ دانت غائب تھے۔ درجنوں زخموں کے نشانات صرف ان کے چہروں پر تھے۔ بدن تک تو نہ جانے کیا کیفیت ہو گی۔ چست سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور کلائیوں پر موٹے چمڑے چڑھے ہوئے تھے۔

"اپنی مرمت یاد ہے گیشی؟" میں نے مسکرا کر کہا اور گیشی شدید طیش کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

"مارو۔ مارو اسے۔" اس نے کہا اور وہ دونوں گردن جھکا کر سیدھے ہو گئے۔ میرے ذہن میں پھر وہی جنون ابھرنے لگا تھا زندگی اتنی دلکش نہیں ہے کہ میں مصلحت کے لبادے اوڑھ لوں دونوں میرے قریب آ گئے۔

"ٹھہرو۔" گیشی نے کہا اور وہ دونوں رک گئے۔ "میرے سوالات کے جواب دو گے یا نہیں؟" اس بار وہ مجھ سے مخاطب تھا۔

"دے دوں گا گیشی۔ جلدی کیا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اسے زبان کھولنے کے لئے تیار کرو۔" گیشی نے میرے نزدیک کھڑے دونوں آدمیوں سے کہا اور ان میں سے ایک میرے سامنے آگیا۔ اس نے دونوں انگلیاں سیدھی کر لی تھیں یہ انگلیاں یقیناً فولاد کی طرح مضبوط ہوں گی اور وہ انہیں میرے بدن کے نازک حصوں میں چبھو کر مجھے اذیت دینا چاہتا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اصل کام پیروں کا تھا۔ میری ٹھوکریں اس کی پنڈلیوں پر پڑیں اور پھر میں برق کی طرح کوند کر دوسرے پر جا گرا جو اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں اسے لئے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا اور اس وقت مضروب نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ ظاہر ہے وہ بھی لڑاکا تھا اور صرف میری ٹھوکروں سے ہی ناکارہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں اس کی چھلانگ کو محسوس کر چکا تھا۔ اس لئے ایک دم اپنے شکار سے ہٹ گیا اور چھلانگ لگانے والا پوری قوت سے اپنے ساتھی پر گرا۔ دفعتاً" میرے ذہن میں بجلی سی کوند گئی۔ جلال بابا کا ایک داؤ یاد آگیا تھا۔ دوسرے لمحے میں ان دونوں پر جا پڑا۔ میں نے ان کے پیٹ کے نازک حصوں پر دونوں کہنیاں ماریں اور ان کی کراہیں نکل گئیں۔ میں صرف ان کے بدن ایک لمحے کے لئے ڈھیلے کرنا چاہتا تھا اور اپنی اس کوشش میں، میں کامیاب ہو گیا۔ جونہی ان کے بدن ڈھیلے پڑے میں نے مخصوص انداز میں ان دونوں کی ٹانگیں آپس میں پھنسا دیں اور پھر ان میں سے ایک کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے الٹ دیا۔ ایک دلچسپ منظر نگاہوں کے سامنے آگیا۔

"ان کی ٹانگیں بری طرح آپس میں پھنسی ہوئی تھیں اور بالکل مخالف سمت میں گئی تھیں جس سے وہ شدید اذیت کا شکار ہو گئے تھے...... ہاتھ سر پٹخ رہے تھے لیکن ان کی ہر جنبش ان کی ٹانگیں توڑے دے رہی تھی۔ دونوں آمنے سامنے تھے اور کرب و اذیت کے آثار ان کے چہروں پر منجمد تھے۔ شدید تکلیف سے وہ بے حال ہوئے جا رہے تھے اور اب ان میں جنبش کرنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

"ہاں مسٹر گیشی اب فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے......؟"

گیشی کی آنکھوں سے خوف کے آثار نمایاں تھے۔ دوسرے لوگ بھی حیرت سے منہ کھولے ان دو مرغوں کو دیکھ رہے تھے جو آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے بگڑے ہوئے چہرے اور بگڑ گئے تھے۔

گیشی نے خود کو سنبھال لیا۔ دوسرے لوگ بھی سنبھل گئے اسٹین گن والے مجھ پر گولیاں برسانے کے لئے تیار تھے لیکن شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا جائے۔ اصولی طور پر گیشی کو ایک اور شکست ہوئی تھی۔

"سوال کرو گیشی۔" میں نے کہا لیکن اب گیشی خاموش تھا پھر اس نے دانت پیس کر اپنے قریب بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں سے کہا۔

"یہ کیا ہے مسٹر ڈی سوزا۔ یہ آپ کے لڑاکے ہیں؟"

"بہت کچھ ہے مسٹر گیشی۔ اس وقت پوچھ گچھ نہ کریں۔ بہتر ہے یہ کام کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔" ڈی سوزا نے جواب دیا۔ گیشی تلملا کر رہ گیا۔

"میں تمہارے سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہوں گیشی۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" لیکن گیشی کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ وہ مجھ پر دانت پیس رہا تھا لیکن میرے نزدیک آنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ تب ڈی سوزا نے جو کوئی دیسی عیسائی تھا دوسرے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ اسٹین گنیں تانے میرے پاس آگئے تھوڑی دیر کے بعد مجھے دوبارہ اسی کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔

دو دن اور دو راتیں گزر گئیں۔ کوٹھری کے پاس کوئی آہٹ نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران میں مجھے کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی گئی۔ بھوک اور پیاس نے جو کیفیت پیدا کر دی تھی۔ وہ بتانے کی بات نہیں۔ نڈھال ہو گیا۔ پورے بدن میں سنسنی سی پھیل گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں ہلانے میں بھی دقت ہوتی تھی۔ خاص طور سے پیاس نے بے حال کر رکھا تھا۔

"تیسرے دن صبح کوٹھری کا دروازہ کھلا اور کئی آدمی اندر گھس آئے۔ میں اب کسی تعرض کرنے کے قابل نہیں رہا تھا...... ایک بار پھر مجھے اسی ہال میں جانا پڑا۔ آج صرف گیشی یہاں موجود تھا۔

اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولا۔ "اب کیا حال ہے مسٹر منصور؟"

"اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی مسٹر گیشی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تشریف رکھیئے۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ "آج میرے میں بڑی تشویش ہے ذہن میں۔ ارے ہاں کسی چیز کی حاجت تو نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"نہیں شکریہ مسٹر گیشی۔"

"تاہم کچھ چائے وغیرہ۔ جاؤ بھئی مسٹر منصور کے لئے ناشتے وغیرہ کا بندوبست کرو۔" گیشی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد عمدہ کھانا میرے سامنے آگیا۔ اب خودداری دکھانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے سامنے رکھی ہوئی ٹرے صاف کر دی اور پوری کیتلی میں نے خالی کر دی تھی۔

"بہتر ہے، اب ذرا صاف ستھری گفتگو ہو جائے مسٹر منصور۔ کیا خیال ہے؟"

"نہایت مناسب۔"

"میں آپ سے اپنا تعارف کرا دوں۔ نام تو میرا گیشی ہے لیکن

دوست ہوں۔ طارق یاد ہے آپ کو؟"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ "تو یہ بات ہے؟"

"ہاں۔ اور مجھے آپ سے شدید نفرت ہے۔"

"ہونی چاہیئے۔"

"تم نے ایک بہترین انسان کو ضائع کر دیا۔"

"میری نگاہ میں وہ ایک بدترین انسان تھا۔"

"تم گدھے ہو۔ بالکل احمق۔" گیشی غصے سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"آپ نے صاف ستھری گفتگو کرنے کا وعدہ کیا تھا مسٹر گیشی۔" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور گیشی ایک دم سنبھل گیا۔

"سوری، میں جذباتی ہو گیا تھا۔ دراصل طارق بے مثال آدمی ہے اور مجھے ا کی حالت سے شدید دکھ ہوا ہے، بہرصورت یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں تمہارے بارے م بہت زیادہ نہیں جانتا۔ طارق سے تمہاری دشمنی کیوں ہوئی تھی؟"

"پہلے یہ بتاؤ مسٹر گیشی کہ طارق سے تمہاری دوستی کی نوعیت کیا ہے؟"

"تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"یعنی؟" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں ایک ہی راستے کے مسافر تھے، وہ عموماً بیرونی سفر کرتا تھا۔ مال لے جاتا تھا اور میں لانچ انجینئر ہوا کرتا تھا۔ ہم دونوں بہت گہرے دوست تھے۔"

"ہوں..... لیکن طارق میرا بدترین دشمن ہے مسٹر گیشی۔ ان لوگوں نے مجھ جی انسانوں سے محبت کرنے والے آدمی کو زندگی سے بیزار کر دیا تھا۔ طارق نے میرے خلا سازشیں کیں۔ اپنے آقا سیٹھ جبار کے اشارے پر مجھے جیل بھجوا دیا۔ پانچ سال کی قید بھگتن پڑی مجھے اور ان پانچ سالوں کے بعد جب میں واپس آیا تو میری ماں اور بہن غائب تھیں میں سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن ماں اور بہن کی گم شدگی میرے لئے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ طارق سے دشمنی کی بنیاد یہیں سے شروع ہوئی۔ مجھے بتاؤ گیشی کیا مجھے اس ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے تھا؟"

"لیکن سیٹھ جبار تمہیں اپنے آدمیوں میں جگہ دینا چاہتا تھا۔ تم اب بھی تو ا اسمگلر کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔ تم نے سیٹھ جبار کی بات کیوں نہ مانی؟"

"اس لئے کہ میں اسمگلر بننا نہیں چاہتا تھا۔ سیٹھ جبار نے بالآخر مجھے برائی راستے پر کھڑا کیا۔ جب کہ میں شرافت اور نیکی کے راستے پر چلنا چاہتا تھا۔"

"یہی تو لوگ نہیں چاہتے۔" گیشی مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم جیسے باصلاحیت اور ہنرمند انسان کو ایک اعلیٰ پائے کا اسمگلر ہونا چاہیئے۔ ایسا اسمگلر جس کا گروہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہو، کیا فائدہ ہوا ہے تمہیں آج تک کی زندگی سے، کیا مل سکا ہے، مجھے بتاؤ ذلت و رسوائی کے سوا؟"

"بہرصورت مسٹر گیشی، یہ میری اپنی سوچ ہے۔ میں کسی طور سیٹھ عبدالجبار کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔"

"لیکن اب تو تم اس فیلڈ میں آ چکے ہو؟"

"ہاں آ چکا ہوں لیکن سیٹھ جبار کا مخالف بن کر اس کا دوست بن کر نہیں۔" میں نے جواب دیا اور گیشی ہنس پڑا۔

"منصور! مجھے معاف کرنا، تم واقعی احمق ہو، اپنی نئی دنیا بسا رہے ہو اور سیٹھ جبار کے ساتھ دشمنی پر آمادہ ہو۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ سیٹھ جبار کی دشمنی بڑے بڑوں کو راس نہیں آئی اور وہ شدید نقصانات اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے، کچھ بھی نہیں جانتے تم سیٹھ جبار کے بارے میں...... اگر جان جاؤ تو تمہیں اپنی حیثیت..... ایک حقیر چیونٹی کی طرح محسوس ہو، جو ہزارہا ہاتھیوں کے قدموں تلے پڑی ہو اور سوچ رہی ہو کہ ان میں سے کس کو ہلاک کروں۔ بہرصورت یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ چند باتیں اور بتاؤ منصور؟"

"ہاں ہاں پوچھو؟"

"وہاں تمہارے پراسرار مددگار کون تھے؟"

"کیا مطلب؟"

"ظاہر ہے تمہیں اپنے طور پر اتنی سہولتیں حاصل نہیں تھیں کہ تم روپوش ہو سکتے یا ان تمام ہنگامہ آرائیوں سے گلو خلاصی حاصل کر سکتے۔ تم پر سے قتل کا مقدمہ بھی ہٹ گیا اور اس کے بعد تم محفوظ ہو گئے، طارق کے بارے میں تمہیں معلومات حاصل ہوتی رہیں، آخر کہاں سے، تمہاری مخبری کا ذریعہ کیا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں گیشی کو دیکھا۔ "اور اس کے باوجود آپ کہتے ہیں مسٹر گیشی کہ آپ کو میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، بالکل درست کہا ہے لیکن میں جو سوالات کر رہا ہوں وہ بھی اپنی جگہ ایک مسلم حیثیت رکھتے ہیں، مجھے اس بات کے لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ میں ان سوالات کے جوابات حاصل کروں۔"

"کس نے کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم خود سمجھ دار ہو۔" گیشی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"سیٹھ جبار نے؟"

"ہاں ہاں سیٹھ جبار نے۔"

"گویا تم سیٹھ جبار کے آدمی ہو؟"

"اس بات سے تو کبھی میں انحراف نہیں کر سکتا۔" گیشی نے جواب دیا۔

"تو مسٹر گیشی، سیٹھ جبار کے آدمی ہونے کی حیثیت سے ہمارے اور تمہارے درمیان مفاہمت کبھی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا سیٹھ جبار کے ہاں سے مخبری کا مسئلہ تو اس کے لئے بھی میں نے کسی کو مخصوص نہیں کیا تھا، بلکہ طارق ہی کی ایک محبوبہ پنی نامی لڑکی اس بات پر آمادہ ہو گئی تھی کہ وہ مجھے سیٹھ جبار کے ہاں کی معلومات فراہم کرے گی۔"

"اوہو، اوہو، اس کا مطلب ہے کہ طارق نے جو قدم اٹھایا تھا بالکل درست اٹھایا تھا۔ طارق بھی تم سے کم نہیں ہے منصور، بلکہ میرا خیال ہے تم ذہین نہیں ہو جبکہ طارق ذہین ہے۔ اگر تم ذہین ہوتے تو ان مصائب کا شکار نہ ہوتے۔"

"خیر میں جو کچھ ہوں، میں جانتا ہوں، اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"ہاں۔" گیشی نے جواب دیا۔

"وہ بھی پوچھو۔"

"وہ سارے کاغذات اور فائل کہاں ہیں جو تم نے طارق کی رہائش گاہ سے حاصل کئے تھے۔"

"اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔"

"مگر جواب ضروری ہے۔" گیشی نے کہا۔

"تو تم سمجھ لو کہ اس کا جواب تمہیں کبھی بھی نہیں دیا جا سکتا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا اور گیشی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"سوچ لو منصور، ابھی تک ہم سب نہایت شرافت سے تم سے پیش آتے رہے ہیں؛ اس کے بعد کچھ ہو جائے گا۔"

"کچھ ...." میں نے کہا اور ہنس پڑا۔ گیشی خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت میں نے عقب میں آہٹیں سنیں۔ وہ چار یا پانچ افراد تھے۔ اندر آتے ہی وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ گھونسے، لاتیں اور تھپڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ دو دن بھوکے رہنے کے بعد کھانا ملا تھا۔ بدن پر ایک نڈھال سی کیفیت طاری تھی اور پھر اس کے علاوہ اسٹین گن بردار بھی موجود تھے۔ میں نہ سنبھل سکا اور پھر میرے ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا، وہ لوگ مجھے بری طرح مار رہے تھے، میں زمین پر گر پڑا، تب بھی لاتوں، گھونسوں اور تھپڑوں سے میری تواضع کی جاتی رہی اور میری حالت خراب ہو گئی۔ میرے جسم کے مختلف حصوں سے خون جاری ہو گیا تھا اور جب میں بالکل ہی بے سکت ہو گیا تو

گیشی کے اشارے پر وہ لوگ رک گئے۔

"بس ٹھیک ہے، اسے بند کر دو اور جب بھی اس کی حالت بہتر ہو، اسے میرے سامنے پیش کر دو۔" گیشی نے کہا اور وہ لوگ مجھے گریبان سے پکڑ کر اٹھا کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ البتہ اس بار مجھے ایک اور کوٹھری میں بند کیا گیا تھا جو خاصی کشادہ تھی اور جس کے دروازے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، بہت سے گھونسے، پیشانی اور آنکھوں کے عین اوپر بھی پڑے تھے جس کی وجہ سے آنکھیں متورم ہو گئی تھیں اور بند ہوئی جا رہی تھیں۔ میں صحیح طرح دیکھنے کے قابل بھی نہیں تھا لیکن جب حالت بہتر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ویسی ہی چند کوٹھریاں اور بھی ہیں جن میں بہت سے افراد بند ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ شاید خوشی بھی کہ شاید ایاز بھی یہاں موجود ہو۔ میں نے بمشکل تمام ان سب کو دیکھا لیکن اس وقت میری ایسی حالت تھی کہ میں ان دوسرے قیدیوں کی مزاج پرسی نہیں کر سکتا تھا۔ میں کوٹھری کے فرش پر لیٹ گیا۔ ذہنی قوتیں جواب دیتی جا رہی تھیں۔ اور شدید تکلیف کی وجہ سے آنکھوں پر دھند چھاتی جا رہی تھی لیکن بے ہوش نہیں ہوا اور اسی عالم میں خاموش پڑا رہا۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ میری حالت کچھ بہتر ہونے لگی تھی۔ دفعتاً میرے اوپر پانی کے کچھ چھینٹے پڑے اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ "اے۔ اے ہوش میں آؤ، کیا بات ہے۔"

سامنے والی کوٹھری کے جنگلے سے آواز آ رہی تھی۔ ایک دبلا پتلا شخص ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے کھڑا مجھے مخاطب کر رہا تھا۔ پانی اسی نے پھینکا تھا۔ کوٹھریوں کی درمیانی راہ داری صرف چار فٹ چوڑی تھی۔ اس لئے سامنے والی کوٹھری کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"پانی ہے تمہارے پاس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔ تمہاری کوٹھری میں نہیں ہے؟"

"شاید نہیں۔"

"زخمی ہو؟"

"ہاں۔"

"ٹھہرو۔ میں تمہیں پانی دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور سلاخوں کے پاس سے ہٹ گیا۔ چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا۔ پانی کا گلاس اس نے سلاخوں سے باہر رکھا اور پھر زمین پر لیٹ کر گلاس کو پاؤں سے سرکانے لگا۔ گلاس آدھی راہ داری تک آ گیا۔ پھر میں زمین پر اوندھا لیٹ کر اپنا ہاتھ باہر نکالنے لگا۔ اور بالآخر میری انگلیاں گلاس کے کناروں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئیں۔

پانی پی کر بے حد سکون محسوس ہوا تھا۔ میں نے اس قیدی کا شکریہ ادا کیا اور اس نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ کاش میں تمہاری کچھ اور خدمت کر سکتا۔"

"شکریہ۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"فضل... !"

"اوہ ! اس کا مطلب ہے میرے ہم نسل ہو۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"منصور..... !"

"نئے آئے ہو جزیرے پر؟"

"ہاں..... !"

"دوبئ میں ملازمت کرنے جا رہے ہو گے۔" فضل نے تلخ لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"سنہرے مستقبل کی تلاش میں۔ بیوی نے کہا ہو گا کہ اس ملک میں رہ کر نہ کبھی گھر بنا سکو گے نہ پیٹ بھر کھا سکو گے۔ اس کی فرمائش ہو گی کہ رنگین ٹی وی' فریج' ائرکنڈیشنر اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے گھر بھر جائے اور تم گھر بھرنے چل پڑے ہو گے۔"

میں عجیب سی نگاہوں سے فضل کو دیکھنے لگا۔ یہی بات ہے نا؟ اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا تم ایسی ہی کسی کہانی کے کردار ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں چار سال گزر گئے۔ پورے چار سال مجھے اپنے گھر سے نکلے ہوئے۔ کسی کو میری خبر نہیں ملی ہو گی اور اب تو مذہبی طور پر بھی وہ آزاد ہو گی۔ ممکن ہے دوسری شادی بھی کر لی ہو اس نے اور اب...... اپنے نئے شوہر سے کہہ رہی ہو کہ وہ ملک سے باہر جائے آخر سب کما کر لا رہے ہیں۔"

"کون فضل؟"

"فرزانہ کی بات کر رہا ہوں۔ بڑی لالچی عورت تھی اس کی آنکھوں میں ہمیشہ دولت کے خواب ناچتے رہتے تھے۔"

"مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ گے فضل؟"

"ضرور بتاؤں گا۔ اس ایک مشغلے کے سوا اور کیا ہے۔ ان چار سالوں میں' کئی بار اپنی کہانی دہرا چکا ہوں۔ بڑا سکون ملتا ہے اس میں' تم اس کوٹھری کے چوتھے آدمی ہو۔ این خان سب سے پہلا آدمی تھا۔ مر گیا بے چارہ پھر دو اور آئے نہ جانے کہاں گئے مر کھپ

گئے ہوں گے۔ اس شیطانی علاقے سے زندہ نکل جانے کا کیا سوال ہے۔"

مجھے فضل کی باتیں بہت دلچسپ معلوم ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میں اپنی چوٹوں کو بھول گیا اور اس کی باتوں میں کھو گیا۔ "کہاں کے رہنے والے ہو فضل؟"

"بڑے ہی خوبصورت شہر کا۔ موٹر مکینک تھا۔ ایمانداری سے کام کرنے والا۔ جس کا کام کیا وہ خوش ہوا لیکن ایمان داری سے کام کرنے کی بہت تھوڑی اجرت ملتی ہے۔ اتنی کہ گھر میں گوشت پک جائے۔ سال میں دو ایک جوڑی کپڑے بن جائیں اور بس۔ ٹی وی' فریج اور ایسے دوسرے لوازمات نہیں آ سکتے' خوبصورت گھر نہیں بن سکتا۔ جس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر حسین پردے پڑے ہوں اور جس کا فرش ایسے چمکے جس میں اپنی صورت دیکھ لی جائے مگر فرزانہ کو یہی سب کچھ پسند تھا۔ دوسروں کے گھروں میں جھانکتی پھرتی تھی اور پھر گھر آ کر مجھ سے لڑتی جھگڑتی تھی' اس کا خیال تھا کہ اس کی شادی ایک نکھٹو سے ہوئی ہے جو اسے اس زندگی میں کچھ نہیں دے سکتا۔ مگر مرد بھی بڑا بدنصیب جانور ہے' عورت کے چکر میں ایسا پھنستا ہے کہ اپنے آپ کو بھول ہی جاتا ہے۔ بس یہی کہانی ہے میری.... ماں باپ نے شادی کر دی تھی' میں نے زندگی بھر اپنے بازوؤں سے خوشحال ہونے کا عہد کیا تھا اور اسی میں مصروف تھا' بارہ بارہ' چودہ چودہ' گھنٹے محنت کرتا تھا میں' یہ دوسری بات تھی کہ میرے پاس اپنا گیراج کھولنے کے لئے پیسے نہیں تھے اور جن کے لئے کام کرتا تھا وہ بہرصورت سرمایہ لگانے کے بعد اس سے چار گنا زیادہ کمانے کی فکر میں رہتے تھے' میری محنت کا معاوضہ مجھے بہت کم ملتا تھا۔ ہاں کبھی کوئی بخشش دے دیتا تو دوسری بات ہوتی تھی' مگر ہوتا یہی تھا کہ اس بخشش کی رقم کو بھی میں فرزانہ ہی کے حوالے کر دیتا تھا' ایک بچہ تھا میرا صرف ایک بیٹا..... اور فرزانہ کے پاس مجھے مجبور کرنے کے لئے وہ سب سے بہترین ہتھیار تھا۔ وہ جب بھی کہتی یہی کہتی کہ قاسم کی بہترین زندگی کے لئے مجھے کچھ اور بھی کرنا پڑے گا' پھر وہ بدنصیب ایک تجویز لے کر میرے پاس آئی' کہنے لگی۔ دنیا کے لوگ ملک سے باہر جا رہے ہیں' کما کر لا رہے ہیں' آپ بھی یہاں رہ کر زندگی بھر کچھ نہ کر سکیں گے' باہر نکل جائیے۔ دولت کمائیے اور واپس آ کر ایک خوبصورت سا گھر بنا لیں۔ بڑا سمجھایا میں نے دیوانی کو کہ گھر میں جو کچھ مل رہا ہے وہ ہی بہتر ہے' ہمارے وسائل ایسے نہیں ہیں کہ باہر جا سکیں۔ باہر جانے کے لئے رقم درکار ہوتی ہے' مگر وہ کہاں سننے والی تھی' جان کو آ گئی۔ جینا حرام کر دیا۔ قاسم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگی اور ایسے ایسے مناظر میرے سامنے پیش کئے کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ واقعی میں اس ملک میں رہ کر کچھ نہ کر سکوں گا۔ ملک سے باہر جا کر دولت کمانا بری بات نہیں ہے بھیا ! لیکن جائز طریقے سے جانا اچھا ہوتا ہے' بجائے اس کے کہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالی جائے..... پھر کیا کیا جاتا' فرزانہ نے مجھے مجبور کر دیا۔ گو میں اپنا گھر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جسے میں اپنی محنت سے کسی نہ

دن بڑا ضرور بنا لیتا...... مگر میں فرزانہ کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔ تب میں نے انسانوں کی اسمگلنگ کرنے والے ایک گروہ سے رابطہ قائم کیا' آٹھ ہزار روپے دیئے میں نے اسے' اور وہ لوگ مجھے ایک کشتی میں لے کر چل پڑے۔ بارہ آدمی تھے۔ ہم سب کو اس جزیرے پر اتار دیا گیا اور اس کے بعد ہمیں ہماری تقدیر کا حال سنا دیا گیا' ہم سے کہا گیا کہ ہم اس جزیرے پر قیدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں' لہٰذا ہمیں ان کے احکامات ماننا ہوں گے' ورنہ ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے' یہ ہے بھیا اپنی کہانی۔ چار سال ہو گئے ہیں پورے چار سال...... اس وقت سے یہیں ہوں۔" فضل نے کہا اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

میں حیرت اور دلچسپی سے فضل کی کہانی سن رہا تھا۔ مجھے وہ لوگ یاد آ گئے جو لانچ پر ہمارے ساتھ آئے تھے' کیا انہیں بھی ہمارے ساتھ قید کر دیا گیا۔' کیا وہ بدنصیب بھی یہاں زندگی گزارنے کے لئے آ گئے۔ چند ساعت میں' سوچتا رہا پھر میں نے فضل سے کہا۔

"یہاں تمہیں کیا کام کرنا پڑتا ہے فضل؟"

"بس لانچوں سے مال اتارنا پڑتا ہے' چڑھانا پڑتا ہے اور جو بھی کام ہو' کبھی کبھی مکانوں کی مرمت کرنی پڑتی ہے' کنویں کھودنے پڑتے ہیں' بس یہی سب کچھ' اس کے نتیجے میں دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔ کپڑے پھٹ جاتے ہیں تو نئے کپڑے ملتے ہیں اور زندگی اس کوٹھری میں گزر رہی ہے' جب بھی لانچیں آتی ہیں ہماری ڈیوٹی لگ جاتی ہے۔" فضل نے بتایا۔

"کل کتنے آدمی ہیں یہاں؟"

"سینکڑوں بھیا' میرا خیال ہے سو دو سو آدمی ہوں گے جب ان میں سے کچھ مر جاتے ہیں تو نئے لوگ لائے جاتے ہیں کون سی بڑی بات ہے۔ فرزانائیں تو ہر گھر میں موجود ہیں' وہ اپنے شوہروں کو مجبور کر کے زندگی کے آخری سفر پر روانہ کر دیتی ہیں۔" فضل نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملتا فضل؟"

"روٹی ہی مل جاتی ہے یہ احسان کم ہے ان کا؟"

"یہاں سے کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی؟"

"کی ہو گی۔ پتہ نہیں۔ ویسے لوگ کم ہوتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے بھاگ جاتے ہوں۔ امید نہیں ہے ایسی۔"

"کیوں......؟"

"بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ یا تو سمندر میں ڈوب مریں گے یا پھر درندوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اترائیوں کے بعد خطرناک جنگل ہے۔ رات ہوتے دو' جانوروں کی آوازیں سن لینا۔ کبھی کبھی وہ چڑھ بھی آتے ہیں لیکن یہ لوگ انہیں ہلاک کر دیتے ہیں

نہیں دوسری طرف کیا ہے یہ آج تک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو یہ لوگ اسمگلر ہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"کوئی نئی کھیپ آئی ہے مزدوروں کی؟"

"پتہ نہیں۔ اس بیرک میں تو نہیں آئی۔ کئی بیرک ہیں یہاں۔"

"اس بیرک میں کوئی نہیں آیا؟"

"تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔" فضل نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "تم اپنی کہانی نہیں سناؤ گے؟"

"میری کہانی ذرا مختلف ہے فضل۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر فضل کے اصرار پر میں نے اسے اپنی کہانی سنا دی' فضل بہت متاثر ہوا تھا۔ دیر تک وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا۔ رات ہو گئی اور ہمیں کھانا دیا گیا۔ پتلی دال' تین روٹیاں اور پانی کا ایک گھڑا اور ایک گلاس مجھے بھی دے دیا گیا تھا۔

تقریباً پندرہ دن گزر گئے۔ ان پندرہ دنوں کے ہر لمحے میں، میں نے ایاز کو یاد کیا تھا۔ سب سے زیادہ فکر مجھے اسی کی تھی۔ میں اس کی بے چینی، اس کے کرب سے واقف تھا۔ نہ جانے بے چارے پر کیا گزری۔ اس کا پتہ چل جاتا، اس کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ویسے یہ لوگ مجھے بھول گئے تھے۔ نہ جانے کیوں۔ جب کہ میں ان کے لئے دوسری نوعیت کا آدمی تھا۔ اس دوران میں، میں نے اس جزیرے اور ان اسمگلروں کے بارے میں بھی بہت کچھ سوچا تھا۔ گیشی کے بارے میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے اور اس کی ان لوگوں سے دوستی تھی۔ ممکن ہے سیٹھ جبار کا بھی ان سے کوئی تعلق ہو لیکن چمن...... اس نے مجھے کیسے فراموش کر دیا۔ ظاہر ہے لانچ طوفان کا شکار ہو کر ادھر آ نکلی تھی۔ اسے پتہ تو چل گیا ہو گا۔"

ان فضول خیالات سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ خود پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر میں کیوں اس کے جال میں پھنسا۔ میں اس سے صاف انکار کر سکتا تھا۔ مجھے اتنا نرم نہیں بننا چاہئے تھا۔ اس دنیا میں بھیڑیا بن کر زندہ رہا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے کسی کی مدد قبول نہ کرو، کسی کی مدد نہ کرو، یہی زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔ انسان خواہ مخواہ دوسروں کی الجھن میں پھنس کر خود کو خراب کر لیتا ہے۔ ایسے ہی خیالات میرے ذہن میں آتے رہے......

بعض اوقات گیشی کا خیال بھی آ جاتا تھا۔ نہ جانے اس دن کے بعد، اس نے کیوں مجھے نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ طارق کا بلیک میلنگ کا مواد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس نے دوسری کوشش نہیں کی تھی۔

سولہویں دن چند مسلح افراد اس بیرک میں آئے اور کوٹھریوں کے دروازے کھول کھول کر قیدیوں کو نکالنے لگے۔ شاید کوئی لانچ آئی تھی۔ میری کوٹھری کا دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔ میں بھی باہر نکل آیا۔ ہم سب ایک قطار کی شکل میں وہاں سے نکل آئے اور ساحل کی طرف چل پڑے۔

قیدیوں کو کنٹرول کرنے کے لئے تقریباً پندرہ افراد موجود تھے۔ یہ سب اسٹین گنوں سے مسلح تھے۔ ایک بہت بڑی لانچ ساحل سے لگی ہوئی تھی اور اس پر سیڑھیاں لگا دی گئی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایاز کو تلاش کیا لیکن ایاز کہیں نظر نہیں آیا۔

اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا دیا گیا۔ اس خیال سے میرے ذہن میں انگارے بھر گئے تھے لیکن صورت حال موافق نہیں تھی۔

میں بھی لانچ پر چڑھ گیا اور سامان کی پیٹیاں اٹھا اٹھا کر نیچے لانے لگا پھر دفعتاً میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ بہت دور۔ ایک ٹیلے کے پاس مارٹی چند لوگوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

مارٹی کو دیکھ کر میں ساکت رہ گیا۔ مارٹی جس انداز میں کھڑا ہوا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قیدی نہیں ہے۔ وہ اطمینان سے سگریٹ پی رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ مارٹی آزاد ہے۔ کیوں؟ اس کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے۔ وہ تو چمن کا آدمی ہے۔ اگر وہ آزاد ہے تو کیا اسی جگہ رہ رہا ہے یا لانچ کے ساتھ دوبارہ آیا ہے۔ کیا چمن کو میری گرفتاری کے بارے میں معلوم ہے؟ کیا مارٹی چمن کا غدار ہے؟

لیکن اس سے آگے میری سوچ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ میں وہ مذموم بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ چمن میرا دوست تھا، ہمدرد تھا اس نے نہایت نازک وقت میں مجھے سہارا دیا تھا۔ میں اس کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ مارٹی غدار ہو سکتا ہے، ممکن ہے مارٹی خود بھی ان لوگوں سے مل گیا ہو جو بڑے طاقتور تھے اور نجانے کیا کیا وسائل رکھتے تھے۔ مگر مارٹی میرے ذہن میں چبھتا رہا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا، کوئی ایسی ترکیب نہیں تھی جس سے، میں لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر مارٹی تک پہنچ سکتا، مارٹی سے میں کچھ اور نہیں پوچھنا چاہتا تھا سوائے اس کے کہ ایاز کہاں ہے؟ لیکن لانچ سے مال اتارا جا رہا تھا اور ابھی کافی مال لانچ پر موجود تھا۔ کام نہایت سست روی سے ہو رہا تھا، اس سے زیادہ تیز رفتاری سے کام کیا بھی نہیں جا سکتا تھا، چونکہ لانچ بہرصورت پانی میں کھڑی تھی اور اس تپلی سی سیڑھی سے مال اتارتے ہوئے کافی احتیاط رکھنا پڑ رہی تھی۔ کوئی بھی پیٹی کسی بھی وقت پانی میں گر سکتی تھی اور اس کے بعد صورت حال بہتر نہ ہوتی۔

میں خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا لیکن میری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ترکیب کی جائے اور پھر ایک خیال میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے سوچ لیا کہ جب اس بار میں لانچ پر جاؤں گا تو اپنے اس خیال کا جائزہ لوں گا۔ پیٹیاں لانچ کے سامنے کے حصے میں رکھی ہوئی تھیں اور لوگ اوپر آ جا رہے تھے۔ چند افراد مال اتارنے کی نگرانی بھی کر رہے تھے، اس بار میں لانچ پر پہنچا تو میں نے خود ہی تھوڑا سا وقفہ دے دیا۔ اس دوران میں تین چار آدمی اور اوپر پہنچ گئے تھے وہ پیٹیاں اٹھانے لگے، بڑی بڑی پیٹیاں تھیں جنہیں اٹھانا ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان پیٹیوں کو کئی کئی افراد مل کر اٹھاتے تھے، تب وہ اپنی جگہ سے آگے کھسکتی تھیں۔ کرین وغیرہ کا یہاں بندوبست نہیں تھا۔ حالانکہ اتنی بڑی پیٹیاں کرینوں کی مدد سے ہی اٹھائی جانی چاہئے تھیں، یہ

پیٹیاں بھی ایک سمت چنی ہوئی تھیں اور میں اس بار انھی کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب میں نے محسوس کیا کہ ان پیٹیوں کے عقب میں جگہ خالی ہے۔ بس ذرا پھرتی کی ضرورت ہے اور شاید تقدیر کی بھی۔ دوسروں کی نگاہوں سے بچنا ضروری تھا۔ چنانچہ دوسری بار جب میں پیٹی رکھنے آیا تو میں نے جان بوجھ کر وقفہ دیا' اس دوران چار پانچ مزدور اوپر آگئے' انہوں نے پیٹیاں اٹھالی تھیں' پھر وہ پیٹیاں اٹھا کر آگے بڑھانے لگے۔ میں نے بھی ایک پیٹی اٹھائی لیکن صرف دکھانے کے لئے' اس پیٹی کو اٹھا کر میں نے دوسری پیٹی پر رکھا اور نیچے بیٹھ گیا۔

مال اتارنے کی نگرانی والوں کی توجہ ان مزدوروں کی جانب تھی جو پیٹیاں پشت پر لادے آہستہ آہستہ سیڑھی کی جانب بڑھ رہے تھے' اس طرح مجھے مہلت مل گئی اور میں اس طرح چھپے چھپے پیٹیوں کے پیچھے سے بڑی پیٹیوں کی طرف رینگ گیا۔ جس ...... وقت مزدور پیٹیاں لے کر لانچ کے کنارے سے نیچے اترنے لگتے تھے تو نگرانی کرنے والے محافظ کنارے پر پہنچ جاتے تھے' ان کی تعداد چار تھی اور یہ چاروں مسلح تھے' اس بار بھی یہی ہوا' جونہی وہ کنارے پر پہنچے' میں پیٹیوں کے عقب سے نکل آیا اور رینگتا ہوا لانچ کے انجن روم کی جانب چل پڑا۔ پیٹیوں کے پیچھے اس طرح چھپے رہنا خطرناک تھا۔ کیونکہ کوئی بھی آدمی کسی بھی وقت اس طرف آ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح تھی کہ ان پیٹیوں کو بھی اتارا جانے والا تھا۔

میں آگے کھسکتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس بڑی لانچ میں کوئی ایسی جگہ میسر آ جائے جہاں مجھے چھپنے کا موقع مل سکے' انجن روم کے پاس پہنچ کر میں نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر کا جائزہ لیا' یہاں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا' لانچ کا انجن اس وقت بند تھا لیکن چھپنے کی بھی یہاں کوئی جگہ نہیں تھی' ایک آدمی بھی اندر آ جاتا تو مجھے دیکھ لینا یقینی تھا۔ چنانچہ اس جگہ رکنا بے سود تھا پھر میں وہاں سے بھی رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا پھر لانچ کے نچلے سرے سے ہوتا ہوا میں اس کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا۔ اس جگہ مال نہیں تھا' یہ جگہ سنسان پڑی ہوئی تھی' کسی انسان کا یہاں وجود نہیں تھا البتہ یہاں رسوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور دوڑ کر رسیوں کے اس ڈھیر کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں رسیوں کے اس ڈھیر میں اتر گیا میرے سر پر کھلا آسمان تھا۔ ہرچند کہ یہ جگہ چھپنے کے لئے قطعی موزوں نہیں تھی لیکن اس کے علاوہ چارہ کار بھی نہیں تھا۔ اس وقت تک دیکھا جانا ممکن نہیں تھا جب تک کسی کو ان رسیوں کی ضرورت نہ پیش آ جائے۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے کھڑے ہو کر باہر دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ دن کا وقت تھا اور ذرا سی لغزش نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ اس طرح خاموش بیٹھے رہنا بے حد

مشکل کام تھا لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی نہیں تھا۔ پورا دن میں نے وہیں گزارا۔ رات ہو گئی۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو میری گم شدگی کا احساس بھی ہوا یا نہیں ویسے چھپنا مشکل تھا۔ میری کوٹھری خالی ہو گی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے جب فضا میں اچانک سائرن کی آواز ابھری۔ میں چونک پڑا تھا۔ اس سے قبل یہ سائرن نہیں سنا گیا تھا ممکن ہے یہ میری گم شدگی کی اطلاع ہو یا پھر لانچ والوں کے لئے کوئی اشارہ۔

سائرن دیر تک بجتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ اندھیرا پھیل چکا ہے پھر میگا فون پر ایک آواز ابھری۔ "تمام لوگوں سے التماس ہے کہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔ کوئی ادھر ادھر نہ بھٹکے ورنہ نقصان اٹھا سکتا ہے۔ لانچ پر موجود لوگ لانچ سے نیچے نہ اتریں۔ ورنہ انہیں خطرات پیش آ سکتے ہیں۔"

"اب اس بات میں کوئی شک و شبہہ نہیں تھا کہ انہیں میری غیر موجودگی کا علم ہو چکا ہے۔ دفعتاً" لانچ کے اس حصے میں قدموں کی چاپ سنائی دی جو ایک سے زیادہ آدمیوں کی تھی۔

میں ہمت کر کے کھڑا ہو گیا۔ تب میں نے دو آدمیوں کو اسی طرف آتے دیکھا۔ وہ دونوں سگریٹ پی رہے تھے۔ "کوئی قیدی بھاگ گیا ہے۔" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کہاں بھاگ گیا؟"

"بس سوجھ گئی ہو گی۔ کون خوشی سے قید رہتا ہے۔"

"لیکن جائے گا کہاں؟"

"کہیں نہیں۔ ابھی گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں گی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی لاش آ جائے گی۔"

"اگر وہ سمندر میں کود گیا ہو؟"

"ہوور کرافٹ دوسرے پوائنٹ سے چل پڑے ہیں۔ سمندر کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے۔"

"اور اگر جنگل میں گھس گیا ہو؟"

"اس جنگل میں۔ نا ممکن...... بڑے سے بڑا جیالا بھی اس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ کہا جاتا ہے یہ جنگل افریقہ کے ان روایتی جنگلوں سے زیادہ بھیانک ہے۔ یہاں کے رہنے والے بھی اس جنگل سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اگر وہ اس طرف چلا بھی گیا تو...... اس کی موت ہی اسے اس طرف لے گئی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ ابھی تک میں اپنے ذہن میں فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ساری رات تو اس جگہ چھپے رہنا بیکار ہے۔ دن کی روشن

میں کوئی بھی رسیوں کے اس ڈھیر کی طرف آ سکتا ہے...... پھر اب کیا کرنا چاہیئے۔

دفعتاً ایک اور آواز سنائی دی۔ "گوا سکر۔ کیا تم یہاں ہو.....؟"

"ہاں۔ کیا بات ہے؟"

"مسٹر مارٹی بلا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا آؤ۔" کسی نے کہا اور دونوں وہاں سے چل پڑے لیکن میں خوش ہو گیا تھا۔ مارٹی لانچ پر موجود ہے۔ یہ بہت دل خوش کرنے والی بات تھی لیکن کہیں وہ یہاں سے چلا نہ جائے۔ کیا کرنا چاہیئے اور پھر میں خدا کا نام لے کر رسیوں کے اس ڈھیر سے نکل آیا۔

آج آسمان صاف تھا۔ تارے نکلے ہوئے تھے اور لانچ میں ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس روشنی میں دو تین سائے نظر آ رہے تھے جو لانچ کے عین درمیان بنے ہوئے کیبن کے دروازے کے پاس تھے پھر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے گویا مارٹی اس کیبن میں موجود تھا۔

میں ہر خطرہ مول لینے پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر کیبن کے پاس پہنچ گیا۔ کیبن میں روشندان بنے ہوئے تھے۔ وہ کافی کشادہ اور آرام دہ تھا۔ میں اس کی چھت پر چڑھ گیا جو خاصی بلند تھی اور پھر چھت پر اوندھا لیٹ کر ایک روشندان پر جھک گیا۔ اندر تیز روشنی تھی اور اس روشنی میں مارٹی نظر آ رہا تھا لیکن بدبختی سے روشندان کا شیشہ بند تھا۔ میں مارٹی کو دیکھ تو سکتا تھا لیکن اس کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ روشندان کا شیشہ تو باآسانی کھولا جا سکتا تھا لیکن اس طرح آواز ہوتی اور مجھے دیکھ لیا جاتا اس لئے میں نے ایسی کوشش نہیں کی۔ مارٹی کے سامنے میز پر شراب کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ اس کا موڈ خراب نظر آ رہا تھا۔ کئی بار اس نے میز پر ہاتھ مارا تھا اور پھر ان لوگوں کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"مارٹی نے اٹھ کر کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر سادہ شراب سے سامنے رکھا ہوا گلاس بھر لیا۔ اس کے بعد وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر اس کے گھونٹ لینے لگا۔ میں اب اپنے آئندہ قدم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مارٹی کی شخصیت میری نگاہ میں مشکوک ہو گئی تھی اور اسی سے ملاقات کے لئے میں نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ کیبن کا دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا۔ میں جس جگہ موجود تھا یہ لانچ کی سب سے اونچی جگہ تھی چنانچہ یہاں مجھے دیکھ لیے جانے کے امکانات نہیں تھے۔ لانچ پر ابھی کافی مال موجود تھا جسے دوسرے دن پر ملتوی کر دیا گیا ہو گا۔

بہر حال میں رات گہری ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اب چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا اور دور دور تک لہروں کے شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں

خاموش لیٹا رہا.....

مارٹی نے خوب شراب پی لی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی محبوبہ نہیں تھی۔ نہ جانے وہ کہاں گئی۔ بہر حال پھر اس نے بستر سنبھال لیا اور تیز روشنی گل کر دی۔ اس کی جگہ اس نے مدھم روشنی کا ایک بلب جلا لیا تھا۔ مزید کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے روشندان کے شیشے کو چیک کیا۔ اس کے قطر کا میں اندازہ کر چکا تھا۔ اس سے اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ شیشہ بھی اندر کی طرف کھل جانے والا تھا لیکن جو کچھ کرنا تھا، پلک جھپکتے میں کرنا تھا ورنہ مارٹی غیر مسلح نہیں ہوگا۔ اپنے بدن کو پوری طرح تول کر میں نے پوری مہارت سے شیشہ کھولا اور برق رفتاری سے اس میں داخل ہو کر دوسری طرف کود گیا۔ میرے کودنے سے خاصی آواز ہوئی جس سے مارٹی چونک کر اٹھ گیا۔ اس نے ہونقوں کی طرح مجھے دیکھا۔ مدھم روشنی بھی اتنی تھی کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"تم.....؟" مارٹی کے حلق سی گھگھیانی ہوئی آواز ابھری۔ میں ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً مارٹی سانپ کی طرح پلٹا۔ اس کا ہاتھ نزدیک کے ریک کی طرف بڑھا تھا لیکن میں اس کے لیے تیار تھا۔ میں نے مارٹی پر چھلانگ لگا دی۔ اس نے ریک کھول لیا تھا اور اس کا ہاتھ اندر ہی تھا۔ میں نے گھٹنے سے ریک دبا دیا اور مارٹی کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ اس نے میرے پیٹ میں گھونسا مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے ریک اور زور سے دبا دیا اور وہ بل کھا کر رہ گیا۔

"ہاتھ باہر نکالو۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آہ..... آ آ آہ۔" مارٹی حلق پھاڑ کر چیخا لیکن میں نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ میں اس کی چالاکی سمجھ رہا تھا۔ اس طرح چیخ کر وہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے ہاتھ کی ضرب سے اس کے ہونٹ کٹ گئے اور وہ دوسری بار چیخنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

اب مارٹی کے دشمن ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ ویسے میرے خیال میں اس نے حماقت کی تھی۔ اگر وہ چالاکی سے کام لینے کی کوشش کرتا اور مجھ سے مفاہمت کا اظہار کرتا تو ممکن ہے میں اس کے فریب میں آ جاتا لیکن شاید شراب کے نشے نے اسے یہ بات نہیں سوچنے دی تھی۔

"ہاتھ باہر نکال لو مارٹی۔ تمہیں گیشی کا حشر یاد ہو گا۔ میری زندگی تو یوں بھی خطرے میں ہے لیکن اگر تم نے چالاکی کرنے کی کوشش کی تو تمہیں ضرور قتل کر دوں گا۔"

"میں... ہاتھ نکال رہا ہوں۔" اس نے بمشکل کہا۔ اس کے منہ میں خون بھر گیا تھا۔ میں نے ریک تھوڑا سا ڈھیلا کیا اور مارٹی نے ہاتھ باہر نکال لیا اور میں ریک میں رکھا

ہوا پستول نکال کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور پھر اس کے چیمبر چیک کیے۔ پستول لوڈ تھا۔

مارٹی خون تھوک رہا تھا اور میں خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ اس دوران میں مارٹی سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن اس کی نگاہوں میں اب بھی خوف کے آثار تھے۔

"زیادہ تکلیف نہیں دوں گا مارٹی۔ بس کچھ سوالات کرنے ہیں جن میں میرا ذہن الجھا ہوا ہے۔"

"منصور۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ میں تمہیں پہچان نہیں سکا تھا۔ تمہارا تو تصور بھی نہیں تھا میرے ذہن میں۔"

"دیکھو مارٹی۔ اب ان باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ وقت ضائع کرنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ صرف پندرہ منٹ ہیں میرے پاس اور تمہیں پوری رفتار سے بولنا ہوگا۔ درمیان میں رکے، یا الٹی سیدھی بکواس کرنے کی کوشش کی تو میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔"

"منصور۔ منصور میں تمہارا دوست ہوں۔" مارٹی نے گھگھیاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ لانچ کس کی تھی جس پر میں یہاں آیا تھا؟"

"چمن کی۔"

"اور اس پر لدا ہوا مال کس کا تھا؟"

"چمن کا۔"

"جزیرے پر موجود لوگ کون ہیں؟"

"اسمگلر.....؟"

"ان کا تعلق کس سے ہے؟"

"سیٹھ جبار سے۔ یہ جزیرہ سیٹھ جبار کی ملکیت ہے۔"

"علاقہ کون سا ہے یہ؟"

ساؤتھ اینڈ کہلاتا ہے۔ عام آبادیوں سے بہت دور ہے۔"

"ہمارے ملک سے کتنی دور ہے؟"

"بہت دور..... یہاں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"لانچ ادھر کیسے آ گئی؟"

"خدا کی قسم اتفاق سے۔" مارٹی بولا۔

"گیشی کا سیٹھ جبار سے کیا تعلق ہے؟"

"کسی کو نہیں پتہ تھا۔ وہ درحقیقت سیٹھ جبار کا آدمی ہے۔"

"اور تمہارا.....؟"

"ک..... کیا مطلب؟"

"تمہارا تعلق کس سے ہے؟"

"چ ..... چمن سے۔"

"خوب۔ ایاز کہاں ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا اور مارٹی ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر ہچکچائی آواز میں بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"لانچ کے دوسرے گرفتار شدگان میں سے بھی کوئی نہیں ہے وہ سب کہاں چلے گئے؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"میں ان تمام باتوں سے لاعلم ہوں۔"

"مارٹی میری جان تم کیسے آزاد ہو گئے؟"

"منصور۔ شاید تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا؟"

"سور کے بچے۔ بے وقوف سمجھتا ہے مجھے۔ تو نے ابھی تک کوئی بات صحیح نہیں بتائی ہے۔ اس کے بعد بھی کیا تو میری ہمدردی کا مستحق ہے؟" میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور داہنے ہاتھ کی دونوں انگلیاں سیدھی کر لیں۔ مارٹی نے سہم کر دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ ایک بار پھر وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ میں نے لپک کر اس کی گردن پکڑ لی اور پھر میرا کھڑا ہاتھ پوری قوت سے اس کی گردن پر پڑا۔ دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا۔ میں جنون کے عالم میں اس کی گردن پر ایک ہی جگہ ضربیں لگا رہا تھا پھر گردن کی ہڈی کی چیخ صاف سنائی دی تھی۔ مارٹی کے حلق اور ناک سے خون ابل پڑا اور پھر اس کے کانوں سے بھی خون بہنے لگا۔ جنون کے عالم میں پڑنے والے ہاتھوں نے کچھ زیادہ ہی کام دکھا دیا تھا حالانکہ مارٹی کافی قوی ہیکل تھا لیکن وہ اس ضرب کو برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے دو تین ہچکیاں لیں اور دم توڑ دیا۔ مجھے اس کی امید نہیں تھی بہرحال مارٹی کی موت کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔ افسوس صرف اس بات کا تھا کہ مجھے سوالات کے جواب نہیں مل سکے اور میری الجھنیں بدستور قائم رہیں۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اب اس کیبن میں رکنا بے سود تھا۔ یہاں پستول کے علاوہ میرے مطلب کی اور کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ اس لئے میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ پستول میں نے نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔

باہر سناٹا معلوم ہوتا تھا۔ غالباً مارٹی کی چیخیں کسی نے نہیں سنی تھیں لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ جونہی میں نے سر باہر نکالا میری آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ کسی ٹھوس شے کی ضرب میرے سر کی پشت پر پڑی تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن دوسری ضرب میری کلائی پر پڑی اور پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں اوندھے منہ گرا

تھا اور پھر نہ جانے کتنے انسانوں کا وزن مجھ پر آ پڑا۔ میں تو پہلے ہی نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا۔ اس وزن کو برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔

نہ جانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا تھا۔ غالباً پوری رات گزر گئی تھی کیونکہ جس جگہ میں تھا وہاں چھت کے پاس ایک روشندان نظر آ رہا تھا اور اس سے سورج کی کرنیں جھانک رہی تھیں۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر ساکت ہو گیا۔ گزرے ہوئے واقعات میرے دماغ میں چکرانے لگے اور دفعتاً مجھے اپنے سر میں ٹیسیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں سر کی چوٹ دکھنے لگی تھی، کلائی بھی زخمی تھی، اور اس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تب میں نے ذہن کو سنبھال کر اس جگہ کا جائزہ لیا۔ میں ایک فوم کے گدوں والی مسہری پر پڑا تھا۔ گو مکان یہ بھی پہاڑی پتھروں کو چن کر بنایا گیا تھا لیکن یہاں عمدہ فرنیچر موجود تھا۔ فرش پر قالین بھی تھا......

سامنے ہی دروازہ نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر یہ فیصلہ کیا کہ سوچنا بیکار ہے کچھ کرنا چاہئے۔ "کوئی ہے؟" میں حلق پھاڑ کر چیخا۔ اس طرح چیخنے سے چکر آ گیا تھا۔ لیکن میری اس آواز کے جواب میں کمرے کا دروازہ کھل گیا...... پہلے اسٹین گن نظر آئی اس کے بعد دو آدمی۔ "کیا بات ہے؟" ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"برزخ۔ روحوں کا اجتماع ہے یہاں۔" دوسرے آدمی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔ "آرام سے لیٹے رہو۔ داروغہ برزخ بہت سخت مزاج انسان ہے اگر اس نے تمہاری یہ چیخیں سن لیں تو الٹا لٹکا دے گا۔" اس نے دوبارہ کہا اور وہ دونوں پھر باہر نکل گئے۔

غصے سے خون کھولنے لگا تھا لیکن خون جلانے سے کیا فائدہ۔ ابھی تقدیر یاور نہیں تھی۔ ابھی انتظار کرنا تھا آنے والے لمحات کا، ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ سب سے افسوسناک بات یہ تھی کہ میری زندگی کا کوئی لائحہ عمل نہیں تھا۔ ذہن اتنا منتشر تھا اور اقدامات اتنے محدود تھے کہ کوئی کام کی بات نہیں ہو پا رہی تھی بہرحال ان حالات میں خاموشی کے سوا کیا چارہ کار تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہی دونوں مسخرے دوبارہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا جس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ اس ٹرے میں چند پھل، عمدہ قسم کے بسکٹ اور چائے کی کیتلی پیالی کے ساتھ تھی۔

"ناشتہ کر لو۔ پھل تمہیں تقویت دیں گے۔" اسی شخص نے کہا جو خود کو بہت چرب زبان سمجھتا تھا۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت دلچسپ گفتگو کرتے ہو جان من۔ کبھی تنہائی میں آؤ کچھ تفصیلی بات چیت کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"اوہو ہو ہو۔ میں نامحرموں سے تنہائی میں نہیں ملتا۔ باعزت آدمی ہوں اور تم تو شکل ہی سے مجھے لفنگے نظر آتے ہو۔ چلو یار، مجھے اس شخص کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔" اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ واقعی مسخرہ تھا۔

کھانے پینے میں، میں نے کوئی تکلف نہیں کیا اور جو کچھ موجود تھا، صاف کر دیا۔ کیتلی میں جتنی چائے تھی وہ بھی پی لی اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا۔

دوپہر کو کھانا آیا۔ شام کو چائے آئی۔ بڑی باقاعدگی برتی جا رہی تھی پھر رات کو بلاوا آ گیا۔ چار مسلح افراد مجھے لے کر چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک اور بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں جنریٹر سے روشنی کی گئی تھی۔ جنریٹر چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

برقی قمقموں کی روشنی میں، میں نے تین افراد کو ایک میز کے گرد پڑی کرسیوں پر بیٹھے دیکھا لیکن ان میں سے ایک کو دیکھ کر میرے ذہن میں اتنا شدید دھماکا ہوا............ کہ چکر آ گیا۔ میں نے بمشکل خود کو گرنے سے روکا............ یہ چمن تھا۔

ہاں یہ چمن ہی تھا۔ ناممکن۔ ناقابل یقین۔ میری بینائی دھوکا دے رہی ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ جو میں دیکھ رہا ہوں۔ فریب ہے۔ صرف میرے ذہن کی اختراع ہے۔

میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ لیکن نظر ہر بار تو دھوکہ نہیں دیتی۔ وہ چمن ہی تھا۔ سو فی صد چمن۔ بڑی سنجیدگی تھی اس کے چہرے پر۔ بڑا ٹھہراؤ اور بڑا ہی اجنبی پن تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا اور میں نے بیٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ سبکی کرانے سے یہی بہتر تھا کہ حکم کی تعمیل کروں۔ ورنہ یہ شدید حیرت میرے پیروں کی لرزش بنی جا رہی تھی۔ میں ان کے اشارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو اس میز کے سامنے پڑی ہوئی تھی لیکن میرے ذہن میں اب بھی دھماکے ہو رہے تھے.......

"کیسے ہو منصور؟" چمن کی آواز ابھری۔

"کون ہو تم؟" میں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"چمن۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"یقین نہیں آتا۔"

"یہ تمہارے محدود تجربے کا قصور ہے۔" چمن کے لہجے میں کوئی لکنت نہیں تھی۔

"میں خود کو کرہ ارض پر نہیں محسوس کرتا۔"

"یہ بھی ایک جذباتی حماقت ہے۔"

"گویا میں احمق ہوں؟"

"نہیں۔ ایک ناتجربے کار نوجوان ہو۔"

"اور تم واقعی چمن ہو۔ میرے دوست۔ میرے ہمدرد۔"

"ہاں۔ میں چمن ہوں۔ تمہارا دوست، تمہارا ہمدرد۔" چمن کے لہجے میں وہی ٹھوس کیفیت برقرار تھی۔ میں نے سر کو جھٹکا دیا، اگر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ پڑی ہوتیں تو میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے چمن کو دیکھا اور پھراسی طرح حیران لہجے میں پوچھا۔

"تم چمن ہو میرے دوست، میرے ہمدرد، میری یہ کیفیت دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

"اس وقت تمہارے دل سے دوستی کے جذبے فنا ہو گئے ہیں یا تم نے ہمیشہ میرے بارے میں اسی انداز میں سوچا ہے؟ تم مجھے جذباتی حماقتوں میں مبتلا کر کے خود اپنا الو سیدھا کرتے رہے ہو، بات یہ ہے چمن، میں خود کو نا تجربے کار، بے وقوف، احمق تسلیم کرتا ہوں لیکن مجھے اس کرہ ارض کے بارے میں بتا دو کیا فیصلہ کروں اس کے بارے میں، کیا سوچوں انسانوں کے بارے میں، کیا سمجھوں ان لوگوں کو جو محبت اور نیکیوں کی تلقین کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے کیا کہوں ان کتابوں کو، جن میں اقدار، اخلاق، محبت، مروت اور انسانیت کے بارے میں احمقانہ باتیں لکھی ہوئی ہیں، جن کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، مجھے بتاؤ چمن، دنیا کے کون سے رخ کو سچا سمجھوں اور کون سے رخ کو غلط، اگر اس وقت تم ایک سپاٹ اور اجنبی انسان کی حیثیت سے میرے سامنے آئے ہو تو مجھے بتاؤ کہ ان گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں کیا سوچوں۔ جب میں نے آنکھیں بند کر کے تمہیں اپنا دوست اور ہمد[illegible] محسوس کیا تھا بلکہ حسرت کی ہے اس بات پر کہ کاش برا وقت آنے سے پہلے [illegible] ہمدرد دوست اور رہنما مل جاتے، جو مجھے برائیوں کے راستے پر جانے سے روکتے۔ مجھے بتاؤ چمن، زندگی کے کون سے لمحات کو ناکارہ سمجھوں اور کون سے کو کار آمد، میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تمہاری اسی کمی نے تمہیں اب تک خوشیوں سے دور رکھا ہے منصور.....،" چمن کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"یہ کمی ہے؟"

"ہاں بہت بڑی کمی۔"

"تو پھر یہ کتابیں بازار میں کیوں آتی ہیں چمن، لکھنے والے حقیقتیں کیوں نہیں لکھتے؟"

"اس لئے کہ دنیا کے نوے فی صد آدمی خود کو دھوکا دینے میں مصروف ہیں، اخلاق، آداب، تہذیب، شرافت، نیکی بلاشبہ ایک حیثیت رکھتی ہیں بلکہ رکھتی تھیں لیکن ہم زمانہ حال کے لوگ ہیں اور جتنی تاریخیں چاہو اٹھا کر دیکھ لو، ابتدائے آفرینش سے انسان کا ایک کردار رہا ہے۔ ہر مزاج کے دو مختلف روپ ہوتے ہیں نیگیٹو، پازیٹو، لیکن اس کا تعین انسانوں نے کر لیا ہے، ایک طبقے کو وہ نیگیٹو کہتے ہیں اور ایک کو پازیٹو لیکن یہ نیگیٹو اور پازیٹو کے الفاظ وہ جن معنوں میں استعمال کرتے ہیں، وہ خود ان کی نگاہوں میں بے مقصد ہیں۔ قدیم دور کا انسان اونٹوں پر سفر کرتا تھا۔ قافلے چلتے تھے اور ان قافلوں کے کچھ اصول ہوتے تھے۔ قدیم دور کا انسان زندگی کی چاشنی سے اس قدر بہرہ ور نہ تھا۔ ادوار بدلے، تہذیب بدلی، اقدار بدلیں اور انسان نے وہ اصول اپنائے جو رائج زمانہ تھے اور جو پیچھے رہے وہ پہاڑوں میں ہی آباد رہے اور وہیں مر گئے۔ غیر مطمئن وہ بھی نہ تھے کیونکہ انہیں اس دنیا سے سروکار نہیں تھا لیکن جو اس دنیا میں آئے اور جنہوں نے جدید ماحول میں سانس لیا اور اس کے باوجود اس سے پیچھے رہے وہ منصور کہلائے۔ منصور تم نے آج تک صرف حماقتیں کی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارا تجربہ بہت وسیع تھا۔ اور تم اپنی عمر سے پیچھے رہے، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے حقیقتوں سے روگردانی کی ہے، بے شک عمر تجربہ دیتی ہے لیکن بعض اوقات زندگی کے ایسے مسائل نوجوانی کی عمر میں ہی سامنے آ جاتے ہیں کہ تجربات عمر سے کہیں آگے چلے جاتے ہیں تمہیں ان تجربات سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے تھا لیکن تم جذباتی حماقتوں میں پھنس گئے منصور، تقدیر نے تمہارے لئے کچھ راستہ منتخب کئے تھے، تم نے تقدیر سے بغاوت کی۔ تم نے ان راستوں سے روگردانی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ بھٹک گئے، میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں میں تمہارا ہمدرد ہوں، تمہارا دوست ہوں اور تمہاری بہتری کا خواہش مند...... لیکن اقدار سے، حالات سے، ماحول سے ہٹ کر بات کرو گے تو کون تمہارا ساتھ دے سکے گا؟ اگر تم چاہو تو میں ابتدا ہی سے تمہیں تمہاری حماقتوں کی تفصیل سناتا چلوں۔" چمن کے لہجے میں ایک عجیب سی کھنک تھی۔ وہ ایسے پراعتماد انداز میں بول رہا تھا کہ مجھے حیرت ہو رہی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ انسان چند لمحات میں اتنے روپ بدل لیتا ہے، یہ کیسی دنیا ہے، انسان کہاں ہے؟ کیا ہو گیا ہے۔ دنیا کی نوے فیصد آبادی نیکی اور شرافت کے اصول اپنائے ہوئے ہے، ان اصولوں کا پرچار کرتی ہے لیکن اس میں سے کتنے فیصد افراد ان اصولوں پر خود بھی کار بند ہیں، کیا وہ جو ان اصولوں سے پیچھے ہیں، اپنے آپ کو میری ہی طرح غیر مطمئن سمجھتے ہیں، چمن کی مثال میرے سامنے تھی۔ کیا تھا اور کیا

نظر آ رہا تھا۔ ناممکن، ناممکن......

میں نے اب بھی اس بات پر یقین نہیں کیا، میری سماعت مجھے دھوکا دے رہی تھی، میری آنکھیں بصارت سے محروم ہو گئی تھیں، میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چمن کو دیکھتا رہا۔

"سنو منصور! تم ایک ایسے باپ کے بیٹے تھے جو ممکن ہے شریف النفس ہو اور اقدار کی آغوش میں پرورش پا کر جوان ہوا ہو، اچھا ماحول دیکھا ہو۔ اس نے تمہیں، اپنی بیوی اور بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لئے محنت مزدوری کر کے کچھ حاصل کرنا چاہا ہو لیکن اس کے بعد وہ سیٹھ جبار کا ملازم ہو گیا۔ طارق اور اس جیسے دوسرے لوگوں نے تمہارے باپ کو جن راہوں پر گامزن کیا تمہارا باپ ان پر چل پڑا، کیونکہ اس نے حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ منصور تمہاری پرورش اسی کمائی سے تو ہوئی جو تمہارے باپ کے ذریعے تم تک پہنچتی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ عمر کی ناتجربہ کاری نے یا پھر تمہارے اچھے خون نے تمہیں اچھائیوں کی طرف مائل کیا لیکن تقدیر سے تم کہاں لڑ سکتے ہو، تمہارا راستہ تو سیٹھ جبار کی کوٹھی تک ہی جاتا تھا اور پھر اس کار تک جو سیٹھ جبار کی ملکیت تھی، وہاں پہنچ گئے تم، لیکن وہاں پہنچ کر تم نے ان راستوں پر چلنے سے انکار کر دیا جو تمہاری روزی کا جزو تھے۔ تم نے سیٹھ جبار جیسی شخصیت سے بغاوت کی۔ غور کرو، جب کہ تمہیں تو زندگی تعمیر کرنے کے لئے بہت سے سہاروں کی ضرورت تھی اور تمہیں پہلا سہارا وہی پکڑنا چاہئے تھا لیکن تم نے اس سے روگردانی کی، اس کے بعد تمہاری معصومیت جگہ جگہ مجروح ہوئی، تم نے پولیس سے رابطہ قائم کیا۔ وہاں پر تمہیں بتا دیا گیا کہ تم ایک معصوم بچے سے زیادہ کچھ نہیں ہو لیکن تم نے اپنی معصومیت تسلیم نہیں کی اور سیٹھ جبار کے خلاف احمقانہ حرکات میں مصروف رہے۔ غور کرو ایک مضبوط اور ٹھوس چٹان، ناتواں ہاتھوں سے کیسے کھسک سکتی تھی۔ تمہیں قید ہو گئی پھر تم قید سے رہا ہو گئے۔ واپس گھر آ گئے تمہیں اطلاع مل گئی کہ تمہیں قید کرانے والے کون تھے۔ اس وقت بھی تمہیں سنبھلنا چاہئے تھا لیکن تم اچھلتے کودتے رہے۔ تم نے کچھ نامعلوم لوگوں کا سہارا لے لیا جو یقیناً در پردہ سیٹھ جبار کے دشمنوں میں سے ہوں گے۔ ایسے دشمن جو بزدل اور گھٹیا ہوتے ہیں لیکن کیا تم اس دشمنی کی وجہ جانتے ہو؟" چمن نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا اور بے اختیار میری گردن نفی میں ہل گئی۔

میں واقعی خود کو اس وقت بڑا احمق محسوس کر رہا تھا۔

"اس دشمنی کی وجہ یہ ہو سکتی تھی منصور کہ وہ لوگ جو تمہارے پشت پناہ بن گئے تھے، سیٹھ جبار کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، جانتے ہو کیوں؟ صرف اپنے مفاد کے لئے، انہوں نے اپنے مفاد کے لئے تمہیں صرف مہرے کی حیثیت سے چنا تھا۔ ظاہر ہے کمزور

آدمی ہمیشہ مضبوط سہارے پکڑتا ہے۔ تمہاری پشت پناہی کرنے والوں کے لئے تم ایک ایسی شخصیت تھے جو ان کی بات مان کر سیٹھ جبار کو خاصا نقصان پہنچا سکتے تھے اور تم نے ان کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ یقیناً یہ لوگ اس سے خوش ہوئے ہوں گے، تم نے سیٹھ جبار کے دائیں بازو کو اکھیڑ ڈالا۔ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ میری مراد طارق سے ہے۔ ان لوگوں نے تنکوں سے پہاڑ گرانے کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ تم البتہ ان کے لئے کھلونا بنے رہے۔ تمہیں اس بات پر حیرت ہو گی منصور کہ سیٹھ جبار ہمیشہ سے تمہیں پسند کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تم میں بہت کچھ بننے کی صلاحیت ہے لیکن تمہارے ذہن پر ایک دھند چھائی ہوئی ہے۔ نیکی اور شرافت کی دھند۔ اس کے خیال میں ابتدا ہی سے تمہاری تربیت غلط ہوئی ہے۔ سیٹھ جبار تمہاری صحیح تربیت کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں مزید حیرت ہو گی منصور کہ سیٹھ جبار آج بھی روز اول کی طرح تمہیں پسند کرتا ہے اور تمہاری تربیت کر رہا ہے۔"

"چمن...... چمن کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہاری عزت کی ہے۔ تمہاری یہ باتیں میری سمجھ نہیں آ رہیں۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں ہر سوال، ہر زبان کی آزادی ہے کیونکہ تمہارے الفاظ تمہارے اندر چھپے ہوئے انسان کے ترجمان ہوں گے۔"

"تمہاری بکواس میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"جو بات یا جو بکواس سمجھ میں نہ آئے اس کے بارے میں سوال کر لو۔"

"جواب دو گے؟"

"یقیناً پوری سچائی اور دیانت سے۔"

"تمہارے خیال میں سیٹھ جبار کے خلاف مجھے استعمال کرنے والے کون ہیں؟"

"بہت گہرے اور چھپے ہوئے لوگ۔ جو آج تک پردے میں ہیں۔" چمن نے جواب دیا اور میرے دل میں مسرت کی پہلی لہر نمودار ہوئی۔ یہ بدبخت خدا کا شکر ہے، ابھی پروفیسر شیرازی یا لیڈی جہانگیر سے ناواقف ہیں۔

"کیا یہ تمہاری خام خیالی نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ان کا وجود اسی طرح یقینی ہے جس طرح تم اس وقت میرے سامنے ہو۔"

"لیکن چمن۔ میں احمق انسان تمہارے اوپر بھروسہ کرتا رہا ہوں، کیا تمہارے خیال میں، میں تم سے سچ نہیں بولتا رہا؟"

"بے شک سچ بولتے رہے لیکن تم نے ان لوگوں کا راز نہیں کھولا..."

"گویا میں نے تم سے منافقت کی؟"

"نہیں۔ میں اسے منافقت کا نام نہیں دیتا۔ وہ تمہاری شرافت تھی یا پھر میرے

الفاظ میں نا تجربے کاری۔ تم اگر سیٹھ جبار کے لئے نرم ہوتے تو ان لوگوں کا راز ظاہر کرتے لیکن تم اس کے دشمنوں کو ذہن کی گہرائیوں میں محفوظ رکھے رہے۔"

"تم تو بے حد چالاک اور زیرک انسان تھے چمن۔ تم نے میرے ذہن میں ان لوگوں کو کیوں نہ تلاش کر لیا؟"

"بہت کوشش کی لیکن اعتراف کرتا ہوں کہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"سیٹھ جبار آج بھی مجھے پسند کرتا ہے؟"

"ہاں۔ وہ تمہیں کام کا آدمی بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ تمہارے ذہن پر بس ایک خول ہے۔ ایک مضبوط اور فولادی خول جو اس کی کوششوں سے پتلا ضرور ہوا ہے لیکن ٹوٹا نہیں۔ جس دن وہ خول ٹوٹ گیا تم اس کے مقصد کے لئے فٹ ہو جاؤ گے اور وہ اس خول کے ٹوٹنے کا منتظر ہے۔"

"اور اگر یہ خول نہ ٹوٹا؟"

"تو ایک دن وہ تمہیں توڑ دے گا۔ اس کی فطرت ہے۔ اس کی پسندیدہ شے اسے حاصل نہ ہو تو وہ اسے فنا کر دیتا ہے۔"

"آج تک وہ اس میں کیوں ناکام رہا۔ وہ تو میرے ہاتھوں نقصان اٹھاتا رہا ہے۔"

"خام خیالی ہے تمہاری۔ تم کبھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہے۔"

"طارق کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا اور چمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے ابھی تک بنیادی سوال نہیں کیا منصور؟"

"بنیادی سوال۔ ہاں ممکن ہے میرے منتشر ذہن نے میرا ساتھ نہ دیا ہو۔"

"میں نشاندہی کرتا ہوں۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں سیٹھ جبار کی وکالت کیوں کر رہا ہوں۔"

"برے راستوں کے راہی ہو، بک گئے ہو گے اس کے ہاتھوں۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"نہیں منصور۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں سیٹھ جبار کا پچیس سال پرانا دوست ہوں۔ اس وقت کا جب سیٹھ جبار، سیٹھ جبار نہیں تھا ایک معمولی سا تاجر تھا اور میں اس کا شریک کار۔"

"مجھے یقین ہے تم سچ بول رہے ہو گے۔"

"ہاں۔ میں سچ بول رہا ہوں۔"

"ویسا ہی سچ، جیسا تم نے ایک بار پہلے بھی بولا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ تم بھی سیٹھ جبار کے شکار ہو۔ اسی لئے اس کے خلاف کام کر رہے ہو۔"

"تمہارا دوسرا جملہ غلط ہے۔ میں نے پہلا جملہ ضرور کہا تھا یعنی میں اس کا شکار ہوں لیکن اس میں ایک جملے کا اضافہ اور کر دو۔ ہاں میں اس کی دوستی کا شکار ہوں۔ پچیس سال کا ساتھ ہے ہمارا......"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسکرا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہرحال اس وضاحت کے بعد تمہارے ذہن میں چند باتیں ضرور صاف ہو گئی ہوں گی۔ اب طارق کے بارے میں، میرا خیال پوچھ رہے ہو تو سنو یہ سیٹھ جبار کی عادت ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھرپور تعاون دیتا ہے لیکن جس کا جو کام ہوتا ہے وہ اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی مداخلت نہیں پسند کرتا۔ تم نے پولیس میں پہلی رپورٹ کی، جس کی اطلاع فوری طور پر سیٹھ جبار کو مل گئی۔ طارق بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے تمہارا کیس سیٹھ جبار سے لے لیا اور کہا کہ وہ تمہیں ٹھیک کر لے گا۔ سیٹھ جبار اس سے مطمئن ہو گیا۔ اس نے بس طارق سے ایک بات کہی تھی...... کہ وہ تمہاری زندگی چاہتا ہے اس کے بعد تمہارے اور طارق کے درمیان کھیل ہوتا رہا اور تم نے طارق کو ایک ہاتھ سے محروم کر دیا۔ جبار کو اس بات کا وقتی دکھ ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا چمن۔ اس کا مطلب ہے کہ لڑکا میری توقع کے مطابق ہے۔ اس پر غور کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ اس کی عادت ہے۔ اس نے ایک اور تجربہ کیا۔ یعنی فضل خان کو تمہارے مقابلے پر لا کر تمہارا دوسرا ٹیسٹ لیا اور تم اسے اور پسند آ گئے یعنی تم نے فضل خان کو معذور کر دیا اور اس کے بعد اس نے تمہیں کچھ اور نکھارنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"ایک منٹ چمن۔" میں نے درمیان میں مداخلت کی۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"تم کس وقت مجھ سے واقف ہوئے؟"

"جب تم نے پولیس انسپکٹر کے سامنے بڑی معصومیت سے یہ بات کہی تھی کہ سیٹھ جبار ایک اسمگلر ہے اور تم ان جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہو جہاں مال اترتا ہے۔"

"اوہ۔" میں واقعی حیران رہ گیا۔

"دراصل پولیس سیکشن میرے ہی پاس ہے۔ اس قسم کے جتنے معاملات ہوتے ہیں وہ میں ہی دیکھتا ہوں۔ بہرحال، میری اس وقت سے واقفیت تھی تم سے اور جب تم ایاز کے ساتھ میرے پاس آئے تو مجھے حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ تم سیٹھ جبار سے پوشیدہ تھے لیکن میرے پاس تھے۔ ہے نا لطف کی بات۔ اس عمارت میں تمہیں خاموشی سے قتل کیا جا سکتا تھا۔ بتاؤ مشکل کام تھا یہ...... لیکن اصول اصول ہوتے ہیں۔ تم نے فضل خان کا پتہ پوچھا۔ میں نے خاموشی سے تمہیں بتا دیا۔ طارق کے اور تمہارے معاملے میں بھی میں

نے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کوئی غیر ضروری بات نہیں کی۔ سبھی تمہارے دوسرے معاملات کی کھوج نہیں کی۔"

"آخری بات چمن۔"

"ضرور۔" میں مسکرایا۔

"لانچ کس کی تھی؟"

"سیٹھ جبار کی۔"

"اور مال؟"

"وہ بھی اسی کا تھا۔ یہ تمہارا ذہنی امتحان تھا۔ یہ دیکھنا تھا کہ حالات تمہیں کہاں تک لے آئے ہیں۔"

"یہاں تم ذلیل ہو گئے چمن۔ اگر غیرت و شرافت کا ایک ذرہ بھی تمہارے وجود میں موجود ہے تو غور کرنا۔ خدا کی قسم منصور جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ کبھی اس لانچ کے ساتھ آنے پر تیار نہ ہوتا۔ یہ صرف تمہارے احسانات تھے جنہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میں صرف اس لئے آیا کہ تم نے مجھے مجبور کیا تھا۔"

"لیکن میں نے تمہیں اچھے مستقبل کا اشارہ بھی تو کیا تھا۔"

"مجھے اس مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"اوہ یہاں تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔" چمن ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ اس کے چہرے پر پہلی بار کبیدگی نظر آئی تھی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"یہ جزیرہ کس کا ہے چمن؟"

"اب اس میں پوچھنے کی کیا گنجائش ہے سیٹھ جبار کا ہے لیکن یہاں کے لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے۔"

"لانچ طوفان سے متاثر ہو کر اس طرف آئی تھی؟"

"لانچ کو اسی طرف آنا تھا لیکن یہ صرف اتفاق ہے کہ طوفان بھی اسے اس طرف لے آیا اور اس کا سفر مختصر ہو گیا۔"

"میرے لئے کیا پروگرام تھا؟" میں نے سوال کیا اور چمن سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ "جو پروگرام تھا اب نہیں ہے۔ تم نے واقعی مجھے مایوس کیا ہے۔ مارٹی کو قتل کر کے بھی تم نے اچھا نہیں کیا۔ ایک کام کے اور تجربے کار آدمی کو تم نے مار دیا۔ مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔"

"ایاز کہاں ہے چمن؟"

"اسے لانچ سے واپس لے جایا گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر پہنچ گیا ہے۔"

"کیا وہ بھی میرے خلاف تمہارا آلہ کار تھا چمن؟" میں نے دھڑکتے دل سے

پوچھا۔ چمن کے اس جواب میں' میری توقعات کا تاج محل چھپا ہوا تھا۔ اس آخری سوال سے میرا قلبی تعلق تھا۔

چمن نے ناک سکوڑ لی اور گردن ہلا کر بولا۔ "نہیں منصور۔ میرا معیار اتنا گھٹیا نہیں ہے۔ سڑکوں اور گلیوں کے آوارہ گرد چھوکرے اتنے قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ اسے صرف تمہارے دل بہلانے کے لئے تمہارے پاس چھوڑ دیا گیا تھا دراصل سیٹھ جبار کی طرف سے اپنے کارکنوں پر کوئی پابندی نہیں ہوتی' طارق نے اپنے کھیل پھیلا رکھے تھے۔ وہ بلیک میلنگ کرتا تھا۔ دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کر لیتا تھا اور اگر کبھی اسے جبار کی مدد کی ضرورت پیش آ جاتی تھی تو جبار اس سے پہلو تہی بھی نہیں کرتا تھا۔ ایسا ہی کھیل میں نے بھی جاری رکھا۔ ایاز صرف میرے لئے کام کرنے والا ایک چھوکرا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

میرے دل کو بڑا سکون ہوا تھا۔ کم از کم ایک شخص کا خلوص تو ثابت ہو گیا تھا۔ ورنہ چمن کی اصلی شکل دیکھ کر تو پروفیسر اور گل بھی مشکوک ہو گئے تھے۔ کون جانے کون کس رنگ میں ہو۔

چمن بدستور کسی سوچ میں گم تھا پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ "بہرحال منصور میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں۔ میری بھی خواہش تھی کہ تم انسان بن جاتے' کام کے انسان لیکن تم اب بھی وہی ہو۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تمہارے اندر۔ میں سیٹھ جبار کو تمہارے بارے میں کوئی غلط رپورٹ نہیں دے سکتا۔ اگر تم ٹھیک ہو گئے ہوتے تو میں بڑی خوشی سے تمہیں ساتھ لے جاتا اور اس کے بعد......" چمن خاموش ہو گیا۔

میں بھی خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ حیرت' تعجب کے اثرات بہت حد تک کم ہو گئے تھے پھر میں نے کہا۔ "جو کچھ تمہارے دل میں ہے چمن ضرور کرو۔ ظاہر ہے تم سیٹھ جبار کے مہرے ہو۔ اس سے الگ نہ جاؤ گے لیکن چمن۔ تم نے کئی بار خلوص بھرے لہجے میں یہ بات کہی تھی کہ خدا کرے تمہیں تمہاری ماں اور بہن مل جائیں۔ کیا اس لہجے اور ان الفاظ میں صداقت نہیں تھی۔ وہ سب کچھ بھی جھوٹ تھا......؟"

"نہیں منصور۔ وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں نے یہی کہا تھا کہ وہ دونوں تمہیں مل جائیں اور شاید یہ اسی وقت ممکن تھا جب تم سیٹھ جبار کے لئے کام کے آدمی بن جاتے مگر......"

"اگر تم جبار کے اتنے قریبی دوست ہو' تو تمہیں تو ان دونوں کے بارے میں ضرور معلوم ہو گا۔ اب ان حالات میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ان کا پتہ بتا دو۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ زندہ ہیں؟"

"منصور۔ مجھے ان کا پتہ نہیں معلوم۔ سیٹھ جبار ایک ماہر شاطر ہے۔ اس نے ہر

شخص کا ایک مقام متعین کیا ہوا ہے' میں اس کا پچیس سالہ دوست ہوں لیکن اس کا کارکن بھی ہوں' کارکن اور صرف کارکن' میرے لئے بھی حدود مقرر ہیں اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا وہ اپنے لوگوں کا امتحان لیتا ہے' وہ خود کو چاروں طرف سے چاق و چوبند رکھنے کے لئے دشمن تخلیق کرتا ہے اور ان دشمنوں کو سہولتیں مہیا کرتا ہے ایسی سہولتیں جو بعض اوقات خود اس کی زندگی کی بھی دشمن بن جائیں اور اس کے بعد وہ ان دشمنوں کو ناکامی کا منہ دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے' شاید یہ اس کا مشغلہ ہے وہ خوش ہوتا ہے اس بات سے اور موقع دیتا ہے اپنے دشمنوں کو کہ وہ اس کے خلاف بھرپور جدوجہد اور کارروائی کریں' اس کا کہنا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو آزماتا ہے' گویا وہ صرف اپنے کارکنوں کا امتحان ہی نہیں لیتا' بلکہ وقفے وقفے سے اپنا امتحان بھی لیتا ہے' تو ایسا آدمی کسی کو اپنے دل کی گہرائیوں تک کہاں پہنچنے دیتا ہے۔ میں تمہیں یہ بات بتا سکتا ہوں منصور کہ تمہاری ماں اور بہن زندہ ہیں۔ بھروسہ کر سکتے ہو تو صرف ایک بات کا بھروسہ کر لو کہ مجھے ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔"

میرے سینے میں پھر ایک کھولن پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دھماکا سا ہوا تھا میرے ذہن و دل میں اور میں تڑپ کر رہ گیا تھا اتنے عرصہ کی جدوجہد اور امید و بیم کی کیفیت کے بعد ان دونوں کے زندہ ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ اے کاش مجھے ان کی قیام گاہ کا پتہ بھی چل جاتا۔ کاش کوئی ایسی ترکیب ہوتی کہ میں ان کی صورت دیکھ سکتا' ایک بار صرف ایک بار۔ یہ حسرت چند لمحات کے لئے میرے ذہن میں مچلی اور پھر میں نے عجیب سی نگاہوں سے چمن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو چمن کہ وہ دونوں زندہ ہیں؟" اس سوال کے بعد میں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا تھا۔

چمن کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایک بار سیٹھ جبار ہی نے یہ بات بتائی تھی۔"

"کب' کیسے؟" میں نے اشتیاق سے سوال کیا۔

"میں بتا دوں گا منصور لیکن شرط یہ ہے کہ میری بات پر تم بھروسہ کرو گے اور اگر نہ کیا تو پھر میری ذہنی کیفیت بھی خراب ہو جائے گی۔"

"مجھے بتاؤ۔ مجھے بتاؤ چمن' چمن کہ کس بات پر یہ بات سیٹھ جبار نے تم سے کہی تھی؟"

"میں نے اس سے بات کی تھی۔" چمن بولا۔

"کیسی بات؟"

"میں نے اس سے کہا تھا کہ سیٹھ جبار' منصور ایک بچھڑا ہوا سانڈ ہے۔ یہ بات

ں نے اس وقت کہی تھی جب تم نے طارق کا بازو توڑ دیا تھا۔ میں نے سیٹھ جبار سے وستانہ انداز میں یہ بات کہی تھی کہ اگر منصور کو اس کی ماں اور بہن دے دی جائیں اور س کے بعد اس کے لئے ایسے وسائل پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ ایمانداری اور شرافت کی زندگی سے محروم ہو جائے۔ اسے کہیں دو پیسے کی نوکری بھی نہ مل سکے تو شاید وہ تمہاری بات ماننے پر مجبور ہو جائے' جس کے جواب میں سیٹھ جبار نے ہنس کر کہا تھا کہ چمن بعض وقات تم بھی بڑی بھولی بھولی باتیں کرتے ہو' منصور کو ابھی تک تم پہچان نہیں سکے۔ اس وقت صرف یہ ایک کارڈ ہمارے ہاتھ میں ہے' اگر ہم اس سے دستبردار ہوئے تو پھر وہ کسی کام کا نہ رہے گا اور اس کے بعد تم اسے نہ سنبھال سکو گے۔ جس پر میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا اس کی ماں اور بہن زندہ ہیں؟ سیٹھ جبار نے اس کے جواب میں کہا کہ ہاں وہ زندہ ہیں اور سکون کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن منصور کو وہ اس وقت تک نہ مل سکیں گی جب تک وہ میرا غلام نہ ہو جائے گا۔ میں نے سیٹھ جبار سے کہا کہ کیا وہ اسی شہر میں ہیں؟ یہیں رہتی ہیں؟ اس بات پر وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ چمن یہ سوال احمقانہ ہے۔ اس کا جواب تمہیں نہیں دیا جا سکتا۔ یقین کرو منصور' میں نے اس سے یہ سفارش کی لیکن اس بات کا بھی یقین کرو کہ وہ تمہیں اس وقت تک کچھ نہ بتائے گا جب تک کہ تم اس کے غلاموں میں شامل نہ ہو جاؤ گے' وہ بہت ہی چالاک انسان ہے منصور بہت ہی چالاک......"

میں چند لمحات ساکت و جامد رہا پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے چمن' تو میں اس سلسلے میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"نہیں منصور ایسے نہیں۔ تم نے مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔ تمہارے چند الفاظ نے میری ذہنی کیفیت ہی بدل دی ہے' میں سیٹھ جبار کا دوست ضرور ہوں لیکن اصول کے تحت میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ پہلے میں تمہارے بارے میں اسے تفصیلات بتاؤں گا اور اس کے بعد یہ آخری الفاظ میں اس کے سامنے دہرا دوں گا۔ نتیجہ جو کچھ بھی ہو گا اس پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے چمن۔ تم یہ کام کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہے......"

"بات یہ ہے منصور کہ تم سیٹھ جبار کو سمجھ نہیں سکے۔ تم اس زمانے ہی کو سمجھ نہیں سکے۔ ہاں سیٹھ جبار ہزاروں امراض کی دوا ہے۔ بہت کچھ جانتا ہے' بہت کچھ دے سکتا ہے بہت بڑی چیز ہے' وہ' اور چند لوگ پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ کائنات کے حکمران بنیں۔ وہ حکمران ہے اور ہم سب اس کی شطرنج کی بساط پر رکھے ہوئے مہرے۔ یہ بساط نجانے کہاں تک پھیلی ہوئی ہے' تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کے شناسا ہاتھ اس بساط پر رکھے ہوئے مہروں کو چلاتے رہتے ہیں۔ بساط پر چھائے ہوئے ہاتھوں کو پہچان لو۔ ایسے ہاتھ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ یہ ہاتھ تقدیریں بدلنے کے ماہر ہیں اور اگر ان

ہاتھوں سے انحراف کیا جائے تو ہم بے جان مہرے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ بس اس سے زیادہ مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔"

میں خاموشی سے چمن کی شکل دیکھتا رہا۔ چمن نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے آدمی سے کچھ کہا اور اس آدمی نے گردن ہلا دی پھر وہ شخص اس نامعلوم زبان میں جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی اور جس کے بارے میں' میں فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ کون سی زبان ہے' اپنے ساتھیوں سے کچھ بولا اور دروازے پر مستعد کھڑے ہوئے مسلح افراد اندر گھس آئے پھر ان میں سے دو افراد آگے بڑھے اور انہوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں حیرت سے چمن کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن چمن کا رخ دوسری طرف تھا۔ شاید وہ جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر رہا تھا۔

"چلو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں نے آخری بار چمن کی جانب دیکھا اور گردن جھکا کر واپس پلٹ پڑا۔

○

یہ رات بڑے جان لیوا احساسات کی رات تھی۔ بڑی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی' میرے وجود میں۔ عقل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنے سائے پر بھی شک ہونے لگا تھا۔ پروفیسر پر بھی غور کیا تھا۔ سرخاب کے بارے میں بھی سوچا تھا۔ سب کے بارے میں سوچا تھا کس کی کیا غرض تھی مجھ سے؟ کس نے کس جذبے کے تحت' کس مصلحت کے تحت مجھ سے دوستی کی تھی؟ سارے جہاں سے اعتماد اٹھ گیا۔ یہ دنیا میرے تصورات سے کہیں آگے ہے۔ درحقیقت مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے انسانوں کا۔ احمق ہوں میں بالکل۔ چمن کو دوست سمجھا تھا۔ آنکھیں بند کر کے۔ میں کیا جانتا تھا کہ میں اپنے دشمن کی گود میں بیٹھ کر خود کو محفوظ سمجھ رہا ہوں۔ قلقاریاں مار رہا ہوں۔ معصوم بچوں کی مانند بہت پیچھے ہوں' میں اس دنیا سے۔

"کیوں.....؟ آخر کیوں؟"

اور اس کا جواب چمن ہی مجھے دے چکا تھا۔ میں ابھی...... ناتجربے کار تھا۔ اس کائنات کی آغوش میں پڑا ہوا بچہ ہوں لیکن اس طرح کام نہیں چلے گا۔ ہاں اس طرح کام نہیں چلے گا۔ امی۔ تم زندہ ہو...... تو میرے لئے دعائیں کیوں نہیں کرتیں؟ دعائیں کرتی ہو تو تمہاری دعائیں اس قدر بے اثر کیوں ہیں؟ خدا سے دعا کرو کہ مجھے یکسوئی دے۔ مجھے کوئی منزل دکھا دے۔ فریدہ میری بہن' کہاں ہے تو؟ آواز دے' دل کی گہرائیوں سے مجھے۔ میں اس آواز کے سہارے تیرے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں تیرے دل کی آواز سن لوں گا۔

بہت دن کے بعد آنسو آنکھوں میں آئے تھے۔ دل کی جلن باہر آ گئی تھی۔ ب رو لیا تو سکون سا محسوس ہوا۔ یہ خوشخبری کم نہیں تھی کہ وہ زندہ ہیں بشرطیکہ چمن نے سچ بولا ہو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آرام سے ہیں۔ کیا واقعی وہ پرسکون ہیں؟ مگر اب کیا کروں۔ کیا ان دونوں کے حصول کے لئے سیٹھ جبار کو آقا مان لوں۔ یا اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں' یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا۔

صبح ہو گئی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی باہر نکال لیا گیا اور وہ لوگ مجھے ی طرح ہانکتے ہوئے کنارے پر لے گئے۔ کوٹھری میں دھکیلتے ہوئے میری ہتھکڑیاں وغیرہ ھول دی گئی تھیں۔

میں نے خاموشی سے پیٹیاں ڈھونی شروع کر دیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ماری کی بت کا ان پر کیا ردعمل ہوا ہے اور اس وقت میری نگرانی کی جا رہی ہے یا نہیں؟ بہرحال ت بڑی بات تھی۔ رات کی اس واردات کے بعد ان کا یہ ردعمل میرے لئے تعجب خیز ا....

سارا دن گزر گیا۔ دوپہر کو دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی مجھے بھی کھانا دیا گیا تھا۔ ئی انفرادیت نہیں رکھی گئی تھی مجھ میں اور دوسرے لوگوں میں۔ حالانکہ چمن یہاں موجود لیکن یہ خیال بھی مضحکہ خیز تھا۔ میں اب بھی چمن سے کوئی توقع رکھتا تھا؟

لانچ خالی ہو گئی تھی اور اب مال گوداموں میں منتقل ہو رہا تھا پھر چھٹی ہو گئی اور کوٹھریوں میں آ گئے۔ اس رات دیر تک میں فضل سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پھر میں سو گیا۔ سرے دن پھر وہی کام..... لیکن اب لانچ سمندر کے کنارے موجود نہیں تھی۔ وہ واپس ی گئی تھی اور اب مال گودام میں لے جایا جا رہا تھا۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

"دوپہر کو کھانے کی چھٹی ہوئی تو دو مسلح نوجوان میرے پاس آ گئے۔ "چلو۔" ہوں نے کہا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کسی کو یہ سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے رخت لہجے میں کہا۔

میں خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے لیئے ہوئے پتھروں سے بنے ایک ملطے میں داخل ہو گئے جس میں چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک قوی ہیکل چوڑے سینے لے شخص نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا اور میں نے کوئی تعرض ہیں کیا۔

"تمہارا نام منصور ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"پرسوں رات تم نے مارٹی کو قتل کیا تھا؟"

"ہاں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"گویا تم قتل کر سکتے ہو۔ منصور، تمہیں اس کی کوئی سزا اس لئے نہیں ملی کہ چمن یہاں موجود تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ ایک خاص ذاتی معاملہ تھا لیکن اب چمن چلا گیا ہے اور اب یہاں کوئی معاملہ ذاتی معاملہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے اب یہاں میرا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دشمن بن سکتے ہیں۔ دشمنی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے ملو۔ میں گواسکر ہوں۔ اونیل گواسکر۔ اس جزیرے کا انچارج' یہاں کا حکمران۔ میرے حکم کے خلاف تمہاری کوئی بھی جنبش تمہیں ایسے عذاب میں گرفتار کر سکتی ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"ہم اپنی شکایتوں کا خود ہی ازالہ کر لیتے ہیں تم اس کی فکر مت کرو۔ میں نے تمہیں صرف انتباہ کے لئے بلایا ہے کیونکہ اس سے قبل بھی تم دو افراد کو زخمی کر چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بس جاؤ۔ منتظم تمہیں آئندہ حالات سے آگاہ کر دیں گے ہم یہاں کچھ تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے تم سب کو کام کرنا ہو گا۔ تمہیں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سارے کام کرنا پڑیں گے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور سنو! جس طرح پرسوں تم دھوکا دے کر لانچ پر پہنچ گئے تھے آئندہ ایسی حرکت نہ ہو۔"

"نہیں ہو گی۔"

"او۔ کے۔" اس نے کہا اور مجھے واپسی کا اشارہ کر دیا۔ مجھے یہاں تک لانے والے میرے ساتھ چل پڑے تھے اس کے بعد میں شام تک کام کرتا رہا اور پھر چھٹی کے بعد واپس اپنی کوٹھری میں آ گیا۔

ابھی تک میں مستقبل کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ آئندہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے یہاں رہ کر وقت گزارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' میں ان تبدیلیوں کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جن کا تذکرہ گواسکر نے کیا تھا۔ بہرحال آخری فیصلہ میں نے یہی کیا تھا کہ یہاں جتنے دن بھی گزارنے ہیں خاموشی سے گزاروں اور آنے والے وقت کا انتظار کروں۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے دنوں کا حساب چھوڑ دیا تھا۔ کیا فائدہ' یہ حساب کرنے سے؟ اور دل کی کیفیت خراب ہوتی تھی۔ بہت دنوں سے لانچ بھی نہیں آئی تھی اور سب لوگ بیکار زندگی گزار رہے تھے۔ البتہ ان دنوں میں' ایک اور بات سوچتا رہا تھا یہاں کسی کو دوست بنانا چاہئے۔ کسی ایسے شخص کو جو میری مانند سر پھرا ہو اور اس قید خانے سے فرار میں دلچسپی رکھتا ہو۔ اس کے لئے موزوں شخص کی تلاش کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔

بہرحال میری نگاہیں جائزہ لیتی رہی تھیں اور پھر کچھ آسانیاں اور فراہم ہو گئیں۔ گواسکر کو جزیرے پر کچھ نئی تعمیرات اور صفائی ستھرائی کی سوجھی تھی۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ اس طرح ان بے کار مزدوروں کی کچھ ورزش ہی ہو جائے۔ بہرحال ایک صبح اس نے جزیرے میں موجود تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر لیا اور خود کو ایک لیڈر سمجھ کر تقریر شروع کر دی۔

"تم لوگوں میں سے ہر شخص سمجھ چکا ہے کہ یہاں سے فرار یا چھٹکارا کسی طور ممکن نہیں ہے جو یہاں موجود ہے اسے یہیں زندگی گزارنی ہے۔ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے بہتر سہولتوں کی سفارش بھیجی تھی جسے منظور کر لیا گیا ہے اس طرح تمہیں یہاں قیام میں آسانیاں فراہم ہو جائیں گی لیکن ان آسانیوں کے حصول کے لئے تمہیں خود محنت کرنی ہو گی۔ میں نے تمہارے علاج معالجے کے لئے ڈاکٹر منگوائے ہیں جو آئندہ ماہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ دوسری سہولتیں بھی تم لوگوں کو مہیا کر دی جائیں گی لیکن اس کے لئے تمہیں خود بھی کام کرنا ہو گا اور کام کرنا بہت بہتر رہتا ہے۔ اس طرح ہاتھ پاؤں ڈھیلے بھی نہیں پڑتے۔ تمہیں بائیں سمت کی ساحلی پہاڑیوں کو توڑ کر نئی تعمیرات کے لئے پتھر جمع کرنے پڑیں گے۔ اس علاقے کی صفائی کرنی ہو گی اور یہ سارے کام' میں چاہتا ہوں کہ پرسوں سے شروع کر دیئے جائیں۔ سپروائزر تمہیں ہدایات دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ تم یہ خدمات انجام دو تاکہ آئندہ تمہارے مزید مفادات کے بارے میں بھی سوچا جا سکے۔"

"عورت۔" مجمعے میں سے کسی نے آواز لگائی اور گواسکر چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"یہ مطالبہ کس نے کیا...... سامنے آؤ......" لیکن چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی نے اعتراف نہیں کیا۔ گواسکر کو کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

گواسکر کی خونخوار نگاہیں ایک ایک چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔ وہ اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے عورت کا مطالبہ کیا تھا لیکن اتنے لوگوں کے درمیان سے کسی ایک آواز کی شناخت مشکل تھی اور کوئی بھی شخص اس بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا۔

چند لمحات خاموشی رہی...... پھر گواسکر نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"تم سب لوگ کسی پر فضا مقام پر پکنک منانے نہیں آئے ہو۔ یہ میرا احسان ہے کہ میں نے تمہارے لئے یہ سفارشات کی ہیں۔ میں فطرتاً رحمدل انسان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم تندرست رہ کر میرے لئے کام کرتے رہو۔۔۔۔۔۔۔۔ تمہاری زندگی اور موت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آج تک تم جس انداز میں زندگی گزارتے آئے ہو‘ اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ کھلے آسمان تلے موسم کی سختیوں کے ساتھ ساتھ تم بیمار ہو جاتے تھے تو تمہیں ایک علیحدہ جگہ ڈلوا دیا جاتا تھا۔ مرجاتے تو تمہارے لئے سمندر موجود ہے اور تم میں سے جتنے کم ہو جاتے ہیں‘ میری طلب پر مجھے اتنے ہی نئے لوگ مل جاتے ہیں۔ گویا مجھے اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہے لیکن میں فطرتاً رحمدل ہوں۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری بہتری کے لئے سوچا ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس منصوبے کی تکمیل میں کوئی گڑ بڑ کی تو میں اس پر لعنت بھیج دوں گا اور تمہاری زندگی انھی مصیبتوں کا شکار رہے گی۔ کسی طرح کی بدمعاشی اور سرکشی نہیں برداشت کی جائے گی۔ مجھے یہاں موجود انسانوں کی زندگی کا حساب نہیں دینا پڑے گا۔ سمجھے تم لوگ۔ مجھے بتاؤ‘ عورت کی ضرورت کسے محسوس ہوئی ہے؟ میں اس بارے میں بھی کوئی غور کروں گا۔"

لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔ غالباً وہ لوگ گواسکر کی مکاری سے واقف تھے۔ گواسکر کو اس کے باوجود کوئی جواب نہ ملا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے کہا۔ "آئندہ کوئی ایسا مطالبہ نہ ہو‘ ورنہ میں ایسا مطالبہ کرنے والے کے ہاتھ پاؤں بندھوا کر سمندر میں ڈلوا دوں گا۔۔۔۔۔ سمجھے تم لوگ؟ بس اب منتشر ہو جاؤ۔"

لوگ منتشر ہو گئے۔ میں بھی عام لوگوں کے ساتھ تھا۔ جزیرے کی زندگی عجیب تھی حالانکہ مجھے یہاں خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک میں اس جزیرے کی نوعیت نہیں جان سکا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے یہاں کسی سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کسی سے بھی میری شناسائی نہیں ہوئی تھی‘ نہ ہی کسی اور نے میرے نزدیک آنے کی کوشش کی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے دکھوں کی صلیب کاندھوں پر اٹھائے‘ سسک رہے تھے۔ انسانوں کے دو طبقے تھے یہاں۔ ایک وہ جو‘ جزیرے کے نگراں عملے کے لوگ تھے اور علیحدہ بیرکوں میں رہتے تھے اور دوسرے وہ جو مزدور یا قیدی تھے۔ عملے کے لوگ قیدیوں سے دور رہتے تھے کوئی بھی کسی قیدی سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ باقی رہے قیدی قسم کے لوگ تو وہ افسردہ رہتے تھے اور ان کی کیفیت ایک مشین کی سی تھی۔ غالباً وہ آپس میں کسی سے کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے۔

گواسکر کی اس تقریر کے بعد‘ میں بھی اپنی کوٹھری میں واپس آ گیا میرے ذہن میں کچھ نئے خیالات انگڑائیاں لینے لگے۔ یہ جزیرہ نہ تو کوئی جیل تھی۔ نہ ہم لوگ کسی حکومت کے قیدی تھے پھر یہاں موجود لوگ اس قدر بے بس کیوں ہیں؟ یہ کون ہیں‘ کہاں

سے لائے گئے ہیں؟ میرے دل میں ان کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہو گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ ویسے یہ بھی انوکھی بات تھی کہ سیٹھ جبار‘ جیسا کہ چمن نے بتایا تھا کہ مجھ سے اس قدر دلچسپی رکھتا ہے اور اگر چمن کی بات پر یقین کر لیا جائے تو میری اب تک کی زندگی اسی کی مرضی کے مطابق گزرتی رہی تھی‘ اب وہ مجھ سے اس قدر بے پرواہ کیوں ہو گیا؟ مجھ میں اور یہاں موجود عام لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کہ سیٹھ جبار مجھے‘ مکمل بے بسی کا احساس دلانا چاہتا ہے۔ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ میں اس کی نگاہ میں ایک حقیر چیونٹی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کی عنایت تھی کہ وہ مجھ جیسے حقیر انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دینا چاہتا ہے۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو یہ غلط بھی نہیں تھا۔ سیٹھ جبار کے مقابلے میں میری حیثیت ہی کیا تھی۔ میں اس کے ایک معمولی سے ڈرائیور کا بیٹا تھا۔ جسے ایک ڈرائیور کی جگہ ہی دی گئی تھی اور وہ ایک جزیرے کا حکمران تھا اور نہ جانے کیا کیا جال پھیلے ہوں گے‘ اس کمبخت کے۔ نہ جانے کتنے منصور اس کے شکنجے میں جکڑے ہوں گے۔ میں اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا تھا۔

سیٹھ جبار کے بارے میں جتنا سوچتا‘ ذہن عجیب سی بے بسی کے احساس کا شکار ہونے لگتا تھا لیکن میں اس بے بسی کو ذہن میں جگہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے مقابل آنے کے بارے میں تو کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں اس سے بڑا آدمی تو نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں تو بس اپنا مقام چاہتا تھا۔ اپنی ماں اور بہن کا حصول چاہتا تھا اور ان احساسات میں‘ میں اس سے چھوٹا نہیں تھا۔ ٹھیک ہے میں بار بار اس کے سامنے بے بس ہوا تھا لیکن جب تک سینے میں سانس اور بدن میں روح موجود ہے‘ میں اس کے خلاف کام کرتا رہوں گا۔

بہرحال پہاڑوں کی کٹائی شروع ہو گئی۔ مزدوروں کی ایک بڑی تعداد‘ پہاڑوں میں پہنچا دی گئی۔ ان کے لئے ایک پہاڑی کے دامن میں کیمپ لگایا گیا تھا۔ اپنی یہ رہائش گاہ بھی مزدوروں نے خود تیار کی تھی۔ کام تقسیم ہو گئے۔ چند مزدوروں کو کھانا پکانے کا کام سونپ دیا گیا۔ محافظوں کے لئے بڑے بڑے خیمے لگائے گئے جو مزدوروں کے احاطے سے کافی دور تھے۔ ان کے نزدیک مچان باندھے گئے تاکہ مزدوروں پر نگاہ رکھی جائے۔

تیسرے دن صبح گواسکر نے مزدوروں کے اجتماع کے سامنے پھر تقریر کی۔

"یہ سب کچھ تم لوگوں کے لئے ہو رہا ہے۔ میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم لوگ بھی انسانوں کی طرح زندگی بسر کرو۔ اب سے تھوڑی دیر بعد کام کا آغاز ہو جائے گا۔۔۔۔۔ تین انجینئر تم لوگوں کی راہنمائی کریں گے۔ تمہیں چاہئے کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ کام کرو۔ اور میرے اس مشن کو پورا

کرو۔ کسی فرد نے اس سلسلے میں کوئی شرارت کی تو وہ یہ سوچ لے کر اس جزیرے پر معافی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بس اب تم لوگ اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لو۔"

تمام مزدور ایک جگہ جمع ہو گئے۔ ایک عظیم الشان پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک دھماکا ہوا اور کام کا افتتاح ہو گیا۔ یہ دھماکا ڈائنا مائیٹ کا تھا۔ اسی رات مزدوروں کے کیمپ میں، میں نے پہلی بار ایک شخص سے دوستی کرنے کی کوشش کی۔ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ مضبوط قویٰ کا مالک، لمبی داڑھی تھی اور پیشانی پر نماز کا نشان موجود تھا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرنے کے لئے، میرے نزدیک ہی آ کر لیٹ گیا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے سلام کا جواب دیا۔

"نیند آ رہی ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس میں نے سوچا آپ سے باتیں ہی کی جائیں۔ ایک سوال میرے ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے۔ یہاں سب ایک ہی دکھ کے شکار ہیں لیکن ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"میرے خیال میں ایسی بات نہیں ہے۔ سب ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ آپس میں اپنے دکھ بھی ایک دوسرے سے کہتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات ان کا ماضی انہیں ماحول سے بیزار کر دیتا ہے اور وہ خود بھی کھو جاتے ہیں۔"

"مجھے بھی یہاں آئے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں لیکن اس دوران میں، میں ایک بھی شناسا نہیں بنا سکا۔"

"دن......" ادھیڑ عمر شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ابھی تمہیں دن ہوئے ہیں۔ بیٹے! مہینے، پھر سال ہو جانے دو، جگ بیت جانے دو۔ سب سے شناسائی ہو جائے گی۔ جلدی کیا ہے؟"

"میں آپ کو کس نام سے پکاروں۔ ویسے میرا نام منصور ہے۔"

"اوہ۔ بڑا دلکش نام ہے میرے لئے۔ میرے سب سے بڑے بیٹے کا نام بھی منصور ہی ہے۔ تین بیٹے ہیں میرے۔"

"تت تو کیا۔ میرا مطلب ہے ان میں سے کوئی اس کیمپ میں بھی ہے؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"خدا نہ کرے۔ وہ سب اللہ کے فضل و کرم سے خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔" ادھیڑ عمر شخص نے تڑپ کر کہا۔ "بشیر ہے میرا نام۔ حافظ بشیر۔ خدا کے فضل و کرم سے قرآن محفوظ ہے میرے سینے میں۔ میرا واحد سہارا، جس کے ذریعے زندگی میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ باقی سب کچھ اللہ کی مرضی ہے وہ جس حال میں بھی رکھے۔" معمر

شخص نے کہا۔

"مجھے معاف کیجئے محترم! خواہ مخواہ آپ کے آرام میں مخل ہو رہا ہوں۔ بس ذرا دل چاہ رہا ہے آپ سے گفتگو کرنے کو۔"

"ضرور کرو۔ مجھے فرصت ہے۔" حافظ بشیر نے کہا۔

"آپ یہاں کیسے آئے؟"

"بہت مختصر سوال ہے لیکن اس کا جواب بہت طویل ہے۔ مختصر کہوں کہ سب اللہ کی مرضی تھی، تو تمہاری تشفی نہیں ہو گی۔ اس لئے تھوڑی سی تفصیل بیان کر دوں۔ جوانی فوج میں گزاری۔ سنگاپور میں چھ ماہ تک جاپانیوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔ یہ کیمپ دوران جنگ کے قیدیوں کے کیمپوں سے مختلف نہیں ہے۔ میرے خیال میں اس کا تصور بھی جنگی قید خانوں سے لیا گیا ہے۔ یہی سب کچھ وہاں ہوتا تھا انسانوں کے ساتھ۔ بہرحال ملک تقسیم ہو گیا۔ رب العزت نے تین بیٹے عطا فرمائے ہیں لیکن حالات کچھ ایسے رہے کہ میں اپنی نگرانی میں ان کی تربیت نہ کر سکا۔ ایک کنسٹرکشن کمپنی میں ملازم تھا جو پل اور سڑکیں بناتی تھی۔ اس لئے باقی آدھی زندگی گھر سے دور رہ کر گزاری۔ بچے اہلیہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ فوجی زندگی نے مشقت اور فرض شناسی کا عادی کر دیا تھا۔ ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنا مجھے پسند نہیں تھا اس لئے دس سالہ مدت ملازمت میں، میں نے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ماہ کی چھٹی کی ہو گی، تینوں بیٹیوں کی شادی میں شریک ہونے کے لئے گھر پہنچا تھا یا پھر اہلیہ کی موت پر، اس کے علاوہ میں نے کبھی چھٹی نہیں کی حالانکہ بچوں کی ابتدائی پرورش اسی تنخواہ سے ہوئی جو مجھے کمپنی سے ملتی تھی لیکن اس کے بعد انہوں نے شاید خود کو بے سہارا محسوس کیا اور ان کا سوچنا بھی شاید درست ہی تھا۔ بے شک انہوں نے تھوڑی بہت تعلیم میری کمائی سے حاصل کی جو بہت مختصر تھی اس کے علاوہ اپنے مستقبل کی تعمیر میں ان کی اپنی کوشش ہی کارفرما تھی، اس لئے وہ یہ بات فراموش کر بیٹھے کہ باپ کا سہارا بھی کوئی چیز ہوتا ہے، شادیاں ہونے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے آپ کو سنبھال لیا لیکن یہ احساس ان کے سینوں میں کارفرما تھا کہ باپ دور کی کوئی چیز ہے جس سے زندگی کا تعلق زیادہ سے زیادہ چند روز کا ہوتا ہے، نجانے کیوں یہ بات ان بے وقوفوں کے ذہن میں جڑ پکڑ گئی۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد میں نے ڈیڑھ دو سال تک ملازمت جاری رکھی لیکن اب دل نوکری پر مائل نہیں ہوتا تھا، یہ خواہش تھی کہ اپنے بیٹوں اور ان کے بچوں کے درمیان زندگی گزاروں۔

چند روز کی بات تو کچھ نہیں تھی، مجھے جگہ مل گئی لیکن میرے بچوں کو میری وجہ سے تکلیف ہو گئی تھی۔ ان کی بیویوں نے ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیا، ظاہر ہے میرے لئے وہ کون سی جگہ بناتے، اب اتنا چھوٹا سا مکان تھا، چھت پر بھی میرا گزارہ ممکن نہیں تھا

گرمیاں تو چھت پر گزاری جا سکتی ہیں لیکن سردیوں میں کیا ہوتا۔ میں نے اپنے پوتے اور پوتیوں کے لئے کافی سامان خریدا۔ اپنی اس رقم سے، جو مجھے کمپنی سے ملی تھی اور اسی وقت...... میرے بچوں پر یہ انکشاف ہوا کہ میں اب ملازمت چھوڑ چکا ہوں۔ میرے بیٹوں نے تو اپنے دلوں میں نجانے کیا سوچا ہو لیکن میری بیٹیاں یعنی ان کی بیویاں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں، موضوع یہی تھا کہ اب میں کہاں رہوں گا اور وہ میرے لئے کہاں سے جگہ نکال سکیں گی؟ انہوں نے اپنے شوہروں سے بھی یہ سوال کئے، چنانچہ میرے منجھلے بیٹے نے ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا میں کوئی چھوٹی سی جگہ کرائے پر حاصل کر لوں اور وہاں رہوں۔ انہوں نے بڑی فراخدلی سے کہا کہ میں کھانا پینا تو اپنے پاس سے کروں البتہ جگہ کا کرایہ وہ مشترکہ طور پر ادا کر دیا کریں گے۔ تو میں نے سوچا کہ میں اپنے بچوں کو کیوں تکلیف دوں، کیا محسوس کریں گے وہ اپنے دلوں میں، وہ اگر خود محسوس نہ کریں گے تو ان کے ملنے جلنے والے بلا وجہ ان پر طعنہ زنی کریں گے کہ بوڑھے باپ کو گھر سے نکال کر ایک اجنبی جگہ چھوڑ دیا گیا ہے، چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں وہ شہر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے وہ شہر چھوڑ دیا اور دوسری جگہ آ گیا لیکن دل نہیں لگتا تھا، مجھے اپنے پوتے پوتیاں بہت پسند تھے یہ سب مجھے یاد آتے تھے اور دل چاہتا تھا کہ یہ مختصر سا فاصلہ طے کر کے ان کے پاس پہنچ جاؤں لیکن پھر وہی احساس کیا فائدہ کہ تلخی ہو۔

وہاں سے دل کچھ اکتا سا گیا۔ تھوڑی سی رقم ابھی باقی تھی جسے میں بڑی احتیاط سے خرچ کر رہا تھا پھر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کا اشتہار میں نے دیکھا۔ اسے کنسٹرکشن سے متعلق کانوں کے لئے ورکروں کی ضرورت تھی، میں وہاں پہنچا۔ پاسپورٹ وغیرہ میرے پاس موجود نہیں تھا۔ ریکروٹنگ ایجنسی کے نمائندے نے مجھ سے کہا کہ وہ خفیہ طور پر مجھے ملک سے باہر پہنچا سکتے ہیں، بہترین مستقبل رکھا تھا انہوں نے میرے سامنے۔ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے رہائش ملے گی۔ کھانا پینا ملے گا اور معقول تنخواہ ملے گی میں نے سوچا یہ ذریعہ اچھا ہے۔ ممکن ہے ملک سے باہر رہ کر میں اپنے ان معصوم پوتے اور پوتیوں کے لئے کچھ فراہم کر سکوں، چنانچہ میں چھ ہزار روپے دے کر ایک لانچ کے ذریعے چل پڑا اور لانچ نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ اسمگلروں کا ایک گروہ ہے جو اس طرح سے مزدور جمع کر رہا ہے تاکہ وہ ان کے لئے کام کر سکیں۔ میں نے مختصر ترین الفاظ میں یہ کہانی تمہیں سنائی ہے، یہ ہے میری کہانی۔" حافظ بشیر خاموش ہو گیا...... میرا دل ڈوب رہا تھا۔ اب تک کی زندگی میں جو تجربات حاصل ہوئے تھے ان سے یہی اندازہ ہوا تھا کہ اس دنیا میں کچھ لوگ سیٹھ عبد الجبار ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو کچھ نہیں ہیں۔ صرف انسان ہیں اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو حوادث زمانہ میں الجھ کر انسانیت کا تصور تک بھول بیٹھے ہیں جن کا اعتماد انسانوں پر سے اٹھ چکا ہے اور جو خود کو انسانوں کے اس ریوڑ میں شامل

سمجھتے ہیں۔ جو صرف مصائب اٹھانے کے لئے ہے، ان کے دلوں میں محبتوں کے سمندر بھی موجزن ہیں لیکن ان سمندروں میں کبھی طغیانی نہیں آتی، وہ یہ نہیں سوچتے کہ اڑ کر اپنے پیاروں کے پاس پہنچ جائیں۔ کیونکہ جنہیں وہ اپنا سمجھتے ہیں وہ ان سے بیزار ہیں۔

میرے معبود! یہ کیا ہے، یہ سب کیا ہے؟ دنیا تیری محبت کے سہارے تشکیل پائی ہے تو پھر یہاں یہ ایسے کیوں ہیں، اس ساری زمین پر محبتوں کے پھول کیوں نہیں کھلتے کیونکہ یہ تو تیری محبت کا پر تو ہے۔ یہاں ایسے بے بس کردار کیوں آ بسے ہیں؟ میں دیر تک سوچتا رہا۔ حافظ بشیر بھی خاموش لیٹا ہوا تھا، نجانے اس کے ذہن میں کیا کیا خیالات آ رہے ہوں گے۔ اس کے الفاظ میں سپاٹ پن تھا لیکن میں ان کے گداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب میں نے اپنا نام منصور بتایا تھا تو اس کی آنکھوں میں محبت کی کتنی کرنیں پھوٹ پڑی تھیں کیونکہ منصور اس کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ جب میں نے اس سے یہ کہا کہ کیا اس کا بیٹا بھی اس کیمپ میں موجود ہے؟ تو کیسے تڑپ اٹھا تھا۔ آہ کتنی محبت تھی اس کے دل میں ان لوگوں کے لئے جو اس کے وجود کو کسی کونے میں بھی برداشت نہ کر پائے تھے جن کے پاس اس کے لئے دو گز زمین بھی نہیں تھی، صرف ایک چارپائی، دو وقت کی روٹی اور تین چار جوڑے کپڑے۔ وہ تین مل کر تو اسے اپنی آنکھوں پر بیٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے اسے کہاں پہنچا دیا تھا۔

"سو گئے؟" حافظ بشیر کی آواز ابھری۔

"نہیں۔ آپ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"بیٹے کیوں فضول باتوں کو اپنے ذہن میں جگہ دے رہے ہو۔ یہاں ہر کہانی تمہیں اس سے ملتی جلتی ہی ملے گی۔ بس تھوڑا سا الٹ پھیر ہوتا ہے ان کہانیوں میں لیکن مفہوم سب کا یکساں ہوتا ہے، میں تو یہ بھی نہیں پوچھوں گا تم سے کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ذرا سے گھماؤ پھراؤ کے ساتھ وہی کہانی ہو گی، کسی کے ظلم کی کہانی۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا تھا۔ رات کے کسی پہر نیند آ گئی لیکن ذہن میں بوڑھے کے بارے میں خیالات تھے۔ میں الٹے سیدھے خواب دیکھتا رہا۔ امی اور فریدہ بھی نظر آئیں، ایاز کو بھی دیکھا۔ پروفیسر شرازی اور سرخاب کو دیکھا۔ سب عجیب عجیب سی کیفیت لئے میرے سامنے آ رہے تھے اور پھر ان سب کے غول میں سے ایک چہرہ ابھرا...... ایک شیطانی چہرہ۔ یہ چمن کا تھا۔

چمن جس پر مجھے بے حد اعتماد تھا اور جس کی میں نے خلوص دل سے قدر کی تھی لیکن بعض جگہ تقدیر کا بلکہ ایک غیبی ہاتھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ چمن بھی کسی طور سیٹھ جبار کا آدمی ہو سکتا ہے لیکن میں نے اس سے پروفیسر شیرازی کو

چھپایا تھا اور یہ کتنی اچھی بات ہوئی تھی' ورنہ پروفیسر شدید مشکلات کا شکار ہو جاتا۔ سیٹھ جبار جیسا شیطان اسکے کہاں چھوڑتا۔ مجھے اپنے دل میں مسرت کا بے پایاں سمندر اُمڈتا ہوا محسوس ہوا تھا عالم خواب میں۔ بہرصورت صبح ہو گئی۔ مزدوروں کو ناشتہ دیا گیا۔ جزیرے پر دھماکے ہوتے رہے' پہاڑی پتھر ٹوٹ کر نشیب کی جانب لڑھکتے رہے اور مزدور کام کرتے رہے۔ یوں شام ہو گئی۔ میرے سلسلے میں کوئی خاص تخصیص نہیں تھی۔ دوسرے مزدوروں کے ساتھ میں بھی بڑا سا ہتھوڑا ہاتھ میں لئے پتھر کوٹنے کا کام کرتا رہا۔ پہاڑی میں ایک نمایاں شگاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے درمیان سے ایک سڑک نکالی جا رہی تھی۔ اس کام کو جاری ہوئے تقریباً پندرہ دن ہو چکے تھے۔ ابھی تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو قابل ذکر ہوتا...... مزدور اپنا کام کر کے اور تھک ہار کر رات کو اس خار دار تاروں کے کیمپ میں آ پڑتے' البتہ اب میرے اس خیال کی تردید ہو گئی تھی کہ یہاں کوئی ایک دوسرے کا شناسا نہیں ہے' سب ہی آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے تھے۔ اس دوسرے حصے کی بات اور تھی جہاں ہمیں کوٹھریوں میں رہنا پڑتا تھا' ظاہر ہے دن بھر کے کام دھندوں کے بعد جب کوٹھریوں میں تنہائی نصیب ہوتی تھی تو پھر کسی سے خصوصی تعارف کیا حیثیت رکھتا تھا اور وہ لوگ جو طویل عرصے سے یہاں موجود تھے' ایک دوسرے کے شناسا بھی تھے اور ایک دوسرے سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ حافظ بشیر سے میری کئی بار ملاقاتیں ہوئیں' یہ ضروری بات نہیں تھی کہ کوئی شخص کسی ایک ہی جگہ آرام کرے۔ جس کا جہاں دل چاہا لیٹ گیا وسیع احاطہ تھا۔ تقریباً سولہ سترہ دن کے بعد' میں ایک شام حافظ بشیر کے پاس زمین پر لیٹا ہوا تھا کہ میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور میں نے حافظ بشیر کو آواز دی۔ وہ کہنی پر سر رکھے میری جانب مڑ گیا تھا۔

"حافظ صاحب آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟"

"شروع شروع میں تو وقت کا تعین کیا تھا بیٹے لیکن اس کے بعد پھر گھنٹوں' دنوں اور مہینوں کو یاد رکھنا چھوڑ دیا۔ اب تو سالوں بیت گئے ہیں۔ اگر غور کروں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پانچ چھ سال سے کم نہیں ہوئے لیکن میں نے ان کا کوئی حساب نہیں رکھا۔"

"ویسے آپ کو اس جگہ کے بارے میں بھی کچھ معلومات نہیں ہیں.....؟"

"کیوں نہیں۔ یہ جزیرہ ساؤتھ اینڈ کہلاتا ہے ان لوگوں کے الفاظ میں...... اب یہ ساؤتھ اینڈ کیا ہے؟ اس بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

"یہاں جہاز وغیرہ تو آتے رہتے ہوں گے؟"

"اکثر..... ظاہر ہے اسمگلروں کا جزیرہ ہے۔ سامان یہاں اترتا ہے چڑھتا ہے اور نجانے کہاں کہاں جاتا ہے...... کبھی کبھی ہیلی کاپٹر بھی یہاں آ جاتا ہے۔ نجانے کتنا لمبا چوڑا جال پھیلا رکھا ہے ان لوگوں نے لیکن اس کے آگے کی تفصیلات مجھے نہیں معلوم اور میرا

خیال ہے یہاں موجود کسی شخص کو بھی نہیں معلوم......"

"آپ قرب و جوار میں نظر نہیں آتے' آپ کو کیا کام کرنا ہوتا ہے......؟"

"میں مائن انچارج ہوں۔ پانچ آدمی میری تحویل میں دے دیئے گئے ہیں۔ بارودی سرنگیں لگاتا ہوں اور پہاڑیاں اڑاتا ہوں کنسٹرکشن کمپنی میں بھی میں یہی کام کرتا تھا۔"

"ان لوگوں کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے خود بتائی تھی۔ ملازمت حاصل کرنے کے لئے میں نے جو درخواست دی تھی اس میں بھی میں نے اپنا پیشہ اور تجربہ لکھا تھا۔" حافظ بشیر نے جواب دیا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ حافظ بشیر سے دل کی بات کہوں۔ جو کچھ کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ بہرحال کچھ تذبذب کے بعد میں نے کہا۔

"حافظ صاحب۔ آپ کو یہاں اکتاہٹ نہیں محسوس ہوتی آپ نے کبھی یہاں سے نکلنے کے بارے میں نہیں سوچا؟" میرے اس سوال پر حافظ بشیر نے ایک گہری سانس لی اور گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میری کہانی سننے کے بعد بھی یہ سوال کر رہے ہو؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "کون ہے میرا باہر کی دنیا میں۔ میرے بچے مجھے بھول چکے ہوں گے۔ میرے پوتے پوتیاں پہلے بھی میرے شناسا نہیں تھے۔ اب تو ان کے ذہن میں میرا تصور بھی نہیں ہو گا۔ خواہ مخواہ انہیں پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟"

"لیکن اس جزیرے کی زندگی؟ آپ اس سے مطمئن ہیں؟"

"ہاں۔ پوری دنیا میرے لئے یکساں ہے۔ دو روٹیاں' تن ڈھانکنے کے لئے لباس اور آرام کے لئے دو گز زمین۔ مجھے اس سے زیادہ کیا چاہئے؟ کلام الٰہی میرا سرمایہ ہے۔ جب کبھی اضطراب بڑھ جاتا ہے تو میں اللہ کے کلام میں ڈوب جاتا ہوں۔ بے پایاں سکون ملتا ہے مجھے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ درحقیقت حافظ بشیر کا کہنا درست تھا۔ جب اس خاموشی کو کافی دیر گزر گئی تو حافظ بشیر نے ہی مجھے مخاطب کیا۔ "منصور بیٹے؟"

"جی حافظ صاحب!"

"تم فرار کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" حافظ صاحب نے نہایت سادگی سے کہا لیکن میں چونک پڑا تھا۔

"یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا حافظ صاحب؟"

"تمہارے سوالات سے۔ اس کے علاوہ تم نوجوان ہو۔ سب حافظ بشیر نہیں ہوتے۔ نہ جانے کون کون ہو گا تمہارا۔ مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ اس لئے یہ

سوال انوکھا نہیں ہے۔"

میں خاموشی سے حافظ بشیر کی شکل دیکھتا رہا میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں حافظ صاحب! آپ کا خیال درست ہے....."

"میں تمہیں بددل نہیں کروں گا بیٹے لیکن یہ جگہ بڑی پراسرار ہے۔ جزیرہ بھی مختصر نہیں ہے۔ مجھے یہاں اتنا عرصہ ہو گیا لیکن مجھے اس کے بارے میں پوری تفصیلات آج تک نہیں معلوم ہو سکیں جن لوگوں سے میری شناسائی ہے ان میں سے کسی نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جزیرے کے محل وقوع کے بارے میں کچھ جانتے ہے......"

"ہوں۔ کوئی ایسا شخص بھی ملا آپ کو جس کے دل میں یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ ہو؟"

"باتیں تو بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن میرے یہاں قیام کے دوران آج تک کسی نے فرار کی کوشش نہیں کی۔ ویسے گواسکر انتہائی چالاک آدمی ہے۔ ہرچند کہ ابھی تک یہاں سے فرار کا کوئی واقعہ نہیں ہوا ہے لیکن وہ چوکس رہتا ہے۔ اس نے خونخوار شکاری کتے بھی پال رکھے ہیں جنہیں بعض اوقات راتوں کو کھول دیا جاتا ہے۔ یہ تربیت یافتہ کتے ہیں جو اپنے شکار کو پاتال سے بھی کھود لاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا منصور کہ فرار کی کوشش کامیاب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

"میں خاموشی سے حافظ صاحب کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اس کے بعد میں نے اس موضوع پر ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ خود حافظ بشیر کو اس فرار کے لئے اپنا ساتھی بنانے کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ وہ اس احساس کو ہی کھو بیٹھے ہیں۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ میں بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ فرار کے مختلف منصوبے میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ ویسے یہ بات بھی بے چینی کا باعث تھی کہ کم بخت چمن' مجھے یہاں پہنچا کر بھول گیا تھا۔ حالانکہ سیٹھ جبار کے سلسلے میں' میں نے اس سے نرمی کا اظہار کیا تھا۔ چمن کے بارے میں اب یہ بات ظاہر ہو گئی تھی وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے اور اس کے سارے اقدامات بھی سیٹھ جبار کے ہی اشاروں پر ہوتے ہیں اور سیٹھ جبار اس بات پر تلا ہوا تھا کہ میں خود کو ایک چیونٹی کی طرح حقیر سمجھنے لگوں اس کے سامنے...... اگر سچائی سے سوچا جاتا تو حقیقت واضح ہو جاتی تھی۔ کہاں سیٹھ جبار ایک بین الاقوامی شاطر جس کے پاس ہزاروں غنڈے موجود تھے اور کہاں میں' میری کوئی حیثیت نہیں تھی اس کے سامنے۔ اگر میں خلوص دل سے اس کے گروہ میں شامل ہو بھی جاتا تو اسے کون سا بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا مجھ سے۔ اس کی دولت مجھ سے ہزار گنا خطرناک لوگوں کو خرید سکتی تھی۔ سیٹھ جبار نے مجھے صرف اس لئے گھاس ڈالی تھی کہ وہ چوہے بلی کے کھیل کا شوقین تھا اور اپنے دشمنوں کی بے بسی سے لطف اندوز ہو کر ذہنی سکون حاصل

کرتا تھا۔ میرے ساتھ بھی یہی کیفیت تھی۔ اس جزیرے پر قید کر کے وہ لوگ مجھے بھول گئے اور انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں ان کے لئے ان تمام مزدوروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا لیکن میں یہ طویل انتظار برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں کسی تحریک کا خواہش مند تھا۔ امی اور فریدہ زندہ تھیں۔ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو میں کبھی نہ کبھی کسی دن ان سے ضرور مل لوں گا۔ ورنہ جدوجہد میں ہی جان دے دوں گا۔ میں اس برائی سے شکست نہیں مان سکتا تھا۔

دوسرے دن حسب معمول ہم کام پر چل پڑے۔ پہاڑیوں کے مشرقی حصے میں مجھے پتھر توڑنے پر لگا دیا گیا تھا۔ میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ سیٹھ جبار کے خلاف میرے دل میں بے پناہ نفرت تھی اور میں زیادہ تر اسی کے خیالوں میں کھویا رہتا تھا۔ پہاڑیوں کی ڈھلان میں اس جگہ جہاں پہاڑیاں توڑنے کی ضرورت نہیں تھی' برگد کا ایک عظیم الشان درخت کھڑا ہوا تھا۔ درخت بہت قدیم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے تنے کا پھیلاؤ عظیم الشان تھا۔ داڑھیاں لٹک کر زمین پر دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ اس طرف مزدور نہیں تھے۔ درخت کو دیکھ کر میں یونہی بے خیالی کے عالم میں اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ میرے پاس اور کوئی مزدور نہیں تھا لیکن دفعتاً" درخت کی جڑ کے پاس کسی شے کو متحرک دیکھ کر میں چونک پڑا۔ نہ جانے کیا چیز تھی۔ شاید کوئی ہاتھ رینگ رہا تھا۔ لیکن پھر دو ہاتھ نمایاں ہوئے پھر ایک سر اور پھر ایک انسان باہر نکل آیا۔ ایک قوی ہیکل مزدور۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک سمت دوڑنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں پتھر توڑنے کا ہتھوڑا موجود تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا البتہ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ بلندی پر پہنچ کر وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن میرے دل میں کرید پیدا ہو گئی تھی۔ وہ برگد کے درخت کے پاس کیوں گیا تھا۔ کوئی خاص ہی بات تھی اس کا انداز چوروں کا سا تھا۔ دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر جب دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہوئی تو میں اپنا کھانا لے کر آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ معصوم سے خدوخال کا مالک نوجوان تھا۔ عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ بدن چوڑا اور گٹھا ہوا تھا اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ وہ میرے اس طرح آ بیٹھنے سے نروس سا ہو گیا تھا۔ بالآخر میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو...... کیا نام ہے تمہارا؟" وہ چونک پڑا لیکن کچھ بولا نہیں۔ میں چند لمحات انتظار کرتا رہا پھر میں نے دوبارہ کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"گلاب۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"میرا نام منصور ہے۔ ایک بات بتاؤ گے گلاب؟" میں نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "تم ڈھلان پر برگد کے درخت کی جڑ میں کیا کر رہے تھے؟"

میرا یہ سوال اس کے لئے شاید بہت خوفناک تھا۔ وہ سہمی سہمی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے نزدیک رکھا وزنی ہتھوڑا اٹھایا اور پوری قوت سے میرے اوپر پھینک مارا۔

میں اگر فوراً اچھل کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو میری کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ ہتھوڑا ایک چٹان پر پڑا اور ایک پتھر درمیان سے ٹوٹ گیا۔ اس سے ہتھوڑے کی ضرب کی قوت کا اندازہ ہوتا تھا۔

وہ دیوانہ وار اٹھ کر مجھ پر جھپٹا اور میں نے اس کی زد سے بچتے ہوئے کہا۔ "کیا کرتے ہو۔ پاگل ہوئے ہو تم۔ میری بات تو سن لو۔" لیکن وہ خوف سے پاگل ہو گیا تھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے کہا اور قریب پڑا ہوا ایک وزنی پتھر اٹھا لیا۔ دوسرے لمحے اس نے وہ پتھر مجھ پر پھینک مارا اور میں نے اس کی یہ ضرب بھی خالی دی لیکن اب میں اس کے پاگل پن سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ میری توقع کے مطابق اس نے کسی جنگلی بھینسے کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی تھی لیکن میں مستعد تھا۔ میں نے اسے ایک ہاتھ پر روکا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ پر زور دار گھونسہ مارا۔ وہ درد سے دہرا ہو گیا۔ دوسرا مکا میں نے اس کی ٹھوڑی پر رسید کیا پھر تیسرا اور چوتھا۔ وہ گر پڑا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کے منہ اور ناک سے خون کی ندیاں چل رہی تھیں اور سارا لباس خون آلود ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ چیتے کی طرح خونخوار ہو رہا تھا۔ دوسری بار وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں جان بچاؤں۔ چنانچہ میں اپنی مخصوص جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ دو تین ضربوں نے اسے لٹا دیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کی بے ہوشی کے بعد میں نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ ہماری اس جنگ کو اور کتنے لوگ دیکھ رہے ہیں لیکن خوش بختی تھی کہ یہ جنگ ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں ہوئی تھی۔ چند مسلح محافظ اس چٹان کے دوسری طرف موجود تھے لیکن انہیں کسی بات کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے مزدور بھی ہم سے دور نہیں تھے لیکن کسی کو اس جنگ کا اندازہ نہیں تھا۔ گلاب کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا' اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی اور اس کے لئے کوئی ترکیب ضروری تھی اس لئے میں نے جلدی جلدی پتھر اٹھا کر اس کے بدن پر ڈالے اور پھر ایک بڑا پتھر اٹھا کر دوسرے پتھر پر مارا جس سے زور دار آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں زور سے چیخا تھا۔

محافظ میری آواز سن کر دوڑ پڑے اور آن کی آن میں میرے پاس پہنچ گئے۔

"کیا ہوا۔ یہ کیا ہو گیا؟"

"اوپر سے پتھر لڑھک پڑے ہیں اس پر۔ یہ یہاں کام کر رہا تھا۔" میں نے بدحواسی کے انداز میں کہا۔

"اوہ۔ کافی زخمی ہو گیا ہے۔ اٹھاؤ اسے۔ اٹھا کر لے چلو۔" محافظوں نے مجھ سے کہا اور میری مراد پوری ہو گئی میں نے بے ہوش نوجوان کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیز رفتاری سے احاطے کی طرف چل پڑا۔ احاطے میں ایک کمپاؤنڈر ٹائپ کے آدمی نے اس کے زخموں کو صاف کر کے دوا لگائی اور بتایا کہ کوئی خاص زخم نہیں تھا اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں زخمی مزدور کا خیال رکھوں اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد گلاب کو ہوش آ گیا تھا۔ چند لمحات وہ خلا میں تکتا رہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

"ایک ہی مصیبت کے شکار ہیں ہم دونوں گلاب۔ پھر میں تمہارا دشمن کیسے ہو سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے تمہیں برگد کی جڑ سے نکل کر اوپر جاتے دیکھا تھا۔ میرے علاوہ تمہیں کوئی اور بھی دیکھ سکتا تھا۔ میں خود بھی چاہتا تو وہاں جا کر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے لیکن میں نے یہ سوال تم سے کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرا دل صاف ہے اور پھر تم خود سوچو' یہاں کون اپنی خوشی سے قید ہے۔ ہم سب اس عذاب کا شکار ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے دوست بھی۔" یہ بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ ایک لمحے کے لئے اس کے انداز میں خجالت پیدا ہوئی اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "میں شرمندہ ہوں۔"

"چلو بھول جاؤ اس بات کو کہ ہماری جنگ ہوئی تھی۔ میرے دل میں تمہارے لئے برائی نہیں ہے۔"

وہ چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔ "یہاں کون لایا مجھے؟"

"میں......"

"کس طرح۔ میرا مطلب ہے......"

"کندھے پر ڈال کر۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری جنگ کسی نے نہیں دیکھی ورنہ اس کی وجہ بھی بتانی پڑتی۔"

"تو...... تو......" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ تم پر چند پتھر لڑھک پڑے ہیں اور تم زخمی ہو گئے ہو۔"

"اوہ۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ مجھ سے واقعی غلطی ہو گئی۔ مگر میں تمہارے سوال پر بہت پریشان ہو گیا تھا لیکن تم...... تم بہت طاقتور ہو۔ کیا تم بھی پہلوانی کرتے رہے ہو؟ بدن سے تو نظر نہیں آتے....."

"تم پہلوانی کرتے تھے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں، چودھری نذیر کا پٹھا تھا میں۔ چوہدری صاحب فخر کرتے تھے مجھ پر۔ بیں کشتیاں مار چکا ہوں۔ بس اس کے بعد تقدیر ساتھ چھوڑ گئی۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا یہاں تمہیں؟"

"ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے؟"

"ہوں......" میں نے گہری سانس لی پھر میں نے پوچھا۔ "مجھے اب بھی نہیں بتاؤ گے گلاب کہ تم درخت کے پاس کیوں گئے تھے؟"، میرے اس سوال پر وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔

"بات بہت خطرناک ہے منصور بھیا۔"

"تم بالکل بے فکر رہو۔ میں بھی تمہاری طرح مصیبت کا شکار ہوں۔ ایک مصیبت زدہ دوسرے مصیبت زدہ کا دوست ہوتا ہے دشمن نہیں۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر استاد ناراض نہ ہو جائے۔"

"استاد کون؟"

"استاد اللہ دین۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے جی۔ چھ سال جیل کاٹ چکا ہے۔ اس بار بھی جیل سے بھاگا تھا اور پولیس سے چھپ کر نکل رہا تھا کہ ان لوگوں کے چکر میں پڑ گیا۔"

"یہیں موجود ہے وہ؟"

"ہاں منصور بھیا۔"

"بہرحال میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا گلاب! تمہارا دل چاہے تو مجھے اس بارے میں بتا دو' ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا اور یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس درخت کے پاس جا کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" میں نے کہا اور گلاب سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے گہری سانس لی اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"نتیجہ کچھ بھی ہو اللہ مالک ہے۔ ہمارا راز اب تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس لئے کچھ چھپانا بیکار ہے۔ مگر ایک بات بتاؤ منصور بھائی! کیا تم پوری زندگی یہیں گزارنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہاں سے فرار کی کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور گلاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ ان میں خوشی کا

عنصر نمایاں تھا۔

"تب پھر ہاتھ ملاؤ میں نے تمہیں بھی اپنے ساتھیوں میں شمار کر لیا۔ میں استاد سے بات کر لوں گا۔ پہلے ہم چار تھے اب پانچ ہو گئے۔ استاد نے فرار کا پروگرام بنایا ہے اور ہم اس کے لئے انتظامات کر رہے ہیں۔ بہت دنوں سے کوشش میں مصروف تھے لیکن کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پائے تھے۔ اب جب سے پہاڑیوں میں کام شروع ہوا ہے ہماری امید بندھ گئی ہے تمام لوگ کوشش کر رہے ہیں۔"

"استاد اللہ دین اس مہم کا سربراہ ہے؟"

"ہاں۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور نڈر آدمی ہے۔ بہت خطرناک ہے لیکن ان لوگوں کے درمیان شریف بن کر رہ رہا ہے۔ بہرحال استاد نے ایک ذمے داری مجھے سونپی تھی میں وہ پوری کر رہا ہوں۔"

"کیا ذمے داری تھی؟"

"بارودی سرنگوں کی چوری۔ میں اب تک چار ڈائنامائیٹ کے پیکٹ چرا چکا ہوں۔"

"اوہ۔" میرے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ "کیسے گلاب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"نہایت چالاکی سے۔ بارودی سرنگیں بچھانے کا کام حافظ بشیر کے سپرد ہے۔ چار پانچ افراد ان کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ مجھے تین چار بار ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے اور میں نے ہر بار ایک پیکٹ اڑا لیا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"بارودی سرنگوں کے ذخیرے سے۔ میں سرنگ لے کر جاتا ہوں۔ حافظ صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے فلیتے کس طرح جوڑے جاتے ہیں۔ وہ مجھے چار پیکٹ دیتے ہیں تو میں تین لگا دیتا ہوں اور ایک کسی مناسب جگہ چھپا دیتا ہوں۔ پھر دھماکے ہوتے ہیں اور حافظ صاحب سمجھتے ہیں کہ تمام سرنگیں پھٹ گئیں لیکن......"

"ویری گڈ۔ پھر کیا کرتے ہو؟"

"موقع ملتے ہی اسے برگد کی جڑ میں چھپا آتا ہوں۔ اس کا تنا ایک جگہ سے کھوکھلا ہے۔"

"عمدہ منصوبہ ہے۔ بہرحال پھر ان ڈائنامائیٹس کا کیا کرو گے؟"

"فرار کے روز استعمال کریں گے۔"

"یہ منصوبہ استاد کا ہے؟"

"ہاں۔ وہ منصوبہ بندی کا ماہر ہے۔"

"لیکن انہیں کہاں استعمال کیا جائے گا؟"

"یہ بات صرف استاد جانتا ہے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور اس بارے میں سوچنے لگا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ استاد اللہ دین کیا شے ہے اور اس کا کیا منصوبہ ہے لیکن بہرحال یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ یہاں کچھ اور لوگ بھی فرار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے گلاب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "گلاب۔ میں بھی فرار ہونے والوں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ استاد کو میرا نام بھی بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔" اس نے کہا۔

شام کو سب احاطے میں واپس آ گئے تو میں گلاب کے پاس سے ہٹ آیا۔ اب اس کے پاس میری موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ سارے کام معمول کے مطابق ہوئے۔ محافظوں نے تمام قیدیوں کی گنتی کی اور اس کے بعد ان لوگوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہونے لگا۔ رات کو حسب معمول ایک کونے میں پڑا رہا۔ حافظ بشیر نجانے کس طرف تھے، بہرصورت اس وقت ان کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ تنہائی میں سوچنا چاہتا تھا اور چاروں طرف خاموشی چھائی گئی تھی۔ تھکے ماندے لوگ نیند میں ڈوب گئے تھے لیکن میرا ذہن اسی سلسلے میں سوچ رہا تھا۔

استاد اللہ دین سے کل دن ہی میں ملاقات ہو سکتی تھی۔ میں نے ان تمام قیدیوں کے خاکے دل میں دہرائے جو اس احاطے میں موجود تھے اور پہاڑوں میں کام کر رہے تھے لیکن یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ ان میں استاد اللہ دین کون سا ہے۔ وہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی تھا۔ جو ملک سے باہر نکلنے کے چکر میں ان لوگوں میں آ پھنسا تھا لیکن واقعی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے جو اب تک خاموشی سے ان کے درمیان گزارہ کرتا رہا اور اس تاک میں رہا کہ یہاں سے نکل جائے۔ بہرصورت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص اپنی استادی دکھانے پر مصر ہے، میرا مقصد بھی یہاں سے نکل جانا تھا اور اس بات کا میں مکمل فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ سیٹھ جبار کسی بھولے بسرے وقت میں اس طرح مجھے یاد کرے گا، جیسے اچانک میں اسے یاد آ گیا ہوں، اس سے قبل ہی میں یہ جگہ چھوڑ کر کہیں نکل جانے کا خواہشمند تھا اور اگر ساتھ میں دو چار افراد اور بھی ہوں، پھر تو لطف ہی کچھ اور ہے۔ ڈائنامائیٹ کا مسئلہ بھی واقعی مجھے پسند آیا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں استاد اللہ دین کے ذہن میں پروگرام کیا تھا یہ میں نہیں جانتا تھا۔ یہی تمام باتیں سوچتا ہوا میں سو گیا اور اس وقت رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب دفعتاً مجھے اپنے منہ پر کسی زبردست بوجھ کا احساس ہوا۔ آنکھ کھل گئی۔ ہرچند کہ ذہن نہیں جاگا تھا لیکن ایک لمحے میں یہ احساس ہو گیا کہ کسی نے میرا منہ بھینچنے کی کوشش کی ہے۔ کیوں کی ہے اس کا

اندازہ سویا ہوا ذہن فوراً نہیں لگا سکا تھا لیکن اعصاب شاید خود ہی عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ میں نے اس کلائی پر ہاتھ ڈال دیا جو کافی چوڑی اور مضبوط تھی۔ بالوں بھری کلائی میری مٹھی میں آ گئی اور میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے منہ پر سے ہٹا لیا....... اچانک جھٹکے ہی سے خنجر کا وہ وار بے کار ہو گیا تھا جو شاید میرے سینے پر کیا گیا تھا۔ خنجر میرے نزدیک زمین میں پیوست ہو گیا اور مجھے اس کا احساس ہو گیا کہ کوئی چیز میرے اوپر سے گزر گئی ہے۔ بس اسے حسیات کا کرشمہ ہی کہنا چاہئے ورنہ سوتے ہوئے ذہن کو ان تمام چیزوں کا احساس فوراً نہیں ہوتا لیکن میں نے تڑپ کر کروٹ بدلی اسی وقت خنجر بدست شخص نے پلٹ کر مجھ پر دوسرا وار کیا تھا۔ اس بار بھی قسمت نے ہی مجھے بچا لیا تھا۔ کیونکہ خنجر میری پسلیوں کو چھوتا ہوا دوبارہ زمین میں پیوست ہو گیا تھا۔ میں نے ایک اور لڑھکنی کھائی، اب مجھے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے......

تاریکی پھیلی ہوئی تھی، قتل کرنے والے کا سایہ سا نظر آ رہا تھا، البتہ تاروں کی چھاؤں میں خنجر کی چمک میری آنکھوں کے سامنے دو تین بار لہرا گئی تھی، میں نے تین چار لڑھکنیاں کھا کر خود کو سنبھالا اور پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خنجر بدست شخص ایک بار پھر میرے اوپر پوری مہارت سے حملہ آور ہوا تھا لیکن اب میرے اوپر قابو پانا آسان کام نہیں تھا۔ اگر تاروں کی چھاؤں میری مدد نہ کرتی تو شاید اسے کامیابی ہو جاتی لیکن خنجر بالکل چمک دار اور صاف ستھرا تھا۔ جب بھی وہ کوندتا، ایک لکیر سی میری آنکھوں کے سامنے لہرا جاتی اور اسی سے میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لیتا۔ چار پانچ وار خالی ہونے کے بعد ایک بار مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑی اور پوری قوت سے اسے موڑ لیا۔ بلاشبہ وہ شخص بے حد طاقتور تھا لیکن میں نے اس پر قابو پا ہی لیا۔ میرا کھڑا ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور وہ گرتے گرتے بچا لیکن دوسرے لمحے وہ دوڑ پڑا تھا۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن ایک قیدی سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ جبکہ خنجر بدست شخص آن کی آن میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

جس شخص سے ٹکرا کر میں نیچے گرا تھا وہ بے چارہ گہری نیند میں تھا۔ اس کی چیخ تو نکل گئی تھی لیکن اس کے بعد وہ پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔ میں پھرتی سے زمین پر چوپایوں کی طرح چلتا ہوا اس جگہ سے دور نکل آیا اور چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا لیکن اب کوئی حرکت نہیں تھی۔ کوئی سایہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے اسے تلاش کرنا ناممکن امر تھا۔ جو کوئی بھی تھا اس احاطے کا مکین تھا اور اب اطمینان سے کسی بھی جگہ لیٹ گیا تھا۔

لیکن کون....... اور کیوں؟ قیدیوں میں میرا کوئی دشمن بھی ہے؟ ایسا دشمن کہ مجھے قتل کر دے۔ مجھے اپنے زندہ بچ جانے پر حیرت تھی ورنہ حملہ آور کا ہر وار چوکنا ایک عجیب سی بات تھی۔ حملہ آور کون تھا آخر...... کیا گلاب؟ گلاب کافی توانا جوان تھا۔ اور اس

کی کلائی بھی چوڑی تھی بدن خوب طاقت ور تھا لیکن وہ..... اس نے مجھے اپنی داستان حیا
بھی سنائی تھی۔ کیا اس نے فریب کیا تھا۔ کیا اس نے مجھے حقیقت نہیں بتائی تھی۔ اس کے
خدوخال تو سادہ سے تھے۔ بظاہر تو اتنا گہرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے زخمی
دیا تھا۔ ممکن ہے اس کے دل میں جذبہ انتقام باقی رہا ہو' یا اپنا راز کھل جانے کے بعد
برداشت نہ کر سکا ہو۔

میں ایک دوسری جگہ لیٹ گیا۔ کسی شخص کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں تھی
طویل و عریض احاطے میں جس کا دل جہاں چاہے لیٹ جائے۔

بہت دیر تک جاگتا رہا اور کم بخت نیند دوبارہ آگئی۔ یہ شے ہر خطرے سے
نیاز ہوتی ہے۔ اس کے بعد کسی نے مجھے جگایا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گلا
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ "اٹھو گے نہیں' سورج نکل
ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ ایک لمحے کے لئے م
نے آنکھیں بند کر لیں لیکن یہ وہ کلائی نہیں تھی جو رات میرے ہاتھ میں آئی تھی۔ کلائی
چوڑی تھی لیکن اتنی نہیں تھی اور اس پر اتنے بال بھی نہیں تھے ایک لمحے میں میرے ذہ
نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کلائی نہیں جو رات کو میری گرفت میں آئی تھی۔

میں گلاب کی کلائی کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔ قیدیوں یا مزدوروں کے درمیان ناش
تقسیم کیا جانے لگا۔ یہ ناشتہ رات کی باسی روٹیوں اور چائے کے بڑے بڑے گلاسوں
مشتمل ہوتا تھا۔ گلاب میرے پاس سے ہٹ گیا اور میں دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کر
ناشتہ لینے چل پڑا۔ اس سلسلے میں' میں نے کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ ناشتے کے بعد
ہتھوڑے لے کر چل پڑے۔ میری گہری نگاہیں ایک ایک شخص کا جائزہ لے رہی تھیں
میں ان میں رات والے حملہ آور کی تلاش کر رہا تھا۔ لیکن کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔

آج میری ڈیوٹی ایک اور جگہ لگائی گئی تھی۔ گلاب کہیں اور کام کرتا رہا تھا
بہرحال میں کام کرتا رہا۔ کدال میرے پاس تھی اور میں کھدائی کر رہا تھا۔ دوپہر تک میں
الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کام کرتا رہا تھا۔ بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ حملہ آور کون تھا۔

دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہونے میں کچھ دیر تھی کہ ایک پستہ قامت مزدو
کدال ہاتھ میں اٹھائے میرے نزدیک آگیا۔ چوڑے پر گوشت سینے والا آدمی تھا۔ بڑھی
ہوئی داڑھی۔ ہونٹوں کو چھپانے والی مونچھوں اور سر کے گھنے اور الجھے ہوئے بالوں کی وج
سے وہ پورا شیطان لگ رہا تھا۔ دفعتاً میری نگاہ اس کی کلائیوں پر جا پڑی اور میں چونک
اٹھا۔ یہ کلائیاں بھی چوڑی اور بالوں سے بھری تھیں۔

"ہیلو۔" اس کی آواز ابھری۔

"کیا بات ہے؟" میں نے کسی قدر اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام منصور ہے؟"

"ہاں آگے کہو؟"

"مجھے اللہ دین کہتے ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور میرے ذہن کی
ایک گرہ کھل گئی۔ میں نے اس طرح ہاتھ آگے بڑھایا جیسے اس سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں
لیکن میں نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ یہ سو فیصد وہی کلائی تھی۔ سو فیصد۔

"ہاتھ ملانے کا نیا طریقہ؟" وہ مسکرایا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پہلے اس
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آتی رہی پھر وہ کچھ بے چین ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کلائی
چھڑانے کی کوشش کی لیکن میری انگلیاں اس کی کلائی میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اس نے
ہاتھ کو کئی جھٹکے دیئے لیکن کلائی میری گرفت ہی میں رہی۔ وہ کسی قدر بوکھلا گیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو..... یہ کیا حماقت ہے۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی کلائی چھوڑ
دی۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" میں نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کمال کے آدمی ہو۔" وہ دوسرے ہاتھ سے کلائی مسلتا ہوا بولا۔ اسی وقت دوپہر
کے کھانے کا گھنٹہ بج اٹھا۔ "آؤ کھانا لے لیں پھر باتیں کریں گے۔" کھانا لے کر ہم دونوں
ایک جگہ آ بیٹھے۔

"گلاب نے تمہارا تذکرہ کیا تھا۔"

"اور تمہارا بھی۔"

"ہاں۔ اس نے مجھے بتایا تھا۔ تم بھی فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہو....؟"

"یقیناً....." میں نے جواب دیا۔

"خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"صرف مجھے؟"

"نہیں۔ ہم سب کو۔"

"ظاہر ہے انہوں نے ہمارے لئے فرار کی آسانیاں تو نہ پیدا کی ہوں گی؟"

"تم گلاب کی حرکت سے کس طرح واقف ہو گئے؟"

"بس اتفاق ہے۔"

"اسے راز رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

"میں ہدایات قبول نہیں کرتا۔" میں نے کہا اور اس کا چہرہ ست گیا۔ کھاتے

کھاتے اس کا ہاتھ رک گیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد وہ پھر نارمل ہو گیا اور مسکرانے لگا۔

"اکھڑ مزاج معلوم ہوتے ہو۔ بہرحال یہ ضروری ہے۔ میں نے تمہیں اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے اس وقت تک مکمل تعاون کرنا ہے۔ جب تک کسی محفوظ مقام پر نہیں پہنچ جاتے۔ آج رات کو ہم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے باقی گفتگو اسی وقت تفصیل سے ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی ۔ چھٹی ختم ہونے کے بعد وہ مجھ سے دور چلا گیا اور میں بھی اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن اب میرے ذہن کی وہ الجھن دور ہو گئی تھی کہ رات کو مجھ پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ حملہ آور اللہ دین ہی تھا لیکن کیوں؟ میرے ذہن نے سوال کیا اور اس کا جواب بھی مجھے خود ہی مل گیا' اللہ دین شاید میری اس راز میں شمولیت کو پسند نہیں کرتا تھا' ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ میں شاید کوئی غلط آدمی ہوں' اور ان معلومات سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ بہر صورت آدمی خطرناک تھا اگر اس کے ساتھ فرار کا منصوبہ پائیہ تکمیل تک پہنچایا بھی جائے تو اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ ویسے جس انداز سے میں نے اس کی کلائی پکڑی تھی اور اس وقت میری جو کیفیت ہو گئی تھی اس سے اللہ دین نے بھی یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں اسے حملہ آور کی حیثیت سے پہچان چکا ہوں' بے وقوف آدمی نہیں تھا۔ شکل ہی سے چالاک محسوس ہوتا تھا اور پھر گلاب مجھے بتا چکا تھا کہ وہ ایک مفرور مجرم ہے لیکن فرار ہونے کے لئے اگر اس قسم کا کوئی آدمی بھی ساتھ لگ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ بعد میں ہوشیار رہنا ہوگا۔

میں شام تک غور کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہی معمولات' رات کا کھانا اور پھر آرام...... لیکن میں نے دیکھا کہ اللہ دین دو اور آدمیوں کے ساتھ میرے نزدیک آ گیا تھا۔ وہیں اس نے ڈیرہ جما لیا تھوڑی دیر کے بعد گلاب بھی آ گیا۔ جب تک تھوڑی بہت روشنی باقی رہی ہم لوگوں نے ایک دوسرے سے اجتناب برتا لیکن پھر آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے نزدیک پہنچ گئے گلاب میرے بالکل نزدیک تھا' اللہ دین نے مسکراتے ہوئے گلاب سے کہا۔

"گلاب میں نے تمہارے نئے دوست کو دیکھ لیا ہے۔"

"ہاں استاد۔ منصور بھائی کام کے آدمی ہیں۔"

اللہ دین ہنس کر بولا۔" مگر ایک خرابی نظر آئی ان میں' یہ کسی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے اللہ دین اگر کوئی مخلص آدمی مل جائے تو میں اپنے نظریات میں تبدیلی بھی کر لیتا ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا' اچھا۔ ٹھیک ہے دوست۔ دراصل میں چاہتا تھا کہ فرار کے اس منصوبے میں کم سے کم لوگ شریک ہوں۔ جتنی تعداد بڑھتی جائے گی اتنے ہی خطرات بڑھیں گے۔ طرح طرح کے احمق لوگ یہاں موجود ہیں۔ ایسے بے وقوف کہ آج تک کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس کی ایک وجہ ہے اللہ دین۔" میں نے کہا۔ "یہ لوگ وہ ہیں جو شہروں اور دیہاتوں سے نوکری کی تلاش میں نکلے تھے۔ اگر یہ اتنے ہی چالاک ہوتے تو پھنستے ہی کیوں۔"

"خیر پھنس تو ہم گئے ہیں لیکن میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ یہ لوگ نہ خود بھاگ سکتے ہیں اور نہ کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں بلکہ ان کی وجہ سے ہماری کوشش ناکام ہو سکتی ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"لیکن تمہارے جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"شکریہ اللہ دین۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"اگر کوئی بات تمہارے ذہن میں ہے تو اسے نکال دو منصور! میں تمہیں اپنا مافی الضمیر بتا چکا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے ۔ تم بھی کیا یاد کرو گے اللہ دین۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے علاوہ منصور۔ یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ایک شخص اس پروگرام کے بارے میں لیڈ کرے۔ اس طرح سب کے ذہنوں میں الجھن رہے گی ۔ البتہ مشورہ سب دیں گے۔"

"اس کے لئے تم موزوں آدمی ہو اللہ دین۔" میں نے کہا اور اللہ دین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوا۔ میں خود کو اس لئے بھی موزوں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس دوران بہت ساری معلومات حاصل کی ہیں ۔ تمہارا دوست گلاب تمہیں بتائے گا کہ یہاں کچھ لوگ کبھی کبھی سبزیوں کے چھکڑے لاد کر لاتے ہیں' میرا خیال ہے میرے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ان میں سے کسی کو اپنا دوست بنا لیا ہو۔" اللہ دین نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں میرے دوست' وہ سبزی فروش یا سبزی سپلائر اس علاقے سے تقریباً بارہ میل دور ایک دریا کے کنارے آباد ہیں۔ یہ دریا کسی لمبے راستے سے سمندر تک پہنچ جاتا

ہے اور ہمارے فرار کے لئے اس سے عمدہ راستہ کوئی اور نہیں ہے۔"

"خوب۔ یہ معلومات واقعی قابل قدر ہیں۔"

"میں نے کہا نا' اللہ دین کی قدر تو ابھی بعد میں معلوم ہو گی' میں لیڈر بننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو ان کے چنگل سے نکال لے جاؤں گا لیکن اس کے لیے ہر فرد کو شدید محنت کرنا ہو گی۔"

"میرے خیال میں اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔" میں نے کہا۔ دل ہی دل میں' میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی چالاک بھی ہے اور خطرناک بھی لیکن اگر اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' در پردہ اس نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ میرے ساتھ اس نے جو سلوک کیا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ آدمیوں کی شمولیت نہیں چاہتا تھا لیکن مجھ سے ملاقات کے بعد وہ مطمئن ہو گیا تھا اور اگر نہ بھی ہوتا اور آگے کچھ اور حالات پیش آتے تو بہرصورت میں اتنا چوہا بھی نہیں تھا کہ اس کے جال میں پھنس جاتا میں اپنے بچاؤ کا بہتر بندوبست کر سکتا تھا لیکن اگر نکلنے کے لیے یہ گروپ تیار ہو جاتا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا' چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اللہ دین سے مکمل تعاون کروں گا۔ اللہ دین چند لمحات خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "میرا منصوبہ تمہارے علم میں ابھی نہیں آیا ہو گا منصور؟"

"ہاں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ڈائنامائیٹ سے تم کیا کام لو گے؟" میں نے کہا۔

"میں نے مزدوروں کی نگرانی کرنے والوں کی گہری نگرانی کی ہے۔ بظاہر یہ لوگ ہماری طرف سے لاپرواہ نظر آتے ہیں لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ ہماری طرف سے کسی وقت غافل نہیں رہتے۔ خاص طور سے پہاڑوں میں۔ اس کے علاوہ اس احاطے پر بھی گہری نگاہ رکھی جاتی ہے۔"

"خوب۔ یقیناً تمہاری معلومات قابل قدر ہیں۔" میں نے کہا۔

"بظاہر فرار کی کوئی کوشش آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے میں نے سوچا ہے کہ ایک باقاعدہ آپریشن ہو۔"

"وہ کیا.....؟"

"ہمیں ان سے جنگ کرنی ہو گی۔ ایک باقاعدہ جنگ۔ لیکن اس کے لئے منصوبہ بندی ضروری ہے۔ ہمیں مناسب مقدار میں ڈائنامائیٹ حاصل ہو جائیں تو ایک دوپہر اس وقت جب کھانے کی چھٹی ہو گی' ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ میں نے کہا نا' میں ان لوگوں کی نقل و حرکت کا بخوبی جائزہ لے رہا ہوں۔ تم نے غور کیا ہے منصور! کہ کھانے کی چھٹی میں نگرانی کرنے والے محافظ کہاں ہوتے ہیں؟" پھر وہ خود ہی بولا۔ "وہ ایک بڑی چٹان کے سائے تلے جمع ہوتے ہیں اور ان کا یہ اجتماع تین جگہ ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی

تعداد بیس ہوتی ہے اور یہ بیس افراد تین ٹولیوں میں ہوتے ہیں۔ ڈائنامائیٹ کے ساتھ ٹائم بکس بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں کم از کم تین ٹائم بکس کی ضرورت ہے جس میں سے ابھی صرف ایک بکس مہیا ہو سکا ہے دو مزید حاصل جائیں تو ہم اپنے کام کے وقت کا تعین کر سکتے ہیں....."

"گڈ۔ بہترین منصوبہ بندی ہے لیکن آگے کا پروگرام؟"

"بتا رہا ہوں۔ وقت مقررہ پر ہم میں سے تین آدمیوں کو باعمل ہونا پڑے گا۔ ایک میں' دوسرے تم اور تیسرے کا انتخاب ہم کر لیں گے لیکن وہ ہم پانچوں میں سے ایک ہو گا۔"

"ٹھیک۔ آگے بولو۔"

"جس جگہ محافظ جمع ہوتے ہیں۔ وہاں ڈائنامائیٹ لگائے جائیں گے اور وقت مقررہ پر انہیں اڑایا جائے گا اور اسی وقت ہم فرار ہو جائیں گے۔ ہمارا رخ ان جنگلوں کی طرف ہو گا اور اسی طرف ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔" اللہ دین نے کہا۔ میرا مقصد تم سمجھ رہے ہو گے وہ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "یہ لوگ اگر ہماری طرف سے فرار کا کوئی شبہ رکھتے ہوں گے تو یقینی طور پر ان کے ذہنوں میں یہی بات ہو گی کہ فرار کی کوشش کرنے والے کوئی ایسی سازش کریں گے جو کیمپ سے شروع ہو گی یا پھر اس وقت جب پہاڑوں میں کام ہو رہا ہوتا ہے لیکن یہ بات ان کے لئے قطعی غیر متوقع ہو گی کہ چھٹی کے دوران اچانک ان پر حملہ ہو اور کوئی فرار ہو جائے۔ پندرہ بیس افراد یقینی طور پر زخمی اور ہلاک ہوں گے۔ اس کے بعد باقی محافظوں کی تعداد کیمپ میں ہوتی ہے۔ پہاڑوں میں ان کے پاس کتے نہیں ہوتے۔ پہاڑوں میں ہونے والے واقعے کی اطلاع کم از کم آدھے پونے گھنٹے کے بعد کیمپ والوں کو مل سکتی ہے۔ وہ پہاڑوں میں آئیں گے' تحقیقات کریں گے پھر واپس کیمپ میں جائیں گے اور انتظامات کرنے کے بعد ہماری تلاش میں نکلیں گے' اس طرح ہمیں کم از کم ڈیڑھ یا دو گھنٹے مل جائیں گے۔ ان ڈیڑھ یا دو گھنٹوں میں ہم جنگلوں میں اتنی دور نکل جائیں گے کہ ان سے بچاؤ کا کوئی بندوبست کر لیں' ہمارا سفر طوفانی ہو گا۔ جس قدر جلد ممکن ہو گا ہم یہاں سے نکل جانے کی کوشش کریں گے۔ باقی معاملات جو وقت ہمارے سامنے پیش کرے گا وہی ہوں گے۔ یہ ہے میرا منصوبہ۔ اگر اس میں کوئی ترمیم کسی کے ذہن میں موجود ہو تو مجھے ضرور بتائے۔"

"ڈائنامائیٹ کے ساتھ ساتھ ہم ہتھیار نہیں حاصل کر سکتے اللہ دین؟" میں نے سوال کیا۔

"بہت مشکل ہے بلکہ نا ممکن ہے۔ تم مجھے خود بتاؤ۔ اگر تم کسی طریقے سے ہتھیار حاصل کر سکتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"بس ایک بات ہے ذہن میں۔"

"کیا......؟"

"جس وقت دھماکا ہو اور محافظ زخمی ہو جائیں تو ہم میں سے جو کوئی شخص ان کے قریب ہو وہ ہتھیار حاصل کر لے، جس طرح بھی ممکن ہو یا جس حد تک بھی ممکن ہو۔"

"ناممکن ہے میرے دوست، کیا دھماکے کے وقت ان سے اس قدر قریب رہا جا سکتا ہے۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے اعتراف کے طور پر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن جنگلوں سے ہم کوئی خاص سمت اختیار کریں گے یا یونہی سفر کرتے رہیں گے؟"

"نہیں میرے دوست۔ میں نے اس سلسلے میں یہی تو کام کیا ہے۔ ہم ایک خاص سمت پر سفر کریں گے۔ ہمارا کام یہی ہو گا کہ ہم دریا تک پہنچ جائیں۔ دریا کے کنارے آبادی ہے۔ ان لوگوں کی آبادی جو کسی نہ کسی طور جرائم پیشہ رہے ہیں۔ وہ شخص جو سبزیاں سپلائی کرتا ہے ایک پرتگالی باشندہ ہے۔ بیس آدمیوں کا قاتل ہے اور قانون سے فرار حاصل کر کے اس نے یہاں پناہ لی ہے وہ بستی ایک طرح سے مجرموں کی بستی کہلاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ہمارے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔ میں نے اسے دوست بنا لیا ہے۔ اس کا نام کیگارو ہے اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں کبھی فرار ہو کر اس کے پاس پہنچ گیا تو یہاں سے نکلنے میں وہ میری مدد کرے گا۔"

"اوہ۔ یہاں تک بات پہنچ چکی ہے۔" میں نے ہونٹوں سے سیٹی بجاتے ہوئے کہا۔

"بس بس بہت زیادہ پرجوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے منصور، صرف عمل کیا جائے اس بات پر۔" اللہ دین نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی بات اگر کسی کے ذہن میں ہو؟" اس نے سوالیہ انداز میں سب کی طرف دیکھا لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے میرا تعارف کرایا۔ معمولی سے آدمی تھے، ذہنی طور پر کمتر اور یقینی طور پر ان میں اللہ دین سپر تھا۔ ممکن ہے اسی لئے اس نے کسی اور کی شمولیت پسند نہ کی ہو، بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد خاموشی چھا گئی۔ اب ہمارے پاس گفتگو کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں رہ گیا تھا اس لئے ہم کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گلاب اور اللہ دین کے دونوں ساتھیوں کے خراٹے گونجنے لگے۔ تب اس نے میرے شانے پر تھپکی دی اور آہستہ سے بولا۔

"سو گئے منصور؟"

"نہیں جاگ رہا ہوں۔"

"یہ تو بھینسوں کی طرح ڈکرا رہے ہیں، آؤ ان سے کچھ فاصلے پر چلیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور ہم رینگتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پر نکل آئے کھڑے ہو کر چلنا یہاں مشکوک ہو سکتا تھا۔ ایک جگہ ہم دونوں ساکت ہو گئے۔

"بس یہ ٹھیک ہے۔" اللہ دین نے کہا اور پھر میرے بازو پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"تم خاصے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"خیریت۔ کیسے پتہ چلا؟"

"بس بس بننے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تمہاری خصوصی صلاحیتوں کو محسوس کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے تم نے صرف کلائی کی ساخت سے میرے بارے میں پتہ چلا لیا تھا۔"

"ہاں۔ تم نے تو مجھے قتل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"منصور تم میری ذہنی کیفیت پر غور کرو تو شاید تمہیں احساس ہو جائے کہ میں نے غلط نہیں کیا تھا۔"

"بتاؤ مجھے، میرے دل میں تمہارے لئے کدورت موجود ہے؟" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"یہ تمہاری ایک اور اچھائی میرے سامنے آئی ہے کہ تم نے کھل کر اس بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ دراصل گلاب نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں خوفزدہ ہو گیا تھا، میں تمہیں بتا چکا ہوں...... کہ یہاں کے لوگوں کی سوچ محدود ہے۔ وہ فرار کے بارے میں غور بھی نہیں کر سکتے اور کریں بھی کیسے؟ معمولی سے لوگ ہیں۔ انہیں اپنی زندگی میں الجھنوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ اگر اپنے وطن میں رہ کر کچھ کر سکتے تو یقینی طور پر باہر نکلنے کی کوشش نہ کرتے۔ میرے خیال میں اس طرح میں انہیں ناکارہ لوگوں میں شمار کر سکتا ہوں، کیا خیال ہے تمہارا؟"

"تم کہتے رہو۔ مجھ سے میرا خیال نہ پوچھو۔"

"گویا تم مجھ سے متفق نہیں ہو؟"

"ضروری نہیں ہے اللہ دین کو تمہیں انسانی نفسیات پر بھی عبور ہو۔ میں انہیں ناکارہ نہیں مجبور کہہ سکتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اس معمولی سی بات کو میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں بناؤں گا۔ بہرحال یہ میرا نظریہ ہے اور اپنے اس نظریئے کے تحت میں دوسرے لوگوں کی شمولیت نہیں چاہتا تھا لیکن بات ایسی ہو گئی تھی کہ میں تمہارے بارے میں سوچنے پر مجبور تھا اور میں نے اسی لئے یہ کوشش کر ڈالی تاکہ تمہیں قتل کر کے اس راز کو راز ہی رہنے دوں لیکن تم نے میرا خیال بدل دیا۔"

"وہ کیسے؟"

"تم پھرتیلے اور طاقتور انسان ہو۔"

"یہ اندازہ تمہیں کیسے ہوا؟"

"رات کو اپنی کوشش میں ناکام رہ کر اور اس کے بعد اس وقت تمہاری ذہانت کا بھی قائل ہو گیا جب تم نے ہاتھ ملانے کے بجائے میری کلائی پکڑ لی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔ خیر بھول جاؤ اس واقعے کو اور اب تنہائی میں بتاؤ کہ میرے منصوبے میں کوئی نقص تو نہیں ہے؟"

"میرے خیال میں نہیں۔ اس طرح کے خطرات مول لینے پڑیں گے ورنہ فرار آسان نہ ہو گا۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تو اب صاف دل دوستوں کی طرح ملیں گے۔ ہاتھ ملاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد ہم دونوں سو گئے۔

ٹائم بکس کے حصول میں ہمیں مزید چار دن لگ گئے۔ اس دوران اور کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ اللہ دین کے کہنے کے مطابق میں نے بھی ان جگہوں کا جائزہ لیا جہاں محافظ جمع ہوتے تھے اور پھر ہم مناسب موقع کی تاک میں لگ گئے۔ ڈائنامائیٹ بکس اب برگد کے درخت کی جڑ سے نکل کر ہمارے لباسوں میں آ چھپے تھے اور رات کو انہیں کیمپ میں ایک جگہ چھپا دیا جاتا تھا۔ ہر صبح ہم انہیں اپنے لباسوں میں چھپا کر نکلتے تھے۔ ہماری کوشش تھی کہ کسی دن تینوں کو ان مخصوص جگہوں پر متعین کر دیا جائے جہاں محافظ جمع ہوتے ہیں اور ایک مبارک دن یہ موقع مل گیا۔ میں اور گلاب قریب قریب تھے۔ ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر اللہ دین نے اشارہ کیا کہ کام کا دن آ گیا ہے اور میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہتھوڑا بلند کر کے اس اشارے کا جواب دیا کہ میں تیار ہوں۔ اشاروں کی یہ زبان ہمارے درمیان پہلے ہی طے ہو گئی تھی۔

دھڑکتے دلوں کے ساتھ ہم نے اپنے لباسوں میں چھپے ہوئے ڈائنامائیٹ بکس نکالے اور موقع پاتے ہی انہیں ٹائم بکس سے منسلک کر کے ان جگہوں پر چھپا دیا جہاں محافظ آرام کرتے تھے۔

کام ہو چکا تھا اب نتیجہ جو بھی ہو۔ ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزر رہا تھا۔ دوپہر کے کھانے کی چھٹی کا گھنٹہ بجا اور مزدور کھانا لینے چل پڑے۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ کھانا لیں لیکن کوئی تبدیلی مناسب نہیں تھی۔ اس لئے مجبوراً کھانا لیا اور پھر ان ڈھلانوں کی طرف چل پڑے جہاں سے ہمیں جنگلوں کی جانب سفر کرنا تھا۔

ہم میں سے کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک ایک لمحہ شاق گزر رہا تھا پھر پہلا دھماکا ہوا۔ اس کے فوراً بعد دوسرا اور ہم دوڑ پڑے۔ تیسرے دھماکے کے ارتعاش کو ہم

نے ڈھلانوں پر محسوس کیا تھا۔ ہم پانچوں کے پیروں میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ ہتھوڑے ہمارے ہاتھوں میں تھے اور ہم برق رفتاری سے ڈھلانوں میں دوڑ رہے تھے۔

ہمیں پہاڑوں کا حال معلوم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہوا۔ بس ایک ہی لگن تھی، اتنی دور نکل جائیں کہ محافظ ہمیں پا نہ سکیں۔ ہم دوڑتے رہے۔ جنگل قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ ہمارے سینے دھونکنیوں کی طرح چل رہے تھے لیکن ہم جان توڑ کر دوڑ رہے تھے۔ وقت کا کوئی تعین نہیں تھا۔ بہرحال ہم جنگل میں داخل ہو گئے۔ ہم میں سے کوئی ان جنگلوں کے بارے میں تفصیلات نہیں جانتا تھا لیکن وہ ہماری پناہ گاہ بن سکتے تھے اور ہم اس پناہ گاہ میں داخل ہو گئے تھے تاہم رکنے کا کوئی سوال نہیں تھا بہت جلد کیمپ میں صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا اور اس کے بعد مسلح محافظ خونخوار شکاری کتوں کے ساتھ جنگلوں میں داخل ہو جائیں گے اور یہ کتے زمین کی تہوں سے اپنا شکار ڈھونڈ لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان خونخوار کتوں سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر کے جنگل کے اندرونی اور نہایت گھنے حصے میں پہنچ جائیں۔ سورج غروب ہونے تک ہم لگاتار دوڑتے رہے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ تقریباً سات آٹھ میل دور نکل آئے ہیں۔ بے تحاشہ دوڑنے سے ہمارے جسم پسینے سے تر ہو گئے تھے اور تلووں میں آبلے پڑ چکے تھے، ہمیں یقین تھا کہ صبح سے پہلے پہلے محافظ دستہ ہماری تلاش میں نکلے گا، رات کی اس تاریکی میں ہماری جانیں ہر طرح محفوظ تھیں۔

ہوائیں سرد ہو گئی تھیں اور چونکہ بدن پسینوں سے تر تھے اس لئے تیز ہوائیں برچھیوں کی طرح بدن میں لگ رہی تھیں۔ سب کے سب ہانپ رہے تھے چونکہ زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے سب ہی دوڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ سب کے سب تندرست و توانا جسموں کے مالک تھے اور بدن میں اتنی قوت رکھتے تھے کہ اتنی دیر تک مسلسل دوڑ سکیں، ابھی تک کسی نے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ اللہ دین اچھی خاصی عمر کا مالک تھا لیکن اس کے گٹھے ہوئے بدن سے اس کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دوڑنے میں ہم سب سے تقریباً آگے ہی آگے تھے اور رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں بھی ان سب کا ساتھ دے رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے تعاون کے بغیر کوئی کام ہونا مشکل ہے۔ رات گہری ہو چلی تھی اور ہمیں جنگل میں دوڑنے میں پریشانی ہونے لگی تھی۔ ایک فٹ کے فاصلے کی کوئی چیز صاف نظر نہیں آتی تھی، تب اللہ دین کی آواز ابھری۔

"رک جاؤ، رک جاؤ۔ تھوڑی دیر آرام کر لینا ضروری ہے۔" اور سب رک گئے۔ آوازوں کے سہارے ہم ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ یوں بھی دوڑتے ہوئے ہم نے زیادہ فاصلہ نہیں رکھا تھا کہ مبادا اندھیرے میں ہم بچھڑ جائیں۔ ہمارے سینے دھونکنی

کی طرح چل رہے تھے۔ ان کی آوازیں ہم بخوبی سن سکتے تھے۔ الفاظ منہ سے نکل ہی رہے تھے۔ اللہ دین کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کئی بار اس کے منہ سے بے ربط جملے نکلے لیکن اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ کچھ دیر ہانپنے کے بعد ہ حواس بحال ہوئے تو اللہ دین نے بمشکل کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔" اور ہم سب بیٹھ گئے۔ نیچے تھی۔ اس ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر بیٹھنے کی بجائے ہم لوگ لیٹ گئے۔ ہمیں اندازہ نہ کہ ہمارے قرب و جوار میں کیا ہے۔ گھنی جھاڑیاں یا حشرات الارض، جن میں ز جانور بھی ہوں گے۔ بس تھکاوٹ اور ٹھنڈی گھاس ہمیں لیٹنے پر مجبور کر رہی تھی۔ میں ایک عجیب سی اینٹھن تھی، ہم سب اپنے حواس درست کرتے رہے اور اس میں آدھا گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ دین نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"کیا کیفیت ہے تم لوگوں کی؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"منصور۔ کیا خیال ہے اب ریسٹ کریں یا آگے بڑھتے رہیں؟"

"میرے خیال میں ہمیں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آگے کا سفر شرو دینا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا خود بھی یہی خیال ہے۔ کاش ہمارے پاس روشنی ہوتی، ہم کوئی ٹارچ وغیرہ بھی حاصل کر سکتے۔ اتنی گہری تاریکی ہے یہاں کہ اگلے قدم کے با میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے یہ جنگل اس لئے خطرناک ہ یہاں دلدلی حصے بھی موجود ہیں۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہمیں سفر جاری رکھنا چاہئے لیکن اب دوڑنے کی بجائے تیز قدموں سے چلنا چاہئے۔" اللہ دین نے میری اس بات سے اتفاق دوسرے بے چارے کوئی مشورہ دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے ہم زندہ مردوں کی مانند پڑے رہے۔ بس سانسوں کی آواز سنی جا رہی تھی اس کے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ ایک گھنٹے کے بعد اللہ دین اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے ا دونوں ساتھیوں کو آواز دی۔

"جی استاد۔" دونوں بیک وقت بولے۔

"کیا حال ہے تمہارا۔ چل سکتے ہو، نا؟"

"بالکل استاد۔" دونوں بولے۔

"تو پھر اٹھ جاؤ۔" اللہ دین اٹھتا ہوا بولا اور ہم سب کھڑے ہو گئے۔ اس بعد ہم نے اندھوں کی طرح سفر شروع کر دیا لیکن ہماری رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ را

گزرتی رہی۔ گو اس طرح ہم زیادہ تیز سفر نہیں کر سکتے تھے بہرحال کچھ نہ ہونے سے، ہونا بہتر تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ دفعتاً سرد ہوا کے دوش پر ایک آواز لہراتی ہوئی سنائی دی اور ہم سب اچھل پڑے۔

"خدا کی پناہ۔ ان لوگوں نے تو ہم سے بھی زیادہ مستعدی دکھائی ہے۔" اللہ دین نے کہا۔ میں اور دوسرے لوگ بھی کتوں کی آوازیں صاف سن رہے تھے۔ ہماری رگوں میں خون جمنے لگا۔ یہ خوفناک احساس بدن میں لرزہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھا کہ محافظ، کتوں کے ساتھ ہماری تلاش کرتے ہوئے ہمارے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔

"رک جاؤ۔ اندھوں کی طرح آگے بڑھنا خطرناک ہے۔" اللہ دین نے کہا اور پھر مجھے آواز دی۔ میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ "یہ کیسے ممکن ہوا منصور۔ اتنی جلدی وہ ہمارے قریب کیسے پہنچ گئے؟"

"اوہ اللہ دین تم آوازوں کی سمت کا اندازہ کر رہے ہو؟"

"ارے ہاں۔ یہ تو۔ یہ تو ہمارے سامنے سے آ رہی ہیں۔ یہ کیا ہوا۔ کیا ہم راستہ بھٹک گئے؟ یہ ناممکن ہے۔" اللہ دین پریشانی سے بولا۔

"میرے خیال میں انہوں نے سمندری راستہ اختیار کیا ہے، یقینی طور پر انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ بھاگنے والے جنگل میں داخل ہوئے ہوں گے کیونکہ ہم اس جزیرے کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کس راستے سے جنگل کے سرے پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں کچھ اندازہ نہیں رہا جبکہ اس کے برعکس انہوں نے جنگل کے بجائے سمندری راستے کو ترجیح دی۔ بہرصورت یہ طے شدہ بات ہے کہ انہوں نے ہمارے فرار کے بارے میں پورا پورا اندازہ لگا لیا ہے۔" میں نے کہا اور اللہ دین نے پرخیال انداز میں ایک ہنکارا بھرا اور پھر بولا۔

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے منصور، میں تم سے متفق ہوں لیکن اب کیا کیا جائے؟"

"میرا خیال ہے ہمیں آگے نہیں بڑھنا چاہئے، کتوں کی سمت اور صورت حال کا اندازہ لگا لیا جائے۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

ہم لوگ خاموشی سے کان لگائے یہ آوازیں سنتے رہے۔ سب کے سب دہشت زدہ تھے، یکایک اللہ دین نے مجھ سے کہا۔

"واپس بھاگو، وہ اِدھر ہی آ رہے ہیں۔ تمہارا خیال بالکل درست معلوم ہوتا ہے، وہ یقیناً ایک لمبا چکر کاٹ کر موٹر لانچوں کے ذریعے یہاں تک پہنچے ہیں، وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں اب ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے۔ جہاں ان کے کتے نہ پہنچ سکیں، ورنہ یہ کتے، ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے۔" یہ کہتے ہی وہ واپس اسی راستے پر دوڑنے لگا

جہاں سے ہم لوگ یہاں تک آئے تھے۔

ہم سب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں اور ہم بدحواسی میں تیز سے تیز تر دوڑ رہے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں پتھر توڑنے والے وہ بڑے بڑے ہتھوڑے اب بھی موجود تھے اور اس وقت وہ ہمیں اپنا واحد سہارا محسوس ہو رہے تھے جن کے ذریعے ہم اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ کافی دور تک دوڑنے کے بعد ہم چند لمحات کے لئے رکے اور اللہ دین کہنے لگا۔

"ہمیں مغرب کی طرف رخ اختیار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اِدھر کیمپ ہے۔ شمالی حصے میں جیسا کہ ہم دن میں محسوس کر چکے ہیں دلدلی علاقہ زیادہ ہے اس لئے اس طرف جانا بے کار ہے' اب صرف یہ جنوبی حصہ رہ جاتا ہے جس طرف ہمیں دوڑنا چاہئے' ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس حصے میں دوڑتے ہوئے ہم دریا سے کتنے دور نکل جائیں گے لیکن یہی ایک مناسب راستہ ہے جسے اختیار کیا جا سکتا ہے' میں نہیں جانتا کہ یہاں دلدلی قطعے ہیں یا نہیں ہمیں احتیاط ہی سے سفر کرنا ہو گا لیکن اگر اس طرف دلدلی حصے ہیں بھی تو ہمیں ان سے فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ محافظ کتوں کو اس طرف لانے کی جرات نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے اسی طرف چلو۔" میں نے کہا اور ہم سب جنوبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ ہم تیزی سے اپنا سفر طے کر رہے تھے' ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھیں اور کبھی کبھی بند ہو جاتی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ محافظ ہماری تلاش میں سرگرمی سے مصروف ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابھی تک ہم میں سے کوئی ان جنگلوں سے نہیں نکل سکا ہے جس جگہ ہم سفر کر رہے تھے وہاں اونچی اونچی خاردار جھاڑیاں اور گنجان درخت موجود تھے۔ اگر سراغ رساں کتے ان محافظوں کے ساتھ نہ ہوتے تو یہ جگہ چھپنے کے لئے اتنی اچھی تھی کہ وہ لوگ ہمیں قیامت تک تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ ہم اسی فکر میں غلطاں تھے کہ ہمیں اپنے بائیں جانب آہٹ سی سنائی دی اور ہم سب پیٹ کے بل لیٹ گئے۔ ہمارے دل بری طرح دھڑک رہے تھے لیکن یہ غالباً کوئی جنگلی جانور تھا جو وہاں چھپا ہوا تھا اور اب ڈر کر بھاگ رہا تھا' چند لمحات اسی طرح چھپے چھپے گزر گئے اور ابھی ہم اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک تیز روشنی نظر آئی جو ہم سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھی اور اِدھر اُدھر رینگ رہی تھی۔ ہماری سانسیں بند ہو گئیں' ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ محافظ اتنے قریب پہنچ چکے ہیں۔ یقیناً اس شخص کے ساتھ کوئی کتا نہیں تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی ورنہ کتا یقیناً ہماری بو سونگھ لیتا۔ روشنی آہستہ آہستہ ہماری جانب بڑھنے لگی۔ ہم دم سادھے لیٹے تھے۔ ذرا بھی جنبش نہیں کر رہے تھے۔ ہماری نگاہیں اس ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں جس میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی کے دھندلکے میں دو سائے نظر آ رہے

تھے۔ بالآخر ان کا ہم سے صرف بیس فٹ کا فاصلہ رہ گیا اور وہ آہستہ آہستہ ہمارے نزدیک تر ہوتے چلے گئے۔ اس طرح اس بات کا یقین تھا کہ چند لمحات میں وہ ہمارے نزدیک ہوں گے۔ گو لمبی اور گھنی جھاڑیوں میں ٹارچ کی روشنی زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہو رہی تھی لیکن اگر وہ اس کا رخ ذرا سا جھکا لیتے تو لازمی بات تھی کہ وہ ہمیں دیکھ لیتے اور چونکہ وہ مسلح تھے اس لئے ہمارا ہلاک ہو جانا لازمی امر تھا۔ اللہ دین نے میرا بازو دبایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"صرف دو ہی معلوم ہوتے ہیں منصور' اور ان کا ہلاک ہونا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلائی اور دونوں تیار ہو گئے۔ باقی تین افراد کو ہم نے خاموش رہنے کے لئے کہا تھا۔ کیونکہ اس وقت ہنگامہ خیزی کسی طور مناسب نہیں تھی۔ محافظ آہستہ آہستہ ہمارے قریب آتے گئے اور اب ان کا فاصلہ ہم سے صرف چند فٹ کا رہ گیا۔ اب وہ یقینی طور پر اس جگہ سے گزرنے والے تھے جہاں ہم چھپے ہوئے تھے۔ ہم اگر جگہ بدلنے کی کوشش بھی کرتے تو بے سود تھا۔ کیونکہ جھاڑیوں کی جنبش ہماری موجودگی کا پتہ دے دیتی۔ چنانچہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم ان پر بھرپور وار کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور یہی ہوا۔

وزنی ہتھوڑوں نے محافظوں کی کھوپڑیاں پاش پاش کر دیں۔ ان کے حلق سے آوازیں تک نہ نکل سکیں۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ٹارچ گر پڑی۔ ہم نے فوری طور پر ٹارچ بجھائی اور ان کے جسموں کو ٹٹولنے لگے ہمارے تینوں ساتھی بھی آگے آ گئے تھے۔ محافظوں کے پاس رائفلیں تھیں اور ان کی کمر پر پیٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ رائفلیں اور پیٹیاں قبضے میں کر لی گئیں پھر اللہ دین کو نجانے کیا سوجھی کہ وہ محافظوں کی اندرونی جیبوں کی تلاشی لینے لگا اور ان کی جیبوں سے اسے اچھی خاصی رقم دستیاب ہو گئی جو اس نے اپنے لباس میں ٹھونس لی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چلو بڑھ چلو یہاں سے' میرا خیال ہے ہمیں ایک غیبی مدد حاصل ہوئی ہے۔ یہ رائفلیں ہمارے لئے بے حد کار آمد ہیں' چنانچہ ہم نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ محافظ اتنی برق رفتاری سے ہمارے نزدیک کیسے پہنچ گئے۔ بہرحال اب اس سلسلے میں سوچنا بے کار ہی تھا۔ ہم ان کے نرغے میں تھے اور ان کے نرغے کو توڑ کر نکلنا ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ ہم رکے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ خاردار جھاڑیوں نے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور پورے جسم پر خراشیں ہی خراشیں تھیں لیکن یہ وقت ان خراشوں پر توجہ دینے کا نہیں تھا۔ دوسری طرف سے یخ بستہ ہوا جسم میں تیروں کی طرح چبھ رہی تھی لیکن زندگی کے حصول کے لئے یہ ساری چیزیں برداشت کرنا ضروری تھا اور زندگی ایسی صورت میں بچ سکتی تھی کہ ہم محافظوں کے نرغے سے نکل جائیں۔ وہ جگہ

چھوڑ کر ہم کافی دور پہنچ گئے۔ سفر اب بھی نہایت آہستگی سے جاری تھا کیونکہ دلدلوں کا خطرہ تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہے تھے۔ سب ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے تاکہ اگر کوئی کسی دلدل کے کنارے پہنچے تو دوسرے اسے جلدی سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیں۔ اس طرح سب کی زندگیاں بچ سکتی تھیں اور ہم اجتماعی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے۔ گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا' پھر اس جگہ ہمیں دوبارہ روشنی نظر آئی۔ جہاں ہم نے ان دو محافظوں کو ہلاک کیا تھا۔ یقینی طور پر دوسرے محافظ وہاں پہنچ گئے تھے۔ اسے ہم اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتے تھے کہ پہنچنے والوں کے ساتھ کتے نہیں تھے بلکہ کتوں کو وہ کسی اور ہی جگہ استعمال کر رہے تھے' کبھی کبھی ان کے بھونکنے کی آوازیں ہمیں صاف سنائی دے جاتی تھیں لیکن یہ آوازیں دور سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔

مجھے یقین تھا کہ نئے آنے والے محافظوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں دیکھ لی ہوں گی اور اس یقین کا ثبوت فوراً ہی مل گیا۔ دوسرے لمحے ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف لہرانے لگیں اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ شروع ہو گئی۔

"لیٹ جاؤ۔ نیچے لیٹ جاؤ۔" میں نے کہا اور خود بھی زمین پر گر پڑا۔ گولیاں جھاڑیوں کو توڑتی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں وہ یقینی طور پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے سمت کا کوئی تعین نہیں کیا تھا۔ بس ان کے ذہن میں یہ خیال ہو گا کہ محافظوں کو ہلاک کرنے والے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے اور کسی بھی جگہ ان گولیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔

ہم زمین سے چپکے لیٹے رہے۔ دفعتاً گلاب کے حلق سے ایک کریہہ آواز نکلی اور اس نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟" اللہ دین سرگوشی کے انداز میں غرایا۔

"سانپ۔ سانپ۔ میرے سینے کے نیچے سانپ تھا۔ یقینی طور پر...... اوہ سانپ۔"

گلاب کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

"اوہ۔" اللہ دین بھی اچھل کر بیٹھ گیا' دوسرے لوگ بھی بیٹھ گئے اسی وقت چند گولیاں ہمارے سروں کے بالکل نزدیک سے گزریں اور ایک بار پھر ہمیں سر کے بل زمین پر جھک جانا پڑا۔

"ہمت سے کام لو گلاب' اگر وہ نکل گیا ہے تو اب اس طرف نہیں آئے گا۔ خونخوار اور خوفناک حشرات الارض بھی انسانوں سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں۔" لیکن گلاب تھر تھر کانپ رہا تھا' دوسرے لوگ بھی متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بڑی عجیب صورت حال تھی بہرصورت محافظ گولیاں برساتے رہے اور چند ساعت کے بعد خاموشی ہو گئی۔ یقیناً وہ اندازہ کر رہے تھے کہ ان کی چلائی ہوئی گولیاں کارآمد ہوئی ہیں یا نہیں لیکن انہیں یقین

ہو گیا ہو گا کہ ان کے وار کارگر ثابت نہیں ہوئے اور ہم قرب و جوار میں موجود نہیں ہیں ورنہ کسی نہ کسی کی چیخ تو سنائی دیتی۔ بہرحال ٹارچیں اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنیاں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھیں پھر انہوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا اور ایک بار پھر ہمیں نئے خطرات سے دو چار ہونا پڑا ان کا رخ اسی سمت تھا۔ کم بخت نجانے کس طرح ہماری بو سونگھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ ان کی تعداد کا ہمیں کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔ بہرطور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم یہاں رک کر ان کے قریب آنے کا انتظار کریں۔ اگر وہ قرب و جوار سے آگے نکل جاتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہے' ورنہ پھر ان سے نمٹنا بھی ضروری ہو گا۔ ٹارچوں کی تعداد چار تھی اور یقینی طور پر تمام آدمی ہی ٹارچ نہیں لئے ہوں گے' اس کا مقصد ہے کہ محافظوں کی تعداد اس بار چار سے زیادہ تھی......
اللہ دین میرے بالکل قریب تھا' اس نے میرے کان میں کہا...... "اب کیا کیا جائے منصور؟"

"میرا خیال ہے خاموشی اختیار کی جائے اگر یہ لوگ ہمارے بالکل ہی نزدیک آ جائیں تو پھر دیکھا جائے گا اور اگر یہ ہمارے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جاتے ہیں تو پھر ہم اسی جگہ رک کر ان کے دور نکل جانے یا اپنی تلاش سے مایوس ہو جانے کا انتظار کریں گے' ورنہ پھر جیسی بھی صورت حال پیش آئے۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ یہ لوگ اتنی برق رفتاری سے کام کریں گے۔" اللہ دین نے پرخیال انداز میں کہا۔ میں نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

محافظ قریب آتے چلے گئے' اب ہم ان کے قدموں کی دھمک اپنے بالکل قریب محسوس کر رہے تھے۔ جھاڑیوں میں ان کے قدموں کی سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی' یقینی طور پر ان کے ہاتھوں میں رائفلیں بھی تیار ہی ہوں گی' وہ ہمارے بالکل نزدیک پہنچ گئے لیکن یہ دیکھ کر ہمیں ایک گونہ سکون محسوس ہوا کہ ان کا فاصلہ ہم سے ذرا زیادہ تھا یعنی وہ ہمارے سروں پر سے نہیں گزرنے والے تھے۔ وہ آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے اور ان کی آوازوں کی بازگشت ہمارے کانوں میں گونجنے لگی۔

"کم بختوں کو زمین نگل گئی یا آسمان' ویسے ہیں یہیں کہیں قرب و جوار میں۔ کیونکہ ان دونوں کو انھوں نے ہلاک کیا ہے۔"

"ہاں یقیناً وہ یہیں ہوں گے اور ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ بس ذرا صبح ہو جائے۔ دن کی روشنی میں ہم انہیں آسانی سے تلاش کر لیں گے۔ ویسے ان کا فرار بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح فرار ہونے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ سبق مل گیا گواسکر کو' وہ اپنے آپ کو بہت عقل مند سمجھتا ہے۔" کسی نے کہا لیکن کسی نے بھی اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا پھر دوسرا بولا۔

"دریا کی جانب بھی لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے۔ وہاں بستی میں ہدایت کر دی ہے کہ اگر کسی نے ان مفروروں کو پناہ دی تو پھر اس کی زندگی مشکل ہے۔ انہیں ہمار ہی ساتھ رہنا ہے اور اگر وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں تو پھر ہمارے مزدوروں کو تلاش کر انہیں ہمارے حوالے کرنا ان کا فرض ہے۔"

"اوہ۔ کیا وہاں اطلاع پہنچا دی گئی ہے؟"

"ہاں۔ ایک موٹر لانچ دریا کے ڈیلٹا پر روانہ کر دی گئی ہے۔"

گویا دریا کا راستہ بھی مسدود کر دیا گیا تھا۔ گواسکر بلاشبہ ایک ذہین آدمی تھ اس نے ہماری سمتوں کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا اور پھر ہمیں اس جزیرے کے محل وقوع کا کو اندازہ نہیں تھا۔ اس نے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے۔ سیٹھ جبار کے آد یقینی طور پر معمولی آدمی تو نہیں تھے۔ وہ کم بخت پوری طرح مجرمانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔

محافظوں سے نمٹنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ کافی دور نکل گئے تھے اور پھ ٹارچوں کے رخ بدل گئے۔ اب وہ مشرقی سمت جا رہے تھے۔ ہم نے سکون کی گہری سانس لی اور ایک بار پھر ہم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اللہ دین نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا

"یہ تو بڑی مشکل پیش آ گئی۔ اس طرح تو ہم دریا کے کنارے نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے اللہ دین۔" میں نے کہا۔ "ہمیں اس جنگل ہی میں روپوش رہنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے ہمیں دس بارہ روز یہاں گزارنا پڑیں گے تاکہ وہ لوگ ہماری تلاش سے مایوس ہو جائیں۔ یہ رائفلیں ہمارے لئے بے حد قیمتی ہیں اگر کبھی محافظ ہم تک پہنچ ہی گئے تو ان رائفلوں سے کام لیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں تم سے متفق ہوں۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ جب صبح کے دھندلکے پھیل جائیں تو ہم کوئی مناسب جگہ تلاش کر لیں، جہاں ہم دس بارہ روز تک قیام کر سکیں۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے علاوہ اب اور کوئی ترکیب نہیں رہی تھی پھر صبح کاذب کے .... دھندلکے پھیلنے لگے۔ روشنی زمین و آسمان سے پھوٹ رہی تھی اور ماحول روشن ہوتا جا رہا تھا۔ ہم نے روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اپنی یہ جگہ بھی چھوڑ دی اور اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگے۔ ہم سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر درختوں کے ایسے گھنے جھنڈ موجود تھے جن میں اگر ہم پہنچ جاتے تو چھپنے میں ہمیں آسانی ہوتی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان درختوں کے پیچھے کیا ہے، یقینی طور پر ان درختوں کے قرب و جوار میں حشرات الارض کی تعداد بے پناہ ہو گی لیکن اس وقت موت چاروں طرف موجود تھی، کوئی سمت اس سے خالی نہیں تھی لہٰذا دیکھنا یہ تھا کہ موت کس طرف سے ہم پر حملہ آور ہوتی ہے۔ میں نے اللہ دین کی توجہ اس طرف مبذول

کرائی اور وہ میرے اس خیال پر غور کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے لیکن ہم درختوں کے نیچے یا قرب و جوار میں چھپنے کی بجائے ان کی چوٹیوں پر پناہ لیں گے اور اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک کہ محافظ اس علاقے سے نکل نہ جائیں۔"

"بالکل مناسب، آؤ تیز رفتاری سے سفر کریں۔ ورنہ تم سن ہی چکے ہو کہ صبح کی روشنی میں وہ لوگ ہمیں تلاش کرنے کا ایک باقاعدہ منصوبہ رکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے اس گھنے جھنڈ کے پاس پہنچ گئے لیکن یہ دیکھ کر ہماری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں کہ درختوں کے نیچے جو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ان میں ایک مخصوص قسم کے پھل لگے ہوئے تھے جنہیں ہم کوئی نام نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ پھل ہمارے لئے بالکل اجنبی تھے لیکن اگر یہ پھل ہماری بھوک کا سہارا بن جاتے تو اس کا مقصد ہے کہ ہم درختوں پر ہی کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔ میں نے جھاڑی میں سے ایک پھل توڑ کر اللہ دین کی طرف بڑھا دیا۔

"نجانے کیا ہے، کہیں اس کے اثرات زہریلے نہ ہوں۔" اس نے کہا اور میں کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"کمال ہے یار۔ تم موت کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ موت کس جگہ نہیں ہے؟ اس پورے جزیرے پر ہمارے لیے موت ہی موت ہے اور ہم اسے موت کا جزیرہ کہہ سکتے ہیں۔ پھلوں میں اگر زہر کی آمیزش ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہمیں زیادہ سے زیادہ موت ہی تو آئے گی اور یہ موت محافظوں کی گولیوں سے بھی آ سکتی ہے۔ حشرات الارض کے کاٹنے سے آ سکتی ہے لیکن اگر پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے قدرت نے ہمارے لئے یہ سامان مہیا کیا ہے تو ہمیں اسے نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔" اللہ دین نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور ہم نے جلدی جلدی بہت سارے پھل توڑ کر جیبوں میں بھر لیے۔ اس کے بعد ہم درختوں کی چوٹیوں کی جانب دیکھنے لگے۔ درخت بہت زیادہ بلند نہیں تھے لیکن اتنے گھنے تھے کہ ان کی شاخوں میں چھپ کر باآسانی بیٹھا جا سکتا تھا بلکہ اگر ہم ذرا سی کوشش کرتے تو ایسی شاخیں بھی تلاش کر سکتے تھے جن پر باآسانی لیٹا جا سکے، چنانچہ ہم درختوں پر چڑھنے لگے۔ پیروں کے آبلے درختوں پر چڑھنے میں تکلیف دے رہے تھے لیکن یہ ساری تکلیف اس وقت ہمارے لیے بے بنیاد تھی ہم پانچوں درختوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے اور بندروں کی طرح اِدھر اُدھر گھوم کر ایسی جگہیں تلاش کرنے لگے جو ہمارے لیے کار آمد ہوں۔ یُوں لگتا تھا جیسے یہ درخت ہمارے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔ ان کی شاخیں اس طرح آپس میں گتھی ہوئی تھیں کہ ان پر آسانی سے لیٹا بھی جا سکتا تھا۔ ہمیں انتہائی محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی۔ محفوظ صرف

اس شکل میں تھی کہ ہم درختوں سے گر نہیں سکتے تھے البتہ اگر محافظ اور کتے یہاں پہنچ گئے تو پھر کوئی جگہ محفوظ نہیں تھی۔ اپنی اپنی جگہوں پر آرام سے لیٹ کر ہم نے جیبوں سے پھل نکالے اور انہیں چبانے لگے۔ ابھی تک بھوک کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا لیکن پھل کھانے سے یوں لگا' جیسے ہمارے جسموں میں نئی توانائی دوڑ گئی ہو۔ اچھی خاصی مقدار میں یہ پھل توڑے تھے اور بے شمار پھل یہاں قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے۔ بظاہر یہ پھل ہر طرح سے بے ضرر تھے اور انہیں کھانے کے بعد ہمیں کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ کافی دیر تک ہم ان پھلوں کے نتائج کا انتظار کرتے رہے لیکن ہم نہایت پر سکون تھے اور خاموشی سے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ اللہ دین نے ایک رائفل مجھے دے دی تھی اور دوسری اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ہم نے رائفلیں چیک کر لی تھیں ان میں کارتوس لگے ہوئے تھے۔ بہرصورت اس کے بعد ہم تھکن سے چور آنکھیں بند کر کے اپنی اپنی جگہوں پر آرام کرنے لگے۔ کم از کم یہ یقین تھا کہ اگر آنکھ لگ بھی گئی تو ہم نیچے نہیں گریں گے اور اس احساس نے واقعی بڑا سکون بخشا تھا' ہماری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ آنکھوں میں شدید جلن تھی اور پلکیں جڑی جا رہی تھی لہٰذا میں اپنے ذہن سے نیند کو دور نہ رکھ سکا اور ذرا سی دیر میں ہی غافل ہو کر سو گیا۔ اب نہ مجھے رائفل کا پتہ تھا' نہ محافظوں کا اور نہ کتوں کا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا پھر جب آنکھ کھلی تو شام کے سائے تیزی سے گہرے ہوتے جا رہے تھے' درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے مغرب کی جانب سے سینکڑوں کی تعداد میں اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے' کتوں اور ان کے محافظوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جا چکے ہیں اور اب ہم اس جنگل میں ایک بار پھر آزاد ہیں لیکن ہمارا یہ فیصلہ برقرار تھا کہ ہمیں چند روز یہیں چھپے رہنا چاہئے۔ دریا پر جانا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہوتا۔ چند روز کے بعد جب وہ لوگ ہماری طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو نگرانی ختم کر دیں گے اور اس کے بعد ہم وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد نتیجہ جو کچھ بھی ہو' پوشیدہ رہنے کے لئے اس جگہ سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں تھی' یہاں ہم آسانی سے چھپے ہوئے تھے۔ نیچے جھاڑیوں میں پھل موجود تھے جو ہمارے لئے وقتی سہارا بن سکتے تھے' پھلوں میں چونکہ نمی اچھی خاصی تھی اس لئے پیاس بھی شدت سے محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ میں نے تو بعد میں یہ محسوس کیا کہ ہم اندرونی طور پر نہایت پر سکون ہیں' آرام کرنے کی وجہ سے تھکن بھی کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔ گو بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ہم بے آرام اور درختوں کی کھردری شاخوں پر سوئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی جانب نگاہ دوڑائی سب کے سب اب بھی سو رہے تھے' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نیند کیسی ظالم شے ہے' ہر جگہ آ جاتی ہے اور انسان مردہ ہو

...ہے۔ اگر اس دوران محافظ اور کتے یہاں پہنچ جاتے تو بھلا ہمیں کون بچا سکتا تھا کیونکہ ...ہری نیند سو رہے تھے لیکن بہرصورت بچانے والا ایک ہاتھ ہمارے سروں پر موجود تھا ...یقینی طور پر اگر اس کی منشا نہیں تھی تو پھر ہمیں کون نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میں تین موٹی موٹی شاخوں کے درمیان پھنسا ہوا بیٹھا تھا اور بڑے اطمینان سے ...نے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اللہ دین کی حرکات ابھی تک تو ناگوار محسوس ...ہوئی تھیں لیکن نجانے کیوں یہ شخص مجھے خطرناک لگتا تھا' مجھے یوں محسوس ہوتا تھا ...اس کا دل صاف نہیں اور وہ صرف یہاں سے نکلنے کے لئے ہم لوگوں کا سہارا لئے ...ئے ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی' باہر آزاد دنیا میں جانے کے لئے اس کا ...دل چاہے وہ کرے۔ ہم میں سے کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا...... لیکن بس دل میں ...احساس تھا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا اور ...اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک بار پھر ماضی کی پرچھائیاں میرے ذہن میں رقصاں ہو ...ں اگر اللہ دین کی آواز نہ سنائی دیتی تو نہ جانے میں کب تک خیالات میں ڈوبا رہتا۔ اللہ ...اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاؤں درخت کی شاخ سے نیچے لٹکے ہوئے تھے' مجھے دیکھ کر وہ ...رانے لگا۔

"یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی ہوٹل کے کمرے میں موجود ہیں دیکھو ان سسروں کو ...ے مزے سے سو رہے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جاگنے کے بعد مجھے حیرت ہوئی کہ ہم ابھی تک زندہ ہیں' کتوں وغیرہ کی ...ازوں کا بھی اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ یہاں ہماری موجودگی ...مایوس ہو کر چلے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں یہاں پوشیدہ رہنا ہو گا۔ ابھی ہم ...گے کے سفر کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لیڈر ہو۔ تمہاری کسی بات سے انحراف نہیں کیا جائے گا۔" میں ...جواب دیا اور اللہ دین خاموشی سے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے گہری نگاہوں سے مجھے ...تے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا دوست۔ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ مجھے ...ا ہے تم عام آدمی نہیں ہو۔ لڑائی بھڑائی کے گر جانتے ہو۔ سمجھ دار اور پڑھے لکھے ...لوم ہوتے ہو۔ طاقتور بھی ہو اور نڈر بھی۔ اس کے باوجود تم ایک عام آدمی کے انداز ...ا سوچتے ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"دولت کمانے کے لئے گدھوں کی طرح محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس

کے دوسرے طریقے بھی تو ہوتے ہیں' اسمگلنگ۔ ڈاکا زنی' بلیک میلنگ اور دوسرے
کاروبار جن کے ذریعے دولت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔"

"ایسے کام ہر شخص کے بس کا روگ تو نہیں ہوتے۔"

"بے شک لیکن بعض اوقات کوئی تجربہ کار ساتھ مل جائے تو آسانیاں فراہم
جاتی ہیں اور تمہیں ایسا ساتھی مل سکتا ہے۔"

"اگر واقعی ایسا ہوا تو میں اس کی شاگردی قبول کر لوں گا۔"

"شاگردی نہیں دوستی۔ میں تمہیں اس کی پیش کش کرتا ہوں۔ فی الحال یہ
گفتگو ہو گی لیکن اگر ہم بخیر و خوبی یہاں سے نکل گئے تو پھر کام کریں گے۔ تمہیں
خاص جگہ پہنچنے کی جلدی تو نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں۔ ان حالات میں کبھی گھر واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ ناکام شکل لے
گھر جانے سے تو نہ جانا بہتر ہے۔"

"زندہ باد پھر اپنے یار کے کارنامے دیکھو۔ ہم ذہنی طور پر عام لوگوں سے ب
ہیں۔ چنانچہ ہماری یہ برتری قائم رہنی چاہیئے۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور
نے اس سے مصافحہ کر لیا۔ اس وقت یہی مناسب تھا۔

ایک ہفتے تک ہم اسی جنگل میں چھپے رہے اور پھر مکمل اطمینان کرنے کے بعد
ایک بار پھر ہم نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ ہمارے پاس دو رائفلیں موجود تھیں اس کے علا
ہتھوڑے بھی ہم نے اپنے پاس رکھے تھے۔ ہمارا رخ دریا کے کنارے آباد بستی کی طرف
تھا۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ بستی تک پہنچنے میں ہمیں کتنا وقت لگے گا..... کیونکہ اصل را
سے ہٹ گئے تھے۔

بہر صورت ہم سفر کرتے رہے۔ راستے میں بے پناہ رکاوٹیں تھیں۔ سانپ
دوسرے حشرات الارض جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے زندگی کے کسی لمحے میں
سوچا تھا کہ کبھی ایسے حالات سے بھی گزرنا پڑے گا۔ لیکن جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے اس
سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم سفر کر رہے تھے۔ مشرق کی طرف سے آہستہ آہستہ چاند آسمان
بلند ہو رہا تھا اور اس کی زرد روشنی نے جنگل کا اندھیرا دور کر دیا تھا۔ اس طرح ہمیں
میں آسانی ہو گئی۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن کو چھو رہے تھے اور پھر اسی رات ہم نے دریا
کے کنارے آباد بستی دیکھی۔ کچے مکانات چاندنی میں کھلونوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ ان
کے درمیان خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہم بستی کی طرف بڑھتے گئے اور پھر اس
قریب پہنچ گئے۔ پوری بستی ویران معلوم ہو رہی تھی پھر کسی طرف سے کتے کے بھونکنے
آواز آئی اور ہمارے قدم رک گئے۔ کتے کی اس آواز کا جواب دوسرے کتوں نے بھی
اور پھر کتوں کا اچھا خاصا گروہ جمع ہو گیا اور انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اس صورت

ے ہم گھبرا گئے تھے۔ ہم نے رائفلیں سنبھال لیں اور ہتھوڑے لے کر کتوں سے
بلے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کتے ہمارے پاس نہیں آئے تھے۔ بستی میں جگار ہو گئی۔
کے باشندے ہاتھوں میں لاٹھیاں' کلہاڑیاں اور شاید بندوقیں لے کر باہر نکل آئے اور
ک جگہ جمع ہونے لگے۔ اللہ دین اس صورت حال کا خاموشی سے جائزہ لے رہا تھا۔ بستی
لے پورا گروہ بنا کر ہماری طرف چل پڑے۔ وہ ہماری طرف سے ہوشیار تھے پھر ان میں
کسی نے عربی زبان میں کچھ کہا۔ بات سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ اللہ دین نے دو قدم
آگے بڑھ کر کہا۔

"ہم کیگارو کے مہمان ہیں۔ اسے ہمارے بارے میں اطلاع دو۔" دوسرں میں
ے کسی نے یہ بات سنی ہو یا نہیں لیکن خوش قسمتی سے کیگارو بھی اس مجمعے میں موجود
۔ وہ دوسرے لوگوں کو ہٹا کر آگے بڑھ آیا اور ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"کون ہو تم لوگ؟" اس نے انگلش میں پوچھا اور پھر شاید قریب آ کر اس نے
ند دین کو پہچان لیا۔ دوسرے لمحے اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اللہ دین سے معانقہ کیا
رانس کر دوسرے لوگوں کو عربی میں کچھ سمجھانے لگا۔

دوسرے لوگ عربی میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے واپس چل پڑے تھے۔ کیگارو ہمیں
لے کر چل پڑا۔ ایک کچے مکان کے بڑے احاطے میں داخل ہو کر اس نے کسی کو آواز
۔ اس ہنگامہ خیزی سے گھر کے سب لوگ ہی جاگ گئے تھے۔ بہر حال ایک کمرہ کھولا گیا
ماں مخصوص قسم کا فرنیچر پڑا تھا۔ کیگارو نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ایک نوجوان
کے سے عربی زبان میں کچھ کہا تو وہ چلا گیا پھر اس نے گہری نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا
ر بولا۔

"یہ سب تمہارے ساتھی ہیں؟ خیریت سے یہاں پہنچ گئے یا کوئی حادثہ ہو گیا؟"

"نہیں سب ٹھیک ہے۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرار ہونے والے تم ہو گے' وہ لوگ تین دن
ں یہاں پڑاؤ ڈالے رہے تھے۔"

"گواسکر کے آدمی؟" اللہ دین نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں انہی کی بات کر رہا ہوں۔ آدھی رات کو لانچوں کے ذریعے یہاں پہنچے تھے
ر پوری بستی گھیرے میں لے لی تھی۔ ایک ایک مکان کی تلاشی لی تھی گدھوں نے۔ خود
بہت چالاک سمجھتے تھے لیکن....." کیگارو ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اس کے بعد انہوں نے بن
الک کو ہدایت کی کہ پانچ مفرور اگر یہاں پہنچیں تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔"

"بن سالک کون ہے؟"

"اس بستی کا سردار۔ اس کے بعد تین دن تک ان کی لانچیں سمندر میں چکر

لگاتی رہیں اور جب ڈیزل ختم ہونے لگا تو واپس چلی گئیں۔ ان کے بے شمار آ
سراغرساں کتے جنگلوں میں کئی دن رہے تھے کیا وہ تم تک نہیں پہنچے؟" کیگارو نے

"پہنچے تھے لیکن ہمیں نہ پاسکے۔"

"مجھے اندازہ ہے تم بہت چالاک آدمی ہو۔" کیگارو نے مسکراتے ہو
اتنی دیر میں وہ لڑکا جسے کیگارو نے ہدایت دے کر بھیجا تھا گرم گرم چائے لے آ
چائے اس وقت دنیا کی سب سے لذیذ شے لگی تھی ہمیں۔ ایک ایک پیالی سے طبیع
نہیں ہوئی لیکن ظاہر ہے دوسری طلب نہیں کی جاسکتی تھی۔ اللہ دین کسی سوچ میں
تھا پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"تمہیں ہماری وجہ سے کوئی پریشانی تو نہیں ہوگی کیگارو؟"

"کیسی پریشانی؟"

"بن سالک کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع مل جائے گی پھر کیا وہ ہمیں گرفتار
واپس قید خانے بھجوا دے گا؟" اللہ دین نے پوچھا اور کیگارو ہنسنے لگا۔

"ہرگز نہیں۔ بستی والوں کو بس اس وقت تک تمہارے بارے میں تشو
جب تک تمہاری کوئی شناخت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تمہاری شناخت کر دی۔ اب
تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس خطرناک ماحول میں ہم ایسے گزارہ تو نہیں ک
ہمارے درمیان مثالی اتحاد ہے۔ حالانکہ تمہاری تعداد سے سب سمجھ گئے ہوں گے
کون ہو لیکن بس وہ یہ جانتے ہیں کہ میں نے تم سے شناسائی کا اظہار کر دیا اور
پوری بستی کی پناہ میں ہو..... تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔"

"یہ تو واقعی قابل فخر بات ہے۔" اللہ دین بولا۔

"کسی اور شے کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ میں انتظام کر دوں۔" کیگارو نے ک

"نہیں شکریہ۔ تھکے ہوئے ہیں بری طرح۔ بس ہمارے آرام کا بندوبس
دو۔" اللہ دین نے کہا اور کیگارو اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے ایک کمر
فرش بچھا دیا گیا۔ گاؤ تکیے لگا دیئے گئے اور کیگارو ہمیں آرام کرنے کے لیے کہ
گیا۔ ہم سب لیٹ گئے تھے۔ واقعی اب تھکن کا شدید احساس ہو رہا تھا لیکن مجھے نیند
آئی۔ اللہ دین بھی جاگ رہا تھا۔ ہمارے تینوں ساتھی البتہ سو گئے تھے۔

"تمہیں اس شخص پر مکمل اعتماد ہے اللہ دین؟"

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہے لیکن اگر کوئی مشکل پیش آئی تو دیکھا جائے گا
دین نے جواب دیا۔

دوسری صبح ہمیں عمدہ قسم کا ناشتہ پیش کیا گیا۔ کیگارو بڑی خوش اخلاقی سے
آیا تھا۔ ناشتے کے بعد اللہ دین کو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ ہم لوگ اسی جگہ رہے

کیگارو نے کہا تھا۔ "تمہیں اسی کمرے میں رہنا ہوگا۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے مگر ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔ ممکن ہے وہ اب بھی تم لوگوں کو تلاش کر رہے ہوں....."

"ٹھیک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا اور وہ دونوں باہر چلے گئے۔ کوئی خاص احساس دل میں نہیں تھا۔ دونوں رائفلیں یہیں موجود تھیں اور پھر اللہ دین کے بارے میں بھی کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خواہ مخواہ کے خدشات کا شکار ہو کر فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ رات کو میرے پاس ہی لیٹ گیا تھا اور پھر اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"میرے اور تمہارے درمیان ایک بات ہوئی تھی منصور۔ کیا خیال ہے۔ نئی زندگی کے آغاز کے لئے تیار ہو؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے چونک کر کہا۔

"یہاں سے نکلنے کا بہترین چانس مل رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی دولت کا حصول بھی ممکن ہے۔ میرے خیال میں ہم دونوں کم از کم دس دس ہزار روپے کے مالک بن سکتے ہیں اور اگر داؤ لگ جائے تو لاکھوں کا کاروبار ممکن ہے۔"

"کیگارو سے کوئی بات ہوئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ لوگ عجیب و غریب فطرت کے مالک ہیں۔ ہر قسم کی مجرمانہ کارروائی کرتے ہیں اور اس جزیرے پر آباد ہیں۔ حالانکہ یہ جزیرہ عام راستوں سے ہٹ کر ہے لیکن ان کے خیال میں یہ ان کے لئے محفوظ پناہ گاہ ہے اور پھر خاص طور سے یہ اسمگلروں کا جو اڈہ ہے اس کی وجہ سے بھی ان کی بچت ہے۔ ایک طرح سے یوں سمجھو کہ ان کا تعلق بھی انہی اسمگلروں سے ہے لیکن یہ اب براہ راست ان کے ملازم نہیں ہیں البتہ ان کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"تعجب ہے کیسا کام کرتے ہیں جب کہ ان کے مزدوروں کو بھی پکڑ کر ان کے حوالے نہیں کرتے۔"

"یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کیگارو ہم سے کچھ کام لینا چاہتا ہے۔ دراصل یہاں اس بستی کا سردار تو بن مالک ہے لیکن ہر شخص اپنے طور پر کام کرنے کے لئے آزاد ہے وہ اپنی آمدنی کا ایک چھوٹا سا حصہ سردار کو بھی دیتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ یہ بستی ایک پورا خاندان ہے اور اس خاندان میں سب ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔"

"بڑا اچھا طریقہ ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔ "کیا پیش کش کی ہے کیگارو نے؟"

"بس کچھ غلام ہیں اس کے پاس۔ کہتا ہے کہ تقریباً دس یا گیارہ افراد ہیں، مرد

ہیں' انہیں ایک کشتی میں بھر کر یہاں سے تقریباً تیس میل دور تک جزیرے میں فروخت کرنا ہے۔ وہ جزیرہ غلاموں کی منڈی ہے۔ وہ بھی عام راستے سے ہٹ کر ہے لیکن وہاں بڑی بڑی لانچیں اور جہاز آتے ہیں جو اسی قسم کے کام کرتے ہیں۔ کیگارو چاہتا ہے کہ اس کے یہ غلام ہم لے کر جائیں وہ ہر غلام کے عوض' دو ہزار روپے کمیشن دینے کو تیار ہے۔ اس طرح سے تقریباً بائیس ہزار روپے بنتے ہیں' چنانچہ میں نے اس سے یہی کہا کہ میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر لوں۔ میرے خیال میں منصور' یہ تو خواہ مخواہ کی ایک رقم ہاتھ آ رہی ہے۔ کیگارو اپنے دو آدمی بھی ہمارے حوالے کرے گا جو غلاموں کے منتظم ہوں گے۔ بڑی چالاکی سے کام کر رہے ہیں یہ لوگ۔ میں نے پوری تفصیل سنی ہے فی الوقت اس کے خیال میں جزیرہ چھوڑنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ ہماری تلاش بھی ہو رہی ہے..... یہ غلام بھی خطرے میں ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ غیر متعلق لوگوں کے ہاتھ ان غلاموں کو منڈی روانہ کر دیں اور اس کے لئے کیگارو نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ ہم ان غلاموں کو ایک مخصوص باڑے تک پہنچا کر رقم وصول کر کے اس کے آدمیوں کے حوالے کر دیں اس کے بعد ہمیں آزادی ہے۔ جہاں چاہیں نکل جائیں۔"

میں ششدر رہ گیا۔ اس جدید دور میں غلاموں کی خرید و فروخت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن جو کچھ میں نے سنا تھا اس کی کوئی نہ کوئی اہمیت تو ہو گی۔ بشرطیکہ اللہ دین کوئی چال نہ چل رہا ہو لیکن میں تہیہ کر چکا تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں اللہ دین سے بگاڑنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"انوکھی پیش کش اللہ دین۔ کیا تم نے غلاموں کی تجارت کے بارے میں کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں؟"

"ہاں۔ کافی بات چیت ہوئی ہے۔ وہ جزیرہ ان لوگوں کی زبان میں بادیان کہلاتا ہے۔ بہت بڑا کاروبار ہوتا ہے وہاں' باقاعدہ دلال ہوتے ہیں جو رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ باقی کام ان کا ہوتا ہے۔"

"اور اس دور میں ان حالات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں۔ میری تو آنکھیں کھل گئی ہیں منصور۔ میرا خیال ہے تقدیر ہر انسان کو ایک چانس ضرور دیتی ہے۔ جب تک انسان اپنی جگہ نہ چھوڑے اسے کچھ نہیں ملتا تم میرے ساتھی بن جاؤ' میں کروڑ پتی بنا دوں گا۔ یقین کرو منصور کروڑ پتی پھر ارب پتی۔ دولت ہمارے قدموں میں ڈھیر ہو گی۔ دولت ہی دولت۔" اللہ دین کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔

میں چند لمحات خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا پھر میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔ "وہ کس طرح اللہ دین؟"

"یار غور کرو۔ ہمارے وطن میں مشرق وسطیٰ سے دولت سمیٹنے کی وبا کس قدر ام ہے۔ ہر تیسرا آدمی دوبئی' کویت' مسقط' شارجہ' سعودی عرب پہنچنے کے خواب دیکھتا ہے ے وہاں دولت کے درخت اگے ہوئے ہیں اور وہ وہاں سے دولت سمیٹ کر لے آنا چاہتا ے۔ بے شمار ریکروٹنگ ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔ کچھ صحیح اور کچھ فراڈ۔ فراڈ ایجنسیاں جائز ذرائع سے ان لوگوں کو یہاں لا پھینکتی ہیں۔ کچھ یہاں چھپ جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ ناکام۔ ہم اس پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کیوں نہ کریں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"غور کرو منصور۔ ریکروٹنگ ایجنسیاں دس دس پانچ پانچ ہزار روپے لے کر ان لوگوں کو وہاں پہنچاتی ہیں۔ ہم یہاں سے ان کے لئے نوکریاں لے کر جائیں گے۔ ہم ایسے لوگوں کی حیثیت سے وہاں پہنچیں گے جو بھرتی کرنے آتے ہیں۔ دو تین آدمیوں کا بندوبست ور کرنا ہو گا جن میں کچھ مشرق وسطیٰ کے باشندے ہوں گے اور نہ بھی ہوں گے تو بنا دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ ایک بہت بڑی کمپنی کے لئے مزدور لے کر جائیں گے لیکن یہ مزدور براہ راست بادیان پہنچیں گے اور یہاں فروخت کر دیئے جائیں گے۔ دولت ہی دولت' ایک ایک غلام پچیس اور تیس ہزار میں فروخت ہو جاتا ہے۔ تم اندازہ کرو۔ کیا کیفیت ہو گی۔ دس پانچ ہزار افراد کو یہاں پہنچا دینا کون سی بڑی بات ہے۔"

میرا دل بیٹھنے لگا۔ انسانیت کے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے یہ۔ کیسا انوکھا لیکن مکروہ منصوبہ تھا یہ۔ آج اللہ دین کے ذہن میں تھا کل کسی اور کے ذہن میں ہو گا اور اپنے ماحول سے پریشان لوگ' تلاش معاش میں سرگرداں' ان بھیڑیوں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور اس کے بعد کی زندگی ان کے لئے موت سے بدتر ہو گی۔ ہاں موت سے بدتر۔ میں سوچتا رہا۔ زمانہ نہ جانے کتنے ہولناک مصائب کا شکار ہے۔ خونخوار بھیڑیے اپنی سرخ سرخ زبانیں نکالے چمک دار آنکھوں سے ان مظلوموں کی جانب نگراں ہیں کہ یہ کہاں چوکیں اور وہ انہیں دبوچ لیں۔ اللہ دین جیسے شخص اس روئے زمین پر ہر سو بکھرے ہوئے ہیں اور کوئی ایک شخص ان بھیڑیوں کو فنا نہیں کر سکتا لیکن کوئی بھی ایک شخص اگر انہیں فنا کرنے کی قوت رکھتا ہے تو ایک بھیڑیے کو مار دینا بھی ثواب ہی ہو گا' اللہ دین جیسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنا چاہئے' کسی بھی قیمت پر نہیں' ورنہ وہ لاکھوں گھرانے تباہ کر دیتے ہیں۔ میری خوش بختی تھی کہ اللہ دین کا منصوبہ میری سمجھ میں آ گیا تھا' اس سے قبل کہ یہ منصوبہ پھیلے اور دوسرے لوگ بھی اسی کے انداز میں سوچیں۔ اس کے ہمنوا اور ہم خیال بن جائیں' اللہ دین کو موت سے ہمکنار کر دینا بہتر ہو گا۔ میرے دل میں نفرت کا طوفان اٹھ رہا تھا لیکن میں اب مصلحت کوش بھی ہو گیا تھا' زمانے نے جو تجربات دیئے تھے ان کے تحت میں جانتا تھا کہ کسی بھی برائی کو ختم کرنے کے لئے اچھائی کا پرچار فوری طور پر کر دینا

مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے وقت کا انتظار مناسب ہوتا ہے اور مجھے اسی وق
انتظار کرنا تھا' اللہ دین جیسے شخص کی زندگی بہت سوں کے لئے موت کے مترادف تھی'
خاموش دیکھ کر اللہ دین نے پوچھا۔

"کیا سوچنے لگے منصور؟"

"تمہارے اس منصوبے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اتنا شاندار ہے کہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں اور ہم پہلے آدمی ہوں گے جو اس سلسلے میں جدید پیمانے پر کام کریں گے لطف آ جائے گا منصور' لطف آ جائے گا' میں تم سے کچھ اور باتیں بھی کروں گا لیکن وقت سے پہلے ساری باتیں کر لینا مناسب نہیں ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے' میں ہر مرحلے پر تمہارے ساتھ ہوں' بے فکر رہو' میں بھی سمجھ ہوں کہ اس دنیا میں کچھ بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے سے کمزور انسان کو پیس رکھ دیا جائے۔"

"بالکل بالکل۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تم وہ تو کو پیس کر رکھ دے گا۔ اس بات ہمیشہ ذہن میں رکھو۔" وہ بہت مطمئن اور خوش نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا لیکن مجھے رات کے تیسرے پہر تک نیند نہ آئی۔ خیالات کی یلغار تھی جو مجھے بے چین کئے ہوئے تھی میں کروٹیں بدلتا رہا۔

O

دوسری صبح کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے بعد اللہ دین کے گارڈ کے ساتھ چلا گیا۔ شام کو واپس آیا اور بولا۔ "ہمیں یہاں زیادہ وقت صرف نہیں کرنا پڑے گا منصور' تیاریاں مکمل ہیں البتہ ہمارا سفر ذرا مخدوش ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک بہت بڑی بادبانی کشتی کے ذریعے سفر کرنا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ہماری تو ساری زندگی ہی خطرات سے پر ہے۔ اس سلسلے میں پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔"

"بے شک۔ ویسے ان لوگوں کا اتحاد بھی بے مثال ہے میں ان سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"کوئی خاص بات؟"

"ہاں میری ملاقات بن سالک سے بھی ہو چکی ہے۔ وہ دس کلو چرس بھی ہمارے ہاتھ بھیج رہا ہے اس کا کمیشن بھی ہمیں ملے گا۔"

"بہت خوب۔ یہ عمدہ بات ہے۔"

"جزیرے والوں کو یہ لوگ کچھ بھی نہیں گردانتے۔ بظاہر یہ ان سے خوفزدہ رہنے کی اداکاری کرتے ہیں لیکن ان کے زمین دوز تہہ خانے اسلحے سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ کبھی اگر تصادم کی نوبت آئی تو وہ انہیں ختم کر دیں گے۔ چونکہ ان لوگوں کی وجہ سے انہیں ایک سمت کا تحفظ حاصل ہے۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی بہتر ہے' یہاں تو ہر چیز کاشت ہوتی ہے۔ چرس' بھنگ' افیون سب یہاں تیار کی جاتی ہے۔ یہ سب تو ان سے بڑے اسمگلر ہیں۔"

"کمال ہے۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

بہر حال اللہ دین خود ہی اس سلسلے میں ساری کارروائی کرتا رہا۔ مجھے اس نے صرف باتوں کی حد تک شریک رکھا تھا۔ اس جیسے آدمی سے ہر طرح کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھ سے بھی دھوکا کر رہا ہو۔ یہ بات میں نہیں بھول سکتا تھا کہ اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور آئندہ اس کے ذہن میں کیا پروگرام ہے۔ اس کا تعین بھی نا ممکن تھا۔ لہٰذا میں نے بھی خاموشی مناسب سمجھی۔ زیادہ ذہانت کا مظاہرہ

خطرناک ہو سکتا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دوسری طرف کے حالات بھی پر سکون تھے۔ گواسکر کے آدمی ہمیں تلاش تو کر رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی اس طرف نہیں آیا تھا۔ البتہ میں نے اللہ دین سے اپنے خدشے کا اظہار کر دیا۔

"اس طرف سے تو وہ لوگ اس لئے مطمئن ہو گئے ہیں کہ انہیں ان لوگوں پر اعتماد ہے لیکن کیا انہوں نے ہماری تلاش ترک کر دی ہو گی؟"

"تم گواسکر کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ ان کے پاس جدید اور تیز رفتار لانچیں ہیں۔ کیا جنگل کے علاوہ وہ سمندر کی نگرانی نہ کر رہے ہوں گے؟"

"اس بات کا پورا پورا امکان ہے۔"

"اس کے لئے کوئی بندوبست کیا ہے؟"

"ہاں۔ ہمیں مقامی لوگوں کی شکل میں سفر کرنا ہو گا۔ آج ہمارا میک اپ ہو جائے گا۔ سارے انتظامات کے بعد ہی روانہ ہوں گے۔ دوبارہ تو ان لوگوں کے چنگل میں نہیں پھنسنا ہے۔"

دوپہر کے بعد یہ کام بھی ہو گیا۔ مخصوص طرز کی داڑھیاں اور مونچھیں ہمارے چہروں پر چپک گئیں۔ ایک خاص روغن چہرے پر مل کر رنگت بھی بدل دی گئی۔ مقامی لباس پہننے پڑے تھے پھر ہم اس بڑی بادبانی کشتی پر پہنچ گئے جو ایک چھوٹا موٹا جہاز تھی۔ چار بادبان اس پر لگے ہوئے تھے۔ غلاموں کے لئے الگ جگہ مخصوص تھی۔ یہ غلام ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر کشتی پر پہنچائے گئے۔ ان میں چار یمنی باشندے تھے۔ پانچ مصری اور دو کا تعلق ایشیا سے تھا۔ شاید ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ بری حالت تھی بے چاروں کی' زندگی ان پر کٹھن تھی' بیڑیوں کے لوہے سے ان کے جسموں پر زخم پڑ چکے تھے اور وہ شدید اذیت کا شکار تھے۔ چار ملاح ہمارے ساتھ تھے اور باقی پانچ افراد ہم تھے۔ وصول شدہ رقم ہمیں ان ملاحوں کے حوالے ہی کرنی تھی۔ بڑی الجھی ہوئی کیفیت تھی۔ مجھے اب بھی اللہ دین کی بات کا یقین نہیں تھا۔ یقیناً وہ کسی جگہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن سچ کو تلاش کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا اس لئے خاموشی بہتر تھی۔ ہمارے پاس دو بندوقیں تھیں۔ مزید دو رائفلیں ہمارے حوالے کر دی گئیں اور ان کے ساتھ ہی تھوڑا سا میگزین بھی۔ میں نے ساحل سمندر پر بن سالک کو دیکھا۔ ایک طویل القامت عرب تھا۔ چہرے سے خشونت ٹپکتی تھی لیکن لہجہ بے حد نرم تھا...... اللہ دین نے میرا اس سے تعارف کرایا اور اس نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔ گلاب اور دوسرے دو آدمیوں کو پس منظر میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ اگر اللہ دین میرے خلاف کوئی چال بھی چل رہا تھا تو وہ بہت گہری تھی اور مجھ پر اس کا اظہار کسی طور نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔ میں تو اب انسانوں کی طرف سے تقریباً مایوس ہی

ہو گیا تھا۔ ہر شخص کے لئے میرے دل میں شک و شبہہ موجود تھا۔ اس لئے اللہ دین پر بھی میں کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور مستعد تھا کہ جب بھی میرے خلاف کوئی سازش ہو تو اس سے نمٹنے کے لئے مجھے کوئی دقت نہ ہو۔

غلاموں کو کشتی میں پہنچا دیا گیا۔ کھانے پینے کا سامان بھی وافر مقدار میں ساتھ کر دیا گیا تھا' پینے کے پانی کے ڈرم ایک طرف رکھ دیئے گئے تھے۔ چاروں ملاح بادبان کھولنے لگے' گویا اب ہم سفر کے لئے بالکل تیار تھے۔ ہماری شکلیں بدل چکی تھیں اور گلاب مجھے اس شکل میں دیکھ کر بار بار مسکرانے لگتا تھا۔ معصوم سا آدمی تھا۔ گو اس دوران اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ان بے چاروں نے خود کو ہمارے رحم و کرم پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا تھا انہوں نے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ وہ تو صرف یہاں سے نکل جانے کی خوشی میں مست تھے۔

بالآخر بادبان کھول دیئے گئے اور ساحل پر کھڑے ہوئے لوگوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں الوداع کہا۔ اللہ دین کی کیفیت یہاں سربراہ کی سی تھی۔ چاروں ملاح بھی اس کے احکامات کی پابندی کر رہے تھے۔ اللہ دین رائفل ہاتھ میں لئے دونوں کندھوں پر کارتوسوں کی پیٹیاں لگائے کشتی کے ایک بلند و بالا حصے پر کھڑا ہوا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں گلاب اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس دوران میں میری ان سے کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی۔ بس میں خاموشی سے کشتی کے دونوں سمت دور دور تک سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ بادبانوں میں ہوا بھر چکی تھی۔ اور کشتی کی رفتار خاصی تیز ہو گئی تھی۔ ملاح تجربہ کار تھے اور اس رفتار کو مناسب طریقے سے کنٹرول کر رہے تھے۔ انہوں نے جو سمت اختیار کی تھی' وہ جزیرہ بادیان کی طرف جاتی تھی اور وہ اپنی اس رفتار سے مطمئن تھے۔ ہم سمندر میں سفر کرتے رہے۔ اس وقت شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا۔ جب ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا' تھوڑی ہی دیر کے بعد رات ہو گئی اور سمندر کو تاریکیوں نے گھیر لیا۔ میں خاموشی سے ایک بادبان کے مستول سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھتا رہا۔ بادبانی کشتی سے سفر کا یہ پہلا موقع تھا زندگی میں۔ بے چارے غلام گردنیں جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی' وہ اپنے مقدر سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے اور یہ یقین کر چکے تھے کہ اب زندگی میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن میری سینے میں آگ سلگ رہی تھی انسانیت سے محبت کرنا میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ہرچند کہ اس دنیا نے مجھے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں دیا تھا اور ان ٹھوکروں سے میرے اندر بھی یہ فطرت پیدا ہو جانا چاہئے تھی کہ میں کسی بھی انسان سے محبت نہ کروں کوئی کسی کے لئے زندگی نہیں تج دیتا۔ اپنے بارے میں سوچنا زیادہ بہتر ہوتا ہے' اپنی زندگی کو سکون مل جائے تو اس کا مقصد ہے کہ ہم نے سب کچھ پا لیا لیکن انسانیت اس بات کی نفی کرتی ہے' دل کے انتہائی گوشوں

میں محبت کی ایک شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے اور اگر اس شمع کو بھڑکنے کا موقع مل جائے تو انسان پارس بن جاتا ہے۔

میں حالات سے مایوس تھا' میری جو کیفیت تھی اس کا آپ ہی بہتر اندازہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود فطرت انسانی میں کچھ ایسی خوبیاں ہوتی ہیں کہ وہ کسی طور اسے نہیں مرنے دیتیں شاید اسی جذبے پر دنیا قائم ہے ورنہ یہ دنیا کبھی کی تباہ ہو گئی ہوتی' کوئی کسی کا ہمدرد اور غمگسار نہ ہوتا' سب اپنے اپنے مصائب میں الجھ کر ایک دوسرے کی محبتوں کو بھول جاتے اور دنیا کی تباہی نزدیک سے نزدیک تر آتی چلی جاتی' بے شک انسانی جذبے کافی حد تک فنا ہو چکے ہیں لیکن قدرت زندہ ہے' خدا انسان کو محبتوں کا پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے دنیا کی مصیبتوں میں پھنس کر وہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے لیکن خدا کی جلائی ہوئی شمع کبھی نہیں بجھتی' یہ میرا ایمان ہے' دلوں کی تاریکیوں میں یہ شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے۔

سمندر کا ہولناک سفر جاری تھا' نہ جانے کتنا وقت بیت گیا' اللہ دین ابھی تک جاگ رہا تھا' اس نے اپنی رائفل رکھ دی تھی اور اب ایک جگہ بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد کھانے کی تقسیم کا مسئلہ پیش آیا اس سلسلے میں گلاب اور اس کے دو ساتھیوں کو کام کرنا پڑا تھا' ایک ملاح بھی ہمارے ساتھ شریک تھا جس کا نام نفاض تھا' تھوڑی دیر کے بعد کھانا تقسیم ہو گیا' غلاموں کی طرف توجہ بھی نہیں دی گئی تھی' میں نے اللہ دین سے اس بارے میں پوچھا تو وہ ہنس پڑا۔

"دیکھو دوست ہمدردی کا جذبہ ابھی تمہارے سینے میں زندہ ہے اور یہ حماقت کی بات ہے پہلے اس جذبے سے خود کو آزاد کرو' اس کے بعد دوسری بات ہو گی۔"

"میں کسی خاص جذبے کے تحت یہ بات نہیں کہہ رہا' اللہ دین! لیکن ان لوگوں کو زندہ رکھنے کے لئے تھوڑی بہت خوراک دینا تو ضروری ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہم لوگ کھا پی لیں' پھر دیکھا جائے گا' ان کے ساتھ جو سلوک ہوتا رہا ہے وہی جاری رہنا چاہیئے' ورنہ یہ لوگ خود سر ہو جاتے ہیں۔" اللہ دین نے جواب دیا۔

میں چند ساعت تو خاموش رہا' پھر میں نے مسکراتے ہوئے اللہ دین سے کہا۔ "اللہ دین ابھی تم نے ہمدردی کے جذبے کے بارے میں بات کی تھی..... میرا خیال ہے یہ جذبہ تو تمہارے دل میں بھی موجود ہے۔"

"شاید ایسا ہو' میں نے خود اس کا کبھی اندازہ نہیں کیا' تم نے یہ اندازہ کیسے کیا؟" اس نے کہا۔

"تم اپنے ساتھ ان تینوں کو بھی آزاد کرا کے لائے ہو۔" میں نے گلاب اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانب اشارہ کیا اور اللہ دین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں ان کی آزادی میری ضرورت تھی۔ ان کی مدد کے بغیر میں خود بھی آزاد

نہیں ہو سکتا تھا' بس ان کا ساتھ مجھے اسی حد تک عزیز تھا' اس کے علاوہ میرے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"تمہارے لئے بھی میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے میرے دوست! بس مجھے تمہاری قوت اور ذہانت کا قائل ہونا پڑا ہے' دو طاقت ور اور ذہین آدمی جب یکجا ہو جاتے ہیں تو گیارہ ہو جاتے ہیں' ممکن ہی میں تنہا کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤں' تمہاری شمولیت مجھے سہارا دے سکتی ہے' تم سے میرا مفاد وابستہ ہے اور مجھ سے تمہارا۔ یہی ایک جذبہ ہے جو مجھے تمہیں دوست کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"میں اس صاف گوئی کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ میں اسے غلط فہمی کے آخری کونے تک لے جانے کا خواہش مند تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے دل میں میرے لئے کوئی بھی شبہ پیدا نہ ہو۔ وہ میرے ان الفاظ سے خوش ہوا تھا اور اس نے کہا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بھی بتاؤں گا لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔"

"کیا۔" میں نے سوال کیا۔

"جذباتی ہونے کی کوشش مت کرنا۔"

"نہیں اللہ دین' تمہارے قرب اور حالات کی گردشوں نے مجھے جذباتیت سے دور کر دیا ہے۔"

"یہ عمدہ بات ہے' یہ کیفیت انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ ٹھیک ہے ہم پہلے کھانا کھا لیں پھر بات کریں گے۔" اللہ دین بولا۔

اچھے خاصے لوازمات موجود تھے' خاصا مناسب بندوبست کیا تھا۔ کے گارو نے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے غلاموں کو کھانا تقسیم کیا.....اور اس کے بعد سب آرام کرنے لگے۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی دوسری جانب تھے لیکن غلاموں کی کیفیت سے وہ بھی سہمے سہمے سے تھے۔ انہیں صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں تھا' تھوڑی دیر کے بعد گلاب نے میرے کان میں کہا.....

"منصور اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"رہائی حاصل ہو چکی ہے گلاب' دیکھنا یہ ہے کہ تقدیر ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔"

"مگر یہ کون لوگ ہیں جنہیں جانوروں کی طرح باندھ دیا گیا ہے۔"

"قیدی ہیں یہ' انہیں ایک مخصوص مقام تک پہنچانا ہے۔"

"ہم کیوں پہنچا رہے ہیں؟"

"یہ ہماری ذمے داری ہے۔"

"مجھے انہیں دیکھ کر ترس آ رہا ہے۔"

"خاموش رہو گلاب ورنہ مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ گے۔ میں نے کسی قدر
لہجے میں کہا۔ "اور میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے تم خود بھی اسے خام
سے دیکھتے رہو اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دو کہ کسی مسئلے میں کچھ
بولیں۔"

"مگر ایسی کیا بات ہے' تم کس سے خوفزدہ ہو۔"

"حالات سے' وقت سے' بس اس سے زیادہ میں ابھی تمہیں کچھ نہیں بتا سکو
گا۔"

"تعجب کی بات ہے۔" گلاب گردن ہلا کر خاموش ہو گیا رات کو غلاموں کے
کی طرف سے ایک آواز ابھری۔" ہمیں سردی لگ رہی ہے' اوڑھنے کے لئے کوئی چیز د
دو۔"

"کوئی چیز نہیں ہے اوڑھنے کے لئے' خاموش بیٹھے رہو۔" اللہ دین کی آواز ابھ
اور میرا دل تڑپ کر رہ گیا۔

خاصی رات گئے تک ہم لوگ جاگتے رہے اور کشتی کے مختلف حصوں میں گھو
پھر کر حالات کا جائزہ لیتے رہے' غلام بے چارے اب خاموشی سے گھٹنوں میں گردنیں
چھپائے بیٹھے ہوئے تھے' لیٹنے کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ لیٹنے سے سردی زیادہ لگ
لگتی ہے' میں نے اللہ دین سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے' اللہ دین کیا بتایا ہے' ان ملاحوں نے جزیرہ بادیان تک کا سفر
طویل ہو گا۔"

"اگر کوئی موٹر لانچ ہوتی تو شاید یہ سفر ہم صبح سے شام تک طے کر لیتے لیکن بادبا
کشتی کی رفتار موٹر لانچ کی بہ نسبت چوتھائی بھی نہیں ہوتی' یہ بس ہواؤں کے دوش پر چلتی
ہے اگر ہواؤں کا رخ بدل گیا تو بادبانوں کا رخ بھی بدل دیا جائے گا لیکن اس کی رفتار بے حد
ست ہو جائے گی' ملاحوں کا خیال ہے کہ کم از کم دو دن اور دو راتوں کا سفر ہو گا۔"

"اوہ خاصا طویل سفر ہے۔"

"ہاں بادبانی کشتی کی وجہ سے۔ موٹر لانچ کا یہ لوگ کوئی بندوبست نہیں کر سکے
شاید۔" اللہ دین نے جواب دیا پھر بولا۔ "لیکن سمندری سفر خاصا دلکش ہوتا ہے' مجھے تو بہت
لطف آ رہا ہے تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"بس میرے ذہن میں تو صرف ایک خیال ہے کہ کہیں وہ کم بخت ادھر نہ آ
نکلیں۔"

"دیکھا جائے گا' اب خطرے کے احساس سے کونوں میں منہ چھپائے بیٹھنے سے کیا

فائدہ.........."

"ہاں یہ بھی درست ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود میری رائے ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی ضرور جاگتا رہے
یعنی میں یا تم۔ ہم دونوں ہی حالات پر صحیح نگاہ رکھ سکتے ہیں باقی لوگ تو ناکارہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم اگر چاہو تو سو جاؤ' جس وقت کہو میں تمہیں جگا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں سونے جا رہا ہوں' تم مجھے پانچ بجے کے قریب جگا دینا۔" اللہ
دین نے کہا اور سونے کے لئے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس بلند جگہ پر آ بیٹھا'
میری نگاہیں دور دور تک سمندر کا طواف کر رہی تھیں کہیں پر روشنی کی رمق تک نہیں
تھی' پھر بھی میرا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی موٹر لانچ ادھر نہ آ نکلے۔ ہم لوگ شدید خطرے
میں پھنس سکتے تھے' میں نے گلاب یا اس کے ساتھیوں کو بھی اپنے نزدیک بلانے کی کوشش
نہیں کی وہ تینوں بھی گہری نیند سو رہے تھے' البتہ دو ملاح جاگ رہے تھے دو سو گئے تھے
لیکن میرا ان سے کوئی تعارف نہیں تھا اس لئے اپنے طور پر وہ لوگ ایک کونے میں خاموش
بیٹھے تھے' ان کی نگاہیں بھی سمندر میں بھٹک رہی تھیں اور وہ بادبانوں کا رخ بھی سنبھالے
ہوئے تھے۔ میرا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا' دو دن اور دو راتوں کا مطلب یہ ہے کہ
کل کا دن میرے پاس موجود ہے اور کل کی رات میری اپنی کارروائی کے لئے مناسب تھی
اور یہ کارروائی ابھی میرے ذہن میں محفوظ تھی' میں تہیہ کر چکا تھا کہ کسی بھی قیمت پر ان
غلاموں کو جزیرہ بادیان پر نہیں جانے دوں گا' خواہ اس کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ چلی
جائے' میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان لوگوں کو بچانے کے لئے میں جس حد تک کارروائی
کر سکتا ہوں ضرور کروں گا یہی تصور میرے ذہن میں تھا کہ اگر ایک ہی شیطان سے دنیا کو
پاک کر دیا جائے تو کم از کم اپنا فرض تو پورا ہو جاتا ہے۔ رات کے غالباً تیسرے پہر جب وہ
دونوں ملاح جاگ گئے جو اول وقت میں سو گئے تھے اور دوسرے ملاح ان کی جگہ سونے کے
لئے لیٹ گئے تو میں نے بھی اللہ دین کو جگایا' وہ خوش دلی سے اٹھ گیا تھا' آنکھیں ملتے
ہوئے اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر مجھ سے بولا۔

"ٹھیک ہے اب تم سو جاؤ' بالکل آرام سے سوتے رہو' جب بھی آنکھ کھلے جاگ
جانا۔" اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے سونے لیٹ گیا اور پھر خاصے دن چڑھے ہی آنکھ کھلی
تھی اور وہ بھی اس وقت جب اللہ دین نے ہی مجھے جگایا تھا۔

"اٹھو یار ناشتہ کر لو' خاصا دن چڑھ چکا ہے۔" اس نے کہا اور میں جاگ گیا۔ میں
نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور پھر ناشتہ کرنے کی لئے چل پڑا۔ میری نگاہ غلاموں کی طرف اٹھ
گئی تھی' وہ بے چارے اس وقت اپنے جسموں کو دراز کر کے دھوپ سینک رہے تھے رات
بھر کی سردی نے شاید انہیں سونے نہیں دیا تھا' ان کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور

چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

"ناشتہ دے دیا ان لوگوں کو؟" میں نے اللہ دین سے سوال کیا۔

"ہاں انہیں ناشتہ دے دیا گیا ہے' ہم سب بھی ناشتہ کر چکے ہیں' میرا خیال ہے صرف تم باقی رہ گئے ہو' جاؤ ناشتہ کر لو۔" اور میں ناشتہ کرنے چلا گیا' ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں بھی اللہ دین کے پاس بیٹھ کر دھوپ سینکنے لگا' رات کو واقعی سردی اچھی خاصی ہو گئی تھی لیکن اس وقت موسم تبدیل ہو گیا تھا' سمندر پر سکون تھا' دور دور تک کسی جہاز یا کشتی کا نشان نہیں تھا' چنانچہ ہم لوگ پر سکون انداز میں سفر کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب ہم ان کی رینج سے نکل گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور سمندر میں ان کا گشت بھی مؤثر نہیں تھا' ورنہ وہ ضرور ہمیں دیکھ لیتے' بہرصورت یہ سارے تقدیر کے کرشمے ہیں' تقدیر ہمیں کچھ دینے پر تلی ہوئی ہے تو کیوں نہ کچھ حاصل کیا جائے......... کیا خیال ہے؟"

"بالکل درست۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ پورا دن گزر گیا شام ہو گئی اور کوئی واقعہ پیش نہیں آیا' جوں جوں شام ہوتی جا رہی تھی' غلاموں کے چہروں پر مظلومیت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے' غالباً رات کی سردی کے احساس نے انہیں پریشان کر رکھا تھا لیکن میں ان مظلوموں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا اس وقت اللہ دین ایک مستول سے ٹیک لگائے کھڑا' ہاتھ میں پکڑے ہوئے چابیوں کے ایک گچھے کو اچھال رہا تھا کہ میں نے اس سے کہا۔

"اللہ دین اگر ان غلاموں کی لئے اوڑھنے کا کوئی بندوبست ہو جاتا تو بہتر تھا' کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ یہاں جو بے کار چیزیں پڑیں ہیں' میرا مطلب ہے کپڑا وغیرہ انہیں دے دیا جائے۔"

"مگر اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔" اللہ دین نے کہا۔

"ہے اللہ دین' تم خود غور کرو' اگر سردی سے ان میں سے کوئی اکڑ کر مر گیا تو کیا ہمارا نقصان نہیں ہو گا۔"

"اوہ ہاں اس پہلو پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔"

"میرا مقصد یہی ہے ورنہ ان سالوں سے کسے دلچسپی ہو سکتی ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"تو ٹھیک ہے جو کچھ مل سکتا ہے ان کے حوالے کر دو۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے خوش دلی سے وہ سارا بے کار کپڑا جو کینوس کے تھیلوں اور ترپالوں کی شکل میں تھا غلاموں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے جس تشکر بھرے انداز میں مجھے دیکھا تھا اسے میں آج

ہی فراموش نہیں کر سکا۔ لیکن میں آج کی رات کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ میں واپس اللہ دین کے پاس آ گیا اللہ دین کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا' مجھے دیکھ کر چونک سا پڑا۔

"ہو گیا کام۔" اس نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "ایک بات کہوں منصور وعدہ کرو کہ غیر جذباتی ہو کر بات کرو گے۔ اگر تم مجھ سے متفق نہ ہوئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دوں گا۔"

"کہو کیا بات ہے اللہ دین۔" میں تعجب سے بولا۔

"گلاب اور ان دونوں آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ہمارے ساتھ ہیں۔" اس نے پوچھا اور میں تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے تعجب سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں اللہ دین۔"

"بے کار لوگ ہیں یہ۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد یہ نوکری ہی کریں گے کسی نہ کسی کی ان کی تقدیر میں غلامی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"تو پھر انہیں بھی انہی لوگوں میں کیوں نہ شامل کریں منصور۔ پچھتر ہزار روپے جو ہمارے اپنے ہوں گے۔ آدھے آدھے۔ کیا خیال ہے تم وعدہ کر چکے ہو کے غیر جذباتی ہو کر سوچو گے۔" اللہ دین نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے بڑی چابک دستی سے خود کو سنبھال لیا۔ ایک اور ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ مجھے لیکن میری کیفیت اب کافی بدل چکی تھی۔ میں خود کو سنبھالنے کا فن سیکھ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تمہارے ساتھی ہیں اللہ دین۔ تم خود ہی ان کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہو۔ میں اس بارے میں کیا رائے دوں۔"

"تمہیں اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"قطعاً نہیں۔ تمہارے کسی معاملے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اللہ دین نے گرمجوشی سے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی کام کے آدمی ہو منصور۔ انسان کو اتنا ہی غیر جذباتی ہونا چاہیئے میں نے پہلے ان کے لئے انتظام کر لیا تھا اور تین فالتو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لایا تھا۔ تم آرام سے بیٹھو میں ابھی یہ کام کر لیتا ہوں۔ یہ چاروں ملاح میری مدد کریں گے انہیں بھی ہدایت مل چکی ہے۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی سو رہے تھے اور میں ایک علیحدہ گوشے میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ دین نے ملاحوں سے کچھ کہا اور وہ تیار ہو گئے اور اس کے بعد وہ تینوں سوئے ہوئے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ آن کی آن میں

انہیں قید کر لیا گیا۔ وہ بے چارے اس قدر بدحواس ہو گئے تھے کہ ان کی آواز تک نہ نکا
سکی۔

اللہ دین کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔" چلو انہیں بھ
غلاموں کے ساتھ باندھ دو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"استاد۔ استاد اللہ دین یہ۔ یہ کیا ہے۔ ہمیں۔ ہمیں کیوں؟" گلاب نے کہا اور ا
دین قہقہے لگانے لگا۔

"یہ استاد کی استادی ہے بیٹو۔ تمہارا کیا اچار ڈالنا ہے مجھے؟ اب تمہارے بھی دا
کھرے ہوں گے۔ چلو۔ ادھر چلو۔" اس نے ہنٹر گھمایا اور شڑاک شڑاک کئی ہنٹران پر ر
دیئے۔ ان کے حلق سے کراہیں نکل گئی تھیں۔ چاروناچار وہ بھی غلاموں کے درمیان پ
گئے اللہ دین ان سے نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ میں نہ سن سکا میرے کان سائیں سائیں ک
رہے تھے۔ ابھی تو جزیرہ دور تھا۔ ممکن ہے ابھی ایک ہتھکڑی اور بھی ہو اس کے پاس
میرے لئے......... اللہ دین واپس آ گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔" بس میرا یہی خیال تھا کہیں
اعتراض نہ کرو۔ مگر تم عمدہ آدمی ہو منصور۔ یوں لگتا ہے جیسے ہماری تمہاری خوب نبھ
گی۔ کیا خیال ہے پہلے تم سوؤ گے یا میں سو جاؤں۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ تم آرام کرو۔" میں نے کہا اور اس نے چابک میر
طرف اچھال دیا۔ میں نے اسے اچک لیا تھا پھر اس نے ترنگ میں چابیوں کا گچھا بھی تھما دیا۔

"انہیں بھی سنبھالو یہ ان سب کی چابیاں ہیں۔ میں چلا۔" وہ پلٹ کر آرام کر
کی جگہ چل دیا۔ میری نگاہیں تشکر کے انداز میں آسمان کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

خداوند۔ یہ بھی تیرا کرم ہے۔ میں ان چابیوں کے لئے پریشان تھا۔ میں نے دل
ہی دل میں کہا۔ میرا دل مسرت سے کپکپا رہا تھا ابھی تھوڑی دیر کے بعد اس کشتی پر ہنگا
ہونے والا تھا۔"

میں انتظار کرتا رہا۔ آسمان پر مدھم مدھم ستارے ٹمٹما رہے تھے میں خاموشی سے
آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر دو ملاح بھی سو گئے۔ اور اس بلند جگہ جا بیٹھا جہاں سے دور دور تک
نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ جاگنے والے دونوں ملاحوں نے ہوا پیا سے ہواؤں کے رخ کا اندازہ ک
اور بادبان کی سمت درست کر کے پھر اپنی جگہ جا بیٹھے۔ میں نے کشتی میں ایک گشت کیا او
پھر خاموشی سے اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسلحہ موجود تھا۔ میں نے انتہائی خاموشی سے بھری ہوئی
رائفلیں خالی کر دیں اور انہیں ان کی جگہ رکھ دیا تاکہ کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکے اور انہیں
فوری طور پر استعمال بھی نہ کیا جا سکے۔ ان سارے کاموں سے فارغ ہو کر ایک بار پھر میں
اپنی جگہ آ گیا۔ دونوں ملاح جاگ رہے تھے۔ اور مستعد تھے اگر انہیں مجھ پر اعتماد نہ ہوتا تو
میری نقل و حرکت انہیں مشکوک بھی کر سکتی تھی۔

تقریباً بیس منٹ تک میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اور پھر چابک ہلاتا ہوا غلاموں کی
طرف چل پڑا۔ میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا.........

چور نگاہوں سے میں ان دونوں ملاحوں کو بھی دیکھتا جا رہا تھا جو اپنے کام سے
مطمئن ہو کر سکون سے بیٹھ گئے تھے۔ میری نقل و حرکت پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی
تھی چنانچہ میں غلاموں کے پاس پہنچ گیا۔ دوسرے غلام تو میری مہربانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
بوسیدہ ترپالوں میں منہ چھپائے لیٹے تھے لیکن گلاب اور اس کے دونوں ساتھی اس آفت
ناگہانی سے آزردہ سہمے سمٹے بیٹھے تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ پر گلاب نے گردن اٹھا کر
مجھے دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکالی۔

"گلاب۔" میں نے سرگوشی کی اور وہ چونک کر دوبارہ مجھے دیکھنے لگا۔ چند لمحات
دیکھتا رہا پھر اس کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔ وہ رونے لگا۔

"منصور۔ منصور۔ تم نے۔ تم نے بھی دھوکا دیا۔ تم نے بھی میرے دل میں تو
تمہاری بہت عزت تھی۔ ہم تو دوست تھے آپس میں۔ تم کو کیا ہو گیا منصور............"

"مجھ سے پہلے تو اللہ دین تمہارا دوست تھا گلاب۔ ان دنوں کا دوست تھا۔ ان
سے پوچھو اسے کیا ہوا۔" میں نے کہا۔

"وہ ہمارا دوست نہیں تھا۔ ہم تو اسے استاد کہتے تھے۔ اس نے اپنا الو سیدھا کرنے
کے لئے ہمیں فرار کی راہ دکھائی تھی۔ اس سے زیادہ اسے ہم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم
سب بے پڑھے لکھے ہیں منصور۔ زمانے کے مکروفریب کو زیادہ نہیں سمجھتے۔ بس جو ہماری
انگلی پکڑتا ہے ہم اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اس نے بھی ہماری انگلی پکڑی تو ہم اس
کے ساتھ چل پڑے۔ ہماری عقل ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔
اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے گلاب جب تم نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا تو اس نے
رات کو مجھے خنجر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہماری مدد کرو منصور۔ خدا کے لئے ہماری مدد کرو۔" گلاب بلک بلک کر رونے
لگا۔ اس کی آواز بلند ہوئی تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"او بے وقوف۔ آواز بلند مت کرو۔ یہ لو چابیوں کا گچھا۔ ان میں تمہاری ہتھکڑیوں
اور بیڑیوں کی چابیاں موجود ہیں۔ ایک دوسرے کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دو اور تیار ہو کر
میرے پاس آ جاؤ۔" میں نے چابیوں کا گچھا گلاب کو دے دیا۔

لیکن دوسرے لمحے گلاب کے ایک ساتھی کے حلق سے خوف بھری آواز نکل گئی
تھی۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے میرے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ میں سانپ کی طرح پلٹا۔ اللہ
دین میرے سر پر موجود تھا۔ اس کے ہاتھوں میں رائفل دبی ہوئی تھی جس کا رخ میری

جانب تھا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا لہجہ کیسا ہے اللہ دین۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"غم گساری کر رہے ہو ان کی۔ دوستی کا اظہار کر رہے ہو۔ چالبازی' فریب اور وہ بھی مجھ سے؟"

"تم خود کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہو اللہ دین؟" میں پرسکون لہجے میں بولا۔

"میں پوچھتا ہوں اس وقت تم یہاں کیوں آئے۔ اس جگہ تمہاری موجودگی کا مقصد کیا ہے؟"

میں کھڑا ہو گیا۔ چمڑے کا ہنٹر میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ میں نے اسے کھول لیا۔

"میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا اور تم خود کو سنبھالو اللہ دین۔ تمہارے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کا رخ میری جانب ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس سے نکلنے والی گولی بھی تمہارے ہی سینے کے پار ہو گی۔"

"سوچ لو اللہ دین۔" میں نے کہا۔

"مجھے تم پر شبہ ہو گیا ہے منصور اور جن لوگوں پر مجھے شبہ ہو جاتا ہے میں انہیں زندہ نہیں چھوڑتا۔ تم پہلے بھی میری نگاہ میں خطرناک تھے لیکن میں نے تمہیں زندگی کے کچھ اور لمحات دے دیئے تھے۔ جزیرہ بادبان پر مجھے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو میرے مفاد کے لئے کام کرے اور کام کی تکمیل کے بعد تمہارا کیا خیال تھا کیا میں تمہیں آدھی دولت دیتا۔ نہیں منصور نہیں۔ میں خاموشی سے تمہیں ٹھکانے لگا دیتا اور شاید تم بھی یہی سوچ رہے تھے لیکن فیصلہ وقت سے کچھ پہلے ہو گیا۔ تم مناسب وقت کا انتظار نہ کر سکے۔" اللہ دین نے کہا۔

"تمہاری زندگی کے بھی کچھ لمحات باقی تھے اللہ دین لیکن افسوس تم نے بھی وقت سے پہلے موت کو آواز دے دی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے چابک گھمایا۔ اللہ دین نے اندھا دھند فائر کر دیا لیکن اسے شدید مایوسی ہوئی۔ رائفل سے ٹرچ کی آواز نکل کر رہ گئی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں رائفل کو دیکھا اس کا گھوڑا چڑھا کر دوبارہ فائر کیا لیکن اس بار بھی وہی ہوا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے ہنٹر نے اس کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ اس نے رائفل کو نال کی طرف سے پکڑا اور مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن میرا دوسرا ہنٹر اس کے شانوں پر پڑا اور اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

میں گلاب وغیرہ کے پاس سے ہٹ آیا۔ تاکہ اگر انہیں عقل آ جائے تو پھرتی سے اپنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول کر میری مدد کے لئے تیار ہو جائیں' اللہ دین سے تو خیر مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا' میں اس سے باآسانی نمٹ سکتا تھا لیکن ملاحوں کا معاملہ خطرناک تھا' وہ یقینی

طور پر اللہ دین کی مدد ہی کریں گے۔ بات ذرا وقت سے پہلے نازک مرحلے پر آ گئی تھی' اگر گلاب اور اس کے ساتھی ہی آزاد ہو جاتے تو پھر اس جنگ میں کوئی مشکل نہیں تھی' وہ ملاحوں کو سنبھال لیتے لیکن کم بخت اللہ دین ہماری سرگوشیوں سے جاگ گیا تھا ویسے بھی وہ شاطر آدمی تھا' اس سے کسی حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی البتہ رائفلیں کارتوسوں سے خالی کر کے میں نے عقل مندی کی تھی۔ یہی بات اس وقت میری بچت کا باعث بن گئی تھی۔ اللہ دین دہاڑتا جا رہا تھا اور رائفل کے بٹ سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے سارے وار میں نے خالی دیئے البتہ میرے ہنٹر نے اس کے بدن کی کھال کو جگہ جگہ سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا' سونے والے ملاح بھی جاگ گئے اور وہ دونوں بھی چونک کر ہماری طرف دوڑے' جو رات کی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے غلام باڑے کی طرف دیکھا اور مخمصے میں پھنس گئے۔ غالباً ان لوگوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے کس کی مدد کریں۔ فوری حادثہ ہوا تھا' اس لئے وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

میں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا' میری خواہش تھی کہ میں اللہ دین کو ناکارہ کر دوں اور اس کے بعد اگر یہ ملاح مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں تو پھر ان کی خبر لوں لیکن ملاحوں کو ہوش آ گیا' اللہ دین نے انہیں آوازیں بھی دی تھیں اور اپنی مدد کے لئے بھی کہا تھا' چنانچہ وہ میری طرف دوڑے اور میں نے ان کا استقبال بھی ہنٹر سے کیا لیکن میرے ہنٹر کا ایک سرا ایک ملاح کی گرفت میں آ گیا۔ اس نے پھرتی سے اسے اپنے بازو پر لپیٹ لیا اور زور دے کر اس نے مجھے جھٹکا دیا' ہنٹر تو میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکا تھا البتہ اس جھٹکے سے میں کئی قدم دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ صورت حال کا مجھے اندازہ تھا' چنانچہ اب میرا اپنے اصلی رنگ میں آنا ضروری تھا' ملاح کے قریب پہنچ کر میں نے سر کی ٹکر اس کے منہ پر ماری اور اس کے ناک پر شدید چوٹ لگی۔ وہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ الٹ گیا' ہنٹر چونکہ اس کے بازو سے بندھا ہوا تھا اس لئے وہ میرے ہاتھ میں نہ رہ سکا۔ ہنٹر میرے ہاتھ سے نکلتے ہی اللہ دین نے اپنی چوٹوں کو بھول کر' بندوق کے دستے سے بھرپور وار کیا تھا لیکن میرے اندر اب وہ جنون ابھر آیا تھا جو میری شخصیت کے انتہائی گوشوں میں پوشیدہ رہتا تھا' اب میں زندگی اور موت کی جنگ کے لئے تیار ہو گیا تھا کیونکہ تنہا ہی ان پانچوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں سیدھا کیا اور اس کے تلوے پر بندوق کے دستے کا یہ وار روکا۔ دوسرے لمحے میں نے گھوم کر اپنا مخصوص داؤ ایک ملاح کی گردن پر مارا........ بس دیکھنے کے قابل منظر تھا۔ ملاح اپنی جگہ سے اڑتا ہوا کافی دور جا گرا تھا۔ دوسرے دونوں ملاحوں نے عقب سے میری گردن میں قینچی ڈالنے کی کوشش کی لیکن انہیں

بھی چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ میرا ایک پاؤں پھر گھوما اوران میں سے ایک کی پسلی پر پڑا' دوسرے کو پکڑ کر میں نے سامنے کیا اور ایک بھرپور ہاتھ اس کے نرخرے پر مارا تو وہ ہچکی سی لے کر پیچھے ہٹ گیا لیکن اس بدنصیب کی شامت ہی آگئی تھی۔ اللہ دین نے اپنا واحد ہتھیار یعنی وہ رائفل ایک بار پھر گھمائی اور چوٹ کھانے والا ملاح اس کی زد میں آگیا۔ اس کے سر کے چیتھڑے اڑ گئے کھوپڑی پھٹ گئی اور وہ بھیانک چیخ مار کر نیچے گرا۔ بس یہیں سے پانسہ پلٹ گیا۔ ملاحوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کا ساتھی اللہ دین کے ہاتھوں مارا گیا ہے چنانچہ وہ تینوں غراتے ہوئے اللہ دین پر جھپٹے اور اللہ دین بوکھلا گیا۔

"وہ.........وہ دشمن وہ ہے۔" وہ چیخا لیکن تینوں ملاح اس سے چمٹ گئے اور اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا پھر انہوں نے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اسے اٹھا لیا۔

"رک جاؤ۔ آہ رک جاؤ۔ ہمارا دشمن وہ ہے وہ.........وہ او او او۔" اللہ دین کی آخری چیخ بے حد بھیانک تھی۔ ملاحوں نے اسے پانی میں اچھال دیا تھا لیکن اب ان پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ تینوں زخمی تھے اور پاگل ہو گئے تھے۔ وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے میری طرف لپکے لیکن میں تیار تھا۔ جونہی وہ میرے قریب پہنچے' میں نے ان کی دھنائی شروع کر دی۔ پستول' رائفل اور خنجر کی لڑائی سے تو وہ بخوبی واقف ہوں گے لیکن یہ لڑائی ان کی سمجھ میں نہ آنے والی تھی۔ وہ گدھوں کی طرح پٹ رہے تھے چیخ رہے تھے۔ مار کھا کر پہلے سے زیادہ طوفانی انداز میں مجھ پر جھپٹتے تھے اور پہلے سے زیادہ چوٹ کھا کر دور جا پڑتے تھے۔ انہوں نے خنجر بھی نکال لیے تھے لیکن میں نے کسی کو قریب ہی نہ پہنچنے دیا۔ وہ فن خنجر بازی سے واقف تھے۔ پینترے بدل بدل کر حملہ آور ہوتے تھے لیکن ان کے ہاتھ خلا ہی میں رہ جاتے اور میرا پاؤں یا ہاتھ کام کر جاتا۔ مجھے گلاب اور اس کے ساتھیوں پر بھی ہنسی آ رہی تھی۔ بے وقوفوں نے مروا ہی دیا تھا حالانکہ احمقوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھے رہنے سے بہتر یہ تھا کہ ہتکڑیاں کھول کر میری مدد کو آتے۔ لیکن وہ ہتکڑیاں بھی نہ کھول سکے تھے۔ سوئے ہوئے غلام بھی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور آنکھیں پھاڑے اس جنگ کو دیکھ رہے تھے جس کا اب خاتمہ قریب تھا۔ ملاح نڈھال ہو گئے تھے اور اب وہ ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ میں نے جھک کر ہنٹر اٹھا لیا اور وہ سمٹ گئے۔ دو تین ہنٹر میں نے ان پر برسائے تو وہ چیختے ہوئے ادھر ادھر دوڑنے لگے اور پھر ایک کونے میں بیٹھ کر کتوں کی طرح ہانپنے لگے۔ اب ان میں کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی۔

"گلاب۔" میں نے پیار بھرے انداز میں گلاب کو آواز دی اور وہ چونک پڑا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔" وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

"ہتکڑیاں کھول لیں؟"

"نن نہیں۔ چابی نہیں مل رہی۔"

"اوہ۔ اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔" ———میں نے کہا اور گلاب کے پاس پہنچ گیا۔ چابیوں کا گچھا اس کے ہاتھ سے لے کر میں نے مختلف چابیاں اس کی ہتکڑی میں ٹرائی کیں اور بالآخر اس کے ہاتھ کھل گئے یہی چابی اس کی بیڑی میں بھی لگی تھی اور وہ آزاد ہو گیا۔ "اب تم اسی طرح ان دونوں کی چابیاں بھی تلاش کرو۔" وہ ان دونوں کی ہتکڑیاں اور بیڑیاں کھولنے لگا۔ اسی وقت ایک غلام نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہماری تقدیر میں اب بھی وہی رو سیاہی ہے دلیر! یا تمہارے سینے میں ہمارے لئے بھی رحم پیدا ہو سکتا ہے؟" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"میں نے تم سب کے لئے ہی تو جد و جہد کی ہے دوستو۔ اس کے لئے میں نے تمہارے ایک ساتھی کے بدن پر ہنٹر مارا تھا جس کا مجھے بہت دکھ ہے لیکن یہ میری مجبوری تھی۔ مجھے معاف کر دینا۔"

"تو کیا۔ تو کیا تم۔ تم ہمیں آزاد کر دو گے؟" اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تم آزاد ہو۔ گلاب ان سب کی ہتکڑیاں کھول دو؟" میں نے کہا اور غلام پاگلوں کی طرح چیخنے لگے۔ ان کی مسرت بھری آوازیں کان پھاڑے دے رہی تھیں۔ وہ شدت خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ آزاد ہوتے جا رہے تھے اور اس طرح خود کو دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اب بھی اپنے آپ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ ان میں سے چند میرے قریب آ گئے اور مجھ سے لپٹ کر دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے بھی انہیں لپٹا لیا۔ بڑی دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا پھر میں ان سے علیحدہ ہو گیا لیکن اسی وقت ایک ناخوشگوار بات ہو گئی۔ کونے میں بیٹھے ملاح حسد سے پھنک رہے تھے ان میں سے ایک نے میرے اوپر ایک خنجر پھینک مارا جو میری ران کو زخمی کرتا ہوا دوسری طرف جا پڑا۔

میں ٹھٹک گیا تھا لیکن ملاحوں کی یہ حرکت آزاد ہونے والے غلاموں نے دیکھ لی اور اس کے بعد میں بھی انہیں نہ روک سکا' وہ وحشیانہ انداز میں چیختے ہوئے ملاحوں پر جھپٹ پڑے تھے' سارے کے سارے ان پر گتھ گئے۔ گھونسے اور لاتیں مار مار کر انہوں نے ملاحوں کی ہڈیاں توڑ دی تھیں پھر انہوں نے ان کے لباس کھینچ کر اتار لئے اور بے حجاب کر دیا اور اس کے بعد میرے منع کرنے کے باوجود انہوں نے تینوں ملاحوں کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔

نیچے سمندر میں ہلچل پیدا ہو گئی تھی' میں لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور کشتی کے کنارے پہنچ گیا۔ تب میں نے پہلی بار بلکہ زندگی میں پہلی بار خونخوار مچھلیوں کو دیکھا' جنہوں نے ملاحوں پر حملہ کر دیا تھا' گوشت خور مچھلیاں ملاحوں کو جگہ جگہ سے کاٹ رہی تھیں۔ ملاح چیخ رہے تھے' ان کے ہاتھ پاؤں پانی پر ابھر رہے تھے' آن کی آن میں مچھلیاں انہیں لے کر تہہ میں بیٹھ گئیں چند لمحات کے بعد سمندر کی سطح حسب معمول پر سکون ہو گئی۔ گلاب کا ایک

ساتھی جلدی سے میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے......اپنے لباس سے ایک پٹی پھاڑ کر میرے زخم پر کس کر باندھ دی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا شکریہ دوست۔" میں نے کہا اور اس نے محبت سے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔

"نہیں منصور صاحب' آپ ہمارا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ ــــ آپ جس نے زندگی کی انتہائی مایوسیوں میں ہمیں نئی زندگی دی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے میرے دوست' یہ میرا فرض تھا۔" میں نے کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

وحشی غلاموں نے اس ملاح کو بھی اٹھا کر پانی میں پھینک دیا تھا' جو اللہ دین کے وار سے زخمی ہو کر مر گیا تھا' عقل کا کام انہوں نے یہ کیا تھا کہ اس ملاح کا لباس بھی اتار لیا تھا۔ انہیں خود بھی کپڑوں کی ضرورت تھی تینوں ملاحوں کا لباس انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جتنا کپڑا جس کے حصے میں آیا' اس نے اسے اپنے برہنہ بدن کے گرد لپیٹ لیا ان کے اوپری بدن ننگے تھے اور وہ مختصر لباس پہنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ کشتی میں کپڑے قسم کی جو بھی چیز ہے وہ اسے جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں' چادریں کچھ بستر اور چند ایسی ہی دوسری چیزیں تھیں جنہیں انہوں نے جس طرح بھی ممکن ہو سکا اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا اور اس طرح تقریباً سب ہی کے بدن ڈھک گئے۔ میں نے ان سے پرسکون رہنے کے لئے کہا اور میری ایک آواز پر وہ خاموش ہو گئے۔ گلاب اور اس کے ساتھی بھی ان کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ تب میں نے ان سے پوچھا۔

"تم میں سے کسی کو کشتی رانی سے کوئی واقفیت ہے؟" سب ہی نے مایوسی سے گردن ہلا دی تھی' میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا......."کوئی بات نہیں' جس خدائے بزرگ و برتر نے تمہیں اور مجھے آزادی نصیب کی ہے' وہی ہماری زندگیوں کی حفاظت بھی کرے گا۔ بہرصورت میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اب کشتی کا نظام سنبھال لو' ہمیں اس کا رخ بدلنا ہے' یہ جس سمت جا رہی تھی' یقیناً یہ وہی جزیرہ ہو گا جہاں تم سب کو لے جایا جا رہا تھا کیا تمہیں علم ہے کہ وہاں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا تھا؟

غلاموں نے گردنیں ہلا دیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔"ہاں ہمیں علم ہے کہ ہمیں جزیرہ بادیان پر لے جا کر فروخت کر دیا جاتا اور میں اس کے بعد ہماری ساری زندگی غلامی میں بسر ہوتی۔"

"ٹھیک ہے' میں نہیں چاہتا کہ اب ہم بادیان کی طرف جائیں' ہمیں خدا کے بھروسے پر نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے کسی بھی مہذب آبادی میں پہنچ کر انشاء اللہ تعالیٰ

ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے' تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے اور ہم اپنے گھروں کی طرف لیکن آبادی کی تلاش میں ہمیں کافی جدوجہد کرنی پڑے گی' سمندر ہمارے لئے اجنبی ہے اور یہ معمولی سی کشتی اس کے لئے ناکافی کہ ہمیں کسی دور دراز منزل تک پہنچا دے لیکن ہمیں عزم و ہمت سے کام لینا ہو گا۔ منزل کی تلاش میں ہم سب آخری حد تک جدوجہد کریں گے تم بھی اس کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔"

"ہم سب اس کے لئے تیار ہیں۔" غلاموں نے جواب دیا اور میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا "میں ایک جگہ بیٹھ جاتا ہوں کیونکہ اب میرے پاؤں میں خاصی تکلیف ہو گئی ہے' تم لوگ بادبانوں کا رخ بدلنے کی کوشش کرو اور کشتی کا رخ موڑ دو۔"

غلام اپنے اپنے طور پر اس کام میں مصروف ہو گئے میں اسی بلند جگہ پر پہنچ گیا' جہاں بیٹھ کر میں اور اللہ دین باتیں کیا کرتے تھے۔ میں نے اپنی ہدایات بھی جاری رکھی تھیں اور درحقیقت بادبانوں کے رخ انتہائی آسانی سے پلٹ گئے۔ ان کی گلیاں موڑ دی گئیں اور اس طرح کشتی کا رخ بدل گیا جس سے ہم بے حد مسرور اور مطمئن تھے۔

رات تیزی سے گزرتی جا رہی تھی اور پھر صبح کی آمد ہو گئی۔ روشنی سمندر کے پانی سے برآمد ہونے لگی۔ تاحد نگاہ نیلگوں سمندر پھیلا ہوا تھا اور یہ صبح بہت ہی حسین اور خوشگوار تھی۔ نہ صرف میرے لئے بلکہ ان بے چاروں کے لئے بھی جو زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور جنہیں اپنی زندگی پر اپنا حق بھی نہیں رہا تھا' سب کے سب مجھ پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے' انہیں میرے زخم کے بارے میں بھی تشویش تھی' حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اگر خنجر ران میں پیوست ہو جاتا تو یقینی طور پر تکلیف زیادہ ہوتی' تھوڑا سا گوشت کٹا تھا' کیونکہ خنجر گوشت سے رگڑ کھاتا ہوا نکلا تھا' میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انہوں نے صبح کو میرے زخم کو صاف کر کے اس پر نئی پٹی باندھ دی' میں مسکراتا رہا تھا پھر میں نے ان سے کہا۔

"دیکھو گلاب اور میرے ساتھیو۔ میں تمہارا لیڈر بننے کا شوق نہیں رکھتا' بس ہماری ایک ہی خواہش ہے کہ ہم اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر اپنے گھروں میں پہنچ جائیں' چنانچہ ہمیں پوری مستعدی سے کام کرنا ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور وہ تمام مشورے تمہیں دوں گا جو ہمارے حق میں بہتر ثابت ہوں گے۔"

"ہم آپ کے غلام ہیں منصور بھائی' ہمیں آپ کی ہدایات مان کر دلی مسرت ہو گی۔" غلاموں میں سے ایک نے کہا اور میں نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی میرا غلام نہیں ہے۔ ہم سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

ماحول بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ ناشتے کا بندوبست کیا گیا' کھانے پینے کی کافی چیزیں موجود تھیں اور ہمیں بظاہر کوئی تکلیف نہیں تھی' سوائے اس کے کہ ہماری کشتی کوئی

صحیح راہ پالے اور ہمیں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

بحر بیکراں تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ سمندر میں بگولے سے اٹھتے نظر آتے تھے نیلگوں بگولے جنہیں دیکھ کر دل پر وحشت سی طاری ہونے لگتی تھی لیکن ہم نہایت عزم و ہمت سے منزل تلاش کر رہے تھے۔ سمتوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کشتی بس ہواؤں کے رخ پر جدھر بھی جا رہی تھی' ادھر بڑھتی رہتی تھی' ہم یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کشتی کو کس جانب لے جائیں بہر طور میرے دل میں خدشات موجود تھے' سمندر کی زندگی کا مجھے بھی کوئی تجربہ نہیں تھا اور باقی سب لوگ بھی اناڑی تھے' ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس سفر کے سلسلے میں کوئی رائے دے سکتا۔ پہلا دن نہایت خوش گوار رہا' رات بھی پرسکون گزری ہم میں سے چند لوگ جاگتے رہے تھے' گرفتار شدہ غلام بیچارے زندگی کی آس میں مطمئن اور مسرور تھے لیکن میرے ذہن میں بار بار یہ خدشات جاگ اٹھتے تھے کہ اگر ہمیں طویل عرصے تک کوئی ساحل نہ ملا تو کیا ہو گا۔ یہ خوراک کب تک ہمارا ساتھ دے سکتی ہے اور یہ کمزور کشتی جو بادبانوں کے سہارے چل رہی ہے ہمیں سنبھال سکتی ہے یا نہیں' ابھی تک کوئی خوفناک بات نہیں ہوئی تھی' سمندری طوفان نہیں آئے تھے لیکن سمندر میں رہ کر طوفان سے دور رہنا بھی تو ممکن نہیں تھا۔ رات کو سردی کچھ اور بڑھ گئی' شاید یہ اس سمت کا کرشمہ تھا جس طرف ہم بڑھ رہے تھے' سردی سے ہمارے بدن اینٹھنے لگے اور پھر جب صبح ہوئی تو سورج کی تیزی بھی اتنی ہی شدید تھی جتنی کہ رات کی سردی' یہ چیز باعث تکلیف تھی بہر صورت تین یا چار دن تک ہم بڑے صبر و سکون سے سفر کرتے رہے' اس کے بعد تشویش کا پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی سمندر ہی سمندر تھا۔ خشکی کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔ ہماری آنکھیں بے نام سے نقطے تلاش کرتی تھیں جنہیں ہم خشکی تصور سکتے تھے لیکن یہ نقطے بھی یہاں مفقود تھے' کوئی ایسا نشان نہیں ملتا تھا جس سے ہمیں خشکی کا کوئی اندازہ ہوتا۔ سورج نکلتا اور غروب ہو جاتا ہم نے کشتی کے تعاقب میں شارک مچھلیوں کو دیکھا۔ یہ مچھلیاں غول کے غول کی شکل میں بعض اوقات کشتی کے چاروں طرف پہنچ جاتیں' اچھلتیں اور کشتی سے ٹکرا کر واپس گر جاتیں' ان کے بھیانک دانت کھلے ہوتے اور ہمیں انہیں دیکھ کر شدید خوف محسوس ہوتا تھا' لمبے لمبے چپو کشتی میں رکھے ہوئے تھے ابھی تک ان کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن میں نے سوچا کہ کشتی میں ان مچھلیوں سے بچاؤ کا بندوبست بھی ہونا چاہیے۔ رائفلیں لوڈ کر لی گئیں اور میں نے ان میں سے چند لوگوں کا انتخاب کر لیا جو رائفل چلانا جانتے تھے' یہ رائفلیں ہمیں فی الحال ان مچھلیوں کے خلاف ہی استعمال کرنی تھیں لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت حال پیش نہیں آئی تھی کہ ہم ان مچھلیوں پر فائرنگ کرتے البتہ بھری ہوئی رائفلیں ہمیشہ تیار رہتی تھیں۔ کھانا پینا بھی بہت کم ہو گیا تھا۔ یوں بھی ہم خوراک احتیاط سے استعمال کر رہے تھے' تمام کے تمام

لوگ صورت حال سے واقف تھے لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار تھے۔ جن حالات سے گزر کر انہیں آزادی نصیب ہوئی تھی اس کے تحت یہ آزادی ان کی زندگی کے لئے بے حد قیمتی تھی وہ سب ایک دوسرے کے بھرپور ساتھی تھے۔ ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ہم سب صحت مند تھے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر یہ شدید سردی اور شدید گرمی یونہی جاری رہی تو ہمارے بدن اسے برداشت کرنے کی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ جس طرح رات کو سردی سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی مناسب بندوبست نہیں تھا۔ اسی طرح دھوپ سے بچاؤ کا سامان بھی ہمارے پاس نہیں تھا' سورج جب مشرق سے نکلتا تو رات بھر کے ٹھٹھرے ہوئے جسموں میں جان سی پڑ جاتی' مگر جونہی وہ نصف النہار پر آتا۔ دھوپ کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی اور ہمیں یوں محسوس ہوتا جیسے ہم آگ پر سینکے جا رہے ہوں۔ ہمارے چہروں کے رنگ بھی بدلنے لگے تھے۔ ہم نے وقت اور دنوں کا تعین بھی چھوڑ دیا تھا ہماری یاس بھری نگاہیں آسمان اور سمندر کے سنگم پر لگی رہتی تھیں جہاں ہمیں کسی جزیرے کا گمان ہوتا تھا' ہم کسی نامعلوم جزیرے کی تلاش میں سرگرداں تھے جس کا بظاہر کوئی وجود نہیں تھا۔

سفر کے اٹھارہویں دن شدید بارش شروع ہو گئی' اس بارش سے ہماری تکلیفوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بارش اتنی شدید تھی کہ محسوس ہوتا تھا' تھوڑی دیر کے بعد ساری کشتی پانی سے لبریز ہو جائے گی اور پھر سمندر میں بیٹھ جائے گی۔ ہم نے اپنے سامان سے برتن نکالے اور انہیں لے کر تمام لوگ بارش کا پانی نکال نکال کر باہر پھینکنے لگے' بارش کی وجہ سے موسم دن میں بھی سرد ہو گیا اور ہمارے بدن جو اب موسم کی سختیوں کے عادی ہو گئے تھے' اچھی خاصی ٹھنڈک محسوس کر رہی تھے لیکن ہم سب اپنے کام میں مصروف تھے اور بارش کے پانی کو کشتی میں جمع نہیں ہونے دے رہے تھے۔ بارش سارا دن اور ساری رات ہوتی رہی اور ہم اس تمام وقت میں پانی نکالنے میں مصروف رہے۔ ہمارے بدن تھکن سے شل ہو چکے تھے پھر دوسری صبح ایک اور مصیبت آئی' تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں مدوجزر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ہم اب جان کنی کے عالم میں تھے' سمندر میں طوفانی لہریں مسلسل اٹھ رہی تھیں اور کشتی کسی حقیر کھلونے کی مانند ادھر ادھر ڈولتی پھر رہی تھی' ہم سب بری طرح ہانپنے لگے تھے' اب اس کشتی کو سنبھالنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی اور اس وقت جب ایک بادبان کا مستول ٹوٹ کر نیچے گرا تو ہمارے چہروں پر مایوسی چھا گئی' مستول درمیان سے ٹوٹ گیا تھا لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا تھا' بادبان نیچے آ پڑا تھا۔ ابھی تین بادبان ہواؤں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی کشتی راں ہوتا اور بحری سفر سے واقف ہوتا تو پھر پہلا کام یہ کرتے..... کہ ان بادبانوں کو لپیٹ دیتے' طوفانی ہواؤں کی وجہ سے کشتی کسی وقت بھی الٹ سکتی تھی لیکن ہمیں اتنی تمیز ہی نہیں تھی کہ ہم بادبانوں کو لپیٹ

لیتے، کشتی برق رفتاری سے کبھی ادھر جاتی اور کبھی ادھر، بالآخر پھر دوسرا مستول ٹوٹا اور پھر تیسرا۔ اب کشتی میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب ہماری زندگی کا آخری وقت آ گیا ہو، اٹھارہ دن کی صعوبتیں کم نہیں تھیں، ان صعوبتوں نے ہمیں جسمانی طور پر بالکل توڑ دیا تھا اور اب یہ طوفان رہی سہی کسر پوری کر رہا تھا۔ شام کے وقت ہوا کا رخ یکایک تبدیل ہونا شروع ہو گیا اور دیو پیکر موجوں کا شور آہستہ آہستہ کم ہونے لگا، کشتی اب ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی لیکن رات کے آخر پہر ہماری دوربین نگاہوں نے کچھ یوں محسوس کیا جیسے سمندر میں کوئی لکیر ابھر رہی ہو۔ یہ لکیر میں نے بھی دیکھی تھی لیکن گلاب اور یمنی نے اس کی تصدیق کر دی، وہ بے ساختہ چیخا۔

"شاید خشکی...... خشکی......" ہم سب آنکھیں پھاڑنے لگے لیکن اندھیرا اس تیزی سے مسلط ہو رہا تھا کہ چند ہی ساعت کے بعد ہماری بصارت نے کام کرنا بند کر دیا۔ تاہم خشکی کے تصور ہی سے ہمارے جسموں میں نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ میں نے پہلی بار اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

"کشتی کا رخ اس طرف موڑ دو جدھر ہم نے وہ لکیر دیکھی ہے۔" کوشش کر کے کشتی کا رخ بدلا گیا۔ ہوائیں ہمیں اس سمت لے جانے لگیں جدھر ہم نے وہ لکیر دیکھی تھی۔ چپو صرف چھ تھے، چھ جوانوں نے انہیں دونوں سمتوں سے سنبھال لیا اور تیز رفتاری سے کشتی کھینے لگے۔ کشتی مسلسل مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی لیکن ذرا سی دیر میں وہ سب کے سب تھک گئے، ان کے بازو شل ہو گئے تھے، میں ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب میں نے انہیں تبدیل کر کے دوسرے لوگوں کو اس کام پر مامور کیا۔ میں خود بھی ایک چپو سنبھال کر بیٹھ گیا تھا لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس سلسلے میں مشاق نہیں تھا، یونہی بس الٹے سیدھے ہاتھ مار رہے تھے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں کو کشتی کھینے سے منع کر دیا۔ خواہ مخواہ قوت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا، وہ بے چارے سب کے سب میرے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے، میں ایک اناڑی کمانڈر تھا جو اس وقت ان لوگوں پر مسلط تھا لیکن کسی کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں تھی۔ بادبان دو رہ گئے تھے اس لئے کشتی زیادہ تیز رفتاری سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی تاہم ہم دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جزیرے کو تلاش کرتے رہے۔ جب آدھی رات گزری تو آسمان صاف ہو گیا اور ہمیں ستاروں کی روشنی میں وہ سیاہ لکیر صاف نظر آنے لگی۔ اس لکیر کو دیکھ دیکھ کر ہماری ہمت بڑھ رہی تھی پھر جب سمندر کے مشرقی کنارے سے سورج نے اپنا چمک دار چہرہ نکالا تو ہمارے دل خوشی سے اچھل پڑے۔ جزیرہ اب ہم سے زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا اور کشتی اسی جانب تیر رہی تھی۔ جوں جوں ہم جزیرے کے قریب پہنچتے جا رہے تھے ہماری خوشیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن جب ہم جزیرے کے بہت قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم پر ہیبت طاری ہو گئی کہ اس

کے گرد بہت بڑی بڑی چٹانیں کھڑی ہوئی تھیں اور وہاں اونچی اونچی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی تھیں، جو ان چٹانوں سے ٹکراتیں تو ایک مہیب شور پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آ کر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو یقیناً اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے چنانچہ میں نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ کہ کشتی کا رخ فوراً تبدیل کیا جائے۔ اب جزیرہ تو قریب آ ہی گیا ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کر لیں تو کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔ میرے ساتھیوں نے میرے حکم کی تعمیل کی، ایک بار پھر چپو سنبھالے گئے، بادبانوں کے رخ تبدیل کیے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی کا رخ بدل گیا۔ وہ جزیرے کے کنارے کنارے چل پڑی تھی۔ ہم بڑی عمدگی سے اسے جزیرے کی دوسری سمت لے جا رہے تھے، تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمیں یہ چٹانیں نیچی ہوتی نظر آئیں اور اس کے بعد ہمیں ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں ہم کوشش کر کے کشتی کو لے جا سکتے تھے۔ تب ہی گلاب نے ایک اور پیش کش کی۔

"کیوں نہ ہم جزیرے تک تیر کر پہنچیں، کشتی کی رفتار کو ہم قابو میں نہ رکھ سکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کچھ اور آگے بڑھ چلیں گلاب، ممکن ہے ہمیں کوئی مناسب جگہ مل ہی جائے لیکن اچھے خاصے سفر کے باوجود ہمیں ایسی کوئی جگہ نہ مل سکی جو مسطح ہوتی اور جہاں ہم با آسانی کشتی کو لے جا سکتے۔ کشتی اب جزیرے سے بالکل قریب قریب تیر رہی تھی۔ گو لہریں اسے اونچا نیچا کر رہی تھیں اور کسی بھی لمحے خطرہ پیش آ سکتا تھا کہ کشتی الٹ جائے لیکن ہم اپنے طور پر کوشش کر رہے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے پھر میرے ہی ذہن میں یہ خیال آیا کہ بادبان اب اتار دیئے جائیں، چنانچہ میں نے خنجر اٹھا کر بادبانوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ بادبان سمٹ جانے سے کشتی بہت سبک رو ہو گئی تھی۔ یوں بھی ساحل کے قریب بادبانوں کا استعمال بے حد خطرناک ہو سکتا تھا۔ بہر صورت ہم نے آہستہ آہستہ اسے ساحل سے لگا دیا۔ ہمیں چٹانوں پر سے گزرنا تھا جن کے نیچے پانی بھرا ہوا تھا۔ ویران چٹانوں کے درمیان ریتلی زمین پھیلی ہوئی تھی، یوں لگتا تھا جیسے جزیرے پر سبزے کا نام و نشان نہ ہو۔ بس چاروں طرف برہنہ اور بدصورت چٹانیں سینہ تانے کھڑی تھیں، جن کا رنگ ہزار ہا سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ چکا تھا اور جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی لیکن خشکی کا تصور ہی ہمارے لئے روح پرور تھا، یہاں ہم آزاد انسانوں کی مانند اپنے لئے زندگی تلاش کر سکتے تھے۔ سب کے ذہنوں میں یہی خیال تھا، چنانچہ چٹانوں کی ہیبت ناکی ہمیں زیادہ متاثر نہ کر سکی اور ہم ریتلی زمین پر پہنچ گئے۔ چٹانوں کے اس جانب کا منظر اب ہمارے سامنے تھا۔ ویسے چٹانوں کا یہ رقبہ بہت کم تھا، ہمیں ان کے درمیان سے گزر کر دوسری سمت پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہ لگے، البتہ دوسری طرف کا منظر۔ بے حد بھیانک

تھا۔ ہم تو ان چٹانوں کو ہی خوفناک سمجھ رہے تھے لیکن دوسری طرف ایک عجیب ویران اور ہولناک منظر پھیلا ہوا تھا' چٹانوں کے دوسری جانب ڈھلان کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو نجانے کہاں تک چلا تھا۔ اس ڈھلان میں ایک کھاڑی نظر آ رہی تھی جو کافی طویل تھی اور ہمیں اس کا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھاڑی سمندری پانی سے بھری ہوئی تھی اور اس میں بھی چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کنارے پر نرسلوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے' جو دماغ کو پھاڑ دینے والی سڑاند پھیلا رہے تھے۔

اس مقام کی ہولناک ویرانی اور دہشت ناک منظر دیکھ کر ہماری ہڈیوں میں دہشت کی لہریں دوڑنے لگیں' ان دلدلوں کے درمیان سفر کرنا تو ایک طرف رہا' انہیں دیکھتے ہی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ عجیب وحشت ناک ماحول تھا۔ چھوٹے چھوٹے آبی پرندے نرسلوں پر بیٹھ کر کالی دلدلوں میں اپنی غذا تلاش کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور کسی جاندار کا وجود نہیں تھا۔

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دوسروں کی جانب دیکھا اور سب کی نگاہوں میں مایوسی ہی پائی۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو دوستو۔ اب تک تقدیر نے ہماری بھرپور مدد کی ہے' سمندر کا ہولناک سفر ختم ہو گیا ہے اور قسمت نے ہمیں اس جگہ لا پھینکا ہے' یہ جگہ کیسی ہے' کیا کیا ہے یہاں پر' یہ ہم نہیں جانتے لیکن بہرصورت ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ بے شک یہ سفر خوفناک ہو گا لیکن ہم ایسے ہی سخت راستوں سے گزر کر کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائیں گے جو ہمیں آبادیوں تک پہنچا دے گا' خدا سے دعا مانگو اور اگر خدا کو ہماری زندگی منظور نہیں ہے تو پھر ہمیں اپنی یہ جان اس کے سپرد کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے؟" تمام لوگوں پر میری ان باتوں کا اثر ہوا تھا اور وہ کسی حد تک پر امید نظر آنے لگے تھے پھر گلاب نے کہا.........

"اگر تم حکم دو منصور' تو ہم کشتی میں سے ایسی چیزیں اٹھا لائیں جو کھانے پینے کی ہوں اور آگے ہمارے کام آ سکیں۔"

"نہایت مناسب خیال ہے' افسوس ہمیں پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔" اور گلاب چھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ کشتی کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سامان سے لدے پھندے واپس آ گئے تھے اور اب ہمیں آگے کا سفر کرنا تھا' ہم حتی الامکان ایسے راستوں کو تلاش کرنے لگے جن میں سختی تھی اور دھنس جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ قرب و جوار کے بدبودار کیچڑ میں مگرمچھ اور گھڑیال کروٹیں بدل رہے تھے۔ دو ایک جگہ دریائی گھوڑے بھی اچھلتے کودتے نظر آئے' بگلے کی قسم کے مختلف پرندے شور مچا رہے تھے اور نرسلوں کی جڑوں میں پانی کے گڑھوں کے نزدیک مینڈکوں کی مسلسل ٹرٹراہٹ سنائی دے

ی تھی۔ ہم اس ڈھلان کو طے کرتے رہے اور قدرت ہماری مدد کرتی رہی' بعض اوقات ہیں جھاڑیوں میں سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ اور وہاں سے گزرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائے گا لیکن ہم موت کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ ا وقت صرف خدا کا سہارا تھا' ورنہ موت تو ہر ہر قدم پر موجود تھی' کوئی بھی غلط قدم ہیں کسی گھڑیال کے منہ تک پہنچا سکتا تھا یا گہری دلدلوں میں غرق کر سکتا تھا لیکن ہم ڈھلان طے کرتے رہے' البتہ ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کھاڑی سے ذرا ہٹ کر آگے بڑھیں گے۔

پورا دن ڈھلانوں کو طے کرتے ہوئے گزر گیا' نرسلوں کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا یدان پھیلا ہوا تھا۔ اس خالی جگہ کو دیکھ کر ہم نے وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر رام کر کے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کے بعد پھر آگے کا سفر شروع گیا۔ شام کے سائے ہر شے پر طاری ہونے لگے تھے' دلدلوں پر دھند اتر رہی تھی۔ ہوا سلوں میں بھٹکی ہوئی روحوں کی طرح سرگوشیاں کر رہی تھی۔

تمام لوگ جڑ کر چل رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں خوف ہے۔ ت کا خوف' خوف کی انتہا موت ہی ہوتی ہے۔ اگر موت کا خوف نہ ہو تو خوف کا تصور ہی تم ہو جائے۔ انسان جینا چاہتا ہے۔ ہر حال میں جینا چاہتا ہے۔ کوڑھ سے سڑتے ہوئے بدن نہیں دیکھ کر بھی خوف آتا ہے' زندگی کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ وہ شفا چاہتے ہیں تاکہ ندگی میں ان کا بھی بھرپور حصہ ہو لیکن زندگی جیسی حسین شے کے لئے بھی کتنے وسوسے لتنے خوف موجود ہیں۔ یہ خوف قدرتی ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے ظاہر ہے وہاں انسان کا ابطہ خدا سے ہوتا ہے جو قادر ہے زندگی اور موت پر لیکن انسان کا انسان سے ف.........

سیٹھ جبار جیسے لوگ موت کے اس احساس کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ وہ کسی کو ات کے گھاٹ اتارتے ہوئے اپنی موت کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی تو ات ہے۔ وہ یہ تصور کیوں نہیں کر پاتے کہ کوئی ان پر بھی قادر ہے لیکن فرعون کی داستان ی تو ہے۔ شداد اور نمرود بھی تو تھے جو خدا بن بیٹھے تھے اور اس کے بعد جب خدا نے ان ی گرفت کی تو.........وہ داستان عبرت چھوڑ گئے۔ ہاں سیٹھ جبار کا انجام بھی ان سے مختلف ہو گا۔

ذہنی رو سیٹھ جبار کی طرف بھٹک گئی۔ پتہ نہیں یہ سب کے سب مجھے بھول گئے یا طمئن ہو گئے میری طرف سے۔ کیا ہمارے فرار کی اطلاع ان لوگوں کو ہو گئی ہو گی؟ اب ہری تلاش کے لئے انہوں نے کیا کیا ہو گا.........؟

"منصور۔" گلاب کی تھکی تھکی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"تھک گئے ہیں بری طرح۔ رات بھی ہو گئی ہے اب تو آگے کچھ نہیں نظر آ رہا۔"

"اوہ- ہاں میرا خیال ہے کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے آرام کرو- یہیں کیوں رک جائیں-" میں نے کہا اور پھر سامان اتار کر رکھ دیا- کھانے پینے کا بندوبست ہوا اور ا سیدھے کھانے سے فارغ ہو کر ہم آرام کرنے لیٹ گئے- سب کے سب خاموش تھے جانے وہ کس سوچ میں گم تھے-

انسان کا عزم سرگرم تھا ورنہ جن حالات سے گزرے تھے ان کا ہر لمحہ جان لیوا تھ اس سے زیادہ ہولناک جزیرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا- چاروں طرف گہری تار مسلط تھی اور اس تاریکی میں مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ دماغ میں سوراخ کرتی ہوئی محسوس ہو تھی- کھاڑی سے الگ ہٹ جانے کی وجہ سے اس بدبو سے نجات مل گئی تھی جو نرسلوں ا دلدل کی تھی- اس طرف کی زمین ٹھیک تھی اور جس جگہ ہم موجود تھے وہ کسی قدر صاف ستھری تھی-

دفعتاً ہمارے کانوں میں عجیب سی آوازیں ابھریں، دھماکوں کی آوازیں، یقیناً فائرنگ ہو رہی تھی لیکن آوازیں اتنی ہلکی تھیں جیسے میلوں دور سے آ رہی ہوں-

ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے- دوہری کیفیت طاری تھی، جہاں فائرنگ کی آوازیں تشویش ناک تھیں وہاں یہ احساس بھی دل خوش کن تھا کہ یہاں انسانی آبادی موجود ہے- فائرنگ کافی دیر تک جاری رہی اور پھر خاموشی چھا گئی- ہمارے ہاتھ رائفلوں پر تھے اور کا ہر طرح کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے میں اس دوران فائرنگ کی سمت کا اندازہ بھی لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور کسی حد تک اس میں کامیاب ہو گیا تھا- فائرنگ بند ہو جانے کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی تھی- ان لوگوں میں سے کسی نے آواز نہ نکالی جب کہ سب جاگ رہے تھے پھر میں نے ہی یہ خاموشی توڑ دی-

"کیا خیال ہے گلاب- تمہیں زندگی کا ثبوت مل گیا؟"

"ہاں- مگر یہ فائرنگ؟"

"دھت تیرے کی- اب اس خوف کا شکار ہو گئے، یار میں کہتا ہوں اتنی معصومیت بھی حماقت ہوتی ہے- اب تم دشمنوں کے درمیان نہیں ہو- آزاد ہو اور تم سب کی اپنی حیثیت ہے- کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنا مقام پہچانو- اگر کوئی تمہاری طرف آنکھیں نکالے تو تم اس کی آنکھیں نکال لینے کی ہمت پیدا کرو- یہ ضروری ہے دوستو-"

"ٹھیک کہتے ہو بھائی-"

"نہ صرف تم بلکہ اپنے ان ساتھیوں میں بھی ہمت پیدا کرو- نہ جانے ہمیں یہاں کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے- ان کے سامنے بزدلوں کی طرح نہیں بلکہ بہادروں کی طرح جائیں گے- کیوں دوستو کیا خیال ہے؟" میں نے دوسرے لوگوں سے کہا اور آسان انگریزی

ں اپنا مافی الضمیر انہیں بتایا- سب نے مجھ سے اتفاق کیا تھا- بھمن نامی ایک شخص نے کہا-

"حالات نے ہمارے اعصاب کمزور کر دیئے ہیں منصور، ورنہ ہم اتنے چوہے بھی ں ہیں-"

"ہونا بھی نہیں چاہیئے- آنے والے وقت میں ہمیں کافی ہمت سے کام لینا ہو گیا-"

ں انہیں سمجھاتا رہا لیکن میرا ذہن خود اس فائرنگ میں الجھا ہوا تھا- آہستہ آہستہ وقت گزرتا ا- ان میں سے چند سو گئے تھے لیکن مجھے نیند نہیں آئی- پلکیں جڑ جاتی تھیں اور پھر آنکھ ل جاتی تھی-

اس وقت سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا جب میں نے تھوڑے فاصلے پر آہٹیں سنیں ڑی سی سرعت کے ساتھ میں نے ہاتھ بڑھا کر رائفل اٹھائی اور سنبھل کر بیٹھ گیا پھر میں ے گھوڑے دیکھے- سیاہ رنگ کے قد آور گھوڑے تھے جن پر زینیں کسی ہوئی تھیں لیکن وہ اروں سے محروم تھے- میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن ان دونوں گھوڑوں کے وہ مجھے اور کوئی نظر نہیں آیا تھا-

میں رائفل لے کر ان کی طرف بڑھ گیا- گھوڑے رک گئے تھے لیکن وہ کنوتیاں ل رہے تھے- میں انہیں چمکارتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اسی طرح انہیں رتے ہوئے ان کی لگاموں پر ہاتھ ڈال دیا- گھوڑے سدھے ہوئے تھے میں انہیں وہاں لے آیا جہاں یہ سب سو رہے تھے- پھر میں نے انہیں آوازیں دیں اور سب کے سب جاگ ئے- گھوڑے دیکھ کر سبھی حیران ہوئے تھے- مصری نوجوان فواد السی نے کہا-

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک گھوڑے پر بیٹھ کر قریبی علاقے کا جائزہ لوں گا-"

"ٹھیک ہے- ضرور-" میں نے کہا اور فواد نے ایک گھوڑے کی لگام تھام لی- وہ گھڑ اری سے واقف معلوم ہوتا تھا- گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے قرب و جوار میں دو تین لگائے اور پھر گھوڑے کو سیدھا دوڑاتا چلا گیا- ہم اسے دیکھتے رہے- اس کی رفتار کافی تیز تی- تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ڈھلانوں کے سرے پر پہنچا اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو یا- میں نے گہری سانس لی اور ان لوگوں کو ناشتے وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے کہا- فواد نا اور نکل گیا تھا- بعد میں افسوس ہوا کہ میں نے اسے رائفل کیوں نہ دے دی-

ہم سب ناشتہ کرنے لگے- فواد کا ناشتہ محفوظ کر دیا گیا تھا پھر میرے کہنے پر گلاب ے گھوڑے کی پشت سے زین اتاری اور سامان کے بنڈل اس طرح بنائے کہ انہیں گھوڑے ی پشت پر بار کیا جا سکے- فالتو سامان میں نے وہیں پھینکوا دیا- پھینکے ہوئے سامان میں وہ س بھی تھی جو بن سالک نے فروخت کرنے کے لئے دی تھی- نہ جانے مجھے کیا خیال آیا ، میں نے وہ چرس اٹھا کر گھوڑے پر بار کر لی اور اس کے بعد ہم اس طرف چل پڑے

جدھر فواد گیا تھا۔ ابھی ہم زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ہم نے فواد کو آندھی طوفان کی طر
واپس آتے دیکھا۔ ضرور کوئی خاص بات تھی۔ فواد اسی طرح گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ بالآخر
ہمارے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر جوش کے آثار تھے۔
"آبادی۔ اس طرف آبادی ہے۔ دور دور تک۔ دور تک خیموں کے شہر آباد ہی
اور......... اور ان ڈھلانوں کے۔ اختتام پر۔ سات آٹھ لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ تی
بوڑھے' چار جوان' ممکن ہے اور لاشیں بھی ہوں۔ وہاں جھاڑیاں ہیں اور عجیب و غریب جگ
ہے۔ یہ پستول۔ ان لاشوں کے پاس سے اٹھا کر لایا ہوں' میں۔" اس نے ایک جدید ساخت
کا پستول میرے سامنے کر دیا۔ میں نے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ دوسرے گھوڑ
کی زین اتار کر باقی سامان اس پر لاد دیا گیا اور اس کے بعد ہم چل پڑے۔ فواد نے بتایا تھا
ان ڈھلانوں کے اختتام پر اور ڈھلانیں ہیں اس لئے وہ ہماری نگاہ سے اوجھل ہیں۔ بہر حا
ہم چلتے رہے اور کافی دیر کے بعد اس جگہ پہنچے جہاں جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ا
جھاڑیوں کے درمیان لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ سب گولیوں سے ہلاک ہوئے تھ
شکلوں سے یورو پین نظر آ رہے تھے۔ کون سے ملک کے باشندے تھے اس بارے م
کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ رات کی فائرنگ یاد آ گئی تھی۔ یقیناً یہ اسی فائرنگ کے شکار تھے گ
کون تھے یہ.........؟

جس جگہ یہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں وہاں سے ڈھلان نظر آ رہے تھے لیکن ان
اختتام نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں جھاڑیوں میں چکراتا رہا اور پھر میں نے ان ڈھلانوں کے اختتا
پر وہ آبادی دیکھی اور دفعتاً" میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک اور خیال نے میرے ذہن م
طوفان برپا کر دیا تھا۔ کہیں یہ جزیرہ بادیان تو نہیں ہے۔ سمندر کی بھول بھلیوں میں گم ہو
اس طرف نکل آنا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ خیموں کی اس آبادی سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔
میں کافی دیر تک اس خیال میں گم کھڑا رہا۔ اگر یہ جزیرہ بادیان ہے تو اس کا مطلب
ہے کہ تقدیر نے ایک اور موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان چند لمحات میں میرے ذہن پر نہ جا
کیا گزر گئی۔ وقت یہ تھی کہ میرے ساتھی بہت معصوم تھے اور کسی بھی سلسلے میں ان
کوئی مدد نہیں لی جا سکتی تھی۔ وہ میرے اشارے پر جان بھی دے سکتے تھے لیکن خود ان
اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔
ان لاشوں کا معمہ حل کرنا بھی مشکل تھا لیکن اگر یہ جزیرہ بادیان تھا تو پھر اس م
حیرت کی بات نہیں تھی۔ مجھے تھوڑی بہت معلومات اس سلسلے میں حاصل ہو چکی تھیں
اب نہایت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ اس سلسلے میں' میں نے مناسب سمجھا کہ ان لوگوں
آگاہ کر دیا جائے۔
"گلاب۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "صورت حال اچانک دلچسپ ہو گئی ہے"

نہیں اس بات کا علم ہے کہ اللہ دین کہاں جا رہا تھا؟"
"ان غلاموں کو' میرا مطلب ہے ان لوگوں کو غلاموں کی حیثیت سے فروخت
کرنے۔"
"گڈ۔ یہی بات ہے۔ بعد میں اس نے لانچ میں آ کر تمہارے بارے میں بھی یہی
فیصلہ کیا تھا۔"
"ہاں۔ اس ذلیل نے...... ہمارے تعاون کی یہی سزا منتخب کی تھی۔"
"غلاموں کی یہ خرید و فروخت ایک جزیرے' بادیان' پر ہوتی ہے اور ہم نے اسی
جزیرے پر نہ جانے کی وجہ سے کشتی کا رخ بدلا تھا اب میرا خیال ہے کہ ہم اسی جزیرے پر
آ گئے ہیں۔ سمندر میں ہماری کشتی گھوم گھام کر اسی جگہ آ گئی ہے لیکن اس میں خطرے کی
کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ہم نے ہوشیاری سے کام لیا تو یہاں سے ہمیں اپنے ٹھکانوں تک
پہنچنے میں آسانی ہو گی۔"
گلاب کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار نمودار ہو گئے لیکن
میرے سمجھانے بجھانے سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ "میں ان لوگوں کو بھی اس صورت حال سے
آگاہ کر دوں تاکہ سب ہوشیار ہو جائیں۔ اس کے بعد ہمیں نہایت چالاکی سے کام لینا ہو
گا۔؟" گلاب نے گردن ہلا دی۔ کافی دیر تک میں ان لوگوں کو صورت حال اور آئندہ
اقدامات کے بارے میں بتاتا رہا۔ ان کی کیفیت بھی خراب ہو گئی تھی لیکن میں نے انہیں
بتایا کہ اب وہ غلام نہیں ہیں بلکہ غلاموں کے سوداگر ہیں۔ ہمیں ایک ایک قدم ہوشیاری سے
اٹھانا ہو گا۔ یہاں موجود کسی آدمی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک کے
سامنے سینہ تان کر چلو اور کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار رہو۔ اب تم لوگ
یوں کرو کہ ان سب کے لباس اتار لو اور انہیں خود پہن لو۔ جو لوگ رہ جائیں گے ان کے
لباسوں کے بارے میں بعد میں کوئی بندوبست کر لیا جائے گا۔
میری اس ہدایت پر عمل کیا گیا۔ لباسوں پر موجود گولیوں کے نشانات اور خون کے
دھبے صاف کر لئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ان لاشوں کے پاس سے تین رائفلیں اور دو
پستول بھی دستیاب ہوئے۔ لباس میں کرنسی بھی تھی جو ڈالروں کی شکل میں تھی یہ کرنسی بھی
قبضے میں لے لی گئی اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔
کوئی اور صورت حال ہو سکتی تو میں کسی قیمت پر اس طرف جانا پسند نہ کرتا لیکن
مجبوری تھی۔ تقدیر نے جس جال میں پھنسا دیا تھا اس سے نکلنے کے لئے حتی المقدور تو ہاتھ
پاؤں مارنے ہی تھے۔ دونوں گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے ہم ڈھلان پر اترنے لگے اور
اچھی خاصی رفتار سے آگے بڑھتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم خیموں کے شہر کے
قریب پہنچ گئے۔

انوکھی آبادی تھی۔ ہر رنگ اور نسل کے لوگ وہاں نظر آ رہے تھے۔ گھوڑے کافی تعداد میں تھے۔ تمام لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ کوئی شریف نہ تھا۔ سب کے سب خطرناک نظر آتے تھے لیکن کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔

خیموں کے اندر ہی بازار لگے ہوئے تھے اور ان بازاروں میں دنیا جہان کی چیز فروخت ہو رہی تھیں۔ عمدہ پوستین' جانوروں کی کھال کے لباس' گھڑیاں اور ایسی ہی دوسر چیزیں۔ خیموں ہی کے اندر چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے بنے ہوئے تھے جہاں کھانے پینے چیزیں دستیاب تھیں۔ ایک عجیب میلہ سا معلوم ہوتا تھا جہاں ضرورت کی ہر شے فراہم ک دی گئی تھی۔ جس ویران اور ہیبت ناک ماحول سے گزر کر ہم یہاں پہنچے تھے اس کے بع زندگی کی یہ رنگارنگی نا قابل یقین معلوم ہوتی تھی۔ لیکن صورت حال کا مجھے پورا پورا احساس تھا یقیناً یہ جزیرہ بادیان تھا۔ حیرت کی بات صرف یہ تھی کہ ان لوگوں کے یہاں آنے کے ذ ذرائع تھے۔ ہمیں سمندر کے کنارے کوئی لانچ یا جہاز نہیں نظر آیا تھا۔

میں گہری نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ دکانوں پر ہر علاقے کی کرنسی چل رہی تھی۔ چنانچہ میں ہمت کر کے ایک خیمہ دکان پر رک گیا۔ یہ لباسوں کی دکان تھی۔ میں نے ایک لباس کی قیمت پوچھی۔ دکاندار مشرق وسطے کا کوئی باشندہ تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے قیمت بتائی۔ ہمارے پاس کرنسی اچھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئی تھی۔ میں باآسانی تمام لوگوں کے لباس خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی ہمارے پاس کرنسی بچ رہتی چنانچہ میں نے لباس خرید لئے۔ جس وقت میں لباس خرید رہا تھا تو دو آدمی ہمارے عقب میں آ کھڑے ہوئے۔ دبلے پتلے بدن کے تھے دونوں۔ معمولی سے لباس پہنے ہوئے تھے۔ پہلے تو میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی لیکن جب میں لباس خرید کر وہاں سے آگے بڑھا تو وہ لوگ ہمارے پیچھے چل پڑے۔

میں چند قدم چل کر رک گیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ تبھی وہ دونوں آگے بڑھ کر میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گردنیں خم کر کے ہمیں سلام کیا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ایشائی؟"

"مقصد بیان کرو۔" میں نے غرائی آواز میں کہا۔

"معافی کے خواستگار ہیں عالی جاہ لیکن یہ سامان ہماری دلچسپی کا باعث ہے جو آپ کے ساتھیوں پر بار ہے۔"

"اور تفصیل سے بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"اس سامان کی موجودگی بتاتی ہے کہ حضور نے ابھی بادیان پر خیمہ گاہ منتخب نہیں

کی۔ ہم اپنی خدمات پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور تفصیل سے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سرکار عالی۔ ہم آپ کے قیام کا مناسب بندوبست کریں گے اور حضور کو کوئی پریشانی نہ ہونے دیں گے۔"

"سوائے ایک پریشانی کے' اور وہ یہ ہو گی کہ ایک ڈالر کی جگہ حضور کے پانچ ڈالر خرچ ہوں گے اور زیادہ رقم میں سے یہ دونوں معقول کمیشن وصول کریں گے۔" عقب سے ایک آواز ابھری اور وہ دونوں چونک کر پیچھے دیکھنے لگے۔

دبلے پتلے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان پیچھے کھڑا' مسکرا رہا تھا۔ عمر اٹھارا انیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ موٹی کھال کا ڈھیلا ڈھالا کوٹ اور بڑے بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے تھا' آنکھوں پر کالی عینک لگی ہوئی تھی۔

وہ دونوں اسے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگے۔

"تم......تم پھر آ گئے۔ یہ بات اصول کے خلاف ہے۔ جزیرے کا قانون بھی نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے یہ جزیرہ ہر قانون سے آزاد ہے۔ ساری دنیا کا قانون یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے یہی تو اس کی دلکشی ہے۔" نوجوان نے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بے حد دلکش تھی۔ چہرے کے خدوخال میں بھی ایک عجیب سی جاذبیت تھی۔

"اس کے باوجود بہروز کسی کے گاہکوں کو خراب کرنا اچھی بات نہیں ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"فیصلہ کر لو۔ پستول اس جزیرے کا قانون ہے۔" اس نے لباس کے نیچے سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔

"اوہو ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے ہماری خیمہ گاہ موجود ہے اور ہمیں کسی خیمے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان کے درمیان مداخلت کی اور وہ تینوں چونک پڑے۔

"نہیں ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"لوٹ لو۔ تم ہی لوٹ لو انھیں۔" دونوں دبلے پتلے آدمیوں نے طنزیہ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئے۔ نوجوان بہروز کمر پر ہاتھ رکھے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مایوسی سے ہماری طرف دیکھا اور خود بھی بڑھنے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔

"سنو بات سنو ادھر آؤ۔" میں نے کہا اور وہ کمر پر ہاتھ رکھے میری جانب متوجہ ہو گیا۔

"یس ماسٹر۔" اس نے اس بار کسی قدر بے پروائی سے کہا یعنی پہلے جو اس کے لہجے میں نرمی تھی اس بار برقرار نہیں رہی تھی۔

"تم تنہا کام کرتے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"جی ماسٹر بالکل تنہا۔"
"یہ لوگ اگر تمہارے دشمن ہو گئے تو کیا کرو گے؟" میں نے سوال کیا۔
"ہو گئے کیا' ہیں میرے دشمن' اس طرح نہ بھاگ جاتے یہ لوگ' اگر ایک با
میرے ہاتھوں مزہ نہ چکھ چکے ہوتے۔" اس نے کسی قدر فخریہ انداز میں کہا۔ انگلش ہی بول
رہا تھا لیکن لہجہ انتہائی اجنبی تھا اور صاف لگتا تھا کہ اسے انگلش پر عبور حاصل نہیں ہے۔
"اوہ تمہارا جھگڑا ہو چکا ہے؟"
"اچھی طرح' میرا خیال ہے ان کے لباس کے پیچھے اب بھی میرے ہاتھوں سے لگ
ہوئی چوٹیں موجود ہوں گی؟"
"بہت بہادر ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
"زندہ رہنا چاہتا ہوں ماسٹر اور زندہ رہنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا بے حد ضروری
ہے۔ نیا نیا آیا ہوں۔ اس جزیرے پر' یہاں کے ماحول سے زیادہ واقفیت نہیں ہے' مگر ا
جانتا ہوں کہ کچھ کمانے کے لئے زندگی کی بازی لگانا بے حد ضروری ہے' ایک ہی ساتھی ہ
اس جزیرے پر میرا۔ اور وہ ہے میرا پستول۔ اس کے جوہر بھی دکھا چکا ہوں۔ سو ڈالر جیت
تھے میں نے پستول کی نشانہ بازی میں' مگر ایک کم بخت اسی وقت مار دے گیا' بہر صورت کوئی
بات نہیں ہے' بس اپنا کام کر رہا ہوں۔" نوجوان نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں بھی بچپن
نمایاں تھا۔ بہت ہی ہلکی اور شیریں سی آواز تھی۔ میں اس کی دلچسپ شخصیت سے متاثر
ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
"آؤ آؤ میرے ساتھ آؤ؟"
"نہیں ماسٹر۔ وقت ضائع کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔" وہ بولا۔
"تمہارا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ تم بھی یہاں یہی کام کرتے ہو جو وہ دونوں کرتے
ہیں؟"
"ہاں ماسٹر۔ میں بھی بروکر ہوں۔"
"تو سنو ہمیں خیمہ گاہ کی ضرورت ہے اور یہاں رہائش کے دوسرے کام بھی کرنے
ہیں۔" میں نے اس سے کہا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک ہاتھ
سے اپنا چشمہ اتار کر مجھے بغور دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی بے پناہ حسین تھیں' اتنا خوبصورت
نوجوان میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا' ان آنکھوں میں مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں ماسٹر؟"
"ہاں بالکل سچ۔" میں نے جواب دیا اور اس کا انداز ایک دم بدل گیا۔
"تب تو میں آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا ماسٹر کہ آپ نے ان لوگوں کو بھگا کر مجھے

یہ خدمت انجام دینے کا موقع دیا۔" وہ ہمارے ساتھ ساتھ چلنے گا۔

"میں بھی یہاں پہلی بار ہی آیا ہوں مسٹر بہروز۔ تم مجھے یہاں کے حالات بھی بتاؤ گے؟"

"سب کچھ بتائیں گے ماسٹر۔ بالکل بتائیں گے' بہروز کو آپ اپنے خادموں میں شمار کر لیں' آپ کو یہاں کوئی دقت نہیں ہو گی اور معاوضہ بھی بہت معمولی۔ جتنا کہ یہاں کا کوئی بھی آدمی نہیں لے سکتا۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ خیمہ گاہ کا بندوبست کرو لیکن سنو اخراجات کے معاطے میں مجھ سے معلومات ضرور حاصل کر لینا۔ میں زیادہ دولت مند آدمی نہیں ہوں۔"

"ماسٹر سارے اخراجات کا فیصلہ بعد میں ہو جائے گا۔ آپ اس کی تو پرواہ' ہی نہ کریں۔ کون سا علاقہ پسند کریں گے؟"

"وہ جو تمہیں پسند ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر آپ کے آرام کی تمام سہولتوں کا بندوبست میری ذمے داری ہے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔" آپ کسی مناسب جگہ چند لمحات آرام کریں۔ میں سارے بندوبست کر کے آپ کے پاس آجاتا ہوں۔" اس مناسب جگہ کا انتخاب بھی اسی نے کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی تھا۔ میں کسی ایسی جگہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بالکل اجنبی دنیا تھی۔ بے حد انوکھی' جہاں انتظامات کے لئے بروکر بھی تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نوجوان بہروز واپس آ گیا۔ اس نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"دیر سے آنے کی معافی چاہتا ہوں عالی جاہ لیکن آپ کے شایان شان بندوبست ضروری تھا آیئے خیمہ گاہ تشریف لے چلئے۔"

ہم سب اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ ایک سرسبز ٹیلے کے دامن میں ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا تھا جس کے کئی حصے تھے قناتوں سے خاصی کشادہ جگہ کا احاطہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے قرب و جوار میں بھی ایسے ہی خیمے موجود تھے۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ نہ جانے اس خیمے کے اخراجات کیا ہوں گے۔ خیموں میں کینوس کی فولڈنگ چارپائیاں بھی موجود تھیں لیکن ان کی تعداد کم تھی اور وہ سب کے لئے پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔

"میں نے مزید بستروں کے لئے کہہ دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ کیا تنی جگہ کافی ہو گی؟"

"نہایت مناسب۔ کتنی رقم ادا کرنی ہے مجھے؟"

"صرف سو ڈالر۔ دس ڈالر اس خاکسار کا معاوضہ۔" اس نے گردن خم کر کے کہا۔

"یہ کتنے دن کا کرایہ ہے؟"

"ایک ماہ کا۔ اگر دیر تک قیام رہے تو ایک ماہ کے بعد دوبارہ کرایہ ادا کر دیا جائے

گا۔"

"میں نے کرنسی کا جائزہ لیا۔ لاشوں کے لباس سے جو کرنسی برآمد ہوئی تھی وہ تقریباً سات سو ڈالر تھی۔ بہر حال میں نے اسے اس کی مطلوبہ رقم ادا کر دی اور پھر کہا۔

"بہروز تم یہی کام کرتے ہو؟"

"ہاں ماسٹر۔"

"کتنا کما لیتے ہو دن میں؟"

"یہ تقدیر کی بات ہے ماسٹر۔ کبھی پچاس ڈالر کبھی ساٹھ۔ لیکن تقدیر ساتھ نہیں دے رہی۔ سات سو ڈالر جوئے میں ہار چکا ہوں۔"

"جوا...." میں نے پر خیال انداز میں کہا اور پھر سنبھل گیا۔ "مجھے تمہاری مزید ضرورت ہے بہروز۔ پچاس ڈالر کے حساب سے جب تک میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا ادائیگی کرتا رہوں گا۔" میری اس پیش کش پر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"بعض دنوں میں ایک ڈالر کی آمدنی بھی نہیں ہوتی ماسٹر۔ اس لئے یہ پیش کش دلچسپ ہے۔ تاہم اس کے لئے ایک شرط ہے کہ میں سارا دن آپ کی خدمت نہیں کر سکوں گا جو ضرورت آپ کو ہو گی اسے پورا کرنا میرا فرض ہو گا۔ کوئی بھی پریشانی نہ ہونے دوں گا آپ کو.... لیکن میرے اوپر اوقات کی پابندی عائد نہ کی جائے۔"

"وہ کیوں بہروز؟"

"اس لئے ماسٹر کہ مجھے بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ میں باہر رہ کر اس کے لئے جدوجہد کرتا رہوں گا۔"

"مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تب بہروز آپ کا خادم ہے دل وجان سے۔"

"جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے۔ بہروز کہ میں اس جزیرے پر اجنبی ہوں' اس لئے تم مجھے یہاں کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرو گے۔"

"دل و جان سے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کھانے پینے کا کیا بندوبست ہے۔ کھانا بنانے کے لئے کسی خادم کی ضرورت ہے یا......"

نہیں اور کوئی خادم نہیں چاہیئے۔ البتہ کھانے پینے کی چیزیں تو یہاں مل جاتی ہوں گی؟"

"دنیا کی ہر چیز۔ مجھے اپنا سامان دکھا دیں۔ اس کے بعد جس شے کی ضرورت ہو گی میں خرید لاؤں گا۔" میں نے اس بات پر گردن ہلا دی تھی۔ گلاب اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کر کے میں نے سو ڈالر مزید خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر گلاب کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ بس اس کی نگرانی رکھنا۔ کوئی خاص بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں نہایت ہوشیاری سے ہر قدم اٹھانا ہے۔" گلاب اس کے ساتھ چلا گیا۔ ذہن و دل کی عجیب حالت تھی۔ ایسے ہوشربا واقعات سے واسطہ پڑا تھا کہ عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ بچپن میں کتابیں پڑھتا تھا اور ان میں اچھی اچھی باتیں ملتی تھیں لیکن آج یہ احساس ہو رہا تھا کہ دنیا ان کتابوں سے کہیں آگے بڑھ چکی ہے' کتابیں نامکمل ہیں۔ انسان کو ان واقعات اور حالات سے روشناس نہیں کرایا جاتا جو انھیں پیش آتے ہیں' بس ایک مخصوص حد تک اس کا سفر کتابوں میں جاری رہتا ہے اور جب وہ کتابوں کے صفحات سے باہر نکل آتا ہے تو دنیا بڑی اجنبی شکل میں اسے ملتی ہے۔ ان حالات میں مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ کرنسی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جزیرہ بادیان کے اخراجات خوفناک تھے اور انھیں پورا کرنے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں تھا۔ ایسے وقت میں ایاز بری طرح یاد آیا۔ وہ کرنسی چھاپنے کی مشین تھی۔۔ ہر چند کہ میں نے اسے جیب تراشی سے روکا تھا اور ہمیشہ اس کی مذمت کی تھی کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس وقت ان حالات میں یہاں زندگی گزارنے اور سانسوں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے کرنسی کی انتہائی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اسے جیب تراشی کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ میرے سامنے کوئی اور منزل بھی نہیں تھی' تقدیر اور حالات نے اس انوکھی جگہ لا پھینکا تھا جہاں سے بچنے کے لئے ہم نے ایک طویل جدوجہد کی تھی' ہر چند کہ بن سالک اور اللہ دین نے بادیان کے بارے میں بتایا تھا کہ یہاں سے بیرونی دنیا میں نکلنے کے انتظامات ہو سکتے ہیں لیکن ایک جھلک دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ انتظامات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اگر دولت ہے تو پھر یہ جزیرہ جنت سے کم نہیں ہے لیکن اس کے بغیر یہاں سانس برقرار رکھنا بھی مشکل ہو گا' اس کا اندازہ مجھے چند ہی لمحات میں ہو گیا تھا۔ دولت کے حصول کے لئے کیا کیا جائے' اس کا کوئی جائز ذریعہ تو سامنے نہیں تھا اور پھر یہاں لاقانونیت کا دور دورہ تھا' ان لاشوں کو دیکھ چکا تھا جو بے گوروکفن وہاں پڑی رہ گئی تھیں' نجانے انھیں قتل کرنے والے کون تھے اور کیوں انھیں قتل کیا گیا تھا' ممکن ہے کہ دولت کے لئے لیکن یہ بات اس طرح غلط ثابت ہو جاتی تھی کہ ان کی جیبوں سے ہمیں خاصی کرنسی ملی تھی پھر وہ غارت گری دشمنی کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے اور یہاں دشمنی کے فیصلے خود ہی کر لئے جاتے ہوں گے کیونکہ کوئی اور انتظامی محکمہ تو تھا نہیں۔۔

بہروز' گلاب کے ساتھ واپس آ گیا۔ لدا پھندا ہوا تھا۔ وہ درحقیقت ایک منتظم فطرت کا مالک تھا۔ کھانے پکانے کے لئے اس نے تمام چیزیں خرید لی تھیں۔ یہاں تک کہ تیل کے چولھوں کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ البتہ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ غلاموں کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ کے کاروبار کے لئے تشکیل دیئے ہوئے جزیرے پر یہ بازار

کہاں سے لگ جاتے ہیں اور یہاں سامان کی خرید و فروخت کرنے والے زندگی کی ضروریات کی تمام چیزیں کہاں سے لاتے ہیں' وہ تو خود غلاموں کے سوداگر نہ ہوں گے' گویا ایک باقاعدہ تجارتی سلسلہ تھا' بہر صورت بہروز کی موجودگی بھی غنیمت تھی۔ اس شخص کے لئے بھی اچھی خاصی رقم خرچ کرنی تھی' دو تین دن میں ہی اس ساری رقم کا صفایا ہو جاتا تھا' اس کے بعد کیا کروں گا؟ یہ سوال سوہان روح تھا اور اس کا کوئی جواب میرے پاس موجود نہیں تھا۔

بہروز میرے پاس آ بیٹھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"برازیل کی سیاہ کافی میری بڑی کمزوری ہے ماسٹر! اس کا ایک پیکٹ اور کریم کے ڈبے آپ کی اجازت کے بغیر لے آیا ہوں اور آپ کے ساتھی سے کافی بنانے کا کہہ دیا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ اعزاز دیں گے؟"

"دوستوں کی طرح گفتگو کرو بہروز۔ مجھے یہ پر تکلف گفتگو پسند نہیں ہے۔"

"عنایت ہے ماسٹر۔ آپ کے نام سے روشناس ہو سکتا ہوں؟"

"منصور ہے میرا نام۔"

"اوہ۔ تاریخی نوعیت کا حامل ہے۔ یہاں کب تشریف لائے آقا؟"

"آج ہی۔"

"یہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں' کیا غلام ہیں آپ کے؟"

"نہیں یہ سب میرے ساتھی ہیں۔"

"ان میں' میں نے کچھ چہرے ایسے دیکھے ہیں جو مصری معلوم ہوتے ہیں۔ چند یمنی بھی ہیں۔ ان سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"تم خاصے تجربے کار معلوم ہوتے ہو۔ کیا عمر ہے تمہاری؟"

"تجربات کی کوئی عمر نہیں ہوتی مسٹر منصور۔ بعض اوقات بچپن کی عمر ہی سو سالہ ہوتی ہے۔"

"پڑھے لکھے بھی ہو؟"

"اس حد تک کہ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے مشکل نہ پیش آئے۔" اس نے کہا۔

"بہت پسند آئے ہو مجھے لڑائی بھڑائی سے بھی واقف معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نے عرض کیا تھا تاکہ وہ سب کچھ سیکھ لیا ہے جس کے ذریعے اس دنیا میں زندگی بسر کرنے میں دقت نہ ہو۔"

"مستقل یہیں رہتے ہو؟"

"نہیں ماسٹر۔ تین ماہ ہوئے ہیں صرف یہاں۔"

"یہ جزیرہ بادیان ہی ہے نا؟"

"یقیناً۔ لیکن ماسٹر آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" بہروز نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

"بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں بہروز۔ جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مجھے اس جزیرے سے مکمل روشناس کراؤ۔ تم کہاں سے آئے ہو؟"

"مصری باشندہ ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا میں یہی سوچ رہا تھا کہ تمہارے خدوخال اتنے مانوس کیوں ہیں۔ تم مجھے اس جزیرے کے بارے میں بتاؤ؟"

"آزاد جزیرہ ہے چیف۔ بردہ فروشوں اور اسمگلروں کی جنت۔ آدھی دنیا کے جرائم پیشہ لوگ یہاں آتے ہیں۔ یورپ' امریکہ اور ایشیا کے باشندے۔ غلاموں کی سب سے بڑی منڈی کہلاتا ہے۔ اور کوئی حکومت اس طرف توجہ نہیں دیتی۔ لانچیں اور جہاز آتے ہیں۔ غلام لاتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ غلاموں کو فروخت کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور خریدنے والے بھی۔ اس کے علاوہ یہاں منشیات کی تجارت بھی اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ انھی لوگوں نے یہاں بازار کا بندوبست بھی کیا ہے اور ضرورت کی ہر شے یہاں موجود ہے چونکہ یہاں آنے والے جرائم پیشہ ہوتے ہیں' اس لئے ان سے زیادہ قیمتیں بھی نہیں وصول کی جا سکتیں چنانچہ قیمتیں معمول پر ہیں۔ اس کے باوجود دوکان دار خوب دولت کماتے ہیں۔ کچھ ان کے محافظ ہیں جو ان سے اپنا حصہ وصول کر کے انھیں لٹیروں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ غرض ہر شخص یہاں کماتا ہے۔ مگر آپ ــــ چیف آپ یہاں کچھ خریدنے آئے ہیں یا فروخت کرنے۔ آپ کی آمد کا مقصد؟"

"وہ بھی بتا دوں گا کسی وقت۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے مسٹر منصور! یہ سوال میں نے صرف اس لئے کیا ہے آپ سے' کہ معلومات حاصل کر سکوں اور اگر میری ضرورت کہیں پیش آ جائے تو اپنی خدمات پیش کر دوں۔"

"ہاں مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"آپ کا جہاز یا لانچ۔ میرا مطلب ہے ماسٹر آپ اپنے جہاز سے آئے ہیں یا کسی اور ذریعے سے؟"

"یہ بھی بعد میں بتاؤں گا بہروز۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "کچھ اور بتاؤ بہروز۔ ابھی تو بہت سی باتیں تشنہ ہیں۔"

"آپ سوالات کریں چیف۔"

"یہاں کی زندگی کے بارے میں۔ اتنے سارے جرائم پیشہ ایک جگہ جمع کیسے زندگی گزارتے ہیں؟" اس سے قبل کہ بہروز اس سوال کا جواب دیتا گلاب نے کافی لا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ بہروز نے اسے چکھ کر دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"جرائم پیشہ لوگ جس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا تصور بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کے ڈیرے ہیں جہاں ان کی اجارہ داری ہوتی ہے وہ اور ان کے دوست رنگ رلیاں مناتے ہیں اور دشمنی ہوتی ہے تو گولیاں چلتی ہیں اور دس بیس لاشیں گر جاتی ہیں اور اس کے بعد سکون ہو جاتا ہے۔ میرے جیسے دلال بھی یہاں کمانے کی غرض سے آ جاتے ہیں اور خدمت گزاری کر کے کچھ کما لیتے ہیں۔ بڑے بڑے جوئے ہوتے ہیں جو کبھی ایمان داری سے ہوتے ہیں اور کبھی بے ایمانی سے لوٹ مار بھی ہو جاتی ہے۔ غرض یہاں اپنے طور پر جینا ہوتا ہے۔"

"غلاموں کے خریدار کون ہوتے ہیں؟"

"وہ جنھیں غلاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"عورتیں بھی فروخت ہوتی ہوں گی؟"

"کافی تعداد میں۔"

"یہ غلام کہاں رکھے جاتے ہیں؟" میں نے پوچھا اور بہروز چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی کالی حسین آنکھوں میں بے پناہ تجسس ابھر آیا تھا اور پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"اسی طرح کے غلام باڑے ہوتے ہیں جیسے یہ خیمے ہیں۔ لیکن ایک سوال کو میں اپنے ذہن میں نہیں روک پا رہا ماسٹر۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔"

"کسی کی تلاش میں آئے ہو یہاں۔ کوئی کھو گیا ہے تمہارا؟"

"کیا مطلب؟"

"جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا سو فی صد مطلب ہے آقا۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بہروز۔ ویسے یہ جہاز اور لانچیں کہاں رکتی ہیں؟"

"مشرقی ساحل کے انتہائی سرے پر۔ وہاں ان کے لئے جیٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ مغربی ساحل جو ان بلندیوں کے دوسری سمت ہے۔ غیر آباد اور گندہ ہے ادھر ویرانی پھیلی ہوئی ہے اور وہ قابل استعمال نہیں ہے۔"

"ہوں۔ تمہارا شکریہ۔ تمہارا قیام کہاں ہے بہروز؟"

"کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے چیف۔ جہاں جگہ ملتی ہے وہیں لیٹ کر سو جاتا ہوں۔ میں خیمے کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ۔ اگر تم چاہو تو ہماری اس قیام گاہ پر آرام کر سکتے ہو۔ مجھے خوشی ہو گی۔"

"آپ کی اس پیش کش کا شکریہ ماسٹر۔ میں اس سے فائدہ ضرور اٹھاؤں گا۔ رات کو سرد موسم ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی دشمنی بھی ہو گئی ہے ان دونوں سے یہ لوگ ہیں تو

بزدل مگر ہر بزدل شخص مکار بھی ہو سکتا ہے۔"

"کون لوگ؟"

"جونی اور پوکر کی بات کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے وہی دونوں بروکر جو آپ کے پاس آئے تھے۔ میں نے ان کے بزنس کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ ایک بار مرمت بھی کر چکا ہوں سالوں کی۔"

"دونوں کی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں چیف۔ زندگی گزارنے کے لئے کچھ گر بھی سیکھے ہیں' ان کے بغیر اس دنیا میں گزارا مشکل ہے اور پھر مجھے یہ پتہ چل گیا تھا کہ بس یہ دونوں تنہا ہیں اور کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ورنہ میں ان سے نہ ٹکراتا اور یوں بھی بڑے فراڈ ہیں' کوئی سودا کرائیں تو اپنا کمیشن الگ سے رکھتے ہیں۔ ابھی چند دن قبل انھوں نے دو کلو چرس فروخت کرائی تھی نو ہزار ڈالر کے حساب سے۔ پورے چھ ہزار ڈالر مار لئے۔ چرس بارہ ہزار کے حساب سے فروخت ہوئی تھی۔ دو ہزار روپے کمیشن الگ لیا بیچنے والوں سے۔"

"چرس۔" دفعتاً میں دھک سے رہ گیا۔ میرے ذہن میں وہ دس کلو چرس آ گئی جو اتفاق سے میرے پاس محفوظ تھی۔

"چرس یہاں آسانی سے فروخت ہو جاتی ہے؟"

"ہوا میں اڑنے والا آئیٹم ہے چیف۔ کوئی بو بھی سونگھ لے تو چکر لگانے لگتا ہے۔"

بہروز نے کہا اور میرے ہاتھ پاؤں مسرت سے پھولنے لگے۔ یہ تو امداد غیبی ہوئی تھی۔ بن سالک کے اس تحفے سے تو میری ساری مصیبتیں دور ہو سکتی تھیں۔ حالانکہ میں نے ایک بار بھی اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ دوران سفر کشتی میں ضائع بھی ہو سکتی تھی۔ یوں بھی بس گلاب ہی اسے دوسرے سامان کے ساتھ کشتی سے لے آیا تھا۔ ورنہ شاید وہ کشتی میں ہی رہ گئی ہوتی۔

"کس حساب سے فروخت ہو سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر اچھی کوالٹی ہے ماسٹر تو بارہ سے چودہ ہزار ڈالر فی کلو تک جا سکتی ہے۔ ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں۔ بات کرو۔"

"اوہ۔ کتنی ہے؟"

"دس کلو کے قریب۔"

"دس کلو۔" بہروز کے چہرے پر عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ "مجھے کیا کمیشن دو گے چیف؟"

"زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کراؤ۔ عمدہ کمیشن دوں گا۔"

"آہ۔ یہ میرا بڑا پہلا سودا ہو گا۔ مجھے اس کی تھوڑی سی مقدار دے دو چیف۔ میں آج ہی بات کروں گا۔ بس بہت تھوڑی سی۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ صبر مجھ سے بھی نہیں ہوا تھا۔ میری نگاہ میں وہ بے حقیقت شے تھی۔ میں تو وزن کم کرنے کے لئے اسے پھینک رہا تھا۔ بس یونہی حفظ ما تقدم کے طور پر رکھ لیا تھا۔ لیکن....

بہرحال، سامان کے پاس جا کر میں نے چرس اپنے قبضے میں لے لی اور پھر اس میں سے تھوڑی سی نکال کر میں نے نمونے کے طور پر بہروز کو دے دی۔ بہروز مجھ سے اجازت لے کر ہوا ہو گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں پھر اس انوکھے جزیرے کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے سوچا تقدیر کے کھیل بھی انوکھے ہوتے ہیں۔ میں اس جزیرے سے بچ کر بھاگا تھا لیکن ممکن ہے سمندر کی لہروں نے ہمیں اسی لئے یہاں پہنچا دیا ہو کہ ہمیں بیرونی دنیا میں جانا نصیب ہو جائے۔ ویسے یہاں کی روایات بہت دلچسپ تھیں۔ چرس اگر واقعی فروخت ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ ابھی تو یہاں بہت کام کرنا تھا۔ خود کو اس ماحول میں چاق و چوبند رکھنا تھا ورنہ یہ مجرموں کی بستی تھی۔

میں نے گلاب اور اس کے ساتھیوں کو اس کے بارے میں ہدایات تو دے دی تھیں لیکن نہ جانے وہ بے چارے میری ہدایات پر صحیح طور سے عمل بھی کر سکتے تھے یا نہیں۔ سیدھے سادے جاہل لوگ تھے۔

رات گئے تک بہروز واپس آیا۔ اس کے ساتھ دو افراد اور موجود تھے یہ لوگ عربی لباس میں تھے اور کاروباری قسم کے لوگ معلوم ہوتے تھے "میں نے ان سے بات کر لی ہے آقا۔ یہ ساری چرس خریدنے کے لئے تیار ہیں لیکن قیمت کا مسئلہ نہیں طے ہو پایا۔"

"کیا چاہتے ہیں یہ؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ساڑھے چودہ ہزار ڈالر کے حساب سے بات کی ہے۔ مگر یہ تیرہ ہزار سے آگے نہیں بڑھ رہے۔" بہروز نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اس دام میں یہ اعلیٰ کوالٹی فروخت نہیں کی جا سکتی۔" میں نے کہا اور وہ دونوں میری خوشامد کرنے لگے۔ بہت سی باتیں کیں انھوں نے اور بالآخر چودہ ہزار پر بات طے ہو گئی انھوں نے اپنے لباس سے بڑی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میرے سامنے ڈھیر کر دیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار ڈالر تھے پورے۔ میں نے چرس ان کے حوالے کر دی۔

دونوں چلے گئے تو میں نے مسکراتے ہوئے بہروز کی طرف دیکھا۔ "لو تم بھی اپنا کمیشن لے لو بہروز۔"

"جو چیف عنایت فرمائیں۔" اس نے کہا۔

"جو دل چاہے اٹھا لو۔"

"نہیں چیف اپنے ہاتھ سے۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے دس ہزار ڈالر کے نوٹ اس کی طرف کھسکا دیئے اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور نوٹ قبول کر لئے۔ عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔

"کافی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بہت بڑی نوازش ہے ماسٹر۔ میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔" وہ بولا "یہ میرا سب سے بڑا سودا ہے۔"

"اور اب؟" میں نے مزید دس ہزار ڈالر اس کی طرف بڑھا دیئے تو وہ سہم گیا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ان نوٹوں کی طرف دیکھا اور پھر وحشت زدہ انداز میں بولا۔

"یہ کیا ماسٹر۔ ان کا میں کیا کروں؟"

"تم نے ان دونوں کے بارے میں بتایا تھا بہروز کہ انھوں نے فراڈ کر کے صرف دو کلو چرس سے چھ سات ہزار ڈالر کمائے تھے میرے خیال میں دس کلو چرس کا کمیشن دس ہزار ڈالر کم ہے، اس لئے یہ دس ہزار ڈالر تمہاری شرافت اور ایمانداری کا انعام ہیں۔"

اس کے چہرے پر مختلف کیفیت نظر آنے لگی۔ کبھی وہ مسرت سے ہمکنار ہو جاتا اور کبھی ایک عجیب سی حیرت اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگتی پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "شکریہ۔ بہت بہت شکریہ ماسٹر آپ۔ آپ۔"

میں نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اسے نوٹ اٹھا لینے کی ہدایت کی اور اس نے تمام نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے پھر وہ باہر چلا گیا۔

میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ عجیب سا نوجوان تھا۔ کم سن مگر بے حد باعمل۔ نہ جانے اس کی کیا کہانی ہے۔ بہرحال میرے لئے تو وہ بہت بڑا سہارا بن گیا۔ اگر یہ چرس نہ ہوتی اور وہ مجھے اس کے بارے میں نہ سمجھاتا تو یقیناً میرے لئے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں اور نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا لیکن اب میں یہاں کچھ وقت آرام سے گزار سکتا تھا۔

دوسرے دن ابتدائی ضروریات سے فارغ ہو کر میں بہروز کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بہروز بہت خوش تھا اور مجھ سے نہایت عزت سے پیش آ رہا تھا۔ میں نے بادیان کی سیر شروع کر دی۔ قہوہ خانے دیکھے۔ خیمہ بستیاں دیکھیں۔ ان کے درمیان ہر رنگ ہر نسل کے لوگ موجود تھے۔ سب کے سب اپنے مشاغل میں مصروف تھے اور کوئی کسی کی جانب متوجہ نہیں تھا پھر ہم غلام باڑوں کی طرف نکل گئے۔ بے بس لاچار انسان پنجروں میں قید تھے۔ اس جدید دور میں انسانیت کی یہ تذلیل تصور میں بھی نہیں آتی تھی۔ قیدی جیل میں ہوتے ہیں مگر وہ ہوتے ہیں جو کسی جرم کی پاداش میں قید کیے جاتے ہیں لیکن یہ بے گناہ مجرم تھے۔ دل میں ہمدردی کی لہریں اٹھ رہی تھیں لیکن میں بھی ان کی مانند بے بس تھا۔ میں ان کے لئے

کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں بھی تو حالات کا قیدی تھا۔ وہ لوگ پنجروں کے اندر تھے اور میں باہر۔

قیدیوں کی نیلام گاہ دیکھی اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ نیلام روزانہ چار بجے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ عجیب گہماگہمی تھی۔ پھر طویل فاصلہ طے کر کے سمندر کے اس دوسرے کنارے تک پہنچے تھے جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ یہاں زندگی کا کوئی وجود نہیں ہے اگر ہم کشتی کے ذریعے تھوڑا سا فاصلہ طے کر لیتے تو یقیناً لانچوں اور جہازوں کے اس شہر کے پاس پہنچ جاتے جو سمندر میں آباد تھا۔ جدید ترین لانچیں' چھوٹے جہاز اور بادبانی کشتیاں یہاں بہت بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ میں انھیں دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

"یہاں کی خوبی ہے کوئی انسان دوسرے کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔" بہروز نے کہا۔

"تم اکثر یہاں رہتے ہو بہروز؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں چیف۔ پہلی بار آیا ہوں۔"

"تین ماہ ہوگئے تمہیں؟"

"ہاں وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہیں یہاں آنے کا خیال کیسے آیا؟"

"بس چیف۔ حالات...."

ہم دونوں ساحل سمندر سے ہی واپس چل پڑے تھے' میں نے بہروز کی جانب دیکھا اور پھر سوال کیا۔

"میری باتوں سے اکتا تو نہیں رہے بہروز؟"

"نہیں چیف۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ ہم نے پورا جزیرہ ہی دیکھ ڈالا ہے' کچھ اور جگہیں باقی ہیں یہاں؟"

"جزیرہ تو بہت طویل و عریض ہے چیف لیکن جو کام کی چیزیں ہیں وہ میں آپ کو دکھا چکا ہوں' جوں جوں سورج ڈھلتا جائے گا رونق بڑھتی چلی جائے گی' ویسے یہاں کا موسم معتدل ہے۔"

"یوں محسوس ہوتا ہے بہروز' جیسے تم بات ٹال رہے ہو۔"

"کون سی بات چیف؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں تمہارے بارے میں کرید رہا تھا۔"

"بے کار ہے چیف' میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں' بس کچھ خواہشات یہاں کھینچ لائیں' کچھ مقاصد ذہن میں ہیں' انہیں پورا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں' ہر کام کر لیتا ہوں چیف' کھیل تماشوں میں بھی حصہ لے لیتا ہوں اور کبھی کبھی جوا بھی کھیل لیتا ہوں

لیکن چیف جوئے میں میری تقدیر یاوری نہیں کرتی۔ ابھی نشانہ بازی میں حصہ لیا تھا۔ میرا نشانہ خاصا اچھا ہے' یوں سمجھیں کہ اس جزیرے پر بس پستول میرا ساتھی ہے لیکن ظاہر ہے مجھ سے اچھے نشانہ باز بھی پڑے ہوئے ہیں' میں سو ڈالر ہار گیا' آپ یقین کریں چیف' اتنا رنج ہوا تھا مجھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"سو ڈالر ہارنے کا؟"

"ہاں چیف' میرے لئے ایک ایک پیسہ بے حد قیمتی ہے' میں نے کوئی خیمہ اس لئے نہیں لیا کہ اس کے اخراجات ادا کرنے ہوں گے۔ مختصر سا کھانا کھاتا ہوں اور بس ایک لباس ہے میرے پاس' میں ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ میری خواہش ہے چیف کہ میں بہت ساری دولت جمع کر لوں۔"

"ہوں اور اس کے بعد مصر لوٹ جاؤ!"

"ہاں چیف۔"

"مصر میں تمہارے عزیز و اقارب ہوں گے؟"

"نہیں چیف کوئی نہیں ہے۔"

"محبوبہ بھی نہیں؟" میں نے مسکرا کر سوال کیا اور اس نے گردن جھکالی۔

"نہیں چیف۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"انوکھے انسان ہو' بہرصورت بہروز اس لئے نہیں کہ تم میرے گائڈ بنے ہو' بلکہ تمہاری شخصیت ایسی ہے کہ تم مجھے بے حد پسند آئے ہو۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں چیف' ویسے ایک بات میں آپ سے بھی عرض کروں؟"

"ہوں ہوں ضرور۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"چیف یہاں آنے والے اچھے لوگ نہیں ہوتے' مجھے نہ آپ چرس کے سوداگر نظر آتے ہیں اور نہ ہی بردہ فروش' جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ شکل سے غلام لگتے ہیں اور یں محسوس کرتا ہوں کہ ان سے آپ کا کوئی قریبی ذہنی رابطہ بھی نہیں ہے اس کے بعد یہ وال میرے ذہن میں تشنہ رہ جاتا ہے کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ چیف' انسانوں کی تھوڑی ی تمیز مجھے بھی ہے' آپ ان برے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ برے لوگوں میں جذبہ مدردی یا دوستی نہیں ہوتا' وہ تو صرف اپنی مطلب براری چاہتے ہیں اور دوسرے کو حقیر نگاہ ے دیکھتے ہیں۔ آپ کے اندر ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں ے چیف کہ آپ یہاں کیسے آگئے؟"

"طویل کہانی ہے بہروز۔ تم سے چھپانے کو بھی جی نہیں چاہتا لیکن خوفزدہ بھی ہوں پنے حالات سے۔"

"میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا چیف لیکن بہروز برا انسان نہیں ہے' آج نہ سہی

جب بھی دل چاہے آپ اس پر مکمل اعتبار کر لیں اور اسے اپنے بارے میں بتا دیں۔"

"ٹھیک ہے تم وعدہ کر چکے ہو کہ راتیں میرے ساتھ ہی گزارو گے، کسی وقت اس موضوع پر بھی بات کر لیں گے، میں آخری بار کہہ رہا ہوں بہروز کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

"میں بے حد شکر گزار ہوں چیف۔" بہروز نے جواب دیا۔

ہم لوگ جس راستے سے گئے تھے اس سے واپس نہیں آئے تھے بلکہ ہم نے ایک دوسری سمت اختیار کی تھی۔ یہاں جگہ جگہ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ بے کار لوگ فالتو اوقات میں وقت گزاری کے لئے کچھ نہ کچھ کر لیا کرتے تھے، ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ یہاں ہر قدم پر جوا ہوتا ہے، کسی نہ کسی شکل میں، ایک جگہ میں نے نشانہ بازوں کا اجتماع دیکھا۔ بہروز کو نشانہ بازی سے کافی دلچسپی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے گولیوں کی آواز سن کر کہا۔

"چیف ذرا ایک منٹ، اگر آپ بور نہ ہوں تو۔"

"نہیں نہیں چلو۔" میں نے جواب دیا اور ہم لوگ نشانہ بازی کے اس مجمعے میں جا کھڑے ہوئے۔

میکسیکو کے دو باشندے ایک مخصوص ٹارگٹ پر نشانہ لگا رہے تھے، ایک میز بچھی ہوئی تھی جس پر ڈالروں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں۔ غالباً مقابلہ جوئے کی شکل میں ہو رہا تھا۔ میکسیکو کے دونوں باشندے ابھی تک بڑی بڑی رقمیں جیت چکے تھے۔ ایک لمحے کے لئے دل میں امنگ اٹھی کہ میں بھی اس مقابلے میں حصہ لوں، بہروز مجھ سے زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ میکسیکو کے دونوں باشندے وہاں کھڑے ہوئے تمام لوگوں کو نشانہ بازی کے لئے چیلنج کر چکے تھے۔ بہروز نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"میں بھی کوشش کروں چیف۔ بس سو ڈالر لگاؤں گا، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" وہ آگے بڑھا، میں بھی اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔ بہروز نے جیب سے سو ڈالر کے نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیئے اور کنڈیکٹر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کس کے ساتھ نشانہ بازی کرو گے؟"

"جس کا دل چاہے۔" اس نے جواب دیا اور میکسیکو کا باشندہ اس کی جانب مڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ طویل القامت اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا شخص، خاصا خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

"صرف سو ڈالر؟" اس نے حقارت بھرے انداز میں کہا۔

"میری یہی پوزیشن ہے۔ ماسٹر، اگر آپ پسند کریں تو....." بہروز نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے بعد کوئی تناؤ نہ رہا میکسیکو کے باشندے نے ہنستے ہوئے پستول اٹھایا اور بہروز

کی جانب دیکھنے لگا۔ "آجاؤ۔" بہروز آگے بڑھ گیا۔ میکسیکو کے باشندے نے بھی سو ڈالر نکال کر بہروز کی گڈی کے ساتھ رکھ دیئے۔ میں دلچسپی سے یہ نشانہ بازی دیکھنے لگا۔ تین ٹارگٹ مقرر کیے گئے تھے، چنانچہ پہلے ٹارگٹ پر دونوں نے نشانہ لگایا اور دونوں کا نشانہ بالکل صحیح بیٹھا۔ دوسرے ٹارگٹ پر بہروز کا نمبر کم رہ گیا۔ اب تیسرا اور آخری ٹارگ تھا۔ چنانچہ بہروز نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس ٹارگٹ پر نشانہ لگایا اور اس کے بعد میکسیکن نے۔

بہروز ہار گیا تھا۔ اس کا چہرہ اتر گیا اور وہ جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹ آیا۔

"میں نے کہا نا ماسٹر۔ جوئے میں میری تقدیر ساتھ نہیں دیتی۔"

"ہوں۔ ذرا اپنا یہ پستول مجھے دکھاؤ بہروز۔" میں نے کہا اور بہروز نے پستول میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اس کی شست دیکھی اور پھر میں خود بڑھ آیا۔ میں نے جیب سے پانچ سو ڈالر کے نوٹ نکال کر میز پر رکھے تھے۔ کنڈیکٹر نے جلدی سے یہ نوٹ سنبھال لیے اور مجھ سے وہی سوال کیا جو بہروز سے کیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جس کا دل چاہے مقابلہ کر لے، میں ہارنا چاہتا ہوں۔" وہی میکسیکن، جس نے بہروز سے مقابلہ کیا تھا میرے قریب آ گیا اور تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے مسٹر، ضرور ہاریں۔ ہم کب منع کرتے ہیں۔ اس نے پانچ سو ڈالر کے نوٹ میرے نوٹوں کے ساتھ رکھ دیئے۔ مقابلہ ہوا اور میں بڑے اطمینان کے ساتھ ہار گیا۔ میکسیکن ہنسنے لگا تھا۔

"زبان کے پابند معلوم ہوتے ہو دوست، کیا خیال ہے مزید ہارنا ہے یا بس؟"

"جیسا تم کہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آؤ۔"

اور اس بار میں نے جیب سے ایک ہزار ڈالر نکال کر میز پر رکھے تھے۔ میکسیکن نے بھی اتنی ہی رقم میری رقم میں ملا دی اور اس کے بعد پھر مقابلہ شروع ہوا، اس بار میں پھر ہار گیا تھا، میکسیکن ہنسنے لگا۔ تب میں نے پانچ ہزار ڈالر کے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور بہروز کا چہرہ اتر گیا۔

"چیف میرا خیال ہے بس کیا جائے۔ آپ ڈیڑھ ہزار ڈالر ہار چکے ہیں۔"

"تھوڑے سے اور ہارنے دو، کیا حرج ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میکسیکن بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ویسے اس دوران میں، میں اس کی نشانہ بازی کا جائزہ لے چکا تھا۔ بہت اعلیٰ نشانہ باز نہیں تھا۔ بس ٹھیک ٹھاک ہی تھا لیکن اس بار میں پانچ ہزار ڈالر ہارنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دو دفعہ اس کے ساتھ نشانہ بازی کر کے میں نے اس کے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔

میں نے پستول میں کارتوس ڈالے اور شست لے کر کھڑا ہو گیا۔ ٹارگٹ پر نمبر بنے ہوئے تھے۔ ایک سے لے کر سو نمبر تک تھے۔ ایک نمبر بہت باریک اور درمیانہ تھا لیکن دوران میں اس میں ایک بھی سوراخ نہیں ہوا تھا۔ بات ستر اسی اور پچاس تک چل رہی تھی لیکن اس بار میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میکسیکن کو نیچا دکھانا ہے۔ چنانچہ میں نے پہلی بار نشانہ لگایا اور ستر نمبر کے خانے میں سوراخ ہو گیا۔ میکسیکن نے نشانہ لگایا اور چالیس تک پہنچ گیا۔ دوسری بار میں نے نشانہ لگایا تو میرا یہ نشانہ تیس پر تھا۔ بہروز خوشی سے اچھل پڑا لیکن میکسیکن اب سنبھل گیا تھا۔ اس نے نشانہ لگایا اور انتہائی کوشش کرنے کے بعد بیس تک آ گیا۔ میرا تیسرا نشانہ دس پر تھا اور میں نے یہ بھی رسک لیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو نمبر ایک تک جا سکتا تھا لیکن اس طرح مقابلے کی موجودہ شکل ختم ہو جاتی۔

میکسیکن نے مجھے بغور دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ تیسرا نشانہ اس نے لگایا اور وہی ہوا جس کا مجھے یقین تھا۔ اس کا یہ نشانہ پچاس پر تھا۔ بہروز خوشی سے اچھل پڑا۔ اور کنڈیکٹر کی جانب لپکا۔ کنڈیکٹر نے پانچ پانچ ہزار ڈالر کے نوٹ ہماری جانب بڑھا دیئے تھے۔ بہروز نے پھرتی سے انہیں اٹھا لیا۔ میکسیکن اب کسی قدر جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے دوست' بس یا کچھ اور؟"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"میری مرضی نہیں۔ یہ تو اصول کی بات ہے۔ تمہیں کم از کم دس راؤنڈ کھیلنا ہوں گے اور ان دس راؤنڈ میں جو بھی فیصلہ ہو۔"

میں نے بڑے اطمینان سے گردن جھکا دی تھی۔ اس بار بھی بازی پانچ پانچ ہزار کی رہی اور میں نے نہایت اطمینان سے یہ بازی جیت لی۔ دس سے نیچے تک میں ابھی نہیں گیا تھا جبکہ میکسیکن کوشش کر کے پندرہ تک آ پہنچا تھا۔ ساتویں بازی میں میرے پاس تقریباً ساٹھ ہزار ڈالر جمع ہو چکے تھے اور میکسیکن کے چہرے پر خونخوار تاثرات نظر آ رہے تھے۔ آٹھویں بازی لگائی گئی اور میکسیکن نے مجبور کیا تھا کہ اس بار ہم بیس بیس ہزار ڈالر کی بازی لگائیں۔

میرے پاس تو اب جیتی ہوئی رقم ہی اتنی موجود تھی کہ میں اس بار آسانی سے ہار سکتا تھا۔ آٹھویں بازی میں بیس بیس ہزار ڈالر کی رقم لگائی گئی اور اس بار میں نے ایک نمبر کو داغ دیا۔ جب کہ میکسیکن پھر ستر نمبر پر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنا پستول نیچے پھینک دیا اور دونوں شانے ہلا کر واپس مڑ گیا۔

"بس......"

"کیوں مسٹر باقی دو بازیاں نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ میں اگر چاہتا تو اصولی طور پر اس کو مجبور کر سکتا تھا۔ خواہ دس دس ڈالر کی بازی ہی لگائی جاتی لیکن میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا تھا' بہروز کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ اس نے تمام نوٹ فوراً ہی اکٹھے کیے اور اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ میں نے ذرا بھی تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس چل پڑے تھے بہت سے لوگ ہماری جانب متوجہ ہو گئے تھے

"بہت بڑی بازی جیتی ہے آپ نے ماسٹر۔ آپ تو قیامت کی چیز نکلے' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن میرا یہ تجربہ بھی ہے ماسٹر کہ جو لوگ خاموش رہتے ہیں۔ بے حد عجیب ہوتے ہیں' اب تو میرے دل میں آپ کے لئے کچھ اور جاننے کا اشتیاق بھی بڑھ گیا ہے۔"

وہ پر مسرت انداز میں کہہ رہا تھا۔ اور میں مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے بھی اپنے جیتنے کی خوشی تھی۔ اب تو اچھی خاصی رقم میرے پاس جمع ہو گئی تھی۔ ویسے اگر میں چاہتا تو یہاں کے ہنگاموں میں دلچسپی لے کر اچھی خاصی رقم بنا سکتا تھا بہروز بار بار نوٹوں کی گڈیوں کو تھپ تھپانے لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ رقم اس کی اپنی ہو۔

چار بجے کے بعد نیلام شروع ہو گیا اور میں نے انسانوں کو بکتے ہوئے دیکھا۔ غلام باڑوں کے سامنے لکڑی کے بڑے بڑے تخت ڈال دیئے گئے تھے۔ غلام عقب سے آتے اور ان تختوں پر کھڑے ہو جاتے' نیلام کرنے والا ان کی کچھ......... خصوصیات بتاتا اور اس کے بعد ان کی نیلامی شروع ہو جاتی۔ میں نے انسانیت کی یہ تذلیل زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ اس سے قبل صرف سنا ہی تھی لیکن آج میں نے گوشت پوست کے جسموں کو بکتے ہوئے دیکھا تھا' میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ پھر کچھ لڑکیاں بھی فروخت کی گئیں جنہیں بڑے شوق سے خریدا گیا تھا نوجوان لڑکیاں تھیں اور شرم و حیا سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ درحقیقت غلام نہیں تھیں بلکہ حالات کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ میں ان کی بد قسمتی پر کڑھتا رہا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا' کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زمانہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا تھا۔ روایتیں آج بھی جوں کی توں ہیں' بس کچھ شکلیں بدل گئی ہیں۔ سب کچھ جدید ہو گیا ہے اور میں اس جدید دور کو کوستا ہوا وہاں سے واپس آیا۔

طبیعت پر تکدر چھا گیا تھا لیکن بہروز اب بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا' خیمہ گاہ میں پہنچ کر اس نے نوٹوں کی تمام گڈیاں نکال کر میرے سامنے ڈال دیں۔

"مبارک باد پیش کرتا ہوں ماسٹر۔ اچھی خاصی رقم جیت لی' ویسے میں نے محسوس کیا ہے کہ نیلام گھر سے واپسی کے بعد آپ کچھ ست ہو گئے ہیں۔"

"ہاں بہروز۔ انسان کی خرید و فروخت میرے لئے دکھ کا باعث ہے۔" میں نے کہا۔

بہروز نے گردن جھکا لی' چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔

"میں تو عادی ہو چکا ہوں چیف۔ ابتدا میں میری بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔ ویسے

چیف تمہارا نشانہ بے حد شاندار ہے۔ میرا خیال ہے تم یہاں بے شمار لوگوں کو قلاش کر کے واپس جا سکتے ہو۔ ایسا انوکھا نشانہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تمہیں اپنے ہاتھ پر قدرت حاصل ہے' تم ہر گولی ایک نمبر پر مار سکتے تھے لیکن تم آہستہ آہستہ ان لوگوں کو اشتعال دلا رہے تھے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر میں نے دس ہزار ڈالر کے نوٹ نکالے اور ان کی گڈی بہروز کی طرف بڑھا دی۔

"لو بہروز یہ رکھ لو۔" بہروز ایک بار پھر ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ ...... یہ کیوں چیف؟"

"بس یہ تمہارا کمیشن ہے۔"

"نہیں چیف۔ اس سلسلے میں' میں نے کچھ نہیں کیا' چنانچہ میں اس کمیشن کو لینے کا حق دار نہیں ہوں اور چیف آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ رقم میں نے ہی جیتی ہے۔ نہیں چیف' میں آپ کی محبت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ میں...... میں خود بھی اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں چیف بس حالات کی بات کہیں۔" اس کی آواز میں ایک کرب ناک سی کیفیت ابھر آئی اور میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"بہروز مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟"

"بتاؤں گا چیف۔ خدا کے لئے ابھی کچھ مت پوچھو۔ موقع آنے دو۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ نوٹ رکھ لو۔ میں فیصلہ کر چکا تھا۔ بلکہ جس وقت جیتا تھا اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس میں سے دس ہزار ڈالر تمہارے ہوں گے۔"

"چیف میرے ضمیر پر چوٹ پڑے گی۔ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"بہروز۔ ضمیر بہت اچھی چیز ہے' لیکن تم جس مقصد کے لئے آئے ہو اسے پورا کرو اور ان فضول باتوں میں نہ پڑو۔" میں نے اسے مجبور کیا تو اس نے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لئے لیکن اس کی کیفیت عجیب تھی اور اسی رات وہ خیمہ گاہ میں میرے خیمے میں آ گیا۔ آج شاید وہ کہیں نہیں گیا تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے جیب سے تیس ہزار ڈالر کے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور میرے سامنے رکھ دیں پھر دوسری جیبوں میں ہاتھ ڈال کر تقریباً بارہ ہزار ڈالر اور نکالے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ ہوئے کل بیالیس ہزار ڈالر چیف' اور میرا خیال ہے میرے دل میں اس سے زیادہ کمانے کی آرزو نہیں تھی۔ میری تقدیر میرا ساتھ دے رہی ہے کہ یہ رقم میرے پاس جمع ہو گئی' ورنہ نجانے کتنا عرصہ لگ جاتا۔ نجانے میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوتا یا

نہیں۔"

"کیا مقصد ہے تمہارا بہروز۔ یہ تو بتاؤ؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گا چیف' ابھی نہیں بتاؤں گا۔ کسی قیمت پر نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر..... یہ نوٹ کیوں نکالے ہیں؟"

"چیف' میری خواہش ہے کہ تم انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ میرے پاس یہ غیر محفوظ رہتے ہیں' اتنی بڑی رقم لے کر میں منحنی سا آدمی گھوم پھر نہیں سکتا۔ میں ان کی حفاظت نہیں کر سکتا چیف' اور ایک عرض میں اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو؟"

"میں نے آپ سے عرض کیا تھا' نا چیف کہ میں آپ کو پورا دن نہ دے سکوں گا اور اپنا کاروبار کرتا رہوں گا لیکن چیف اس رقم کی موجودگی کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"بس چیف مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو اس میں میرا کام بن جائے گا۔"

"تمہاری مرضی ہے بہروز۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ پیسہ کمانے آئے ہو تو اس کا کوئی ٹارگٹ نہ بناؤ جس قدر حاصل کر سکتے ہو کر لو۔"

"نہیں چیف بس مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کو کسی طور پریشان نہیں کروں گا لیکن بس اب میں آپ کے ساتھ ہوں۔ جب تک آپ یہاں قیام کرنا چاہیں کریں اور جب واپس جائیں تو پھر دیکھا جائے گا۔"

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ دو تین دن میں نے اس جزیرے پر اسی انداز میں گزارے۔ اس کے بعد میں نے کسی مقابلے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ میں زیادہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گلاب اور اس کے ساتھی بس زندگی گزار رہے تھے۔ ویسے میں نے انہیں بھی اچھی خاصی رقم دے دی تھی اور اجازت دی تھی کہ وہ جزیرے پر گھومنا چاہیں تو گھوم سکتے ہیں' وہ نکل بھی جاتے تھے۔ تھوڑی بہت خریداری بھی کی تھی انہوں نے اپنے لئے۔ بس معمولی معمولی سی چیزیں' بہت مختصر سی خواہشات تھیں ان کے سینوں میں یقینی طور پر ان کے دلوں میں ایک ہی لگن ہو گی کہ کسی طرح وہ اپنے اپنے وطن پہنچیں۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا لیکن ابھی حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک ایک قدم پھونک کر اٹھانا تھا۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میں کس طرح دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرے دشمن ممکن ہے مجھے تلاش کرتے ہوئے

یہاں پہنچ گئے ہوں' نجانے کن کن حالات سے گزر کر ہمیں آزادی نصیب ہو سکے۔ بہروز
اب ہر وقت میرے ہی کیمپ میں رہتا تھا۔ ابھی تک میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا
سیر و تفریح میں بھی دلچسپی لیتا تھا۔ کشتیوں کے مقابلے ہوتے۔ مارشل آرٹس کے مقابلے
ہوتے۔ دل تو چاہتا کہ کبھی میں بھی کسی تفریح میں حصہ لوں لیکن میں نے یہ کوشش نہیں
کی تھی اور مقصد یہی تھا کہ میں اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کسی سے کوئی دشمنی
مول نہیں لینا چاہتا تھا پھر ایک شام میں نے بہروز سے اس موضوع پر بات کی۔ "بہروز' اس
جزیرے پر آئے ہوئے مجھے کئی دن گزر گئے ہیں۔ میں یہاں کا ماحول اور یہاں کے حالات
دیکھ چکا ہوں۔ یہ عجیب و غریب جزیرہ میرے لئے انتہائی تعجب خیز ہے لیکن بہر صورت اب
میں یہاں سے جانے کا خواہش مند ہوں۔"

"حاتنی جلدی چیف؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں کیوں۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"نن نہیں چیف۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس آپ سے' آپ سے ذرا طبیعت لگ
گئی ہے۔"

"تم اگر چاہو تم میرے ساتھ واپس چلو بہروز' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مشکلات
میں نہ پڑنے دوں گا۔ تمہاری دولت کمانے کی خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے' بس باقی
تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے چہرے پر غم و اندوہ کے آثار پھیل گئے اور وہ غمگین
لہجے میں بولا۔

"نہیں چیف سوری' میں ابھی یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"ہوں' تمہاری مرضی ہے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن اب میں تمہارے
سپرد یہ ذمہ داری کرنا چاہتا ہوں کہ تم میری واپسی کا بندوبست کرو' اس کے کیا ذرائع ہوتے
ہیں۔"

"جہاز آتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں چیف۔ میں معلوم کر لوں گا کہ تازہ ترین
روانگی کس جہاز کی ہے۔ اگر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر میں بات کئے لیتا ہوں۔ پوچھ
لوں گا کہ وہ کہاں جائیں گے اور اتنے افراد کو کسی مناسب جگہ چھوڑنے کا کیا معاوضہ لیں
گے۔"

"ہاں بہروز۔ فوری طور پر یہ معلومات حاصل کرو۔"

"کل ہی لیجئے چیف' میں تمام تفصیلات مہیا کر دوں گا آپ کو۔" اس نے کہا اور میں
نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن بہروز صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔ شام تک وہ واپس نہ آیا
شام کو ساڑھے سات بجے کے قریب جب وہ ہماری خیمہ گاہ میں واپس پہنچا تو اس کا چہرہ بڑا

طرح اترا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب کی لہریں تھیں اور وہ بہکا بہکا سا نظر آ رہا
تھا۔ اس نے مجھے کسی قدر نڈھال لہجے میں بتایا۔

"آج سترہ تاریخ ہے باس۔ دو تاریخ کو ڈمیارا نامی جہاز یہاں سے روانہ ہو رہا ہے۔
گویا سب سے پہلے جہاز کی روانگی میں ابھی پندرہ دن باقی ہیں۔ اس سے قبل کوئی جہاز نہیں
جا رہا۔ ڈمبارا کا کپتان ایک افریقی کرچن ہے۔ میں نے ابھی...... اس تک رسائی تو نہیں
حاصل کی لیکن اس کے نائب سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ نائب کا کہنا ہے کہ ڈمبارا مصر
کے ساحلی علاقوں سے گزرے گا اور سویز کے ایک مخصوص کنارے پر جو آبادیوں سے تقریباً
ستر میل دور ہے کچھ لوگوں کو چھوڑے گا۔ نائب نے کہا ہے کہ وہ بارہ پندرہ آدمیوں کے
لئے گنجائش نکال سکتا ہے اور اس کے خیال میں کپتان فی آدمی کم از کم چھ ہزار ڈالر مانگے گا'
چیف میرا خیال ہے پانچ پانچ ہزار ڈالر میں معاملہ طے ہو سکتا ہے لیکن کیا تم مصر جانا پسند کرو
گے۔ وہاں سے تمہیں اپنے وسائل سے کام لینا ہو گا۔"

"وہ تو تمہارا ملک ہے بہروز۔"

"ہاں چیف وہ میرا ملک ہے' میرا وطن ہے وہ۔" بہروز نے حسرت بھرے لہجے میں
کہا۔

"پھر تم نے کیا کیا اس سلسلے میں؟"

"چیف آپ سے بات کئے بغیر میں نے اسے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ کیا
اتنی رقم دے کر آپ یہاں سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہیں؟"

"سو فی صد۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بس ٹھیک ہے چیف۔ میں اس سے بات کر لوں گا۔ میں نے اس سے یہی کہا ہے
کہ کل جواب دوں گا۔ ہمارے کتنے افراد ہیں چیف؟"

"پندرہ۔ تمہیں علم ہے اور اگر تم خود بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ تو پھر سولہ
افراد۔" میں نے جواب دیا اور بہروز نے دوسری طرف رخ بدل لیا۔

"بہروز کیا بات ہے؟" میں نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف
موڑا۔ بہروز کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

"اوہ ڈیئر۔ تمہاری مصروفیت میری سمجھ میں نہیں آئی' اگر تم مجھ پر بھروسہ کر کے
مجھے اپنے بارے میں بتا دیتے تو یقیناً میں تمہارے لئے کسی طور غلط نہ ثابت ہوتا۔ اس دنیا
میں تو ہر شخص کو کسی نہ کسی ہمدرد اور ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے بہروز۔ تنہا کوئی بھی
زندگی اور حالات سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم اگر مجھے یہ بتا دیتے کہ تمہارا یہاں رکنے کا کوئی
خاص مقصد ہے تو برا نہ ہوتا بہروز۔ میرا خیال ہے میں تمہیں اپنے بارے میں بھی تفصیل
سے بتا ہی دوں۔"

"چیف میں کچھ دیر کی اجازت چاہتا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"اوہو جانا ہے کہیں۔ ویسے تم میری روانگی سے ہی پریشان ہو یا اور کوئی بات بھی ہے؟"

"چیف مجھے اجازت دے دیجئے۔" اس نے عاجزی سے کہا اور میں حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگا پھر میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بہروز' اگر تم جانا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔ واپسی کب تک ہو جائے گی؟"

جلدی کوشش کروں گا چیف لیکن اگر دیر ہو جائے تو محسوس نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ بہروز آج مجھے ضرورت سے زیادہ ہی پریشان نظر آ رہا تھا اور میں اس کی پریشانی کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔ میرے ذہن میں کرید لگی ہوئی تھی۔ اس نوجوان سے واقعی مجھے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ ویسے میری نگاہ میں اس کی شخصیت بھی پراسرار تھی۔ بظاہر شریف النفس سا آدمی لگتا تھا۔ دولت کمانے کی ہوس بھی اس میں اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن اس کی باوجود وہ یہاں رکنا چاہتا تھا بلکہ اب تو اس نے کمانا چھوڑ ہی دیا تھا اور میرے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن پھر یہاں رکنے کا مقصد' کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ جہاز کے بارے میں' میں نے جو کچھ تفصیل سنی تھی اس نے واقعی مجھے مسرور کر دیا تھا پھر میں نے یہ خوشخبری گلاب اور اس کے ساتھیوں کو بھی سنانا ضروری سمجھی بے چارے بڑے صبرو سکون سے گزر کر رہے تھے۔ ایک بار بھی انہوں نے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ اب میرا کیا ارادہ ہے۔ وہ مجھ پر مکمل اعتماد کرتے تھے' چنانچہ میں اس اعتماد کو مجروح ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی ذہنی پریشانیاں عروج پر پہنچ جائیں اور وہ میرے بارے میں غلط انداز میں سوچنے لگیں۔ چنانچہ میں اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سب گفتگو کر رہے تھے۔

"کیا بات چیت ہو رہی ہے دوستو؟" میں نے سوال کیا۔ تو ان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی خاص نہیں۔" گلاب نے جواب دیا۔ "بس یونہی' ہم اپنی اپنی باتیں کر رہے تھے۔" گلاب کہنے لگا۔

"ہوں۔ جزیرہ بادیان دیکھا تم لوگوں نے؟"

"ہاں منصور۔ بڑی عجیب جگہ ہے' سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ روئے زمین پر ایسی ایسی جگہیں بھی موجود ہیں۔"

"ہاں گلاب' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ جزیرہ اپنی طرز کا انوکھا ہے۔ اسے دیکھ کر قدیم داستانیں ذہنوں میں زندہ ہو جاتی ہیں۔ ہم ان داستانوں کو صرف قصے کہانیوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ یہ اب بھی اسی طور زندہ ہیں۔" پھر میں نے انہیں یہاں

سے روانگی کے انتظامات کے بارے میں بتایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھے۔

میں ان کی خوشیوں میں کافی دیر تک شریک رہا پھر اپنے خیمے میں واپس آگیا اور آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ دیر تک بہروز کا انتظار "کرتا رہا' پھر نیند آگئی لیکن دوسری صبح بھی بہروز کو موجود نہ دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"ارے بہروز نہیں آیا؟" میں نے گلاب سے سوال کیا۔

"نہیں منصور بھائی۔ رات کو وہ نہیں پہنچا۔"

"کمال ہے' کہہ کر تو یہ گیا تھا کہ واپس آ جائے گا۔ نجانے کن چکروں میں الجھا ہوا ہے یہ شخص۔ کاش یہ میرے ساتھ ہی روانہ ہو سکتا۔ میں نے سوچا اور پھر دوپہر تک میں بہروز کا انتظار کرتا رہا' جب وہ اس وقت بھی نہ پہنچا تو میں اس کی تلاش میں نکل گیا' جزیرے کے مختلف حصوں میں' میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن بہروز کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا۔ مجھے تشویش لاحق ہو گئی' یہاں کے حالات میں اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا۔ جگہ جگہ جھگڑے ہوتے نظر آتے' خنجر زنی ہوتی اور ایک دو آدمی ہلاک ہو جاتے۔ ایسے کئی واقعات میری نگاہوں میں آچکے تھے معمولی معمولی سے جھگڑے ہوتے تھے لیکن ان کے نتائج بڑے سنگین ہوتے تھے۔ یہاں کوئی قانون نہیں تھا بس جس کا دل چاہتا کسی سے بھی الجھ پڑتا۔ طاقتور ہوتا تو فتح حاصل کر لیتا۔ کمزور ہوتا تو شکست کھاتا۔ کہیں بہروز بھی کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہو گیا۔ تقریباً پانچ بجے جب میں اپنی خیمہ گاہ میں واپس پہنچا تو بہروز آ چکا تھا۔

اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا' آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا اور میں بے چینی اور پریشانی سے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ارے بہروز۔ بہروز سنبھالو بھئی خود کو......... کیا بات ہے بہروز' مجھے نہیں بتاؤ گے؟" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور اس نے عجیب سے انداز میں اپنا سر میرے سینے پر لگا دیا۔

"چیف' ماسٹر میرا مشن ختم ہو گیا۔ میرا مشن ختم ہو گیا۔" وہ بلک بلک کر رونے لگا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا' بس میں بچوں کے سے انداز میں اسے تسلیاں دے رہا تھا کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بمشکل تمام میں بہروز کو خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کے دل کا غبار نکل چکا تھا اور اب وہ کسی قدر پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"میں نے بڑی جدوجہد کی ماسٹر' میں نے اتنا کچھ کیا کہ میں نہیں کر سکتا تھا لیکن تقدیر میرا ساتھ نہ دی سکی' میرا بھائی میرا انتظار نہیں کر سکا' وہ سب کچھ ہو گیا جو میں نہیں چاہتا تھا۔"

"تمہارا بھائی؟"

"ہاں منصور میرا بھائی' میرا سعید۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے

آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے، میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بہروز میں بدنصیب ہوں کہ تمہاری پریشانی اور تمہارے درد سے ناواقف ہوں۔ تمہیں خود سے اتنا قریب پاتا ہوں بہروز کہ بیان نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود تم سے اجنبی ہوں، کیا تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتا سکتے، میری خواہش ہے بہروز کہ تم مجھے اپنی پریشانی اور درد بتا دو۔"

"بدنصیب میں ہوں چیف کہ اب اس ساری دنیا میں میرا کوئی نہیں، بس ایک بھائی تھا میرا، وہ بھی موت کے بے رحم شکنجے میں جا پھنسا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو گیا ہے۔"

"کہاں تھا تمہارا بھائی؟"

"یہیں اسی جزیرے پر۔"

"بادیان پر؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کہاں تھا وہ؟" میں حیرت سے بولا۔

"ایک غلام باڑے میں۔ غلام کی حیثیت سے۔" اس نے جواب دیا اور میں ششدر رہ گیا۔ یہ انکشاف میرے لئے واقعی حیرت ناک تھا۔

"بہروز براہ کرم مجھے تفصیل بتاؤ؟"

"اب رہ کیا گیا ہے چیف۔ اب کیا رہ گیا ہے میرے لئے اس زندگی میں، میں تنہا رہ گیا ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔" اس نے کہا اور آستین سے آنسو خشک کرنے لگا۔ میں نے جلدی سی رومال نکال کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیا تھا۔ بہروز روتا رہا پھر اس نے کہا۔

"چیف، سعید برہان میرا بھائی تھا۔ میرا اکلوتا بھائی جس نے مجھے اولاد کی طرح پرورش کیا تھا۔ وہ حالات کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو گیا تھا کہ اس نے شرافت کی زندگی چھوڑ دی اور برائیوں میں پڑ گیا لیکن مجھے کانوں کان اس کی خبر نہیں لگ سکی تھی پھر چیف، ایک دن یوں ہوا کہ اس نے خود کو جوئے میں ہار دیا۔ کچھ بردہ فروشوں نے اس پر قابو پا لیا۔ اس نے ان سے اجازت لے کر ایک خط لکھا تھا مجھے۔ اس نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ ہاری ہوئی رقم کا بندوبست کر دے تو اسے رہا کر دیا جائے اور انہوں نے میرے بھائی کی یہ بات منظور کر لی لیکن چیف ہمارے حالات ایسے نہ تھے کہ ہم ایک بھاری رقم ادا کر سکتے۔ میرے بھائی نے بڑے درد بھرے انداز میں مجھے ساری تفصیل لکھی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر رقم کا بندوبست نہ ہو سکا تو وہ مجھے نہ مل سکے گا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر لی چیف، اتنی کوشش کر لی کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن میں اپنے بھائی کی رہائی میں کامیاب نہ ہو سکا مجھے

جگہ نہیں معلوم تھی جہاں میرا بھائی قید تھا۔ کیونکہ خط میں اس بارے میں کوئی تفصیل لکھی گئی تھی، میں پاگل ہو گیا تھا، میں انتہائی کوشش کرتا رہا لیکن اپنے بھائی کی رہائی کامیاب نہ ہو سکا البتہ میری جدوجہد نے مجھے ان لوگوں سے تھوڑی سی واقفیت دلا دی جو میرے بھائی کو جیت چکے تھے یہاں تک کہ معلومات کرتے کرتے مجھے پتہ چلا کہ ے بھائی کو جزیرہ بادیان روانہ کر دیا گیا ہے۔ میں نے بادیان کے بارے میں تفصیلات لوم کیں اور اس جزیرے کے بارے میں مجھے مکمل معلومات حاصل ہو گئیں۔ تب میں ے سروسامانی کی حالت میں ایک جہاز کے ذریعے یہاں کے لئے چل پڑا۔ میرے پاس بہت ہوں سی رقم تھی جو میں نے جہاز کے کپتان کو یہاں تک پہنچنے کے لئے ادا کی تھی۔ یہاں آکر میں اپنے بھائی کی رہائی کی کوششیں کرتا رہا۔ مجھے اپنا بھائی نظر آ گیا تھا۔ میرا بھائی ایک ام باڑے میں قید تھا اور مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ وہ ابھی تک فروخت نہیں ہوا تھا اور ی کی وجہ یہ تھی چیف کہ وہ بری طرح بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی بیماری شدید تھی اور وہ جن وں کے پاس تھا وہ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ میں نے کسی نہ کسی طرح کچھ رقم حاصل رلی اور اس غلام باڑے کے ایک متولی کو تیار کر لیا کہ وہ میرے بھائی کا علاج کرے اس م کے ذریعے میرے بھائی کا چھوٹا موٹا علاج ہوتا رہا مجھے اس کے بارے میں مزید معلومات ہیں مل سکیں، بس اس رقم سے صرف یہ ہوتا تھا کہ میں کبھی کبھی اپنے بھائی کی شکل دیکھ کرتا تھا لیکن مجھے اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں ملی تھی، انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ رے بھائی کو میری یہاں موجودگی کا علم نہیں ہے۔ بہرطور میں اس سے مطمئن تھا پھر میں ے معلومات حاصل کیں چیف کہ میرا بھائی کتنی قیمت میں فروخت ہو سکتا ہے، مجھے پتہ چلا ہ غلاموں کی بلکہ تندرست غلاموں کی قیمت پچیس سے تیس ہزار ڈالر تک ہوتی ہے اور یف، میں اس رقم کے حصول کے لئے کوشاں ہو گیا۔ میں نے دن رات محنت شروع کر ا، جس طرح بھی ممکن ہوتا میں تھوڑی بہت رقم جمع کر لیتا۔ اس طرح چیف میں نے کل رہ ہزار ڈالر جمع کئے۔ یہ ڈالر میں نے جس طرح جمع کیے اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ ں نے دنیا کا ہر کام کیا۔ کون سا کام ایسا تھا جو میں نے نہیں کیا۔ سامان اٹھایا۔ مزدوری کی، لوں کی باتیں سنیں اور ہر ممکن کوشش کر لی جیسے آپ بھی جانتے ہیں، میں اس کے صحت ب ہونے سے قبل اس کی قیمت جمع کر لینا چاہتا تھا تاکہ جب وہ فروخت ہو تو میں اسے رید لوں۔ ہاں چیف میں زیادہ سے زیادہ رقم جمع کر لینا چاہتا تھا تاکہ اس کی بڑی سے بڑی ست جو لگائی جائے اس سے کچھ زیادہ ادا کر کے میں اس کا مالک بن جاؤں۔ چیف مجھے ہاری دنیا میں اپنے بھائی کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ میری زندگی کا واحد سہارا تھا یکن تقدیر نے مجھے یہ موقع نہیں دیا۔ کل شام میرا بھائی مر گیا۔ ہاں وہ مر گیا۔ مجھے متولی نے یا تھا کہ اس کی حالت بہت خراب ہے، میں نے متولی سے درخواست کی تھی کہ مجھے اپنے

بھائی سے دو باتیں کرنے کی اجازت دی جائے لیکن وہ خوفزدہ تھا کہ اگر اس کا مالک اس بات کی بھنک پا جائے گا تو اسے سخت سزا دے گا' چنانچہ اس نے منظور نہ کیا البتہ جب اس کی لاش غلام باڑے سے نکلوا کر ویرانے میں پھینکوا دی گئی تو میں اس کے قریب پہنچ گیا مگر چیف۔" ایک بار پھر بہروز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں اس کی کہانی سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ میرا دل شدت غم سے بھر گیا تھا مجھے اپنی بہن اور ماں یاد آ گئی تھیں۔ میں بہروز کا بھرپور ہمدرد اور غم گسار تھا' جس طرح بھی ممکن ہو سکا میں نے اسے تسلیاں دیں اور پھر میں نے پوچھا۔

"بہروز تم نے اپنے بھائی کی لاش کی تدفین کر دی؟"

"ہاں چیف اسی میں مصروف تھا۔"

"افسوس بہروز۔ تم نے مجھے اس میں شریک نہیں کیا۔"

"چیف' مجھے معاف کر دیں' میری تمام باتوں کے لئے مجھے معاف کر دیں' میں ذہنی طور پر سخت پریشان تھا' میں کس قدر تنہا ہوں' میری کیا حالت ہے اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں اب میں اس دنیا میں تنہا ہوں' بالکل تنہا اور چیف کیا تنہا آدمی کو زندہ رہنے کا حق ہے؟ کیا مجھے زندہ رہنا چاہیے' کیا میں اپنے وطن واپس جاؤں' کیا کروں گا وہاں جا کر' کوئی بھی تو نہیں ہے میرا' اس بھائی کے علاوہ میرا کوئی بھی تو نہیں تھا۔" وہ روتا رہا اور میں اسے تسلیاں دیتا رہا اور اسے اپنی آپ بیتی سنائی۔ بمشکل تمام میں اسے سمجھانے میں کامیاب ہوا تھا پھر میں نے اسے پیش کش کی۔

"میری خواہش ہے بہروز کہ تم خود کو پرسکون رکھو' ہم یہاں سے ساتھ ساتھ مصر چلیں گے اور اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ میرے وطن چلنا' تم اس ماحول کو چھوڑ دینا جو تمہیں تمہارے بھائی کی یاد دلاتا رہے گا۔"

بہروز نے گردن جھکالی۔ میری اس پیش کش کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

رات کو میں نے بہروز کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کی دلجوئی کرتا رہا۔ مجھے اس سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ صبح کو میں نے اس سے کہا۔ "بہروز! میرے بارے میں اب تم سب کچھ جان گئے ہو اور اب یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ مجھے یا میرے ساتھیوں کو ایک لمحہ بھی اس جزیرے پر ٹھہرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور اب میں تمہیں بھی یہاں نہیں رکنے دوں گا۔ تم کچھ بھی کہو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تم میرے ساتھ رہو گے۔ اس لئے آؤ ہم ڈمبارا کے کپتان سے بات کر لیں اور پھر یہاں سے روانگی کی تیاریاں کرتا ہوں گی۔" اس نے گردن ہلا دی اور ناشتے وغیرہ کے بعد ہم باہر آ گئے۔ میں خاموشی سے بہروز کے ساتھ چل رہا تھا۔

ساحل پر حسب معمول وہی زندگی تھی۔ وہی چہل پہل تھی بہروز نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے ڈمبارا کے نائب کو تلاش کیا۔ نائب اس وقت ڈمبارا کے کپتان رابرٹ البانو کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ رابرٹ البانو ایک بدنما چہرے کا مالک قوی ہیکل انسان تھا۔ اس نے گہری سیاہ آنکھوں سے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"تم ان لوگوں کے لیڈر ہو۔ کیا تم ہی معاملے کی بات کرو گے؟"

"ہاں۔ میں ان کا لیڈر ہوں۔"

"میرے نائب نے مجھے بتایا تھا کہ ایک شخص پندرہ افراد کے ساتھ واپسی چاہتا ہے۔ کیا تم سب مل کر پندرہ ہو؟"

"سولہ۔ ہم کل سولہ افراد ہیں۔"

"معاوضہ وہی چھ ہزار ڈالر فی آدمی ہو گا۔"

"منظور ہے۔" میں نے جواب دیا اور البانو کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لگتا ہے بہت عمدہ کمائی کی ہے۔ کیا لائے تھے؟"

"یہ بتانا ضروری ہے مسٹر رابرٹ؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ یہ ایک دوستانہ سوال تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"چرس۔" میں نے نرم ہو کر کہا۔

"اوہ۔ یقیناً یقیناً۔ اس جزیرے پر چرس سب سے قیمتی چیز ہے اور عام قیمت کی نسبت چار گنا قیمت پر فروخت ہو جاتی ہے۔ نہ جانے کیوں لوگ یہاں زیادہ چرس نہیں لاتے۔ بہر حال دوست' ادائیگی پیشگی ہو گی۔ سامان میں ہتھیار ساتھ نہیں جائیں گے۔ سویز کے ایک غیر آباد علاقے میں لانچ سے اتار دیا جائے گا۔ منظور ہے؟"

"ٹھیک ہے یہ باتیں تمہارے نائب نے بتائی تھیں۔"

"اور سنو۔ دو تاریخ سے پہلے بھی اگر جانا چاہو تو بندوبست ہو سکتا ہے۔ میری ایک لانچ دو ایک دن میں پہنچنے والی ہے وہ فوراً واپس جائے گی۔ چونکہ تمہاری تعداد تسلی بخش ہے اس لئے میں تمہیں اس میں بھجوا سکتا ہوں۔

"یہ اور اچھی بات ہو گی۔"

"تو پھر پیشگی نکالو اور روانگی سے ایک دن قبل پوری ادائیگی کر دو۔ تمہاری بکنگ ہو جائے گی۔"

"یہ دس ہزار ڈالر ہیں۔" میں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔ البانو نے گڈی اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی اور نائب سے بولا۔ "معزز گاہک کے کوائف معلوم کر لو اور ان کی بکنگ کر لو۔"

"ایک بات اور مسٹر البانو۔" میں نے کہا اور وہ سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ "تم ہمیں لانچ سے بھجواؤ یا جہاز سے یہ بتاؤ کیا اس میں آرام دہ سفر کا بندوبست ہو گا یا ہمیں بھی غلاموں کی طرح اس میں ٹھونسو گے؟"

"نہایت پر سکون اور آرام دہ سفر۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ وعدہ رہا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ البانو کے نائب کووب فوشڈ نے ایک رجسٹر میں ہمارا نام درج کیا۔ ہم سے ہماری خیمہ گاہ کے بارے میں معلوم کیا اور پھر ایک شخص کو ہمارے ساتھ کر دیا تاکہ ہماری خیمہ گاہ دیکھ آئے۔ ہم وہاں سے سیدھے خیمہ گاہ پر آ گئے تھے۔

بہروز کے اب کہیں جانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ختم ہو گیا تھا۔ غم و اندوہ کے تاثرات اس کے چہرے پر منجمد ہو گئے تھے۔ وہ دکھوں میں ڈوب گیا تھا اور اس کا دکھ برحق تھا۔ ساری دنیا میں اس کا ایک بھائی ہی تھا اور اب وہ تنہا تھا۔

میں اس کا دکھ بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا اور صرف میری وجہ سے وہ بے چارہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا دوسرے دن ہم بازار میں جا کر کچھ خریداری کرنے لگے۔

ایک جگہ کشتیاں ہو رہی تھیں' زور آور قوت جسمانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہم تفریحاً وہاں کھڑے ہو گئے۔ بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ دفعتاً" میری نگاہ ایک شخص پر پڑی اور میں شدت حیرت سے اچھل پڑا۔ میری پھٹی پھٹی آنکھیں اس شخص پر جم گئیں۔ یہ بن سالک تھا۔ سو فی صد وہی تھا۔ اس کی نگاہیں مجمعے میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

میں نے دفعتاً" بہروز کا بازو دبایا اور بہروز مجھے دیکھنے لگا۔

"آؤ۔" میں آہستہ سے بولا اور وہ پیچھے ہٹ آیا۔

"کوئی خاص بات ہے منصور؟"

"ہاں بہروز۔ آجاؤ واپس چلیں۔"

"چلو۔ مگر بات کیا ہے؟" بہروز نے میرے انداز میں کوئی خاص بات محسوس کر لی تھی۔

"بن سالک یاد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بن سالک؟" بہروز نے دہرایا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں بھول گیا۔"

"وہی شخص جس نے مجھے چرس فروخت کرنے کے لئے دی تھی۔"

"اوہ۔ ہاں یاد آگیا۔"

"وہ یہاں موجود ہے۔"

"یہاں؟"

"ہاں میں نے ابھی اسے دیکھا ہے۔"

"اوہ۔ ممکن ہے تمہاری تلاش میں ہی آیا ہو۔"

"ہاں اس بات کا امکان بھی ہے۔ بہر حال ہمارے ہاتھوں اسے چوٹ ہوئی ہے لیکن ں سے بھڑنا نہیں چاہتا۔ ہم لوگ یہاں سے نکلنے والے ہیں۔ اس وقت کسی دشمن کی ا ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"اب کوئی خاص مسئلہ تو ہے نہیں' ہمیں اپنی خیمہ گاہ میں رہنا چاہیے اور لانچ کا رنا چاہیے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے لیکن ایک کام کریں منصور۔"

"کیا؟"

"مجھے بتاؤ کون سا ہے وہ؟" بہروز نے کہا۔

وہ دیکھو۔ وہ جو سیاہ چغہ پہنے ہوئے ہے' وہ دراز قامت شخص۔" میں نے اشارہ

"جس کے سر پر بھوری عقال ہے۔"

"ہاں وہی۔"

"ٹھیک ہے اب تم خیمہ گاہ میں جاؤ منصور۔ یہ مجھے تو نہیں جانتا۔ میں اس پر نگاہ ا گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے منصور لیکن یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ یہ کس مقصد کے آیا ہے۔ میں یہ کام بہ آسانی کر لوں گا تم بالکل بے فکر رہو بلکہ میں اس کے قریب کی کوشش بھی کروں گا تاکہ حالات سے باخبر رہوں۔"

"اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے بہروز۔"

"ہے منصور۔ براہ کرم مجھے میرا کام کرنے دو اور سنو ممکن ہے اس کے قریب آنے ئد میں خیمہ گاہ کا رخ نہ کروں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک اس پر بھرپور

نگاہ رکھی جائے جب تک کہ ہماری روانگی کا بندوبست نہ ہو جائے۔ منصور تم مجھ پر بھرو
کرو میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گا جس میں کوئی الجھن پیش آئے' تمہیں مجھ پر بھرو
رکھنا چاہیئے۔"

بہروز کے اصرار پر میں مجبور ہو گیا اور میں نے اسے بن سالک پر نگاہ رکھنے
اجازت دے دی۔ اس کے بعد میں واپس اپنی خیمہ گاہ کی جانب چل پڑا۔ خیمہ گاہ میں پہنچا
ان غلاموں کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا جو یمنی اور مصری وغیرہ تھے۔ گلاب اور اس
دونوں ساتھی سیرو تفریح کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ مجھے ان کی طرف سے بھی تشویش
گئی' بن سالک انہیں بھی پہچان سکتا تھا۔

تقریباً شام کو سات ساڑھے سات بجے کے قریب گلاب گھبرایا گھبرایا سا خیمہ گاہ
پہنچا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اوراس کی آنکھوں سے عجیب سے تاثرات
رہے تھے۔ اس کے ساتھ اس کے دونوں ساتھی نہیں تھے۔ وہ تیر کی طرح میری طرف
تھا اور میں نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا کہ یقیناً کوئی خاص بات ہے' ممکن ہے اس
بھی بن سالک کو دیکھ لیا ہو۔

"منصور۔ منصور بھائی غضب ہو گیا۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"منصور' وہ کم بخت' وہ ...وہ انیل گواسکر......"

"کیا مطلب؟" اس بار میں اچھل پڑا۔

"وہ یہیں موجود ہے۔"

"انیل گواسکر؟" میں نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں منصور۔ وہی کم بخت تھا۔ آٹھ نو آدمی تھے اس کے ساتھ۔ بازار میں' میں
اسے دیکھا تھا۔"

"تمہیں پورا یقین ہے؟"

"سو فیصد مجھے اپنی آنکھوں پر بھروسہ ہے۔"

"اس نے تمہیں نہیں دیکھا؟"

"نہیں مجھے یقین ہے۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں۔ تمہارے ساتھ نہیں تھے؟"

"گئے تو میرے ساتھ ہی تھے لیکن راستے میں الگ ہو گئے تھے......"

"ہتھیار درست کر لو گلاب۔ ممکن ہے اس خونی جزیرے پر ہمیں بھی کوئی خونی
کھیل کھیلنا پڑے۔"

"یہ کم بخت یہاں کیسے آ گیا؟"

"سو فیصد ہماری تلاش میں۔"

"مگر اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس طرف آ سکتے ہیں؟"

"اب پورا کھیل میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بن سالک نے انہیں ہماری نشان دہی کر
ہے۔"

"بن سالک؟"

"اس بستی کا سربراہ جہاں ہم نے پناہ لی تھی۔ میں ابھی بن سالک کو دیکھ کر آیا
ں۔"

"اوہ۔ وہ بھی ہے؟"

"خوفزدہ ہو گلاب؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"حالات خراب ہو گئے ایک دم۔ اب تو ہمارے یہاں سے نکلنے کے امکانات پیدا ہو
ہے تھے لیکن نہ جانے تقدیر کیا چاہتی ہے۔"

"یہ زندگی کے کھیل ہیں گلاب۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح اب
ں سب کچھ ٹھیک ہوتا رہا ہے اب بھی ہو جائے گا لیکن تم میری ہدایت شاید بھول رہے
کہ حالات سے ہمیشہ مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے گلاب' زندگی اسی نشیب و فراز کا نام
ہے۔"

"ہوں۔" گلاب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "سارے نشیب و فراز ہماری ہی
دگی میں آ گئے ہیں منصور۔ آخر ہمیں زندگی کے ان امتحانات سے کب نجات ملے گی؟"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں گلاب۔ تم اس جزیرے کو دیکھ چکے ہو۔ تم نے غلام
ڑوں میں بند ان غلاموں کو بھی دیکھا ہو گا۔ کیا تمہارے خیال میں ان کے سینوں میں دل
ں ہیں۔ وہ انسان نہیں ہیں' ان سے پوچھو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہے۔"

گلاب خاموشی سے گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ "سنو گلاب' ابھی تو بہت سے
ئموں سے گزرنا ہے۔ ابھی تو لاتعداد مسائل ہیں ہمارے لئے۔ خود کو کمربستہ رکھو۔ ہتھیار
ار کر لو۔ ہمت سے کام نہ لیا تو ان غلام باڑوں میں نظر آؤ گے اور زندگی اس سے زیادہ تلخ
جائے گی۔"

"پھر ایک کام کرو منصور بھائی۔" گلاب نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں سوالیہ
ہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیسا کام؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے پاس ہتھیار موجود ہیں' ان لوگوں کی قیام گاہ کا پتہ چلاؤ اس کے بعد انہیں
م رسید کر دو۔ اس جزیرے پر کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم
نے دیکھا تھا پہاڑیوں پر جنگ ہوئی تھی۔ کئی افراد کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی تھیں لیکن کسی

نے بھی ان کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ کسی نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی
لاشوں کا کیا ہوا۔ وہ کون لوگ تھے اور کیوں مارے گئے۔اس طرح میرے خیال میں
خیمہ تباہ کر دو۔ ہم خود ہی پہل کر ڈالیں بجائے اس کے کہ وہ ہم پر قابو پائیں۔" گلا
کہا۔ میں نے اس کے چہرے پر نفرت کی سلگتی' آگ دیکھی تھی اور میرے ہو
مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ گلاب ان الجھنوں سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ
تھا۔ میں نے اسے پرسکون کرتے ہوئے کہا۔"ایسا بھی کریں گے گلاب' لیکن وقت کا
کرو۔"

"وقت وقت....وقت صرف الجھنیں پیدا کرتا ہے منصور بھائی۔ خدا کی لئے
الجھن میں مت پڑو' ہم انہیں کچا چبا جائیں گے۔ ہم انہیں زندہ نہیں چھوڑیں
تیاریاں کر لو منصور بھائی' میری بات مان لو' میں نے پہلی بار تم سے کوئی بات کہی ہے۔

"میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا گلاب' میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری
تم سب قابل احترام ہو اور میں ہر معاملے میں تم سے مشورے لیتا رہا ہوں' بس تھ
انتظار کر لو سنو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بن سالک بھی ان کے ساتھ ہے' میں اسے
آیا ہوں۔ ہمیں یہ اندازہ لگا لینا چاہیئے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اس کام کے لئے میں
انتظام کر لیا ہے۔"

"کیسا انتظام؟" گلاب چونک کر بولا۔

"تم نے میرے ساتھ بہروز کو نہیں دیکھا؟"

"ہاں۔ بہروز کہاں ہے؟"

"بن سالک کے پیچھے۔ میں نے اسے بن سالک کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ ہم
کے درمیان اجنبی ہے۔ بن سالک یا انیل گواسکر یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ہمارا سا
سکتا ہے' وہ ان کے درمیان رہے گا اور ان کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرتا
گا۔"

"اوہ تو تم یہ کام کر چکے ہو؟" گلاب نے تعجب سے پوچھا اور میں نے مسکر
ہوئے گردن ہلا دی پھر میں نے کہا۔

"ہاں گلاب' بہروز نے خود ہی اس کی پیش کش کی تھی۔ وہ انتہائی مخلص آدمی
بہرصورت تم فکر مت کرو۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اپنی تیاریاں مکمل رکھو' کسی
وقت ہم ان سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"میں تیار ہوں آپ بالکل بے فکر رہیں اور منصور اب میرے دل میں خوف کا
شائبہ نہیں ہے۔ وہ دونوں گدھے نجانے کہاں گھومتے پھر رہے ہیں' کیا میں انہیں تلاش
کے لاؤں؟"

"نہیں رہنے دو۔ وہ پہنچ جائیں گے۔ بس ایک خطرہ ہے کہ کہیں ان کے ذریعے
انیل گواسکر کو یا بن سالک کو ہماری خیمہ گاہ کا علم نہ ہو جائے۔"

"میں انہیں تلاش کرنے جاؤں؟"

"نہیں گلاب تم آرام کرو اور ان لوگوں کو تیار کر لو۔ ان سے بھی کہہ دو کہ ان کی
زندگی اسی میں چھپی ہوئی ہے کہ وہ مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے میں انتظامات کئے لیتا ہوں۔" گلاب نے کہا اور چلا گیا۔ میں خود بھی
گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

رات گئے تک بہروز واپس نہ آیا۔ پوری رات گزر گئی پھر دوسرا دن بھی۔ وہ
دونوں آدمی بھی آ گئے تھے جو گلاب کے ساتھی تھے لیکن ان دونوں نے کوئی خاص بات نہیں
بتائی تھی۔ میں نے خیمہ گاہ کے باہر بھی نگاہ دوڑائی رکھی' خیمے میں ہی چھپ کر قرب و جوار
میں نگاہ رکھی' خیمے میں ہی چھپ کر قرب و جوار میں نگاہ دوڑائی۔ چاروں طرف دیکھا کہ
کہیں کوئی خیمہ گاہ کی نگرانی تو نہیں کر رہا لیکن ایسی کوئی شخصیت قرب و جوار مین نظر نہیں
آئی' چنانچہ میں مطمئن ہو گیا۔

الجھنیں بے شمار بڑھ گئی تھیں' بہروز کی غیر موجودگی بھی میرے لئے پریشان کن
تھی' دل چاہتا تھا کہ باہر نکل کر اسے تلاش کروں لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ وہ ایک چالاک
نوجوان ہے' اس سے قبل بھی وہ ان خطرناک لوگوں کے درمیان رقومات جمع کر رہا تھا' ہرچند
کہ اس کے دل میں ایک مقصد تھا ان تمام باتوں کا اور جب انسان کے ذہن میں کوئی مقصد
ہوتا ہے تو اس کی جدوجہد اور ذہنی صلاحیتیں بے حد بڑھ جاتی ہیں اور اب اس کا یہ مقصد
ختم ہو گیا ہے کہیں کسی مصیبت میں نہ پڑ گیا ہو لیکن مصیبت کا امکان نہیں تھا۔ وہ تین
ساڑھے تین ماہ سے یہاں موجود تھا اور یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے
اس کے بارے میں فکر مند ہونا مناسب نہیں تھا۔ ذہن پریشان تھا۔ دل چاہتا تھا کہ لڑے
بھڑے بغیر یہاں سے نکل جاؤں۔ بہتر ساتھی نہیں تھے اور پھر مجھے انسانی زندگیوں سے کھیلنے کا
شوق بھی نہیں تھا۔ قتل و غارت گری سے جس قدر بچا جائے بہتر ہے لیکن حالات اسی
طرف گھسیٹ کر لا رہے تھے۔

رات کا ایک بجا ہو گا کہ مجھے خیمہ گاہ کے عقب میں کوئی آواز سنائی دی اور میں
اچھل کر بیٹھ گیا۔ خیمے کے نیچے کے حصے میں سے ایک چاقو بر آمد ہوا اور اس نے خیمے کی
چادر کاٹ دی۔ میں اب ہر معاملے سے نمٹنے کے لئے تیار تھا پھر میں نے ایک رائفل اندر
داخل ہوتی دیکھی۔ دوسری رائفل اور پھر تیسری۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

چار رائفلیں اندر آ گئیں اور اس کے بعد کارتوسوں کی پیٹیاں۔ ان چیزوں کے بعد
ایک انسان بھی رینگ کر اندر آ گیا اور میں نے اسے بخوبی پہچان لیا۔ یہ بہروز تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ بہروز اندر داخل ہو کر کھڑا ہوا تو مجھے مستعد دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ "مجھے خطرہ تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کس بات کا؟"

"یہی کہ تم مستعد ہو گے اور کہیں یوں نہ ہو کہ اس طرح اندر داخل ہونے سے میری ہی شامت آ جائے۔" وہ ہنس پڑا۔ اسے ہنستے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بہروز؟"

"اسلحہ.........اور تمہارے دشمن کا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"لمبی کہانی ہے 'مزے لے لے کر سناؤں گا۔" بہروز نے کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں ان رائفلوں کو دیکھنے لگا اور اس کے بعد میں نے انہیں اٹھا کر رکھ دیا۔

"ہاں بھئی کیا کہانی ہے؟"

"بن سالک تنہا نہیں ہے۔ وہ اپنے طور پر نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہے۔ پورا گروہ چودہ افراد پر مشتمل ہے اور اس کا سربراہ ایک شخص انیل گواسکر ہے۔ نہایت بد دماغ اور سخت گیر انسان ہے وہ اور بن سالک کے ساتھ اس کا رویہ بے حد خراب ہے وہ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"انہیں ہماری قیام گاہ کا پتہ چل گیا؟"

"نہیں۔ ابھی وہ تمہیں تلاش نہیں کر پائے لیکن دن رات یہ کوشش جاری ہے اور اس کے لئے وہ دلچسپ حرکتیں کر رہے ہیں......."

"وہ کیا؟"

"بس طرح طرح کی حرکتیں۔ وہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور پھر کسی بھی خیمہ گاہ میں گھس جاتے ہیں۔ کئی بار دوسرے خیموں کے لوگوں نے ان کی پٹائی کی ہے۔ غلاموں کے ایک ایک باڑے کو کھنگال چکے ہیں اور فروخت شدہ غلاموں کو بھی دیکھ چکے ہیں۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ان میں داخل ہو گئے؟"

"نہ ہونے کا کیا سوال تھا۔ یہ دو ہزار ڈالر ایڈوانس اور تین ہزار کام ہونے کے بعد۔" بہروز نے دو ہزار ڈالر نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

"کام......؟"

"تمہاری تلاش۔ صرف تمہاری تصویر موجود ہے ان کے پاس اور یہ اس کی ایک کاپی ہے۔" بہروز نے تصویر نکال کر میرے سامنے ڈال دی۔

"تو تم مجھے تلاش کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اس دوران میں ان کے پاس رہے؟"

"نہیں۔ بلکہ ان کی خیمہ گاہ سے کچھ دور ایک جگہ۔ ویسے چالاک لوگ ہیں۔ ابتدا ں میری بھی نگرانی کرتے رہے۔"

"گویا تم نہایت چالاکی سے انہیں الو بناتے رہے ہو؟"

"نہیں منصور۔ بہت شیطان قسم کے لوگ ہیں۔ جس انداز میں وہ کام کر رہے ہیں ے اس سے خطرہ ہے۔"

"کیسا خطرہ؟"

"وہ ہمیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمارے لئے مشکلات کھڑی کر ں گے۔ تم غور کرو۔ لانچ کسی بھی وقت آ جائے گی اور مسٹر البانو ہمیں طلب کر لیں گے۔ ب اگر عین وقت پر وہ لوگ ہم پر آ پڑیں تو کیا ہم اس لانچ سے واپس جا سکیں گے ناممکن ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت غور و خوض کیا ہے اس سلسلے میں۔"

"کوئی نتیجہ اخذ کیا؟"

"ہاں ایک ہی فیصلہ کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"حالات چونکہ میرے علم میں ہیں منصور اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ تمہارے نی دشمن ہیں۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ اس جزیرے پر اتنے افراد زیادہ عرصے تک چھپے ں رہ سکتے' وہ ہمیں تلاش کر لیں گے اور تلاش کرنے کے بعد خونریزی لازمی ہے۔ کون ں پر قابو پا لیتا ہے اور کون کس کو قتل کر دیتا ہے یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ خونریزی یقینی ہے۔ ظاہر ہے ہم شرافت سے خود کو ان کے حوالے نہیں کر سکتے ر وہ ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش سے باز نہیں آ سکتے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم ظار کریں اور انہیں خود پر حملہ آور ہونے کا موقع دیں ہم خود ہی ان سے کیوں نہ نمٹ ں۔ میرا خیال ہے منصور ہم اسی طرح کامیاب رہ سکتے ہیں۔"

"گڈ۔ بہت عمدہ آئیڈیا ہے۔"

"صرف میرا آئیڈیا ہے یا تم اسے پسند بھی کرتے ہو؟" بہروز نے پوچھا۔

"بالکل پسند کرتا ہوں۔"

"گویا میری سوچ درست ہے؟"

"ہاں بہروز۔ یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے میں بھی اس دوران میں یہی

سوچتا رہا ہوں لیکن ایک بات بتاؤ۔ کیا ہم ان کی خیمہ گاہ پر حملہ کریں؟"

"نہیں، اس سے ہمیں بڑے نقصانات اٹھانا پڑیں گے۔" بہروز بولا اور میں چو اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم اگر خیمہ گاہ پر حملہ کرتے ہیں تو ظاہر ہے ہمیں ان سے مقابا پڑے گا۔ قرب و جوار میں دوسرے خیمے بھی ہیں۔ ان لوگوں کو بھی گولیوں سے نقصار سکتا ہے، یوں یہ جنگ خاصی طوالت اختیار کر جائے گی۔ جو لوگ ہماری گولیوں سے ہوں گے۔ وہ ہم دونوں کے ہی دشمن ہو جائیں گے اور بلاوجہ ہمیں دوسرے لوگوں سے الجھنا پڑے گا اس کی بجائے میں نے ایک اور ترکیب سوچی ہے اور اس سلسلے میں ہی لمبی چال چل چکا ہوں۔"

"اوہ کچھ ہے تمہارے ذہن میں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"سو فی صد ہے، بشرطیکہ تم اسے پسند کرو۔"

"ہاں ہاں بہروز بتاؤ۔ کیا؟" میں نے ہمہ تن گوش ہو کر پوچھا۔

"میں تمہاری تلاش میں ہوں اور اس کے لئے میں نے ان لوگوں سے باقا معاوضہ قبول کیا ہے۔ ہمیں کچھ لمبی چال چلنا ہو گی۔ مثلاً" میں یوں کرتا ہوں کہ ایک حاصل کرتا ہوں اور اسے ڈھلان کے آخری سروں پر جدھر گہرائی شروع ہوتی ہے نصب دیتا ہوں۔ خیمہ نصب کرنے والوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہو گیا۔ جس کا جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے۔ میں کسی نئی پارٹی کا نام لے کر یہ کام انجام دے دوں گا کیونکہ یہ ا تو سب کے علم میں ہے کہ میں کمیشن ایجنٹ ہوں۔ اس خیمہ گاہ میں روشنی کر دی جائے اور سارے انتظامات کر دیئے جائیں گے پھر میں انیل گواسکر کو اطلاع دوں گا کہ میں نے سب کا پتہ چلا لیا ہے اور تم لوگ پہاڑیوں کے اس جانب اس خیمے میں مقیم ہو، میں ا لوگوں کو وہاں تک لے جاؤں گا جہاں تمہاری کشتی موجود ہے۔ اس طرح وہ اپنی کشتی کو پہچان لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ صورت حال کیا ہے۔ اس کے بعد تمہار کارروائی شروع ہو گی، وہ لوگ کسی بھی لمحے وہاں حملہ آور ہوں گے میں کوشش کروں گا تمہیں اس وقت سے آگاہ کر سکوں لیکن بہتر یہ ہو گا کہ تم لوگ وہاں پہلے ہی اپنے مورچے سنبھال لینا اور جب وہ خیمہ گاہ کے قریب پہنچیں تو انہیں گولیوں کے نشانے پر رکھ لینا۔ فی الوقت میں نے چار کو نہتا کر دیا ہے۔ میں اور بھی کوشش کروں گا کہ کچھ اور اسلح حاصل کر سکوں لیکن بظاہر ہمارے پاس یہ اسلحہ بھی کافی ہے۔"

"نہیں اب ہمیں مزید اسلحہ کی ضرورت نہیں ہے بہروز۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک، میری تجویز کیسی ہے؟"

"بہت ہی شاندار۔ تمہاری ذہنی صلاحیتیں تو اب میرے علم میں آئی ہیں۔ تم مجھے بے حد ذہین انسان نظر آتے ہو۔"

"اب اس کے علاوہ کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" بہروز نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

پھر چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔ "میری بات کو محسوس مت کرنا منصور۔ تم ایک شریف النفس انسان ہو۔ خود بھی چوٹ کھائے ہوئے ہو اس لئے چوٹ کی دکھن کا اندازہ ہے تمہیں، میرا تم سے بڑا ہمدرد کوئی نہیں ہو سکتا لیکن مجھے اب اس دنیا میں رہنے کے لئے خود کو چاق و چوبند رکھنا ہو گا۔ بس اب میں چلتا ہوں۔ بہت ہوشیاری سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ دو ہزار ڈالر میں خیمہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے خرچ کروں گا۔ اجازت ہے؟" اس نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد بہروز چلا گیا۔ وہ اسی راستے سے گیا تھا جس سے داخل ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں خیالات میں کھو گیا۔ صورت حال سنگین تھی اور طبیعت میں ایک بار پھر جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اب بہروز کی اطلاع کے بعد ہی سب کچھ کیا جا سکتا تھا۔

یہ دن ہم نے خیمے میں ہی گزارا۔ شام کو چھ بجے کے قریب بہروز واپس آیا۔ اس کی آنکھوں میں فتح مندی کے آثار تھے۔ وہ کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں نے پر جوش انداز میں اس کا استقبال کیا۔ "سناؤ دوست۔ اس وقت تم مرد میدان ہو۔"

"میدان مار لیا ہے میں نے۔ میں ان لوگوں کو آج اس جگہ لے گیا تھا جہاں تمہاری بوسیدہ کشتی موجود ہے۔ یعنی اس سمندری کھاڑی کے پاس جو ویران علاقے میں ہے۔"

"ویری گڈ۔ پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ بے حد پر جوش ہو گئے ہیں۔ اس دریافت پر مجھے پانچ سو ڈالر انعام ملے ہیں اور درخواست کی گئی ہے کہ اب اسی طرح ان کی خیمہ گاہ کا پتہ بھی لگا لوں۔ انہیں وہاں سے واپس لانے کے بعد میں نے خیمے بھجوا دیئے ہیں اور جگہ منتخب کر کے انہیں بتا دی ہے خیمے لگ رہے ہوں گے۔"

"ہمارے لئے کیا حکم ہے چیف؟" میں نے مسکراتے ہوئے اسی کے انداز میں پوچھا اور بہروز کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ایک لمحے کے لئے میں اس کے انداز کو دیکھتا رہ گیا۔ کم بخت بے حد حسین تھا اور بعض اوقات تو اس چھوٹی سی عمر میں اس کی یہ کارکردگی دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔

دوسرے لمحے وہ سنبھل گیا اور مسکرا کر بولا۔ "بس اب یہ خیمہ چھوڑ دو اور میرے ساتھ چل کر مورچے سنبھال لو۔ تھوڑی سی تاریکی اور پھیل جائے تو ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"

رات کی تاریکی میں سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر چل پڑے اور اچھا خاصا سفر
کر کے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہمارے لئے کئی چھولداریاں لگائی گئی تھیں۔ جگہ بھی غضب
منتخب کی گئی تھی۔ یہاں چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور ان چٹانوں کی آڑ میں رہ کر چھولداریو
کے اطراف میں نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ میں نے یہ جگہ بہت پسند کی تھی۔

"اور کوئی الجھن ماسٹر؟" بہروز نے پوچھا۔

"میرے خیال میں سب کچھ اطمینان بخش ہے۔"

"اب میں ہانکا کرنے جاتا ہوں۔ یہ رات تمہیں جاگ کر گزارنا ہو گی۔ اپنے مور
درست کر لو تاکہ شکار بچ کر نہ جانے پائے۔ ہاں اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ لوگ پ
حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں اور آج رات حملہ آور نہ ہوں حالانکہ انہیں جس قد
جلدی ہے اس کے تحت یہ ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی' آج رات' کل دن میں' یا شاید
رات میں' کوئی بھی وقت ہو سکتا ہے' جاؤں میں......؟"

"خدا حافظ بہروز۔" میں نے کہا اور بہروز رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

بہروز کے جانے کے بعد میں دیر تک ان حالات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ بہروز
کی کوشش سے میں پوری طرح مطمئن تھا اور اب انسانی زندگی کی میری نگاہ میں کوئی وقعت
نہیں تھی۔ انیل گواسکر اور بن سالک کون تھے' مجھے ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس دنیا
کا دستور یہی ہے۔ مظالم کرنے والوں کے ساتھی بن کر خود بھی انسانیت کو بھول جانے والے
کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے۔ میرے علم میں تھا کہ انیل گواسکر اور بن سالک' سیٹھ
جبار کے غلام تھے جو کچھ ہو رہا تھا اسی کے ایما پر ہو رہا تھا لیکن بہر حال وہ میرے دشمن تو
تھے۔ اب وہ کسی کے لئے کام کر رہے ہوں یہ تو بعد کی بات ہے۔ میرے کہنے سے وہ سیٹھ
جبار کی غلامی ترک تو نہیں کر سکتے تھے۔

میری اس سوچ اور مسلسل خاموشی کو گلاب کی آواز نے توڑ دیا۔ وہ کھسکتا ہوا
میرے قریب آ گیا تھا۔ "منصور بھائی۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوہ کوئی خاص بات نہیں گلاب۔ تمہیں حالات کا اندازہ تو ہو گیا ہے؟"

"سو فی صد۔ میں اس وقت ایک ہی بات جانتا ہوں۔" گلاب نے فلسفیانہ انداز میں
کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ جزیرہ دنیا کے قانون سے الگ ہے۔ یہاں کوئی کسی کی مدد کو نہیں آتا۔ انسان کو
خود ہی اپنی مدد کرنی ہوتی ہے۔"

"بے شک۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"ہمارے دشمن ہماری شہ رگ کے قریب ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں شکاری کتوں

طرح لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہماری بو پا گئے۔ تو ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔ ان سے
کہ ہمارے دشمن ہمیں ختم کر دیں ہمیں انہیں ختم کر دینا چاہیے۔"

"میں تمہارے اس فلسفے سے متفق ہوں گلاب اور اسی مقصد کے تحت ہم یہاں
ہیں۔"

"مگر مجھے پورا پروگرام نہیں معلوم منصور بھائی۔"

"اوہ گلاب' بہروز کی چال کے بارے میں تو میں نے تمہیں بتا ہی دیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ معلوم ہے۔"

"اس میں اتنا اضافہ اور کر لو کہ بہروز اب شیر کو ہانکا کرنے گیا ہے تمہیں علم ہے نا
جنگل میں شکاری ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور شیر کو ہانک کر اس جگہ لایا جاتا
بہروز اس وقت وہی کام کرنے گیا ہے۔ تم لوگوں کو اب دشمن کے انتظار میں بیٹھنا
ممکن ہے پوری رات یہاں نہ آئے۔ کل دن میں آئے یا پھر دوسری رات کو ہمیں
اسی جگہ انتظار کرنا ہو گا۔"

"گویا وہی پروگرام رہا جو میں نے بتایا تھا؟" گلاب نے خوش ہو کر کہا۔

"سو فی صد وہی۔"

"اب ہمارا کیا کام ہے منصور بھائی؟"

"آؤ میں مورچہ بندی کر دوں لیکن ہر ایک آدمی کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ اگر کوئی
غافل ہو گیا تو یوں سمجھو کہ اس کی تقدیر سو گئی اور زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔"

"اوکے' پھر جلدی کریں منصور بھائی۔" گلاب نے کہا اس کے انداز میں جوش پیدا
تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہت زیادہ جلدی اس لئے نہیں تھی کہ ابھی تو بہروز کو
لوں کے پاس پہنچنا تھا پھر انہیں ہمارے بارے میں اطلاع دے گا اور اس کے بعد اگر
انے فیصلہ کر لیا تو وہ چلیں گے اس لئے ابھی وقت تھا۔ بہر حال میں نے اپنا کام کر لینا
خیال کیا اور چھولداریوں کے ارد گرد مناسب جگہ منتخب کر کے مسلح افراد کو تعینات کر
یں نے انہیں پوری طرح ہدایات بھی دے دی تھیں۔ طے یہ ہوا تھا کہ جب وہ لوگ
طرح نشانے پر آ جائیں گے تو میں حلق سے الو کی آواز نکالوں گا اور اس کے ساتھ ہی
ساتھی فائر کھول دیں گے۔

ان سب کو مستعد کر کے میں نے اپنی پوزیشن بھی سنبھال لی اور تاریکی میں آنکھیں
نے لگا۔ ابھی چاند نہیں نکلا تھا اور وحشت خیز جزیرے کا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔
ا رہی تھی اور دور کہیں نرسلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عجیب سی آوازیں
رہی تھی۔ کہنے کو یہ ایک آباد جزیرہ تھا اور کافی آبادی تھی یہاں۔ رقص و سرود اور
کی محفلیں بھی نظر آتی تھیں۔ قہقہے بھی ابھرتے تھے لیکن اس کے باوجود اگر گہری نگاہ

سے جزیرے کا جائزہ لیا جاتا تو وہاں ایک نامانوس سی ویرانی بکھری محسوس ہوتی تھی۔ لگتا تھا جیسے یہ انسانوں کی آبادی ہی نہیں ہے۔ بس مافوق الفطرت ہستیاں چاروں طرف گردش کرتی نظر آتی تھیں۔ فضاؤں میں لاکھوں بد روحوں کے قہقہے گونجتے محسوس ہوتے تھے اور یقیناً یہ قہقہے بے بسی کی موت مرنے والوں کے تھے جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا اور اب ان کی روحیں فضاؤں کی حکمران تھیں۔

ہواؤں کے شور نے انسانی آوازوں کا روپ دھار لیا۔ یہ آوازیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں' منمناتی ہوئی آوازیں اپنے درد کی داستانیں سنا رہی تھیں اور رفتہ رفتہ یہ آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے زور سے گردن جھٹک دی۔ میں ماحول کے طلسم میں گرفتار ہونے لگا تھا اور اس وقت میری یہ بے خودی میری اور میرے ساتھیوں کی قاتل بن سکتی تھی اس وقت تو مستعدی میں ہی عافیت تھی چنانچہ میں نے پوری کوشش کر کے خود کو سنبھال لیا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ کسی کو اپنے قریب بلا لوں ممکن ہے تنہائی میرا ذہن سلا دے لیکن ابھی یہ فیصلہ کر ہی پایا تھا کہ چاند نے بادلوں کی اوٹ سے سر نکال لیا اور ماحول کی تاریکی دم دبا کر بھاگ گئی اور یوں لگتا تھا جیسے چاند اس وقت ہماری مدد کے لئے ہی طلوع ہوا ہو۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ ہم دیر تک ان سایوں کو نہ دیکھ سکتے جو انتہائی مہارت سے کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے چھولداریوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں بری طرح چونک پڑا۔ میں نے ان پتھروں اور چٹانوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ جہاں میرے ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں میری طرح ان لوگوں نے بھی دشمن کو دیکھ لیا ہے یا نہیں۔ بہر حال اس کا اندازہ مشکل تھا۔ اس وقت صورت حال انتہائی نازک تھی' کوئی ہلکی سی آواز بھی ان لوگوں کو ہوشیار کر سکتی تھی۔

وہ سب بے آواز' چھولداریوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور پھر تقریباً دس منٹ کے بعد وہ چھولداریوں کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ بہروز بہترین صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس نے یقیناً ایسی کہانی سنائی ہو گی انہیں کہ وہ سب دوڑ پڑے اور فوری طور پر ہماری غفلت سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گئے۔ نہ جانے بہروز خود کہاں ہے۔ وہ انہیں ساتھ تو خود ہی لایا ہو گیا۔ میں اس نئے خیال کے تحت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بہروز بے وقوف نہیں ہے۔ وہ یقیناً انہیں یہاں تک لانے کے بعد پیچھے ہٹ گیا ہو گیا۔

بہر حال جونہی وہ متعین کردہ نشانے پر پہنچے میں نے الو کی آواز میں اپنے ساتھیوں کو اشارہ دیا اور میرے چوکس ساتھیوں نے جہنم کے دہانے کھول دیئے ان لوگوں پر۔ ہر چند کہ وہ لڑاکے نہیں تھے لیکن جب زندگی اور موت کا معاملہ ہوتا ہے تو ہر شخص کی صلاحیتیں عود کر آتی ہیں۔ ان کے بیشتر نشانے صحیح لگے تھے۔ بن سالک اور انیل گواسکر کے لوگوں میں

ج گئی لیکن وہ ایسی جگہ تھے جہاں ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی جس طرف لیاں ان کا تعاقب کرتیں۔ ان میں سے بعض اسی طرف دوڑ پڑے جہاں ہمارے ناہ گزین تھے اور اطمینان سے موت کا شکار ہو گئے۔ چند چھولداریوں کی طرف دوڑ لیکن کپڑے کی چھولداریاں بھلا پناہ گاہ بن سکتی تھیں۔ وہ روشن تھیں اور اس روشنی ہمیں کافی فائدہ پہنچایا کیونکہ باہر سے ان کے سائے نمایاں نظر آتے تھے اور ہم ان و شکار کر رہے تھے۔

شاید ہی ان میں سے کوئی جان بچا کر بھاگ سکا ہو۔ ذرا سی دیر میں ہم نے انہیں لیا۔ فائرنگ یک طرفہ ہی رہی تھی وہ لوگ اسطرح حالات کا شکار ہوئے کہ انہیں ایک ز کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ہر چند' ہمیں اندازہ تھا کہ اس وقت کوئی اس سمت کا رخ نہیں کرے گا حالانکہ اس فائرنگ کی آواز دور تک سنی جا رہی ہو گی لیکن اس وقت ہم نے اپنے شکار کی تباہی ہ لگانے کی کوشش نہیں کی اور لاشوں کے پاس نہیں گئے بلکہ خاموشی سے مختلف ں سے گزرتے' چھپتے چھپاتے اپنی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ راستے میں جگہ جگہ لوگ جمع ر اس طرف ہونے والی فائرنگ کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے لیکن کسی کا ں طرف جانے کا نہیں تھا۔

خیمہ گاہ پہنچ کر جب میں اپنے خیمے میں داخل ہوا تو میں نے بہروز کو دیکھا جو سے میرے بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دیا اور میں بھی مسکرانے ں قدر اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو بہروز' یوں لگتا ہے جیسے تمام صورت حال سے ہو۔"

"تمام سے تو نہیں منصور لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم مکمل فتح مند ہو کر آئے ہو۔ شاید میں سے کوئی بچ کر جا سکا ہو۔"

"اس کا مطلب ہے تم وہاں موجود تھے؟" میں نے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہ صرف موجود تھا بلکہ وہ لوگ مرنے کے بعد اس بات پر ضرور حیران ہوں گے نا کے عقب سے جو گولیاں آ رہی تھیں وہ کس نے چلائیں۔ اس کے علاوہ میں نے والوں کو بھی نشانہ بنایا تھا۔"

"زندہ باد بہروز۔ تم نے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس طرح تم نے میرے دل میں ور خاص جگہ بنا لی ہے۔ کاش میں بھی تمہارے کسی کام آ سکتا۔ بہر حال بہروز ممکن نے والا وقت ہم دونوں کے لئے خوشگوار ہو۔"

"خدا کرے۔" بہروز آہستہ سے بولا۔

"میں تمہیں ایاز کے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں۔"

"اگر ایاز بھی چمن کی طرح دغا باز نکل آتا بہروز تو یقین کرو میں اپنے دل و دماغ
دوستی اور ہمدردی کو کھرچ کر پھینک دیتا اور اس کے بعد میں کیا ہوتا یہ میں خود بھی نہیں
سکتا لیکن ایاز نے دوستی کو زندہ رکھا ہے۔ تم اب میرے لئے دوسرے ایاز بن چکے ہ
جوتے اتارو۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

میں خود بھی جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔

"کتنی عمر ہے تمہاری بہروز؟" میں نے دونوں ہاتھوں پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے پوچھا

"کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"معصوم ہو۔ بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہو۔ بڑے دوست ہیں میرے بہروز۔ بڑ
کہانیاں ہیں ان کی' تمہاری زندگی میں حسن و عشق کی چاشنی کہاں ہو گی؟"

"ہاں۔ وقت نے اجازت ہی نہیں دی۔"

"ارے وقت ابھی آیا ہی کہاں ہے؟ ننھی سی عمر میں ان آلام کا شکار ہو گئے لیکر
بس اب سب کچھ بھول جاؤ۔ وقت تو سر سے گزر گیا ہے بہروز ہم زندگی کے اس رخ سے
آشنا ہی نہ ہوئے۔"

"بہروز کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے منصور
کیا میں اس پر یقین کر لوں۔ ویسے کیا تم خود کو بہت زیادہ عمر رسیدہ سمجھتے ہو؟"

"واقعات اتنے گزر چکے ہیں مجھ پر سے بہروز کہ صدیوں کی زندگی محسوس ہوتی
ہے۔ اتنے واقعات تو سو سال کی عمر میں بھی نہیں پیش آتے' کبھی سوچا نہیں اس بارے میں
لیکن غور کروں تو یوں لگتا ہے' جیسے ازل سے ان حالات کا شکار ہوں اور ابد تک رہوں گا۔
یاد نہیں آتا کہ کون سا حادثہ کس عمر میں پیش آیا تھا۔" میں گہری سانس لے کر بولا اور
بہروز نے میری کلائی پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"واہ۔ یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے سکون کی تلقین کرتے کرتے خود اداسیوں میں ڈوب
گئے۔"

"لیٹ جا یار۔ بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے
بہروز کو گھسیٹ کر اپنے نزدیک لٹا لیا۔ بہروز خاموشی سے لیٹ گیا تھا۔ وہ خود بھی جذباتی ہو
رہا تھا۔

"زندگی بہت انوکھی چیز ہے بہروز کتابوں کا علم مکمل نہیں ہوتا جب تک اپنی ذات کی
ایک کتاب نہ تحریر کر دی جائے۔ احساسات کبھی الفاظ کی گرفت میں نہیں آتے ان کی تو
کوئی زبان ہی ایجاد نہیں ہوئی بہروز' کوئی کتاب نہیں لکھی گئی احساسات کی۔ لکھی ہی نہیں
جا سکتی۔"

"ہاں منصور' میں تم سے متفق ہوں۔" بہروز نے کہا پھر بولا۔ "تم نے زندگی میں
ی لڑکی کو نہیں چاہا منصور؟"

"نہیں بہروز۔ میں نے کہا نا' زندگی بڑی انوکھی چیز ہے یہ کبھی طویل کبھی مختصر معلوم
تی ہے۔ محبت کی داستان کوئی نہیں ہے میری زندگی میں' ویسے ہلکے ہلکے لطیف اشارے
ہیں کہیں ضرور ملتے ہیں۔"

"مثلاً؟" بہروز کو اس موضع میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی کچی عمر کا بچہ تھا بہر طور
ں کی آرزوئیں ایک حیثیت رکھتی تھیں۔

"دلچسپ باتیں ہیں بہروز' پہلی لڑکی سرخاب ہے۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ
، بہت اچھی لگی۔ اس کی پیشانی پر جھولتی ہوئی بالوں کی لٹ کی بات کی تو وہ ناراض ہو
ا۔ اس نے مجھے سرزنش کی تو مجھے بہت لطف آیا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں۔" بہروز آہستہ سے بولا۔

"اس لئے کہ وہ لٹ مجھے اپنی بہن فریدہ کی یاد دلاتی تھی۔ سرخاب کو میں بہن کی
ر چاہتا تھا۔"

"اوہ...... لیکن وہ کیا سمجھتی تھی؟" بہروز بولا۔

ابتدا میں وہ میری باتوں سے غلط فہمی کا شکار تھی لیکن بعد میں سب ٹھیک ہو گیا۔"

"تو تم واقعی اسے بہن کی مانند چاہتے تھے؟"

"ہاں۔ سو فیصد۔

"اور دوسری لڑکی؟" بہروز نے سوال کیا۔

"دوسری لڑکی کو میں راشدہ کہہ سکتا ہوں۔ بلا شبہ غم کی کہانی تھی۔ ایک مجبور
ان کی لڑکی جو کسی کو زندگی کا سہارا بنا کر اپنا تحفظ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے اپنا سہارا
چاہا لیکن بے وقوف لڑکی نے ریت کے ستون پر ہاتھ رکھا تھا ناکام رہی' تیسری شخصیت
ا کی تھی جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے۔"

"گل کون تھی؟" بہروز نے پوچھا

"لیڈی جہانگیر میری بہت بڑی محسن' خود اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا لیکن
رے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے غلط فہمیاں تو قدم قدم پر جنم لیتی ہیں بہروز۔
، جس طرح مجھ سے مانوس ہو گئی تھی اسے بھی غلط نام دیا جا سکتا ہے۔"

بہروز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کچھ سوچتا رہا تھا پھر اس نے ایک گہری
سالی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"کیوں۔ کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"بس نیند آ رہی ہے منصور۔ ہمیشہ سے تنہا سونے کا عادی ہوں۔ صبح کو ملاقات ہو

گی، شب بخیر۔" وہ باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔ ذہن میں پھر بہت سی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ نہ جانے رات کے کون سے پہر ان یادوں کے ہجوم میں نیند نے آغوش میں لے لیا اور دوسری صبح بہروز نے ہی جگایا تھا۔

بہروز نئے لباس میں تھا اور نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا یوں بھی ایک خوبصورت جوان تھا۔ ہنستا مسکراتا نظر آتا تو اور بھی خوبصورت نظر آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ہشاش بشاش تھا۔

"اٹھیے چیف۔ آیئے میلہ دیکھنے چلیں؟"

"میلہ؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں، بے شمار لوگ جمع ہیں۔ ایسے میلے اکثر لگتے ہیں، ان راتوں کی صبح کو جن میں جزیرہ گولیوں سے گونجتا ہے رات کو تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اس ہنگامہ خیزی کو قریب سے دیکھے لیکن دوسری صبح لاشوں کی تلاش میں بہت سے نکل پڑتے ہیں اور میلہ لگ جاتا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "تم دیکھ آئے میلہ؟"

"نہیں۔ بس دور سے لوگوں کا ہجوم دیکھ کر آیا ہوں۔ چند لمحات ان کی چہ میگوئیاں ہی سنی تھیں۔"

"کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں؟"

"ہمیشہ سے مختلف نہیں ہے چیف۔ کس کو پڑی ہے کہ کسی کے قاتلوں کی کھوج کرے۔ یہاں تو دشمنیاں چلتی ہی رہتی ہیں۔"

"آؤ۔ ناشتہ وغیرہ کر لیں۔ اس کے بعد چلیں گے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم بھی تماشائیوں کی حیثیت سے وہاں پہنچ گئے۔ میں نے زمین پر پڑے لوگوں کو دیکھا اور سینے میں عجیب سی ہلچل پیدا ہو گئی۔ یہ ہمارے شکار تھے۔ انہیں میں نے زندگی سے محروم کیا تھا۔ یہ اچھی بات تو نہ تھی لیکن اگر میں انہیں موت کے گھاٹ نہ اتارتا تو وہ لوگ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ہاں وہ میرے دشمن تھے اور میری تلاش میں آئے تھے۔ بن سالک اور انیل گواسکر کی لاشیں بھی ان لاشوں میں شامل تھیں۔ گویا عارضی طور پر میرے دشمنوں کا صفایا ہو گیا تھا۔

"بہروز۔ کپتان البانو سے ملو۔ اس سے لانچ وغیرہ کی صورتحال معلوم کرو۔ میں جلد از جلد یہ جزیرہ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔" اس نے گردن ہلائی اور آگے بڑھ گیا۔

دوپہر کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب واپس آ گیا۔ کپتان البانو نے اسے بتایا تھا کہ لانچ آج رات کے کسی حصے میں یا کل صبح تک پہنچ جائے گی اور پھر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر واپس روانہ ہو جائے گی۔

بعد کے واقعات قابل ذکر نہیں۔ لانچ دوسرے روز صبح پہنچی تھی۔ اسی دن کپتان

کو رقم ادا کر دی گئی۔ یہ شخص عجیب سی شخصیت کا مالک تھا۔ صورت سے ہی قدیم قزاقوں کا نمونہ لگتا تھا آنکھوں میں ہوس ناچتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"اوکے اوکے۔" اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تیاریاں مکمل کر لو۔ کل صبح بارہ بجے لانچ چل پڑے گی۔ میں سارے انتظامات مکمل کر دوں گا۔"

لانچ بڑی عمدہ اور مضبوط تھی اگر واقعی اس میں ہمیں آرام سے سفر کرنے کا موقع ملا تو سفر دلچسپ ہو گا۔ کوئی خاص تیاریاں کرنی تو نہیں تھیں۔ تھوڑا سا سامان اور خریدا گیا اور رات ہی کو تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

کپتان البانو نے ہم سے ملاقات کی اور ہمارا تعارف گیری ینگ نامی ایک شخص سے کرایا جو لانچ کا کپتان تھا۔ "مسٹر ینگ پروگرام کے مطابق تمہیں مطلوبہ جگہ اتار دیں گے اور ینگ ان شریف لوگوں کا خیال رکھنا۔"

"ٹھیک ہے مسٹر البانو۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟" ینگ نے پوچھا اور ہم نے سامان کی طرف اشارہ کر دیا۔ البانو گیری ینگ سے ہمارا تعارف کرانے کے بعد واپس چلا گیا تھا اور ہمارے تمام تر معاملات گیری ینگ سے تھے۔ سامان لوڈ ہو گیا تھا ہمیں بھی لانچ پر بلا لیا گیا۔ ینگ نے جو ہمیں رہائشی جگہ بتائی تھی وہ اطمینان بخش تھی اور ہم سب ہی نے اسے پسند کیا تھا۔ لانچ پر جہاز کے عملے کے علاوہ چار افراد اور تھے۔ جنھیں جزیرہ بادیان سے کہیں جانا تھا باقی تمام لوگ ہم تھے۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے لانچ کے انجن اسٹارٹ ہو گئے اور پھر لانچ نے آہستہ آہستہ ساحل سے دور کھسکنا شروع کر دیا۔ گلاب اور اس کے ساتھیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر زندگی کی جانب لوٹ رہے ہیں۔ ان کی نگاہیں بادیان کے ساحل پر جمی ہوئی تھیں جس کے دوسری جانب کی دنیا عجیب و غریب تھی۔ وحشت خیزی اور قدیم ماحول کی تمام تر خونخوار روایات کے ساتھ جزیرہ بادیان آج بھی خوفناک حیثیت رکھتا تھا۔ خیالات کے سائے بہروز کے چہرے پر بھی تھے اور یقینی طور پر میں بھی ان سے محفوظ نہ تھا۔ خود میری اپنی زندگی کے عجیب واقعات میں بادیان کا نام بھی آتا تھا۔ ایک معمولی سے ڈرائیور کا بیٹا جس نے زندگی کے ان ہنگاموں کے بارے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہاں سے کہاں جا پہنچا تھا۔ کیا کیا دکھا دیا تھا اس دنیا نے اسے؟

لانچ تیز ہوئی تو بادیان کی وہ خوف ناک چٹان جو درحقیقت کسی کشتی کا بادبان معلوم ہوتی تھی اور جس کے نام سے یہ جزیرہ مشہور ہوا تھا اور بگڑتے بگڑتے بادبان سے بادیان ہو گیا تھا۔ دور ہوتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب ہم سب چونکے، گلاب نے پھیکی سی مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گیا۔

"منصور بھائی! کیا اس بار زندگی ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے گی؟"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا گلاب، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ کہنا انسان کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے اور اب میں یہ حماقت کبھی نہیں کروں گا۔"

"امکانات تو ہیں منصور بھائی اس بات کے، امکانات تو ہیں کہ ہم کسی طرح ساحل تک پہنچ جائیں؟"

"ہاں۔ انسان کو ہمیشہ پر امید رہنا چاہیے، ممکن ہے تقدیر ہمارے لئے کچھ نئے راستے منتخب کر چکی ہو۔"

"اگر ہم قاہرہ پہنچ گئے منصور بھائی تو اس کی بعد کیا کریں گے؟"

"گلاب ایک ایسی آبادی تک پہنچنا ہمارا مقصد تھا جہاں سے ہم اپنی زندگی کے راستے منتخب کر سکیں۔ اگر تقدیر نے ہمیں قاہرہ پہنچا دیا تو وہاں ہماری حیثیت مجرموں کی سی ہو گی۔ ظاہر ہے ہم اپنی کہانیاں سناتے پھریں گے اور کوئی ان کہانیوں پر یقین نہیں کرے گا۔ ہو گا وہی۔ جو قانونی طور پر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اپنے طور پر اپنی اپنی زندگی بچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ذمے داری سو فی فصد انکی اپنی ہے۔ باقی رہا تمہارا معاملہ کوشش کرنا، کسی بھی پولیس اسٹیشن پہنچ جاؤ۔ وہاں جاکر اپنے بارے میں تفصیلات بتا دینا اور ان سے درخواست کرنا کہ تمہیں تمہارے سفارت خانے پہنچا دیں اس کے بعد ممکن ہے تمہارا سفارت خانہ تمہیں تمہارے ملک پہنچا دے۔ مشکلات کا شکار تو ہو گے گلاب لیکن بہر طور اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔" گلاب میری باتوں کو غور سے سنتا رہا پھر بولا۔

"منصور بھائی کیا تم وہاں میرا ساتھ چھوڑ دو گے؟"

"ہاں گلاب۔ میں تمہیں پہلے بھی آگاہ کر چکا ہوں اور اب بھی یہی بات کہہ رہا ہوں کہ قاہرہ پہنچنے کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے۔ دراصل مجھے کچھ ایسے معاملات سے نمٹنا ہے جن کے بارے میں تمہیں تفصیل بھی نہیں بتا سکتا۔ میں نہیں چاہتا گلاب کہ تم میرے ساتھ مشکلات میں پھنسو۔ تم نے اپنی جو کہانی سنائی ہے اس میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ تم زندگی میں کوئی تبدیلی تلاش کرسکو۔ تمہارے لئے اپنے وطن چلے جانا ہی مناسب ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر اس کے لئے بھی مجبور نہ کرو منصور بھائی کہ میں وہاں قانونی طور پر سب کچھ کروں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں منصور بھائی۔ میں اک سیدھا سادا جاہل سا آدمی ہوں لیکن اتنی باتیں ضرور جانتا ہوں اگر میں نے خود کو سچائی اور سادگی سے قانون کے حوالے کر دیا تو قانون میری باتوں پر یقین نہیں کرے گا اور لوگ یقینی طور پر نہ جانے مجھے کیا سمجھیں گے اور پھر میرے ساتھ

جو کچھ ہو گا وہ اس سے الگ نہیں ہو گا جو ہوتا چلا آیا ہے، منصور بھائی اگر تم میرا ساتھ چھوڑ دو گے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ مصر میں اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کر سکوں۔ اگر مجھے وہاں کوئی مناسب جگہ مل گئی تو کچھ عرصہ نوکری کرنے کے بعد پھر اپنے لئے کوئی ایسا راستہ تلاش کروں گا کہ اپنے وطن پہنچ جاؤں۔ میں خود بھی اتنا ناکارہ نہیں ہوں۔ بس یوں کہیں کہ حالات نے مجھے مٹی بنا دیا تھا۔"

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ "اگر یہ بات ہے گلاب تو مجھے انتہائی خوشی ہوگی۔ میں اس بات پر بے حد مسرور ہوں گا کہ تم زندگی کے بہتر راستے تلاش کر سکے میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں گلاب۔"

گلاب خاموش رہا اس کے بعد اس نے اس موضوع پر اور کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے تمام لوگ جو میری وجہ سے آزادی کا چہرہ دیکھ سکے تھے میرے ممنون تھے اور اپنی دنیا الگ بسائے ہوئے تھے گلاب انھی میں شامل ہو گیا۔ بہروز البتہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں ماسٹر؟"

"ضرور پوچھو، تمہیں کوئی روک سکتا ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے ان لوگوں میں شمار نہیں کریں گے جو آپ کے معاملات میں ملوث ہو سکتے ہیں؟"

"نہیں بہروز میں نے تم سے بادیان پر ہی کہہ دیا تھا کہ تم اسی طرح میری زندگی کا زد بن چکے ہو جس طرح ایاز میرا ساتھی تھا، ایاز کی وجہ سے مجھے اس دنیا سے اس قدر زت نہیں ہوئی جتنی ہو جانی چاہیئے تھی۔ دوسری شخصیت تم ہو جس کی وجہ سے میں اس یا سے محبت کروں گا۔ حالات کیسے بھی ہوں تم میرے ساتھی رہو گے بہروز تم یقینی طور پر برے ساتھی رہو گے۔"

"میں اس اعتماد اور اس محبت کے لئے صحیح الفاظ تلاش نہیں کر سکتا جس سے میں ہارا شکریہ ادا کروں منصور۔ بس یوں سمجھو کہ میں تمہارا غلام ہوں۔" بہروز کے انداز میں بب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے اتھ لے کر اس جگہ پہنچ گیا جو ہمارے آرام کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔

لانچ سبک روی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ دوپہر ڈھلی، شام ہو گئی۔ ہمیں کھانے یے کی چیزیں فراہم کی جاتی رہی تھیں۔ کیپٹن ینگ بہت اچھی طرح ہمارے ساتھ پیش آ رہا شام کی چائے پر وہ ہمارے ساتھ ہی آ بیٹھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"کہو دوستو۔ کیسا سفر طے ہو رہا ہے؟ کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ابھی ہے؟"

”نہیں مسٹر ینگ بے حد شکریہ۔ بس اب ہمارے ذہنوں پر یہ احساس سوار ہے قاہرہ کے درمیان ساحل پر اتر کر کہاں جائیں گے۔ کیا آپ اس سلسلے میں بھی ہماری رہ کر سکتے ہیں مسٹر ینگ؟“ میں نے سوال کیا۔

ینگ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی پھر اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ قاہرہ پہنچنے کافی وقت ہے تم لوگوں کو ابھی سے اس کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔“

”اس کے باوجود ہم اپنے ذہنوں میں کوئی پروگرام تو ترتیب دے لیں۔“ میں کہا۔

”پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کبھی پورے نہیں ہوتے میری اس بات کو رکھنا۔“ ینگ نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ نجانے کیوں مجھے کے الفاظ کسی قدر عجیب لگے' بہر طور میں نے اس کا تذکرہ اس سے نہیں کیا اور خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ ”بادیان سے آتے وقت تم اپنے ساتھ کیا لائے تھے؟“

”کیا مطلب ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں نے جو کہا ہے اس کا وہی مطلب ہے مسٹر' اس میں کوئی ہیر پھیر والی با نہیں۔ بادیان آنے والے اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور لاتے ہیں۔ غلام' چرس یا ایسی ناجائز منشیات جو عام جگہ پر ایسی قیمتیں نہیں دیتی۔“ ینگ نے کہا۔

”ہاں۔ ہم لوگ چرس لائے تھے۔“

”البانو نے بھی یہی بتایا تھا۔ ویسے آپ لوگوں نے کافی دولت کمائی ہو گی چرس سے آپ کے اس سامان میں کیا کیا چیزیں ہیں؟“ ینگ نے پوچھا۔

”اس کی تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے ینگ۔“ میں نے جواب دیا اور وہ شانے ہلا ہنس پڑا۔

”اوہ نہیں۔ نہیں۔ یہ باتیں صرف برائے گفتگو سے تعلق رکھتی ہیں اگر آ اس معاملے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے' تو نہ سہی۔“ ینگ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

”سوری مسٹر ینگ۔ میرا مقصد کسی طور آپ کی دل شکنی کرنا نہیں تھا۔ براہ کرم تشریف رکھیئے۔“

”اوہ نہیں ڈیئر۔ میں ناراض ہو کر نہیں اٹھ رہا۔ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر ہے کہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور ایک بار پھر تمہیں ایک بات بتا دوں کہ یہ سب کچھ نے ازراہ دوستی پوچھا تھا۔ تم اس کو محسوس نہ کرنا۔ میں ذرا لانچ کا جائزہ لے لوں۔“ وہاں سے چلا گیا لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس مجھے خطرے کی طرف متوجہ کرنے حالانکہ بظاہر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ینگ نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک عام سی بات تھی۔ بہروز نے میری یہ کیفیت محسوس کر لی اور مجھ سے کہنے لگا۔

”کیا بات ہے چیف۔ کچھ الجھے الجھے سے نظر آنے لگے ہو میرا مطلب ہے کچھ دیر قبل تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے لیکن اب؟“

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یار بہروز تم تو اب میری رگ رگ سے واقف ہوتے جا رہے ہو۔ تم نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ میں کچھ الجھ گیا ہوں ویسے کیا تمہیں ینگ کی گفتگو عجیب سی محسوس نہیں ہوئی؟“

”ہوئی تھی..... اور یہ بھی علم ہے کہ آپ اسی گفتگو سے الجھے ہیں مسٹر منصور۔“ بہروز نے کہا۔

”ہاں یہ کہو کہ میری چھٹی حس مجھے کسی خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ ہمارے ہتھیار بھی بادیان پر لے لئے گئے تھے اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ لانچ کا عملہ کس قدر مسلح ہے؟“

”مگر..... یہاں ہمیں ہتھیاروں کی ضرورت کیوں پیش آئے گی؟“ بہروز نے پوچھا۔

”میں نے کہا نا۔ اس کا جواز نہیں ہے میرے پاس۔ ممکن ہے یہ میرا وہم ہو۔“ بہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ شام گہری ہوتی گئی اور ماحول پر اس کے بعد تاریکی کا سناٹا مسلط ہو گیا۔ سمندر کی لہریں لانچ سے ٹکرا ٹکرا کر منتشر ہوتی رہیں اور ان کی آواز فضاؤں میں ابھرتی رہی۔ باقی لانچ پر خاموشی تھی' عملے کے افراد پر سکون انداز میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر آرام کرنے کے لئے اس مخصوص حصے میں دراز ہو گئے جو ینگ نے ہمیں بتایا تھا اور تقریباً اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے ہم پر اچانک تیز روشنیاں پڑیں۔ ان روشنیوں نے ہمیں اپنے احاطے میں لے لیا تھا۔ روشنیاں اتنی تیز تھیں کہ ہماری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور ہم سب آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھے۔ چند لمحات کے بعد ہمارے سامنے کی سمت کی روشنیاں بجھا دی گئیں بس عقب سے ہم پر ویسی ہی تیز روشنیاں پڑ رہی تھیں جو یقیناً کسی سرچ لائٹ سے ڈالی گئی تھیں اور پھر ایک شخص ہمارے سامنے آگیا آنکھوں سے دھند چھٹی تو میں نے اس شخص کو دیکھا میرا دل دھک سے ہو کر رہ گیا یہ کیپٹن البانو تھا۔ اس کے عقب میں چار آدمی تھے جن کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستول ہماری جانب اٹھے ہوئے تھے۔ کیپٹن البانو کو لانچ پر دیکھ کر مجھے جس قدر حیرت نہ ہوتی کم تھی میں ششدر کھڑا اسے دیکھتا رہا اور البانو مسکراتا رہا پھر بولا۔

”میں تمہاری اس حیرت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں مسٹر' تمہیں یقیناً تعجب ہو گا کہ میں تمہیں خدا حافظ کہہ کر گیا تھا پھر میں اس لانچ پر کیسے پہنچ گیا؟“

”حیرت کی بات ہے مسٹر البانو اور مزید حیرت اس بات پر ہے کہ تمہارے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں پستول ہیں' آخر کیوں..... تمہارا انداز ہمارے ساتھ اتنا

جارحانہ کیوں ہے اور تمہیں اس طرح لانچ پر آنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں تم یہ سوال کرسکتے ہو دوست' بات دراصل یہ ہے کہ یہ جزیرہ' جسے بادیان کہا جاتا ہے ان جرائم پیشہ افراد کا جزیرہ ہے جو اپنی قوت اور طاقت کے بل پر یہاں آتے ہیں دولت سمیٹتے ہیں اور اپنی اپنی دنیا میں واپس چلے جاتے ہیں' یہاں ہر لمحہ ہر گھڑی ہر شخص کو محتاط رہنا ضروری ہے' میں خود بھی یہاں قانونی طور پر نہیں آتا' ہرچند کہ میرا جہاز ایک قانونی حیثیت رکھتا ہے اور میں دنیا کی نگاہوں میں ایک باعزت کپتان ہوں لیکن یہ میری ذہانت ہے کہ میں سمندر میں کچھ وقت ایسا بھی حاصل کرلیتا ہوں جسے بادیان پر گزار سکوں پھر اس وقت کا حساب میں نہایت صفائی سے دے دیتا ہوں اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا کہ میں سمندر کے سینے پر سفر نہیں کرتا رہا ہوں' یہ وقت جو میں بادیان پر گزارتا ہوں میرے عزیز' صحیح معنوں میں یہی میری آمدنی کا ذریعہ ہے ورنہ کسی جہاز کی کپتانی سے کسی شریف آدمی کو کیا مل سکتا ہے تم خود سوچو میں نے جو دولت اکٹھی کی ہے' بادیان سے اکٹھی کی ہے اور بادیان کے لوگ البانو کو بہتر طور پر جانتے ہیں' کم ازکم وہ جو اس کے شکار ہو چکے ہوں۔

تو میرے پیارے دوستو' ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں بادیان سے واپسی کا سفر اختیار کروں' ممکن ہے میں تمہیں یہاں سے لے جاکر قاہرہ چھوڑ دیتا لیکن تمہارے پاس جتنی دولت مجھے محسوس ہوئی تھی' اس نے سچی بات ہے کہ میری نیت خراب کردی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ' تمہاری دولت میرے پاس آنی چاہیے اور چونکہ ابھی میں اور مسٹرینگ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اس لئے تمہاری دولت لوٹنے کے بعد ہمیں تم سے بھی نجات حاصل کرنا ہوگی تاکہ ہم آرام سے بادیان پر اپنا کچھ کام کریں۔ میں نے تمہارے سامان کی تلاشی لے لی ہے جو کچھ مجھے مل سکا ہے مجھے معاف کرنا میں نے حاصل کر لیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی ہمیں دے دو۔"

"گویا تم..... لٹیرے ہو' قزاق ہو تم؟" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں جب ہمارا جہاز سمندر کی مخصوص پٹیوں کو چھوڑ کر بادیان کی جانب رخ کرتا ہے تو اس جہاز پر موجود تمام لوگ لٹیرے بن جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ذہن میں صرف ایک ہی خیال ہوتا ہے' دولت۔ دولت..... ہم اپنی مہذب زندگی وہیں چھوڑ آتے ہیں اور وہ راستے اختیار کر لیتے ہیں جو ہمیں دولت کی سمت لے جاتے ہیں۔ تم سے سب کچھ حاصل کرنے کے بعد ہم تمہیں سمندر میں پھینک دیں گے اور لانچ واپس بادیان پہنچ جائے گی۔ بادیان پر میرا جہاز موجود ہے' ابھی تو مجھے وہاں بہت کچھ کرنا ہے۔ میرے پاس قطعی وقت نہیں ہی کہ میں کہیں دور تک سفر کر سکوں' نہ ہی مسٹرینگ ابھی کہیں جاسکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اب تم لوگ اپنے آخری سفر کی تیاریاں کرو' ہاں ذرا ان کی تلاشی تو لینا۔" اس نے

عقب میں کھڑے ہوئے آدمی سے کہا اور چند افراد ہمارے قریب پہنچ گئے۔

میں اس خوفناک صورت حال سے ایک لمحے کے لئے تو سخت پریشان ہو گیا تھا لیکن زندگی کا اختتام اچانک اتنے قریب کبھی نہیں آیا تھا جتنا اب' چنانچہ میرے پاس سوچنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ جو کچھ کرنا تھا اندھے اقدامات کے تحت کرنا تھا چنانچہ جونہی شخص نے عقب سے آکر میرے سینے پر ہاتھ رکھا' میں نے دونوں ہاتھ الٹے کر کے اس پسلیوں پر مارے اور پھر اسے سر سے بلند کر کے اس قوت سے البانو پر پھینکا کہ البانو خود سنبھال نہ سکا۔ وہ پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں پر ڈھیر ہو گیا۔ دو آدمیوں نے اسے سنبھالا بقیہ دو نے فائرنگ شروع کردی۔ چند چیخیں ابھریں' میں نے یہ بھی اندازہ نہیں لگایا تھا کہ چیخیں کس کی ہیں' اس وقت تو جو کچھ ہونا تھا ہو ہی جانا تھا۔ اڑتا ہوا ان دونوں پر جا پڑا البانو کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ میں نے اندازہ رکھا تھا کہ ان دونوں کے تول کس طرح میرے ہاتھ میں آسکتے ہیں چنانچہ جونہی میں ان پر گرا میرے دونوں ہاتھوں نے ان کے پستول چھین لئے اور پھر میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان دو افراد پر گولیاں ہلا دیں جن کے ہاتھوں میں پستول موجود تھے اور جو فائرنگ کر رہے تھے۔ میری چلائی ہوئی نوں گولیوں نے ان کی پیشانیوں میں سوراخ کر دیئے اور وہ چیخیں مار کر الٹ گئے۔ البانو جو کی قدر سنبھل گیا تھا الٹی قلا بازی کھا کر میری طرف آیا اور میں نے ایک گولی اس کے سینے بھی داغ دی۔ میں اس وقت ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لے رہا تھا۔ جہاز کے عملے کا فرد میرے سامنے آیا' میں نے اس پر بے دریغ پستول استعمال کر ڈالا۔

اسی دوران گلاب نے بھی ایک کارنامہ دکھا ڈالا' یعنی جو دو پستول نیچے گر پڑے تھے ں نے اپنے قبضے میں لے لئے اور وہ بھی جہاز کے عملے کے لوگوں پر فائرنگ کرنے لگا۔

بہروز کا کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے' ذرا سی دیر میں ہم نے عملے کے تقریباً دس آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ کچھ اور لوگ جو ہمارے ساتھی غلام تھے اسلحے پر قبضہ کرنے میں امیاب ہو گئے چنانچہ ان کی مدد سے ہم نے انتہائی پھرتی سے حالات پر قابو پالیا۔ لانچ کے لے کے تمام افراد یا تو شدید زخمی ہو گئے تھے یا ہلاک ہو چکے تھے۔ کیپٹن البانو کے عین دل کے مقام پر گولی لگی تھی چنانچہ اس کی فوری موت واقع ہو گئی تھی۔ کچھ فاصلے پر گیری ینگ کی اوندھا پڑا تھا۔ میں نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے پلٹ کر دیکھا تو اس کی پیشانی اور سینے ں تین گولیاں پیوست تھیں' یہ گلاب کی چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ گلاب نے درحقیقت ں وقت انتہائی برق رفتاری سے کام کیا تھا اور میری پوری پوری مدد کی تھی ورنہ غیر تربیت یافتہ لوگوں سے ایسے خوفناک اور اچانک پیش آنے والے حادثے سے نمٹنے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ لانچ کا ہنگامہ فرو ہو گیا تھا اور اب کوئی مزاحمت نہیں تھی۔

"بہروز کہاں ہے گلاب؟" میں نے لانچ میں نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا اور گلاب بھی

ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر ہم دونوں ہی ایک طرف لپکے۔ بہروز ہمیں نظر آ گیا تھا۔

میں نے جلدی سے اس کا بدن دیکھا۔ اس کی بائیں ران پر سوراخ تھا اور اس
خون ابل رہا تھا۔ بقیہ بدن ٹھیک تھا۔ سانس کی رفتار میں بھی کوئی فرق نہیں تھا ابتدائی
امداد کے طور پر میں نے اس کے زخم پر پٹی کس دی اور اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ بے ہو
تھا چنانچہ میں اسے اس جگہ سے اٹھا کر لانچ کے کیبن میں لے گیا۔ ران کے زخم کا اند
لگانے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ گولی نے کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔

"کسی چیز کی ضرورت، منصور بھائی؟" گلاب نے پوچھا۔

"نہیں گلاب لانچ کو کنٹرول کرو۔ میں ذرا بہروز کو دیکھ لوں، اس کے بعد تمہار
پاس پہنچتا ہوں۔" میں نے کہا اور گلاب چلا گیا بہروز کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ خون رک گیا
لیکن اتنی ہی دیر میں کافی خون بہہ گیا تھا اور اس کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی تھی۔

میں نے احتیاط سے اس کے زخم پر بندھی ہوئی پٹی کھولی۔ خون پھر رسنے لگا
لیکن زخم دیکھے بغیر چارہ بھی نہیں تھا اور اس کے لئے بہروز کا زیریں لباس اتارنا ضروری
میں نے تکلف مناسب نہیں سمجھا۔ زیادہ خون بہہ جانے سے اس کی زندگی کو بھی خطرہ لا
ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے اس کا لباس نیچے سرکا دیا تھا لیکن دوسرے لمحے میرے دماغ
ایک شدید دھماکا ہوا۔ میری آنکھیں جھپک گئیں پھر کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ مجھے ان
بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ بہروز لڑکی تھ
ہاں بہروز لڑکی تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس
یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی لیکن پھر خود میرے ذہن نے مجھے سارے سوالات کے جواب
دے دیئے۔ ابتدا میں اسے میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ آہستہ آہستہ ہی اعتماد قا
ہوا اور اس کے بعد جھجک پیدا ہو گئی ہو گی۔ بہروز نے کوئی جھوٹی کہانی تو نہیں سنائی مجھ
سوائے اس کے کہ اس نے اپنے کردار کو ایک نوجوان کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ وہ تو او
زیادہ قابل عزت تھا کہ اس نے لڑکی ہو کر اس طرح حالات کا مقابلہ کیا۔

میں نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ لڑکی ہے تو کیا ہوا۔ اس وقت میرے علاوہ کوئی نہیں
ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے چنانچہ میں نے ذہن کو ہر آلودگی سے پاک کر کے اس
زخم کو دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے از حد مسرت ہوئی کہ گولی گوشت ہی سے پار ہو گئی تھی او
ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔

نرم و نازک بدن کے لئے اب زیادہ احتیاط کرنی پڑی۔ کوئی دوا وغیرہ تو نہیں تھی
جلا ہوا کپڑا دونوں طرف سے زخم میں بھرا اور احتیاط سے پٹی کس دی۔ خون بالکل رک گ
تھا۔ میں نے "اطمینان کرنے کے بعد اس کا لباس درست کر دیا۔ اور پھر پیشانی مسلنے لگا۔ خدا
بہروز پر اس بات کا کیا اثر ہو گا اور دوسرے لوگوں کو...... نہیں دوسرے لوگوں کو اس بات

کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے۔ بہت سے فیصلے کیے تھے میں نے دل ہی دل میں بہروز بدستو
بے ہوش تھا۔ میں نے اسے اطمینان سے لٹا دیا۔ اب تو صورت حال اور نازک ہو گئی تھی۔
میں کسی اور کو اس کے پاس نہیں چھوڑ سکتا تھا لیکن باہر کا جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ اس
کے علاوہ اور کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آئی کہ اسے وہیں رہنے دوں اور کیبن کا دروازہ باہر
سے بند کر دوں۔

تھوڑی دیر کے بعد میں کیبن سے باہر آ گیا۔ گلاب اور دوسرے لوگوں پر سکتے کی
کیفیت طاری تھی۔ لانچ کا انجن اسٹارٹ تھا اور لانچ اپنی جگہ رکی ہوئی تھی۔ سمندری لہریں
اسے ہچکولے دے رہی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے اس کا انجن بند کیا اور اسٹیئرنگ
سنبھال لیا پھر لانچ کو سیدھا کرنے کے بعد میں نے گلاب کو مخاطب کیا اور گلاب سراسیمہ سا
میرے پاس آ گیا۔

"سب سے پہلے ان لوگوں سے معلوم کرو گلاب، کہ ان میں سے کوئی لانچ کی
ڈرائیونگ سے متعلق کوئی بات جانتا ہے؟"

"نہیں جانتا منصور بھائی۔"

"کیسے معلوم ہوا؟"

"ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اب کیا کریں گے؟" گلاب نے جواب دیا۔

"اوہ۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے گلاب۔ میں لانچ سنبھال سکتا ہوں۔ آؤ تمہیں اس
کے بارے میں مختصراً کچھ بتا دوں یا پھر یوں کرو کہ پہلے ہم ان ذلیل آدمیوں سے نجات
حاصل کر لیں، چلو سب لوگ ان کے لباسوں کی تلاشی لو اور جو کچھ ان کے پاس سے برآمد
ہو نکال لو۔ اس کے بعد ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دو۔" میں نے انہیں ہدایت دی
اور وہ سب میری ہدایت کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔

لاشوں کے لباسوں سے بہت کچھ ملا تھا۔ بہرحال لانچ کو ان لوگوں سے خالی کر دیا
گیا۔ اس کے بعد فرش سے خون وغیرہ صاف کیا گیا۔ گلاب نے ان میں سے چند لوگوں کے
لباس بھی اتار لئے تھے اور انھی لباسوں سے فرش سے خون صاف کیا گیا اور پھر ان کپڑوں کو
پانی میں پھینک دیا گیا۔ سمندر میں بڑا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ پہلے تو ہم نے اس پر توجہ نہیں دی
لیکن پھر کسی خیال کے تحت میں نے کنارے پر آ کر جھانکا تو نیچے ایک دہشت ناک منظر نظر
آیا۔ گوشت خور مچھلیوں کے غول لانچ کے اردگرد پھیل گئے تھے اور انسانی اعضا
پانی پر اچھل رہے تھے۔ مچھلیوں نے اپنے تیز دانتوں سے ان لاشوں کے حصے بخرے کر لئے
تھے۔ اور اپنا اپنا حصہ منہ میں دبائے ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔

مچھلیوں کی تعداد اتنی تھی کہ یہ چند لاشیں اس کے لئے بہت کم تھیں۔ ابھی تو پانی
میں خون موجود ہے وہ وہیں الجھی رہیں گی لیکن لاشوں کو چٹ کرنے کے بعد وہ بے قابو ہو

جائیں گی اور پھر ممکن ہے وہ لانچ پر حملہ آور ہوں۔ کافی عظیم جثے کی مچھلیاں تھیں اور ان کے آری جیسے دانت نمایاں تھے۔ ان کی آنکھوں میں موت کی چمک دیکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے اس سے قبل کہ وہ کوئی خطرناک مرحلہ پیدا کر دیں ان کے نرغے سے نکل جانا ضروری ہے۔

"لانچ ڈرائیو کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا نہ ہی سمندر کے بارے میں کچھ جانتا تھا لیکن اگر میں بھی ان لوگوں سے اپنی عدم واقفیت کا اظہار کر دیتا تو سب خوفزدہ اور بددل ہو جاتے اور اس کے بعد نہ جانے کیا مشکل پیدا ہوتی۔

بہرحال لانچ کے کل پرزے دیکھے۔ ڈرائیونگ سے واقفیت تھی اس لئے کام چلا لیا اور لانچ کو بھی کار کی طرح چلانے لگا۔ انجن کی آواز سے مچھلیاں کچھ خوفزدہ ہو کر دور ہٹ گئیں اور میں لانچ ان کے درمیان سے نکال لے گیا۔ میری تمام توجہ اب لانچ پر تھی اور چند منٹ کے اندر اندر مجھے اس کی ڈرائیونگ سمجھ میں آ گئی اب کوئی دقت نہیں تھی۔

گلاب میرے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔ میں اسے ڈائیونگ کا طریقہ بتانے لگا اور پھر خود اسٹیئرنگ سے ہٹ گیا۔ گلاب نے کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ میں اسے اصولی باتیں بتانے کے بعد بولا۔

"کیا خیال ہے گلاب تم اسے کنٹرول کر سکتے ہو؟"

"ہاں منصور بھائی۔ یہ تو بہت آسان ہے۔"

"اگر سمندر میں کوئی خاص بات دیکھو تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"بہروز ابھی تک بے ہوش ہے۔ اسے دیکھوں کہیں اس کی حالت زیادہ نہ بگڑ جائے اور سنو تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے ایک شخص سے کہا۔

"دانیال' آقا۔" اس شخص نے ادب سے کہا۔

"دانیال۔ چائے یا کافی ملے تو بنا کر لے آؤ۔ دوسرے لوگوں کو بھی پلاؤ اور خود بھی پیو۔ ہم صبح کی روشنی میں باقی امور کا جائزہ لیں گے۔"

"جو حکم آقا۔" دانیال نے کہا اور میں کیبن کی طرف چل پڑا۔ میں نے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ بہروز چت لیٹا تھا بلکہ لیٹی تھی۔ اب تو اس کی شخصیت عجیب ہو گئی تھی۔ میری نگاہ میں لیکن بہروز کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ کیبن کے دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے گردن گھمائی اور پھر مجھے دیکھ کر اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔

"منصور...... منصور...... من......" وہ بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلا کر اٹھا اور میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔"

"خدا کی قسم...... خدا کی قسم۔ یہ تم ہی ہو۔ یہ تم ہو منصور؟ میرے آقا۔ میرے الک۔ میرے منصور۔" وہ شدید جذباتی ہو گئی۔ میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے دونوں ازو میرے گرد ڈال کر مجھے بھینچ لیا۔

"کیسی کیفیت ہے تمہاری؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ آہ۔ نہ جانے۔ نہ جانے کیسے کیسے وسوسوں کا شکار رہا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"مثلاً؟"

"مجھے جب ہوش آیا تو میں نے خود کو اس کیبن میں بند پایا۔ میں اٹھ کر وہاں گیا تو ہیں نے دروازہ بند پایا۔ اس وقت' اس وقت میں نے یہی سمجھا کہ میں قیدی ہوں اور ان رنجتوں نے ہم پر قابو پا لیا ہے۔"

"تم اٹھ کر دروازے تک جا چکے ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ مگر یہ بتاؤ۔ کیا ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ ہم نے ان سب کو قتل کر دیا اور اب ان کے بدن بے گوشت ہو چکے دل گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ان کی لاشیں مچھلیاں کھا چکی ہوں گی۔"

"سمندر میں پھینک دیا تھا انہیں؟" بہروز بے صبری سے سوالات کیے جا رہا تھا۔ بے رقوف نے شاید ابھی تک اپنی حالت پر غور نہیں کیا تھا۔

"ہاں۔ ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئی تھیں۔"

"البانو اور ینگ بھی؟" بہروز نے پھر کہا۔

"ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔"

"میرے خدا' البانو۔ وہ ہمارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا منصور۔" بہروز رخیال انداز میں بولا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"اس کا خیال تھا کہ شاید ہم جزیرہ بادیان سے بہت بڑی دولت لے جا رہے ہیں اور رے خیال میں اس کی یہ غلط فہمی فطری تھی۔"

"وہ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"دراصل تمہیں دولت سے کوئی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی اس کا اندازہ تو میں بھی کر کا ہوں۔ تم نے منہ مانگی قیمت نہایت آسانی سے اسے دے دی۔ بس یہی بات تھی۔"

"اوہ۔ ممکن ہے۔"

"ممکن نہیں یہی حقیقت ہے۔ وہ ایک جہاز کا کپتان ہے اور پھر جو کچھ اس نے اپنے اور جہاز کے بارے میں بتایا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ غیر قانونی طور پر وہ کتنی دولت کما لیتا ہے۔ اگر وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتا تو اتنا بڑا کھیل نہ کھیلتا۔ وہ خود بھی چھپ کر لانچ پر آ گیا۔ مقصد یہی ہو گا کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور لانچ واپس چلی جائے گی۔"

"یقیناً ایسا ہی تھا۔"

"لیکن......" بہروز مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ "تم نے یہاں بھی پانسہ پلٹ دیا۔"

"ہم میں سے کوئی سمندر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہمیں علم نہیں ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ اگر سمندر میں یونہی بھٹکتے رہے تو ڈیزل کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور خوراک بھی۔ ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم کہ......"

"اوہ۔ یہ۔ یہ کافی کی بو نہیں ہے؟" دفعتاً بہروز نے چوہے کی طرح ناک سکوڑتے ہوئے کہا اور میری بات درمیان میں رہ گئی۔ اسی وقت دانیال کافی کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہو گیا ایک بڑے برتن میں کافی تھی اور ساتھ شیشے کے دو مگ رکھے ہوئے تھے۔

"شکریہ دانیال۔ باقی سب لوگوں کے لئے؟"

"بنا لی آقا۔ تمہارے بعد ان لوگوں کو دوں گا۔" دانیال نے ٹرے میرے سامنے رکھ دی اور باہر نکل گیا۔

"میرے خدا۔ یوں لگتا ہے جیسے لانچ مکمل طور سے ہماری کمان میں ہو۔ تم نے اتنی جلدی حالات پر کنٹرول کر لیا ہے منصور؟"

"ہاں۔ لانچ تو ہماری کمان میں ہے لیکن سمندر...... لو کافی پیو؟" میں نے پیالوں میں کافی نکالی اور ایک پیالہ اسے دے دیا۔ اس نے شکریہ کے ساتھ پیالہ لے کر پوچھا۔

"انجن پر کون ہے؟"

"گلاب...... لیکن مجھے اس کی دیکھ بھال کرنی ہو گی۔ وہ بے چارہ ڈرائیونگ نہیں جانتا۔ بس میں اسے الجھا آیا ہوں۔"

ہم دونوں کافی پیتے رہے۔ بہروز کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ تم کافی اور لے لینا اور آرام کرنا۔ ابھی چلنا پھرنا خطرناک ہو گا۔" میں نے اپنے پیالے میں مزید کافی لی اور باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی تک بہروز نے صورت حال پر غور نہیں کیا تھا۔ اسے گمان تک نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں ورنہ اس کے آثار اس کے چہرے پر ضرور جھلکتے۔

باہر کے معاملات ٹھیک تھے۔ سب کافی پی رہے تھے کچھ کھانے پینے کا شغل بھی

ی تھا۔ گلاب نے ایک اور ہیلپر بنا لیا تھا جو اس کی جگہ اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔

"سب ٹھیک ہے گلاب؟"

"ہاں منصور بھیا۔ بالکل ٹھیک۔ کافی مزہ دے رہی ہے تم آرام کرو منصور بھیا۔ اب م اس لانچ کی اماں کو بھی چلا لیں گے۔" گلاب کافی خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی ی میں رخنہ اندازی پسند نہیں کی جبکہ میرا ذہن جب بھی آنے والے وقت کے بارے سوچتا مجھے یہ احساس ہونے لگتا کہ ابھی ہمیں بہت سی مشکلات سے گزرنا ہے۔ زندگی ں اور بھینٹ چاہتی ہے۔ سمندری سفر آسان نہ ہو گا۔ بس تقدیر ہی ہمیں پار لگا سکتی ہے ہ راستوں سے ناواقفیت' لانچ کے کنٹرول سے ناواقفیت جتنے مسائل پیدا کر سکتی ہے ان کا ازہ لگانا بھی مشکل تھا۔

صبح ہو گئی۔ رات کو میں نے دوبارہ بہروز کی طرف جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ رج نکل آیا۔ دانیال اور دوسرے چند لوگوں نے صبح کا ناشتہ تیار کیا۔ میں بھی اس طرف جا ا تھا جہاں وہ لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔

"کھانے پینے کا کتنا سامان موجود ہے دانیال؟" میں نے دانیال سے پوچھا۔

"بہت مختصر ہے آقا۔ خاص طور سے پانی۔ پانی کے بس یہ دو ڈرم ہیں جو آدھے ھے ہیں اور یہ خوراک کے ڈبے......"

واقعی اتنے لوگوں کے لئے یہ خوراک اور پانی چار دن چھ دن سے زیادہ نہیں چل ا تھا۔ ظاہر ہے ینگ اور البانو کسی طویل سفر کا پروگرام بنا کر نہیں نکلے تھے۔ اگر وہ طویل ر کا پروگرام بناتے تو لانچ میں اتنے لوگوں کی ضرورت کا سامان رکھا جاتا' ان کا تو خیال تھا کہ وڑی دور سمندر میں چل کر ہمیں لوٹیں گے' قتل کریں گے اور سمندر میں پھینک دیں ے۔ اس کے لئے زیادہ خوراک اور پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ خوراک اور پانی بھی وہ ہو ا جو لانچ کے عملے سے بچ رہا ہو گا اور اسے اتارنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی ہو گی۔

خوف کی پہلی منزل تھی۔ راستوں سے بے خبر سمندر کے سینے پر بھٹکنے والوں کا سئلہ خوراک اور پانی تھا۔ اس کے خرچ ہو جانے کے بعد کیا صورتحال ہو گی۔

میں نے دانیال کو ہدایت کی۔ "دانیال تمہیں خوراک کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ اس ت کا اندازہ لگا لو کہ ہمارے پاس خوراک کتنی ہے۔ جس قدر ممکن ہو کم سے کم خوراک رچ کرو۔ ورنہ اس کے بعد......"

"جو حکم آقا۔" دانیال نے کہا۔ دوسرے لوگوں کو بھی میری اس بات سے اتفاق تھا ی تک بہروز کی شکل نہیں نظر آئی تھی۔ مجھے تشویش ہوئی کہ کہیں ران کے زخم نے دت تو نہیں اختیار کر لی چنانچہ میں کیبن کی طرف چل پڑا۔

بہروز کیبن کی ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس

نے گردن گھمائی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس نے صورت حال پر غور کر لیا ہے۔

"ہیلو بہروز؟"

"ہیلو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کیا حال ہے بھائی؟"

"ٹھیک ہوں منصور۔"

"زخم کی تکلیف کیسی ہے؟"

"بہت زیادہ بھی نہیں۔ کیا باندھا ہے اس پر؟"

"لانچ میں دوا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے جلا ہوا کپڑا زخم میں بھر کے پٹی کس دی ہے۔"

"اوہ۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ دوا بہت ہی زود اثر ہو۔ تکلیف بہت کم ہے۔" اس نے کہا۔

"شکر ہے۔ میں تمہارا ناشتہ یہیں لے آتا ہوں۔ بہتر ہے مکمل آرام کرو تاکہ زخم جلد ٹھیک ہو جائے۔"

بہروز کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات رقصاں تھے وہ چند لمحات مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ میں خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔ دانیال سے میں نے اپنا اور بہروز کا ناشتہ لیا پھر واپس کیبن میں پہنچ گیا۔ ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

میں خاموشی سے بہروز کے ساتھ ناشتہ کرتا رہا اور چند لمحات کے بعد میں نے نگاہ اٹھائی تو بہروز کو اپنی جانب نگراں پایا۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی وہ ذرا جھینپ سا گیا تھا۔ "چیف ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں ہاں ضرور۔"

"میرے زخم کو تم ہی نے بینڈج کیا تھا نا؟"

"ہاں۔ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔ بہروز نے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ میں لرزش سی پیدا ہوئی۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی خاص خیال اسے بے چین کر رہا ہے اور میں اس خاص خیال کی وجہ سمجھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بہروز کو اندازہ ہو چکا ہے کہ جسم پر بینڈج لباس کو بدن سے علیحدہ کیے بغیر نہیں ہو سکتی اور اس کا راز کھل چکا ہے لیکن میں اس وقت تک بہروز پر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک بہروز خود ہی اس بارے میں کچھ نہ بتا دے۔ ناشتہ ختم ہو گیا۔ بہروز کی نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

"اچھا بہروز۔ میں چلتا ہوں۔ تم آرام کرو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور اس نے ہچکچاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"چیف۔ آپ یقین کریں کہ یہ زخم خراب نہیں ہو گا۔ مجھے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ میں اس سلسلے میں بہت سخت جان ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں چیف کہ میں آپ کو اس سلسلے میں پریشان نہیں کروں گا لیکن میں اس کیبن میں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا۔ ابھی تک یہاں رہا ہوں تو طبیعت اکتا سی گئی ہے۔ آپ اجازت دیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ باہر چلوں۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں تمہیں باہر بلانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا چیف۔"

"ایک منٹ انتظار کر لو۔" میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا پھر میں نے بہروز کے لئے کرسی کا انتظام کیا۔ دو آدمیوں کو اس بات پر مامور کیا کہ بہروز کو کرسی پر بٹھا کر باہر لے آئیں اور کچھ لمحات کے بعد بہروز میرے پاس تھا۔ میں نے اس کی کرسی ایک جگہ رکھوا دی جہاں سے وہ سمندر کا نظارا کر سکتا تھا۔ اس طرح بہروز باہر آ گیا۔ وہ خاموشی سے سمندر دیکھتا رہا۔ میں ڈیزل کے ٹین چیک کر رہا تھا حالانکہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ڈیزل کتنے دن ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ بہرطور لانچ کا سفر جاری رہا اور پھر پورا دن ہم پر سے گزر گیا۔ بہروز نے مچھلیوں کے شکار کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے گلاب اور دوسرے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا اور انہوں نے اس بات کی تائید کی چنانچہ دانیال ہی کی نگرانی میں رسیوں کا ایک جال تیار کیا جانے لگا۔ دانیال اس سلسلے میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ یہ دوسرا آدمی تھا جو کام کا ثابت ہو رہا تھا اور یہ کہ اس کا تعلق یمن سے تھا اور یہ غلاموں میں سے ایک تھا لیکن ذہین آدمی تھا۔ جلد ہی جال تیار ہو گیا اور شام پانچ بجے کے قریب جال سمندر میں ڈالا گیا۔ اس کے نتائج بڑے ہی شاندار نکلے۔ تقریباً بیس سیر وزنی مچھلیاں ہمارے جال میں آ گئی تھیں اور ہم نے انہیں کشتی میں کھینچ لیا۔ زیادہ مچھلیاں پکڑنا بے مقصد تھا کیونکہ ہمارے پاس ان کے خشک کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ زیادہ مچھلیاں یقینی طور پر خراب ہو جاتیں اس لئے ان کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ بہرطور دانیال نے کچن میں ہی مچھلیاں بھونیں اور اب رات کا کھانا یہی رہا۔ نہایت لذیز مچھلیاں تیار کی گئی تھیں۔ سب نے نہایت ذوق و شوق سے کھائیں۔ اس طرح سمندر پر اب ہماری دوسری رات کا آغاز ہو گیا۔ رات پرسکون تھی۔ کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں نے بہروز کو دوبارہ کیبن میں منتقل کر دیا تھا۔ بہروز کی کیفیت کی وجہ اچھی طرح جانتا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ اپنی زبان اس سلسلے میں نہیں کھولے گا۔ میں اس کا اظہار نہیں کروں گا کہ میں اس کی اصلیت جانتا ہوں حالانکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں اب اس کی اصلیت سے واقف ہوں پھر بھی اسی انداز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا تھا جیسے وہ لڑکا ہو اور میں نے بھی اس گفتگو پر اسے ٹوکا نہیں تھا۔

رات کا آخری پہر تھا جب گلاب نے مجھے سوتے سے جگایا۔ میں تقریباً ساڑھے تین بجے سویا تھا اور اس وقت تک میں لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھالے رہا تھا۔ اس دوران میں، میں نے اس کی مکمل چیکنگ کی تھی۔ ساڑھے تین بجے گلاب نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی اب اسے صبح سات بجے یہ ڈیوٹی انجام دینی تھی۔ اس کے بعد اسٹیئرنگ دوسرے آدمی کے سپرد کرنا تھا۔ میرا اس وقت جاگنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن گلاب نے مجھے کسی خاص وجہ سے ہی جگایا تھا۔

"کیا بات ہے گلاب؟" میں نے سوال کیا۔

"منصور بھائی۔ لانچ کا انجن بند ہو گیا ہے۔" گلاب نے جواب دیا۔

"ایں۔ بند ہو گیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا اور پھر میں نے خود بھی یہ بات نوٹ کی کہ انجن کی آواز نہیں آ رہی۔ "کیوں کیا بات ہے۔ اندازہ نہیں ہو سکا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا البتہ میں نے سوئچ آف کر دیا ہے۔" گلاب نے جواب دیا۔

"یہ اچھا ہوا۔ آؤ دیکھیں کہ کیا بات ہے؟" میں نے کہا اور اٹھ کر سٹیئرنگ پر پہنچ گیا۔ لانچ کے انجن کے بارے میں جس قدر اندازہ لگایا جا سکتا تھا اس سلسلے میں میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ڈیزل ختم ہو گیا ہے۔ ڈیزل کے جو ٹین باقی بچے تھے میں نے اس میں الٹ دیئے اور انجن اسٹارٹ کیا مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ اب مجھے واقعی پریشانی ہو گئی تھی۔ لانچ لہروں کے رحم و کرم پر تھی اور ہچکولے لے رہی تھی۔ یہ پریشانی تو واقعی خطرناک تھی اور اس کا کوئی حل میرے پاس نہیں تھا۔ میں اس کے انجن کو ٹٹولنے لگا۔ میں اب اتنا بڑا مکینک بھی نہیں تھا کہ انجن کو سنبھال سکتا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر لی لیکن لانچ کا انجن نہیں چلا۔ اگنیشن کا سوئچ بھی آن ہو جاتا تھا مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا خرابی ہو گئی تھی۔ گلاب اور دوسرے لوگ پریشان نظر آنے لگے کیونکہ یہ مصیبت ہمارے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ گلاب نے متفکرانہ انداز میں میری شکل دیکھی اور بولا۔

"اب کیا کیا جائے منصور بھائی؟"

"کیا کیا جا سکتا ہے گلاب۔ تقریباً جو چیزیں ضروری تھیں وہ میں دیکھ چکا ہوں۔" میں نے کہا اور گلاب بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگا۔

"اس کا مقصد ہے لانچ اب آگے نہیں بڑھے گی؟" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

میں خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ گلاب کی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ظاہر ہے میں اب سلسلے میں کیا کہہ سکتا تھا۔ لانچ رکی ہوئی تھی۔ بادبان کا کوئی سلسلہ نہیں تھا جس کی مدد سے اس کو ہوا کے رخ پر آگے بڑھایا جا سکتا۔ کوئی بھی صورت حال نظر

آ رہی تھی کہ ہم ان حالات پر قابو پا سکتے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک مزید کوشش کی گئی۔ بادبان بنانے کی کوشش بھی کی گئی تھی کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جسے بادبان کے کپڑے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا۔ اس کے بانس وغیرہ یا کوئی ایسی بلیاں بھی نہیں تھیں جن پر بادبان چڑھائے جا سکتے۔ لانچ پر یقینی پر ان حالات سے نمٹنے کا کوئی طریقہ ہو گا یا انجن مکینک اس کے ساتھ ہوں گے لیکن وقت ہم بے یار و مددگار لوگوں کے لئے کوئی طریقہ نہیں تھا چنانچہ ہم بے بسی سے ہاتھ رہے۔ اب بات صرف سمندر کی لہروں کی تھی جو لانچ کو متحرک تو کیے ہوئے تھیں لانچ کس طرف جا رہی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بعض اوقات وہ دائیں سمت سے آگے بڑھ جاتی اور پھر اسی انداز میں پیچھے ہٹ جاتی۔ وہاں تو ہوا کے رخ کی بات اس کے علاوہ ہچکولے بھی اتنے لگ رہے تھے کہ اب چیزیں گرنے لگی تھیں۔ گویا تباہی نزدیک تھی جب ہم بالکل ہی بے حال ہو گئے تو میں کیبن میں پہنچ گیا۔ بہروز بھی صورت حال سے پریشان تھا۔ اس نے سراسیمہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"میں صورت حال سمجھ چکا ہوں منصور۔ اب کیا ہو گا؟"

"اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے بہروز۔ میں نہیں جانتا انجن کو کیا ہو گیا ہے۔ نہ لانچ کے بارے میں اتنی معلومات رکھتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس پروگرام سے نہیں چلا تھا۔ اگر صورت حال علم میں ہوتی تو میں ایسی کارروائی نہ کرتا۔ میں لانچ کو چلانے کی کوشش نہ کرتا لیکن اب جو کچھ ہوا ہے وہ ہم سب کی تقدیر ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ آئندہ تقدیر ہمارے لئے کون سا راستہ انتخاب کرتی ہے۔" میں نے جواب دیا بہروز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا' باہر گلاب اور دوسرے لوگ لانچ کی ریلنگ سے لگے ہوئے اپنی تقدیر کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ تب بہروز کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"چیف۔"

"کیا بات ہے بہروز؟"

"میرا نام سعدیہ ہے۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بہروز۔ تم جس حیثیت میں مجھ سے ملے تھے میں نے سے قبول کر لیا تھا۔ تم نے اپنے حالات بتائے میں نے ان پر یقین کر لیا۔ میں نے سادگی سے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اگر تم نے اپنے ذہن میں کوئی بات پوشیدہ رکھی ہوئی تھی تو وہ تمہارا حق ہے۔ میں کون لگتا ہوں تمہارا۔ ضروری تو نہیں ہے کہ تم ساری باتیں مجھے بتا دو۔"

"چیف ناراض نہ ہو۔ کبھی دل میں ایسا خیال نہ لاؤ۔ تم صورت حال سے واقف ہو۔ تم تجربہ کار ہو۔ تم حقیقت کا تجزیہ کرو گے چیف تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں بے

قصور لڑکی تھی۔ میں لڑکی بن کر اگر یہ سب کچھ کرتی، تو تم خود ہی سمجھتے ہو میرا کیا حال ہوتا۔ بادبان پر ایک لمحے محفوظ نہ رہتی۔ تم یقین کر لو منصور کہ میں نے ہر رات سولی دیکھی ہے۔ میں ہر لمحے اس خوف کا شکار رہی ہوں کہ میرا راز آشکارا نہ ہو جائے۔ ایک نوجوان کی حیثیت سے بھی میں محفوظ نہیں تھی۔ جزیرہ پر جو کچھ مجھے کرنا پڑا وہ میرے لئے بے حد خوفناک تھا۔ اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے اس قسم کے ہنگامے مجھے کرنے پڑے یقین کرو زندگی میں اس سے پہلے یہ ہنگامے نہیں کیئے تھے۔ میں ان حالات سے کبھی نہیں گزری تھی۔ مجبوریوں نے مجھے سب کچھ سکھا دیا۔ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ لڑکا بنی رہوں اس طرح کم از کم میری عزت و عصمت محفوظ رہ سکتی ہے، ورنہ وحشیوں کے اس جزیرہ میں پتہ نہیں کیا حال ہوتا۔ اگر سنجیدگی سے صورت حال پر غور کرو گئے منصور تو میں بے قصور نظر آؤں گی۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بہروز یار۔ میں نے تم سے کبھی شکایت کی ہے؟"

"شکایت کرو نا چیف۔ تم نے مجھ سے شکایت کیوں نہیں کی۔ مجھے اسی بات کا دکھ ہے۔ میں جانتی تھی کہ تم میرے بارے میں سب کچھ سمجھ چکے ہو۔ میں نے خود کو فریب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتی تھی کہ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جان سکے۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔"

"کوئی بات نہیں بہروز۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں ان تمام چیزوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"تمہیں مجھ پر مکمل بھروسہ ہے منصور؟"

"ہاں مکمل۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں جانتی تھی کہ تم بہت فراخ دل انسان ہو اور اس بات پر کوئی ایسا برا خیال دل میں نہیں لاؤ گے جو میرے لئے باعث تکلیف ہو۔"

"میں نے کہا نا کہ تم کچھ بھی ہو مجھے تمہاری دوستی سے غرض ہے۔"

"میں تمہارا پجاری ہوں۔ میرا مطلب ہے تمہاری پجارن ہوں۔" بہروز یا سعدیہ نے ہنس کر کہا اور میں بھی ہنسنے لگا پھر وہ بولی۔ "لیکن منصور دوران سفر تمہارا کیا خیال ہے میں لڑکا ہی بنی رہوں؟"

"بہت ضروری ہے بہروز۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ہم آنے والے وقت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں کن حالات سے گزرنا پڑے۔"

"چیف، برا وقت شروع ہو چکا ہے۔ ہمیں اب کیا کرنا چاہیئے؟" بہروز نے پوچھا۔

"ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بس آنے والے وقت کا انتظار کرو۔" میں نے جواب دیا بہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اسے بہروز کے ہی سے مخاطب کروں گا۔ تاوقتیکہ اس کی اپنی حیثیت بحال نہ ہو جائے۔

سورج بلند ہو چکا تھا۔ ہمارے چہروں پر مایوسی طاری تھی۔ امید کی کوئی کرن نظر آتی تھی۔ یہی شکر تھا کہ ہوائیں تیز نہیں چل رہی تھیں اور لانچ کے سرکنے کی رفتار ست تھی حالانکہ صبح کے وقت سامان میں خاصی الٹ پلٹ ہو گئی تھی کیونکہ ہوائیں تیز تھیں لیکن جوں جوں سورج بلند ہوتا گیا ہوائیں ست پڑتی گئیں۔ اب لانچ پر سکون از میں ہوا کے رخ پر آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔

سب لوگ صورت حال سے آگاہ تھے۔ انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ موت آہستہ نہ قریب آ رہی ہے۔ اگر سمندر میں مدوجزر کی کیفیت پیدا ہو گئی تو پھر اس لانچ کی، دیو لہروں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ کوئی بھی لہر لانچ کو الٹ دے گی اور وہ خود بھی طرح ان مچھلیوں کا شکار ہو جائیں گے جس طرح لانچ کے عملے کے لوگ ان کی نگاہوں سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے۔ میں جس طرف بھی نگاہ اٹھاتا مجھے موت کی تحریر ان چہروں پر نظر آتی۔ بہروز کیبن ہی میں تھا لیکن چند لمحات کے بعد ہی وہ ایک لکڑی کا رالیتا ہوا میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے کیبن سے آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا جب اس مجھے آواز دی تو میں چونک کر پلٹا اور اسے اپنے نزدیک دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے بہروز۔ تم اپنے پیروں سے چلتے ہوئے یہاں آ گئے؟"

"ہاں چیف۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"مگر اس طرح تمہارے زخم کا کھرنڈ ٹوٹ سکتا ہے۔"

"تو پھر؟" وہ بدستور مسکراتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے؟"

"ہے چیف۔ مگر اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا ہم زندہ بچ سکیں گے؟" بہروز سوال کیا اور میرے چہرے پر جھنجلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"ہاں بچ سکتے ہیں بہروز۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہم لوگ بچ سکتے ہیں۔ حالات کچھ بھی ہم لوگ بچ سکتے ہیں۔" میں نے ایک عجیب سے جذبے کے تحت کہا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ بہروز کے الفاظ نے میرے اندر کون سی قوتیں جگا دی تھیں۔ میری آواز میں بول رہا تھا۔ بس میں جھنجلائے ہوئے انداز میں ایک ہی لفظ دہرائے جا تھا "ہم بچ سکتے ہیں بہروز، ہم بچ سکتے ہیں۔ یہ میرا ایمان ہے آئندہ تم ایسی احمقانہ بات سامنے نہ کرنا۔"

بہروز کے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"میں شرمندہ ہوں چیف۔ میں شرمندہ ہوں۔ بہت شرمندہ ہوں۔" میں نے اس
بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور دور افق پر نگاہیں گاڑ دیں۔ جو کچھ میں نے کہا تھا اس
میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ بس یہ آواز میرے اندر سے ابھری تھی اور میری نگاہوں
افق پر اس آواز کا جواب دیکھ لیا۔ کوئی سفید سی شے میری نگاہوں میں لہرائی اور یقی
آنکھوں کا دھوکا نہیں تھا۔ کچھ ضرور تھا۔ یقیناً کچھ تھا۔ میں اپنی جگہ سے ہٹا اور اچھل
ایک بلند جگہ چڑھ گیا۔ سمندری بگولے بلند ہو رہے تھے' لانچ کبھی اوپر ہو جاتی تھی اور
نیچے۔ میں انتظار کرنے لگا کہ لانچ کسی بگولے پر ابھرے تو میں اپنے اس نظری دھوکے کا
کرسکوں اور ایسا ہی ہوا۔ جب لانچ اوپر ابھری تو میں نے دیکھا کہ ایک جہاز کے مس
آسمان کو چھو رہے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی سمندری جہاز تھا جو بحری راستے پر اپنی پٹی سے گز
تھا۔ میرے حلق سے مسرت آمیز چیخ نکل گئی۔

"بہروز۔ ہم زندہ رہیں گے' سمجھے۔ قسمت نے ہمیں ایک اور موقع دے دیا ہے"
اس کے بعد میں نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"ساتھیو۔ تقدیر نے ہمیں زندگی دی ہے لیکن اس کے حصول کے لئے ہمیں جد
کرنی ہوگی۔"

تمام لوگ خوشی سے ناچنے لگے۔ سب کو صورت حال بھی معلوم ہو گئی تھی۔
اچھل اچھل کر جہاز کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لانچ کو جہاز تک لے جانے کی
ترکیب نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ خود جہاز والے ہمیں دیکھ لیں اور ہمیں مصیبت
سمجھ کر ہماری مدد کریں لیکن انھیں متوجہ کرنے کے لئے بھی کوئی موثر ترکیب ہونی چا
تھی۔ چنانچہ میں نے جتنے رنگین کپڑے دستیاب ہو سکتے تھے اکٹھے کیے اور لانچ کی بلند
جگہوں پر لہرا دیئے۔

اس کے بعد ہم تقدیر کے اس کھیل کو دیکھنے لگے۔ کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا
جہاز اب صاف نظر آرہا تھا لیکن اس طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی اور اس وقت
مایوسیوں کی حدوں کو چھونے لگے تھے۔ جب اچانک امید کا چراغ روشن ہو گیا۔ جہاز
مستول پر سرخ کپڑا لہرانے لگا تھا۔ انھوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔

ایک بار پھر پرشور ہنگامہ ہونے لگا...... لوگ خوشی سے ناچنے لگے تھے لیکن
نے انھیں روک دیا۔ "سنو۔ میری بات سنو۔ ہنگامہ خیزی مت کرو۔ بات سنو۔" اور وہ
خاموش ہو گئے۔ "جہاز والوں کو کیسے مطمئن کرو گے۔ کیا یہ کہو گے کہ ہم نے لانچ کے
کو ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا ہے؟" میں نے کہا اور سب کے رنگ فق ہو گئے۔

بہروز نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔ "ہاں
فیصلہ کرلینا ضروری ہے کہ ہم جہاز والوں سے کیا کہیں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے منصور بھائی۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" گلاب بولا۔

میں پر خیال انداز میں داہنا گال کھجانے لگا تھا پھر میں نے جلدی میں ایک ہی بات
سوچی۔ "اس کے علاوہ ہم ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ملازمت کی تلاش میں اسمگل ہو
کر مشرق وسطیٰ جا رہے تھے۔ راستے میں لانچ طوفان کا شکار ہو گئی اور عملے کے افراد موت
کی نذر ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"کچھ غیر فطری سی بات ہو گی چیف۔" بہروز بولا۔

"کیوں؟"

"عملے ہی کے تمام افراد ہلاک ہو گئے۔ ہم سب زندہ بچ گئے؟"

"نہیں۔ ہماری تعداد تو سو کے لگ بھگ تھی۔ سو افراد میں سے ہم زندہ بچے ہیں
صرف۔"

"اوہ۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے۔" بہروز کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔

"ہم میں سے کوئی ایک عملے کا آدمی بھی بن سکتا تھا لیکن اس کے بعد اس سے لانچ
کے بارے میں سوالات کیے جائیں گے اور ظاہر ہے ہم لانچ کے کوائف نہیں بتا سکتے۔"

"بالکل درست ہے لیکن ہم سب کو ایک ہی کہانی سنانی ہو گی۔ ہم کہاں سے چلے
ہیں؟" گلاب نے کہا۔

"کسی ایک جگہ کا نام منتخب کرلو۔ ہم میں سے چند افراد پہلے چلے تھے اور باقی بعد میں
ایک جزیرے سے لئے گئے تھے اور ہمیں لانچ پر لانے والے کا نام بن ہام تھا۔"

"بن ہام...... بن ہام۔" سب نے یاد کر لیا۔ جہاز اب بہت قریب آگیا تھا۔ قریب
آنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بھی جہاز نہیں بلکہ ایک بہت بڑی لانچ تھی جس پر کوئی نام بھی
لکھا ہوا تھا۔ ہم اسے دور سے جہاز سمجھے تھے۔ بہر حال' سے کوئی چھوٹا موٹا جہاز بھی کہا جا
سکتا تھا۔ عرشے پر لوگ کھڑے ہوئے تھے' خاموش [illegible] ہوش۔

تھوڑی دیر کے بعد اوپر سے رسے پھینکے گئے جن میں فولادی آنکڑے لگے ہوئے
تھے۔ یہ آنکڑے ہماری لانچ میں آ پہنچے اور لانچ کو اس بڑی لانچ کے نزدیک کھینچ لیا گیا پھر
رسی کی سیڑھیاں لٹکائی گئیں اور ہم ایک ایک کر کے اوپر پہنچ گئے۔ لانچ والے خاموشی سے
ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے درمیان ان کا کپتان بھی موجود تھا لیکن انتہائی خونخوار شکل کا
مالک۔ دوسرے لوگ بھی عجیب لگتے تھے۔ انھوں نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس ایک
شخص نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور اس بڑی لانچ کے ایک کشادہ گوشے میں پہنچا
دیا پھر وہ واپس چلے گئے۔

تنہائی ملتے ہی بہروز خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "کچھ اندازہ لگایا چیف؟"

"کیسا اندازہ؟" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لگتا ہے بھاڑ سے نکل کر چولہے میں آگرے ہیں۔"

"نہیں بہروز۔ سمندر میں ہماری زندگی قطعی غیر محفوظ تھی۔ کسی بھی وقت کوئی بڑی لہر کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ کم ازکم ان لوگوں کے درمیان زندگی تلاش کی جا سکتی ہے۔"

"کیسے لوگ ہیں یہ۔ کیا صورت سے جرائم پیشہ نہیں معلوم ہوتے؟"

"سوفی صد۔ خاص طور سے کپتان۔ خونخوار آدمی لگتا ہے۔"

"ان کی خاموشی عجیب نہیں ہے چیف؟"

"ہاں غیر فطری ہے۔ انھیں ہمارے بارے میں تجسس کا شکار ہونا چاہیئے تھا لیکن....."

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے اردگرد کے ماحول پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ لانچ ابھی وہیں لنگر انداز تھی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اب وہ لوگ کیوں رکے ہوئے ہیں تاہم اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ لانچ کی تلاشی لے رہے ہوں گے۔

بہر حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد لانچ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا اور اپنے رخ پر چل پڑی۔ لانچ کے اس کھلے ہوئے حصے میں ہماری نگرانی پر کوئی نہیں تھا۔ خلاصی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی نگاہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھ لیتا تھا لیکن اس کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی۔ بڑا عجیب سا وقت گزرا۔ کئی گھنٹے ہمیں اسی عالم میں گزارنے پڑے۔ اس کے بعد ہمیں کھانا پیش کیا گیا۔ کئی آدمی بڑی بڑی ہانڈیاں رسیوں میں لٹکائے ہوئے آئے۔ انھوں نے بڑی بڑی مخصوص طرز کی تھالیاں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں اور ان میں کھانا ڈالنے لگے۔

میں پھر پریشان ہو گیا تھا لیکن بھوک لگ رہی تھی اس لئے اس وقت تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے کھانا لے لیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ لوگ برتن لے کر واپس جانے لگے تو میں نے ان میں سے ایک کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سنو۔" میں نے کہا لیکن اس شخص کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ غالباً مخاطب کرنے کے اس انداز نے اسے برگشتہ کر دیا تھا اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹکنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کے شانے پر انگلیوں کی گرفت سخت کر دی تھی۔ وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس بات پر وہ اور جھنجلا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا بازو پکڑ کر اسے گھمانے کی کوشش کی ناکامی اسی کے لئے نقصان وہ ثابت ہوئی۔ وہ خود ہی گر پڑا تھا۔

"میں تمہارے کپتان سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے سکون سے کہا لیکن میرا مخاطب دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر میرے اوپر جھپٹا مارا تو میں اس کی زد سے ہٹ گیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے اسے اپنے ایک ساتھی کا سہارا لینا پڑا تھا۔

"اس سے کہنا۔ میں اس سے دوستانہ ماحول میں بات کروں گا۔ وہ مجھ سے ملے۔" میں نے پھر کہا۔

لیکن اب اس شخص نے ایک کافی لمبا چاقو نکال لیا تھا اور بھوکی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ پینترے بدلنے لگا میں پر سکون کھڑا ہوا تھا جبکہ بہروز اور میرے ساتھیوں کے چہرے شدید پریشانی کا شکار نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً اس نے حلق سے ایک کریہہ آواز نکالی اور میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اس توقع پر چھلانگ لگائی تھی کہ میں ہٹوں گا لیکن میں اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ چاقو کی سیدھ سے کچھ نیچے میں نے کلائی لگائی اور دوسرا ہاتھ اس کی گردن پر جما دیا۔ وہ پٹ سے نیچے گرا تھا اور چاقو لکڑی کے فرش میں تقریباً آدھے انچ سے زیادہ پیوست ہو گیا تھا۔

"اس سے کہو کپتان کو میرا پیغام پہنچا دے۔ ورنہ زندہ نہیں رہے گا۔"

نیچے گرے ہوئے شخص کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا اس نے پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت اس کے تین چار ساتھی اس کے نزدیک پہنچ گئے اور انھوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہ بری طرح ان کے بازوؤں میں مچل رہا تھا لیکن اس کے ساتھی اسے گھسیٹتے ہوئے پیچھے لے گئے۔ اس کا چاقو وہیں لکڑی کے فرش میں پیوست ہو گیا تھا اور کسی نے اسے نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گلاب آگے بڑھا لیکن دوسرے لمحے میری آواز سن کر رک گیا۔

"نہیں گلاب۔ اسے اسی طرح رہنے دو۔" میں نے کہا اور گلاب پیچھے ہٹ گیا۔ بہروز پر خیال نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی مناسب بلکہ بہت عمدہ۔" میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں بہروز۔ یہ خاموشی کئی گھنٹے طویل ہو گئی تھی۔ یہ لوگ ڈرامائی حرکات کر رہے ہیں......... تو ان کے لئے بھی ایسا ہی جواب ہونا چاہیئے تھا۔"

"میں سمجھ گیا تھا اس بات کو۔" بہروز نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور ہم خاموشی سے آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ چاقو اسی طرح فرش میں پیوست تھا پھر چار خلاصی اس طرف آتے نظر آئے اور ہمارے پاس پہنچ گئے۔ یہ چاروں اجنبی تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"وہ کون ہے جس کی جنگو سے لڑائی ہوئی تھی۔" میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور خلاصی کی نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"آؤ۔ ہمارے ساتھ آؤ۔ کپتان نے تمہیں طلب کیا ہے؟"

"لیکن یہ تنہا نہیں جائیں گے۔" گلاب آگے بڑھ کر بولا۔

"انھوں نے خود ہی کپتان سے ملاقات کے لئے کہا تھا اب یہ تنہا جائیں یا اپنے ساتھ تم سب کو لے جائیں۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا اور میں نے گلاب کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں گلاب۔ میں کپتان سے ملنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ بے فکر اور مطمئن رہو۔" میں نے بہروز کو بھی اشارہ کر دیا کہ وہ پرسکون رہے اور تمام لوگوں کو سنبھالے رہے۔ میں ان خلاصیوں کے ساتھ چل پڑا۔ کپتان کا کیبن بڑا صاف' اور کشادہ اور وسیع تھا۔ وہ ایک بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے خدوخال کچھ عجیب سے لگ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان خدوخال کو دیکھا ہے یا پھر اس سے ملتا جلتا کوئی شخص' مگر کوئی ذہن میں نہ آ سکا۔ خلاصی مجھے کپتان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کپتان بدستور خاموش بیٹھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ بڑا جان دار چہرہ تھا لیکن میں نے بھی پلکیں نہیں جھپکائیں پھر اس نے گردن کے اشارے سے مجھے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر اس کی آواز ابھری۔ خاصی بھاری اور سرد سی آواز تھی۔

"تم نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی؟"

"ہاں۔"

"خیریت۔ کیا بات ہے؟"

"یہ ایک فطری امر تھا۔ آپ نے میری اور میرے ساتھیوں کی مدد کی ہے۔ ہمیں اس لانچ سے نکالا ہے جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب ڈوب جائے۔ اس میں ڈیزل نہیں تھا اور کھانے پینے کی اشیا نہیں تھیں۔ اس طرح آپ کا یہ احسان ہے ہم سب پر..... ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنے محسن کا شکریہ ادا کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہماری اس مدد کے بعد وہ اور ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا اور کیپٹن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ عجیب سی مسکراہٹ تھی جیسے بھوکا شیر کسی شکار کو دیکھ کر خوش ہوتا ہو۔ میں اس مسکراہٹ کو صحیح نام نہیں دے سکتا۔ بڑی درندگی تھی اس مسکراہٹ میں' بڑی سفاکی تھی۔ جسے میں نے ذہن و دل میں محسوس کیا۔

"سنو۔ مہذب دنیا نے سمندر میں ایک قانون بنایا ہے شاید یہ قانون صدیوں پرانے واقعات سے متاثر ہو کر بنایا گیا ہے۔ اگر یہ زمینی قانون ہوتا تو بے شک قابل حیرت ہوتا لیکن سمندر کی لہریں ہزاروں بلکہ لاکھوں سال سے اسی وحشت خیزی کا مظاہرہ کرتی چلی آئی ہیں جو ان کی فطرت ہے۔ انھوں نے زمین کی طرح چولے نہیں بدلے۔ سمندر میں عمارتیں نہیں ابھریں۔ چنانچہ سمندر کا قانون بھی ان ہی لہروں کے وقار سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا ہے اور جانتے ہو سمندر کا قانون کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"مہذب دنیا نے لاکھوں قوانین بنائے۔ ان قوانین میں اقدار' اخلاق اور نہ جانے ں کون سی چیزوں کا ملغوبہ شامل کر دیا اور وہ قوانین چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گئے لیکن قانون میں درحقیقت صدیوں پرانا انسان جھلکتا ہے۔ سمندر پر اگر کوئی چیز بے یار و مددگار جائے یا جہاز کسی طوفان میں پھنس کر اپنی وہ حیثیت کھو بیٹھے جو وہ کبھی رکھتا تھا تو پھر وہ اس آدمی کی ملکیت بن سکتا ہے جو اسے بچالے۔ تم سمجھ رہے ہو یہ بحری قانون ہے' وں روپے کی مالیت کا سامان لے کر کوئی جہاز سمندر میں جا رہا ہے اور طوفان میں پھنس ہے تو اس حالت میں اگر اس جہاز کا کپتان ہلاک ہو جائے یا اپنی ناکامی کا اعتراف کر لے ر جہاز کا کوئی مسافر اس جہاز کو بچانے پر آمادگی ظاہر کرے اور اسے سمندر کی لہروں سے لے جائے تو وہ جہاز اس کی اپنی ملکیت ہوتا ہے۔ یہ ہے سمندر کا قانون۔ میرا خیال ہے تم میرا مقصد سمجھ رہے ہوگے؟"

میرے ذہن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ بد بخت کیا کہنا تا ہے لیکن اس کے باوجود میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔" اور کپتان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم نے تمہیں سمندر سے بچایا ہے اس لئے اب تم سب ہماری ملکیت ہو' ملکیت مجھتے ہو نا؟ پرانے دور میں تم لوگوں کو غلام سمجھا جاتا تھا چنانچہ تم میرے غلام ہو۔"

"نہیں کیپٹن۔ براہ کرم ایسی باتیں مت کرو۔ صدیوں پرانی وہ روایتیں اب ختم ہو ا ہیں۔"

"میں نے کہا نا' مہذب دنیا اور سمندر کی دنیا بے حد مختلف ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا تمہارا تعلق مہذب دنیا سے نہیں ہے کیپٹن؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں قطعی نہیں۔ بہت عرصے قبل شاید اب سے چالیس یا پچاس سال پہلے میں ا اسی غلیظ دنیا میں کسی معمولی سے جھونپڑے میں پڑا ہوا ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا تھا لیکن عالم ں میں' میں نے جب اس دنیا کو دیکھا تو محسوس کیا کہ تہذیب کے لبادے انسان کے اوپر بوجھ لاد چکے ہیں کہ وہ اپنی اصلیت ہی بھول گیا ہے۔ میں وحشت زدہ ہو کر اس دنیا سے ں بھاگا۔ میں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی لیکن انسانی قدموں سے کوئی جگہ محفوظ یں تھی۔ وہ ہر جگہ تہذیب کا ڈھول پیٹتے چلے آتے تھے۔ چنانچہ میں نے سمندری لہروں کو الیا اور میری فطرت میں ان لہروں کی سی سرکشی پیدا ہو گئی۔ میں نے انسان کو اپنا مطیع بنانا پسند کیا اور اب یہ سمندر میرا گھر ہے۔ سمندر کے سینے پر یہ تیرتے ہوئے جہاز اسمگلروں ں لانچیں اور مسافر بردار کشتیاں ہمارے لئے آسائشیں فراہم کرتی ہیں۔ ہم یا تو ان میں جود افراد کو قتل کر ڈالتے ہیں یا غلام باڑوں کو بھیج دیتے ہیں جہاں ان کی معقول قیمتیں

ہمیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔ جزیرہ بادیان ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں سب سے بڑی منڈی ملتی
ہے چنانچہ میرے عزیز تم سمجھ چکے ہو گے کہ تم غوزی خان کے غلاموں میں شامل ہو۔"

"غوزی خان؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا اور خوفناک شکل والا مسکرانے لگا۔

"ہاں بچپن میں میرا نام غوزی خان رکھ دیا گیا تھا' کیوں رکھا گیا تھا اور اس کا کیا
مقصد کیا ہے' اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم...... نام کو میں نے کوئی اہمیت نہیں دی
اس لئے آج بھی میں غوزی خان ہوں۔"

میرے ذہن پر پھر ٹھوکریں پڑنے لگی تھیں۔ نہ جانے یہ نام ہی میرے ذہن پر کیا
ٹک کر رہا تھا۔ میں پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آ سکا۔ بہت
کچھ بھول رہا تھا میں' نہ جانے کیا' تب ہی غوزی خان کی آواز ابھری۔

"اس کے بعد تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے ساتھیوں میں جا کر رہو۔
چند روز ہمیں سمندر کے سینے پر گزارنے پڑیں گے اور اس کے بعد تمہیں ایک محفوظ مقام
پر منتقل کر دیا جائے گا۔"

"اور اس کے بعد؟" میں نے سوال کیا۔

"اور اس کے بعد تمہیں بادیان لے جا کر فروخت کر دیا جائے گا۔"

"غوزی خان' اگر میں تمہاری ان باتوں کو ماننے سے انکار کر دوں تو؟" میں نے سوال
کیا۔

"تو تمہیں قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ ہم سرکشوں کو زندگی کا حق
نہیں دیتے۔" غوزی خان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"گویا تم بحری قزاق ہو؟"

"جو چاہو کہہ سکتے ہو' میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"تم کتنے عرصے سے سمندر کے سینے پر یہ چیرہ دستیاں کر رہے ہو غوزی خان؟"

"میں عرصے کا کبھی حساب نہیں رکھتا...... مجھے یاد نہیں کب سے میں ان معاملات
میں ملوث ہوں۔"

"تم کیا تنہا اس لانچ کے مالک ہو؟"

"ہاں۔ میں مطلق العنان ہوں۔ نہ صرف یہ لانچ بلکہ ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی میری
ملکیت ہے۔"

"اوہ۔ اس جزیرے پر تمہارے عزیز و اقارب بھی ہوں گے میرا مطلب ہے تم وہاں
سے تنہا نہ بھاگے ہو گے جہاں تم نے جنم لیا تھا؟"

"میں ان تمام باتوں کو بے مقصد سمجھتا ہوں' تنہا عزیز و اقارب میرے لئے بے معنی
ہیں۔ میں زندہ ہوں اپنے لئے اور اپنی موت مر جاؤں گا۔ مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں

"غوزی خان نے کہا اور دفعتاً" میرے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ گئیں' مجھے ایک
میں ایک نام یاد آیا تھا اور پھر وہ طبعی خدوخال بھی' جو غوزی خان کے چہرے سے ملتے
تھے۔ میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"غوزی خان' صرف ایک سوال کا جواب اور دے دو؟"

"ہاں ہاں پوچھو۔ تم نے ایک دلچسپ اقدام کر کے مجھ تک رسائی حاصل کی ہے۔
پسند کرتا ہوں ان باتوں کو' کیا پوچھنا ہے پوچھو؟"

"تغلق خان کو جانتے ہو تم؟" میں نے سوال کیا اور غوزی خان کے دونوں چوڑے
میز پر آ جے۔ اس نے تھوڑی سی گردن آگے بڑھا کر بھویں سکیڑ کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ نام تم نے کہاں سے سنا؟"

"جواب دو غوزی خان۔ کیا تم تغلق خان کو جانتے ہو؟"

"وہ میرا بھائی ہے۔ بھائی ہے وہ میرا چھوٹا اور' مگر ٹھہرو تم یہ کیسے جانتے ہو؟ مجھے
کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ میں سوالات بار بار نہیں دہراتا۔"

"تغلق خان سے میرا ربط رہ چکا ہے۔"

"تمہارا؟" غوزی خان متعجبانہ انداز میں بولا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن
دی۔ تب اس نے میز کے ایک سرے پر رکھی ہوئی سیاہ رنگ کی گھنٹی پر انگلی رکھ دی اور
یں تیز آواز ابھرنے لگی۔ اتنے میں دو آدمی اندر داخل ہو گئے تھے۔

"تغلق خان کو بلا کر لاؤ۔" غوزی خان نے کہا اور اس بار میرے چونک پڑنے کی
ی تھی۔ تغلق خان کیا اس لانچ پر موجود ہے؟ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ یہ سوال
نے غوزی خان سے نہیں کیا تھا اور معنی خیز انداز میں دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا
زی خان اب بھی مجھے گھور رہا تھا پھر اس نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ یہ نام تم نے کہاں سے سنا۔ بہر صورت وہ میرا بھائی ہے' بھائی
زیادہ وہ میرا دوست ہے۔ میں ساری دنیا میں اسے سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اگر محبت
کوئی تصور ہے اس کائنات میں تو میرے دل میں وہ تصور تغلق خان کے لئے ہے۔ تم نے
ایسا نام لیا ہے جو میرے لئے سخت حیرت کا باعث ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم نے یہ نام
ہاں سے سنا ہے۔ ممکن ہے تم نے میرے کسی آدمی کی ہمدردیاں حاصل کر لی ہوں اور اس
نے تمہیں یہ بات بتائی ہو کہ تغلق خان کا سہارا حاصل کرو لیکن بے وقوف آدمی تغلق خان
ں وقت لانچ پر موجود ہے۔"

"غوزی خان' تغلق خان کب تمہارے پاس پہنچا؟"

"تھوڑے عرصے قبل۔ وہ آوارہ گرد ہے۔ اسے زمین پسند ہے جبکہ میں سمندروں کا
شاہ ہوں۔ وہ میرے ساتھ نہیں رہتا بس بھٹکتا رہتا ہے۔ آوارہ گردی کرتا رہتا ہے جبکہ

میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ رہے۔"

زیادہ دیر نہیں گزری کہ دروازہ کھلا۔ میری بے تاب نگاہوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تغلق خان سے کسی ہمدردی کی توقع تو نہیں تھی لیکن بہر طور وہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے واقف تھا اور ہمارے درمیان شناسائی رہ چکی تھی۔ ایک دلچسپ شناسائی' اس امید پر میں تغلق خان کا نام لے بیٹھا تھا کہ شاید مجھے کچھ مراعات مل جائیں۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کم بخت تغلق خان بھی اسی لانچ پر موجود ہو گا۔ بہر صورت اندر داخل ہونے والا شخص تغلق خان ہی تھا۔ چمڑے کی جیکٹ میں ملبوس' چست پتلون پہنے ہوئے وہ دیوہیکل شخص جھومتا ہوا اندر آیا۔ اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

"کیا بات ہے بھایا۔ تم نے مجھے بلایا تھا؟"

"کہاں ہو تم تغلق خان۔ تمہیں علم ہے ہم نے سمندر سے ایک لانچ پکڑی ہے؟"

"ہاں ہاں سنا تھا۔ کیا اس سلسلے میں میری ضرورت پیش آگئی؟" تغلق خان نے پوچھا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ایک نگاہ مجھے دیکھا اور چونکا۔ دوڑ کر میرے قریب آیا اور مجھے دیکھنے لگا پھر اس کے حلق سے متحیرانہ آواز نکلی۔

"میرے خدا' میرے خدا۔ یہ تو تم ہی ہو منصور۔ یہ تو تم ہی ہو۔" میں مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں تغلق خان' یہ میں ہی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے دیکھ کر تمہیں کیسا محسوس ہوا ہے۔ بہر طور میں نے غوزی خان کے سامنے تمہارا نام لیا تھا۔" میں نے کہا۔ اسی دوران غوزی خان بھی مضطرب انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا نام لیا تم نے تغلق خان؟ اس شخص کا کیا نام لیا تم نے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"غوزی خان۔ میں جس مقصد سے تمہارے پاس آیا تھا وہ پورا ہو گیا اور عظیم بھایا میں اس کے لئے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے تغلق۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ شخص ہی تجھے مطلوب تھا؟"

"ہاں۔" تغلق خان نے جواب دیا اور غوزی خان گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میں متحیرانہ انداز میں تغلق خان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ تغلق خان میرے نزدیک کھڑا مسکرا رہا تھا اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

"یہ مذاق میری سمجھ میں نہیں آیا تغلق خان؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"آجائے گا۔ آجائے گا۔ تم۔ تم بالکل ویسے ہی ہو منصور' کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس دوران میں تمہارے اندر۔ بس ذرا چہرے کا رنگ بدل گیا ہے۔ لگتا ہے کافی وقت سمندر کی نمی اور دھوپ میں گزار چکے ہو.... لیکن تمہارے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟"

"میرے ساتھی اور اگر تمہارا رویہ میرے ساتھ دوستانہ ہے تو پھر میرے ساتھیوں کو آسانیاں فراہم کرو؟" میں نے تغلق خان سے کہا۔

"اوہ۔ منصور منصور' تمہیں اب یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں' میں ابھی تمہارے ساتھیوں کو آسائشیں فراہم کرتا ہوں۔" غوزی خان بولا اور ایک بار پھر اس نے وہی گھنٹی دبا دی۔ وہی دونوں آدمی اندر داخل ہو گئے جو اس کے اردلی تھے۔ غوزی خان نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ان لوگوں کو جو اس مہمان کے ساتھی ہیں۔ اس کھلی جگہ سے ہٹا کر نچلی منزل کے کیبنوں میں منتقل کر دو اور انہیں تمام آسائشیں فراہم کرو اگر وہ غسل کرنے کے خواہشمند ہوں تو ان کے لئے بندوبست کرو اور انہیں لباس مہیا کرو اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آؤ۔ جاؤ فوری طور پر یہ ہدایات دوسرے لوگوں کو دے دو۔" غوزی خان نے کہا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ میں ایک بار پھر کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ تغلق خان میرے برابر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں طویل عرصے سے تمہاری تلاش میں سرگرداں ہوں منصور۔ اس نے کہا۔"

"خیریت تو ہے تغلق خان! تمہیں میری تلاش کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"یہ تمام باتیں میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا منصور۔ میں تو ان واقعات پر حیران ہوں کہ کس طرح تم مجھ تک پہنچ گئے۔ میں نے اب تک جو سراغ لگایا تھا اس کی تحت میرا یہی اندازہ تھا کہ تم ان ہی اطراف میں ہو سکتے ہو۔ میں تمہیں تفصیل بتا دوں گا۔ تمہیں ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر وہ غوزی خان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"بھایا۔ میں منصور کو لئے جا رہا ہوں اور اب میں اپنے کیبن میں رکھوں گا اسے ٹھیک ہے؟"

"ہاں ہاں بے شک' اب منصور قابل احترام بن گیا ہے' تجھے اتنی شدت سے اس کی تلاش تھی کہ مجھے اس پر رشک آنے لگا ہے' ٹھیک ہے جاؤ آرام کرو اور منصور' تمہیں اب تک اس لانچ پر جو تکلیف پہنچی ہے اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔" غوزی خان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں غوزی خان۔ ابھی تک کوئی تکلیف نہیں پہنچی میں تو تمہارا شکر گزار ہوں۔"

غوزی خان نے اپنا قوی ہیکل ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا لیکن یہ وقت تھا کہ میں غوزی خان کو اپنی شخصیت سے واقف کر دوں چنانچہ میرے پورے بدن کی قوت سمٹ کر میرے ہاتھ میں آگئی اور میں نے غوزی خان کو لچکتے ہوئے دیکھا۔ اس کا فولادی چوڑا ہاتھ میرے ہاتھ میں سکڑ کر رہ گیا تھا۔ بہر صورت ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نظر آئے اور پھر وہ ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بدمعاش کو بلا وجہ تیری تلاش نہیں ہوگی۔" غوزی خان کے لہجے میں محبت تھی پھر اس نے میرے شانے پر تھپکی دی اور میں تغلق خان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ غوزی خان کے کیبن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور کشادہ کیبن میں تغلق خان مجھے لے گیا۔ یہاں آرام دہ بستر لگا ہوا تھا اور ضرورت کی تمام چیزیں مہیا تھیں۔ سامنے ہی باتھ روم تھا۔ تغلق خان نے مسکرا کر کہا۔

"منصور غسل کر لو۔ اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے خاصا پریشان کن وقت گزارا ہے۔ میں تمہیں کوئی نہ کوئی لباس مہیا کیے دیتا ہوں۔"

"شکریہ! تغلق خان' ویسے مجھے حیرت ہے کہ تم مجھ سے بالکل بدلے ہوئے انداز میں پیش آ رہے ہو۔ مجھے تم سے اس کی توقع نہیں تھی تاہم چونکہ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اس لئے اگر کوئی بات تمہارے دل میں میرے خلاف ہو تو اسے نکال دو۔ میں تم سے دوستی چاہتا ہوں۔"

"میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی بات نہیں ہے منصور' تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیا دلچسپ واقعات پیش آئے ہیں' میں تمہیں ان کی تفصیل بتاؤں گا۔ جاؤ غسل کر لو' میں تمہاری جسامت کے لباس کا بندوبست کرتا ہوں۔" تغلق خان نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا اور میں دونوں شانے ہلا کر کیبن کے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ غسل کا انتہائی نفیس انتظام تھا اور پھر کافی دن کے بعد صاف ستھرا پانی غسل کے لئے مہیا ہوا تھا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ باتھ روم سے واپس آؤں۔ بہر صورت تھکن یوں ڈھل گئی جیسے بدن سے میل ڈھل جاتا ہے پھر باہر دروازے پر دستک کے ساتھ تغلق خان کی آواز سنائی دی۔

"منصور۔ یہ لباس لو۔" اور میں نے دروازے سے ہاتھ باہر نکال دیا۔ سفید سلک کا ایک خوبصورت گاؤن تھا۔ خالی گاؤن پہن کر میں باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ باہر تغلق خان میرا منتظر تھا سینٹر ٹیبل پر کافی کے بہت خوبصورت برتن سجے ہوئے تھے کچھ پھل اور خشک میوے بھی موجود تھے اور تغلق خان منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم آج بھی اتنے ہی طاقت ور' پھرتیلے اور اتنے ہی اسمارٹ ہو منصور! حالانکہ یوں لگتا ہے کہ تم شدید مصائب کا شکار رہے ہو اس دوران' کیا تم مجھے اس وقت سے اب تک کے حالات بتاؤ گے جب تم نے اپنا شہر چھوڑا تھا۔"

"ضرور بتاؤں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہو گا۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔" تغلق خان نے کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں تغلق خان کہ تم اچانک مجھ پر مہربان کیسے ہو گئے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس لانچ پر میری ملاقات تم سے نہ ہوتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔ شاید وہ سب کچھ ہو جاتا جو اب تک نہیں ہوا تھا حالانکہ تقدیر میرا ساتھ دیتی رہی ہے لیکن میں نہیں کہہ

سکتا کہ حالات اس وقت کیا رخ اختیار کر لیتے۔"

"جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہوتا ہے۔ مجھے تو اس بات پر مسرت ہے کہ میری محنت بار آور ہوئی اور میں نے کسی سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ میں اس بات پر اتنا مسرور ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔"

"کس سے وعدہ کیا تھا تم نے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہ وعدہ بھی کیا ہے میں نے اس سے کہ اس وقت تک نام نہیں بتاؤں گا جب تک وہ اسے پسند نہ کرے۔"

"بڑی پراسرار گفتگو کر رہے ہو تغلق خان۔ بہر حال میں تمہیں مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتا۔"

تغلق خان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "تمہارے ذہن میں کسی خاص انسان کا تصور ابھرا ہے منصور؟"

"ہاں.... اور اس تصور نے مجھے نیم دیوانہ کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں' مگر کون ہے وہ' بے تکان اس کا نام لو۔ اگر تم نے صحیح نام لے لیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا اقرار کر لوں گا۔"

"کیا وہ چمن' طارق یا سیٹھ جبار ہے۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں میرے دوست' ان میں سے کوئی نہیں ہے اور میں مطمئن ہوں اس بات پر لیکن ایک سوال میرے ذہن میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" میں نے کسی قدر خود کو ٹھنڈا کرتے ہوئے پوچھا۔

"چمن تو تمہارا گہرا دوست ہے۔ اس کے نام پر تمہاری برگشتگی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے تغلق خان۔"

"بتانا پسند کرو گے منصور؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا.... "کم بخت چمن نے میرے ذہن میں زخم ڈال دیئے ہیں' میں اس قدر مایوس ہو گیا ہوں حالات سے اور دستوں سے کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب۔ اس نے کیا کیا؟" تغلق خان چونک کر بولا۔

"میری یہ تمام تر مصیبتیں' میرا مطلب ہے یہ حالیہ مصیبتیں اسی کم بخت چمن کی پیدا کردہ ہیں۔" اور پھر میں نے اسے اب تک کے تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

"تعجب کی بات ہے' مگر کم بخت چمن تم سے کیا چاہتا تھا؟ تمہاری قید سے اسے کیا ملنا تھی؟"

"چمن مجھے صاف صاف بتا چکا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے۔ سب سے خاص آدمی جو پس پردہ رہتا ہے۔ انھوں نے مجھے قید کر دیا تھا۔ ایک عام آدمی کی حیثیت سے' کیا چاہتے تھے' اس بارے میں کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"چلو ٹھیک ہے منصور۔ اب ذہن سے ساری باتیں نکال دو۔ قاہرہ کیوں جانا چاہتے تھے؟" تغلق خان نے پوچھا۔

"بس یونہی۔ مجھے علم ہوا تھا کہ میں یہاں سے قاہرہ جا سکتا ہوں۔ البانو نے یہی بتایا تھا مجھے۔"

"تعجب کی بات ہے۔ بہر صورت ممکن ہے البانو نے یونہی تم سے تذکرہ کر دیا ہو۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا تغلق خان' ان میں سے تقریباً تمام افراد میرے لئے اجنبی ہیں حالانکہ میں ان سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ ان میں سے کچھ مصری باشندے ہیں کچھ یمنی ہیں اور میرے وطن کے تین افراد ہیں۔ چوتھا میرا دوست ہے جسے بہروز کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہم پانچ آدمی ہیں تغلق خان' جو اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ باقی ان لوگوں کو مشرق وسطی کے کسی بھی حصے میں چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ ان کی اپنی خواہش ہے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر یوں کرتے ہیں کہ میں غوزی خان سے بات کیے لیتا ہوں۔ غوزی خان ان تمام لوگوں کو کسی جگہ اتار دے گا۔ وہاں سے وہ خود اپنے راستے تلاش کریں گے اب وہ آزاد ہیں' تم چاہو تو انہیں کچھ رقومات بھی دی جا سکتی ہیں' جن سے وہ اپنے ابتدائی مسائل حل کر لیں' ہم پانچوں افراد اس جگہ سے چلتے ہیں اور غوزی خان کسی محفوظ جگہ پہنچ کر ہمیں کسی جہاز میں سوار کرا دے گا جو ہمیں وطن پہنچا دے گا۔"

"کیا بغیر کاغذات کے یہ ممکن ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ممکن۔ سارے کام بغیر کاغذات کے ہی تو ہو رہے ہیں اور پھر غوزی خان معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہے۔ وہ بحری قزاق ہے اور بہت سارے جہازوں کے کپتانوں سے اس کی دوستی ہے جو اس کے اپنے علاقوں سے گزرتے ہیں ان کپتانوں نے غوزی خان سے تعاون کر لیا ہے اس کے لئے بہت سے کام کرتے ہیں وہ اور غوزی خان ان کاموں کے عوض انھیں راستہ دے دیتا ہے چنانچہ راستے ہی میں غوزی خان کو اگر اس کا کوئی شناسا جہاز مل گیا تو وہ ہمیں اس میں سوار کرا دے گا۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے تغلق خان' تم بات کرو غوزی خان سے۔" میں نے کہا۔

تغلق خان نے باہر نکل کر ایک آدمی کو میرے ساتھ کر دیا...... اس نے اس شخص

سے کہا کہ مجھے میری نئی رہائش گاہ میں پہنچا دیا جائے۔ یہ نئی رہائش گاہ لانچ کے دوسرے حصے میں نیچے کی سمت بنے ہوئے کیبن تھے۔ انھی کیبنوں میں' میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی دیکھا۔ ایک خاص کیبن میرے لئے بھی مخصوص کر دیا گیا تھا جو خاصا کشادہ تھا۔ میں ابھی کیبن کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ بہروز عقب سے نکل کر میرے نزدیک آ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ بہر طور مجھے یہاں تک لانے والا شخص مجھے یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں نے بہروز کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے کیبن کے دروازے کی جانب بڑھ گیا لیکن گلاب اور دوسرے لوگ بھی اتنے ہی حیران تھے۔ سب کے سب اپنے اپنے کیبنوں کے دروازوں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے اس تجسس کو محسوس کیا اور مسکرا کر ان کی جانب دیکھا اور وہ سب میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی منصور بھیا؟" گلاب نے سوال کیا۔

"بس گلاب۔ خوش بختی ہی کہہ سکتے ہیں اسے' میں اسے اپنا کوئی کارنامہ نہیں کہوں گا۔ تم شروع ہی سے دیکھتے آئے ہو کہ تقدیر نے ہر جگہ ہر لمحے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ یہ ہماری تقدیر کی مہربانی ہے کہ ہمیں لانچ پر بھی تحفظ حاصل ہو گیا۔ تم بالکل مطمئن رہو۔ یوں لگتا ہے جیسے ہمارے تمام مسائل حل ہو گئے ہوں اور اب ہم باآسانی اپنے وطن پہنچ سکیں گے اور یہ دوسرے لوگ بھی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن منصور بھیا......" گلاب اس بارے میں کچھ اور بھی جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"نہیں گلاب۔ براہ کرم اس بارے میں مجھ سے اور سوالات مت کرو۔ میرا ذہن تھکا ہوا ہے' بعد میں' میں تمہیں تفصیلات بتا دوں گا۔" میں نے کہا اور اپنے کیبن میں داخل ہو گیا۔ بہروز دروازے میں ہی رک گیا تھا۔ میں نے جب یہ بات محسوس کی تو پلٹ کر اسے دیکھا اور بہروز کے چہرے پر جھجک کے آثار دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہاں کیوں کھڑے ہو بہروز' اندر آؤ۔"

"آپ تھکے ہوئے ہیں چیف۔" اس نے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"آ جاؤ یار تمہیں دیکھ کر تو تھکن دور ہوتی ہے۔" بہروز میرے اس انداز پر شرما گیا تھا۔

میں نجانے کیوں ذہن میں ایک خوشگوار سی کیفیت محسوس کر رہا تھا پھر میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بھئی میں نے تو ابھی تک تمہیں یہ بات محسوس نہیں ہونے دی کہ تم کچھ اور ہو لیکن تمہارے چہرے کا یہ گلابی رنگ' آنکھوں کے جھکنے کا یہ انداز دوسرے لوگوں کو

مشکوک کر سکتا ہے اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔"

بہروز کچھ اور جھینپ گیا تھا پھر وہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحات اس کی گردن جھکی رہی پھر اس نے زور سے گردن کو دو تین جھٹکے دیئے اور پھر میری طرف دیکھ کر شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔

"آپ 'منصور' آپ پلیز مجھے یہ احساس نہ ہونے دیا کریں۔"

"میں نے کہاں ہونے دیا بھائی۔ تم خود بتاؤ۔ میں نے تو ایک بار بھی تمہیں کسی غلط انداز میں مخاطب نہیں کیا۔"

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔ یہ بتایئے' یہ اچانک تمام کایا پلٹ کیسے ہو گئی۔ ہم تو کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے لیکن میں نے کہہ دیا کہ منصور ان لوگوں سے ملنے گئے ہیں کوئی بہتر ہی قدم اٹھا کر آئیں گے۔"

"بس بہروز تقدیر ہمارے ساتھ ہے۔ میں بار بار یہ ہی الفاظ کہوں گا۔ بہت دلچسپ حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ اب ہمیں اپنے وطن واپسی میں کوئی دقت پیدا نہیں ہو گی۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ لیکن آپ نے ان حالات کو اپنے قابو میں کیسے کیا اور وہ شخص' میرا مطلب ہے اس لانچ کا کیپٹن جو شکل ہی سے خونخوار معلوم ہوتا ہے کیسے رام ہو گیا؟"

"بس اس کے بھائی سے میری دوستی ہے۔ تغلق خان میرا دوست ہے اور یہ لانچ اس کے بھائی کی ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا۔" بہروز نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم دیر تک یہ گفتگو کرتے رہے۔

تغلق خان نے ہمیں بہترین آسائشیں دیں۔ بہترین کھانا ہمیں دیا گیا اور پھر پہلی رات ہم بڑے سکون سے سوئے۔ بہروز میرے کیبن میں نہیں تھا۔ اسے بھی ایک الگ جگہ دے دی گئی تھی۔

.........پھر میں گہری نیند سو گیا اور دوسری صبح اس وقت جاگا جب باہر خاصی چہل پہل ہو چکی تھی۔

پورا دن گزر گیا اور رات بھی۔ دوسرے دن صبح کو ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ تغلق خان مجھے تلاش کرتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

"ہیلو منصور۔ میرا خیال ہے آج دوپہر تک ہم ایک مخصوص جگہ پہنچ جائیں گے۔ میں نے غوزی خان سے تمہارے بارے میں بات کر لی ہے۔ آج تمہارے ساتھیوں کو وہاں اتار دیا جائے گا جہاں سے اگر وہ ذہانت سے کام لیں تو اپنی منزل پا سکتے ہیں۔ غوزی خان نے

انہیں ایک مخصوص مقدار میں کرنسی دینے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد ہم اپنی پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"تمہارا شکریہ تغلق خان اور اب میں بار بار تمہارا شکریہ بھی ادا نہیں کروں گا۔"

"یہی بہتر ہے کیونکہ تمہارے لئے کچھ کرنے کا میں باقاعدہ معاوضہ وصول کر رہا ہوں اور یہ جو اخراجات تم پر ہوں گے وہ بھی میری اپنی جیب سے نہیں ہوں گے۔" تغلق خان نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے مزید اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی تھی کہ وہ مجھے اس شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا جو میرے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

میرا اپنا ذہن بھی چند ہی لوگوں کی جانب جاتا تھا۔ وہ ہی میرے مربی ہو سکتے تھے البتہ کبھی کبھی دل میں یہ خوف بھی پیدا ہو جاتا تھا کہ کہیں تغلق خان بھی تو سیٹھ جبار کا ہرکارا نہیں ہے' کہیں یہ بھی سیٹھ جبار کی کوئی اور چال تو نہیں ہے' اس کم بخت بد باطن شخص سے ہر طرح کی توقع رکھی جا سکتی تھی اگر ایسا تھا بھی تو مجھے کم از کم اس وقت تک تو خاموش رہنا تھا' جذباتی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں تھا جب تک میں اپنی منزل پر نہ پہنچ جاؤں' اپنی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میں تمام معاملات کو اچھی طرح دیکھ لوں گا۔

چنانچہ تغلق خان کے ان الفاظ کو میں نے نظر انداز ہی کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں کو اطلاع دے دی جنہیں وہاں اترنا تھا۔

تغلق خان نے انہیں اس جگہ کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگ چاہو تو یہاں سے خاموشی کے ساتھ منتشر ہو کر شہری آبادی میں داخل ہو سکتے ہو اور ان آبادیوں میں جگہ بنانا تمہارا اپنا کام ہے کیونکہ تم انہی علاقوں کے باشندے ہو' ہم اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

ان سب لوگوں نے میرا اور تغلق خان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ دوپہر دو بجے انہیں ایک ویران علاقے میں اتار دیا گیا۔ وہ سہمے سہمے سے نظر آ رہے تھے لیکن میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ درحقیقت ان کے ساتھ کوئی فریب نہیں کیا گیا ہے' یہ انہی کا اپنا علاقہ ہے اور یہاں سے وہ اپنی منزل پا سکتے ہیں' کرنسی وغیرہ اور ضروری چیزیں تھوڑی تھوڑی سی مقدار میں لے کر وہ ہمیں سلام کر کے آگے بڑھ گئے تو لانچ نے ایک بار پھر ساحل چھوڑ دیا۔ اب ہم صرف پانچ افراد رہ گئے تھے۔ گلاب' بہروز اور گلاب کے دو ساتھی جو میرے ہی ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں شخصیت میری اپنی تھی۔

ہمیں ہر طرح کی آسائشیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ پوری لانچ پر ہم کہیں بھی کسی بھی جگہ آرام سے گھوم پھر سکتے تھے' تغلق خان بھی بہت زیادہ گفتگو کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ جب بھی ملتا تھوڑی بہت بات چیت کر لیتا اور اس کے بعد اپنے معمولات میں

مشغول ہو جاتا' نجانے اس کے معمولات کیا تھے۔

بہروز بھی حسب معمول چل رہا تھا۔ بہر طور ہمارے اس سفر کو تیسرا دن تھا جب ہم نے سمندر میں ایک جہاز دیکھا وہ جہاز ہماری لانچ سے خاصا نزدیک تھا۔ کپتان اور دوسرے لوگ یقینی طور پر اسے بہت پہلے دیکھ چکے ہوں گے لیکن انہوں نے ہم سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ جب میں نے تھوڑی دیر کے بعد تغلق خان سے رجوع کیا تو اس نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

"ہاں منصور۔ اس جہاز کا نام "ڈی سوزا" ہے اور اس کا کیپٹن غوزی خان کا بہترین دوست ہے' یوں سمجھ لو کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس جہاز پر منتقل ہو جائیں گے۔ میری غوزی خان سے بات ہو چکی ہے۔"

تغلق خان کے اس انکشاف نے میرے بدن میں سنسنی سی پیدا کر دی تھی' بہر طور میں نے خود کو سنبھال لیا اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں آسانی ہو گی' تاہم میں نے تغلق خان سے سوال کیا۔

"کیا یہ ضروری ہے تغلق خان کہ یہ جہاز ہمارے ہی ملک جا رہا ہو' ممکن ہے اس کی منزل کوئی اور ہو؟"

"یقیناً ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر کہیں اور بھی جا رہا ہو گیا تو بعد میں تمہیں وہاں پہنچا دے گا یا کسی ایسے جہاز پر منتقل کر دے گا جو تمہارے ملک جا رہا ہو۔" تغلق خان نے جواب دیا اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

تقریباً" چار بجے یہ بڑی لانچ جہاز کے پاس پہنچ گئی جہاز کے عرشے سے ہاتھ ہلا ہلا کر اور رومال ہلا ہلا کر اس کا استقبال کیا گیا اور پھر بہت سے افراد سیڑھیاں لٹکا کر لانچ پر اتر آئے۔ انہی میں جہاز کا کیپٹن الفریڈ بھی تھا۔ دبلے پتلے چھریرے سے بدن کا چالاک انسان جس کی آنکھیں بے حد تیز تھیں۔

غوزی خان نے اسے اپنے گلے سے لگایا تھا اور کیپٹن اس سے اظہار محبت کرتا رہا تھا حالانکہ دونوں کے رنگ اور نسل میں کوئی مماثلت نہیں تھی۔ کیپٹن الفریڈ کی چالاک آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صرف اپنی بقا کے لئے اس جذبے کا اظہار کر رہا ہے ورنہ اسے غوزی خان سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی یا پھر کوئی کاروباری مسئلہ ہو تو دوسری بات ہے۔

بہر طور ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ تغلق خان بھی اس گفتگو میں شریک تھا۔ میری شاید انہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور میں نے بھی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ تاہم تقریباً دو گھنٹے کے بعد تغلق خان میرے پاس آیا اور اس نے ہمیں رخت سفر باندھنے کی ہدایت کی۔ سامان ہی کیا تھا سوائے اس کے کہ تغلق خان نے

ہمیں دو چار جوڑے کپڑے مہیا کر دیئے تھے۔ دوسرے تمام لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا گیا تھا۔ اس مختصر سے سامان کے ساتھ رسی کی سیڑھیوں کے ذریعے ہمیں جہاز کے بڑے اور کشادہ کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔

کپتان الفریڈ نے مجھ سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر منصور' میں آپ کو اپنے جہاز پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ براہ کرم کوئی تکلف نہ کریں' جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ بیان کر دیں اور پھر تغلق خان تو ہمارے ساتھ ہیں ہی' یہ بھی خیال رکھیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر الفریڈ' میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔"

"جی جی ضرور۔"

"کیا یہ جہاز میرے ہی ملک جا رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اتفاق سے یہ تمہارے ملک تو نہیں جا رہا لیکن تمہارے ملک کے بہت قریب ایک اور ملک جا رہا ہے۔ وہاں سے صرف پچیس گھنٹے کا سفر باقی رہ جاتا ہے تمہارے ملک کا' وہاں پہنچ کر میں تمہیں تمہاری ضرورت کے مطابق سہولتیں فراہم کر دوں گا۔ باقی ذمے داریاں تمہاری اپنی ہوں گی۔" الفرید نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

غوزی خان کی لانچ واپس چلی گئی تھی اور اب پتہ نہیں کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ یقینی طور پر کسی نئے شکار کی تلاش میں ہو گا۔ ہم سے تو اسے مایوسی اٹھانی پڑی تھی۔ نہ صرف مایوسی بلکہ نقصان بھی۔ بہر صورت اس عجیب و غریب واقعے کو تقدیر کا کھیل ہی کہا جا سکتا تھا۔

جہاز کا سفر جاری رہا۔ تغلق خان میرے ہاتھ ہی نہیں لگا تھا۔ باقی سب ایک ہی کیبن میں تھے۔ گلاب بہت خوش نظر آ رہا تھا اور اپنے مستقبل کے بارے میں ہمارے کان کھاتا رہا تھا۔

بہروز خاموش سا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا اور اسے اپنی جانب متوجہ نہ پا کر اسے آواز دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔

یہ سفر نہایت خوشگوار رہا۔ اب کوئی تجسس یا الجھن ذہن میں نہیں رہ گئی تھی۔ تیسرے روز وہ ایک بندرگاہ سے جا لگا اور بندرگاہ پہنچتے ہوئے کپتان الفریڈ نے ہمیں کچھ ہدایات دی تھیں۔

"دوستو۔ یہ بندرگاہ نہایت خوبصورت ہے لیکن اس کے قوانین بے حد سخت ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ کچھ وقت تمہیں پوشیدہ رہ کر گزارنا ہو گا۔ ہم تمہیں لوگوں کے سامنے نہیں لا سکتے۔ اگر کسی کو شبہ ہو گیا کہ جہاز میں کچھ غیر قانونی لوگ موجود ہیں تو بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ خاص طور سے اس لئے کہ آپ لوگوں کو اس بندرگاہ پر چھوڑنا نہیں

تھا۔ اگر ہم کسی کو یہاں اتارتے تو بہت پیچھے ایک ٹاپو ہے وہاں اتار دیتے اور وہاں سے تھوڑے سے ویران راستے کا سفر طے کر کے اس جگہ کی شہریت حاصل کی جا سکتی تھی لیکن اب ہم خالصتاً قانونی حدود میں ہیں اس لئے ہم کسی اجنبی شخص کو بندر گاہ پر نہیں لے جا سکتے۔ تغلق خان بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہی پوشیدہ رہیں گے۔ میں پہلے تو یہ معلوم کر رہا ہوں کہ ہمیں کتنا وقت یہاں قیام کرنا ہو گا۔ اگر اس میں زیادہ دیر نہیں ہے تو پھر میں خود آپ سب کو لے کر آپ کے ملک جاؤں گا اور اگر ہمیں یہاں زیادہ وقت لگ گیا تو پھر دوسری معلومات حاصل کر کے آپ لوگوں کو بتا دوں گا کہ آپ کب اور کس وقت اپنے وطن کے لئے روانہ ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے الفریڈ' اگر کوئی قانونی مجبوری ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" تغلق خان نے جواب دیا۔

الفریڈ نے ہم لوگوں کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک محفوظ جگہ کا انتظام کر لیا تھا۔ نجانے اس کے جہاز میں بھی کون سے اسرار و رموز چھپے ہوئے تھے۔ بہر طور ہمیں اس نئی جگہ بھی کوئی دقت نہیں ہوئی بلکہ پانی کے مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھے کیونکہ یہ حصہ جہاز کی نچلی سطح میں تھا' اور بڑے بڑے شیشوں سے سمندر کے نیچے کے مناظر خوب نمایاں ہوتے تھے۔ ایئر کنڈیشنڈ جگہ تھی اور آسائشوں کی تمام چیزیں فراہم کر دی گئی تھیں۔

یہاں گلاب اور اس کے دونوں ساتھی ایک الگ گوشے میں اپنی جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔ بہروز کے ہاتھ ایک کتاب لگ گئی تھی وہ ایک جگہ دراز ہو کر کتاب پڑھنے لگا اور تغلق خان میرے پاس آ بیٹھا۔ اس کی نگاہوں میں پراسرار مسکراہٹیں کھیلتی رہتی تھیں اور جب بھی میری نگاہ اس کی نگاہ سے ٹکراتی تو میں جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا۔ صرف اس تصور سے کہ تغلق خان مجھے تمام تفصیلات کیوں نہیں بتا رہا۔

اس وقت بھی وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ میں سنجیدہ ہی رہا تھا تب تغلق خان بولا۔

"منصور' تم کچھ الجھے ہوئے ہو؟"

"یہ سوال بے مقصد ہے تغلق خان' ظاہر ہے اس وقت تمہارے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں اور تمہارے تمام تر جذبات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔"

"نہیں نہیں منصور' براہ کرم ایسا مت سوچو۔ آنے والا وقت ذرا مختلف ہو گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مقصد یہ......... مقصد یہ کہ ممکن ہے مجھے تمہاری ماتحتی میں کام کرنا پڑے۔"

"ماتحتی میں؟"

"ہاں۔"

"وہ کیوں؟"

"اس کیوں کا جواب ہی ذرا مشکل ہے منصور۔"

"وجہ......؟"

"میں نے تم سے کہا نا' کہ مجھ پر پابندی لگا دی گئی ہے کہ ابھی میں اس بارے میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں ورنہ میں خود بھی تمہیں سب کچھ بتانے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"دیکھو تغلق خان میں تمہیں کسی بھی بات کے لئے مجبور نہیں کر سکتا البتہ ایک درخواست ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"جو بات مجھے نہ بتا سکو براہ کرم اس کا تذکرہ بھی مت کرو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ سوری سوری۔ دراصل تمہارے چہرے پر ان گنت سوالات دیکھ کر میرے ذہن میں یہ تمام باتیں ابھر آتی ہیں۔ بہر صورت منصور تم یوں سمجھو کہ اب تمہارا شہر تمہارے لئے بے حد شاندار ہو گیا ہے۔ وہاں اس قسم کی تفریحات پیدا کر دی گئی ہیں تمہارے لئے کہ تم حیران رہ جاؤ۔"

"تفریحات؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں تفریحات۔"

"تب تو جس نے بھی میرے لئے یہ سب کچھ کیا ہے مجھے اس پر افسوس ہے۔ بلا شبہ اس کی ہمدردی اور محبت سر آنکھوں پر لیکن وہ مجھ سے قطعی ناواقف معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"میری ذات میں تفریحات' کا کوئی لمحہ باقی نہیں ہے تغلق خان' جس کا سینہ پھوڑے کی مانند پک رہا ہو وہ بھلا کون سی تفریحات میں حصہ لے سکتا ہے تم خود بتاؤ؟"

"ہاں منصور' میں تمہاری کہانی سن چکا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ سیٹھ جبار نے تمہارے ساتھ بہت ہی وحشیانہ سلوک کیا ہے اور نفرت انگیز بات یہ ہے کہ اس نے تمہاری ماں اور بہن کو اغوا کر کے تمہارے خلاف ایک جال بچھا دیا ہے وہ تمہیں اس جال میں پھانس کر بھول گیا ہے اور کسی خونخوار مکڑی کی مانند دور سے بیٹھا تمہاری اس تڑپ کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ لیکن میرے دوست جال میں پھنسی ہوئی مکھی بالکل بے بس ہوتی ہے۔ تم اپنے آپ کو اس مکھی سے تشبیہ مت دو۔ تم میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ تم ایک اعلیٰ کارکردگی کے مالک اور باہمت نوجوان ہو جس کے بارے میں' جب بھی سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے بلکہ شرمندگی بھی کہ جب میں نے تمہیں چمن کے ساتھ دیکھا تو تمہاری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہ سوچ کر کہ تم عام اور معمولی سے لڑکے ہو لیکن بعد میں جب تمہارے بارے میں

تفصیلات سنیں تو انہوں نے مجھے حیران کر دیا اور پھر میں خود بھی تمہارے سامنے آ چکا ہوں۔ میں ان لمحات کا تذکرہ تفصیل سے نہیں کروں گا لیکن بہر صورت میں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ تم اپنے مد مقابل کے سامنے آنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ ذہنی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی چنانچہ تمہیں اس مکھی سے تشبیہ دینا مناسب نہیں ہے اور جو شخص بے بسی کا شکار نہ ہو اور جس کی زندگی کے ساتھ کچھ عجیب الجھنیں وابستہ ہو گئی ہوں پھر بھی ا ان خوبیوں کا مالک ہو جن کے تم ہو تو اسے کوئی بات اپنے ذہن پر مسلط نہیں کرنی چاہیے۔ تم ماحول میں شگاف پیدا کرنا جانتے ہو' تم اس فولادی خول کو توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہو جس کے دوسری طرف سیٹھ جبار چھپا بیٹھا ہے تو پھر تم خود کو مایوس کیوں سمجھتے ہو۔ ہاں خول ٹوٹنے میں دیر لگتی ہے۔ سیٹھ جبار کے مقابل آؤ۔ اس سے جنگ کرتے رہو' اس نے تمہیں جس بے بسی کا شکار کر دیا ہے تم وہ حالات پیدا کرو کہ وہ خود بھی اسی بے بسی کا شکار ہو جائے اور جھنجلائے ہوئے انداز میں تمہاری جانب دیکھے' تب تم سے سودے بازی کے لئے مجبور ہو جائے تو پھر تم اس سے شرائط منوا سکتے ہو اور تم اسے مکھی کی طرح جال میں پھانس کر تڑپتے ہوئے دیکھ سکتے ہو پھر تمہارا انتقام شروع ہو سکتا ہے۔ تم نے ان لائنوں پر کیوں نہیں سوچا منصور' تم اس انداز سے کام کرنے کے لئے تیار کیوں نہیں ہوئے' طاقت کے مقابلے میں طاقت کا استعمال بے حد ضروری ہے' جو کمزور ہوتے ہیں بے شک وہ مجبور ہوتے ہیں لیکن جو طاقت ور ہیں انہیں اپنی تمام تر قوتیں مجتمع کر کی اپنے دشمن کے مقابل آنا چاہیے۔ تمہاری ماں اور بہن طویل عرصے سے تمہیں نہیں ملیں' تمہارا سینہ بقول تمہارے پڑے ہوئے پھوڑے کی مانند ہے' بے شک اس زخم میں تکلیف ہو گی' لیکن یہ تکلیفیں تو بدن کی حرارت کے لئے ضروری ہیں' ماں اور بہن تمہاری اس جدوجہد سے فوری طور پر نہیں مل سکتیں' تم اپنی اس تکلیف کو ٹیس بن جانے دو منصور اور اگر تم سیٹھ جبار کو اس کے لئے مجبور کر دو کہ ایک دن وہ خود ہاتھ باندھ کر تمہاری ماں اور بہن کو عزت و احترام سے تمہارے سامنے لے آئے تو کیا یہ تمہاری عظیم تر کامیابی نہیں ہو گی۔ بولو کیا میری اس بات کی تائید نہ کرو گے؟"

میں تغلق خان کو ششدر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ الفاظ اس شخص کے تھے جو بظاہر گوشت کی چٹان معلوم ہوتا تھا لڑنے جھگڑنے والا ایک خطرناک سا آدمی' لیکن یہ الفاظ بڑی اہمیت رکھتے تھے' ان میں ایک ندرت تھی۔ ایک ذہانت تھی۔

"میں غلط کہہ رہا ہوں منصور؟ مجھے بتاؤ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ میرا اپنا نظریہ تو یہی ہے۔ دیکھو دوست میں نے زندگی کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا۔ تم میرے بھائی کو دیکھ چکے ہو۔ وہ ایک وحشی بھیڑیا ہے۔ قتل و غارت گری' خونریزی اس کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری رگوں میں جو خون ہے وہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم

سکون سے نہ بیٹھیں' ہمارے آبا و اجداد کے کارنامے یقیناً تمہارے علم ہوں گے۔ چنگیزی نسل' میں سمجھتا ہوں کہ جب تک قائم رہے گی اس کے دوڑتے ہوئے لہو میں جوار بھاٹے آتے رہیں گے لیکن بدلا ہوا وقت تھوڑی سی عقل بھی دیتا ہے۔ جد امجد مرحوم اگر اس دور میں پیدا ہوتے تو شاید اتنے وحشی صفت نہ ہوتے یا اگر ہوتے بھی تو ان کی وحشتیں مصلحتوں کے لبادے اوڑھے ہوتیں۔ اگر ہم صرف وحشی ہوتے اور مصلحتوں کے قائل نہ ہوتے تو ہماری وحشت ایک دن کسی قبر میں جا سوتی۔ تھوڑی سی مصلحت پسندی ضروری ہے۔ اسی کی میں تمہیں تلقین کرتا ہوں۔ سیٹھ جبار سے جنگ کرنے کے لئے میں نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا کہ تم اس کے ساتھیوں میں شامل ہو جاؤ لیکن خود وہ قوت ضرور حاصل کر لو جو تمہیں اس کے خلاف صف آرا کر سکتی ہے اور تمہیں اس کے مد مقابل کی حیثیت دے سکتی ہے۔" تغلق خان نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے تغلق خان۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ ممکن کیسے نہیں ہے۔ آخر سیٹھ جبار نے کہیں سے تو ابتدا کی ہو گی۔ کیا شروع ہی سے' میرا مطلب ہے کیا پیدائش ہی کے وقت سے سیٹھ جبار اس قدر خونخوار اور وحشی ہو گا؟ ناممکن ہے منصور۔ تم خود ہی میرے سوال کے جواب میں' نہیں کہو گے جب سیٹھ جبار ابتدا کر کے اس منزل تک پہنچ سکتا ہے تو تم کیوں نہیں پہنچ سکتے' کیا تم ذہانت میں کم ہو کسی سے' کارکردگی میں کم ہو؟ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری اپنی قوتیں اس قدر مستحکم ہیں کہ سیٹھ جبار ان سے محروم ہے' وہ تو دوسروں کے سہارے کام کر رہا ہے نا' اس کی اپنی قوت تو اس کی دولت میں چھپی ہوئی ہے جب کہ تمہارے پاس اپنی قوت' اپنی طاقت ہے' تمہارے پاس دولت بھی ہے اور کسی سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی' تو کیا تم اس پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا۔ یقیناً کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر کرو نا' آخر تم سیٹھ جبار سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

"اس کے لئے مجھے ایک طویل عرصہ درکار ہو گا تغلق خان' اگر مجھے ماں اور بہن مل جاتیں تو میں زندگی کے کسی بھی مرحلے پر سیٹھ جبار کے مقابل آ سکتا تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے ان کی جانب سے میرے ذہن میں مایوسی گھر کرتی جا رہی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب تک مجھے میری ماں اور بہن نہیں مل جائیں گی میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کرتا منصور' یہ مایوسی تو تمہیں آتش فشاں بنانے کے لئے استعمال ہونی چاہیے۔ تم آتش فشاں کیوں نہیں بن جاتے۔ یا تو ایسا ہو کہ تمہیں فوری طور پر ان لوگوں کے مل جانے کی توقع ہو یا اگر تمہیں یہ توقع نہیں ہے تو پھر اس بات پر عمل

کرو۔"

"میں یقیناً تیار ہوں تغلق خان' بس آنے والے وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"پھر وہی انتظار۔ میں کہتا ہوں انتظار موت کا دوسرا نام ہے۔ تم انتظار کی اس کیفیت سے نکل آؤ منصور' تم خود دیکھو گے کہ تم کیا بن گئے ہو۔"

"میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں تغلق خان' اگر میں چمن کے ہاتھوں دھوکا نہ کھاتا تو میری زندگی کے چند ماہ اس طرح ضائع نہ ہوتے' ویسے تغلق خان کیا چمن اب بھی اس شہر میں ہے؟"

"میرا خیال ہے ہونا چاہیئے۔"

"تو پھر میں اس کے چیتھڑے اڑانے میں حق بجانب نہیں ہوں گا؟"

"نہیں؟۔"

"کیوں؟" میں نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"میں تمہیں سمجھتا ہوں منصور' کسی نے اگر تم سے دشمنی کی ہے تو اسے زندہ رہنے کا موقع دو۔ کم از کم وہ اس خوف سے تو زندہ رہے کہ تم زندہ ہو۔ وہ تمہارے انتقام کا منتظر ہے اور تم نہیں سمجھتے کہ انتظار کتنی خوفناک چیز ہوتی ہے۔ تم اپنی قوتوں سے اس بات کا اظہار کرو کہ تم چمن سے بہت زیادہ برتری حاصل کر چکے ہو' چمن کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے' وہ اسی فکر میں جلتا رہے گا کہ کہیں کسی وقت تم اسے اپنے پاؤں کے نیچے نہ مسل ڈالو۔"

ایک بار پھر تغلق خان نے مجھے حیران کر دیا تھا' بات سمجھ میں آ رہی تھی' میں اسے متحیرانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ میری محویت دیکھ کر وہ ہنس پڑا۔

"مجھے اس انداز سے نہ دیکھو منصور' تم مجھ سے کہیں آگے کی چیز ہو' میں نے دوستی کے طور پر تمہیں یہ باتیں بتائی ہیں اور یہ دوستی تم یقین کرو کسی لالچ کے تحت نہیں ہے' مجھے بہت اعلیٰ معاوضے پر تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے اور یہ معاوضہ میں سمجھتا ہوں اتنا ہے کہ میں دوسرے ذرائع سے اس قدر دولت حاصل نہیں کر سکتا تھا لیکن معاوضے کے بعد میں اگر تمہارے لئے کام کرتا تو بالکل سرسری طور پر ایک کارکن کی حیثیت سے' انتظار کرتا کہ تم مجھے کیا حکم دے رہے ہو یا ان حالات کو دیکھتا جن میں تمہیں میری ضرورت پیش آ سکتی تھی' یہی میری ذمے داری ہوتی لیکن اب منصور میں اپنے طور پر بھی تم سے ہمدردی اور محبت رکھتا ہوں۔ میں خود کو تمہاری دوستی کے قابل بنانا چاہتا ہوں چنانچہ اب میری ذمے داریاں ایک دوست کی ذمے داریاں بھی ہو گئی ہیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر تغلق خان کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا اور تغلق خان نے اپنے مضبوط ہاتھ میں میرا ہاتھ جکڑ لیا پھر مسکرا کر بولا۔

"اس ہاتھ کی مضبوطی بتاتی ہے کہ یہ مستقبل میں بہت کچھ کرے گا۔ یہ تغلق خان کی پیش گوئی ہے۔" میں مسکرانے لگا۔ بہروز نے کتاب زور سے بند کر کے میز پر رکھ دی تھی۔ تغلق خان ہنسنے لگا۔

"جاؤ جاؤ تمہارا وہ ننھا منا ساتھی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" اس نے کہا اور خود گلاب اور اس کے ساتھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ میں بہروز کے پاس پہنچ گیا تھا۔ بہروز نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا اور پھر خود مسکرا دیا' نجانے کیا خیالات تھے اس کے ذہن میں لیکن اس نے میرے لاکھ پوچھنے کے باوجود اس مسکراہٹ کا راز نہیں بتایا۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے بہروز' تم سب لوگ اپنے اپنے راز اپنے سینوں میں چھپائے رہو' میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہاری طرح منافق بن سکوں۔"

"نہیں چیف بہروز منافق نہیں ہے اس مسکراہٹ کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی بس یونہی یہ کتاب پڑھ رہا تھا اس کے مضمون پر کچھ ہنسی سی آ رہی تھی۔" بہروز نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

دوسری رات تقریباً نو بجے کیپٹن الفریڈ مسکراتا ہوا ہمارے پاس آیا اور رسمی گفتگو کے بعد بولا۔

"ٹھیک گیارہ بجے آپ لوگوں کو ایک لانچ پر چلنا ہے۔"

"کیا مطلب؟" تغلق خان چونک کر بولا۔

"ڈاگ زیانو کو میں ابھی تھوڑی دیر قبل روانہ کر کے آیا ہوں۔ ڈاگ زیانو آپ کے وطن جا رہا ہے اور ڈیڑھ گھنٹے میں وہ بین الاقوامی سمندر میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ہم ایک تیز رفتار سفر شروع کریں گے اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہم ڈاگ زیانو پر پہنچ جائیں گے' وہاں سے ہمیں اوپر اٹھا لیا جائے گا اور پھر آپ لوگ با آسانی اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد کی ذمے داریاں آپ کی اپنی ہیں۔" کیپٹن الفریڈ نے کہا اور ہم لوگ اچھل پڑے۔

"ویری گڈ کیپٹن۔ آپ کا یہ احسان ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں بھائی۔ میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ غوزی خان کے احکامات کی تعمیل ہماری اپنی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے ورنہ کون اس بات کو پسند کرے گا کہ کسی دن جہاز کے پیندے میں سوراخ ہو جائے اور اس سوراخ سے اندر آنے والا پانی ہمیں لے کر سمندر کی آغوش میں پہنچ جائے۔" یہ بات کیپٹن الفریڈ نے کچھ ایسے انداز میں کہی کہ ہم سب کو ہنسی آ گئی۔ تغلق خان بھی ہنسنے لگا تھا۔

"آپ بہت حقیقت پسند معلوم ہوتے ہیں کیپٹن الفریڈ۔" تغلق خان نے کہا۔

”ہاں جو حقیقت پسند نہیں ہوتے وہ غوزی خان کا شکار بن جاتے ہیں۔ ہمیں تو غوزی خان سے دوستی رکھنا ہوتی ہے‘ ویسے آپ لوگ تیاریاں کر لیں‘ ڈاگ زیانو پر بھی آپ کو کوئی دقت نہ ہو گی۔ اس کا کیپٹن میرا دوست ہے۔ میں نے اسے ساری تفصیلات بتا دی ہیں۔ وہ جہاز لنگر انداز کر کے ہمارا انتظار کرے گا۔

”بہت بہت شکریہ۔ ہم سب تیار ہیں۔ آپ جس وقت بھی کہیں گے ہم روانگی کے لئے تیار ہو جائیں گے۔“ میں نے جواب دیا اور کیپٹن الفریڈ چلا گیا۔

وقت مقررہ پر ہمیں اس کی سیڑھیوں کے ذریعے لانچ پر اتارا گیا۔ ماحول پر ہلکی ہلکی کہر چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر روشنی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ چاروں طرف کا ماحول بے حد تاریک تھا۔ اور اس تاریک ماحول میں چھوٹی لانچ ہمیں لے کر ایک نا معلوم سمت میں چل پڑی‘ شاید اسے چلانے والے پوری طرح اس بات سے واقف تھے کہ انہیں کون کون سے راستوں سے گزر کر کہاں جانا ہے۔ سمندر کے سینے پر موجود جہازوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں جن کے چمک دار لہرئے اس تاریک ماحول کو چمکانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ بہر طور لانچ اپنی کوئی روشنی جلائے بغیر ان لہروں سے بچتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گہرے سمندر میں داخل ہو گئے جہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔

ماحول بے حد خوفناک اور پر اسرار تھا اور اس پراسرار ماحول میں ہمارے دلوں کی دھڑکنیں بند ہوئی جا رہی تھیں‘ لانچ پر کوئی روشنی نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے باوجود لانچ ڈرائیور انتہائی مہارت سے اپنا سفر پورا کر رہا تھا۔

ڈان الفریڈ نے ہمیں اطمینان دلایا تھا کہ وہ جن لوگوں کو ہمارے ساتھ کر رہا ہے۔ وہ نہایت مشاق اور ماہر ہیں اور نہایت اطمینان سے ہمیں ہماری مطلوبہ جگہ پہنچا دیں گے اور یہی ہوا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے تیز رفتار سفر کے بعد لانچ کے انجن کی رفتار کچھ ست ہونے گی۔ اب وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا پھر لانچ کے اگلے سرے پر دو سبز بتیاں روشن ہو گئیں اور اسپارک کرنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد تاریک سمندر میں ویسی ہی دو بتیاں کسی قدر بلندی پر نظر آئیں‘ یہ تیز بتیاں بھی اسپارک کر رہی تھیں گویا ہم جہاز کے قریب پہنچ گئے تھے‘ اس کے بعد جہاز کا خاکہ نمایاں ہونے لگا۔ کسی مخصوص ذریعے سے جہاز کے پورے ڈھانچے کو روشن کیا گیا تھا تاکہ لانچ اس کا تعین کرے اور اس کی سمت آ جائے پھر وہ جگہ بھی روشن ہو گئی جہاں لانچ کو لگنا تھا اور جہاں جہاز پر اوپر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں موجود تھیں‘ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد لانچ جہاز کے پیندے سے جا لگی۔ نہایت ذہانت سے سارے کام کیے گئے تھے۔ موٹی رسیوں کی سیڑھی لٹکی ہوئی تھی۔ اوپر سے ٹارچ کی روشنیاں ہماری معاونت کر رہی تھیں چنانچہ ایک ایک کر کے ہم چھ افراد جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے‘ جہاں

ایک قوی ہیکل شخص نے ہمارا استقبال کیا تھا‘ اس نے ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد سیڑھی ہٹا لی گئی‘ لانچ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا...... اور اس کے بعد جہاز کا عارضی لنگر اٹھا لیا گیا...... یوں ہم اپنے ملک کی جانب عازم سفر ہو گئے اور یہ رات ردمی ہی سنسنی خیز تھی۔

ہمیں آرام وہ کیبن فراہم کر دیئے گئے تھے جن میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ہمیں کافی کے لئے پوچھا گیا لیکن اس وقت کسی چیز کی حاجت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کھانا وغیرہ ہم الفریڈ کے جہاز پر کھا چکے تھے۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور کیبنوں میں جا لیٹے......

بہروز اس وقت بھی میرے ہی کیبن میں تھا لیکن اپنے بستر پر دوسری جانب رخ کیے ہوئے‘ نجانے وہ کیا سوچ رہا تھا اسے گہری نیند آ گئی تھی لیکن میرے ذہن میں چکیاں چل رہی تھیں۔ میں مختلف فیصلے کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اپنے وطن پہنچ کر مجھے کیا کچھ کرنا ہے۔ بڑا دھواں تھا میرے ذہن میں‘ بڑے خوفناک خیالات تھے میرے دل میں‘ چمن نے میری زندگی کے یہ مصروف ترین لمحات چھین لئے تھے لیکن اس کے جواب میں‘ میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا البتہ تغلق خان کی یہ ہدایت مجھے پسند آئی تھی کہ دشمن کو اپنی طاقت سے خوف زدہ کرتے رہو‘ اپنی قوتوں سے ڈراتے رہو۔ وہ اس کے لئے موت سے بہتر ہوتا ہے۔

چمن جیسے شخص کے لئے دشمنی کا تصور آج بھی میرے لئے دکھ کا باعث تھا۔ اس کم بخت نے بڑے اچھے انداز میں میرا ساتھ دیا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ در پردہ کون سی بات کام کر رہی تھی۔ بہر طور ابھی تو مجھے چمن کے مقابلے میں بھی کوئی برتری حاصل نہیں تھی۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لئے مجھے نجانے کیا کچھ کرنا ہو گا۔

ایک بار پھر میرا ذہن تغلق خان کی باتوں کی جانب چلا گیا۔ کون ہے وہ جس نے تغلق خان کو میری تلاش پر مامور کیا ہے۔ ویسے کبھی کبھی ذہن بھٹک کر سیٹھ جبار کی طرف بھی چلا جاتا تھا‘ کس پر بھروسہ کرتا۔ کسے اپنا دوست سمجھتا۔ سب ہی نے اپنا مقام کھو دیا تھا۔ اب تو یہ دنیا میرے لئے دشمنوں کی دنیا تھی۔ خود میرے دوستوں کا وجود کہاں ہے‘ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ بس چند چہرے تھے‘ چند چہرے جو اعتماد کو زندگی بخشتے تھے۔ ورنہ اعتماد بھی کبھی کا مر چکا ہوتا۔

وطن کا خیال رہ رہ کر ذہن میں ابھر رہا تھا۔ وہ گلیاں اور بازار یاد آ رہے تھے جو اب مجھ سے اجنبی ہو چکے تھے۔ وہ گندا سا محلہ جہاں میں نے آنکھ کھولی۔ جہاں میرے ساتھی رہتے تھے۔ اوباش فطرت بھی اور نیک فطرت بھی۔ فیضان آج بھی مجھے یاد تھا لیکن وہ کہاں ہے کیا کر رہا ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔ کیسے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں وہ جو زندگی

کے سیدھے سادے راستوں پر سچائی سے گامزن رہتے ہیں اور اپنی منزل پالیتے ہیں' ہر انسان کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ اور ابتدا اور انتہا میں اگر سکون اور آسائشیں ہوں تو پھر کون [illegible] وہ لوگ بد بخت ہوتے ہیں جو اپنے اچھے راستوں کو ٹھکرا کر ٹیڑھے میڑھے راستے اختیار کرتے ہیں اور پورے معاشرے کے لئے برائی بن جاتے ہیں۔

سمندر پر اتنا وقت گزرا تھا کہ اب یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زمین کا وجود ہی ختم ہو گیا ہو یہ احساس انوکھا لگتا تھا کہ اب پھر میں اپنے وطن میں ہوں گا۔ جہاں تک اعتماد کا تعلق تھا چمن جیسے لوگوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہو گا۔ اپنی ذات کے لئے جینا سب سے بہتر ہے۔ باقی تمام لوگ صرف ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک ٹھوس لائحہ عمل بنانا ہو گا۔ میں فیصلے کرتا رہا۔

دوسرا دن گزرا اور پھر اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے جب جہاز کے کپتان نے ہم سے ملاقات کی اور مسکراتا ہوا بولا۔

"ہم بندرگاہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ تمہارے وطن کی سمندری حدود میں ہیں اور بندر گاہ چند میل سے زیادہ دور نہیں رہ گئی۔ کیا تم بندر گاہ پر اترنا پسند کرو گے؟ یا کچھ اور چاہتے ہو؟"

"نہیں کیپٹن ہم قانونی حیثیت سے نہیں آئے۔ اگر آپ ہمارے لئے ایک ایسی لائف بوٹ مہیا کر دیں جو چھ آدمیوں کا وزن اٹھا سکے تو آپ کا کام ختم ہو جاتا ہے۔" تغلق خان نے جواب دیا۔

"بہتر ہے لائف بوٹ باآسانی مہیا کی جاسکتی ہے لیکن تھوڑی دیر انتظار کرنا ہو گا۔ میں جہاز کے نشان والی لائف بوٹ تو نہیں دے سکتا۔ اس پر سے وہ نشان صاف کرانا بے حد ضروری ہے۔"

"بہت بہتر کیپٹن۔ ہم سب تکلیف کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں۔" میں نے کہا اور کیپٹن گردن ہلا کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے آکر اطلاع کر دی کہ لائف بوٹ تیار ہے اور ہم چھ افراد لائف بوٹ کے ذریعے سمندر میں اتر گئے۔

تغلق خان اور میں پتواروں کے ذریعے لائف بوٹ کو ایک خاص سمت کھے رہے تھے' اس پر چھوٹا سا بادبان بھی باندھ لیا گیا تھا کہ ہواؤں کی مدد بھی شامل رہے' ہماری منزل نامعلوم تھی لیکن ہم اسی سمت بڑھ رہے تھے جہاں ہمیں کبھی کبھی روشنیاں جھلکتی نظر آجاتی تھیں۔ یہ میرے شہر کی روشنیاں تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ تغلق خان خاص طور سے ایک سمت کا رخ اختیار کر رہا ہے' سو میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"تغلق خان کیا تم کسی سمت کا تعین کر سکے ہو؟"

"ہاں مسٹر منصور۔ میں ایک جانے بوجھے راستے پر چل رہا ہوں۔"

"تعجب ہے تغلق خان۔ تم بیرونی انسان ہونے کے باوجود میرے وطن کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو۔" میں نے کہا اور تغلق خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جاننا نہیں تھا منصور' بتایا گیا ہے مجھے۔ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت میں نے بہت سی باتوں پر ریسرچ کی ہے۔ میں بے شمار ویران ساحلوں کی تصاویر جمع کرتا رہا ہوں' اور اندازہ لگاتا رہا ہوں کہ کون سا ساحل کس مقصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسے استعمال کرتے ہوئے کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں۔" تغلق خان نے جواب دیا اور ایک بار پھر میں حیران رہ گیا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"لیکن اس کی کوئی خاص وجہ تھی تغلق خان؟"

"ہاں اس کی خاص وجہ تھی۔" تغلق خان نے جواب دیا اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ میں جانتا تھا کہ تغلق خان اس کے بعد کے سوال کا جواب نہیں دے پائے گا۔ بہر طور میں بار بار اس کے بارے میں پوچھ کر خود کو ہلکا نہیں ثابت کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔

ہم اس چھوٹی سی کشتی کو کھیتے رہے۔ جب میں تھک گیا تو گلاب نے پتوار سنبھال لئے' اس کے ایک اور ساتھی نے بھی تغلق خان کے ہاتھ سے پتوار لے لیا تھا۔ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ چھوٹی سی لائف بوٹ سمندر کے سینے پر اپنا سفر طے کر رہی تھی پھر دور سے ہم نے چند روشنیاں دیکھیں اور تغلق خان گہری سانس لے کر بولا۔

"ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔" لیکن میں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموشی سے جگنوؤں کی طرح چمکتی ان روشنیوں کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ لائف بوٹ سے نیچے اتر کر تغلق خان نے لائف بوٹ کو خشکی پر کھینچ لیا اور پھر ہم ان روشنیوں کی طرف چل پڑے۔ رات کے پر ہول سناٹے میں یہ سفر انتہائی پراسرار محسوس ہو رہا تھا۔

○○○

سمندر کی لہروں کا شور کافی پیچھے رہ گیا تھا لیکن فضا میں ایک اور شور پھیلا ہوا تھا۔ یہ کسی مشین کے چلنے کی آواز تھی۔ روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں۔ دور سے جگنو کی مانند چمکنے والی روشنیاں اب تیز ہو چکی تھیں' ہم خاصی تیزی سے ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ خیال تھا کہ شائد تغلق خان اسی راستے سے شہر جانے کے لئے اسی سمت کا تعین کرے گا لیکن جب وہ اس بڑے گیٹ کے سامنے ذیلی سڑک پر مڑ گیا جس کے دوسری جانب کچھ لوگ موجود تھے تو میں نے حیرت سے تغلق خان کی جانب دیکھا لیکن پھر خاموشی اختیار کر لی۔ میں اس شخص کے اشاروں پر نہیں ناچ سکتا تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سمندر کے مصائب سے مجھے بچا کر لانے والا بھی یہی شخص تھا ورنہ حالات نہ جانے کیا رخ اختیار کرتے۔ لہٰذا سردست اس سے انحراف مناسب نہیں تھا۔ اگر وہ خود کو ایک مدبر اور ذہین شخص سمجھ کر کچھ باتوں کو چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور میری مدد کر کے مجھے چونکانے کا خواہش مند ہے تو ٹھیک ہے میں اس کی انا کو تسکین پہنچانے کے لئے فی الحال خاموشی اختیار کیے لیتا ہوں۔ آہنی گیٹ کافی وسیع تھا اس کے پیچھے جو لوگ کھڑے ہوئے تھے' ان کے جسموں پر نیلی وردیاں تھیں اور ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ ہم قریب پہنچے اور انھوں نے تغلق خان کو دیکھا تو یوں مستعد ہو گئے جیسے وہ ان کے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہو۔ انھوں نے جلدی سے ذیلی کھڑکی کھول دی اور جھک کر تغلق خان کو سلام کیا۔ جب ہم چاروں اندر پہنچ گئے تو چوکیداروں میں سے ایک نے ادب سے کہا۔ "کھڑکی بند کر دی جائے جناب! کوئی اور تو نہیں ہے آنے والا؟"

"نہیں۔" تغلق خان نے جواب دیا اور ہمیں ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ مشینوں کی آواز اس روش کے بائیں سمت سے آ رہی تھی۔ جس پر ہم چل رہے تھے۔ سامنے ہی ایک عمارت تھی جس کی دیواریں ایسی تھیں جیسے کسی کارخانے کی دیواریں ہوتی ہیں۔ اندر نہ جانے کیسی مشینیں چل رہی تھیں؟ سامنے کی عمارت البتہ پرسکون تھی ہم سیڑھیاں طے کر کے ہال میں داخل ہو گئے۔ اسی لمحے اندرونی دروازے سے کچھ لوگ باہر نکل آئے' تغلق خان کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑے اور پھر سامنے آکر مستعد ہو

گئے۔ "اوہ جناب! آپ تشریف لے آئے اور ہمیں اطلاع تک نہ ملی۔" ان میں سے ایک بولا۔

"ہاں' بغیر اطلاع کے آنا پڑا' تم لوگ فوراً کھانے کا بندوبست کرو۔" تغلق خان نے کہا۔

"بس پانچ افراد ہیں یا باہر کچھ اور لوگ بھی ہیں؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"نہیں صرف پانچ ہی ہیں۔" تغلق خان نے کہا۔

وہ دونوں تیزی سے اسی دروازے کی طرف مڑ گئے جس سے اندر آئے تھے۔ تغلق خان ہال میں بنی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا' پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تشریف لائیے مسٹر منصور' اوپر ہمارے لیے آرام گاہیں موجود ہیں۔"

میں' گلاب اور دوسرے لوگوں کو اشارہ کر کے تغلق خان کے پیچھے چل پڑا۔۔۔۔۔ چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دروازوں کی ایک قطار نظر آئی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یہ دروازے دونوں سمت بنے ہوئے تھے۔ تغلق خان اس عمارت میں یوں چل رہا تھا جیسے یہ عمارت اس کی اپنی ملکیت ہو۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر ہم سے کہا۔ "یہ کمرہ آپ استعمال کر سکتے ہیں' مسٹر منصور! اور مسٹر بہروز آپ مسٹر منصور کے سامنے والا کمرہ لے سکتے ہیں' گلاب اور دوسرے لوگوں کو ان ہی میں سے ایک ایک کمرہ دیا جاتا ہے۔ اور مسٹر منصور! میرا کمرہ وہ سامنے والا ہے۔ کچھ دیر بعد ہم سب ساتھ کھانا کھائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم سب ایک کشادہ ہال میں جمع تھے ہمارے سامنے انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ اگر یہ کھانے جلدی میں تیار کیے گئے تھے تو واقعی کوئی جادوئی عمل کیا گیا ہو گا۔ ابھی تک تغلق خان' چراغ کا جن معلوم ہوا تھا کہ ہر مشکل کا حل اس کے پاس موجود تھا' شکل و صورت سے بھی وہ جن ہی لگتا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں مصروف تھا' خوب کھانے کے بعد' اس نے پانی کے دو تین گلاس چڑھائے اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "اب کیا پروگرام ہے' منصور؟ میرا خیال ہے صبح تک آرام کیا جائے اور صبح کو روانگی کا پروگرام طے ہو گا۔"

"اس سے پہلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھیں' پوچھیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"یہ عمارت کیسی ہے؟"

"ایک چھوٹا سا کارخانہ ہے' تین شفٹیں چلتی ہیں اس کی اور یہاں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے ایک چھوٹی سی کالونی بنا دی گئی ہے جو کہ کارخانے کے عقب میں ہے' ہر چند کہ یہ جگہ شہر سے کافی فاصلے پر' سمندر کے کنارے واقع ہے لیکن یہ ساحل زیادہ غیر آباد نہیں ہے تھوڑے ہی فاصلے سے شہر تک مسلسل آبادی چلی جاتی ہے۔"

"کونسا علاقہ ہے یہ؟" میں نے سوال کیا اور تغلق خان نے اس کا نام لے دیا۔ میں اس علاقے سے کم از کم' نام کی حد تک واقف تھا۔ کبھی اس طرف آنے کا اتفاق تو نہیں ہوا تھا لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم اپنے شہر میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے تغلق خان سے اور کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ وہ تفصیل میں جانا پسند نہ کرتا اور میں متجسس رہ کر خود کو ہلکا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں بہروز کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"تم مطمئن ہو' منصور؟ یہ تمہارا ہی وطن ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں بہروز' ہم اپنے وطن آ گئے ہیں اور میں اب اتنا بے دست و پا نہیں ہوں۔ یہاں میرے ہاتھ کافی مضبوط ہیں۔" میں نے کہا۔ "اور اب میرا خیال ہے کہ آرام کی نیند سو جاؤ صبح کو دیگر معاملات پر توجہ دیں گے۔"

بہروز گردن ہلانے لگا پھر میرے کمرے کو دیکھتا ہوا بولا۔ "میں یہیں سوؤں گا' میرا مطلب ہے' اس کونے میں نیچے-----"

"یار میں تکلفاً" یہ کہوں گا کہ تم مسہری پر سو جاؤ اور تم اسے تسلیم نہیں کرو گے اچھا یوں کرتے ہیں کہ دونوں ہی نیچے سو جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

بہروز ہنسنے لگا۔ "نہیں منصور! پلیز! تم آرام سے مسہری پر سو جاؤ' تم میری وجہ سے نیچے سوئے تو پھر میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا۔" اس نے کہا اور جگہ منتخب کر کے دیوار کی جانب کروٹ بدل لی۔

میں دیر تک سونے کی کوشش میں مصروف رہا لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہ احساس بے چین کر رہا تھا کہ میں ایک بار پھر اپنے وطن آ چکا ہوں۔ جہاں' ایاز' نوشاد----- اور گل ہے----- اور چمن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ میں سارے مصائب سے نکل کر ایک بار پھر اپنی دنیا میں لوٹ آیا ہوں۔ چمن کا خیال آتے ہی میرے ذہن میں تاریکیاں سی پھیلنے لگیں۔ میں اس ذلیل شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ میری نگاہوں میں وہ فرشتہ تھا لیکن اس نے ایسا رخ بدلا تھا کہ اس کی تمام پاکیزگی اور تقدس ملیامیٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر میں نے کروٹ بدلی اور آنکھیں بہروز پر جم گئیں۔ وہ دیوار کی جانب منہ کیے بڑی معصومیت سے سو رہا تھا۔ اپنے وجود سے بے خبر----- اس

کے سراپا کی حسین تراش میری نگاہوں کے سامنے تھی لیکن میں نے بہروز کی جانب سے کروٹ بدل لی اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی۔ پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ تغلق خان بھی موجود تھا' ناشتے کے بعد اس نے کہا۔ "ہاں تو منصور صاحب! اب فرمایئے کیا پروگرام ہے؟"

میں چند لمحے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر بے پرواہی کے انداز میں کہا۔ "کوئی خاص پروگرام نہیں۔ میں اپنے شہر میں آ چکا ہوں یہ تمہاری عنایت ہے کہ تم نے یہاں تک پہنچانے میں' میری بھرپور مدد کی----- اب بس میں یہاں سے جاؤں گا۔ اس رہائش گاہ پر نہیں جا سکتا جہاں پہلے رہتا تھا کیونکہ وہ مکان چمن کا دیا ہوا تھا لیکن میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے' میرے پاس اور بھی بہت سے انتظامات ہیں۔"

"مسٹر منصور! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ کو یہاں لانے کے بعد بھی ایک پورا پروگرام مجھے دیا گیا ہے تو کیا آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے" تغلق خان نے پوچھا۔

"نہیں تغلق خان' تم نے مجھے یہاں تک لانے کے سلسلے میں جو محنت کی ہے اگر تم اسے ایک دوستانہ عمل قرار دو تو میں تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہوں اور اس کے عوض میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کی دوستی نبھانے کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم کوئی معاوضہ طلب کرو تو میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کر سکتا ہوں----- تاہم تم کہہ چکے ہو کہ کسی نے تمہیں میری اعانت پر مامور کیا ہے' اور اس کے بارے میں تم نے ابھی تک مجھے کچھ نہیں بتایا۔ تغلق خان! میری فطرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں کسی کو اپنا سرپرست یا اپنا باس تسلیم کر لوں' چنانچہ میں تمہارے اس پروگرام پر عمل نہیں کر سکتا جو کسی نے تمہیں میرے بارے میں دیا ہے' مجھے امید ہے کہ تم میری اس بات کا برا نہیں مانو گے۔ اگر وہ شخصیت مجھ پر مہربان ہے اور میرے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو آ کر مجھ سے ملاقات کرے اور اپنے مقاصد میرے سامنے بیان کرے اور اگر یہ مقاصد میرے راستے کے پتھر نہ ہوئے تو میں تعاون کے لیے تیار ہو سکتا ہوں لیکن ایک دوست اور ایک برابر کے انسان کی حیثیت سے کسی محکوم یا غلام کی حیثیت سے نہیں۔"

تغلق خان پر خیال انداز میں مجھے دیکھنے لگا' پھر بولا۔ "رات کو میں نے ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ موجود نہیں ہے یہ بھی نہیں پتہ چل سکا کہ وہ کب واپس آئے گا اگر تم برا نہ محسوس کرو تو میری ایک بات ضرور قبول کر لو۔"

"بتاؤ۔" میں نے تغلق خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ عمارت رہنے کے قابل نہیں ہے ہم نے وقتی طور پر گزارہ کر لیا ہے۔ یہ ایک کارخانہ ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے' اس کی تفصیل تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گی لیکن فی الوقت ہم اسے رہائش گاہ نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ ایک اور رہائش گاہ پر تمہیں کچھ وقت میرے ساتھ گزارنا ہو گا البتہ یہ سب کچھ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ بس چوبیس گھنٹے مزید میرے ساتھ گزار لو۔ تم مجھے میرے احسان کا معاوضہ دینا ہی چاہتے ہو تو معاوضہ صرف یہی ہے کہ مجھے اپنی مصروفیت کے چوبیس گھنٹے دے دو۔ اس دوران گلاب اور دوسرے ساتھی واپس جا سکتے ہیں۔ مسٹر بہروز بھی اگر سیر و تفریح کرنا چاہیں تو ہر سہولت مہیا کر دی جائے گی لیکن تم ابھی باہر نہیں نکلو گے۔ منصور! تم ہمارے لیے بے حد قیمتی ہو اور ہم تمہارے بارے میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"خطرے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"دیکھو منصور برا مت ماننا۔ ایک خطرناک شخصیت تمہاری دشمن ہے۔ نہ جانے کیا واقعات پیش آئیں۔ میں ایک باڈی گارڈ کی حیثیت سے تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں لیکن وہی تمام باتیں مانع آتی ہیں' کیا تم میرے لیے یہ چوبیس گھنٹے کا ایثار نہیں کر سکتے؟"

"میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔"

"تو پھر ہمیں چلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔" تغلق خان نے کہا اور میں نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ایک بار پھر میرا ذہن الجھ گیا تھا لیکن میں نے سر کو دو تین جھٹکے دے کر ذہن صاف کر لیا۔

تقریباً" ساڑھے دس بجے ایک خوب صورت پک اپ میں بیٹھ کر ہم شہر چل پڑے' بہروز اور میں تغلق خان کے برابر بیٹھے ہوئے تھے جو ڈرائیو کر رہا تھا' گلاب اور اس کے دونوں ساتھی پچھلے حصے میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم شہر میں داخل ہو گئے اور پھر جانی پہچانی سڑکوں اور گلیوں سے گزرتے ہوئے ہم ایک ایسے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے جہاں عظیم الشان کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں یہ متمول ترین لوگوں کا علاقہ تھا' سیٹھ جبار بھی اسی علاقے کی ایک کوٹھی میں رہتا تھا لیکن جس جگہ ہم پہنچے' وہ سیٹھ جبار کی کوٹھی سے بہت دور تھی۔ اس کے دروازے پر خوش نما درخت اگے ہوئے تھے اور دو باوردی پہرے دار بھی وہاں موجود تھے' ان کی وردیاں بھی ایسی ہی تھیں جیسی کہ میں نے فیکٹری کے دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے داروں کے جسم پر دیکھی تھیں' پک اپ کو دیکھ کر انھوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا' اور تغلق خان رکے بغیر پک اپ کو اندر لیتا چلا گیا۔

اس نے عظیم الشان کوٹھی کے پورچ میں پک اپ روک دی اور ہم سب نیچے اتر

آئے۔ تغلق خان ہمیں لے کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک کشادہ ہال تھا جو انتہائی قیمتی قالین سے مرصع تھا اور حسین ترین فرنیچر اس میں سجا ہوا تھا۔ دیکھنے کے قابل جگہ تھی۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی تو اس قالین پر چلتے ہوئے بھی کترا رہے تھے۔ لیکن تغلق خان نے انھیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی اور خود مجھ سے چند لمحوں کی اجازت لے کر اندر چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے نوٹوں کی کچھ گڈیاں میری جانب بڑھا دیں اور کہنے لگا۔ "مسٹر منصور! گلاب اور اس کے ساتھیوں کو اس میں سے جو پسند کریں دے دیجئے تاکہ یہ لوگ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکیں' جہاں جانا چاہیں چلے جائیں اس کے بعد ہم اور آپ بھی یہاں سے چل دیں گے۔"

"اوہ۔! تغلق خان ان نوٹوں پر میرا کوئی حق نہیں۔"

"تو پھر یہ رقم ان تینوں میں بانٹ دیجئے۔" اس نے ایک گڈی ان لوگوں کی طرف بڑھا دی۔

گلاب تشکرانہ نگاہوں سے تغلق خان کو دیکھنے لگا۔ "ہم زندگی بھر آپ کو دعائیں دیتے رہیں گے۔" گلاب نے کہا اور گڈی کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا گیا اور اس کے بعد میں' تغلق خان اور بہروز ان لوگوں کو کوٹھی کے گیٹ تک چھوڑنے گئے۔ وہ بڑی گرم جوشی سے ہم سے بغل گیر ہوئے تو گلاب نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ "منصور بھائی کیا اس کے بعد پھر کبھی ملاقات نہیں ہو گی؟"

"کیوں نہیں گلاب! میں اپنے حالات بہتر بنا لوں۔ اس کے بعد تمہیں تلاش کر لوں گا۔"

گلاب آب دیدہ سا ہو گیا تھا' بہر طور وہ تینوں پیدل آگے بڑھ گئے ہم انہیں دور تک جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر تغلق خان میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی طرف چل پڑا۔ "منصور صاحب! یہ آپ کی اپنی عنایت ہو گی کہ مجھے اپنے دوستوں میں جگہ دے دیں' لیکن اب میری حیثیت آپ کے ملازم کی ہے۔"

تغلق خان کی اس بات پر میں حیران ہو گیا۔ "مذاق کر رہے ہو تغلق خان؟"

"نہیں منصور صاحب۔ سچ عرض کر رہا ہوں' مجھے آپ کے لیے ملازم رکھا گیا ہے' جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ میں ترکی کی جیل میں تھا اور مجھے وہاں سے نکلنے میں ابھی کئی سال باقی تھے' حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے' وہ لوگ میرے اتنے دشمن تھے کہ جیل توڑ کر بھاگنا میرے لیے ناممکن تھا' بڑی کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی مجھ پر۔۔۔۔ اور میں اتنے طویل عرصے جیل میں کبھی نہیں رہا لیکن ایک شخص نے حیرت

انگیز طور پر میری مدد کی ہے اور مجھے وہاں سے رہا کرا دیا۔ یہ رہائی در اصل ایک معاہدے کے تحت ہوئی تھی۔ وہ شخصیت مجھے اپنے وطن بھیجنے کے بعد وہاں سے کہیں اور چل پڑی۔ مجھے یہاں آکر اس کا انتظار کرنا تھا اور میں انتظار کرتا رہا۔ بہر طور وہ شخصیت جب واپس آ گئی تو اس نے مجھے اپنے افکار و خیالات سے آگاہ کیا۔ اس نے ایک شخص کا نام لیا اور بتایا کہ وہ اس کے لیے کیا کرنا چاہتی ہے۔ میں اس سے متفق ہو گیا' اور پھر اس شخص کے بارے میں مجھے تفصیل بتائی گئی اور منصور اس وقت میں شدید حیران رہ گیا جب مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص تم ہو جس کی وہ شخصیت اعانت کرنا چاہتی ہے۔ بہر طور اس کے بعد ہم تم سے ملنے کی جد و جہد کرتے رہے اور خاصے عرصے بعد معلوم ہوا کہ تمہیں مشرق وسطی بھیج دیا گیا ہے چنانچہ مجھے تمہاری تلاش میں روانہ کیا گیا اور شکر ہے کہ میں تمہیں پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سلسلے میں میرے بھائی غوزی خاں نے میری بھرپور اعانت کی ہے اور اب میں یہاں آ گیا ہوں۔"

"اوہ وہ شخصیت کہاں ہے؟"

"میں نے ابھی اس سے رابطہ نہیں قائم کیا۔"

"تو رابطہ قائم کرو تغلق خان اور اس سے کہو کہ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دے دو تو میں سارے کام کر کے واپس آتا ہوں۔"

"میں انتظار کروں گا۔"

"یہاں بہت سے ملازم ہیں اور سب کے سب آپ کو پرنس دلاور کے نام سے جانتے ہیں۔"

"پرنس دلاور؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ "مگر یہ نام-----"

"آپ کی غیر موجودگی میں اس نام کو کافی پبلسٹی دی گئی ہے اس نام سے باقاعدہ کاروبار بھی ہو رہا ہے۔ مزید تفصیل آپ کو بعد میں معلوم ہو جائے گی۔"

"تم لوگوں نے ایک پراسرار کہانی ترتیب دے رکھی ہے تغلق خان! بہر حال کہانی کچھ بھی ہو۔ میں ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں کوئی بات آپ کے خلاف نہیں ہو گی اور اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف ہو تو آپ کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم نہ کریں' میں بہت جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا اور براہ راست آپ کو اس شخصیت کے سامنے پیش کروں گا جو آپ کی پشت پناہ ہے۔"

"تم نے چوبیس گھنٹے کا وقت لیا ہے' تغلق خان میں پورے سکون سے انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور تغلق خان مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔

میرے ذہن میں طوفان مچل رہے تھے' کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' رہ رہ کر دماغ بس ایک ہی سمت میں جاتا تھا لیکن پروفیسر شیرازی کی شخصیت ایسی تھی کہ اس کے بارے میں غلط نہیں سوچا جا سکتا تھا۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا؟ میرے لیے اس نے جو کچھ بھی کیا تھا' میرا رواں رواں اس کا احسان مند تھا۔ آنے والے وقت کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ نجانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ پرنس دلاور کا معاملہ بالکل نیا تھا' تغلق خان ایک سے ایک نئی چھوڑ رہا تھا' بہر طور وہ بھی ایک طرح سے میرا محسن تھا۔ سمندر سے غوزی خان کے چکر سے نکالنا اسی کا کام تھا ورنہ غوزی خان جیسے شخص' رحم کے جذبے سے آشنا نہیں ہوتے۔ وہ ایک بار پھر مجھے بادیان پہنچا دیتا اور پھر ہمیں نہ جانے کن مسائل میں گھر جانا پڑتا۔

بہروز عمارت کی سیر کے لیے چلا گیا تھا' میں اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا رہا' دفعتاً بہروز تیزی سے دوڑتا ہوا میرے کمرے میں آیا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "منصور! یہ کیا اسرار ہے' یہاں کے حالات تو بڑے عجیب ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے؟ میں نے سوال کیا۔

"اندرونی کمرے میں تمہاری ایک بہت بڑی تصویر لگی ہوئی ہے۔ تصویر اتنی خوبصورت ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آئل پینٹنگ ہے' لیکن منصور یہ کہاں سے آئی؟"

میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔" میں خود بھی کچھ نہیں جانتا بہروز۔ یہ عمارت میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کچھ لوگ مجھے حیران کرنا چاہتے ہوں لیکن میں فکر مند نہیں ہوں-----"

"فکر مند ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے' جو ہو گا دیکھا جائے گا' ہمارا نقصان ہی کیا ہے؟ ہم کون سے کسی کے پابند ہیں۔ تغلق خان نے بلاشبہ ہماری جان بچائی ہے اور ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں لیکن اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ساری زندگی اس کی احسان مندی میں گزار دیں' دیکھتے ہیں اگر کوئی کام کی بات ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تمہارا شہر ہے جس طرح چاہو زندگی بسر کرنا۔"

بہروز کے ان الفاظ پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "ایک بات بتاؤ بہروز' اگر حالات ہمارے موافق نہ ہوئے اور تمہیں بھی میرے ساتھ پریشانی کا وقت گزارنا پڑا تو کیا کرو

گے؟"

"تمھارا کیا خیال ہے؟ منصور اس بات کا جواب بھی تم ہی دے سکتے ہو۔" وہ عجیب لہجے میں بولا۔ "نہیں بھئی میں نے تم سے سوال کیا ہے' جواب تمہیں دینا ہو گا۔"

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میں بالکل تنہا ہوں اگر تنہائی ہو اور کوئی ساتھی نہ ہو تو انسان مرجاتا ہے اگر تم مجھے اپنے ساتھ ہی زندگی گزارنے کا موقع دے دو تو میں تمھارا بے حد شکر گزار ہوں گا' یقین کرو میری دوسری حیثیت بھی تمھاری ذات پر کبھی بوجھ نہیں بنے گی۔ لیکن اتنا سمجھ لو کہ میں تمھارے وجود کا حصہ ہوں۔ جہاں چاہو مجھے پہنچا دینا' میں یہ نہ پوچھوں گا کہ یہاں مجھے کیوں بھیجا گیا ہے جو کام میرے سپرد کرو گے یا جس جگہ بھی لگا دو گے' وہاں سے گردن نہیں ہٹاؤں گا باقی رہی میری دوسری شخصیت تو منصور! میں جو ہوں مجھے وہی رہنے دو۔ میرے خیال میں لڑکی بن کر میری زندگی زیادہ مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے' لڑکا بن کر کم از کم میں محفوظ رہوں گا----- اور میں تم سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ تم سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔"

میں نے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "بہروز مجھے شروع ہی سے تمھاری شخصیت پسند آئی تھی۔ یقین کرو کہ تم اگر مرد ہوتے تو مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی' ہرچند کہ تم اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو لیکن اس کے باوجود یہ احساس بھی میرے دل میں رہے گا کہ تم بہروز نہیں بلکہ سعدیہ ہو. جہاں تک میری اور تمھاری رفاقت کا معاملہ ہے تو آؤ بہروز وعدہ کرتے ہیں کہ. زندگی کے آخری لمحوں تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ دوستوں کی حیثیت سے ہم اپنی ذہنی وارداتیں کبھی ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے۔"

"وعدہ۔" بہروز نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹوں کے پھول کھل اٹھے----- پھر میں بہروز کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وہ میری تصویر دیکھ کر آیا تھا۔ حسین ترین کمرے میں ایک دیوار پر اس تصویر کو بنوانے میں خاصی رقم خرچ کی گئی ہو گی لیکن یہ سب کچھ' کیوں ہے اور کیا ہے؟ یہ سب کچھ اور میرے کرم فرماؤں میں سے کون میرے ساتھ یہ احسان عظیم کر رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ اس کے بعد کوٹھی کے دوسرے حصے دیکھے۔ ایک ملازم کو بلایا تو وہ دونوں ہاتھ جوڑے' آنکھیں جھکائے میرے نزدیک آگیا اور گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ "تم کب سے یہاں ملازم ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"حضور والا' تقریباً" تین ماہ سے۔"

"اس سے قبل کہاں کام کرتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"حضور والا' نواب یوسف علی خاں صاحب کے پاس' دوسرے شہر میں تھا۔ وہاں سے ملازمت چھوڑ دی تو مجھے یہاں بلا لیا گیا۔"

"کس نے بلایا تھا؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا' حضور والا' بس دفتری ملازمت سے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا اور پھر یہاں کے منتظم نے مجھے میرے معمولات سے آگاہ کر دیا' خادم کا نام فدا حسین ہے جو بھی خدمت ہو حضور والا حکم فرمائیں۔" ملازم کا لہجہ بے حد شستہ تھا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ محض ایک ملازم ہی ہے' چنانچہ میں نے اسے کافی بنانے کی ہدایت کی اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ملازم انتہائی قیمتی برتنوں میں کافی لے آیا۔ اس نے کافی سرو کر دی۔ رات کے تقریباً" پونے نو بجے تھے کہ تغلق خان واپس آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ بہروز اس وقت بھی میرے سامنے آرام کرسی پر دراز تھا۔ تغلق خان کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی اور وہ مسکرا دیا۔ "منصور صاحب انتظار کا وقت ختم ہو گیا۔ میں نے وہ سب کچھ کر ڈالا جس کے لیے میں نے آپ سے چوبیس گھنٹے طلب کیے تھے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ----؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں۔ وہ حضرات تشریف لے آئے ہیں جو آپ کے دوست ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہیں اور شرف ملاقات چاہتے ہیں۔"

میں اٹھا اور تقریباً" دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم تک پہنچا۔ میں نے بہروز کو پیچھے آنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں جو شکلیں موجود تھیں' وہ میرے لیے تعجب کا باعث نہیں تھیں۔ بارہا ان کے بارے میں سوچ چکا تھا اور جب بھی ذہن دوڑاتا ان ہی لوگوں کی صورتیں نگاہوں میں آتیں گویا یہی تھے جنھوں نے آج بھی مجھ پر احسان عظیم کیا تھا۔ سب سے آگے پروفیسر شیرازی کھڑے تھے۔ ان کے بائیں طرف سرخاب اور دائیں جانب گل اور چند دوسرے افراد بھی تھے جو مودبانہ انداز میں پیچھے کھڑے تھے۔ پروفیسر شیرازی کی شخصیت میں' میں نے انوکھی تبدیلی دیکھی۔ اس سے قبل جب بھی میں نے اس شخص کو دیکھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ذہانت آمیز چمک رہتی تھی اور چہرے پر ایک مدبرانہ مسکراہٹ----- لیکن آج اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے' خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس' آنکھوں میں ایک شوخ سی چمک' ہونٹوں پر ایک کامران مسکراہٹ'

صحت بھی پہلے سے کچھ بہتر نظر آ رہی تھی اور وہ بڑے اعتماد سے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں محبت اُمڈ آئی' اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "تاب انتظار نہیں' سینے سے لگ جاؤ۔"

میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ "کیا دل میں کوئی الجھن پرورش پا رہی ہے منصور؟"

"نہیں پروفیسر ------ بلکہ کچھ سوچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا؟" پروفیسر سوالیہ انداز میں بولا۔

"پروفیسر کیا میں اس قابل بھی ہوں یا نہیں؟"

"یہ تو اس سے قبل بھی بارہا سوچ چکے ہو اور یہی فیصلہ ہوا کہ تم جو کچھ بھی ہو' پروفیسر شیرازی کی زندگی کا مقصد بن چکے ہو کیا تمہیں میرے خلوص پر یقین نہیں آیا۔" پروفیسر کی آواز میں ایک تمکنت پیدا ہو گئی۔

"آپ کے خلوص پر تو بھرپور یقین ہے لیکن اپنی ذات میں مجھے ہمیشہ کھوٹ نظر آیا ہے' پروفیسر! میں نے خود کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ کسی شریف آدمی کا اعتماد حاصل کر سکوں۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھتے رہے ہیں۔ یہ میرے ضمیر کی آواز ہے کہ میں آپ جیسے شریف لوگوں کے قابل نہیں ہوں چنانچہ بہتر یہ ہے کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں۔"

"نہیں' تمہارا تجربہ ابھی محدود ہے۔ پروفیسر نے کتابوں کی دنیا دیکھی ہے' حوادث کی دنیا دیکھی ہے' اگر میرے ان تجربات کی کوئی حیثیت ہے تو تم میرے اس تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتے کہ میں انسان کو پرکھنے کا ماہر ہوں۔ میں نے تم میں جو دیکھا اس کی عظمت اپنے سینے میں محسوس کی اور میں تم سے محبت کرنے لگا۔ اگر تم میرے اس تجربے کو شکست دینا چاہتے ہو تو جاؤ پروفیسر کو مت تسلیم کرو۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ آج فیصلے کا دن ہے منصور!" پروفیسر کے' لہجے میں خوفناک غراہٹ پیدا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو چکا تھا۔ مجھ پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور میری گردن جھک گئی۔

"جواب کیوں نہیں دیتا۔ جواب کیوں نہیں دیتا؟" پروفیسر آگے بڑھا اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا ------ پھر اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا' اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے تجربات کو شکست نہیں دے سکتا۔"

پروفیسر کافی دیر تک مجھے بھینچے رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں شرمندہ ہوں

پروفیسر۔"

"نہیں' تمہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہیے بس یوں کہو کہ ضد کر رہے تھے' مجھے ------ اور آج یہ ضد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ منصور! میں نے اپنی زندگی میں انقلاب برپا کیا ہے' تمہارے لیے ایک قتل کیا ہے ------ پروفیسر شیرازی کا قتل ------ میں نے اس کے تمام افکار اور خیالات کو بھی قتل کر دیا یہ سوچ کر کہ وہ آج تک غلط انداز میں سوچتا رہا ہے اور جھوٹا ہے۔ اس نے اپنے گرد جو خول تیار کیا ہے' وہ ایک فریب ہے کیونکہ باہر کی دنیا بہت مختلف ہے۔ خول کے اندر کے ماحول نے اسے کچھ تحفظ دے دیا ہے لیکن اس تحفظ نے اس کی آنکھوں کی بینائی چھین لی ہے۔ میں اسے قتل کر کے ایک زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ نئی زندگی میں نے منصور کے نام لکھ دی۔ ہاں منصور میں نے نیا پروفیسر تمہارے لیے جنم دیا ہے۔"

میں بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ پروفیسر شیرازی اتنا جذباتی ہو سکتا ہے۔ آج تو اس نے انتہا کر دی تھی۔ بہر طور میں شروع ہی سے اس بات کا قائل تھا کہ ان لوگوں نے میرے لیے اپنی زندگی تج دی ہے لیکن پروفیسر میرے معاملے میں اتنا جذباتی ہو گا۔ اس بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ آج دل کی ہر خلش مٹ گئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر پروفیسر کو گلے لگا لیا اور کہا۔ "پروفیسر! منصور کا رواں رواں آپ کا غلام ہے۔ منصور اس محبت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے جو آپ کی زبان سے آپ کے بدن سے اور آنکھوں سے پھوٹ رہی ہے۔"

"بے شک میرے سینے میں تمہارے لیے اتنی ہی محبت ہے منصور لیکن میں بھی ایک خود غرض انسان ہوں ایک انتہائی خود غرض ------ کیونکہ انسان ہوں اور فلسفہ انسانیت یہی ہے کہ بچہ بھی پیدا ہونے کے بعد ماں سے کچھ مانگتا ہے وہ طلب گار رہتا ہے اس کی توجہ' اس کی محبت اور اس کے التفات کا ------ اور یہی اس کا لالچ ہے۔ میرے دل میں بھی ایک لالچ ہے منصور! میں تم سے اپنی محبتوں کے صلے میں کچھ چاہتا ہوں۔"

"بے شک میں دوں گا پروفیسر!" میں نے ٹھوس' لہجے میں کہا۔

"تو سنو تم اس بات پر قطعی اعتراض نہیں کرو گے کہ میں تمہارے لیے کیا کچھ کر چکا تم مجھ سے تعاون کرو گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ اس شخص کو قتل کر دو تو تم اسے قتل کر دو گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ فلاں شخص کی زندگی بخش دو تو تمہیں اس کی زندگی بخشنا ہو گی بولو منصور جواب دو۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر' لیکن اگر ان لوگوں میں سیٹھ جبار بھی ہوا تو ------؟" میں نے

سوال کیا۔

"نہیں سیٹھ جبار کبھی نہیں ہو گا' یہ میرا وعدہ ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں وہ سب کچھ کروں گا' جو آپ کہیں گے۔"

"تو سنو آج سے تمہارا نام منصور نہیں بلکہ پرنس دلاور ہے۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

میں حیرت زدہ رہ گیا---- پھر میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ٹھیک ہے میں آج سے پرنس دلاور ہوں۔"

اسی وقت سرخاب آگے بڑھ آئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک آٹوگراف بک تھی اس نے بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا "آٹوگراف پرنس۔"

میں جھینپی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ "دیکھا پروفیسر' میرا مذاق بھی اڑنا شروع ہو گیا۔"

"نہیں پرنس۔ براہ کرم مجھے اپنے مداحوں میں شمار کیجئے۔ آٹوگراف پلیز۔" سرخاب انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

میں نے سر کھجاتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے آٹوگراف بک اور پینسل لے لی پھر اس پر پرنس دلاور لکھ دیا تو وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ سرخاب کافی دیر تک جذباتی انداز میں لپٹی رہی' اس کے بعد گل کی باری آئی وہ حزینہ سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہی تھی میں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔ "کیسی ہیں گل"

"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"جو لوگ عقب میں کھڑے ہیں' میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"سب کے سب ہمارے رازدار بلکہ وہ لوگ ہیں' جو مستقبل میں ہمارا ساتھ دیں گے اور یہ راز صرف انھی تک محدود رہے گا۔ آؤ میں تمہارا ان لوگوں سے تعارف کرا دوں۔" شیرازی نے کہا اور پھر ان تمام لوگوں سے مجھے متعارف کرانے لگا۔ اس کے بعد پروفیسر شیرازی نے مسکرا کر بہروز کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔" ہم اپنے بہروز سے بھی خوب واقف ہیں لہٰذا ان کے تعارف کی ضرورت نہیں پیش آئی ان کے بارے میں تغلق خان نے ہمیں تفصیل بتادی ہے۔"

"ہیلو۔" سرخاب نے بہروز سے کہا تو اس نے مسکرا کر گردن خم کر دی۔

"بیٹھو بھئی۔ اب ذرا چائے کا دور چلے گا۔" پروفیسر نے کہا اور ہم سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔ بڑا عجیب سا ماحول ہو گیا تھا۔ وہ چاروں افراد جن کا تعارف مجھ سے ہو چکا تھا' مودبانہ

از میں بیٹھے ہوئے تھے۔

چائے کا دور چلا۔ سرخاب بڑھ بڑھ کر سب کی خاطر مدارات کر رہی تھی' اور آہستہ
ۃ اس کے چہرے پر سرخی نمودار ہوتی جا رہی تھی' جیسے مجھے دوبارہ پا کر بے حد خوش ہو۔
بار اس کی شریر نگاہیں میری جانب اٹھ جاتی تھیں اور وہ بے ساختہ ہنس پڑتی تھی۔ میں
کئی بار اس کے ساتھ بلاوجہ ہی ہنسا تھا' نہ جانے کیا سوچ رہی تھی' شریر لڑکی۔ بہت
ں بعد دوبارہ زندگی کا احساس ہوا تھا۔ بہروز بھی خوش نظر آتا تھا۔ میرے دوستوں سے
کر وہ بے حد مطمئن تھا بے اختیار دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس خوشی کی کوئی انتہا نہ
اس رات کی کوئی سحر نہ ہو بس ان لوگوں کے درمیان مطمئن اور مسرور بیٹھا رہوں۔

چائے کا دور ختم ہو گیا تب ان چاروں افراد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اجازت ملے
محترم؟" وہ پروفیسر شیرازی کی طرف متوجہ تھے۔

"بھائی اب مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو تم۔ پرنس ہی سے اجازت لے سکتے ہو
بونکہ اس وقت پرنس دلاور کی رہائش گاہ میں ہو۔"

"اوہ۔ سوری پرنس' ہمیں اجازت۔ ویسے آپ جب بھی ہمیں طلب فرمائیں گے' ہم
ضر ہو جائیں گے۔ ہمارا پتہ پروفیسر صاحب سے مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ لوگ تشریف لے جایئے ابھی تو مجھے پروفیسر سے یہ بھی معلوم کرنا ہے
۔ میں پرنس کیسے اور کیوں کر بنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ چاروں بھی مسکرانے لگے پھر وہ مجھے سلام کر کے چلے گئے۔ ان کے انداز میں
تہائی ادب تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے پروفیسر نے انھیں بہت کچھ سمجھا دیا ہو۔ تغلق خان بھی
ہر چلا گیا۔ اب کمرے میں گل' سرخاب' پروفیسر اور بہروز رہ گئے تھے' ہم سب بیٹھ گئے۔
ب پروفیسر نے میری طرف رخ کر کے کہا۔ "برا نہ ماننا منصور! کیا بہروز ہماری گفتگو میں
نریک ہوں گے؟"

"جی ہاں۔ یہ میرے راز دار ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے میرا کوئی معاملہ ان سے چھپا
وا نہیں ہو گا۔"

"ہم ان کی اس حیثیت کو خلوص دل سے قبول کرتے ہیں..." پروفیسر نے گردن خم کر
کے کہا۔

"پروفیسر میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن یہ سب کچھ جو میرے سامنے آیا ہے' اس
ندر حیرت ناک ہے کہ مجھے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے کیا میری اس پریشانی کو دور کیا
جائے گا؟"

"یقیناً" کیا جائے گا لیکن اس کے لیے ہم تمھاری کہانی سنیں گے اس کے بعد ان تمام معاملات کی تفصیل تمھیں بتائی جائے گی۔"

"گویا مجھے کافی دیر تک یہ تجسّس برداشت کرنا پڑے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تھوڑی دیر کے لیے تم ان خیالات کو ذہن سے نکال دو اور اپنی کہانی وہاں سے شروع کرو جب تم اچانک ہی شہر سے غائب ہو گئے تھے۔"

"پروفیسر جب میں آپ کے زیر سایہ تھا اور آپ میرے لیے کوشش کر رہے تھے' ان دنوں ہماری ملاقاتیں بہت کم رہیں---- پھر آپ بغیر کسی اطلاع کے کہیں چلے گئے۔ میں سرخاب سے ملتا رہا لیکن مجھے آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میری ذہنی رو لحہ لحہ بھٹک جاتی تھی۔ ممکن ہے ایاز کے بارے میں سرخاب آپ کو تفصیل بتا چکی ہوں میں نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ کیا تھا ایک سچے اور مخلص دوست کی حیثیت سے ایاز اس وقت بھی اور آج بھی میرے لیے محترم ہے اس کے ذریعے میں چمن تک پہنچا تھا اور چمن نے میری بھرپور اعانت کی۔ گل! میں آپ کا ذکر یہاں نہیں کروں گا کیونکہ آپ کی شخصیت سے پروفیسر واقف ہیں۔ آپ چمن کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں' بہرطور عظمت نامی نوجوان کی کہانی بھی گل نے آپ کو سنا دی ہو گی۔ میں ان سارے ہنگاموں میں الجھا ہوا تھا کہ چمن نے مجھ سے ایک خدمت لینا چاہی۔ وہ مجھے کسی جگہ بھیجنا چاہتا تھا اس کے احسانات اس قدر بے پناہ تھے کہ میں انکار نہ کر سکا اور مجھے ایک لانچ دے کر روانہ کر دیا گیا۔ مختصراً" یہ کہ حادثات کا شکار ہوتا ہوا ایک جزیرے پر جا پہنچا جہاں مجھے ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا پڑی بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ سیٹھ جبار کا ہے اور چمن بھی اسی کا آدمی ہے وہ انتہائی چالاکی سے میرا ہمدرد بن کر مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ شاید اس نے سیٹھ جبار سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے درست کر دے گا لیکن میں جزیرے پر قید نہ رہ سکا اور وہاں سے نکل گیا پھر وہاں سے میں ایک اور جزیرہ جو بادیان کے نام سے پکارا جاتا ہے' پہنچ گیا۔ بادیان مجرموں کا جزیرہ ہے اور دنیا کا ہر جرم اس جزیرے پر ہوتا ہے' وہاں لاکھوں بے بس انسان' غلاموں کی حیثیت سے فروخت ہوتے ہیں۔ بہرطور میں اس جزیرے سے بھی نکل آیا۔ بہروز میرا وہیں کا ساتھی ہے اور پھر راستے میں تغلق خان ملا۔ اس نے یہ کہانی سنائی کہ وہ میری تلاش میں سرگرداں تھا اور اس کی مدد سے میں یہاں تک پہنچ گیا یہ ہے میری کہانی' پروفیسر!"

میرے خاموش ہونے کے باوجود وہاں کافی دیر تک خاموشی رہی وہ لوگ اس مختصر سی کہانی سے شاید پورے واقعات کا اندازہ لگا رہے تھے۔ پھر پروفیسر نے لب کشائی کی۔ "کچھ

نہیں کہوں گا منصور' اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن اب یہ کہانی ایک نیا موڑ اختیار کر رہی ہے۔ تم منصور سے پرنس دلاور بن گئے اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نام قبول کر لیا۔ میں تمھیں کچھ دینا چاہتا تھا' منصور میری خواہش تھی کہ تم ایک سچے اور اچھے انسان بن جاؤ جب تمھارے حالات میرے علم میں آئے تھے تو میرا دل' درد اور اذیت سے تڑپ اٹھا تھا۔ میں تمھارے اندر کی آگ کو سمجھ گیا تھا---- لیکن میری بے بسی انتہا کو پہنچ گئی تو میں نے اپنے افکار میں کچھ تبدیلی پیدا کی کیونکہ میں نے سوچا کہ میں ایک چھوٹا سا مسئلہ حل نہیں کر سکا۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے' منصور! برائی کی جڑیں اتنی گہرائیوں میں تھیں کہ انھیں چند لمحات میں کھود پھینکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک شخص کو قتل کر دینے سے یا اسے راستے سے ہٹا دینے سے برائی ختم نہیں ہو جاتی---- چنانچہ منصور میں نے ایک راستہ اختیار کیا میں نے اپنے ذہن کی وہ پلیٹ بدل دی جو شروع ہی سے مجھ پر حکمران رہی تھی۔ میں نے اس کا رخ بدلا اور نئے انداز میں سوچا تب مجھے کچھ باتیں یاد آئیں اور میں مصروف ہو گیا میں نے مختلف ممالک کا دورہ کیا۔ میں ترکی گیا وہاں سے میں نے تغلق خان کو اپنے خصوصی تعلقات کی بنا پر رہا کرایا اور اسے کچھ ہدایات دے کر یہاں روانہ کر دیا اور خود دوسرے معاملات میں مصروف رہا جس کی تفصیل تمھیں بتا دی جائے گی۔ یہ سارے کام کر کے میں اپنے وطن واپس آیا تو پتہ چلا کہ تم موجود نہیں ہو۔ میں نے تمھارے بارے میں چھان بین کی لیکن زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا تاہم چمن تھوڑا سا میری نگاہوں میں آ چکا تھا۔ میرے مخصوص ذرائع نے بتا دیا' جس میں تمھارا ایک آدمی عظمت بھی شامل ہے' کہ تمھیں کس طرح روانہ کیا گیا ہے اور مجھے خوف ہوا کہ تم کسی سازش کے شکار ہو گئے ہو۔ چنانچہ میں نے تغلق خان کو بھیجا جس کے نتیجے میں تم ایک بار پھر مجھے مل گئے۔"

پروفیسر شیرازی چند لمحات کے لیے رکا تو میں نے بے صبری سے سوال کیا۔ "لیکن پرنس دلاور کا معاملہ رہ گیا پروفیسر!"

"اسی موضوع پر آ رہا ہوں' میرے عزیز! میں نے جو پلاننگ کی تھی وہ کچھ یوں ہے' جبار دولت مند ہے نا؟ اس نے اپنی دولت کے بل پر ہی اپنا شیطانی جال بچھا رکھا ہے اگر وہ دولت مند نہ ہوتا تو ماحول پر اس کا تسلط نہ ہوتا۔ دولت کی میرے پاس بھی کمی نہیں ہے۔ مختلف ممالک میں میرا سرمایہ لگا ہوا ہے لیکن میں جس پیمانے پر کام کرنا چاہتا تھا اس کے لیے مجھے بہت زیادہ دولت درکار تھی۔ میں اس سلسلے میں مسز جہانگیر یعنی گل کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہوں گا جنھوں نے بڑے خلوص سے اپنا سب کچھ اس کارخیر میں صرف کر

دیا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"ہاں جہانگیر لمیٹڈ ختم ہو چکی ہے اور کروڑوں روپے کی دولت گل نے میرے حوالے کر دی ہے کہ اسے میں اپنے مشن کی تکمیل میں صرف کر دوں، گل اب ہمارے ساتھ رہتی ہیں اور خدا کا احسان ہے کہ ہم پرمسرت زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"لیکن۔ لیکن-----" میں نے شدید حیرت کے عالم میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں کہو۔"

"لیکن وہ سلسلہ کیا ہے جس کے لیے اتنی بڑی دولت حاصل کی گئی ہے؟؟"

"سیٹھ جبار کے مقابلے میں آنے کے لیے ہمیں دولت درکار تھی میں نے غیر ممالک سے اپنا تمام سرمایہ سمیٹ لیا اور یہاں اپنے ملک میں اسے خرچ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک پرنس دلاور پیدا کیا جس کے نام سے بہت کچھ ہوا لیکن جو خود ابھی تک تاریکی میں ہے، اعلیٰ حکام سرکاری تقاریب میں، اور بڑے بڑے سرمایہ دار گھریلو تقاریب میں پرنس دلاور کے نام سے دعوت نامے جاری کرتے ہیں لیکن پرنس کسی سے نہیں ملتا۔ وہ اپنی فیکٹریوں، اپنے کارخانوں، اپنی ملوں میں بھی نہیں جاتا اس نے بہت کچھ کرایا ہے جو تم یہاں اپنی آنکھوں سے دیکھو گے لیکن ابھی تک کوئی اس کا صورت آشنا نہیں ہے۔ پرنس دلاور ایک پراسرار نام ہے لیکن وہ جو کچھ کر چکا ہے اس نے اسے بہت بڑی حیثیت دے دی ہے، سرکاری حکام اس کے ایک ٹیلی فون پر سب کچھ کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور سیٹھ جبار بے چین ہے۔ وہ خود بھی پرنس دلاور کی تلاش میں ہے اور اکثر اس کے لیے مختلف جگہوں پر رابطے قائم کرتا رہتا ہے لیکن وہ ابھی تک پرنس دلاور کی تصویر تک نہیں دیکھ سکا۔ ملک کے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنی میٹنگوں میں زیادہ تر وقت پرنس دلاور کی باتیں کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ پرنس دلاور نے ابھی کاروباری حصے کو ٹچ نہیں کیا بس وہ سماجی کام کر رہا ہے اور اس کی ملیں اور کارخانے پروڈکشن دے رہے ہیں لیکن مجھے تمہارا انتظار تھا منصور! تاکہ تمہارے آ جانے کے بعد پرنس دلاور کو منظر عام پر لا سکوں۔ سمجھ گئے منصور؟ سیٹھ جبار کے لیے اس سے بڑا تازیانہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ذہن میں ایک بہت بڑا پروگرام ہے۔ ہم نے اپنا سرمایہ نیک مقاصد کے لیے وقف کر دیا ہے یہ تمام دولت اور تمہارا تمام کاروبار، سیٹھ جبار کی سازشوں کو ناکام بنائے گا اس کی چور بازاری اور اسمگلنگ ختم کر دے گا اس کے لیے میں نے، گل نے اور ہم سب نے مل کر ایک بہت بڑا منصوبہ تیار کیا ہے، ایک پورا سیکشن ہے منصور جو اس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس میں

اعلاترین ماہرین ہیں جو تمام کاروباری امور سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔ سیٹھ جبار کو شکست دینے کے لیے، اس سے اپنی تکالیف کا انتقام لینے کے لیے اس سے بہتر ہتھیار اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اسے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا جائے، اور اسے گندی نالیوں تک پہنچا دیا جائے، میں نے یہ جرم کر ڈالا ہے کیونکہ نیکی کے راستے، میرے معاون نہیں بن سکے۔"

پروفیسر شیرازی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور میں سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا انسان تھا؟ یہ کیسے لوگ تھے؟ وہ تمام بھرم جو چمن نے توڑ دیا تھا، ایک بار پھر سے قائم ہو گیا تھا۔ لوگ کسی کے لیے یوں بھی جان دے دیتے ہیں۔ لوگ کسی کے لیے اس طرح بھی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور کیا مل سکتا تھا مجھ سے پروفیسر شیزاری کو؟ میں کون تھا؟ ایک گندی سی بستی اور گندے سے محلے کا رہنے والا، معمولی سا نوجوان میرے جیسے کروڑوں نوجوان نہ جانے کیسی کیسی اذیتوں کا شکار ہو کر بے بس ہو چکے ہوں گے، دم توڑ چکے ہوں گے۔ ان کے اندر کوئی انا زندہ نہ ہو گی ان کی اپنی زندگی ایک زخم ہو گی لیکن تقدیر نے مجھے کیا کچھ دے دیا ہے۔ کتنے ہمدرد دیئے ہیں مجھے اور ان سب کو نہ پا کر مجھے کیسے کیسے احساسات سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ میں رونا چاہتا تھا لیکن میری آنکھوں سے آنسو خشک ہو گئے تھے بس شدت جذبات سے میرے پورے بدن میں کپکپاہٹ سی طاری تھی۔

پروفیسر شیرازی میرے اس انتشار کو دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر بعد اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اسے اپنے لیے ایثار نہ سمجھو منصور یہ سب کچھ ہم نے اپنی زندگی کے لیے کیا ہے۔ جن کی موت ہماری اپنی موت ہوتی ۔ کوئی منصور کو راستے کا پتھر کیوں بنا دے ہم زندہ ہیں ہم اسے زندہ رکھیں گے، ہم اسے انسان سمجھنے پر مجبور کریں گے۔ یہی ہمارا نصب العین ہے کیونکہ منصور بھی انسان ہے۔ تم ہماری امیدوں کا مینار ہو، اگر یہ روشنی بجھ گئی تو ہم قلاش ہو جائیں گے۔ دولت کا کیا ہے آنی جانی چیز ہے انسان کو بس اپنی ضروریات ہی تو پوری کرنی ہوتی ہیں۔ دولت اس کا کہاں تک ساتھ دیتی ہے۔ موت کے بعد تو دولت ایک بیکار چیز ہے تو ہم اس بے کار چیز کو اپنی تجوریوں میں بھر کر کیوں ضائع کرتے؟ ہم نے اس کا ایک صحیح مصرف دریافت کر لیا ہے تمہیں اس کا ٹائیٹل بنا دیا ہے۔ منصور تم ذہنی انتشار ختم کر دو اور ہمارے ساتھ مکمل تعاون پر آمادہ ہو جاؤ۔"

میں خاموشی سے پروفیسر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ عظیم انسان میرے سامنے پہاڑ بن چکا تھا اور اس پہاڑ کے سامنے میں ایک حقیر ذرہ تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ گل بھی بالکل میرے نزدیک ہی بیٹھی تھی۔ دوسری طرف سرخاب تھی، بہروز میرے سامنے تھا اور ان تمام باتوں کو سن کر وہ ششدر رہ گیا تھا کیونکہ اسے میری پوری کہانی معلوم تھی تب گل

میری جانب جھکی اور بولی۔ ”منصور خاموش کیوں ہو؟“

”میں کیا کہوں گل؟“

”بس یہ سب کچھ تسلیم کر لو۔ اس بات کو اپنی ذات پر احسان کیوں سمجھتے ہو؟ منصور اس احسان کا میں تمہیں کیا صلہ دوں جو تم نے مجھ پر کیا تھا۔“

”نہیں، گل نہیں، میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تو پھر تم پر بھی ہم نے کوئی احسان نہیں کیا منصور! یہ تو ایک منصوبہ ہے اور تم اس میں ایک معاون کی حیثیت رکھتے ہو۔“

”ہاں منصور بھیا! آپ ان باتوں پر اتنا نہ الجھیں میں تو بڑی سنسنی محسوس کرتی رہی ہوں۔ یقین کریں ایک ایک لمحہ میں نے آپ کے انتظار میں کاٹا ہے۔ بڑا شدید انتظار کیا ہے میں نے۔ سوچتی تھی کہ جب آپ آجائیں گے تو کہانی میں کچھ اور سنسنی پیدا ہو جائے گی۔ جب پہلی بار پرنس دلاور کو کہیں دیکھا جائے گا تو لوگ نہ جانے اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کریں گے۔ بڑی انوکھی داستانیں ہیں پرنس دلاور کی، یوں سمجھیں کہ ایک شعبہ پرنس دلاور کی تشہیر کے لیے بھی مخصوص ہے۔ ہم لوگوں نے بڑا دماغ کھپایا ہے، اس سلسلے میں۔۔۔۔ سیٹھ جبار کو ہم نے ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ امی اور فریدہ کو لے کے خود ہمارے پاس پہنچے ورنہ۔۔۔۔“ سرخاب نے کہا۔

”میں کچھ نہیں کہوں گا، میری پیاری بہن، تم لوگ میرے لیے نہ جانے کیا ہو۔ میرے پاس اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔“

”بس، بس خدا کرے تمہیں یہ الفاظ کبھی نہ ملیں تاکہ تم احمقانہ باتیں نہ کر سکو۔“ پروفیسر شیرازی نے کہا اور ہم لوگ مسکرانے لگے۔ میرے ذہن سے بوجھ ہلکا ہو گیا تھا اور طبیعت میں عجیب سی ایک جولانی ابھر رہی تھی۔

”تو ہم لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟ پرنس دلاور آپ ہمیں احکامات دینا شروع کر دیں۔“ تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر شیرازی نے کہا۔

”بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ بتائیں کہ مجھے کیا کچھ کرنا ہو گا؟“ میں نے کہا۔

”بتائیں گے بھئی، ضرور بتائیں گے۔ کیوں گل“ پروفیسر نے لیڈی جہانگیر کی طرف دیکھا۔

”یقیناً۔“ لیڈی جہانگیر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

”ارے ہاں! ایک بات تو ہم تمہیں بتانا بھول گئے بھئی یہ لیڈی جہانگیر جو ہیں نا۔۔۔۔ یہ کبھی ہوں گی، لیڈی جہانگیر۔۔۔۔ اب تو یہ ہماری گل ہے۔ سرخاب کی بڑی

بہن سمجھے تم؟“

”یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی۔“ میں نے پر محبت انداز میں گل کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر پوچھا۔“ گل وہ عظمت کہاں ہے؟“

”تمھاری ایک فرم میں مینیجر لگا ہوا ہے اور پر سکون زندگی گزار رہا ہے۔“

”اور ایاز؟“ میں نے سوال کیا۔

”ایاز کا پتہ نہیں۔ وہ اس دوران کبھی ملا ہی نہیں بلکہ میں نے ایک دو بار، اس کے بارے میں عظمت سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ ایاز کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہے۔“

”اوہ۔ وہ میرے ساتھ گیا تھا لیکن چمن اسے وہاں سے واپس لے آیا۔ جذباتی نوجوان تھا کہیں کوئی حرکت نہ کر بیٹھا ہو۔ خدا کرے وہ زندہ ہو۔“ میں نے تشویش سے کہا۔

”اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گے، بلکہ یہ کام بھی تغلق خان ہی کے سپرد کر دیا جائے گا۔“

”یقیناً، یقیناً تغلق خان آج بھی چمن کا دوست ہے، میرا خیال ہے وہ ایاز کے بارے میں ضرور معلوم کر لے گا۔“

”ہاں یقیناً۔“ پروفیسر شیرازی نے جواب دیا۔

”تو پھر پروفیسر، آپ مجھے کب سے پڑھانا شروع کریں گے؟“

”بھئی میرا خیال ہے کہ آج کی یہ گفتگو کافی ہے۔ ہمیں بہت سے جذباتی مراحل سے گزرنا پڑا ہے اور ہمارے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئیں۔ چنانچہ باقی وقت تفریحی گفتگو کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور کل صبح ناشتے کے بعد تمہیں مزید تفصیلات بتا دی جائیں گی۔“

”انتہائی مناسب۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں بھئی، بہروز میاں، تم بڑے پیارے بچے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ایک پورا خاندان حاصل کر لیا ورنہ اس سے پہلے محض ایک گوشہ نشین قسم کا بوڑھا پروفیسر تھا اور میرا خاندان بہت مختصر تھا، میں تھا اور میری بیٹی سرخاب تھی، اس کے بعد خدا نے مجھے ایک بیٹا دیا اس کے بعد ایک بیٹی دی۔۔۔۔ پھر اتنے بہت سے لوگ دے دئے کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ اب میں اپنے خاندان کے ساتھ بہت خوش ہوں اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے ایک بیٹا اور بڑھ گیا ہو۔“ پروفیسر شیرازی نے بہروز کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور بہروز اپنی جگہ سے اٹھ گیا، وہ شرماتا اور جھجکتا ہوا پروفیسر کے پاس پہنچا تو انھوں نے محبت سے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ”ہمارے نئے بیٹے بہروز کا کہاں

سے تعلق ہے، منصور؟"

"مصری نژاد ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اردو تو خوب سمجھ لیتا ہے میں نے بولتے ہوئے بھی سنا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"ہاں۔ اس نے مجھ سے باقاعدہ اردو سیکھی ہے میرا مقصد ہے مجھے دیکھ کر یہ بولتا رہا ہے۔"

"مگر اتنے سے دنوں میں کسی دوسری زبان پر عبور حاصل کر لینا بڑا مشکل ہے جو بہروز نے اتنی آسانی سے سرانجام دے دیا۔"

"بہروز انتہائی ذہین اور زیرک نوجوان ہے، آپ اس کی صلاحیتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

سرخاب اور گل بھی اس خوبصورت نوجوان میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ شاید انھیں بہروز کا شرمایا شرمایا انداز بے حد پسند آیا تھا۔

"ہاں بھئی منصور! تم ہمیں بہروز کی کہانی سناؤ۔"

"بہروز کی داستان بھی المیہ ہے، پروفیسر۔" میں نے کہا اور پھر بادیان کے باقی واقعات بھی سنا دیئے۔ بہروز کی کیفیت، اس کی کارکردگی اور اس کے بھائی کی داستان ان لوگوں کو سنائی تو وہ بہت غمزدہ ہو گئے۔

پروفیسر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "جو کچھ ہو چکا بیٹے---- اسے بھول جاؤ----اور ہم لوگوں کو اپنا اہل خاندان تصور کرو۔ ہم تمہیں اس بات کا یقین تو نہیں دلا سکتے کہ تمہارے لیے ہمارے دل میں کتنی جگہ پیدا ہو گئی ہے لیکن امید رکھتے ہیں کہ آنے والا وقت تمہیں ہماری ذات سے مایوس نہیں کرے گا کہ تم اس خاندان میں پوری طرح ضم ہو جاؤ گے اور کچھ دن بعد ہمیں خود سے الگ نہیں سمجھو گے۔"

بہروز نے جذباتی انداز میں پروفیسر کا ہاتھ تھام لیا اور لرزتی آواز میں بولا۔ "مجھے مکمل یقین ہے، جناب میں آپ پر بے پناہ اعتماد کرنے لگا ہوں۔ منصور جس قدر شریف النفس ہیں، مجھے یقین ہے کہ ان کے مربی بھی ایسے ہی ہوں گے اور پھر منصور مجھے آپ کے بارے میں پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ میں تو اسے اپنی بے پناہ خوش بختی سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں کا قرب حاصل ہو گیا۔"

----پھر یہ جذباتی گفتگو ختم ہو گئی اور ہم سب اپنے ذہنوں سے اس گفتگو کا اثر زائل کرنے لگے، پھر میں نے سرخاب سے کہا۔

"میں ایاز کے لیے پریشان ہوں سرخاب! نہ جانے وہ کس حال میں ہے؟ اس کے

بارے میں معلومات کس طرح حاصل ہوں گی؟ میرا خیال ہے گل آپ عظمت کو میرے پاس بھیج دیں۔" میں نے کہا۔

گل الجھے ہوئے انداز میں پروفیسر کو دیکھنے لگی تو انھوں نے فوراً" کہا۔ "ابھی نہیں منصور! تمہیں انتہائی صبر سے کام لینا ہو گا جو کھیل میں نے شروع کیا ہے اسے صحیح انداز میں آگے بڑھانے کے لیے ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا، جہاں جذباتی ہوئے، کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں پروفیسر؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"منصور تم تو اب ہم سے بھی نہیں ملو گے۔ عظمت تو دور کی بات ہے۔ ہم بھی تم سے آزادانہ نہیں ملیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم پرنس دلاور کی حیثیت سے متعارف ہو گے تو ہمارے تعلقات آگے بڑھ جائیں تب ہم تم سے ملتے رہیں گے ورنہ دوسری صورت میں تو پرنس دلاور ہم جیسے لوگوں کو گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا، سیٹھ جبار کو۔ باور کرانے کے لیے کہ تم پرنس دلاور ہو اور منصور سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، ہم سب کا الگ تھلگ رہنا بے حد ضروری ہے لیکن میں نے کچھ اور انتظامات بھی کر لیے ہیں مثلاً" ایک مخصوص فری کوئنسی کا ٹرانسمیٹر جو تمہارے بیڈ روم میں نصب ہے اور اس کا ایک ریسیور اور اسپیکر میرے بیڈ روم میں ہے وہاں سے ہم آپس میں رابطہ رکھیں گے۔"

"ویری گڈ! میں وہ بیڈ روم دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ابھی کہاں سے، ابھی تم اپنی کوٹھی میں جاؤ جس میں تمہارا قیام ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ یہ کوٹھی تمہاری بہت ساری کوٹھیوں میں سے ایک ہے اور تمہارا قیام یہاں نہیں ہے۔ تغلق خان جیسے لوگ ان کوٹھیوں میں رہتے ہیں تمہاری رہائش گاہ تمہیں دکھا دی جائے گی۔ ابھی چند روز پرنس دلاور منظر عام پر نہیں آئیں گے بلکہ ابھی ان کی صرف تشہیر ہوتی رہے گی مثلاً" کچھ شادیاں ہوں گی جو پرنس دلاور کے سرمائے سے ہوں گی۔ کچھ بچوں کو وظیفے ملیں گے جو پرنس دلاور دیں گے۔ یہ تمام تفصیل اخبار میں چھپے گی اور لوگ پرنس دلاور کی تلاش میں نکل پڑیں گے ان میں ضرورت مند بھی ہوں گے اور وہ بھی جو پرنس دلاور کے بارے میں تجسس رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سیٹھ جبار کے ہرکارے پرنس دلاور کے اردگرد پھیل جائیں گے اور اس کے بارے میں تمام تر معلومات جبار کو فراہم کریں گے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا---- پھر گہری عقیدت سے کہا۔ "آپ عظیم ہیں پروفیسر میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے ہمیشہ زندہ رکھا ہے اور آپ کی یہی خواہش رہی ہے کہ میری زندگی پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ بہرطور میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔"

"اس نئی کوٹھی میں بہروز تمہارے ساتھ رہے گا اور ہم تم سے رابطہ قائم کرتے رہیں گے اور اب آرام کرو۔" پروفیسر نے کہا اور اٹھ گیا۔

بہروز اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ تنہائیاں ہمیشہ ہی خیالات کا خزانہ ہوتی ہیں۔ میں پروفیسر کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ذرا سی بات کے لیے اپنا تن' من اور دھن سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ پروفیسر نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ لیڈی جہانگیر نے بھی میرے لیے زبردست ایثار کیا تھا۔ یہ تصور سینے میں ٹھنڈک کا باعث تھا اور اس ٹھنڈک کو دل میں بسائے' میں گہری نیند سو گیا۔

صبح ناشتے کے بعد پروفیسر وغیرہ چلے گئے صرف بہروز میرے پاس رہ گیا' وہ خاموش تھا۔ ہم لوگ تغلق خان کا انتظار کر رہے تھے جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو میں نے کہا۔

"کمال ہے بہروز! تم نے تو نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"نہیں چیف' کچھ سوچ رہا تھا۔" بہروز نے کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے۔؟"

"ایسے معصوم اور سچے لوگوں سے میں اپنی شخصیت چھپا کر خود کو ذلیل محسوس کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے سچ بولتے رہیں گے اور میں ان سے جھوٹ بولتا رہوں گا کیا یہ مناسب ہو گا؟" بہروز نے سوال کیا۔

"یار اس طرح تو میری پوزیشن بھی خراب ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ "اگر میں اب بتاؤں گا کہ بہروز لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے تو یہ سچے لوگ سوچیں گے کہ میں نے ان سے سچ نہیں بولا۔"

"تو میں ایک جھوٹ اور بول کر تمہاری پوزیشن صاف کیے دیتا ہوں۔ میں سرخاب یا گل کو بتاؤں گا کہ میں درحقیقت کیا ہوں۔ میں ان سے کہوں گا کہ میں نے خود کو منصور سے چھپائے رکھا ہے میں ان سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ میری شخصیت کے بارے میں نہ بتایا جائے ورنہ میں ان کے ساتھ نہ رہ سکوں گا۔ دیکھتا ہوں' کیا ہوتا ہے۔" بہروز نے کہا۔

"بڑی عجیب سی پوزشن ہو جائے گی۔ کوشش کر لو۔ میں کسی قیمت پر نہیں چاہوں گا

کہ تمہارے ضمیر کی سچائی متاثر ہو۔"

"میں سرخاب کو بتاؤں گا کہ آج تک تم بھی میرے وجود کے اس پہلو سے ناواقف رہے ہو۔"

گیارہ بجے تک ہم بات چیت کرتے رہے اور پھر اس وقت یہ سلسلہ منقطع ہوا جب ایک ملازم نے تغلق خان کے آنے کی اطلاع دی' تغلق خان کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا یہ ایک دراز قامت نوجوان تھا' اس نے ادب سے جھک کر مجھے سلام کیا اور با ادب کھڑا ہو گیا۔

"یہ ناظر ہیں پرنس! آپ کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ میں تو آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا کیونکہ میری شخصیت ذرا مشکوک سی ہے۔ ناظر آپ کو پروفیسر کے کہنے کے مطابق وہ سب کچھ سمجھا دیں گے جو آپ جاننا چاہتے تھے۔"

"ٹھیک ہے' میں لباس تبدیل کر لوں پھر تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ بہروز دوسرے کمرے میں تھا اس کے پاس جا کر میں نے اسے تفصیل بتائی اور بہروز نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کپڑے بدل کر ناظر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تغلق خان کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ بہروز کے آرام کا خیال رکھے۔ اس کے بعد میں اور ناظر ایک کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں خاموشی ہی رہی تھی پھر ایک عظیم الشان اسپتال کے سامنے ناظر نے کار روکی اور بولا۔ "جناب عالی! آپ یہ اسپتال دیکھنا پسند فرمائیں گے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"آپ نے شاید اوپر لگے ہوئے بورڈ پر غور نہیں کیا' پرنس!" ناظر نے کہا۔

"میری نگاہیں بے اختیار اوپر اٹھ گئیں۔ اسپتال پر۔ "پرنس دلاور ہاسپٹل۔" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسپتال کی وسیع و عریض عمارت پر نگاہ دوڑائی۔ ناظر مجھے اسپتال کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس عظیم اشان اسپتال کا ایک حصہ ان غریب لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو اپنا علاج نہیں کرا سکتے یہاں انھیں ہر طرح کی سہولتیں مہیا تھیں۔ "حکم فرمائیں' جناب عالی! اسپتال کو اندر سے بھی دیکھیں گے؟"

"نہیں' ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا اور ناظر وہاں سے چل پڑا۔ اس کے بعد ناظر نے مجھے ایک بہت بڑی عمارت دکھائی۔ جو یتیم خانے کی عمارت تھی۔ یتیم خانہ بھی میری ہی دولت سے تعمیر ہوا تھا کچھ اور ایسی چیزیں جو خیراتی اداروں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پرنس دلاور کے سرمائے سے چل رہی تھیں اور اس کے بعد پرنس دلاور کی کوٹھیاں' دوسری

جائدادیں، ملیں اور کارخانے دکھائے سب کے سب پرنس دلاور کے نام سے مشہور تھے۔ بہت بڑی آئرن فیکٹری بنائی گئی تھی اور نہ جانے کیا کیا کچھ تھا۔ میں پروفیسر شیرازی کے بارے میں سوچ سوچ کر دنگ ہوتا رہا۔ پروفیسر شیرازی اتنا دولت مند ہو گا۔ یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم تھی۔ اس نے اور گل نے مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ کیا میں ان تمام چیزوں کو سنبھالنے کا اہل ہوں؟ کیا میں وہ شخصیت برقرار رکھ سکتا ہوں جو ان لوگوں نے میری بنا دی ہے؟ میں سوچ رہا تھا تقریباً" تین بجے تک ہم صرف سیر کرتے رہے اور اس کے بعد وہاں سے ناظر مجھے ایک عظیم الشان کوٹھی میں لے گیا جس پر پرنس دلاور کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ یہ کوٹھی کیا تھی اسے محل کہا جاسکتا تھا انتہائی خوب صورت عمارت تھی جس کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، میں پورچ میں اتر گیا لیکن صدر دروازے میں بہروز کو دیکھ کر میرا منہ تعجب سے کھلا رہ گیا۔ بہروز مسکرایا آگے بڑھ آیا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ "پرنس۔ آپ نے تو مجھے بھی دھوکے میں رکھا۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں بہروز؟" میں نے کہا۔

"آپ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہوں گے پرنس، میں نہیں جانتا تھا، البتہ جو فراخ دلی میں نے بادیان پر محسوس کی تھی، مجھے اسی سے اندازہ لگا لینا چاہیے تھا کہ آپ معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں۔"

"زخموں کو نہ کریدو، بہروز میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا مجھے تو وہ اپنا چھوٹا سا مکان پسند تھا۔ اس کا ماحول آج بھی میرے لیے اس عظیم الشان کوٹھی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں، اگر مجھے میری ماں اور بہن مل جائیں تو میں اس کوٹھی سے زیادہ اس جھونپڑی میں خوش رہ سکتا ہوں۔"

بہروز نے گردن جھکالی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہو گئی تھی اور پھر ہم دونوں اندر چل پڑے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میری وجہ سے بہروز بھی غم زدہ ہو گیا ہے، چنانچہ میں نے موڈ بدلنے کے لیے کہا۔ "لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"تغلق خان نے کہا کہ شفٹنگ کر لی جائے اور پروفیسر کا بھی فون آیا تھا۔ انھوں نے بھی کہا کہ آج سے پرنس اپنی کوٹھی میں منتقل ہو جائیں گے، چنانچہ میں بھی یہاں پہنچ جاؤں۔"

"سرخاب وغیرہ سے فون پر بات چیت ہوئی؟"

"نہیں، میں نے ان کے بارے میں معلوم نہیں کیا۔"

"ہوں۔ بہر طور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ حالات کی وجہ سے میں ان لوگوں سے

نہیں مل سکوں گا۔" میں نے کہا اور ملازمین سے اپنی خواب گاہ معلوم کر کے وہاں چلا گیا۔

خواب گاہ کیا تھی ایک بہت بڑا ہال تھا جس کے درمیان بستر لگا ہوا تھا اطراف میں ایسی ایسی قیمتی اور نایاب چیزیں موجود تھیں کہ بیان سے باہر۔ اٹیچ باتھ تھا۔ اس میں داخل ہو کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ جدید ترین باتھ روم تھا، اس محل نما کوٹھی کو دیکھ کر میرے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔ میں پروفیسر کا مقصد سمجھتا تھا۔ وہ سیٹھ جبار کو میرے سامنے احساس کمتری کا شکار بنانا چاہتا تھا اور پھر جب درحقیقت سیٹھ جبار میری اصلیت سے واقف ہو گا تو اس پر کیا گزرے گی۔ مجھے بھی ان تمام چیزوں کو نبھانا تھا ورنہ پروفیسر کی تمام محنت رائگاں چلی جاتی۔ میں اپنی مسہری پر آکر لیٹ گیا اور چھت کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتا رہا۔

رات کو تقریباً" گیارہ بجے پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ وہ تنہا ہی آیا تھا، بہروز آرام کرنے جا چکا تھا۔ پروفیسر میری خواب گاہ میں میرے پاس آ گیا۔ "ہیلو منصور۔ کیا بات ہے کچھ مضمحل نظر آ رہے ہو؟"

"ہاں پروفیسر، وہ سب کچھ دیکھ کر آیا ہوں جو آپ لوگوں نے میرے لیے کیا ہے۔"

"تمھارے لیے نہیں اپنے لیے---- بہتوں کے لیے خواہ مخواہ تم اس احسان کو صرف اپنی گردن پر لیتے ہو۔" پروفیسر نے کہا۔ "اب تم نے یہ تمام چیزیں دیکھ لی ہیں تو انھیں پوری طرح سمجھ بھی لو۔ کل کچھ لوگ تم سے ملنے آئیں گے یہ سب تمھارے ملوں، کارخانوں، فیکٹریوں کے عہدیدار ہوں گے۔ تم ان سے پرنس دلاور کی حیثیت سے ملو گے اور انھیں ذرا بھی کسی بات کا شبہہ نہیں ہونے دو گے۔ یہ تمام لوگ وہ ہوں گے، جو تمھارے صاف ستھرے کاروبار کو چلا رہے ہیں۔ میں نے پرنس دلاور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے منصور، ایک وہ پرنس دلاور جو خدا ترس اور نیک انسان ہے اور سماجی و معاشرتی امور میں بھرپور دلچسپی لیتا ہے۔ دل کھول کر ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور دوسرا پرنس دلاور بڑا اسمگلر ہے۔ سینکڑوں جرائم پیشہ لوگ اس کے ملازم ہیں اور اس کی ان گنت تنظیمیں چلتی ہیں جو غیر قانونی کام کرتی ہیں۔"

"لیکن پروفیسر ہم اسمگلنگ کا کاروبار کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

ر میں بھرپور دلچسپی لیتا ہے۔ دل کھول کر ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور دوسرا پرنس
ور بڑا اسمگلر ہے۔ سینکڑوں جرائم پیشہ لوگ اس کے ملازم ہیں اور اس کی ان گنت
یں چلتی ہیں جو غیر قانونی کام کرتی ہیں۔"
"لیکن پروفیسر ہم اسمگلنگ کا کاروبار کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں تمہیں بہت کچھ بتا چکا ہوں منصور! لیکن محسوس کر رہا ہوں کہ ابھی بہت کچھ بتانا باقی ہے، اس وقت تم مجھ سے میری ان تمام کاوشوں کا مکمل مقصد سمجھ لو، اس کے بعد یقیناً" تمہیں کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں منصور کہ سیٹھ جبار کے خلاف میں نے جو کچھ کرنا چاہا اس میں مجھے کافی ناکامیاں اٹھانی پڑیں، ہر چند کہ ارباب اقتدار میری عزت کرتے ہیں، انھوں نے مجھے مایوس نہیں کیا لیکن محسوس ہوا کہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح بے بس ہو جاتا ہے، سیٹھ جبار نے ایسا جال پھیلا رکھا ہے کہ جو شخص بھی ہمارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے، وہ دوسری جگہ دب جاتا ہے جب میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ جو عام حالات میں میرے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے، سیٹھ جبار کے معاملے میں بے بس ہو جاتے ہیں تو میں نے تجزیہ کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تب مجھے محسوس ہوا کہ صرف دولت لٹانے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ دولت کے انبار پر بیٹھ جائیے، جو دل چاہے اور جس طرح دل چاہے خرچ کرتے رہیے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ لیکن اگر آپ تھوڑی سی رقم اپنے نام و نمود کی خاطر خرچ کریں تو یقینی طور پر اس کا رد عمل ہوتا ہے، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ یہ تمام دولت کے انبار جو میرے پر ڈھیر ہیں، بے کار پڑے ہوئے ہیں، میں ان کا صحیح مصرف کیوں نہ تلاش کروں؟ سرخا سے مشورہ کیا۔ خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ میری بیٹی میری ہی جیسی سوچ رکھتی ہے۔ ا نے گل کے بارے میں کہا تھا کہ میں اگر مناسب سمجھوں تو لیڈی جہانگیر کو بھی ان معاملا میں شریک کو لوں پھر جب میں نے لیڈی جہانگیر کو اپنے خیالات بتائے تو وہ تو بڑی عج عورت ثابت ہوئی۔ اس نے مجھ سے پہلے وہ پیش کش کر دی جو میرے ذہن میں پہلے تھی——— یعنی اس نے اپنا رواں رواں اس نیک کام کے لیے وقف کر دیا اور اب یہ کچھ ہمارے سامنے ہے، مقصد ہمارا صرف یہی ہے کہ جہاں نیکی کا مسئلہ ہوا تو ہم انسا سے نیکی اور محبت کریں گے، ظاہر ہے ضرورت مندوں کے لیے ہی تو ہمارا یہ سب کچھ ہوا ہے، لیکن جہاں تک سیٹھ جبار اور ان جیسے دوسرے سیٹھوں کا تعلق ہے تو ہم اسمگ کریں گے۔ اشیا منگوا کر انھیں ذخیرہ کر دیں گے اور اس وقت جب سیٹھ جبار جیسے ل مارکیٹ میں ان اشیا کو پھیلائیں گے، باہر بھیجیں گے یا ان سے کچھ بھی فائدہ اٹھائیں ہم کچھ خرچ کر کے ان سازشوں کو ناکام بنائیں گے۔ انھیں ایسے نقصانات سے دوچار گے کہ وہ تباہ ہو جائیں، تم میرا مقصد سمجھ رہے ہو نا؟ ہم نے ایک سیکشن اس کے لیے ہے کہ ہمارا کاروبار حکومت کی نگاہ میں صاف ستھرا رہے گا، پرنس دلاور کے نام سماجی کام کیے گئے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہیں، بے شک ہم ان کے ذریعے، ان ادارو

ذریعے عوام کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پرنس دلاور حکومت کی نگاہوں میں نیک نام رہے، سیٹھ جبار کی طرح ہم بھی حکومت کے اہم لوگوں کو اپنا ہمنوا بنائیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان پر سے سیٹھ جبار کے اثرات زائل کر دیں۔ یہ تو ہوئی ہماری پہلی کوشش، اس کے علاوہ ایک اور خاص کام بھی ہے جس کے لیے میں نے تغلق خان کو ساتھی بنایا ہے وہ کام یہ ہے کہ سمندر کے راستے سیٹھ جبار کا مال آتا ہے اسے یا تو راستے میں ہی تباہ کر دیا جائے یا پھر اسے اپنی تحویل میں لے لیا جائے۔ تم سمجھ رہے ہو نا منصور؟" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

میں بے حد تعجب سے پروفیسر کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بے شک پروفیسر! مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہے کہ آپ مجھ سے متفق ہو گئے۔ بہر حال، آپ نے یا گل نے جو کچھ میرے نام سے کیا ہے یا میرے لیے کیا ہے، وہ صرف میری ذات پر بلکہ آپ اپنی ذات پر بھی احسان ہے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد میں آپ کے اس سرمائے کا ایک پیسہ بھی اپنے لیے حرام تصور کروں گا۔ بات چھی طرح ذہن نشین کر لیں" کہ جو کچھ میری ذات پر اس وقت خرچ ہو گا، سمجھا جائے کہ اس فرض کی ضرورت ہے۔ اس کا منصور پر کوئی احسان نہیں ہو گا۔ ہاں میں اپنی کاوشوں اور کوششوں سے جو کچھ حاصل کروں گا، وہ میری اپنی ملکیت ہو گی۔"

"میں اور گل تمہارے ہر اقدام سے متفق ہوں گے بجائے ان باتوں کو سوچنے کے کہ مستقبل میں کیا ہو گا، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے اپنے راستے کیا ہوں گے؟——— تو منصور پہلے تم ان لوگوں سے مل لو، ان سے اسی انداز میں گفتگو کرو جو ایک نیک اور خدا ترس پرنس کا انداز ہو سکتا ہے، یہ سب تم سے پہلی بار ملیں گے لیکن انھیں بتا دیا گیا ہے کہ پرنس دلاور ان سے ملاقات کرنے والے ہیں جب تم وہاں پہنچو گے تو تمہارے انھیوں میں سے دو افراد وہاں موجود ہوں گے جو تمہارا استقبال کریں گے اور تمہارا تعارف ان سے کرائیں گے، ان لوگوں سے تم تفصیلات معلوم کر سکتے ہو۔ اس کے بعد ایک یا دو دن کے اندر اندر وہ لوگ بھی تم سے ملاقات کریں گے جو تمہارے دوسرے سیکشن میں کام کرتے ہیں، تم ان سے بھی تفصیلات معلوم کر کے ان کے لیے ہدایات جاری کرو گے۔ اب تم یہ تمام ذمے داریاں پرنس دلاور کی حیثیت سے اپنے ہاتھ لو اور مکمل اعتماد کے ساتھ کام کرو۔ تمہیں جلدی ہی منظر عام پر آ جانا ہے، سیٹھ جبار سے تمہاری ملاقات کے لیے کوئی بہت ہی خوب صورت پروگرام ترتیب دیا جائے گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہا۔ "ٹھیک ہے، پروفیسر! میں آپ کی ہدایات

کے مطابق ہی کام کروں گا۔"

"صرف میری ہدایات کے مطابق نہیں بلکہ حالات کو سمجھ کر تمہیں خود عمل کرنا ہے، ہم لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے اور پھر تمھاری ملاقات ہم سے پرنس دلاور کی حیثیت سے ہو گی، گویا اس سے قبل ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔"

"اوہ یہ تو عمدہ بات ہے میں تو الجھا ہوا تھا کہ پرنس دلاور کی حیثیت سے منظر عام پر آنے کے بعد آپ لوگوں سے میری ملاقاتیں کم ہو جائیں گی۔"

"کم تو رہیں گی۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔ "لیکن ناممکن نہیں ہوں گی۔ پوری دلچسپی سے کام کرو منصور' آنے والا وقت ہمیں بہت کچھ دے گا۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ پروفیسر شیرازی کے جاتے ہی میں پھر اپنی اس دنیا میں پہنچ گیا جو خیالات کی دنیا کہلاتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا تھا واقعی دلچسپ تھا' لیکن اس میں کہیں بھی امی اور فریدہ کی تصویر نظر نہیں آتی تھی وہ تصویر تو اب میرے لیے حسرت بن چکی تھی۔

بہت دیر تک میں ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر میں نے ٹھنڈی سانس لے کر خود کو سنبھال لیا۔ یہ احساسات کچھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے میں آج تک تدبیر بھی بے مقصد ہی رہی تھی۔ بس تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے پتہ چل جائے گا کہ یا تو امی اور فریدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں یا پھر وہ مجھے مل جائیں گی۔

میرے وہ دو ساتھی جن سے تغلق خان کے ساتھ سب سے پہلے' مجھے متعارف کرایا گیا تھا' اسی عمارت میں موجود تھے ان میں سے ایک کا نام طاہر اور دوسرے کا اعظم تھا باقی دو افراد نہ جانے کہاں تھے' انھوں نے یہ کہا تھا کہ ان کی ضرورت پیش آئے تو تغلق خان کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کر لیا جائے لیکن اب یہ دونوں یہیں موجود تھے چنانچہ پروفیسر شیرازی کے جانے کے بعد میں نے مکمل طور پر تمام حالات کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لیے انھیں طلب کر لیا۔ گھنٹی بجائی تو ایک ملازم اندر آ گیا میں نے اس سے کہا کہ طاہر اور اعظم کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ ملازم ادب سے گردن جھکا کر چلا گیا.... تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔ "میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے تحت بلایا ہے کل میرے کچھ مہمان آ رہے ہیں ان کے لیے کیا بندوبست کیا جائے گا۔"

"جو آپ حکم دیں پرنس ویسے کوٹھی کے بائیں حصے میں ایک میٹنگ ہال بنا ہوا ہے ہمارا خیال تھا کہ اسی میں نشست کا انتظام کر دیا جائے۔ آنے والے تقریباً" پندرہ افراد ہوں گے۔ اس ہال میں اسی افراد کے لیے ایک میز پڑی ہوئی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو اسے دیکھ لیں اس کے ارد گرد تمام حفاظتی انتظامات موجود ہیں کسی قسم کی مداخلت ممکن نہیں

ہے۔"

"گڈ' گویا تم نے وہاں تمام تیاری کر رکھی ہے؟"

"یقیناً جناب! ہمیں تغلق خان کی وساطت سے یہ حکم ملا تھا لیکن تغلق خان نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کے بعد تمام ہدایات آپ جاری کریں گے' پرنس! ہم آپ کے سیکرٹری ہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو تمام تر معاملات سے ہمیں آگاہ رکھیں۔ اس کے علاوہ مس فینی بھی یہاں پہنچنے والی ہیں مس فینی کو ہم نے باہر سے طلب کیا ہے۔ شاید پروفیسر شیرازی صاحب کی شناسا خاتون ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بہت پہلے یہ بات کہی تھی کہ انھیں پرنس دلاور کی سیکرٹری بننا ہے چنانچہ جب وہ یہاں پہنچ جائیں گی تو وہ آپ کی پرسنل سیکرٹری ہوں گی---- بہرحال' کل کے معاملات بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کو کوئی دقت نہیں ہو گی ہاں اگر آپ کوئی ترمیم فرمانا چاہیں تو ہمیں حکم دے دیجیے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ یہ مس فینی کب تک پہنچ جائیں گی؟"

"شاید آج ہی جناب والا۔ اطلاع یہی ملی ہے۔" اعظم نے جواب دیا۔

"او کے اعظم۔ تو لوگ جا سکتے ہو اگر ضرورت پڑی تو میں دوبارہ بلا لوں گا۔"

وہ مجھے سلام کر کے چلے گئے۔ ایک بار پھر میں نے گھنٹی بجا کر ملازم کو طلب کر لیا.... اور پوچھا۔ "میرے لباس وغیرہ کا کیا بندوبست ہے؟"

"سر' مس نادرہ' اس سلسلے میں انچارج ہیں آپ حکم دیں تو میں انھیں آپ کے پاس بھیج دوں؟"

"بھیجو۔" میں نے جواب دیا اور ملازم کے جانے کے بعد میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر بعد مس نادرہ آ گئی۔ اس کی عمر تیس سال سے کم نہیں تھی۔ اب تک وہ مس کیوں تھی نہ تو مجھے اس سلسلے میں معلوم تھا اور نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی' بہرحال' جاذب نگاہ خاتون تھیں سفید لباس پہنے وہ میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی سادگی تھی' مجھے دیکھ کر گردن خم کی اور کہنے لگی۔ "جناب نے مجھے طلب فرمایا تھا۔"

"ہاں مس نادرہ' لباس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں۔"

"جناب عالی لباس تیار ہیں۔"

"مجھے شام کا لباس چاہیے۔"

"گھر ہی میں پہننے کے لیے؟"

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت بہتر' میں پیش کر دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ لچکتی ہوئی باہر چلی گئی تو مجھے ایک دم حسینہ یاد آ گئی وہ خود سر اور پیاری سی لڑکی آج بھی میرے ذہن میں اسی طرح زندہ تھی۔ میں نے بہت کم ایسی لڑکیاں دیکھی تھیں اور بہرطور میں اس سے پیار کرتا تھا' اگر حالات نے دوبارہ موقع دیا تو یقیناً" اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اسی جیسی لڑکیوں کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا تھا' مس نادرہ میرے لیے لباس لے آئی۔ یہ سلک کا انتہائی خوب صورت گاؤن تھا اور اس کے نیچے اک ڈھیلا ڈھالا سا لباس جو گھر پر پہننے کے لیے نہایت موزوں تھا' میں نے باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کیا' ریشمی لباس کی سرسراہٹیں میرے بدن میں گدگدیاں سی کر رہی تھیں۔ گاؤن پہن کر میں باہر آیا تو بہروز میرا انتظار کر رہا تھا۔ اسی طرح کا مردانہ لباس پہنے مگر یہ لباس بھی نیا تھا اور وہ مجھے دیکھ کر ہنس دیا۔

"کیوں ہنسی آ رہی ہے؟"

"آپ کو دیکھ کر۔"

"بے وقوف لگ رہا ہوں' کیا؟"

"نہیں نہیں بالکل پرنس لگ رہے ہیں۔"

"واہ اب تم میرا مذاق اڑاؤ گے کیوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"یقین کرو چیف مذاق نہیں اڑا رہا اور نہ ہی بہروز میں یہ جرات ہے میں تو صرف اس بات پر ہنس رہا تھا کہ یہ جو مس نادرہ ہیں نا' اس عمارت کی انچارج' انھوں نے نہ جانے کس طرح میرا ناپ حاصل کر لیا۔ ایک بھی کپڑا ایسا نہیں جو بدن پر فٹ نہ ہو۔ سارے کے سارے حسین ترین لیکن آپ یقین کریں چیف بہت سے لباس میں' ان میں سے نہیں پہن سکتا انھیں پہننے کے بعد میرا چھپا رہنا مشکل ہے۔" بہروز بے ساختگی سے بولا اور شرما گیا۔

مجھے اس کی باتوں پر ہنسی آ گئی۔ بہرطور' وہ بے حد مسرور تھا جس پر مجھے بے حد خوشی ہوئی عجیب و غریب شخصیت تھی اس کی .... کمزور اور معصوم سی لڑکی جو سعدیہ سے بہروز بن گئی تھی اور اپنی شخصیت تک کھو بیٹھی تھی۔ حالات نے اسے اتنا کچلا تھا کہ وہ خود کو بھی لڑکی کہنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی اور اب تو میرا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ اسے لڑکی سمجھوں یا بہروز سے کوئی مختلف شخصیت تصور کروں۔ ہم کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ سرخاب زیر بحث آئی اس کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ ایاز اور عظمت کا تذکرہ بھی نکلا۔ بہروز کہنے لگا۔ "منصور! آپ کی وجہ سے یہ بات ذرا سی تکلیف دہ ہے کہ میں بھی ان لوگوں سے گھل مل نہیں سکتا۔ ایسا کوئی دل نہیں ہے کہ میں ان سے

ملتا رہوں۔"

"بھائی تم سرخاب یا گل کے پاس رہ سکتے ہو بس کچھ عرصے کے لیے مجھ سے جدا ہونا پڑے گا۔"

"نہیں جناب! یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ سے جدا رہنے کا تصور ہی ہولناک ہے۔" بہروز نے کہا اور ہڑبڑا گیا۔ "مم ----- میرا مطلب ہے کہ ---- کیا کہہ رہا تھا میں؟"

"یہی کہ مجھ سے دور رہنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں' میں یہی کہہ رہا تھا کہ جب تک میں ان لوگوں سے گھل مل نہ جاؤں بھلا میں کیسے ان کے ساتھ رہ سکتا ہوں' بہرطور کبھی نہ کبھی یہ حالات درست تو ہو ہی جائیں گے۔"

"یقیناً" بہروز' اس میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا بس تھوڑے دنوں کا معاملہ ہے۔ یہ لگ کسی نہ کسی طرح ہم میں آ شامل ہوں گے اور پھر کوئی الجھن نہیں رہے گی۔"

"چلیں چھوڑیں اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں کچھ سوچ رہا ہوں بہروز۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ بات یہ ہے بہروز کہ میں نے ہمیشہ پروفیسر سے تعاون کیا۔ ان کی بات مانی۔ وہ کیا کر رہے تھے' اس کا تو مجھے علم نہیں تھا البتہ میں ان کے پاس سے نکلا تو میں نے بہت سے کام کیے تھے۔ میں نے خود بھی ذہانت سے کام لیا اور خدا کے فضل سے مجھے کوئی الجھن پیش نہیں آئی۔ بس یہاں پوشیدہ رہ کر حالات کا انتظار کروں' یہ ذرا تکلیف دہ امر لگتا ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا مطلب ہے آپ کا؟" بہروز نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اندر خود بھی تو کچھ خود اعتمادی پیدا کروں۔ بہت سے کام کرتا رہا ہوں پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ایاز اور عظمت کو تلاش کروں۔ دوسرے حالات کا دیکھوں اور اگر ممکن ہو تو چمن سے بھی مل لوں۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ صورتحال آپ کے لیے خطرناک ہو جائے؟"

"میں محتاط رہوں گا۔"

"تو ایک درخواست میری بھی ہے۔"

"تم یقیناً کہو گے کہ میرے ساتھ چلو گے۔"

"ہاں چیف۔"

"میں' تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔"

"میں قطعی ضد نہیں کروں گا کیونکہ آپ کو ذہنی طور پر الجھا کر کمزور نہیں کرنا چاہتا۔"

مجھے اس کی اس بات پر بے پناہ پیار آگیا لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا۔

شام سات بجے طاہر ایک غیر ملکی لڑکی کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا سبز اسکرٹ میں وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ گلے میں سبز رنگ کا ہی ایک لاکٹ پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کی ایک عینک تھی اور عینک کے پیچھے نظر آنے والی آنکھیں بے حد حسین تھیں۔ باریک باریک ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کا سراپا سانچے میں ڈھلا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میں اس وقت کوٹھی کے اوپری حصے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک رسالہ تھا۔ لیکن نگاہیں اور خیالات---- باہر کی دنیا پر مرکوز تھے کہ طاہر اسے لے کر آگیا تھا۔

"ہیلو سر' مجھے فینی کہتے ہیں۔" لڑکی نے بڑھ کر کہا اور میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلا دی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے بغور اس کی طرف دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ بھی بڑی گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہی ہے۔ اس کا انداز بے باکانہ تھا اور چہرے کی تازگی اس کے سونے جیسے دل کی آئینہ دار تھی۔ "مجھے تمہارے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ سیدھی میرے پاس آ رہی ہو یا آرام بھی کیا ہے؟"

"میں ائرپورٹ پر اتری تو قدرے تھکی ہوئی تھی۔ اس لیے وہاں سے ایک ہوٹل چلی گئی جہاں تین گھنٹے ریسٹ کر کے تر و تازہ ہو کر حاضر ہوئی ہوں۔" وہ تبسم ریز لہجے میں بولی۔

"سامان کہاں ہے تمہارا؟"

"ساتھ لے آئی ہوں کیونکہ میرا قیام یہیں رہے گا۔"

"گڈ----کہاں سے آئی ہو؟"

"لندن سے جناب!"

"اس سے پہلے کوئی ملازمت کی؟"

"نہیں جناب! میں حال ہی میں فارغ التحصیل ہوئی ہوں۔ میرے والدین نہیں ہیں۔ لندن میں اپنی ایک دوست کے ساتھ رہتی تھی۔ ارادہ تھا کہ تعلیم حاصل کر کے کوئی اچھی سی ملازمت کروں گی اور پھر کوئی اچھا ساتھی مل گیا تو شادی کر لوں گی۔ لہٰذا میں پانچ سال کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اور اگر اس دوران کوئی اچھا ساتھی مل گیا تو؟" میں نے شدید لہجے میں سوال کیا۔

"اس سے شادی کے لیے معاہدے کی مدت ختم ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

میں ہنس پڑا۔ "اچھے ساتھیوں کے لیے اتنا طویل انتظار کبھی کبھی نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔ بہرحال' اگر کوئی مل گیا تو میری طرف سے تمہیں شادی کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور مسکراتی رہی۔ وہ ایک شوخ سی لڑکی تھی اور میں حیران تھا کہ وہ میرے راز محفوظ رکھ سکے گی یا نہیں---- پھر یاد آیا کہ اس کا انتخاب پروفیسر نے کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔ "فینی----" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میرے لیے کافی کار آمد ثابت ہو گی۔ اب جاؤ' اپنے لیے کوئی آرام دہ کمرہ منتخب کرو اور پھر ڈنر کے بعد مجھ سے دوبارہ ملو۔"

وہ ادب سے جھک کر رخصت ہو گئی۔

ڈنر کے بعد وہ دوبارہ آئی تو بہروز میرے پاس تھا۔ میں نے ان دونوں کو متعارف کرایا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اسے رخصت کر کے بہروز کے ساتھ کوٹھی کے لان میں چہل قدمی کے ارادے سے نکل آیا۔ باغ میں آکر بہروز نے کہا۔ "چیف! لڑکی تو اچھی خاصی ہے۔"

میں نے اس شریر جملے کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ میں خوب سمجھ رہا تھا کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ بہروز نے مجھے سنجیدہ دیکھا تو پروفیسر کا تذکرہ نکال لیا ہم دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے اور ٹہلتے رہے۔

دوسری صبح سے فینی نے چارج سنبھال لیا۔ ناشتہ اس نے میرے ساتھ نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے اسے طلب کیا۔ البتہ ناشتے کے فوراً بعد وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ بہروز کسی کام سے اوپر کی منزل میں چلا گیا تھا۔ فینی نے ادب سے مجھے سلام کیا۔ اس وقت تنہائی تھی اس کے باوجود فینی کے انداز میں وہ شوخی اور گستاخی نہ تھی جو میں نے پہلی ملاقات میں محسوس کی تھی اس نے نہایت سنجیدگی سے کہ "لباس تبدیل کر لیجیے' جناب! ساڑھے دس بجے آپ کے پاس وہ مہمان پہنچ جائیں گے جن سے آج کی میٹنگ طے ہے دوپہر کے کھانے کے بعد اور کوئی پروگرام نہیں ہے اگر یہ مہمان دوپہر کے کھانے پر بھی رکیں تو ان کے لیے کھانے کا بندوبست کر لیا جائے گا ویسے پروگرام اتنا طویل نہیں ہے اور دوپہر تک ان کے رکنے کا امکان نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اور شام کا کیا پروگرام ہے فینی؟" میں نے سوال کیا۔

"سر اور تو کوئی پروگرام میرے علم میں نہیں۔ بعد میں کوئی بن جائے تو میں کہہ نہیں

سکتی۔"

"اوکے فینی۔" میں نے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ مہمانوں سے ملنے کے لیے میں خود کو تیار کر لینا چاہتا تھا۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے فینی میرے پاس پہنچ گئی۔ اس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ لوگ آ چکے ہیں۔ "کتنے افراد ہیں' فینی؟" میں نے پوچھا۔

"پندرہ جناب۔ دو خواتین اور تیرہ مرد۔"

میں نے گردن ہلا دی اور فینی کے ساتھ ہی باہر نکل آیا اور اس نے مجھے اس کمرے مین پہنچا دیا جہاں ایک طویل میز لگی ہوئی تھی اور اس میز پر پندرہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کے سب مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں پر سکون انداز میں چلتا ہوا اس کرسی تک پہنچ گیا جو میرے لے مخصوص تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا وہ سب دزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ کرسی پر بیٹھ کر میں نے انھیں اشارہ کیا تو وہ سب اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ فینی مجھ سے پیچھے اپنی کرسی پر جا بیٹھی تھی پھر دونوں خواتین میں سے ایک اٹھ کھڑی ہوئی اور شائستہ لہجے میں بولی۔ "میں میٹنگ کے آغاز کی اجازت چاہتی ہوں پرنس۔"

"شروع کیجیے۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔

"شکریہ پرنس' میں سب سے پہلے اس بات پر اظہار مسرت کرتی ہوں کہ ہمارا باس آج پہلی بار ہمارے سامنے موجود ہے۔ میں اظہار جذبات کو گستاخی نہیں تصور کرتی' ہر شخص کے دل میں اس جگہ سے محبت کا جذبہ ہوتا ہے جہاں سے اسے روزی ملتی ہے ہمیں فخر ہے کہ ہم ایسے اچھے ادارے سے منسلک ہیں جہاں ہماری ضروریات زندگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ میرا نام صائمہ روشن علی ہے اور میں دلاور انڈسٹریز کی جنرل مینجر ہوں' چھ فرمیں میرے تحت ہیں اور یہ تمام افراد جو اس وقت یہاں موجود ہیں' دلاور انڈسٹریز کے مینجر اور ڈائریکٹرز ہیں۔ میں فردا" فردا" ان کا تعارف کراتی ہوں۔"

میں نے گردن ہلا دی تو صائمہ ایک ایک شخص کا نام لیتی گئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے گردن خم کرتا رہا۔ جب تمام لوگوں سے تعارف ہو گیا تو صائمہ روشن علی نے کچھ اور تعارفی الفاظ کہے اور اس کے بعد مجھے بولنے کا موقع دیا گیا۔ فینی نے جلدی سے کاغذ کی ایک شیٹ میرے سامنے رکھ دی جس پر ان تمام لوگوں کے نام اور ان فرموں کے نام لکھے ہوئے تھے جن کے وہ سربراہ تھے۔ فینی کی یہ کارکردگی مجھے بے حد پسند آئی' ورنہ فردا" فردا" ہر شخص کو یاد کر کے اس سے سوالات کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ میں نے پرسکون انداز میں گردن ہلائی اور پھر ان لوگوں سے ان کی فیکٹریوں اور ملوں کے بارے میں

معلومات حاصل کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک طویل عرصے سے یہ کاروبار چلا رہا ہوں اور تمام معاملات سے واقف ہوں اور میرے تمام ملازمین مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ سنا رہے ہیں۔ میں خود حیران تھا کہ میں ان میں سے کسی کو بھی شک کا موقع نہیں دے رہا تھا بلکہ ان سے ایسے سوالات کر رہا تھا کہ جواب دیتے ہوئے بعض اوقات ان کی زبانیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ میں نے انھیں مسائل کے حل بھی دیئے۔ تقریبا" ڈھائی گھنٹے تک یہ میٹنگ جاری رہی۔ اس دوران میرے ملازموں نے ان لوگوں کی خاطر تواضع بھی کی۔ ایک بجے یہ نشست برخاست ہو گئی اور سب کے سب خوش و خرم رخصت ہو گئے۔

فینی سائے کی طرح میرے ساتھ تھی۔ "آپ مطمئن ہیں' جناب؟" اس نے سوال کیا۔

"کس بات سے فینی؟"

"میرا مقصد ہے' اس کانفرنس سے-----؟"

"کیا اس میں کوئی غیر اطمینان بخش بات تھی؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں میں نے یوں ہی پوچھ لیا تھا۔"

"کوئی بات یوں ہی نہیں پوچھی جاتی فینی' آؤ میرے کمرے میں آؤ۔" میں نے کہا اور چند لمحات کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ فینی یہاں تک آتے ہوئے کچھ عجیب سے احساسات کا شکار تھی' میں اس کے چہرے سے یہ بات محسوس کر رہا تھا۔ تاہم اس نے میری خوابگاہ میں داخل ہونے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں آرام سے پاؤں پھیلا کر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا اور فینی کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ فینی نے تیز روشنی جلائی اور بیٹھ گی۔ تب میں نے کہا۔ "ہاں تو فینی میں تم سے پوچھ رہا تھا کہ غیر مطمئن ہونے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟"

"نہیں جناب۔ لیکن کسی بھی کانفرنس میں بعض اوقات ایسی الجھنیں رہ جاتی ہیں جنھیں فوری طور پر سلجھانا ممکن نہیں ہوتا' میں پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا کوئی ایسی الجھن آپ کے ذہن میں بھی باقی رہ گئی ہے؟"

"نہیں----- بہر طور کوئی خاص بات میرے ذہن میں نہیں ہے' تم اگر اپنے طور پر کچھ محسوس کر رہی ہو تو اس کی نشاندہی کر دو۔"

"جی نہیں۔ ویسے میں نے یہ نوٹس تیار کر لیے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات میرے سامنے بڑھا دیئے۔

"کیسے نوٹس ہیں؟"

"میٹنگ میں جو کارروائی ہوئی ہے اس کے اہم نکات...

میں نے کاغذات اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان پر نگاہ دوڑانے لگا.... پھر میں واقعی حیران رہ گیا۔ فینی نے بعض جگہ شارٹ ہینڈ میں اور بعض جگہ صاف تحریر میں نوٹس لکھے تھے' شارٹ ہینڈ کے نوٹس تو میں نہ سمجھ سکا لیکن جو صاف نوٹس میں نے پڑھے' وہ بڑے شاندار تھے' فینی نے بڑی ذہانت سے ان پر مارکنگ کی تھی اور میں اس کی ذہانت کا دل سے قائل ہو گیا۔ میں کافی دیر تک کاغذات دیکھتا رہا--- پھر میں نے نوٹس فینی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بہت عمدہ فینی۔ میں تمھاری اس کارکردگی سے بے حد خوش اور مطمئن ہوں۔"

"میرا فرض ہے جناب!" فینی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

مجھے ہنسی آنے لگی۔ یہ کس قسم کی ناراضگی کا اظہار تھا اور یہ لڑکیاں بس ذرا سی بات پر منہ پھلا کر بیٹھ جاتی ہیں۔ بہر طور میں نے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لہجے پر توجہ نہ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ جو کچھ تم نے شارٹ ہینڈ میں لکھا ہے اسے میں نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ عارضی رپورٹ ہے جناب۔ ابھی میں یہ مکمل رپورٹ تیار کر کے ٹائپ کروں گی--- پھر اس کی فائل تیار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں گی' تاکہ جب بھی آپ کو ضرورت ہو آپ اس کو دیکھ کر لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے' بہت بہت شکریہ۔"

"میں جاؤں' جناب؟" فینی نے سوال کیا اور میں نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔ وہ کیا چاہتی تھی مجھ سے؟ یہ حماقت کا اظہار تھا چنانچہ میں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور فینی کمرے سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں حالات پر غور کرنے لگا' ٹھیک پونے دو بجے بہروز میرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ "حضور والا' خادم حاضر ہو سکتا ہے؟" اس نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

بہت بھوک لگ رہی ہے' میرا خیال ہے کہ کھانے کے وقت میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔" وہ کراہ کر بولا۔

"ایں۔ کیا بج گیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی بس دو بجنے میں چند منٹ باقی ہیں۔"

"تو پھر ملازموں سے کہو کھانا لگا دیں۔" میں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ بہروز نے دیوار گیر بٹن دبایا اور چند لمحوں میں ملازم اندر آ گیا۔ بہروز نے اسے کھانا لگانے کے لیے کہا۔

ملازم نے اسے ادب سے جواب دیا۔" کھانا لگ گیا ہے جناب۔ تشریف لے چلئے۔"

کھانے کے بعد میں اور بہروز کافی دیر تک آنے والوں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ بہروز بے حد مسرور نظر آ رہا تھا لیکن میں سنجیدہ تھا اور شاید بہروز میری سنجیدگی کی وجہ سمجھ گیا' چنانچہ چند لمحے بعد وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "آپ نے ایک بات کہی تھی' مجھ سے چیف"

"کون سی بات؟"

"آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنے طور پر بھی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"ہاں بہروز آج رات میں یہاں سے باہر نکلوں گا۔"

"اوہ ضرور چیف----- مگر کیا مجھے تھوڑا سا پروگرام بھی نہیں معلوم ہو سکے گا۔"

"تمہیں معلوم ہو گا لیکن کسی اور کو پتہ نہیں چلنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے تو پوشیدہ طور پر گل سے ملوں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور ہمیشہ میرا ساتھ دیتی رہی ہے جب کہ پروفیسر شیرازی بے حد محتاط قسم کے آدمی ہیں۔ وہ یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں اس طرح گھر سے باہر نکلوں اور کسی طرح دشمنوں کی نظر میں آؤں حالانکہ یہ میرے لیے بے حد ضروری ہے۔"

"لیکن آپ گل سے کس طرح ملاقات کریں گے وہ تو پروفیسر شیرازی کے پاس ہی رہتی ہیں۔"

"اوہ ہاں یہ بات تو میرے ذہن سے اتر ہی گئی تھی۔ ویسے تم نے اچھی بات یاد دلائی' ٹھیک ہے میں گل سے فون پر بات کر لوں گا۔" میں نے کہا۔ "گل کا فون نمبر' طاہر یا اعظم کو معلوم ہو گا۔" یہ کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہروز بھی میرے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔ باہر فینی نظر آ گئی جو سامنے کی راہداری سے گزر رہی تھی مجھے دیکھ کر وہ رک گئی۔

"فینی پلیز۔" میں نے کہا "طاہر کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے' کیا میں اسے بلاؤں؟"

"ہاں----- اس سے ایک فون نمبر معلوم کرنا ہے۔"

"کس کا جناب؟" فینی نے سوال کیا۔

"پروفیسر شیرازی کا---- مجھے گل سے بات کرنی ہے۔"

اس کے بعد

؟

بازی

کے تیسرے حصّے

کا مطالعہ کریں!
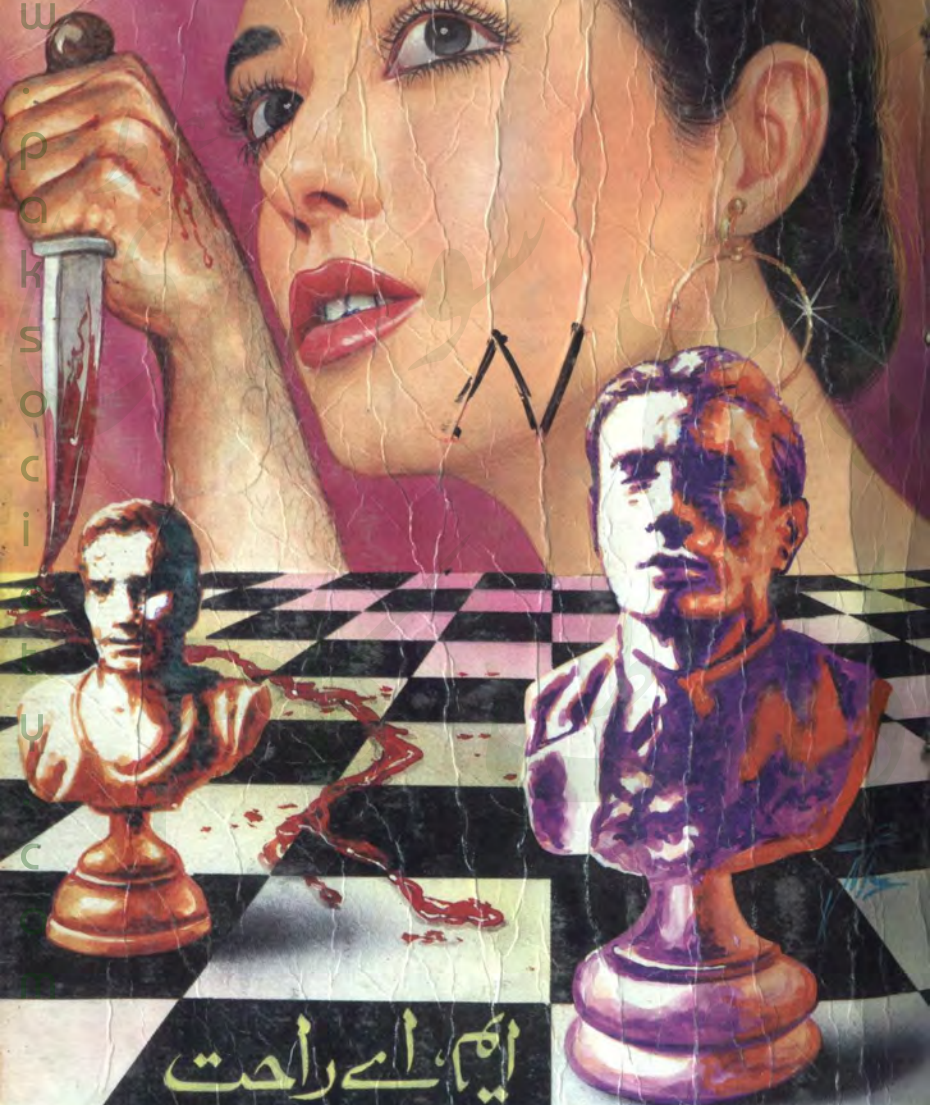
بازی
3
ایم اے راحت

"دونوں کے نمبر میرے پاس ہیں۔" فینی نے کہا۔

میں متحیر رہ گیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہونا چاہیے جناب۔" اس نے کہا۔

"اچھا اچھا' ٹھیک ہے' کیا نمبر ہے گل کا؟" میں نے سوال کیا تو فینی نے ایک نمبر دہرا دیا اور میں واقعی متعجب رہ گیا۔ بہرطور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ بہروز اب بھی میرے ساتھ ساتھ تھا۔

"بھئی یہ سیکرٹری تو کچھ کمپیوٹر قسم کی چیز ہے۔ اسے یہاں آئے ابھی چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوئے لیکن یوں لگتا ہے جیسے اس نے ساری معلومات حفظ کر لی ہوں۔"

"اچھی لڑکی ہے چیف ------ بے پناہ خوبصورت' میں تو اس کا حسن دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں' میرا مطلب ہے رہ گیا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"مجھے اس کے حسن سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ اس کی کارکردگی بے حد شاندار ہے۔" میں نے ریسیور اٹھایا اور گل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند ہی لمحے بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آوازِ سنائی دی۔" فرمائیے کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"گل سے ---- میرا مطلب ہے لیڈی جہانگیر سے۔"

"چند سیکنڈ ہولڈ کیجئے۔ میں بلائے دیتی ہوں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور چند لمحے بعد لیڈی جہانگیر کی آواز سنائی دی۔ "گل -----!"

"ہیلو گل' کیسے مزاج ہیں؟"

"کون صاحب ہیں؟"

"بھئی' میں تمہارا قدیم دوست بول رہا ہوں' ناصر کہہ لو' منصور کہہ لو' اور اگر مزید کچھ کہنا چاہتی ہو تو شہزادہ کہہ لو۔"

"اوہ میں تو شہزادہ ہی کہوں گی۔" گل کی آواز سنائی دی۔ "کہو کیسے فون کیا۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں گل۔"

"تو اس میں تردد کی کیا بات ہے؟"

"میں خصوصی طور پر تم سے ملنا چاہتا ہوں ---- میرا مطلب ہے تنہائی میں ----"

"اوہ تو پھر ساڑھے گیارہ بجے آ جاؤ کیونکہ گیارہ بجے پروفیسر اور سرخاب اپنی خواب گاہوں میں چلے جاتے ہیں' ساڑھے گیارہ بجے بنگلے کے عقبی حصے میں آ جاؤ' وہاں ایک چھوٹا دروازہ ہے' میں اسے کھلا رکھوں گی اور وہیں تمہارا انتظار بھی کروں گی۔" گل نے کہا۔

"مگر حضور یہ بنگلہ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک اسکوائر کے عقب میں جو تین بنگلے بنے ہوئے ہیں انھی میں بنگلہ نمبر نو ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایک اسکوائر میرا دیکھا بھالا علاقہ تھا۔ کیونکہ یہ شہر میرا اپنا تھا۔ لیکن وہ کوئی بہت اچھا علاقہ نہیں تھا۔ میرا مطلب ہے وہ متوسط طبقے کی آبادی تھی، پروفیسر شیرازی اور گل وہاں کیسے رہ رہے ہیں، یہ بات میرے لیے تعجب خیز تھی۔ ممکن ہے وہاں کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہوں۔ میں سوچتا رہا اور میں نے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ گل سے ملاقات کے لیے جاؤں گا تو سب کچھ سامنے آ جائے گا۔

رات گیارہ بجے میں نے لباس تبدیل کیا اور اپنے چہرے میں، معمولی سی تبدیلیاں پیدا کر لیں اور اس کے بعد خاموشی سے نکل آیا، میرے وہاں سے نکلنے کا علم صرف بہروز کو تھا۔ فینی کو بھی میں نے دس بجے ہی آرام کرنے کی ہدایت کر دی تھی اور کہا تھا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ میں خاموشی سے بہروز کے ساتھ، عقبی دروازے تک آیا اور وہاں سے باہر تاریکی میں نکل کر کافی دور تک آگے بڑھتا رہا۔۔۔۔۔۔ پھر ایک سڑک پر پہنچ کر میں نے ٹیکسی روکی اور اسے ایک اسکوائر چلنے کے لیے کہا۔

ٹیکسی سڑکوں پر دوڑنے لگی ان سڑکوں اور بازاروں کو دیکھ کر میرے ذہن میں بہت سی یادیں پھر سے تازہ ہونے لگی تھیں۔ تمام کی تمام سڑکیں میری جانی پہچانی تھیں۔ میں نہ جانے کن کن حالات میں ان سڑکوں سے گزر چکا تھا اور آج میں ایک بالکل ہی نئی پوزیشن میں تھا۔ انسان کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔ میں ان سڑکوں پر نوکری کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہا تھا اور انھی سڑکوں پر میں مجرم بن کر بھی دوڑتا رہا تھا اور پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ کیا کیا یادیں وابستہ تھیں، ان سڑکوں سے.... خاموش اور سنسان سڑکیں، میرے ذہن کو ماضی کی طرف گھسیٹ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے خود کو سنبھال لیا۔ ماضی کے جزیرے تو ذہن کے گوشے گوشے میں تھے۔ ان خیالات سے چھٹکارا پانا کہاں ممکن تھا لیکن میں خود کو ان جزیروں کے طلسم سے آزاد کرا کے حالیہ مشن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک اسکوائر آ گیا اور میں نے ٹیکسی رکوا کر بل ادا کر دیا، پھر ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گیا۔

ایک اسکوائر میں زیادہ تبدیلیاں نہیں ہوئی تھیں۔ یہاں ڈھائی سو اور تین سو گز پر بنگلے بنے ہوئے تھے۔ بنگلہ نمبر نو بھی اسی سائز کا اور پرانی طرز کا بنا ہوا تھا۔ خوش نما ضرور تھا لیکن پروفیسر شیرازی اور گل کی عالیشان کوٹھی کے مقابلے میں یہ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ میرا دل

اسے دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔ سرخاب اور پروفیسر شیرازی اسی بنگلے میں رہتے ہیں۔ یہ بنگلہ تو ان کے ملازموں کے رہنے کے قابل تھا وہ خود اس میں کیسے گزارہ کر رہے ہیں؟ کیا یہ ایثار کی اعلیٰ ترین مثال نہیں تھی؟

میں بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچ گیا تو دروازہ میری توقع کے مطابق کھلا ہوا تھا اور گل نظر آ رہی تھی۔ میں قریب پہنچا تو اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میرے بازو پر اس کی گرفت کافی سخت تھی میں نے محسوس کیا کہ گل کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا ہے۔

"گل۔" میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

اس نے جلدی سے میرا بازو چھوڑ دیا اور بولی۔ "آؤ منصور، اندر آ جاؤ۔"

میں اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا ایک اور کمرے تک پہنچ گیا۔ یہاں نیم تاریکی تھی۔ اس کے بعد گل مجھے ایک چھوٹی سی خواب گاہ میں لے آئی۔ خواب گاہ یوں تو خوب آراستہ تھی لیکن گل کے اس بیڈروم کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی، جو میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے دوسری سمت کا دروازہ بند کر دیا اور بولی۔ "یہ اتفاق ہے کہ میری خواب گاہ اس کام آ گئی یہاں سے کسی اور کو تمھاری آمد کا پتہ نہیں چلے گا۔"

"شکریہ گل، میری وجہ سے تمھیں ایک اور تکلیف اٹھانی پڑی۔ تم اس چھوٹے سے بنگلے میں رہتی ہو اور وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا تمھارا دل نہیں گھبراتا ہو گا، اس بنگلے میں؟"

"آپ کو وہ مکان یاد ہے جس میں آپ اپنی امی اور بہن کے ساتھ رہا کرتے تھے؟" گل نے سوال کیا۔

میرے دل پر ایک گھونسا سا پڑا۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ انسان اگر ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں خوش رہ سکتا ہے تو وہ جھونپڑی ہی اس کے لیے محل سے کم نہیں ہوتی۔ میں، پروفیسر اور سرخاب اتنے مطمئن ہیں کہ بیان نہیں کر سکتے بلکہ ہم تو اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اس سے قبل ہم جن کشادہ کوٹھیوں میں رہتے تھے، وہ ہمارے لیے بیکار تھیں، انسان کو ایک ایسی جگہ درکار ہوتی ہے جہاں اس کے لیے سکون ہو، محبتیں ہوں۔ وہاں میں تنہا تھی۔ جبکہ یہاں یوں محسوس کرتی ہوں جیسے میرا گھر بھرا ہوا ہو۔ ہم سب یہاں اتنے مطمئن اور مسرور ہیں کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔"

"لیکن تم نے اس چھوٹی سی جگہ کو اپنی قیام گاہ بنانے کا فیصلہ کیسے کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"صاف صاف بتاؤں منصور ---- کیونکہ چھپانے کا مقصد جھوٹ بولنا ہو گا اور میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ ہمیں پیسے کی شدید ضرورت تھی۔ ہم نے ہر وہ چیز فروخت کر دی جسے ہم بیچ سکتے تھے۔ ہم نے ذاتی ضروریات کو محدود کیا۔ ہم نے فہرست بنائی کہ ہمیں کیا کچھ درکار ہو گا۔ اب ہمارے پاس دو کاریں ہیں' ایک بنگلہ ہے' ایک چھوٹا سا ذریعہ آمدنی ہے جو با آسانی ہماری ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ ہم اپنے درجے کے لوگوں سے ہٹ کر ذرا نچلے درجے کے لوگوں میں آ شامل ہوئے ہیں ہماری ان سے دوستی ہے اور ہم سب ان سے ملتے ہیں کوئی ہمیں ہماری اصل حقیقت سے نہیں جانتا یہ سب ہمیں اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ اپنے دکھ درد ہمیں بتاتے ہیں۔ اس طبقے کے مسائل بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ہمیں ان سب کے مسائل سن کر بہت دکھ ہوتا ہے ہم انھیں نوکریاں دلاتے ہیں۔ اور ان کی ہر ممکن اعانت کرتے ہیں۔ نوکریاں ان فرموں میں ہوتی ہیں جو ہماری اپنی ہیں۔ میرا مقصد ہے پرنس دلاور کی ---- ہم کار آمد لوگوں کو چھانٹ لیتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔"

"گل میں تمہاری اور پروفیسر کی عظمت کا تو ہمیشہ سے قائل رہا ہوں۔"

"اچھا اچھا' اب تکلف رہنے دو۔ اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے ملنے کے لیے اس قدر بے قرار کیوں تھے؟"

"دل چاہ رہا تھا گل اور پھر گھٹن اتنی بڑھ چکی تھی کہ تم سے ملے بغیر چارہ نہیں تھا۔"

"گھٹن ---- کیسی گھٹن؟"

"ایک طویل عرصے بعد وطن واپسی ہوئی ہے کچھ اپنوں کو چھوڑ گیا تھا' یہاں ---- جن میں سے چند مل گئے اور چند رہ گئے۔ میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں گل بہت کچھ اور اس کا ذریعہ صرف تم ہی بن سکتی تھیں۔"

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" گل نے مستعدی سے کہا۔

"عظمت کونسی فرم میں ہے؟"

"دلاور سوپ فیکٹری کا پروڈکشن منیجر ہے۔" گل نے جواب دیا۔

"اور کہاں رہتا ہے؟"

"ایک عمدہ سے مکان میں' جو اسے فرم کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے۔"

"اپنے والدین کے ساتھ؟"

"ہاں اپنے والدین کے ساتھ سب خوش و خرم ہیں۔"

"میرے بارے میں تو پوچھتا ہو گا؟"

"بہت زیادہ ---- لیکن ظاہر ہے کہ میں بھی خود اس کی طرح لاعلم تھی۔"

"چمن سے تو اس کی ملاقات کبھی نہیں ہوئی؟"

"میں نے اس بارے میں سوال نہیں کیا۔"

"اچھا' میرا دوست ایاز؟"

"اس کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں منصور کہ مجھے کچھ نہیں معلوم شاید تمہارے ساتھ ہی گیا تھا اس کے بعد سے اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"میں اس کے لیے بے حد تشویش زدہ ہوں۔ میرا خیال ہے' مجھے اس بارے میں غلق خان سے بات کرنا ہو گی۔"

"میرا خیال ہے وہ چمن سے ملتا رہتا ہے۔" گل نے رائے ظاہر کی۔

"ہاں۔ یقیناً یہ کام تغلق خان سے ہی لیا جائے گا۔ اچھا گل' پروفیسر شیرازی اور رخاب کے بارے میں کچھ اور بتاؤ؟"

"کچھ نہیں منصور' بلاوجہ تجسس کا شکار ہو رہے ہو۔ ہم سب بے حد مطمئن ہیں بس دفیسر کی یہ خواہش ہے کہ سیٹھ جبار کا پتہ صاف ہو جائے اور اس کے لیے ہم لوگوں نے ن رات کوشش کی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے گل۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"چائے پیو گے ----؟" گل نے سوال کیا۔

"نہیں شکریہ کوئی خاص موڈ نہیں ہے اور پھر بنائے گا کون" میں بناؤں گی بھئی اس میں کون سی مشکل پیش آ جائے گی۔ گل نے جواب دیا۔

"شکریہ گل۔" میں نے کہا۔ "بڑی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ تم سے گفتگو کرنے کے د تر و تازہ ہو گیا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم جیسا آہنی شخص تمام مراحل سے گزر کر اپنے آپ کو اسی زیشن میں لے آئے گا جیسا کہ ہم سب چاہتے ہیں۔" گل نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر تک میں اس کے پاس بیٹھا رہا پھر میں نے ابسی کی اجازت چاہی اور گل نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ "میں تمہیں روکوں گی یں نہ جانے تمہیں ابھی کتنی محنت کرنی ہے۔ بہر حال' یہاں سے جاؤ گے کس طرح؟"

"آگے جا کر ٹیکسی کر لوں گا۔"

"حالانکہ تمہیں اس سلسلے میں بہت سی سہولتیں حاصل ہیں۔ تمہیں علم ہو گا کہ شہر یا بہت سی عمارتیں ایسی ہیں جن کی طرف اگر کبھی جاؤ تو وہاں سے کوئی بھی کار لے سکتے

ہو۔ میرا خیال ہے تم اس کے لیے مناسب پلاننگ کر لینا تا کہ تمہیں کوئی دقت پیش نہ آئے۔"

"ٹھیک ہے گل! اچھا خدا حافظ۔" میں نے کہا اور وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

میں وہاں سے نکل آیا۔ ٹیکسی کے لیے کافی دور تک پیدل سفر کرنا پڑا گھر جانے کو ابھی جی نہیں چاہ رہا تھا دفعتاً" ایک خیال ذہن میں آ گیا اور میں اس پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو اس مخصوص علاقے کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ جہاں سیٹھ جبار کی کوٹھی تھی۔

سیٹھ جبار کی کوٹھی سے کافی فاصلے پر میں نے ٹیکسی رکوائی اور بل ادا کر کے ٹیکسی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ٹیکسی دور نکل گئی تو میں سیٹھ جبار کی کوٹھی کی جانب بڑھ گیا۔ یہ کوٹھی آج بھی جانی پہچانی تھی۔ اس میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں کوٹھی کے اس مخصوص حصے میں ہو گیا' جہاں سے اندر جانے میں کوئی دقت پیش نہیں آ سکتی تھی پھر ملازمین کے ان کوارٹروں کی طرف چل پڑا جن میں سے ایک میں امجد بھائی رہتے تھے۔ میں چھپتا چھپاتا امجد بھائی کے کواٹر کی اس عقبی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ جہاں سے بارہا میں نے انہیں پکارا تھا۔ قرب و جوار کے کوارٹر سنسان پڑے تھے۔ میں نے کھڑکی کے کواڑ دبائے تو وہ کھل گئی۔ کھڑکی میں اندر کی طرف کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی۔ کھڑکی کھلی تو کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ میں جلدی سے نیچے ہو گیا۔ اندر سے امجد بھائی کی آواز ابھری۔ "ارے یہ کھڑکی کیسے کھل گئی ہوا بھی نہیں چل رہی؟"

"پتہ نہیں' کیا بات ہے دیکھیں۔" امجد کی بیگم نے کہا اور وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گئے جب وہ کھڑکی کے قریب پہنچے تو میں ایک لمحے کے لیے سیدھا ہو گیا اور امجد بھائی بوکھلا کر جلدی سے پیچھے ہٹ گئے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے تھے پھر ان کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "کون ہو۔۔۔۔۔۔تم کون ہو؟"

"ارے ارے امجد بھائی۔ آہستہ آہستہ.... میں آپ کا بھتیجا منصور ہوں۔"

امجد بھائی گویا سکتے میں رہ گئے چند لمحات تو وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے پھر ان کے حلق سے عجیب سی آواز نکل گئی۔ "مم' منصور۔"

"ہاں امجد بھائی۔ میں ہی ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ آجاؤ۔ ادھر سے آجاؤ۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔" امجد نے کہا اور میں پلٹ کر دروازے کی طرف چل پڑا اور چند ہی لمحوں بعد میں امجد بھائی کے کوارٹر میں تھا

بچے سب سو چکے تھے۔ بھابی اور امجد جاگ رہے تھے۔ بھابی نے بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور امجد بھائی مجھ سے لپٹ گئے۔ "اتنے دن کہاں رہے' منصور ہم تو تمہارے بارے میں بس۔۔۔۔۔" کچھ کہتے کہتے امجد بھائی خاموش ہو گئے۔

"مجھے اندازہ ہے کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے ویسے یہاں کے حالات سے تو آپ بخوبی واقف ہوں گے؟"

"ہاں' کوئی خاص بات نہیں۔ تمہارے بارے میں کچھ نہیں سن سکا۔ اس دوران تم خود بھی نظر نہیں آئے اور نہ ہی تم سے ملاقات کا کوئی ذریعہ نکلا۔ اس لیے میں نے سوچا شاید تم کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہو میں کر بھی کیا سکتا تھا بیٹے' میں کیا کر سکتا تھا؟"

"کچھ نہیں' امجد بھائی مجھے اندازہ ہے۔ بہرطور میں شہر میں نہیں تھا ورنہ آپ سے ضرور ملتا۔"

"کہاں چلے گئے تھے؟"

"حادثات زمانہ جانے کہاں کہاں لیے پھرتے رہے تفصیل کیا بتاؤں۔ بس سمجھ لیں کہ خیریت سے واپس آ گیا ہوں لیکن امجد بھائی میری یہ واپسی راز میں رہنی چاہیے۔"

"فکر مت کرو' تم امجد سے ایسی توقع کیوں کرتے ہو؟"

"یہ بات نہیں۔ بس تذکرتاً" کہہ دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ ویسے حالات کیسے چل رہے ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی پتہ چلا؟

"ابھی نہیں' امجد بھائی' ابھی میری دعاؤں میں وہ اثر پیدا نہیں ہوا جو عرش کو ہلا دیتا ہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ دونوں مجھے ضرور مل جائیں گی۔"

"خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔ کہاں مقیم ہو؟"

"کوئی خاص جگہ نہیں۔ آپ سے جب بھی رابطہ قائم کرنا ہوا تو خود ہی کوشش کروں گا۔ آپ انتہائی احتیاط سے میرا کام کرتے رہیے۔ میں جانتا ہوں کہ سیٹھ جبار کے خاص' آدمی ہونے کی حیثیت سے آپ کو مالی مشکلات پیش نہ آتی ہوں گی لیکن اس کے باوجود مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ میرے بہن بھائی بڑے ہو گئے ہیں۔ ان کے اخراجات بھی آپ پر آ پڑے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ انھیں اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ میرے پاس بہت سے پیسے بیکار پڑے ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ آپ کو پیش کرنے کی جسارت کروں۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"نہیں بیٹے ناراض تو نہیں ہوں گا لیکن تم سے کچھ لوں گا بھی نہیں' اگر تم مجھے کوئی

بڑی رقم دیتے ہو تو وہ میرے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے کیونکہ سیٹھ جبار کو شبہہ ہو جائے گا کہ جو کچھ وہ دیتا ہے، میری حیثیت اس سے آگے بڑھ گئی ہے۔ گویا میرے لیے خطرات بڑھ جائیں گے۔" امجد بھائی نے کہا۔

"ٹھیک ہے جو آپ کا حکم۔ اگر کبھی آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے نظرانداز نہ کریں۔"

"ہاں یہ میرا وعدہ ہے۔"

"طارق کے بارے میں کوئی اطلاع ملی؟"

"ابھی تک نہی۔ وہ لندن ہی میں ہے۔ ویسے خیریت سے ہے اور اکثر اس کے ٹیلی فون سیٹھ جبار کو آتے رہتے ہیں۔"

"سیٹھ جبار کا کاروبار اسی رفتار سے چل رہا ہے؟"

"ہاں اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔" امجد بھائی نے جواب دیا۔

"اس سے زیادہ کے حالات تو آپ کو معلوم نہیں ہوں گے۔"

"میری پوزیشن کا خیال رکھو۔ جس قدر میری حیثیت ہے، اتنا ہی مجھے معلوم ہو سکتا ہے۔ چوری چھپے کبھی کچھ سننے کی کوشش کرتا رہتا تھا تم نہیں ملے تو میں نے یہ کوشش بھی ترک کر دی۔ اب تم کہو تو یہ کوشش پھر شروع کر دوں؟"

"ہاں، امجد بھائی----- اطلاعات جمع کرتے رہیے۔ میں آپ سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔ میرے لیے آپ کی یہاں موجودگی بے حد قیمتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم فکر مت کرو جو کچھ معلوم ہو سکا، میں اسے اپنے ذہن میں محفوظ رکھوں گا۔" امجد بھائی نے کہا۔ بھابی اس دوران چائے بنا لائی تھیں۔ میں چائے پی کر کچھ دیر بعد وہاں سے چل پڑا اور خاصی رات گئے اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔

بہروز شاید سو چکا تھا۔ میں بھی اپنی خواب گاہ میں داخل ہو کر لیٹ گیا۔ آج کی کاوشوں سے مجھے قدرے سکون ملا تھا۔ حالانکہ ابھی ایاز کا معاملہ ذہن میں اٹکا ہوا تھا۔ نہ جانے اس بے چارے پر کیا گزری ہو گی۔ بہر صورت تغلق خان کو طلب کر کے ایاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ہدایت کروں گا۔

دوسری صبح میں دیر سے جاگا۔ غسل سے فارغ ہو کر باہر آیا تو بہروز منتظر بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "سوری چیف! رات کو تمہارا انتظار کرتے کرتے سو گیا تھا۔ نہ جانے کیسے نیند آ گئی، حالانکہ سوچا تو یہ تھا کہ جب تم آ جاؤ گے، تب ہی سوؤں گا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"حضور والا اگر تم مجھے جاگتے ہوئے ملتے تو میں تم سے ناراض ہو جاتا۔" میں نے کہا۔

بہروز ہنسنے لگا۔ "دراصل میں تمہاری کارگزاری جاننے کے لیے بھی تو بے چین تھا، چیف۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ گل سے ملا۔ اس سے معلومات حاصل کیں۔ انھوں نے کچھ اور احسانات میرے وجود پر لاد دیئے ہیں۔ اپنا سب کچھ فروخت کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے بنگلے میں رہتے ہیں، ایسے بنگلے میں، جو انھوں نے اپنے ملازمین کو دے رکھے تھے لیکن ایک خاص مقصد کی خاطر انھوں نے اپنی حیثیت بدل لی ہے اور معاشرے کے تین نمبر لوگوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ انھوں نے یہ ایثار میرے لیے کیا ہے۔"

"اونہہ ----- چھوڑیں کن الجھنوں میں پھنس گئے۔ اب بار بار اس لکیر کو پیٹنے سے کیا فائدہ۔ وہ لوگ جو کچھ کر چکے ہیں، وہ ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ انھیں لوٹا دیا جائے گا۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" بہروز نے دریافت کیا۔

"آؤ ناشتہ کریں۔ میرا خیال ہے مجھے دیر ہو گئی ہے۔" میں نے کہا۔

ہم ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے بہروز کے ذریعے فینی کو بلا لیا۔ وہ جیسے میری ہی منتظر تھی، فوراً آ گئی۔ چہرہ بدستور سنجیدہ تھا۔ حیرت تھی کہ یہ لڑکی جب مجھ سے پہلی بار ملی تھی تو بڑی شوخ و شنگ نظر آتی تھی لیکن اس کے بعد اس نے ایسا چولا بدلا تھا کہ پھر کبھی مسکرائی بھی نہیں تھی۔ اس نے مشینی انداز میں مجھے سلام کیا اور پھر اپنی بک لے کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "آج کا دن جناب عالی کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے کل آپ سے کچھ اور لوگ ملنے آئیں گے جو سیکشن نمبر دو سے تعلق رکھتے ہیں۔ آنے والوں کی تعداد بارہ ہے اور وہ کل آپ سے ساڑھے گیارہ بجے ملاقات کریں گے اور یہ ملاقات ایک بجے تک جاری رہے گی۔" فینی نے بتایا۔

"اچھا فینی شکریہ۔ تغلق خان کو میرے پاس بھیج دو۔"

"جی بہتر۔ میں فون کر کے اس کو آپ کے پاس بھیج دیتی ہوں۔" فینی نے جواب دیا اور پھر میری جانب سرسری نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی خدمت؟"

"نہیں شکریہ۔" میں نے بھی خشک اور سپاٹ سے انداز میں جواب دیا اور فینی گردن خم کر کے چلی گئی۔-- بہروز خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا------ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "منصور صاحب، اس لڑکی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"سبحان اللہ۔ اب لڑکی پر بھی گہری نگاہ رکھی جانے لگی ہے۔ فرمائیے کیا کہنا چاہتے ہیں' آپ؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ کچھ کبیدہ خاطر ہے۔"

"یہ آپ نے کیسے اندازہ لگایا۔ محترم؟" میں نے پرمزاح انداز میں دریافت کیا۔

"بس نگاہ کی بات ہے۔ آپ شاید اسے نگاہ بھر کے دیکھتے بھی نہیں لیکن میں نے اس کے چہرے پر غور کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے بہروز! تم اپنے مشاغل تبدیل کر دو۔ ان چیزوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ وہ اگر کبیدہ خاطر ہے تو ہو گی اگر اسے کوئی شکایت ہے تو اسے ہم سے کہہ دینا چاہیے۔ ہمارے پاس ان فضول باتوں کے لئے گنجائش کہاں ہے؟"

بہروز خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد فینی نے تغلق خان کے آنے کی اطلاع دی تو میں نے ڈرائنگ روم میں اس سے ملاقات کی اور اپنا مافی الضمیر بتاتے ہوئے کہا۔ "میں اس بار تم سے ایک ذاتی کام سے مل رہا ہوں تغلق! خان چمن کے پاس ایک لڑکا ایاز تھا۔ وہ لانچ پر میرے ساتھ گیا تھا اور بعد میں چمن اسے اپنے ساتھ واپس لے آیا تھا۔ میں اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"بہتر ہے پرنس۔ میں ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کو اس کے بارے میں اطلاع فراہم کر دوں گا۔"

"چمن سے کچھ معلوم کرنے میں دقت تو نہیں ہو گی؟"

"نہیں جناب۔ میں نے اس سے مزید گہری دوستی کر لی ہے۔" تغلق خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تو میں بے چینی سے اس کے فون کا انتظار کرنے لگا۔ ایک گھنٹہ گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ تقریباً پچاس منٹ بعد تغلق خان کی کال ملی۔

"بری خبر ہے سر۔ ایاز زندہ نہیں ہے۔ چمن کے کہنے کے مطابق اس نے خودکشی کر لی تھی۔" تغلق خان نے کہا اور میرے ذہن میں خوفناک گڑگڑاہٹ ہونے لگی۔ میری آنکھوں کے سامنے خون کی چادر سی پھیل گئی اور دماغ تاریک ہو گیا۔ میرا ذہن شدید غیض و غضب کا شکار ہو گیا اور میرا رواں رواں انتقام انتقام پکارنے لگا۔

دوسری طرف سے تغلق خان ٹیلی فون پر ہیلو ہیلو کر رہا تھا لیکن میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ ریسیور پر میرے ہاتھ کی گرفت اتنی سخت تھی کہ ممکن تھا' ریسیور ٹوٹ ہی جاتا' میں نے اسے آہستہ سے ٹیبل پر رکھ دیا۔ آنکھوں کی بینائی جیسے ختم ہو چکی تھی۔ دل ایک دم سے ڈوبنے لگا۔ ایاز کے ساتھ رفاقت کا ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا۔ اس نے ایسے وقت مجھے ایک بھائی کا پیار دیا تھا۔ جب ساری دنیا میری نگاہوں میں تاریک تھی۔ پروفیسر شیرازی اور سرخاب بے شک اس وقت میرے معاون اور ہمدرد بن چکے تھے۔ لیکن میرے اور ان کے درمیان ایک طبقاتی دیوار قائم تھی اور ان کے انتہائی خلوص کے باوجود میں ان سے اس بے تکلفی اور بے اختیاری سے وہ باتیں نہیں کر سکتا تھا جو میرے دل کے نہاں خانے میں محفوظ تھیں۔ ایسے لمحات میں ایاز مجھے ملا اور میرے دل کی کتاب اس کے سامنے کھل گئی۔ مجھے وہ لمحات آج تک یاد تھے۔ ایاز کو اپنی کہانی سنانے کے بعد مجھے کس قدر سکون ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک دلدار میرے سامنے ہے اور ایاز نے جس انداز میں میری دلجوئی کی تھی۔ اسے بھی میں تاحیات نہیں بھول سکتا تھا' اس نے کتنے خلوص دل سے امی اور فریدہ کی بازیابی کے لئے دعائیں مانگی تھیں۔ ہمیشہ وہ یہی کہا کرتا تھا کہ منصور بھائی! امی اور فریدہ جس دن مل گئیں' اسی روز سے ہم اپنے راستے بدل دیں گے اور شریف لوگوں کی مانند زندگی گزاریں گے۔ اگر وہ طبعی موت مرجاتا یا کسی حادثے کا شکار ہو جاتا تو شاید میرے غم کی یہ کیفیت نہ ہوتی لیکن تغلق خان نے جو کچھ بتایا تھا وہ بذات خود ایک طویل کہانی بن کر رہ گئی تھی۔ میری دانست میں ایاز کی خودکشی ایک ایسی دردناک کیفیت تھی' جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایاز نے خودکشی کیوں کی ہو گی۔ چمن اسے وہاں سے لے آیا ہو گا' میں چمن جیسی سرشت کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا...... ایاز نے اس سے احتجاج کیا ہو گا اور چمن نے اپنی شاطرانہ چالوں سے اسے مجبور کر دیا ہو گا کہ وہ خودکشی کر لے۔ ایاز.... ایاز میرا دل اندر سے چیخنے لگا..... شاید میری آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہو گئے تھے۔ اسی عالم میں بہروز اندر آ گیا۔ میرا رخ اس کی جانب نہیں تھا اور میں کچھ اس طرح خیالات میں گم تھا کہ بہروز کو میری اس

کیفیت کا علم نہ ہو سکا۔ وہ میرے بالکل نزدیک پہنچ گیا تب مجھے اس کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی اور اسی وقت بہروز کی آواز سنائی دی۔

"منصور صاحب! آپ نے جس زندگی میں قدم رکھا ہے اس میں تو ہر لمحہ سیماب صفت ہونا ضروری ہے اور آپ اس طرح گم صم بیٹھے ہوئے ہیں کہ آپ کو میرے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ نہیں محترم یہ استغراق نہیں چل سکے گا۔" اس نے بے تکلفی سے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی طرف گھمایا ..... میں نے لاکھ اس سے اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش کی لیکن بہروز نے میری صورت دیکھ ہی لی اور پھر وہ اس طرح چونکا جیسے اسے بجلی کا بڑا زبردست جھٹکا لگا ہو۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے حیرت سے پھیل گئیں۔ اور پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ "منصور..... منصور صاحب!"

"کچھ نہیں، بہروز کچھ نہیں۔ میں نے ایک بہت بری خبر سنی ہے۔"

"کیا ہوا، کیا ہوا منصور! خدا کے لئے جلدی بتاؤ۔"

...... میری آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی تیز ہو گئی۔

"ارے، ارے ..... منصور صاحب۔ پلیز! یہ کیا ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ شعلوں سے بنی ہوئی یہ آنکھیں آنسوؤں کی نمی بھی رکھتی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو...... تعجب ہے وہ کون سی ایسی خبر ہے، خدا کے لئے مجھے بتائیے منصور صاحب! پلیز میں آپ کی آنکھوں کی یہ نمی نہیں برداشت کر سکتی۔" بہروز عالم بے اختیاری میں اپنی اصلیت کھول گیا تھا۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر آستین سے آنسو خشک کر ڈالے اور بہروز کی کلائی پکڑ کر کہا۔

"بہروز! میرا دوست مر گیا۔ ایاز مر گیا۔"

"اوہ ...... اوہ۔ کیا، کیا..... تغلق خان نے ...."

"ہاں، تغلق خان نے ابھی مجھے فون پر اطلاع دی ہے۔"

"اوہ .... منصور! مجھے بڑا ہی دکھ ہوا ہے۔ یقین کریں، مجھے بے حد دکھ ہوا ہے۔ یہ صرف الفاظ نہیں بلکہ ایک سچی غم گساری ہے۔"

"شکریہ بہروز۔ یقین کرو، میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل کی کیا کیفیت ہوئی ہے؟ شاید میرا سگا بھائی بھی مرجاتا تو مجھے اتنا ..... دکھ نہ ہوتا۔ وہ جیب تراش تھا لیکن اس کے سینے میں اتنا خوبصورت دل تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کاش اس کے ساتھ یہ نہ ہوتا اور پھر شاید تمہیں یہ معلوم کر کے مزید دکھ ہو گا، بہروز کہ وہ طبعی موت نہیں مرا بلکہ اس نے

خود کشی کی ہے۔"

"خود کشی؟" بہروز چونک کر بولا۔

"ہاں خود کشی .... اور یہ خود کشی یقیناً میرے لئے ہو گی بہروز! میں جانتا ہوں کہ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے خود کشی کے لئے مجبور کر دیا گیا ہو گا۔"

بہروز میری شکل دیکھتا رہا اور پھر اس نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کاش میں اس غم کو بانٹ سکتا۔ مجھے بتاؤ منصور! میں کیا کروں؟"

"اوہ۔ کچھ نہیں، میں تنہائی چاہتا ہوں۔ میں سوچنا چاہتا ہوں۔ بہروز! اگر تم برا مانے بغیر مجھے اس کا موقع دو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔"

بہروز چند ساعت میری صورت دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے، منصور! لیکن میری گزارش ہے کہ خود کو سنبھالیے۔" پھر وہ اس انداز سے باہر گیا جیسے جانا نہ چاہتا ہو۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میرا غم بانٹنا چاہتا ہے۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روؤں۔ بہروز دروازے سے باہر گیا ہی تھا کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور رونے سے جو سکون محسوس ہوا، میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ نہ جانے کب تک یہ کیفیت برقرار رہتی کہ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ محبت بھرا لمس تھا...... میں چونک پڑا۔ دیکھا تو پروفیسر شیرازی نگاہوں کے سامنے تھے۔ میں فوراً ..... سنبھل گیا۔ اطراف میں اور بھی لوگ کھڑے تھے۔ ان میں سرخاب، گل اور فینی بھی تھیں۔

"ارے، ارے .... آپ لوگ کب آئے؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں چل سکا۔" میں نے کہا۔

پروفیسر شیرازی نے میرا بازو پکڑا اور کہنے لگے۔ "آؤ یہاں سے نکلیں۔ کسی دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں گے۔ یہاں بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔"

"جی، جی .... چلئے، چلئے" میں نے کہا۔

"منصور بھائی۔ پہلے منہ ہاتھ دھو لیجئے۔ فینی سب سے پہلے آپ کافی بنوا لیجئے۔ پلیز! ہم لوگ کافی پئیں گے۔" سرخاب بولی۔

"جی بہتر۔" فینی نے ادب سے کہا اور باہر نکل گئی۔ تب سرخاب، گل اور پروفیسر شیرازی مجھے لے کر باہر آئے۔ راستے میں ایک جگہ لگے ہوئے بیسن پر سرخاب نے اس طرح میرا منہ دھلوایا جیسے بچوں کا منہ دھلوایا جاتا ہے۔ اس کے انداز میں بے پناہ پیار تھا اور اس کے ہاتھوں کا نرم لمس مجھے اپنی آنکھوں کی جلن پر بڑی ٹھنڈک دیئے جا رہا تھا۔ پھر

اس نے تولیے سے میرا چہرہ خشک کیا۔ ہر چند کہ یہ انداز مجھ جیسی فطرت کے لوگوں کے لئے مناسب نہیں تھا لیکن اس وقت دل یہی چاہ رہا تھا کہ بچہ بن جاؤں' کوئی مجھے اپنی آغوش میں اٹھا لے اور پیدل بھی نہ چلنے دے۔ بہرطور' میں ان لوگوں کی محبتوں کے درمیان سمٹا ہوا اس کمرے میں آگیا جو ایک پرائیویٹ روم کے طور پر ترتیب دیا گیا تھا۔ سرخاب نے مجھے صوفے پر بٹھایا اور خود میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ گل اور پروفیسر شیرازی سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ سب کے چہرے سنجیدہ اور غمناک نظر آ رہے تھے۔ پھر پروفیسر نے کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا' منصور کہ ان حالات میں آنے کے بعد بھی تم اتنے کچے پن کا ثبوت دو گے۔"

"جی' میں نہیں سمجھا پروفیسر۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"ایاز کی خبر بہروز نے مجھے دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی موت کی خبر سن کر تمہاری کیا کیفیت ہو گئی ہے۔"

"اوہ' افسوس' پروفیسر۔ آپ لوگوں کو اس بات سے اذیت ہوئی۔"

"نہیں' ہرگز نہیں۔ ایاز کی موت شاید اس طرح کوئی بھی محسوس نہ کر سکے۔ جس طرح میں نے محسوس کی ہے۔ بدقسمتی سے میں نے انسانی نفسیات پر گہری ریسرچ کی ہے اور میں لہو کے اس مجموعے کی کیفیات جانتا ہوں' جسے دل کہتے ہیں۔ ایاز کا قرب تمہارے لئے جو حیثیت رکھتا تھا۔ شاید میرے علاوہ اور کوئی اسے صحیح طور پر محسوس نہ کر سکے' چنانچہ میں تمہارے غم کی کیفیت سے واقف ہوں اور سمجھتا ہوں' اگرچہ محض الفاظ کے سہارے صبر کی تلقین بے معنی ہے۔ لیکن انسان اپنے جسم کے کسی ایک عضو کے ناکارہ ہو جانے سے باقی اعضا کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ ہم سب ہی تمہارے جسم و جان ہیں۔ تمہارے اعضا ہیں۔ ایاز ہم میں سے ایک تھا۔ خود کو سنبھالو منصور! تم ٹھوس انسان بن کر دنیا کے سامنے آ چکے ہو۔ اس لئے یہ آنسو تمہیں زیب نہیں دیتے

"میں جانتا ہوں' پروفیسر۔" میں نے کہا اور سرخاب کی طرف متوجہ ہو گیا' جو کہہ رہی تھی۔ "منصور بھیا! میں آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ خدا کی قسم! اگر اب آپ کی آنکھ سے ایک بھی آنسو نکلا تو ...."

"نہیں' سرخاب ..... لیکن میں پروفیسر سے یہ ضرور پوچھوں گا کہ مجھے چمن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟"

پروفیسر اس سوال پر چونک پڑے۔ چند ساعت مجھے دیکھتے رہے پھر ان کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت عود کر آئی۔ "تم بتاؤ۔ کیا ہونا چاہئے؟" انہوں نے الٹا مجھ سے ہی

سوال کر دیا۔

"پروفیسر' میں آپ کی رہبری چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں میرے بیٹے' میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی معاونت نہیں کر سکتا۔ البتہ میری دلی خواہش ہے کہ تم سے پوچھوں کہ ایاز کے قاتل سے کیا انتقام لو گے؟"

"کیا آپ کے خیال میں' میں یہاں کسی ظرف کا ثبوت دوں گا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں' ظرف کی ایک حد ہوتی ہے' بلاشبہ باظرف لوگ گھٹیا حرکتیں نہیں کرتے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے غموں کو بھی ظرف کی قبر میں دفن کر دیں۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

"آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں' پروفیسر؟"

"توقع نہیں' اگر تم عام حالات میں مجھ سے مشورہ مانگتے تو میں یہی سوچتا کہ چمن سے ایسا عبرت ناک انتقام لیا جائے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اس کو نہ بھول سکے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے پروفیسر۔ میں چمن کو اس طرح قتل کروں گا کہ درندگی کی تمام مثالیں ختم ہو جائیں۔ لیکن ابھی نہیں....." میں نے کہا۔

پروفیسر کا چہرہ کھل اٹھا۔ "کیا مطلب' کیا تم مصلحتوں کے لبادے میں آ کر اپنا فرض بھول جاؤ گے؟" پروفیسر نے سوال کیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "نہیں پروفیسر' میں اپنا فرض نہیں بھول جاؤں گا لیکن آپ جو امتحان مجھ سے لے رہے ہیں۔ میں اس پر بھی پورا ہی اتروں گا۔"

"امتحان ....؟" پروفیسر نے بظاہر چونک کر کہا۔

"ہاں پروفیسر' آپ جاننا چاہتے ہیں کہ حالات نے مجھے کیا کچھ بخشا ہے۔ میری سوچ اتنی ہی سطحی ہے یا اس میں کچھ پختگی بھی پیدا ہوئی ہے۔ بہرحال' میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا کہ میں بہت سنبھل گیا ہوں۔ ایاز کی موت نے میرے سینے پر ایک گہرا گھاؤ لگایا ہے لیکن میں پستول لے کر دوڑتا ہوا چمن کے ہاں نہیں پہنچ جاؤں گا کیوں کہ اب چمن میرے سامنے ایک نچلے درجے کا بدمعاش ہے اور اسے قتل کرنے کے لئے مجھے اپنے جوتوں کے تلوے استعمال کرنے آتے ہیں' پستول یا چاقو نہیں۔ میں اسے جوتوں ہی سے کچل کر ماروں گا' لیکن وقت آنے پر..... میں نے کھاتہ کھول لیا ہے۔ میں نے ہر شخص کا کھاتہ کھول لیا ہے اور اس کھاتے میں چمن پر ایاز کی موت بھی ادھار ہو گئی ہے۔ میں اس سے یہ قرض اس طرح وصول کروں گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

"گڈ..... ویری گڈ .... میں بڑے فخر سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں نے تم پر اپنا وقت

ضائع نہیں کیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو مینار تعمیر کیا ہے' وہ اتنا سربلند اور اتنا مضبوط ہے کہ اس کے اوپر کھڑے ہو کر دنیا دیکھی جا سکتی ہے..... لیکن منصور! سنا ہے کہ تم روتے رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں اب بھی تھوڑی سی متورم ہیں۔ میں یہ سب کچھ بالکل نہیں چاہتا۔"

"پروفیسر' آپ انسانی فطرت کو کیوں نظرانداز کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس دل کا دکھ نکالنے کا ایک ہی تو ذریعہ ہے جو قدرت کی طرف سے بخشا گیا ہے۔ اگر انسان آنسو بھی نہ بہا سکے تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔"

پروفیسر خاموش رہا۔ گل اس دوران خاموش رہی تھی۔ جب سب خاموش ہو گئے تو اس نے کہا۔ "آج رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔ میں نے انتظام کر لیا ہے۔ سرخاب نے بھی چند چیزیں پکائی ہیں۔ چلو' ہم تمہیں ساتھ لے کر چلیں گے۔"

.... اور ہم بہروز سمیت چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ایک اسکوائر کے بنگلہ نمبر نو میں داخل ہو کر ہم میں احساسات کا مادہ ہر لمحے ایک نئی کیفیت سے دوچار ہونے لگا۔ پروفیسر شیرازی کا طرز زندگی دیکھ چکا تھا۔ گل کی رہائش گاہ بھی میری نگاہ میں تھی۔ اور ان دونوں چیزوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد جب اس بنگلے کو دیکھا تو درحقیقت یہ ان کے ملازمین کے کوارٹر کی مانند معلوم ہوتا۔ ایثار کرنے والے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایثار کر چکے تھے۔ اور ان کے احسانات کو قبول نہ کرنا بے انصافی تھی۔ گل نے سرخاب کو ساتھ لیا اور باورچی خانہ کی طرف چل پڑی۔ گویا یہ ایاز کی تعزیت کا وہ حصہ تھا۔ جہاں ورثا کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا جاتا ہے' تھوڑی ہی دیر بعد کھانا لگ گیا۔ اور پروفیسر میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ کھانے کی میز پر سادہ سا لیکن بے حد لذیذ کھانا موجود تھا۔ میں نے دل نہ چاہنے کے باوجود ان کی دلجوئی کے لئے کچھ کھایا..... اور کھانے کے بعد اس کی تعریف بھی کی ..... پھر میں نے پروفیسر سے پوچھا۔ "اب یہ فرمایئے' میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"بھئی اب تم احکامات کی منزل سے گزر چکے ہو' بلکہ اب تو ہم سب تمہارے احکامات کے منتظر رہتے ہیں۔ ہماری جو بھی حیثیت ہے' اسے اسی طرح رہنے دو اور ہمارے متعلق سوچنا چھوڑو۔ سنا ہے کل تم ایک اور میٹنگ کر رہے ہو۔ اس میٹنگ کے بعد میرا خیال ہے' تمہیں اپنے عمل کا آغاز کر دینا چاہئے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔ پروفیسر! آپ مطمئن رہیں۔" میں نے کہا۔

کافی دیر تک ہم لوگ خوش گپیاں کرتے رہے' دل میں جب بھی ایاز کی یاد ابھرتی

پورے وجود میں درد کی لہریں دوڑ جاتیں' میرا بدن کانپنے لگتا تھا اور ایک گولہ سا حلق میں آ کر پھنسنے لگتا تھا لیکن میں خود پر قابو پائے رہا اور پھر کافی رات گئے میں نے وہاں سے واپسی کی اجازت مانگی۔

"میں تمہیں چھوڑنے چلوں گی۔" گل نے بڑے اعتماد سے کہا۔

میں نے گردن ہلا دی۔ گل میرے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔ پروفیسر شیرازی اور سرخاب نے مجھے خدا حافظ کہا تھا۔

بہروز پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور میں گل کے ساتھ اگلی سیٹ پر ..... میں نہیں جانتا تھا کہ گل' بہروز کی موجودگی کو کس انداز میں محسوس کرے گی۔ بہرطور وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگی۔

"میرے لئے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ منصور! میں اس قدر معطل ہو گئی ہوں کہ مجھے اپنی طبیعت بوجھل محسوس ہونے لگی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے بھی متحرک رکھو۔"

"تم ہی بتاؤ کہ تمہارے لئے کونسے راستوں کا تعین کروں۔ ہاں' گل ایک خیال اور ذہن میں آیا ہے۔" دفعتاً" میں نے چونک کر کہا۔

"وہ کیا؟" گل نے سوال کیا۔

"تم نے بتایا تھا کہ عظمت کو تم نے میری ہی فیکٹری میں ایک مناسب عہدہ دیا ہے۔"

"ہاں وہ دلاور سوپ میں پروڈکشن منیجر ہے۔"

"اس کے والدین اور بہن وغیرہ؟"

"سب ٹھیک ہے۔ غالباً" چھوٹی بہن کی شادی کر رہا ہے وہ۔ کوئی رشتہ طے کر لیا ہے' اس نے۔"

"بہت خوب' اس کی بہن کی شادی میں بھرپور حصہ لینا گل۔ ہاں تو میں جو خاص بات تم سے کہہ رہا تھا۔ وہ تھی' راشدہ ابھی تک مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔"

"اوہ راشدہ۔ واقعی طویل عرصے سے نہ تو اس سے ملاقات ہوئی اور نہ ہی اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔" گل نے جواب دیا۔

"سرخاب کو بھی نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں' سرخاب کے معمولات میرے علم میں ہیں۔ عموماً" ہم دونوں ساتھ ہی رہتی ہیں۔"

"وہ لڑکی نظرانداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے گل' میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

"تم خود....." گل نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں گل کچھ بھی ہو جائے' میں راشدہ کو نہیں بھول سکتا' اس کے تاثرات کچھ اس طرح میرے ذہن پر منجمد ہیں کہ میں اسے فراموش نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھو کہ وہ بھی ہمارے درمیان ایک کردار بن گئی تھی۔ لیکن حالات نے مجھے اس کی خدمت کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا' بہر طور میں اس کی تلاش میں جاؤں گا اور اگر ممکن ہو سکے تو تم خود بھی اسے تلاش کرنا۔ لیکن ابھی اس سے ملنا نہیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں کل ہی اس سلسلے میں کوشش کروں گی۔" گل نے جواب دیا۔ "ایک بات بتاؤ گے منصور؟"

"ہاں ہاں۔ ضرور!"

"کیا راشدہ ان حالات میں جن حالات میں وہ تمہیں ملی تھی..... تمہارے ذہن میں اور کوئی تاثر چھوڑ گئی ہے؟"

"اس تاثر سے تمہاری کیا مراد ہے' گل؟"

"بھئی ایسے سوال مت کرو۔ میں کوئی بھی لفظ گول مول انداز میں نہیں کہہ رہی ہوں۔"

"وہ لڑکی اس وقت میرے ساتھ اپنے گھر جاتی تھی' جب میں تمہارے ہاں ایک ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا۔ راستے میں اس نے میری سمت بڑھنے کی کوشش کی' ہر چند کہ ایک ڈرائیور کا کوئی معیار نہیں ہوتا' لیکن راشدہ ایک شریف سہارے کی تلاش میں تھی لیکن یہ سہارا اس کی اپنی طلب نہیں تھا۔ بلکہ اس کے ماحول کی طلب تھا۔ بڑی بے سہارا لڑکی تھی وہ گل' میں نے اسے اپنے دل میں محسوس کیا' میں نے اس کا جائزہ لیا تو اس کے دل میں صرف ایک باعزت زندگی گزارنے کی گنجائش پائی اور کسی شریف آدمی کی طلب نے اسے اس کے لئے مجبور کیا تھا کہ وہ میری جانب بڑھے' لیکن میرے حالات مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے گل! کہ میں آگے بڑھ کر اس کے لئے کچھ کرتا تاہم' وہ اقدام یہ نہ ہوتا کہ میں اس سے شادی کر لیتا' یہ جذبہ میں نے کبھی بھی اس کے لئے اپنے سینے میں نہیں پایا۔ البتہ یہ ضرور سوچا میں نے کہ کاش میں اس کے لئے بہتر زندگی کا بندوبست کر سکتا۔ تو گل آج بھی جب میں اسے یاد کرتا ہوں تو وہی تاثر میرے ذہن میں ابھر آتا ہے۔ اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ میرے دل میں اس کے لئے کیا گنجائش پیدا ہوئی تھی۔"

"یقیناً یقیناً' بس منصور! میں نے یہ سوال کر لیا تم سے' اس کی کوئی خاص وجہ نہیں

تھی اور نہ ہی میرے ان الفاظ میں کوئی گہرائی ہے۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے' سوچنے کو تو میں اور بھی بہت کچھ سوچتا ہوں گل۔" میں نے کہا۔

"کیا.....؟" گل نے ایک لمحے کے لئے ونڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر کچھ مجوب سی ہو گئی۔ اتنی عمر رسیدہ نہ تھی گل کہ وہ احساسات اس کے سینے سے نکل گئے ہوتے' جو انسانی فطرت ہوتی ہے' میری اس مسکراہٹ سے اس نے نجانے کیا کیا نتائج اخذ کئے' پھر آہستہ سے بولی۔ "بتایا نہیں تم نے؟"

"بھئی میرا خیال ہے ہمارا دوست بہروز بہت خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ بہروز تم خود بھی اس گفتگو میں شریک کیوں نہیں ہو جاتے؟"

"موقع نکال رہا ہوں۔ لیکن تم لوگ موقع ہی نہیں دیتے۔" بہروز نے پر مزاح انداز میں کہا اور ہم دونوں ہنسنے لگے۔

"بہروز تمہاری آواز اتنی شیریں ہے کہ بیان سے باہر حالانکہ تمہارا چہرہ اس بات کا غماز نہیں کہ تم بہت ہی کمسن ہو لیکن تمہاری آواز اور تمہارے خدوخال کی یہ انوکھی سی معصومیت خواہ مخواہ ہی ذہن کو بھٹکا دیتی ہے۔" گل نے کہا۔

"ارے ارے بھئی گل۔ اب بہروز کے ساتھ یہ سلوک بھی مناسب نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا تو گل اور بہروز بھی ہنسنے لگے۔ پھر بہروز نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کی باتیں سن رہا ہوں۔ اشاروں' کنایوں کی یہ زباں مجھے بہت پسند آ رہی ہے' ہرچند کہ میں اس پر وقار نہیں ہو سکا۔ ابھی تک۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے' بس سمجھ لینا ہی کافی ہے۔" میں نے پر مزاح انداز میں کہا۔

"تو پھر گل صاحبہ کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ بات گول ہو گئی..... اور گل صاحبہ نے بڑی خوبصورتی سے موضوع میری طرف منتقل کر دیا۔" بہروز نے کہا۔

"دیکھا تم نے گل؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بہروز کم سن ہونے کے باوجود کس قدر چالاک ہے۔"

"آخر تمہارا ساتھی ہے منصور!" گل نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے' تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب تم بھی کب تک اس طرح زندگی گزارو گی۔"

"ارے ارے یہ تم پر سب کی زندگیاں سنوارنے کا بھوت کیوں سوار ہو گیا؟" گل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی گل! میں تمہارے ساتھ ایک ادنیٰ ملازم کی حیثیت سے رہ چکا ہوں' لیکن اس

کے بعد تم نے مجھے اتنی بلندیاں دیں کہ میں تمہیں کبھی آپ سے اور کبھی تم سے مخاطب کرنے لگتا ہوں جب آپ کہتا ہوں تو میرے ذہن میں وہ تاثر ہوتا ہے جب میں ڈرائیور تھا اور جب تم کہتا ہوں تو تمہاری وہ تمام رفاقتیں میری نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ جن کے بعد تم سے اجنبیت محسوس کرنا گناہ لگتا ہے۔"

"یہ دوسرا تاثر ہی ٹھیک ہے' ہم دونوں بے تکلف ساتھی ہیں' تم جب بھی مجھے آپ کہتے ہو تو مجھے ناگوار گزرتا ہے اور میں محسوس کرتی ہوں کہ شاید میری ذات میں ہی کوئی خامی رہ گئی ہے۔"

"بات پلٹنے کی بالکل نہیں ہو رہی' اب یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ جو کچھ میں ہوں' جس انداز میں زندگی بسر کر رہی ہوں۔ میرے لئے انتہائی اطمینان بخش ہے' میں نہایت سکون سے زندگی گزار رہی ہوں' سرخاب' پروفیسر شیرازی' تم' بہروز اور جتنے لوگ مجھے میرے اپنے اس ماحول میں مل گئے ہیں۔ انہوں نے میری زندگی کو سنوار دیا ہے' وہ تنہائیاں دور ہو گئی ہیں میرے وجود سے' جو میں اپنی عالی شان کوٹھی میں محسوس کرتی تھی اور اس کے بعد اب مجھے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر گل انسانی فطرت....."

"انسانی فطرت تو بہت کچھ چاہتی ہے منصور ...... لیکن یہ چاہتیں' حماقتیں ہوتی ہیں' ہمیں اپنے دلوں پر اختیار نہیں ہوتا اور یہ دل کم بخت تو نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنے لگتا ہے۔ اب اس بھٹکنے والے آوارہ گرد پر کون توجہ دے۔" گل کے لہجے میں کرب پیدا ہو گیا۔ مجھے عظمت اور ایاز کی وہ باتیں یاد آ گئیں۔ جنہیں یاد کر کے میرے ذہن میں پھر ایاز کا تصور پیدا ہو گیا۔ گل نے بھی خاموشی ہی مناسب سمجھی تھی کیونکہ موضوع ہی ایسا چھڑ گیا تھا جو اس کی دکھتی رگوں کو چھوتا تھا۔ بہروز نے ہم دونوں کی خاموشی محسوس کر کے خود بھی خاموشی اختیار کر لی اور اس طرح ہم کوٹھی تک پہنچ گئے۔

گل نے اس وقت کوٹھی میں آنا مناسب نہیں سمجھا تھا' چنانچہ وہ دروازے ہی سے لوٹ گئی' رسمی الفاظ کے بعد اس نے جلدی سے کار آگے بڑھا دی تھی۔ بہروز میرے ساتھ اندر کی طرف چل پڑا۔ طاہر اور اعظم برآمدے میں ٹہل رہے تھے' ان کے قریب سے

گزرتے ہوئے میں رکا اور اعظم سے کہا۔ "کوئی خاص بات تو نہیں ہے' اعظم؟"

"نہیں جناب' حالات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"تغلق خان تو نہیں واپس آیا؟"

"نہیں جناب۔"

"کوئی ٹیلی فون۔"

"جی' کوئی نہیں۔" اعظم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور بہروز کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ جو نگاہیں نیچی کیے چل رہا تھا' لیکن بار بار اس کے پتلے حسین ہونٹ مسکراہٹ کے سے انداز میں کھنچ جاتے تھے۔ میں اس کا بازو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ "ہوں' کیوں مسکرا رہے تھے؟" میں نے صوفے میں دھنستے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں' بس آپ کی اور گل کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔"

"تو ان باتوں میں مسکراہٹ کا موقع کہاں تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں' کچھ نہیں' کوئی خاص بات نہیں' ویسے منصور! آپ کی شخصیت بڑی عجیب ہے۔ میں تو یہاں آ کر بڑے مخمصے میں پھنس گیا ہوں' جسے دیکھو آپ کی جانب متوجہ نظر آتا ہے حالانکہ میرا خیال تھا کہ میں ہی ہوں جو آپ کو بہت زیادہ چاہتا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"تم اڑنے کی کوشش کر رہے ہو' کیا سوچ رہے تھے' گل کے بارے میں؟"

"میرے خیال میں گل آپ کو چاہتی ہیں۔" بہروز نے بے تکلفی سے کہا اور میں ایک بار پھر چونک پڑا۔ "تمہیں یقین ہے؟"

"ہاں-----"

"لیکن' لیکن کیسے۔"

"اگر آپ اس یقین کو بے بنیاد سمجھتے ہیں تو پھر یہ سوال بے معنی سا ہو گا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں------ میں اس سے بہت زیادہ واقف ہوں۔"

"ہاں بھئی' میں تمہاری اس حیثیت کو تو چیلنج نہیں کر سکتا۔" میرے ان الفاظ پر بہروز کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیا اور مسکراہٹ ابھری لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا----- پھر وہ کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا' گل کا موضوع نکلا' سرخاب کی باتیں ہوئیں' راشدہ کے بارے میں اس نے مجھ سے تفصیلات پوچھیں اور انہیں سن کر

مسکرانے لگا۔

"راشدہ کے بارے میں کوئی خاص بات سوچی ہے' آپ نے؟"

"ہاں بہروز' یہی دل چاہتا ہے کہ جو لوگ کسی بھی طرح اپنی کربناک زندگی لے کر میرے سامنے آ چکے ہیں' ان کے لئے اگر کچھ کر سکتا ہوں تو کر دوں۔ میرے ذہن ییں ایک نیا منصوبہ آیا ہے۔ بہر طور' ابھی اس کے بارے میں کچھ سوچنا پڑے گا۔ نجانے بے چاری راشدہ کس حال میں ہے' ویسے تعجب ہے' ان لوگوں نے اسے نظرانداز کر دیا۔ خاص طور سے سرخاب نے' میں اس سے اس بارے میں پوچھوں گا۔"

بہروز خاصی دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بھی میری دلجوئی کرنے کا تصور ذہن میں رکھتا تھا۔ ورنہ اس کی آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی تھیں' بہرطور میں نے اسے آرام کرنے کے لئے کہا اور خود بھی اٹھ گیا۔ تاہم ایاز کی موت کا تصور اتنا ارزاں بھی نہیں تھا کہ میں اسے اس طرح نظرانداز کر سکتا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں سو جاؤں' لیکن کپڑے بدل کر بستر پر لیٹنے کے بعد ایاز ایک بار پھر میرے سینے میں زندہ ہو گیا۔

ایاز مرنے والی چیز نہیں تھا۔ مجھے ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا' اس کی ساری گفتگو' اس نے کسی لڑکی کا تذکرہ بھی کیا تھا جس سے وہ شادی کرنے کا خواہش مند تھا' لیکن کم بخت نے ایک محور بنا لیا تھا اپنا---- کہتا تھا کہ شادی اس وقت کرے گا جب امی اور فریدہ اس کی سرپرستی کے لئے موجود ہوں گی۔ امی اور فریدہ نہیں ملی تھیں اور ایاز اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا' میری آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔ میں نے ان آنسوؤں کو بہنے دیا۔ اس کی خودکشی کے بارے میں غور کرتا رہا۔ میرا وہ نظریہ اب بھی قائم تھا' چمن نے ایاز کو اس قدر زچ کر دیا ہو گا کہ اس نے خودکشی کر لی۔ اس نے اسے بتایا ہو گا کہ میں مرچکا ہوں۔ آنسو ایک بار پھر شعلوں میں تبدیل ہو گئے اور نجانے رات کے کون سے پہر تک میں ایاز کے لئے بے چین رہا---- پھر نیند نے ایک مہربان ماں کی طرح مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

دوسری صبح میری طبیعت پر اضمحلال طاری تھا۔ مس نادرہ جو اس کوٹھی کی منتظمہ تھی میرے پاس آئی اور میری کیفیت دیکھ کر کچھ الجھ سی گئی۔ "کیا بات ہے؟" میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"وہ جناب آج میٹنگ کا بندوبست کرنا تھا' میرے لئے کوئی خاص ہدایت ہے؟"

"پلیز مس نادرہ! آپ اس سلسلے میں فینی سے رابطہ قائم کریں۔" میں نے کہا۔

"جی بہت بہتر' میں مداخلت کی معافی چاہتی ہوں۔" اس نے گردن جھکائی اور باہر نکل

گئی۔

تھوڑی دیر بعد بہروز آ موجود ہوا' اس کی آنکھیں بھی متورم تھیں۔ نئے لباس میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ویسے بھی دیکھنے دکھانے کے قابل چیز تھا۔ مصری نژاد ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے میں ایک انوکھی جاذبیت تھی اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی ہے۔ ایک نوجوان ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے بڑے خطرات موجود تھے۔ میں نے خود کو بحال کرنے کی کوشش کی لیکن بہروز مسکراتے ہوئے گردن ہلانے لگا۔ "نہیں جناب' آپ سوئے نہیں۔ آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں۔"

"آنکھیں تو تمہاری بھی یہی بتا رہی ہیں۔ تم کیوں نہیں سوئے؟"

"کیا میں اتنا ہی بے حس ہوں کہ مجھے آپ کے دکھ کا احساس نہیں ہوتا؟" بہروز نے کہا۔

"یار بہروز! عجیب و غریب کیفیت ہوتی ہے ہم انسانوں کی بھی --------- کس قدر بے بس ہیں ہم لوگ کہ خود اپنے احساسات پر بھی قابو نہیں پا سکتے۔ ہاں! میں ایاز کے لئے بہت دیر تک روتا رہا۔ وہ جو کچھ بھی تھا۔ بہروز' اسے فراموش کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں پھر یہی کہوں گا منصور کہ آپ کسی ایک مسئلے میں الجھ کر نہیں رہ سکتے۔ اتنی ذمے داریاں آپ کے سپرد ہیں کہ آپ خود اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ چنانچہ میری رائے ہے کہ اپنی انتہائی قوتوں سے کام لے کر خود پر قابو پائیں۔"

"ٹھیک ہے بہروز' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تمہارا خود اپنا کوئی پروگرام ہے یا نہیں؟"

"میرا اپنا پروگرام؟"

"ہاں بھئی' میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں بندھ کر نہ رہو' زندگی ییں دلچسپی لو۔ اپنے لئے تفریحات تلاش کرو' مجھے اس میں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ یقین کرو جن معاملات میں گھرا ہوا ہوں اس کے بعد اتنا موقع نہیں نکال سکا کہ تمہیں اپنے وطن کی سیر کراؤں۔ گو دل میں تو بہت کچھ تھا بہروز۔ خیر حالات جب بھی اس کی اجازت دیں گے میں اسی وقت یہ سب کچھ کر سکوں گا۔"

"تو اس کی جلدی کیا ہے منصور' ویسے ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں نہیں کہو۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے تم بادیان کے بہروز کو بھول گئے اور تم نے اس کی صلاحیتوں کو

فراموش کر دیا۔ بھئی میں وہی بہروز ہوں اور اگر یہاں بھی تم میرے سپرد کچھ کام کرو گے تو میں ان میں پیچھے نہ رہوں گا۔ آزما کر تو دیکھو۔ اگر میں تمہارے لئے کار آمد ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ مجھے، عضو معطل سمجھ لینا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا لیکن اس سے پہلے ایک شرط ضروری ہے۔"

"وہ کیا؟" بہروز نے سوال کیا۔

"تم۔۔۔۔۔ تم میرے وطن سے واقف ہو جاؤ۔ میرے شہر کو اچھی طرح جان لو۔ ابھی تو نہیں لیکن جب بھی موقع ملا۔ میں تمہیں اپنے پرانے گھر لے چلوں گا۔ اس شہر کی گلیاں اور سڑکیں دکھاؤں گا۔ ان تمام چیزوں سے روشناس کراؤں گا جو مجھے بہت پیاری ہیں۔ اس دوران تم یوں کرو کہ کسی ایک شخص کو اپنا ساتھی بنا لو اور خود اس شہر کی آوارہ گردی کرو۔ اس کے چپے چپے سے واقف ہو جاؤ۔ اس سے کم از کم ایک فائدہ ضرور ہو گا کہ جب تم عملی طور پر کچھ کرنے کے لئے آمادہ ہو گے تو یہ شہر تمہارے لئے اجنبی نہیں ہو گا۔"

"بالکل مناسب بات ہے لیکن اس کے لئے میں کس کا سہارا لوں۔"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کون بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"سرخاب۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"لیکن۔۔۔۔۔ لیکن شاید وہ اس کے لئے تیار نہ ہو کہ تم۔۔۔۔۔ کہ تم۔۔۔۔۔"

"ہاں لیکن آپ ایک بات بھول گئے منصور صاحب۔" بہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو میں اپنے بارے میں خود بتا دوں گا اور ہم اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کریں گے۔"

"ارے ہاں۔ وری گڈ بہروز، تم میرے بہترین مددگار ہو۔ کم از کم میرے لئے مسائل تو پیدا نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے تو یہاں سے کسی ڈرائیور کو ساتھ لو اور وہاں چلے جاؤ اور پھر جو مناسب سمجھو کرو۔۔۔۔۔ مگر اس سلسلے میں جو شرائط طے ہوئی تھیں، ان پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے، کیا مجھے آپ کی عزت کا احساس نہیں؟"

"ہے بھئی ہے۔ میں بعض اوقات بعض جملے بلا وجہ ہی بول دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

ہم ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد بہروز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو میں چلتا ہوں۔ لباس تبدیل کروں گا اور پھر وہاں چلا جاؤں گا۔ آپ اپنی مصروفیات میں مگن رہیں

اور میرے سلسلے میں کچھ تردد نہ کریں۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ درحقیقت میں اب خود کو اس سلسلے کے لئے آمادہ کر رہا تھا کہ وہ کام جو میرے سپرد کئے گئے ہیں۔ انہیں بہ حسن و خوبی انجام دوں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ایک ملازم کے ذریعے فینی کو طلب کیا اور وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ میں اب بالکل پر سکون ہو چکا تھا۔ "آؤ فینی کیا ہو رہا ہے، باہر؟"

"جناب عالی میٹنگ کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ تغلق خان آ چکے ہیں۔ اور باقی افراد ساڑھے دس یا پونے گیارہ بجے تک پہنچ جائیں گے۔ آپ تیار ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ان لوگوں کے ساتھ مجھے جس طرح پیش آنا تھا، میں خود کو اس کے لئے تیار کرنے لگا۔ ایک عمدہ لباس میں، میں نے آئینے کے سامنے اپنا جائزہ لیا اور پھر ٹھیک گیارہ بجے کانفرنس ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں کے بارے میں مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ وہ تمام افراد آ چکے ہیں۔

آنے والے جس شکل و صورت کے مالک ہونے چاہئیں تھے، ویسے ہی تھے۔ بھانت بھانت کے چہرے جن میں کوئی نہ کوئی خاص بات موجود تھی۔ تغلق خاں وہاں پہلے ہی موجود تھا اور شاید میرے بارے میں ان لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہ سب اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے، ان کے چہروں پر احترام کے تاثرات تھے۔ تغلق خان نے ان لوگوں سے تعارف کرایا۔ "ہمارے آقا، ہمارے مالک، پرنس دلاور۔" اس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

میں اپنی اس کرسی پر جا بیٹھا جو میرے لئے مخصوص تھی۔ میں ان لوگوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سارے کے سارے مجھ سے مرعوب نظر آ رہے تھے۔ تغلق خان نے باری باری ان سب کو مجھ سے متعارف کرایا اور پھر میٹنگ کا آغاز کرایا۔۔۔۔۔ میٹنگ کا آغاز کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "پرنس دلاور ہمارے درمیان آ چکے ہیں اور اب ہمیں ان کارروائیوں کا آغاز کر دینا ہے، جن کے لئے ہم ایک عرصے سے تیاریاں کر رہے تھے۔ صرف پرنس دلاور کی آمد کا انتظار تھا۔ دوستو ہرچند کہ پرنس دلاور جس حیثیت کے مالک ہیں، اس میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ پرنس کو دولت کی کوئی طلب ہو لیکن کام وہی ہوتا ہے جو سربلند رہ کر کیا جائے۔ یہاں اس ملک میں جتنے بھی افراد یہ کاروبار کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد تمہیں معلوم ہے، اس شہر میں اور دوسرے شہروں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو کالے دھندے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں خاص طور سے سیٹھ جبار کا نام لوں گا جو اس ملک کا سب سے بڑا اسمگلر ہے لیکن پرنس دلاور کا یہ ریکارڈ رہا ہے کہ وہ جہاں بھی

رہے سر بلند اور کامران رہے اور ان کے سامنے کوئی دوسرا سر اٹھانے کی جرات نہ کر سکا۔ پرنس دلاور شاہ دل انسان ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو وہ ہمیشہ فوقیت دیتے ہیں۔ یہاں ان کے بازوؤں کی پہنچ محدود نہیں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ یہ سیٹھ جبار سے زیادہ طاقتور ہیں اور اپنے مسائل حل کرنا بخوبی جانتے ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب بھی پرنس دلاور کے لئے کام کا آغاز کریں تو اپنے ذہنوں سے یہ خوف نکال دیں کہ آپ پر کوئی آنچ آ سکتی ہے البتہ جب اتنے دشمن سامنے ہوتے ہیں تو اس وقت پھرتی چالاکی اور مستعدی ہی زندگی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ کام آپ کا اپنا ذاتی ہے۔ ان الفاظ کے بعد میں چاہوں گا کہ ہر شخص پرنس دلاور کو ان تمام چیزوں سے روشناس کرائے جو ان کے لئے ضروری ہیں۔ میں فرینکائنٹس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی کارروائی کے بارے میں بتائے۔" تغلق خان یہ کہہ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

فرینکائنٹس ایک دیسی عیسائی تھا۔ چہرے سے بل ڈاگ معلوم ہوتا تھا۔ بھاری جبڑوں کی بناوٹ اس کی سخت دلی کی علامت تھی۔ قدرے پستہ قامت تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا۔ "سیٹھ اپن سالا کتے کا مافق ہے، ایک دم کتے کا مافق، مالک سے وفا کرتا ہے تو پھر اس پر جان بھی دیتا ہے۔ اپن کے ساتھ چوبیس آدمی ہے سیٹھ۔ سارے کے سارے کو ٹیک لوگ ہیں، جدھر کو بھڑا دو گے، اُدھر کو پیٹھ نہیں دکھائیں گا۔ سب کا سب فسٹ کلاس نشانہ باز اور تیراک ہیں۔ اپن سمندر میں ہر کام کر سکتا ہے۔ لانچ پر مال لے جا سکتا ہے۔ لا سکتا ہے۔ کئی بار اپن بحری پولیس کو انگلیوں پر نچایا اور مال نکال کر لایا۔ اپن کسی سے نئیں ڈرتا ہے سیٹھ۔ اپنا کام کرتا پڑا----- پر اب تغلق خان ہم کو بولا کہ پرنس دلاور کے لئے کام کرو تو اپن تیار ہو گیا کیونکہ اپن تغلق خان کا شاگرد ہے۔ اپن آپ کو ایک بات کا یقین دلاتا ہے سیٹھ کہ سمندر میں اپن کبھی مار نہیں کھائے گا۔ کیا مجال ہے کسی سیٹھ جبار کا یا کسی اور سیٹھ کا جو اپن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مال نکال لائے۔ سیٹھ جبار کو اپن اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ کئی بار کوشش کیا کہ اپن کو اپنی ٹولی میں شامل کرے لیکن اپن نہیں مانا تو سیٹھ، اپن، آپ کا وفادار بن چکا ہے۔ اپن کو ان تمام سمندر کے راستوں کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ جدھر سے اسمگلنگ کا مال آتا ہے۔ جیسا آپ بولیں گے، ویسا ہی کرے گا اور اس میں کوئی غلط کام نئیں کریں گا۔" اس شخص نے کہا اور بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے مسٹر فرینکائنٹس، پرنس دلاور سے تم جو کچھ چاہو گے پرنس دلاور تمہیں دے گا۔ اس سلسلے میں تمہیں کبھی مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ، اپن آپ کی غلامی کا فارم بھرتا پڑا۔" فرینکائنٹس نے کہا----- پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ سمندر میں فولادی ٹیگ چلانے کا ماہر ہے اور ضرورت پڑنے پر جہازوں کو بھی غرق کر سکتا ہے۔ اس کے بعد چند دوسرے لوگوں نے بھی اپنا اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ سب عملی لوگ ہیں اور پرنس دلاور کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہیں----- پھر میں نے ان سب سے کہا۔

"میں تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں کہ آپ لوگ میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ میری ذات سے آپ لوگوں کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی اور میں ہر طرح سے تمہارے معاملات کا خیال رکھوں گا۔ میرا مقصد قانون سے ٹکرانا نہیں ہے۔ ہر چند کہ ہم لوگ اسمگلنگ کی مارکیٹ کو کنٹرول کریں گے اور اسمگل کیا ہوا مال خریدیں گے اور باہر سے لائیں گے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہو گا کہ ہم دولت کمائیں بلکہ ہم یہاں اسمگلنگ کی مارکیٹ ڈاؤن کریں گے اور سیٹھ جبار کو ایسے جھٹکے دیں گے کہ وہ چیں بول جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں باہر سے بھی دولت حاصل کرنا ہو گی۔ یعنی ہم لوگ باہر کا لایا ہوا مال اتنا سستا بیچیں گے کہ لوگ تصور بھی نہ کر سکیں لیکن بیرونی ملکوں سے ہمیں دولت حاصل کرنا ہو گی تاکہ ہمارا یہ کاروبار چل سکے۔ اس سلسلے میں، میں آپ لوگوں کی تمام تجاویز کا خیر مقدم کروں گا۔ جو بات بھی آپ میں سے کسی کے ذہن میں ہو، مجھے بتا دے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ، ایسا ہی ہو گا۔ ہم بہت سی ایسی چیزیں یہاں سے باہر اسمگل کریں گے جن کی بیرون ملک میں بہت زیادہ قیمت ملے گی اور باہر سے وہ چیزیں لائیں گے جو ہمارے ملک میں بہت مہنگی ہوں گی اور ہم انہیں بے حد سستا بیچیں گے۔ اس طرح ہمارے ملک کو تھوڑا سا نقصان تو ہو گا لیکن وہ اسمگلر موت کی نیند سو جائیں گے جو یہاں اپنی اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں۔"

تقریباً تین گھنٹے تک یہ میٹنگ جاری رہی۔ ان لوگوں نے میرے رویے کو بھی بہت پسند کیا تھا اور اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ پرنس دلاور درحقیقت ایک اچھا انسان ہے اور اس اچھے انسان کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں۔ پھر تغلق خان نے ہم سے اجازت چاہی اور یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔

تغلق خان انہیں باہر تک چھوڑنے گیا تھا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو وہ واپس میرے پاس پہنچ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "منصور صاحب! آپ کی پر اثر شخصیت ان تمام لوگوں پر اثر انداز ہوئی ہے۔ سب آپ کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔ بہر طور اب آپ جب بھی حکم دیں گے، کام کا آغاز ہو جائے گا۔"

"سب سے پہلے یہاں کی بلیک مارکیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں پھر تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ سیٹھ جبار کا مال یہاں کس کس انداز میں آتا ہے اور کہاں کہاں فروخت ہوتا ہے۔ اس مارکیٹ میں اپنا جال بھی پھیلا دو اور سیٹھ جبار کو جگہ جگہ شکست دو۔" میں نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا لیکن اس کے لئے بہتر ہو گا کہ آپ اپنے دوسرے شعبے سے کام لیں یا پھر اعظم اور طاہر اس سلسلے میں بہتر رہیں گے۔ مجھے ان لوگوں کو کنٹرول کرنے دیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا اور اس کے لئے ایک پلان بنا کر آیا تھا۔ آپ سن لیں۔ دراصل آج کل چند چیزوں کی ابھی خاصی قیمتیں چڑھی ہوئی ہیں اور سیٹھ جبار کے دو گودام ایک ایسے علاقے میں واقع ہیں جو کسی قدر ویران ہی ہے۔ ان گوداموں میں مال بھرا ہوا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہ گودام خالی کر دیں اور چند دن کی خاموشی کے بعد یہ مال مارکیٹ میں پھینک دیں۔ اس طرح سیٹھ جبار سے چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہو جائے گا۔ سمندر میں ہم اس کی لانچیں پکڑیں گے اور ہر وہ ذریعہ استعمال کریں گے جو اس کی تباہی کا باعث بن سکے۔"

"انتہائی مناسب ہے لیکن ان گوداموں کو خالی کرنے کا کیا طریقہ اختیار کرو گے؟"

"کوئی بھی راستہ متعین کر لیا جائے گا۔ تغلق خان ایسے کاموں کا ماہر ہے۔"

"ٹھیک ہے تغلق خان لیکن ہاتھ پاؤں بچا کر۔۔۔۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔" تغلق خان نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر مجھ سے اجازت طلب کر کے وہ بھی چلا گیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ بہروز' سرخاب کے پاس چلا گیا تھا۔ اس لئے میں کافی دیر تک تنہا بیٹھا حالات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ پھر فینی میرے پاس پہنچ گئی۔ "دوپہر کا کھانا نہیں کھائیں گے' پرنس؟"

"اوہ فینی' تھوڑا بہت تو کھاؤں گا۔ ویسے طبیعت پر کچھ بوجھ ہے۔ اس لئے میرے لئے کسی ہلکی غذا کا بندوبست کرنا۔"

"بہت بہتر۔ کیا بہروز صاحب دوپہر کے کھانے پر موجود نہیں ہوں گے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس کا انتظار کرنا بے کار ہے۔"

"بہت بہتر۔" فینی باہر جانے لگی تو میں نے اسے آواز دی۔ "فینی یہاں آؤ۔"

وہ چونک کر رکی اور پھر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی میرے نزدیک آ گئی۔ "میں نے

اس دوران مسلسل یہ بات محسوس کی ہے کہ تم نے اچانک اپنی فطرت کو تبدیل کر لیا ہے' حالانکہ ابتدا میں جب تم مجھ سے ملی تھیں تو تمہارے انداز سے ایک شوخ لڑکی کا اظہار ہوا تھا جبکہ بعد میں' اس انداز میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ میں کوئی بھی بات دل میں رکھنے کا عادی نہیں ہوں' پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرے رویے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے؟"

"اوہ' نہیں جناب۔ آپ نے یہ بات کیوں سوچی؟"

"پھر تمہارے اس انداز میں تبدیلی کی کیا بنیاد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی خاص بات نہیں مسٹر منصور' دراصل میں نے اپنی شخصیت کو کنٹرول کیا ہے۔ میری فطرت میں بے باکی ہے۔۔۔۔۔ یہ بے باکی کبھی بھی میری معاون نہیں رہی بلکہ اس نے مجھے رسوا ہی کیا ہے۔ آپ کی شخصیت اس قدر پرکشش اور دلچسپ ہے' دل چاہتا ہے کہ آپ سے بہت زیادہ بے تکلفی سے ملا جائے لیکن جناب عالی' اپنا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے' ہم جس حیثیت کے مالک ہیں' اگر اس سے آگے بڑھے تو نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔"

"ممکن ہے تم نے میری ذات میں کوئی خامی محسوس کی ہو لیکن میں بے تکلفی کو ناپسند نہیں کرتا۔ بس اپنی اپنی فطرت ہے۔ جہاں میرے لئے احترام کی ضرورت سمجھو' احترام کرو اور جہاں نہ سمجھو وہاں خود کو ریزرو رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ باقی تمہارا اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم یہاں جس انداز میں چاہو' وقت گزارو' مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"شکریہ جناب' آپ نے یہ الفاظ کہے۔ آپ نے میری ذات کے بارے میں سوچا' مجھے اس پر فخر ہے۔ بہرطور میں خیال رکھوں گی اور آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" فینی نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

وہ چلی گئی تو میں ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جن کے ساتھ ابھی خاصا وقت گزار کر آیا تھا۔ خاصے ہولناک لوگ تھے یہ۔۔۔۔ میں انہیں کبھی پسند نہ کرتا اور وہ سب کچھ بھی نہ کرتا جو کر رہا تھا لیکن مجھے اسی کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا۔ فی الوقت اور کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چار بجے تک لیٹا رہا۔ ذہن میں مختلف خیالات آتے رہے۔ ایاز کے بارے میں بھی سوچا اور یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہا کہ چمن سے ایاز کا انتقام کس طرح لیا جائے۔

دوپہر کا کھانا بہت ہلکا کھایا تھا اس لئے طبیعت پر گرانی طاری نہیں ہوئی تھی۔ چار بجے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اپنے طور پر کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ نہا دھو کر تیار ہوا۔ ایک

ایسا لباس نکالا جو پرانی قسم کا تھا۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا جس سے معمولی سی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں------ اور پھر میں وہاں سے نکل آیا۔ میں نے راشدہ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اب اسی کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔ میں نے کوٹھی سے نکلتے ہوئے فینی کو اس بات کی اطلاع دے دی تھی کہ میں جا رہا ہوں اور رات کو کسی بھی وقت واپس آ جاؤں گا۔ کوٹھی سے نکل کر میں پیدل ہی چلتا رہا۔ قرب و جوار کا ماحول سنسان تھا۔ یوں بھی یہ کوٹھی جس علاقے میں واقع تھی' وہاں زیادہ رونق نہیں تھی۔ ٹیکسی حاصل کرنے کے لئے مجھے تقریباً" دو میل پیدل چلنا پڑا۔ پھر میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو اس علاقے کا پتہ بتا دیا تھا جہاں سے میں راشدہ کے گھر جا سکتا تھا۔

ٹیکسی میں بیٹھا ہوا میں خاموشی سے اپنے شہر کی سڑکوں کو دیکھتا رہا۔ مجھے اس شہر کے ذرے ذرے سے محبت تھی لیکن وقت نے مجھے مجرم بنا دیا تھا۔ اور آج ایک مجرم ان سڑکوں سے گزر رہا تھا---- پھر انہی خیالات میں گم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ ڈرائیور نے جب ٹیکسی سڑک کے کنارے روکی تو میں بری طرح چونک پڑا----- پھر میں نے ماحول کو دیکھا اور ٹیکسی ڈرائیور کو کرائے کی رقم ادا کر کے نیچے اتر آیا----- کچھ دور پیدل چلتا رہا اور پھر بوسیدہ مکانوں کے درمیان سے گزرتا ہوا راشدہ کے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔

اس مکان کی حالت ویسی کی ویسی تھی۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے اور اب امکان اس بات کا تھا کہ اگر راشدہ کہیں ملازمت بھی کر رہی ہے تو گھر واپس آ چکی ہو گی۔ دروازے پر دستک دی اور دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ چند ہی لمحے بعد راشدہ کے چھوٹے بھائی نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مجھے پہچان نہ سکا۔ اس لئے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "ہیلو کیا راشدہ گھر پر ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں' آپ کون صاحب ہیں؟"

"راشدہ سے کہو منصور آیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور لڑکا اندر چلا گیا۔ چند ہی لمحے بعد راشدہ کھلے سر اور ننگے پاؤں دروازے پر نظر آئی اور مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے جذباتی تاثرات رقصاں تھے۔ چند ساعتیں وہ دانت بھینچے مجھے دیکھتی رہی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے وجود میں ہلچل مچ گئی ہو لیکن پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آئی اور وہ آنکھیں جھکا کر پیچھے ہٹ گئی۔ "آیئے آیئے -----" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ راشدہ نے دروازہ بند کر دیا۔ معمولی سے لباس میں تھی۔ چہرے پر خاصی نقاہت نظر آ رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وہ شوخ مسکراہٹیں نہ جانے کہاں جا سوئی تھیں۔ میں صحن میں پہنچ گیا اور پھر میں نے زور سے آواز لگائی۔ "امی----- امی' کہاں ہیں آپ؟"

راشدہ میرے پیچھے خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس کی طرف پلٹا۔ راشدہ کا بھائی بھی ایک سمت کھڑا تھا۔ دفعتاً" مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا اور میں تڑپ کر راشدہ کی طرف مڑا۔

"راشدہ! امی کہاں ہیں۔ تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

------ اور جواب میں راشدہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"اوہ' اوہ راشدہ! کیا----- کیا خدانخواستہ امی کو----- امی کو----- تم بتاؤ۔ تم بتاؤ منے امی کہاں ہیں؟" میں نے راشدہ کے بھائی سے پوچھا۔

"امی کا انتقال ہو چکا ہے۔" راشدہ کے بھائی نے آہستہ سے جواب دیا۔

مجھے دلی صدمہ ہوا تھا۔ راشدہ کی امی میری امی کی مانند تھیں' پر محبت اور پر خلوص۔ مجھے بے حد چاہتی تھیں اور مجھے بھی ان کی پر شفقت آغوش میں بے حد سکون ملتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ راشدہ کی طرف بڑھا۔ پھر میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے آگے کی جانب دھکیلتا ہوا بولا۔ "مجھے بے حس افسوس ہوا' راشدہ یہ کب ہوا اور کیسے......؟"

"تین ماہ ہو چکے ہیں----- ہارٹ اٹیک ہوا تھا' انتقال ہو گیا۔" راشدہ نے جواب دیا۔

"راشدہ' سرخاب اور گل وغیرہ سے تم نے ملنا جلنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"بس میں ان لوگوں کی برابری نہیں کر سکتی تھی' کوئی جوڑ نہیں تھا ہمارا۔ مسز جہانگیر میری مالک رہ چکی ہیں۔ میں نے ان کے ہاں سے نوکری صرف اسی وجہ سے چھوڑ دی کہ وہ نوکری' نوکری نہیں رہی تھی بلکہ احسان بن گئی تھی اور سرخاب تو اتنی پیاری لڑکی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اس نے ضد کی تھی کہ میں امی کے ساتھ اس کے پاس جاؤں۔ امی نے یہ بات قبول نہیں کی۔ کہنے لگیں کہ ہمیشہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے جو اپنے برابر کے ہوں۔"

"یہ تمہاری سوچ تھی راشدہ' ورنہ میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

میں دالان میں پڑی ہوئی ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ راشدہ بھی بیٹھ گئی۔ اس کا بھائی وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اشارے سے اسے اپنے نزدیک بلایا اور راشدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ تمہارا بھائی ہے نا راشدہ؟"

"ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں آپ کو غالباً" بتایا تو تھا۔"

"میں' میں نہیں جانتا تھا کہ تمہارا کوئی بھائی بھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تعجب ہے۔ ویسے ان دنوں میں یہ سکول میں پڑھتا تھا اور میں نے اسے بورڈنگ ہی میں چھوڑ رکھا تھا کیونکہ اس علاقے کا ماحول اچھا نہیں ہے۔"

"ان دنوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میں ان دنوں کی بات کر رہی ہوں جب میں جہانگیر لمیٹڈ میں کام کرتی تھی۔"

"اور اب یہ نہیں پڑھتا؟" میں نے سوال کیا اور راشدہ خاموش ہو گئی' اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر تلخ انداز میں بولی۔

"نہیں' اب یہ نہیں پڑھتا' کیونکہ ہمارے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔"

"راشدہ تمہارے ساتھ میری دوستی تو دشمنی ثابت ہوئی۔ دراصل میں خود اپنے حالات میں اتنا گھرا ہوا تھا کہ تمہاری جانب توجہ نہیں دے سکا۔ان دنوں تو سرخاب سے بھی ملنا نہیں ہو رہا تھا۔ میں اس سے الگ ہو گیا تھا۔ چنانچہ تمہاری خبر بھی نہ مل سکی۔ بہر طور' میں اپنی اس کوتاہی پر شرمندہ ہوں۔"

"نہیں منصور صاحب! اس دور کا ہر انسان اپنے بے پناہ مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ کون کسی کے لئے اتنا بھی کرتا ہے۔ یہ تو آپ کی محبت اور عنایت ہے کہ ہم آپ کو یاد آ گئے۔ امی نے بارہا آپ کو یاد کیا۔ میں نے امی کو آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ بھی بڑی متحیر تھیں لیکن بجھ سی گئی تھیں۔ کہتی تھیں کہ ممکن ہے منصور ایک خدا ترس انسان ہوں لیکن حالات اور ماحول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی بھی دولت مند شخص کسی غریب آدمی کو سر چڑھائے۔ غریب آدمی عموماً مصیبت بن جاتے ہیں۔"

"راشدہ' تمہیں اس بات کا تو علم تھا کہ سرخاب میری منہ بولی بہن تھی اور ان لوگوں نے بھی مجھے غریب سمجھ کر ہی یہ حیثیت دی تھی۔ میں نے وہ ملازمت تفریحاً نہیں کی تھی۔ وہ میری ضرورت تھی راشدہ' میں رہتا سرخاب کے ہاں تھا کیونکہ اس دنیا میں میرا کوئی نہیں تھا' بہرطور یہ کہانی تو جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں۔ تم بتاؤ آج کل کیا کر رہی ہو؟"

"پہلے یہ بتائیے کہ چائے پئیں گے آپ؟"

"اگر تم پلاؤ گی تو کیسے انکار کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو مجھے اجازت دیجئے میں چائے بنا لاؤں۔"

"ٹھیک ہے جب تک تم چائے بناؤ۔ ہم ان حضرت سے گفتگو کریں گے۔ کیا نام ہے بھئی تمہارا' ادھر آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔" میں نے بچے سے کہا۔

"نوید۔" اس نے جواب دیا۔

"بڑا خوبصورت نام ہے۔ بیٹے کون سی کلاس میں پڑھتے تھے تم اس وقت۔"

"جی' پانچویں کلاس میں۔" بچے نے جواب دیا۔

"اسی وقت سے پڑھنا چھوڑا ہوا ہے؟"

"جی ہاں-----"

"اور اب کیا کرتے ہیں؟"

"پاپڑ بیچتا ہوں' تلے ہوئے پاپڑ۔ یہاں پچھلی گلی کے کونے پر ایک سینما ہے۔ وہاں ساڑھے تین بجے کھڑا ہوتا ہوں پھر شام کو ساڑھے چھ بجے' رات والے شو میں باجی نہیں جانے دیتیں۔"

"اوہ' کتنے پیسے مل جاتے ہیں بیٹے پاپڑ بیچنے سے؟"

"جی' دو تین روپے روزانہ بچ جاتے ہیں۔"

"اور باجی کیا کرتی ہیں' تمہاری؟"

"جی وہ نوکری کرتی ہیں لیکن کہاں' مجھے معلوم نہیں۔ ہر روز نو بجے جاتی ہیں اور شام کو ساڑھے چار بجے واپس آ جاتی ہیں۔"

"اوہ' اس دوران تم گھر ہی میں رہتے ہو گے؟"

"جی ہاں' خالہ جان پاپڑ بناتی ہیں' میں ان سے پاپڑ خرید لیتا ہوں اور پھر یہ بیچ آتا ہوں۔"

"یہ خالہ جان کون ہیں؟"

"برابر والے گھر میں رہتی ہیں' ان کے دو بچے بھی پاپڑ بیچتے ہیں اور ان بچوں کے ابو بھی۔" نوید نے جواب دیا۔

میں کسی قدر متحیر رہ گیا۔ راشدہ کے سامنے اب صرف اس کا بھائی تھا۔ وہ بیمار ماں مر چکی تھی جس کی دواؤں کے لئے وہ محنت کرتی تھی۔ اس وقت تو یہ بچہ بھی بورڈنگ میں پڑھتا تھا۔ پھر اب راشدہ کے حالات اس قدر خراب کیوں ہو گئے؟ میں سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا لائی۔ میں نے چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے کر چسکیاں لینی شروع کر دیں تو راشدہ بولی۔ "یہ آپ کے قابل تو نہیں ہو گی منصور صاحب لیکن-----"

"نہ جانے تم کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو راشدہ۔ میرا گھر بھی تمہارے گھر سے مختلف نہیں تھا۔ چھوٹا سا غریب سا گھرانہ جہاں یہی سب کچھ ہوتا تھا مجھے تو یوں سمجھو کہ حالات نے اٹھا کر کہیں اور پھینک دیا ہے ورنہ یہ گھرانے جس قدر خوشحال ہوتے ہیں' امیروں کے محل ان خوشیوں سے عاری ہوتے ہیں۔"

"شاید ---- آپ کیا کر رہے ہیں، آج کل؟"

"بس راشدہ یہ نہ پوچھو۔ تقدیر کی ڈور میں الجھا ہوا ہوں اور فضاؤں میں چکراتا پھر رہا ہوں۔ میں کٹ چکا ہوں، راشدہ، اور کسی بھی لمحے گر جاؤں گا۔"

راشدہ کی آنکھوں میں اضطراب کے آثار نمایاں ہو گئے۔ "کیا بات ہے، بہت پریشان ہیں؟"

"نہیں، پریشان نہیں ہوں بلکہ بہت خوش و خرم ہوں۔ تم دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی لیکن دل کے معاملات کچھ اور ہوتے ہیں۔ دل کی لگن ہی مجھے تمہارے پاس لائی ہے۔ میں تمہیں بھول نہیں سکا تھا۔"

"اس کے لئے میں شکرگزار ہوں۔ ویسے میں نے سرخاب سے یہ بات کہی تھی کہ میں غلط فہمی میں گرفتار ہو کر ان راستوں پر نکل گئی تھی۔---- پھر میں وہیں سے واپس ہو گئی اور اس کے بعد میں نے کبھی ان راستوں کے بارے میں نہیں سوچا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہی، کہ اگر آپ اب مجھ سے کوئی سہارا چاہتے ہیں تو افسوس میں وہ سہارا آپ کو نہیں دے سکوں گی۔"

"اگر میں یہ سب کچھ چاہتا تو اس وقت اتنی شرمندگی نہ اٹھانا پڑتی۔ میں تم سے اس کا اظہار کر دیتا کہ میں تمہارے ساتھ زندگی کے کٹھن راستوں پر چلنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے تنہا ہی ان راستوں پر سفر کرنا ہو گا۔ البتہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں، تمہیں تنہا نہ رہنے دوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"رہنے دیجئے۔ کہاں کہاں اجڑے لوگوں میں بھٹکتے پھریں گے۔ یہاں تو ہر تیسرا گھر میری ہی طرح بے بسی کا شکار ہے۔ آپ ان ساری باتوں کو ذہن سے نکال دیں۔ آپ آئے بڑی خوشی کی بات ہے۔ اگر آتے رہیں گے تو مجھے اور خوشی ہو گی۔"

"اچھا، اچھا۔ میں ان تمام باتوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ تم تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں----؟" وہ حیرت سے بولی۔

"بس جہاں بھی لے چلوں۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"لیکن یہ مناسب نہ ہو گا۔ میں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو سیٹ کیا ہے۔ اب میں

بھٹکنا نہیں چاہتی۔"

"میں تمہیں بھٹکانے نہیں آیا بلکہ تم سے انتہائی مخلصانہ انداز میں کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ تم سوچ رہی ہو۔ وہ غلط ہے۔ میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی نہیں بناؤں گا اور نہ ہی ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں تمہاری زندگی میں ایک ساتھی دیکھنے کا خواہشمند ہوں اور تمہیں میری یہ بات ماننا ہو گی۔ نہ جانے کیوں دل یہ کہتا ہے راشدہ کہ تم میری اس خواہش کو قبول کر لو گی۔"

"دل تو ہمیشہ دھوکا دیتا ہے منصور صاحب، آپ کو غلط فہمی ہے میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی میں خود بھی اپنی زندگی کے لئے ایک مضبوط سہارا چاہتی ہوں لیکن اس کے لئے مجھے وقت درکار ہے۔ جب یہ وقت آئے گا تو شاید میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں اور آپ سے کہوں کہ مجھے سہارا دیجئے اور میری زندگی کو کسی ایسے شخص سے منسلک کر دیجئے جو میرا بوجھ اٹھا سکے۔" راشدہ نے انتہائی مضبوط لہجے میں کہا۔

میں تھوڑی دیر سکوت کے عالم میں، راشدہ کے الفاظ کا وزن محسوس کرتا رہا، پھر میرے اندر عجیب سی کیفیت ابھر آئی۔ میں نے کسی قدر خشک اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس دوران میں جن حالات کا شکار رہا ہوں، ان کے بارے میں تمہیں تفصیل بتانا بیکار ہے تاہم میں ہر لمحے موت اور زندگی کی کشمکش کا شکار رہا۔ وطن سے ہزاروں میل دور میں ایک ایسی جگہ پر پھنسا ہوا تھا۔ جہاں سے زندہ واپسی ممکن نہیں تھی پھر جب حالات نے مجھے مہلت دی اور اپنوں کے بارے میں سوچا تو ان میں تمہارا نام بھی شامل تھا۔ میں تمہیں تلاش کرتا ہوا یہاں تک آ گیا لیکن اب محسوس ہوا کہ یہ میری غلط فہمی تھی۔ اب اجازت دو۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ راشدہ سکتے کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ میں نے نوید کا بازو پکڑا اور اس کے ساتھ صحن سے گزر کر دروازے تک پہنچ گیا۔ "اچھا نوید، خدا حافظ بیٹے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تمہیں تمہارا صحیح مقام دے۔ خدا حافظ۔"

"سنئے تو سہی منصور صاحب۔ سنئے۔" راشدہ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

میں نے سپاٹ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ "کیا بات ہے راشدہ؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ادھر آیئے۔ آپ کو خدا کا واسطہ----" اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔

میں چند قدم چل کر صحن کے درمیان پہنچ گیا۔ "ہاں کہو۔ میرا خیال ہے، ہمارے درمیان اب کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی یہاں نہیں آؤں گا۔"

"مجھے معاف کر دیجئے خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔ بس میں عجیب سے احساسات

کا شکار ہوں جو کچھ کہہ گئی ہوں وہ واقعی مجھے نہیں کہنا چاہئے تھا۔ آیئے بیٹھ جائیں۔"

"کیا میرے اس فیصلے میں کوئی گنجائش نکالنا چاہتی ہو؟"

"آپ بیٹھ تو جایئے۔" اس بار راشدہ کا لہجہ بہت زیادہ بدلا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ پھر وہ مجھے کسی قدر گھسیٹتی ہوئی وہاں تک لے گئی جہاں میں تھوڑی دیر قبل بیٹھا تھا۔ "بیٹھ جایئے۔ میں کہتی ہوں بیٹھ جایئے۔" اس نے ضدی انداز میں کہا۔

میں بیٹھ گیا۔ "عجیب بات ہے۔ تمہارا لہجہ ایک بار پھر بدل گیا۔"

"بس اب میں فضول بات نہیں سنوں گی۔ واقعی میرا رویہ سخت ہو گیا تھا۔ آپ اس قسم کے آدمی نہیں ہیں جیسی میں نے آپ سے بات کی تھی۔"

"آپ کو یہ احساس ہو گیا؟"

"ہاں ہو گیا ہے۔ اب معاف کر دیں۔ آپ تو بڑے ہی ضدی آدمی ہیں۔"

"معاف کر دوں گا مگر ایک شرط پر----- اعتراف کرو کہ تم نے-----"

"اب اور کچھ نہ کہئے۔ صرف یہ بتایئے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ ہمدرد بن کر آئے ہیں تو میرے سارے مسائل سمیٹ لیجئے۔ میرا کوئی نہیں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کرتی ہوں تنہا ہی کرتی ہوں۔ جو کچھ سوچتی ہوں تنہا ہی سوچنا پڑتا ہے۔ منصور صاحب مجھے سہارے چاہئیں۔ میں اپنے چھوٹے بھائی کی پرورش کرنا چاہتی ہوں۔ اسے ایک ایسا انسان بنانا چاہتی ہوں جس کا معاشرے میں کوئی مقام ہو لیکن میرے چاروں طرف تاریکی ہے۔ میں آج کل بہت گھٹیا سی ملازمت کر رہی ہوں جس میں ہم دونوں جانوروں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں کسی کا دامن پکڑ لوں۔ کیا دامن پکڑنے والے اتنے ارزاں ہوتے ہیں۔ مل جائے گا کوئی ایسا جو مجھے اپنا لے؟" راشدہ کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں راشدہ' یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ میں تمہاری ذہنی کیفیت سمجھتا ہوں اور تمہاری عزت کرتا ہوں کہ تم عام قسم کی لڑکیوں میں سے نہیں ہو۔ میں اس بات کو خلوص دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ تم رومان پسند نہیں ہو اور تم سے وہ چھوٹا سا رابطہ کسی بھی رومان کا نتیجہ نہیں تھا اگر میں اپنے حالات کا شکار نہ ہوتا تو بڑی سچائی کے ساتھ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیتا لیکن راشدہ میری زندگی بارود کا ڈھیر ہے۔ کسی بھی وقت کوئی ہلکی سی چنگاری اسے فنا کر سکتی ہے۔ ممکن ہے آنے والا وقت' تمہیں میرے بارے سب کچھ بتا دے۔ اس وقت تم یقیناً مجھے بے قصور سمجھو گی۔ راشدہ میں ایک سچا جذبہ لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اٹھو میرے ساتھ چلو اسی وقت یہ گھر

چھوڑ دو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کر لو تاکہ میرا بھرم رہ جائے' میرا مان رہ جائے۔"

"کہاں لے چلو گے منصور! مجھے بتا تو دو میں اتنی ٹوٹی ہوئی ہوں منصور! کہ اب----- اب میری کیفیت عجیب سی ہو گئی ہے میں نہیں جانتی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے' میں کیا ہو گئی ہوں؟ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ میرا مستقبل کیا ہو گا؟"

"اپنے مستقبل کو میرے اوپر چھوڑ دو راشدہ آؤ میرے ساتھ چلو' پلیز آؤ۔" میں نے کہا اور اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں اب اس سے انکار نہیں کروں گی' جو بدتمیزی تم سے کر چکی ہوں' اب اسے دوبارہ نہیں دہراؤں گی لیکن منصور! خدا کے واسطے میری----- ایک التجا پر غور کر لو اگر تم مجھے سرخاب کی کوٹھی پر لے جا رہے ہو تو نہ لے جاؤ منصور میرے لئے جو کچھ کرنا ہے اس گھر میں رہ کر کرو' مجھے یہیں رہنے دو۔ جو کوئی بھی میرے لئے یہاں آئے گا وہ میرے لئے باعث عزت ہو گا۔ وہ مجھے جہاں لے جائے گا' میں چلی جاؤں گی لیکن اسے یہ دکھا دو کہ میں کس ماحول کی پروردہ ہوں تاکہ اس کی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر کسی اور احساس کی چمک نہ جاگ اٹھے۔ وہ مجھے غلط نہ سمجھ لے منصور' میں اس برے وقت کو نہ نبھا سکوں گی جب میں اس کے معیار پر پوری نہ اتروں گی۔"

راشدہ کی التجا ایسی تھی کہ میرا دل ہل کر رہ گیا۔ درحقیقت اس کی سوچ سچائی پر مبنی تھی----- میں نے خلوص دل سے اس کی سچائی کو تسلیم کر لیا۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر میں نے گردن اٹھائی تو دیکھا کہ راشدہ التجا بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے راشدہ' میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ تمہاری سوچ ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"شکریہ منصور' شکریہ میرے بھائی۔" راشدہ نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ یہ اس کی بے بسی کی انتہا تھی۔ بالآخر اس نے مجھے ایک مقدس رشتہ دے دیا تھا کیوں کہ وہ سمجھ چکی تھی کہ میں اس کے راستوں کا راہی نہیں ہوں اور میری اپنی منزل دھندلکوں میں گم ہے۔ میں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا اور میں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"اب جبکہ تو نے مجھے بھائی کہہ دیا ہے راشدہ تو بس میرے سامنے کبھی کچھ نہ بولنا۔ جو میرا دل چاہے گا' کروں گا لے یہ رکھ کل سے ملازمت پر مت جانا۔ اور ابھی نوید کے بارے میں' میں خود ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ فی الوقت اس کے لئے تمہیں کچھ کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ نوید کچھ نہیں کرے گا۔ یہ پاپڑ نہیں بیچے گا۔ راشدہ اسے ایک اعلیٰ زندگی دینا ہمارا فرض ہے۔ میں اسے پہلے کی طرح بورڈنگ میں داخل کرا دوں گا لیکن بس تو میرا انتظار کرنا اور اب تو ایک بھائی کی بہن ہے۔ اس لئے کسی بھی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں اگر تیری آنکھ میں ایک بھی آنسو چمکا تو یقین کر میں تجھے مخلص نہیں سمجھوں گا۔"

"نہیں منصور بھیا! جن بہنوں کو بھائی مل جاتے ہیں۔ وہ روتی نہیں ہیں۔ ان کے تو بڑے مان ہو جاتے ہیں۔" راشدہ نے مجھے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ اس کے بدن کا لمس مجھے مقدس محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے کتنی بہنیں مل گئی تھیں کتنے اپنے مل گئے تھے لیکن وہ آج بھی مجھ سے دور تھے جو درحقیقت میرے اپنے تھے۔

○

راشدہ نے اس کے بعد میرے کسی عمل سے کوئی تعرض نہیں کیا جو رقم میں نے اسے خرچ کے لئے دی۔ اس نے رکھ لی اور کافی دیر کے بعد میں اس سے رخصت ہو کر واپس اپنی رہائش گاہ پہنچ گیا۔

بہروز دوسرے دن صبح کو واپس آیا حالانکہ رات کو اس نے مجھے ٹیلی فون کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ سرخاب کے پاس ہے اور صبح کو واپس آئے گا۔

دوسرے دن وہ تقریباً" گیارہ بجے میرے پاس پہنچا تھا۔ حسب معمول مردانہ لباس میں تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کہئے حضرت کیا گل کھلا آئے۔" میں نے شگفتہ انداز میں پوچھا۔

"ان لوگوں نے مجھے آنے نہیں دیا تھا ورنہ شاید میں رات کو وہاں نہ رکتا۔"

"کوئی بات نہیں ہے بھائی، ہمیں کیا کرنا تھا آپ کا، رک گئے بڑا اچھا کیا لیکن یہ تو بتاؤ رات کو کس حیثیت سے رکے تھے؟"

"اپنی اصل حیثیت سے۔"

"اب نخرے ہو رہے ہیں، یہ نہیں بتاؤ گے کہ کس انداز میں ان پر تم نے اپنا انکشاف کیا؟"

"بس جھوٹ بولنا تھا، بول دیا۔ میں، سرخاب اور لیڈی جہانگیر کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ وہ مجھ سے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہیں۔ مجھ سے میرے بھائی کے بارے میں پوچھا اور پھر کچھ ایسی گفتگو شروع ہو گئی کہ میں تھوڑا سا افسردہ ہو گیا۔ سرخاب نے بڑی دلجوئی کی میری اور میں کچھ ایسا بے خود

ہوا کہ میں نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔"

"کمال ہو گیا، بس یہیں سے حالات بگڑ گئے ہوں گے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، سرخاب بہت مخلص ہے۔ اس نے بڑی سچائی سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی کہ جب تک ہم لوگ حیات ہیں مجھے کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ میں تھوڑی دیر تک تو اسی انداز میں بیٹھا رہا۔ پھر میں نے گل سے مخاطب ہو کر کہا------ "میں ایک انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے میں ساری دنیا سے چھپائے ہوئے ہوں۔ یہاں تک کہ منصور سے بھی لیکن آپ جیسے مخلص لوگوں کے درمیان آ کر مجھے اپنے جرم کا احساس ہو رہا ہے کہ میں نے ایک بات اپنے سینے میں پوشیدہ رکھی ہوئی ہے۔"

دونوں حیران ہو گئیں اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ وہ بات کیا ہے۔ تب میں نے انہیں بتایا کہ میں لڑکی ہوں، یقین کرو منصور دیکھنے کے قابل منظر تھا۔ وہ دونوں اس طرح مجھے دیکھ رہی تھیں جیسے انہیں میری دماغی حالت پر شبہ ہو لیکن بہرطور کسی نہ کسی طرح میں نے انہیں یقین دلا ہی دیا۔ اس کے بعد تو ان پر حیرت کے اتنے شدید دورے پڑے کہ بس انتہا ہی ہو گئی۔ انہوں نے پروفیسر شیرازی کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا اور پروفیسر نے بھی اس میں کافی دلچسپی لی اور پھر وہ بھی ان دونوں کی اس بات سے متفق ہو گئے کہ منصور کو میرے بارے میں نہ بتایا جائے اور کسی ایسے دلچسپ اور خوش گوار موقع پر اس بات کا اظہار کیا جائے کہ لطف آ جائے۔"

"ہوں، گویا آپ ڈبل کراس کرتی پھر رہی ہیں محترمہ؟"

"دیکھیں جناب اب ان ساری باتوں کا مقصد یہ نہیں------ کہ آپ محترمہ، محترمہ کہنا شروع کر دیں۔"

"تو ٹھیک ہے بھائی میں کب انکار کر رہا ہوں، آپ جو کچھ بھی رہنا چاہتے ہیں مسٹر بہروز! رہیں، ہمارا کیا ہے؟"

"ویسے آج مجھے آپ کی کیفیت کچھ خوش گوار نظر آ رہی ہے۔" بہروز نے کہا۔ "کل آپ کا کیا پروگرام رہا۔" بہروز نے پوچھا۔

"راشدہ سے ملا تھا۔"

"کیا گفتگو ہوئی؟"

"کوئی خاص نہیں، بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کے لئے عظمت سے بات کروں گا۔"

عظمت کی نئی رہائش گاہ کے بارے میں معلوم کرنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ میں

اس وقت بھی تنہا چل پڑا تھا۔ ریڈی میڈ میک اپ میرے چہرے پر فٹ تھا۔

حسن آباد میں چھوٹے چھوٹے بنگلے پھیلے ہوئے تھے۔ ٹیکسی ہی میں سے میں نے بنگلہ نمبر گیارہ دیکھ لیا تھا۔ باہر فرحت اللہ نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اس تختی کو دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی۔ ایک تباہ حال گھرانہ جو مایوسی کے آخری سرے تک پہنچ چکا تھا۔ اب سکون کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں نے بنگلے کے دروازے میں لگے ہوئے کال بیل بٹن پر انگلی رکھ دی۔ اندر کہیں گھنٹی کی آواز ابھری تھی۔ پھر پھاٹک کے دوسری طرف سے فرحت اللہ صاحب کا چہرہ نظر آیا۔ سفید شفاف لباس میں ملبوس تھے۔ صحت بہتر ہو گئی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر انہوں نے ذیلی کھڑکی کھولی اور سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا لیکن دوسرے لمحے انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ ان کی آنکھیں پہلے حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر ان سے مسرت پھوٹ پڑی۔

"ارے منصور میاں-----" وہ بے اختیار بولے۔

"پہچان گئے آپ مجھے؟"

"بیٹے----- بیٹے' کیا کہہ رہے ہو۔ پہچاننے کی بات کر رہے ہو۔" فرحت اللہ صاحب آگے بڑھے اور انہوں نے نہایت خلوص سے مجھے سینے سے لگا لیا۔ وہ دیر تک مجھے اسی طرح بھینچے کھڑے رہے۔

فرحت اللہ صاحب مجھے ہاتھ پکڑے اندر لے گئے۔

"صفیہ----- صفیہ بیٹے۔ بیگم آؤ بھئی۔ دیکھو کون آیا ہے؟" وہ مجھے---- بٹھا کر اندر کی طرف دوڑے۔

"کون ہے ابو؟" ایک آواز آئی۔

"جاؤ----- اندر دیکھو۔ دیکھو کون ہے۔" فرحت اللہ کی آواز باہر سے سنائی دی اور صفیہ نے اندر جھانکا اور پھر وہ اندر داخل ہو گئی۔

"منصور بھائی جان۔"

"اوہ صفیہ بیٹے۔ اتنی بڑی ہو گئی ہو۔ مجھے پہچان گئیں۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اپنے بھائی جان کو نہ پہچانتی۔ میں نے تو آپ کی یہ تصویر بنائی ہے۔" اس نے مینٹل پیس پر رکھی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم نے-----" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی میں نے۔ میں پینٹنگ سیکھ رہی ہوں۔"

"کمال ہے بلا شبہ کمال ہے۔" میں نے کہا اور اسی وقت فرحت اللہ صاحب اپنی بیگم کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ عظمت کی والدہ کو اتنے قریب سے میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ جھجکتی ہوئی سی آئی تھیں لیکن ان کی آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ نیچی نگاہیں کئے وہ میرے نزدیک آئیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"خداوند تمہیں دنیا کی تمام خوشیاں نصیب کرے۔ خدا تمہیں خوش رکھے بیٹے منصور۔" میں پہلی بار تمہارے سامنے آئی ہوں ممکن ہے میرے رویے میں تمہیں کچھ جھجک سی محسوس ہو لیکن تم اسے محسوس مت کرنا۔"

"اوہ نہیں امی جان' کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ' عظمت کیسے ہیں؟ کیا انہوں نے آپ کو میرے بارے میں کچھ بتایا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ اگر تم اسے دیکھو گے تو خوش نہ پاؤ گے۔ وہ تمہارے لئے دن رات تردد کا شکار رہتا ہے۔ میرا خیال ہے آنے والا ہی ہو گا۔ پانچ بجے گھر پہنچ جاتا ہے اور پانچ بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔" فرحت اللہ صاحب نے بتایا۔ ابھی ہمارے درمیان زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تھی کہ باہر سے کار کا ہارن سنائی دیا اور فرحت اللہ صاحب مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"لو بھئی عظمت آ گیا۔" انہوں نے کہا اور پھر مجوب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔ "گاڑی خرید لی ہے عظمت نے اور یہ مکان بھی ہمارا اپنا ہی ہے۔"

"خداوند قدوس مبارک کرے آپ کو' بڑی مسرت ہوئی یہ سب کچھ دیکھ کر۔" میں نے کہا۔ فرحت اللہ صاحب باہر جانے لگے تو میں خود بھی ان کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل آیا۔ فرحت اللہ صاحب گیٹ کھولنے لگے تو میں نے انہیں پیچھے ہٹا کر خود گیٹ کھول دیا اور خود تھوڑا سا سائیڈ میں کھڑا ہو گیا۔

عظمت گاڑی اندر لے گیا۔ چھوٹی سی خوب صورت کار تھی اور اس میں عظمت ایک شاندار تراش کے سوٹ میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا۔

گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے اس نے میری جانب نگاہ نہیں ڈالی تھی اور گزرا چلا گیا تھا لیکن فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ جب وہ گاڑی سے اترا تو اس نے دروازہ لاک کرتے ہوئے گیٹ کی جانب دیکھا اور پھر اس طرح اچھلا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے' چابی ہاتھ سے گر گئی۔ منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملیں اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ناممکن' خدا کی قسم ناممکن' ابو' ابو یہ----- یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ابو۔" وہ وحشت زدہ انداز میں چیخا اور پھر اس طرح چھلانگ لگائی کہ گرتے گرتے بچا۔ وہ پاگلوں کی طرح میری طرف دوڑا اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔ اس پر شدید ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ "ابو' کیا واقعی----- کیا واقعی یہ منصور ہیں ابو----- میں----- میں----- منصور بھائی منصور۔" اور پھر وہ اس طرح مجھ سے چمٹا کہ میری ہڈیاں کڑکڑانے لگیں۔ "کیا یہ حقیقت ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے میرے خدا۔ میرے خدا میں کیسے یقین کر لوں۔"

"میں ٹھیک ہوں اور واپس آگیا ہوں۔"

"مگر----- مگر وہ تو----- چمن تو-----"

"حواس قابو میں کرو۔ خود کو سنبھالو آؤ اندر چلیں۔ آؤ عظمت۔"

عظمت مجھ سے چمٹا ہوا اندر چل پڑا۔ برآمدے میں صفیہ اور بیگم فرحت اللہ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ صفیہ نے چائے لا کر رکھ دی اور سب نے مل کر چائے پی۔ پھر فرحت اللہ صاحب نے کہا۔

"بھئی اب ان دونوں کو باتیں کرنے دو۔ ہمارا حصہ اس سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔" اور اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے عظمت کو دیکھا۔

"ہاں بھئی عظمت اللہ۔ اب شروع ہو جاؤ۔ مقامی خبریں سناؤ۔"

"کیا سناؤں منصور بھائی۔ یہ چمن کیسا آدمی ہے؟ میں نے اس سے آپ کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اس نے مجھے عجیب عجیب باتیں بتائی تھیں؟"

"تمہاری اس سے ملاقات کب ہوئی؟"

"کافی دن پہلے۔ میں خود اس سے ملا تھا۔"

"کس حیثیت سے؟ وہ تو تمہیں نہیں جانتا تھا۔"

"ہاں تمہارے دوست کی حیثیت سے ملا تھا اس سے۔ مجھے تو اس کے بارے میں معلوم تھا؟"

"کوئی شک تو نہیں کیا اس نے تم پر؟"

"پوری بات سنیں۔ آپ کے جانے کے بعد کچھ عرصہ تو میں نے کوئی تردد نہیں کیا۔ لیکن اس کے بعد مجھے پریشانی شروع ہو گئی۔ لیڈی صاحبہ سے میں نے آپ کے بارے میں پوچھا تو وہ خود الجھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے طور پر آپ کے بارے میں معلومات حاصل کر

رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ چمن نے آپ کو باہر بھیجا ہے۔"

"اوہ----- پھر-----؟"

"انہوں نے کہا کہ حالات پریشان کن ہیں۔ کوئی اہم بات ضرور ہوئی ہے۔ ان سے مشورہ کر کے میں نے چمن کی تلاش شروع کر دی اور چمن مجھے مل گیا۔ میرے سوال پر وہ حیران رہ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ میرا منصور سے کیا تعلق ہے اور میں نے اسے بتایا کہ میری آپ سے جیل میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے اسے ایک فرضی کہانی سنا دی تھی۔ بہرحال اس نے مجھ پر بہت توجہ دی اور مجھ سے میرے بارے میں پوچھتا رہا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں باہر سے آیا ہوں اور کسی ہوٹل میں قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ چمن نے کہا کہ حالات اس قدر پراسرار ہیں کہ وہ مجھے فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں اس سے دوسرے دن ملاقات کروں۔ بہرحال میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ چمن کے آدمی اس دوران میرا تعاقب کرتے رہے تھے۔ مجھے یہ گتھی سلجھانی تھی۔ اس لئے میں بہت محتاط رہا اور میں نے اسے کوئی شک نہ ہونے دیا۔ دوسرے دن جب میں اس سے ملا تو اس نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور بولا۔

"تم منصور سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"قطعی ذاتی معاملہ ہے مسٹر چمن۔"

"ٹھیک ہے میرے دوست۔ شاید تم اس بات پر یقین کر سکو کہ منصور میرا بھی جگری دوست تھا۔"

"مجھے یہی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔"

"کہاں سے؟"

"میں نے کہا نا کہ یہ میرے ذرائع تھے۔"

"خیر----- خیر----- چونکہ تم کافی عرصہ سے منصور سے نہیں ملے۔ اس لئے میں' تمہیں ایک بات بتا دوں۔ منصور کچھ خطرناک لوگوں کی دشمنی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے یہ پراسرار دشمن اس کے دوست بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے ملک سے باہر بھیجا اور پھر سمندر میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ منصور اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"منصور بھیا اس کے انکشاف پر میری جو حالت ہوئی' ناقابل بیان ہے۔ وہ خود بھی اداکاری کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

"لیکن----- میرا نام چمن ہے۔ میں بہت برا انسان ہوں اپنے دوست کا انتقام' میری زندگی کا نصب العین ہے اور مسٹر جمیل میں نے عہد کیا ہے کہ اپنے دوست کا انتقام

لوں گا۔ کاش میں اس کے حلقہ احباب سے واقف ہو سکتا۔ کاش مجھے ان لوگوں کے بارے میں معلوم ہو سکتا جنہیں منصور دوست سمجھتا تھا۔ شاید تم یقین نہ کرو کہ میں دن رات اسی تگ ودو میں لگا ہوا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ تم منصور کے لئے دل میں کیا جذبات رکھتے ہو دوست لیکن اگر تمہیں اس سے ذرا بھی ہمدردی اور محبت ہے تو میری مدد کرو۔ ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔ میں انہی میں اس کا دشمن تلاش کروں گا اور چمن کی اس بات سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ پروفیسر شیرازی اور دوسرے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بہر طور منصور بھیا میری ذہنی کیفیت بے انتہا خراب ہو گئی تھی۔ جن حالات سے میں گزر چکا تھا۔ ان کے تحت ایک بار پھر جرائم کی دنیا میں آ جانا میرے لئے مشکل نہیں تھا لیکن منصور بھیا آپ کی جلائی ہوئی مشعل میرے دل میں روشن تھی۔ میں پھر جرائم کی دنیا کی طرف واپس نہ جا سکا اور چمن کو چکمہ دیتا رہا۔ اس ہوٹل سے میں نے اپنا سامان وغیرہ ہٹا لیا اور پھر چمن کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔ اس دوران چمن کے آدمی مسلسل میرے تعاقب میں مصروف رہے تھے۔ بہرطور جب مجھے پورا پورا اطمینان ہو گیا کہ میں چمن کو ڈاج دینے میں کامیاب رہا ہوں تو میں نے لیڈی جہانگیر کو اس بارے میں مکمل تفصیلات بتائیں اور سب کی جو حالت ہوئی' وہ ناقابل بیان ہے۔ لیڈی جہانگیر' پروفیسر شیرازی اور دوسرے تمام لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ چمن کے تمام ذرائع کو ٹٹول کر آپ کو تلاش کریں۔ میں ان سے زیادہ نہیں ملا تھا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں کوئی غلط بات نہ ہو جائے۔ چمن ہماری نگاہوں میں مشکوک تھا اور ہم اس سے بھی بچنے لگے تھے۔ سب لوگ اس بات پر حیران تھے کہ منصور کو کیا ہو گیا وہ کہاں گم ہو گیا۔ میں بے حد پریشان تھا۔ لیڈی جہانگیر سے بھی رابطہ نہیں رہا تھا۔ پھر ایک دن مجھے لیڈی جہانگیر کا پیغام ملا۔ انہوں نے پوچھا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور میں نے انہیں بتایا کہ اس وقت میری حالت اتنی خراب ہے کہ میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

تب انہوں نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ منصور اتنا نرم چارہ نہیں ہے کہ اس طرح موت کی آغوش میں جا سوئے۔ اسے تلاش کرنے کے لئے موثر کارروائی کر لی گئی ہے۔ میں خود کو عملی زندگی میں مصروف کر لوں اور لیڈی صاحبہ نے مجھے دلاور سوپ فیکٹری بھیجا جہاں مجھے پروڈکشن مینجر کی حیثیت دے دی گئی۔ اور منصور بھیا۔ انہوں نے مجھے بہت سی مراعات دیں۔ یہ بنگلہ' کار اور یہ تمام تعیشات انہیں کے عطا کردہ ہیں اور اس کی وجہ آپ ہیں۔"

"تم نے کبھی اس کے بعد میرے دوست ایاز کو دیکھا۔"

"نہیں۔ وہ تو۔ وہ تو۔ آپ کے ساتھ گیا تھا۔ کیا آپ کے ساتھ واپس نہیں آیا؟"

"نہیں! اس کے بارے میں سنا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے اس نے خودکشی کر لی ہے۔ حقیقت جاننے کے لئے تمہیں پوری کہانی سننی پڑے گی۔" میں نے کہا اور پھر مختصر ترین الفاظ میں میں نے اس عظیم دھوکے باز کی کہانی سنائی جس کا نام چمن تھا۔ عظمت کی آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

جب میں خاموش ہوا تو وہ سکوت کے عالم میں تھا۔ اس کے حلق سے کوشش کے باوجود آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بمشکل تمام کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"کیا ہے یہ دنیا منصور بھیا۔ کیا ہے یہ سب کچھ۔"

"بہت انوکھی' بہت عجیب عظمت۔ ہم اسے برا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں پروفیسر شیرازی اور گل بھی ہیں کیسے برا کہہ سکتے ہیں اس دنیا کو۔"

"لیکن تغلق خان نے یہ سب کچھ۔" عظمت نے کہنا چاہا۔

"یہاں سے ایک اور کہانی اس کہانی سے منسلک ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا بھیا۔"

"پرنس دلاور میں ہوں۔ دلاور سوپ فیکٹری میری ہے۔"

------ اور پھر میں نے عظمت کو اس بارے میں بھی تفصیل بتا دی۔ عظمت ناچ کر رہ گیا تھا۔

"تو یہ سب کچھ۔ ہاں مجھے اس بات کا علم ہے کہ لیڈی صاحبہ نے اپنی کوٹھی فروخت کر دی ہے اور کہیں اور چلی گئی ہیں۔ نہیں' باقی تفصیل مجھے معلوم نہ تھی۔ پروفیسر صاحب بھی مجھے اپنی کوٹھی میں نہیں مل سکے تھے اور میں ان کے لئے حیران تھا۔"

"ہاں عظمت۔ ان لوگوں نے انسان کا بھرم اس طرح قائم رکھا ہے۔ اب از سر نو کام شروع ہو گا عظمت۔ وہ لوگ پرنس دلاور کو ہواؤں سے بھی محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن عظمت میں تم سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔"

"آپ نے عظمت پر بہت احسان کیا ہے بھیا! اسے نئی زندگی دے دی ہے۔ مجھے خود کو شامل سمجھیں منصور بھیا۔ آپ کے مشن کے لئے جان دینے سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہ ہو گی میرے لئے۔" عظمت نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا مشن ایک تو نہیں ہے عظمت' میں نے تو سارے جہاں کو منشور میں سمیٹ لیا

ہے جہاں کوئی مجھ جیسا نظر آتا ہے میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتا۔ تمہارے سپرد میں ایک
اور مشن کرنا چاہتا ہوں۔ پتہ نہیں تم اس میں کہاں تک میرا ساتھ دو گے۔"

"آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں۔"

"ہے عظمت۔ یقیناً ہے لیکن بعض معاملات بڑے عجیب ہوتے ہیں اس میں ذرا سی
مروت زندگی بھر کا دکھ بن جاتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" عظمت نے کہا۔

"سمجھاتا ہوں بالکل سمجھاتا ہوں۔ زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنایا؟"

"نہیں۔ صرف آپ کی ضرورت تھی اس سلسلے میں۔"

"میں آ گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میری ذمہ داری ختم۔" عظمت شرارت بھرے انداز میں بولا اور میں اس
کی شرارت پر ہنس پڑا۔ پھر میں نے کہا۔

"میں اپنی ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں عظمت لیکن کہیں مجھ سے کوئی
غلطی نہ ہو جائے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ سے کوئی غلطی ہو بھیا اور اس غلطی کو اپنا معیار بنا لوں۔ کچھ
تو ایسا ہو میرے پاس بھی جس سے میں خود کو آپ کے قابل سمجھوں۔"

"جذباتی باتیں کر رہے ہو۔ اچھا خیر چھوڑو۔ زندگی کے ہنگامے میں نے اپنا لئے ہیں۔
قتل و غارتگری مار دھاڑ اور دوسری برائیاں میں نے اپنا لی ہیں لیکن جب ان ہنگاموں سے
اکتا جاؤں گا تو مجھے ایک گھر کا سکون بھی درکار ہو گا۔ وہ سکون مجھے کہاں ملے گا عظمت'
جواب دو مجھے۔"

"یہ گھر آپ کا نہیں ہے بھیا؟" عظمت نے کہا۔

"ہے۔ اسی لئے میں اسے سکون کا گہوارہ بنانا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا بھیا۔"

"تم ان ہنگاموں میں خود کو شامل کرنے کے خواہش مند ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو پھر گھر
پر سکون کہاں رہے گا؟"

"پھر؟" عظمت نے پوچھا۔

"یہاں کا سکون برقرار رہنے دو۔ اسے میری ذہنی آرام گاہ بنا رہنے دو عظمت تاکہ
میں محسوس کروں کہ یہ ابھی ایک گھر ہے جہاں عظمت ہے' صفیہ ہے' ابو ہیں' امی ہیں اور
میری بھابی ہے اور جب میں تھک جاؤں تو اپنے اس گھر میں آ جاؤں۔ اس گھر کو ہنگاموں

سے دور رکھو یہی میری خواہش ہے۔"

"منصور بھیا کی خواہش کی تکمیل میرا ایمان ہے۔"

"وعدہ۔ اب تو کوئی ضد نہ کرو گے؟"

"پہلے کبھی نہ کرتا بہرحال وعدہ۔"

"تو مجھے فوری طور پر ایک بھابی درکار ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ منصور بھیا۔ شرمانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"شرماؤ۔ شرماؤ میرے لعل۔ بڑی خواہش ہے کسی کو شرماتا ہوا دیکھنے کی۔" میں نے کہا
اور عظمت جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "ہاں تو بھابی کہاں ہے؟"

------ میں نے اسے ساری بات سمجھا دی اور اس نے خاموشی سے میری تجاویز کے
سامنے سر جھکا دیا۔

رات کو کھانا کھایا اور اس کے بعد اجازت لے کر چل پڑا۔ عظمت مجھے چھوڑنے آیا
تھا لیکن اپنی رہائش گاہ سے کافی دور میں اس کی کار سے اتر گیا تھا البتہ میں نے اسے اپنا
فون نمبر دے دیا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ ابتدائی وقت گزرنے کے بعد ایک بار پھر میرے اندر خود اعتمادی پیدا ہونے لگی تھی۔ میں نے اس ماحول کو بھی اپنا لیا اور پوری طرح اس میں دلچسپی لینے لگا۔ میں نے ان تمام لوگوں سے رابطہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں سیٹھ جبار سے بھی غافل نہیں تھا اور اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر رہا تھا۔

بالآخر وہ وقت آ گیا جب سیٹھ جبار سے پہلی ٹکر لینے کا موقع ملا۔ ہانگ کانگ کی ایک بہت بڑی فرم کے مالک مسٹر میتھو فورے کی آمد کی اطلاع ملی' اس شخص کے بارے میں تفصیلی رپورٹ دیتے ہوئے طاہر نے کہا۔

"سیٹھ جبار سے اس کے دیرینہ تعلقات ہیں اور اکثر یہ اس سے مال خریدتا ہے۔ اس بار بھی سیٹھ جبار سے خام کپاس کی خریداری کی بات ہوئی ہے۔ یہ خام کپاس سیٹھ جبار نے کئی سال میں جمع کی ہے اور یہ کروڑوں روپے مالیت کی ہے۔ اس کے گودام ساحل سے تقریباً" تیس میل دور ایک جزیرے پر ہیں اور جہاں ہماری پہنچ ناممکن نہیں ہے۔ یہ شخص جس کا نام میتھو فورے ہے فطرتاً" بے حد لالچی ہے۔ ایک پیسے کا فرق اس کی دوستی کا رخ بدل دیتا ہے۔ انتہائی درجے کا کاروباری ہے۔ کاروبار میں بے ایمانی نہیں کرتا لیکن کوئی مروت بھی نہیں رکھتا۔"

"خوب۔ کوئی پلان ہے طاہر؟"

"میرا نہیں ہے جناب۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ نے ایک باقاعدہ تجویز پیش کی ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"خام کپاس کے ایک چھوٹے سے ذخیرے کا بندوبست کر لیا جائے گا جو نمونے کے طور پر میتھو فورے کو دکھایا جا سکتا ہے۔ اسے سیٹھ جبار سے اچکنا ہے۔ چونکہ کالے دھندے کرتا ہے' دنیا کے کئی ممالک اس کے بارے میں جانتے ہیں اس لئے خوفزدہ بھی رہتا ہے۔ اب یہ شخص براہ راست یہاں نہیں آئے گا بلکہ یہاں سے کافی دور ایک ہل سٹیشن پر اترے گا اور وہیں قیام کرے گا۔ وہیں اس کی ملاقات سیٹھ جبار سے ہو گی اور سیٹھ جبار اسے اپنے ساتھ یہاں لائے گا۔"

"خوب۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"بس اس کے بعد سودا ہو گا۔"

"کیا پلاننگ ڈیپارٹمنٹ نے پوری تفصیل تمہیں بتائی ہے طاہر۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ ایک آئیڈیے کے خاکے مجھے بتائے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر آپ اس میں دلچسپی لیں تو اس سلسلے میں ایک میٹنگ طلب کر لیں۔ "معاملہ چونکہ سیٹھ جبار کا ہے اس لئے پلاننگ ڈیپارٹمنٹ متحرک ہو گیا ہے۔"

"پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کا چیف کون ہے؟"

"مسٹر عدنان۔ آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔"

"شکریہ طاہر میں مسٹر عدنان سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"سر تب آپ مس فینی کو اپنا پروگرام بتائیں۔ میٹنگ طلب کریں اور اس سلسلے میں پورا پروگرام بنا لیں۔ خان صاحب نے کہا تھا کہ ابتدائی معاملات میں ہم آپ کو راستہ دکھائیں کیونکہ آپ اس راہ کے مسافر نہیں ہیں۔"

طاہر کے جانے کے بعد میرا دل عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ جبار سیٹھ کے خلاف یہ پہلا معرکہ تھا اور جس حیثیت سے تھا اس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال مجھے اب بھرپور طور سے اس کے مقابلے پر آنا تھا اور اس کے لئے خود کو صرف ڈمی ہی نہیں ثابت کرنا تھا بلکہ عملی طور پر کچھ کر کے دکھانا تھا لیکن اس وقت تک کوئی خاص بات نہیں سوچی جا سکتی تھی جب تک عدنان سے گفتگو نہ ہو جائے۔

میں خود کو اس کے لئے تیار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے فینی کو طلب کر لیا۔

فینی میرے پاس آ گئی۔ حسب معمول سنجیدہ تھی۔ "پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے چیف کو طلب کرو۔ آج شام چار بجے میں ان تمام لوگوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں جو پلاننگ پر کام کرتے ہیں۔"

"بہتر جناب لیکن پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے کون سے گروپ کو طلب کرنا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"گروپ اے' وہ ہے جو قانونی عمل کرتا ہے اور گروپ بی۔ انڈر گراؤنڈ ہے۔"

"گروپ بی کی بات کر رہا ہوں۔ عدنان اس کا چیف ہے؟"

"جی ہاں مسٹر عدنان گروپ بی کے چیف ہیں اور مسٹر سہیل انصاری گروپ اے میں کام کرتے ہیں۔" فینی نے جواب دیا۔

"مس فینی شام کو چار بجے ان لوگوں کے لئے میٹنگ ارینج کر دی جائے۔ میں انتظار کروں گا۔"

"او کے سر۔" فینی نے جواب دیا اور پھر یہاں سے چلی گئی۔

شام کو ٹھیک چار بجے مسٹر عدنان اور ان کے پانچ ساتھی میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کانفرنس ہال میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ سب لوگ مودبانہ انداز میں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تب میں نے عدنان کو مخاطب کر کے کہا۔

"طاہر کے ذریعے آپ کا پیغام ملا تھا۔ مسٹر عدنان میں نے اسی سلسلے میں آپ کو زحمت دی ہے۔"

"جناب عالی ہم حاضر ہیں۔"

"تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور عدنان نے اپنے ساتھ لایا ہوا فائل کھول لیا۔

"میتھو فورے ہانگ کانگ کا ایک تاجر ہے' بین الاقوامی منڈیوں میں اس کا کاروبار پھیلا ہوا ہے' بلیک اور وہائٹ دونوں کام کرتا ہے بلکہ بلیک زیادہ کرتا ہے وہائٹ کم۔ لیکن ساکھ بحال رکھنے کے لئے اس نے وہائٹ میں بھی خاصا سرمایہ لگایا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ایک نیک نام آدمی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ وہ سخت لالچی اور دغا باز قسم کا انسان ہے لیکن کاروباری امور میں صاف ستھرا۔ لین دین کے سلسلے میں اسے کبھی غلط نہیں پایا گیا۔ لالچی اس قدر ہے کہ اگر ایک پیسے کا اسے کہیں سے فائدہ نظر آتا ہے تو فوراً" رخ بدل لیتا ہے۔ تعلقات وغیرہ کا اس کے ہاں کوئی ذکر نہیں ہے' سیٹھ جبار کا کاروباری رفیق ہے۔ اب اگر اس کے تعلقات کو دوستی کہا جا سکتا ہے تو وہ دوست بھی ہے لیکن چونکہ اس ملک میں سب سے بڑی پارٹی سیٹھ جبار ہے اس لئے ہمیشہ اسی سے لین دین کرتا ہے لیکن تین ایسے مرحلے بھی آئے جب چھوٹی چھوٹی پارٹیوں سے رابطہ قائم کیا اور سیٹ جبار کے سودے کینسل کر دیئے لیکن اس کے بعد یہ پارٹیاں زندہ نہ رہیں اور سیٹھ جبار نے یا تو انہیں فنا کر دیا یا خود میں ضم کر لیا۔" عدنان نے تفصیل بتائی۔

میں نے سامنے رکھی ہوئی نوٹ بک میں چند چیزیں نوٹ کیں پھر بولا۔ "کاروباری امور میں گفتگو خود کرتا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ اس کا اصول ہے۔"

"اس شخص کے بارے میں اور کوئی خاص بات؟"

"کوئی نہیں جناب۔ گھاگ ہے' بزدل ہے' شراب اور عورت کے معاملے میں کبھی غلط

کار نہیں پایا گیا۔"

"گڈ۔ اس کا پروگرام معلوم ہو سکتا ہے؟"

"ہو چکا ہے۔ اس ماہ کی اٹھائیس تاریخ کو آ رہا ہے۔ ایک ہل اسٹیشن پر ہوٹل فراز میں قیام کرے گا۔"

"کیا سیٹھ جبار اس کا استقبال نہیں کرتا۔"

"وہاں اس کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس بار نہیں معلوم۔"

"کیا اس سلسلے میں کوئی پروگرام ہے تمہارے پاس؟"

"خام کپاس کا ایک عظیم الشان ذخیرہ جزیرہ ملبوروک میں موجود ہے۔ ملبوروک ساحل سے تیس میل دور سیٹھ جبار کی ملکیت ہے۔ دلدلی جزیرہ ہے اور وہاں زیادہ تعمیرات نہیں ہو سکتیں کیونکہ زمین صاف نہیں ہے۔ سیٹھ جبار نے وہاں گودام بنائے ہوئے ہیں اور اس وقت ان گوداموں میں صرف کپاس بھری ہوئی ہے' سیٹھ جبار کے تقریباً" دس آدمی ان گوداموں کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں اور سیٹھ جبار کو اس سلسلے میں کوئی خاص تشویش نہیں ہے۔ آج تک اسے ان گوداموں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا ہے۔"

"ویری گڈ' اس سے آگے مسٹر عدنان!"

"عمدہ قسم کی کپاس کا تھوڑا سا ذخیرہ مہیا کیا جا سکتا ہے جو مسٹر فورے کو نمونے کے طور پر دکھایا جا سکتا ہے اور وہ کپاس جو سیٹھ جبار کے گوداموں میں موجود ہے' ہماری دسترس سے دور نہیں ہو گی۔ ہم ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت اسے حاصل کر لیں گے لیکن میتھو فورے سے کاروباری گفتگو کرنے کے لئے ہمیں بڑی ذہانت سے کام لینا ہو گا' ہل اسٹیشن پر میتھو فورے سے سیٹھ جبار کے نہیں بلکہ ہمارے آدمی ملاقات کریں گے۔ یہ ملاقات پرنس دلاور کے نام سے ہی ہو گی اور اس ملاقات میں اس کپاس کے بارے میں بہت شرائط پیش کی جا سکیں گی۔ جو معمول سے کافی کم ہوں گی اس کے بعد سیٹھ جبار کو موقع دیا جائے گا۔ کہ وہ بھی میتھو فورے سے کاروباری گفتگو کر لے۔ لیکن پرنس دلاور ایک پارٹی کی حیثیت سے منظر عام پر آ جائے گا اور جناب یہ ضروری ہے کہ سیٹھ جبار کے کانوں تک پرنس دلاور کا نام پہنچ جائے۔ سیٹھ جبار سوچ بھی نہیں سکے گا کہ یہ دوسری پارٹی کون سی ہے اور کپاس کا اتنا بڑا ذخیرہ اس کے پاس کہاں سے پہنچا' وہ ذہنی طور پر الجھ جائے گا اور ہم اس دوران اپنا کام کر لیں گے' اس سلسلے میں جناب اگر آپ کی اجازت ہو تو بہتر پلاننگ کی جا سکتی ہے اس وقت یہ پہلا مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے جس پر ہم سیٹھ جبار کے خلاف کام کی ابتدا کر سکتے ہیں' میں نے یہ پلاننگ آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔"

اب آپ کا جو حکم ہو۔" عدنان نے کہا۔

"میں اس پروگرام سے پوری طرح متفق ہوں مسٹر عدنان' لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ہمارا کوئی آدمی ہانگ کانگ سے اس وقت میتھو فورے کے ساتھ چلے جب وہ وہاں سے روانہ ہو اور حالات پر پوری نگاہ رکھے تاکہ ہمیں رپورٹ ملتی رہے۔"

"اس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔" عدنان نے کہا۔

"تو پھر یہ کام سب سے پہلے کر لو لیکن آخری کام میرے خیال میں سب سے مشکل ہے۔ یعنی ان گوداموں کو خالی کرنا۔"

"ہمارے پاس اس کے لئے آدمی موجود ہیں جناب اور پھر سچویشن سامنے آئے تو مزید عمل بھی کئے جا سکتے ہیں۔"

"کاروبار کی دنیا میں پرنس دلاور کے نام کی ابتداء خراب نہ ہو ورنہ اس کی ساکھ گر جائے گی۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا جناب اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو میتھو فورے لوگوں کو کچھ بتانے کے لئے زندہ نہیں رہے گا۔ یہ بات اس کے سینے میں دفن ہو جائے گی۔"

"ہوں۔" میں نے ایک دم خود کو سنبھال لیا۔ طبیعت پر ایک دم دباؤ سا پیدا ہوا تھا لیکن میں نے کسی پر یہ دباؤ ظاہر نہ ہونے دیا۔ میں جانتا تھا کہ میں ایک نیکو کار نہیں ہوں۔ بس زندگی میں یہی سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

بہرحال عدنان سے مزید گفتگو ہوئی اور عدنان نے ذمے داری قبول کی کہ اس پر دن رات کام ہو گا اور سب سے پہلے میتھو فورے کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کیا جائے گا جو اس پر نگاہ رکھے اور اس کے ساتھ سفر کرے۔

میں نے منصوبے کی منظوری دے دی اور اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔ میں نے جو ضروری نوٹس لکھے تھے ان کی مزید تفصیل لکھنے لگا اور پھر میں نے فینی کو بلا کر یہ نوٹ بک اس کے حوالے کر دی۔ "یہ فائل مکمل کر دو۔"

"بہتر جناب۔ کیا آپ کچھ اور وقت مجھے دے سکتے ہیں۔" فینی بولی۔

"ہاں کہو۔ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ شاید آپ نے ان لوگوں کا نام سنا ہو گا۔ یہ پارٹی سماجی خدمات کے لئے بہت نمایاں مقام رکھتی ہے۔ الفراز کے نام سے اس کا ایک ہیڈ کوارٹر ہے اور ملک کے بہت اہم لوگ اس کے کارکن ہیں' اکثر یہ بڑے بڑے کام کرتی رہتی ہے۔ پورے ملک میں اس کے بیس ہسپتال ہیں اور بہت سے دوسرے ادارے بھی ہیں۔ پارٹی کے سربراہ مولوی

احمد سلیم نے پرنس دلاور سے ملاقات کے لئے وقت مانگا ہے۔ میں نے احمد سلیم صاحب سے کہا ہے کہ پرنس دلاور سے گفتگو کرنے کے بعد اس سلسلے میں جواب دیا جائے گا۔" فینی نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔

"لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا فینی کہ یہ سلیم صاحب مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"غالباً" یہاں سے تقریباً" ساٹھ میل دور ایک چھوٹی سی نواحی بستی میں ایک ہسپتال کا معاملہ چل رہا ہے۔ احمد سلیم صاحب کے ایک بیان سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا جو انہوں نے ایک اخبار کو دیا تھا۔ اس بیان میں انہوں نے کہا تھا کہ ملک میں ایسے ایسے اہم لوگ موجود ہیں جو اگر اس ہسپتال کی تعمیر میں دلچسپی لیں تو اس ہسپتال کی تعمیر چند ماہ میں مکمل ہو جائے۔ یہ ہسپتال اس علاقے کے لوگوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ پھر اس بیان کے جواب میں حکومت کے کچھ عہدیداران کے بیانات بھی شائع ہوئے تھے جس میں حکومت نے یہی کہا تھا کہ الفراز ملک کی خدمت کے لئے جو کچھ کر رہی ہے' درحقیقت اس کی مثال مشکل ہے۔ چنانچہ ملک کے صاحب اقتدار لوگوں کو الفراز کی اس پکار پر لبیک کہنا چاہئے۔ یہ بیانات چند روز قبل ہی اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ مولوی احمد سلیم کے ہم سے رجوع کرنے کی وجہ شاید اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہر چند کہ انہوں نے اس سلسلے میں ہمیں تفصیل نہیں بتائی ہے۔"

"ہوں۔ حکومت کی نگاہوں میں یہ جماعت اہمیت رکھتی ہے۔"

"بہت زیادہ جناب اور اس کا ریکارڈ بھی بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔ ان کا اپنا اخبار بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے فینی۔ مولوی اہم سلیم سے کہو کہ وہ فون پر مجھ سے بات کر سکتے ہیں۔"

"آپ انہیں ملاقات کا وقت نہیں دیں گے؟"

"ابھی یہ مناسب نہیں فینی۔"

"بہت بہتر جناب! فون کے لئے کونسا وقت دوں؟"

"رات کو آٹھ بجے۔"

"بہتر۔" فینی نے جواب دیا۔ رات کو آٹھ بجے میں نے مولوی سلیم احمد کا فون ریسیو کیا۔ سلام دعا کے بعد مولوی صاحب بولے۔ "شہزادہ صاحب۔ بڑی انوکھی بات ہے کہ آپ ملک کی ممتاز ترین شخصیت ہونے کے باوجود عوام سے دور رہتے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ۔"

"میں عوام سے دور تو نہیں ہوں۔ مولوی صاحب اگر عوام سے دور ہوتا تو ان کی

آواز میرے کانوں تک نہ آتی۔"

پھر انہوں نے ہسپتال کی تفصیلات بتاتے ہوئے پوچھا۔ "ہمیں آپ کی طرف سے کیا مل سکے گا۔ براہ کرم ہمیں بتا دیں تاکہ ہم اس حساب سے اپنی پلاننگ کر سکیں۔"

"آپ اس سلسلے میں اور کس سے مل چکے ہیں ــــــ مولوی احمد سلیم صاحب!"

"ابھی تک کسی سے نہیں' ابتدا آپ سے کی ہے۔" مولوی احمد سلیم نے جواب دیا۔

"کون کون لوگ آپ کی لسٹ پر ہیں۔"

"بس چند اہم نام ہیں' جو اسی سلسلے میں ہماری امداد کرتے رہتے ہیں جیسے سیٹھ عبد الجبار۔ سیٹھ قدرت اللہ۔ سیٹھ روشن علی کروری والا۔ اس قسم کے چند افراد ہیں جو یقیناً ہمارے اس منصوبے کی تکمیل میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' مجھے اس اسپتال کے مکمل اخراجات بتائیے؟"

"بہت عظیم منصوبہ بنایا ہے ہم نے۔ ہمارے اپنے خیال میں تقریباً" پچاس سے لے کر اسی لاکھ تک اس پر خرچ ہو سکتے ہیں۔ آپ یہ فرما دیں کہ آپ ہماری کس حد تک اعانت کر سکتے ہیں؟"

"زمین خرید لیں مولوی احمد سلیم صاحب۔ میں اسی لاکھ روپے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"جی۔ جی کیا فرمایا آپ نے؟"

"مولوی سلیم صاحب۔ میں چاہتا ہوں کہ اس اسپتال کی تعمیر میں آپ کسی اور کا ایک پیسہ بھی شامل نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارا معاہدہ منسوخ ہو جائے گا۔"

"گویا۔ گویا اسی لاکھ روپے۔"

"جی ہاں۔ یہ میرا ذمہ رہا بلکہ اگر مزید کچھ ضرورت اس اسپتال کو ہوئی وہ بھی میں فراہم کروں گا۔"

مولوی صاحب کی آواز بند ہو گئی۔ بڑی دیر کے بعد وہ بولے۔ "ہیلو۔ ہیلو۔ جناب پرنس دلاور بول رہے ہیں۔"

"جی ہاں احمد سلیم صاحب۔ اس قدر حیران نہ ہوں۔ اللہ کرے تمام منصوبوں میں آپ مجھے یاد رکھا کریں۔ آپ زمین کی خریداری کی بات کر لیں اور اپنے آدمیوں کو میرے دفتر بھیج دیں۔ ہر مرحلے پر آپ کو رقم ملتی رہے گی۔"

"خداوند قدوس آپ کو جزائے خیر دے۔ یہ اس بلند مقام کی نشاندہی ہے جو آپ کو حاصل ہے۔ جزاک اللہ جزاک اللہ۔ اس سلسلے میں کاغذی کارروائی کے لئے میں تنظیم کے

چند افراد کو آپ کے دفتر کل روانہ کروں گا۔"

"مناسب۔" میں نے کہا اور رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔ میری آنکھیں بھی بند ہو گئی تھیں خود پر یقین کر لیا تھا۔ کیا میں ویسا ہی ہوں۔ وہ منصور۔ جو کتابوں میں نیک باتیں پڑھا کرتا تھا اور اس کے دل میں ہوک اٹھتی تھی کہ کاش میں بھی ان نیک کاموں میں ــــــ کوئی حصہ لے سکتا اور آج۔ میری زبان نے بڑے اعتماد سے اس کی ابتدا کی تھی۔ میرے دل کی جو کیفیت تھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔ پھر میں نے خود کو سنبھالا اور فینی کو بلا کر اس سلسلے میں ہدایات دے دیں۔

فینی سب کچھ نوٹ کر کے لے گئی تھی۔

رات کو دیر تک نیند نہیں آئی۔ بہروز' سرخاب کے پاس گیا تھا۔ سرخاب وغیرہ اس کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اس میں بہت دلچسپی لے رہی تھیں۔

دوسرے دن میں نے فینی سے آج کے پروگرام پوچھے۔ لیکن کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ "ٹھیک ہے فینی۔ آج کے لئے کوئی پروگرام بتانا بھی نہیں۔ اگر کوئی اہم بات ہو تو میں رات کو معلوم کروں گا۔"

"بہتر جناب۔" فینی نے کہا۔ میں نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر میک اپ بکس سنبھال لیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ راشدہ سے ملاقات کا ارادہ تھا۔ سوچا تھا کہ کھانا وغیرہ بھی اس کے ساتھ کھاؤں گا۔ چنانچہ میں چل پڑا۔ پیدل چلتے ہوئے میں نے ایک اور بات سوچی تھی۔ ایک ایسی جگہ بناؤں جہاں میں اپنی اصلی شخصیت کے ساتھ رہوں۔ اس کے لئے کوئی مکان منتخب کرنا پڑے گا۔ یہ اہم ضرورت تھی۔

ٹیکسی آج بہت مشکل سے ملی تھی۔ بہرحال مل گئی اور میں نے ڈرائیور کو پتہ بتا دیا۔ اس وقت ٹیکسی ایک بازار سے گزر رہی تھی کہ میں اچھل پڑا۔ ایک ایسی شکل نظر آئی جس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ دوسرے لمحے میں نے ڈرائیور کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ٹیکسی روکنے کے لئے کہا اور ٹیکسی رک گئی۔

تھوڑی سی ریورس کرو۔ اس دکان کے پاس۔ میں نے اس سے التجا کی اور ڈرائیور ٹیکسی ریورس کرنے لگا۔ حسینہ اب بھی دکان کے پاس موجود تھی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا تھا سیدھا سادا دیہاتی سا لڑکا ــــــ

○

ڈرائیور نے ٹیکسی ریورس کر کے روک دی۔ میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ وہ حسینہ ہی تھی۔ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس' اتنی ہی شوخ میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور نیچے اتر آیا۔ پھر میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا' حسینہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا نوجوان ساتھی بالکل ہی سادہ لوح تھا۔ مجھے' اپنے اتنا قریب پا کر دونوں ہی پریشان ہو گئے۔ تب مجھے اچانک احساس ہوا کہ میں تو میک اپ میں ہوں۔

ابھی میں کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ حسینہ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ مجھے کوئی لفنگا سمجھی تھی۔ دوسرے لمحے' وہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر آگے بڑھی۔

"کیا بات ہے بابو! بہن کو دیکھ رہے ہو یا ماں کو؟"

"جو دل چاہے سمجھ لو' حسینہ! تم نے ایک بہن کی طرح ہی میری خدمت کی ہے اور ایک ماں ہی کی طرح تم نے بارہا میرے سر کو آغوش میں لیا ہے۔"

"ارے باپ رے باپ! نام بھی جانو ہو ہمارا' کون ہو تم؟ ہم تو تمہیں نہیں پہچانتے۔" حسینہ کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر بدل گئے۔

"چہرہ نہیں پہچان سکتیں تو کیا آواز بھی نہیں پہچان رہیں؟"

"آواز----" حسینہ اپنے گال پر انگلی رکھ کر بولی۔ "ذرا پھر سے بولو۔"

"چہرہ نہیں پہچان سکتیں تو کیا آواز بھی نہیں پہچان رہیں؟" میں نے وہی جملہ دہرا دیا۔

"منصور---- منصور بابو۔" وہ تعجب سے بولی۔

"ہاں' حسینہ! میں منصور ہوں۔"

"اوئی' میں مرجاؤں۔ یہ تمہاری شکل کو کیا ہو گیا؟"

"دشمنوں کی وجہ سے بدلنی پڑی ہے۔ وہی سرخی' پوڈر لگا کر' جو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تھا؟"

"ارے منصور بابو---- میں سمجھ گئی---- ارے تم کہاں مر گئے تھے؟ میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ تم سے لپٹ جاؤں' پر کیا کروں' سڑک ہے---- سب دیکھیں گے۔"

"خدا کا شکر ہے' تمہیں تھوڑی سی عقل آ گئی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر

کہا۔ پھر اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"گھر والا ہے ہمارا' نام اسی سے پوچھ لو۔"

"کیوں بھئی کیا نام ہے تمہارا---- پہلے میں' تمہیں بتا دوں' یہ حسینہ' میری پیاری سی بہن ہے۔ کوئی اور بات نہ سمجھ لینا تم۔"

"ارے سلام کرو' منصور بابو کو۔ بہت بڑا رتبہ دیا ہے' انہوں نے مجھے۔ سلام کرتا ہے یا----" حسینہ نے آنکھیں دکھائیں۔

"سلام جی----" مٹی کے مادھو نے کہا۔

"کیا نام ہے' تمہارا؟"

"بھوندو' جی۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولا۔

"ستیا ناس---- تیرا ستیا ناس' بھوندو تو' تو شکل ہی سے نظر آوے ہے۔ اپنا اصلی نام بتاؤ۔" حسینہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"وہ جی' عاشق علی نام ہے ہمارا۔"

"سب لوگ' اسے بھوندو کہتے ہیں' صاحب جی! ہے بھی نرا کاٹھ کا الو۔"

"بری بات ہے' حسینہ! شوہر ہے' تمہارا۔" میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"ارے بس' رہنے دو' صاحب جی! اس شوہر کو۔ شوہر تو میں ہوں اس کی جان بچا کر نکال لائی ہوں' گاؤں سے۔ نہیں تو اس کے گھر والے' چکی میں پیس کر کھا جاتے۔ سب کچھ چھین لیا' انہوں نے ہم سے اور----"

"بس بس' حسینہ! یہ سڑک ہے۔ لوگ' ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"اسی بھوندو سے پوچھ لو۔ نوکری تلاش کرنے نکلا ہے---- دکان کے آگے ایسے آ کھڑا ہوا تھا جیسے بھیک مانگ رہا ہو---- دیکھو جی! میں اپنے گاؤں سے آیا ہوں۔ یہ میری جورو' میرے ساتھ ہے۔ چور' ہمارا بستر لے گئے۔ اسی میں ہماری دولت بھی بندھی ہوئی تھی---- او جی! ہم پچھلے دو دنوں سے بھوکے ہیں۔ پہلے ہمیں روٹی کھلا دو پھر گاؤں جانے کے لئے کرایہ دے دو' جی۔ اللہ بھلا کرے گا۔" حسینہ نے شوہر کا مذاق اڑاتے ہوئے مردانہ آواز بنا کر کہا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

"شادی کے بعد تو' تو اور تیز ہو گئی ہے' حسینہ!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نوکری کرنے آئے ہو' تم دونوں؟"

"لمبی کہانی ہے' صاحب جی! سنانے لگی تو کہو گے' حسینہ' یہ سڑک ہے۔"

"اوہ' واقعی۔۔۔۔ ہم کافی دیر سے سڑک پر کھڑے ہیں۔ آؤ' یہاں سے آگے بڑھیں۔" میں نے کہا تو حسینہ چل پڑی۔ بھوندو عرف عاشق بھی ہمارے ساتھ ہو لیا۔ واقعی' بہت سیدھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ چند لمحوں تک میں سوچتا رہا کہ انہیں کہاں لے جاؤں؟ اپنی قیام گاہ پر رکھنا مناسب نہ تھا۔ معصوم لوگ تھے۔ اس برے ماحول میں صحیح زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ ایک ہی خیال آیا۔ لیڈی جہانگیر کے حوالے کر دوں۔ سرخاب وغیرہ کے لئے دلچسپی کا سامان بھی ہو جائے گا۔ اس وقت کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں تھی۔ بس یوں ہی ذہنی شگفتگی کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ کچھ دور چلنے کے بعد ایک ٹیکسی روکی اور اس میں ان دونوں کو بٹھا کر چل پڑا۔

"پہلے ایک بات بتاؤ' صاحب جی!" حسینہ نے کہا۔

"ہاں' کہو۔"

"ہمارے لئے نوکری کا کوئی انتظام کر دو گے؟"

"کیا نوکری کرو گی' حسینہ؟"

"بس' یہی خدمت گزاری' صاحب جی! اور کیا کام آوے ہے' ہمیں۔"

"ٹھیک ہے' بندوبست ہو جائے گا۔" میں نے جواب دیا تو حسینہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"یہ ہوئی نا بات۔ ارے' میں تو تمہاری آواز سنتے ہی سمجھ گئی تھی کہ تقدیر کھل گئی ہماری۔۔۔۔ سمجھا رے بھوندو! یہ نوکری بھی تجھے' میری ہی وجہ سے مل رہی ہے۔"

بھوندو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کی وجہ سے کسی بارے میں کوئی بات نہیں کی جبکہ حسینہ سے بہت کچھ پوچھنے کے لئے میرا دل چاہ رہا تھا۔ میری خاموشی کی وجہ سے حسینہ بھی خاموش رہی۔ پھر ٹیکسی' ایک اسکوائر میں داخل ہو گئی اور بنگلہ نمبر نو کے سامنے میں نے اسے رکوا لیا۔

"اب یہاں رہتے ہو' صاحب جی؟" حسینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔" میں نے مختصراً کہا اور ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے چلتا کر دیا۔

"ہاں' حسینہ! اب بول۔ میں یہاں نہیں رہتا لیکن ان صاحب لوگوں کے پاس تجھے نوکری دلوا رہا ہوں لیکن ابھی تو تجھ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"تو میں باتیں کرنے میں کون سی کم ہوں۔" حسینہ نے اکڑ کر کہا۔ میں' ان دونوں کے ساتھ بنگلے میں داخل ہو گیا۔ سرخاب' گل۔۔۔۔ اور پروفیسر شیرازی' بنگلے کے برآمدے ہی میں موجود تھے۔ ہم' ان کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم تینوں کو حیرت سے پوچھا۔

"سلام' صاحب جی!" حسینہ نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام! کون ہیں' آپ لوگ؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"جی' میں حسینہ ہوں' یہ میرا گھر والا ہے۔۔۔۔ اور یہ۔۔۔۔ یہ تو آپ کے صاحب جی ہیں۔" حسینہ بول پڑی۔

"میں منصور ہوں' پروفیسر صاحب!" میں نے کہا تو سب چونک پڑے۔۔۔۔ پھر پروفیسر نے جلدی سے کہا۔

"آؤ' آؤ۔۔۔۔ اندر آؤ۔۔۔۔ اور سب خیریت ہے نا؟" پروفیسر نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"سب خیریت ہے' پروفیسر صاحب! ان لوگوں کو چھوڑنے آیا ہوں۔ فی الحال یہ یہیں' کام کریں گے۔ بعد میں' میں ان کے لئے کوئی بندوبست کر دوں گا۔ یا اگر آپ کو پسند آ جائیں تو اپنے گھریلو کام کاج کے لئے رکھ لیں۔ دونوں نہایت سیدھے سادے اور مکمل طور پر قابل اعتماد ہیں۔"

"او۔ کے' او۔ کے یقیناً ہوں گے۔" پروفیسر نے جواب دیا اور ہم سب بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ پروفیسر نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ کوئی خاص وجہ تھی' یہ میک اپ کر کے آنے کی؟" پروفیسر چونک کر حسینہ اور عاشق علی کی طرف دیکھنے لگے۔

"نہیں نہیں۔۔۔۔ یہ بے چارے ٹھیک ٹھاک ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"پروفیسر! کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ اپنی اصلیت میں آ کر' آوارہ گردی کروں۔۔۔۔ پھر اس طرح نکل آتا ہوں۔"

"گویا اس سے پہلے بھی اس طرح نکل چکے ہو۔"

"جی ہاں۔ ایک آدھ بار۔"

"میرے خیال میں اچھا خاصا میک اپ ہے۔ کیا تم نے خود کیا ہے؟" گل نے پوچھا۔

"جی' تھوڑی سی شدبد ہو گئی ہے مجھے' اس میں بھی۔"

"تھوڑی سی نہیں۔ یہ تو اچھی خاصی ہے۔ ہم لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں پہچان سکا تھا تمہیں' کیوں سرخاب؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے ڈیڈی؟" سرخاب نے جواب دیا پھر مسکراتی نظروں سے حسینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیوں بھئی' تم حسینہ ہو اور یہ تمہارا گھر والا۔ اس کا کیا نام ہے؟"

"نام اسی سے پوچھو۔ مولوی صاحب نے منع کیا تھا کہ بیویاں، شوہروں کے نام نہیں لیتیں۔ بس، ہم نے اس کا نام نہیں لیا، لیکن وہ نام ضرور لیتے ہیں جو سب لیتے ہیں۔" حسینہ نے کہا اور ہنس پڑی۔

"کیا نام-----" سرخاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بھوندو-----" حسینہ ایک بار پھر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ سرخاب بھی ہنسنے لگی۔ اسے یہ لڑکی بے حد پسند آئی تھی۔ تب میں نے ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی۔ اس بے چارے کو پیار سے بھوندو کہا جاتا ہے----- اب پتہ نہیں، کیوں؟ یہ تو تمہیں حسینہ ہی بتا سکے گی۔"

"ٹھیک ہے بس، ہم نے حسینہ کو رکھ لیا ہے اور اس کے بھوندو کو بھی۔" سرخاب نے کہا۔

پروفیسر مسکراتی ہوئی نظروں سے ہم سب کو دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ، سرخاب سے بولے۔

"بیٹے سرخاب! رکھ تو لیا ہے، تم نے ان لوگوں کو----- لیکن اب ہمارے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم، نوکر افورڈ کر سکیں۔ بہرطور تمہاری خوشی ہے اور منصور لائے ہیں تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں منصور میاں؟؟"

"پروفیسر! ایسی باتیں کر کے، آپ میرے دل پر کچوکے نہ لگایا کریں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ارے، ارے----- دیکھو بھئی، سنجیدہ ہونے کی کوشش نہیں ہو رہی----- تمام تر گفتگو مذاق میں چل رہی ہے اور اس مذاق کو اسی خوشگوار انداز میں برقرار رہنا چاہئے۔ ویسے یوں لگتا ہے جیسے یہ لڑکی، یہاں کے ماحول میں کچھ اور خوشگوار کیفیت پیدا کر دے گی۔ کیوں بھئی، میاں بھوندوا کیا خیال ہے تمہارا؟؟" پروفیسر بھی موڈ میں آ گئے اور عاشق علی چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگا۔

"مم----- میں----- کچھ نہیں سمجھا جی؟؟"

"تو نے کبھی کچھ سمجھا ہے جو اب سمجھے گا۔ بس تو نہ ہی سمجھا کرے تو اچھا ہے۔" حسینہ نے چمک کر کہا۔

"ارے، ارے! تم لڑتی بھی ہو، اپنے شوہر سے۔" گل بولی۔

"نہیں، جی----- یہ تو ہماری پیار کی باتیں ہیں۔ ویسے سچ مچ----- بھوندو ہی پلے پڑ گیا ہے۔ آپ یقین کریں، بی بی جی! یہ حسینہ ہی ہے جو اس کے ساتھ گزارا کر رہی

ہے۔ کوئی اور ہوتی تو اب تک اپنا سر پھاڑ چکی ہوتی یا اس کا۔"

"کیوں، ایسی کیا بات ہے، اس میں؟" گل بھی دلچسپی لینے لگی۔

"اجی، اس میں خاص بات تو کوئی ہے ہی نہیں۔ بس، یوں کہو کہ ماما جی نے زندگی بھر ہم سے دشمنی ہی کی ہے۔ نہ جانے کیا کچھ کرتے رہے ہیں، ہمارے خلاف----- اور ہمارے بابا۔ انہیں تو بس پیسہ ہی نظر آتا ہے۔ شادی کر دی ہماری، اس سے----- اور اس کے ماں، باپ، توبہ، توبہ----- ہماری ساس جی جو ہیں نا، انہیں تو بس فوج میں ہونا چاہئے تھا اور بے چارے سسر جی، وہ اسی کی طرح بھوندو ہیں----- پتہ ہے، آپ کو، ان کا نام کیا ہے؟" حسینہ نے کہا اور پھر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی ویسے بھی بڑی دلکش تھی اور اس طرح بچوں کے انداز میں ہنستی ہوئی تو بہت ہی بھلی لگتی تھی۔

"کیا نام ہے؟" گل نے پوچھا۔

"بدھو-----" حسینہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ سب لوگ بھی ہنسنے لگے۔ پروفیسر جیسی سنجیدہ شخصیت بھی حسینہ کی باتوں پر ہنس پڑی۔ درحقیقت، ان لوگوں کے لئے خاصا دلچسپ ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

"اچھا، تو تمہارے سسر جی بدھو ہیں----- پھر کیا ہوا؟"

"بس جی، ہونا کیا تھا، ساس جی نے پہلے تو مجھے، چکی میں لگا دیا۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ، ہل بھی مجھ سے ہی چلواتیں۔ سارا سامان چھین لیا ہمارا----- اور یہ بھوندو، اس بے چارے کی تو صبح سے شام تک جوتوں سے پٹائی ہوتی تھی۔ حالانکہ وہ، اس کی سگی ماں تھیں۔ میں نے ساری باتیں برداشت کر لیں مگر اپنے گھر والے کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے جی----- میں نے اس سے کہا، مورکھ! شہر میں نکل چل، جیسے آج تک نوکری کرتی رہی ہوں، ویسے ہی آیندہ بھی کرتی رہوں گی، تیرے لئے----- کیا کروں، بابا نے یہ ڈھول گلے میں ڈال دیا ہے، اب تو اسے بجانا ہی ہے۔ سو، بڑی مشکل سے یہ تیار ہوا----- بھوں بھوں کر کے رو رہا تھا، گھر چھوڑتے ہوئے۔ اب بتاؤ جی! جہاں دن، رات جوتوں سے مار پڑتی ہو، دودھ دوہنا پڑتا ہو، مویشی چرانے کے لئے لے جانے پڑتے ہوں۔ ہل چلانا پڑتا ہو، صبح سے شام تک یہی سب کچھ کرنا پڑتا ہو، پھر اس گھر میں رہنے سے کیا فائدہ؟ گھر تو گھر ہوتا ہے جی! کبھی نہ کبھی تو فرصت ملنی چاہئے۔"

"ہاں ہاں، بالکل-----"

"تو بس، جی----- میں، اسے گھر سے بھگا لائی۔" حسینہ نے کہا اور اس، بھگا لائی پر سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔

”تو نے بڑا اچھا کیا‘ حسینہ! جو اسے بھگا لائی ورنہ نہ جانے کیا حال ہوتا تو اس بے چارے کا۔۔۔۔۔ رو دھو کر چپ ہو گیا ہو گا‘ یا اب بھی روتا ہے؟“

”نہیں‘ جی! ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ دو دن ہی تو ہوئے ہیں ہمیں‘ گاؤں سے آئے ہوئے۔“

”اور یہ دو دن تم نے کہاں گزارے حسینہ؟“ میں نے پوچھا۔

”اسٹیشن پر‘ جی! یہاں اور تھا ہی کون؟“

”ہوں۔۔۔۔۔“ میں نے گہری سانس لی پھر قدرے توقف سے پوچھا۔ ”تمہاری دوسری بہنوں کی شادی ہو گئی؟“

”ابھی کہاں‘ جی! جو پیسے آپ نے دیے تھے‘ وہ بابا نے دبا لیے۔ گھر ٹھیک کرایا اور ہماری شادی کر دی۔ شادی کر کے ہم تو چلے گئے‘ بھوندو کے گھر۔۔۔۔۔ اور بابا نہ جانے کیا کرتا رہا۔۔۔۔۔ پھر ہم پر یہ بپتا پڑی۔۔۔۔۔ اس کے بعد‘ صاحب جی! ہم بابا کے گھر واپس نہیں گئے۔ کیا ملتا‘ اس سے؟ وہ تو ہے ہی پیسے کا لالچی۔ اب ہم کبھی اس کے پاس نہیں جائیں گے۔ ویسے بھی شادی کے بعد‘ اس کے پاس جانا اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔ دیکھ لو نوکری پھر بھی کرنی پڑ رہی ہے۔“

”ارے‘ نہیں نہیں۔ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو‘ حسینہ! شادی کے بعد اگر اپنے شوہر کے ساتھ رہ کر نوکری بھی کی جائے تو کوئی بری بات نہیں ہے۔“ گل بے اختیار بول پڑی۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے شرم کے آثار ابھر آئے۔ حالانکہ اچھی خاصی عمر کی عورت تھی۔ لیکن بعض اوقات‘ اس کی ادائیں بالکل معصومانہ لگتی تھیں۔ میں نے نگاہیں جھکا لیں۔ بہرطور‘ اس کے اور میرے درمیان ایک احترام کا رشتہ بھی رہ چکا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے میری تعمیر کی تھی۔۔۔۔۔ چنانچہ میں گل کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر سکا۔

”ہاں‘ یہ تو ٹھیک ہے۔ پر یہ بھوندو‘ اسے تو نوکری تلاش کرنی بھی نہیں آتی۔ دیکھ لیں‘ اگر ہمارے صاحب نہ ملتے تو نہ جانے ہم کہاں مارے مارے پھرتے۔ اسٹیشن پر پڑے ہوئے تھے۔ سامان تو کوئی ساتھ لائے نہ تھے۔ اس لئے کہ گھر سے بھاگنا پڑا تھا۔“

”ہوں‘ ٹھیک ہے۔ تمہیں سارا سامان یہاں مل جائے گا۔۔۔۔۔ اب تم اپنے بھوندو کے ساتھ آرام سے رہو۔ میں تمہارے رہنے کی جگہ بتا دوں گی۔“ گل نے کہا۔

”ٹھیک ہے‘ حسینہ! خوش ہو‘ اب تو! جو تنخواہ چاہو گی‘ یہاں مل جائے گی‘ تم دونوں کو لگن سے کام کرنا ہے۔ یہ سب اپنے ہی ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ پروفیسر شیرازی صاحب ہیں‘ یہ گل ہیں اور یہ سرخاب۔“

”عجیب عجیب سے نام ہیں لیکن کوئی بات نہیں‘ سیکھ جائیں گے تھوڑے دنوں میں۔“ حسینہ نے کہا۔ ”کیوں‘ بھوندو! تو لے سکتا ہے‘ ان کے نام؟“

”نہیں‘ ہمارے صاحب جی ہیں۔ ہم کیسے لیں گے‘ ان کے نام۔“ بھوندو نے عقلمندی کی ایک بات کر ہی ڈالی اور حسینہ پر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

”یہ ہنستی بہت ہے۔“ سرخاب مسکرا کر بولی۔

”کیوں نہ ہنسیں‘ جی! ایک ہنسی ہی تو اپنی ہے جسے ہم آسانی سے خرچ کر سکتے ہیں اور جس کا کوئی کرایہ بھی نہیں دینا پڑتا۔“ حسینہ بولی۔

”ہاں ہاں بھئی! ہمیں تو ہنسنے ہنسانے والے لوگ پسند ہیں۔“ پروفیسر شیرازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم نے اس کے بعد‘ ایاز کو تو نہیں دیکھا‘ حسینہ؟“ میں نے پوچھا۔

”ایاز۔۔۔۔۔“ حسینہ چونک کر بولی۔ ”اے لو‘ کل ہی تو ملا تھا وہ ہمیں‘ وہی سرخی پوڈر والا چھوکرا نا؟“

”ہاں‘ ہاں۔۔۔۔۔ اسی کی بات کر رہا ہوں۔ کب ملا تھا وہ تمہیں؟“ میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔

”کل اسٹیشن پر‘ کسی ریل سے اترا تھا۔ اور باہر جا رہا تھا۔۔۔۔۔ مگر‘ صاحب جی! اس کی حالت تو بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔“

”کیا بات تھی‘ حسینہ؟ تمہیں یقین ہے کہ وہ وہی تھا۔“

”لو‘ کیا میری آنکھیں‘ تمہیں بہت چھوٹی نظر آتی ہیں‘ صاحب جی! ہم نے پوری پوری آنکھوں سے اسے دیکھا‘ پہچان لیا اور اس کی طرف بڑھے مگر اس کی تو حالت ہی بڑی خراب تھی۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی‘ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ بالکل پاگل لگ رہا تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچ کر اسے پکڑ لیا اور تمہارے بارے میں پوچھا۔۔۔۔۔ پر اس نے کچھ نہیں بتایا بلکہ ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا۔“

”وہ۔۔۔۔۔ وہ ایاز ہی تھا۔۔۔۔۔ تمہیں یقین ہے؟“

”صاحب جی! اب تم یہ دیکھ لو‘ ہم نے تمہاری آواز سے تمہیں پہچان لیا تھا۔ ابھی ہم نے تمہاری شکل نہیں دیکھی ہے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟۔۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے‘ حسینہ؟ تم یہ بات بھروسے سے کہہ رہی ہو؟“

"ارے، بھوندو! تجھے یاد ہے، وہ آدمی جس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور ہم نے جس کا کرتہ پکڑ لیا تھا؟"

"ہاں، یاد ہے۔" بھوندو نے جواب دیا۔

"تو پھر بتا، صاحب جی کو، اس کی شکل کیسی تھی۔"

"بڑی بڑی آنکھیں، لمبا سا چہرہ، درمیانہ قد——"

"حسینہ! میں نے تو سنا ہے کہ ایاز مرگیا۔ اس نے خودکشی کر لی تھی۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے، صاحب جی! پر وہ مرا نہیں ہے۔ اگر وہ مرگیا ہوتا تو ہم کو دکھتے—— ارے، باپ رے! کہیں وہ، اس کا مردہ تو نہیں تھا جو چل رہا تھا۔" حسینہ کے چہرے پر ایک دم خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔

میں اس کی بات پر مسکرا نہیں سکا تھا۔ یہ تو عجیب بات سنائی تھی، اس نے۔ یہ ممکن ہے کہ تغلق خان کو دھوکا ہوا ہو—— کیا چمن نے جھوٹ بولا تھا؟ یہ چمن ہی کی اطلاع تھی کہ ایاز نے خودکشی کر لی ہے—— لیکن ایاز، حسینہ کو پہچانا کیوں نہیں؟ کیا صحیح الدماغ نہیں تھا؟ کیا اس کے ذہن پر کوئی برا اثر پڑا ہے؟ یہ بات میرے لئے بڑی کٹھن تھی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا، پروفیسر! اب میں چلتا ہوں۔"

"کہاں، بھئی—— کچھ کھاؤ، پیو گے نہیں؟" پروفیسر شیرازی نے پوچھا۔

"نہیں، پروفیسر! ایاز کے بارے میں یہ اطلاع، میرے لئے بڑی تشویشناک ہے۔ اگر زندہ ہے اور اسی شہر میں ہے تو اسے ملنا چاہئے۔ ایاز کو ضرور ملنا چاہئے۔"

"ہاں ہاں، ٹھیک ہے—— مگر اب کیا تم سڑکوں پر مارے مارے پھرو گے"

"پروفیسر، ایاز کی تلاش کے لئے، آپ مجھے اجازت ضرور دیں—— میں اسے تلاش کروں گا۔ پلیز، پروفیسر! پلیز——"

"ہاں ہاں بھئی، میں تمہیں منع نہیں کر رہا، اس سلسلے میں بس یوں ہی کہہ رہا تھا کہ——"

"میں محتاط رہوں گا، پروفیسر—— آپ مطمئن رہئے۔" میں نے جواب دیا۔

اور ان سب سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔ پروفیسر، مجھے چھوڑنے باہر تک آئے۔

"بس، ایک درخواست ہے، منصور! اپنی حفاظت کرنا۔ ہم نے جو تاج محل تعمیر کیا ہے اسے چمکتے، دمکتے دیکھنا چاہتے ہیں، کوئی مقصد چاہتے ہیں، اس کا۔"

"آپ مطمئن رہیں، پروفیسر! میں کسی حادثے کا شکار نہیں—— ہوں گا۔"

جواب دیا۔

پروفیسر شیرازی مجھے بنگلے کے گیٹ تک چھوڑنے آئے تھے۔ باہر میری گاڑی نہ دیکھ کر، انہوں نے کہا۔ "پیدل ہی——"

"ہاں، ٹیکسی سے آیا تھا۔ ٹیکسی تلاش کر لوں گا، تھوڑی دور جا کر۔" میں نے جواب دیا اور پروفیسر کو سلام کر کے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

ٹیکسی کافی دور جا کر ملی تھی—— اور پھر میں ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر گردی کرنے لگا۔ اسٹیشن کے علاقے میں گیا۔ وہاں سے قرب و جوار کے علاقوں میں—— میں دیوانوں کی طرح سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں ایاز کو تلاش کرتا رہا، رات ہو گئی لیکن ایاز کا کوئی پتہ نہ چلا—— پھر میں تھکا ہارا اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔

وہاں کا ماحول پر سکون تھا۔ بد قسمتی سے ایاز کی کوئی تصویر بھی میرے پاس نہیں تھی۔ جسے میں دوسروں کو دے کر، اس کی تلاش کرا سکتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ حسینہ پر مکمل بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لا ابالی سی لڑکی تھی اور کسی قدر کھسکی ہوئی بھی—— لیکن وہ جتنے وثوق سے کہہ رہی تھی، اس نے میرے دل میں امید کی ایک جوت جگا دی تھی۔ ممکن ہے، ایاز زندہ ہو، ممکن ہے، چمن نے جھوٹ بولا ہو—— لیکن اس بدبخت نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟ اس سے اسے کیا حاصل ہوتا تھا؟ میں سوچتا رہا لیکن اس الجھن کا کوئی حل سمجھ میں نہ آیا، سوائے اس کے کہ چمن کی گردن جا دبوچوں۔

لیکن اس میں بھی کافی قباحتیں تھیں۔ چمن کو میری زندگی اور یہاں آمد کے بارے میں معلوم نہیں ہونا چاہئے—— کم از کم، اس وقت تک، جب تک پرنس دلاور کی شخصیت کھل نہ جائے۔ میں ایک ٹھنڈی—— سانس لے کر، آرام دہ کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کا کوئی حل نہیں تھا، میرے پاس——. جس طرح میں نے اوروں کے لئے صبر کیا تھا، وہ جو مجھے بے حد پیارے تھے، اسی طرح مجھے ایاز کے لئے بھی صبر کرنا تھا۔

صبر—— صبر—— صبر—— میری تقدیر میں صبر کے علاوہ لکھا ہی کیا تھا۔ میں کافی دیر تک درد و کرب میں ڈوبا رہا۔ یہ درد و کرب تو میری زندگی کا ایک جزو بن گیا تھا۔ زمانہ بعد از وقت میرے ساتھ بہتر سلوک کر رہا تھا۔ مجھے، دنیا بھر کی آسائشیں مہیا کر دی گئی تھیں—— لیکن کاش! کوئی ان آسائشوں کو چھین لیتا اور مجھے صرف میری ماں اور بہن لوٹا دیتا—— آج بھی میرے دل میں حسرت تھی۔ جب بھی مجھے ان دونوں کا خیال آتا تو مجھ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی چیزوں سے نفرت ہونے لگتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ ان سے منہ موڑ کر کہیں ویرانے میں نکل جاؤں، جہاں میرے سوا کوئی نہ ہو، بالکل تنہائی ہو۔

------ پھر دور سے مجھے، روشنی کے دو نقطے نظر آئے۔ یہ نقطے میرے قریب آتے اور پھیلتے گئے پھر ان میں فریدہ اور امی کی شکلیں نظر آنے لگیں------ میں بری طرح بے چین ہو گیا۔ اب تو امید کی شمعیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ کون سی جگہ چھوڑی تھی میں نے ان کی تلاش میں------ لیکن یوں لگتا تھا جیسے انہیں زمین نگل گئی ہو۔

دیر تک میں انہی احساسات کا شکار رہا۔ بار بار میں نے خود کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ میں اس حسرت نصیب ماحول سے نکل جاؤں۔ دلجمعی اور پختگی کے ساتھ، اپنے اس فرض کا آغاز کروں جو میری زندگی کا مشن بن چکا تھا۔ اس شخص سے انتقام کے لئے ہر وہ قدم اٹھاؤں جو اسے موت کی راہوں پر لے جائے، جس نے------ میری امی اور فریدہ کو مجھ سے جدا کر دیا تھا۔

دفعتاً مجھے ایک خیال آیا اور میں چونک پڑا۔ ہاں، واقعی! مجھے اپنی مصروفیات میں خلل انداز نہیں ہونا چاہئے بلکہ اپنے لئے دوسرے راستے ہموار کرنے چاہئیں۔ اب تک میں نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔

دوسرے لمحے، ٹیلیفون کے نزدیک پہنچ گیا۔ عظمت کے گھر کا ٹیلی فون نمبر مجھے معلوم تھا۔ اس وقت عظمت یقینی طور پر اپنے گھر میں ہو گا۔ کیونکہ وہ سیدھا سادا اور شریف النفس نوجوان تھا------ اور زندگی کی دوسری تفریحات میں کم ہی حصہ لیا کرتا تھا۔ میں نے نمبر ڈائل کر کے ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے فرحت اللہ صاحب کی آواز سنائی دی تھی۔

”آپ کا خادم منصور بول رہا ہے۔ عظمت گھر میں ہیں؟“

”ہاں ہاں، بیٹے! بلاؤں اسے؟ ویسے تم خیریت سے تو ہو، نا؟“

”جی، آپ کی دعائیں ہیں۔ بلا دیجئے، عظمت کو۔“ میں نے کہا اور چند لمحوں بعد عظمت کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو، منصور بھیا۔ کیسے حال ہیں؟“

”ٹھیک ہوں------ عظمت! ایک کام، تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔“

”حکم------ حکم------ فرمائیے۔“

”عظمت! مجھے حسینہ ملی ہے۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ بے چاری ملازمت کی تلاش میں سرگرداں پھر رہی تھی کہ مجھے نظر آ گئی۔ میں اسے لے آیا ہوں۔“

”ارے! یہ کیسے ہوا؟ اسے تو اچھی خاصی رقم دے کر، میں نے اس کے گاؤں پہنچا

دیا تھا۔“

”ہاں، مجھے علم ہے------ لیکن، عظمت! بعض اوقات، حالات بڑے عجیب و غریب ہو جاتے ہیں۔ اسے سسرال والے اچھے نہ ملے۔ کچھ روپیہ اس کے باپ نے کھایا اور کچھ سسرال والوں نے۔ بہرطور، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، دنیا میں ایسے لاتعداد واقعات ہوتے ہیں۔ میں نے اسے گل کے پاس پہنچا دیا ہے۔ وہاں وہ دونوں ملازم کی حیثیت سے کام کریں گے لیکن میں نے تمہیں ایک دوسرے مقصد کے تحت تکلیف دی ہے۔“

”جی------ فرمائیے۔“

”میں، تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے، ایاز کی موت کی اطلاع ملی تھی۔“

”جی، بھیا------“

”لیکن حسینہ نے مجھے ایک اور ہی کہانی سنائی ہے۔“

”کیا------؟“ عظمت نے چونک کر پوچھا۔

”اس کا کہنا ہے کہ اس نے ایک دن قبل، ایاز کو اسٹیشن پر دیکھا تھا۔“

”کیا------!“ عظمت حیرت سے چیخ سا پڑا۔

”ہاں، عظمت! بات ہی اتنی حیرت انگیز ہے------ لیکن زیادہ قابل بھروسہ بھی نہیں۔ کیونکہ حسینہ کو دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔“

”مگر کیا حسینہ نے اسے قریب سے دیکھا تھا؟ اس نے اس سے بات کی تھی؟“

”وہ کہتی ہے، اس نے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ایاز اپنے ہوش میں نہ تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور چہرے سے وہ مخبوط الحواس معلوم ہوتا تھا۔ حسینہ کے مخاطب کرنے پر بھی اس نے، اسے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔“

”بھیا! ایک بات بتائیے، کیا حسینہ قابل اعتماد ہے؟“

”میں نے کہا نا، اسے دھوکا بھی ہو سکتا ہے------ لیکن عظمت! ایاز کی زندگی کی خبر سن کر میرا دل مچل گیا ہے۔ میں آج کئی گھنٹوں تک اس کی تلاش میں، سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا ہوں لیکن میری ذمے داریاں مجھے اس کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں اس سلسلے میں مزید کوشش کرتا رہوں۔“

”میں سمجھ گیا، منصور بھیا! آپ بالکل مطمئن رہیں۔ اب یہ میرا فرض ہے۔“ عظمت نے فوراً کہا۔

”شکریہ، عظمت! دراصل، تم حالات کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو------ مجھے اتنے بڑے منصب پر فائز کر دیا گیا ہے کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سی ذمے

داریاں ہیں' میرے سر پر------ اور ابھی مجھے ایک خاص سلسلے میں کام کرنا ہے لیکن ایاز کا مسئلہ بھی میں کسی طور کم نہیں سمجھتا۔ سوچتے سوچتے' میرے ذہن میں تمہارا خیال آیا------ لہٰذا یہ خدمت میں' تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں' منصور بھیا! کچھ بھی ہو جائے۔ میں ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے لوں گا اور ایاز کو تلاش کروں گا۔"

"ایاز کا پرانا گھر معلوم ہے' تمہیں؟"

"نہیں' بھیا! مجھے نہیں معلوم۔"

"تو پھر یوں کرو کہ پتہ نوٹ کر لو۔ وہاں پر بھی جا کر معلوم کر لینا۔"

"آپ مجھے پتہ نوٹ کرا دیں۔ ایک منٹ۔" عظمت نے کہا۔ شاید وہ کاغذ' پینسل کا بندوبست کرنے لگا تھا پھر اس کی آواز آئی۔ "جی' بھیا!" میں نے پتہ بتایا جسے اس نے نوٹ کر لیا۔ دفعتہ" مجھے ایک خیال آیا اور میں نے عظمت سے کہا۔

"عظمت! تمہارے پاس ایاز کی کوئی تصویر ہو گی؟"

"نہیں' بھیا!"

"اگر کوئی دقت نہ ہو تو ایک کام اور کر لینا۔"

"جی۔ فرمائیے۔"

"ایاز جس گلی میں رہتا ہے۔ اس سے بائیں ہاتھ کی تین گلیاں چھوڑ کر ایک مکا ہے' بالکل کونے کا۔ اس کا نمبر مجھے نہیں معلوم اور یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہاں کون رہتا ہے لیکن اسی مکان میں شمو نامی ایک لڑکی رہتی ہے۔"

"جی------ پھر------؟"

"جاہل سا گھرانہ ہے۔ کوئی مشکل بھی پیش آ سکتی ہے۔ اگر کوئی ترکیب نکال سکو اس لڑکی سے بھی مل لو۔ ممکن ہے' اس کے پاس ایاز کی کوئی تصویر ہو۔ وہ' ایاز کی مح ہے۔"

"کوئی ترکیب کر لوں گا' بھیا! آپ مطمئن رہیں۔" عظمت نے کہا۔ پھر رسمی گفتگو کے بعد' میں نے فون بند کر دیا۔ یہ کام عظمت کو سونپ کر میں کسی قدر پر سکون ہو گیا تھا۔

○

نینی نے عدنان کے آنے کی اطلاع دی تو میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بلوا لیا۔ عدنان نے مجھے سلام کرنے کے بعد بتایا۔

"میتھو فورے' چھ تاریخ کو آٹھ بجے' کواری پہنچ رہا ہے۔ یہاں وہ ہوٹل گلیشیئر

قیام کرے گا۔ گلیشیئر کا روم نمبر بیس' اس کے لئے مخصوص ہو چکا ہے اور یہ کمرہ' سیٹھ جبار کے آدمیوں نے بک کرایا ہے۔"

"اطلاع موصول ہونے کا ذریعہ؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارا آدمی ہانگ کانگ پہنچ چکا ہے اور وہ اسی طیارے سے واپس آئے گا جس سے میتھو فورے سفر کر رہا ہے۔"

"اس کے ساتھ' اس کی سیکریٹری ہو گی؟"

"جی ہاں------"

"سیٹھ جبار کے آدمی' کواری پہنچ چکے ہیں؟"

"اس سلسلے میں معلوم نہیں ہو سکا' جناب!"

"ہوں------" میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ "ہوٹل گلیشیئر کی کسی بھی منزل پر جا کر کمرے بک کرا لو۔ پرنس دلاور کے نام سے۔ منیجر سے کہو کہ پرنس کے لئے خصوصی انتظامات کئے جائیں۔"

"جی بہتر------ اس سلسلے میں کوئی اور اشارا' تاکہ میں اطراف کے کام بھی کر لوں۔" عدنان نے کہا۔

"میں خود کواری جاؤں گا اور اس معاملے کو دیکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"بہت بہتر------ یہ مناسب رہے گا' پرنس!" عدنان نے جواب دیا اور پھر تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ اٹھ گیا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی ہدایت' جناب؟ آپ کب تک کواری روانہ ہو جائیں گے؟"

"میرے خیال میں دو تاریخ کو۔ آج انیس تاریخ ہے نا؟"

"جی------"

"بس' دو تاریخ ٹھیک رہے گی۔"

"آپ کے ساتھ کتنے افراد جائیں گے؟"

"چار------" میں نے جواب دیا۔

"ہوائی جہاز سے سیٹیں بھی بک کرا لوں۔"

"ظاہر ہے۔ دو تاریخ کی سیٹیں حاصل کر لو۔" میں نے کہا اور عدنان سلام کر کے چلا گیا۔ میں نے یہ فیصلہ اچانک کیا تھا۔ بس ایک دم یہ خیال آیا تھا کہ جو کچھ بھی کر رہا ہوں' اس میں عملی حصہ بھی تو لینا چاہئے۔ دوسروں کے کاندھوں پر بندوق رکھ کر چلاتے رہنا بھی تو مناسب نہیں تھا۔ صحیح ہو یا غلط' خود کو آزمانا چاہئے۔

پھر میں نے ساتھ لے جانے کے لئے آدمیوں کا انتخاب کیا۔ طاہر اور اعظم بہترین تھے۔ فینی کو سیکریٹری کی حیثیت سے ساتھ لے لینا مناسب سمجھا تھا۔ یہ لڑکی ابھی تک میرے لئے پر اسرار تھی۔ اور میں، اس کی شخصیت کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ بہرحال، ممکن ہے کواری کے مقام پر کچھ ذہنی شگفتگی حاصل ہو جائے۔ یہاں تو میرے ذہن پر قبرستان جیسی کیفیت طاری رہتی تھی۔

میں نے فینی کو طلب کر لیا اور وہ گردن جھکائے میرے پاس آ گئی۔ "ہم، کواری جا رہے ہیں، فینی!

"یس، سر---- کب تک پروگرام ہے؟"

"دو تاریخ کو۔"

"بہتر---- اور کون ساتھ جائے گا؟"

"تم، طاہر اور اعظم---- میں نے وہاں ہوٹل گلیشیئر میں کمرے بک کروا لئے ہیں۔"

فینی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس سے قبل تم نے وہ جگہ دیکھی ہے؟"

"نہیں، جناب! میں نے یہ ملک دیکھا ہی کہاں ہے؟"

"اوہ ہاں---- مجھے خیال ہی نہ رہا تھا۔"

"وہاں کیا پروگرام رہیں گے، جناب؟"

"بس، تفریح کریں گے، فینی! ویسے مینتھو فورے بھی کواری پہنچ رہا ہے۔ ہمیں اسے بھی چیک کرنا ہو گا۔ کیا خیال ہے؟"

"جو آپ بہتر سمجھیں، جناب!" فینی نے جواب دیا۔

"او۔ کے، فینی! تم انتظامات کرو۔"

"دیگر امور بھی ہیں، جن کا تعلق اسی پروگرام سے ہے۔"

"ہاں، پوچھو۔"

"پرنس دلاور اپنے اصلی نام سے وہاں ہوں گے؟"

"بالکل----"

"گویا اچھی خاصی رقم کی ضرورت پڑے گی۔"

"یقیناً---- میں، طاہر اور اعظم کو اس سلسلے میں ہدایات دے دوں گا۔" میں نے کہا اور فینی گردن جھکا کر خاموشی سے چلی گئی۔ میں اس سلسلے کے آئندہ اقدامات پر غور کرنے لگا---- پھر میں نے طاہر اور اعظم کو طلب کر لیا۔

○

اپنے شہر سے چلا تھا تو موسم کافی گرم تھا---- لیکن کواری کے ہوائی اڈے پر اترا تو موسم بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ میں نے گرم موسم کے لحاظ سے لباس پہن رکھا تھا۔ اسی وقت فینی نے مجھے سمور کا بنا ہوا ایک شاندار اوور کوٹ پیش کیا۔ یہ اوور کوٹ میں نے فینی کے پاس دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی ایک سوئٹر پہن چکی تھی۔

"اوہ---- کیا یہ مجھے آ جائے گا؟" میں نے اوور کوٹ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ ہی کا ہے جناب!"

"ویری گڈ، فینی! کیا تمہیں علم تھا کہ یہاں موسم اتنا سرد ہو گا----؟" میں نے اوور کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، جناب! آپ کے یہاں آنے کے پروگرام کے بعد میں نے کواری کے بارے میں تمام تفصیلات اکٹھا کی تھیں۔ تبھی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں سردی ہو گی۔"

"شکریہ، فینی! میں تو فکرمند ہو گیا تھا۔"

کواری کا نام میں نے بچپن میں سنا تھا۔ آب و ہوا کے لحاظ سے یہ میرے ملک کا بہترین مقام قرار دیا گیا تھا۔ دولت مند لوگ، موسم گرما میں یہیں کا رخ کرتے تھے۔ لیکن یہ تمام باتیں بس پریوں کے دیس کی کہانیوں کی طرح میرے علم میں تھیں۔ خود میں نے اس پریوں کے دیس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آج میں نہ صرف بڑے بلکہ بہت بڑے آدمی کی حیثیت سے اس شہر میں آیا تھا۔

ہوائی اڈہ بین الاقوامی معیار کا تھا۔ ماحول ہی بدلا ہوا تھا یہاں کا---- یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ ہمارے ملک کا کوئی شہر ہے۔ بلکہ یہ انتہائی ترقی یافتہ ملک کا کوئی ہوائی اڈہ معلوم ہوتا تھا۔ غالباً محکمہ سیاحت نے یہاں کافی کام کیا تھا۔ فضا پر کہر چھائی ہوئی تھی۔ جو سردی میں اضافہ کر رہی تھی۔

ضروری معاملات میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے---- باہر ہوٹل گلیشیئر کی دو گاڑیاں موجود تھیں۔ ایک وین اور ایک لمبی مرسیڈیز کار جس پر گلیشیئر کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔ باوردی ڈرائیور آگے بڑھا اور ہمارے سامنے خم ہو کر بولا۔ "پرنس دلاور----"

"ہاں---- ہوٹل گلیشیئر سے آئے ہو؟" فینی نے پوچھا۔

"مادام!" ڈرائیور جھک کر بولا---- اور فینی نے گردن ہلا دی۔ مجھے مرسیڈیز میں بٹھایا گیا اور اعظم اور طاہر کو وین میں جگہ دی گئی۔ اس طرح ہم ہوٹل گلیشیئر روانہ ہو

گئے۔

صاف ستھری کشادہ سڑکوں کے دونوں طرف دور دور تک سبزہ بکھرا ہوا تھا۔ جو ہلکی دھند میں مزید خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ موسم' طبیعت پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور ایک طرح کی جولانی پیدا ہو گئی۔ فینی' میرے بالکل نزدیک اور مستعد بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے چور نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن اس کے چہرے سے کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ اس کی شخصیت واقعی انوکھی تھی۔ میں نے اس کی شوخ فطرت کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ اور اب یوں گمان ہوتا تھا جیسے وہ صرف دھوکا ہو۔ اس کے بعد' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نہ آئی تھی۔ نہ جانے کیوں؟ یہ معمہ حل نہ ہو سکا تھا۔

ہوٹل گلیشیئر کا کمپاؤنڈ بہت وسیع تھا۔ ایک جانب پارکنگ لاٹ تھا۔ جس پر تقریباً پندرہ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان میں دو تین پرائیویٹ گاڑیاں تھیں۔ باقی سب پر ہوٹل کا مونوگرام تھا۔

مرسیڈیز نے مجھے صدر دروازے کے پاس اتارا۔ گاڑی رکتے ہی ڈرائیور نے جلدی سے اتر کر دروازہ کھولا۔ سامنے دو پورٹر کھڑے ہوئے تھے۔ نیچے اتر کر میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا---- اور سو' سو کے دو نوٹ نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

دونوں پورٹروں نے یہ منظر دیکھا تو میرے آگے بچھ بچھ گئے اور میں ان کی رہنمائی میں چل پڑا۔ فینی' میرے پیچھے تھی۔ لفٹ نے ہمیں دوسری منزل پر اتار دیا اور دو نوٹ لفٹ مین کی جیب میں پہنچ گئے۔ دونوں---- پورٹروں کی حالت اور خراب ہو گئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے جیب میں سے سو' سو کے سات' آٹھ نوٹ نکالے اور ان پورٹروں کے حوالے کر دیئے۔

فینی' میرے اس عمل پر خاموش تھی---- پھر وہ' مجھ سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دونوں پورٹر بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے کی عقبی کھڑکی کو کھولا تو دل خوش ہو گیا۔ دور تک خوش نما مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ دھند میں سویا ہوا ماحول بہت دلکش لگ رہا تھا۔ میں چند لمحوں تک کھڑکی میں کھڑا رہا پھر اس وقت چونکا جب میرا سامان اندر آیا۔ اس بار دوسرے دو افراد تھے۔ جنہوں نے میرا سامان' قرینے سے الماریوں میں لگایا---- پھر جب وہ کمرے سے نکلے تو ان کی جیبوں میں بھی دو دو نوٹ تھے۔ پھر دو آدمی اور اندر آئے۔ انہوں نے انٹر کام لا کر رکھا اور اس کے تار وغیرہ جوڑ دیئے۔ یہ انٹر کام فینی سے رابطے کے لئے تھا۔ ٹپ تو انہیں بھی ملنی تھی۔ میں نے گلیشیئر میں قیام کے

لئے ایک پروگرام بنایا تھا اور یہ اخراجات اسی پروگرام کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو اب مینجر کی باری تھی۔ میں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر ڈال دی اور باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ باتھ روم سے نکلا تو ایک اچھی شخصیت کا مالک' ادھیڑ عمر شخص موجود تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ادب سے جھکا۔

"شرمندہ ہوں' پرنس! استقبال کو نہ پہنچ سکا---- میں گلیشیئر کا مینجر ہوں۔"

"کوئی بات نہیں' مینجر!"

"میں' پرنس کے سلسلے میں کچھ ہدایات چاہتا تھا اور یہ ہدایات سیکریٹری صاحبہ سے بھی مل سکتی تھیں لیکن میری آرزو تھی کہ میں پرنس سے ملاقات کروں۔ عقیدت کے جذبات کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ یقیناً پرنس اس سے قبل بھی کواری تشریف لائے ہوں گے لیکن گلیشیئر کو عزت پہلی بار بخشی گئی ہے۔ اسی لئے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"شکریہ مینجر! کوئی ضرورت ہوئی تو تمہیں زحمت دیں گے۔" میں نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"برف کے میدانوں میں پہاڑی بکروں کا شکار' اس موسم کی سب سے بڑی تفریح خیال کیا جاتا ہے۔ اگر پرنس' اس سے دلچسپی کا اظہار کریں تو میں ذاتی طور پر انتظامات کر سکتا ہوں۔"

"اوہ' ہمیں دلچسپی ہے۔ تمہیں یقیناً زحمت دیں گے' مینجر!"

"شکریہ' پرنس! سمع خراشی کی معذرت چاہتا ہوں۔" مینجر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اجازت----؟"

"بہت بہت شکریہ' مینجر! میز پر پڑی گڈی اٹھا لو۔" میں نے کہا۔

مینجر نے میز کی طرف دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"خادم ہوں' حضور کا۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"یہ ہماری روایت ہے' مینجر! اسے قبول کر لو' پلیز!"

"بے حد شکر گزار ہوں۔" مینجر نے کہا اور گڈی اٹھا لی۔ تھوڑا سا احتراماً جھکا پھر کمرے سے نکل گیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جو کچھ میں نے سوچا تھا' اس سے مختلف نہیں ہوا تھا۔ کس قدر نفرت انگیز ہے یہ دولت' میرا بس چلتا تو ساری دنیا کی دولت اکٹھی کر کے اس کو آگ لگا دیتا۔ اس نے انسانی فطرت کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ یہ اعضا میں خون کی

گردش بن گئی ہے۔ اس کی وجہ سے فطرت میں وحشت و بربریت پیدا ہو گئی ہے اور زمین خون رنگ ہو گئی ہے----- پھر بھی اس قابل نفرت شے سے محبت کی جاتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے یہ جذباتی اور احمقانہ سوچ میرے ذہن میں پیدا ہوئی لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔

پھر وہی ہوا جس کا امکان تھا۔ گلیشیئر میں پرنس کا نام' چاروں طرف گونجنے لگا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ فینی نے مجھے بتایا۔ "باہر تو بڑے ہنگامے ہیں' سر!"

"کیسے ہنگامے' فینی؟"

"ہر طرف پرنس دلاور کے چرچے ہو رہے ہیں۔ یہاں ہوٹل میں مقیم مہمان بھی پرنس کے بارے میں ایک دوسرے سے استفسار کر رہے ہیں۔"

"خوب-----" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے' سر----- یہ سب کچھ ہمارے پروگرام کا ایک حصہ ہے۔"

"ہاں' فینی! تم ان چرچوں کی وجہ بھی سمجھ رہی ہو گی۔"

"یس' سر! اسی وقت سے' جب آپ نے ڈرائیور اور پورٹروں کو ٹپ دی تھی۔"

"ہاں' میں چاہتا ہوں' میتھو فورے جب یہاں پہنچے تو پرنس کا نام' اس کے لئے اجنبی نہ ہو۔"

"جی' مجھے اندازہ ہے۔" فینی آہستہ سے بولی۔

"تم سے تو کسی نے ملاقات کی کوشش نہیں کی تھی؟"

"صرف مینجر آیا تھا' پرنس کی ضرورتوں اور دلچسپیوں کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے۔" فینی نے جواب دیا۔

میں نے گردن ہلا دی۔ "یہ سخاوت جاری رہے گی۔ اس مہم کے لئے ہمارے بجٹ میں کافی گنجائش ہے۔ اور ہاں' رات کا کھانا----- ہم ڈائننگ ہال میں کھائیں گے۔ اس سے قبل ہم اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں گے۔"

"بہتر-----" فینی نے جواب دیا۔

اس کے بعد میں آرام کرتا رہا۔ نیند تو نہیں آتی تھی لیکن طبیعت کسی قدر مست ہو گئی۔ شام کو چھ بجے میں اٹھ گیا۔ فینی نے مینجر کو میرے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا۔

ڈائننگ ہال کے ایک خوش نما گوشے میں میرے لئے میز لگائی گئی تھی۔ میرے اطراف میں فینی' طاہر اور اعظم کی میزیں تھیں۔ ہال میں بہت سے غیر ملکی بھی تھے۔ موسیقی کی لہریں پورے ہال میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ چوبی فرش کے دوسرے سرے پر آرکسٹرا سجا

ہوا تھا اور سازندے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میں اس ماحول سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ بہت سی نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ اس وقت میرے ذہن میں اپنے لئے ایک جملہ گونج اٹھا۔ "کرائے کا شہزادہ' جسے چند لوگوں کی قربانیوں نے عزت بخشی ہے۔ ورنہ میں کیا تھا اور میری اوقات کیا تھی۔ یہ سب جو مجھ سے مرعوب نظر آ رہے تھے' کچھ عرصے قبل میری طرف رخ کر کے بیٹھنا بھی پسند نہ کرتے۔

پھر ویٹروں کی پوری فوج حملہ آور ہو گئی۔ ایک سپروائزر' ان کے ساتھ تھا۔ کھانے کا انتظام اور چونچلے جاری رہے۔ تصویر کے انوکھے رخ میرے سامنے تھے۔ مجھے گندی نالیوں کے قریب پڑے ہوئے وہ بھوکے فقیر یاد آ گئے جن کے ہاتھوں پر سالن سے لتھڑی ہوئی روٹیاں رکھی ہوتی تھیں اور وہ پیٹ کی آگ بجھا رہے ہوتے تھے۔ دوسری طرف یہ اہتمام----- کیسی انوکھی دنیا تھی یہ۔ بہرحال اداکاری جاری رہی۔ کھانا کھایا' ٹپ دی اور نہ جانے کیا کیا ڈرامے ہوتے رہے پھر رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔ دفعتاً" فینی اٹھ کر میرے پاس آ گئی۔ "سر! ایک الجھن پیش آ گئی ہے۔"

"وہ کیا-----؟"

"ایک خاتون' آپ کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہیں۔"

"اوہ----- ٹال دو' فینی!"

"بہت کوشش کی' سر----- پھر مجبوراً" آپ سے اجازت لینے آنا پڑا۔"

"کون ہے؟"

"وہ' اس میز پر بائیں طرف۔" فینی نے ایک جانب اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے' ایک راؤنڈ کے بعد میں چلا جاؤں گا۔ یہ سب کچھ مجھے پسند نہیں۔"

جس لڑکی نے مجھ سے رقص کی فرمائش کی تھی' وہ کافی خوبصورت تھی۔ وہ میری میز پر آئی تو اس کے بدن سے خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں----- میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے رقص نہیں آتا----- لیکن آپ کی فرمائش نہ ٹال سکا۔ کیا نام ہے' آپ کا؟"

"شمائلہ----- میں چمڑے کے بہت بڑے تاجر یعقوب گوبو کی بیٹی ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"بڑی مسرت ہوئی' آپ سے مل کر۔ کہاں سے آئی ہیں؟"

"جام پور سے----- ہر سال آتی ہوں۔ کواری' اس موسم میں زمین کا حسین ترین خطہ ہوتا ہے۔"

"آپ تو یہاں سے خوب واقف ہوں گی؟"

"جی، کئی سال سے یہاں آتی ہوں۔" ہم دونوں چوبی فرش پر پہنچ گئے۔ مجھے واقعی رقص نہیں آتا تھا۔ شائلہ ہی مجھے نچارتی رہی----- یہ سب ضرورت کے تحت ہو رہا تھا۔ بہرحال شائلہ سے دوستی ہو گئی۔ وہ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے سے پہلے ہی میں وہاں سے اٹھ گیا۔

دوسرے دن، گیارہ بجے کے قریب شائلہ پھر آ گئی لیکن میں نے اس سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ "باہر بارش ہو رہی ہے، پرنس! کیا اس موسم میں آپ اپنے کمرے میں رہیں گے؟"

"بارش ہو رہی ہے؟" میں چونک پڑا۔

"رات ہی شروع ہو گئی تھی۔"

"مجھے علم نہیں تھا۔"

"آیئے، ہم نکلیں----- میرے پاس پی کاس ہے۔ بارش کی خاص سواری----- میں، آپ کو کواری کے اطراف کی سیر کراؤں گی۔"

"سوری، شائلہ! میں اس وقت نہ جا سکوں گا۔ میرا مزاج----- بارش برداشت نہیں کر سکتا اور پھر میں نے کچھ لوگوں کو وقت دے رکھا ہے۔"

"اوہ----- تو پھر میں بھی نہیں جاتی۔ یہاں، آپ کے ساتھ گزرنے والا وقت، باہر کے موسم سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ پرنس! میں محسوس کر رہی ہوں کہ جیسے آپ یہاں کے موسم اور ماحول سے زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اپنے طور پر دلچسپی لے رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ آوارہ موسم، آداب و روایات کی قید قبول نہیں کرتا۔ جوانی تند بارش کی طرح ہے۔ برسے تو جل تھل کر دے۔ آپ سمندر کی طرح پر سکون کیوں ہیں؟"

"اس لئے کہ سمندر ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"جوانی سمندر نہیں ہے، ایک پر شور ندی ہے۔ یہ طوفان کی طرح گرتی ہے اور اپنی روانی میں سب کچھ بہا لے جاتی ہے۔ آپ اسے سمندر کیوں بنا رہے ہیں، پرنس؟"

"آپ چند لمحات کی ملاقات میں، میری فطرت بدلنے کی خواہش مند کیوں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔ لڑکی کچھ ضرورت سے زیادہ فری ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن میں تفریحاً بھی ایسا کوئی جنجال پالنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"اوہ، نہیں، پرنس! سوری----- شاید آپ، میری رفاقت پسند نہیں کر رہے۔" وہ سنبھل گئی۔

"نہیں، شائلہ صاحبہ! میں نے عرض کیا نا----- کہ میں نے کچھ لوگوں کو وقت دے رکھا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیجئے۔" وہ کسی قدر روٹھے ہوئے انداز میں بولی۔

"پھر ملاقات ہو گی۔" میں نے کہا اور وہ باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سکون کی سانس لی پھر میں نے انٹر کام پر فینی کو مخاطب کیا۔

"لیس، سر!"

"فینی! اس فضول لڑکی کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دیا کرو۔ وہ اگر آئندہ آئے تو اس سے معذرت کر لینا۔"

"بہتر، جناب! وہ اعظم نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں۔ شکار پر جانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔"

"جانے دو۔ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے----- اور فینی! اگر تم بھی چاہو تو-----"

"نہیں، جناب! شکریہ-----" فینی نے جواب دیا اور میں نے انٹر کام بند کر دیا۔

میں وقت سے کچھ قبل، اسی لئے یہاں آ گیا تھا کہ خود کو یہاں کے ماحول میں ضم کر لوں لیکن فضولیات بور کر رہی تھیں۔ ہر قدم پر عورت۔ ماحول میں بے پناہ تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ جس قدر بلندی سے اس ماحول کو دیکھتا، اتنا ہی گھناؤنا محسوس ہوتا۔ میری اپنی سطح کے لوگ ابھی تک مشرق کی روایات کو قائم رکھے ہوئے تھے لیکن سطح سے بلند لوگ خود کو بھول چکے تھے۔

اعظم اور طاہر نے مجھے اطلاع دی کہ سیٹھ جبار کے چار آدمی یہاں مقیم ہیں اور وہ انہیں ٹریس کر چکے ہیں پھر انہوں نے مجھے ان لوگوں کو دکھا بھی دیا لیکن ان میں کوئی میرا شناسا نہیں تھا۔ بہرحال، میں نے انہیں، ان لوگوں پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کر دی۔

چوتھے دن مجھے ایک کال ملی۔ دوسری طرف تغلق خان تھا۔

"ہیلو، خان----- خیریت ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں، جناب! آپ سے آزادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں؟" تغلق خان نے پوچھا۔

"ہاں' ڈائریکٹ لائن ہے۔ کہو' کیا بات ہے؟"

"چیف! مجھے ایک آفر ملی ہے۔"

"کیسی آفر ہے؟"

"اپنے چمن نے مجھے پیشکش کی ہے کہ اپنی پسندیدہ شرائط پر بلیک مین کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ بلیک مین سمجھ رہے ہوں گے' جناب؟"

"ہاں' سمجھ رہا ہوں۔"

"ایک لحاظ سے بہترین آفر ہے۔ جسے اس وقت تو میں قبول نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اب یہ ایک شاندار موقع ہے۔"

"وہ کس طرح تغلق خان؟"

"مجھے یقین ہے' چیف! کہ میں اس کے آدمیوں میں نمبرایک بن جاؤں گا اور پھر اس کے سارے راز آپ کے ہوں گے۔" تغلق خان نے کہا۔

"او۔ کے' خان! فوراً" قبول کر لو۔ یہ پیشکش۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔ آپ دیکھیں گے' جناب! کہ اس طرح میں کتنا کار آمد ثابت ہوتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں' تغلق خان!"

"خدا حافظ-----" تغلق خان نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ تغلق خان قابل اعتماد شخص تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے طور پر گروہ بنا کر ہر کام کر سکتا تھا لیکن وہ' پروفیسر شیرازی کا ممنون تھا اور ایسے لوگ قابل اعتماد ہوتے ہیں جو دولت کے غلام نہیں ہوتے۔ وہ اس قدر شاندار انسان تھا کہ جبار سیٹھ اس پر اعتماد کر سکتا تھا اور اس طرح یہ ایک تیر سیٹھ جبار کے عین دل میں پیوست ہو جائے گا۔

بہرحال اس پروگرام کو میں ہر طرح بہتر سمجھتا تھا۔ یوں وقت گزرتا گیا اور چھ تاریخ کو مینتھو فورے' کواری پہنچ گیا۔ تمام لوگوں کی ڈیوٹی----- ایئرپورٹ پر تھی۔ یہاں تک کہ میں نے فینی کو بھی بھیج دیا تھا۔ فینی واپس آئی تو پتہ چلا کہ فورے آ گیا ہے۔

"اسی منزل پر' اس کے دو کمرے ہیں' جناب! اس کی سیکرٹری ڈریلا ایک نوجوان لڑکی ہے۔"

"گڈ----- اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں' جناب!"

"سیٹھ جبار کے آدمی' ایئرپورٹ پر اس سے ملے؟"

"قطعاً" نہیں۔ ویسے وہ وہاں موجود تھے۔"

"تم لوگ تو ان کی نگاہ میں نہیں آئے؟"

"نہیں' جناب! اس کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔"

"گڈ----- ویسے' اگر ممکن ہو اور حالات خود بخود ایسے ہوں تو تم ڈریلا سے دوستی کر سکتی ہو۔"

"میں خود کوشش کروں؟"

"نہیں۔ انہیں کسی طور پر احساس نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ان میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"او۔ کے!" فینی نے کہا اور چلی گئی۔

اب میرے کام کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس دوران دوسرے دلچسپ واقعات بھی رونما ہوتے رہے تھے۔ آوارہ قسم کی کئی لڑکیوں نے فینی کو دوست بنانے کی کوشش کی تھی اور اسے رشوت بھی پیش کرنی چاہی تھی کہ وہ پرنس سے اس کی دوستی کرا دے۔ ہوٹل کے بیٹرز' سپروائزر کو رشوت پیش کرتے کہ ان کی ڈیوٹی' پرنس کے کمرے پر لگا دی جائے۔ گویا پرنس کی اہمیت زبردست تھی اور یہ ناممکن تھا کہ میتھو فورے تک یہ بات نہ پہنچے۔ اسی شام' اس کا مظاہرہ بھی ہو گیا۔

میتھو فورے' بلند قامت' شاندار صحت کا مالک ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ وہ چہرے ہی سے ذہین بلکہ مکار شخص نظر آتا تھا۔ ہاں' اس کی ساتھی لڑکی بلا شبہ خوبصورت تھی۔

ہال میں آج ویک اینڈ پروگرام تھا۔ اس لئے شکاری بھی سوٹ میں آئے تھے اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فورے شاید ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں تھا کیونکہ اس کی پذیرائی ہو رہی تھی لیکن جب میں ہال میں داخل ہوا تو صورت حال بدل گئی۔ انتظامیہ کے افراد خصوصی بھاگ دوڑ کرنے لگے اور میں نے مینتھو فورے کو بھی اپنی طرف متوجہ دیکھا۔ اس کی ساتھی لڑکی' اس کے قریب بیٹھی تھی۔ دونوں میری جانب نگراں تھے۔ میں نے بھی آج کچھ زیادہ ہی اداکاری کا مظاہرہ کیا۔

وقت گزرتا رہا۔ رقاصاؤں نے پروگرام پیش کئے۔ اس سلسلے میں بھی میرا خیال رکھا گیا تھا۔ میں کافی دیر تک ہال میں رہا اور پھر جب رقص کا پروگرام شروع ہوا تو میں اٹھ گیا۔ میرے خیال میں آج صرف اتنی جھلک کافی تھی۔

دوسرا دن بھی گزر گیا----- پھر تیسرے دن فینی نے مجھے اطلاع دی۔ "ڈریلا مجھ سے ملی تھی سر!"

"گڈ ---- بڑی دیر لگا دی' ان لوگوں نے۔"

"وہ لوگ' یہاں ایک ہفتہ گزارنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔"

"خوب ---- کیا گفتگو رہی' ڈریلا سے؟"

"آپ کے بارے میں بڑی متجسس ہے۔ آپ کی شخصیت کے گن گا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ پرنس' اس وقت کواری کی سب سے مقبول شخصیت ہیں ---- پھر وہ' مجھ سے مزید معلومات حاصل کرتی رہی۔"

"مثلاً" ----؟"

"پرنس کے کاروبار کے بارے میں' ریاست کے بارے میں۔ میں نے اسے بتایا کہ ریاستوں کا دور تو ختم ہو گیا ہے۔ پرنس' خاندانی حوالے سے پرنس کہلاتے ہیں اور کسی نواب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ اس کے بعد' میں نے آپ کے کاروبار کی تفصیلات بتائیں۔"

"خود اس نے بھی اپنے بارے میں کچھ بتایا؟"

"اپنے بارے میں نہیں بلکہ باس کے بارے میں بات چیت کرتی رہی۔ مینتھو فورے ایک بین الاقوامی کاروباری ہے۔ دنیا بھر میں سودے بازی کرتا رہتا ہے۔ بڑا عمدہ کاروبار ہے' اس کا' یہاں وہ خریداری ہی کے لئے آیا ہے۔"

"گڈ ---- اور کچھ؟"

"بس' ابھی تو گفتگو یہیں تک محدود رہی ہے۔ میرا خیال ہے' بہت جلد کام کی بات شروع ہو جائے گی۔"

اور فینی کا خیال غلط نہیں تھا۔ پانچ بجے کے قریب' اس نے انٹر کام پر مجھے مخاطب کیا۔ "سر! مسٹر مینتھو فورے کی سیکریٹری مس ڈریلا بونیک' میرے پاس تشریف لائی ہیں' مسٹر مینتھو فورے ایک انٹرنیشنل تاجر ہیں اور آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان کا قیام اسی ہوٹل میں ہے۔ وہ آج ڈنر پر آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ کیا آپ' انہیں وقت دے سکیں گے؟"

"صرف ایک شرط پر۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا' جناب؟"

"ڈنر کا کوئی اہتمام نہ کیا جائے۔ ان سے کہیں کہ اگر یہ دوستانہ ملاقات ہے تو بے تکلفی کے ماحول میں ہونی چاہئے اور بالکل عام سے انداز کا ڈنر ہو۔"

"مس فینی! مجھے اجازت دیں کہ میں' پرنس سے گفتگو کروں۔" انٹر کام پر مجھے' ڈریلا

کی آواز سنائی دی۔

"جی ---- ضرور ----" فینی نے کہا ---- پھر ڈریلا کی آواز ابھری جو مجھ سے مخاطب تھی۔

"پرنس دلاور! میں ڈریلا عرض کر رہی ہوں۔"

"جی' فرمائیے۔"

"پرنس! یہ تو مسٹر مینتھو فورے کی عزت افزائی ہے کہ آپ نے ان سے بے تکلفی کے ماحول کی فرمائش کی ہے۔ مسٹر فورے خود بھی سادہ فطرت کے مالک ہیں۔ میرے خیال میں انہیں یہ شرط منظور ہو گی۔"

"تو ٹھیک ہے' مس ڈریلا! آج ہم' مسٹر فورے کے ساتھ ڈنر کریں گے۔" میں نے کہا۔

"شکریہ' پرنس! بے حد شکریہ!" ڈریلا نے کہا۔ میرا مقصد حل ہو گیا تھا۔ مجھے اس کامیابی کی بڑی خوشی تھی ---- اور پھر فینی نے مجھ سے شام کے پروگرام پر بات چیت کی۔

"ڈریلا چاہتی تھی کہ ڈنر ٹیبل پر دونوں کی سیکریٹریاں بھی موجود ہوں لیکن میں نے انکار کر دیا۔"

"کوئی حرج بھی نہیں' فینی! بہرحال' تم انکار کر چکی ہو ---- ویسے ڈریلا' فورے سے بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔"

"بہت زیادہ' جناب! وہ مسٹر فورے کی سیکریٹری کے علاوہ ان کی گہری دوست بھی ہے۔"

"کیا یہ بات اس نے خود تمہیں بتائی ہے؟"

"جی ہاں ---- اس کے بیان کے مطابق' مسٹر فورے بے تکلف انسان ہیں۔ لوگوں سے بہت کم قریب ہوتے ہیں لیکن جن سے قریب ہوتے ہیں' ان سے مخلص ہوتے ہیں۔ دراصل' ان کے ماحول میں یہ بات معیوب نہیں سمجھی جاتی۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ ---- کہ ---- سیکرٹری دوست بھی ہو؟" فینی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تو یہاں کے ماحول میں بھی معیوب نہیں ہے' فینی!" میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دوستی کے لئے قربت ضروری ہوتی ہے' سر!"

"میرے خیال میں سیکریٹری' سب سے قریب ہوتی ہے۔"

"جی ہاں----- لیکن یہ مزاج کی بھی بات ہے۔ بہت سے لوگ کسی ملازم کو وہ حیثیت نہیں دیتے۔"

"ایک بات بتاؤ' فینی؟"

"جی' سر-------"

"کیا ڈریلا' مسٹر فورے کی داشتہ بھی ہے؟"

"داشتہ' کسی کو نگاہ سے گرانے کا ایک لفظ ہے' سر! میرے خیال میں دوست' داشتہ نہیں ہوتی۔ اگر دوستی کے رشتے گہرے ہوں تو پھر وہ تنہائیوں کی رازدار بھی بن جاتی ہے۔"

"میں' انسان کی حدود کا قائل ہوں' فینی! اور وہ حدود' دولت کے معیار پر نہیں بلکہ انسانیت کے معیار کے مطابق ہونی چاہئیں۔ ممکن ہے' تم اسے' اس ملک کی قدامت پرستی تصور کرو۔"

"جی-----" فینی آہستہ سے بولی۔

"تمہارے بارے میں ایک خیال بار بار' میرے ذہن میں آتا ہے۔ کیا تم' اس کی وضاحت کرو گی' فینی؟"

"آپ حکم دیں گے تو وہ' میرا فرض ہو گا۔"

"نہیں۔ یہ ایک ذاتی سوال ہے جس کا جواب تمہیں' سیکریٹری کی حیثیت سے ہٹ کر دینا ہو گا اور تم اس جواب کے لئے مجبور بھی نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔

"جی' فرمایئے۔"

"جب تم' مجھ سے پہلی بار ملی تھیں تو ایک دم ہنس مکھ اور شوخ طبیعت کی مالک معلوم ہوئی تھیں لیکن اچانک' تم سنجیدہ ہو گئیں اور سنجیدگی کی یہ گہر' آج تک تم پر چھائی ہوئی ہے؟"

"آپ نے مجھ پر اس حد تک غور کیا ہے سر؟"

"ہاں' کیوں نہیں' فینی! تم میرے بہت قریب ہو۔ میرے تمام معاملات کی نگران ہو۔"

"مجھے مسرت ہے' سر! کہ آپ نے میرے بارے میں سوچا۔ میں کھل کر عرض کر رہی ہوں۔ ابتدا میں مجھے' آپ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن مجھے احساس ہوا کہ آپ کی فطرت میں کوئی کرب چھپا ہوا ہے جو آپ کو زندگی کی ان رنگینیوں سے دور رکھے ہوئے ہے جو انسان کی فطرت میں رچی ہوتی ہیں۔ سر! میں نے ایک اچھے ملازم کی طرح

خود کو سنبھال لیا اور بلاوجہ آپ کے لئے دردِ سر نہیں بنی۔"

"اوہ' فینی! یو آر گریٹ------- میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ میرے ذہن میں کئی بار یہ خیال آیا کہ میں نے کوئی سخت بات تو نہیں کہہ دی۔"

"نہیں' سر! اس کے برعکس' آپ کی شخصیت بے حد نرم ہے۔ مجھے' آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی----- لیکن' سر! آپ نے اتنی جرات دلائی ہے تو ایک سوال پوچھ سکتی ہو۔"

"ضرور پوچھو۔"

"آپ کی ذات میں کوئی کرب ہے؟ کوئی ایسی اذیت جو آپ کو بے چین رکھتی ہو؟"

"ہاں' فینی! میں بہت دکھی ہوں۔"

"اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود؟"

"ہاں-----"

"سر! کوئی لڑکی-------؟"

"لڑکی بھی۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"سر! وہ' اس دنیا میں ہے؟"

"خدا' اسے زندہ سلامت رکھے۔ خدا کرے' وہ جہاں بھی ہو' زندہ ہو' صحت مند ہو اور خیریت سے ہو۔"

"وہ' آپ سے روٹھ کر کہیں چلی گئی ہے؟

"وہ' مجھ سے روٹھ کر نہیں گئی بلکہ اسے مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے۔ میری زندگی کا مقصد' صرف اس کی تلاش ہے۔ کاش! وہ مجھے مل جائے۔" فینی کی باتوں نے مجھے پھر جذباتی کر دیا تھا۔

"آپ اسے تلاش کرائیں۔ وہ ضرور مل جائے گی۔ کون تھے' وہ ظالم' جنہوں نے اسے آپ سے جدا کر دیا------ آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کر لی؟"

"نہیں' فینی! وہ میرے لئے مقدس اور محترم تھی' اس لئے کہ وہ میری بہن تھی' میری چھوٹی بہن' میری ماں کی اولاد۔"

"نہیں-------" فینی بھونچکا رہ گئی۔

"ہاں' سگی بہن۔"

"اوہ-------" وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

"سوری' فینی! اس سے زیادہ' میں اس موضوع پر گفتگو نہیں کروں گا۔" میں سر

جھنکتے ہوئے بولا۔ "میں اداسیوں کا شکار ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔ جبکہ ابھی مجھے چاق و چوبند رہ کر اپنا کام کرنا ہے۔"

"ضرور‘ سر! لیکن مجھے ایک اجازت دیجئے۔"

"ہاں کہو۔"

"جب بھی آپ کو فرصت ہوئی‘ جب بھی موقع ملا‘ آپ مجھے اس بارے میں ضرور بتائیں گے۔"

"ٹھیک ہے‘ فینی! میں تمہیں اپنے درد کی کہانی ضرور سناؤں گا۔ اس وقت‘ جب میرے دل میں ٹیسیں ابھر رہی ہوں گی۔" میں نے کہا اور فینی خاموش ہو گئی۔

رات کے لئے‘ فینی نے خود میرے لباس کا انتخاب کیا تھا۔۔۔۔ سردی آج بھی زیادہ تھی۔ جب میں تیار ہو گیا تھا تو وہ خود بھی تیار ہونے چلی گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے‘ ڈریلا نے مجھے فون کیا اور بتایا کہ مسٹر فورے‘ پرنس کا انتظار کر رہے ہیں۔

ہال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں تھی‘ سوائے اس کے کہ ایک گوشے کو خالی رکھا گیا تھا اور وہاں صرف چند میزیں لگائی گئی تھیں جن کے گرد اسٹینڈنگ والز رکھی گئی تھیں اور یوں اس حصے کو باقی ہال سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

مسٹر فورے اور ڈریلا استقبال کے لئے موجود تھے۔ میں گرم جوشی سے مسٹر فورے سے ملا۔ "یہ ابتدا مجھے کرنی چاہئے تھی‘ مسٹر میتھو فورے! کیونکہ آپ میرے ملک میں مہمان ہیں لیکن افسوس کہ آپ سے تعارف ہی حاصل نہ ہو سکا تھا۔"

"ہاں‘ پرنس! بدقسمتی سے میں‘ آپ کی طرح معروف انسان نہیں ہوں۔ جبکہ ہوٹل کا بچہ بچہ‘ پرنس دلاور کا نام لیتے نہیں تھکتا۔"

"اوہ۔۔۔۔۔ یہ آپ کی محبت ہے ورنہ دلاور میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"میری نہیں‘ یہ آپ کے اہل وطن کی محبت ہے کہ انہوں نے مجھے‘ آپ سے ملنے کا موقع دیا۔" فورے نے کہا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے اور فورے اپنا تعارف تفصیل سے کرانے لگا۔ آخر میں اس نے کہا۔ "اکثر آپ کے ملک میں نکل آتا ہوں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ یہاں سے سستے داموں کچھ خریدوں اور باہر کی منڈیوں میں فروخت کروں۔ یہ میرا مشغلہ بھی ہے اور کاروبار بھی۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں آپ‘ مسٹر فورے! ایک سچے کاروباری جو لگاوٹ کی باتیں کر کے خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔" میں نے اس کی گفتگو کو سراہتے ہوئے کہا۔

"میں اس اظہار میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ پرنس! دیکھئے نا ہم دل میں کچھ رکھیں اور ظاہر کچھ کریں تو یہ ڈپلومیسی کاروبار میں کچھ مناسب نہیں رہتی۔ ممکن ہے‘ مجھے آپ سے کوئی بزنس مل جائے۔"

"کیوں نہیں‘ کیوں نہیں۔۔۔۔ کاروبار اسی طرح ہوتا ہے۔ مجھے موقع ملا تو میں‘ آپ سے کاروبار ضرور کروں گا بلکہ غور کروں گا کہ میں‘ آپ سے کیا ڈیل کر سکتا ہوں۔"

"میں پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں‘ پرنس! کوئی ایسی چیز ہے‘ آپ کے پاس جو فی الحال میرے کام آ سکے۔"

"میں نہیں جانتا کہ آپ کون سی چیز میں دلچسپی رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ میرے گودام بھرے پڑے ہیں اور کاروبار ہوتا رہتا ہے۔ ہاں‘ اگر آپ خام کپاس میں دلچسپی رکھتے ہوں تو مجھے ضرور بتائیں۔" میں نے کہا تو فورے چونک پڑا۔ اس کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگی تھیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"کپاس۔۔۔۔۔"

"جی۔ ایک ذخیرہ پڑا ہوا ہے‘ میرے پاس۔۔۔۔۔ اور میں اسے زیادہ عرصے تک نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر آپ کو اس میں دلچسپی ہو تو بتائیں۔ میں بہت کم قیمت پر اسے آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"یہ پرنس کی پیش کش ہے۔ لہٰذا سر آنکھوں پر لیکن ایک تسلی اور چاہتا ہوں۔"

"کیا۔۔۔۔۔؟"

"یہ کاروبار کس انداز میں ہو گا؟ دو کاروباریوں کے خفیہ انداز میں یا گورنمنٹ کے زیر اثر؟"

"مسٹر فورے! آپ دلاور کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ جب وہ کسی کو دوست مان لیتا ہے تو اس کی مشکلات ختم کر دیتا ہے اگر آپ صاف ستھرے کاروباری ہیں تو میں اپنی حکومت کی طرف سے آپ کو بہترین تعاون کی پیش کش کرتا ہوں اور اگر آپ بلیک بزنس کے شائق ہیں تو ہم مال کی۔۔۔۔۔ ڈلیوری‘ آپ کو ہانگ کانگ میں دیں گے۔"

"کیا واقعی۔۔۔۔۔؟" فورے کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔

"ایسی پیشکش‘ آپ کو کسی نے نہیں کی ہو گی‘ مسٹر فورے!"

"میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ مال خریدنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اصل بات اسے لے جانا ہے۔"

"میں بھی کاروباری ہوں مگر دوستیوں کا بھی قائل ہوں۔"

"افسوس‘ ہم نے غلط وقت پر یہ بات کی‘ پرنس! میں شرمندہ ہوں۔ آپ بھی کیا

سوچتے ہوں گے' میرے بارے میں----- کہ ڈنر پر مدعو کر کے کاروباری بات چیت شروع کر دی۔"

"نہیں' مسٹر فورے! اگر اس کے لئے ہم طویل راستے اختیار کرتے تو میں' آپ کو ایک اچھا کاروباری نہ سمجھتا۔"

"سیٹھ جبار کو جانتے ہیں؟" میتھو فورے نے پوچھا۔

"ہاں' معروف نام ہے۔"

"میں اسی کے پاس آیا تھا۔ چونکہ ہمارا کاروبار بلیک ہوتا ہے۔ اس لئے ذرا گھماؤ پھرا اختیار کرتا ہوں۔ چند روز کے بعد' اس سے کاروبار گفتگو ہونے والی ہے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں میری تقدیر کی روشنی میری منتظر ہے۔"

"آپ اس سے ضرور کاروباری کریں۔ میں' آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ایک نو دولتے بنئے اور ایک پرنس میں جو فرق ہوتا ہے' وہ میں' آپ کو بتانا چاہتا تھا۔"

"مجھے اندازہ ہے' پرنس! آج تک اتنی صاف گفتگو کسی کاروباری نے نہ کی ہو گی لیکن اب بات اور بھی سن لیں۔ اس کے بعد میں' آپ کا تعاقب کرتا رہوں گا۔ ساری دنیا سے میرے پاس آرڈر آتے ہیں اور میں ہر جگہ سے مال خریدتا ہوں۔ میرے پہلے کاروباری آپ ہوں گے پرنس! بعد میں دوسرے۔"

"ٹھیک ہے' مسٹر فورے! آپ مایوس نہیں ہوں گے۔"

"یقیناً' یقیناً-----" وہ بولا۔

"بس' اب کاروباری گفتگو ختم ۔ اس کا دوسرا دور کسی مناسب وقت پر ہو گا۔" میں نے کہا۔ اس نے گردن ہلا دی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ پھر کھانے کا دور چلا----- کھانے کے دوران ہم مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔

پھر رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو فورے بولا۔ "میں' آپ کی سیکریٹری کے ساتھ رقص کی اجازت چاہتا ہوں' پرنس!"

"میری طرف سے اجازت ہے لیکن میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ ڈیوٹی کے اوقات میں رقص نہیں کرتی اور جب تک وہ' میرے ساتھ رہتی ہے خود کو ڈیوٹی پر سمجھتی ہے۔"

"فورے کی بھی چند خوبیاں ہیں' پرنس! جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی لڑکی نے اسے مایوس نہیں کیا۔ اس نے جس لڑکی سے چند لمحات بھی گفتگو کی ہے' اس نے پھر

فورے کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سوچا۔ سوری' پرنس! میں' آپ کی سیکریٹری کو ورغلانے جا رہا ہوں۔"

"ضرور----- ضرور----- ضرور' مسٹر فورے! مجھے خوشی ہو گی۔" میں نے جواب دیا۔ اور فورے لڑکیوں کی میز پر پہنچ گیا۔ اس نے کچھ کہا تو ڈریلا اپنی جگہ سے اٹھ کر مسکراتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔

"پرنس دلاور جیسی دل آویز شخصیت کے ساتھ رقص کرنے کو میں اپنی انتہائی خوش بختی تصور کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ میں زندگی کے کسی دور میں بھی ان لمحات کو فراموش نہیں کر سکوں گی۔" اس نے میرے سامنے' کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ' ڈریلا! لیکن شاید میری سیکریٹری نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں رقص نہیں کرتا۔"

"کیا واقعی' پرنس؟"

"ہاں' مس ڈریلا' حالانکہ آپ جیسی حسین لڑکیاں تو لوگوں کو اشاروں پر نچا سکتی ہیں لیکن بدقسمتی سے مجھے تھرکنا نہیں آتا۔"

"کیوں پرنس! کیا اس دور میں بھی آپ قدامت پرست ہیں؟"

"ہرگز نہیں----- لیکن خاندانی حالات----- والد صاحب نے ایک بار' ایک اجنبی خاتون کی فرمائش پر' ان کے ساتھ رقص کر لیا تھا۔ دادا جان نے ان کی دونوں ٹانگیں کٹوا دیں اور باقی زندگی والد صاحب نے بیساکھیوں اور وہیل چیئر کے ساتھ گزاری۔ اس وقت سے یہ خوف ذہن میں بیٹھا ہوا ہے۔ اگر چوبی فرش پر جاؤں تو میری ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ آپ بھی خواہ مخواہ تماشہ بنیں گی۔ ایک بار کوشش کی تو ساتھی خاتون بھی گر گئی تھیں۔ اس کے بعد سے توبہ کر لی۔"

"حیرت انگیز------ کیا آپ کے والد زندہ ہیں؟"

"نہیں-----" میں نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود' یہ خوف آپ کے ذہن پر مسلط ہے۔"

"جی ہاں-----"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ دادا جان زندہ ہیں۔" میں نے جواب دیا تو ڈریلا حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"یقیناً یہ بات آپ نے مسٹر فورے کو نہیں بتائی ہو گی؟"

"ہاں، مسٹر فورے نے مجھ سے رقص کی فرمائش نہیں کی تھی----" میں نے جواب دیا اور ڈریلا ہنس پڑی۔

"رقص نہ سہی! میں، آپ کے ساتھ کچھ وقت تو ضرور گزار سکتی ہوں۔" ڈریلا نے کہا۔

"مجھے خوشی ہو گی۔"

"ویسے مسٹر فورے نے مجھے یہی حکم دیا تھا کہ پرنس کے ساتھ رقص کروں۔ وہ شاید آپ کی سیکریٹری کے ساتھ رقص کریں گے۔"

"شاید----" میں نے کہا۔ اسی وقت رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی لیکن فینی، مسٹر فورے کے ساتھ رقص کرنے کے لئے نہیں اٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے خوشی ہوئی تھی۔ مسٹر فورے نے بھی رقص نہیں کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ فینی کے پاس بیٹھا رہا پھر واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے، ڈریلا! تم بھی ناکام رہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم فینی کے پاس واپس جاؤ۔ ویسے میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ اگر تم رات پرنس کے ساتھ گزارنا چاہو تو گزار سکتی ہو۔"

"شکریہ، مسٹر فورے!" ڈریلا، میری طرف برق پاش نگاہوں سے دیکھتی ہوئی واپس اپ میز پر پہنچ گئی۔

"آپ کی سیکریٹری بڑی توہم پرست ہے، پرنس!" مینتھو فورے کا چہرہ پھیکا پھیکا نظر رہا تھا۔

"کیوں----؟"

"کسی پیشن گو نے پیشن گوئی کی ہے کہ اگر اس نے زندگی میں کسی کے ساتھ رقص کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ بھی وہ بڑی دل دہلا دینے والی باتیں کر رہی تھی۔ اس نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ اس پر عقرب کا سایہ ہے۔"

"میں نے اس کی ذاتیات میں کبھی دلچسپی نہیں رکھی۔"

"تو----کیا----وہ آپ کی تنہائیوں کی ساتھی نہیں ہے؟"

"نہیں، میری ملازمت اختیار کرنے سے قبل، اس نے یہی ایک شرط رکھی تھی کہ صرف میری سیکریٹری رہے گی۔"

"اس کے باوجود، آپ نے اسے ملازم رکھ لیا؟"

"اس لئے، مسٹر فورے! کہ مجھے واقعی ایک سیکریٹری کی ضرورت تھی۔"

○

تغلق خان نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ سیٹھ جبار، ایک ہفتے کے لئے یورپ چلا گیا اس دوران میں اس کے آدمی، مینتھو فورے کو کواری میں شکار کھلاتے رہیں گے۔ ے فورے کے لئے کچھ لڑکیاں بھی روانہ کی گئی ہیں۔

تغلق خان نے سیٹھ جبار کی ملازمت اختیار کر لی تھی اور وہاں کام شروع کر دیا تھا۔ بھی اس کام کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن تغلق خان پر مجھے کامل بھروسہ وسری طرف مینتھو فورے سے میری دوستی خوب نبھ رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر جبار، یورپ نہ بھی جاتا تو فورے، اس سے ملاقات میں ابھی حیل و حجت کرتا۔ کیونکہ ہ، مجھ سے کاروبار کرنے کا خواہاں تھا۔

اس ملاقات سے پانچویں دن، میں نے اسے شکار کی پیش کش کر دی اور فورے تیار ہو کواری کے حسین نواح میں یہ میرا پہلا شکار تھا---- لیکن میں نے یہاں بھی کو بہت متاثر کیا۔ لڑکیاں بھی ساتھ تھیں۔ میں نے تین پہاڑی بکروں کو بیک وقت رکے، علاقے میں شکار کھیلنے والے شکاریوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا لیکن سچی تھی کہ یہ شکار میں نے ان بکروں سے ناواقفیت کی وجہ سے کر لیا تھا---- اور کاریوں سے ان کے بارے میں معلومات ہوئیں تو وہاں سے واپسی ہی مناسب سمجھی۔ ی ہم کوئی طویل پروگرام بنا کر نہیں گئے تھے۔ بہرحال، ایک رات تو وہاں گزارنی ہی کیونکہ شام گہری ہو چکی تھی اور برفانی راستوں پر رات کا سفر غیر مناسب تھا۔

شکار کا سارا انتظام، ہوٹل نے کیا تھا۔ مینجر کی خصوصی توجہ حاصل تھی اس لئے ایک پ اور خیمے ساتھ کئے گئے تھے۔ ہم نے کسی گائیڈ یا ملازم کو ساتھ نہیں لیا تھا البتہ ر اعظم ساتھ تھے۔ وہی دونوں تمام فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے ریاں لگا کر آہنی آتش دان سلگا دیئے تھے جو ہوٹل کے سامان کے ساتھ تھے۔ بکروں ت بھی انہوں نے ہی تیار کیا تھا اور یہ کچا پکا گوشت بہت لذیذ لگا تھا۔ اتفاق سے شراب کا زیادہ عادی نہ تھا لیکن پھر بھی اس نے برانڈی کی ایک بوتل ساتھ رکھ لی رات کو میری چھولداری میں بیٹھ کر، ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

"شراب اس موسم میں اکسیر ہوتی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ شراب کے موسم نامکمل ہے---- لیکن زندگی میں، میں نے ایک عظیم نقصان اٹھانے کے اصول بنا لیا ہے کہ اگر بزنس ٹور پر نکلو تو شراب کو ہاتھ نہ لگاؤ۔"

"ایک عظیم نقصان اٹھانے کے بعد-----؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں----- پورے بیس لاکھ ڈالر کا نقصان----- ایک دفعہ مجھے شراب پلا کر رقم ادا کئے بغیر' ایک کاروباری معاہدے پر دستخط کرا لئے گئے تھے۔ بس اس دن سے میں نے کاروباری دوروں کے دوران----- شراب پینی ترک کر دی ہے۔"

"اور عورت-----؟" میں نے پوچھا۔

"غیر عورت سے احتیاط برتنی چاہئے۔ بہتر ہے کہ اپنی سے گزارا کیا جائے۔ اس لئے میں سیکریٹری کو ساتھ رکھتا ہوں۔ ویسے ڈریلا کا خیال ہے کہ آپ کے ملک کے تمام لوگ آپ جیسے نہیں ہوتے کہ رقص کرتے ہوئے اپاہج ہو جائیں اور خواب گاہ میں بستر پر لیٹ جائیں تو اتنی گہری نیند سوئیں کہ آسانی سے ذبح کر دیئے جائیں۔ ڈریلا آپ کی خواب گاہ سے بھی ناکام لوٹی ہے۔"

"اوہ----- کمال ہے۔ مجھے علم ہی نہیں۔" میں نے چونک کر کہا۔

"مجھے تو اس بات پر حیرت ہے' پرنس! کہ آپ نے اس یورپین لڑکی کو بھی تباہ کر دیا۔ آخر وہ اتنی پارسا اور پاکباز کیسے ہو گئی۔ مجھے پہلی بار کسی لڑکی کے سامنے ناکام ہونا پڑا ہے۔"

"بہرحال' وہ میرے زیر اثر نہیں ہے۔ وہ صرف میری کاروباری سیکریٹری ہے---- اور اپنی نجی زندگی کی خود مختار ہے۔" میں نے کہا۔

"ہمیں یہاں کب تک قیام کرنا ہے پرنس؟" فورے نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"جب دل اکتا جائے' بتا دیں۔ روانگی کی تیاری کر لیں گے۔"

"کیا واقعی-----؟ میں نے تو صرف آپ کی تفریح میں خلل انداز نہیں ہونا چاہا تھا۔ ظاہر ہے' آپ یہاں کسی کاروباری دورے پر نہیں آئے ہیں۔ میں تو خواہ مخواہ درمیان میں آ گیا تھا۔"

"یہ حقیقت ہے' مسٹر فورے! لیکن دلاور' دوستوں کا دوست ہے۔ اب میں یہاں صرف آپ کی وجہ سے رکا ہوا ہوں۔"

"تب ہمیں واپسی کی تیاری کر لینی چاہئے۔ سیٹھ جبار کے آد[illegible] ملاقاتیں کر چکے ہیں لیکن میں انہیں نظر انداز کر رہا ہوں۔۔ سیٹھ جبار کسی ضروری کام سے باہر گیا ہے لیکن اس نے شہباز نامی ایک شخص کو اپنا قائم مقام بنایا ہے اور یہ شخص اپنے شہر میں میرے استقبال کے لئے تیار ہے لیکن میں یہ کہہ کر ابھی تک ٹال رہا ہوں کہ مجھے جلدی نہیں ہے۔ سیٹھ جبار کو واپس آنے دیا جائے۔ اگر میں آج ہی ان کے ساتھ روانگی

ہار کر دوں تو وہ فوراً" بندوبست کر لیں گے۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر کہا۔ "کچھ نجی سوالات کر سکتا ہوں مسٹر فورے؟"

"ضرور' پرنس!"

"آپ کے یہاں قیام کے اخراجات سیٹھ جبار کے سپرد ہیں؟"

"ہمیشہ رہتے ہیں۔"

"اور سیٹھ جبار کے شہر میں؟"

"وہاں ہوٹل ہیلی ٹن میں' میرے لئے دو کمرے ہمیشہ مخصوص رہتے ہیں۔ میں وہیں کرتا ہوں۔"

"گڈ----- اس بار آپ کتنی کپاس اس سے خریدنے والے تھے؟"

"یہ نہیں معلوم----- لیکن ایک بڑی لاٹ تھی؟"

"ادائیگی کس طرح ہوتی ہے' مسٹر فورے؟"

"نقد----- ڈالر کی شکل میں۔"

"گویا رقم' آپ کے پاس تیار ہوتی ہے؟"

"ہاں' جبار بھی کھرے سودے کا قائل ہے۔ ہمارے درمیان کاروباری کی بیشی ہوتی ہے لیکن بے ایمانی کبھی نہیں ہوئی۔"

"اور اس کے بعد مال کی ڈیلیوری۔"

"اسے یہاں سے لے جانا میری ذمے داری ہوتی ہے اور میں اس کا بندوبست کر لیتا ہوں۔ کئی غیر ملکی جہاز رانوں سے میرے تعلقات ہوں۔ وہ میرا کام تو کر دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ہمیشہ سخت دقت ہوتی ہے۔ بعض اوقات مہینوں مال کی ڈیلیوری کا انتظار کرنا ہے۔ اس وقت تک' جب تک کہ مطلوبہ جہاز نہیں آ جاتا اور ہمارے مطلب کے لوگ ل جاتے۔"

"اس میں بھی اخراجات ہوتے ہوں گے؟"

"ظاہر ہے۔"

"بہرحال' میری تجویز ہے' مسٹر فورے! کہ آپ حسب معمول----- ہیلی ٹن میں یں۔ اگر مناسب سمجھیں تو سیٹھ جبار کے آدمیوں سے کپاس کی خریداری کے بارے ت چیت کریں----- سستا سودا بن جاتا ہے تو خرید لیں----- اگر بات نہ بنے تو ش برقرار رہے گی۔" میں نے کہا۔

"پہلے میں، آپ سے سودا کرنا پسند کروں گا پرنس!"

"پرنس دلاور کی زبان ایک ہے، مسٹر فورے! لیکن میں سیٹھ جبار کو کسی شے کا نہیں دینا چاہتا۔ آپ اس سے بات کریں اور پھر جس قیمت پر وہ، آپ کو مال دے، سے پانچ ڈالر فی ٹن کے حساب سے کم قیمت پر مجھ سے مال خرید لیں مع ڈلیوری۔ ر ادائیگی بھی آپ کی سہولت سے۔"

"میں اس بات سے بے حد متاثر ہوں، پرنس! ادائیگی یہیں ہو گی۔ میں پورا بند کر کے چلتا ہوں۔" فورے نے کہا۔

"بس تو یہاں سے روانگی کی تیاری کر لیں۔ میں دو دن بعد آپ سے ہیلی ٹ رابطہ قائم کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں صبح کو یہاں سے واپسی کے بعد پہلا کام یہی کروں گا اور ممکن تو کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔"

○

فینی اتنے دنوں تک بالکل قریب ہی رہی تھی۔ اس کے لئے میرے ذہن میں خاص تاثر پیدا ہو گیا تھا۔ درحقیقت، وہ ایک باکردار لڑکی تھی۔ میں اس دن، اس حد متاثر ہوا تھا، جب اس نے فورے کے غرور کو شکست دی تھی------ اور یہ اس نے میرے ایما پر نہیں بلکہ اپنے ضمیر کی آواز پر کیا تھا۔ جبکہ اس کے برعکس تھی جو فینی سے کہیں زیادہ حسین ہونے کے باوجود نہایت سستی تھی۔

فورے واپس چلا گیا تھا۔ طاہر اور اعظم کی اطلاع کے مطابق اب سیٹھ جبار کا کو آدمی یہاں پر موجود نہیں تھا۔ تاہم میں نے احتیاطاً" مزید ایک دن اور قیام کیا اور ا بعد مینجر کو واپسی کی اطلاع دے دی۔

میں واپس کوٹھی پہنچ گیا۔ چونکہ اس سلسلے میں ابھی کئی اہم کام باقی تھے۔ ا دوسرے مسائل کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ لیکن ایاز کا مسئلہ ایسا تھا کہ میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتا تھا------ چنانچہ اسی شام، میں نے عظمت کو ٹیلی فون کیا۔

"عظمت بول رہا ہے، منصور بھیا"

"کیا رپورٹ ہے، عظمت؟"

"ابھی تک تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ یقین کریں کہ میں نے------"

"مجھے یقین ہے، عظمت! کہ جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا ہے، تم نے ا تساہل نہ برتا ہو گا۔" میں نے عظمت کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں نے دماغی امراض کے ہسپتالوں کے علاوہ دوسرے تمام ہسپتالوں کے وہ شعبے بھی دیکھ ڈالے ہیں جہاں دماغی مریض کو رکھا جاتا ہے------ البتہ شمو سے ایاز کی ایک تصویر مل گئی ہے جو بہت پرانی ہے۔"

"شمو سے ملاقات ہو سکی تھی؟" میں نے پوچھا۔ وہ میرے دوست کی محبت تھی۔ ایاز کی موت کی خبر تو میں اسے نہیں دے سکا تھا لیکن اب جبکہ ایاز کی زندگی کی اطلاع مجھے ملی تھی تو شمو کا خیال رکھنا بھی ضروری تھا۔ ایاز اسے بہت چاہتا تھا اگر وہ مل گیا اور شمو، اسے نہ ملی تو میرے دل پر ہمیشہ بوجھ رہے گا۔ کیونکہ ایاز نے شمو سے صرف اس لئے شادی نہیں کی تھی کہ وہ یہ کام امی اور فریدہ کے سامنے کرنا چاہتا تھا۔

"جی، ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ بس، ایک باپ ہیں، جن کی ایک ٹانگ فالج زدہ ہے------ بیساکھی کے سہارے، ایک سینما ہاؤس کے سامنے پاپڑ بیچتے ہیں------ لیکن میں نے انہیں اس کام سے روک دیا ہے اور شمو کا بھائی بن کر، ان سے درخواست کی ہے کہ وہ، ایاز کا انتظار کریں۔ ان کے اخراجات، میں نے سنبھال لئے ہیں۔"

"شکریہ، عظمت! تم نے وہی کیا جو تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ کچھ دن مصروف رہوں گا، ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

"ٹھیک ہے، میرا مشن جاری ہے۔ میں، ایاز کو تلاش کرتا رہوں گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور مل جائے گا۔"

"او۔ کے، عظمت! شکریہ------" میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے پروفیسر کو فون کیا۔ میری آواز سن کر پروفیسر شیرازی خوش ہو گئے۔

"کب واپس آئے، منصور؟"

"آج ہی، پروفیسر! زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"

"دورہ کامیاب رہا؟"

"ہاں، اب تک تو ٹھیک ہے۔ بات آگے بڑھے گی۔"

"گڈ------ ہم سب تمہاری کامیابی کے خواہاں ہیں۔ تمہاری پہلی کامیابی، ہمارے لئے بہت قیمتی ہو گی۔"

"شکریہ پروفیسر! آپ کے نئے مہمان کیسے ہیں؟"

"زبردست! دو کھلونے دے دیئے ہیں، تم نے ہمیں۔ اس گھر کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ بہروز بھی بہت خوش ہے، بات کرو گے، اس سے؟"

"پھر کسی وقت' فرصت سے۔ اس وقت تو بس آپ کو اپنی آمد کی اطلاع دینی تھی۔"

"او۔ کے!" پروفیسر نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں کافی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا پھر فینی کو طلب کر لیا۔ اب اس سلسلے میں دوسرے کام کرنے تھے۔

"عدنان کو طلب کرو۔" میں نے فینی سے کہا۔ "اس سے کہو کہ اس کیس کے سلسلے میں اس نے اب تک جو کچھ کیا ہو؟ اس کی تفصیل لے کر میرے پاس پہنچ جائے۔ دو بجے کے بعد' میں کسی اور سے ملاقات نہیں کروں گا۔"

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرنا نصیب نہیں ہوا۔ ذرا سی دیر میں دو بج گئے------ اور عدنان اپنے تین کارکنوں کے ساتھ پہنچ گیا۔

"میتھو فورے آ چکا ہے۔ اس سے کاروباری امور پر گفتگو بھی ہو چکی ہے اور جیسی اس کے بارے میں رپورٹ تھی' وہ اس سے مختلف نہیں نکلا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے سودا ہو جائے گا۔ تم لوگ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو؟"

"رپورٹ حاضر ہے' جناب!" عدنان نے کہا اور سامنے رکھے ہوئے فائل کھول لئے پھر ان میں سے ایک فائل پڑھنے لگا۔

"سیٹھ جبار' ملک سے باہر ہے۔ اس کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک شخص شہباز فورترے کام کر رہا ہے۔ یہ شخص نسلاً فرنچ ہے۔ لیکن اسلام قبول کر چکا ہے۔ بہترین اردو داں ہے اور مقامی ماحول سے بخوبی واقف ہے۔ فرانس سے اس کا پس منظر معلوم نہیں ہو سکا۔ بہرحال' سیٹھ جبار' اسے کسی بیرونی ملک سے اپنے ساتھ لایا تھا اور خاموشی سے تربیت دے رہا تھا۔ ابھی تک علم نہیں ہو سکا کہ اس کی ذہنی صلاحیتیں کیا ہیں۔ پہلی بار سیٹھ جبار نے اسے اپنا قائم مقام بنایا ہے------ نمبر دو------ جزیرہ بلوروک پر سکون ہے۔ وہاں اس وقت بائیس افراد رہتے ہیں۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق بلوروک پر سیٹھ جبار کے بہت سے گودام ہیں۔ یہ گودام انڈر گراؤنڈ ہیں۔ ان کی تعمیر کی تکنیک معلوم نہیں ہو سکی۔ بہرحال' وہاں روئی کی تقریباً دو لاکھ گانٹھیں موجود ہیں۔ جزیرے پر موجود بائیس افراد کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی لیکن ان کا انچارج' دیو کمار نامی ایک ہندو ہے۔ نمبر تین------ محکمہ جاتی کارروائی کے سیکشن کے ذریعے جہاز پرنس دلاور کی روانگی کے کاغذات داخل کر دیئے ہیں۔ یہ روانگی ہانگ کانگ کے لئے ہے اور اس پر روئی لے جائی جا رہی ہے۔ ابھی کاغذات کی تکمیل نہیں ہوئی ہے لیکن قوی امید ہے کہ ہم صرف تین دن کے نوٹس پر جہاز کو روانگی کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔ دو لانچیں بھی حاصل کر لی گئی ہیں جو روئی کی گانٹھیں' جزیرے سے جہاز پر منتقل کریں گی۔ ان تیز رفتار لانچوں میں سامان بار

کرنے کی بہت بڑی گنجائش ہے۔ فی الوقت' جناب عالی! یہی کچھ کیا جا سکا ہے' اس سلسلے میں جو پلان' میرے ذہن میں ہے' وہ میں' آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ویری گڈ عدنان! آگے بڑھو۔" میں نے پر سکون انداز میں کیا۔ عدنان بلا شبہ ایک ذہین ترین کارکن تھا اور پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کو اس جیسے سربراہ کی ضرورت تھی۔

"آپ' میتھو فورے سے کاروباری معاملات طے کر رہے ہیں۔ یہ معاملات طے ہو جائیں تو چوبیس گھنٹے کے آپریشن کے ذریعے ہم' جزیرہ بلوروک پر اپنے آدمی اتار دیں گے۔ اس کے لئے ایک باقاعدہ کارروائی میرے ذہن میں ہے جس کے تحت ہمیں وہاں زیادہ دقت نہیں ہو گی۔ ہم اپنے آدمیوں کو وہاں بھیج کر سیٹھ جبار کے تمام آدمیوں کو قیدی بنا لیں گے۔ اور پھر اس وقت تک انہیں وہاں قید رکھیں گے جب تک روئی کی گانٹھیں' پرنس دلاور پر منتقل نہیں ہو جاتیں۔ سمندر کے اندر ہی اندر یہ کارروائی کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ پرنس دلاور کو بلوروک سے بائیں سمت کھلے سمندر میں بھیج دیا جائے گا' جہاں سے لانچیں باآسانی اپنا کام کر سکیں گی------ جب کہ خشکی پر روئی کی ان گانٹھوں کو لانا ہمارے لئے زیادہ مشکل ہو گا۔

یہ گانٹھیں' پرنس دلاور پر منتقل ہو جائیں گی اور اس کے بعد' پرنس دلاور کے تمام کاغذات کی تکمیل ہو جائے گی اور پھر وہ اپنے مخصوص وقت پر ہانگ کانگ چل پڑے گا۔ کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ پرنس دلاور پر کیا ہوا ہے------ اس کے علاوہ میں نے ایک اور انتظام بھی کیا ہے' جناب! وہ یہ کہ جوں ہی روئی کی گانٹھیں' پرنس دلاور پر منتقل ہوں گی' وہاں ان کی پیکنگ تبدیل کر دی جائے گی تاکہ کسی شبے کا امکان نہ رہے اور ہم فورے کو جو ڈیلیوری دیں' اس پر کوئی شبہ نہ رہے۔" عدنان نے کہا۔

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ "میں' تمہاری اس پلاننگ سے متفق ہوں------ مسٹر عدنان! اپنے آدمیوں کو تیار رکھو۔ اس سلسلے میں تم نے جو ------ خوبصورت ترین پلان بنایا ہے' میں اسے جامع ترین سمجھتا ہوں------ چنانچہ تم منتظر رہو کہ میں تمہیں سودا طے ہو جانے کی اطلاع دوں۔"

"بہت بہتر' جناب!" عدنان نے جواب دیا۔

"اور کوئی خاص بات' مسٹر عدنان؟"

"نہیں' جناب! بس مجھے یہی عرض کرنا تھا۔"

"ٹھیک ہے' اس تمام آپریشن میں' میں خود تمہارے ساتھ رہوں گا اور اپنی نگرانی میں سب کچھ کراؤں گا۔"

"جیسا آپ کا حکم۔" عدنان نے جواب دیا اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔ میراں رواں رواں خوشی سے کانپ رہا تھا۔ حالانکہ چھوٹی سی بات تھی۔ میں جانتا تھا کہ سیٹھ جبار کے لئے اس نقصان کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن یہ تکلیف کیا اس کے لئے کم ہو گی کہ کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔

عدنان اور اس کے ساتھیوں کے جانے کے بعد، میں دیر تک اس پروگرام پر غور کرتا رہا۔ بڑی ڈرامائی سچوئیشن تھی۔ میں اس ڈرامے میں بھرپور کردار ادا کر رہا تھا۔ بہرحال، میں اس کے بعد کے معاملات پر غور کرنے لگا۔ فورے سے ملاقات کے لئے اب کیا کرنا چاہئے۔ اسے ایک ڈنر بھی دینا تھا اور اس کا انتظام ضروری تھا لیکن کہاں؟ اس کوٹھی میں یا کہیں اور-----؟

جوں جوں میں اس کام کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا، مجھے ضرورتوں کا احساس ہوتا جا رہا تھا۔ صرف اس میں ایک کوٹھی سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے کچھ اور جگہیں بھی تیار کرنا ہوں گی۔ ایسی خفیہ جگہیں، جہاں مختلف ڈرامے ترتیب دئے جا سکیں----- ٹھیک ہے، ان معاملات سے نمٹ لیا جائے، اس کے بعد اس طرف توجہ دوں گا۔ فی الحال اسی عمارت میں ڈنر کا بندوبست کر لیا جائے۔

عمارت کی منتظم مس نادرہ کو طلب کر کے، میں نے اسے ایک ڈنر کے انتظامات کی ہدایت کی۔ نادرہ نے پیڈ سنبھال لیا۔

"کتنے افراد کے لئے ارینج کرنا ہے، سر؟"

"زیادہ نہیں۔ صرف دس بارہ افراد کے لئے----- لیکن اس کے لئے بڑے ہال کو استعمال میں لایا جائے۔ وہاں نفیس ترین میز اور کرسیاں لگائی جائیں اور کم از کم دس بیرے سروس کے لئے موجود ہوں۔ ان کا انتظام کسی بھی ہوٹل سے کیا جا سکتا ہے۔ غرض یہ کہ ایک بہترین ڈنر کا انتظام کرنا ہے۔"

"ہو جائے گا، جناب! لیکن دن کا تعین؟"

"ابھی نہیں----- لیکن دو تین دن کے اندر تمہیں یہ اپنا کام مکمل کر لینا چاہئے۔"

"ایسا ہی ہو گا جناب!" نادرہ نے جواب دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے طاہر کو طلب کر لیا۔

"مسٹر طاہر! آپ ہوٹل ہیلی ٹن چلے جائیے اور میتھو فورے کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے اطلاع دیجئے۔"

"بہتر، جناب! اس سے ملاقات تو نہ کی جائے۔"

"براہ راست نہیں۔ پہلے آپ فون پر مجھے اس کے بارے میں بتائیں پھر اس کی روشنی میں، میں آپ کو نئی ہدایات دے سکوں گا۔"

تقریباً دو گھنٹے کے بعد، طاہر کا فون موصول ہوا۔ "ہیلی ٹن کے دو کمرے، مسٹر فورے کے پاس ہیں، جناب!"

"ہیلی ٹن کا فون نمبر؟" میں نے پوچھا اور طاہر نے نمبر بتا دیا۔ پھر میں نے فورے کے کمروں کے نمبر پوچھے اور اس کے بعد طاہر سے کہا۔ "بہتر یہ ہے، مسٹر طاہر! کہ آپ وہاں رک کر مسٹر فورے کی نگرانی کریں اور ان کے اطراف پر نگاہ رکھیں۔"

"بہت بہتر۔" طاہر نے جواب دیا اور دوسری طرف سے فون بند ہو جانے کے بعد میں نے بھی فون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دوبارہ ہوٹل کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے ہیلی ٹن کی آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"یس، پلیز-----"

"روم نمبر ایک سو دس----- مسٹر میتھو فورے۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"پرنس دلاور-----" میں نے جواب دیا۔ دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ڈریلا کی دلکش آواز سنائی دی۔

"آپ کی خادمہ بول رہی ہے، پرنس!"

"ڈریلا-----"

"جی ہاں-----"

"مسٹر فورے کہاں ہیں؟"

"بس، ایک منٹ۔ ذرا باتھ روم میں ہیں۔ میں نے انہیں، آپ کے فون کی اطلاع دے دی ہے۔ کیا اس وقت تک آپ، مجھ سے بات کرنا پسند کریں گے، پرنس؟"

"کیسی ہو، تم؟" میں نے پوچھا۔

"بھدی، بد شکل اور شاید بد نصیب بھی کیونکہ آپ کی ذرا سی توجہ بھی حاصل نہ کر سکی۔" ڈریلا نے جواب دیا۔

"اوہ مس ڈریلا! جہاں تک توجہ کا تعلق ہے، آپ، مسٹر فورے کی سیکریٹری کی حیثیت سے میرے لئے قابل احترام ہیں۔ باقی دوسرے معاملات میں کلچر کا فرق سامنے آ جاتا ہے۔ بہرطور، مسٹر فورے سے بات کرائیے۔" میں نے کہا۔ ڈریلا کو اس سے زیادہ بات کرنے کی جرات نہ ہوئی پھر چند لمحوں بعد مسٹر فورے کی چہکار سنائی دی۔

"آخاہ------ پرنس دلاور! آپ واپس پہنچ گئے۔"

"ہاں، مسٹر فورے! آپ سے ملاقات کب ہو سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی! میں تو یہاں آیا ہی آپ کے لئے ہوں------ جب بھی آپ چاہیں۔"

"تو پھر، مسٹر فورے! میری طرف سے، کل رات کا کھانا قبول کریں۔" میں نے کہا۔

"جب حکم ہو۔ ویسے آپ کے معاملات کس حد تک پہنچے ہیں؟"

"تفصیل ٹیلی فون پر نہیں، ملاقات ہونے پر بتاؤں گا------ تو پھر یوں کریں، کل رات، آپ تیار رہیں۔ میرا آدمی، آپ کو لینے پہنچ جائے گا۔"

"او۔ کے!" فورے بولا------ اور میں نے فون بند کر دیا۔

یہاں سے بھی اطمینان ہو گیا تھا------ پھر میں نے مس نادرہ کو بلا کر ہدایت کر دی کہ جس ڈنر کے لئے میں نے اس سے کہا تھا، اس کا انتظام کل کرنا ہے۔

دوسرے دن معاملات میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بہروز، پروفیسر شیرازی کے پاس سے واپس آ گیا تھا۔ وہ مطمئن اور مسرور تھا۔ اس نے کسی بھی طور میرے لئے مسئلہ بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لڑکا ہی بنا ہوا تھا اور یہ زندگی اسے بہت پسند تھی۔ پروفیسر کے خاندان سے وہ بہت متاثر تھا۔ سرخاب کے بارے میں اس نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ سرخاب بہت دلچسپ لڑکی ہے اور تم سے اتنی محبت کرتی ہے کہ شاید تمہاری سگی بہن بھی تمہیں اتنا نہ چاہتی ہو۔

"وہ سب لوگ ہی بہت اچھے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر ڈنر کی تیاری کا جائزہ لینے لگا۔

سات بجے میں نے ایک شاندار کار کے ساتھ اعظم کو روانہ کر دیا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ انتہائی رازداری کے ساتھ فورے اور اس کی سیکریٹری کو لے آئے------ پھر ٹھیک آٹھ بجے میں نے فینی، نادرہ اور بہروز کے ساتھ، فورے کا استقبال کیا۔ فورے مسکراتا ہوا میرے قریب آیا، مصافحے کی بجائے معانقہ کیا اور میرے رخساروں کو بوسہ دیا۔ ڈریلا حریص نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی لیکن اسے کسی گستاخی کی جرات نہیں ہوئی۔ فینی سے اس نے ہاتھ ملایا پھر نادرہ اور بہروز سے بھی ملی۔

مسٹر فورے اس عمارت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ "ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی ریاست میں آ گیا ہوں۔ آپ کا طرز زندگی بہت بلند ہے، پرنس! یہ عمارت بے حد متاثر کن ہے۔"

"شکریہ مسٹر فورے؟" میں اسے ڈائننگ ہال میں لے آیا۔ فینی اور ڈریلا بھی ساتھ تھیں۔ ابتدائی تواضع کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی۔ مسٹر فورے نے بتایا۔

"سیٹھ جبار کے نمائندے، مجھے لینے آئے تھے اور فون پر بھی سیٹھ جبار سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے بطور خاص مجھے فون کیا تھا۔ معذرت کر کے کہنے لگا کہ اس کا یہ دورہ ناگزیر تھا۔ ورنہ وہ معمول کے مطابق میرا استقبال کرتا۔ اس نے بتایا کہ اس کا کاروباری مشیر اور قائم مقام، شہباز نامی ایک شخص ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس سے ملاقات کر سکتا ہوں۔ خود اسے تو مزید چند روز اور لگ جائیں گے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں، اس کے نمائندے سے ملنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی۔"

"گڈ------ گویا اس مختصر سی مدت میں آپ کافی کام کر چکے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ جبار کے یورپین نژاد نمائندے شہباز نے------ ہوٹل میں مجھ سے ملاقات کی۔ خام کپاس کے اس ذخیرے کی وہ کافی قیمت بتا رہے ہیں------ سفید کاروبار میں تو یہ قیمت ٹھیک ہے لیکن بلیک بزنس میں بہت زیادہ ہے۔" فورے نے کہا۔

"پھر کیا طے پایا؟"

"کچھ نہیں------ اگر آپ سے بات نہ ہوئی ہوتی تو میں تب بھی وہ مال خریدنا پسند نہ کرتا کیونکہ اس کے بعد مجھے اسے لے جانے میں جو بندوبست کرنا پڑتا وہ بہت مہنگا پڑتا۔"

"سودا منسوخ ہو گیا؟"

"نہیں، میں نے انہیں اس میں گنجائش نکالنے کے لئے کہا ہے۔ شہباز نے جواب دیا کہ وہ، سیٹھ جبار سے بات کرے گا، ہر چند کہ سیٹھ جبار نے کہا ہے کہ یہ آخری قیمت ہے۔"

"ٹھیک ہے، اب ہمارے درمیان کیا پروگرام رہے گا؟"

"کیا مال مجھے دکھایا جا سکتا ہے، پرنس؟"

"ہاں، کیوں نہیں! آپ مال دیکھ سکتے ہیں۔ کل میں، آپ کے لئے چند گانٹھیں منگوا لوں گا۔"

"تو پھر کل ہی ہمارے درمیان سودا طے پا جائے گا۔" فورے نے کہا۔ کاروباری گفتگو یہاں ختم ہو گئی اور اس کے بعد خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

دوسرے دن، عدنان کی مدد سے میں نے خام کپاس کی چند گانٹھیں مہیا کیں اور اپنی ایک فرم میں رکھ کر، فورے کو اس کا معائنہ کرا دیا۔ فورے نے مال پسند کر لیا۔ "اب قیمت کی بات بھی طے ہو جائے۔" فورے نے کہا۔

"ہمارے درمیان' قیمت پر بات طے ہو چکی ہے' مسٹر فورے----- شہباز نے کو جو ریٹ دیا ہے' اس میں پانچ ڈالر فی ٹن کم کر لیں اور اس مال کو ہانگ کانگ پہنچانا ذمے داری ہماری ہے۔ کیا آپ کو یہ منظور نہیں؟"

"دل و جان سے منظور ہے' پرنس! لیکن آپ سیٹھ جبار کے ریٹ تو سن لیں۔ ہے' آپ کو کوئی اعتراض ہو۔"

"مسٹر فورے! آپ جانتے ہیں کہ میں' آپ سے کسی تاجر کی حیثیت سے نہیں ملا آپ نے مجھے ایک مخلصانہ دعوت دی تھی اور دوست کی حیثیت سے سامنے آئے تھے دوسری بات ہے کہ ہمارے پیشے مشترک نکل آئے اور ہمارے درمیان کاروباری گفتگو گئی۔ آپ ایک پرنس سے کاروبار کر رہے ہیں' سیٹھ جبار جیسے کسی بنئے سے نہیں۔ کہہ چکا ہوں کہ سیٹھ جبار نے آپ کو جو ریٹ دیئے ہیں' ان میں سے پانچ ڈالر فی ٹن دیں اور اس کی ادائیگی کر دیں۔ مال آپ کو ہانگ کانگ میں مل جائے گا----- اور آپ پسند کریں تو ادائیگی بھی ہانگ کانگ میں مال وصول کرنے کے بعد کریں' مجھے اعتراض نہ ہو گا۔"

"نہیں' پرنس! ادائیگی یہیں ہو گی۔ آپ مال کی ترسیل کا انتظام کریں۔ آج میں سے آخری بات چیت کئے لیتا ہوں۔"

پھر فورے نے اسی رات' مجھے اس وقت فون کیا جب عدنان مجھے اپنے پروگرام تفصیل بتا رہا تھا۔

"ہیلو' مسٹر فورے! کیا رہا؟" میں نے پوچھا۔

"بات ہو گئی' پرنس! شہباز نے فون پر سیٹھ جبار سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن جبار سے کم سودے پر آمادہ نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے شہباز سے معذرت کر لی۔ ویسے پرنس! جبار کو یقین ہے کہ میں سودا کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ ویسے میں نے شہباز کو اپنی واپسی بارے میں نہیں بتایا ہے۔ میں چاہتا ہوں' پرنس! کہ اب ہمارے اور آپ کے درمیان باقاعدہ کاروباری تعلقات استوار ہو جائیں۔"

"میں' آپ کو ہمیشہ خوش آمدید کہوں گا' مسٹر فورے!" میں نے کہا اور الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا پھر عدنان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں تو' مسٹر عدنان! سارے معاملات طے ہو چکے ہیں اور اب ہمارا کام شروع ہو جانا چاہیے۔ مال کے حصول کے لئے آپ نے کیا اقدامات کئے ہیں؟"

"جناب! جیسا کہ میں نے پہلے آپ سے عرض کیا تھا کہ دو لانچیں' اس تمام مال

پرنس دلاور تک پہنچانے کے لئے تیار ہیں اور ہمارے بقیہ چالیس آدمی' ہر قسم کی کارروائی کرنے کے لئے بالکل مستعد ہیں۔ اگر کل رقم کی ادائیگی ہو رہی ہے تو پھر آج رات ہی مال' پرنس دلاور پر منتقل ہو جانا چاہئے۔"

"نہیں' میرا خیال ہے کہ اس کام کو کل پر ملتوی کر دو۔ کل رقم کی وصولی کے بعد ہم یہ کارروائی کریں گے۔ البتہ کل دن میں تم جہاز کے سلسلے میں سارے کاغذات مکمل کروا لو۔"

"جناب! اس سلسلے میں کام مکمل ہو چکا ہے اور جہاز' چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر روانہ ہو سکتا ہے۔"

"شکریہ' عدنان! تمہاری کارکردگی سے میں بے حد مطمئن ہوں۔"

"یہ کام ہماری نظروں میں بہت معمولی ہے' جناب! آپ بڑے سے بڑے کام کو بھی اتنا ہی آسان پائیں گے۔" عدنان نے جواب دیا۔

"تو پھر کل رات-----"

"جی-----" عدنان نے جواب دیا۔

یہ رات کچھ بے سکون سی رہی۔ بے شمار خیالات ذہن میں آ رہے تھے۔ میں وہ بن گیا تھا جو نہیں بننا چاہتا تھا----- سوچ رہا تھا کہ کیا مجھ سے غلطی ہوئی تھی----- اگر روز اول ہی سے خود کو اس رنگ میں ڈھال لیتا' جو آج بن گیا ہوں' پہلے ہی بن جاتا تو شاید یہ ناقابل تلافی نقصانات نہ ہوتے۔ امی اور فریدہ ساتھ ہوتیں اور ہم اسی چھوٹے سے مکان میں پر سکون زندگی گزار رہے ہوتے جہاں میں پیدا ہوا تھا۔ میں اپنے باپ کے منصب پر کام کر رہا ہوتا اور کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ سیٹھ جبار جیسے کیکڑے کے ہاتھ پاؤں اتنے مضبوط تھے کہ اس کے آدمیوں پر کوئی آنچ آنا مشکل تھی۔ میں بھی ایک اسمگلر کے ملازم کی حیثیت سے کام کرتا رہتا۔ تنخواہ کے علاوہ معقول کمیشن بھی تھا جیسا کہ میرے باپ کو ملتا تھا۔ زندگی میں اس قدر کرب تو نہ ہوتا' امی اور فریدہ کو دیکھنے کے لئے آنکھیں تو نہ ترس جاتیں----- وہ کتابیں جو میں نے اسکول میں پڑھی تھیں اور جن میں ایک اچھا شہری بننے کی تلقین کی گئی تھی' کہاں چلی گئیں؟ میں اچھا شہری کیوں نہ بن سکا؟

پروفیسر شیرازی جیسی عظیم شخصیت جو اپنے خول میں بند دنیا کی طرف سے آنکھیں پھیرے زندگی گزار رہی تھی' برے راستوں کو کیوں اپناتی۔ گل بے چاری جو اعلیٰ پیمانے پر اپنا کاروبار کر رہی تھی اور انتہائی پر سکون زندگی گزار رہی تھی' اپنے اثاثے سے محروم کیوں ہوتی؟ یہ صرف میری ہٹ دھرمی تھی کہ میں نے سیٹھ جبار کی وہ حیثیت قبول نہیں

کی تھی، میں نے برا آدمی بننے سے انکار کر دیا تھا، صرف اس لئے کہ میرا وطن، برے لوگوں کی آماجگاہ نہ بننے پائے۔

لیکن اب یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ میں بھی تو سیٹھ جبار بن گیا تھا اور اس وقت وہی کرنے جا رہا تھا جو پہلے چھوٹے پیمانے پر اور اب بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا۔ مجھے دولت کی ہوس نہیں تھی، میں تو بس ایک پر سکون زندگی کا خواہاں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا۔ آج بھی اگر امی اور فریدہ، مجھے مل جاتیں تو میں، ان کے ساتھ کسی پر سکون گوشے میں رہنا زیادہ پسند کرتا لیکن اب یہ ساری سوچیں، حماقت کے سوا کچھ نہ تھیں۔

پھر میری ذہنی رو عدنان کی طرف مڑ گئی۔ شکل و صورت سے یہ شخص خاصا خطرناک نظر آتا تھا لیکن کتنی شاندار کارکردگی کا مالک تھا۔ تمام معاملات اس نے ایسے طے کر لیے تھے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ تمام مسائل حل ہو گئے تھے جو کسی عام آدمی کے لئے ناممکن تصور کئے جا سکتے ہیں۔

رات کے نہ جانے کون سے پہر میری آنکھ لگ گئی اور پھر صبح کو میں کافی دیر سے جاگا تھا۔ فینی نے بتایا کہ مسٹر فورے کا فون آیا تھا---- وہ رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے فینی سے کہا کہ مسٹر فورے کو فون کر کے یہیں بلا لے---- پھر تقریباً" ساڑھے گیارہ بجے مسٹر فورے اپنی سیکریٹری کے ساتھ پہنچ گئے۔

مسٹر فورے نے رقم کیش کی شکل میں ادا کی تھی۔ نوٹوں کا انبار، میز پر لگا ہوا تھا۔ اتنے نوٹوں کا میں نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں نے نوٹوں کو گنے بغیر، مسٹر فورے کو ادائیگی کی رسید دے دی۔ اس کے بعد میں نے ان سے دو دن کا وقت لیا اور تیسرے دن انہیں مال چیک کرانے کی ذمے داری قبول کر لی۔

شام کو پانچ بجے، عدنان میرے پاس پہنچ گیا۔

"ہم ساڑھے سات بجے یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں، جناب! چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ آپ خود اس آپریشن کی نگرانی کریں گے، اسی سلسلے میں، میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔"

"یقیناً میں ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا۔

ساڑھے چھ بجے، ہم بندرگاہ کی جانب چل پڑے جہاں ایک لانچ، ہماری منتظر تھی۔ یہ وہی ویران بندرگاہ تھی جہاں میں مشرق وسطیٰ سے واپسی کے بعد اس فیکٹری تک پہنچا تھا۔ اسی فیکٹری میں ہمارے آپریشن کا سارا بندوبست کیا گیا تھا کیونکہ یہ فیکٹری بھی پرنس دلاور کی ملکیت تھی۔

وہاں سے ایک اسٹیمر، ہمیں لے کر چل پڑا۔ ہمارے پیچھے جو دو لانچیں آ رہی تھیں، کافی بڑی تھیں اور ان پر ہمارے لڑاکے اور اسلحہ موجود تھا۔

رات کی سیاہی پھیل چکی تھی، جب اسٹیمر، بلوروک کے مغربی حصے میں ان بھیانک اور سیاہ چٹانوں کے قریب پہنچا جو نہ جانے کب سے سینہ تانے زمانے کی کہن سالی کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ سیاہ چٹانوں سے کافی دور، اسٹیمر اور لانچوں کے انجن بند کر دیئے گئے اور انہیں، چپوؤں کی مدد سے ساحل تک لایا گیا۔ بلوروک بہت چھوٹا جزیرہ تھا، چاروں طرف سے بدشکل، سیاہ چٹانوں میں گھرا ہوا۔ انہی چٹانوں کے رخنوں میں اسٹیمر کھڑے کرنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ عدنان نے شاید پہلے ہی جزیرے کا جائزہ لے کر اپنے لئے جگہ منتخب کر لی تھی۔ اس نے نہایت اطمینان سے اپنا اسٹیمر ایک جگہ روک لیا اور پھر محدود روشنی والی ٹارچ کے اشاروں کی مدد سے لانچوں کو رکنے کے لئے جگہ بتانے لگا۔

ذرا سی دیر میں چالیس افراد، لانچوں سے اتر کر ساحل پر پہنچ گئے۔ ان میں سے آٹھ افراد کو لانچوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ باقی چار، چار کی ٹولیوں میں بٹ کر پھیل گئے۔ سب ریوالوروں---- اور اسٹین گنوں سے مسلح تھے۔ ہر فرد کے پاس ایک ایک دستی بم بھی تھا---- دور جزیرے کے درمیان ملگجی روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ وہ مکانات تھے جہاں جزیرے کے محافظ رہتے تھے۔ ہم سب احتیاط سے ان مکانات کے قریب پہنچ گئے۔ مکانات کیا قیدیوں کی سی بیرکیں بنی ہوئی تھیں جن پر کھپریل کی چھتیں پڑی ہوئی تھیں۔ دیواروں میں روشن دان بنے ہوئے تھے جن سے روشنی باہر آ رہی تھی۔

ٹولیاں اپنا دائرہ تنگ کرتے ہوئے بڑے منظم انداز میں بیرکوں کے چاروں طرف پھیل گئیں۔ میں اور عدنان ایک بیرک کے سامنے پہنچ گئے۔ دروازے بند تھے اور اندر خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ جلدی سو جانے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ ہم نے اطراف کا پوری طرح جائزہ لیا اور پھر میرے اشارے پر عدنان نے بڑھ کر بیرک کے دروازے پر دستک دی۔ ایک بار، دوسری بار، تیسری بار، چوتھی بار دستک دینے سے قبل ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے، کیوں مرے جا رہے ہو؟ کیا طوفان آیا ہے؟" پھر کسی نے دروازہ کھول دیا۔

"کیا مصیبت پڑی ہے، تم پر؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"بڑے اطمینان سے سو رہے ہو، باہر آؤ۔ شہباز، تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" عدنان بولا۔

"شش---- شہباز----" اس کی آواز میں بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"انچارج کہاں ہے؟" عدنان نے تحکم آمیز لہجے میں پوچھا۔

"نمبر دو میں۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔"

"جلدی سے اسے بلاؤ ورنہ تم سب کی شامت آ جائے گی۔۔۔۔۔ دوسرے لوگ رہے ہیں کیا؟"

"سب سو رہے ہیں۔ ایک مجھے ہی نیند نہیں آئی۔" اس شخص نے کہا۔ ابھی تک اس نے ہم دونوں پر غور نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ بیرک نمبر دو، برابر والی تھی۔ اس شخص نے اس کا دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور وہ دروازہ بھی کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا انچارج ہی تھا۔

"شہباز آیا ہے، صاحب! انتظار کر رہا ہے۔"

"ارے، اچانک۔۔۔۔۔ ہمیں تو کوئی اطلاع بھی نہیں تھی۔"

"ہو گا، کوئی کام۔"

"کہاں ہے؟"

"ساحل پر ہو گا۔ یہ لوگ بلانے آئے ہیں۔۔۔۔۔ مگر یہ ہیں کون لوگ؟" وہ اب جا تھا۔ "اے، تم کون ہو؟"

"میرا نام جابر ہے۔ تم چلتے ہو یا ہم واپس جائیں۔" عدنان نے کرخت لہجے میں کہا۔

"ارے، تو بگڑ کیوں رہے ہو، یار! قمیص پہن لوں۔ ساحل پر نگرانی کرنے والے کہاں مر گئے؟ سو رہے ہوں گے۔۔۔۔۔" انچارج نے ایک موٹی سی گالی دی اور پھر قمیص پہنے چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ باہر آ گیا۔ دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

"سارے نکمے لوگ، میرے حوالے کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی کام کا نہیں۔ میں کہتا کچھ ہوں، کرتے کچھ ہیں۔ میں، ان لوگوں کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔" انچارج بڑبڑاتا ہوا، ہمارے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس طرح ہم بیرکوں سے تھوڑے فاصلے پر گئے۔۔۔۔۔ پھر ایسی مناسب جگہ پہنچ کر جہاں ہمارا کام آسانی سے ہو سکتا تھا، میں اور عدنان رک گئے۔ پھر ایک لمحے میں ہمارے پستولوں کی نالیں، ان دونوں کی کنپٹیوں سے چپک گئیں۔ وہ دونوں بوکھلا کر رک گئے۔

"کیا مطلب؟" انچارج نے غراتے ہوئے پوچھا۔

عدنان نے جواب دینے کی بجائے، الٹا ہاتھ، اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور انچارج گرتے گرتے بچا۔ "اب نیند سے جاگ جاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے سو جاؤ گے۔" عدنان کی آواز ابھری۔

"مگر کیوں۔۔۔۔۔؟"

"ہاں، یہ کام کی بات کی ہے، تم نے۔ کپاس کی کتنی گانٹھیں یہاں موجود ہیں؟"

"کیا بکواس ہے؟ تم کون ہوتے ہو، پوچھنے والے؟ میں یہاں کا انچارج ہوں۔" انچارج نے کہا اور پھر عدنان کا دوسرا ہاتھ کھا کر چیخ پڑا۔

"میں، تمہیں گورنر بنا دوں گا لیکن جو سوال کیا جا رہا ہے، اس کا جواب دو۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"سیسرو۔۔۔۔۔ سیٹھ جبار کا خاص آدمی۔ اس کے خفیہ گروہ کا سربراہ ہوں، میں۔"

"تو پھر میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"اس لئے کہ ہماری اطلاع کے مطابق تم یہاں زبردست گھپلے کر رہے ہو۔ یہاں تفریحی لانچیں آتی ہیں اور جب واپس جاتی ہیں تو ان میں مال ہوتا ہے اور تم اس کی رقم بناتے ہو۔۔۔۔۔ بولو، کیا ہمارے پاس پہنچنے والی یہ اطلاع غلط ہے؟"

"ہاں، بالکل غلط ہے۔ جس نے بھی یہ بکواس کی ہے، اسے میرے سامنے لاؤ۔ کوئی ثابت کر کے دکھا دے۔" انچارج دہائی دینے والے انداز میں بولا۔

"دیکھو۔ اگر تمہارے دعوے میں وزن ہوتا تو سیٹھ جبار، یہ خفیہ کاروائی ہرگز نہ کرتا۔ ہمارے پاس ٹھوس ثبوت ہیں۔"

"دکھاؤ مجھے ثبوت۔ میرے پاس مال کی فہرست ہے۔ اگر اس کے مطابق مال میں ذرا سی بھی کمی ہو تو مجھے گولی مار دینا۔ سیٹھ صاحب نے بڑی زیادتی کی ہے، میرے ساتھ۔ میں نے ہمیشہ ایمان داری سے کام کیا ہے۔"

"کپاس کی کتنی گانٹھیں ہیں؟ کیا ان میں سے پچاس گانٹھیں کم نہیں ہوئیں؟"

"ایک بھی نہیں ہوئی۔ سب مال فہرست کے مطابق ہے۔"

"کیا خیال ہے، جناب! اس کی فہرست بھی دیکھ لی جائے۔ اگر واقعی یہ غلط فہمی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کی ایمانداری کی رپورٹ دے کر، اس شبے کو دور کر دیا جائے۔" عدنان نے کہا۔

غضب کا آدمی تھا۔ یہ بات ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔ اس نے بروقت یہ ترکیب سوچی تھی اور مجھے اس کی افادیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس طرح کسی قسم کی جھڑپ کے بغیر سارا کام بخیر و خوبی انجام پا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"میری ڈیوٹی مال کی چیکنگ ہے۔ جو فہرست سیٹھ صاحب نے ہمیں دی ہے۔ اس کے مطابق مال چیک کر لیا جائے۔"

"یہ کوئی گھپلا بھی کر سکتا ہے۔" عدنان بولا۔

"کیسا گھپلا۔۔۔۔۔؟"

"یہاں موجود سب لوگ' اس کے ساتھی ہیں۔ وہ تو اسی کے کہنے پر عمل کریں گے۔" عدنان نے کہا۔

"ہاں' پھر۔۔۔۔؟"

"پہلے آپ دوسروں کو بلا لیں۔ اس کے بعد' اسے صفائی کا موقع دیں۔"

"مرنا ہے' مجھے۔۔۔۔۔ موت آئی ہے میری جو سیٹھ جبار سے غداری کروں گا۔ جو تمہارا دل چاہے' کرو۔ ہم تو غلام ہیں۔ کتوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔" انچارج کے لہجے میں مظلومیت پیدا ہو گئی۔

"اچھا' یوں کرو' اپنے تمام ساتھیوں کو باہر بلا لو اور سنو' اس میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو سیٹھ صاحب کا حکم ہے کہ تم لوگوں کو بھون کر رکھ دیا جائے۔ سیٹھ صاحب کی عادت تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔"

"کہہ تو دیا صاحب! ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ معمولی سے غلام ہیں۔" انچارج نے جواب دیا۔ عدنان نے چار دفعہ مخصوص انداز میں سیٹی بجائی تو چاروں طرف بکھری ہوئی ٹولیاں' بیرکوں کے اطراف سے نکل کر سامنے آ جمع ہوئیں۔

انچارج خوف زدہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک اس کے ذہن میں کوئی شبہ سر نہیں ابھار سکا تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو گی کہ آج تک اس جزیرے پر کوئی اجنبی نہیں پہنچا ہو گا۔ سیٹھ جبار کو بے شمار حمائتیں حاصل تھیں۔ سرکاری پیمانے پر بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی تھی۔ وہ دہشت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھتا رہا۔ دوسرے آدمی کا تو برا حال ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا تھا۔

بہرطور' انچارج سے مطمئن ہونے کے بعد' بیرکوں کے دروازوں پر مسلح آدمی تعینات کر دیئے گئے اور پھر انچارج ہر بیرک کے دروازے کو پیٹ پیٹ کر' لوگوں کو باہر آنے کی تلقین کرنے لگا۔

سوئے ہوئے سب لوگ باہر آ گئے۔ باہر ان کے استقبال کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ عدنان کے حکم پر سب کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ لوگوں نے احتجاج کرنا چاہا تو انچارج نے چیخ چیخ کر سب سے کہا کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے' کرنے دیا جائے اور اس میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ سیٹھ صاحب ہماری ایمان داری کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ جب ان تمام لوگوں کو باندھ دیا گیا تو عدنان' انچارج کے پاس پہنچ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم وہ فہرست نکالو اور ہمیں گوداموں میں لے چلو۔" میں' عدنان اور

تین مسلح افراد' انچارج کے ساتھ چلتے ہوئے بیرک نمبر دو میں آ گئے۔ اسی بیرک میں زیر زمین گوداموں کا راستہ تھا۔

نیچے عظیم الشان گودام پھیلے ہوئے تھے۔ سب سے پہلا گودام کپاس ہی کا تھا۔ میرا جی چاہا کہ ان سب گوداموں کو دستی بم مار کر تباہ کر دوں اور اس جزیرے کو اس قابل ہی نہ چھوڑوں کہ یہاں سے اسمگلنگ کی جا سکے لیکن یہ خلاف اصول بات تھی۔ ابھی تو نہ جانے کتنے مرحلوں پر سیٹھ جبار سے نمٹنا تھا۔ جب سیٹھ جبار کو علم ہو گا کہ یہ جزیرہ اس قدر غیر محفوظ ہو گیا ہے تو وہ خود ہی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گا یا پھر جو بھی اس کا رد عمل ہو۔ اسے پریشان تو ہونے دیا جائے۔۔۔۔۔ پھر میں نے روئی کے ذخیرے پر نگاہ کی لاتعداد گانٹھیں نیچے سے اوپر تک چنی ہوئی تھیں۔

"ان کی گنتی کیسے' ہو گی؟" عدنان نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو آپ لوگ ہی جانیں صاحب! میں کیا بتاؤں؟"

"ہوں۔۔۔۔۔ تب پھر تم یوں کرو کہ اپنے آدمیوں کو بلوا لو اور ان تمام گانٹھوں کو باہر نکلواؤ۔"

"صاحب! یہ کام اتنا آسان تو نہیں ہو گا۔"

"جتنا بھی مشکل ہو۔ چاہے' دو دن لگ جائیں' اس میں۔ کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تم پوری تیز رفتاری سے یہ کام سرانجام دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی' صاحب! لیکن آپ نے تو ہمارے تمام آدمیوں کو باندھ دیا ہے۔"

"انہیں کھولا جا سکتا ہے۔ انہیں صرف اس لئے باندھا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی چالاکی نہ دکھا سکے۔" عدنان نے کہا۔

"جناب! ہم بھی نمک خوار ہیں۔ کسی نے شکایت کر دی۔ ہم ذلیل ہو گئے۔ اس وقت تک ہم پر بھروسہ کیا جائے جب تک آپ کو ہماری بے ایمانی کا یقین نہ ہو جائے۔" انچارج گڑگڑایا۔

"ٹھیک ہے' اتنی رعایت کر دی جائے۔" میں نے کہا۔ پھر ہم انچارج کے ساتھ گوداموں سے نکل آئے۔ دوسرے لوگوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور انچارج نے ان لوگوں کو گوداموں سے روئی کی گانٹھیں نکالنے کا حکم دیا۔

کچھ لوگوں نے منہ بنائے' کچھ نے احتجاج کیا۔ بہرحال وہ متحرک ہو گئے۔ روشنیاں کر دی گئیں اور زبردست پیمانے پر کام شروع ہو گیا۔ لوہے کی ٹرالیاں گردش میں آ گئیں۔ ہم

نے دس آدمیوں کو کام کی نگرانی پر مامور کر کے باقی لوگوں کو ان کے ساتھ لگا دیا۔ اس طرح پچاس کے قریب افراد سخت محنت کرنے لگے اور روئی کی گانٹھیں گوداموں سے باہر آنے لگیں۔ کام کی رفتار اتنی تیز تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔

اس کام میں کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔ لوگ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ تمام گانٹھیں باہر آ گئیں۔ انچارج نے فہرست ہمارے سامنے پیش کر دی۔ روئی کی گانٹھیں ساتھ ساتھ گنی بھی جا رہی تھیں۔ میں نے فہرست دیکھی پھر عدنان سے بولا۔ ”تعداد تو درست ہے۔“

”انچارج بے قصور ہے۔ اس پر الزام لگایا گیا ہے۔“ عدنان نے ہمدردی سے کہا۔

”مال بڑے گودام میں منتقل کر دیا جائے اور رپورٹ کے ساتھ انچارج کو بھی سیٹھ جبار کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اس پر جو الزام لگا ہے‘ اس کا ازالہ ہونا چاہئے۔“ میں نے کہا اور پھر انچارج سے مخاطب ہوا۔ ”تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے‘ دوست! اس لئے تمہیں‘ سیٹھ صاحب کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ تم‘ انہیں اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر اس کا دل صاف ہو جائے تو وہ اپنی عنایتوں کے خزانے کھول دیتا ہے۔“

”ہاں‘ صاحب! مگر ہمارا دل تو ٹوٹ گیا۔“

”اوہ‘ ڈیئر! مالک سے ہر قسم کی توقع رکھا کرو۔ میرے خیال میں تمہارے کسی مخالف نے یہ حرکت کی ہے لیکن تم فکر مت کرو۔ میں بذات خود تمہیں سیٹھ صاحب کے سامنے پیش کروں گا اور اس شخص کی درگت تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا جس نے تمہاری شکایت کی ہے۔ اب تم جلدی سے اس مال کو ساحل پر پہنچا دو۔ تھوڑی سی محنت اور کرنی پڑے گی‘ تمہارے آدمیوں کو۔“

”مال بڑے گودام میں جائے گا‘ صاحب؟“

”ہاں‘ سیٹھ صاحب کا حکم ہے لیکن صرف روئی کی گانٹھیں۔۔۔۔۔ کیونکہ رپورٹ انہی کے بارے میں تھی۔ لانچیں ساحل سے لگ رہی ہیں۔ ٹرالیاں روانہ کر دو۔ تم لوگ جلدی کرو۔ مفت میں ساری خراب ہو گئی۔“ میں نے منہ بناتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر سب لوگ تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ کسی تصادم کے بغیر کام ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ سیٹھ جبار نے ایسی معمولی ذہنیت کے لوگوں کو اتنی اہم جگہ پر مقرر کر رکھا ہے۔ شاید وہ اس بات سے مطمئن تھا کہ اس جزیرے پر کوئی غیر متعلق آدمی قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔

انتہائی محنت طلب اور وقت طلب کام تھا۔ اگر جزیرے کے آدمیوں کی مدد نہ ملتی تو

شاید سورج چڑھنے تک یہ کام مکمل نہ ہو پاتا۔۔۔۔۔ ایک لانچ لد گئی تو اسے روانہ کر دیا گیا پھر جب دوسری لانچ روانہ ہوئی تو پہلی لانچ واپس آ رہی تھی۔ یہاں کی بہ نسبت جہاز پر تیز رفتاری سے کام ہو رہا تھا کیونکہ وہاں مال اتارنے کے لئے کرینیں کام کر رہی تھیں۔

اس وقت‘ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جب یہ ساٹھ افراد‘ آخری‘ لانچ سے مال روانہ کر کے فارغ ہوئے۔ میں نے انچارج کی طرف دیکھا۔ وہ نیند اور تھکن سے نڈھال تھا۔ عدنان اس آخری لانچ کے ساتھ ہی جہاز پر چلا گیا تھا۔

”تو تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو؟“

”جو حکم‘ جناب! لیکن میرے پیچھے‘ یہاں کا کام کون سنبھالے گا؟ میری جگہ کسے چھوڑیں گے‘ آپ؟“

”اوہ‘ ہاں۔ یہ مشکل تو ہے۔ تو پھر یوں کریں کہ پہلے کسی کو تمہاری جگہ بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد تم شہر آ جاؤ۔“

”یہ ضروری ہے‘ صاحب! آپ ان نکمے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں۔ کوئی بھی ذمے دار نہیں۔ میری ایک مشکل اور حل کرا دیں‘ صاحب! یہاں کے عملے میں کچھ ذمے دار لوگوں کا اضافہ کرا دیں۔ میں اکیلا یہ سب کچھ سنبھالتے سنبھالتے تھک گیا ہوں۔“

”یہ بات بھی تمہارے سامنے ہی ہو جائے گی۔“ میں نے اسے دلاسا دیا اور پھر بڑے خلوص سے اس سے مصافحہ کر کے‘ میں اسٹیمر کی جانب چل پڑا۔۔۔۔۔ پھر میرے سوار ہوتے ہی اسٹیمر اسٹارٹ ہو گیا۔

ساری رات کی شدید محنت سے میرا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا اور اس وقت کچھ سوچنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ گھر پہنچوں اور بستر سنبھال لوں۔ اسٹیمر کی رفتار سست معلوم ہو رہی تھی۔ یوں یہ سمندری سفر خاصا دن چڑھے طے ہوا۔ اسٹیمر‘ فیکٹری میں موجود عملے کے حوالے کر کے‘ ہم ایک وین میں سوار ہو گئے جس نے مجھے میری رہائش گاہ میں واپس پہنچا دیا۔ رہائش گاہ پر سب لوگ اپنی اپنی مصروفیت میں لگے ہوئے تھے۔ بہروز بھی واپس آ گیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا میری جانب بڑھا تو میں نے کہا۔

”بہروز! اس وقت مجھے بہت ہی ہلکے پھلکے ناشتے کی ضرورت ہے۔ یوں سمجھ لو کہ رات کا ایک ایک لمحہ شدید محنت کرتے ہوئے گزرا ہے۔ ناشتہ کرا دو‘ مجھے۔ اس کے بعد میں سو جاؤں گا۔ جب جاگوں گا‘ تب تم سے گفتگو ہو گی۔“

بہروز نے گردن ہلا دی اور میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ جوتے اتارے اور انہی کپڑوں سمیت بستر پر گر گیا۔۔۔۔۔ پھر بہروز ہی نے مجھے جگا کر ناشتہ کرایا تھا۔ میں نے الٹا

سیدھا ناشتہ کیا اور پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ شام کو تقریباً" سوا چار بجے میری آنکھ
کھلی۔ خوب نیند بھر کر سویا تھا۔ چنانچہ جب جاگا تو طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ غسل نے
بالکل تازہ دم کر دیا۔ لباس تبدیل کر کے ملازم کو بلانے کے لئے کال بیل بجائی تو اس کے
جواب میں مس نادرہ خود ہی پہنچ گئیں۔

"ہیلو' مس نادرہ! چوہے سمجھتی ہیں' آپ!" میں نے کہا اور مس نادرہ مسکرا
لگیں۔

"جی ہاں' جناب! چوہے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بلوں میں رہتے ہیں او
دوسرے وہ جو پیٹ میں رہتے ہیں۔"

"بالکل' بالکل---- تو براہ کرم پیٹ کے چوہوں کا انتظام کر دیں فوراً"۔ ورنہ خو
مخواہ میں توڑ پھوڑ مچا دیں گے۔" میں نے کہا اور نادرہ مسکراتی ہوئی---- چلی گئی۔

اس وقت بھی ناشتہ ہی میرے سامنے آیا تھا۔ عمدہ قسم کی کافی' ڈرائی فروٹ اور اي
ہی چند چیزیں جو اس وقت کے لحاظ سے بہتر تھیں' میرے سامنے رکھ دی گئیں۔ میں ۔
خوب ٹھونس کر ناشتہ کیا اور جب میں خوب سیر ہو گیا تو میں نے بہروز کی جانب دیکھا جو
جانے کب آ کر' کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ا
کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"ارے---- تم کب آئے؟"

"آپ ایک ایسے کام میں مصروف تھے جس میں کسی اور کی طرف توجہ دینا ممکن نہیں
ہوتا۔" بہروز نے ہنس کر کہا۔

"سوری' بہروز! حقیقت میں' میں تمہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ آؤ' کافی پیو۔" میں ۔
کہا۔ "کب واپس آئے؟"

"رات ہی کو واپس آ گیا تھا۔ یہاں آ کر تمہاری مصروفیات معلوم ہوئیں۔ کام بخیر
خوبی ہو گیا؟"

"ہاں' خدا کا احسان ہے۔" میں نے بیل بجا کر' ایک ملازم کو طلب کیا اور اسے' فی
کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد فینی آ گئی تو میں نے کہا۔ "فینی! رپورٹ----"

"دو بجے دوپہر' مسٹر عدنان نے فون کر کے سب ٹھیک ہے' کی رپورٹ دی
تھی---- پھر چار بجے' میں نے ان کا دوسرا فون وصول کیا---- انہوں نے کہا ہے
سارے کام بخیر و خوبی ہو گئے ہیں اور دوسرے مراحل بھی طے پا چکے ہیں اور ممکن ہے
کل دن میں کسی وقت جہاز کو روانہ کر دیا جائے۔"

"گڈ' اس کا مطلب ہے کہ عدنان بے چارہ' سارا دن مصروف رہا ہے۔ بہرحال' طاہر
کو بلاؤ۔" میں نے کہا تو فینی سر جھکا کر چلی گئی۔ طاہر آیا تو میں نے اسے' میتھیو فورے
کے بارے میں ہدایات دیں۔ میں' اس کی سخت نگرانی چاہتا تھا۔

"میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں' جناب! لیکن اس نگرانی کی نوعیت کیا ہو گی؟"

"بس احتیاط---- اگر جزیرے سے روئی کی گم شدگی کی اطلاع شہباز کو موصول ہو
تو کہیں وہ لوگ' فورے سے رجوع نہ کریں۔ یہ صرف ایک خیال ہے ورنہ اس کے
امکانات کم ہیں۔ ہم' فورے کو خیریت کے ساتھ یہاں سے روانہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں' جناب اگر فورے کو کوئی مشکل پیش آئی تو ہم ہر طرح سے اس
کی مدد کریں گے۔"

"ہاں' ایسے حالات میں' تم ان دونوں کو یہاں لا سکتے ہو----" میں نے کہا اور
طاہر گردن جھکا کر چلا گیا۔

رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسری صبح عدنان خود پہنچ گیا۔ اس نے مجھے مبارک باد
دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی تک تو سب ٹھیک ٹھاک ہے' پرنس! کیا آپ جہاز کا جائزہ لینا پسند
کریں گے؟"

"کوئی قباحت تو نہیں ہو گی' عدنان؟"

"آپ کا یہ خادم ہزار آنکھیں رکھتا ہے' پرنس! ذرا وقت آنے دیں اگر سیٹھ جبار کے
بدن کا لباس نہ اتار لاؤں تو عدنان نام نہیں۔"

"مجھے تمہاری اعلیٰ کارکردگی کا اعتراف ہے۔"

"تو تشریف لے چلئے۔"

پرنس دلاور' جیٹی سے بہت دور' اس جگہ کھڑا تھا جہاں روانگی کے لئے تیار جہاز
کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک تیز رفتار لانچ نے ہمیں جہاز پر پہنچا دیا۔ جہاز لدا کھڑا تھا۔ روئی کی
گانٹھوں کی نئی پیکنگ کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی گانٹھیں ہیں۔ ٹاٹ کے نئے
کپڑے پر پرنس دلاور کا مونوگرام تھا اور اس پر کسٹم کلیرنس کے نشان لگے ہوئے تھے۔

شام پانچ بجے' جہاز نے جگہ چھوڑ دی جس کی اطلاع مجھے فون پر مل گئی تھی۔ میرے
بدترین دشمن کو میرے ہاتھوں پہلی چوٹ ہوئی تھی اور اب مجھے اس کے رد عمل کا انتظار
تھا۔ اسی رات تقریباً" گیارہ بجے' میں نے تمام کاغذات---- میتھیو فورے کو بھجوا دیئے
اور فورے نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو پرنس!"

"ہیلو، مسٹر فورے!"

"اس بہترین کاروباری تعاون پر میں، آپ کا شکر گزار ہوں، پرنس! مال کی وصولیابی کی اطلاع دوں گا اور اس کے ساتھ ہی نیا آرڈر بھی۔ میں کل علی الصباح یہ شہر چھوڑ رہا ہوں ایک اور سودے کی بات چھڑ گئی ہے جس کے سلسلے میں کہیں جانا ہے۔"

"واپسی یہیں ہو گی، مسٹر فورے؟"

"ممکن ہے، نہ ہو سکے، پرنس! لیکن اگر واپسی یہاں نہ ہوئی اور ہماری الوداعی ملاقات نہ ہو سکی تو کوئی حرج نہیں ہے----- میں ہانگ کانگ پہنچ کر فوراً" آپ سے رابطہ قائم کروں گا اور اس کے بعد جیسا کہ میں، آپ سے عرض کر چکا ہوں، میرے اور آپ کے درمیان کاروبار شروع ہو جائے گا۔"

"او۔ کے، مسٹر فورے! اگر آپ کو میری طرف سے کاروباری طور پر کوئی فائدہ پہنچے تو مجھے یقین ہے کہ ہمارے آئندہ تعلقات بھی بہتر ہوں گے۔"

"صرف کاروباری ہی نہیں، پرنس! میں، آپ کے اخلاق اور دوستی کا دل سے قائل ہوں اور بڑے اچھے جذبات لے کر، آپ کے وطن سے واپس جاؤں گا۔" مزید رسمی گفتگو کے بعد فورے سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ویسے یہ آدمی بھی مجھے بہت گہرا نظر آیا تھا۔ اگر میں یہ سوچتا کہ وہ صرف سیٹھ جبار کے پاس آیا تھا اور اس کے شانوں پر بندوق رکھ کر چلاتا ہے تو یہ ایک احمقانہ سوچ ہوتی۔ فورے کے پنجے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور وہ اتنا سادہ لوح نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔

بہرطور میرا کام بخیر و خوبی ہو گیا تھا اور میں اب اس کے نتائج جاننے کے لئے بے چین تھا۔ ویسے کچھ اور باتیں بھی ہوئی تھیں، اس سلسلے میں۔ مثلاً" یہ کہ پرنس دلاور کا نام منظر عام پر آنے کے بعد سیٹھ جبار کی یہی کوشش ہو گی کہ پرنس دلاور کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ ممکن ہے، وہ انتقامی کاروائیوں پر اتر آئے۔ اس لئے خود کو تیار رکھنا ضروری تھا۔ عدنان، طاہر، اعظم یا دوسرے ساتھیوں پر مکمل بھروسہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ اپنے طور پر بھی انسان کو محتاط اور متحرک رہنا چاہئے اور اس کے لئے میرے ذہن میں شروع ہی سے کچھ پروگرام تھے۔ ان میں کچھ ایسے مکانات کی فراہمی بھی شامل تھی جو کسی کے بھی علم میں نہ ہوں اور اس کے لئے میں کسی بالکل غیر متعلق آدمی سے کام لینا چاہتا تھا۔ غیر متعلق آدمیوں میں بس ایک ہی نام ایسا تھا جو اس وقت میرے لئے کار آمد تھا اور جس سے میں بہت سے کام لے سکتا تھا اور وہ تھا، عظمت، جس کا تعلق براہ راست ان لوگوں سے نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے عظمت ہی سے رابطہ قائم کیا اور اس کے دفتر ٹیلی فون کیا۔

"ہیلو، منصور بھیا! کیسے مزاج ہیں؟ آپ نے یقیناً ایاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے فون کیا ہو گا؟"

"نہیں، عظمت! میں جانتا ہوں کہ اگر ایاز کے بارے میں تمہیں معلومات حاصل ہو گئیں تو تم، میرے فون کا انتظار نہیں کرو گے۔ بہرطور، ایاز ہمارے لئے قصہ پارینہ بن چکا ہے اور اگر وہ مل جائے تو ہم اسے اپنے لئے ایک بہترین منافع تصور کریں گے۔ مجھے، تم سے کچھ اور کام تھے، عظمت!"

"جی، فرمائیے۔" عظمت نے مستعدی سے کہا۔

"کسی اسٹیٹ ایجنٹ سے تمہارا رابطہ ہے؟"

"ہے تو نہیں لیکن کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ دراصل میں کسی پر سکون سے علاقے میں ایک مکان خریدنا چاہتا ہوں۔ اگر دو مختلف علاقوں میں دو مکان مل جائیں، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ان مکانوں کا کوئی خاص ----- معیار بھی نہ ہو۔ بس، اس قابل ہوں کہ ان میں رہا جا سکے اور قیمتوں کا مسئلہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کچھ نہیں ہے۔"

"جی ہاں-----"

"تو یوں کرو، عظمت! ایسے کسی علاقے میں ایک یا دو مکان دیکھ لو۔ بس، درمیانے قسم کے ہونے چاہئیں۔ میں خاموشی سے اپنی ایک سکون گاہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاؤں، اب بہت سی زنجیروں میں جکڑ چکے ہیں۔ کبھی کبھی سکون بھی درکار ہوتا ہے----- اور اس کے لئے مجھے تمام لوگوں سے ہٹ کر کسی جگہ کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں انتظام کر لوں گا۔ کچھ وقت لگ جائے گا۔ اس میں لیکن سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر میں نے کہا۔ "عظمت! یہ مت سوچنا کہ تمہارے سلسلے میں گفتگو کرنے کے بعد، میں نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔"

"میرے سلسلے میں؟"

"ہاں، بھئی! تمہاری شادی کی بات ہوئی تھی نا، ایک بار۔"

"اوہ، نہیں----- بھلا میں کیوں سوچوں گا؟ آپ نے جس طرح میرے لئے مناسب سوچا ہو گا، وہی کریں گے نا۔ آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا تو بہتر تھا، اب اگر نکل گیا ہے تو مجھے کیا تعرض ہو سکتا ہے۔"

"طنز کر رہے ہو' بھئی! یہ خیال میرے ذہن سے نکلا نہیں ہے بلکہ میں اپنی مصروفیات میں کچھ اس قدر الجھ گیا تھا کہ وقت نہ مل سکا لیکن اب' تیار ہو جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری گرفتاری کا معقول بندوبست کر دوں۔"

"میں تو اسی دن سے تیار ہوں جس دن آپ نے یہ بات کہی تھی۔" عظمت نے جواب دیا۔

"گویا راتوں کو سونا چھوڑ دیا ہے' تم نے؟"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب سے یہ تصور ذہن میں ابھرا ہے' بڑے اہتمام سے سونے لگا ہوں۔ نجانے اس کے بعد سونا نصیب ہو یا نہیں۔" عظمت نے ہنس کر کہا۔ میں نے بھی ہنستے ہوئے' اسے خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون رکھ دیا۔

میں' عظمت سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ بہروز' میرے پاس پہنچ گیا۔

"اب تو آپ کو فرصت ہو گئی ہے' محترم منصور صاحب!"

"ہاں' بھائی----- خدا کا شکر ہے کہ میں سیٹھ جبار کے سینے میں خنجر گھونپنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ ویسے تمہارے سلسلے میں بعض اوقات میری ذہنی کیفیت عجیب سی ہو جاتی ہے۔"

"کیوں-----؟"

"میں تمہیں دوست یا بھائی کہہ کر مخاطب کرتا ہوں لیکن جب تمہاری اصلیت یاد آتی ہے تو خود ہی جھینپ جاتا ہوں۔"

"میں خود بھی اس سلسلے میں بے حد پریشان ہوں' منصور----- اب تو مجھے خود بھی یہ یقین کرنے میں دشواری پیش آتی ہے----- کہ میں لڑکی ہوں۔"

"سرخاب' وغیرہ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں۔ ویسے' منصور! تم نے جو دو تماشے وہاں پہنچائے ہیں' ان سے طبیعت بڑی خوش ہو گئی ہے۔ یقین کرو' بعض اوقات وہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"حسینہ اور اس کے شوہر بھوندو کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں' منصور! ناک میں دم کر رکھا ہے' دونوں نے ہنساتے ہنساتے' بھوندو واقعی بھوندو ہے۔ ویسے ایک بات ہے کہ حسینہ جیسی شوخ اور چنچل لڑکی کو اگر بھوندو جیسا شوہر نہ ملتا تو وہ نہ جانے' اس کا کیا حشر کرتی۔"

"کیا مطلب؟"

"حسینہ خوش قسمت ہے کہ بھوندو' اس کی بات سے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ حسینہ دن کو رات کہے تو وہ اجالے ہی میں----- آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتا ہے اور اگر وہ رات کو دن کہے تو تاریکی میں دوڑ لگا دیتا ہے۔ پروفیسر شیرازی تو اب ان دونوں ہی میں مصروف رہنے لگے ہیں۔"

"چلو' اچھا ہے۔ میری وجہ سے انہیں کچھ قہقہے تو نصیب ہوئے۔" میں نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ویسے تمہارے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں دوست! لیکن ابھی ذہنی سکون میسر نہیں ہے۔ سیٹھ جبار سے چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہو چکا ہے۔ دیکھنا ہے کہ بات کب تک آگے بڑھتی ہے لیکن اب پروفیسر شیرازی کو محتاط رہنا پڑے گا۔ میری طرف سے انہیں یہ پیغام دے دینا کہ اب وہ فون استعمال نہ کریں اور مجھ سے رابطہ بھی نہ رکھیں۔ کیونکہ پرنس دلاور اب سیٹھ جبار کی توجہ کا مرکز بن جائے گا اور اس کوٹھی کی کڑی نگرانی کی جائے گی۔"

"یقیناً----- اس سلسلے میں تو مجھے بھی محتاط رہنا ہو گا۔ ویسے' منصور! اگر اجازت دو تو میں اپنی مستقل رہائش گاہ وہیں بنا لوں۔ یہاں تو بہت سے افراد ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ تم' پروفیسر وغیرہ سے ملاقات ہی ترک کر دو۔"

"صرف ابتدائی طور پر کچھ احتیاط کرنی پڑے گی اور اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ سیٹھ جبار سے چھپتا نہیں پھروں گا۔ بہرحال' ایک دن مجھے اس کا سامنا کرنا ہی ہے۔"

"بلا شبہ-----"

"تم اب وہاں کب جاؤ گے' بہروز؟"

"پروفیسر کے ہاں؟----- کوئی خاص وقت تو طے نہیں کیا۔ میرے خیال میں آج شام----- کیوں' کوئی خاص بات ہے؟"

"نہیں' بس یوں ہی۔ کچھ وقت گزارنے کو جی چاہ رہا ہے۔ کل کا دن' میں وہاں گزاروں گا۔"

"تب تو مجھے ابھی چلے جانا چاہئے۔ پرنس دلاور کے لئے اہتمام بھی تو کرنا ہو گا۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسرا دن بہت دلچسپ تھا۔ پروفیسر شیرازی کی کوٹھی میں----- داخل ہوا تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سب ہنستے مسکراتے ملے تھے----- پروفیسر نے بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بھئی' ہم بھی تمہاری کاوشوں کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ ہماری طرف سے سیٹھ جبار کے سر پر پہلا جوتا لگانے کی مبارک باد قبول کرو۔ کیوں'

گل بیٹے! میں نے کہا تھا نا کہ منصور بہرحال، سیٹھ جبار سے زیادہ ذہین اور اعلیٰ دماغ کا ما
ہے۔"

"منصور ہمارا تاج محل ہے، پروفیسر! یہ ہمارا سرمایہ ہے۔ ہماری ہر سانس اس کے وقف ہے۔" گل جذباتی لہجے میں بولی۔ بڑی تبدیلیاں ہو گئی تھیں، اس میں۔ اس کے انداز میں بزرگی سی آ گئی تھی۔ کیسے آسمانی لوگ تھے، یہ۔ اس دنیا سے ان کا کیا تعلق
کہیں زمین کے لوگ بھی اس قدر بلند ہوتے ہیں۔

اس سنجیدہ ماحول میں اچانک حسینہ کی آمد نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ بری طرح ہنستی
کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ پروفیسر گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا، بھئی؟"

"ابھی کہاں ہوا، اب ہو گا۔ لو غضب ہو گیا۔ با ادب با ملاحظہ ہوشیار۔" حسینہ مچاتی ہوئی بولی۔

"افوہ! اتنا شور کیوں مچا رہی ہو، حسینہ؟" میں نے کہا۔ اسی وقت سرخاب بھی کم
میں داخل ہوئی اور اس کے پیچھے-----

لیکن اس کے پیچھے جو کوئی بھی تھا، اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا----- یہ
تھا---- تھا نہیں تھی---- ایک حسین ساڑھی میں ملبوس۔ زنانہ اسٹائل میں بنائے ہوئے۔ سادہ سا چہرہ اور کھلتا ہوا بدن، جس میں نسوانیت کے تمام نقوش اس ابھر آئے تھے جیسے انہیں کسی قید سے نجات مل گئی ہو۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔

"حسینہ کی بچی! تجھے تو میں ٹھیک کروں گی۔" سرخاب نے حسینہ کو گھورتے ہوئے ک

"لو، میں نے کچھ بتایا ہے، جی---- میں نے تو ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" حسینہ کہا اور پھر ہنس پڑی۔ تب بہروز نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میرا بالکل قصور نہیں ہے۔ سرخاب نے اس قدر اصرار کیا تھا، اس بات پر کہ انکار نہیں کر-----"

"آخر---- اس میں حرج ہی کیا ہے، کبھی کبھی یوں بھی سہی---- میں بہروز کو اس انداز میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ یہ میری آرزو تھی۔" سرخاب بولی۔

حسینہ مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔ گل اور پروفیسر شیرازی بھی اس مصری نژاد حسینہ زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر پروفیسر نے آگے بڑھ کر بہروز کے سر پر ہاتھ پھ ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم! بڑی مسرت ہوئی، تمہیں دیکھ کر۔ ہمارے دل میں تمہاری عظمت اور بڑھ گئی ہے۔ کیوں گل؟"

"یہ لڑکی اس قدر پیاری ہو گی، میں نے تو سوچا بھی نہ تھا۔ کیوں، منصور! تم نے پہلے بھی اسے اس رنگ میں دیکھا تھا؟"

"نہیں-----" میں نے جواب دیا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہے، اس پر؟" سرخاب نے مجھے سنجیدہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔

"نہیں، سرخاب! یہ ایک حقیقت ہے۔ حقیقتوں پر اعتراف کی کیا گنجائش ہے۔" میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"تو کھی کھی کرنے سے باز نہیں آئے گی، حسینہ! چل بھاگ یہاں سے۔" سرخاب نے کہا تو حسینہ ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ "جانتے ہیں، یہ کیوں ہنس رہی ہے؟" سرخاب نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے منفی انداز میں گردن ہلا دی۔

"یہ سمجھ رہی ہے کہ بہروز نے لڑکی کا روپ دھارا ہے۔"

میں ہنس پڑا اور پروفیسر شیرازی کا بھی فلک شگاف قہقہہ گونج اٹھا۔

پروفیسر شیرازی کی اس چھوٹی سی جنت میں آ کر غم دور چلے جاتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ میرا اپنا خاندان ہو------ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ چاروں طرف سے قہقہے ابل رہے تھے۔ بہروز اس طرح شرمایا ہوا بیٹھا تھا جیسے کوئی نئی نویلی دلہن ہو۔ اس پر' حسینہ کی احمقانہ باتیں محفل کو زعفران زار بنائے ہوئے تھیں۔

"دل چاہتا ہے' اس گھر میں یونہی قہقہے ابلتے رہیں۔ کتنا سکون ہے' ان قہقہوں میں۔" پروفیسر نے کہا۔

"منصور بار بار اس بات اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے ان پر کوئی احسان کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ہم سب پر احسان کیا ہے۔ آپ یقین کریں' پروفیسر! میری ساری زندگی الجھی ہوئی تھی۔ تھوڑا بہت تو میں' آپ لوگوں کو اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔ مرحوم جہانگیر بہت اچھے انسان تھے لیکن طبعاً خشک واقع ہوئے تھے۔ خالص کاروباری ذہن رکھتے تھے' ان کی ساری دلچسپی کا محور صرف کاروبار تھا۔ کبھی کوئی تقریب بھی ہوتی تو اس میں ان کے کاروباری دوست ضرور مدعو ہوتے۔ میں نے ساری زندگی یونہی گزاری۔ بس اس ماحول کو ترستی رہی پھر ان کے انتقال کے بعد میں خود صرف کاروبار ہی کی ہو کر رہ گئی لیکن میں مجبور تھی' اس کے لیے۔ حالانکہ تنہائی میں سوچتی تھی کہ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہوں؟ لیکن اور کوئی مشغلہ بھی تو نہ تھا۔ عام انسانوں سے اس قدر کٹی ہوئی تھی کہ آہستہ آہستہ انھیں بھولتی جا رہی تھی۔ منصور نے پھر سے مجھے' انسان آشنا کر دیا اور آج میں اتنی خوش ہوں' ان سب لوگوں کے درمیان کہ بیان نہیں کر سکتی۔ میری نیندیں پرسکون ہوتی ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ سب کچھ منصور کی وجہ سے ہوا۔" گل نے کہا۔

"واللہ؟ گل بیٹی! میں تم سے متفق ہوں۔ منصور ہمارے لیے مسرتوں کی نوید لائے ہیں۔ میرے نظریات' میرے لیے سکون بخش تھے۔ زندگی میں صرف سرخاب تھی جو میری محبتوں اور مستقبل کے تمام منصوبوں کا مرکز تھی------ اور مجھے کوئی تردد نہیں تھا لیکن نظریات کی اس ساکن جھیل میں اس نوجوان نے کنکری پھینکی۔ میں نے منصور سے جنگ کی

اور اس کی سوچ میں تبدیلی لانے کی کوشش کی لیکن حالات نے میری اصلاح کی اور مجھے بتایا کہ میرے تعمیر کردہ قلعے میں بہت سقم ہیں اور جب میں نے ان میں تبدیلی کی تو نئے جہان دیکھے۔ آج یہ چھوٹا سا گھر کتنا پر رونق ہے۔ صبح کو جاگتا ہوں تو ایک بھرا پرا خاندان دیکھتا ہوں۔ میں اپنی مسرت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔" پروفیسر شیرازی بولے۔

"منصور نے بہت سے لوگوں کو سہارا دیا ہے۔" بہروز نے کہا۔

"مجھے بھائی کی آرزو تھی۔ منصور جیسا آئیڈیل بھائی مجھے مل گیا۔" سرخاب بھی بولی۔

"تم کچھ نہیں کہو گی حسینہ؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے' ہم کیا کہیں۔ انھیں دیکھو' کیسے بیٹھے شرما رہے ہیں------ خدا قسم! ہم نے تو کوئی لڑکی بھی ایسی نہیں دیکھی۔" حسینہ نے بہروز کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ہنستی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

------ اور سب کے فلک شگاف قہقہے گونج اٹھے۔

"میں اس سلسلے میں صرف ایک بات کہوں گا۔" میں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے بچپن میں جو کورس کی کتابیں پڑھی تھیں' میرا ایمان بن گئی تھیں۔ مجھے یہ کتابیں حفظ تھیں اور میری سوچ ان کے کسی بھی لفظ سے الگ نہیں تھی۔ میں اپنی گلیوں میں اور ان راستوں پر جو مجھے اسکول اور پھر کالج لے جاتے تھے' اگر کوئی ایسی بات ہوتے دیکھتا جو ان کتابوں سے مختلف ہوتی تو میرا دل یہ چاہتا کہ میں ان برائیوں کو اپنے وطن کی سرزمین سے نوچ کر پھینک دوں۔ میں اپنے وطن کے ایک ایک فرد کو ان افکار کا پیروکار دیکھنا چاہتا تھا۔ جو میری رگ وپے میں بسے ہوئے تھے۔

پھر تقدیر نے مجھے ان راستوں سے ہٹانا شروع کر دیا جو میرے لیے سچائی کے راستے تھے------ میں نے بہت کوشش کی کہ ان راستوں سے میرے قدم ایک انچ بھی نہ ہٹنے پائیں لیکن آپ سب لوگوں کو علم ہے کہ مجھے غلاظتوں کی طرف دھکیلا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے جیل کاٹنی پڑی۔ جیل کے پانچ سالوں نے مجھے ایک نئی دنیا دکھائی جو میرے لیے روح کا عذاب تھی------ لیکن آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوا کہ سچائی' نیکی اور ایمان داری کے الفاظ صرف کتابوں میں پائے جاتے ہیں' عمل کی دنیا کچھ اور ہی ہے۔ اس بھٹکے ہوئے ذہن کو یکسو کرنا میرے لیے کتنا مشکل تھا' آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مجھے کتابوں سے نفرت سی ہو گئی کیونکہ میں جھوٹ کو اپنانا نہیں چاہتا تھا------ پھر پروفیسر شیرازی نے مجھے سچائی کی تلقین کی۔ ان کی محبت اور نرم رویے نے مجھے سمجھایا کہ یہ سب بہروپیے ہیں------ کتابوں کو تحریر کرنے والے اور ان کی تحریروں کو سچ ثابت کرنے والے' میرے

ساتھ مذاق کر رہے ہیں----- پھر مجھے گل ملیں' سرخاب' عظمت' ایاز اور بہروز ملے' بہت سے لوگ ملے----- اور ایک بار پھر میری سوچ کی دیوار میں شگاف پیدا ہو گیا۔ میں نے سوچا' کتابیں جھوٹ نہیں بولتیں۔ دنیا والوں نے ممکن ہے' پرفیسر شیرازی کو نہ دیکھا ہو----- گل' سرخاب' عظمت اور ایاز سے نہ ملے ہوں اور ان کی باتیں کتابوں میں لکھ ڈالی ہوں' سو یہ لوگ بھی جھوٹے نہیں ہیں----- لیکن یہ میری بدقسمتی تھی کہ مجھے ان فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ اس وقت نہ ملا جب مجھے ان کی ضرورت تھی۔ اگر یہ لوگ مجھے مل جاتے' اگر مجھے سیٹھ جبار کی نوکری نہ کرنی پڑتی' اگر میری ماں اور بہن اس چھوٹے سے گھر میں محفوظ رہتیں تو خدا کی قسم' میں محنت مزدوری سے پیٹ بھر کر' اپنے وطن کی عظمت کے گن گاتا----- لیکن بدقسمتی کی بات تو یہی ہے کہ یہ لوگ' مجھے دیر سے ملے۔ میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا-----گل کے یا پرفیسر شیرازی کے کہے پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ انھوں نے مجھے اپنی عظمت سے مسحور کر دیا ہے۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں' میں اسے سچائی سمجھتا ہوں۔"

پروفیسر شیرازی ہنس پڑے۔ "چلو بھئی! حساب چکتا ہو گیا۔ بڑے مہاجن قسم کے آدمی ہو۔ چھوڑو' ان گھمبیر باتوں کو۔ ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟ تمھارے سارے معاملات ٹھیک چل رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ جو قلعہ آپ نے تعمیر کیا ہے' اب اس کی فصیل میں کوئی شگاف نہیں پڑ سکتا۔ ہم برائی کے خلاف نبرد آزما ہیں---------- اور برائی کو برائی سے ختم کر رہے ہیں۔ بہرحال' آپ کے کہنے پر یہ موضوع ختم----- لیکن کچھ اور باتیں' میرے ذہن میں چکراتی رہتی ہیں۔"

"ہاں' ہاں بھئی! کوئی الجھن ہو تو ضرور کہو۔ تم اپنے معاملات میں مصروف رہتے ہو اور ماشاء اللہ اچھے جا رہے ہو۔ رپورٹیں تو مل ہی جاتی ہیں ہمیں' تمھارے بارے میں۔ مثلاً" جیسے ابھی تمھارا تازہ کارنامہ' سیٹھ جبار پر اچھی خاصی ضرب پڑی ہے اور مزہ مجھے آ رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ شیطان کون سے راستے سے آگے بڑھتا ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں' پروفیسر! ہم اس کے سارے راستے بند کر دیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاں' تو وہ' تمھارے ذہن میں کیا بات تھی؟"

"پروفیسر! ابھی آپ نے کہا ہے کہ صرف سرخاب' آپ کی----- آرزوؤں کا مرکز تھیں۔ میں نے بڑی حق تلفی کی ہے' سرخاب کی----- کہ آپ کے ذہن میں گھس بیٹھا

لیکن میری بہن بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ میں' اس کے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں----- پروفیسر' جو کچھ ہم نے شروع کیا ہے' اس پر خرچ بھی کیا ہے۔ ہم جس انداز میں اپنے اقدامات کر رہے ہیں' ان میں ہمیں منافع بھی نظر آیا ہے۔ ہر چند کہ یہ منافع' ان ذرائع سے آ رہا ہے جو ہمارے نزدیک جائز نہیں لیکن ہمارا اصل بھی تو خرچ ہوا ہے' اس میں۔ منافع کو ہم اس کاروبار میں لگا دیں اور اصل میں سے تھوڑا تھوڑا نکالتے رہیں تو کیا حرج ہے؟"

"حرج تو کوئی نہیں لیکن نکالنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" پروفیسر نے کہا۔

"سرخاب کا مستقبل----- میں نے کروڑوں روپیہ کمایا ہے' اس فراڈ میں۔ روئی کی فروخت سے خاصی بڑی رقم ملی ہے مجھے۔ میرا خیال ہے' ہم اس رقم کو اپنے ناجائز کاروبار میں لگا دیں اور اتنی ہی اصل رقم نکال کر دوسرے راستوں پر چل پڑیں۔"

"مگر وہ دوسرے راستے کیا ہیں' محترم؟" پروفیسر شیرازی نے پوچھا۔

"اپنی بہن کے لیے کسی مناسب رشتے کا انتظام اور پھر اس کی شادی۔" میں نے جواب دیا اور سرخاب ایک دم سنجیدہ----- ہو گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی لیکن اس نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ پرفیسر نے مسکراتے ہوئے پہلے مجھے پھر گل اور سرخاب کی طرف دیکھا پھر بولے۔

"بھئی' میں نے جو تمھارے ساتھ اتنا کیا ہے' سب کچھ لگا دیا ہے' تم پر تو کوئی بلاوجہ تھوڑا ہی لگا دیا ہے۔ میری سوچ میں اب وہ سب کچھ نہیں ہے' منصور! جو پہلے تھا۔ پہلے میں اندھی انسانیت کا قائل تھا لیکن اب میں ایک کاروباری آدمی ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ لگاؤ اور منافع حاصل کرو۔ تو مجھے منافع میں ایک بیٹا ملا ہے جس کا نام منصور ہے اور جو سرخاب کا بھائی ہے تو پھر میں اس سلسلے میں تردد کیوں کروں' جو کچھ میں نے کمایا ہے' وہی میرے کام بھی آئے گا۔ تم سوچو' تم جانو۔ سرخاب' تمھارے سامنے ہے----- بہن سے گفتگو کرو اور اس سلسلے میں جو بھی مناسب فیصلہ کرو گے' مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔" اور میں مسکرانے لگا۔

○

خاصی رات گئے پروفیسر شیرازی کے پاس سے واپسی ہوئی تھی۔ ذہن میں خوشگوار تاثرات تھے۔ یوں بھی حالات پرسکون تھے چنانچہ سکون کی نیند آ گئی اور دوسری صبح سو کر اٹھا تو طبیعت بے حد ہشاش بشاش تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر' میں اپنے مخصوص کمرے میں جا بیٹھا----- سیٹھ جبار کے

ردعمل کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ میرے دل میں بارہا یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح تغلق خان سے رابطہ قائم کر کے وہاں کے حالات معلوم کروں لیکن تغلق خان سے رابطہ آسان کام نہیں تھا------ اور پھریوں بھی محتاط رہنا بے حد ضروری تھا------ میں اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جب تک کہ مجھے یقین نہ ہو جائے کہ تغلق خان وہاں اپنے قدم جما چکا ہے۔ اگر کوئی------ خاص بات ہو گی تو وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ یہ خیال ہی میں نے ذہن سے نکال دیا کہ تغلق خان سے گفتگو کی جائے۔ امجد بھائی بھی وہاں موجود تھے اور میں' ان سے ملاقات کر سکتا تھا لیکن اس غریب خاندان کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی اور اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ انتظار کیا جائے لیکن میں سیٹھ جبار کو سکون سے بیٹھنے نہیں دینا چاہتا تھا' اس پر پے درپے------ ضربیں لگاتے رہنا ضروری تھا۔

دن کو دس بجے مجھے' عظمت کا فون ملا۔ میرا فون نمبر' عظمت کے پاس تھا۔ "بھیا! جو ذمے داری آپ نے میرے سپرد کی تھی' وہ پوری ہو گئی ہے۔ دو مختلف علاقوں میں دو خوبصورت مکانات ہیں۔ تقریباً" گیارہ لاکھ روپے خرچ ہو جائیں گے کچھ رقم کی ضرورت' آپ سے بھی پڑے گی۔ کیونکہ ہمارے اکاؤنٹ میں اتنی رقم نہیں ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو' تم۔ ایک کی پے منٹ کر دو' دوسرے کا چیک میں دے دوں گا۔ باقی تھوڑے بہت پیسے بینک میں پڑے رہنے دو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا ذاتی اکاؤنٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے' آپ مجھے چار لاکھ کا چیک دے دیں۔ ان میں سے ایک مکان واٹسن ایونیو کے علاقے میں ہے۔ خاصا کشادہ اور خوبصورت مکان ہے اور پھر ایسی جگہ واقع ہے جہاں آس پاس زیادہ ہنگامہ نہیں ہے۔ دوسرا مکان' ایگل روڈ پر واقع ہے۔ یہ بھی خاصا اچھا رہائشی علاقہ ہے۔ نمبر نوٹ کر لیجیے۔ اگر آپ چاہیں تو کسی وقت ان دونوں مکانوں کو دیکھ لیجیے ورنہ جیسا مجھے حکم دیں' کہیں تو میں شام کو حاضر ہو جاؤں۔"

"ایسا کرو' عظمت! شام کو پانچ بجے مجھے' ایگل روڈ پر مل لو------ ایگل روڈ پر پوپ سائن نامی ایک چھوٹا سا ریستوران ہے۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔ تھوڑی سی بدلی ہوئی شکل میں آؤں گا لیکن ایک سرخ رومال ہلا کر تمہیں اپنی جانب متوجہ کر لوں گا۔" میں نے کہا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نے فینی کو طلب کر لیا اور فینی' میرے پاس پہنچ گئی۔ تھوڑی سی تبدیلی ہوئی تھی' اس لڑکی میں' بہرطور مجھے پسند تھی۔ کیونکہ میں خود بھی سڑے

ہوئے چہرے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ مسکراتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی۔ میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم یوں کرو' عدنان سے رابطہ قائم کرو اور اس سے کہو کہ میں' دوپہر کے کھانے پر اس ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہیں بلا لوں' جناب؟" فینی نے پوچھا۔

"ہاں' یہیں بلا لو۔" میں نے کہا اور فینی گردن خم کر کے اٹھ گئی۔

دوپہر کے کھانے پر عدنان پہنچ گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی میرے ساتھ نہ تھا۔ عدنان خوشگوار انداز میں مسکراتا ہوا' میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"بھئی' مجھے یہ خاموشی پسند نہیں۔ میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں ہل اسٹیشن سے آئے ہوئے کئی روز گزر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آرام کا وقت ختم ہو گیا۔ اب ہمیں کام کی باتیں کرنی چاہئیں۔"

"خود میری بھی یہی خواہش ہے' جناب! یہ وقفے تو ہمارے لیے مناسب نہیں ہوں گے۔"

"تو پھر کوئی مناسب پروگرام بناؤ۔ مجھے' تمہاری ذہانت پر مکمل اعتماد ہے۔"

"میری ہمیشہ یہی کوشش ہو گی کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں۔ اگر سیٹھ جبار سے چھیڑ چھاڑ کا معاملہ ہے تو اس کے لیے پروگرام ترتیب دیا جا سکتا ہے۔"

"گڈ------ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا

"مشرق وسطی سے پرنسو نامی ایک لانچ آ رہی ہے جس میں سترفی صد مال' سیٹھ جبار کا ہے۔ اس میں زیادہ تر فریج' ائرکنڈیشنز اور ایسے ہی الیکٹرک گڈز ہیں۔ سیٹھ جبار کے مال پر ایک مخصوص نشان ہوتا ہے اور یہ ایک مخصوص ساحل پر اتارا جائے گا میں' اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکا ہوں۔"

"گولڈن گریک پر تو نہیں؟" میں نے پوچھا تو عدنان نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"جی ہاں۔ آپ کا خیال درست ہے۔ وہ مال' گولڈن گریک ہی پر اترے گا۔ سیٹھ جبار کا مال عموماً" وہیں اترتا ہے اور اس کے راستے کھلے ہوتے ہیں۔"

"مجھے علم ہے------ تو پھر کیا پروگرام ہو گا؟"

"پروگرام بہت آسان سا بنائیں گے' باس! جس سے کم از کم سیٹھ جبار کو ہمارے کام کرنے کے انداز سے الجھن ضرور ہو۔"

"مثلاً"------؟" میں نے پوچھا۔

"مثلاً" یہ کہ مال ساحل پر اترے گا' اسے اس کے آدمی ٹرکوں پر بار کریں گے اور پھر ایک مخصوص جگہ پر مال پکڑ لیا جائے گا۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ جب سیٹھ جبار کا مال آتا ہے تو راستے صاف ہوتے ہیں اور تمام رکاوٹیں کچھ دیر کے لیے ہٹ جاتی ہیں----- لیکن جناب! اگر یہ رکاوٹیں نہ ہٹیں' ٹرک پکڑ لیے جائیں اور سیٹھ جبار کے آدمیوں کو گرفتار کر لیا جائے تو کیا خیال ہے کام عمدہ نہ ہو گا؟ یہ ٹرک ہمارے گوداموں میں خالی ہو جائیں گے اور پھر بعد میں کسی جگہ کھڑے ہوئے مل جائیں گے۔ سیٹھ جبار کے آدمیوں کو کہیں بھی پہنچا دیا جائے گا کسی ایسی جگہ' جہاں سے وہ بہ آسانی نکل سکیں۔ کیا خیال ہے' یہ طریقہ کار عمدہ نہیں رہے گا؟"

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے عدنان کو دیکھا اور پھر اس کی پشت پر تھپکی دے کر بولا۔ "عدنان! میں اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہوں گا کہ تم ایک ذہین آدمی ہو اور گزرنے والا ہر لمحہ میرے دل میں تمھاری عزت بڑھاتا جا رہا ہے۔"

"باس! عدنان قسم کھانے کا عادی نہیں ہے لیکن وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ آپ جیسے باس کے لیے جان بھی دی جا سکتی ہے۔ کام تو سبھی کرتے ہیں' انھیں داد بھی ملتی ہے' انعامات بھی ملتے ہیں----- لیکن آپ کے یہ الفاظ' میرا دل بہت بڑھا دیتے ہیں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ ایسے ایسے کارنامے سرانجام دوں' آپ کے لیے کہ آپ کی نگاہوں میں بہت بڑا مقام حاصل کر جاؤں۔ باس! آپ مطمئن رہیں۔ عدنان' آپ کا غلام ہے۔ آپ کی عظمت اور برتری کے لیے وہ ایسے ایسے کام کرے گا کہ لوگ مدتوں یاد رکھیں گے لیکن----- ان حالات میں باس میں ایک اجازت اور چاہتا ہوں۔"

"ہاں' ہاں----- کہو؟"

"وہ یہ باس! کہ میں بددیانتی کبھی نہیں کروں گا۔ میں جو کچھ بھی کروں گا' اس کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر باخبر رکھوں گا۔ ہر آمدنی کا باقاعدہ اندراج کیا جائے گا اور یہ اندراجات آپ کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے لیکن مجھے ایسے کاموں کی اجازت دیجیے جن کے تحت میں کسی موقعے پر بھی سیٹھ جبار کو پریشان کر سکوں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے' باس! کہ حالات کے تحت فوری عمل کی ضرورت ہوتی ہے----- لیکن اجازت لینے کے چکر میں وقت نکل جاتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا اٹھنے والا ہر قدم سیٹھ جبار کے خلاف ہی ہو گا اور ہر ممکن طریقے سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

"بھئی تم اس ڈیپارٹمنٹ کے انچارج ہو اور انچارج بھی ایسے جس پر مجھے مکمل اعتماد

ہے۔ باقی رہی' رقومات اور اندراجات کی بات تو میرے دوست! آئندہ اس انداز میں کبھی مت سوچنا۔ پرنس دلاور اپنے ساتھیوں کو اپنا دست راست سمجھتا ہے اور ان سے جو بھی کام لیتا ہے مکمل بھروسے اور اعتماد سے لیتا ہے اور میری طرف سے تمھیں' اس بات کی کھلی اجازت ہے کہ سیٹھ جبار کے خلاف جو جی چاہے کرو بس' مجھے ان کی اطلاعات ملتی رہیں تاکہ میں اپنا حساب کتاب درست رکھوں۔"

"آپ مطمئن رہیں' باس!" عدنان مسکرایا۔ "سیٹھ جبار کو ناکوں چنے نہ چبوا دیے تو عدنان نام نہیں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سیٹھ جبار واپس آ چکا ہے اور شہباز آج کل زیر عتاب ہے۔ میرا خیال ہے کہ بہت جلد ہمارا ساتھی تغلق خان' شہباز نورترے کی جگہ لے لے گا۔"

"اور کوئی خاص بات معلوم ہوئی تمھیں؟"

"جی ہاں۔ تغلق خان کو ایک اہم مہم پر شاید بنکاک بھیجا جا رہا ہے۔ تین روزہ دورہ ہے اس کا' لیکن ابھی اس مہم کے مقاصد پس پردہ ہیں۔ اس بارے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔" عدنان نے بتایا۔

"بہت خوب! تمھیں یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

"میں نے اپنا ایک آدمی' سیٹھ جبار کے ہاں پہنچوا دیا ہے۔"

"ویری گڈ' عدنان! بلاشبہ تم اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ کس حیثیت سے پہنچایا ہے' تمھارا یہ آدمی؟"

"کوٹھی میں فراش کی حیثیت سے۔ بڑا عمدہ آدمی ہے----- میں نے اسے بہترین سازو سامان سے آراستہ کر کے بھیجا ہے اور ممکن ہے کہ کچھ عرصے بعد ہمیں' سیٹھ جبار کی خواب گاہ کے پیغامات' اپنی رہائش گاہ پر ملنے لگیں۔"

میں حیرت آمیز نگاہوں سے عدنان کو دیکھنے لگا پھر میں نے سوچا کہ وہ جرائم کی دنیا میں ایک اہم مقام کا حامل ہے اور اس کا انتخاب بلاوجہ ہی نہیں کیا گیا ہو گا----- پھر میں نے عدنان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جس آدمی کو سیٹھ جبار کی کوٹھی پر بھیجا گیا تھا' اس کا نام یوسف تھا اور پھر میں نے عدنان سے کہا کہ سیٹھ جبار کی کوٹھی کے پیغامات جس ریسیور پر وصول کیے جائیں' اس کا ایک سیٹ میرے پاس بھی ہونا چاہیے۔ مجھے اس سے لائحہ عمل تیار کرنے میں مدد ملے گی۔

عدنان نے وعدہ کر لیا کہ کام مکمل ہوتے ہی وہ ایک ریسیور سیٹ میرے پاس بھجوا دے گا۔ ان تمام باتوں سے مجھے بڑی تقویت ملی تھی۔ خاص طور پر سیٹھ جبار کی خوابگاہ کا

مسئلہ تو ایسا تھا جو میری زندگی سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ ممکن ہے کبھی اس ریسیور کے ذریعے مجھے کوئی ایسا اشارہ مل جائے جو میری منزل کی نشان دہی کر دے۔

شام ساڑھے پانچ بجے میں، عظمت سے ملا۔ وہ میرا منتظر تھا۔ میں خود ہی چند منٹ لیٹ پہنچا تھا۔ وہ ریستوران میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں خود ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو، عظمت!" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ چائے کی پیالی رکھ کر سنبھل گیا۔

"کمال ہے، میں آپ کو پہچان ہی نہیں سکا۔ ویسے میں ذرا سا الجھ بھی گیا تھا۔ آپ کو کچھ دیر ہو گئی۔"

"ہاں، عظمت!" میں نے کہا۔

چائے پینے کے دوران، ہم دونوں، ان مکانوں کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ عظمت نے کہا۔

"دونوں مکانوں میں ٹیلی فون موجود ہے اور بہترین لوکیشن ہے۔ میں نے مختلف ناموں سے ان کا سودا کیا ہے۔"

"یہ بہت اچھا کیا----- کوئی اور الجھن تو نہیں؟"

"نہیں۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ بس ایاز ذہن میں سلگتا رہتا ہے۔ میں نے اسے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ آپ چمن سے رابطہ کیوں نہیں قائم کرتے؟ اسے یقیناً ایاز کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو گا۔"

"چمن-----" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اس سے میں، ایک ہی دفعہ رابطہ قائم کروں گا۔ ابھی وہ، ہمارے لیے ایک کار آمد مہرہ ہے۔ پھر جب میں اس پر ہاتھ ڈالوں گا تو وہ گرفت ایسی ہو گی کہ چمن کو اپنے اگلے، پچھلے تمام گناہ یاد آ جائیں گے۔ باقی رہی، ایاز کی بات----- تو اس کے لیے اب میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح امی اور فریدہ کو صبر کیے بیٹھا ہوں، اسی طرح ایاز کے لیے بھی صبر کر لوں گا۔ میری زندگی تو صبر ہی میں کٹ جائے گی۔ میں نہیں جانتا کہ کبھی مجھے میرا مقصود ملے گا یا نہیں۔ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، یقین کرو، عظمت! اس کا میری ذہنی دلچسپیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے دل میں تو بس یہ خواہش ہے کہ کسی طرح میری ماں اور بہن مل جائے اور جب تک میں زندہ ہوں یہ آس زندہ رہے گی----- پھر اگر کہیں سے مجھے، ان کی موت کی اطلاع مل گئی تو میں سوچوں گا کہ اب مجھے اپنی زندگی کو کن راستوں پر لے جانا چاہیے۔" میں نے درد انگیز لہجے میں کہا۔

"خدا نہ کرے، بھیا! کبھی ایسی بات ہو۔ خدا کرے، وہ جہاں بھی ہوں، زندہ سلامت ہوں اور خیریت سے ہوں۔ بہر طور، میں ایاز کے لیے کوشش جاری رکھوں گا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں مایوس ہو کر اپنی کوشش ترک کردوں گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ عظمت اپنی کار ساتھ لایا تھا۔ ہم اسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ میں نے اپنی کار اسی ریستوران کے سامنے کھڑی رہنے دی تھی۔

عظمت نے ایک ایک کر کے دونوں مکان مجھے دکھائے----- دونوں مکان----- بے حد پسند آئے۔ میں نے عظمت کو کچھ اور ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں مکانوں میں دو دو ملازموں کا بندوبست کیا جائے۔ ایک وہ جو مکان کے اندرونی انتظامات کر سکے اور دوسرا چوکیدار کی حیثیت سے ہو۔ مجھے جب بھی ضرورت ہو گی، ان مکانوں کو استعمال کروں گا۔ تم جو آدمی رکھو، وہ سیدھے سادے ہونے چاہئیں۔ تنخواہ جو مناسب سمجھو طے کر لینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہ انتظام بھی کر لوں گا اور کوئی خاص بات تو نہیں۔" عظمت نے کہا۔

"نہیں----- آؤ واپس چلیں۔" میں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہم واپس جا رہے تھے۔ راستے میں مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے عظمت سے کہا۔

"عظمت! میرا خیال ہے کہ امی اور ابو کو تیار کر لو۔ پرسوں مناسب دن رہے گا چھٹی بھی ہے----- تو پرسوں تم لوگ، راشدہ کے گھر چلے جاؤ۔"

"ہم لوگ-----؟"

"بھئی میری مراد ہے، تمہارے امی، ابو، پروفیسر شیرازی، گل اور سرخاب وغیرہ۔"

"وہ لوگ راشدہ کے گھر جانے پر تیار ہو جائیں گے؟"

"کیوں نہیں ہو جائیں گے۔ اس کا کیا سوال ہے؟" میں نے بھویں اچکائیں۔

"ٹھیک ہے بھیا! تو اس سلسلے میں آپ ہی تھوڑی سی تکلیف کریں۔ آپ خود ابو سے کہہ لیں۔ ویسے بھی آپ کئی دنوں سے ان سے نہیں ملے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ کار تو لے لوں اپنی ریستوران کے سامنے سے۔" میں نے کہا تو عظمت نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر بعد ہم ریستوران کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں سے میں نے اپنی کار لی اور عظمت کے پیچھے چل پڑا----- پھر تھوڑی دیر بعد ہم، فرحت اللہ صاحب کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انھیں اعتماد میں لے کر، ساری رام کہانی کہہ سنائی اور انھیں، پروفیسر

گل اور سرخاب کے ہمراہ' راشدہ کے گھر جانے پر رضا مند کر لیا۔ انھوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے میری بات مان لی۔ ان کے ہر انداز سے میرے لیے محبت اور اعتماد جھلکتا تھا۔ میرا سر فخر سے تن گیا کہ میرے اتنے چاہنے والے میرے ارد گرد موجود ہیں۔ گویا میں کہکشاں کا کوئی روشن ستارہ تھا اور یہ سب لوگ میرے ذیلی ستارے تھے جو میرے گرد گھوم رہے تھے۔ ابھی میں فخر و انبساط کی اس کیفیت سے دو چار ہی تھا کہ عظمت کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تو کیا' بھیا! آپ نہیں جائیں گے' ان لوگوں کے ساتھ؟"

"نہیں' بھئی! میرا جانا مناسب نہیں ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں-----؟"

"بس' اپنی شادی کے بارے میں اتنی ساری باتیں نہیں کیا کرتے' سمجھے؟" میں نے کہا تو عظمت مسکرانے لگا۔ فرحت اللہ صاحب کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ان لوگوں نے مجھے رات کے کھانے کے لیے زبردستی روک لیا۔ اس وقت مجھے بھی کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ چنانچہ میں کھانے کے بعد واپس آ گیا۔ اپنی رہائش گاہ پر پہنچا تو فینی میری منتظر تھی۔

"باس! کچھ اطلاعات ہیں' آپ کے لیے۔" فینی نے کہا۔

"کون سی اطلاعات ہیں؟"

"تغلق خان کا پیغام میں نے ریکارڈ کیا ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں سناؤں؟"

"ہاں' ہاں----- ضرور۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"جی ہاں' کسی حد تک۔" فینی نے کہا اور ایک ٹیپ ریکارڈر اٹھا لائی۔ بٹن دباتے ہی تغلق خان کی آواز گونجنے لگی۔

"باس کو تغلق خان کا سلام۔ اپنا چارج' سنبھالنے کے بعد میں نے کام شروع کر دیا ہے' چیف----- چمن نے جس انداز میں سیٹھ جبار سے میرا تعارف کرایا تھا' اس کی وجہ سے سیٹھ جبار' مجھ پر کافی اعتماد کرنے لگا ہے۔ میں نے اپنے دوسرے کام کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ سیٹھ جبار کی گفتگو سننے کے لیے میں نے ایک چھوٹا سا بندوبست کیا ہے اور اس میں نے جو کچھ سنا ہے' اس کا لب لباب یہ ہے۔

"شہباز فور ترے' سیٹھ جبار کے عتاب کا شکار ہے۔ وہ اس پر بہت برسا تھا۔ اس نے شہباز فور ترے کو حکم دیا ہے کہ ان عوامل کا پتہ لگایا جائے جس کے تحت بلورو کے روئی غائب ہوئی ہے----- سیٹھ جبار' اس بات پر زیادہ پریشان ہے کہ لوٹنا ہی تھا تو

سارے گودام لوٹے جا سکتے تھے صرف روئی اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے اسے اطلاع مل چکی ہے کہ اس کا گاہک پرنس دلاور سے مال خرید کر لے گیا ہے۔ اس بات پر وہ بہت تلملا رہا ہے----- اور ہر ممکن طریقے سے پرنس دلاور کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہے۔

کل رات ایک لانچ سے اس کا مال گولڈن گریک پر اتر رہا ہے۔ اس لانچ میں کچھ دوسرے لوگوں کا مال بھی ہے جو گولڈن گریک پر نہیں اترے گا بلکہ لانچ' سیٹھ جبار کا مال اتار کر آگے بڑھ جائے گی----- اس کے علاوہ میں آپ کو ایک اور اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ جو یقیناً آپ کے لیے باعث دلچسپی ہو گی۔ اس کے سلسلے میں میری درخواست ہے کہ آپ اس بات کو منظور کر لیں۔ یہ ہمارے فائدے کی ہے۔

آپ میرے بھائی غوزی خان سے مل چکے ہیں۔ اس کے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی تھی؟ جس کی وجہ سے کافی خون ریزی ہوئی۔ بہرحال اس پھوٹ پر غوزی خان نے قابو پا لیا۔ تقریباً" چالیس افراد اب بھی اس کے ساتھ ہیں----- لیکن اس بغاوت کے نتیجے میں کئی بری باتیں ہوئی ہیں۔ مثلاً" یہ کہ کئی ملکوں کی پولیس جو غوزی خان کے پیچھے تھی' اب اس کی راہ پر لگ گئی ہے اور اس جزیرے پر قبضہ کر لیا گیا جو غوزی خان کا خاص اسٹیشن تھا۔ اسے وہاں سے کہیں اور منتقل ہونا پڑا لیکن پولیس اس کے پیچھے لگی رہی اور وہ یہاں پہنچ گیا ظاہر ہے' میرا بھائی ہے' میرے پاس ہی پناہ لے سکتا تھا۔

باس! وہ آتش مزاج آدمی ہے۔ نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اس نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس کے لیے کوئی بہتر کام تلاش کروں اور میں نے اس سے بہتر کوئی کام نہیں سمجھا کہ اسے پرنس دلاور کی نوکری میں دے دوں۔ سمندر کا ماہر ہے اپنا ثانی نہیں رکھتا' باس! وہ سمندروں میں ہمارے مفادات کی نگرانی کرے گا۔ اس کے تحت ایک باقاعدہ لانچوں کا بیڑہ دے دیا جائے۔ مال لانے اور لے جانے میں اس سے بہتر آدمی کوئی نہیں ہو گا----- یا پھر سمندروں میں ہمیں کوئی کارروائی کرنی پڑی تو غوزی خان اسے بغیر کسی امداد کے کر لے گا۔ کیونکہ اس کا پورا گروہ' اس کے ساتھ ہے۔ باس! اس پر اخراجات تو زیادہ ہو جائیں گے۔ باقاعدہ چالیس افراد کو تنخواہیں دینی پڑیں گی----- یہ تنخواہیں بھی دس' دس پندرہ پندرہ ہزار روپے سے کم نہیں ہوں گی۔ خود غوزی خان کے ماہانہ اخراجات تیس' چالیس ہزار سے کم نہیں ہیں۔ اگر وہ کام کا آدمی ثابت ہو تو اسے اس کے عہدے پر فائز رہنے دیں' ورنہ آپ جو حکم دیں وہی ہو گا----- یہ ایک اہم درخواست تھی باس! جس کے لیے میں آپ کے احکامات کا منتظر رہوں گا۔ اگر اجازت ہو تو کل شام پانچ بجے میں

آپ سے فون پر رابطہ قائم کروں۔---- ویسے یہاں میں ابھی تک کسی شک کا شکار نہیں ہو سکا ہوں۔ سیٹھ جبار کی کوٹھی ہی میں مجھے ایک رہائش گاہ مل گئی ہے۔ وہیں قیام پزیر ہوں آپ کا تغلق خان۔"

ٹیپ ختم ہو گیا تو میں پر سکون انداز میں مسکرایا۔ فینی میری صورت دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، فینی! کل شام پانچ بجے، میں تغلق خان سے گفتگو کروں گا۔ مجھے کل دن میں بھی یاد کرا دینا۔ کیونکہ کل کا دن میرے لیے بہت مصروف ہے۔"

فینی نے گردن ہلا دی اور ٹیپ ریکارڈر اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

میں غوزی خان کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں سمندر میں اس کا کروفر دیکھ چکا تھا۔ یہ بھی میری خوش بختی ہی تھی کہ ایک اتنا اہم آدمی مجھے مل رہا تھا۔ رہا پیسے کا سوال---- تو اگر ہمارا کاروبار باقاعدگی سے جاری رہا اور اس قسم کے معاملات ہوتے رہے جیسے کہ روئی کے سلسلے میں ہوئے تھے تو پھر مالی طور پر ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ کام یقیناً" آگے بڑھے گا۔ اس سلسلے میں پلاننگ ڈیپارٹمنٹ بڑے اچھے طریقے سے اپنا کام انجام دے رہا تھا۔ میں اپنے اطراف سے مطمئن تھا۔

دوسرے دن عدنان سے بات ہوئی اور رات کا پروگرام طے ہو گیا۔ کیونکہ تغلق خان نے بھی یہی اطلاع دی تھی کہ آج رات، گولڈن گریک پر مال اترے گا۔ پروگرام طے ہونے کے بعد، پانچ بجے میں نے تغلق خان کا فون ریسیو کیا اور اسے بتا دیا کہ میں غوزی خان کی اپنی گروہ میں شمولیت پر بہت خوش ہوں۔ تم جس طرح مناسب سمجھو، غوزی خان کو تفصیلات سے آگاہ کر دو۔ ویسے اگر چاہو تو عدنان سے رابطہ قائم کر لینا۔ میں اسے ہدایات دے دوں گا۔"

"یہ بہتر رہے گا، باس! آپ، عدنان صاحب کو اس سلسلے میں مکمل طور پر ہدایت کر دیں۔ ویسے باس! سیٹھ جبار خاصی پریشانیوں کا شکار ہے۔ وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ شہباز فورترے بھی آج کل خاصا پریشان ہے۔ ویسے وہ بہت ذہین آدمی ہے، باس خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ میرا، اس سے مقابلہ ہے اور میں اس پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہوں۔ ویسے وہ میرا دوست بن چکا ہے اور مجھ سے بہت متاثر ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں، باس! آپ کا تغلق خان، یہاں آپ کے مفادات کا بہترین نگران ثابت ہو گا۔"

"مجھے یقین ہے تغلق خان! اس سلسلے میں کسی یاد دہانی کی ضرورت نہیں ہے۔---- اور کچھ کہنا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

بارے میں تفصیل بتاتا رہا اور عدنان خوش ہوتا رہا۔

"چالیس افراد کافی ہوتے ہیں، باس! ہمارا بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن ان کے اخراجات بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ وہ قزاق جو لاکھوں کروڑوں کا مال لوٹ کر عیش کرتے رہے ہوں گے، ان کے اخراجات معمولی نہیں ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے ایسی بات نہیں ہو گی عدنان کیونکہ وہ---- ایک ہی جزیرے تک محدود تھے۔ بلاشبہ ان کی زندگی بہت پر سکون ہو گی لیکن وہ بہت زیادہ تعیشات کے عادی بھی نہیں ہوئے ہوں گے اور ان کی گزر بسر بہرصورت میانہ روی سے ہو جائے گی اور باقی رہی اخراجات کی بات تو اب اس سلسلے میں جو کچھ ہو سکے، کرنا ہی ہے۔"

"باس! ویسے آپ کا نام اس سلسلے میں بڑی تیزی سے پاپولر ہوتا جا رہا ہے۔ آپ نے کئی رفاہی ادارے بھی قائم کیے ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ ایک بہترین بات ہے۔ میں نے اپنے طور پر کچھ اور کوششیں بھی کی ہیں، باس! مثلاً" اپنے کام کے لوگوں پر جال ڈالے ہیں۔ میرا خیال ہے ہم بہت جلد اپنے لیے بہترین تعلقات بنانے میں---- کامیاب ہو جائیں گے۔ ان سارے کاموں کے لیے ہماری پہنچ ایسے حکام تک ہونی چاہیے جو اس سلسلے میں ہمارے معاون ثابت ہوں۔"

"ہاں۔ یقیناً سیٹھ جبار کی جیت تو اسی میں ہے، وہ جہاں چاہتا ہے ہاتھ مار لیتا ہے اور کہیں بھی اس سے اختلاف نہیں کیا جاتا۔"

"باس! میں کوئی بڑی بات نہیں کہنا چاہتا---- بس اس سلسلے میں مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دیجیے۔ سیٹھ جبار کو بھنگی نہ بنا دوں تو میرا نام بھی عدنان نہیں۔"

"ہاں، عدنان! میری بھی یہی خواہش ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہمیں رات کو تقریباً" ایک بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ تقریباً" پونے گیارہ بجے ہم نے کچھ ٹرک، اس سڑک سے گزرتے دیکھے جن کی تعداد غالباً" تین تھی ان کے ساتھ دو جیپیں بھی تھیں۔ گویا تین ٹرک اور دو جیپیں گولڈن گریک پہنچی تھیں۔ ویسے ہم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آدمی زیادہ نہیں تھے۔ یقینی طور پر لانچ کے کارکن مال کو ٹرک پر لوڈ کرانے میں مدد کریں گے---- اس لیے زیادہ آدمیوں کی ضرورت پیش نہیں آئی ہو گی---- یہ ہمارے حق میں بہتر تھا۔ ایک بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے جب ہم نے ٹرکوں کی روشنیاں دیکھیں۔ وہ آ رہے تھے۔ ہم منظم ہو کر بنگلے سے باہر نکل آئے۔ کئی آدمیوں کو سڑک کے دونوں طرف چھپا دیا گیا۔ یہ سب مسلح تھے اور کسی بات پر گولیاں چلانے کے لیے تیار۔

اس کے بعد میں، عدنان اور تقریباً" دس آدمی سڑک پر آ کھڑے ہوئے۔ ہمارے پاس

"نہیں باس ---- تو پھر میں غوزی خان کو عدنان سے ملا دوں؟"

"ہاں یقیناً ---- اس سلسلے میں تمہیں غور و خوض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"او۔ کے' چیف!" تغلق خان نے کہا اور فون بند کر دیا۔

مجھے اب دوسرے معاملات کے لیے خود کو تیار کرنا تھا۔ اس لیے میں دوسرے کمرے میں آیا اور اپنے چہرے پر میک اپ کرنے لگا ---- وقت مقررہ پر میں اس ویران علاقے کی جانب روانہ ہو گیا جو سمندری راستے پر تھا ---- اور جہاں مجھے اس وقت لے جایا گیا تھا جب میں سیٹھ جبار کی ملازمت میں آیا تھا۔ یہیں سے میری بدبختی کا آغاز ہوا تھا۔ بہرطور وہ بنگلہ مجھے مل گئی جسے ایک بار پہلے بھی میں نے دیکھا تھا۔ بے کار سی بے مصرف عمارت تھی۔

جب میں بنگلے میں داخل ہوا تو ایک جانب سے عدنان نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ وہ یہاں مورچہ جما چکا تھا۔ سب لوگ مخصوص قسم کی وردیوں میں ملبوس تھے اور مسلح تھے۔ عدنان نے مجھے باقی لوگوں سے ملایا جو اس سلسلے میں اپنا کام انجام دینے والے تھے پھر مجھے بھی ایک وردی مہیا کر دی گئی جسے میں نے پہن لیا اور انہی لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد ہمیں ایک طویل انتظار کرنا تھا۔ ہم لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

عدنان کو میں نے غوزی خان کے بارے میں بتایا جسے سن کر وہ بے حد خوش ہوا۔

"یہ تو بہت عمدہ بات ہوئی' باس! یقین کریں کہ میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ کسی ایسے آدمی کا انتخاب کروں جو سمندر میں ہمارے لیے کام کرے۔ اس کے علاوہ ہمیں ایک بڑی لانچ کی ضرورت بھی پڑے گی' جو سمندر میں قزاقی کا کام دے سکے۔ یعنی سمندر کے ذریعے سیٹھ جبار کا جو بھی مال آئے اسے سمندر ہی میں روکیں گے اور اسے حاصل کر کے پرنس ولاور پر پہنچا دیں گے جہاں سے وہ مال گوداموں میں منتقل ہو جائے گا۔ اس کے لیے میں کچھ گوداموں کا بندوبست بھی کر رہا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں' باس! میں یہ کام خود ہی سنبھال لوں گا۔"

"ٹھیک ہے' تم مصروف رہو۔ لانچ کا جہاں تک مسئلہ ہے تم جو کچھ اس سلسلے میں کر سکتے ہو کرو۔ اخراجات کی پرواہ نہ کرنا۔"

"او کے' باس!" عدنان نے جواب دیا ---- پھر ہم کافی دیر تک غوزی خان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ یہ بحری قزاق' سمندر میں بے حد خطرناک نظر آیا تھا۔ تغلق خان بھی کم نہیں تھا لیکن غوزی خان' اس سے کچھ آگے تھا۔ میں' عدنان کو اس کے

پاس ٹارچیں تھیں جو ٹرکوں کو روکنے کا اشارہ کر سکتی تھیں اور جب ٹرک قریب آئے تو ہم نے ٹارچیں روشن کر کے' ٹرکوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ لوگ بہت مطمئن تھے۔ پتہ نہیں ان کا سربراہ کون تھا؟ مطمئن ہے' شہباز فورترے ہو ---- یا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تغلق خان کی ڈیوٹی لگا دی گئی ہو ---- بہر طور خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔ ممکن تھا کہ وہ لوگ دھا دھند فائرنگ شروع کر دیتے۔ لیکن سیٹھ جبار کے آدمی بہت پر سکون رہتے تھے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ یہ میں خود بھی دیکھ چکا تھا۔

ٹرک ایک ایک کر کے رک گئے ---- پھر ایک جیپ پیچھے سے نکل کر آگے آ گئی جس میں چار آدمی تھے۔ جیپ ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ "کیا بات ہے؟" جیپ میں سے کسی نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"نیچے اترو۔" عدنان نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ ہیڈلائٹس کی تیز روشنی میں انھوں نے ہماری وردیاں تو دیکھ ہی لی ہوں گی اور یہ بھی کہ ہم سب مسلح ہیں۔ پروگرام کے مطابق کچھ لوگ پیچھے بھی چلے گئے تھے۔ تاکہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ ملے۔

"کیا ہو گیا ہے' تم لوگوں کو؟ جانتے نہیں ہو کہ ہم کون ہیں؟"

"نیچے اترو۔" عدنان نے پستول کا رخ اس آدمی کی پیشانی کی جانب کر دیا اور وہ بڑبڑاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ یہ خاصا کیم شیم آدمی تھا۔ اور چہرے سے غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ شہباز فورترے ہے۔ کیونکہ وہ اردو بڑی صاف بول رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ نئے آئے ہو کیا؟" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' یہی سمجھ لو نئے آئے ہیں۔ کون ہو تم؟ گورنر ہو یہاں کے؟" عدنان نے سوال کیا۔"

وہ شخص استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔

"تم گورنر بھی سمجھ سکتے ہو۔ اگر تم نئے آئے ہو تو تمہیں یہ اطلاع مل گئی ہو گی کہ یہ علاقہ سیٹھ جبار کے لیے خالی کر دیا جاتا ہے' جب اسے ضرورت ہوتی ہے۔"

"ہوں ---- سیٹھ جبار! یہ نام سنا ہوا تو لگتا ہے لیکن ہمیں ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

"نہیں ملی تو اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کرو۔ ہمارا راستہ مت روکو۔"

"اگر تم نے زیادہ فضول باتیں کیں تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اپنے تمام ساتھیوں سے کہو نیچے اتر آئیں۔"

"میں کہتا ہوں پچھتاؤ گے۔ پہلے اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کر لو اس کے بعد کوئی کارروائی کرنا۔ تعجب ہے کہ تمہیں کیوں بھیج دیا گیا۔ جبکہ تمام متعلقہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آج سیٹھ جبار کی------ گاڑیاں گزریں گی۔"

"ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لیے جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔ اگر تیس سیکنڈ میں تمہارے آدمی' ٹرکوں سے نیچے نہیں اترے تو سب سے پہلے میں تمہارے ٹرکوں کے ٹائر بے کار کر دوں گا------ اور اگر تم نے مزید کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو یوں سمجھ لو کہ یہاں اطراف میں میرے بے شمار آدمی چھپے ہوئے ہیں۔"

"میرا دماغ خراب ہے جو ایسی حرکت کروں گا' جو حماقت تم کر رہے ہو اسے خود ہی بھگتو گے۔ چلو سب نیچے اتر آؤ۔" شہباز فورترے نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

ٹرکوں میں تقریباً" تین' تین' چار' چار' آدمی تھے۔ وہ سب ہاتھ بلند کیے ٹرکوں سے اتر آئے۔

عدنان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ ان لوگوں کی تلاشی لینے لگے۔ سب مسلح تھے اور ان کے پاس فالتو میگزین بھی موجود تھا۔ جو سب کا سب اپنے قبضے میں لے لیا گیا۔ ہتھکڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔ سب کے ہاتھ پشت کی جانب کر کے ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

"چلو------" عدنان نے اپنے پستول کا رخ شہباز فورترے کی جانب کر کے ایک طرف اشارہ کیا اور شہباز فورترے' عدنان کو کڑی نگاہوں سے گھورتا ہوا' ٹرک سے نیچے اتر آیا۔ اس کے سب آدمی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس طرح ہم انھیں بوسیدہ بنگلے تک لے آئے۔ بنگلے میں داخل ہونے کے بعد ہم نے انھیں ایک لکھوری------ اینٹوں سے بنے ہوئے ہال میں پہنچا دیا------ اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ شہباز ابھی تک زور زور سے بڑبڑا رہا تھا۔

"تمہاری شامت نہ آ گئی تو میرا نام بھی شہباز فورترے نہیں۔ اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ حالانکہ میں کہہ چکا ہوں کہ اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کر لو' اس کے بعد کوئی کارروائی کرنا------ تمام مال' انھی ٹرکوں میں جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو اس کی تمام ذمے داری تم لوگوں پر ہو گی۔"

وہ بڑبڑاتا رہا اور دروازہ بند کر کے باہر سے لاک کر دیا گیا------ ویسے یہ دروازہ اتنا مضبوط نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ تھوڑی سی کوشش کرتے تو ٹوٹ سکتا تھا۔ بہرطور عدنان نے سب انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ ٹرک وہاں سے تھوڑی دور لے جا کر روک دیئے گئے۔

جیپیں بھی خالی ہو گئی تھیں پھر آگے چل کر ٹرکوں کو بھی خالی کر دیا گیا۔ ہمارے تمام آدمی سمٹ آئے اور ٹرکوں سے مال اتار کر اپنے ٹرکوں پر لادنے کا کام تقریباً" تین گھنٹے تک جاری رہا۔ اس طرح تقریباً" چار بجے ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے پھر وہاں سے چل پڑے۔ ان ٹرکوں کو سڑک سے نیچے اتار دیا گیا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد عدنان نے مجھ سے کہا۔

"باس! مبارک ہو۔ یہ کام بھی ہو گیا۔ اب آپ آرام کریں میں اس سامان کی لسٹ بنا کر' آپ کو پیش کردوں گا۔"

"او۔ کے عدنان! شکریہ------ میں تمہاری جیپ لے جاؤں گا------ کیوں کہ میں یہاں تک ٹیکسی سے آیا تھا۔"

"لے جائیں' باس! یہاں کافی سواریاں ہیں۔ ہمیں کوئی------ دقت نہیں ہو گی میں صبح کوٹھی سے جیپ منگوالوں گا۔" عدنان نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

تقریباً" پانچ بجے میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا۔ رات کو جاگنے والے جاگ رہے تھے۔ رہائش گاہ میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اپنا میک اپ اتار دیا تاکہ کوئی دقت نہ ہو۔ سخت نیند آ رہی تھی۔ لباس تبدیل کر کے میں بستر پر گر گیا۔ اس آپریشن میں' میں نے حصہ لیا تھا۔ بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اسی ساحل پر میری تقدیر کا فیصلہ ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے نوکری دینے والا فرشتہ صفت------ سیٹھ جبار دراصل ملک و قوم کا غدار ہے جو اسمگلنگ کے ذریعے ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ میں پولیس کے پاس دوڑا گیا تھا اور بڑے پر جوش لہجے میں بتایا تھا۔

"وہ اسمگلر ہے' جناب! اس مجرم کو گرفتار کر لیجیے۔" میری اس بات پر انچارج صرف مسکرا کر رہ گیا تھا------ پھر اس کے بعد مجھے اس نیک کام کی سزا دی گئی تھی' پانچ سال------ پورے پانچ سال چھین لیے گئے تھے مجھ سے۔ سیٹھ جبار' مجھے مجرم بنانا چاہتا تھا۔ اپنا ساتھی اسمگلر------ اس سے یہ کام تو نہ ہو سکا لیکن پولیس نے کر دکھایا۔ جیل سے میں معصوم محب وطن نہیں بلکہ ایک پختہ کار مجرم بن کر نکلا تھا۔

------ اور آج------ آج میں نے سیٹھ جبار کی ناک اسی ساحل پر کاٹ دی تھی۔ کتنا خوش تھا میں آج رات------ بڑی پر سکون نیند آئی تھی۔

دوسرے دن سب سے پہلی ملاقات صائمہ روشن علی سے ہوئی تھی جو میرے اے سیکشن کی انچارج تھی صائمہ روشن علی نے بتایا کہ سرحدی بستیاں سیلاب کی لپیٹ میں آ گئی ہیں اور وہاں امدادی کارروائیاں جاری ہیں۔ حکومت نے مخیر حضرات سے امداد کی اپیل کی

ہے ---- اس سلسلے میں ہمیں بھی وزارت داخلہ سے ایک خاص خط موصول ہوا ہے جس میں وزارت داخلہ کے فرسٹ سیکریٹری نے پرنس دلاور سے درخواست کی ہے کہ ان آفت زدہ علاقوں کی امداد کے لیے کارروائی کریں میں اس سلسلے میں ہدایت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔

"ہوں ---- میں نے پر خیال انداز میں ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے صائمہ روشن علی کو کچھ دیر انتظار کرنے کے لیے کہہ کر فینی کو طلب کیا۔ میں نے فینی کو حکم دیا کہ وزارت داخلہ کے فرسٹ سیکریٹری سے فون پر رابطہ قائم کرے اور ان سے کہے کہ پرنس دلاور ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

فینی نے تقریباً" پندرہ منٹ کے بعد کا وقت لے لیا۔ میں تیار تھا۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد پروگرام کے مطابق میں نے وزارت داخلہ کے فرسٹ سیکریٹری سے رابطہ قائم کیا اور ان سے رابطہ فوراً" ہی قائم ہو گیا۔

"پرنس دلاور حاضر خدمت ہے، جناب!"

"اوہ، پرنس! حیرت کی بات ہے کہ اتنی اہم شخصیت اس طرح مصروف رہتی ہے کہ کہیں کسی تقریب میں بھی اس ملاقات نہیں ہو سکی حالانکہ ہر سرکاری تقریب کا دعوت نامہ ارسال کیا جاتا ہے لیکن افسوس کہ آپ کے نیاز حاصل نہ ہو سکے۔"

"بس جناب! مصروفیت ہی تصور فرمائیے۔ میرے ذہن میں اپنے ملک و وطن کے لیے کچھ منصوبے ہیں جن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتا ہوں میری خواہش ہے کہ حکومت کے شانہ بہ شانہ میں بھی اپنے فرائض سر انجام دوں اور کسی بھی وقت اگر پرنس دلاور کی ضرورت پیش آئے تو اسے مکمل اعتماد کے ساتھ یاد کیا جائے، مجھے آپ کے دفتر کی معرفت ایک حکم نامہ موصول ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں زحمت دی تھی۔"

"اسے حکم نامہ نہ کہیں، پرنس دلاور! ملک و ملت ہر فرد کے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی ہمارے لیے۔ آپ کا نام مخیر حضرات میں سرفہرست آ چکا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں بھی ہماری نگاہ آپ کی طرف اٹھی۔ اب آپ فرمائیے اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔؟" فرسٹ سیکریٹری نے پوچھا۔

"کتنی بستیاں تباہ ہوئی ہیں؟"

"تقریباً" آٹھ دیہات تباہ ہوئے ہیں۔ ان کے باشندوں کی تعداد تقریباً" تین لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ ان کے مکانات اور دیگر ---- املاک تباہ ہو چکی ہیں اور وہ اپنے ساز و سامان سے محروم ہو چکے ہیں۔ گو کہ وہاں کے حالات اب پر سکون ہیں۔ سیلابی پانی اتر چکا

ہے ---- لیکن ہمارے تین لاکھ عوام کھلے آسمان کے نیچے پڑے ہیں۔ حکومت نے ابتدائی امداد روانہ کر دی ہے لیکن ابھی انھیں بہت کچھ درکار ہے۔"

"میری خواہش ہے کہ ان کے اخراجات میں برداشت کروں۔ اس کے علاوہ انھیں نیز رقومات بھی دی جائیں تاکہ وہ اپنے گھر دوبارہ آباد کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"یہ بہت زیادہ ہو جائے گا، پرنس! ہم آپ پر اتنا بوجھ ڈالنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ اس سلسلے میں جو بھی مناسب کارروائی کریں ہمیں اس کی اطلاع دے دیں۔"

"تین لاکھ رضائیاں بستر دوائیں اور اجناس کے پچاس ٹرک فوراً" روانہ کر دیئے جائیں گے۔ اس کے لیے مجھے کچھ مہلت درکار ہو گی ---- ممکن ہے اس سلسلے کی پہلی کھیپ کل دوپہر تک روانہ کر دوں۔ آج دوپہر کے بعد ان تمام چیزوں کی خریداری شروع کر دی جائے گی اور رات کو بیس ٹرکوں کا بندوبست کر لیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ٹرک فوری طور پر متاثرہ علاقوں میں پہنچ جائیں۔"

"پرنس ہم آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ آپ نے اتنا بڑا کام اپنے ذمے لے کر حکومت کی تقریباً" آدھی پریشانیاں دور کر دی ہیں۔ خدا آپ کو اس کا صلہ دے گا۔ میں ذاتی طور پر آپ کے ہر کام کے لیے حاضر ہوں اور کسی مناسب وقت پر ملاقات کا خواہش مند بھی ہوں۔" فرسٹ سیکریٹری نے کہا۔

"میرے جذبات آپ تک پہنچ چکے ہیں۔ ملاقات بھی انشاء اللہ جلد ہو جائے گی۔ براہ کرم مال کی خریداری کے سلسلے میں مجھے کچھ ایسے افراد مہیا کر دیئے جائیں جن کے تعاون سے میں جلد از جلد اپنا یہ فرض ادا کر سکوں۔"

"بالکل درست۔ آپ کس وقت چاہتے ہیں؟"

"بہتر ہو گا کہ شام کو چار بجے اس پتے پر صائمہ روشن علی سے مل لیا جائے۔" میں نے پتہ بتایا جسے فرسٹ سیکریٹری نے نوٹ کر لیا اور پھر رسمی گفتگو کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میں نے صائمہ روشن علی کو ہدایات دے کر، اس سلسلے میں مزید کچھ کارروائیاں کیں اور مطمئن ہو گیا۔

دن کو تقریباً" بارہ بجے، عدنان کا فون ملا۔ اس نے پر مسرت لہجے میں بتایا کہ مال فوری طور پر اس مارکیٹ میں پھیلا دیا گیا ہے جہاں اس کی سب سے بڑی سپلائی ہوتی ہے۔ اس نے بتایا۔ تقریباً بارہ کروڑ روپے کی مالیت کا مال ہے اور اسے ایک خاص انداز میں ---- گاہکوں تک پہنچایا گیا ہے۔ اس کے لیے مجھے ایک ایسے آدمی کا سہارا لینا پڑا جو اس کاروبار

میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس شخص نے دکانداروں سے اس مال کی نقد قیمت نہیں وصول
کی لیکن ضمانت کے طور پر اس نے پانچ کروڑ روپے ہمارے حوالے کر دیے ہیں اور باقی
کے لیے اس نے ایک مہینے کی مہلت مانگی ہے۔ ہم نے اس شخص کو تھوڑا سا کمیشن بھی دیا
ہے۔ باقی تمام رسک اس کا ہے۔ میرے خیال میں اس سے عمدہ اور کوئی تجویز نہیں ہو
سکتی تھی۔ مال گوداموں میں پہنچانے کی بجائے ہم نے بڑے اعتماد سے تقریباً" دو سو دکانوں
پر سپلائی کر دیا ہے۔ میری اس کارروائی پر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں سر؟"

"ونڈرفل عدنان!" میں نے پر مسرت انداز میں کہا۔ "بہترین جا رہے ہو۔ اعتراض کا
کیا سوال ہے۔"

"یہ پانچ کروڑ روپے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں ابھی مزید
کچھ کارروائیاں باقی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ تمہارا مسئلہ ہے۔ جس طرح مناسب سمجھو کرو۔" میں نے کہا۔

عدنان درحقیقت ایک طوفانی شخصیت کا مالک تھا۔ یہ تجویز پہلے سے ذہن میں نہیں
تھی لیکن اس نے چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ سب کچھ کر دکھایا جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا
تھا۔ اس نے جس شخص کو اس کام کے لیے مامور کیا ہو گا وہ بھی معمولی حیثیت کا آدمی
نہیں ہو گا۔ ورنہ اتنے اعتماد اور تیز رفتاری کے ساتھ مال دکانوں پر پھیلا دینا آسان بات
نہیں ہوتی۔

میں عدنان کی شخصیت پر غور کرتا رہا۔ سیٹھ جبار سے مقابلے کے لیے یہ شخص انتہائی
موزوں ثابت ہوا تھا اور اس وقت وہ میرے کارکنوں میں سرفہرست تھا اس کی طوفانی
کارکردگی بے مثال تھی ---- اور میں اس سے بے حد خوش تھا میں چاہتا تھا کہ ان تمام
کارروائیوں کی اطلاع پروفیسر شیرازی، گل اور سرخاب کو بھی دوں لیکن میں نے خود پر قابو
پالیا۔ یہ جذباتی باتیں تھیں۔ وہ لوگ تو خود ہی کنارہ کش ہو گئے تھے ---- پھر انھیں
پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟ وہ اپنی ذمے داریوں سے فارغ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر چکے
تھے اور اب انھیں اس سلسلے میں مصروف رکھنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے یہ ارادہ
ملتوی کر دیا۔

حالات پرسکون تھے۔ دو دن خاموشی سے گزر گئے۔ تیسرے دن عدنان نے مجھے ایک
اور اطلاع دی۔ اس نے بتایا۔

"الیکٹرک گڈز کی مارکیٹ پر چھاپے پڑے تھے۔ تمام مال قبضے میں لے لیا گیا ہے۔ یہ
چھاپے پولیس پارٹی نے مارے تھے۔ دکانداروں کو گرفتار کر لیا گیا لیکن صرف چار گھنٹے

اندر اندر ان دکانداروں کو چھڑا لیا گیا اور مال بھی واپس ہو گیا۔ اس سلسلے میں تقریباً" پچاس
لاکھ روپے کے اخراجات ہوئے ہیں۔ دکانداروں کو گارنٹی دی گئی ہے کہ جو مال انھیں
دلائی کیا جائے گا اس کے تحفظ کا بندوبست بھی ہو گا ---- اور اب وہ مطمئن ہیں۔"

"اوہ ---- لیکن عدنان! تم نے یہ دوسرا کام کس طرح کیا؟"

"جناب! جس طرح سیٹھ جبار نے دکانوں پر چھاپے ڈلوائے اس سے انداز ہوتا ہے کہ
اسے مارکیٹ میں اپنے مال کے سستے داموں فروخت کا علم ہو گیا تھا ---- اس کے ایما پر
جس پولیس پارٹی نے چھاپے مارے تھے ہم نے بھی اسی پارٹی کو ٹریس کیا ---- اور پھر یہ
مال قانونی قرار دے کر واپس کر دیا گیا۔ جناب! یہ چکر تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ یہ کوئی خاص
بات نہیں۔ اصل بات کی اطلاع تو اب میں آپ کو دینا چاہتا ہوں۔"

"اوہو! کوئی خاص بات ہے؟"

"جی بس آپ کو پریشان کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی شوشہ نکال ہی لیتا ہوں۔" عدنان
نے کہا۔

"نہیں عدنان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ میرے لیے بڑی
اہمیت رکھتا۔"

"شکریہ سر! اب صورت حال یہ ہے کہ سیٹھ جبار شکر کی خریداری کر رہا ہے وہ دور
دور سے بازار سے شکر اٹھوا لینا چاہتا ہے لیکن ابھی خریداری صرف قرب و جوار کے
بازاروں میں ہوئی ہے۔ میں نے بھی فوری کارروائی شروع کر دی ہے۔ جہاں سیٹھ جبار کے
آدمی پہنچے ہیں اس سے آگے میں نے اپنے آدمیوں کو بھیج دیا ہے ہم اس سے زیادہ مہنگے
داموں پر شکر خرید رہے ہیں اور اب تک تقریباً" پچاس ہزار ٹن شکر ہمارے پاس جمع ہو گئی
ہے یا اس کے سودے ہو گئے ہیں۔ یہ شکر ایک ماہ کے اندر اندر ہمارے گوداموں میں پہنچ
جائے گی ---- اور چند روز کے اندر اندر شکر کا بحران پیدا ہو جائے گا۔"

"گڈ! تو پھر کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟"

"میرا خیال یہ ہے جناب! کہ سیٹھ جبار پیداوار پر نگاہ رکھتا ہے اس سال گنے کی فصل
نہ ہونے کے برابر ہوئی ہے۔ حکومت نے جتنی شکر خریدی تھی وہ گوداموں سے نکلتی جا رہی
ہے اور اب بہت تھوڑی مقدار گوداموں میں رہ گئی ہے حکومت کا ارادہ ہے کہ اس سال
شکر امپورٹ کی جائے لیکن اس کے لیے ممکن ہے کہ سات یا آٹھ ماہ لگ جائیں۔ اس
دوران میں بازار میں موجود شکر سیٹھ جبار نے خریدنی شروع کر دی ہے۔ اس کے بعد اس
کے لوگ یہاں سے آگے بڑھیں گے لیکن آگے انھیں میدان صاف ملے گا۔ ہم نے زیادہ

بڑے علاقوں کو کور کیا ہے اور میں نے فوری طور پر اپنے بے شمار کارکن شکر کی خریداری کے لیے بھیج دیئے ہیں۔ یہ شکر میں نے گرین اسکوائر کی بلڈنگ کے فلیٹوں میں بھروانا شروع کر دی ہے۔ میں اسے روایتی قسم کے گوداموں میں نہیں پہنچانا چاہتا۔ کیونکہ میرے ذہن میں ایک خاص منصوبہ ہے۔" عدنان نے کہا۔

"وہ کیا عدنان؟"

"اس سلسلے میں آپ سے بالمشافہ گفتگو کروں گا۔"

"تو پھر کب آ رہے ہو؟ مجھے تمہارے اس منصوبے میں بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"حکم دیں تو آج رات ہی کو۔"

"میں انتظار کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

رات کو عدنان سے گفتگو ہوئی۔ اس نے مجھے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

"میں نے سیٹھ جبار کے پیچھے اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔ یوسف بھی اپنی کارروائیاں کر رہا ہے لیکن اسے ابھی وقت لگے گا۔ اس نے ضرورت کا تھوڑا سا سامان اپنے پاس جمع کر لیا ہے۔ وہیں کوٹھی ہی میں اس کے پاس ایک کوارٹر بھی ہے جس میں وہ رہ رہا ہے۔ سامان بھی وہیں موجود ہے ----- چونکہ ایک عام آدمی سیٹھ جبار کی خواب گاہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے یوسف وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ بہر طور میں نے معلومات حاصل کر لی ہیں کہ سیٹھ جبار یہ شکر نہر کے کنارے والے گوداموں میں جمع کر رہا ہے ----- کالی نہر کے کنارے کنارے گوداموں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا ہے اور یہ ----- اتفاق کی بات ہے کہ سیٹھ جبار کے گودام نہر کے کنارے سے تقریباً بتیس گز کے فاصلے پر ہیں جن میں شکر جمع کی جا رہی ہے۔ سینکڑوں بوری شکر وہاں پہنچ چکی ہے اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے ہیں۔ بازار میں چینی نہیں مل رہی۔"

"تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"منصوبہ یہ ہے کہ سیٹھ جبار کے شکر کے گوداموں کو تباہ کر دیا جائے۔ وہاں اس نے زبردست پہرہ لگا رکھا ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ اس کے ان گوداموں کو بھی لوٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لیے اس نے نہایت سخت اقدامات کیے ہیں۔ اگر وہاں ہم نے ایسی کوئی کوشش کی تو زبردست تصادم ہو جانے کا خطرہ ہے جس کے باعث پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے گی۔ اس لیے میں نے ایک اور ترکیب سوچی ہے۔"

"وہ کیا -----؟"

"جس جگہ یہ گودام واقع ہیں وہاں نہر کا ایک چھوٹا سا پشتہ ہے۔ اس پشتے کو اگر بم سے اڑا دیا جائے۔ اس سے قرب و جوار کے علاقے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا البتہ نہر کا پانی، سیٹھ جبار کے گوداموں میں بھر جائے گا اور شکر بھیگ کر خراب ہو جائے گی اور سیٹھ جبار کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ اس کے بعد ہم اپنی جمع شدہ شکر حکومت کے حوالے کر کے سیٹھ جبار کے گوداموں کی نشان دہی کر دیں گے تاکہ حکومت اسے عوام میں پھیلا دے۔ اس طرح ہمارا جرم، جرم نہیں رہے گا۔"

"ہوں ----- تم نے اس منصوبے کے ہر پہلو پر غور کر لیا ہے ----- عدنان؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں، جناب! مجھے تو اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ ویسے جو بھی آپ کا حکم ہو۔"

"نہیں ----- ٹھیک ہے۔ تم اپنی کارروائی جاری رکھو۔"

"بہت بہتر -----" عدنان نے جواب دیا ----- اور پھر وہ اٹھ گیا۔

عدنان نے جو کچھ کہا تھا، وہ سامنے آنے لگا تھا۔ اخبارات، ملک میں شکر کی قلت کی خبروں سے بھرے پڑے تھے۔

وقت آ گیا تھا کہ اب عدنان اپنی کارروائی شروع کرے ----- سیٹھ جبار ابھی تک خاموش تھا ----- ممکن تھا کہ شکر کی کچھ بوریاں فروخت کے لیے نکل چکی ہوں لیکن بہر طور، ان کی فروخت بھی خاصی مشکل تھی۔ ہر چند کہ سیٹھ جبار کے ہاتھ بہت لمبے تھے لیکن جب معاملہ عوام کا ہو تو ہاتھوں کی لمبائی کسی کام نہیں آتی۔ اس دن عدنان نے مجھ سے کارروائی کی آخری ہدایت لی اور اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا ----- دوسرے دن کے اخبارات سنسنی خیز سرخیوں سے آراستہ تھے۔

"نہر کا پشتہ اڑا دیا گیا ----- پانی نے کئی گوداموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

اس کے ساتھ ہی گوداموں کے بارے میں تفصیل بھی تھی ----- یہ تمام گودام شکر کی بوریوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہزاروں ٹن شکر پانی میں بھیگ کر تباہ ہو گئی تھی اور اگلے دن کے اخبارات کے اداریے تو بہت ہی سخت تھے۔ اخبارات نے حکومت پر نکتہ چینی کی تھی اور حکومت سے سوال کیا گیا تھا کہ یہ گودام کس کے ہیں۔ تین دن کے اندر اندر تحقیقات کر کے، اس شخص کو منظر عام پر لایا جائے۔

میں بڑی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ بہر حال، اس دوران اتنی مصروفیت رہی تھی کہ میں، پروفیسر شیرازی سے بھی رابطہ قائم نہیں کر سکا تھا ----- پھر فراغت پاتے ہی میں، ان

لوگوں سے ملاقات کرنے چل پڑا۔

پروفیسر شیرازی کے ہاں کے حالات بدستور تھے۔ میں----- جب بھی وہاں پہنچتا تو صورت حال مختلف ہو جاتی تھی۔ بہروز بھی اس دوران میں کوٹھی میں واپس نہیں آیا تھا اور وہیں موجود تھا---- حسینہ اور اس کا شوہر بدستور' ان لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ میرا بہترین استقبال کیا گیا اور سب لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔

میں نے سب سے پہلے پروفیسر شیرازی اور گل کو اپنی ان کارروائیوں کے بارے میں اطلاع دی اور پروفیسر شیرازی حیران رہ گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"اوہ---- تو یہ سب کچھا تمہارا پیدا کردہ ہے---- میرا مطلب ہے---- کہ سیٹھ جبار کے لیے اس وقت کسی قدر مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ ویری گڈ! بھئی عجیب کیفیت ہو گئی ہے میری' یقین نہیں آ رہا ہے' منصور! کہ تم لوگ اتنی کامیابی سے یہ اقدامات کر رہے ہو۔"

"یہی نہیں' پروفیسر! اس سے پہلے بھی سیٹھ جبار پر ایک اور ضرب لگائی جا چکی ہے۔"

"وہ کیا----؟" گل نے دلچسپی سے پوچھا۔

میں نے الیکٹرک گڈز کے ٹرک لوٹنے کے بارے میں تفصیلات بتائیں' وہ سب بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر کے چہرے پر بھی سنسنی پھیلی ہوئی تھی پھر انھوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"منصور! خدا کی قسم---- مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی کامیابی سے اس طرح حالات کو ہینڈل کرو گے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک سادہ اور معصوم سا نوجوان اس قدر خطرناک ثابت ہو گا۔ بہر حال' سیٹھ جبار کی کیفیت اس وقت دیکھنے کے قابل ہو گی' کاش' ہم اس کا جائزہ لے سکتے۔"

"میں بھی خاصی سنسنی محسوس کر رہا ہوں' پروفیسر! دیکھنا یہ ہے کہ گوداموں کے سلسلے میں کیا ہوتا ہے؟ معاملہ عوام کا ہے۔ اگر سیٹھ جبار کا نام منظر عام پر آ گیا تو شاید اعلیٰ حکام بھی اس کی پشت پناہی نہ کر سکیں۔"

"میرے خیال میں اس کے اس اقدام کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔"

"ہاں---- اور اس کے بعد میں اپنے گودام کھول دوں گا۔"

"تمہارے گودام----؟" پروفیسر شیرازی نے حیرت سے کہا۔

میں نے اس سلسلے میں انھیں تمام تفصیلات بتا دیں۔ میں نے بتایا کہ "اب تو لاکھوں ٹن شکر' میرے گوداموں میں پڑی ہوئی ہے۔ جسے میں بہت جلد حکومت کے حوالے کر دوں

گا اور اس کی وصولیابی کے سلسلے میں کوئی گفت و شنید نہیں کروں گا۔ جب بھی اور جتنی ادائیگی حکومت کرے گی' اسے قبول کر لوں گا۔"

"میرے خیال میں اس کے بعد تمہارے قدم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ سیٹھ جبار جیسے دس آدمی بھی انہیں نہیں اکھاڑ سکیں گے۔"

"سرحدی بستیوں میں پرنس ولاور نے جو کچھ کیا ہے' اس کے بارے میں تو آپ کو اخبارات سے پتہ چل ہی گیا ہو گا۔؟"

"ہاں' اس سلسلے میں پرنس ولاور کو یہی سب کچھ کرنا چاہیے تھا۔ میں' آج کل اخبارات صرف اس وجہ سے پڑھتا ہوں کہ ان میں تمہارے بارے میں کیا خبریں چھپی ہیں۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

"آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ سرحدی علاقے میں سیٹھ جبار کے آدمی بھی امدادی سامان لے کر پہنچے تھے اور وہاں ہمارے آدمیوں سے ان کی جھڑپ ہو گئی تھی؟"

"ہاں' یہ خبر بھی اخبار میں موجود تھی لیکن وہ جھڑپ کوئی اہمیت اختیار نہیں کر سکی۔"

"خود میں نے بھی اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیونکہ پرنس ولاور ایک پر امن انسان کی حیثیت سے منظر عام پر آیا ہے۔ میری دوسری شخصیت تو مشکل ہی سے کسی کے سامنے آئے گی اور سیٹھ جبار' میرے بارے میں صرف سوچتا ہی رہے گا۔"

"یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ تمہاری نیک نامی کے بڑے چرچے ہو چکے ہیں۔ بہر حال' منصور! میں تمہیں دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ تم اتنی کامیابی سے اپنے دشمن کے خلاف صف آراء ہو اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔" پروفیسر خلوص سے بولے۔

"خیر' سب اطلاعات تو آپ تک پہنچ چکیں لیکن آپ نے ایک اطلاع سے مجھے لاعلم رکھا ہے۔"

"وہ کون سی اطلاع ہے بھئی؟" پروفیسر نے حیرت سے پوچھا۔

"عظمت اور راشدہ کے سلسلے کی۔"

"اوہ---- بھئی' صرف اس لیے بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ تم بہت مصروف تھے---- اور پھر وہ معاملہ اتنا اہم بھی نہیں تھا۔"

"چلئے' ٹھیک ہے۔ اب میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ ذرا رزم سے ہٹ کر بزم کی باتیں بھی کی جائیں۔"

پروفیسر شیرازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بزم کی باتیں بلاشبہ' سکون بخش ہوتی ہیں لیکن تم نے جو---- ذمے داری ہمارے

سپرد کی تھی' ہم نے اسے بخوبی نبھالیا ہے۔ راشدہ بے چاری کا خاندان ہی کیا ہے---- صرف ایک بھائی کا ساتھ ہے' وہ ایک تنہا بچی ہے۔ یہ کام گل اور نسرخاب نے انجام دیا ہے۔ راشدہ کے کانوں میں' یہ بات شاید تم پہلے ہی ڈال چکے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ وہ تنہا ضرور ہے مگر بے یار و مددگار نہیں ہے۔ اس کی زندگی میں منصور جیسے نیک سیرت انسان کا سہارا موجود ہے۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ منصور' ہی نے ان لوگوں کو اس سلسلے میں بھیجا ہے تو اس نے خاموشی سے گردن جھکا کر---- اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا----

منصور میاں! اس بچی کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ تم نے نہ جانے کیوں اسے الگ رکھ چھوڑا ہے۔ حالانکہ اسے بھی اسی دارلامان' میں لانا چاہیے تھا۔ یہیں سے ہم اس کے رشتے کے لیے بات کرتے۔ بہر طور بیگم فرحت اللہ' اسے انگوٹھی پہنا آئی ہیں۔ ہر چند کہ اس کی طرف سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں تھا لیکن گل نے اس طرف کی کمان سنبھال لی ہے اور یہی مناسب بھی تھا۔ چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ عظمت کی برات ہمارے گھر آئے۔"

"ٹھیک ہے' پروفیسر! آپ جس طرح مناسب خیال فرمائیں' کریں۔ میں آپ کے اس فیصلے سے خوش ہوں کہ عظمت کی برات اس گھر میں آئے اور راشدہ یہاں سے رخصت ہو۔ اس سلسلے میں میرے جو بھی فرائض ہوں' مجھے ان سے آگاہ فرمائیے۔"

"بس' میاں! بس---- تم بڑے آدمی ہو۔ ہم غریبوں کے معاملات میں زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے کام میں مصروف رہو۔ ہم اپنے معاملات نمٹاتے رہیں گے۔"

پروفیسر نے خوش مزاجی سے کہا---- اور میں ہنسنے لگا۔

کافی دیر تک سب سے گفتگو رہی۔ واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو فینی نے ایک بار پھر تغلق خان کے فون کی اطلاع دی۔

ہم نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اگر میرے لیے کوئی خاص پیغام ہو اور میں فون پر موجود نہ ہوں تو اسے ریکارڈ کر لیا جائے---- چنانچہ فینی ٹیپ ریکارڈر اٹھا لائی اور اس کا سوئچ آن کر دیا۔ حسب معمول تغلق خان کی آواز ابھری۔

"باس کو میرا سلام---- آپ کی دعاؤں سے کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں' وہ اتنا عمدہ ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے سیٹھ جبار کے انداز میں بدحواسی محسوس کی ہے۔ وہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔ اسے انتہائی ضروری کام سے کہیں باہر جانا تھا لیکن اس نے اپنی جگہ کسی اور شخص کو بھیج دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہاں اس کی موجودگی نہایت ضروری ہے اور اب وہ---- اپنے تمام ذرائع اس کام کے لیے استعمال کر رہا ہے---- کہ پرنس دلاور کو تلاش کر کے' اس کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ آج کل وہ اپنی کوٹھی ہی میں مقیم ہے اور دونوں باپ بیٹی سر جوڑے بیٹھے گفتگو کرتے رہتے ہیں جو یقیناً پرنس دلاور ہی کے متعلق ہوتی ہے۔ شکر کے جن گوداموں میں پانی بھرا ہے اور وہاں سے جو ناکارہ شکر برآمد ہوئی ہے' اس نے سیٹھ جبار کو بے حد پریشان کر دیا ہے۔ شاید اعلیٰ حکام کو یہ معلوم کرنے میں دقت نہ ہو کہ یہ گودام سیٹھ جبار کے تھے۔ بہر طور وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہا ہے۔

میں بہت مصروف ہوں باس! جب بھی موقع ملا' آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا---- آپ کا خادم۔"

"ٹھیک ہے فینی! اب اس کیسٹ کو صاف کر دو۔ بلکہ---- تغلق خان کا ہر پیغام ضائع کر دیا کرو۔ مبادا کسی کے ہاتھ نہ لگ جائے تغلق خان کی وہاں موجودگی' ہمارے لیے بے حد قیمتی ہے۔"

فینی کے جانے کے بعد میں آیندہ اقدامات کے بارے میں غور کرنے لگا پھر کافی غور و خوض کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے اپنی شکر کا ذخیرہ' حکومت کے حوالے کر دینا چاہیے۔

دوسرے دن' گیارہ بجے' میں نے فینی کو ہدایت کی---- کہ وہ وزارت داخلہ سے رابطہ قائم کر کے' فرسٹ سیکریٹری سے بات کرنے کا وقت لے---- چند لمحوں بعد فینی نے بتایا کہ پچیس منٹ کے بعد فرسٹ سیکریٹری سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔

پچیس منٹ بعد فینی نے اطلاع دی کہ فرسٹ سیکرٹیری---- پرنس دلاور سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس دوران میں' میں آج کے اخبارات دیکھتا رہا تھا۔

ان اخبارات میں خاصی ہنگامہ خیز خبریں تھیں۔ گوداموں کے مالک کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا اور اس کے بارے میں تحقیقات جاری تھیں۔ شکر کا عظیم الشان ذخیرہ مکمل تباہ ہو چکا تھا۔ بہت سے عوامی نوٹس تھے---- رہنماؤں کے بیانات بھی تھے' اس سلسلے میں خاصی لے دے ہو رہی تھی۔ یقینی طور پر سیٹھ جبار بہت بڑے چکر میں پھنس گیا تھا۔ اگر یہ قومی مسئلہ نہ ہوتا تو اس کے حلیف یقینی طور پر اس بات کو دبا دیتے اور یہ بھی بہت بڑی بات تھی کہ اب تک سیٹھ جبار کا نام منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ فون پر فرسٹ سیکریٹری کی آواز سن کر میں بولا۔

"پرنس دلاور حاضر ہے' جناب!"

"فرمائیے' پرنس! کیسے زحمت کی؟ ویسے آپ کی پر اسرار---- شخصیت ہم سب کے خیال میں ایک عجیب سی حیثیت رکھتی ہے۔ نہ جانے آپ' عوامی حلقوں سے کیوں گھبراتے

ہیں؟"

"نہیں، جناب! گھبراتا نہیں ہوں۔ بس میری مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔"

"آپ کی مصروفیات، ہمارے علم میں مکمل طور پر نہیں آ سکیں، پرنس!"

"جی ہاں، بس کاروباری مصروفیات ہی خیال فرمایئے۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی صنعتوں اور کاروبار کو ترقی دے کر ملک و قوم کے لیے کچھ کروں۔"

"بڑے اچھے خیالات ہیں، آپ کے---- بلکہ ہم انھیں صرف خیالات نہیں کہہ سکتے۔ اب تک آپ کی جو خدمات منظر عام پر آ چکی ہیں، وہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔ آپ نے سرحدی بستیوں کے تباہ حال لوگوں کے لیے جو کچھ کیا ہے، اس نے حکومت کی نگاہ میں آپ کی وقعت بہت بڑھا دی ہے۔"

"جی ہاں---- اور شاید یہ بات بھی آپ کے علم میں آ چکی ہو گی کہ وہاں، ہمارے آدمیوں کو زد و کوب کیا گیا تھا اور ایک ایسے گروہ کی طرف سے ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی جو خود بھی امدادی کاموں کے لیے وہاں پہنچا تھا لیکن اسے ہماری یہ کوششیں پسند نہیں آئی تھیں۔"

"جی ہاں---- میں نے بھی کچھ اڑتی اڑتی سی خبریں سنی تھیں۔ مگر وہ واقعہ کوئی اہمیت اختیار نہیں کر سکا تھا۔"

"جی ہاں، اہمیت اس لیے نہیں اختیار کر سکا کہ ہم وہاں نیک مقاصد کے تحت گئے تھے، کسی سے جنگ کرنے نہیں---- لیکن، محترم! میں یہ گزارش ضرور کروں گا کہ اس قسم کے عناصر کی سرکوبی کی جائے اور کم از کم ان کی نیت کو پرکھ لیا جائے۔"

"اگر یہ آپ کی خواہش ہے تو میں اس سلسلے میں باقاعدہ تحقیقات کا حکم دوں گا---- اور ان سے باقاعدہ جواب طلبی کی جائے گی کہ انہوں نے یہ گندگی کیوں کی؟"

"میں شکر گزار ہوں گا، آپ کا۔ اس وقت میں نے آپ کو ایک خاص سلسلے میں زحمت دی تھی۔"

"جی فرمایئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہیں۔"

"جناب! اخبارات میری نظر سے گزرتے رہتے ہیں اور ملکی معاملات میرے لیے ایما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی الجھن پیش آتی ہے تو ہم اس کا ذمے دار صرف حکومت قرار نہیں دے سکتے۔ عوامی سطح پر بھی ہر شخص کا فرض ہے کہ ملک کے تحفظ میں کوئی کوئی کردار ادا کرے۔"

"خدا آپ کو استقامت عطا کرے، بڑی خوبصورت باتیں کر رہے ہیں۔ آپ جیسا بڑا آدمی اگر اس انداز میں سوچے تو یہ ہمارے ملک کے لیے خوش بختی کی علامت ہے۔"

"شکریہ! میں ایسا نہیں سمجھتا، جناب! میں ان تمام چیزوں کو اپنا فرض سمجھتا ہوں---- بہر طور، میں مقصد کی طرف آنا چاہتا ہوں---- ابھی حال ہی میں کچھ گوداموں میں پانی بھر جانے سے شکر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ضائع ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی منظر عام پر ہے کہ شکر کا شدید بحران ہے، ہمارے ملک میں یقیناً" آپ بھی اس بات سے لاعلم نہیں ہوں گے کہ کچھ چیزوں کی مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے۔ صرف اس لیے کہ ان کی قیمتیں بڑھا کر انھیں فروخت کیا جا سکے۔ سرمایہ دار اپنی دولت کو بڑھانے کے لیے اس قسم کے اقدام کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ غریب عوام کے ہاتھ سے نوالا چھیننا، میرے خیال میں بہت بڑی درندگی ہے۔ میں خود بھی یہی مطالبہ کرتا ہوں کہ ان گوداموں کے مالکان کا پتہ لگایا جائے اور انھیں بدترین سزا دی جائے کیونکہ ملک عوام سے ہوتا ہے اور اگر کسی ملک کے عوام ہی عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں تو پھر آپ غور فرمایئے کہ حکومت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے---- میں ذاتی طور پر حکومت کے خلاف نہیں ہوں بلکہ ان برے لوگوں کے خلاف ہوں جو حکومت کی رہ میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ میں خصوصی طور پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی سماجی حیثیت کا تعین کیے بغیر، ان کے خلاف صاف ستھری کارروائی کر کے، انھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا، پرنس! کیا آپ اس سلسلے میں کوئی نشان دہی کریں گے؟"

"بخدا نہیں---- میں کسی سے ذاتی عناد نہیں رکھتا---- میرا یہ مطالبہ صرف خلوص پر مبنی ہے۔"

"مجھے اعتماد ہے، پرنس!"

"اس کے علاوہ میری ایک مخلصانہ پیش کش ہے۔ براہ کرم، اس سلسلے میں متعلقہ محکموں کو احکامات جاری کر دیجیے۔"

"جی فرمایئے۔"

"چینی امپورٹ کی جا رہی ہے۔ اس کے پہنچنے میں یقیناً دیر لگے گی۔ میں صرف ایک سرمایہ دار ہی نہیں بلکہ ایک محب وطن شہری بھی ہوں اور جس حیثیت میں ہوں، اس کے تحت اپنے فرائض پر بھی نگاہ رکھتا ہوں۔ چونکہ کاروباری مارکیٹ، میری نگاہ میں رہتی ہے اس لیے میں نے محسوس کیا کہ چینی کی خصوصی خریداری ہو رہی ہے اور یقینی طور پر منافع خوری کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے ان علاقوں سے ذرا ہٹ کر، اپنے آدمیوں

کے ذریعے شکر کی خریداری شروع کر دی۔ اور جس حد تک ہو سکتا تھا‘ شکر خرید کر اپنے گوداموں میں بھروا دی۔ میرا مطلب‘ اس سے منافع خوری نہیں تھا بلکہ ذخیرہ اندوزوں کے اس جنون سے نبرد آزمائی تھا اور میں اس حربے کو انھی کے خلاف استعمال کرنے کا خواہش مند تھا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب رہا ہوں۔ میرے پاس اس وقت لاکھوں ٹن چینی موجود ہے اور یہ ذخیرہ حکومت کے حوالے کرنا چاہتا ہوں اور ان داموں پر‘ جن داموں پر حکومت گنا خریدتی ہے۔ میرا اس پر جو زیادہ خرچ ہوا ہے وہ‘ میں حکومت اور عوام کی نذر کرتا ہوں۔ چینی عوام میں انھی داموں فروخت کی جائے جن پر وہ پہلے فروخت ہوتی رہی ہے۔ میرے گوداموں کے دروازے متعلقہ حکام کے لیے کھلے ہوئے ہیں---- میرے آدمیوں سے رابطہ قائم کر کے حکومت‘ ان ذخائر کو اپنی تحویل میں لے لے۔“

میں خاموش ہو گیا لیکن چند لمحوں تک فرسٹ سیکریٹری کی آواز نہیں سنائی دی پھر انھوں نے کھنکار کر کہا۔

”پرنس! اس کے بعد‘ آپ کی نیت اور آپ کی ذات پر شک کرنا کفر ہے۔ میرے خیال میں وطن کی اس سے زیادہ عمدہ خدمت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں ذاتی طور پر فوری کارروائی کر کے منسٹری آف فوڈ کو اس سلسلے میں ہدایت کرتا ہوں۔ براہ کرم آپ بھی اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دیجیے۔ ہم آپ کی اس مخلصانہ کوشش کو اپنے دلوں پر نقش کر لیں گے۔“

”یہ میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا ہے۔ انشاء اللہ! آیندہ بھی آپ‘ پرنس دلاور کو مستعد پائیں گے۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایات جاری کر رہا ہوں۔ خدا حافظ!“ میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر میرے شکر کے گودام خالی ہونے لگے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ یہ کام کر کے مجھے کس قدر سچی خوشی ملی تھی۔ یہ وہ تمام باتیں تھیں جو بچپن سے میرے ذہن میں موجود تھیں۔ ہرچند کہ ان کا انداز یہ نہیں تھا۔ اتنی گہری سوچ نہیں تھی میری‘ لیکن میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ایسے کام کرتا رہوں‘ جو میرے وطن کے مفاد میں ہوں۔

ایک ہفتے بعد مجھے شدید ذہنی کوفت کا سامنا کرنا پڑا۔ پولیس‘ گوداموں کے مالکان کے خلاف تحریک چلا رہی تھی۔ اس سلسلے میں چار افراد گرفتار ہوئے تھے جو ان گوداموں کے مالکان کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ یہ بہت ہی معمولی سے کاروباری لوگ تھے۔ انھوں نے اقرار کیا تھا کہ وہی گوداموں کے مالک ہیں اور انھوں نے ہی شکر خرید کر ذخیرہ اندوزی کی تھی۔ یہ بالکل اجنبی لوگ تھے اور ان کا پس منظر کچھ بھی نہ تھا۔ ان پر مقدمہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اصلیت یہ نہ تھی۔ اصلیت سے تو میں واقف تھا کہ وہ گودام‘ سیٹھ جبار کے تھے۔ اس جیسے شاطر کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل نہ تھا کہ وہ‘ ان کے مالکان کو سامنے لے آئے---- سیٹھ جبار نے انھیں تحفظ کی ضمانت دی ہو گی۔ اب ان پر ایک طویل عرصے تک مقدمہ چلتا رہے گا اور سیٹھ جبار کی سازشیں جاری رہیں گی اور پھر وہ‘ انھیں کسی مناسب موقعے پر بری کرا لے گا۔

بات دراصل حکومت کی کوتاہیوں کی نہیں تھی۔ انتظامیہ میں سب ہی مخلص نہیں ہوتے اور جو مخلص کارروائیاں کرتے ہیں‘ ان کے نتیجے میں انھیں گوناگوں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حکومت بہ ذات خود کہیں بھی غیر مخلص نہیں ہوتی لیکن ہر فرد اپنے مسائل کا شکار ہوتا ہے---- سچی کارکردگی کس قدر مشکل ہے‘ اس کا اندازہ اب مجھے ہو رہا تھا۔ سب کے سب الزامات‘ انتظامیہ کے سر ڈال دینا بھی سراسر ناانصافی کی بات ہے۔ مجرمانہ ذہنوں کے مالک اپنے گرد ایک ایسا حصار قائم کر لیتے ہیں جس میں شگاف ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔

سیٹھ جبار بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ اس تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ میرے ذہن میں بھی ایسی کوئی تجویز نہیں تھی جس کے تحت میں سیٹھ جبار کو ان گوداموں کا مالک قرار دیتا۔

بہر حال‘ گوداموں کے مالکان گرفتار ہو گئے تھے۔ انھوں نے ذخیرہ اندوزی کا اعتراف کر لیا تھا اور سزا بھگتنے کے لیے تیار تھے---- لیکن سیٹھ جبار اپنی جگہ آزاد تھا۔ اس پر کوئی حرف نہیں آیا تھا۔ اب اس سلسلے میں بے چاری انتظامیہ کیا کرتی۔

بہر حال‘ میں اسے ذہنی اور مالی نقصان پہنچانے میں تو---- کامیاب ہو گیا تھا اور آنے والا وقت یقیناً“ مجھے اس کی تباہی کی خوشخبری سنانے والا تھا۔ برائی ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جاتی ہے‘ اس کی جڑیں خواہ کتنی ہی گہرائی میں کیوں نہ ہوں۔

اب مجھے صبر سے کام لینا تھا۔ جلد بازی کے اقدامات بعض اوقات بہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں اس چھوٹی سی ناکامی کو صبر سے پی گیا۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حکام سے رابطہ مناسب نہیں تھا۔ لیکن ہماری کارروائیاں جاری رہیں۔

پھر ایک شام‘ پروفیسر شیرازی کا فون ملا۔ ”عظمت کی شادی کی تاریخ طے کر لی گئی ہے‘ منصور! آیندہ جمعہ---- انتیس تاریخ ہو گی۔“

”خوب---- راشدہ کہاں ہے؟“

"نہیں ہے۔ گل، اسے لے آئی ہے۔ تم بہت مصروف ہو، آج کل؟"
"ہاں، مصروف تو ہوں، پروفیسر! لیکن شادی میں ضرور شرکت کروں گا۔"
"اگر کسی وقت فرصت ہو تو آجاؤ۔ تمہیں تفصیلات بتادوں گا۔"
"بہتر ہے۔ حاضر ہو جاؤں گا۔"
"کب آ رہے ہو؟"
"ممکن ہو سکا تو آج ہی رات-----" میں نے جواب دیا اور پروفیسر نے کچھ ر
سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

اسی رات میں پروفیسر کے ہاں پہنچ گیا۔ بڑا ہنگامہ برپا تھا وہاں۔ سرخاب، گل ا
راشدہ سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ جوڑے ٹانکے جا رہے تھے۔ خالص گھریلو ماحول پیدا ہو
تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے انتہائی ماڈرن انداز میں زندگی گزاری تھی لیکن اب بالک
عام لوگوں کی طرح بسر کر رہے تھے۔ یہ سب ایثار پسند تھے جنھوں نے اپنا سب کچھ ا
عظیم مقصد پر قربان کر دیا تھا درحقیقت مقصد ہی عظیم ہوتا ہے۔ مجھے دیکھ کر راشدہ
گردن جھک گئی اور اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ٹھیک ہو، راشدہ؟"
"جی-----" وہ آہستہ سے بولی۔
"خوش ہو؟" میں نے پوچھا۔
وہ خاموش رہی۔ گل اور سرخاب مسکرانے لگی۔

"بھئی منصور! اب ضروری نہیں ہے کہ تم ہر معاملے میں----- طاق ہو۔ ا
راشدہ سے اس کی خوشی یا ناخوشی کے بارے میں پوچھنا ہے تو تنہائی میں پوچھو۔ چلو بھ
سرخاب! ہم اپنا یہ سامان سمیٹ کر باہر چلتے ہیں۔"

"نہیں، نہیں بھئی! اس کی کیا ضرورت ہے، بس، میں تو مطمئن ہونا چاہتا تھا کہ راشد
میرے اس قدام سے خوش ہے یا نہیں۔" میں نے کہا۔

گل اور سرخاب شرارت بھری نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ انھیں راشا
کی کہانی معلوم تھی۔ نہ جانے ان کے ذہن میں کیا خیال تھا۔ بہر طور، اس کے بعد باقی سا
وقت دلچسپ گفتگو میں کٹا۔ پروفیسر شیرازی نے ایک مشفق بزرگ کی مانند سارے انتظاما
کیے تھے اور اس وقت بھی وہ بہت مصروف نظر آ رہے تھے۔

"بھئی کیا کروں، اس سلسلے میں عظمت ہی کو ساتھ رکھا ہے۔ اور کوئی ہے ہی نہیں
میرے ساتھ، اس سلسلے میں میری مدد کرے۔"

"آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو، فرما دیجئے۔ میں کچھ لوگوں کو یہاں متعین کر دوں گا۔"

"ارے، رہنے دو۔ ساری زندگی گوشہ نشینی میں گزاری ہے۔ اب کیا ہم اتنا کام بھی نہیں کر سکتے۔ تم بس شادی میں شریک ہو جانا اور دیکھنا کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔"

"میں بدلی ہوئی شکل میں آؤں گا۔ کیونکہ شادی میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہوں گے۔"

"ہاں، ہاں----- اس میں کوئی حرج نہیں۔ مقصد تو تمھاری شرکت سے ہے۔ ویسے تمھارے معاملات بہت عمدہ چل رہے ہیں۔ میں اس سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا، سوائے اس کے کہ میں اپنے انتخاب پر بہت خوش ہوں کہ میں نے تمھارے بارے میں صحیح فیصلہ کیا اور یہ سب کچھ تمہیں سونپ کر میں نے----- اپنے تمام فرائض کا بوجھ اپنے کندھوں سے اتار دیا ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اتنا درست ہے کہ اس سے زیادہ درست اور کوئی قدم میں نہیں اٹھا سکتا تھا۔"

"شکریہ پروفیسر! آپ کا یہی اعتماد مجھے زندگی دئے ہوئے ہے ورنہ میں کس قابل تھا۔" پھر میں وہاں سے چلا آیا۔

دوسرے دن کئی اہم واقعات ہوئے۔ فینی نے مجھے ایک دعوت نامہ دیا۔ صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی ایک کانفرنس تھی۔ چیمبر آف کامرس کی طرف سے کچھ خاص معاملات پر غور کرنے کے لیے یہ کانفرنس منعقد کی جا رہی تھی۔ دعوت نامے کے ساتھ چیمبر آف کامرس کے ڈائریکٹر کا ایک خط بھی تھا جس میں اس نے درخواست کی تھی----- کہ پرنس دلاور بطور خاص اس کانفرنس میں ضرور شریک ہوں۔ ہم ان کے ساتھ ہر معاملے میں بھرپور تعاون کی پیشکش کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس دعوت نامے کو پڑھ کر کچھ دیر غور کیا پھر فینی سے کہا۔

"اس سلسلے میں ایک ایسے آدمی کا انتخاب کرنا ہے، فینی! جو میرے نمائندے کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شریک ہو سکے۔ اس سلسلے میں ہم اسے ایک خصوصی اختیار نامہ جاری کریں گے۔"

"بہتر ہے----- میں صائمہ روشن علی سے کہے دیتی ہوں اور مسٹر عدنان سے بھی۔ یقینی طور پر وہ ایک مناسب آدمی کا بندوبست کر لیں گے۔" فینی نے جواب دیا اور چلی گئی۔

اس کے بعد مجھے، عدنان کے آنے کی اطلاع موصول ہوئی----- میں نے اس سے کمرہ نشست میں ملاقات کی۔

"اتفاق سے دو متضاد خبریں لایا ہوں' جناب! ایک خوشخبری اور ایک افسوسناک خبر۔"

"اوہو' خیریت ----- افسوسناک خبر کیا ہے؟"

"یوسف اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا ہے۔ یا تو اسے قتل کر دیا گیا ہے یا پھر وہ گرفتار ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں مجھے صحیح طور پر اطلاع نہیں مل سکی۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ تغلق خان نے آپ کو اس بارے میں اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"ہاں' مجھے تغلق خان کی اطلاع نہیں ملی۔ یوسف وہی شخص تھا نا جسے تم نے سیٹھ جبار کی کوٹھی پر مامور کیا تھا؟"

"جی ہاں' جناب! اس کے سپرد ذمے داری تھی کہ وہ ایسے چھوٹے چھوٹے ڈکٹو فون' سیٹھ جبار کے کمرے میں جگہ جگہ فٹ کر دے جن پر سیٹھ جبار کے کمرے میں ہونے والی گفتگو سنی جا سکے۔ غالباً" وہ ----- یہی کوشش کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے۔"

"اس کی اطلاع کیسے ملی؟"

"چند الفاظ یوسف ہی نے کہے تھے۔ اس کے بعد میں نے ----- تغلق خان سے رابطہ قائم کیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یوسف ہمارا آدمی ہے۔ بہر طور اس نے تصدیق کر دی ہے۔"

"یوسف نے کیا بتایا تھا؟"

"اس نے کہا تھا کہ اس نے سیٹھ جبار کے کمرے میں جہاں وہ خاص گفتگو کیا کرتا ہے چند ڈکٹو فون لگا دیے ہیں۔ ابھی ان کا کنکشن نہیں کر سکا۔ کیونکہ ابھی اسے چند ڈکٹو فون اور لگانے ہیں۔ وہ ابھی یہ اطلاع دے ہی رہا تھا کہ یکلخت خاموش ہو گیا ----- پھر چند لمحوں بعد وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔"

"اوہ' چیف! شاید میرا راز کھل گیا ----- مجھے گھیر لیا گیا ہے۔ چند پستول بردار' میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ -----"

اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ چھوٹا سا ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔ جس پر یوسف مجھ سے گفتگو کر رہا تھا ----- مجھے اس بات کا انتہائی صدمہ ہوا۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یوسف' ان لوگوں میں سے ہے جن کے بدن سے اگر ایک ایک بوٹی بھی کاٹ لی جائے تو وہ غداری نہیں کر سکتے ----- لیکن اب میرے خیال میں اس کی زندگی ممکن بھی نہیں ہے۔"

"افسوس! بے چارہ یوسف' ہماری وجہ سے مارا گیا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ قتل نہیں کریں گے۔"

"میں نے تغلق خان کو ہدایت کر دی ہے کہ اگر اسے سیٹھ جبار کی کوٹھی سے ہٹنا بھی پڑے تو وہ اس کی پروا نہ کرے۔ اگر یوسف کی زندگی بچائی جا سکتی ہے تو ضرور بچائی جائے۔"

"یہ تم نے اچھا کیا۔ سیٹھ جبار سے بہرحال ہم نمٹ ہی رہے ہیں۔ اگر ہمارا ایک آدمی بچ جاتا ہے تو ہم یہ نقصان برداشت کرنے کو تیار ہیں۔"

"جی ہاں جناب! ممکن ہے تغلق خان اس سلسلے میں آپ سے رابطہ قائم کرے۔ آپ بھی اسے یہی ہدایت کر دیجیے گا۔"

"بے فکر رہو۔ یقیناً اسے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہو گا۔ کیونکہ ... کی گرفتاری کے بعد سیٹھ جبار اپنے اطراف سے اور بھی زیادہ محتاط ہو گیا ہو گا۔ ممکن ہے اب وہ کوٹھی میں موجود ہر شخص پر نگاہ رکھے ہوئے ہو اور تغلق خان اسی لیے ہم سے رابطہ قائم نہ کر سکا ہو۔" میں نے کہا۔

"جی ہاں جناب؟"

"بہرحال مجھے اس سلسلے میں بے حد افسوس ہے۔"

"خوشخبری یہ ہے جناب! کہ غوزی خان نے ایک بہت بڑی لانچ پر ہاتھ مارا ہے۔ جس ل کروڑوں روپے کی گھڑیاں اور ان کے سیل آسمگل کر کے لائے جا رہے تھے۔ لانچ ٹ کر' اس کا مال ----- پرنس ولاور پر پہنچا دیا گیا ہے اور لانچ کو ڈبو کر سیٹھ جبار کے ہ آدمی ہلاک کر دیے گئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔"

"شاندار -----" میں نے کہا۔ "غوزی خان نے شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"اس سلسلے میں کوئی اور ہدایت' چیف؟"

"نہیں' باقی معاملات جوں کے توں چلنے دو ----- لیکن یوسف کے مسئلے پر نگاہ رکھو۔ ر وہ بچ گیا تو مجھے مسرت ہو گی۔"

پھر عدنان مجھ سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

چند گھنٹوں کے بعد فینی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور تمام تفصیلات بتا دیں۔

"جناب! صائمہ روشن علی نے اس سلسلے میں محفوظ نامی ایک شخص کا انتخاب کیا ہے۔ شخص چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے ----- اور ایم-بی-اے کی ڈگری رکھتا ہے۔ صائمہ روشن ا کا خیال ہے کہ وہ اس سلسلے میں بہترین نمائندگی کر سکے گا۔" پھر اس نے ایک کاغذ میری ف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس لیٹر پر دستخط کر دیجیے۔ یہ آپ کی طرف سے مسٹر محفوظ لیے نمائندگی کا اجازت نامہ ہے۔ اس کے تحت ہی وہ چیمبر آف کامرس میں آپ کی

نمائندگی کر سکیں گے۔"

"اس شخص کو ضروری امور سمجھا دیے ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ پرنس دلاور کے نمائندے کی حیثیت سے ا
کیا گفتگو کرنی ہے۔ اس کا ایک ایجنڈا تیار کر لیا گیا ہے۔ میں دراصل انہی کاموں میں
مصروف تھی۔" فینی نے ایک اور کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں اسے لے کر پڑھنے لگا۔ بلاشبہ اس سلسلے میں فینی کی کارکردگی نہایت تسلی بخ
تھی۔ پرنس دلاور کے مفادات کے تحفظ کے لیے اس نے جو سوال تیار کیے تھے وہ بڑ
اہمیت کے حامل تھے۔ اس نے بتایا۔

"ان سوال و جواب کی تیاری میں مسٹر محفوظ نے میری بڑی مدد کی ہے۔ میں
انھیں یہاں لانا مناسب نہیں سمجھا۔ بہرطور وہ آپ کی نمائندگی کے لیے بہترین آدمی ثا
ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے فینی! تم نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے مطمئن ہوں۔" میں نے کہا۔

"شکریہ جناب! فینی اٹھتی ہوئی بولی۔

رات تک تغلق خان نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا اور میرے ذہن میں ہلکی
کرید پیدا ہو گئی۔ کہیں تغلق خان بھی کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہو گیا۔۔۔۔ لیکن
نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے ساتھی میرے مفاد کے لیے کوشاں تھے۔
جانتے تھے کہ میرے لیے انھیں ہر وقت زندگی اور موت کے درمیان معلق رہنا پڑے
اس کے باوجود وہ کام کر رہے تھے۔ خود میری اپنی زندگی بھی محفوظ نہیں تھی تو میں دو
کی زندگی کی کیا ضمانت دے سکتا تھا۔

تیسرے روز صبح میں ناشتے سے فارغ ہو کر نشست گاہ میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ
میرے پاس پہنچ گئی۔

"جناب عالی' ایک اعلیٰ پولیس افسر آپ سے ذاتی طور پر ملاقات کے خواہشمند ہ
میں نے انھیں ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا ہے۔ وہ پولیس افسر شاید ڈی۔ آئی۔ جی کا
رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ چار اعلا افسران ہیں جنھیں باہر ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کا کہنا
کہ پرنس سے ملنا بہت ضروری ہے اور یہ پرنس ہی کے مفاد میں ہے اور میں فوری ط
ان کی درخواست آپ تک پہنچا دوں انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پرنس کو ان سے ملا
کے لیے مجبور کیا جائے۔"

"ہوں ان کا لہجہ کچھ مناسب نہیں ہے فینی! لیکن۔۔۔۔ ٹھیک ہے میں ان

لیتا ہوں۔" میں نے کہا اور تیاری کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کے رینک کے آدمی کو اس
طرح نہیں ٹالا جا سکتا تھا اور یہ مناسب بھی نہیں تھا۔ اس لیے میک اپ کرنے کی ضرورت
بھی نہیں تھی۔

خوشبوؤں میں بسے ہوئے عمدہ سی تراش کے سوٹ میں ملبوس میں ڈرائنگ روم کی
جانب چل پڑا فینی میرے پیچھے پیچھے تھی۔ چند لمحات کے بعد میں ڈرائنگ روم میں داخل ہو
گیا۔

بھاری تن و توش کا مالک ڈی۔ آئی۔ جی کی وردی میں ملبوس ایک شخص صوفے پر
بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر تعظیماً" کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں۔۔۔۔ کی نگاہیں ملیں تو میرے
ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی کیفیت مجھ سے زیادہ خراب ہو گئی تھی لیکن ہم
دونوں ہی زیرک اور تجربہ کار تھے۔۔۔۔ چنانچہ ہم نے فوراً" اپنی اپنی کیفیت پر قابو پا
لیا۔۔۔۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے مسکرا کر گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔

"پرنس کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں۔"

"وعلیکم السلام! تشریف رکھیے۔" میں نے باوقار لہجے میں کہا۔ ڈی۔ آئی۔ جی اپنی جگہ
پر بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پرنس کے بارے میں اتنا کچھ سنا ہے کہ میری دلی آرزو تھی۔۔۔۔ کہ پرنس کی
زیارت کروں۔۔۔۔ اور اب پرنس سے مل کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے وہ میں بیان
نہیں کر سکتا۔ جو کچھ آپ کے بارے میں سنا تھا' وہ سب ماند پڑ گیا ہے اور آپ کو دیکھ کر
ایک نیا احساس پیدا ہوا ہے۔"

"شکریہ آفیسر! فرمائیے' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"بس ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا پرنس! درمیان میں ایک چھوٹا سا مسئلہ بھی تھا
لیکن وہ سب بھول گیا ہوں۔۔۔۔ اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی ضرور فرمائیے۔"

"بعض لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا پھر بھی ان کے لیے دل میں ایک گداز پیدا ہو
جاتا ہے اور اگر اس گداز کو گہرائی مل جائے تو ہم اسے محبت کہتے ہیں۔ نجانے کیوں' آپ
کو دیکھ کر یہ محبت میرے دل میں امڈ آئی ہے۔ شاید آپ میرے ان الفاظ کو خوشامد پر
محمول کریں لیکن پرنس! ہر شخص کو اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنے کا حق ضرور ہوتا ہے
میں آپ سے عرض کروں کہ میں خوشامد پسند انسان نہیں ہوں۔۔۔۔ شدید محنت کر کے
انسپکٹر کے عہدے سے ڈی۔ آئی۔ جی کے عہدے تک پہنچا ہوں۔۔۔۔ لیکن اس بات کو

تسلیم کرتا ہوں کہ اپنے اس سفر میں بارہا مجھے ایسے راستوں سے بھی گزرنا پڑا ہے جو میرے ضمیر کے خلاف تھے۔ بارہا دل چاہا' پرنس! کہ اس ملازمت کو چھوڑ دوں------ لیکن میرے ملازمت چھوڑ دینے سے معاشرہ تو سدھر نہیں سکتا تھا پھر میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اسی ملازمت میں رہتے ہوئے اگر میں کچھ نہ کچھ بھی انسانیت کی خدمت کرتا رہا تو یہ میرے ضمیر کے عین مطابق ہو گا------ اور آپ یقین کریں میں نے حتی الوسیع ایسا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے خاموش ہو کر ٹٹولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن میرے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر پھر بولا۔

طویل عرصے قبل' میرے ہاتھوں ایک معصوم بچے کو دکھ پہنچا تھا۔ اس وقت تک مجھے صحیح صورت حال کا علم نہیں تھا------ پھر وہ بچہ مجھے ایک اور شکل میں ملا۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ جو بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا------ اس نے مجھے بتایا کہ یہ بچہ بے قصور ہے اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ انسانیت کے ساتھ ظلم کی بدترین مثال ہے پھر میں نے اپنے ضمیر کی تسلی کے لیے اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا کر اس بچے کے لیے ایک چھوٹا سا کام کر دیا۔ یقین کریں پرنس! اس سے زیادہ میری استعداد نہ تھی۔

میں مطعون ہوا کچھ عرصے تک تکالیف کا شکار رہا اور پھر اس شرط پر مجھے معاف کر دیا گیا کہ میں کچھ بھی کروں لیکن چند خاص افراد کے مفادات کو ہر حالت میں مدنظر رکھوں------ اس کے بعد وہ بچہ مجھے نہیں ملا۔ نہ جانے وہ کن حالات کا شکار ہوا لیکن میں نے اپنے ضمیر کے مطابق کارروائیاں جاری رکھیں اور جس طرح بھی بن پڑا' انسانیت کی خدمت کرتا رہا۔

بہرطور' پرنس! زندگی گوناگوں نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ انسان جگہ جگہ مجبور ہوتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو پرکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ جانتے ہیں اور وہ یہ کہ اپنی مجبوریوں کو سامنے رکھ کر دوسروں کی مجبوریوں کا اندازہ لگا لیں۔ میرا خیال ہے کہ میں احمقانہ گفتگو کر رہا ہوں------ میں صرف اپنے ان احساسات کے ساتھ پرنس کو مبارک باد پیش کر سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ اپنے جذبات کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

"شکریہ آفیسر! میں آپ کی اس محبت کا ممنون ہوں------ سچ کہا آپ نے بعض اوقات ہم وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کی اجازت ہمارا ضمیر نہیں دیتا۔ بہرطور' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"کچھ سوالات کرنے کی اجازت ہے پرنس؟"

"کیا ایک پولیس افسر کی حیثیت سے؟"

"جی نہیں------ یہ سوال قطعی ذاتی نوعیت کے ہیں۔"

"فرمایئے۔" میں نے کہا۔

"پرنس! میرا خیال ہے کہ میں پہلا پولیس افسر ہوں جس نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔"

"جی ہاں یہ درست ہے میں عام لوگوں سے نہیں ملتا۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی ہاں خاص وجہ ہے۔"

"بتانا پسند فرمائیں گے؟"

"نہیں------" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا اور ڈی۔ آئی۔ جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شکریہ! میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ بس یہی میرا ذاتی نوعیت کا سوال تھا۔ اب میں آپ کو اپنی آمد کی وجہ بتانا چاہتا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"جی ہاں فرمایئے۔"

"سیٹھ جبار کا نام شاید آپ نے سنا ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں ایک سرمایہ دار ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سیٹھ جبار کے ہاں سے ایک شخص کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کا نام یوسف ہے۔ یہ شخص چند روز پہلے سیٹھ جبار کی کوٹھی میں ملازم ہوا تھا۔ اسے سیٹھ جبار کے آدمیوں نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ اس کے پاس ڈائنامائٹ برآمد ہوئے ہیں جنھیں وہ سیٹھ جبار کی خواب گاہ کے مختلف حصوں میں لگا رہا تھا۔ اس شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ پرنس دلاور کے آدمیوں میں سے ہے اور اسے اس کام کے لیے مخصوص کیا گیا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کی خواب گاہ کو بم سے اڑا دے۔ سیٹھ جبار نے بذات خود پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ پولیس نے اپنے طور پر اس شخص سے معلوم کیا ہے کہ وہ کس کے ایما پر یہ کام کر رہا تھا تو اس نے یہ بیان دیا۔"

"بہت خوب------ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! لیکن آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تفتیش تو ضروری تھی پرنس! کیا اس آدمی کو آپ کے سامنے لایا جائے؟"

"ضرورت نہیں ہے۔ اول تو ان ہنگاموں کو میں خود ڈیل نہیں کرتا میرے آدمی موجود ہیں۔ آپ کو انہی سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس شخص نے پرنس دلاور کا نام لیا ہے تو ٹھیک ہے آپ پرنس دلاور پر مقدمہ قائم کر دیں۔ کیس عدالت میں جائے گا اور جو کچھ بھی صورت حال ہو گی سامنے آ جائے گی۔"

"مگر پرنس اخبارات کی زبان بھلا کون بند کر سکتا ہے؟ کیا اخبارات اس مقدمے کو نہیں اچھالیں گے؟"

"اخبارات آزاد ہیں ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! اور آپ یقین کریں کہ میں اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر اخبارات کی زبان بند کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ البتہ میرے ایڈوو کیٹس پولیس اور سیٹھ جبار سے میری طرف سے مقدمہ لڑیں گے اور اس کے جو بھی نتائج ہوں گے سامنے آ جائیں گے۔"

"میں اس بات کا متوقع تھا پرنس کہ آپ کی طرف سے اس کی تردید ہو جاتی۔"

"نہیں، اس سلسلے میں کوئی بیان دینا پسند نہیں کروں گا۔ پولیس کو ایک شکایت موصول ہوئی ہے۔ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ حقیقت کو تلاش کرے اور اگر نہ کر پائے تو اس شخص کے خلاف کارروائی کرے جسے اس واقعے میں ملوث کیا گیا ہے۔ باقی رہا میرا معاملہ تو میں دیکھوں گا کہ اپنے وفاع میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"مگر میں، آپ سے تعاون کرنا چاہتا ہوں پرنس؟"

"شکریہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب میں آپ کا مشکور ہوں۔ میں قانون کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتا اور پھر میں سیٹھ جبار جیسے معمولی آدمی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ وہ میرے خلاف کوئی موثر کارروائی کر سکتا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے علاوہ میں آپ کی اور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ پرنس! آپ نے مجھے جو چند لمحات کی قربت بخشی ہے یہی میری عزت افزائی ہے۔ مجھے اجازت دیں۔"

"شکریہ آپ کی تشریف آوری کا۔"

"ایک عرض اور ہے پرنس!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"فرمایئے-----"

"وہ شخص جسے سیٹھ جبار نے پولیس کے حوالے کیا ہے ابھی تک اپنی زبان بند رکھے ہوئے ہے۔ اگر اس نے کچھ کہا تو صرف اتنا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے کوئی بم نہیں

رکھا۔ میں تو ایک غریب نوکر ہوں۔ نہ جانے کیوں صاحب لوگ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ذاتی اطلاع ہے، سو فی صد ذاتی----- پولیس بھی انسان ہی ہوتی ہے اور بات کسی ایک انسان کی نہیں معاشرے کی ہوتی ہے جس میں نہ جانے کون کہاں کیوں مجبور ہوتا ہے۔"

"میں آپ کی گفتگو کی گہرائی کو سمجھ ہی نہیں پا رہا ہوں----- ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! اگر اس شخص نے یہ بیان دیا ہے تو پھر آپ مجھ سے کیا معلوم کرنے آئے ہیں؟"

"اس نے تحریری بیان وہی دیا ہے جو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں اور جس پر اس کے دستخط بھی ہیں اور جو میں نے اب عرض کیا ہے وہ میری ذاتی تفتیش کا نتیجہ ہے۔"

"کیا آپ حقیقت کو عریاں نہیں کر سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں----- خدا حافظ!" ڈی۔ آئی۔ جی نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں دیر تک دروازے کو گھورتا رہا۔ میرے ذہن میں سنسنی سی ہو رہی تھی۔

یہ وہی شخص تھا جس کے پاس زمانے کی برائیوں سے نا آشنا ایک نوجوان پہنچا تھا اور ایک اسمگلر کی نشان دہی کی تھی----- اور یہ طنزیہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔ ہاں یہ وہی انسپکٹر تھا جس نے مجھے پانچ سال کے لیے جیل بھجوا دیا تھا----- اور پھر یہ ایس۔ پی کے روپ میں مجھے اس وقت ملا تھا جب میں فیروز دادا کے قتل میں ملوث تھا۔ نہ جانے کتنے بے گناہوں کو جیل بھجوانے کے بعد یہ اس عہدے تک پہنچا تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن وہ میری اس حیثیت سے خوش تھا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کتنے سوالات مچل رہے تھے اور نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا وہ، لیکن مجھ سے اس بارے میں سوالات نہیں کر سکتا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا سوچتا رہا----- پھر کسی خیال کے تحت نشست گاہ میں آ کر میں نے عدنان کو فون کیا۔

"عدنان حاضر ہے پرنس!"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ڈی۔ آئی۔ جی پولیس آئے تھے----- عدنان!" پھر میں نے اسے ڈی۔ آئی۔ جی سے گفتگو کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔

عدنان خاموشی سے سنتا رہا۔ میں نے اسے ڈی۔ آئی۔ جی کی ذاتی تفتیش کے نتیجے کے

بارے میں نہیں بتایا۔

میرے خاموش ہونے پر وہ بڑے وثوق سے بولا۔

"یہ ناممکن ہے، پرنس!"

"کیوں-----؟" میں نے پوچھا۔

"آپ یقین کریں کہ یوسف مرتے ہوئے بھی یہ بیان نہیں دے سکتا----- ویسے پرنس! یوسف کو آزاد کرا لیا گیا ہے۔"

"کیا-----؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں پرنس! ہم اسے پولیس کی تحویل میں تو نہیں رہنے دے سکتے تھے۔ اسے پولیس کے شکنجے سے نکال لیا گیا ہے----- اب وہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔"

میں مزید کچھ نہ بول سکا۔ میری آواز بند ہو گئی تھی۔ وہ سب کچھ ہو رہا تھا جو کل تک سیٹھ جبار کیا کرتا تھا----- لیکن اب یہ پرنس دلاور کا دور تھا۔ سیٹھ جبار کا دور ختم ہوتا جا رہا تھا۔

یوسف سے میں نے بذاتِ خود ملاقات کی۔ اس کے جسم پر لاتعداد زخموں کے نشانات تھے۔ یہ زخم اس نے میرے لیے کھائے تھے۔ سیٹھ جبار کے ہاں کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا صاحب! کہ اسے کس طرح مجھ پر شک ہوا۔ بس، ایک رات اس کے آدمی مجھے پکڑ کر اس کے سامنے لے گئے۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا کہ----- تم پرنس دلاور کے آدمی ہو----- میں نے کہا۔ کون دلاور؟ میں تو آپ کا خادم ہوں تو وہ بولا۔ دیکھو یوسف! تمھارے بارے میں تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔ اب خود کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم ایک عام سے آدمی ہو۔ ظاہر ہے ضرورت ہی نے تمہیں اس کا غلام بنایا ہو گا۔ تمھاری ساری ضرورتیں یہاں سے بھی پوری ہو سکتی ہیں۔ اس کے بارے میں بتاؤ----- بس اس کے بعد اس کے آدمیوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا----- پھر پولیس والوں کو بلا کر انھوں نے ایک سادہ کاغذ پر مجھ سے دستخط کرا لیے اور اس کے بعد پولیس مجھے لے گئی پھر ہمارے آدمیوں نے مجھے پولیس کی گاڑی سے نکال لیا۔"

میں نے عدنان کی طرف دیکھا۔

"اس کی خوش بختی اور زندگی تھی، جناب! کہ سیٹھ جبار، اس واقعے کو اس کے ذریعے ہوا دینا چاہتا تھا ورنہ اس بے چارے کو قتل کر دیا جاتا۔"

"تمھارے اہل خاندان ہیں؟" میں نے یوسف سے پوچھا۔

"جی صاحب----- بیوی ہے اور دو بیٹیاں ہیں۔"

میں پھر عدنان سے مخاطب ہوا۔ "کیا خیال ہے عدنان! سیٹھ جبار کے ایما پر پولیس اسے تلاش نہیں کرے گی؟"

"کر رہی ہے جناب!"

"اسے اس شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر پہنچا دو اور اسے اتنی رقم دے دو کہ یہ وہاں اپنا کاروبار شروع کر سکے----- فی الحال اس کا علاج کراؤ۔"

"تعمیل ہو گی، پرنس!" عدنان نے کہا----- پھر وہ یوسف کو باہر چھوڑ آیا۔ میں نے

مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا خیال ہے عدنان! سیٹھ جبار اب چھوٹے چھوٹے سہارے نہیں تلاش کرنے لگا ہے؟ کیا یہ اس کے ذہنی طور پر دیوالیہ ہونے کی نشانی نہیں ہے؟"

"ابھی تو اسے اور بھی بہت کچھ کرنا پڑے گا' سر!" عدنان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہو جائے۔ میں اسے ذہنی مریض بنا دینا چاہتا ہوں۔"

"بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے۔ میرے آدمی نئی پلاننگ کر رہے ہیں۔ ایک اور آئیڈیا ہے سر!"

"وہ کیا-----؟"

"حکومت ایک نیم فوجی ادارہ قائم کر رہی ہے۔ سنا ہے' اس کے لیے سرمایہ داروں کو نجی طور پر سرمایہ کاری کی پیشکش کی جانے والی ہے۔ تقریباً" چھ کروڑ کا منصوبہ ہے۔ سیٹھ جبار اس میں ایک بڑا شیئر لینے کی پیش کش کر چکا ہے۔"

"چھ کروڑ-----" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

"جی-----"

"کچھ اندازہ ہے کہ سیٹھ جبار اس میں کتنا سرمایہ لگا رہا ہے؟"

"تقریباً" تین کروڑ کا----- لیکن سر! اگر ہم اس میں سب سے بڑے شیئر ہولڈر بن جائیں تو ہماری بہت بڑی ساکھ بن جائے گی۔ ایک طرح سے ہمیں سرکاری حیثیت حاصل ہو جائے گی۔"

"ہوں-----" میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ "لیکن سرمایہ بہت ہے عدنان!"

"وقت بھی کافی ہے جناب! سرمایہ اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں آپ اس منصوبے کو آگے بڑھائیں۔ ہم اپنے طور پر بھی یہ سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں لیکن کوشش یہی ہو گی کہ دوسرے ذرائع استعمال کیے جائیں۔"

"تم مطمئن ہو؟"

"بالکل جناب! یہ منصوبہ ہمارے لیے بہت کار آمد ثابت ہو گا۔" عدنان نے پر اعتماد لہجے میں کہا اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں عدنان!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حاضر ہوں پرنس۔"

"میرے لیے تم نے بہت کچھ کیا ہے۔ اتنا کچھ کہ میرے خیال میں میرے بہت سے منصوبے صرف تمھاری وجہ سے پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں۔ تم مجھ سے الگ رہ کر بھی یہ سب کچھ کر سکتے تھے۔"

"پرنس کا حکم ہے کہ میں اس بات کا جواب دوں؟" عدنان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں صرف ایک دوستانہ خواہش۔"

"میرے لیے یہ خواہش بھی بہت بڑا اعزاز ہے پرنس! عقیدت کی کوئی قیمت ہوتی ہے پرنس؟"

"میرے خیال میں نہیں۔"

"مجھے ایک ایسے انسان کی خاطر یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے جو میری نگاہ میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ سیٹھ جبار بہت بڑا سرمایہ دار ہے' اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ہمارے حالات بہت اچھے تھے۔ میں نے کینیڈا میں تعلیم حاصل کی۔ یہاں میرے والدین رہتے تھے۔ میرے والد ایک بہت بڑے بزنس مین تھے لیکن کسی مرحلے پر سیٹھ جبار سے ان کی ٹھن گئی۔ اس نے دولت کے بل پر انھیں تباہ کر دیا اور انھیں خودکشی کرنا پڑی۔ میری والدہ اس غم میں چل بسیں' ہمارا کاروبار تباہ ہو گیا۔ جب مجھے ان حالات کا علم ہوا تو میں دیوانہ ہو گیا۔ میں نے قسم کھائی کہ اس عفریت سے انتقام ضرور لوں گا۔ یہی جذبہ لے کر میں وطن واپس آیا تو سیٹھ جبار میرے استقبال کے لیے تیار تھا میرے سامان سے ہیرے برآمد ہوئے جو اٹلی کے ایک میوزیم سے چرائے گئے تھے اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ انٹرپول مجھے اٹلی لے گئی۔ ہیروں کی چوری کے سلسلے میں دو قتل بھی ہوئے تھے۔ میرا دہرا جرم تھا چنانچہ مجھے موت کی سزا سنا دی گئی----- لیکن سزائے موت پر عمل درآمد سے صرف دو گھنٹے قبل مجھے بچا لیا گیا----- اور مجھے بچانے والی وہ شخصیت تھی جس نے بعد میں مجھے بے حد متاثر کیا۔ بہرحال میری زندگی اس کی رہین منت تھی اس نے کسی لالچ کے بغیر مجھے بچایا تھا اس لیے میں نے اس کی غلامی قبول کر لی----- پھر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخصیت پرنس دلاور کے ایما پر کام کر رہی ہے اور پرنس سیٹھ جبار کا دشمن ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ چنانچہ میں بھی پرنس کے خادموں میں شامل ہو گیا۔ ذاتی طور پر میں مر چکا ہوں' پرنس! اور کسی مردے کو زندگی کے لوازمات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے دولت میرے لیے----- بے مقصد ہے۔ میں صرف اپنے محسن کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔۔۔ تو پروفیسر شیرازی کے احسانات تم پر بھی ہیں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"یہ نام تو انسانیت کی ضمانت ہے پرنس! اور میں، آپ کی تقدیر پر رشک کرتا ہوں کہ اس جیسا انسان آپ کا عقیدت مند ہے۔ پروفیسر آپ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بے حد متاثر نظر آتے ہیں تو پھر مجھے آپ سے محبت کیوں نہ ہوتی۔"

"ٹھیک ہے، عدنان! ہمارا مقصد ایک ہے۔ ہم صرف سیٹھ جبار ہی نہیں بلکہ اس جیسے دوسرے شیطانوں کے بھی دشمن ہیں۔۔۔۔۔ میں ایک اور کام تمھارے سپرد کرنا چاہتا ہوں عدنان!"

"ضرور جناب! حکم کیجیے۔"

"سیٹھ جبار کا ایک اور خاص آدمی بھی تھا جس کا نام طارق تھا۔"

"میں اسے جانتا ہوں۔ میرے سامان میں ہیرے شامل کرنا اسی کا کام تھا۔"

"میں نے اسے زندگی کی دلچسپیوں سے محروم کر دیا ہے اور وہ یورپ کے کسی اسپتال میں پڑا موت کا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"مجھے علم ہے پرنس!"

"سیٹھ جبار کے لیے وہ بلیک میلنگ کا کام بھی کرتا تھا میں نے اس کے قبضے سے بہت سا بلیک میلنگ اسٹف حاصل کیا تھا جس میں سے کچھ میں نے ضائع کر دیا تھا اور کچھ میرے پاس محفوظ ہے۔ تم اس کا جائزہ لو۔ اگر اس میں کچھ لوگ ایسے نظر آئیں جنھیں پریشان کرنا ہمارے حق میں سود مند ہو تو اسے استعمال کرو۔ اور اگر اس میں کچھ لوگ واقعی مظلوم ہوں تو ان کا مواد ضائع کر دو۔"

"بڑا بر وقت استعمال ہو گا سر! آپ وہ سب کچھ میرے حوالے کر دیں۔"

"کل تک مل جائے گا تمھیں۔"

"بہتر جناب! اب مجھے اجازت ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ عدنان!" میں نے مصافحہ کر کے اسے رخصت کر دیا۔ تھوڑی دیر غور و خوض کے بعد میں نے فینی کے ذریعے صائمہ روشن علی کو طلب کیا۔۔۔۔۔ اور پھر عظمت کو رنگ کیا۔

"تمھارا دوست بول رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ فرمائیے پرنس؟"

"عظمت! کچھ فائل اور کاغذات میں نے ایک بینک کے لاکر میں رکھوائے تھے۔

تمھیں یاد ہیں؟"

"ضرورت مندوں کی رسی؟" عظمت نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔۔۔ انھی کی بات کر رہا ہوں۔"

"جی ہاں یاد ہیں۔"

"مجھے ان کی ضرورت ہے۔"

"بینک کا وقت تو نکل چکا۔ کل دن میں کسی وقت۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔"

"وہ بھیا۔۔۔۔۔ امی جان کچھ بیمار ہیں۔ آپ سے ملاقات کی خواہش مند تھیں۔" عظمت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"رات نو بجے پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر فرصت ملے تو۔۔۔۔۔ اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"بس اور کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" عظمت نے جواب دیا اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت فینی، صائمہ روشن علی کو لے کر آ گئی۔ میں نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مس صائمہ! میں آپ کی توجہ ایک گورنمنٹ پروجیکٹ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں حکومت نے پچھلے دنوں ایک نیم فوجی ادارے کے قیام کا اعلان کیا ہے جس میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی بھی کی جا رہی ہے۔ ممکن ہے ابھی اس کی تفصیلات سامنے نہ آئی ہوں۔ بہرحال آپ اس سلسلے میں معلومات حاصل کیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ادارے میں تمام سرمایہ کاری ہماری ہو۔ آپ اس سلسلے میں مکمل معلومات حاصل کر کے مجھے رپورٹ دیں۔"

آپ مطمئن رہیں۔ ہماری پوری مشینری مصروف ہو جائے گی اور ابتدائی رپورٹ کل دوپہر تک پیش کر دوں گی۔"

"میں نے اسی لیے آپ کو زحمت دی تھی۔ فون پر یہ گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔"

"بہتر تھا جناب!"

"اب آپ جا سکتی ہیں۔" میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

شام تک کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ رات کو میک اپ کر کے عظمت کی طرف چل پڑا طاہر اور اعظم دوسری گاڑی میں میرے پیچھے تھے۔ میں نے انھیں ہدایت کر دی تھی۔ اب یہ ضروری ہو گیا تھا۔ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر میں محتاط رہنا چاہتا تھا۔

عظمت نے گھر میں میری آمد کے بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ سب بے
انتظار کر رہے تھے۔ فرحت اللہ صاحب اور دوسرے لوگوں نے اسی خلوص اور محبت سے
میرا استقبال کیا جو ان کا خاصا تھا۔ چائے پینے کے بعد فرحت اللہ صاحب نے کہا۔

"منصور بیٹے! عظمت کی شادی کے سلسلے میں تمھارا۔۔۔۔ کچھ وقت لینا چاہتا تھا۔"

"حاضر ہوں۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"بھئی دراصل، میں عظمت کی شادی کچھ اور پہلے چاہتا ہوں۔ اب انتظار برداشت
نہیں ہوتا۔ نہ جانے کیوں یہ احساس ذہن میں بیٹھ گیا ہے کہ زیادہ دیر سود مند نہ ہو گی۔"

"اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ جب ایک کام کرنا ہی ہے تو کیا پہلے کیا بعد
میں۔۔۔۔ پروفیسر شیرازی سے اس سلسلے میں بات کر لیتے ہیں۔"

"یہ تم ہی کرو گے۔"

"ہاں، ہاں۔۔۔۔ میں ہی کر لوں گا۔ کیوں نہ ہم لوگ اسی وقت ان کے گھر
چلیں۔"

"تو چلو نا، میاں! اس میں کون سی تیاری کرنی ہے۔"

"میں بھی چلوں گی۔" بیگم فرحت اللہ بولیں۔

"ہاں بھئی! تمھارے بغیر محفل مکمل کہاں ہوتی ہے۔ چلو، تیار ہو جاؤ۔" فرحت اللہ
صاحب نے کہا۔

زندگی کے یہی لمحات تو میرے اپنے تھے۔ ورنہ اپنی دوسری حیثیت کو تو میں قرض کی
زندگی سمجھتا تھا صرف ایک فرض تھا جو مجھے سونپا گیا تھا۔

"عظمت۔۔۔۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم بھی چلو۔"

"ذرا زور سے کہیے۔" عظمت مسکرا کر بولا۔ "تاکہ دوسرے لوگ بھی سن لیں کہ
آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں۔"

"بڑے بے شرم ہو۔" میں ذرا اونچی آواز میں بولا۔ "ابھی سے سسرال پہنچ جاؤ گے
خاموشی سے گھر میں بیٹھو۔" عظمت ہنسنے لگا۔

فرحت اللہ صاحب شیروانی وغیرہ پہننے چلے گئے تو عظمت بولا۔ "وہ فائل میں کل نکال
لاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ان باتوں میں اس وقت کو ضائع نہ کرو۔ حالات نے مجھے پرنس ولادر بنا
دیا ہے عظمت! ورنہ میں صرف منصور ہوں۔۔۔۔ لوگ مجھے اچھی طرح سمجھ نہیں
پائے۔"

"کیا گفتگو ہو رہی ہے بھئی! ہم تیار ہیں۔" فرحت اللہ صاحب کمرے میں داخل ہوتے
ہوئے بولے۔ بیگم صاحبہ بھی ساتھ ہی تھیں۔ ہم باہر نکل آئے۔ فرحت اللہ صاحب نے
راستے میں مٹھائی کے ڈبے خرید لیے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہم پروفیسر شیرازی کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ وہاں ہنگامے ہی ہنگامے
تھے۔ عام طور سے یہ لوگ دیر تک جاگتے رہتے تھے۔ ہماری آمد کو ان لوگوں نے حیرت اور
مسرت سے دیکھا۔ اور پروفیسر شیرازی کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سمجھ گیا۔۔۔۔ لڑکے والے آئے ہیں۔ آئیے، آئیے۔" پروفیسر شیرازی نے پرتپاک
انداز میں کہا۔ گل اور سرخاب، بیگم فرحت اللہ کو اندر لے گئیں اور ہم ڈرائنگ روم میں
آ بیٹھے۔

"بھئی سب کو یہیں بلا لو۔ تکلف کا دور گزر چکا ہے۔ اب تو ہر کام مشترک ہے۔"
فرحت اللہ صاحب نے کہا۔

"میاں فرحت اللہ۔۔۔۔ بلکہ میاں سمدھی! آپ تو بہت زیادہ ماڈرن ہو گئے
ہیں۔۔۔۔ بہر صورت ٹھیک ہے۔ حسینہ! سب سے کہہ دو کہ ادھر ہی آجائیں۔ اور سنو
تم لڑکے والوں کی خاطر مدارات کا انتظام کرو۔" پروفیسر شیرازی نے کہا پھر تھوڑی دیر بعد
سب مسکراتے ہوئے ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔

"مٹھائی کے ڈبے اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ لڑکے والے کسی خاص سلسلے میں
آئے ہیں۔۔۔۔ مگر منصور صاحب! آپ کی کیا حیثیت ہے؟" گل نے مسکراتے ہوئے
پوچھا۔

"بی بی! میں اس وقت لڑکے والوں کے ساتھ آیا ہوں۔"

"بھئی، آپ کے دہرے مزے ہیں۔ ذرا سی دیر میں ادھر ذرا سی دیر میں ادھر۔۔۔۔
کبھی آپ لڑکی والے اور کبھی لڑکے والے۔"

"ہاں میں ففٹی ففٹی ہوں۔" میں نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"تو جناب ففٹی ففٹی صاحب! اس وقت لڑکے والوں کی آمد کا کیا مقصد ہے؟"

"ہم چاہتے ہیں کہ شادی کے وقت کو اور ذرا مختصر کر دیا جائے۔ یعنی درمیانی وقفہ ختم
کر کے جلد از جلد تاریخ طے کر لی جائے اور ان دونوں کا جھگڑا نمٹا دیا جائے۔" میں نے
کہا۔

"میرا خیال ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔" پروفیسر شیرازی
نے کہا۔

"ہے پروفیسر صاحب! سب سے بڑا جھگڑا تو ابھی طے ہونا باقی رہ گیا ہے۔"

"وہ کیا-----؟"

"ایجاب و قبول کا۔ فرحت اللہ صاحب چاہتے ہیں کہ اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو جائیں اور لڑکی جلد از جلد اپنے گھر پہنچ جائے۔"

"تو یہاں کس کو انکار ہے؟" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

"کیوں گل! آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے اس میں منصور! ہمارے انتظامات مکمل ہیں اور فرحت ا صاحب بھی ظاہر ہے، مطمئن ہونے کے بعد ہی یہ سب کچھ کہہ رہے ہوں گے۔"

"بس تو پھر دو چار دن کے اندر اندر کوئی تاریخ مقرر کر لی جائے۔ میں فرحت ا صاحب سے متفق ہوں۔ اس لیے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اور کن حالات کا شکار کر میں کسی کام میں مصروف ہو جاؤں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ جتنا جلد ہو سکے اس م سے نمٹ لیا جائے۔"

"بس تو ٹھیک ہے آج پیر کا دن ہے۔ جمعے کا دن اس تقریب سعید کے لیے منا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں سادگی سے نکاح کر کے دلہن کو رخصت کر جائے۔" فرحت اللہ صاحب نے کہا۔

میں جانتا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی خوشیوں کو میرے غم کے بوجھ تلے دبا دیا ہے، و شاید اس قدر سادگی بھی اختیار نہ کی جاتی۔ بہرطور میں انھیں مجبور نہیں کر سکتا تھا ک اپنے طور پر خوشیاں منائیں کیونکہ یہ ان کے خلوص کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ چنانچہ تا طے پا جانے کے بعد پروفیسر شیرازی نے فرحت اللہ صاحب اور ان کی بیگم کو اپنی گاڑی گھر پہنچا دینے کی پیش کش کر کے تھوڑی دیر کے لیے روک لیا----- لیکن میں رہائش پر واپس آ گیا۔

دوسرے دن صائمہ روشن علی نے مجھے وہ کاغذات دکھائے جو اس نے تیار کرا تھے۔ یہ کاغذات اسی پروجیکٹ کے سلسلے میں تھے۔ اس نے تمام تر معلومات حاصل تھیں اور دن کو دس بجے یہ تمام کاغذات وزارت داخلہ میں داخل کرائے جانے تھے۔

شام کو تقریباً چار بجے مجھے فینی کا فون موصول ہوا۔ اس نے بتایا۔ "سر! سیکریٹری آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے پی۔ اے نے آپ سے ملاقات کا و مانگا ہے۔ کیا وقت دے دوں ان کو؟"

"میرے خیال میں چھ بجے کا وقت مناسب ہو گا۔"

"بہتر ہے۔" فینی نے جواب دیا۔

پھر میں خود کو اس گفتگو کے لیے تیار کرنے لگا----- پتہ نہیں ہوم سیکریٹری مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ خیال تھا کہ وہ اسی پیش کش کے بارے میں سوالات کریں گے اور میرا یہ خیال درست ہی نکلا----- چھ بجے مجھے ہوم سیکریٹری کا فون موصول ہوا۔ بڑے خوش خلق اور نرم گفتار انسان تھے۔

"ہیلو، پرنس! آپ تو شہر والوں کے لیے ایک آئیڈیل بن گئے ہیں۔ ایک ایسی پراسرار شخصیت جس کے بارے میں کہانیاں گھڑی جا سکتی ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں، جناب! بس زندگی کی مصروفیات نے اتنا الجھا رکھا ہے کہ عام جگہوں پر نہیں پہنچ پاتا۔"

"نہیں بھئی! میں آپ کی اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ بعض اوقات مصروفیات انسان کو سپر نیچرل بنا دیتی ہیں۔ جبکہ وہ بظاہر اپنے اندر ایسی کوئی کیفیت نہیں پاتا لیکن میں آپ سے ایک درخواست کروں گا۔"

"حکم دیجیے جناب! لفظ درخواست استعمال کر کے آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"پرنس! کل شام سات بجے میرے ہاں ایک تقریب ہے جس کا دعوت نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا گیا ہے----- لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ نے اسے بھی ردی کی ٹوکری میں ڈلوا دیا ہو گا----- لہٰذا میری درخواست ہے کہ آپ وہ دعوت نامہ اس ٹوکری سے نکلوا لیں۔" ہوم سیکریٹری نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"کیا تقریب ہے محترم؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل نجی تقریب ہے۔ میری بیٹی کی سالگرہ ہے اور ----- یہ سالگرہ ہر سال ہی منائی جاتی ہے لیکن اس بار اگر پرنس دلاور، اس تقریب میں شامل ہو جائیں تو اسے ایک نیا رنگ مل سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کسی تقریب میں شریک نہیں ہوتے لیکن اس طرح اگر آپ میری عزت افزائی کریں تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ درخواست کا لفظ میں نے اسی لیے استعمال کیا تھا کہ اسے رد نہ کیا جائے۔" ہوم سیکریٹری نے کہا۔

میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا کہ کسی پرائیوٹ تقریب میں شرکت میرے لیے سود مند ہو گی یا نہیں؟ لیکن اچانک میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ پرنس دلاور کے اس طلسمی خول کو توڑ دینا چاہیے۔ ابھی تک یہ بند بند کیفیت کوئی خاص منافع نہیں دے سکی تھی اب ذرا باہر کی دنیا کو بھی دیکھ لیا جائے۔ ممکن ہے میرے اس طرح نگاہوں سے

ادھل رہنے کو میری کسی کمزوری پر محمول کیا جاتا ہو اس لیے اب زندگی میں کوئی نیا رنگ شامل ہونا چاہیے۔ "بہتر ہے میں کل سات بجے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"کیا واقعی پرنس؟ عین وقت پر مجھے کوئی ایسی اطلاع تو نہیں ملے گی کہ پرنس مصروف ہو گئے ہیں؟"

"نہیں جناب! آپ کا حکم میرے لیے اس قدر بے وقعت نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ پرنس یہ تو تھی ذرا ذاتی قسم کی بات چیت---- آپ کے ڈیپارٹمنٹ سے ایک حیرت انگیز پیش کش موصول ہوئی ہے۔ یوں سمجھیں کہ وہ محکمہ جو ا نیم فوجی ادارے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، آپ کی اس پیش کش پر متحیر رہ گیا ہے فوری طور پر مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا اور میں نے یہ اطلاع وزیر داخلہ کو پہنچا دی۔"

"جی---- محترم! میں پورے خلوص سے یہ بات کہتا ہوں کہ اس ادارے کی ضروریات میں مکمل طور پر پوری کرنا چاہتا ہوں اور اس سرمایہ کاری کا کوئی ناجائز منافع درکار نہیں ہے۔ سرمایہ کاری کے منافع کے طور پر جو رقم سرکاری طور مخصوص کی جا گی میں اس کی صرف چوتھائی رقم قبول کروں گا۔ باقی پچھتر فی صد رقم میں اس ادارے بہبود کے لیے وقف کرتا ہوں۔"

"پرنس! آپ نے اپنی اس پیش کش پر غور کیا ہے؟"

"جی ہاں---- اگر خلوص کی کسوٹی' آپ کے پاس ہے تو آپ میرے ان الفاظ پرکھ لیجیے۔ میں اپنے ملک کی فلاح و بہبود کے ہر منصوبے میں دل و جان سے دلچسپی لی خواہش مند ہوں۔ براہ کرم میری اس پیش کش پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جائے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں' پرنس! آپ کا جو مقام سرکاری حلقوں میں ہے اس تحت بھلا کون آپ کے خلوص پر شک کر سکتا ہے۔ بلکہ ہم لوگ حیران ہیں کہ اس دور بھی آپ جیسے انسان موجود ہیں۔ آپ نے ایک بار پھر مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ آ یقین کیجیے کہ کل کے بارے میں' میں نے سوچا تھا کہ بہت کم وقت اپنی سرکاری مصروفیا یں گزاروں گا لیکن آپ نے جو پیش کش کی ہے وہ اتنی حیرت انگیز ہے کہ میرا کل کا گیا۔"

"نہیں محترم! یہ صرف میرے خلوص کا اظہار ہے اور میں اس بات کا خواہش ہوں کہ میری پیش کش پر غور کیا جائے۔"

"اس میں بھلا غور کرنے کی کیا بات ہے---- میں سرکاری طور پر نہیں بلکہ ذ

ر اس بات کی ذمے داری قبول کرتا ہوں کہ اس پورے پروجیکٹ کا سرمایہ کار صرف پ ہی کو منتخب کیا جائے گا خواہ اس کے لیے ہمیں اس سے بھی بہتر شرائط موصول ہوں ں میں تھوڑی دیر بعد وزیر داخلہ سے اس موضوع پر گفتگو کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ! میں اس امید کے ساتھ آپ سے رخصت کی اجازت چاہتا ہوں کہ ری درخواست پر مخلصانہ انداز میں غور کیا جائے گا۔"

"آپ کی درخواست تو میں نے دل و ذہن میں اتار لی لیکن میری درخواست کو بھی پ نظرانداز نہ کریں۔"

"اوہ---- آپ مجھے شرمندہ نہ کریں محترم! میں نے کہا---- اور ہوم سیکریٹری ، ہلکا سا قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا۔

بڑی مسرت آمیز گفتگو تھی۔ اس فوجی ادارے کے قیام کے سلسلے میں یقینی طور پر ے بڑے منصوبے لوگوں کے ذہنوں میں ہوں گے۔ بڑی زبردست منافع خوری کے گرام بنائے جا رہے ہوں گے۔ بہت سے لوگ دانت تیز کر رہے ہوں گے اور لاکھوں ، کروڑوں بنانے کے خواب دیکھ رہے ہوں گے لیکن میں نے سیٹھ جبار جیسی فطرت لنے والے منافع خوروں کے دانت کھٹے کر دیے تھے اور ان کی ساری امیدیں خاک میں ملا ا تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ اب ہوم سیکریٹری اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھائیں گے۔

ا نے فینی کو بلا کر اگلے روز کا پروگرام بتایا تو وہ متحیر رہ گئی۔

"آپ اس تقریب میں شریک ہوں گے پرنس؟"

"ہاں فینی! اب میں اس خول سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"کیا یہ مناسب ہو گا پرنس؟"

"ہاں فینی! میں اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی چاہتا ہوں---- اور پھر مجھے ، لوگوں سے ملنا بھی ہے۔ ممکن ہے' اس تقریب میں سیٹھ جبار بھی آئے۔ بہر حال وہ ۔ سرمایہ دار ہے اور ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔"

"آپ یقیناً بہتر سمجھتے ہوں گے' پرنس! میرے لیے اب کیا حکم ہے؟"

"کیا ہمیں اس تقریب کا دعوت نامہ ملا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں---- حسب معمول میں نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا اسی لیے آپ کو اس اطلاع بھی نہیں دی۔"

"لیکن فینی اب تم میرے کل کے پروگرام اس طرح ترتیب دو کہ شام سات بجے فارغ رہوں---- اور ہوم سیکریٹری کی بیٹی کو دینے کے لیے تحفے کا انتخاب میں تم پر

چھوڑتا ہوں۔"

"بہتر ہے ---- میں یہ سارے کام کر لوں گی، پرنس! اس کے علاوہ مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کے لباس کا انتخاب بھی میں ہی کروں۔"

"ٹھیک ہے فینی! یہ سب کچھ تمھاری ذمے داری ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور فینی سر جھکا کر چلی گئی۔

میں اس دلچسپ تقریب کے بارے میں سوچنے لگا۔ بہرطور، یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس میں مجھے زیادہ الجھنا پڑتا۔ شام کو صائمہ روشن علی نے میرے سامنے وہ کاغذات پیش کیے جن کے ذریعے میری طرف سے اس منصوبے میں سرمایہ کاری کی پیش کش کی گئی تھی اس نے بتایا کہ وزارت دفاع کی طرف سے ایک استفساریہ نوٹ بھیجا گیا ہے جس میں سرمایہ کاری کی تمام تفصیلات تحریری طور پر طلب کی گئی ہیں۔

"ٹھیک ہے، کیا تم نے وہ تحریری جواب تیار کر لیا ہے؟"

"جی ہاں، جناب! بس، آپ کے دستخط کرانا تھے۔" صائمہ نے جواب دیا اور ایک خوبصورت فائل، میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے ان کاغذات پر اپنی منظوری دے دی صائمہ روشن علی نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔

"جناب! یہ بہت بڑا کام ہوا ہے۔ اس کی تفصیل جب اخبار میں آئے گی تو تہلکہ جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد صائمہ، کاغذات لے کر چلی گئی تو میں نے عظمت سے رابطہ قائم کی

"ہیلو، عظمت! شادی کی تیاری زبردست پیمانے پر ہو رہی ہو گی؟"

"نہیں، بھیا! میں تو فارغ ہوں۔ جو کچھ کر رہی ہیں، امی ہی کر رہی ہیں ---- وہ فائل لے آیا ہوں اور اس الجھن میں تھا کہ آپ کو کیسے پہنچاؤں۔"

"ٹھیک ہے، عظمت! میں طاہر کو تمھارے گھر بھیج رہا ہوں۔ فائل اس کے حوالے دینا۔"

"بہتر ہے ----"

"اور کوئی خاص بات ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں، باقی سب ٹھیک ہے۔" عظمت نے جواب دیا اور میں نے فون بند دیا ---- پھر میں نے طاہر کو بلا کر ہدایات دیں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے عدنان فون کیا اور اسے بتایا کہ کاغذات پہنچنے والے ہیں۔ اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میر پاس چلا آئے۔

"میں حاضر ہو رہا ہوں، پرنس!" عدنان نے جواب دیا۔ طاہر تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد اپس آیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے عدنان بھی پہنچ گیا۔ ہم نے دو گھنٹے تک ان کاغذات پر غور یا ان میں کئی نام ایسے تھے جو بہت کار آمد ثابت ہو سکتے تھے ---- یعنی ان کاغذات کے وض، ان لوگوں سے بڑی بڑی رقومات طلب کی جا سکتی تھیں۔

عدنان اس سلسلے میں دلچسپ پروگرام بناتا رہا۔ آخر میں، میں نے اس سے کہا۔ "تم س طرح چاہو، ان کاغذات کو استعمال کرو، مجھے بس سرمایہ درکار ہے۔"

"بالکل مناسب، جناب! اس کے علاوہ میں خود بھی چونکہ ذہنی طور پر مصروف رہا ہوں، س لیے ایک اطلاع پیش خدمت ہے۔" عدنان نے کہا۔

"ہاں ہاں، کہو۔"

"پرنس فورسیا جن کا تعلق ایک افریقی علاقے سے ہے اور جو ایک معزول صدر کی اہزادی ہیں یہاں آ رہی ہیں۔ ان کے پاس اعلیٰ پائے کے کچھ ہیرے ہیں اور وہ انھیں شہ اپنے پاس رکھتی ہیں۔ ان ہیروں کی شہرت تقریباً سارے یورپ میں پھیلی ہوئی ہے۔ رپ کے بڑے بڑے سرمایہ دار، ان ہیروں کو خریدنے کی پیش کش کر چکے ہیں لیکن نس فورسیا نے انھیں فروخت کرنا پسند نہیں کیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ، پرنس رسیا کے وہ ہیرے چرانے کی فکر میں ہیں۔ ہیروں کی مالیت کا اندازہ دو کروڑ ڈالر لگایا گیا ہے ---- اور دو کروڑ ڈالر کا مطلب سمجھتے ہیں، پرنس ----" عدنان نے معنی خیز لہجے ں کہا۔

"اوہ ---- تو مطلب ہے کہ ----"

"جی ہاں، پرنس! میرا یہی مطلب ہے۔ جب ہم سب کام کر رہے ہیں تو اس طرف یوں نہ توجہ دی جائے۔"

"کیا یہ مناسب ہو گا؟"

"پرنس! اگر ہم آگے نہیں بڑھے تو کوئی دوسرا گروہ کامیاب ہو جائے گا۔ جبکہ ہم، ان یروں سے اپنی مالی مشکلات پر کافی حد تک قابو پا سکتے ہیں۔"

"میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے، عدنان!"

"وہ کیا ----؟"

"یوں کرو کہ تم، پرنس فورسیا پر نظر رکھو اور انتظار کرو کہ کوئی گروہ، ان کے ہیرے رانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے بعد ہم، اس گروہ سے ہیرے حاصل کر لیں۔ کیا یال ہے، تمھارا؟"

عدنان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تشویش کے آثار پھیل گئے------ پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "اگر ہم اس گروہ سے ہیرے چھیننے میں کامیاب نہ ہو سکے تو------؟"

"یہیں تو ہماری برتری کا اظہار ہو گا' عدنان! اس گروہ کو ہیرے ہضم کر لینے میں کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ ہم دراصل پرنسس فورسیا کے بجائے' اس گروہ پر نظر رکھیں گے۔ اس مشن میں' میں خود بھی پیش پیش رہنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر' پرنس! میں اس پروگرام کو باقاعدہ ارینج کروں گا اور آپ کو اس سے باخبر رکھوں گا۔"

"پرنسس فورسیا پر نگاہ رکھو کہ وہ کب پہنچ رہی ہیں اور کہاں قیام کریں گی؟ ان کے بارے میں معلومات حاصل ہونا ضروری ہیں۔" میں نے کہا۔

"یقیناً پرنس! ایسا ہی ہو گا' جیسا آپ چاہیں گے۔"

"او۔کے' عدنان! خدا حافظ!" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور عدنان بھی اٹھ گیا۔ ان تمام ہنگاموں میں نہ جانے میرا ذہن کیسے کام کر رہا تھا۔ بعض اوقات' مجھے خود بھی حیرت ہونے لگتی تھی لیکن میں یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیا کرتا کہ حالات ہی مجھے اس سمت لائے ہیں۔ میں برا نہیں تھا' حالات ہی برے تھے۔

○

فینی کی فطرت' میرے لیے بڑی عجیب سی تھی۔ پہلے بھی اس نے ایک بار مجھے متحیر کر دیا تھا۔ بڑی عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھی۔ میں تو اسے موڈی ہی کہہ سکتا تھا۔

اس نے میری تیاری میں اتنا اہتمام کیا تھا کہ مجھے شرم سی آنے لگی تھی۔ اس نے ایک بہت ہی شاندار لباس میرے لیے منتخب کیا تھا۔ قمیص' جوتے' غرضیکہ ہر چیز۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن شام چھ بجے وہ' میرے پاس پہنچ گئی۔ بدلے بدلے سے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں میں شوخ چمک تھی۔

"پرنس------ چھ بج گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں' فینی! کیوں------ خیریت؟"

"تیاری نہیں کریں گے؟"

"ابھی سے------؟"

"ہاں' میں آپ کو تیار کرنے آئی ہوں۔"

"تم------"

"ہاں' پرنس------ اور اس سلسلے میں' میں' آپ کی مداخلت پسند نہیں کروں گی۔"

ں کے اس جملے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر تو کوئی جواز ہی نہ رہا' بولنے کا۔"

"جی ہاں------ کبھی کبھی ہمیں یہ حق ضرور ملنا چاہیے۔"

"تو ہے نا' بھئی------ ہم نے کب انکار کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر' میں نے شیو بنائی------ اور اس کے بعد فینی' میرے ہرے پر کچھ لوشن ملنے بیٹھ گئی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔

"فینی------ ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ خاموش رہیے بس۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ میں حیران رہ گیا۔ اس ے پہلے وہ اس قدر بے تکلفی سے کبھی مخاطب نہیں ہوئی تھی------ لیکن یہی تو میری کمزوری تھی۔ اپنائیت کا ہر جملہ مجھ پر اثر انداز ہوتا تھا' خواہ وہ کسی بھی شکل اور کسی بھی کیفیت میں ہو۔ چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کر لی------ اور فینی اپنے کام میں مصروف رہی۔

وہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی تھی اور اتنی بے تکلفی سے میرے چہرے کی مرمت کرنے میں لگی ہوئی تھی جیسے اس کا مجھ سے کوئی بہت ہی گہرا ناتا ہو۔

کافی دیر تک اپنے کام میں مصروف رہنے کے بعد' اس نے میری جان چھوڑی------ پھر میں لباس تبدیل کرنے کے لیے اٹھا تو وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"پرنس میں باہر موجود ہوں۔ لباس تبدیل کر لیں تو مجھے آواز دے لیجیے گا۔"

"گویا ابھی کام باقی ہے' مس فینی؟"

"جی ہاں------" اس نے جواب دیا اور مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔ عجیب سا والہانہ پن اور اپنائیت تھی' اس کے انداز میں۔ میں نے لباس تبدیل کر کے ٹائی باندھی اور اسے آواز دی۔

فینی نے اندر آ کر ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا------ پھر برش سے میرے بال سنوارے' ٹائی کی گرہ درست کی اور پھر کوٹ پہننے میں میری مدد کی۔

"شکریہ' فینی!" میں نے کوٹ پہننے کے بعد کہا۔ وہ جھکی اور رومال سے میرے جوتے صاف کرنے لگی۔

"ارے' ارے------" میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "اب یہ ناجائز حدود میں داخل ہونے لگا ہے۔"

"جی نہیں------ میں جائز و ناجائز حدود کا تعین کر چکی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"بہر طور میں تمہارا شکریہ ادا کر کے، تمہارے اپنائیت کے جذبے کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے کہا تو فینی نے چونک کر عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"پرنس ---- براہ کرم! ان تمام حرکات کو گستاخی پر محمول نہ کریں۔ بس میرا جی چاہا تھا کہ آپ کو بناؤں، سنواروں اس لیے خود کو باز نہ رکھ سکی ---- اور اس کے لیے میں نے اپنی ملازمت بھی داؤ پر لگا دی۔"

"فینی! کیا تم نے مجھے اتنا ہی درندہ صفت پایا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ---- ایک انسان کی حیثیت سے میں، آپ کی اتنی عزت کرتی ہوں کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے ---- بہرحال، پرنس! پونے سات بج رہے ہیں اور آپ کو ٹھیک سات بجے وہاں پہنچنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سلسلے میں بھی پرنس کی انفرادیت قائم رہے۔"

"اور وہ تحفہ ----؟" میں نے پوچھا۔

"گاڑی میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ باہر میری بہت ہی شاندار، لمبی اور چمچماتی ہوئی کار موجود تھی۔ باوردی ڈرائیور نے لپک کر میرے لیے کار کا دروازہ کھول دیا۔ طاہر اور اعظم، میرے اطراف میں کھڑے تھے۔ میں نے محسوس کیا، وہ دونوں پوری طرح مسلح تھے۔ میں کار میں بیٹھ گیا تو طاہر اور اعظم بھی ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ راستے میں طاہر نے بتایا۔

"ہمارے ساتھی اطراف میں موجود ہیں۔ آپ بالکل ---- مطمئن ہو کر تقریب میں شرکت کریں۔"

تھوڑی دیر بعد کار ہوم سیکریٹری کے بنگلے پر پہنچ گئی گیٹ پر مسلح پولیس متعین تھی۔ مہمان آ رہے تھے۔ کوٹھی کے بہت بڑے لان پر اس تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہوم سیکریٹری خود گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔

میری کار کو اجنبی نگاہوں سے دیکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے، میں پہلی بار کسی ایسی جگہ آیا تھا۔

طاہر اور اعظم جلدی سے نیچے اترے تھے۔ ڈرائیور نے گھوم کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور میں باہر آ گیا۔ ہوم سیکریٹری شاید صورت حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔ وہ کسی قدر متجسس انداز میں چند قدم آگے بڑھ آئے۔ میں پروقار انداز میں چلتا ہوا، ان کے قریب پہنچ

گیا۔ طاہر اور اعظم، کار کے پاس ہی کھڑے رہ گئے تھے۔

ہوم سیکریٹری آگے بڑھے اور انھوں نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو ----"

"دلاور ----" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ، پرنس! یقین کریں، میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ میرے ذہن میں آپ کی متعدد تصویریں تھیں لیکن آپ ان سب سے مختلف نکلے۔ پرنس! میں آپ کی آمد کا بے حد شکرگزار ہوں۔"

"میں نے عرض کیا تھا، نا ---- کہ آپ کا حکم، میرے لیے معمولی حیثیت نہیں رکھتا۔"

"جس قدر، آپ کا شکریہ ادا کروں، کم ہے، براہ کرم تشریف لائیں۔" ہوم سیکریٹری مجھے ساتھ لیے ہوئے ایک مخصوص میز پر پہنچ گئے جہاں تین افراد بیٹھے تھے۔

"یہ تمام حضرات، ہمارے ملک کے صنعت کاروں میں شامل ہیں۔ ہوم سیکریٹری نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ کاکا بھائی روئی والا ہیں، سیٹھ اکبر قدوس، اسٹیل اینڈ آئرن کنگ ---- یہ سیٹھ حاجی الٰہی ہیں۔" میں نے باری باری سب سے مصافحہ کیا۔

"اور یہ آپ کے سامنے ایک ایسی شخصیت کھڑی ہے جس کا نام سن کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔" ہوم سیکریٹری بولے۔

"نام تو بعد میں سن لیا جائے گا۔ شخصیت بذات خود بتا رہی ہے کہ وہ بہت کچھ ہے۔" سیٹھ حاجی الٰہی نے کہا۔" میں، آپ سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں، جناب!"

"پرنس دلاور ----" ہوم سیکریٹری نے کہا اور یہ الفاظ ان لوگوں کی سماعت پر بم کی طرح گرے تینوں کھڑے ہو گئے تھے اور بے یقین نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"اوہ، پرنس! آپ سے مل کر تو واقعی دلی مسرت ہوئی ہے۔" سیٹھ اکبر قدوس نے دوبارہ مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ نام تو ایک طلسمی حیثیت رکھتا تھا، ہم لوگوں کے درمیان ---- اور شاید آج اس تقریب میں شرکت، ہماری خوش بختی تھی کہ پرنس سے ملاقات ہو گئی۔"

"آپ لوگ تشریف رکھیے، مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔" میں ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور وہ تینوں بھی ہاتھ ملتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ان لوگوں کے انداز میں نیاز مندی سی پیدا ہو گئی تھی۔

"پرنس! مجھے چند لمحات کی اجازت عنایت فرمائیں گے-----؟" ہوم سیکریٹری نے کہا۔

"ضرور، ضرور----- آپ مہمانوں کو ریسیو کیجیے بلکہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں۔"

"آپ کی آمد نے ہماری تقریب کی مسرت کو دوبالا کر دیا ہے، پرنس! براہ کرم تشریف رکھیے----- اور آپ حضرات، ان کا خیال رکھیے۔" ہوم سیکریٹری نے ان تینوں سے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ پرنس ہمارے لیے بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔" حاجی الٰہی نے کہا اور ہوم سیکرٹری مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اس کے بعد ہمارے درمیان سلسلہ گفتگو شروع ہو گیا۔ میں اطراف میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ سیٹھ اکبر قدوس بولے۔

"پرنس! میرے خیال میں یہ پہلی تقریب ہے جس میں آپ عام لوگوں کے سامنے آئے ہیں۔ میں اس کی وجہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟"

"بس، کیا عرض کروں، مصروفیات نے کچھ غیر انسانی صفات بخش دی ہیں۔ حالانکہ ایسی تقاریب اور مل بیٹھنے کے مواقع ہر شخص کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہوتے ہیں ان میں انسان----- اپنی الجھنوں سے نکل کر دوسری باتیں کرتا ہے لیکن شاید میری تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں ہے۔"

"پرنس! آپ کا تو اسٹاف بھی بہت بڑا ہے----- بے شمار سیکریٹری ہوں گے، آپ کے۔ اتنا بوجھ کیوں طاری کئے ہوئے ہیں، آپ خود پر؟"

"میں اسے بوجھ نہیں سمجھتا----- بس یوں سمجھیں کہ کاروبار سے میری ذاتی دلچسپی مجھے اس قدر مصروف رکھتی ہے-----"

"اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر نئی صنعت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں، آپ سے معذرت خواہ ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں----- پرنس! آپ تو ہم صنعت کاروں کی ناک ہیں۔ ہم آپ کا نام بڑے فخر سے لیتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ! میری بدقسمتی ہے کہ میں اپنی فیلڈ کے لوگوں سے ناواقف ہوں۔"

پھر وہ وہاں پر موجود بڑے بڑے صنعت کاروں اور اعلا افسروں کے بارے میں بتانے لگے اور میں ایک ایک کی شکل کو اپنے ذہن کے پردوں پر نقش کرتا جا رہا تھا۔

سیٹھ جبار مجھے اب تک کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہوم سیکریٹری ایک اور شخصیت کے ساتھ ہمارے قریب آئے۔ درمیانی عمر کی یہ شخصیت اچھی خاصی بارعب و باوقار تھی۔ میرے علاوہ تینوں بھی کھڑے ہو گئے۔ اس شخصیت نے سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کیا۔

"پرنس دلاور! بلاشبہ آپ ایک مقناطیسی شخصیت رکھتے ہیں۔ ہم سب آپ سے ملنے کے خواہش مند تھے۔"

"آپ لوگوں نے مجھے جو عزت بخشی ہے، اس کا میں شکر گزار ہوں۔ ویسے جناب! آپ سے تعارف نہیں ہو سکا۔"

"وزیر داخلہ-----" ہوم سیکریٹری نے مودبانہ انداز میں بتایا اور میں نے دوبارہ بڑی گرم جوشی سے ان سے مصافحہ کیا۔ ان کی کرسی بھی وہیں لگا دی گئی اور وہ ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔

"آپ نے تو اس مختصر سے عرصے میں بڑی دھوم مچا دی ہے، پرنس!" وزیر داخلہ نے کہا۔

"بس کیا عرض کروں، جو دل چاہتا ہے، کرتا رہتا ہوں۔ اگر اس میں کوئی بات آپ حضرات کو پسند آ گئی ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

"نہیں، پرنس! سرکاری حلقوں میں آپ کا ایک الگ مقام ہے اور ہم ہمیشہ اس بات کے خواہاں رہتے ہیں کہ آپ کے احسانات کا بوجھ کچھ کم کر سکیں لیکن آپ اس کا موقع ہی نہیں دیتے، پرنس!"

"میرے لیے آپ کی محبت ہی کافی ہے اور آپ کے یہ الفاظ میرے دل و دماغ پر نقش ہو گئے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا مجھے صلہ مل رہا ہے۔"

رسمی گفتگو جاری تھی کہ میں نے سیٹھ جبار کو دیکھا۔

وہ اپنی کار سے اتر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اینجل بھی تھی۔ اب لطف آئے گا۔ میں نے سوچا۔ دفعتاً" عقب سے ایک آواز ابھری۔ میں چونک پڑا۔

"پرنس دلاور----- میں بھی آپ کے مداحوں میں سے ایک ہوں۔ ممکن ہے، آپ مجھے نہ پہچان سکیں لیکن مداحوں کو پہچاننا ضروری نہیں ہوتا اور نہ ہی مداحوں کو اس کی شکایت ہوتی ہے۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے پر جوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا۔ یہ وہی----- ڈی۔ آئی۔ جی تھے جو میری قیام گاہ پر مجھ سے ملاقات کر چکے تھے اور شاید

انھیں یقین تھا کہ میں پرنس دلاور نہیں' منصور ہوں----- وہ چند رسمی جملے کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

میری نگاہیں' پھر سیٹھ جبار کی طرف اٹھ گئیں۔ اینجل' لڑکیوں میں چلی گئی تھی۔ میں نے سیٹھ جبار کو ہوم سیکریٹری کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور حاجی الٰہی سے اس کے کاروبار کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

"یہ ہیں' آج کی اہم ترین شخصیت۔" مجھے اپنے قریب ہی ہوم سیکریٹری کی آواز سنائی دی۔ "سیٹھ جبار' آپ انھیں پہچان سکیں تو-----"

"میں نے ان کی طرف رخ پھیر لیا۔

سیٹھ جبار جہاں دیدہ اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بہت بری طرح چونکا تھا اور اس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"ہیلو----- " میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"آپ سیٹھ جبار سے واقف ہیں؟" ہوم سیکریٹری نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں' شاید یہ بھی بزنس مین ہیں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہت بڑے بزنس مین ہیں----- اور سیٹھ جبار شاید آپ میرے مہمان کو نہیں پہچان سکے۔"

"ہاں' میں نہیں پہچان سکا۔" سیٹھ جبار گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"پرنس دلاور-----" ہوم سیکریٹری نے اس کے سر پر دھماکا کیا۔

"سوری حضرات! وزیر دفاع تشریف لائے ہیں۔ میں ذرا انھیں ریسیو کر لوں۔" ہوم سیکریٹری آگے بڑھ گئے۔ میں نے سیٹھ جبار کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"بڑی خوشی ہوئی' آپ سے مل کر پرنس! سیٹھ جبار نے خود کو سنبھال کر' میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے رسمی سے انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

پھر وہ کرسی گھسیٹ کر میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ "آپ نے تو کاروبار کی دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے پرنس!"

"شکریہ-----"

"میں آپ سے ملاقات کا متمنی تھا۔"

"میری مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔"

"ہاں' آپ کی مصروفیات واقعی بے حد اہم ہیں۔ مجھ سے زیادہ اس کا اندازہ اور کسے ہو گا۔"

"آپ کیا کرتے ہیں' جبار صاحب؟"

"آپ کو علم نہیں-----؟"

"میرے اسٹاف کی نااہلی ہے کہ وہ غیر ضروری لوگوں کا تذکرہ مجھ سے نہیں کرتے۔ حالانکہ مجھے ہر چھوٹے سے چھوٹے بزنس مین سے واقف ہونا چاہیے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ اب آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ بہت سے دریچے کھل گئے ہیں۔ اب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیں گے۔"

"حاجی الٰہی صاحب! آپ بھاری مشینری کے کارخانے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ کو کیا الجھن در پیش ہے؟" میں نے سیٹھ جبار کو نظر انداز کر دیا۔

"میری مالی حالت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی پرنس! حالانکہ میرے پاس بڑے کارآمد لوگ موجود ہیں۔ تین' چار پلانٹ بیکار پڑے ہوئے ہیں میرے پاس۔ لاکھوں روپیہ لگے گا ان میں۔ حالانکہ زرعی آلات کی تیاری ملکی مفاد میں ہے۔"

"آپ حکومت سے قرض کیوں نہیں لے لیتے؟"

"میں پہلے ہی بہت مقروض ہوں۔ مجھے نئے قرضے نہیں مل سکتے۔ ابھی تو پچھلے قرضوں کی ادائیگی کر رہا ہوں۔"

"یہ تو بہتر نہیں ہے۔ آپ اتنا پیسہ خرچ کر چکے ہیں۔ اسے کارآمد ہونا چاہیے۔"

"ہاں بس' تقدیر ساتھ نہیں دے رہی ہے' پرنس!"

"کتنا سرمایہ درکار ہو گا' آپ کو؟"

"صحیح پیمانے پر کام کرنے کے لیے کم از کم دو کروڑ۔"

"آپ کسی وقت' مجھ سے رابطہ قائم کر لیجیے۔ آپ کی یہ مشکل دور ہو جائے گی۔"

"اوہ' پرنس! اگر آپ اس میں دلچسپی لیں تو میری مشکل حل ہو جائے گی۔ کچھ عرصے قبل' اس سلسلے میں سیٹھ جبار سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی لیکن ہم متفق نہ ہو سکے۔"

"اوہ----- کیوں؟"

"سیٹھ صاحب' میری شرکت سے متفق نہ تھے۔ وہ بہت کم قیمت پر یہ پلانٹ خریدنا چاہتے تھے۔ میری اصل لاگت سے بھی کم قیمت پر میں نے انکار کر دیا۔"

"ارے نہیں' حاجی صاحب! سیٹھ جبار بوڑھے ہو چکے ہیں' اتنی بھاری مشینری کا بوجھ کیسے اٹھائیں گے۔ آپ تیاری کریں۔ سرمایہ میں فراہم کروں گا۔"

"خدا کی قسم' پرنس! حصے دار بن جائیے پھر دیکھیے میں کیا کمال دکھاتا ہوں۔" حاجی الٰہی نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔

"نہیں، حاجی صاحب! میں گیدڑوں کی روش اختیار نہیں کرتا، شیر کی طرح شکار کر کے کھاتا ہوں----- اور پھر ملک کو ایسے غاصبوں سے پاک ہونا چاہیے جو ہر چیز پر اپنی اجارہ داری کے قائل ہوں۔ آپ پلاننگ کر کے کام شروع کیجئے، میں آپ کو سرمایہ فراہم کروں گا اور جب آپ کے حالات بہتر ہو جائیں تو اس کی ادائیگی کر دیں۔"

"مجھے نئی زندگی مل جائے گی، پرنس!"

"میری طرف سے اس زندگی کی مبارک باد قبول کریں۔" میں نے پر خلوص لہجے میں کہا۔

"پرنس! شکل و صورت کی طرح ایک حسین دل کے مالک ہیں۔ حاجی الٰہی یہ تقریب تمہارے لیے بہت ہی سعد رہی-----" سیٹھ جبار بولا۔ اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" حاجی الٰہی نے کہا۔

"سوری دوستو! میں معذرت چاہتا ہوں۔" سیٹھ جبار اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا۔

ہوم سیکریٹری ایک ایک شخص سے میرا تعارف کرا رہے تھے۔ حاجی الٰہی تو میرا بندہ بے دام ہو گیا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے لگا پھر رہا تھا۔ میں بھی تقریب کے شرکا میں گھل مل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے سیٹھ جبار کو ڈی۔ آئی۔ جی کے قریب دیکھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر کوئی بات کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اپنا تحفہ، ہوم سیکریٹری کی بیٹی کو پیش کیا۔ ہیروں کا نیکلس تھا۔

"یہ بہت قیمتی ہے، پرنس میں اس کا اہل نہیں ہوں۔" ہوم سیکریٹری بولے۔

"اس کے عوض کسی معاملے میں، آپ سے ناجائز اعانت----- چاہوں تو یہ تحفہ میرے منہ پر مار دیجئے گا۔" میں نے کہا۔ سیٹھ جبار بھی قریب ہی موجود تھا۔

"اوہ----- نہیں، پرنس! آپ ایک باوقار شخصیت ہیں۔"

اسی وقت اینجل نے مجھے دیکھا۔ بیٹی کی کیفیت بھی باپ سے مختلف نہیں ہوئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھے گھورنے لگی۔ پھر میں نے اسے کھسکتے دیکھا۔ وہ سیٹھ جبار کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ اس تقریب میں شریک ہو کر مجھے مسرت ہوئی تھی۔

نوجوان ایک طرف سمٹ گئے، بزرگوں نے الگ نشست جمالی۔ دوسری طرف موسیقی کا پروگرام شروع ہو گیا۔ میں وزیر دفاع اور دوسری اہم شخصیتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

دفعتاً" تین، چار لڑکے اور لڑکیاں میرے پاس پہنچ گئیں۔ ایک نوجوان نے جھک کر شوخی سے پوچھا۔ "معاف کیجئے گا، پرنس! آپ کی عمر کیا ہے؟"

میرے قریب بیٹھے ہوئے تمام لوگ چونک کر اس گستاخ کو دیکھنے لگے۔

"اس کا حساب کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی دوست!"

"حساب تو ہو گیا، پرنس!" نوجوان نے کہا۔

"وہ کیسے-----؟"

"آپ نے بزرگانہ لہجہ اختیار کرنے کے باوجود مجھے برخودار یا بیٹا نہیں کہا۔ پرنس! میری درخواست ہے کہ آپ، ہمارے ساتھ ہماری تفریحات میں شریک ہوں۔" نوجوان لجاجت سے بولا۔

"اوہ----- نہیں، بیٹے! پرنس کو مجبور مت کرو۔" ایک شخص نے کہا۔

"نہیں، چچا جان! اسے کوئی سرکاری یا کاروباری محفل نہ بنائیں۔ ہمیں اجازت دے دیں۔"

"چلو بھئی! ہم تو سب کے ہیں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر نوجوان کے ساتھ ہو لیا۔ دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے خوشی کے نعرے لگائے----- اور موسیقی جو ایک لمحے کے لیے رک گئی تھی پھر شروع ہو گئی۔ رقص کا پروگرام تھا، تصویریں بنائی جا رہی تھیں۔" بے شمار تصویریں میرے ساتھ بنائی گئیں۔

"میں آپ کے ساتھ ایک الگ تصویر بنواؤں گی، پرنس!" اینجل نے آگے بڑھ کر کہا۔

"آپ کو یقیناً اس کے لیے ہدایت ملی ہو گی۔ ضرور بنوائیے۔" میں نے کہا تو اینجل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی پھر وہ میرے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔

"کسی نوجوان کے ساتھ، یہ تمہاری پہلی تصویر ہو گی، اینجل!" ہوم سیکریٹری کی بیٹی نزہت نے کہا۔

"اس میں ان کا کوئی [illegible] نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ اس دوران میں تصویر بن گئی لیکن اینجل بدحواس نظر آ رہی تھی----- اس کا چہرہ عجیب سی کیفیات کا آئینہ دار تھا اور میں اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

یہاں بھی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ "پرنس! کیا آپ کسی ریاست کے مالک تھے؟"

"ہاں-----"

"کیا اب نہیں ہے؟"

"نہیں ------"

"کیا نام تھا اس کا؟"

"گھر ------" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب ------؟"

"میرا گھر ہی میری ریاست تھی۔"

"کیا یہ جواب عجیب نہیں ہے پرنس؟"

"ممکن ہے' آپ کو محسوس ہوا ہو ------ لیکن میں نے سچ کہا ہے۔ محبتیں' نام تخلیق کرتی ہیں۔ میں صرف نام کا پرنس ہوں۔ باقی سب کچھ میرا کاروبار ہے۔ جس نے اس نام کو استحکام دے دیا ہے۔"

"لیکن آپ نے لفظ' تھی' استعمال کیا ہے' پرنس ------ کیا اب آپ کا کوئی گھر نہیں ہے؟"

"اب میرا مکان ہے۔ ریاست' غاصبوں نے غصب کر لی۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کے پس منظر میں کوئی کہانی ہے؟"

"ہاں' وہ میری اپنی کہانی ہے۔"

"ہمیں یہ کہانی معلوم نہیں ہو سکتی' پرنس؟"

"نہیں ------ میں کہانیاں نہیں سناتا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

اسی وقت رقص کے لیے موسیقی شروع ہو گئی اور ساتھیوں کا انتخاب کیا جانے لگا۔ مجھے بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ کئی لڑکیوں کے ساتھ میں نے رقص کیا ------ پھر انجلا میری ہم رقص بنی۔ وہ میرے ساتھ فلور پر آ گئی۔

"میں نے تو آپ کو سولی پر دیکھا تھا۔" وہ لہراتی ہوئی بولی۔

"بڑی جلاد فطرت معلوم ہوتی ہیں' آپ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکل منصور ہیں آپ۔"

"اب تک کتنے منصور' سولی چڑھائے ہیں' آپ نے؟"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھا تو میں بھی نہیں ہوں۔"

"ہم پہلے کبھی نہیں ملے؟"

"شاید آپ کو یاد ہو۔"

"ہاں مجھے آپ کی شکل پہچانی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایک بات بتائیں گے' آپ؟"

"ضرور ------ پوچھئے۔"

"کیا بہت پہلے ------ کبھی آپ' ہماری کوٹھی پر آئے تھے؟"

"ماضی صرف دل میں رکھنے کی چیز ہوتی ہے۔"

"گویا آپ آئے تھے۔"

"آپ کے احساسات' آپ جانیں۔"

"آپ اعتراف نہیں کریں گے؟"

"میں انکار بھی نہیں کر رہا۔"

"عجیب الجھے ہوئے جواب دے رہے ہیں آپ' میں یہ سب کچھ خلوص سے پوچھ رہی ہوں۔"

"آپ کے خلوص کی کسوٹی کیا ہے؟"

"جو آپ منتخب کریں۔"

"صحیح جواب دیں گی؟"

"کوشش کروں گی۔"

"مجھے دیکھ کر آپ نے اپنے ڈیڈی سے کیا کہا تھا؟"

"آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"

"ہرگز نہیں ------"

"ہمارے ہاں ایک ڈرائیور ہوتا تھا آپ سے بے حد مشابہہ ------ اس سے ڈیڈی کے کچھ اختلافات ہو گئے۔ ڈیڈی نے اس کے خلاف کچھ کارروائی بھی کی تھی ------ پھر نہ جانے کیا کچھ ہوتا رہا۔ طارق صاحب شدید زخمی ہو گئے تھے۔ مجھے تفصیل نہیں معلوم آپ' اس ڈرائیور سے اس قدر مشابہہ ہیں کہ مجھے' آپ کو دیکھ کر سخت حیرت ہوئی تھی۔ میں نے ڈیڈی سے یہی کہا تھا۔"

"پھر آپ کے ڈیڈی نے کیا کہا؟"

"یہی کہ میں آپ کے قریب ہونے کی کوشش کروں۔"

"اور میرے ساتھ تصویر بھی کھنچوائیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں' ڈیڈی نے یہ بھی کہا تھا۔"

"آپ نے پوچھا نہیں کیوں؟"

"اس کا موقع نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ ڈیڈی بھی میری طرح حیران ہوں گے۔"

"آپ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہیں' اینجل! میرے جیسے تو آپ کے ڈرائیور ہیں۔"

"دیکھیے' پرنس! آپ وعدہ کر چکے ہیں کہ برا نہیں مانیں گے۔ میں نے صاف صاف آپ کو بتا دیا ہے۔ جس شخص کا میں نے آپ سے ذکر کیا ہے' وہ بہت سیدھا سادا انسان تھا۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی------ میں نے آپ کو وہ بھی بتا دیا ہے جو ڈیڈی نے خفیہ طور پر کہا تھا۔"

"اب تو آپ کے ڈیڈی ناراض ہوں گے۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔ ہمارے درمیان کوئی رنجش نہیں ہے۔"

"آپ سے دوبارہ ملاقات ہو سکے گی؟ حالانکہ جانتی ہوں کہ آپ کیا ہیں۔"

"کیا ہوں' میں؟"

"بہت بڑے اور مصروف آدمی۔ بڑے بڑے لوگ' آپ کے راستے میں بچھے جا رہے ہیں۔"

"یہ ان کا قصور ہے۔ میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"آپ سے دوبارہ ملاقات' میرے لیے بھی خوشی کا باعث ہو گی۔" میں نے کہا۔

"میں' آپ کو فون کروں گی۔"

"لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"فرمایئے------"

"یہ ملاقاتیں صرف میرے اور آپ کے درمیان رہیں گی۔ آپ کے ڈیڈی کو ان کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"وہ مجھے اجازت ہی کب دیں گے۔" اینجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی اثناء میں ایک اور لڑکی' میرے قریب آ گئی تو اینجل' مجھ سے دور ہو گئی۔ میں اس کے الفاظ کو پرکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ اپنے باپ کی کارروائیوں سے بے خبر ہے؟ یا پھر وہ اپنے باپ کے ایما پر چال چل رہی ہے۔ بہر صورت اگر وہ ایسا بھی کر رہی ہے تو میں اسے کھل کر سامنے آنے پر مجبور کردوں گا۔

نوجوانوں کے ہنگامے کا دور ختم ہوا تو ہم' ڈنر ٹیبل پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی تمام بڑے بڑے لوگ' میرے ساتھ تھے۔ ہوم سیکریٹری نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"پرنس! یہاں آپ کی سطح سے کچھ نیچی باتیں بھی ہوئی ہوں گی۔ امید ہے' آپ

انہیں محسوس نہیں کریں گے۔ آپ نے جس طرح میری اس تقریب کو رونق بخشی ہے' اس کے لیے میں' آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"انسان کی کوئی سطح نہیں ہوتی' محترم! وہ خود اپنی سطح مقرر کر لیتا ہے ورنہ وہ ہر قسم کے ماحول اور حالات میں خود کو ڈھال لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"آپ کے افکار بھی آپ کی شخصیت ہی کی طرح بلند ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے۔"

ڈنر کے بعد میں نے ان سے اجازت چاہی تو سیٹھ جبار' میرے قریب پہنچ گیا۔

"پرنس! اب تو آپ نے اپنی طلسمی شخصیت کا خول توڑ ہی دیا ہے۔ اس بات کے امکانات روشن ہیں کہ اب آپ پبلک مقامات پر بھی نظر آ جایا کریں گے------ تو پھر کیوں نہ آپ' میری طرف سے ایک دعوت قبول کر لیں۔"

○

"غور کروں گا' مسٹر جبار! دراصل ہم لوگوں کے معمولات بھی کاروباری ہوتے ہیں۔ ہمارے ہونٹوں پر سجی ہوئی مسکراہٹ بھی قیمت رکھتی ہے۔ اگر مجھے آپ سے کچھ لینا ہو گا تو یقینی طور پر آپ کی محفل میں شرکت کروں گا۔" میری اس بات پر آس پاس کھڑے ہوئے لوگ ہنسنے لگے اور سیٹھ جبار خجل سا ہو گیا۔

"ویسے میں بھی کچھ مصروفیات رکھتا ہوں اور یہ سب------ حضرات جانتے ہیں کہ میں خاص ہی خاص محفلوں میں شرکت کرتا ہوں------ بہر حال' اس محفل میں شرکت میرے لیے کار آمد ثابت ہوئی۔ کیونکہ مجھے جس کی تلاش تھی' وہ مل گیا۔"

"یعنی------ ؟" میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ معنی خیز انداز میں ہنستا ہوا پلٹ گیا۔ میں بھی حقارت آمیز انداز میں مسکراتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ آج کا یہ پروگرام بڑا کامیاب رہا تھا اور کئی نئی راہیں کھل گئی تھیں۔

رات کو تین بجے' تغلق خان کا فون موصول ہوا تھا۔ فون اگر تغلق خان کا نہ ہوتا تو کوئی' اس وقت مجھے جگانے کی کوشش کبھی نہ کرتی۔

"ہیلو' تغلق خان! میں پرنس دلاور بول رہا ہوں۔ مجھے بڑی بے چینی سے تمہارے فون کا انتظار تھا۔"

"یہاں قیامت آئی ہوئی ہے' پرنس! کیا آج آپ کی تقریب میں شریک ہوئے تھے' کیا سیٹھ جبار سے آپ کی------ ملاقات ہوئی؟"

”ہاں-----“

”بس واپس آتے ہی سیٹھ جبار پر دورے پڑنے لگے۔ اسی وقت چمن کو بلایا گیا۔ وہ اس وقت بھی کوٹھی میں موجود ہے----- شہباز فورترے کی بھی شامت آگئی۔ بڑی لعن طعن ہوئی ہے' اس پر اور اسے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اس کی یہی کارکردگی رہی تو اسے اس کی حیثیت سے محروم کر دیا جائے گا----- اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حیثیت سے محروم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی بھی چھین لی جائے گی۔ ہر اس جگہ منصور کو تلاش کیا جا رہا ہے جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ شاید اس تقریب میں آپ کی تصاویر بھی اتاری گئی تھیں۔ فوری طور پر ان کے پرنٹ تیار ہو کر آگئے ہیں اور ان کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہے۔ ہر شخص سے تصدیق کرائی جا رہی ہے کہ یہ منصور ہے یا پرنس دلاور----- کڑیاں ملانے کے لیے بہت سے ممالک کو کیبل دئے گئے ہیں اور معلوم کیا جا رہا ہے کہ منصور کہاں سے کہاں تک پہنچا۔ چمن بے چارے کی تو بڑی بری طرح شامت آئی ہے۔ کیونکہ منصور کو اس کی آخری آرامگاہ تک پہنچانے وہی گیا تھا۔ مجھے بھی آپ کے کئی پرنٹ دئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعے اس جگہ سے جہاں آپ کسی زمانے میں مقیم تھے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کروں----- پرنس دلاور نے آج تک سیٹھ جبار کے خلاف جو کچھ کیا ہے' اس کی فائلیں منگوا کر نقصان کا تخمینہ لگایا جا رہا ہے۔“

”ویری گڈ----- ویسے یوسف کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا' تغلق خان!“

”جی ہاں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ یوسف کو چھڑا لیا گیا ہے----- عدنان سے اس سلسلے میں تھوڑی سی گفتگو ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ-----؟“

”نہیں پرنس----- اس وقت تکلیف دینے کی معذرت چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کل دن میں کسی بھی وقت مجھے موقع نہیں ملے گا۔ اگر کوئی خاص بات ہوئی تو موقع ملتے ہی اطلاع دوں گا۔ اس وقت تک کے لیے اجازت-----“

”میں جانتا ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔“

”او۔ کے پرنس! میرے خیال میں کام اب صحیح طور پر شروع ہوا ہے۔ سیٹھ جبار پرنس دلاور کی طرف سے پریشان ضرور تھا اور اپنے نقصانات پر تلملا بھی رہا تھا لیکن آپ سے ملاقات کے بعد اس کے اندر ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی ہے----- اور وہ شاید آپ کو پہچان چکا ہے۔“

”پہچاننا ہی تھا۔ بہرطور میں اسے ذہنی مریض بنادوں گا' اس کی وہ حالت کر دوں گا کہ کتوں کی طرح سڑکوں پر بھونکتا پھرے گا۔“

”میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں۔“ تغلق خان نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سیٹھ جبار اب چین سے نہیں بیٹھے گا۔ میں نے سوچا۔ لہٰذا مجھے بھی اب اپنے کام کی رفتار تیز کر دینی چاہیے۔ صحیح معلومات حاصل ہو جائیں تو اس سلسلے میں نئے محاذ کھولوں

بہرطور یہ سب باتیں' صبح سوچنے کی تھیں۔ اس لیے میں اطمینان سے لیٹ گیا۔ دن رات' دونوں ہی ہنگامہ خیز تھے۔ صبح سب سے پہلے میں نے پروفیسر شیرازی کو فون کیا ان سے راشدہ کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں باتیں کیں۔ گیارہ بجے عدنان سے فون ذریعے صورت حال معلوم کی۔

”لطف آگیا ہے' پرنس! پہلی ہی پارٹی کو ہم اسی لاکھ روپے سے کاٹ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب-----؟“

”عارف توصیف کا نام تو آپ کے ذہن میں ہو گا۔ یہ شخص بڑے گھناؤنے جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔ میں نے اس پر کروڑ روپے کا جرمانہ عاید کیا تھا----- ایک کروڑ کے بدلے میں نے اس کے کاغذات اسے واپس کر دینے کی پیش کش کی تو اس کی حالت خراب ہو گئی----- گڑگڑانے لگا لیکن میں جانتا تھا کہ تگڑی اسامی ہے اور اتنی رقم دے سکتا ہے۔ اگر پارٹیاں اسی شرافت سے ہمارے ساتھ تعاون کرتی رہیں تو ہمارا مسئلہ بخیرو خوبی حل ہو جائے گا۔“

”ہاں----- لیکن ہر کام نہایت ہوشیاری سے ہونا چاہیے----- عدنان! ہم اس وقت چومکھی لڑ رہے ہیں۔ سب کو اپنے خلاف کر کے ہم کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔“

”آپ مطمئن رہیں پرنس!“

”بھئی میں تم سے زیادہ مطمئن اور کس سے ہو سکتا ہوں؟“

”کوئی خاص بات ہوئی تو آپ سے دوبارہ رابطہ قائم----- کروں گا۔“

”او۔کے!“ میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ فی الحال اردگرد کے حالات تسلی بخش تھے جو کام ہو رہا تھا' اس میں تسلی بخش کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

بارہ بجے' سیٹھ حاجی الٰہی کا فون موصول ہوا۔ ”پرنس! آپ کا خادم بول رہا ہے۔“

”فرمایئے حاجی صاحب!“

”ساری رات سو نہیں سکا' پرنس! چھوٹا آدمی ہوں' لہٰذا دل بھی چھوٹا ہے۔ برا نہ

مانئے گا، کل ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی، کیا وہ سنجیدگی پر مبنی تھی؟"

"آپ کا کیا خیال ہے، حاجی صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"میں کیا عرض کروں، آپ نے ایسی بات کہی ہے جو آج تک ایک بزنس مین نے دوسرے بزنس مین سے نہیں کہی۔"

"حاجی صاحب! زندگی میں بہت سے مراحل آتے ہیں---- کاروبار تو صرف زندگی کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے نیندیں حرام کرنا، اچھی بات نہیں۔ آپ کے خیال میں بدن کا کون سا عضو، سب سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"ایں---- میرے خیال میں تو بدن کا کوئی عضو بھی سستا نہیں ہے۔" حاجی صاحب بولے۔

"ٹھیک کہا، آپ نے---- لیکن ان میں زبان بہت نمایاں ہے، جو کچھ اس سے ادا ہوتا ہے، بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"کہیں---- کہیں ایسا نہیں ہوتا۔" حاجی صاحب الجھی ہوئی سانسوں کے درمیان بولے۔

"بالکل---- میں یہ بات مانتا ہوں لیکن سیٹھ جبار کی یہ بات مجھے بہت ناگوار گزری کہ وہ دولت کے بل بوتے پر دوسروں کی روزی چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے، اس پر عمل بھی ہو گا۔ آپ اپنی تیاری مکمل کر کے میرے دفتر سے رابطہ قائم کر لیں---- میں ہدایت دے دوں گا۔"

"کاغذات تو بہت دنوں سے تیار پڑے ہیں۔ پچاس لاکھ ایڈوانس کی ضرورت ہے تاکہ سودا پکا کر لیا جائے۔"

"کسی آدمی کو بھیج کر ایڈوانس کا چیک منگوالیں۔"

"میں خود پہنچ رہا ہوں۔"

"میرے دفتر----"

"جی بہت بہتر۔ اس سلسلے میں کوئی ضمانت بھی دینی ہو گی؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔

"بتایئے، پرنس! کیا ضمانت دوں؟"

"اپنی دوستی اور خلوص کی، خدا حافظ!" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا اور صاحب روشن علی کو اس سلسلے میں ہدایت جاری کر دی۔ میں سیٹھ جبار کو ہر مرحلے پر شکست دینا چاہتا تھا۔

شام تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ رات کو دل نہ مانا تو میں بھیس بدل کر پروفیسر شیرازی کے ہاں پہنچ گیا۔ حسینہ کہیں سے ڈھولک لے آئی تھی اور نہ جانے کیا کیا گا رہی تھی۔ بہروز، سرخاب اور گل بھی اس کے ساتھ شامل تھیں۔ مجھے دیکھ کر سب جھینپ گئیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے---- ارے کیوں؟" سرخاب نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے درمیان صرف میں اجنبی ہوں۔"

"وہ کیسے جناب؟"

"آپ لوگ گاتے گاتے رک جو گئیں۔"

"یہ تو بھیا کا احترام ہے۔"

"تو پھر میں جا رہا ہوں۔ بلاوجہ آپ کو پریشان کیا۔"

"جی نہیں۔ اب احترام وحترام نہیں کیا جائے گا۔ آیئے آپ بھی گایئے۔ چل، حسینہ! ڈھولک بجا۔" سرخاب بولی اور حسینہ پھر ڈھولک پیٹنے لگی---- تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر میں پروفیسر شیرازی کے پاس پہنچ گیا۔

"بھئی منصور! سچی بات یہ ہے کہ بعض اوقات انسان---- جان بوجھ کر خوشیوں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اب مجھے دیکھو۔ کروڑوں روپیہ تھا، میرے پاس---- لیکن اس کے باوجود تنہا خاموش اور گھٹی گھٹی زندگی گزار رہا تھا۔ ہم باپ بیٹی کے درمیان بھی صرف رسمی سا رشتہ رہ گیا تھا۔ حقیقی زندگی تو یہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی معصوم مسرتیں زندگی میں کتنا اضافہ کرتی ہیں یہ فلسفے کی کتابیں نہ بتا سکیں۔ تم میری صحت دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں---- آپ پہلے سے اچھے نظر آتے ہیں۔"

"تمھارا فلسفہ اپنانے کے بعد۔"

"یہ آپ کی عظمت ہے، پروفیسر!"

"عظمت---- اوہ ہاں---- عظمت کی طرف سب تیاریاں مکمل ہیں نا؟ کوئی دقت تو نہیں ہے؟"

"نہیں آپ نے اسے فون نہیں کیا؟"

"نہیں بھئی! میں بیٹی والا ہوں۔ زیادہ خوشامد نہیں کرنا چاہتا لڑکے والوں کی۔" پروفیسر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ تمھارے معاملات کیسے جا رہے ہیں؟"

"بس، آپ کی دولت لٹا رہا ہوں۔"

"لٹا دو' اس منحوس شے کو' جس نے ہماری ذات پر تسلط جما کر' ہمیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے محروم کر رکھا تھا۔" پروفیسر نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

میں عقیدت بھری نظروں سے انھیں دیکھنے لگا۔

"یہ بتاؤ صورت حال کیا ہے؟"

"بہت مناسب------ میں آپ کو ہوم سیکریٹری کے ہاں کی تقریب کی رپورٹ دینی چاہتا تھا۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر شیرازی نے چونک کر پوچھا۔

"میں اس تقریب میں پرنس دلاور کی حیثیت سے شریک ہو چکا ہوں۔"

"ارے واہ------ گویا پرنس دلاور منظر عام پر آ گئے۔"

"آپ تو بالکل الگ ہو کر بیٹھ گئے ہیں' ان معاملات سے------ جبکہ میں چاہتا ہ کہ میری ہر کارروائی سے آپ باخبر رہیں۔" میں نے کہا۔

"دیکھو بھئی------ ہم تو اپنا فرض ادا کر کے گوشہ نشین ہو گئے ہیں تمام اختیارا تمہارے حوالے کر دیئے ہیں جو لوگ میں نے تمہیں دیئے ہیں' ان پر مجھے اعتماد ضرور کہ وہ جو کچھ بھی کریں گے' تمہارے حق میں بہتر کریں گے۔ میں نے سخت جستجو کے ب ان لوگوں کا انتخاب کیا ہے لیکن اس کے باوجود' اگر تم ان میں کسی قسم کی کمی یا کمزو محسوس کرو تو مجھے اس سے آگاہ کر دینا------ میں خود دیکھ لوں گا------ باقی رہا م معاملہ تو دیکھو بیٹے! میں تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اب میں ایک نہیں بلکہ بیٹیوں کا باپ ہوں۔ ایک بہن بھی ہے میری جس کا نام گل ہے۔ اور مجھے اپنی اس چھ سی فیملی کو سنبھال کر ایک گوشے میں بیٹھنا چاہیے تمہارے معاملات سے بالکل الگ ر چاہیے------ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارے معاملات سے بالکل بے تعلق ہو چکا ہوں۔"

"آپ کا یہ خیال درست ہے میں' آپ کی اس بات سے بھی بالکل متفق ہوں آپ ان معاملات سے علیحدہ رہیں------ بہرطور ہوم سیکریٹری کے بے حد اصرار پر م ان کی تقریب میں شرکت کرنی پڑی------ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس تقریب م شریک ہو کر میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔"

"ہاں' سناؤ۔" پروفیسر شیرازی نے دلچسپی سے پوچھا۔ "کیا اس تقریب میں سیٹھ جا بھی موجود تھا؟"

"جی ہاں۔"

"ویری گڈ------ تمہاری اس سے ملاقات ہوئی؟"

"جی ہاں ہوئی۔"

"بھئی' ذرا تفصیل سے بتاؤ' سب کچھ------ تم نے تو مجھے متجسس کر دیا ہے۔"

پھر میں نے تفصیل سے انھیں اس تقریب کے بارے میں بتایا------ پروفیسر شیرازی بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ اب ان کی سنجیدہ طبیعت میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اب وہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر خوش ہوتے بچوں کی طرح قہقہے لگاتے تھے۔ ان کی ی ہی بدل گئی تھی۔

"بخدا' بعض اوقات' بہت ہی نایاب ہیرے مٹی میں دفن ہو جاتے ہیں ان کا کوئی پتہ چلتا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ تمہارے ذہن کی پوشیدہ صلاحیتیں اس طرح ابھر کر سامنے ں گی۔ میں تمہاری کارروائیوں سے بے حد مطمئن ہوں۔" پروفیسر نے پُر جوش لہجے ا۔

"اس میں آپ کی ذاتی کاوشوں کو بہت بڑا دخل ہے۔" میں نے انکسار سے کہا۔ اپنے بارے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں' ہاں------ کہو بھئی!"

"پروفیسر یہ حیثیت' یہ دولت سب کچھ میرے لیے------ بے معنی ہے۔ میں منصور ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے والا------ اسی حیثیت سے مرنا چاہتا ہوں۔ یہ سب آپ کی امانت ہے جسے آپ نے ایک مقصد کے تحت میرے سپرد کیا ہے۔ وہ مقصد نے کے بعد میں اپنی دنیا میں لوٹ جاؤں گا۔ یہ میرا عہد ہے۔"

پروفیسر نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس سلسلے میں مجبور وں گا' منصور! میں جانتا ہوں کہ انسان ہمیشہ اپنی ذات میں مکمل ہوتا ہے' اپنے آپ ندہ رہتا ہے۔ اگر تم اتنے بلند نہ ہوتے تو میں بھی تمہارے لیے اتنی بلندیوں کا تعین نہ کرتا------ تم خود مختار ہو میں تمہیں کسی سلسلے میں مجبور نہیں کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ پروفیسر! میں آپ سے اسی بات کا متوقع تھا۔"

"ٹھیک ہے' منصور! ہونا بھی یہی چاہیے۔ جب میں نے اس لعنت سے نجات حاصل ہے تو میں تمہیں کیوں اس دلدل میں پھنسا رہنے دوں۔ جو کچھ ہے' اسے ان لوگوں میں کر دینا' جو مستحق ہوں۔ یہ ان کی ملکیت ہے------ ہماری نہیں۔ ہاں ہمیں اپنی گزارنے کے لیے جو کچھ درکار ہے وہ ہم اپنے پاس ضرور رکھ لیں گے۔"

"پروفیسر! آپ نے سرخاب کے بارے میں کچھ نہیں سوچا؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی میں کیا سوچوں تم بتاؤ! تم اس کے بھائی ہو۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ ویسے

میری خواہش تھی کہ سرخاب بھی میری زندگی میں وہ مقام حاصل کر لیتی جو ہر لڑکی
ہے لیکن وہ بہت ضدی ہے اس کی یہ ضد ایک پرخلوص جذبے پر مبنی ہے۔ ہم
میں اس سے اپنی بات نہیں منوا سکتے۔"

"کاش سرخاب مان جاتی ---- بہرطور میں کوشش کروں گا۔"

"جیسے مناسب سمجھو۔ ویسے ابھی وقت ہے منصور! ابھی اس کی عمر پریشان کن
داخل نہیں ہوئی۔" پروفیسر نے کہا۔ میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو وہی سناٹا خاموشی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے
کر میں طرح طرح کے خیالات میں الجھا رہا۔ نیند بھی نہیں آ رہی تھی ---- پ
دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی نے سہارا دیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ای
آواز سنائی دی۔

"ہیلو! پرنس دلاور سے ملنا چاہتی ہوں۔"

فینی رات کو سونے سے قبل میرا فون ڈائریکٹ کر دیتی تھی ---- میں اس
پہچان نہیں سکا تھا۔ "کیا کام ہے، آپ کو ان سے؟" میں نے پوچھا۔

"ذاتی کام ہے۔ براہ کرم ذرا انھیں زحمت دیجیے گا۔"

"میں پرنس دلاور ہی بول رہا ہوں۔"

"کیا واقعی؟"

"جی ---- آپ کون ہیں؟"

"پہچانیے تو جانیں؟"

"معافی چاہتا ہوں۔ اتنی دیر سے پہچاننے کی کوشش ہی کر رہا تھا لیکن کامیاب
سکا۔"

"بدنصیبی ہے ہماری ---- کچھ آوازیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ انھیں یا
جائے۔"

"اینجل ---- ؟" میں نے پوچھا

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے بالکل ہی مایوس نہیں کیا۔"

"اوہ مس اینجل! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"بہت خراب۔" اینجل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بس آپ نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ مزاج اچھے ---- نہیں ہیں۔"

پوچھ سکتا ہوں؟"

"---- "

ا دیجیے۔"

جب بھی آپ کے بارے میں سوچتی ہوں تو متضاد کیفیات کا شکار ہو جاتی ہوں۔
ہے کہ آپ نے مجھے بری طرح نظرانداز کیا ہے' پرنس دلاور ---- میں خود
م کی لڑکی نہیں ہوں کہ فضول قسم کی دوستیاں بڑھاؤں لیکن انسان ہوں۔ کبھی
ہتا ہے کہ کسی سے دوستی کی جائے ---- آپ کی شخصیت تو میرے لیے بیحد
۔ میں نے جتنا آپ کے بارے میں سوچا الجھتی چلی گئی ---- آپ کی شکل
لتی جلتی ہے۔ میری اس سے زیادہ ملاقات تو نہیں رہی لیکن آپ کو دیکھتے ہی
ے اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔ عجیب سی تمکنت تھی' اس کے انداز میں عجیب
۔ وہ تیور مجھے ہمیشہ یاد رہے ---- پھر اڑتی اڑتی خبریں سنی گئیں کہ منصور
لیے تکلیف دہ اور خطرناک ہے۔ ایک آدھ بار پھر میری اس سے ملاقات ہوئی
داز میں کہ وہ ڈیڈی کے عتاب کا شکار تھا۔ میں اس کے لیے اپنے دل میں
ی ہی محسوس کر سکی۔ میں نے ایک دو بار ڈیڈی سے دبی زبان سے پوچھا کہ
؟ لیکن ڈیڈی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس یہی کہا کہ میں ان کے کاروباری
مداخلت نہ کروں جب تک کہ وہ خود پسند نہ کریں ---- لیکن پرنس! آپ کو
عجیب سا احساس ہوا ---- اور اس کی تصدیق بھی ہوتی جا رہی ہے۔"

ہے مس اینجل؟"

سوالات مجھ سے ہی کیے جائیں گے' خود کچھ نہیں ---- بتائیں گے کیا؟"

کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟"

آپ واقعی منصور ہیں؟"

آپ کا ڈرائیور ---- ؟"

نہیں .... پلیز! دیکھئے' میں' آپ کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتی جو بات تھی' میں
لی سے بتا دی۔"

نے آپ کی صاف گوئی کا برا نہیں مانا مس اینجل!"

ہنا دیجیے نا؟"

اینجل! آپ چاہیں تو مجھے منصور سمجھ سکتی ہیں۔ بھلا میں' آپ کو کیسے روک

"نہیں بھئی! یہاں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ بھی میرے لیے بہت پریشان کن ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ڈیڈی پر نہ جانے کیا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ انھیں چاروں طرف منصور کے ب
نظر آ رہے ہیں۔ مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ تم بتاؤ' وہ منصور ہے یا نہیں؟ میں نے
ڈیڈی! اس کی شکل و صورت تو وہی ہے---- بلکہ میں' آپ کو بتا چکی ہوں' پرنس
جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو ڈیڈی سے کہا تھا کہ یہ شخص' منصور سے بے حد مش
ہے۔ بہر طور' یہاں آپ کے بارے میں بڑی شدومد سے معلومات حاصل کی جا رہی ہ
ڈیڈی بے خوابی کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے گزشتہ رات بھی انھیں جاگتے دیکھا تھا آج
وہ دن بھر اپنے کمرے میں رہے۔ دوپہر کے کھانے پر بھی نہیں آئے اور اس وقت بھ
جاگ رہے ہیں۔ ان کے کمرے میں تیز روشنی ہے۔ اپنے کمرے میں آتے ہوئے' میں
ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ میز پر کاغذات پھیلائے بیٹھے ہیں۔ سامنے
فون رکھا ہے اور ہر دوسرے' تیسرے منٹ پر کسی نہ کسی کو رنگ کرتے ہیں۔ یہ کیا سل
ہے' پرنس! پلیز' مجھے بتا دیجیے۔"

"مس اینجل! آپ یہ ساری باتیں مجھے بتا رہی ہیں---- اگر آپ کے ڈیڈی' م
وجہ سے پریشان ہیں تو آپ کو مجھ سے اتنا رابطہ نہیں رکھنا چاہیے۔"

"پرنس! سچائی کے قائل ہیں' آپ؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"سچائی بذات خود ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو قائل کر دیتی ہے۔"

"اگر میں کچھ کہوں تو آپ' مجھے ذلیل تو نہ سمجھیں گے؟"

"آپ کچھ بھی کہیے: یہ وعدہ ہے کہ کبھی آپ کی بات کو برا نہیں سمجھوں گا۔" م
نے مکاری سے کہا۔

"تو' پرنس---- خواہ آپ منصور ہوں یا دلاور' میں اس سے قطع نظر' اپنے دل
دماغ میں آپ کے لیے جگہ پاتی ہوں۔"

میں اینجل کے الفاظ پر غور کرنے لگا---- کیا درحقیقت سیٹھ جبار کی بیٹی اتنی ہ
سادہ دل ہے' جتنا خود کو ظاہر کر رہی ہے---- یہ فیصلہ کرنا اتنی جلدی ممکن نہیں تھا۔

"ہیلو' پرنس----" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں' اینجل! میں سن رہا ہوں۔"

"آپ نے میری بات کا برا تو نہیں مانا؟"

"مرد ان باتوں کا برا نہیں مانتے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کی حیثیت عام مردوں سے بالاتر ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"میں عرض کرنا چاہتی ہوں' پرنس! کہ آپ جس قدر پرکشش اور سحر انگیز شخصیت
الک ہیں' اس کے تحت' میرے خیال میں ہر دل پھینک لڑکی' آپ کی طرف متوجہ ہو
ہے۔ میں نہیں کہتی کہ مجھ میں کوئی خاص بات ہے' بس' جذبات ہیں۔ میں' منصور کو
ظر انداز نہیں کر سکی تھی---- پھر جب آپ منصور کی شکل میں میرے سامنے
تو میرے ذہن کی گہرائی سے وہی کلبلاہٹیں سر ابھارنے لگیں اور میں' آپ تک پہنچ
یں نے انتظار کیا اور سوچا کہ ممکن ہے' میری ذات میں کوئی ایسی خوبی ہو یا میرے
ت میں سچائی ہو تو آپ مجھے فون کریں گے---- لیکن میں جان گئی ہوں کہ میں اس
نہیں---- چنانچہ میں خود ہی آپ کو فون کر بیٹھی۔"

اینجل خاموش ہو گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا جواب دوں۔ سیٹھ
ے میری نفرت اس قدر گہری تھی کہ میں اس کے خاندان کے کسی فرد کو بھی اپنے
ذبات میں شامل نہیں کر سکتا تھا---- لیکن اینجل جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ اس کے
ت کی عکاسی تھی۔ پتہ نہیں' یہ لڑکی اپنے باپ سے کس قدر متاثر ہے؟ بہر حال' میں
نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا---- حالانکہ میری نفرت کے
ے یہ سمت بھی اختیار کر سکتے تھے کہ اگر امی اور فریدہ' سیٹھ جبار کی وجہ سے دربدر
ہیں تو میں اس کی بیٹی کو اپنا شکار کیوں نہ بناؤں---- لیکن میں مجبور تھا۔ میری
میں یہ غلاظت نہیں تھی۔ میرے ذہن میں' اس انتقامی جذبے نے کبھی سر نہیں

"آپ بار بار کہیں کھو جاتے ہیں' پرنس! کیا میں آپ کی نگاہ میں کوئی حیثیت اختیار
ر سکتی؟"

"مس اینجل! میں سچائی کے ساتھ آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے' آپ
پسند نہ کریں۔"

"شاید میں اتنا ظرف پیدا کر سکوں کہ سچائی کو ناپسند نہ کروں۔" اینجل نے جواب

"تو سنیں' مس اینجل! سیٹھ جبار' میرے کاروباری حریف ہیں۔ کاروباری طور پر ہمیں
دوسرے سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر آپ کے والد کو نقصان پہنچے گا تو تنا آپ
ل سے متاثر ہوں گی۔ کیا اس وقت آپ اپنے والد سے انحراف کر سکیں گی؟"

"میرے پاس اتنے وسائل ہیں کہ میں ان سے الگ رہ سکوں۔ انھوں نے خود ہی مجھے اپنے معاملات سے الگ کر رکھا ہے۔ کاروبار میں نفع و نقصان کی باتیں وہ جانیں اور آپ جانیں۔ اگر ذاتی طور پر ہمارا تعلق رہے------ تو کیا حرج ہے' پرنس؟"

"ہاں' ہم ذاتی طور پر اچھے دوست بن سکتے ہیں------ میں نہیں چاہتا کہ تم' اپنے والد کے لیے میرے خلاف معلومات کا ذریعہ بنو۔" میں نے کہا۔

"نہیں' پرنس! ہماری دوستی صرف ہماری ذات تک محدود رہے گی۔"

"اگر میں مکر و فریب سے کام لیتا' اینجل! تو اس وقت تم سے وعدہ کر لیتا------ بہرطور' میں تمھاری ان باتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگر مناسب سمجھو تو کبھی کبھی مل لیا کرو لیکن اس بات کو بھی ذہن نشین کر لو کہ یہ ملاقاتیں خفیہ ہونی چاہئیں۔"

"وعدہ------" اینجل نے مسرور لہجے میں کہا۔" تو پھر کب مل رہے ہیں' پرنس؟"

"اس کا تعین بھی آپ ہی کر لیں۔"

"نہیں' آپ جہاں اور جس وقت کہیں گے' میں پہنچ جاؤں گی۔"

"آپ کا کوئی ذاتی فون نمبر ہے؟"

"جی ہاں نوٹ کر لیجیے۔" اینجل نے جواب دیا اور ایک ٹیلی فون نمبر مجھے بتا دیا جسے میں نے ذہن نشین کر لیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں رنگ کر کے آپ کو اطلاع دے دوں گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔"

میں نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میرے ذہن میں سناٹے در آئے تھے' دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔ اس کے الفاظ سچائی کا مظہر تھے۔ میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا تھا------ عجیب سی کش مکش تھی' ذہن میں------ پھر میں نے طارق کے الفاظ دہرائے۔ "ہر شخص سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچتا ہے اور بعد میں دوسرے کے بارے میں------ جو شخص دوسروں کے لیے پہلے سوچنے لگے' وہ نقصان میں رہتا ہے۔"

میرے ذہن میں گڑگڑاہٹ سی ہونے لگی۔"

اینجل اگر سیٹھ جبار کی کوٹھی میں میری آلہ کار بن جائے تو اس سے مضبوط اور محفوظ مخبر کوئی اور نہیں ہو سکتا------ جب اس کا تعلق میرے دشمن سے ہے اور مجھے اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو ایسے موقعے پر مجھے جذبات کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننا چاہیے۔

میرے اندر وہ منصور بیدار ہو گیا جو قتل و غارت گری کا خواہاں تھا جسے دنیا کی ہر شے

نفرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا جس سے اس کا گھر اور اس کی ماں' بہن چھین کر' دنیا یکہ و تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور دماغ میں صرف آگ ہی آگ بھری تھی اور اس آگ صرف نفرت اور مکاری کے پھول ہی کھل سکتے تھے۔ میں نے اینجل سے جو وعدہ کیا وہ مصلحت کے زیر اثر تھا۔ میں دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسرے دن میں دیر سے جاگا۔ غسل اور ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ طاہر' میرے پہنچ گیا۔ کوئی خاص بات ہی تھی ورنہ وہ زیادہ تر دور رہ کر ہی میرے باڈی گارڈ کے ئض انجام دیتا تھا۔

"کیا بات ہے' طاہر؟ خیریت------؟"

"جناب! رات کو میں نے دو آدمیوں کو پکڑا ہے۔ یہ دونوں خود کو ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ متعلق بتاتے ہیں۔ ایک کا نام ظہیر ہے اور دوسرے کا فیروز------ رات دو بجے یہ ٹیلی فون لائنیں ٹیپ کر رہے تھے۔ انھوں نے جو کارروائی کی ہے' اسے جوں کا توں دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" طاہر نے کہا۔

"گڈ------ مجھے امید تھی کہ سیٹھ جبار' اس قسم کی حرکت ضرور کرے گا۔ تم' اعظم دوسرے افراد کو بھی ہوشیار کر دو۔ ان سے کہو کہ پوری کوٹھی کے چپے چپے کا جائزہ لیا ۔ اب سیٹھ جبار ہر وہ کوشش کرے گا جو اس کے بس میں ہو گی------ اور تم' ان آدمیوں کو میرے سامنے لاؤ۔"

"جی بہتر------" طاہر نے کہا اور پلٹ گیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل ------ تھوڑی دیر بعد دو آدمی میرے سامنے پیش کیے گئے۔ معمولی سے آدمی تھے اور کے چہرے اترے ہوئے تھے اور وہ سخت خوف زدہ تھے۔ میں نے پر سکون نگاہوں نہیں دیکھا اور سوال کیا۔

"ٹیلی فون لائنیں کیوں ٹیپ کر رہے تھے؟"

"جناب------ آپ یقین کریں کہ ہم ایسا نہیں کر رہے تھے۔"

"دیکھو' تم جو کچھ کر رہے تھے' اس کا ثبوت موجود ہے۔ رات کو دو بجے' ٹیلی فون کے کے افراد کبھی کسی کے ہاں کام کرنے نہیں جاتے۔ تم جانتے ہو کہ تمھاری پوزیشن ر مشکوک ہے۔"

"جناب ہم ڈیوٹی پر تھے۔ ہمیں یہاں سے کسی نے اطلاع دی تھی کہ ٹیلی فون لائنیں یں۔ ہم نے سوچا' اتنے بڑے آدمی کی کوٹھی ہے کہیں اوپر شکایت نہ پہنچ جائے۔ ہم رات ہی کو کام کرنے چل پڑے تھے۔"

"گویا تم لوگ تعاون پر آمادہ نہیں ہو۔ ٹیلی فون لائنیں ٹھیک نہیں بلکہ ٹیپ کی گئی ہیں۔ میں صرف اس شخص کا نام جاننا چاہتا ہوں جس کے ایما پر تم یہ کام کرنے آئے تھے۔"

"آپ یقین کریں صاحب! آپ ہمارے محکمے سے معلوم کرلیں کہ رات، ہم ڈیوٹی پر تھے۔"

"اور ٹیلی فون لائنیں ٹیپ کرنے آئے تھے، کیوں؟"

"جی نہیں----- یہ ہم پر الزام ہے۔"

"طاہر! یہ لوگ کسی شریفانہ سلوک کے مستحق نہیں ہیں----- ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دو اور جس پولیس افسر کے حوالے انھیں کیا جائے، اسے یہ ہدایت کر دی جائے کہ پرنس دلاور، ان کے بارے میں مکمل رپورٹ چاہتے ہیں----- اور جب تک یہ حقیقت نہ اگل دیں، انھیں ضمانت پر رہا نہ کیا جائے ورنہ اس پولیس افسر سے جواب طلبی کی جائے گی۔"

"بہتر، جناب!" طاہر نے کہا اور ان دونوں کو لے کر نکل گیا۔ سیٹھ جبار کی طرف سے یہ پہلی کوشش تھی۔ بہر طور، میں اس سلسلے کو وہی رنگ دینا چاہتا تھا جو میری گرفتاری کے وقت، میرے لیے تھا۔ سیٹھ جبار نے اپنی ذاتی کوششوں اور ناجائز ذرائع سے مجھے اس درجے پر پہنچایا تھا۔ اب میں اس کا قرض اُسے لوٹا دینا چاہتا تھا۔

بہرطور، اس کے بعد زندگی کے دوسرے معمولات شروع ہو گئے۔ کل عظمت کی شادی کا دن تھا۔ اس لیے میں آج کا دن کسی اور مصروفیت میں نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ میں تیار ہو کر عظمت کے گھر پہنچ گیا۔

عظمت بھی دفتر سے چھٹی لے رکھی تھی۔ فرحت اللہ صاحب نے چند عزیزوں کو مدعو کیا ہوا تھا۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا----- عظمت اور فرحت اللہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ میں کوئی کام نہ کروں لیکن میرے لیے یہ بہت بڑی خوشی تھی کہ میرا دوست زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہا تھا----- وہ میری طرح----- بدنصیب نہیں تھا کہ مصیبتوں میں پھنس کر، خوشیوں سے اتنی دور چلا جاتا کہ زندگی ایک مذاق معلوم ہونے لگتی۔

وہ پورا دن میں نے ان لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے گزارا اور پھر رات کو بھی وہیں رہا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح میں پروفیسر شیرازی کے ہاں پہنچ گیا۔ یہاں مہمانوں کے استقبال کی تیاری مکمل تھی۔ میں نے مہمانوں کی ضیافت کے لیے بہترین----- بندوبست

کیا۔

راشدہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اس کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ اس وقت کمرے میں میرے اور راشدہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے خوشی ہے، راشدہ! کہ تمھاری امی کی ایک آرزو آج پوری ہو رہی ہے۔"

راشدہ نے نم پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔

"بولو، راشدہ----- تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"منصور! امی ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں-----" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں----- لیکن ان کی روح ہمارے درمیان ہے----- وہ خوش ہو گی کہ ان کی بیٹی آج اپنی زندگی کے اہم دور میں داخل ہو رہی ہے۔ ہم ان کی روح کو غم زدہ نہیں کریں گے، راشدہ!"

"ایک بات کہوں منصور؟" راشدہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں ہاں، کہو-----"

"میری آرزو ہے کہ تم بھی اپنی زندگی کا ایک ساتھی تلاش کرلو۔ تم جانتے ہو، منصور! میں تمھارے دکھ میں برابر کی شریک ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمھیں وہ سب کچھ مل ائے جس کی تمھیں تلاش ہے----- لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ تمھاری زندگی کو ایک صوص ڈگر پر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ممکن ہے، زندگی میں یہ مقام بھی آ جائے لیکن فی الحال تم اپنے بارے میں سوچو، اشدہ! عظمت بہت اچھا انسان ہے----- وہ بھٹک رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری ڑی سی کوششوں نے اسے بھٹکنے سے بچا لیا----- اور آج وہ زندگی کے اس بصورت راستے پر قدم رکھ رہا ہے جو ہر انسان کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے----- رحال میری تمام تر خوشیاں اور دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔"

راشدہ نے گردن جھکا لی۔ اس کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میں اس کی کیفیت کو ی طرح سے سمجھ رہا تھا، لیکن اس سلسلے میں ایک لفظ بھی کہنا گناہ تھا۔ راشدہ مجھے چاہتی ی، اس وقت سے جب اس نے مجھے ایک ڈرائیور کے روپ میں دیکھا تھا----- پھر ب اس نے میرا دوسرا روپ دیکھا تو خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی لیکن اس کے احساسات د بات اب تک وہی تھے----- میں چاہتا تھا----- کہ وہ عظمت کے ساتھ ناانصافی نہ ے۔

شام کو عظمت کی برات آ گئی۔۔۔۔۔ پھر عظمت اور راشدہ کو ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیا گیا۔۔۔۔۔ اور ہم نے راشدہ کو نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

یہ خوشی اور مسرت کی رات‘ میں نے پروفیسر شیرازی کے ہاں گزاری۔ راشدہ کے چلے جانے سے سب لوگ کچھ افسردہ سے تھے میں نے سرخاب سے کہا۔ ”افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں سرخاب۔۔۔۔ بلکہ مسرت کی بات یہ ہے کہ زندگی میں ایک دلچسپی پیدا ہوئی۔ کاش‘ میرا ایاز بھی مجھے مل جاتا۔ میرا دل‘ اس کے لیے بہت دکھی ہے۔“

”آپ نے ایک بات کہی تھی‘ بھیا!“

”وہ کیا۔۔۔۔؟“

”یہی کہ ایاز بھیا کسی لڑکی کو پسند کرتے تھے۔ شاید شمو نام تھا‘ اس لڑکی کا۔۔۔۔ آپ نے نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ‘ ایاز کی زندگی میں شامل تھی۔ ہم ایاز کو نہیں پا سکے لیکن شمو کا تحفظ کرنا تو ہمارا فرض ہے‘ بھیا! ہم‘ اسے بھولے ہوئے ہیں۔“

”نہیں‘ سرخاب! میں اسے بھولا نہیں ہوں۔ عظمت کے ذریعے میں‘ اس کے حالات سے باخبر رہتا ہوں۔ وہ اب بھی وہیں رہتی ہے۔“

”پتہ نہیں‘ بے چاری کن حالات میں ہو۔ کیا ہم پر فرض نہیں کہ اس پر توجہ دیں۔“

”ہاں‘ سرخاب فرض تو ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اب تک ہم نے اپنے فرض سے غفلت برتی ہے۔“

”تو پھر کیا خیال ہے‘ راشدہ کی کمی پوری کر لیں؟“

”وہ کیسے۔۔۔۔؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”شمو کو یہاں لا کر۔“ سرخاب نے ہنس کر کہا۔

”بھئی‘ بڑی چالاک ہو۔ میں بھی تمہاری اس رائے سے متفق ہوں۔ ایسا کرو‘ گل کو ساتھ لے کر وہاں ہو آؤ۔۔۔۔ اگر وہ یہاں آ جائیں تو پھر بات ہی کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کل ہی یہ کام کر لوں گی۔ آپ ذرا مجھے اس کا پتہ بتا دیجئے۔“

”لکھ لو۔“ میں نے کہا۔۔۔۔ اور سرخاب کو اس کا پتہ لکھوا دیا۔ سرخاب نے واقعی بڑی دلچسپ بات کہی تھی۔ ہرچند کہ ایاز کے لیے میرے دل میں زخم تھا۔ وہ میرا سچا دوست اور ساتھی تھا۔۔۔۔ جو لمحات میں نے ایاز کے ساتھ گزارے تھے‘ وہ کسی کے ساتھ نہیں گزارے تھے۔ وہ میری عسرت کی زندگی کا ساتھی اور بڑا ہی دلچسپ انسان تھا۔ جانے اب کہاں تھا‘ زندہ بھی تھا یا مرگیا۔۔۔۔ بہرطور اگر میں اس کے لیے شمو کی

حفاظت نہ کر سکا تو میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔ سرخاب نے اس احساس کو جگا کر درحقیقت مجھ پر احسان کیا تھا۔ ہمارے درمیان سب باتیں طے ہو گئیں تو۔۔۔۔ میں‘ پروفیسر سے اجازت لے کر اپنی قیام گاہ پر واپس پہنچ گیا۔

اینجل کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دو بار فون کر چکی ہے۔ فینی نے اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

”سر! میں نے اس کے لہجے میں عجیب سا اضطراب محسوس کیا ہے کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہے۔ آپ جان بوجھ کر اس سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے‘ فینی! میں اس سے بات کر لوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”سر‘ ویسے ایک بات کہوں؟“ فینی بولی۔

”ہاں‘ کہو۔“

”لڑکی پریشان کن حالات کا شکار معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔ آپ‘ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔“ فینی مسکرا دی۔

”فینی! میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ شرارت بالکل نہیں۔“

”نہیں‘ سر۔۔۔۔ یہ شرارت نہیں ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔۔۔۔ اور پھر آپ کے دوست کی بیٹی ہے۔“

”کیا کہنا چاہتی ہو‘ تم؟“

”کچھ نہیں‘ سر! بس کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ آپ سے بے تکلف ہو کر بات کی جائے۔“

”اگر یہ بات ہے تو چلو ٹھیک ہے۔ اچھا یہ سناؤ۔۔۔۔ باقی معاملات کیسے رہے ان دو دنوں میں؟ میں تو بے حد مصروف رہا۔“

”کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی سر! صرف صائمہ روشن علی نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تھا۔“

”ہوں۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ میں اسے فون کر لوں گا۔“ میں نے کہا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

صائمہ روشن علی کو فون کرنے سے پہلے میں نے طاہر اور اعظم کو طلب کیا۔ وہ دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔

”کوٹھی کے جائزے کے بارے میں‘ میں نے تمہیں جو ہدایات دی تھیں‘ ان کا کیا رہا؟“ میں نے طاہر سے پوچھا۔

”جناب! نہ صرف ٹیلی فون وائرنگ چیک کی گئی ہے بلکہ اس سلسلے میں کچھ اور بھی اقدامات کیے گئے ہیں۔“

”وہ کیا؟“

”ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ کو ہدایات دے دی گئی ہیں۔ انھیں بتایا گیا ہے کہ پرنس دلاور کی کوٹھی کے ٹیلی فون ٹیپ کرنے کی ------ کوشش کی گئی ہے اور اس سلسلے میں جو دو افراد گرفتار ہوئے ہیں' وہ اسی محکمے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک افسر اعلیٰ کے تعاون سے ایکس چینج کا وہ حصہ بالکل محفوظ کر دیا گیا ہے جس کا تعلق پرنس دلاور کی کوٹھی اور دفاتر سے ہے۔ اس کے علاوہ ------ ہم نے الیکٹرونک آلات کی مدد سے کوٹھی کے چپے چپے کا جائزہ لیا ہے اور ہر ایسی چیز کو چیک کیا ہے جس میں کوئی ڈکٹا فون وغیرہ چھپائے جانے کے امکانات موجود ہیں۔“

”ویری گڈ ------“ میں نے مطمئن انداز میں کہا ------ پھر ان کے جانے کے بعد میں نے صائمہ روشن علی کو فون کیا۔

”صائمہ! میں پرنس بول رہا ہوں۔“

”ہیلو' پرنس! آپ کو میرے فون کے بارے میں تو بتا دیا گیا ہو گا؟“ ------

”ہاں' میں مصروف تھا۔“

”کچھ اطلاعات ہیں' پرنس!“

”بتاؤ ------“

”محکمہ داخلہ اور محکمہ دفاع کی جانب سے پروجیکٹ کے سلسلے میں فوری طور پر منظوری دے دی گئی ہے۔ دونوں محکمے اس سلسلے میں آپ کی تنہا شمولیت سے مطمئن ہیں اور ہمیں وہ کاغذات فراہم کر دیے گئے ہیں جن کے تحت ہم کلی طور پر اس پروجیکٹ کے لیے سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں ------ اور اس سلسلے کی ابتدائی تفصیلات جلد ہی ہمارے حوالے کر دی جائیں گی۔ وزارت داخلہ کا ایک افسر' مجھ سے ملاقات کر چکا ہے۔“

”کیا اس سلسلے میں کوئی پریس نوٹ وغیرہ جاری کیا گیا؟“

”نہیں پرنس ------ لیکن میں یہ کارروائی مکمل کر چکی ہوں۔“

”کیا مطلب ------؟“

”کل کے اخبارات' ایک ضمیمہ چھاپ رہے ہیں جس میں اس پروجیکٹ کی تفصیلات درج ہوں گی اور اس کے ساتھ ہی وزارت داخلہ کا یہ اعلان بھی کہ پرنس دلاور' اس پروجیکٹ کے چیرمین ہیں اور وہی اسے تکمیل کے مراحل تک لے جائیں گے۔ اگر آپ کی

اس سلسلے میں کوئی رائے ہو تو مجھے آگاہ کر دیجیے؟“

”میرا خیال ہے' سب کچھ مناسب ہے۔“

”پرنس! وہ آپ کی تصویر مانگ رہے تھے لیکن میں نے معذرت کر لی کہ پرنس کی اجازت کے بغیر یہ ناممکن ہے۔“

”یہ بھی اچھا ہی کیا' صائمہ! میں تصویر دینے کے حق میں نہیں ہوں۔“ میں نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے' میں نے صحیح کیا ------ اور ہاں' پرنس! حاجی الٰہی کو رقم دے دی گئی ہے۔“

”ٹھیک ہے اور کچھ ------؟“ میں نے پوچھا۔

”بس' فی الحال' تو یہی اطلاعات تھیں جو میں آپ تک پہنچانا چاہتی تھی۔“

”شکریہ' صائمہ ------ اگر ضرورت پڑی تو میں اس سلسلے میں مزید ہدایات دوں گا۔“ میں نے کہا اور کریڈل دبا کر عدنان سے رابطہ قائم کیا۔

اس نے بھی تمام معاملات ٹھیک ہونے کی اطلاع دی ------ اس نے بتایا کہ ابھی کوئی خاص بات نہیں ہے اگر ہوئی تو وہ' مجھے اطلاع دے گا۔ گویا فی الحال فرصت ہی فرصت تھی۔ چنانچہ میں نے اینجل کے دیے ہوئے نمبروں پر اسے رنگ کیا۔

دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تو میں نے اینجل کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اینجل اس وقت موجود نہیں ہے۔

”ان سے کہنا کہ پرنس دلاور نے فون کیا تھا اور شام چار' پانچ بجے کے درمیان مجھے رنگ کر لیں۔“ دوسری طرف سے بولنے والی نے اطمینان دلایا کہ یہ پیغام اینجل تک پہنچا دیا جائے گا۔

زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اینجل تھی۔

”ہیلو' پرنس! خیرت؟ کہاں چلے گئے تھے؟“

”بس' اینجل ------ کچھ مصروفیات تھیں۔“

”ہاں' میں جانتی ہوں' آپ کی مصروفیات بے پناہ ہیں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ شاید آپ نے مجھے اس قابل ہی نہ سمجھا کہ دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کرتے۔“

”چلو' اپنی اس سوچ کو ذہن سے نکال دو۔ یہ بتاؤ' کب اور کہاں مل رہی ہو؟“

”یہ فیصلہ تو آپ ہی کریں' پرنس!“

”اینجل! میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم محتاط رہیں۔ تم' میری بات سمجھنے کی

کوشش کرو۔ ہماری شخصیتیں اتنی غیر معروف نہیں ہیں کہ لوگ ہماری طرف متوجہ نہ ہوں اور اگر کچھ لوگ متوجہ ہو گئے تو ہماری ان ملاقاتوں میں نہ جانے کیا کیا رنگ آمیزی کی جائے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں، پرنس!"

"تو پھر یوں کرو کہ شام پانچ بجے، کراس اسٹریٹ پر ملو۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔ اس کے بعد ہم کسی مناسب جگہ بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔"

"شام کو کیوں، پرنس؟ کیا اس وقت آپ بہت مصروف ہیں؟" اینجل بولی۔

"نہیں کوئی خاص مصروفیت تو نہیں لیکن وہ وقت ذرا۔۔۔۔ موزوں ہوتا ہے۔"

"نہیں، پرنس! پلیز۔۔۔۔ آپ وقت نکالیے میں ابھی آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو ایک گھنٹے بعد اسی جگہ یعنی کراس اسٹریٹ کے چوراہے پر، جہاں ایک بہت بڑا نیون سائن لگا ہوا ہے، میری گاڑی، اس کے نیچے کھڑی ہو گی۔"

"میں پہنچ جاؤں گی، پرنس!" اینجل نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔۔۔۔

تھوڑی دیر بعد، میں نے ایک عام سا لباس تبدیل کیا اور پھر ایسی گاڑی نکالی جو زیادہ تر استعمال میں نہیں آتی تھی۔ اس کے بعد میں چل پڑا۔

کراس اسٹریٹ کے مطلوبہ چوراہے تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں نے گاڑی اس نیون سائن کے نیچے روک دی جس کی نشان دہی میں نے اینجل کو کی تھی۔ زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار، میری کار کے برابر آ کھڑی ہوئی اور اینجل، مجھے دیکھ کر نیچے اتر آئی۔ وہ بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔ وہ بھی سادہ سا لباس زیب تن کیے ہوئے تھی اور اس میں بھی اس کی شخصیت بڑی پر کشش نظر آ رہی تھی۔ میں نے گردن خم کر کے، اسے خوش آمدید کہا اور وہ میرے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھی۔

"آپ کی کار کا کیا کریں، اینجل؟"

"یہیں کھڑی رہنے دیں۔ واپسی میں لے لیں گے۔"

"نہیں، لوگ متوجہ ہوں گے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔"

"پھر جیسا آپ کہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"یوں کرو کہ اپنی کار میں میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

"آپ نے کسی جگہ کا انتخاب کر لیا ہے؟"

"ہاں۔۔۔۔" میں نے کہا اور وہ اتر کر اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہماری کاریں، آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔۔۔۔ میں نے وانسن ایونیو کا رخ کیا تھا۔ یہاں

میرا وہ مکان تھا جو میں نے عظمت کی وساطت سے خریدا تھا۔۔۔۔ اور اب اس مکان کو میں پہلی دفعہ استعمال کر رہا تھا۔

جب ہماری کاریں آگے پیچھے وہاں پہنچیں تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ اسے میرے بارے میں مفصل ہدایات دے دی گئی تھیں۔

اینجل کار سے اتر کر میرے قریب آ گئی۔ "یہ بھی آپ ہی کا بنگلہ ہے، پرنس!"

"آئیے مس اینجل! اپنے اس چھوٹے سے مکان میں آپ کی آمد سے میں بے حد خوش ہوں۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے، پرنس! کہ ہم اس طرح تنہائی میں مل رہے ہیں۔" وہ میرے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی بولی۔۔۔۔ اور میں اسے لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

"بہت خوبصورت بنگلہ ہے، آپ کا۔۔۔۔ آپ کی طبیعت میں بھی بے حد نفاست ہے۔"

"شکریہ مس اینجل!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور اسے دیکھنے لگا۔ اینجل کی نگاہیں مجھ سے ملیں اور شرما کر جھک گئیں۔

"آپ بھی سوچ رہے ہوں گے، پرنس! کہ میں کس قسم کی لڑکی ہوں۔ ویسے میں نے فون پر آپ سے جو گفتگو کی تھی وہ ذرا بدتمیزی کی حد تک تھی۔ آپ نے محسوس تو نہیں کیا؟"

"نہیں، اینجل! سچائی کسی بھی صورت میں غلط نہیں ہوتی۔ آپ نے جو کچھ کہا تھا، میں نے اس کی گہرائی پر غور کیا تھا۔"

"پرنس! میرے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، میں برملا کہہ دیتی ہوں۔ اس وقت جو کچھ میں نے آپ سے کہا تھا، اس میں کوئی۔۔۔۔ کھوٹ نہیں تھی۔ آپ پرنس ہوں یا منصور، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میرا دل آپ کی طرف کھنچا تو میں نے آپ سے اس کا اظہار کر دیا۔"

"اینجل! میں بھی اب تک اتنا مصروف رہا تھا کہ زندگی کے دوسرے لوازمات کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔ میں نے شادی نہیں کی۔۔۔۔ اور اس کی بنیادی وجہ شاید یہ ہے کہ میرے سرپرست نہیں ہیں۔ انسان کی زندگی میں بہت سی خواہشات جنم لیتی ہیں لیکن بعض خواہشات کے سلسلے میں وہ بزرگوں کے سہارے کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ شاید میری بھی یہی کیفیت ہو۔"

"پرنس! کیا آپ کے والدین موجود نہیں ہیں؟" اینجل نے پوچھا۔

"والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ماں بچھڑ گئی ہے۔ اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں پتہ نہیں' اس کا وجود روئے زمین پر باقی ہے یا نہیں۔" میں نے کہا۔ اینجل ہمدرد نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ حالانکہ ایک لمحے کے لیے میں جذباتی ہو گیا تھا لیکن پھر بھی میری باریک بین نگاہیں اینجل کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر سوائے ہمدردی کے کوئی تاثر نہ ابھرا تھا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ منصور کے حالات زندگی سے ناواقف ہے ----- ظاہر ہے' سیٹھ جبار جیسا زیرک اور جرائم کی دنیا کا آدمی اپنی بیٹی کو اپنے معاملات سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اینجل نے کہا۔ "لیکن آپ کی والدہ' آپ سے کیسے بچھڑ گئیں؟"

"بس' اینجل! طویل کہانی ہے' کبھی فرصت سے سناؤں گا۔ آپ نے میرے ذہن کے وہ تار چھیڑ دیئے ہیں جن کے ارتعاش سے میرا دل اداسیوں میں ڈوب جاتا ہے۔"

"تعجب کی بات ہے پرنس آپ جیسا بڑا آدمی بھی دکھوں کا شکار ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ دکھ آپ کے قریب سے بھی نہ گزرے ہوں گے۔"

"نہیں' اینجل! دکھوں سے کوئی خالی نہیں ہے۔"

"بڑی گھمبیر گفتگو ہو گئی ہے' ہماری ----- چلئے موضوع بدل دیتے ہیں۔" اینجل نے مسکرا کر کہا۔

"بدل دیں۔" جواباً" میں بھی مسکرا دیا۔

"تو پھر سوال نمبر ایک ----- جواب ضرور دیجئے گا۔"

"آپ کی اس حسین زندگی میں کبھی کسی لڑکی نے مداخلت نہیں کی؟"

"کی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ----- کون تھی' وہ؟"

"تھی نہیں ہے ----- اور یہ مداخلت بھی اچانک ہی ہوئی ہے اس کی مجھے توقع نہیں تھی۔" میں نے کہا اور اینجل میری بات کا مطلب سمجھ کر کسی قدر شرما گئی۔

"اچھا ----- مداخلت کرنے والی کو آپ نے سزا نہیں دی؟"

"بس کیا بتاؤں ----- بہت سی وجوہات ہیں۔ حالات اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ مداخلت کار میرے زیر اثر نہیں ہے۔"

"کون ہے وہ؟ مجھے بتائیے۔ میں' اسے سزا دینے میں آپ کی مدد کروں گی۔"

"پہلے اس سزا کے بارے میں تو مجھ سے پوچھ لیں۔"

"چلئے' پہلے سزا کے بارے میں بتا دیجئے۔"

"میں اسے محبت کی زنجیروں میں جکڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں قید کر لینا چاہتا ہوں۔"

"اوہ ----- یہ تو سزا نہ ہوئی۔ آپ کے اس خوبصورت محل میں جانے کی آرزو کون ے گا۔"

"آپ نے میرا وہ محل دیکھا ہے؟"

"نہیں صرف سنا ہے لیکن وہاں تک جانے کی جرات نہ کر سکی۔"

"میری دلی خواہش ہے کہ آپ کبھی اس محل میں جائیں لیکن میری بدنصیبی کہ آپ یڈی' میرے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔"

"ہاں' میں یہ محسوس کر چکی ہوں ----- پتہ نہیں' پرنس! ڈیڈی کو آپ سے کیا ہے۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ ----- منصور ہیں یا پرنس دلاور ----- ں سلسلے میں وہ نہ جانے کیا کیا کوششیں کر رہے ہیں۔"

"ان کی یہ غلط فہمی نہ صرف خود ان کے لیے بلکہ میرے لیے بھی شدید مشکلات کا بن سکتی ہے۔"

"حالانکہ یہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہاں' اینجل میں بھی اسی تفکر کا شکار ہوں۔ اس سے پہلے مجھے کسی کی پروا نہیں تھی نسان بعض حالات میں بری طرح مجبور ہو جاتا ہے۔"

"پرنس! یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔"

"بہت مشکل ہے' اینجل! آپ' مجھ سے زیادہ اپنے ڈیڈی کو جانتی ہوں گی۔ جب کسی تے ہیں تو اس کے بارے میں کوئی بہتر بات سننا پسند نہیں کرتے۔ میں تو اب ان ے میں کسی اور ہی انداز میں سوچنے لگا ہوں۔"

"وہ کیا ----- ؟"

"وہ یہ کہ ان کے معاملات سے واقف رہنے کی کوشش کروں تاکہ حالات کے تحت ان کی غلط فہمی دور ہو۔"

"آپ ان کے کون سے معاملات سے واقف رہنا چاہتے ہیں؟"

"یکہ وہ میرے خلاف کیا کر رہے ہیں۔ اگر کسی طرح مجھے یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں' ان کی ہر وہ غلط فہمی دور کر دوں گا جو میرے لیے ان کے ذہن میں پیدا ہو

گی۔"

اینجل کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر گردن ہلا کر بولی۔" اگر آپ کہیں' پرنس
سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

"نہیں اینجل! میں نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں باپ' بیٹی کے درمیان کوئی رنجش
ہو۔"

"نہیں ڈیڈی مجھے بہت چاہتے ہیں۔ میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں۔"

"اوہ---- لیکن آپ کیا کر سکیں گی' مس اینجل؟"

"میں ڈیڈی کی جاسوسی کروں گی۔"

"وہ کس طرح؟"

"اب اتنی احمق بھی نہیں ہوں۔ آپ یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ میں ڈیڈی
معمولات کی رپورٹ تیار کرتی رہوں گی---- اور پھر جب بھی ملاقات ہو گی' آپ
دوں گی۔ فون پر آپ کو نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ کوٹھی کی بہت سی لائنیں مشترک ہیں۔
اور فون پر ہماری گفتگو سنی جا سکتی ہے۔"

"اینجل! اگر آپ یہ کام کر لیں تو ہماری بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ میری ذمے داری ہے---- اب اور کچھ ----؟"

"بس' شکریہ!" میں نے کہا اور اینجل مسکرا دی۔

تمام اخبارات نے آٹھ آٹھ صفحات کے ضمیمے چھاپے تھے۔ صائمہ روشن علی
کیا تھا۔ اب تک میں نے جتنے سماجی کام کیے تھے' ان کی تفصیلات مع تصاویر موجود
اس کے علاوہ---- مستقبل کے کئی منصوبے بھی درج تھے اور اب اس نیم فوجی
کی مکمل مالی اعانت---- اور اس پیش کش کی تفصیل تھی جس میں پچھتّر فی صد
ادارے کی ترقی کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔ گویا لاکھوں روپے ماہوار کی مسلسل امدا
ادارے کو فراہم کی گئی تھی۔ وزیر داخلہ اور وزیر دفاع کا پیغام تہنیت---- بھی شا
تھا۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر شیرازی کا فون موصول ہوا۔" آپ کا ایک مداح بول
پرنس! شیرازی کہتے ہیں خادم کو۔"

"خیریت' پروفیسر؟"

"جذبات بے قابو ہو گئے تو باز نہ رہ سکا۔ میری اور سب کی طرف سے مبار
قبول کرو۔"

"یہ سب آپ کے جوتوں کے طفیل ہے' پروفیسر!"

"خدا حافظ! میں اپنے جوتے تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ رات تک تو یہیں تھے۔"
نے کہا اور فون بند کر دیا اور میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

بارہ بجے کے قریب تغلق خان کی ایک تحریری رپورٹ موصول ہوئی۔

صورت حال ایسی تھی چیف! کہ رپورٹ' اس انداز میں آپ تک پہنچانی پڑی۔ کل
ہلچل مچی ہوئی تھی۔ سیٹھ جبار کو کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ فوجی پروجیکٹ مکمل طور پر
ر کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ اس کی ذہنی حالت بہت خراب ہے۔ رات دو بجے بھاگا
م منسٹر کے گھر گیا۔ چار بجے واپس آیا---- پھر بہت سے فون کیے۔ یہاں تک کہ
ں میں ان ضمیموں کو رکوانے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ہوم منسٹر
شاید کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اس کی سب ہوا نکل چکی ہے۔ سرکاری
بھی اب اس سے تعاون نہیں کر رہے---- سب سے خاص بات یہ ہے کہ
کوٹھی سے جن دو افراد کو گرفتار کر کے پولیس کے سپرد کیا گیا ہے' سیٹھ جبار ان کی
رانے میں ناکام رہا ہے۔ انھوں نے پولیس کے سامنے قبول کر لیا ہے کہ انھیں
ر کے ایک آدمی نے رشوت دے کر' اس کام کے لیے مجبور کیا تھا۔

تازہ ترین رپورٹ کا ایک حصہ ہے' پرنس! اس سے قبل کی ایک اور رپورٹ
ہیون نامی ایک یونانی جہاز' فرناس سے یہاں پہنچ رہا ہے۔ اس کا کپتان فلپ
شہباز فورترے کا گہرا دوست ہے۔ اس جہاز پر بیس افراد کا عملہ ہے جن میں گیارہ
نو مقامی ہیں۔ جہاز میں آلات جراحی اور پرانے کپڑوں کی گانٹھیں لدی ہوئی ہیں
میں بہت بڑی تعداد میں اسلحہ موجود ہے۔ جہاز پرنس دلاور کے نام چارٹرڈ ہے۔
دس لاکھ روپے دیے گئے ہیں جس کے عوض' وہ گرفتار ہونے کے بعد بیان دے گا
نس دلاور کا آدمی ہے اور اس سے قبل بھی تین بار اسلحہ لا چکا ہے۔ پرنس دلاور
اسمگلر ہے اور بہت سے جہاز اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ عملے کے نو مقامی آدمی
کا اعتراف کریں گے کہ وہ' پرنس کے تنخواہ دار ہیں۔ یہ جہاز چل چکا ہے اور
ماہ کی پندرہ' سولہ تاریخ کو یہاں پہنچے گا---- خادم۔"

ق خان کی یہ رپورٹ پڑھ کر میں ششدر رہ گیا۔ تو یہ شہباز فورترے کا کارنامہ
شاندار چال تھی۔ اتنے اعلیٰ پیمانے پر اخراجات کر کے کوئی اور یہ سازش تیار
سکتا تھا۔ یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہو جائے گا کہ یہ سازش ہے۔ سیٹھ جبار نے
داؤ لگایا تھا---- اور اس کے توڑ کے لیے کسی منظم کاروائی کی ضرورت تھی

لیکن یہ کارروائی کیا ہونی چاہیے؟

میں نے فینی کو بلا کر ہدایت کی کہ کوئی فون موصول نہ کیا جائے اور نہ کوئی پروگرام بنایا جائے---- اس کے جانے کے بعد میں دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا---- اور تک سوچتا رہا۔ ایک منصوبہ میرے ذہن میں آ رہا تھا' ایک خطرناک منصوبہ لیکن اس بارے میں میرا ذہن کش مکش کا شکار تھا اور یہی کش مکش میری کمزوری تھی جس نے اس حال کو پہنچایا تھا---- پھر ایک فیصلہ کر کے میں فون کے قریب پہنچ گیا اور عدنان طلب کر لیا۔

عدنان کے پہنچنے پر تغلق خان کا خط میں نے اس کے سامنے رکھ دیا۔ عدنان نے بار اسے پڑھا پھر اس کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"اس میں شک نہیں کہ سیٹھ جبار نے بہت بڑا رسک لیا ہے---- اگر ہم طو عرصے تک اس سازش کی چھان بین کرتے رہے تو یقیناً کامیاب ہو جائیں گے لیکن فو طور پر پرنس کی شخصیت پر بہت بھاری ضرب پڑے گی۔ اخبارات کو بھی اس کے لیے کر لیا گیا ہو گا خواہ بعد میں انھیں تردید شائع کرنی پڑے۔"

"حل---- مائی ڈیر عدنان!"

"بہت کچھ سوچنا ہو گا' پرنس!"

"اس سلسلے میں غوزی خان سے کام لیا جائے گا۔ اگر تم---- مصروف ہو تو خود اس آپریشن پر کام کروں گا۔"

"نہیں پرنس! میری کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں۔ صرف ان لوگوں سے رقم وصولیابی میں مصروف ہوں۔ اس کے علاوہ پرنس فورس کا انتظار ہے۔ میں اس اہم ہاتھ سے نکلنے دینا نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے' تم اپنا کام جاری رکھو۔ یہ کام میں کر لوں گا۔"

عدنان کسی سوچ میں گم ہو گیا---- پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے سلسلے میں چند گھنٹے عنایت کریں' پرنس! میں سوچنا چاہتا ہوں لیکن اس دوران میں' کارروائی جاری رکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ جہاز کہاں تک پہنچا ہے۔"

"مناسب ہے۔ میں تمہیں بارہ گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

عدنان' مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا---- میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پرنس دلاور شخصیت کو تباہ کرنے کے لیے' سیٹھ جبار کی یہ بہت بڑی چال تھی---- جسے ہر حال مجھے ناکام بنانا تھا۔

ذہنی طور پر میں خود کو اس مہم کے لیے تیار کر چکا تھا اور اس سلسلے میں کافی غور و خوض کے بعد چند پروگرام بھی بنا چکا تھا۔ کوٹھی میں چار خطرناک آدمی مقیم تھے جن کے بارے میں عدنان نے کہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر یہ چار آدمی چالیس افراد پر بھاری پڑ سکتے ہیں۔ طاہر اور اعظم تو میرے قریب ہی رہتے تھے۔ باقی دو یوسف اور مختار تھے۔ مختار کو میں نے دور سے دیکھا تو میری مشکل حل ہو گئی۔ وہ میرے ہی قد و قامت کا نوجوان تھا۔ اگر اس کے چہرے پر میک اپ کر دیا جاتا تو وہ میری جگہ لے سکتا تھا۔

مختار سے تو میں نے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ اسے اپنی جگہ چھوڑ دوں گا۔ بس دکھاوے کی بات تھی۔ باقی معاملات عدنان سنبھال لے گا۔ عدنان علی الصباح پہنچ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔

"خیریت' عدنان؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ساری رات سفر میں رہا ہوں' پرنس!"

"اوہ---- کہاں گئے تھے؟"

"رسال پور---- دراصل بڑی کوشش کر کے تغلق خان سے ملاقات کی اور پھر اس سے غوزی خان کے بارے میں پوچھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ غوزی خان' رسال پور میں موجود تھا۔ وہ وہاں اپنے کسی آدمی کی تلاش میں آیا تھا۔ اس سے ملاقات کر کے میں نے اسے تفصیل بتائی۔ وہ وحشی انسان ہے لیکن تغلق خان سے بہت پیار کرتا ہے۔ تغلق خان خود بھی اس سے آپ کے بارے میں بات کر چکا ہے اور غوزی خان کو معلوم ہے کہ وہ' پرنس دلاور کے خاص آدمیوں میں شامل ہو چکا ہے۔ کئی گھنٹے' اس سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ وہ واقعی سمندر کا بادشاہ ہے۔ اس نے حساب لگا کر بتایا کہ وہ جہاز' اس وقت کہاں ہو گا۔ اس کا طریقہ حساب بھی عجیب تھا۔ موسم کا تجزیہ کیا' جہاز راں کمپنی کے بارے میں معلوم کیا اور پھر بڑے وثوق سے اس کا تعین کر لیا کہ جہاز' اس وقت کہاں ہو گا۔ مختصر یہ کہ وہ صبح نو بجے کی فلائٹ سے رسال پور سے چل پڑا ہو گا۔ ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر وہ سمندری ذرائع سے سفر کرے گا اور ٹھیک اسی مقام پر وہ' اس جہاز کو پکڑ

لے گا۔"

"او۔ کے' عدنان! اب تم آرام کرو۔ کافی تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔" میں نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔ "یہ کام اتنی جلدی ہو جائے گا میں نے سوچا بھی نہ تھا۔" عدنان خاموشی سے سر جھکا کر چلا گیا---- اور میں' سیٹھ جبار کی ناکامیوں اور اس کی جھنجھلاہٹ کے بارے میں سوچنے لگا اور مسکراہٹ خود بخود میرے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

دو دن سکون سے گزر گئے۔ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ تیسرے دن' عدنان میرے پاس آیا۔ اس کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا جو کندھے پر ایک بڑا سا تھیلا اٹھائے ہوئے تھا۔ جب وہ شخص تھیلا رکھ کر باہر چلا گیا تو عدنان نے میرے سامنے تھیلے کی زپ کھول دی۔ تھیلے میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے مسکراتی نظروں سے عدنان کو دیکھا۔

"چار کروڑ' اسی لاکھ' باقی رہے' ایک کروڑ بیس لاکھ---- تو میرا خیال ہے' پرنس چند روز میں وہ بھی جمع ہو جائیں گے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ان فائلوں اور کاغذات کی قیمت جو آپ نے میرے حوالے کیے تھے۔ میں نے سب سے نقد رقمیں وصول کی ہیں اور ان میں سے دس آدمیوں کو ان کے کاغذات واپس کر دیئے ہیں۔ صرف دو آدمی ایسے تھے جنھوں نے چالاکی دکھانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ان سے رقمیں وصول کرنے کے باوجود' ان کے کاغذات واپس نہیں کیے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر حسام احمد ہے' ایک پیشہ ور قاتل---- جو ڈاکٹری جیسے مہذب پیشے کو بدنام کر رہا ہے اور دوسرا ایک ریٹائرڈ آفیسر ہے۔ انھوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا میں نے انھیں مناسب سبق دے کر ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہر ماہ پچاس ہزار روپے ادا کریں گے۔"

میں' عدنان کو دیکھتا رہا۔ اس نے واقعی بڑی محنت سے یہ سب کچھ کیا تھا۔ میری نظر میں یہ شخص ہیرا تھا جس کے دل میں دولت کی طمع نہیں تھی۔ یہ رقم' اس کی ساری زندگی عیش و آرام میں گزارنے کے لیے کافی تھی لیکن اس نے لاپرواہی سے رقم کا یہ تھیلا' ردی کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح میرے سامنے لا ڈالا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"عدنان! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں' اس کا پس منظر کیا ہے---- یہ رقم' میری ملکیت نہیں ہے' دوست۔ جس طرح تمھاری نظر میں' ان کاغذ کے ٹکڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے' اسی طرح میں بھی انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا

ہوں۔ انسان کی زندگی میں' اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ ہر چند کہ---- یہ انسانی زندگی کی ضرورت ہیں---- لیکن ہمارا ایمان نہیں بن سکتے۔"

"میں جانتا ہوں' پرنس! کہ آپ نے اور کچھ عظیم لوگوں نے ان دولت مندوں کی زندگی کے خلاف ایک محاذ بنایا ہے' جو اپنی دولت کے سامنے' انسانی زندگی کو حقیر سمجھتے ہیں اور صرف اپنی تجوریاں بھرنے کے خواہاں ہیں۔"

میں خاموش رہا۔

تھوڑی دیر بعد عدنان چلا گیا اور میں نے رقم ایک محفوظ جگہ پر رکھ دی۔

شام کی چائے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ فینی نے سیٹھ جبار کے فون کی اطلاع دی۔ میں مسکراتا ہوا' فون کے قریب پہنچ گیا۔ سیٹھ جبار کا یہ پہلا فون تھا' میرے لیے۔

"پرنس دلاور بول رہے ہیں؟" دوسری طرف سے سیٹھ جبار کی آواز سنائی دی۔ بڑی شائستگی تھی' اس کے لہجے میں۔

"جی' فرمائیے---- کیسے زحمت کی؟"

"بھئی' ضرورت پیش آ گئی تھی' اس کی---- آپ کو کچھ حالات سے آگاہ کرنا تھا' پرنس!"

"جی' فرمائیے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"پرنس! محکمہ ٹیلی فون کے دو آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ پولیس کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کسی سے بھی اپنی مرضی کی بات کہلوا لینا' ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پتہ نہیں' ان دونوں کو کیا سوجھی کہ انھوں نے میرا نام لے لیا۔"

"کس سلسلے میں' مسٹر جبار؟"

"اوہ' ہاں---- یہ تو میں بتانا ہی بھول گیا۔ انھیں' آپ کی کوٹھی سے گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ غالباً ٹیلی فون پول سے آپ کی ٹیلی فون لائنیں ٹیپ کر رہے تھے۔"

"جی ہاں---- میرے آدمیوں نے بتایا تو تھا کہ ایسے دو افراد---- رات دو بجے گرفتار کیے گئے تھے۔"

"ٹھیک ہے' پرنس! لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ کچھ لوگ' آپ کے اور میرے درمیان غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کئی سلسلوں میں مجھ تک بھی اسی قسم کی باتیں پہنچی ہیں جن میں آپ کا نام لیا گیا تھا۔ بعض معاملات میں مجھے شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ان میں بھی آپ ہی کا نام میرے علم میں لایا گیا---- لیکن میں ٹھہرا' ذرا دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ نقصانات کی مجھے پرواہ نہیں ہوتی' پرنس! میں صرف

شخصیت اور دوستی کو اہمیت دیتا ہوں۔ یہ کوشش بھی مجھے اسی گروہ یا فرد کی نظر آتی ہے جو میرے اور آپ کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے، پرنس! کہ آپ کے ٹیلی فون کی لائنیں ٹیپ کراؤں----- اور پولیس----- یہ لوگ تو کسی کے نہیں ہوتے۔ حالانکہ میرے آدمیوں نے پولیس آفیسر سے رابطہ قائم کر کے یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس سلسلے میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور نہ ہی پرنس سے ہمارا کوئی اختلاف ہے۔ لیکن ان دونوں کے بیان کے مطابق مقدمہ قائم کر لیا گیا ہے۔ پولیس کے اعلا افسران کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ عدالت ہی میں طے ہو سکتا ہے۔ ویسے آپ جانتے ہیں کہ مجھے اس کی فکر نہیں ہے لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ آپ کو اس طرح مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"ہاں، یہ بات میرے کانوں تک بھی پہنچی ہے، مسٹر جبار! بہر طور، اگر آپ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے آدمی نہیں تھے تو میں ہدایت کر دوں گا کہ مقدمہ واپس لے لیا جائے اور اس سلسلے کو ختم کر دیا جائے۔"

"شکریہ، پرنس! بے حد شکریہ----- اور میں آیندہ کے لیے بھی آپ کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ ہم جس پائے کے لوگ ہیں، اس کے تحت ایسی چھوٹی چھوٹی سازشیں ہمیں زیب نہیں دیتیں۔ میں کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ آپ، میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔ ویسے پرنس! آپ نے خود کو بہت محدود کر رکھا ہے۔ آپ کی شخصیت اس قدر پر اسرار ہے کہ لوگ، آپ کے بارے میں جاننے کے خواہاں رہتے ہیں----- پر اسرار بننا کوئی اچھی بات تو نہیں۔ آپ عوام میں آئیں۔ تقاریب میں شرکت کریں تاکہ ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملے۔ میری درخواست ہے، پرنس! کہ آپ کسی دن، میرے مہمان بنیں، میری عزت بڑھ جائے گی۔"

"ضرور، ضرور----- آپ سے ملاقات کرنا تو بہت ضروری ہے، سیٹھ صاحب! میں کسی مناسب وقت پر خود آپ سے ملاقات کروں گا۔ مطمئن رہیے۔ خدا حافظ! میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

میرے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی----- پھر میں نے پولیس ہیڈ کوارٹرز فون کر کے ڈی۔ آئی۔ جی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی----- اور چند لمحوں بعد ڈی۔ آئی۔ جی سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہیلو، پرنس! ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے ہمیں یاد کیا۔"

"جی ہاں، ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! آپ تو ہمارے کسی کام نہ آئے لیکن ہم، آپ کی

مشکلات میں اضافہ کرنے کا سبب نہیں بنیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا، جناب!" ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

"یاد ہوگا، ایک مرتبہ ہم، آپ کے پاس ایک اطلاع لے کر حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے اس کا نہ صرف مذاق اڑایا تھا بلکہ ہمارے لیے مشکلات بھی پیدا کر دی تھیں۔ اب ہم نے دو آدمی، آپ کے حوالے کیے ہیں تو یقینی طور پر ان کی ضمانت کے لیے آپ کو مجبور کیا جا رہا ہو گا۔ اس بار آپ مجبور نہیں ہوئے، ڈی۔ آئی۔ جی صاحب؟"

"اوہ، پرنس بہت بہت شکریہ! آپ کے ان الفاظ کا تو میں بہت عرصے سے منتظر تھا۔ بہر حال وہی مثال ہے۔ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں----- اب آپ کے دن بڑے ہیں، پرنس! تو حالات، آپ کے غلام ہیں۔ کیا حکم ہے، ان کے بارے میں۔ یہ بات میرے علم میں لائی گئی ہے کہ محکمہ ٹیلی فون کے دو افراد گرفتار ہو کر، ہیڈ کوارٹرز پہنچے ہیں۔ اور کافی سختیوں کے بعد، انھوں نے سیٹھ جبار کا نام لیا ہے۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! آپ نے تو ہماری مشکل حل نہیں کی تھی لیکن ہم، آپ کی مشکل کا یہ حل پیش کر رہے ہیں کہ وہ مقدمہ واپس لے رہے ہیں۔ ان دونوں کو رہا کر دیا جائے اور سیٹھ جبار کو اس سلسلے میں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں، آپ؟"

"ہاں، ڈی۔ آئی۔ جی صاحب! ظاہر ہے، وہ دونوں معمولی لائن مین ہیں۔ ان سے مجھے کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔ براہ کرم انھیں چھوڑ دیجیے اور اس سلسلے کو ختم کر دیجیے۔"

"جو حکم، پرنس! لیکن میں واقعی حیران ہوں۔"

"شکریہ!" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں اپنی اس گفتگو سے مطمئن تھا۔ سیٹھ جبار کو ذہنی کچوکے لگ رہے تھے، اس کا غرور ٹوٹ رہا تھا۔ اب میں اسے چٹکیوں میں مسلنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن ابھی میں اسے اور پاگل کرنا چاہتا تھا۔ ابھی تو وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ سڑکوں پر گھبتا پھرے۔ امی اور فریدہ، اس کے ذہن میں پوشیدہ تھیں۔ میں اس سے یہ راز اگلوانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہیں لیکن میرے عمل کی رفتار بہت سست تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کام اتنی تیزی سے نہیں ہو رہا جتنی تیزی سے اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔

دوسرے دن اینجل کا فون موصول ہوا۔ "انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو فون کیا ہے۔ آپ سے تو اتنا بھی نہیں ہوتا کہ فون کر لیں۔" اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

"کہاں مل رہی ہو؟" میں اس کی مئی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں' فون کر لیا تو بس-----" وہ محجوبیت سے بولی۔

"شکایت مت کرو' اینجل! بس آ جاؤ۔" میں نے لہجے میں----- بے قراری کا تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں-----؟"

"شہر کی رونقیں' ہماری راہ میں مزاحم ہوتی ہیں۔ ہمیں تنہائی درکار ہے۔ میرا وہ چھوٹا سا گھر تمہیں یاد ہے؟"

"آ رہی ہوں۔" اینجل نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں اُس سے ملنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا----- پھر مجھے واٹسن ایونیو پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ بھی شاخ گل کی طرح لچکتی ہوئی پہنچ گئی۔

"ڈیڈی سے دوستی کیوں نہیں کر لیتے؟" اس نے آتے ہی اپنے باپ کی خواہشات کا زہر میرے کان میں انڈیلا۔

"کیا میرے اور ان کے درمیان دشمنی ہے؟" میں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ اب میں اس بات سے واقف ہو گئی ہوں۔ ڈیڈی نے خود مجھے تفصیل بتائی ہے۔"

"کیا کہا ہے' انھوں نے؟" میری دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگیں۔

"پرنس! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے اور آپ کے راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے میں' آپ کے لیے جاسوسی کروں گی----- اور اس دوران میں' میں یہ کام کرتی رہی ہوں۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں مسلسل ڈیڈی کی نگرانی کرتی رہی ہوں۔ ان دنوں----- وہ سخت پریشان ہیں۔ راتوں کو جاگتے ہیں۔ آج تک میں نے ان کو اس طرح نہیں دیکھا۔ میں نے ہمیشہ انھیں ٹھوس چٹان کی مانند پایا ہے۔ وہ بڑے بڑے خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بڑی بڑی خطرناک اطلاعات کو سن کر ہنس کر ٹال دیتے تھے----- لیکن اب تو اپنے سائے سے بھی بھڑکنے لگے ہیں۔ کیا آپ یقین کریں گے' پرنس! کہ اب وہ اپنی خواب گاہ میں بھی نہیں سوتے۔"

"اوہ----- وہ کیوں؟"

"ان کے بستر پر ربر کا ایک پتلا ہوتا ہے اور خود کسی تاریک کونے میں ہوتے ہیں۔

ایسی جگہوں پر سوتے ہیں جہاں وہ کبھی قدم رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔"

"کیا انھیں' زندگی کا خطرہ ہے؟"

"یہ تو آپ بتا سکتے ہیں' پرنس!"

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"پہلے میں تفصیل بتا دوں' اس کے بعد' آپ سے سوالات کروں گی۔ ڈیڈی' راتوں کو کوٹھی کے گرد چکراتے رہتے ہیں' ملازموں کے----- کوارٹروں میں جھانکتے ہیں' شہباز سے آدھی آدھی رات تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔ پچھلی رات میں نے انھیں' امجد علی ڈرائیور کے کوارٹر میں بیٹھے دیکھا تھا۔ انھوں نے شاید زندگی میں پہلی بار' اپنی کوٹھی کے اس کوارٹر میں قدم رکھا تھا۔"

"امجد علی-----" میں بے اختیار بول پڑا۔

"ہاں' جانتے ہیں' آپ اسے؟" اینجل نے گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ----- اب تم اپنے ڈیڈی کی جاسوسی کرنے لگیں' اینجل!" میں نے ایک دم خود کو سنبھال لیا۔

"ہاں' پرنس! میں اپنے ڈیڈی کو بہت چاہتی ہوں۔ میں' ان کی اس پریشانی سے متفکر ہوں۔ میں' آپ کی منت کرتی ہوں' پرنس! کہ اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو' کوئی اختلاف جسے دور کرنے کی بنیاد میں بن سکوں۔ صرف میرے لیے' میں ابھی آپ سے اتنی بڑی بات کا----- مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتی لیکن میں یہ حق حاصل کرنا چاہتی ہوں' پرنس! آپ یقین کریں' میں نے کبھی زندگی میں کسی شخص کے اس قدر قریب آنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر آپ وہی ہوتے جو ہمارے ذہنوں میں ہے تو بھی اگر مجھے یہ مواقع مہیا ہو جاتے تو میں آپ کے قریب آنے میں عار محسوس نہ کرتی۔ میں فطرتاً اتنی بری نہیں ہوں۔"

"پلیز' اینجل! ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ جذباتی ہو رہی ہیں۔ یقیناً آپ کو اپنے ڈیڈی سے پیار ہو گا اور آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں' درست ہو گا۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کر لیں گے' اینجل! کوئی اہم مسئلہ درپیش نہیں ہو گا' آپ اپنی وہ بات جاری رکھیں' جو مجھے بتا رہی تھیں۔"

"امجد علی' ہمارا بہت پرانا ڈرائیور ہے۔ اپنے بیوی' بچوں کے ساتھ' ہماری کوٹھی میں رہتا ہے۔ ڈیڈی کو اس کے کوارٹر میں داخل ہوتے دیکھ کر مجھے جس قدر حیرت ہوئی ہو گی'

آپ سمجھ سکتے ہیں---- میں نے کوارٹر کی عقبی کھڑکی سے ان کی گفتگو سنی۔ امجد علی کہہ رہا تھا کہ---- وہ احمد علی ڈرائیور کو جانتا ہے۔ وہ اس کا ساتھی رہ چکا ہے---- پھر ڈیڈی' اس سے احمد علی کے بیٹے منصور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے جو احمد علی کی جگہ چند روز' ہمارے ہاں ڈرائیور رہا تھا۔ میں' آپ کو بھی اس کے بارے میں بتا چکی ہوں کہ آپ کی شکل ہو بہو' اس شخص سے ملتی جلتی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے مختصر لمحات میں دیکھا ہے لیکن وہ' میرے ذہن پر نقش ہو چکا ہے۔ اسی لیے میں' آپ کو دیکھ کر چونکی بھی تھی۔

بہرحال' ڈیڈی نے امجد علی سے گفتگو کرتے ہوئے بڑے نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ امجد علی! تمہیں' میرا ایک کام کرنا ہے۔ انھوں نے امجد علی کے ساتھ مل کر یہ پروگرام بنایا کہ وہ امجد علی کو بیوی بچوں سمیت نکال دیتے ہیں' اس ملازمت سے سبکدوش کر دیتے ہیں' وہ پرنس دلاور کی کوٹھی چلا جائے اور وہاں ملازمت کی درخواست کرے۔ انھوں نے اس سلسلے میں امجد علی کو خاصی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے بیوی بچوں کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی جائے گی اور نہ صرف رقم بلکہ ایک مکان بھی اس کے لیے خرید لیا جائے گا جس سے اس کا مستقبل سنور جائے گا---- وہ' پرنس دلاور کی کوٹھی میں ملازمت حاصل کرنے کے بعد یہ معلوم کرے کہ آیا پرنس دلاور' منصور ہے یا نہیں---- اگر ہے تو وہ پرنس کیسے بنا؟---- ڈیڈی جب امجد علی کے کوارٹر سے لوٹے تو میں نے ضد کر کے' ان سے تمام کہانی سن لی کہ کس کس طرح آپ نے انھیں نقصان پہنچایا ہے' ان کی ساکھ کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔" یہ کہتے کہتے' اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے سر جھکا لیا۔

سیٹھ جبار کی پریشانیوں کا احوال سن کر میرا جی چاہا کہ قہقہے لگاؤں لیکن اینجل کو افسردہ دیکھ کر میں سنجیدہ ہی رہا۔ بہر حال وہ لڑکی تھی' خواہ میرے دشمن کی سہی۔ اس نے تو ایسے حالات کا کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا۔

اس نے جس صاف گوئی سے سیٹھ جبار کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں' ان میں کسی کھوٹ کی گنجائش نہیں تھی۔ یقیناً اینجل ان حالات سے نا واقف تھی جو میرے اور سیٹھ جبار کے درمیان مخاصمت کا سبب بنے تھے۔ میں چند لمحے خاموش رہا---- پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"اتنا رنجیدہ نہیں ہوتے اینجل!"

"بس' کیا بتاؤں' پرنس! بہت پریشان ہو گئی ہوں۔ آپ یقین کریں کہ کبھی کسی مسئلے

میں اس طرح نہیں الجھی تھی۔ میں ڈیڈی کے لیے پریشان ہوں اور ادھر آپ کے لیے بھی فکر مند---- نہ جانے کیوں' آپ ان سے مخاصمت رکھتے ہیں---- ڈیڈی نے جو کچھ بتایا ہے' اگر سچ ہے---- تو بتایئے' آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟ اور یہ صرف آپ نے میرے ڈیڈی کے ساتھ کیا ہے یا دوسرے لوگ بھی آپ کے مظالم کا نشانہ بنتے رہتے ہیں؟ مجھے بتایئے' پرنس! کیا بگاڑا ہے' ڈیڈی نے آپ کا؟ میں تو آپ کو اس قدر چاہتی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی لیکن میں ڈیڈی کو بھی اسی قدر چاہتی ہوں پرنس! میں ایک دوراہے پر آ کھڑی ہوئی ہوں' سمجھ میں نہیں آتا' کون سا راستہ اختیار کروں؟ میں نے آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ اب پتہ نہیں' میرے اس سچ سے ڈیڈی کو کیا نقصان پہنچے گا؟"

"اینجل! میں تمہیں ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ان الجھنوں کا بوجھ کیوں اپنے ذہن پر لاد رہی ہو؟ میرے اور سیٹھ جبار کے درمیان جو معاملات ہیں' انھیں ہمارے درمیان ہی رہنے دو۔ یہ بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"نہیں' پرنس میں آپ دونوں کے درمیان کھڑی ہوں---- اور دونوں ہی کے لیے میرے دل میں بے پناہ محبت ہے۔ میں آپ دونوں کے درمیان' کھڑی' ہر قسم کی دیوار گرا دینا چاہتی ہوں' میں' آپ دونوں کے دلوں سے مخاصمت ختم کر کے خلوص پیدا کرنا چاہتی ہوں---- اس بات سے مجھے اس قدر مسرت ہو گی' پرنس! کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔"

"اینجل! تم صرف یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"آپ ڈیڈی سے مل لیجئے۔ ان کا شک دور کر دیجئے اور بتا دیجئے کہ آپ کی اصلیت کیا ہے۔"

"تو پھر اینجل! تم یوں کرو کہ میری اصلیت' اپنے ڈیڈی ہی سے معلوم کرو۔ ان سے پوچھو کہ اگر میں منصور ہوں تو ان کا مخالف کیوں ہوں؟ اگر تم' ان سے یہ معلوم کر لو تو میں تمھاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔"

"گویا' آپ یہ تسلیم کر لیں گے پرنس! کہ آپ منصور ہیں۔"

?میں نے کہا! تاکہ پہلے اپنے ڈیڈی سے منصور کی اصلیت معلوم کرو' اس کے بعد مجھ سے پوچھنا۔"

"میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے' پرنس!"

"کیوں----؟" میں نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اس لیے کہ ڈیڈی نے مجھے آپ سے فریب کرنے پر مجبور کیا ہے۔ انھوں نے مجھ

سے کہا ہے کہ میں چالاکی سے آپ کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کروں۔۔۔۔۔ اور اگر آپ منصور ہوں تو یہ کھوج لگاؤں کہ آپ نے یہ اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کیا ہے اور آپ کے پس پشت کون لوگ ہیں۔۔۔۔۔ اب اگر میں' ان سے آپ کے سوالوں کے جواب مانگوں گی تو کیا وہ یہ نہ سوچیں گے کہ میں نے آپ کو ان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے؟"

"بس تو پھر' اینجل! ابھی ان حالات کو ہم دونوں کے درمیان ہی رہنے دو۔ وقت آنے پر' میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"آپ نے مجھ سے چند الفاظ کہے تھے' پرنس! یاد ہیں' آپ کو؟"

"وہ کیا۔۔۔۔۔؟"

"یہ کہ آپ کی والدہ آپ سے بچھڑ گئی ہیں۔۔۔۔۔ وہ کس طرح بچھڑیں' کیا آپ اس سلسلے میں کچھ بتا سکیں گے؟"

اینجل کے اس سوال پر' ایک لمحے کے لیے میں اپنا منصوبہ بھول گیا۔ میرے ذہن سے دھواں سا اٹھنے لگا۔ میں نے سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمھارے اس سوال کا جواب بھی تمھارے ڈیڈی کے پاس ہے' اینجل! اگر تم جوابات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو تم کہو گی' وہی کروں گا۔ اگر اس سے پہلے تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ میں خود بھی تمھیں پسند کرتا ہوں' اینجل! لیکن یہ میری زندگی کا اہم مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ ہاں میں نے سیٹھ جبار کو نقصانات پہنچائے ہیں' ابھی تو کچھ نہیں' آنے والے وقت میں تم دیکھو گی کہ میں' سیٹھ جبار سے کیا سلوک کرتا ہوں۔ اگر سیٹھ جبار اپنے عبرتناک انجام سے بچنا چاہتا ہے تو اسے تمھارے سوالوں کے جواب دینا ہوں گے۔"

اینجل پریشان نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی وہ' میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔ پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"تقدیر کی بات ہے' پرنس! دل میں یہ جذبہ پیدا بھی ہوا تو کس قسم کے الجھے ہوئے حالات میں۔"

"اینجل! پلیز۔۔۔۔۔ میں تم سے معذرت خواہ ہوں کہ میرا لہجہ تم سے تلخ ہو گیا لیکن اس تلخی کے پیچھے بہت بڑی کہانی چھپی ہوئی ہے۔ اگر تمھارے ڈیڈی کسی طور بھی تم سے مخلص ہوئے تو وہ خود تمھیں یہ کہانی سنا دیں گے۔۔۔۔۔ اور جب تم وہ کہانی سن لو تو مجھے بتانا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے اور تمھارے ڈیڈی کے لیے' میرے دل میں کیا جذبات

ہونے چاہئیں۔۔۔۔۔ بس' اب یہ موضوع ختم۔ مجھے افسوس ہے کہ آج میں تمھارے لیے ذہنی تکدر کا باعث بنا۔ میں آیندہ بھی تم سے ملتا رہوں گا۔ بشرطیکہ تم' مجھ سے ملنا پسند کرو۔"

"یہ کیا بات ہوئی' پرنس! میں' آپ سے ملنا کیوں پسند نہیں کروں گی؟ بہرطور' میں ذرا کھری طبیعت کی واقع ہوئی ہوں۔ اگر ڈیڈی کے سینے میں' آپ کا کوئی راز چھپا ہوا ہے تو انھیں بتانا پڑے گا اور اگر انھوں نے نہ بتایا تو پھر میں' آپ کو بھی پریشان نہیں کروں گی۔ مجھے اجازت دیں۔"

"ابھی سے اینجل؟"

"ہاں' پرنس! آج کا سارا دن میں' آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی لیکن اس گفتگو کے بعد اب یہ ممکن نہیں رہا۔ میں اپنے ذہن میں کوئی سیاہ دھبہ نہیں رکھنا چاہتی اور اب میں' آپ سے اسی وقت ملوں گی' جب ڈیڈی سے آپ کے بارے میں اپنے سوالوں کے جواب حاصل کر لوں گی۔۔۔۔۔ خدا حافظ!" وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اینجل کے جانے کے بعد' میں کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس وقت گفتگو دوسرا رخ اختیار کر گئی تھی۔ حالانکہ اس حد تک آگے بڑھنا' میرے پروگرام میں شامل نہ تھا' میں' اینجل کو صرف آلہ کار بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ بہر حال' اگر اس کے نتائج بھی مثبت انداز میں برآمد ہوئے تو کوئی حرج نہیں۔

تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے چل پڑا۔

شام کو سات بجے' مجھے گل کا فون ملا۔ "ہیلو' گل! خیریت؟"

"نہیں' منصور! میں ایک پبلک کال بوتھ سے بول رہی ہوں۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"کون سے علاقے میں ہو گل؟"

"یہ کوئنز وے ہے۔ جلدی سے تفصیل سنو۔۔۔۔۔ میں' شمو کے گھر گئی تھی۔ شمو اور اس کی ماں سے ملاقات ہوئی۔ وہیں ایاز بھی مل گیا۔ اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ بہر حال' میں ان لوگوں کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ ابھی ہم زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ تعاقب کا احساس ہوا۔ یہ نیلے رنگ کی ایک شیورلیٹ ہے اور اس کا نمبر پی۔ کے۔ ایل۔ آٹھ سو آٹھ ہے۔ کار میں کئی افراد نظر آ رہے ہیں۔ میں گھنٹے بھر سے انھیں' ڈاج دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان کی کار غائب ہو جاتی ہے لیکن چند لمحوں کے بعد پھر پیچھے

لگ جاتی ہے۔ شاید وہ ہماری رہائش گاہ کا پتہ چلانا چاہتے ہیں اور اسی نکتہ نگاہ سے ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ جب کوئی۔۔۔۔۔۔ صورت نظر نہیں آئی تو گاڑی روک کر اس بوتھ سے تمہیں فون کر رہی ہوں۔ اب بتاؤ کیا کروں؟"

"نیلی کار کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً" دو سو گز دور کھڑی ہے۔"

"میں آ رہا ہوں' گل! تم کوئنز وے سے ہائی اسٹریٹ کی طرف بڑھو۔ ہائی اسٹریٹ ختم ہو جائے تو پرنس گارڈن کی طرف مڑ جانا۔ میں اسی سمت سے آ رہا ہوں۔"

"او۔ کے!" گل نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے ریسیور رکھتے ہی دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ پستول لیا' چہرے پر ماسک لگایا۔ اور دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ طاہر اور اعظم کو ان کے کمرے سے لیا اور پورچ میں کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا۔ اعظم نے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔

"ہائی اسٹریٹ' جتنی تیز چل سکتے ہو' چلو۔" میں نے کہا اور کار فراٹے بھرنے لگی۔ میرے ذہن میں گڑگڑاہٹ سی ہو رہی تھی۔ ایاز زندہ ہے اور مل گیا ہے۔۔۔۔۔۔ بڑی ہیجان خیز خبر تھی۔ وہ شمو کے پاس کیسے پہنچ گیا۔۔۔۔۔۔؟ متضاد خیالات ذہن میں آ رہے تھے۔

کار طوفانی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پرنس گارڈن اسٹریٹ پر گل کی کار نظر نہیں آئی پھر ہم' ہائی اسٹریٹ پر پہنچ گئے۔ گل کی کار یہاں بھی نظر نہیں آئی اور نہ کہیں نیلی کار دکھائی دی۔ دفعتاً" میں نے اعظم کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ تھوڑی دور' سڑک کے کنارے' گل کی کار کھڑی نظر آ گئی۔

اعظم نے بریک پر دباؤ ڈالا اور کار کی رفتار ہلکی ہو گئی۔ "یس' پرنس!" اس نے پوچھا۔

"چلتے رہو اور اس کار کے قریب سے سست رفتاری سے گزرو۔" میں نے کہا۔ ذہن کسی خطرے کی نشان دہی کر رہا تھا۔ ہماری کار' گل کی کار کے قریب سے گزری۔ گل کی کار خالی تھی۔

"فٹ پاتھ سے لگا کر روک دو' اعظم!" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کار رکی تو میں دروازہ کھول کر جلدی سے اتر آیا۔ طاہر اور اعظم میرے پیچھے تھے گل کی کار کھلی ہوئی تھی اور اگنیشن میں چابی موجود تھی۔ پچھلی سیٹ پر کچھ چوڑیاں ٹوٹی پڑی تھیں۔

صورت حال کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ لوگ' گل کا تعاقب کر کے' اس کی رہائش گاہ کا پتہ لگانا چاہتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے گل کو فون کرتے دیکھا تو انھیں اندازہ ہو گیا کہ

پوزیشن بدلنے والی ہے۔ لہٰذا انھوں نے فوراً" انتہائی قدم اٹھا ڈالا۔ بہر حال' اب فوری طور پر صحیح فیصلہ کرنا تھا۔ طاہر اور اعظم میرے قریب خاموش کھڑے تھے۔

"طاہر! تم اس کار کو کوٹھی لے چلو اور اسے گیراج میں بند کر دو۔۔۔۔۔۔ اعظم! ایبک روڈ چلو۔"

"او۔ کے' پرنس!" اعظم نے کہا۔ طاہر' گل کی کار کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں' پروفیسر شیرازی کے بنگلے میں تھا۔

راشدہ اور عظمت آئے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم میں خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ مجھے اچانک دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔

"ویری گڈ۔۔۔۔۔۔ آؤ' منصور میاں! میں عظمت سے اس کی شادی کے حالات پوچھ رہا تھا۔" پروفیسر شیرازی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سوری' پروفیسر!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔" میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لایا ہوں۔"

سب کے چہرے سکڑ گئے۔

"گل شمو کے ہاں گئی تھیں' انھیں اغوا کر لیا گیا ہے۔ شمو اور ایاز' ان کے ساتھ تھے۔"

"ایاز۔۔۔۔۔۔" عظمت چیخ پڑا۔

"ہاں' عظمت۔۔۔۔۔۔ گل' ایاز وغیرہ کو ساتھ لا رہی تھیں۔ انھوں نے مجھے فون کیا تھا۔" میں نے مختصر الفاظ میں انھیں صورت حال بتائی اور سب کے چہرے تشویش زدہ ہو گئے۔

"اب کیا ہو گا؟" پروفیسر نے کہا۔

"آپ لوگ فوری طور پر اپنا ضروری سامان پیک کر لیں اور یہاں سے نکل چلیں۔ کار کے رجسٹریشن نمبر سے یہاں کی نشان دہی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن اتنی جلدی کہاں منتقل ہوا جا سکتا ہے؟" سرخاب نے پریشانی سے پوچھا۔

"اس کا انتظام ہے۔۔۔۔۔۔ اور یہ بھی اچھی بات ہے کہ عظمت یہیں موجود ہیں۔ ان لوگوں کو ایگل روڈ لے جاؤ' عظمت اور وہاں ضروری انتظامات کر لو۔ میں' گل کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتا ہوں۔ گل اور ایاز کی زندگیاں بہت قیمتی ہیں' میرے لیے۔"

میں' پروفیسر شیرازی سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ راستے میں' میں نے اعظم سے پوچھا۔

"ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے دفاتر تو بند ہو چکے ہوں گے۔ کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ وہاں کے کسی ذمے دار شخص سے کوئی کام لیا جا سکے؟"

"بظاہر تو کوئی ایسا آدمی نہیں ہے لیکن کسی نہ کسی سے کام لیا جا سکتا ہے۔"

"کوشش کر دیکھو۔ ایک کار کے رجسٹریشن نمبر سے اس کے مالک کا پتہ لگانا ہے۔" میں نے اسے کار کا نمبر نوٹ کرا دیا۔

"میں کوشش کروں گا' پرنس! کہ جلد سے جلد یہ تمام کام کر کے کوٹھی واپس آ جاؤں۔"

"او کے اعظم! میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور کار کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی کوٹھی واپس آ گیا۔ یہاں کے معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

فینی کو بلایا اور اس سے کافی طلب کر لی۔ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے ایاز' گل وغیرہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کیسی بدنصیبی کی بات تھی کہ عین اس وقت جب ایاز دوبارہ مجھ سے ملنے والا تھا تو ایک بار پھر وہ مجھ سے جدا ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں اس کے اغوا کنندگان کون تھے اور پتہ نہیں کس طرح انھوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ایاز اب غلط ہاتھوں میں جانے والا ہے۔ آخر شمو کے پاس وہ ایک آدھ دن تو نہ رہا ہو گا اس وقت تک تو کسی نے اس پر توجہ نہ دی یا پھر۔۔۔۔ یا پھر میرے ذہن کے خانوں میں عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہی۔ ایاز کو شمو کے گھر بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے اگر غور کیا جاتا تو پھر وہی۔۔۔۔ مخصوص نام ذہن میں آ جاتا یعنی سیٹھ جبار' وہ لوگ جانتے تھے کہ ایاز میں مجھے خاص دلچسپی ہے اور میں یقیناً اس کی تلاش کے لیے کوشش کروں گا۔ ممکن ہے انہوں نے خود ہی ایاز کو گھیر گھار کر شمو کے گھر پہنچایا ہو کیونکہ کم از کم چمن کو یہ بات معلوم تھی کہ ایاز شمو نامی کسی لڑکی کو چاہتا ہے' چکر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بہر حال میں کافی پیتا رہا اور پھر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

کافی دیر گزر گئی کوئی خاص خبر معلوم نہ ہوئی۔ طاہر واپس آ چکا تھا۔ اس کا اندازہ میں نے باہر کھڑی کار سے لگا لیا تھا۔ فینی نے کسی کے فون کی اطلاع دی لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

"اس وقت کسی سے بات نہیں کروں گا فینی! براہ کرم مجھے آرام کرنے دو۔"

"بہتر جناب۔۔۔۔" فینی واپس چلی گئی اور اس کے بعد کئی گھنٹے سکون سے گزر گئے۔ پھر اعظم ہی میرے پاس پہنچا تھا اسے بھی یقیناً روکنے کی کوشش کی گئی ہو گی۔ لیکن وہ جس کام کے لیے گیا تھا اس کے لیے میں نے ہدایت کی تھی کہ ہو جائے تو فوراً" میرے پاس پہنچے۔

اعظم نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو میں نے اسے اندر بلا لیا۔ اسے دیکھ کر میں سنبھل گیا تھا۔

"کہو کامیابی ہوئی۔۔۔۔ یا۔۔۔۔؟"

"نہیں جناب! میں کامیاب واپس آیا ہوں۔"

"اوہ' ویری گڈ۔۔۔۔ کس کا نمبر تھا یہ۔۔۔۔"

"چمن نامی ایک شخص کا۔" اعظم نے جواب دیا اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"چمن۔۔۔۔" میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس شخص کو میں نے اپنی لسٹ پر رکھا ہوا تھا لیکن انتظار کر رہا تھا کہ مناسب وقت آئے تو اس سے نمٹوں اور یہ مناسب وقت چمن نے خود ہی میرے لیے پیدا کر دیا تھا۔ اب تو کسی طور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔۔۔۔ مصلحت اندیشی بے کار تھی میں نے پر سکون انداز میں گردن ہلائی اور اعظم سے بولا۔

"ٹھیک ہے اعظم تم جاؤ۔۔۔۔"

"پتہ نہیں معلوم کریں گے سر۔۔۔۔؟" اعظم نے پوچھا۔

"نہیں' مجھے معلوم ہے۔۔۔۔ آرام کرو۔" میں نے اعظم سے کہا اس سلسلے میں اب تنہا ہی کام کرنا چاہتا تھا یہ میرا خالص ذاتی معاملہ تھا اور پرنس کی حیثیت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا ویسے بھی چمن سے میں خود ہی نمٹنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اعظم کے جانے بعد میں تیاریاں کرنے لگا۔ چمن کا اڈہ مجھے معلوم تھا میں اگر چاہتا تو تغلق خان کو بھی اس سلسلے میں استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت ذہنی کیفیت نجانے کیسی ہو رہی تھی کہ میں کسی سے بھی مدد لینا نہیں چاہ رہا تھا۔ البتہ میں نے اپنے لیے انتظامات ایسے کر لیے تھے کہ چمن کے اڈے سے ناکام واپس نہ آؤں اور ان تمام تیاریوں کے بعد میں نے ایک چھوٹی پک اپ نکالی اور اسے لے کر چل پڑا۔ میرے معاملات میں کسی کو روک ٹوک کی اجازت نہیں تھی چنانچہ وہ لوگ مجھے دیکھتے رہے لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

سڑکیں روشن ہو گئی تھیں۔ اسٹریٹ لائٹ جل اٹھی تھی۔ دکانوں میں بھی گہما گہمی تھی۔ کئی گلیوں' سڑکوں اور بازاروں سے گزرتا ہوا میں اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں چمن کا اڈہ تھا بہت عرصے کے بعد اس علاقے کا رخ کیا تھا۔ چہرے پر بھی کوئی میک اپ وغیرہ نہیں کیا تھا میں نے البتہ لباس اتنا معمولی سا پہنا ہوا تھا کہ اس سے پرنس کی شخصیت کا اندازہ نہ ہو گویا اس وقت میں صرف منصور تھا اور کوئی بھی پرانا جاننے والا اس حلئے میں دیکھ کر مجھے

پہچان سکتا تھا کہ میں کون ہوں۔

بہر طور چمن کے اڈے کے سامنے پہنچا۔ باہر ایک بلب جل رہا تھا جس طرح ہمیشہ جلتا رہتا تھا---- گہما گہمی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ دھکیلا تو اس کے دونوں کواڑ کھل گئے تھے اور میں اندر صحن میں داخل ہو گیا۔

یہ جگہ میری جانی پہچانی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ چمن کہاں ہوتا ہے اس مکان میں مجھے غیر معمولی سناٹا محسوس ہوا تھا۔ صحن خالی پڑا تھا اور سامنے بنے ہوئے کمروں میں بھی تاریکی پھیلی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے یہاں کوئی موجود نہ تھا یا پھر افراتفری میں وہ لوگ کہیں چلے گئے ہوں۔ میں رکے بغیر اندر پہنچ گیا۔

سب سے پہلا کمرہ سامنے آیا لیکن اس میں تالا لگا ہوا تھا میں نے جیب سے ایک اوزار نکالا اور تالا کھولنے لگا۔ اس کام میں مجھے کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔ تالا کھولنے کے بعد میں نے دوسری جیب سے ایک باریک سی شعاع والی ٹارچ نکالی اور کمرے کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالنے لگا۔ دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کو تلاش کر کے میں نے اس کا بٹن دبا دیا اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

فرنیچر جوں کا توں تھا۔ پہلے بھی میں اسے اس انداز میں دیکھ چکا تھا کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اس میں، لیکن یہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کمرے سے نکل کر میں دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف پہنچا۔ اسے بھی دھکیلا تو پتہ چلا کہ وہ بھی لاک ہے ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا کہ ممکن ہے وہ لوگ یہ گھر چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ چمن نے یہ اڈہ کب چھوڑا اس کے بارے میں تو مجھے علم نہیں تھا لیکن باہر جلتے ہوئے بلب اور اندر رکھے ہوئے سامان سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے چھوڑے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ وہ لوگ افراتفری کے عالم میں یہاں سے نکل گئے ہیں۔ کیا انہیں اندازہ تھا کہ میں یا اور کوئی شخص یہاں پہنچنے کی کوشش کرے گا اس کا مقصد ہے کہ مجھ پر گہری نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ یہ تو کوئی بہتر بات نہیں تھی یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صرف چمن کے اندازے ہی ہوں---- الجھن یہ تھی کہ کیا چمن میرے بارے میں جانتا ہے اس الجھن کا جواب بھی مجھے اپنے ہی ذہن سے مل گیا۔ اگر سیٹھ جبار کو میرے سلسلے میں شبہ ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ممکن ہے کہ میں منصور ہوں تو پھر چمن کا اس بات سے لاعلم رہنا کیا معنی رکھتا ہے اس جواب نے میرے ذہن کو مطمئن کر دیا تھا میں وہاں سے بھی نکل آیا۔ بائیں سمت والی راہداری سے گھوم کر میں ان کمروں کی عقبی سمت جا سکتا تھا ادھر بھی کئی کمرے موجود تھے میں راہداری کے سب سے پہلے کمرے کے دروازے پر رکا اور اسے دھکیل کر دیکھا لیکن وہ

بند نہیں تھا۔ اس بات سے یہ اندازہ ہو گیا---- کہ مکان خالی ہے تاہم میں بند کمرے میں اندر داخل ہو گیا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی---- کہ چمن یہاں سے بھاگ کر کہاں گیا ہے ابھی میں کمرے میں کھڑا خیالات میں ڈوبا ہی ہوا تھا کہ دفعتاً" مجھے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ کا احساس ہوا میں ایک دم دروازے کے قریب پہنچ گیا قدموں کی چاپ بھی دروازے پر آ کر رک گئی۔ پتہ نہیں آنے---- والے کو میرے بارے میں علم تھا یا نہیں۔

بہر طور چند ہی لمحات میں دروازہ کھلا اور میں نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر ایک گھونسا اس کے پیٹ پر رسید کر دیا جو اندر داخل ہوا تھا اس کے حلق سے کراہ نکل گئی تھی وہ نیچے گرنے لگا میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا اس شخص کے آدھے چہرے پر نقاب چڑھا ہوا تھا۔ تنگ پیشانی کے نیچے اس کی غیر معمولی چمکدار آنکھیں کرب زدہ انداز میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن اس سے قبل کہ میں اس کے سر پر پہنچتا اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے لگاتار کئی فائر کئے اگر قسمت اچھی نہ ہوتی تو گولیوں کی یہ بوچھار میرا بدن چھلنی کر دیتی پستول پر سائلنسر لگا ہوا تھا اور اس سے نہایت ہلکی آوازیں نکلی تھیں۔ نقاب پوش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اچھے خاصے قد و قامت کا آدمی تھا۔ لیکن اب میں اس سے مقابلے کے لیے تیار تھا۔ میں نے قلابازی کھاتے ہوئے اس کی کلائی پر ایک ہاتھ مارا۔ لیکن پستول سے کچھ اور فائر کیے گئے تھے گولیاں میرے بدن کو چھو کر گزر گئی تھیں۔ بس تقدیر ہی ساتھ دے رہی تھی ورنہ اتنے نزدیک سے چلائی ہوئی کوئی بھی گولی کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

میں نے ایک ہاتھ زمین پر ٹکا کر دونوں ٹانگیں اوپر کو اٹھائیں اور اس کی گردن پر دونوں ٹانگوں سے ضرب لگائی۔ اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی کمرے کے پختہ فرش سے سیمنٹ کے ان گنت ٹکڑے بھی پھٹ کر فضا میں بکھرے تھے۔ تمام گولیاں فرش پر لگی تھیں---- البتہ میرے پیروں کی ٹھوکروں نے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا۔

میں نے فوراً" ہی دوسری ٹھوکر' اس کے سینے پر لگائی اور یہ ضرب اس کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئی۔ وہ زخمی اونٹ کی طرح بلبلاتا ہوا' دیوار سے جا لگا---- پھر میں نے اسے فرش پر گرتے دیکھا۔ اسی وقت کوئی چیز سنسناتی ہوئی میرے پاس سے گزری اور دروازے کی چوکھٹ میں پیوست ہو گئی---- اور دوسرے ہی لمحے ایک اور نقاب پوش کمرے میں گھس آیا۔

اس کے ہاتھ میں دو فٹ لمبی لوہے کی ایک سلاخ تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے چیتے کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آہنی سلاخ کو میرے سر کی طرف گھمایا تھا---- مگر میں اس کے نشانے سے ہٹ چکا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل گرا پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، میری لات، اس کی پشت پر پڑی اور وہ قلا بازی کھا گیا۔ اس نے سلاخ والا ہاتھ، فرش پر ٹیک کر خود کو فرش کی ٹکر سے بچایا تھا۔ اسی وقت میں ایک ہی جست میں، اس کے سر پر پہنچ گیا اور اپنا پاؤں، اس کے سلاخ والے ہاتھ پر رکھ دیا۔

اس اثنا میں دوسرا نقاب پوش اپنے آپ کو سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس نے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ میں چونکہ اس کی طرف سے غافل تھا اس لیے وہ مجھے لیے ہوئے نیچے پڑے نقاب پوش پر گرا اور اس کے منہ سے چیخ نکل لیکن پھر میں نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی---- میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اپنی پشت پر پڑے ہوئے نقاب پوش کو اچھال دیا---- اور اس کے بعد میں نے انھیں ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ ہتھیلیاں اور گھٹنے ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کرتے لیکن میری ٹھوکریں انھیں پھر فرش چاٹنے پر مجبور کر دیتیں۔ چند لمحوں ہی میں، میں نے انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ کراہ رہے تھے لیکن ان کی کراہیں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ پتہ نہیں، وہ جان بوجھ کر آوازیں دبا رہے تھے یا پھر ان کی آوازیں ہی نہیں نکل رہی تھیں۔ وہ بدحواس ہو گئے تھے۔ میں نے سوئچ بورڈ کی طرف چھلانگ لگائی اور اس کمرے میں بھی تیز روشنی کر دی۔ مجھے خدشہ تھا کہ ان کے کچھ ساتھی باہر موجود ہوں گے، اس لیے میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ باہر جو کچھ ہو گا، بعد میں دیکھا جائے گا فی الحال تو اندر والوں کی مزاج پرسی ضروری تھی۔ تیز روشنی میں ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ میں دوبارہ ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک گڑگڑانے لگا۔

"نہیں، نہیں---- اب ہم میں مار کھانے کی سکت نہیں رہی۔"

"ابھی سے---- ابھی تو ابتدا ہوئی ہے دوستو!" میں نے زہر خند سے کہا----

اور ان میں سے ایک کی نقاب کھینچ لی۔ اجنبی چہرہ تھا لیکن اچھا خاصا صحت مند اور تندرست عمر اٹھائیس، تیس کے درمیان رہی ہو گی۔

---- پھر میں نے دوسرے آدمی کے چہرے سے نقاب اتاری اور چونک پڑا۔ یہ ولن تھا، چمن کا ایک خاص گرگا۔ بہت خطرناک آدمی تھا اور مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ ان لوگوں نے میری شکل دیکھی تو ان کے چہروں پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

"ہوں---- ولن پہچانتے ہو، مجھے؟" میں نے پوچھا۔

"پ---- پہچانتا ہوں، منصور!" اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"اس کے باوجود، تم نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔"

"خ---- خدا کی قسم، منصور! ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ تم ہو۔ اگر ہمیں علم ہوتا تو ہم، تم پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھاتے۔"

"کیوں، مجھ پر ہاتھ کیوں نہ اٹھاتے؟"

"اس لیے کہ تمہارے ہاتھوں کا کمال ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔"

"یہ کون ہے؟" میں نے دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولن سے پوچھا۔

"اس کا نام جگو ہے۔ تمہیں نہیں پہچانتا۔"

"ہوں---- اب پہچان لیا ہو گا، تم دونوں نے، اب بتاؤ، مرنا چاہتے ہو یا میرے والوں کے جواب دو گے؟"

"ن---- نہیں، منصور! ہمیں مارنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یقین کرو، ہمیں علم نہیں تھا کہ یہ تم ہو اور نہ ہی ہمیں تمہارے بارے میں کچھ بتایا گیا تھا۔"

"اچھا ٹھہرو---- پہلے یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے علاوہ یہاں اور کتنے آدمی موجود ں؟"

"اس وقت ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ پورا اڈا خالی پڑا ہوا ہے۔"

"اگر غلط ہوا تو سوچ لو تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات غلط ہو تو ہمیں مار ڈالنا۔" ولن نے جواب دیا۔

"ہوں---- اب یہ بتاؤ کہ اڈا کس وقت خالی ہوا؟"

"استاد تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں سے گیا ہے۔"

"کہاں----؟"

"غلام پور----"

"غلام پور----" میں بڑبڑایا۔

"ہاں، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ، غلام پور، سردار آنند سنگھ کے پاس گیا ہے۔ سردار سنگھ، استاد کا گہرا دوست ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ہم لوگوں کو ہدایت دے گیا تھا کہ یہاں سے نمٹنے کے بعد ہم بھی غلام پور پہنچ ں، وہ، سردار آنند سنگھ کے اڈے پر موجود ہو گا۔"

"اس نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"استاد کے کام' استاد جانے۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"کس طرح گیا ہے' وہ غلام پور؟"

"کار کے ذریعے۔" دلن نے جواب دیا۔

دوسرا آدمی جو اب سنبھل کر بیٹھ گیا تھا' متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ وہ کبھی دلن کو دیکھ رہا تھا اور کبھی مجھے۔ اسے شاید اس بات پر حیرت تھی کہ دلن سب باتیں مجھے سچ سچ کیوں بتا رہا ہے۔

"چمن کے ساتھ اور کون کون ہے؟"

"استاد ایاز ہے اور تین عورتیں ہیں۔ ایک بوڑھی ہے' ایک اٹھائیس' تیس سال کی عورت ہے اور ایک بیس' بائیس سال کی لڑکی----- اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔"

"ہوں----- اگر یہ اطلاعات غلط نکلیں تو؟"

"بے شک تم ہمیں گولی مار دینا۔" دلن جلدی سے بولا۔

"اٹھو-----" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا----- اور وہ دونوں اٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ میری ٹھوکروں نے شاید انھیں اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکتے۔ دوسرے آدمی نے جس کو نام جگو تھا' رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ شاید میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"ہوں----- چلو دلن! تم اسے اٹھا کر کندھے پر لاد لو۔ حالانکہ میرے لیے مناسب تو یہی ہے کہ میں تمہیں یہیں دفن کر دوں لیکن ابھی مجھے تم سے کچھ اور کام لینے ہیں۔ تم' میری قید میں رہو گے۔ اگر چمن' غلام پور میں----- آنند سنگھ کے اڈے پر نہ ملا تو پھر میں' تم دونوں کے جسموں میں اتنے ہی سوراخ کروں گا' جتنی گولیاں' تم مجھ پر چلا چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے منصور! تم بے شک ہمیں قید کر لو لیکن استاد چمن' تمہیں غلام پور ہی میں ملے گا۔" دلن نے جواب دیا۔

میں' انھیں کور کیے ہوئے' گاڑی تک لایا اور گاڑی چلانے کی ذمے داری دلن کو سونپی----- تھوڑی دیر بعد' میں اپنی کوٹھی پہنچ گیا۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیداروں نے حیرت آمیز نگاہوں سے اسٹیرنگ پر بیٹھے ہوئے دلن کو دیکھا اور تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھے لیکن میں نے کھڑکی سے سر نکال کر انھیں اپنی جگہ جانے کو کہا۔

طاہر نے شاید صورت حال کا کسی قدر اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا کار کے قریب پہنچ

گیا۔ میں دروازہ کھول کر اتر آیا۔ وہ دونوں بھی باہر آ گئے----- پھر میں نے انھیں' طاہر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"انھیں تہہ خانے میں بند کرو اور ان کی سخت نگرانی کرو۔" طاہر نے گردن خم کر دی اور انھیں لیے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

صورت حال اور زیادہ تشویشناک ہو گئی تھی۔ بہت سی ایسی باتیں تھیں جو میرے ذہن میں تشنہ رہ گئی تھیں۔ چمن کے بارے میں پتہ چل گیا تھا کہ وہی گل' ایاز' شمو اور اس کی ماں کو اغوا کر کے لے گیا تھا لیکن اس نے اپنا اڈا کیوں خالی کر دیا اور پھر اڈا خالی کرنے کے بعد' اس نے غلام پور کا رخ کیا تھا' آخر کیوں؟ یہاں تو اس کے اور سیٹھ جبار کے بے شمار ٹھکانے تھے۔ ان دونوں کو اس نے یہاں کیوں چھوڑا؟

ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کوئی اس طرف آئے گا----- لیکن اگر اس کے ذہن میں یہ خدشہ تھا تو پھر اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ آنے والا میں بھی ہو سکتا ہوں-----

اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی' وہ یہ کہ ان لوگوں کو یقین آ گیا ہے کہ پرنس دلاور میں ہی ہوں۔ تب بھی انھوں نے یہی سوچا ہو گا کہ پرنس دلاور کی حیثیت سے اب میں بذات خود میدان عمل میں نہیں آ سکتا۔ یقینی طور پر میں اپنے آدمیوں کو بھیجوں گا۔ اسی لیے انھیں ہدایت کر دی گئی ہو گی کہ اگر زیادہ افراد نظر آئیں تو وہ خاموشی اختیار کر لیں اور اگر ایک دو آدمی ہوں تو انھیں سنبھال لیا جائے-----

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا غلام پور کا رخ کیا جائے-----؟ یہ ایک بلاوجہ کی الجھن سر آ پڑی تھی لیکن اب اس معاملے کو تعطل میں تو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔

گل اور ایاز کی بازیابی' میرا فرض تھا۔ اگر طاہر وغیرہ کو ساتھ لے جاؤں تو خواہ مخواہ کی تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ جبکہ میں فوراً غلام پور پہنچ جانا چاہتا تھا۔ گل' میرے لیے بڑی اہم حیثیت رکھتی تھی اور ایاز تو میرا جگری دوست تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں آج ہی اور تنہا غلام پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ خود بھی تو ہاتھ پاؤں ہلانے چاہئیں۔

غلام پور کے بارے میں میری معلومات زیادہ نہیں تھیں۔ تاہم اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ پہاڑی علاقہ ہے اور اس طرف ڈاکوؤں وغیرہ کے تذکرے سننے میں آتے ہیں۔ مجھے کبھی غلام پور جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا لیکن راستے کی سمت کا اندازہ تھا۔

دو گھنٹے بعد' میں سفر کے لیے تیار تھا۔ میں نے سفر کے لیے لینڈ روور کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے علاوہ اچھی خاصی کرنسی بھی ساتھ رکھ لی تھی اور چند چیزیں بھی لینڈ روور کے

مخصوص حصوں میں پوشیدہ کر دی تھیں جو میرے لیے بے حد کار آمد تھیں۔

غلام پور روانہ ہونے سے قبل میں نے پروفیسر شیرازی سے ملنا بہتر سمجھا اور ان سے ملنا میرے لیے سود مند ہی ثابت ہوا۔ انھوں نے غلام پور کے سلسلے میں مجھے کافی معلومات فراہم کیں اور چند ایڈریس بھی دیئے کہ میں ضرورت پڑنے پر ان سے رجوع کر سکوں۔

○

نیشنل ہائی وے سنسان پڑی تھی۔ شہر کے آخری پیٹرول پمپ سے میں نے لینڈ روور کی بڑی ٹنکی فُل کروالی اور لینڈ روور برق رفتاری سے ہائی پر دوڑنے لگی۔

میں نے اپنا ذہن آزاد چھوڑ دیا تھا۔ کوئی سوچ نہیں تھی۔ بس سڑک پر نظر جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔ رفتار بتانے والی سوئی' اسی اور نوے کے درمیان لرز رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی اور سردار نگر تک ایک بھی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ عدیل آباد پہنچنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ یہاں سنگ میل نظر آیا جس پر غلام پور' ساٹھ کلومیٹر کے الفاظ درج تھے۔ یہاں سڑک دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ میں نے غلام پور والی سڑک پر گاڑی موڑ دی اور پھر اسی رفتار سے گاڑی دوڑانے لگا۔ دفعتاً" گاڑی کے عقبی حصے میں کوئی آہٹ سنائی دی اور سٹیئرنگ پر میرے ہاتھ بہک گئے۔ میں نے پوری قوت سے بریک لگا کر لہراتی گاڑی کو روکا اور اس کے ساتھ ہی پستول نکال کر' گاڑی کے عقبی حصے میں روشنی کر دی۔

لینڈ روور کی عقبی سیٹ پر مجھے دو ٹانگیں نظر آئیں---- پھر کسی کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔ میں ہونٹ بھینچے دیکھتا رہا اور پھر جب اس کا چہرہ سامنے آیا تو میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ بہروز تھی' اسی روپ میں' جس میں' میں نے چند گھنٹے قبل اسے' پروفیسر کی کوٹھی میں دیکھا تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنا لباس جھاڑ رہی تھی۔

"ستیا ناس تمہارا---- کر رکھ دیا۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اتنی دیر سے گاڑی دوڑائے جا رہے ہو۔ ایک کپ کافی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تمہیں؟"

"تم---- تم بہروز ہو یا اس کا بھوت؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بھوت ہوتی تو تمہاری گردن سے نہ چمٹ جاتی۔ سارے کپڑے غارت کر دیئے۔"

"اوہ---- اچانک بڑی بے تکلف ہو گئیں تم---- لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

اس نے نیچے گرا ہوا تھرماس اٹھایا اور اس میں بچی ہوئی کافی کا جائزہ لینے لگی۔

"تم' میرا وقت برباد کر رہی ہو۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"تمہیں کافی پلا کر دوبارہ فضا میں تحلیل ہو جاؤں گی۔" اس نے تھرماس میں بچی ہوئی کافی ایک کپ میں انڈیل کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لو کافی پیو۔"

میں نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس نے دوسرے کپ میں اپنے لیے کافی انڈیلی اور تھرماس گاڑی کے پچھلے حصے میں رکھ کر میرے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھی۔ مجھے اس کی موجودگی کا یقین نہیں آ رہا تھا---- پھر اس کا انداز گفتگو---- اس قدر بے تکلف وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

"ایمان سے بری طرح جل گئی ہوں۔" وہ اپنی کلائیوں کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "کافی کس قدر گرم ہے اس کا انداز تم خود لگا سکتے ہو۔"

"بہروز! اب بتا بھی دو۔ اعتراف کر چکا ہوں کہ سخت حیرت زدہ ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"ذہن پر زور دیجیے منصور صاحب! سب کچھ یاد آ جائے گا۔"

"گھامڑ ہو گیا ہوں بالکل۔ تم بتا دو۔" میں نے کہا تو بہروز بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بری بات ہے---- دراصل' لڑکی کی حیثیت سے رہتے ہوئے میں وہاں کی یکسانیت سے بور ہو گئی تھی اور مجھے اپنے آپ سے شکایت پیدا ہو چلی تھی---- پھر جب تم' پروفیسر شیرازی سے باتیں کر رہے تھے تو مجھے موقع مل گیا۔ اخبار میں دو جوڑے کپڑے لپیٹے' کافی بنا کر تھرماس میں بھری اور---- یہاں پچھلی سیٹوں کے نیچے گھس کر لیٹ گئی۔ لیٹے لیٹے کمر دکھ گئی تو سوچا کہ کافی پیوں اور تمہیں بھی پلاؤں۔ میں کافی انڈیل رہی تھی کہ تم نے اچانک بریک لگا دیئے اور میں کافی سمیت الٹ گئی۔"

بہروز نے کچھ اس انداز سے کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ ہم دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے پھر میں نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر کہا۔

"لیکن اب وہ لوگ جو تمہارے لیے پریشان ہوں گے؟"

"نہیں۔ میں بھوندو کو بتا آئی ہوں۔ وہ انہیں بتا دے گا۔" بہروز نے کہا۔

"میں' آپ کی ان طرح آمد کا مقصد پوچھ سکتا ہوں' محترمہ! جبکہ میں کسی کو بھی ساتھ لانا نہیں چاہتا تھا۔"

"پہلی وجہ تو بتا چکی ہوں' یکسانیت سے بوریت---- اور دوسری بات یہ ہے جناب عالی! کہ کسی میں اور بہروز میں بہت فرق ہے۔ بہروز وہ ہے جس نے بادیان میں حضور کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے اور کہیں بھی شکایت کا موقع نہیں دیا ہے۔"

"بہروز! غلام پور میں کافی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں' میرے لیے۔"

"بادیان کے بہروز کو بھول گئے، منصور؟"

"وہاں کی بات اور تھی۔" میں نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

"بے فکر رہیں۔ پہلے کی طرح میں اب بھی آپ کے لیے تکلیف دہ ثابت نہیں ہوں گی۔"

میں نے لینڈ روور اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ بہروز کی وجہ سے میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ غلام پور پہنچ کر اچھی طرح دل کی بھڑاس نکالوں گا اور چمن سے اپنا پرانا حساب کتاب بھی چکاؤں گا۔۔۔۔ لیکن اب بہروز کی وجہ سے محتاط رہنا پڑے گا۔

غلام پور تک کا بقایا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔ رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو تھا، جب غلام پور کی روشنیاں نظر آئیں۔ اطراف کے مناظر، گو کہ تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن انھیں محسوس کیا جا سکتا تھا۔ خاصی سرسبز جگہ تھی۔ غلام پور کا پھیلاؤ بھی معمولی نہیں تھا۔ روشنیوں کی وجہ سے شہر کے احاطے کا اندازہ ہوتا تھا۔ پندرہ لاکھ سے کم آبادی نہیں تھی۔ شہر، پتہ نہیں کیسا ہو گا۔

لینڈ روور، غلام پور میں داخل ہو گئی۔ صاف ستھری کشادہ سڑکیں اور روشنیاں۔ غلام پور، میری توقعات کے برعکس، خوبصورت شہر تھا۔ اندرونی۔۔۔۔ علاقوں میں ایسے شہر کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ ایک عمدہ جگہ تھی۔ کم از کم پانچ بڑے ہوٹلوں کے نیون سائن نظر آ چکے تھے اور گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

میں نے تاج ہوٹل کے سامنے گاڑی روک لی اور بہروز نیچے اتر گئی۔ "میرے لیے یہی ہوٹل مناسب ہے۔ تم اگر اسے پسند نہ کرو تو کوئی اور ہوٹل تلاش کر لو۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

لینڈ روور مناسب جگہ پارک کر کے جب میں ہوٹل میں داخل ہوا تو بہروز، ایک پورٹر کے ساتھ، بیرونی گیلری کی طرف جا رہی تھی۔۔۔۔ میں مسکراتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

کاؤنٹر کلرک نے میرا مدعا سن کر اندراجات کا رجسٹر، میرے سامنے کر دیا۔ رجسٹر میں اپنے کوائف تحریر کرتے ہوئے میں نے بہروز عجمی کا نام بھی پڑھ لیا۔ کلرک نے دوسرے پورٹر کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔۔۔۔ پھر ایک جوان العمر باوردی پورٹر نے میرا مختصر سامان اٹھایا اور مجھے، ہوٹل کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔

بہروز کا کمرہ بھی اسی منزل پر، میرے کمرے سے دو کمرے چھوڑ کر تھا۔ میں نے اس کے کمرے میں روشنی دیکھی تھی۔ بہروز کا میرے ساتھ آنا خلوص پر مبنی تھا لیکن میں نے

اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا تھا جس پر اب مجھے ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ اس طویل سفر سے تھکن سی ہو گئی تھی۔ اس لیے اب میں سو جانا چاہتا تھا۔ میں نے کمرہ اندر سے بند کیا، جوتے اتارے اور بستر پر چلانگ لگا دی۔

دوسرے دن آنکھ کھلی تو دن خوب چڑھ چکا تھا ور کھڑکی کے ذریعے دھوپ کمرے میں آ رہی تھی۔ میں نے غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے، ویٹر کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔۔۔۔ فوراً ہی ایک لمبا تڑنگا آدمی، ویٹر کی وردی میں ملبوس، کمرے میں داخل ہوا۔

"ناشتے میں کیا ملے گا؟" میں نے پوچھا تو اس نے مینو، میرے سامنے کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ شخص اچھا نہیں لگا تھا۔ مینو دیکھ کر میں نے چند چیزوں کا انتخاب کیا اور اسے آرڈر دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ میرے سامنے موجود تھا۔ جب وہ برتن لینے کے لیے دوبارہ آیا تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سنو۔۔۔۔ آنند سنگھ کو جانتے ہو؟"

"کون آنند سنگھ؟"

"مقامی غنڈہ ہے۔"

"اوہ۔۔۔۔ وہ گونگا سردار۔۔۔۔ آپ کو اس سے کیا کام ہے جی؟ جس چیز کی بھی ضرورت ہو حکم کیجیے یہیں مل جائے گی۔" اس نے گھنی مونچھوں کے نیچے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم غلط سمجھے ہو۔" میں بھی جواباً مسکرا دیا۔ "وہ میرا بچپن کا دوست ہے۔ میں ملک سے باہر تھا۔ لمبے عرصے کے بعد آیا ہوں۔ اس کا پتہ معلوم ہو تو بتا دو۔"

ویٹر کا چہرہ اتر گیا۔ غالباً وہ یہ سن کر پریشان ہو گیا تھا کہ میں، آنند سنگھ کا دوست ہوں۔

"رادھا ولی کا علاقہ، اس کا ہے، بابو جی! جس ٹیکسی ڈرائیور سے کہو گے، پہنچا دے گا۔ اس کے کئی اڈے ہیں، یہاں۔" ویٹر جلدی سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں نے رادھا ولی کا نام ذہن میں رکھ لیا۔

دس بجے کے قریب میں ٹہلتا ہوا، کمرے سے نکلا اور بہروز کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس کے کمرے کا دروازہ باہر سے لاک تھا۔ میں چونک پڑا۔ یہ لڑکی کہاں نکل گئی؟ لیکن مجھے اس پر غصہ نہیں آیا۔ وہ میری آگ میں جل رہی تھی اور صرف خلوص ہی اسے یہاں لایا تھا۔ ورنہ عیش کی زندگی گزار رہی تھی۔ ویسے بادیان کا بہروز، مجھے یاد تھا۔ یہ نرم و نازک اور خوبصورت سی لڑکی اچھا خاصا لڑ لیتی تھی اور بعض اوقات دو چار غنڈوں کے

لیے بکاؤ ہوتی تھی لیکن چمن کا معاملہ اور تھا۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے واپس آ کر میک اپ کا سامان نکالا اور چہرے کی مرمت کرنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کام سے فارغ ہو کر' خاموشی سے باہر نکل آیا۔ لینڈ روور اپنی جگہ کھڑی تھی اور لڑکے نے اس کی اچھی طرح صفائی کر دی تھی۔ اب مالک کے انتظار میں کھڑا تھا۔ میں نے خوش ہو کر' دس کا نوٹ اسے تھما دیا۔

"صاب! کھلا نہیں ہے۔" اس نے حسرت بھری نظروں سے نوٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رکھ لو۔ کل پھر آ جانا اور گاڑی کو خوب صاف کرنا۔ اتنے ہی پیسے ملیں گے۔" لڑکے نے شدومد سے گردن ہلائی اور بے شمار سلام کر ڈالے۔ میں نے لینڈ روور اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ایک جگہ رک کر میں نے ---- رادھاولی کے علاقے کے بارے میں معلوم کیا اور پرانی عمارتوں کے اس علاقے میں پہنچ گیا۔ دو رویہ دکانوں کی قطاریں تھیں۔ یہ پرانا شہر تھا اور رادھاولی کی یہ سڑک' سمندر تک جاتی تھی۔

میں نے لینڈ روور ایک جگہ پارک کر دی۔ اور انجن لاک کر کے' چابی انگلی میں گھماتا ہوا بے فکری سے چل پڑا۔ یہاں مجھے غیر ملکی آوارہ گردوں کی بہتات نظر آئی۔ جگہ جگہ ان کے پڑاؤ موجود تھے اور منشیات کا آزادانہ استعمال ہو رہا تھا۔

تھوڑی دور چل کر مجھے ایک ہوٹل کا بورڈ نظر آیا۔ میں' ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ عمارت پرانی ضرور تھی لیکن اسے اندر سے خوب آراستہ کیا گیا تھا۔ میں ایک خالی میز کے گرد' کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ فوراً" ہی ایک ویٹر آ مسلط ہوا۔

"کیا ملتا ہے یہاں۔"

"پانچ بجے سے پہلے صرف کھانا اور چائے۔"

"اور پانچ بجے کے بعد ----؟"

"ضرورت کی ہر چیز ----"

"کافی اور سینڈوچز لے آؤ۔ میں نے کہا۔ ویٹر نے دونوں چیزیں دس منٹ کے اندر سرو کر دیں۔ ہوٹل میں لوگ آ جا رہے تھے میں نے ان پر توجہ نہیں دی لیکن پھر ایک ایسی ہستی نظر آئی جسے میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا یہ بہروز تھی جو ہلکے میک اپ میں بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اس کے یہاں آنے سے مجھے کافی کوفت ہو رہی تھی۔ یہ جگہ اچھی نہیں تھی۔ مجھے اس کا اندازہ ہو چکا تھا لیکن وہ اس قدر خود اعتماد تھی کہ اب اسے سمجھانا فضول تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی ایک میز پر بیٹھ گئی۔ یہ میز' میرے قریب ہی تھی۔ بہروز کو بیٹھے' ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک بھاری بھر کم آدمی اپنی میز سے

اٹھ کر' اس کے قریب پہنچ گیا اور بڑی بے تکلفی سے ایک کرسی گھسیٹ کر' اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

وہ بھاری تن و توش اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ ہاتھ اور کلائی کے جوڑ پر پیشہ ور پہلوانوں کی طرح چمڑے کی پٹی کسی ہوئی تھی اور ناک کے نیچے گھنی مونچھیں نظر آ رہی تھیں۔ بادی النظر میں وہ کوئی اچھا آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

بہروز بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"جی فرمایئے ---- یہاں آنے کی زحمت کیسے کی؟"

"میرا نام ڈینی ہے' مس ----" وہ ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ سجا کر بولا۔

"تو پھر مسٹر ڈینی! فوراً" یہاں سے اٹھ جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ آنے والے وقت میں لوگ' تمہیں دیکھ کر ہنسنے کے علاوہ اور کچھ نہ کریں۔"

"واہ وا ----! تم تو مجھے دھمکیاں دینے لگیں' جان من! ویسے تم جیسی کٹ کھنی لڑکیاں' مجھے بہت پسند ہیں۔"

"ہوں ---- گویا تم کوئی ڈرامہ دیکھنا چاہتے ہو ---- تمھاری مرضی ----" بہروز نے اپنی کرسی پیچھے کھسکائی۔ اس سے پہلے کہ ڈینی کچھ سمجھ سکتا' اس نے پھرتی سے میز الٹ دی۔ ڈینی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور ساتھ ہی اس نے ریوالور بھی نکال لیا۔ اس کے ریوالور کا رخ ابھی بہروز کی طرف ہوا تھا کہ بہرواز نے الٹی ہوئی میز' پاؤں سے ڈینی پر اچھال دی۔ میز پوری قوت سے' اس سے ٹکرائی۔ اس سے بچنے کی کوشش میں' ڈینی کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ نیچے گرا اور میز اس کے سر پر۔ بہروز اچھل کر اس میز پر چڑھ گئی۔ قرب و جوار کی میزوں سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے چوکنا انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے' جیب میں ہاتھ ڈال کر' ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی تاکہ اگر کسی طرف سے مداخلت کی کوشش کی جائے تو ریوالور کی گولی' اسے روک سکے۔

پورے ہال پر نگاہ دوڑانے کے بعد مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو ڈینی اور بہروز کے معاملے میں مداخلت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ویسے سب کی نگاہوں میں دلچسپی کے تاثرات تھے اور ایک کمزور سی لڑکی اور توانا مرد کے درمیان ہونے والی کش مکش کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ابتدائی چند لمحات میں بہروز پوری طرح ڈینی پر چھائی رہی۔ میز کا وزن' بہروز کے وزن کے ساتھ مل کر' ڈینی کے لیے خاصی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا لیکن اس کا رخ ایسا تھا۔ کہ اگر گولی چلتی تو وہ فرش کو بھوتی ہوئی کہیں سے کہیں نکل جاتی۔ بہروز کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چونکہ میز کا

ایک کونہ' ڈینی کی کلائی پر بھی جما ہوا تھا اس لیے وہ' ریوالور کا رخ تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔

بہروز نے میز پر زور زور سے کئی جھٹکے لگائے اور وہ' ڈینی کے سر پہ پہنچ گئی پھر اس کے جوتے کی ٹھوکر' ڈینی کی کھوپڑی پر پڑی۔ وہ بری طرح کراہ اٹھا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے بہروز پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن بہروز کی زور دار ٹھوکر' اس کی پنڈلی پر پڑی۔ وہ جونہی جھکا۔ بہروز نے اس کی کمر پر لات رسید کر دی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

بہروز ابھی تک بہت عمدہ جا رہی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ نازک سی زمانہ ساز لڑکی جو بادیان میں صرف اپنی پھرتی اور چالاکی کی وجہ سے خطرناک مجرموں سے بچتی رہی تھی' لڑائی بھڑائی میں بھی ماہر ہو گی۔ پتہ نہیں' اس دوران میں' وہ مجھے دیکھ بھی سکی تھی یا نہیں۔ بہر طور' میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اسی وقت آگے بڑھوں گا جب اسے کوئی پریشانی لاحق ہو گی------ اس کی خود اعتمادی کو بھی آزما لیا جائے۔

بہروز چونکہ بلاوجہ ڈینی سے الجھنا نہیں چاہتی تھی' اس لیے ڈینی کے منہ کے بل گرتے ہی اس نے دروازے کی طرف چھلانگ------ لگائی------ اور بہتر یہی تھا لیکن دروازے کے قریب دو ویٹروں نے اسے روک لیا۔

بہروز نے خونخوار نگاہوں سے انھیں دیکھتے ہوئے پوچھا------ "کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو؟"

"بل کی رقم' مادام! اور توڑ پھوڑ جو آپ کر چکی ہیں۔" ایک ویٹر نے کہا۔

بہروز نے متوحش نگاہوں سے ڈینی کی طرف دیکھا۔ ڈینی پھر اٹھ رہا تھا۔ بہروز نے جلدی سے پرس کھول کر' ایک بڑا نوٹ کھینچا اور ویٹر کے منہ پر کھینچ مارا۔ ویٹر نے جلدی سے نوٹ لپک لیا لیکن ابھی انھوں نے راستہ نہیں چھوڑا تھا۔ اسی وقت بہروز کا الٹا ہاتھ ایک ویٹر کے منہ پر پڑا اور ویٹر لڑکھڑا گیا۔ اس طرح بہروز کو باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔

اسی وقت ڈینی بھی اٹھ کھڑا ہوا اور دھاڑتا ہوا' باہر کی جانب لپکا۔ اب میرے لیے بھی وہاں رکنا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک نوٹ نکال کر میز پر رکھا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

باہر چوڑی سڑک پر بہروز تیز رفتاری سے بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ ڈینی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس کے حلق سے غراہٹیں خارج ہو رہی تھیں۔

"رک جاؤ' لڑکی! ورنہ گولی مار دوں گا۔ رک جاؤ------"

"دفعتاً" ڈینی نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کسی کو اشارہ کیا۔ میری نگاہیں اس کے ے کی سمت میں اٹھ گئیں۔ سیاہ رنگ کی ایک مرسیڈیز کار اسٹارٹ ہو کر تیزی سے کے قریب پہنچ گئی۔

"اسے روکو------" ڈینی دھاڑا اور مرسیڈیز رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔ بہروز سڑک پر ہی دوڑ رہی تھی اور قرب و جوار میں کوئی ایسی گلی بھی نہ تھی جس میں گھس کر وہ' ڈینی نگاہوں سے روپوش ہو سکتی۔ اس لیے کار' آن کی آن میں اس کے قریب پہنچ ---- اور آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

مجھے صورت حال کا کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا۔ اب بہروز اتنے لوگوں کے درمیان حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے میں تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ میری ں' اب بھی بہروز پر تھیں۔

مرسیڈیز سے تین چار آدمی اترے تھے اور بہروز کے گرد گھیرا ڈال رہے تھے۔ اسی ان ڈینی بھی وہاں پہنچ گیا اور سب نے مل کر بہروز کو دبوچ لیا اور دوسرے ہی لمحے' ، کار کی عقبی سیٹ پر دھکیل کر سب کار میں گھس گئے۔ ڈینی بھی ان کے ساتھ ---- پھر کار ایک جانب روانہ ہو گئی۔

اس دوران میں' میں بھی اپنی گاڑی تک پہنچ کر اسے اسٹارٹ کر چکا تھا------ پھر نے ایک مخصوص فاصلہ رکھ کر' مرسیڈیز کا تعاقب شروع کر دیا۔ ویسے مجھے محسوس ہو تھا کہ بہروز کے اغوا کا واقعہ محض ایک اتفاق ہے۔ ڈینی ایک بدطینت شخص تھا۔ ممکن ' اس ہوٹل میں اس قسم کی عورتیں آتی ہوں اور ڈینی' بہروز کے بارے میں بھی اسی فہمی کا شکار ہو گیا ہو------ لیکن چونکہ وہ خود سر آدمی تھا اس لیے اپنی توہین برداشت ر سکا۔

اس سارے ہنگامے کے دوران' کسی شخص نے بھی بہروز کی مدد کرنے کی کوشش نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سب لوگ' ڈینی کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے معاملے مداخلت کرنے کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

میری لینڈ روور' مرسیڈیز کے پیچھے دوڑتی رہی۔ میں نے اپنے اور ان کے درمیان اتنا ہ رکھا تھا کہ انھیں تعاقب کا شبہ نہ ہو سکے------ مرسیڈیز کا سفر زیادہ طویل ثابت ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی جس کے اختتام پر ایک قدیم طرز کا بانما مکان نظر آ رہا تھا۔

مرسیڈیز یقینی طور پر اس مکان کی طرف ہی جا رہی تھی۔ کیونکہ آس پاس کوئی عمارت

نظر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے لینڈ روور کو اس ذیلی سڑک کے بائیں سمت جھاڑیوں میں موڑ دیا اور جھاڑیوں کے عقب میں ذیلی سڑک کے متوازی بڑھنے لگا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ ان لوگوں کو میری موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔

مرسیڈیز' اس عمارت میں داخل ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد میں بھی اس عمارت کے کمپاؤنڈ کے بائیں طرف پہنچ گیا۔ دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی اور اس کے ساتھ کئی جگہ مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ایک ڈھیر پر کھڑے ہو کر' میں نے عمارت کے اندرونی حصے پر نگاہ دوڑائی۔

احاطے میں چاروں طرف بے ترتیب جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جو کافی بلند ہو چکی تھیں۔ ان جھاڑیوں کے عقب میں' مجھے سیاہ مرسیڈیز نظر آئی جو دروازے کے پاس کھڑی تھی اور دو آدمی اس سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ باقی شاید بہروز کو لے کر اندر چلے گئے تھے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اچھل کر کمپاؤنڈ کی دیوار پر چڑھ گیا۔

پھر اندر اتر کر مجھے چھپنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ میں جھاڑیوں کی اوٹ لیتا ہوا' دیوار کے ساتھ ساتھ' عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ خاصی کشادہ عمارت تھی اور اس کی دیواریں کسی وجہ سے سیاہ ہو رہی تھیں۔ پیچھے ایک گول دروازہ تھا جس کے اوپری حصے میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ خلاف توقع کھل گیا۔ میں چند لمحے کھڑا' دوسری طرف کی سن گن لیتا رہا اور پھر عمارت میں داخل ہو گیا۔

ریوالور' میرے ہاتھ میں تھا اور میں بلی کی طرح دبے قدموں---- ایک راہداری سے دوسری راہداری میں' کمرے جھانکتا پھر رہا تھا---- پھر ایک ہال نما کمرے میں مجھے چند آوازیں سنائی دیں اور میں اس کمرے کی عقبی کھڑکی سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

کھڑکی کے پٹ بند تھے اور ان میں شفاف شیشے لگے ہوئے تھے لیکن ان کے عقب میں لوہے کی جالی موجود تھی۔ میں شیشوں سے کمرے کا منظر دیکھ سکتا تھا کیونکہ کھڑکی' دروازوں پر پردے نہیں تھے اور کمرے میں برائے نام فرنیچر تھا۔

چند افراد' بہروز کے ہاتھ' اس کی پشت پر کس رہے تھے اور اس کے سامنے' ایک کرسی پر' ڈینی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا مسکرا رہا تھا---- پھر بہروز کے ہاتھ باندھنے والے پیچھے ہٹ گئے۔ چند لمحے بعد شیطان صفت ڈینی' للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"بعض اوقات' عمدہ غذائیں ثقیل بھی ہوتی ہیں اور انھیں ہضم کرنے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ڈینی ہمیشہ اچھے کھانوں کا شوقین ہے۔"

بہروز نے ہونٹ بھینچ کر خونخوار نظروں سے ڈینی کی طرف دیکھا لیکن وہ بے بس تھی۔ وہ اسے کوئی مناسب جواب دینا چاہتی تھی لیکن اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

ڈینی اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا' بہروز کی طرف بڑھا پھر اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی لگاتے ہوئے بولا۔ ہاں تو' ڈیئر! تم ایسی ویسی لڑکی نہیں ہو' بہت ہی شریف زادی ہو---- تو پھر اس ہوٹل میں کیوں گئی تھیں؟"

"میں تیری کسی بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔" بہروز نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"نہ سہی---- اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے' تمھاری زبان سے کچھ سننے کی تمنا بھی نہیں۔ ویسے چہرے مہرے سے تو تم مقامی نہیں لگتیں---- کون ہو تم؟" اس نے اپنا چہرہ' بہروز کے چہرے کے بالکل قریب لاتے ہوئے پوچھا۔

دفعتہً بہروز نے پیچھے ہٹ کر' ایک زور دار ٹکر' اس کے چہرے پر ماری اور ڈینی کی بھیانک چیخ سنائی دی پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ایک زور دار تھپڑ' بہروز کے گال پر مارا۔ بہروز کے ہاتھ' پشت پر بندھے ہوئے تھے اور تھپڑ بھی زور دار تھا' اس لیے وہ خود کو نہ سنبھال سکی اور فرش پر گر گئی۔ اسی وقت ہال کے ایک کونے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ڈینی کی اس حرکت پر میرے ذہن میں انگارے سے بھر گئے تھے۔ میں' بہروز کے ساتھ یہ سلوک کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بہروز کی حفاظت کے لیے کوئی قدم اٹھانا چاہیے لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر میں چونک پڑا۔ ہال میں---- کھڑے ہوئے دوسرے آدمی' بہروز کے دائیں بائیں آ گئے۔

دوسری طرف ڈینی' فون ریسیو کر رہا تھا۔ غالباً" دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "جی ہاں' مسٹر آنند! جی ہاں---- لیکن کیا آپ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے پیچھے ہی یہاں تک آئے ہیں؟"

پھر وہ دوسری طرف سے کچھ سنتا رہا اور جواباً" بولا۔

"جی---- جی بہتر---- معافی چاہتا ہوں' باس---- لیکن آپ فکر نہ کریں' ایسا ہی ہو گا' میں خود دیکھ لوں گا---- جی ہاں' شکریہ!" اس نے ریسیور رکھ دیا اور پلٹ کر بہروز کی طرف دیکھنے لگا۔

"تیرے ساتھ کوئی اور بھی تھا' اس ہوٹل میں؟" اس نے حقارت آمیز انداز
بہروز سے پوچھا۔

بہروز نے جواب دینے کی بجائے نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔ ڈینی نے اس ط
توجہ نہیں دی اور اپنے آدمیوں سے بولا۔

"دیکھو' جاؤ----- کسی نے ہمارا تعاقب کیا ہے اور تعاقب کرنے والا لینڈ روور
تھا۔ فوراً" جاؤ اور عمارت کے چاروں طرف پھیل جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دھوکے میں ما
جائیں۔" کمرے میں کھڑے ہوئے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے
پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

صورت حال کی اس غیر متوقع تبدیلی پر میں بھی حیران رہ گیا تھا----- لیکن ڈ
زبان سے نکلے ہوئے' باس اور آنند کے الفاظ' میرے لیے زیادہ تحیر خیز تھے۔ اس کا م
ہے کہ آنند نے ڈینی کو میرے بارے میں اطلاع دی ہے اور ڈینی' آنند کا
ہے----- لیکن آنند کو میرے بارے میں کیسے پتہ چلا؟

بہر حال' میں اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ
کے آدمیوں سے مڈبھیڑ اب ناگزیر ہے لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی مجھ
پہنچ جائیں گے۔ میں نے اپنے عقب میں ایک آہٹ سنی۔ اس سے پہلے کہ میں پلٹتا'
چمک میری آنکھوں کے سامنے لہرا گئی۔ موت مجھ سے ایک انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔

پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے خنجر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ اپنے زور م
سے ٹکرا گیا لیکن خنجر والا ہاتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ میرے لیے اتنی ہی مہلت کافی تھی
نے جھکائی دے کر گھٹنا پوری قوت سے اس کے پیٹ میں مارا۔ خنجر والے کے حلق
ایک کریہہ آواز نکل گئی لیکن اب میں اسے دوسرا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ م
پوزیشن بدل کر اس کی کمر پر لات رسید کی اور وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا---
میں نے اسے کوئی موقع دیئے بغیر' بڑھ کر جوڈو کا ایک ہاتھ' اس کی گردن پر مارا---
اور اس کا چہرہ دوبارہ دیوار سے ٹکرا کر بھرتا بن گیا۔ وہ کوئی آواز نکالے بغیر' دیوار کے
ساتھ گھسٹتا ہوا نیچے گر پڑا۔ میں نے دیکھا' وہ مر چکا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس سے پہلے
لوگ' مجھ تک پہنچیں' میں خود ہی ان تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میں نے دروازے پر ایک
وار ٹھوکر ماری اور اس کے دونوں پٹ' ایک دھماکے سے کھل گئے۔

اندر اب صرف ڈینی تھا اور بہروز تھی جو ایک دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ ڈینی

دیکھا تو حیرت سے اس کا منہ کھل گیا لیکن دوسرے ہی لمحے' اس نے پھرتی سے ریوالور
نکال لیا----- پھر اس قبل کہ وہ' اسے استعمال کرتا' میں نے ایک زور دار دھاڑ کے
ساتھ' اس پر چھلانگ لگا دی۔ میرے پیر' اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کے نیچے بغل پر پڑے۔

ڈینی اپنی جگہ سے دو' تین فٹ اونچا اچھل پڑا۔ میں نے ایک پاؤں زمین پر ٹکایا اور
گھوم کر دوسری لات' اس کے چہرے پر ماری۔ ڈینی ڈکراتا ہوا ریوالور سمیت ایک طرف
گرا۔ میں نے ایک ٹھوکر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر رسید کی اور میری اس ٹھوکر نے
اس کی کلائی کی ہڈی توڑ دی۔ اس کے حلق سے ہولناک دھاڑیں خارج ہونے لگیں۔
میں نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کا ریوالور اٹھا لیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی دھاڑیں سن
کر باہر والے لوگ' اندر کی طرف دوڑیں گے۔ چنانچہ میں نے بہروز کی طرف چھلانگ لگائی
اور اسے گھسیٹتا ہوا' دروازے کے پیچھے لے آیا تاکہ اگر وہ لوگ اندر آتے ہی اندھا دھند
فائرنگ شروع کریں تو بہروز' ان کی زد میں نہ آئے----- پھر میرا اندازہ درست ہی نکلا۔

دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان سب
کے ہاتھوں میں ریوالور دبے ہوئے تھے لیکن اب میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔
میرے دونوں ہاتھوں میں دبے ہوئے ریوالوروں سے گولیاں نکلیں اور ان کے جسموں میں
پیوست ہو گئیں۔ چاروں آدمی بری طرح چیخے اور گر کر تڑپنے لگے۔

اسی وقت دو آدمی اور دوڑتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ غالباً" ان چاروں کی
چیخوں اور گولیوں کی آوازوں نے انھیں اس طرف متوجہ کیا تھا----- پھر بھلا یہ دو بھی
کس طرح بچتے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دونوں ریوالوروں میں ایک ایک گولی باقی
تھی۔ کیونکہ جب میں نے دوبارہ ان دونوں کا نشانہ لے کر ٹرائیگر دبائے تو ریوالوروں سے
صرف ٹرچ ٹرچ کی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ میں نے برق رفتاری سے ریوالور' ان دونوں پر
دے مارے اور بڑھ کر ان کے ہاتھوں سے ریوالور چھین لیے۔ اب میں نئے آنے والوں
کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

ڈینی ابھی تک پڑا تڑپ رہا تھا' اس کی آنکھیں چڑھی جا رہی تھیں۔ میں خاموشی سے
دروازے کے پیچھے دبکا کھڑا رہا۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اب اس عمارت میں کتنے افراد
موجود ہیں۔ بہروز بھی خاموشی سے میرے قریب کھڑی تھی۔ اس کے چہرے سے کسی قسم
کے تاثر کا اظہار نہیں ہو رہا تھا----- ہمیں وہاں کھڑے کھڑے پانچ منٹ گزر گئے لیکن
اب تک باہر کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تھی۔ تب میں' بہروز کی طرف متوجہ ہوا اس کے
ہاتھ کھول کر دونوں ریوالور اسے پکڑا دیئے۔

"تم یہیں رک کر اپنی حفاظت کرو، بہروز! میں باہر دیکھتا ہوں کہ یہاں ان کے اور کتنے آدمی موجود ہیں۔" پھر میں نے دو ریوالور اٹھائے اور انھیں لیے ہوئے باہر نکل آیا۔ میں نے عمارت کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن ان چھ آدمیوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہ تھا۔ میں مطمئن ہو کر دوبارہ اسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں بہروز موجود تھی۔ وہ ڈینی کو کور کیے بیٹھی تھی اور ڈینی ایک ہاتھ کے سہارے کھسکتا ہوا، دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

میری آمد پر بھی اس نے کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور تکلیف کے سائے منجمد نظر آ رہے تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پھر بہروز سے مخاطب ہوا۔

"ڈیئر، بہروز! یوں کرو کہ تم ریوالور لے کر باہر نکل جاؤ اور عمارت کی کسی بلند لیکن پوشیدہ جگہ پر بیٹھ کر، سڑک پر نظر رکھو۔ اگر کوئی ذیلی سڑک کی طرف آئے تو مجھے اطلاع دے دینا۔" بہروز نے گردن ہلائی اور ریوالور لیے ہوئے باہر نکل گئی۔ تب میں ڈینی کی طرف متوجہ ہوا۔

"ڈیر ڈینی! عیاشی بری چیز ہے اور برائی کی طرف بھی انسان کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے----- لیکن تم شاید پاگل ہو۔ کسی بھی لڑکی کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھنا اچھی بات نہیں ہے۔ اس کے نتائج تم خود دیکھ چکے ہو۔ بہر طور، وہ تمھارا اپنا فعل تھا جس کی سزا تم بھگت چکے ہو----- لیکن ابھی تم نے ایک فون ریسیو کیا تھا اور فون کرنے والے نے تمھیں میرے تعاقب کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ فون کس کا تھا، ڈینی؟"

ڈینی نے متوحش نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے سر جھٹکنے لگا-----

تھوڑی دیر بعد وہ کراہتا ہوا بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم نے جو کچھ کیا ہے، اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہو۔ اس وقت تم، ہم پر حاوی ہو گئے ہو لیکن غلام پور سے نہیں نکل سکو گے۔ یہاں سے تمھارا زندہ واپس جانا ناممکن ہے۔"

"یقیناً----- یقیناً----- میں جانتا ہوں لیکن یہ بعد کی بات ہے، فی الحال تو تم مشکل کا شکار ہو۔ مجھے بتاؤ، فون کس نے کیا تھا؟ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہوں۔ اگر تم بتا دو تو شاید یہ تمھارے حق میں بہتر ثابت ہو، ورنہ میں، تمھیں گولی مار کر اطمینان سے نکل جاؤں گا۔"

"مگر تم یہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا، اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر دباؤ ڈالنے لگا۔ ڈینی نے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے سہارا لینے کی----- کوشش کی لیکن کلائی کی

تکلیف نے اس کے حلق سے بے شمار کراہیں خارج کر دیں۔ گھٹنے کی تکلیف بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہٹ جاؤ----- پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں مر رہا ہوں۔"

"نہیں----- پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"آنند کا فون تھا، آنند سنگھ کا۔ وہ یہاں کا سب سے خطرناک آدمی ہے۔ تم، اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"اور وہ خطرناک آدمی کہاں رہتا ہے؟ میں اس سے ملاقات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"بھٹے پر----- یہاں سے سیدھے آخری سڑک پر چلے جاؤ۔ راداھولی کے سرے پر تمھیں اینٹوں کا ایک بھٹہ ملے گا۔ آنند سنگھ وہیں رہتا ہے لیکن تم اس طرف جا کر زندہ نہ بچ سکو گے۔"

"میری زندگی کی فکر نہ کرو ڈینی ڈارلنگ! مجھے افسوس ہے کہ تمھاری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔" میں چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر ڈینی کی پیشانی کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی نے اس کی کھوپڑی کو کئی حصوں میں منقسم کر دیا اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ میں، اس پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا باہر آ گیا اور بہروز کو آوازیں دینے لگا۔ چند لمحوں بعد بہروز اوپری منزل سے اتر کر میرے پاس پہنچ گئی۔

ہم، جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے تیزی سے لینڈ روور کی طرف بڑھنے لگے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ لینڈ روور چند لوگوں کی نگاہ میں آ چکی ہے۔ اس کا یہاں تک تعاقب کیا گیا تھا اور تعاقب کرنے والوں نے اس کی----- اطلاع آنند سنگھ کو دی تھی۔ اس بات کے امکانات تھے کہ لینڈ روور کا تعاقب کرنے والے، اب بھی اس کی نگرانی کر رہے ہوں----- لیکن لینڈ روور کو یہاں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔

لینڈ روور کے قریب پہنچ کر میں نے آس پاس کے علاقے کی سن گن لی۔ لیکن مجھے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی۔ "بہروز! تم لینڈ روور اسٹارٹ کر کے کچی سڑک پر لے جاؤ اور وہاں رک کر میرا انتظار کرو۔" میں نے بہروز سے سرگوشی میں کہا۔

بہروز نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔ اب وہ بے چوں و چرا میری ہدایات پر عمل کر رہی تھی۔ غالباً اپنی خود سری پر شرمندہ تھی۔ اس نے لینڈ روور اسٹارٹ کی اور اسے سڑک پر لے آئی۔ اس دوران میں، میری نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی----- پھر میں لینڈ روور کے قریب پہنچا اور پچھلا دروازہ کھول کر

بیٹھ گیا۔ بہروز نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "شہر کی طرف چلو۔" میں نے کہا اور پھر گہری نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ابھی تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی لیکن تقریباً دو میل چلنے کے بعد دفعتاً ایک اور ذیلی سڑک سے پیلے رنگ کی ایک کار نکلی اور ہماری گاڑی کے پیچھے چل پڑی۔ میرے جبڑے بھینچ گئے۔ بہروز نے بھی شاید عقب نما آئینے سے اس کار کو دیکھ لیا تھا۔

"منصور------" اس کی آواز ابھری۔

"ہاں' میں نے دیکھ لیا ہے' تم چلتی رہو' اطمینان سے۔"

میری نظریں' پیلی کار پر مرکوز تھیں۔ پہلے تو وہ ایک مخصوص فاصلہ دے کر ست رفتاری سے چلتی رہی پھر دفعتاً اس کی رفتار تیز ہو گئی اور آگے نکلنے کے لیے ہارن دینے لگی۔ بہروز نے لینڈ روور سائڈ میں کر لی اور پیلی کار زن سے آگے نکل گئی۔ لیکن تھوڑی دور جا کر وہ سڑک پر قدرے ترچھی کھڑی ہو گئی۔ بہروز نے رفتار ہلکی کر دی اور میں اپنی جگہ چھوڑ کر سامنے کے رخ پر آ گیا۔

کار کے چاروں دروازے کھلے اور چار آدمی نیچے اتر آئے۔ چاروں مسلح تھے۔ لینڈ روور اب آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔ کار والوں نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔

"اسی طرح ست رفتاری سے بڑھو اور جونہی قریب پہنچو' رفتار تیز کر کے' کار کے پچھلے حصے کو ٹکر مارتی ہوئی آگے نکل جاؤ۔" میں نے کہا اور بائیں جانب ہو گیا۔ میں نے لینڈ روور کی چھت کے قریب ایک خانہ کھول کر دو دستی بم نکال لیے۔ بہروز' میری ہدایت کے مطابق آگے بڑھتی ہوئی بڑے محتاط انداز میں گاڑی کو ایک سمت میں کاٹ رہی تھی------ پھر ایک دھماکا ہوا اور وہ لوگ بری طرح چیخ پڑے۔ اسی وقت میں نے سیفٹی پن کھینچ کر دونوں بم' کار پر اچھال دئے۔

بہروز نے ایک دم ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈال دیا اور گیئر کی گراریاں گڑگڑانے لگیں لیکن انجن طاقت ور تھا' اس نے ایک لمحے میں پک اپ لے لیا۔ دوسری طرف دو ہولناک دھماکے ہوئے اور پیلی کار فضا میں بلند ہوتی نظر آئی۔ لینڈ روور پوری رفتار سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں مسکراتا ہوا' بہروز کے پاس اگلی نشست پر آ بیٹھا۔ وہ بڑے اعتماد سے ڈرائیو------ کر رہی تھی۔ کافی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "کیا یہ صرف اتفاق نہیں تھا؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اس قسم کی کسی حرکت کے امکانات ہو سکتے تھے۔ ان واقعات کا تعلق چمن سے تو نہیں ہے۔"

"میں نے کب کہا' بہروز؟"

"مجھے احساس ہے' منصور! کہ میری وجہ سے تمہیں مشکل پیش آئی۔ یقین کرو' اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"ارے' ارے بھئی! میں نے کچھ کہا ہے' تم سے؟" میں جلدی سے بولا۔ "ہر جگہ اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس کا تعلق آنند سنگھ سے نکل آیا۔ ویسے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے بدمعاشوں کا تعلق کسی نہ کسی بڑے گروہ سے ضرور ہوتا ہے۔" میں نے بات گھمانے کی کوشش کی تو بہروز' ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر میری طرف دیکھنے لگی پھر مسکرا کر بولی۔

"تم بات کو ٹال رہے ہو' منصور! حالانکہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے ذہن میں میرے لیے کبیدگی ضرور ہو گی۔"

"ارے نہیں' بھئی! فضول قسم کی باتیں سوچ کر اپنے ذہن کو خراب مت کرو۔"

اسی اثنا میں ہم شہر پہنچ گئے۔ میں لینڈ روور سے ضروری سامان نکالنے لگا۔ آٹھ دستی بم باقی تھے' میرے پاس------ اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں تھیں' جنھیں وقتی طور پر میں نے ایک کپڑے میں لپیٹ لیا تھا۔

بہروز عقب نما آئینے میں میری حرکات کا جائزہ لے رہی تھی تھوڑی دیر بعد' میں نے اس سے گاڑی روک لینے کو کہا۔ بائیں سمت ایک چھوٹی سی سڑک تھی اس کے اختتام پر ہوٹل کنگ کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ میں نے بہروز سے اس طرف چلنے کو کہا اور بہروز نے گاڑی اس پتلی سی سڑک پر موڑ دی۔ تھوڑی دیر بعد' ہم کنگ ہوٹل کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ بہروز' لینڈ روور کو گیٹ سے اندر لیتی چلی گئی اور پھر ایک سائڈ میں پارک کر دی۔

"گاڑی لاک کر کے نیچے اتر آؤ۔ اس ہوٹل میں ہمیں' مسٹر اور مسز بہرام کے نام سے ایک کمرہ حاصل کرنا ہے۔" میں نے کہا تو بہروز نے گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر بعد' ہم ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے اور رجسٹر پر نام و پتہ لکھوانے کے بعد ایک بیرے نے ہمیں' ہمارے کمرے تک پہنچا دیا۔ ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ ہمارا سامان پیچھے آ رہا ہے۔ کمرہ مختصر سا تھا۔ حالانکہ اس میں ڈبل بیڈ تھا لیکن تاج کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا۔

بہروز تھوڑی دیر تک کمرے کا جائزہ لیتی رہی پھر میں' بہروز کو اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔ چابی' میں نے کاؤنٹر کلرک کو دی اور اسے بتایا کہ ہم لوگ اپنا سامان لینے جا رہے ہیں۔ ہوٹل سے باہر آکر میں نے لینڈ روور سے اپنے سامان کی پوٹلی اٹھائی اور آہنی گیٹ سے نکل آئے۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی کے ذریعے ہم دوبارہ تاج پہنچ گئے۔ بہروز اس تمام کارروائی کے دوران خاموش تماشائی بنی رہی تھی۔ صورت حال شاید اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ میرے ساتھ ساتھ میرے کمرے میں آ گئی اور ایک آرام کرسی پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

”میں سمجھ گئی کہ لینڈ روور وہاں کیوں چھوڑی گئی ہے۔ اب وہ لوگ ہمیں' کنگ ہوٹل میں تلاش کرتے رہیں گے اور لینڈ روور کی وہاں موجودگی انھیں' اس بات کا یقین دلائے گی کہ ہم' کنگ میں مقیم ہیں۔“

”ہاں-----“

”لیکن اب کیا پروگرام ہے' منصور؟“

”وہ بھی بتا دوں گا۔ میرے خیال میں کچھ کھا پی لیا جائے۔ کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی ہے' کچھ تھکن ہو گئی ہے۔“

”ویٹر کو بلاؤں؟“

”ہاں بلا لو----- لیکن تمھاری یہاں موجودگی' میرے خیال میں مناسب نہیں ہے؟“

”تو پھر الگ الگ کافی پی لیں گے۔“

”اس وقت یہی بہتر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب ویٹر تمھارے کمرے میں کافی سرو کر دے تو میں بھی وہیں آ جاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کافی منگوا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آپ میرے کمرے میں ہی آ جائیے گا۔“

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد میں' بہروز کے کمرے میں چلا گیا----- کافی آ چکی تھی۔ بہروز نے کافی کی ایک پیالی بنا کر میرے آگے رکھ دی اور دوسری خود لے کر بیٹھ گئی۔ کافی کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے۔ ہم خاموشی سے کھاتے پیتے رہے لیکن میرا ذہن آیندہ کا پروگرام بنا رہا تھا۔ بہت سے منصوبے میرے ذہن میں بنتے اور بگڑتے رہے پھر میں نے ایک گہری----- سانس لے کر کہا۔

”اب بتاؤ' بہروز! کوئی ترکیب سمجھ میں آتی ہے؟“

”کیسی ترکیب-----؟“

”صورت حال تمھارے علم میں ہے' اس سے نمٹنے کے لیے کیا کوئی بہتر ترکیب تمھارے ذہن میں آ سکتی ہے؟“

”ایک ترکیب ہے تو سہی----- لیکن تم مانو گے نہیں۔“

”بتاؤ' اگر کار آمد ہوئی تو نہ ماننے کا کیا سوال ہے۔“

”تم مجھے ان کے لیے چارہ بناؤ۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ڈینی کا تعلق' آنند سنگھ سے تھا۔ اس کے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔ آنند سنگھ اس بات پر خاموش نہیں بیٹھے گا اور مجھے تلاش کرائے گا۔ تم' مجھے' کنگ ہوٹل کے اسی کمرے میں چھوڑ دو۔ میں' لینڈ روور کا آزادانہ استعمال کروں گی اور تم میک اپ میں' میرا تعاقب کرو۔ دیکھیں' وہ لوگ مجھے کہاں لے جاتے ہیں۔ اگر میں' آنند سنگھ کے اڈے پر پہنچ گئی تو چمن کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہو سکیں گی۔“

میں' بہروز کی بات سن کر اچھل پڑا۔ بڑی شاندار ترکیب تھی۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ راوھاولی میں اینٹوں کے بھٹے کے قریب پہنچ کر صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کروں گا لیکن بہروز نے عمدہ آئیڈیا دیا تھا لیکن اس میں صرف یہ خطرہ تھا کہ کہیں بہروز کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

”مجھ پر اعتماد کرو' منصور!“ بہروز' میرے چہرے کا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔ ”اب میں اتنی کمزور بھی نہیں ہوں----- یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات صورت حال بالکل بے بس کر دیتی ہے لیکن بار بار ایسا نہیں ہوتا۔“

”یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی کہ تمھیں داؤ پر لگا دوں۔“

”منصور----- ادھر ایاز اور گل جی داؤ پر لگی ہوئی ہیں۔ کیا ان کی حیثیت مجھ سے کم ہے؟“

”بہروز! تم بہت عظیم ہو۔ میرے لیے جس طرح تم نے خود کو وقف کر دیا ہے' میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا لیکن-----“

”پلیز' منصور!“ وہ لجاجت سے بولی۔ ”ان باتوں کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے ان کا اہل ثابت ہونے کا موقع دو۔“

میں اس کی پیش کش پر غور کرنے لگا لیکن بہرصورت اس میں بہروز کے لیے خطرہ تھا۔ آنند سنگھ اپنے خاص آدمیوں کی موت پر خاموش نہیں بیٹھے گا اور بہروز کے سلسلے میں معلومات حاصل کرانے کی کوشش کرے گا----- پھر میں' بہروز سے اتفاق کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔

"کیا سوچا ہے' منصور؟"

"ٹھیک ہے' بہروز! اگر تم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہو تو میں تمھاری یہ پیش کش قبول کرتا ہوں۔ میں اپنے چہرے پر میک اپ کو لوں پھر یہاں سے ضروری سامان لے کر ہم' کنگ ہوٹل چلیں گے۔ وہاں تم اسی کمرے میں مقیم ہو جانا اور میں کوئی دوسرا کمرہ حاصل کر لوں گا تا کہ تم پر نگاہ رکھ سکوں لیکن ایک مسئلہ ہے۔"

"وہ کیا------؟"

"مجھے بھی ایک گاڑی کی ضرورت ہو گی تا کہ میں' تمھارا تعاقب کرتا رہوں۔"

"خاصا بڑا شہر ہے۔ میرے خیال میں یہاں کرائے کی گاڑیاں مل جاتی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے' یہ معلومات بھی کنگ چل کر ہی حاصل کر لوں گا۔" مین نے جواب دیا اور بہروز کے کمرے سے نکل آیا۔

اپنے کمرے میں آ کر' میں نے میک اپ کا سامان نکالا اور چہرے کی مرمت کرنے بیٹھ گیا۔ اس سلسلے میں اب میں نے خاصی مشق کر لی تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد' مجھ میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے ضروری سامان لیا اور بہروز کے ساتھ' تاج سے نکل آیا۔

خوش قسمتی سے کنگ میں دوسرا کمرہ' بہروز کے کمرے کے ساتھ ہی مل گیا۔ بہروز کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر میں باہر نکل آیا۔ ہوٹل سپروائنڈ سے کرائے کی کار کے بارے میں پوچھا تو اس نے خود ہی ایک کار کی------ پیش کش کر دی۔ کار مجھے پسند آئی اور میں نے کرایہ ادا کر کے' اس کی چابی حاصل کر لی۔ یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ کہیں باہر جانے کی نوبت نہیں آئی تھی------ اور پھر ہم انتظار کرنے لگے۔

رات آٹھ بجے' بہروز ڈائننگ ہال میں پہنچ گئی۔ میں بھی اپنے کمرے سے نکل آیا------ لیکن میں' ڈائننگ ہال میں رکنے کی بجائے ہوٹل سے باہر نکل گیا------ اور کن انکھیوں سے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے ایک گاڑی نظر آ گئی جو کنگ کے سامنے ایک تنگ سی گلی میں کھڑی تھی۔ گاڑی میں روشنی تھی اور دو آدمی اگلی سیٹوں پر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ میں ٹہلنے کے انداز میں گلی کے سرے تک گیا اور واپس آ گیا۔ یقیناً وہ لوگ' لینڈ روور کی نگرانی کر رہے تھے۔

میں' ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا اور بہروز سے ذرا فاصلے پر ایک میز کے گرد بیٹھ گیا۔ بہروز کھانا کھا رہی تھی۔ میں نے بھی کھانے کا آرڈر دے دیا۔

دس بجے تک ہم دونوں' ڈائننگ ہال میں بیٹھے رہے پھر بہروز کے اٹھنے کے بعد' میں بھی اٹھ گیا۔ ڈائننگ ہال میں کوئی نہیں تھا------ اور راہداری بھی خالی پڑی تھی۔ چنانچہ میں' بہروز کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"کیا صورت حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گاڑی کی نگرانی ہو رہی ہے۔ دو آدمی نگاہ میں آئے ہیں۔"

بہروز کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کچھ کہنے کی جسارت کر سکتی ہوں' منصور؟"

"ہاں' کہو------ کیا بات ہے؟"

"جب ہم نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے تو اس کی تکمیل میں دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

میں نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں' لینڈ روور لے کر آوارہ گردی کرنے نکل کھڑی ہوتی ہوں کہیں نہ کہیں وہ لوگ کھل کر سامنے آ ہی جائیں گے۔"

"او۔ کے! تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور بہروز اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوئی خاص تیاری تو کرنی نہیں تھی' اسے' تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آئی۔ اس دوران میں' میں نے اپنی تیاری مکمل کر لی تھی۔ لینڈ روور ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے نکل گئی تو میں نے بھی اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر رک کر' میں نے گلی میں کھڑی ہوئی کار کی طرف دیکھا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ اسٹارٹ ہو' کر' لینڈ روور کے پیچھے چل پڑی تھی------ پھر میں نے اس کار کی عقبی روشنیوں کے سہارے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

اب یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ بہروز کا رخ رادھاولی کی طرف تھا۔ وہ کہیں رکے بغیر' رادھاولی کے آخری سرے پر اینٹوں کے بھٹے کے قریب پہنچ گئی۔ وہاں ایک ریستوران کے سامنے اس نے گاڑی روکی اور اتر کر ریستوران میں داخل ہو گئی۔ تعاقب کرنے والے بھی اس کے پیچھے پیچھے ریستوران میں گئے تھے۔ وہ تین آدمی تھے اور اچھے خاصے تن و توش کے مالک تھے۔

میں نے یہی مناسب سمجھا کہ گاڑی ہی میں بیٹھ کر' ان کی واپسی کا انتظار کروں------ پون گھنٹے تک مجھے اسی طرح بیٹھے رہنا پڑا پھر میں بری طرح چونک پڑا۔

دو آدمی بہروز کو سنبھالے ہوئے ریستوران سے باہر لا رہے تھے بہروز نیم مدہوشی کی

کیفیت میں تھی۔ میں کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کروں؟

وہ دونوں اپنی کار کی طرف بڑھنے کی بجائے' بہروز کو لیے بھٹے کی سمت روانہ ہو گئے جو تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ بھٹے کے نزدیک کچھ اور عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ میں ان عمارتوں کی آڑ لے کر' ان کا تعاقب کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوش نما عمارت میں داخل ہو گئے۔ گویا یہی آنند سنگھ کی رہائش گاہ تھی۔

بہرطور' بہروز کو قربانی کا بکرا بنایا تھا تو اس کی حفاظت کی ذمے داری بھی میرا فرض تھا۔ میں اسے نگاہوں سے اوجھل ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں رک کر میں اس عمارت کی نگرانی کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک گھنٹے تک انتظار کروں گا' اس کے بعد میں بھی عمارت میں داخل ہو جاؤں گا۔

وقت گزرتا رہا۔ میرے بدن میں اینٹھن سی ہونے لگی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قدم اٹھاؤں---- پھر میں عمارت میں داخل ہونے کے ارادے سے آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ پہلے میں اس عمارت کا چاروں طرف سے جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ابھی میں عمارت کے گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر تھا کہ میں نے گیٹ سے کسی کو نکلتے دیکھا۔ جب وہ شخص' روشنی میں ذرا قریب آیا تو اسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ تغلق خان تھا۔ چمڑے کی جیکٹ اور چست پتلون میں خاصا---- اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' ہونٹوں سے سیٹی بجاتا' لا پرواہی سے چلا آ رہا تھا۔ میں نے اطراف کا جائزہ لیا کہ کوئی اس کی نگرانی تو نہیں کر رہا---- لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی۔

تغلق خان کافی دور تک پیدل چلتا رہا اور پھر وہ اس ریستوران کی طرف بڑھ گیا جہاں سے تھوڑی دیر پہلے بہروز کو اغوا کیا گیا تھا۔ ریستوران میں داخل ہونے سے قبل میں نے اسے جا لیا اور عقب سے آواز دی۔ تغلق خان ٹھٹک گیا۔

وہ پلٹ کر چند لمحوں تک مجھے اجنبی نظروں سے دیکھتا رہا پھر میرے قریب پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تغلق خان! یہ میں ہوں' پرنس دلاور!"

"کیا----" تغلق خان ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں' میں میک اپ میں ہوں---- اس طرف آ جاؤ۔ تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ

لے۔" میں نے کہا اور اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔ تغلق خان تیز تیز قدموں سے میرے پیچھے آیا تھا۔ چند لمحوں میں وہ کار کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے کار کا دروازہ کھولا اور وہ دوسری طرف سے گھوم کر میرے نزدیک آ بیٹھا۔ اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"کیا---- کیا واقعی---- آپ پرنس ہیں؟"

"ہاں' تغلق خان! کیا تم' میری آواز نہیں پہچانتے؟"

"اب پہچان رہا ہوں---- مجھے گمان بھی نہ تھا کہ آپ سے یہاں ملاقات ہو جائے گی۔"

"ہاں' مجھے بھی توقع نہیں تھی۔"

"مگر آپ یہاں کیسے آئے' پرنس؟"

"پریشان کن حالات کے تحت۔"

"ارے----" تغلق خان متحیر لہجے میں بولا۔ "اور آپ کے خادم؟"

"میں نے کسی کو ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں---- لیکن تم پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔"

"پوچھیے----"

"آنند سنگھ کے اڈے سے آ رہے ہو؟"

"جی ہاں---- آپ اسے جانتے ہیں؟"

"ہاں' اور تمہیں معلوم ہے کہ چمن بھی یہاں آیا ہوا ہے؟"

"جی---- ابھی تھوڑی دیر قبل اس سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"گڈ---- تب تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ کچھ لوگوں کو لے کر آیا ہے۔"

"نہیں---- میں نے یہاں اس کی آمد کے بارے میں پوچھا تھا لیکن اس نے تفصیل نہیں بتائی۔"

"تو پھر مجھ سے سنو' تغلق خان! وہ گل' ایاز اور دو عورتوں کو لے کر یہاں آیا ہے۔ گل کو تم جانتے ہی ہو' ایاز کے بارے میں بھی تمہیں علم ہے کہ وہ میرا دوست ہے اور ان دو عورتوں میں سے ایک ایاز کی منگیتر اور دوسری اس کی ماں ہے۔ وہ ایاز کی وجہ سے مصیبت کا شکار ہوئی ہیں۔ میں انہی کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

"اوہ' پرنس! آپ کا یہ خادم حاضر ہے۔ آپ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ں' ان چاروں کو یہاں سے نکال کر آپ کے حوالے کردوں گا۔"

"شکریہ، تغلق خان! ویسے ایک پانچویں شخصیت کو بھی وہاں لے جایا گیا ہے۔ جانتے ہو، وہ کون ہے؟ بہروز ---- میری ساتھی۔"

"ٹھیک ہے، پرنس! آپ اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہیں۔ آپ کو زحمت نہیں کرنی پڑے گی۔"

"مجھے یقین ہے، تغلق خان! جسے اچھا دوست مل جائے، اسے کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں رہتی۔"

"یہ تو آپ کی کشادہ دلی ہے، پرنس!"

"تم کیا کرو گے، تغلق خان! کیا منصوبہ ہے، تمہارے ذہن میں؟"

"جس طرح آپ پسند فرمائیں۔"

"ویسے یہاں تمہاری آمد کی کیا کوئی خاص وجہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں ---- بہت ہی خاص وجہ ہے۔ مجھے، سیٹھ جبار نے یہاں بھیجا ہے ---- اس سلسلے میں، آپ بھی ملوث ہیں۔"

"میں ----؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔ "مگر کیسے؟"

"دراصل، ایک افریقی ریاست کی شہزادی پرنسس فورسیا یہاں پہنچنے والی ہے۔ سیٹھ جبار سے اس کا کوئی رابطہ ہے۔ چونکہ اپنا شہر سیٹھ جبار کی نگاہوں میں مخدوش ہو چکا ہے، اس لیے وہ، پرنسس فورسیا کو دارالحکومت سے دور رکھنا چاہتا ہے ---- سیٹھ جبار کی یہاں بھی ایک خوبصورت کوٹھی ہے۔ اس کا پروگرام ہے کہ پرنسس فورسیا کو ہوائی اڈے سے سیدھا یہیں لے آیا جائے۔ میں یہاں کے انتظامات کرنے کے لیے اپنے چھ ساتھیوں سمیت یہاں آیا ہوں۔ یہاں سیٹھ جبار اور پرنسس فورسیا کے درمیان مذاکرات ہوں گے۔"

"لیکن یہ پرنسس فورسیا ہے کیا چیز؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ کیونکہ عدنان، اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا چکا تھا۔

"سنا ہے چیف! کہ وہ خود بھی بہت بڑی اسمگلر ہے اور اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ یہاں وہ بہت قیمتی ہیرے لے کر آ رہی ہے۔ یہاں آکر وہ یہ ہیرے سیٹھ جبار کے حوالے کر دے گی اور اسی طرز کے نقلی ہیرے پہن کر یہاں سے آگے بڑھ جائے گی۔ اس طرح وہ قیمتی ہیرے اسمگل کرتی ہے۔"

"اس کے یہاں پہنچنے کے امکانات کب تک ہیں؟"

"میرا خیال ہے، ایک ہفتہ لگ جائے گا ---- اور یہ ہفتہ، مجھے یہیں گزارنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تغلق خان! اس مسئلے سے بعد میں نمٹ لیا جائے گا لیکن فی الوقت، ان

لوگوں کا مسئلہ ہے جو اغوا کر کے لائے گئے ہیں۔"

"آنند سنگھ کو میں پہلے سے جانتا ہوں۔ وہ میرا اور چمن کا مشترکہ دوست ہے۔ ویسے، پرنس! ایک بات بتائیے۔"

"ہاں، پوچھو ----"

"چمن سے آپ کی بھی تو پرخاش ہے۔ اس نے آپ کو دھوکا دیا تھا۔"

"ہاں، اس پر بہت سے حساب کتاب ہیں اور یہ سارے حساب چکانے ہیں۔"

"پھر کیوں نہ اس سے بھی نمٹ لیں۔"

"ہاں، تغلق خان! میں بھی یہی فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"چمن کے ساتھ ساتھ آنند سنگھ کو بھی ٹھکانے لگانا پڑے گا۔ مجھے، بہروز کا حلیہ بتائیے۔" اس نے کہا اور میں نے اسے، بہروز کا حلیہ بتا دیا۔ تغلق خان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر تغلق خان بولا۔ "کیا وہ لوگ میک اپ میں آپ کو پہچان سکتے ہیں؟"

"نہیں ----"

"تب کسی حد تک کام بن سکتا ہے۔ ابھی میں آپ کے ساتھ اندر چلوں گا اور آپ کو اپنا آدمی ظاہر کر کے وہیں چھوڑ دوں گا۔ یہ آپ کا کام ہو گا کہ رات کے کسی حصے میں آنند سنگھ کو ٹھکانے لگا کر بہروز کو یہاں سے نکال لیں۔ آپ کا قیام کہاں ہے، پرنس؟"

"ہوٹل تاج میں۔ وہ لینڈ روور کھڑی ہے۔ بہروز، اسے یہاں لائی ہے۔ وہ لوگ لینڈ روور پہچانتے ہیں۔"

"تب پھر یہ آپ کے لیے خطرناک ہے۔ اسے کسی طرح تباہ کر دیں بلکہ آنند سنگھ کو ٹھکانے لگانے میں، میں خود آپ کی مدد کروں گا۔ میں، چمن اور اپنے ساتھیوں کو، سیٹھ جبار کی کوٹھی لے جاؤں گا۔ ان لوگوں کو وہاں چھوڑ کر، رات دو بجے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور پھر ہم، آنند سنگھ سے نمٹ لیں گے۔ اس کے بعد چمن کو ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"اور تمہارے آدمی ----؟"

"شراب ---- انھیں جو شراب ملے گی میں، اس میں کچھ ملاوٹ کر دوں گا۔" تغلق خان مسکرا کر بولا۔

"او کے، تغلق خان! اس وقت تمہاری یہاں موجودگی نے مجھے بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں کار سے اتر کر آنند سنگھ کی رہائش گاہ کی طرف بڑھنے لگے۔

یہ ایک حسین اتفاق ہی تھا کہ تغلق خان اس طرح غلام پور میں مل گیا تھا جس کی وجہ

سے یہ کام کافی سہل ہو گیا تھا۔

میں اس کے ساتھ اندر پہنچ گیا۔ عمدہ عمارت تھی پرانی طرز کی ہی تھی لیکن اس کے کچھ حصے نو تعمیر شدہ تھے بیرونی برآمدے میں دو مسلح آدمی بیٹھے شراب سے شغل کر رہے تھے جیسے ہی تغلق خان پر نظر پڑی مستعدی سے کھڑے ہو گئے میری طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ اندر ہال میں ایک اور شخص ملا اور تغلق خان نے اس سے آنند سنگھ کے بارے میں پوچھا۔

"آنند سردار اندر ہے۔ تیسرے ہال میں۔" اور تغلق خان گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"کیا آنند سنگھ گونگا ہے؟" میں نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ وہ بول نہیں سکتا۔ آیئے۔" تغلق خان نے کہا۔

پتہ نہیں دوسرے یا تیسرے ہال کا کیا راز تھا' بہرحال تغلق خان مجھے لے کر جس جگہ پہنچا وہ ہال نما ہی تھی۔ دروازے پر ایک آدمی موجود تھا جس نے تغلق خان کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ اندر بہت تیز روشنی تھی۔ چمن اور آنند سنگھ تین چار افراد کے ساتھ یہاں موجود تھے۔ درمیان----- میں ایک کرسی پر بہروز بندھی ہوئی بیٹھی تھی اور ایک آدمی اس کے سامنے موجود تھا جو شاید اس سے کچھ معلومات حاصل کر رہا تھا چمن اور آنند سنگھ نے تغلق خان کو دیکھا اور پھر چمن نے پوچھا۔

"واپس کیسے آ گئے خان؟"

"کام تھا ایک چمن! تم لوگ مصروف ہو؟"

"ہاں یہ ایک جانور ہاتھ لگا ہے آنند کے آدمیوں کے' نخرے دکھا رہی ہے----- مگر جانتی نہیں کہ آنند سردار کے قبضے میں ہے۔ چمن نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کون ہے"

"کام کا آدمی ہے۔ آنند سنگھ کے ساتھ رہے گا۔ کیوں آنند سنگھ جگہ دے سکتے ہو میرے آدمی کو اپنے ہاں۔"

آنند سنگھ نے عجیب سی نگاہوں سے تغلق خان کو دیکھا اور پھر ساتھ رکھے ہوئے کاغذ پنسل اٹھا کر پیڈ پر کچھ لکھنے لگا پھر اس نے ایک کاغذ پھاڑ کر تغلق خان کو دیدیا۔ لکھا تھا۔ "کیسی بات کرتے ہو خان پچاس آدمیوں کو بھیج دو سردار کے دل میں جگہ ہے۔"

"شکریہ سردار تم لوگ اپنا کام کرو۔ کیا جھگڑا ہے اس لونڈیا سے؟"

"اس کے ساتھ ایک آدمی اور ہے۔ آنند سنگھ کا ایک خاص آدمی اسے اٹھانے گیا تھا اس نے اپنے یار کی مدد سے اسے اور دوسرے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ مگر----- یہ اس

آدمی کا پتہ نہیں بتا رہی۔"

"بال پکڑو اور سر گنجا کر دو۔ سب بتا دے گی۔ سنو لڑکی۔" تغلق خان' بہروز کے قریب پہنچ کر بولا۔ "تمہیں صبح تک کا وقت دیا جا سکتا ہے۔ سوچ لو اور اپنے ساتھی کا پتہ بتا دو' ورنہ یہ کیس اب تغلق خان کے ہاتھ میں ہے۔ میں تمھارے بال پکڑوں گا اور اس طرح انھیں سر سے اتاروں گا جس طرح ذبح کی ہوئی مرغی کی کھال اتاری جاتی ہے۔ اس کے بعد تمھارا یار بھی تمھاری شکل نہیں پہچان سکے گا۔ سوچ لو----- اور آنند سنگھ تم اسے میرے کہنے سے صبح تک کی مہلت دیدو۔ جب یہ غلام پور کی سڑکوں پہ ننگے اور گنجے سر کو لے کر نکلے گی تو اس کا یار بھی اس کے سامنے آنے سے کترائے گا۔ اٹھو یار کیا میلہ لگائے بیٹھے ہو۔"

آنند سنگھ مسکرایا تھا اس نے گردن ہلائی اور اٹھ گیا دوسرے لوگ بھی وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ تغلق خان نے بڑی خوبی سے سچویشن سنبھال لی تھی ورنہ اس وقت صورت حال بگڑ جاتی۔ اگر میرے سامنے بہروز کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کی جاتی تو میں کسی قیمت پر برداشت نہ کر سکتا۔ اور اسی جگہ خون خرابہ ہو جاتا اس کے نتائج خواہ کچھ بھی ہوتے۔

بہرحال بہروز کو اسی جگہ اور اسی حال میں چھوڑ دیا گیا اور وہ ہمارے ساتھ باہر نکل آئے۔ "ہاں تغلق خان کیا کام تھا مجھ سے۔" چمن نے پوچھا۔

"مجھے تو یہاں تمھارے آنے کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ دارالحکومت سے مجھے باس کا پیغام ملا ہے۔"

"اوہ کیا؟" چمن نے پوچھا۔

"تم اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لائے ہو جن میں شاید تین عورتیں اور ایک مرد ہے۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟"

"یہیں آنند سنگھ کے اڈے پر ہی رکھا ہے انھیں لیکن باس اس سلسلے میں اب کیا چاہتے ہیں؟" چمن نے پوچھا۔

"انھیں یہاں سے منتقل کر دو برائنز وے میں۔ وہ ان کے لیے بہترین جگہ ہے۔ تمہیں میرے ساتھ پرنس فورسیا کے سلسلے میں مصروف ہونا ہے کیونکہ باس کو شبہ ہے کہ پرنس دلاور کے آدمی پرنس فورسیا کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور اس سلسلے میں باس کو یہ شبہ بھی ہے کہ انھیں کسی طرح اس کے غلام پور آنے کی بھنک مل گئی ہے اب یہ بھنک کس طرح ملی۔ اس کا مجھے علم نہیں۔"

"اوہ' اوہ۔ یہ پرنس دلاور----- پرنس دلاور تو خطرناک ترین بنتا جا رہا ہے ہم سب

کے لیے۔ یار تغلق خان کیا اس شخص کو ٹھکانے لگانے کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہو سکا آج تک؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے میں نے خود باس کو یہ پیش کش کی تھی کہ مجھے پرنس دلاور کے لیے مخصوص کر دیا جائے لیکن اس نے بڑے ہتک آمیز الفاظ کہے تھے میرے لیے، تم جانتے ہو چمن کہ میں اس قسم کے الفاظ برداشت نہیں کرتا۔ لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں۔ وہ جوش اور ولولہ نہیں رہا ہے میرے اندر، جو کبھی تھا۔ ایسے الفاظ سن کر میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا لیکن میرے یار تم نے مجھے چوہا بنا دیا ہے۔"

"ارے نہیں، تغلق خان۔ سیٹھ جبار جیسا باس ملنا بھی تو مشکل ہے۔ تم جانتے ہو اس کی طبیعت کو تم سے کچھ بھی کہے گا لیکن اگر تمہارا بال بیکا بھی ہوا تو تمہارے لیے جان لڑا دے گا اس سے زیادہ محفوظ باس اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں لیکن میں اپنی حفاظت کرنا خود جانتا ہوں اور تم دیکھ چکے ہو کہ آج تک یہی کرتا آیا ہوں۔ بہر طور باس مجھ سے کہنے لگا کہ وہ مجھے کھونا نہیں چاہتا اسے اب کار آمد لوگوں کی شدید ضرورت ہے میں نے اس سلسلے میں اس سے تفصیل معلوم کی تو کہنے لگا کہ پرنس دلاور اس کی توقع سے کہیں زیادہ چالاک آدمی ہے اس نے یہ بھی کہا کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے کن لوگوں کے ساتھ مل کر یہ جال پھیلائے ہیں لیکن جو لوگ اس کے لیے کام کر رہے ہیں وہ معیاری قسم کے جرائم پیشہ لوگ ہیں اور جو پلاننگ بھی کرتے ہیں وہ معمولی نہیں ہوتی۔ اس لیے پرنس دلاور کے معاملے کو ابھی اس حد تک نہیں چھوا جائے گا کہ اسے قتل کرنے کی بات سوچی جائے۔ چمن کیا تمہارے خیال میں یہ الفاظ تغلق خان جیسے آدمی کے لیے موزوں ہیں؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔" جانتا ہوں تغلق خان کہ جس کام کے پیچھے تم لگ جاتے ہو اسے مکمل کر کے ہی چھوڑتے ہو اور تمہارا کسی کے پھندے میں آنا بہت مشکل کام ہے۔"

"اور اس کے باوجود باس یہی کہتا ہے۔ بہر طور یہ اس کا اپنا ذاتی معاملہ تھا میں نے اس سے دبے الفاظ میں کہہ دیا کہ باس تغلق خان کے سپرد جو کام کیا جائے پورے طور سے سوچ سمجھ کر کیا جائے اور جب کر دیا جائے تو اس کے بارے میں یہ سوچا جائے کہ وہ کام اب ہونا ہی ہے۔ نہ ہو سکا تو صرف اس وقت نہ ہو سکے گا۔ جب تغلق خان کی لاش باس کے سامنے پہنچ جائے۔ بہر طور چھوڑو ان باتوں کو تم یوں کرو کہ فوری طور پر ان لوگوں کو میرے ساتھ لے کر چل پڑو۔ برائنزدے کی کوٹھی یہاں سے بدرجہا بہتر ہے وہاں میرے

آدمی بھی موجود ہیں جو ان کی نگرانی کریں گے اور تم آزادی کے ساتھ کام کر سکو گے۔"

"ٹھیک ہے اگر باس کا یہ حکم ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن پرنس فورسیا کے سلسلے میں کیا کرنا ہے؟"

"کچھ اور لوگوں کو طلب کیا ہے میں نے، جو یہاں پہنچنے والے ہیں ہمیں پرنس فورسیا کے لیے کسی موزوں قیام گاہ کا انتظام کرنا ہے اور تم اس رہائش گاہ کے انچارج کی حیثیت سے وہاں کے معاملات کنٹرول کرو گے کیونکہ باس یہ بھی نہیں چاہتا کہ پرنس فورسیا کو یہاں آ کر اس بات کا احساس ہو کہ وہ کچھ خطرناک حالات کا شکار ہے ہم باہر سے آنے والے مہمانوں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ ہمارا مدمقابل یہاں کوئی اور بھی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ ظاہر ہے اس سے باس کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔"

"بس جلدی کرو، آنند سنگھ کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے اتنے دن تک تمہارے ساتھ بہترین تعاون کیا ویسے تمہارا کیا خیال ہے چمن کیا یہ آنند سنگھ بھی باس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"تمہیں نہیں علم۔ تغلق خان؟"

"نہیں مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"ہاں یہ غلام پور میں باس کے مفادات کا نگران ہے دراصل غلام پور کی ایک سرحد تھوڑی سی دور جانے کے بعد ایک پڑوسی ملک سے مل جاتی ہے اس سرحد کے ذریعے کچھ مال آتا ہے۔ آنند سنگھ چونکہ مذہباً" ہم سے جدا ہے اس لیے اس ملک میں اسے کچھ مراعات حاصل ہیں اور اس کے آدمی با آسانی ادھر سے ادھر کام کر سکتے ہیں باس نے آنند سنگھ کا انتخاب اسی لیے کیا ہے۔ آنند سنگھ اس علاقے کا بے تاج حکمران ہے اس کے نام پر کچھ بھی کر لیا جائے کوئی پوچھ گچھ ہی نہیں ہوتی۔"

"گڈ------ کتنے آدمی ہیں، اس کے پاس؟"

"لاتعداد، لیکن وہ محتاط انداز میں کام کرنے کا عادی ہے کیونکہ اس پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہہ بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے------ آنند سنگھ کام کا آدمی ہے بہر حال، اب تم ان لوگوں کو ساتھ لو اور میرے ساتھ چلو۔"

"بس ایک منٹ۔ ذرا آنند سنگھ سے بات کر لوں۔" چمن نے کہا۔ آنند سنگھ قریب ہی موجود تھا اور تغلق خان کی باتیں سن رہا تھا وہ گردن ہلانے لگا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے راٹنگ پیڈ پر کچھ لکھ کر چمن کی طرف بڑھا دیا۔ چمن نے اسے پڑھا اور

بولا۔

"شکریہ آنند سنگھ کوئی بات نہیں ہے بہر طور ہم تمہاری مملکت میں ہیں اور تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" آنند سنگھ ہنسنے لگا تھا۔

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دو آنند سنگھ میں تغلق خان کے ساتھ چلتا ہوں اور ہاں تغلق خان تم اپنے اس آدمی کو یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟"

"تاکہ آنند سنگھ سے رابطہ قائم رہے' یہ بھی سیٹھ جبار کا حکم ہے۔"

"او کے۔۔۔۔۔ او کے۔ اچھا پھر ایک منٹ رک جاؤ۔ میں اپنے قیدیوں کو نکال کر لاتا ہوں۔" چمن نے کہا اور آنند سنگھ کے ایک آدمی کو اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ تغلق خان' آنند سنگھ سے کچھ گفتگو کرنے لگا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد گل' ایاز' شمو اور اس کی ماں' چمن کے ساتھ باہر آ گئے ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ کافی مضمحل اور تھکے تھکے نظر آ رہے تھے۔ ایاز کی کیفیت کھوئی کھوئی سی تھی اسے دیکھ کر میرا دل بے اختیار رو پڑا تھا۔ بہت لاغر ہو گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی لباس پھٹا ہوا تھا۔ جس کیفیت میں وہ آیا تھا اسے دیکھ کر میرا دل چاہا کہ یہاں قتل عام شروع کر دوں۔ چمن کے چیتھڑے اڑا دوں لیکن میں نے خود کو باز رکھا۔ یہ جذباتی کیفیات ہمیشہ مجھے تکلیف کا شکار بناتی رہی ہیں۔ مجھے خود پر کنٹرول رکھنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے خود کو قابو میں رکھا۔

"اچھا گل شیر خاں' تم آنند سنگھ کے ساتھ آرام کرو۔ میں تمہیں کل دن میں کچھ ہدایات دوں گا اور اس کے بعد تمہارا یہاں کام شروع ہو جائے گا اب میں چلتا ہوں۔ آنند سنگھ میرے آدمی کا خیال رکھا جائے۔"

آنند سنگھ نے گردن خم کر دی تھی۔ تغلق خان اور چمن ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل گئے تھے ان میں سے کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ میں ان کے سامنے کھڑا ہوں۔ بہرطور ان کے جانے کے بعد آنند سنگھ نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور اس کشادہ اور وسیع عمارت کے ایک کمرے میں مجھے لے گیا اس نے کمرے کی طرف اشارہ کر کے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے جناب۔ آپ مجھے کوئی بھی جگہ دے دیتے میرے لیے بہتر ہوتی۔"

آنند سنگھ نے مسکرا کر گردن ہلائی اور باہر نکل گیا میں اس کمرے میں ایک مسہری پر آ بیٹھا تھا۔ میرے ذہن و دل کی کیفیت اس وقت بھی بہتر نہیں تھی ایاز کو دیکھ کر دل بری طرح مچل گیا تھا۔ بار بار اسی کا خیال آ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ جس قدر جلد ہو میں اپنا کام

کر کے یہاں سے نکل چلوں۔ بہروز بے چاری بس آ ہی پھنسی تھی اگر تغلق خان پہلے مجھے مل جاتا تو شاید بہروز کو یہاں بھیجنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور حالات مختلف ہوتے لیکن جب تک تغلق خان مجھے نہیں ملتا مجھے اپنے ہی پروگرام پر عمل کرنا تھا اور اس پروگرام کے تحت جو کچھ میں نے کیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا اب یہ دوسری بات ہے کہ تغلق خان کی یہاں موجودگی نے حالات میں تبدیلی رونما ہو گئی تھی وہ لوگ یقینی طور پر جا چکے ہوں گے۔ مجھے وقت گزرنے کا انتظار تھا۔ تغلق خان نے دو بجے آنے کے لیے کہا تھا۔۔۔۔۔ اور دو بجے سے پہلے مجھے اپنا کام انجام دینا تھا۔ کیا ضروری تھا کہ تغلق خان کے پہنچنے پر میں اپنا کام انجام دے کر وہاں پہنچوں۔ اس سے پہلے ہی یہ کام ہو جائے' برائنزوے کو تلاش کرنا مشکل کام نہ ہو گا۔

تغلق خان نے مجھے اپنی رہائش گاہ کا مکمل پتہ دیدیا تھا۔ بہرطور چونکہ رات کافی گزر چکی تھی اس لیے میں آرام کرنے لیٹ گیا تھوڑی دیر کے بعد میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور ایک منحنی سا آدمی اندر داخل ہو گیا۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اگر ہو تو بتا دیجئے۔ میں آپ کے برابر والے کمرے میں رہتا ہوں اور آپ کی خدمت پر مامور ہوں۔۔۔۔۔ آنند سنگھ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے متعجبانہ انداز میں اسے دیکھا اور منحنی سا شخص چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"گرو سنگھ۔ جناب!"

"اوہ۔ کہاں ملاقات ہوئی ہے تم سے میں نے تمہیں کہیں اور بھی دیکھا ہے؟"

"کہاں دیکھا ہے۔ میں تو پچھلے چھ سال سے یہیں غلام پور میں ہوں۔"

"ممکن ہے غلام پور ہی میں دیکھا ہو۔ چھ سال سے تم آنند سنگھ کے ساتھ ہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ آنند سردار ہی مجھے ادھر سے لے کر آیا تھا۔"

"یہاں صرف ملازموں کا ہی کام کرتے ہو؟"

"نہیں صاحب پہلے تو آنند سنگھ کے ساتھیوں ہی میں تھا اور اس کے لیے سارے کام کرتا تھا مگر پھر میں بیمار ہو گیا اتنا بیمار ہوا کہ کوئی اور کام کرنے کی ہمت ہی نہیں رہی۔ دل کی تکلیف ہے مجھے صاحب اور کبھی کبھی درد بھی ہوتا ہے۔ اس لیے سردار نے مجھے اب یہاں ہی کام پر لگا لیا ہے۔"

"اچھا' اچھا۔ ویسے پتہ نہیں تمہاری شکل کا کوئی اور آدمی میں نے دیکھا تھا یا تمہی

تھے۔ بس تمہیں دیکھ کر دل میں یہ خیال ہوا کہ پہلے بھی تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ ویسے یہ عمارت کافی بڑی ہے۔ کیا آنند سنگھ کے سارے ساتھی یہیں رہتے ہیں؟“

”نہیں صاحب جی۔ یہاں تو صرف آنند سردار اپنے چار پانچ آدمیوں کے ساتھ رہتے ہیں باقی لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی ضرورت ہو تو صاحب مجھے آواز دے لیجئے گا۔“

”بس ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے گرد سنگھ۔ بڑی مہربانی تمہاری ویسے مجھے صبح ناشتہ ذرا جلدی سے دینا۔“

”ٹھیک ہے صاحب۔ جس وقت آپ چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔“ گرد سنگھ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا اور باہر نکل گیا۔ میں نے اس سے اس عمارت میں لوگوں کی تعداد معلوم کرنے کے لیے اتنی ساری بکواس کی تھی بہر طور مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں آنند سنگھ کے ساتھ زیادہ افراد نہیں رہتے اب یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ کب تک جاگتا رہتا ہے اور باقی لوگ یہاں کیا کرتے ہیں۔ بہر طور ان ساری معلومات کے لیے زیادہ وقت صرف کرنا بھی مناسب نہیں تھا بس تھوڑی دیر کے بعد میں اپنا کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا پھر میں نے محسوس کیا کہ عمارت سنسان ہو گئی ہے----- کوئی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی چنانچہ میں خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

میں پوری طرح مسلح تھا اور ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

عمارت کے بارے میں مجھے کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن میں بڑے محتاط انداز میں پہلے پوری عمارت کا جائزہ لینے کے لیے تیار تھا۔

عمارت میں روشنی نہیں تھی بس کہیں کہیں روشنی کی کرنیں نظر آ رہی تھیں جو عام طور سے ان کمروں سے جھلک رہی تھیں جن میں لوگ موجود تھے اور غالباً سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

پھر میں نے عمارت کے صدر دروازے کو دیکھا وہاں ایک چوکیدار موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔ باقی احاطہ سنسان پڑا ہوا تھا اس کے بعد میں واپس اس جگہ آ گیا جہاں میں نے ایک ہال میں بہروز کو بندھے ہوئے دیکھا تھا۔

اس ہال میں بھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں اندر کی آہٹیں لینے لگا اور پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ بہروز موجود ہے اور یقیناً جاگ رہی ہے بہروز تک پہنچنے سے پہلے میں یہاں کے حالات سے نمٹ لینا چاہتا تھا کیونکہ پتہ نہیں بہروز کی اپنی کیا حالت ہو اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا اور سب سے پہلے اس کمرے میں پہنچ گیا جس میں مجھے روشنی نظر آئی تھی۔

میں نے کمرے کے دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی دو تین بار کی کوشش کے بعد اندر تیز روشنی ہو گئی اور پھر کسی کے قدموں کی چاپ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی----- میں چوکنا ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور مجھے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس ایک شخص کی شکل نظر آئی لیکن میرا زور دار گھونسہ اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی لیکن وہ چت گر گیا۔ دوسرے لمحے میں دروازے سے چھلانگ لگا کر اندر پہنچ گیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں اس کی گردن دبانے لگا مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ کمرے میں وہ تنہا ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی بھی موجود ہے۔ لیکن اس کی گردن پر پوری طرح گرفت قائم کرنے کے بعد میں نے اطراف میں نگاہ دوڑائی اور پھر پاؤں پیچھے کر کے دروازے کو دھکیل کر بند کر دیا۔ وہ شخص میری گرفت میں بری طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھوں کی قوت بھی میرے اس ہاتھ کو اپنی گردن سے نہیں ہٹا پا رہی تھی جو کسی آہنی شکنجے کی طرح اس پر جما ہوا تھا۔ میں نے اس کی موت کا پوری طرح سے یقین کر لینے کے بعد ہی اسے چھوڑا اور لائٹ آف کر کے خاموشی سے باہر نکل آیا۔

باہر نکلنے کے بعد میں نے دوسرے کمرے کا رخ کیا اس کمرے کے دروازے پر بھی میں نے اسی طرح دستک دی تھی لیکن اس کمرے میں دو آدمی موجود تھے۔ پہلے آدمی نے دروازہ کھولا اور میں نے وہی حرکت دہرائی جو پہلے آدمی کے ساتھ کر چکا تھا۔ میرا یہ مقابل ذرا تندرست نکلا اور خاص طور سے اس وقت مجھے الجھاؤ کا شکار ہونا پڑا جب دوسرے آدمی نے بھی میرے اوپر چھلانگ لگائی تھی وہ میری پشت پر آ پڑا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے شانوں کی رگیں پکڑ لیں----- وہ رگوں کا ماہر معلوم ہوتا تھا لیکن جلال بابا نے مجھے بہت کچھ سکھایا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنی گردن کے پٹھوں کو ایک مخصوص حرکت دے کر اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور اس کے بعد میرے دونوں ہاتھوں کی ضرب عقب سے اس کے منہ پر پڑی اور وہ میری پشت پر سے الٹ کر دروازے سے جا ٹکرایا۔

خاصی آواز پیدا ہوئی تھی اور مجھے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اس آواز کو سن کر یہاں موجود دوسرے لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں اس لیے میں نے اپنے اس مقابل کی گردن میں دونوں پاؤں پھنسائے جو چند لمحے قبل میرے نیچے دبا ہوا تھا گردن کو ایک مخصوص انداز میں زور سے جھٹکا دیا تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

میرے شکار کی اچھل کود قابل دید تھی اور دوسرا آدمی ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ کر بدحواس ہو گیا تھا میں نے اس کی بدحواسی کا فائدہ اٹھایا اور دوسرے لمحے میرے پھیلے ہوئے

دونوں ہاتھ اس کی گردن پر پڑے اس کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ میرے گھونسے نے اسے دروازے سے ہٹا کر دور گرا دیا اور اس کے بعد میں اس پر چھا گیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اسے بھی ختم کر دوں۔ چنانچہ چند ہی لمحات کے بعد اس کی سانسیں بھی بدن کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔

ان لوگوں کے قتل کا بھی شاید مجھے عام حالات میں افسوس ہوتا لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ بھی سیٹھ جبار کے مفادات کے لیے کام کر رہے ہیں اور اسکے غلاموں میں سے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کا صفایا کرنے کے بعد میں اس کمرے سے بھی باہر نکل آیا۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور پھر دوسرے شکار کی تلاش میں چل پڑا۔

پھر مجھے ایک کمرے میں روشنی نظر آئی جو اسی سیدھ میں تھا اب اس کمرے کو مجھے اپنا ہدف بنانا تھا چنانچہ میں اس کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس کمرے کے عین سامنے----- ایک اور کمرہ تھا جس میں روشنی تھی اور اس لحاظ سے یہ کمرہ ذرا مخدوش تھا کیونکہ اگر میں اس کمرے میں داخل ہوتا اور وہاں موجود لوگوں سے نمٹنے کی کوشش کرتا تو اس کی آوازیں دوسرے کمرے میں بھی جا سکتی تھیں لیکن بہر طور خطرہ مول لیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

میں نے حسب معمول اس کمرے کے دروازے پر دستک دینے کی کوشش کی لیکن میرے ہاتھ کے ہلکے سے دباؤ سے کمرے کا دروازہ کھل گیا اور اس کے بعد میں نے تاخیر نہیں کی میں پھرتی سے اچھل کر اندر داخل ہو گیا تھا یہاں بھی دو آدمی تھے جو جاگ رہے تھے اور انکے سامنے شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی سی شراب تھی اور سامنے تاش کے پتے پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے نزدیک نوٹوں کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں۔ غالباً" وہ جوا کھیل رہے تھے----- دونوں شراب پینے کے باوجود نشے میں نہیں تھے اور شاید محتاط تھے۔

----- اگر وہ مجھے پہچان بھی لیتے تو انھیں مجھ پر کوئی شبہ نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ آنند سنگھ ان لوگوں کو یہ بتا ہی چکا ہو گا کہ میں یہاں ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتا ہوں لیکن نہ جانے انھیں کیا سوجھی ان میں سے ایک پھرتی سے پلٹا اور اس نے جیب سے ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔

اس نے یقیناً میری پیشانی کا نشانہ لیا تھا لیکن میں بجلی کی سی تیزی سے گھٹنوں کے بل

بیٹھ گیا اور ریوالور کی گولی میرے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ پھر اس نے دوسرا فائر کر دیا۔

اس دوران اس کا ساتھی بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن چونکہ وہ بے خیالی میں اٹھا تھا اور ریوالور کی گولی کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا تھا اس لیے وہ اس کی زد میں آ گیا۔ گولی اس کے دماغ سے پار ہو گئی تھی۔ فائر کی آواز یقینی طور پر دور دور تک سنی گئی ہو گی۔

اس سے قبل کہ میں اس کے خلاف کوئی اقدام کر سکتا اس نے مزید کئی فائر کر دئے مگر اس دوران میں نے اس کے سامنے رکھی ہوئی میز پر ایک زوردار لات رسید کر دی اور وہ میز کی لپیٹ میں آ گیا ریوالور سے چلائی ہوئی گولی چھت سے ٹکرائی اور چھت سے تھوڑا سا پلاسٹر اکھڑ گیا۔ میں نے اس پر جھپٹنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے جیسے ہی اسے اٹھتے ہوئے دیکھا' دوبارہ میز اٹھا کر اس پر دے ماری اور میرا مقصد حل ہو گیا۔ مجھے چند لمحوں کی مہلت مل گئی میز زیادہ وزنی تو نہیں تھی لیکن چونکہ پوری قوت سے اس پر ماری گئی تھی اس لیے اس کی ضرب بڑی کار آمد رہی اس کے ہاتھوں سے پستول نکل کر دور جا گرا اور میں ایک چھلانگ لگا کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے گرے ہوئے شخص کے منہ پر پوری قوت سے اپنا وزنی پاؤں مارا اور اس کے دانتوں کی سامنے کی لائن صاف ہو گئی۔ پھر میں نے اسے اٹھایا اور ایک اور ہاتھ اس کی گردن پر رسید کر دیا۔ دفعتاً" عقب سے میری پشت پر ایک زور دار ضرب پڑی اور میں اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ عام آدمی کی شاید پسلیاں ہی ٹوٹ جاتیں ایک لمحے کے لیے تو میں چکرا گیا تھا لیکن مجھے فوراً" ہی سنبھلنا پڑا۔ میں چیتے کی پھرتی سے پلٹا اور اس بار آنند سنگھ کو میں نے اپنے مقابل پایا تھا۔

سفید کرتے اور پاجامے میں اس وقت وہ مجھے خاصا تنومند اور توانا نظر آیا۔ حالانکہ پہلے اس کی جسامت پر میں نے غور نہیں کیا تھا لیکن اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ وہ فولادی بدن کا آدمی ہے اس نے خونخوار نگاہوں سے اپنے آدمیوں کو دیکھا اور پھر بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح مجھ سے آ ٹکرایا۔

اس نے مجھے دیوار سے ہٹنے نہیں دیا تھا اور بری طرح دیوار سے چپکا کر رگڑ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک ہاتھ سے میری پسلیوں کے نیچے گھونسہ رسیدہ کرنا چاہا۔ مگر میں اس کی گرفت سے پھسل گیا اور اس کا گھونسہ' ہتھوڑے کی طرح دیوار سے ٹکرایا۔ یہ چوٹ اچھے بھلے مضبوط آدمی کا ہاتھ بے کار کر دینے کے لیے کافی تھی۔ اس نے ایک ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ پہلے سے زیادہ مشتعل ہو کر میرے منہ پر گھونسہ رسید کرنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی میں جھکائی دے گیا۔

اچانک وہ پیچھے ہٹا اور میں اس نئے حملے پر غور بھی نہیں کر سکا تھا مجھے تو اس وقت اندازہ ہوا جب اس کی دونوں لاتیں فضا میں بلند ہو کر میرے سینے سے ٹکرائیں۔ میں سنبھل نہ سکا اور بری طرح دیوار سے جا ٹکرایا تھا ایک لمحے کے لیے تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ سینے میں نا قابل برداشت تکلیف ہونے لگی تھی لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل گیا۔

وہ ایک بار پھر اچھلا اور اس نے مجھے دیوار کے ساتھ پیسیں ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ اس کی گردن پر میں نے ایک ہاتھ رسید کر دیا اور اس کے حلق سے کریہہ آواز نکلی۔ وہ ایک لمحے کے لیے لڑکھڑایا----- پھر سنبھل گیا۔ بے حد مضبوط آدمی تھا اور میں نے اتنے مضبوط لوگ کم ہی دیکھے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب تک میں نے جتنے لوگوں کو قتل کیا ہے' وہ اس کے گرگے تھے اور یقینی طور پر معمولی سے لوگ تھے۔ اس وقت میرے سامنے ایک ایسا آدمی موجود ہے جس سے جنگ کرنا یقینی طور پر ایک مشکل کام ہے لیکن حالات نے مجھے مشکلات سے نمٹنے کے بہت سے گر سکھا دئے تھے مار اس لیے کھا گیا تھا کہ ابھی تک مقابل کی جسمانی صحت کا صحیح اندازہ نہیں کر پایا تھا۔

وہ پھر مجھ پر جھپٹا اور اس نے گھوم کر میرے ناک کے نیچے ضرب لگانے کی کوشش کی لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی۔ مقابل کا اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میرا کھڑا ہاتھ اس کی ٹانگ پر پڑا اور وہ ایک تیز آواز کے ساتھ دہرا ہو گیا میں نے پلٹ کر اس کی پنڈلی پر ایک اور ہاتھ مارا اور اس ہاتھ نے یقیناً اسے چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہوگا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا کر نیچے گرا اور میں نے ایک لمحے میں اچھل کر اس کی پنڈلی کے اسی حصے پر ایک ضرب لگا دی۔ یقینی طور پر یہ ضرب بڑی کار آمد تھی۔ وہ دوبارہ فرش پر گرا تو اٹھ نہیں سکا اس دوران میں نے اس کی کنپٹی پر ایک ٹھوکر بھی رسید کر دی تھی اس ٹھوکر سے وہ بلبلاتا ہوا اٹھا لیکن اس کی ٹانگ میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے حلق سے اب جو آوازیں نکل رہی تھیں' وہ درندوں کی غراہٹ سے مشابہ تھیں وہ گونگا تھا اس لیے بول نہیں سکتا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا میں نے اس کے اٹھتے ہی سر کے درمیانی حصے میں ایک چاپ لگائی اور وہ گھٹنوں کے بل گھوم گیا ایک لمحے کے لیے اس کا سر ادھر ادھر کو ڈولا لیکن دوسرے لمحے وہ اچھل کر ایک بار پھر مجھ پر حملہ آور ہو گیا۔

میں نے اس کے چہرے پر اتنی طاقت سے گھونسہ رسید کیا کہ اس کی ناک کی ہڈی ہی ٹوٹ گئی ہو گی اس کے چہرے پر خون کی تہیں اور گہری ہو گئی تھیں اب وہ بری طرح بلبلا رہا تھا اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور اس حالت میں بھی وہ اتنا غضبناک نظر آ رہا تھا کہ

کہ اگر میں اس کے سامنے ایک لمحے کے لیے بھی کمزور پڑتا تو وہ مجھے پیس کر رکھ دیتا۔ اس سے قبل کہ اس کے اور ساتھی یہاں پہنچیں مجھے کوئی ایسا قدم اٹھا لینا چاہیے جو اس شخص کے لیے آخری ہو۔ میں نے سوچا۔ اور پھر میں نے یہی کیا۔ میری دو انگلیاں ایک مخصوص انداز میں آگے بڑھیں اور اس کی آنکھوں کے پپوٹوں پر پڑیں اور خون کی ایک موٹی تہہ میری انگلیوں کو بھگوتی ہوئی کلائی تک بہنے لگی وہ بری طرح آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگا پھر اس کے گھٹنے زمین پر جا ٹکے۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا میں نے اسے اس اذیت سے نجات دلانے کے لیے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے دل کے مقام پر رسید کی۔ وہ الٹ گیا اور اس کے ہاتھ تشنجی انداز میں پھیل گئے۔

میں اب غیر محتاط نہیں تھا۔ جھپٹ کر میں نے پستول اٹھائے اور دروازے کی جانب رخ کر کے کھڑا ہو گیا میں اس کے اور ساتھیوں کی آمد کا منتظر تھا۔ لیکن ایک منٹ گزر گیا ۔ پھر دو منٹ----- اور مجھے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی۔

آنند سنگھ کا تڑپتا ہوا بدن اب سرد ہوتا جا رہا تھا اس کے منہ سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔ غالباً" یہ میری اس ٹھوکر کا کمال تھا۔ جو اس کے دل پر پڑی تھی۔ یقینی طور پر اس کا دل پھٹ گیا تھا۔

میں نے محتاط انداز میں راہداری میں جھانکا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ البتہ اس کمرے کے عین سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ غالباً" آنند سنگھ اسی کمرے میں تھا۔ میں نے احتیاطاً" اس کمرے میں داخل ہو کر اندر کا جائزہ لیا۔ پورا کمرہ خالی تھا پھر راہداری میں آ گیا اور ایک سمت بڑھنے لگا میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہاں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں یا نہیں----- میں بہروز کو آزاد کرانے سے پہلے ان لوگوں کا مکمل صفایا کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن چند ہی منٹ میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہاں ان پانچوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میں مطمئن انداز میں وہاں سے واپس آیا اور دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں بہروز کو باندھا گیا تھا۔

بہروز اسی طرح کرسی سے بندھی بیٹھی تھی اس کے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے اس کے چہرے پر بکھرے بال سمیٹے اور اس نے جھٹکے سے گردن پیچھے کر لی۔ میں اس کی پشت پر پہنچ گیا اور پھر میں نے اس کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دیں۔ بہروز اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خونخوار کیفیت تھی۔

"آؤ-----" میں نے کہا اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا لیکن وہ میری آواز

نہیں پہچان سکی تھی اور مجھے اس ڈرامے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ دفعتاً" بہروز کی لات میری پشت پر پڑی اچانک اور زور دار ضرب تھی۔ لطف آ گیا۔ بمشکل ہی گرنے سے بچا تھا۔ بہروز اس کامیابی کے بعد فوراً" ہی دوسرا حملہ کرنے کے لیے لپکی تھی لیکن میں نے جلدی سے وہ جگہ خالی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی وار کی ناکامی کے بعد میں نے اسے گرنے سے بھی بچایا تھا۔

"بس بس محترمہ بس۔ میری ریڑھ کی ہڈی توڑنے کے بعد بھی آپ کو صبر نہیں آیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"م----- منصور؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

"جی----- تشریف لائیے۔" میں کمر پر ہاتھ رکھے کراہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بہروز بھی میرے پیچھے لپکی تھی۔

"آئی ایم سوری منصور۔ مجھے افسوس ہے زیادہ تکلیف ہے کیا' لیکن مجھے کیا معلوم تھا۔" اس کی آواز روہانسی ہو گئی تھی میں ہنس پڑا۔

"اس کے بعد آپ مسٹر بہروز بننے کی کوشش نہیں کریں گی۔ اب جلدی سے آ جائیے۔" میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ سب لوگ کہاں چلے گئے؟" بہروز نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عدم آباد۔" میں اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بہروز خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس وقت میں نے تاج کا رخ کیا تھا یہاں ہمارے کمرے محفوظ تھے۔ تاج میں داخل ہوتے ہی میں نے میک اپ اتار دیا تھا اس لیے کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ بہروز کو اس کے کمرے میں پہنچا کر میں نے کہا۔" اب تم یہاں آرام کرو۔ میں دوسرے اہم کام انجام دے لوں۔"

"کہیں جاؤ گے منصور؟"

"ہاں چمن کو آخری سبق دینے۔"

"وہ----- وہ بھی تو وہیں تھا اور اس کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے۔ میرا مطلب ہے گل اور ایاز وغیرہ۔"

"ہاں وہ سب موجود ہیں اگر کام توقع کے مطابق ہو جائے تو شاید کل تک ہماری واپسی بھی ہو جائے۔" اور پھر اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

برائنزوے اسٹریٹ کی کوٹھی نمبر آٹھ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بڑا

پرسکون اور شاندار علاقہ تھا کوٹھیاں ترتیب سے بنی ہوئی تھیں اور ان پر نمبر پلیٹیں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ کوٹھی نمبر آٹھ مین روڈ سے ہٹ کر ایک دوسری ذیلی سڑک پر واقع تھی۔ چونکہ ابھی دو بجنے میں کافی دیر باقی تھی۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ تغلق خان میرے پاس پہنچنے کے لیے نہیں نکلا ہو گا۔ اگر وہ نکل بھی گیا ہو گا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ واپس یہیں آئے گا' اور میں اس کا انتظار کر لوں گا۔

لیکن جب میں کوٹھی نمبر آٹھ کے سامنے پہنچا تو مجھے وہ گاڑی نظر آ گئی' جس میں تغلق خان واپس گیا تھا اور جسے میں نے بھٹے کے قریب ہوٹل کے سامنے دیکھا تھا' تغلق خان نے شاید اشارے سے بتایا بھی تھا کہ وہ اس کی گاڑی ہے' اس کا مقصد ہے کہ تغلق خان کوٹھی میں ہی موجود ہے' پتہ نہیں اس نے اپنا کام کیا یا نہیں۔

میں نے گاڑی کوٹھی سے کافی دور ایک تاریک گوشے میں روک دی اور اسے لاک کر کے نیچے اتر آیا' کوٹھی میں داخل ہونے کے لیے گیٹ کا استعمال تو کسی طرح موزوں نہیں تھا----- ویسے بھی اس میں داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی اور میں گھوم کر پورچ میں آ گیا۔ جہاں تغلق خان کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ یہاں رک کر میں تھوڑی دیر تک دروازے کا جائزہ لیتا رہا۔ کوئی تحریک نہیں تھی' یوں بھی کوٹھی میں ضرورت سے زیادہ خاموشی مسلط تھی' جس سے اس بات کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے' تغلق اپنے کام سے فارغ ہو گیا ہو۔

پھر میں اندر داخل ہونے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا کہ تغلق خان مجھے نظر آیا' میں نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا' کیا وہ ابھی میرے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہے' میں نے سوچا میرا اندازہ کچھ درست ہی تھا کیوں کہ تغلق خان سیدھا اپنی گاڑی کی جانب آ رہا تھا۔ اطراف میں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے میں کسی حد تک بے فکر ہو گیا تھا۔

جب وہ گاڑی کے نزدیک پہنچا تو میں گاڑی کی اوٹ سے کھڑا ہو گیا۔ تغلق خان کا ہاتھ ایک دم سے پستول کے دستے پر جا پڑا تھا۔

"میں ہوں تغلق خان۔" میں نے کہا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ارے آپ یہاں پہنچ گئے پرنس۔"

"ہاں' میرا کام ہو چکا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ تمہیں زحمت کیوں کرنے دوں۔"

"کیا مطلب؟ کام ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تغلق خان نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

"آنند سنگھ اور اس کے ساتھی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ نہ صرف وہ بلکہ پوری عمارت بھی ملبے کا ڈھیر کر آیا ہوں۔"

"بہت خوب پرنس۔ آپ اور بہروز! میرا مطلب ہے آپ لوگوں کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی نا؟" تغلق خان کافی حیرت زدہ تھا اور سر سے پیر تک مجھے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ہم بالکل ٹھیک ہیں لیکن لینڈ روور بے چاری! اسے میں نہیں بچا سکا۔" میں نے اس کی حیرانگی سے لطف لیتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔ "اب انھی کی کار میں گھوم رہا ہوں۔"

"میں' آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"خیر چھوڑو اسے' اب یہاں کی پوزیشن بتاؤ۔"

"حسب پروگرام ٹھیک ہی ہے' میں ذرا جلدی فارغ ہو گیا تھا۔ اس کام سے چمن سے میں یہ کہہ کر آیا ہوں کہ ابھی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔"

"چمن حواس میں ہے؟"

"ہاں۔ میں نے اسے آپ کے لیے چھوڑ دیا ہے' ویسے وہ خواب گاہ میں جا چکا ہے اور کہہ رہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ بہت پریشان ہے۔"

"اور وہ لوگ۔ میرا مطلب ہے ایاز وغیرہ؟"

"وہ الگ ایک ہال نما کمرے میں قید ہیں' باہر سے تالا لگا دیا گیا ہے اور چمن نے میرے آدمیوں کو ان کے لیے پہرے داری پر مقرر کر دیا ہے۔ اس کے خیال میں اس وقت بھی تین آدمی جاگ کر اس دروازے کی نگرانی کر رہے ہیں' جس میں وہ لوگ مقید ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ وہ بھی دروازے کے قریب ہی الٹے سیدھے پڑے ہیں۔" تغلق خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گڈ---- تو پھر تغلق خان مجھے اجازت دو' چمن سے ملاقات کر لوں۔"

"کیا مطلب؟ کیا مجھے آپ کے ساتھ نہیں چلنا ہے' پرنس؟" تغلق خان نے پوچھا۔

"ابھی نہیں' ویسے تم باہر رک سکتے ہو۔" میں نے کہ اور تغلق خان نے گردن ہلا دی۔

جس کمرے کے دروازے پر اس نے مجھے چھوڑا تھا' اس کے شیشوں کے پیچھے نیلی مدھم روشنی نظر آ رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ چمن آرام سے لیٹ گیا ہے' ویسے چمن کے بارے میں مجھے یہ بھی یقین تھا کہ وہ مسلح ہو گا' ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر بڑی مستعدی سے کام کرنا تھا۔ میں نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی پہلی دستک پر تو

کوئی آواز سنائی نہیں دی لیکن دوسری دستک پر چمن نے اندر سے پوچھا۔

"کیا بات ہے' کون ہے؟"

"دروازہ کھولیے مسٹر چمن' مجھے آپ سے بہت ضروری کام ہے۔" میں نے آواز بدل کر کہا۔ کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی' چمن دروازے کے قریب آ رہا تھا۔ پھر اس نے دروازہ کھول دیا' اندر کی بہ نسبت باہر قدرے تاریکی تھی' اس لیے میری صورت ایک لمحے تک صاف نظر نہیں آئی۔ میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ میرے اس انداز پر چمن کے چہرے پر متحیرانہ آثار پھیل گئے تھے' پھر اس نے میری صورت دیکھی اور ایسے پیچھے ہٹا جیسے اس کے بدن میں کرنٹ پھیل گیا ہو' اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں اور چہرے پر شدید بدحواسی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ بمشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

"تت تم---- تم-----" اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

میں اس کی طرف رخ کیے' دو قدم پیچھے کی طرف ہٹا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"ہاں استاد چمن مجھے پہچانتے ہو؟"

"مم' منصور' منصور کیا واقعی یہ تم ہی ہو؟"

"----- تمہارا کیا خیال تھا' کیا تمہارے آدمی اتنے احمق اور بے وقوف تھے کہ انہوں نے تمہیں میرے فرار کی اطلاع بھی نہیں دی۔"

"مُ مجھے معلوم ہے کہ تم انھیں ڈاج دے کر فرار ہو گئے تھے۔"

"ہونا ہی تھا چمن' تم سے ملاقات کرنا تو بے حد ضروری تھا۔ دراصل تم ان لوگوں میں سے ہو' جنہوں نے میرا دوست بن کر مجھے دغا دیا۔ وہ جو شروع ہی سے میرے دشمن کی حیثیت سے سامنے آتے تھے' میرے لئے تکلیف دہ ضرور تھے لیکن میں ان سے محتاط تھا' مجھے اعتراف ہے چمن کہ تم نے مجھے بڑی کامیابی سے ایک طویل عرصے تک بے وقوف بنایا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھا اور تمہاری اصلیت مجھ پر واضح ہوئی تو یقین کرو' دنیا سے میرا اعتبار بری طرح مجروح ہوا اور میں نے سوچا کہ کم از کم سیٹھ جبار اس سلسلے میں غلط نہیں کہتا تھا۔ طارق نے جو مجھے سبق دیئے تھے' ان میں وہ بلا شبہ میرا استاد تھا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ جب تک دنیا پر اعتبار کرتے رہو گے دھوکے کھاتے رہو گے' اعتبار کرنا چھوڑ دو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔"

"مم مگر تم منصور۔ میرا مطلب ہے کیا تم۔ کیا تم----- میری سمجھ میں نہیں

آیا---- کہ آج تک‘ کیا تم پرنس دلاور کی حیثیت سے بھی مشہور ہو؟‘‘

’’ہاں چمن۔ پرنس دلاور میں ہی ہوں۔‘‘

’’مم مگر کیسے۔ تم نے یہ دولت کہاں سے اکٹھی کی‘ کروڑوں کیا بلکہ اربوں کے مالک معلوم ہوتے ہو‘ تم نے یہ سب کچھ کیسے کیا؟‘‘

’’ہاں چمن دنیا سے میرا اعتبار بلا شبہ اٹھ گیا تھا لیکن چند لوگ اب بھی ایسے ہیں۔ جنہوں نے میرے اعتبار کے بت کو ٹوٹنے نہ دیا اور انہوں نے میری اس طرح امداد اور معاونت کی کہ دنیا پر میرا اعتبار پھر سے قائم ہو گیا۔‘‘

’’کون تھے وہ لوگ؟‘‘ چمن گہری گہری سانسیں لے کر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

’’پروفیسر شیرازی‘ لیڈی جہانگیر یعنی گل‘ یہ دو افراد ایسے تھے جنہوں نے میرے لئے اپنا سب کچھ تج دیا اور مجھے وہ حیثیت دی کہ آج میں سیٹھ جبار کے مقابلے میں کھڑا ہوں۔‘‘

’’مگر ان لوگوں کو سیٹھ جبار سے کیا پرخاش تھی؟‘‘

’’سیٹھ جبار سے نہیں‘ میرے دوست‘ انہیں اس ماحول سے پرخاش تھی۔ جہاں سیٹھ جبار جیسے لوگ خدا کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ خدا ایک ہے‘ ایک رہے گا‘ سیٹھ جبار جیسے لوگ تو تاریخ میں ہمیشہ ہی سامنے آتے رہتے ہیں‘ اس سے کہیں زیادہ بڑی حیثیت کے مالک بن کر۔ فرعون‘ شداد‘ نمرود‘ یہ لوگ سیٹھ جبار سے مختلف نہیں تھے۔ لیکن ان لوگوں کا انجام کیا ہوا۔ یہ تمہارے علم میں ہے۔ مجھے ان سب سے اتنا اختلاف نہیں ہے چمن‘ جتنا تم سے۔ تم تو میرے دوست بن کر میرے سامنے آئے تھے نا‘ تم نے تو سیٹھ جبار سے دشمنی کا اظہار کیا تھا‘ تم نے ہر طرح سے میری امداد کی تھی لیکن اس کے پس پردہ جو کچھ تھا‘ وہ میں نے کسی اور سے نہیں‘ تمہاری ہی زبانی سنا۔‘‘

’’مم مگر‘ منصور‘ میں نے---- میں نے----‘‘ چمن پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

’’چالاکی کی کوشش مت کرو چمن‘ میں جانتا ہوں تم اپنے بستر تک جاؤ گے‘ وہاں سے اسٹین گن یا پستول اٹھاؤ گے‘ تمہارا کیا خیال ہے‘ کیا میں تمہیں وہاں تک پہنچنے دوں گا؟‘‘

’’نن نہیں۔ مگر قتل‘ یہ۔ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک پیش کش کر سکتا ہوں۔‘‘ چمن نے کہا۔

’’ہاں ہاں کہو۔‘‘

’’میں تمہاری غلامی کے لئے تیار ہوں۔‘‘

’’مجھے تم جیسے غدار غلام درکار نہیں۔ ہاں اگر تم جان بچانا چاہتے ہو تو صرف ایک

شرط پر تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے۔‘‘ میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

’’وہ۔ وہ کیا‘ وہ کیا۔ مجھے بتاؤ تو سہی۔‘‘ چمن نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

’’مجھے جواب دو چمن‘ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟‘‘ میں نے سوال کیا اور چمن پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

’’میں نیک نیتی سے تمہیں بتا رہا ہوں منصور کہ مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہیں۔‘‘

’’تم نے انہیں دیکھا ہے چمن؟‘‘

’’---- خدا کی قسم‘ کبھی نہیں۔ نا ہی سیٹھ جبار سے میری اس موضوع پر کبھی کوئی گفتگو ہوئی‘ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ سیٹھ جبار نے انہیں کہاں رکھا ہے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔‘‘

’’تو پھر تمہارے سارے چانسز ختم‘ اب تمہاری زندگی کا کوئی جواز نہیں ہے۔‘‘

’’دیکھو‘ دیکھو منصور یہ سب کچھ نہ کرو۔ میرا تمہارا ساتھ اچھا خاصا رہ چکا ہے‘ ہم نے دوستانہ ماحول میں وقت گزارا ہے‘ میری وجہ سے تمہیں بہت سی مراعات بھی ملی ہیں‘ انہی کا خیال کرو‘ میں۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا۔ میں اتنا چوہا بھی نہیں ہوں اور اگر تم مجھے کمزور سمجھ رہے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔‘‘

میں ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا اور چمن پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ میں نے تلخ مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور بولا۔

’’موت تمہارے سامنے ہے چمن‘ کم از کم ایسے جہالت کے الفاظ استعمال مت کرو‘ تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا۔ اس کے پس پردہ تمہاری گندی نیت کار فرما تھی۔‘‘

میں چمن کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ وہ ایک دیوار کے ساتھ لگ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس نے بستر تک جانے کی کوشش کی تو درمیان ہی میں‘ میرے پستول سے چلی ہوئی گولی اسے چاٹ جائے گی۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ پھرتیلا نہیں ہے۔ بس وہ مجھے اپنی باتوں کے جال میں پھانس کو اپنی موت کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

’’ارے کوئی ہے‘ کوئی ہے‘ بچاؤ‘ بچاؤ۔‘‘ چمن دھاڑا اور میں ہنس پڑا۔

’’ایسے نہیں میری جان‘ تم تو بہت بڑے غنڈے ہو‘ بے شمار افراد تمہارے ماتحت کام کرتے ہیں اور تم نے زندگی میں بہت سے قتل بھی کئے ہوں گے‘ مرد بنو‘ ایک اور قتل

کرنے کی ---- کوشش کرو۔"

"مم میں۔ میں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر خاموشی سے مرجاؤ۔" میں نے ایک اور کھڑا ہاتھ اس کی گردن پر رسید کرتے ہوئے کہا اور چمن نیچے لڑھک گیا۔ میں نے ایک ٹھوکر اس کی پسلی پر ماری اور وہ بلبلا کر اوندھا ہو گیا لیکن دوسری طرف پڑنے والی ٹھوکر نے اسے پھر سیدھا کر دیا تھا۔

"سس۔ سنو منصور۔ مم۔ منصور سنو تو سہی۔ سنو تو سہی میری بات تو سنو۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا لیکن مجھ پر خون سوار تھا۔ میں نے اپنا پاؤں اس کی ٹھوڑی کے نیچے' اس کی گردن پر رکھ دیا اور پھر میرے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور اس کی زبان باہر نکل پڑی۔ وہ بری طرح ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا اور میرے پاؤں کی گرفت اس کی گردن پر تھی۔ مجھے اتنا اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ مخصوص قسم کا دروازہ ہے جسے میں نے اندر سے بند کر کے اپنی دانست میں بیرونی مداخلت سے محفوظ کر لیا تھا' باہر سے بھی کھل سکتا ہے۔

دروازہ کھل چکا تھا اور دروازے میں چھ افراد کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے پاؤں کو دو تین جھٹکے دیئے اور چمن کے ہاتھ پاؤں کی جنبش میں تیزی آ گئی۔ اس کا دم نکل رہا تھا۔ اور چند ہی لمحوں بعد ہاتھ پیروں کی یہ حرکت سرد پڑ گئی۔

دفعتاً مجھے اپنے عقب میں ایک چیخ سنائی دی تھی۔ میں چونک کر پلٹا۔ یہ گل کی چیخ تھی۔ جو میری اس بربریت سے دہشت زدہ ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ گل کے نزدیک ہی تغلق خان بھی آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں پر گل کو سنبھالا اور اسے لئے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ میں چند لمحات کھلے ہوئے دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر چمن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں نے بیٹھ کر اس کی نبض ٹٹولی اس کا چہرہ اتنا بھیانک ہو گیا تھا کہ انسانی نگاہ اس پر ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ وہ سرد ہو چکا تھا۔

میں نے ہاتھ جھاڑے اور واپس دروازے کی طرف پلٹ پڑا۔

تھوڑے فاصلے پر تغلق خان' گل کو دونوں ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے ایک کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑا۔ کمرے میں تیز روشنی ہو گئی تھی اور اس روشنی میں مجھے ایاز' شمو اور اس کی ماں سہمے سہمے سے بستروں پر نظر آئے۔

"کیا ہوا۔ انہیں کیا ہو گیا؟" شمو نے بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

تغلق خان نے گل کو ایک بستر پر لٹا دیا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے' ایسے ہی شاید چکر آ گیا ہے اور بے ہوش ہو گئی ہیں۔"

"مم۔ مگر۔ یہ۔ میرا مطلب ہے؟" شمو میری طرف دیکھتی ہوئی بولی اور پھر چونک کر تیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ ---- یہ کیا۔ یہ منصور بھیا۔ نہیں میں؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں شمو بہن۔ میں منصور ہی ہوں۔ ایاز کا دوست ----" شمو کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ وہ مجھے دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا۔

"منصور بھیا۔ ایاز۔ ایاز کو کیا ہو گیا۔ آپ انہیں دیکھیں میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ آپ انہیں دیکھیں۔ آپ کے بارے میں ایاز نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ بہت کچھ بتایا تھا انہوں نے مجھے۔" شمو نے کہا۔ میں نے شمو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ ہو چکا۔ شمو بہن اسے بھول جاؤ۔ ایاز ٹھیک ہو جائے گا کچھ نہیں ہوا ہے اسے۔ میں اس کا علاج کراؤں گا تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" میں ایاز کی طرف مڑا جو کھوئی کھوئی نگاہوں سے پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے بالکل قریب چلا گیا۔

"ایاز۔ میرے دوست ---- میرے بھائی۔" میں نے اسے بری طرح سے بھینچ لیا' ایاز خاموشی سے کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح میرے بازوؤں میں سمٹا ہوا تھا۔ اس نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ بس عجیب سے انداز میں بچوں کی طرح میرے سینے سے لگا ہوا تھا' میں اسے چوم رہا تھا' اسے پیار کر رہا تھا اور میری آنکھیں بھری آ رہی تھیں۔ کتنے طویل عرصے کے بعد ایاز مجھے ملا تھا' میرا سب سے سچا ہمدرد' میرا سب سے سچا اور مخلص ساتھی' دیر تک یہ جذباتی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ ایاز کے لئے میں جس قدر جذباتی ہو گیا تھا کسی اور کے لئے نہیں ہوا تھا۔

دوسری طرف تغلق خان گل کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شمو کی بوڑھی ماں بھی اس کی مدد کر رہی تھی۔ بے چاری غمزدہ عورت مصیبت کا شکار ہو گئی تھی۔ اس نے کب ایسے ہنگامے دیکھے ہوں گے۔ لیکن بہرطور وہ بھی تغلق خان کے ساتھ مصروف تھی' چند لمحوں بعد گل ہوش میں آ گئی۔ اس نے ایک کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی اور پھر اچھل کر بیٹھ گئی۔

وہ مجھے اور ایاز کو دیکھ رہی تھی اور پھر اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے نزدیک آ گئی۔ اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔

"منصور، منصور۔ منصور تم آ گئے۔ تم پہنچ گئے آخر۔ کیا ہوا۔ تم نے مار دیا اسے، قتل کر دیا نا چمن کو-----" وہ ہذیانی سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"ہاں گل، موذی کیفر کردار کو پہنچ چکا ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ سب ٹھیک ہے گل، سب ٹھیک ہے؟"

"مجھے یقین تھا منصور۔ مجھے یقین تھا۔ خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ تم اس کا ستیا ناس کر دو گے۔ اس نے یہ قدم اٹھا تو لیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ تم بالآخر ان حالات سے واقف ہو جاؤ گے اور اسے نہیں چھوڑو گے۔ اوہ۔ اف، وہ مر گیا نا۔ مار ڈالا نا تم نے اسے؟"

"ہاں گل۔ خود کو سنبھالو۔ پلیز خود کو سنبھالو۔ ہمیں یہاں سے چلنا ہے۔"

بہرطور گل کو کسی نہ کسی طرح خاموش کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تغلق خان کہنے لگا۔

"بھئی میرے تمام ساتھی تو سکون کی گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں اس وقت آپ لوگوں کی کیا خاطر مدارات کروں۔ کافی وغیرہ چلے گی۔ یہاں اس کا انتظام ہے۔"

"رہنے دو تغلق خان۔ خواہ مخواہ تکلیف کرو گے۔"

"میں بنا لیتی ہوں۔ منصور بھیا۔ ابھی بنا لائی۔" شمو نے کہا۔

"ارے ہاں ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ ہماری ایک بہن بھی یہاں موجود ہے۔ جاؤ تغلق خان، شمو کو ساتھ لے جاؤ، کچن میں اور کافی بنوا لو۔ اس وقت کافی لطف دے گی۔"

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہم کافی پی رہے تھے۔

"اب چمن کی لاش کا کیا کرو گے۔" میں نے تغلق خان------ سے پوچھا۔

"آنند سنگھ کی اسی رہائش گاہ میں ڈال دوں گا۔" تغلق خان نے جواب دیا۔

"اوہ نہیں تغلق خان۔ وہ جگہ خطرناک ہو گئی ہے۔ وہاں بموں کے دھماکے ہوئے ہیں ظاہر ہے لوگوں نے سنے ہوں گے۔"

"ہاں یہ بات میں بھول گیا تھا۔ بہرحال یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی یہ کہنے والا زندہ نہیں رہا ہے کہ چمن میرے ایما پر آنند سنگھ کے اڈے سے چلا تھا۔ اس لئے میں مطمئن ہوں۔ چمن کی لاش کو میں باآسانی ٹھکانے لگا دوں گا! آپ دوسرے انتظامات کر لیں۔"

"اوہ تغلق خان۔ آنند سنگھ کے دوسرے آدمیوں کو تمہارے بارے میں علم ہے۔ کیا ان میں سے کوئی یہ اطلاع لے کر یہاں پہنچ سکتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔ ساڑھے تین بجے ہیں۔ ہم پانچ بجے یہاں سے چل پڑیں گے۔ صدر

اسٹیشن پہنچ جائیں گے۔ بہروز، تاج میں ہے میں اسے جا کر لے آتا ہوں۔"

"اوہ۔ تاج کے تمام کمروں میں ٹیلی فون موجود ہے۔ آپ بہروز کو رنگ کر دیں کہ وہ ہوٹل چھوڑ کر اسٹیشن پہنچ جائے۔ یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" تغلق خان نے کہا۔

تھوڑی دیر میں بہروز سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"سوئی نہیں بہروز۔"

"سو سکتی تھی؟" اس نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"بہروز چار بجنے والے ہیں۔ ساڑھے پانچ بجے ہوٹل چھوڑ کر باہر نکل آؤ۔ کوئی بھی سواری ملے اسٹیشن آ جاؤ۔"

"ریلوے اسٹیشن۔"

"ہاں۔ اگر اس میں کوئی مشکل در پیش ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"نہیں، اس میں کیا مشکل ہو گی۔"

"بس باقی گفتگو ٹرین میں ہو گی۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تغلق خان مجھ سے اجازت لے کر چمن کی لاش ٹھکانے لگانے چل پڑا تھا۔ جس وقت وہ واپس آیا۔ پانچ بجے تھے۔ ہم بس اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اس کے پیچھے پیچھے بہروز کو دیکھ کر ہم چونک پڑے۔

"ارے۔ تم کہاں سے آ گئیں؟"

"شہر میں غیر معمولی تحریک دیکھی ہے میں نے۔ وہ بلا شبہ آنند کے آدمی ہیں کوئی شبہ ہو گیا ہے انہیں، میں نے بہروز کے لئے رسک نہیں لیا اور تاج سے انہیں بھی لے آیا۔ آپ لوگ تیار ہو جائیے۔ میں خود آپ کو ریلوے اسٹیشن پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد اپنے باس کو بھی اس سانحے کی اطلاع دینی ہے۔"

"اوہ۔ ہاں یہ بھی تو ضروری ہے۔ ویسے اگر آنند سنگھ کے آدمی دندناتے پھر رہے ہیں تو وہ ریلوے اسٹیشن پر بھی توجہ دیں گے۔"

"امکان ہے اس بات کا!"

"اچھا ہے علم ہو گیا۔ ہم محتاط رہیں گے۔ تمہارے ساتھی تو ابھی تک بے ہوش ہیں۔ میں چیک کر چکا ہوں۔"

"وہ صبح تک سکھ کی نیند سوئیں گے پرنس۔ میں خود بھی انہیں سوتا ہوا ملوں گا اور صبح کو ان سے پوچھوں گا کہ رات کی شراب اس قدر تیز کیوں تھی؟" تغلق خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ تغلق خان کا یہاں دیکھا جانا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا تھا کہ موقع ملتے ہی فون پر مجھے یہاں کے حالات سے مطلع کرے گا۔

ساڑھے پانچ بجے ٹرین آئی۔ اس سے قبل میں ریلوے کے ایک افسر سے بات کر چکا تھا۔ اسے میں نے چھوٹی سی رقم پیش کی تو وہ میرے لئے سہولت مہیا کرنے کو تیار ہو گیا اور اس نے ہمیں ایک سلیپر دے دیا۔ جو نہایت آرام دہ تھا۔ ویسے تغلق خان کے کہنے کے مطابق ٹرین خالی تھی لیکن آفیسر کی وجہ سے بہت سی سہولتیں مہیا ہو گئی تھیں۔ ٹرین کے سفر میں ہم محتاط رہے لیکن سفر سکون سے کٹ گیا اور ساڑھے آٹھ بجے ہم دارالحکومت کے شاندار ریلوے اسٹیشن پر اتر گئے۔ دو ٹیکسیاں ہمیں لے کر چل پڑیں۔ نو بجے ایگل روڈ کے بنگلے میں داخل ہو رہے تھے۔

پروفیسر شیرازی اور دوسرے تمام لوگ صبح خیزی کے عادی تھے۔ بنگلے میں پوری طرح زندگی شروع ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں سب ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ پروفیسر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ انہوں نے ایاز کو بھینچ بھینچ کر پیار کیا تھا۔ لیکن ایاز کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اسی طرح کھویا کھویا سا تھا۔ شمو اور اس کی والدہ کو بھی بڑے احترام سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ گل اس بات پر سخت حیران تھی کہ یہ لوگ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں۔ جب کہ وہ انہیں ایبک روڈ کے بنگلے میں چھوڑ کر گئی تھی اور یہ نیا بنگلہ کیسے حاصل کیا گیا۔

”بقیہ گفتگو ناشتے کی میز پر ہو گی۔ دلاور ہاؤس سے تو کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی پروفیسر؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں کوئی نہیں۔“ پروفیسر نے جواب دیا۔ سرخاب، حسینہ اور بھوندو کے ساتھ کچن میں گھس گئی تھی۔ یہ لوگ ناشتہ کر چکے تھے۔ ہمارے لئے ذرا سی دیر میں ناشتہ لگا لیا تھا۔ ناشتے کی میز پر میں نے گل کے سوال کا جواب دیا۔

”تمہارا فون ملتے ہی گل! میں خود وہاں پہنچا تھا۔ وہاں تمہاری کار تو موجود تھی لیکن کوئی اور نہیں تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ تم کسی جال میں پھنس گئیں۔ چنانچہ احتیاطاً“ میں نے ان لوگوں کو ایبک روڈ سے ہٹا دیا مجھے شبہ تھا کہ کہیں وہ لوگ ان کے بارے میں بھی معلوم نہ کر لیں۔“

”چمن بدحواس تھا۔ پرنس دلاور کی دہشت طاری ہے ان سب پر۔ انہیں چاروں طرف اسی کے بھوت نظر آتے ہیں۔ میرے خیال میں چمن کی اس بات سے اس وحشت کا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمیں یہاں نہیں رکھا گیا اور اس نے ایک دوسرے شہر میں پناہ لی؟“

”تم لوگوں سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی اس نے۔“

”موقع ہی نہیں ملا اسے۔ ہمیں اغوا کر کے ایک عمارت میں لے جایا گیا۔ وہاں سے ایک بند گاڑی میں سفر کیا گیا اور ہم غلام پور پہنچ گئے یہ بات تو ہمیں کھانا دینے والے ایک ملازم نے بتائی تھی کہ ہم غلام پور میں ہیں؟ چمن سے تو اس کے بعد سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔“ گل نے تفصیل بتائی۔

”بہرحال میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر یہ کیا تھا۔“ میں نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال تھا منصور! کیا وہ مجھ سے تشدد کے ذریعے ان لوگوں کے بارے میں معلوم کر سکتے تھے۔“ گل بولی۔

”جی نہیں خاتون۔ لیکن رجسٹریشن آفس سے آپ کی گاڑی کے ذریعے آپ کا پتہ معلوم ہو سکتا تھا۔“

”اوہ میرے خدا۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گاڑی کہاں گئی؟“

”پردے میں ہے۔ ویسے تمہارے بتائے ہوئے نمبر سے ہی میں چمن تک پہنچا اور وہاں سے اس کے بارے میں تفصیل معلوم کی۔“

”بڑی برق رفتاری سے تم غلام پور پہنچے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا ہو گا۔“

”چمن کہاں ہے؟“ پروفیسر شیرازی نے پوچھا اور گل جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔ اس کا ہاتھ ناشتہ کرتے کرتے رک گیا تھا۔ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے! ”کیوں گل ناشتہ کرو۔“ پروفیسر نے کہا۔ لیکن گل نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”اب نہیں کر سکوں گی۔ معافی چاہتی ہوں۔ میں نے ایسی بھیانک موت کا تصور بھی نہیں کیا تھا کبھی۔ میرے خدا۔ میرے خدا۔“ اس نے دونوں ہاتھ کنپٹیوں پر رکھ لئے۔

”اس کی زبان حلق سے تقریباً“ آٹھ انچ باہر نکل آئی تھی۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے ایک انچ باہر لٹک رہی تھیں۔ اور منصور۔ اس وقت وہ زمانہ قدیم کا کوئی وحشی ہی لگ رہا تھا۔ جس کا اس جدید دور، نئی تہذیب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔“ گل کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔

پروفیسر کا ہاتھ بھی رک گیا۔ سب ہی گل کی اس منظر کشی سے خائف ہو گئے تھے لیکن میں نے پروفیسر کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھے تھے۔ وہ عجیب انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کی زبان سے نکلا۔ ”تم حق بجانب ہو منصور! تم درندے نہیں ہو۔

تمہیں وحشی بنایا گیا ہے۔ میں جانتا ہوں مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔" پھر وہ بات بدل کر بولے۔ "مگر یہ بہروز بیگم تمہیں بھی چکر دے گئیں یا گھٹے۔ کسی کو ان کی حرکت کا پتہ بھی نہیں چل سکا۔" بہروز مسکرانے لگی تھی۔

ان سارے معاملات سے فارغ ہو کر میں ایاز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایاز کی حالت دیکھ کر کلیجہ کٹتا تھا۔ لیکن میں نے عزم کر لیا تھا کہ اس کا علاج کراؤں گا۔ اگر ضرورت پڑی تو اسے بیرون ملک بھی بھیجوں گا۔ میں اس کے لئے وہ سب کچھ کروں گا' جس سے ذہنی توازن صحیح ہو جائے۔ ایاز کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں نے حسینہ کے ذریعے شمو کو یہاں بلوا لیا۔ جاہل' لیکن خوبصورت اور سادہ مزاج لڑکی تھی۔

"شمو بہن۔ آپ بڑے اطمینان سے یہاں رہیں۔ یہ آپ کے بھائی کا گھر ہے۔ ایاز کا میں علاج کراؤں گا۔ یہ آپ کے پاس کب پہنچا؟"

"کوئی بیس دن ہوئے؟"

"اکیلا آیا تھا یا کوئی لے کر آیا تھا اسے۔"

"ٹیکسی چھوڑ گئی تھی۔"

"یہ پہچانتا ہے آپ کو۔"

"کبھی پہچانتے ہیں کبھی نہیں پہچانتے۔ لیکن صبح کو مجھے میرا نام لے کر پکارا اور گرم پانی مانگا تھا۔"

"اس کے بعد؟"

"پھر میرا نام نہیں لیا۔ لیکن ہر کام کے لئے مجھ سے ہی کہتے ہیں کسی اور سے نہیں بولتے۔" شمو نے جواب دیا۔ شمو کی گفتگو بے حد کارآمد تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ایاز شدید دباؤ میں نہیں ہے اور اس کے جلد ٹھیک ہو جانے کے امکانات ہیں۔ پروفیسر شیرازی نے رائے دی کہ ایاز کو کسی ہسپتال میں داخل کرنے کے بجائے یہیں اس کی دیکھ بھال کی جائے۔ بہروز نے اس خیال کی حمایت کی تھی۔

"تم اس مسئلے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ ڈاکٹر کرنل رازی میرا دوست ہے۔ دماغی امراض کا اسپیشلسٹ۔ میں اسے بلا لوں گا اور اگر ضرورت پڑی تو اسے اس کے کلینک میں داخل کر دوں گا!" میں نے پروفیسر کی یہ معاونت قبول کر لی۔ اس کے بعد میں ان تمام لوگوں سے اجازت لے کر چل پڑا۔ دوسرے معاملات بھی دیکھنے تھے۔

مس نادرہ جو اس کوٹھی کی انچارج تھیں اور بڑی اعلیٰ انتظامی صلاحیتیں رکھتی تھیں' سب سے پہلے مجھے ملیں۔ ان سے خیریت معلوم ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد سب نے مجھ

سے ملاقات کی۔ فینی کے پاس اس دوران کی ساری رپورٹیں موجود تھیں۔ تمام معاملات سے فارغ ہو کر میں نے اس سے رپورٹیں طلب کر لیں۔

"کوئی بہت اہم خبر نہیں ہے پرنس۔ سترہ تاریخ کو اینجل کی سالگرہ ہے۔ یہ اس کا کارڈ ہے۔ سیٹھ جبار نے فون بھی کیا تھا۔ مس اینجل کا فون بھی آیا تھا' دو بار۔ دوسری بار انہوں نے کہا ہے کہ آپ جب بھی واپس آئیں انہیں فون کریں۔"

"عدنان کی طرف سے کوئی اطلاع۔"

"جی ہاں۔ فون کر کے انہوں نے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔۔۔۔ لیکن کوئی خاص بات نہیں کی۔"

"او کے فینی اگر کوئی خاص بات ہوتی تو تم خود مجھے بتا دیتیں۔ آرام کرو۔" میں نے کہا۔ فینی کے جانے کے بعد میں نے اینجل کو رنگ کیا لیکن وہ اس نمبر پر نہ مل سکی۔ البتہ اس لڑکی کو میں نے پیغام دے دیا کہ شام کو چھ بجے میں اینجل کو رنگ کروں گا۔ اگر اس سے ملاقات ہو تو یہ پیغام دے دے۔

"بہتر جناب۔" اس نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے عدنان کو رنگ کیا۔ میری آواز سن کر عدنان کی آواز میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔

"ہیلو پرنس' آپ خیریت سے تو ہیں نا' میں بڑا الجھا ہوا تھا۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"تفصیل فون پر نہیں بتائی جا سکتی عدنان بس یوں سمجھ لو ایک چھوٹی سی مہم پر گیا تھا۔ تم سے اگر تذکرہ کیا جاتا۔۔۔۔ تو میرا پروگرام ملتوی کرا دیتے' مجھے خود بھی تو ہاتھ پاؤں ہلاتے رہنا چاہئے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پرنس آپ بہت ہاتھ پاؤں ہلا چکے' اب یہ ذمہ داری ہمیں سونپ دیں' یہ میری مخلصانہ التجا ہے' آپ ہمارے لئے بہت قیمتی ہیں اور پھر اس طرح ہماری اپنی حیثیت مجروح ہو جاتی ہے۔" عدنان نے کہا۔

"اوہ عدنان' سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں' ایسی کوئی بات نہیں تھی' میں بس شہر سے تھوڑی ہی دور باہر گیا تھا۔ تم سناؤ کیا حالات ہیں۔۔۔۔؟"

"حسب معمول۔۔۔۔ اس دوران میں نے وہ فائلوں والا مسئلہ ختم کر لیا ہے' کچھ رقم جمع ہو گئی ہے پرنس۔۔۔۔ تمام فائل نمٹ گئے ہیں اب کوئی باقی نہیں ہے۔ ناجی الٰہی کو بھی دو کروڑ کی رقم ادا کر دی ہے' اس نے بہت سے فون کر ڈالے ہیں اس دوران' بڑا خوش ہے اور پرنس کی خدمت میں حاضری دینا چاہتا ہے۔ کیا حکم ہے اس کے بارے میں؟"

"ٹھیک ہے ٹالو اسے' جو کچھ کر دیا' اسے بھول جاؤ جب بھی وہ رقم واپس کرنا چاہے' وصول کر لینا۔ دراصل مسئلہ وہی تھا۔ میں نے یہاں بھی اس کی اجارہ دارہ توڑی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں پرنس اور بے حد خوش ہوں ویسے آپ کے اس خادم نے ایک بار پھر سیٹھ صاحب کو زک پہنچائی ہے۔ مارکیٹ میں ایک خاص دوا بہت کم ہو گئی تھی' سونے کے بھاؤ بک رہی تھی' یہ ایک مخصوص قسم کے انجیکشن ہیں' اتفاق سے میرے کانوں میں بھنک پڑ گئی کہ ہمارے دوست نے یہ ادویات ہانگ کانگ کے ذریعے منگوائی ہیں---- تین آدمی ادویات کا اچھا خاصا ذخیرہ لے کر آئے تھے' جس کی مالیت بہت کافی بنتی تھی' سیٹھ صاحب ایئر پورٹ پر انتظار کر رہے تھے لیکن ان کی بدقسمتی' ادویات کے پیکٹ کسٹم سے تو نکل آئے لیکن راستے میں اغوا کر لئے گئے' پرنس میں جانتا ہوں کہ آپ صرف اسے زک دینے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ پیسہ آپ کا مطمع نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ادویات کے یہ پیکٹ کھولے گئے اور ان ادویات کو پورے شہر میں میڈیکل اسٹورز پر فروخت کر دیا گیا۔ اور ان سب کو ہدایات دے دی گئی ہیں کہ اگر مقررہ قیمت سے ایک پیسہ بھی زیادہ پر ادویات فروخت کی گئیں تو انہیں گرفتار کرا دیا جائے گا' ویسے ان سے بھی ہمیں اچھی خاصی مالی امداد حاصل ہوئی ہے' حالانکہ اس سلسلے میں مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں تھی' لیکن جب مجھے اس بارے میں پتہ چلا تو میں نے اس کام کو چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"گڈ عدنان ویری گڈ' کب ملاقات کر رہے ہو مجھ سے۔"

"جب حکم دیں پرنس' اگر فرمائیں تو ابھی حاضر ہو جاؤں۔"

"آ جاؤ---- مجھے بھی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے تم سے کچھ اور بھی باتیں کرنی ہیں۔"

عدنان پہنچا تو میں نے اس کے لئے کافی وغیرہ طلب کر لی۔ اس شخص سے مجھے انسیت ہو گئی تھی' بہت برا آدمی تھا' جرائم کا ماہر' لیکن اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ انتہائی نیک نفس اور شریف انسان ہے' برائیاں اگر کسی لالچ کے تحت انسان میں پیدا ہو جائیں تو وہ بے شک بہت برا ہو جاتا ہے لیکن کوئی مقصد اگر دولت سے بے نیاز کر دے' تو پھر وہ شخص معمولی نہیں ہوتا' یہی کیفیت عدنان کی تھی۔ میں نے اسے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ایاز میرا دوست ہے عدنان جس نے ایسے وقت میں میرا ساتھ دیا' جب ساری دنیا میری نگاہوں میں تاریک تھی اور میں سڑک پر بے یار و مددگار پھر رہا تھا۔" عدنان نے گہری

نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا ایسا کوئی لمحہ آپ پر بھی گزرا ہے پرنس؟"

"ہاں عدنان' میں نے تمہیں پرکھا ہے' صرف چند افراد ہیں' جو میری---- حقیقت سے واقف ہیں اس کے بعد جو کوئی بھی میری زندگی میں شامل ہوا' وہ مجھ سے لاعلم ہے اور مجھے پرنس دلاور سمجھتا ہے۔" عدنان نے سر جھکا لیا' اس کے چہرے پر بہت سے سوالات تھے' لیکن اس نے مجھ سے اس سلسلے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔ تب میں نے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں عدنان تمہارے ذہن میں جو سوالات ہیں اور میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں اس لئے کہ پرنس دلاور بننے کے بعد میری نگاہ میں تم وہ واحد انسان ہو۔ جو میرے معیار پر پورے اترے ہو۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں عدنان اس لئے کہ تمہاری ذات میں' میں نے ایک دوسرا منصور پوشیدہ دیکھا ہے۔"

"منصور؟" عدنان نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ہاں میں پرنس دلاور نہیں منصور ہوں' اسی شہر کے ایک گندے سے محلے کا رہنے والا' ایک ڈرائیور کا بیٹا' میرا باپ احمد علی' سیٹھ جبار کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں عدنان کہ وہ انتہائی شریف آدمی ہو گا' میں تھا' میری ماں تھی' ایک چھوٹی سی بہن تھی میری اور ایک گھر تھا---- اس گھر کی گزر بسر معمولی انداز میں ہو رہی تھی' لیکن مجھے یقین ہے کہ سیٹھ جبار جیسا سانپ کسی کو سیدھے راستے پر چلنے نہیں دیتا۔ نہ جانے کس طرح اس نے میرے باپ کو شیشے میں اتارا' وہ صرف ایک ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے لئے کام کرتا تھا' لیکن اسمگلر اسے بھی اپنی راہ پر لے آیا اور اسے اس کا تھوڑا سا معاوضہ ملنے لگا۔

میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور ہم اچانک کسمپرسی کا شکار ہو گئے' میں نے اس لحاظ سے سیٹھ جبار کے ہاں ملازمت کی درخواست دی کہ میرا باپ بھی اس کا ملازم تھا' سیٹھ جبار نے مجھے ڈرائیونگ سکھوائی اور ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا۔ لیکن احمد علی کے بیٹے کو اس نے وہی بنانا چاہا' جو باپ تھا۔ میں نے یہ جاننے کے بعد کہ سیٹھ جبار ایک اسمگلر ہے' پولیس سے رابطہ قائم کیا اور ایک معصوم انسان کی حیثیت سے سیٹھ جبار کے بارے میں ایک انسپکٹر کو اطلاع دی کہ ایک اسمگلر جس کا مال سمندری راستوں سے آتا ہے' میری نگاہوں میں ہے اور میں اسے گرفتار کرانا چاہتا ہوں۔

"انسپکٹر نے استہزائیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور رپورٹ درج کر لی لیکن دوسری ہی رات میرے گھر سے چرس برآمد ہو گئی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا ایک معمولی سی

خطا کے نتیجے میں مجھے پانچ سال کی سزا دلوائی گئی او عدنان' میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گیا' اور ان پانچ سالوں نے اس معصوم منصور کو مار کر پرنس دلاور تخلیق کیا' ایک مجرم جو جرم کے تمام اصولوں سے واقف ہو چکا تھا' لیکن فطری طور پر مجرم نہیں تھا' پانچ سال کے بعد جب میں جیل سے رہا ہوا تو میری دنیا اجڑ چکی تھی' میرے مکان میں ایک جوئے کا اڈہ آباد تھا

اس کے بعد

؟

بازی

کے آخری حصے

کا مطالعہ کریں!

بازی
4
ایم اے راحت

اور میری ماں اور بہن کا کہیں پتہ نہیں تھا' میں نے ان کی تلاش کے لئے ہر وہ کوشش کی' جو میں کر سکتا تھا' سیٹھ جبار کے ملازم نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں سیٹھ جبار کی برتری قبول کر لوں اور اس کے خادم کی حیثیت سے کام کرنے پر تیار ہو جاؤں تو میرا اجڑا ہوا گھر پھر سے بن سکتا ہے۔---- لیکن فطری طور پر میں جرائم پیشہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ گر جانتا تھا۔ جو اس دنیا کے لئے کار آمد ہوتے تھے۔ نتیجے میں' میں پستا رہا' میرے ہاتھوں ایک قتل کرایا گیا جو دراصل میں نے نہیں کیا تھا اور قتل کے الزام میں مجھے پھر پھانس لیا گیا' طویل کہانی ہے عدنان' مجھے کچھ ایسے لوگ مل گئے ہیں---- جو اس غلیظ دنیا میں بھٹک کر آ جانے والے فرشتے تھے' ان فرشتوں نے میری جون بدل دی' ان فرشتوں نے میرے لئے اپنی تمام زندگی کا سرمایہ پرنس دلاور کو منتقل کر دیا۔ یہ پروفیسر شیرازی اور لیڈی جہانگیر تھے انہوں نے ہی مجھے پرنس دلاور بنایا' وہ میری زندگی کے مقصد سے متفق ہو گئے تھے اور اس کے بعد کے حالات تمہارے علم میں ہیں' امی اور فریدہ مجھے نہیں مل سکیں عدنان' اب تو وہ میرے دل میں ایک یاد بن کر رہ گئی ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی آخری سانسوں تک میں صرف ان کا سوگ مناتا رہوں گا' اگر مجھے ان کی موت کی اطلاع مل جاتی تو شاید میرے سینے میں درد نہ ہوتا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے عدنان کہ ایک بار میں اپنی ماں اور بہن کو پا لوں' اس کے بعد مجھے کچھ نہیں چاہئے۔" میری آنکھیں شدت غم سے سرخ ہو گئی تھیں۔ میں نے عدنان کو دیکھا اس کے گالوں سے آنسو لڑھک رہے تھے' وہ میری صورت دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک جھرجھری سی لی اور سنبھل گیا۔ "تم بہت زیادہ متاثر ہو گئے ہو عدنان۔" میں پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا لیکن وہ خاموشی سے آنسو بہاتا رہا۔

"عدنان میرے دوست کیا اب بھی اپنے اندر کے انسان کو چھپاؤ گے' کیوں متاثر ہو گئے ہو' میری اس کہانی سے؟" عدنان نے آنسو خشک کر لئے اور آگے بڑھ کر بولا۔

"پرنس میں بدنصیب تھا کہ اس سے پہلے آپ کی کہانی سے واقف نہیں ہو سکا۔---- میں خود چوٹ کھایا ہوا انسان ہوں اور سینے میں چھپے ہوئے اس درد کو سمجھتا ہوں' جو انسان کو بے کل رکھتا ہے' آپ نے مجھ پر ظلم کیا پرنس جو آپ نے پہلے مجھے یہ

داستان نہ بتائی، ہمیں جرائم کی دنیا میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، ہمارا مطمع نگاہ تو ماں اور بہن تھیں پرنس مجھے ان دونوں کی تصاویر مہیا ہو سکتی ہیں؟"

"نہیں افسوس نہیں، میرے پاس ان کی کوئی تصویر نہیں ہے۔"

"ان کے خدوخال، میں کسی مصور کو آپ کے پاس بھیجوں گا ------ یادداشت کے سہارے ان دونوں کی تصاویر بنوائیے، اور میرے حوالے کر دیجئے۔"

"کیا کرو گے عدنان، کیا کرو گے؟" میں نے غم زدہ لہجے میں پوچھا۔

"پرنس، عدنان کوئی وعدہ نہیں کرتا، لیکن مجھ سے جو کچھ بھی بن پڑا ضرور کروں گا، میں آپ کی اس جدوجہد میں آپ کا شریک کار بننا چاہتا ہوں، براہ کرم مجھے اس کی اجازت دے دیجئے۔"

"کیسی اجازت۔ عدنان؟ میں تمہاری مرضی کے مطابق ان کی تصاویر اپنی یادداشت کے سہارے بنوا دوں گا، مصور کا انتظام تم کر دو۔"

"یہ میری ذمہ داری ہے پرنس۔" عدنان نے جواب دیا۔

"اچھا چھوڑو ہم جذبات میں کھو کر خود کو آزردہ کر بیٹھے ------ مجھے اس بارے میں بتاؤ ------ کہ غوزی خان کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے یا نہیں؟"

"نہیں پرنس ابھی تک تو نہیں، لیکن میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ اس طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں، اطلاعاً" عرض ہے، ہماری سمندری حدود سے تقریباً" تیس میل دور تک اگر وہ جہاز پہنچ گیا تو تباہ کر دیا جائے گا، میں نے اس کے مکمل انتظامات کر دیئے ہیں، ہماری کئی لانچیں کھلے سمندر میں گشت کر رہی ہیں، وہ بظاہر ماہی گیروں کی لانچیں نظر آتی ہیں لیکن ان میں جدید گنیں بھی فٹ ہیں اس لئے ہماری اپنی بحریہ بھی اس سلسلے میں توجہ نہیں دے رہی ان کے لئے میں نے پرنس ولاور یعنی ہمارے اپنے جہاز سے ضروری رسد کا انتظام کر دیا ہے، آپ بالکل مطمئن رہیں، یہ سارے کام بڑی خوش اسلوبی سے ہو رہے ہیں اور ابھی تک اس بارے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔"

"ہوں، میں نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے عدنان اگر تم مطمئن ہو، تو میں بھی مطمئن ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"پرنس آپ جلد از جلد وہ تصاویر مجھے فراہم کر دیں اس سلسلے میں آپ کو محنت تو کرنا ہو گی، لیکن یہ میری سب سے اہم ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے عدنان یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم جیسا ذہین آدمی میرا ساتھی بن جائے گا۔"

"مجھے اجازت دیجئے پرنس۔" عدنان نے کہا اور میں نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔

عدنان چلا گیا اور میں اپنے لئے کافی کی نئی پیالی بنانے لگا۔ امی اور فریدہ کے تذکرے اور عدنان کی کیفیت سے دل پر اداسی طاری ہو گئی تھی، کافی کے تلخ گھونٹ لیتے ہوئے اس اداسی کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر فینی نے مجھے اینجل کے فون کی اطلاع دی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کے نزدیک آ گیا تھا، ریسیور نیچے رکھا ہوا تھا، میں نے اسے اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو ------!"

"ہیلو پرنس۔ پرنس بول رہے ہیں۔"

"جی۔ آپ کا خادم۔"

"کہاں چلے گئے تھے، مجھے بتائے بغیر، کتنی پریشان ہوں میں اس دوران، بتایئے کہاں چلے گئے تھے۔"

"بس اینجل ملاقات پر ہی بتاؤں گا۔"

"تو میں آ جاؤں؟" اینجل نے پوچھا۔ اور میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

"فرصت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں ہاں بالکل۔ میں آ رہی ہوں؟"

"اگر راستہ یاد ہے تو پھر پہنچ جاؤ۔" میں نے کہا اور اینجل نے فون بند کر دیا۔

○

ایک لمحے تک میں ریسیور ہاتھ میں پکڑے اس کے بارے میں سوچتا رہا' پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ' میں اس کے لئے کبھی کبھی اپنے اندر لچک محسوس کرنے لگتا تھا' ہر چند کہ خود کو اس پر آمادہ کرتا کہ وہ سیٹھ جبار کی بیٹی ہے' میرے دشمنی کی بیٹی' اور یقینی طور پر میری دشمن' کیونکہ وہ کبھی یہ بات پسند نہ کرے گی کہ میں اس کے باپ کے خلاف کوئی انتہائی سخت قدم اٹھاؤں۔

لیکن وہ متاثر نظر آ رہی تھی' میرا اپنا تجربہ ان معاملات میں کچھ نہیں تھا' مجھے اعتراف تھا کہ میں عورتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا' پتہ نہیں اینجل اپنے باپ کے لئے کام کر رہی ہے یا مجھ سے متاثر ہے' بہرطور یہ جو بھی کھیل ڈالا تھا میں نے اور اس کا نتیجہ جو بھی ہو' میں اپنے وانسن ایونیو والے بنگلے کی جانب چل پڑا۔

میری کار' وانسن ایونیو کے بنگلے میں داخل ہو رہی تھی اور میرے عقب میں ہی اینجل کی اسپورٹس کار آ رہی تھی۔ وہ سیدھی اندر ہی چلی آئی تھی۔ پھر بڑے بے اختیار انداز میں وہ اپنی کار سے اتری اور تقریباً" دوڑتی ہوئی مجھ تک پہنچی اور میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"ہیلو پرنس۔" وہ آہستہ سے بولی۔ میں نے مسکرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ اینجل کے چہرے پر جو جذبات میں نے اس وقت دیکھے تھے انہوں نے میرے ذہن میں اس کے خلاف شکوک و شبہات کی نفی کی تھی یہ تاثرات اداکاری سے نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔ میں نے دل میں سوچا۔ اینجل خاموشی سے میرے ساتھ بنگلے کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہ خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی' جذبات کے سائے اس کے چہرے پر لرز رہے تھے' پھر اس نے شرگیں نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ایک بار پھر نظریں جھکا لیں۔

"کمال ہے بھئی کیا ہم اجنبی ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

"بس اینجل بے شمار مصروفیات ہیں اس ناتواں جان پر' کیا کیا بتاؤں؟"

"مجھے جانے سے پہلے بتا نہیں سکتے تھے آپ۔" اینجل نے کہا۔

"موقع نہیں مل سکا تھا بہرصورت کیونکہ طویل پروگرام نہیں تھا اس لئے میں نے سوچا کہ واپس آ کر معذرت کر لوں گا۔"

وہ مسکرا دی----- پھر بولی۔

"کیا میں اس قابل ہوں کہ مجھ سے معذرت کی جائے؟"

"ہاں اینجل کیوں نہیں۔ تم سو فیصد اسی قابل ہو۔"

"میں بڑی الجھ رہی تھی۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے اپنے آدمیوں کو منع کر دیا ہو کہ اینجل سے آپ کے بارے میں کہیں کہ آپ موجود نہیں ہیں۔"

"یہ بدگمانی کیوں پیدا ہوئی آپ کے دل میں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس دل' دل ہی ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں اس کا۔" اینجل بڑے ناز سے بولی۔

"اچھا بھئی چلو ٹھیک ہے ہم آپ کے دل کو دل ہی رہنے دیں گے حالات سنائیے کیسے ہیں؟"

"بس زیادہ اچھے نہیں ہیں' ڈیڈی شدید کاروباری مخالفت رکھتے ہیں آپ سے' گفتگو کرتے ہوئے بڑی محتاط رہتی ہوں ان سے' دبے لفظوں میں' میں نے کئی بار آپ کا تذکرہ کیا' وہ بس اسی بات کے خواہاں ہیں کہ میں آپ سے قریب تو ہو جاؤں لیکن کاروباری نکتہ نگاہ سے اور آپ کے اقدامات کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہوں۔ عجیب سی ڈبل جاسوسہ ہو گئی ہوں آپ کے لئے انہیں کریدتی رہتی ہوں اور وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے لئے میں آپ سے باخبر رہوں۔"

"ہاں اینجل۔ واقعی میری وجہ سے تمہیں بڑی الجھنوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔" میں نے کہا۔

"بس' بس آپ اس انداز میں کوئی اور بات نہیں کریں گے' مجھے آپ کے لئے الجھنے پر خوشی ہے۔" اینجل نے جواب دیا۔

"تو پھر میں اپنا وہی سوال دہراؤں گا کہ اس دوران سیٹھ جبار میرے لئے کیا کرتے رہے ہیں۔"

"یقین کرو' زیادہ میں معلوم نہیں کر سکی۔ بس شہباز فورترے ہے جو فرانسیسی ہے اور ڈیڈی کے خاص معتمدوں میں ہے اس سے قبل اس کی جگہ کئی اور لوگ کام کر چکے ہیں پہلے طارق تھا جسے ناکارہ کر دیا گیا ویسے پرنس۔ آپ کے بارے میں' میں آج بھی اسی

تذبذب کا شکار ہوں آپ نے کبھی کھل کر مجھے اس بارے میں نہیں بتایا۔ ہر چند کے آپ نے کچھ ایسی باتیں کہیں جو آج بھی میرے ذہن میں کھٹکتی ہیں۔ آپ یقین کریں میں نے بڑی چالاکی سے ----- اپنے ڈیڈی سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ کیا منصور کی والدہ ان سے بچھڑ گئی تھیں۔ کیا کوئی ایسی بات ہوئی ہے۔ ڈیڈی اس بات پر بہت چونکے تھے اور وہ مجھ سے معلوم کرنے کی بہتیری کوشش کرتے رہے ہیں میں نے گول مول الفاظ میں انہیں یہی بتایا کہ پرنس کی والدہ بھی شاید ان سے بچھڑ گئی ہیں' ڈیڈی نے مجھے اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی اور کہنے لگے کہ وہ نہیں جانتے کہ منصور یا پرنس کی ماں اس سے بچھڑ گئی تھی یا نہیں۔ لیکن میں پرنس دلاور سے اس کی زندگی کے تمام حالات جاننے کی کوشش کروں۔ ڈیڈی نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ پرنس دلاور چونکہ ان کے کاروباری حریف ہیں اور انہیں کاروباری طور پر شدید نقصان پہنچا رہے ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ پرنس کی زندگی کے حالات معلوم کر کے ان کے ذہن سے ساری غلط فہمیاں دور کی جائیں اور جن جن معاملات میں پرنس دلاور ان سے بدگمان ہیں انہیں ٹھیک کر کے پرنس کے سامنے پیش کیا جائے۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں پرنس' ڈیڈی کو دراصل میری نیت پر شبہ ہو گیا ہے میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ ایک دم مجھ سے محتاط ہو گئے ہیں وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتے ہیں اس وقت جب میں آپ کے بارے میں بات چیت کرتی ہوں غالباً" یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں ان کے حق میں کام کر رہی ہوں یا پرنس سے متاثر ہوں۔"

"تو آپ نے کیا تاثر دیا۔ کیا انہیں اس بات کا شبہ ہو گیا ہے میرا مطلب ہے کہ آپ میرے لئے نرم ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نہیں جانتی پرنس' لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ کسی بھی سلسلے میں' میں اداکاری نہیں کر سکتی جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے وہی میرے چہرے سے بھی عیاں ہو جاتا ہے۔" اینجل نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا ہے آپ کے دل میں۔" میں نے سوال کیا اور اینجل کے چہرے پر سرخی چھا گئی۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر اس نے شرگیں نگاہیں اٹھائیں اور بولی۔

"پرنس آپ پرنس دلاور ہوں یا منصور خدا کی قسم مجھے اس سے غرض نہیں ہے میں نے پہلے کبھی آپ کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ منصور کی حیثیت سے آپ مجھے پسند آئے تھے' بس اس کے بعد میں آپ کو بھول گئی لیکن اب میں اپنے ذہن میں کچھ الجھنیں پاتی ہوں زیادہ تر آپ کا خیال ذہن میں رہتا ہے دل میں عجیب عجیب سے احساسات بیدار

رہتے ہیں' میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکوں گی مجھے احساس ہے کہ میں جاہل لڑکیوں کی طرح بات کر رہی ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں یہ جہالت مجھ پر طاری ہو گئی ہے اس سے قبل کبھی میں نے اپنے آپ پر کنٹرول نہیں کیا جو کچھ دل میں آیا کہہ دیا۔ لیکن آپ سے وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی پرنس جو میں کہنا چاہتی ہوں۔" میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ نجانے کیوں اس وقت میرے ذہن میں کچھ عجیب سی بوجھل بوجھل سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ میرے دشمن کی بیٹی تھی۔ ایسے بد ترین دشمن کی جس نے میری زندگی کو تہہ و بالا کر دیا تھا۔ کیا میں اس سے پیار کر سکتا ہوں' کیا میں اسے اپنے ذہن میں وہ مقام دے سکتا ہوں جو کوئی مرد کسی عورت کو دیتا ہے۔ مجھ جیسا شخص جس نے زندگی میں کبھی عورت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کیا مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں اپنے ذہن کو لطافتوں سے دو چار کروں۔ نجانے امی اور فریدہ کس حال میں ہوں گی اور انہیں اس حال میں پہنچانے والا اس لڑکی کا باپ ہے۔

محبت کا وہ ایک ہلکا سا نشہ جو میرے ذہن پر طاری ہوا تھا۔ وہ فوراً" کافور ہو گیا۔ اور میں پھر سنبھل گیا لیکن اینجل کو قابو میں رکھنا ضروری تھا یہ میرے لئے سب سے اہم مہرہ تھی۔ چنانچہ میں نے خود کو سنبھالا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کاش وقت ہمیں یکجا ہونے کا موقع دے اینجل' لیکن ابھی دور دور تک اس کے آثار نظر نہیں آتے۔"

"آپ مجھ سے اپنی ہر مشکل کہہ دیں پرنس۔ بظاہر تو میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ ایک مطمئن ترین انسان ہیں ڈیڈی سے مخالفت چھوڑ دیجئے اگر ان کے اور آپ کے درمیان کچھ معاملات ہیں تو مجھے بتایئے' میں انہیں ختم کرانے کی کوشش کروں گی لیکن پرنس مجھ سے اب یہ بات برداشت نہیں ہوتی کہ میں ذہنی اذیت کا شکار ہوں----- یہ سوچوں کہ میں جسے چاہتی ہوں اس سے میرے ڈیڈی کی دشمنی ہے۔" اینجل نے کہا اور پھر ایک دم زبان دبا کر خاموش ہو گئی چاہت کا لفظ اس کے منہ سے نکل گیا تھا اور یقیناً بے خیالی میں نکلا تھا۔ میں اس کے احساسات سے متاثر تھا لیکن کیا کرتا اندر کی چبھن کو کیسے برداشت کرتا کافی دیر تک ہم لوگ گفتگو کرتے رہے اور اس کے بعد اینجل نے مجھ سے اجازت چاہی۔

"پھر کب ملاقات ہو گی پرنس۔ یہ بتایئے؟"

"اینجل کچھ مصروفیات ہیں' میں تمہیں فون کر لوں گا۔"

"کم از کم دن میں ایک وقت تو مقرر کر لیجئے تاکہ فون پر ہی بات چیت ہو جائے۔"

"جو وقت تم مناسب سمجھو متعین کر لو۔"
"تو پھر روزانہ رات کو آٹھ بجے۔"
"اور اگر میں کبھی نہ ملوں تو۔"
"تو میں دوبارہ رنگ کر لوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک کر بولی۔
"ارے۔ ہاں پرنس۔ ایک سوال تو رہ ہی گیا؟"
"وہ بھی کر لیجئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میری سالگرہ کا دعوت نامہ ملا ہے آپ کو؟ میں نے بھی الگ سے بھجوایا ہے اب دو دعوت نامے ہو گئے ہیں آپ کے پاس لیکن ایک حکم ہے آپ کے لئے۔"
"جی۔ جی ارشاد' ارشاد۔" میں نے کہا۔
"آپ ضرور تشریف لائیں گے' ضرور ضرور۔" اس نے کہا اور میں بدستور مسکراتا رہا۔
"بہتر ہے تعمیل حکم کی جائے گی۔" میں نے جواب دیا اور وہ مطمئن ہو گئی۔ پھر میں چھوڑنے کے لئے اس کی کار تک آیا۔
جب وہ چلی گئی تو میں بھی واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ کوٹھی پہنچ کر جب اپنے کمرے میں داخل ہوا تو فینی میرے پیچھے پیچھے اندر آ گئی۔
"ہاں فینی۔ کوئی خاص بات ہے؟"
"جی ہاں پرنس۔ ایک آدمی آیا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"
"کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"بوڑھا سا آدمی ہے کہتا ہے میں ڈرائیور ہوں پرنس دلاور سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"ڈرائیور۔"
"جی ہاں پرنس۔ میں نے اسے بہت ٹالنے کی کوشش کی' وہ نوکری چاہتا ہے میں نے اس سے کہا کہ ہمارے ہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے ڈرائیور وغیرہ کی جگہ بھی نہیں ہے ہمارے ہاں۔ میں نے اس کے ساتھ سختی بھی کی لیکن کچھ ایسی شکل و صورت کا آدمی ہے جس کے ساتھ پرنس' زیادہ سختی نہیں کی جا سکتی اس نے بڑی عاجزی سے مجھ سے کہا کہ ایک بار بس پرنس سے ملا دیا جائے اگر پرنس انکار کر دیں گے تو وہ دوسری بار نہیں کہے گا۔" دفعتاً میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی مجھے امجد بھائی کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ کسی پروگرام کے تحت مجھ تک پہنچنے والے ہیں۔ میں نے جلدی سے فینی سے

کہا۔
"ٹھیک ہے فینی اسے بلا لاؤ۔ کہاں ہے وہ؟"
"جی باہر برآمدے میں بٹھا دیا ہے اسے۔" فینی نے جواب دیا۔
"جاؤ۔ جاؤ جلدی بلا کر لاؤ اسے۔" میں نے کہا اور فینی باہر چلی گئی میرا خیال درست نکلا۔ تھوڑی دیر کے بعد فینی کے ساتھ جو آدمی اندر داخل ہوا وہ امجد بھائی ہی تھے۔ میں انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور امجد بھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے' وہ ہکا بکا رہ گئے تھے' کبھی وہ ڈرائنگ روم میں نگاہیں دوڑا رہے تھے اور کبھی مجھے اور میرے لباس کو دیکھ رہے تھے' میں دو قدم آگے بڑھا اور میں نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔
"امجد بھائی۔" میں محبت سے بولا اور امجد بھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ دوسرے لمحے وہ دوڑ مجھ سے لپٹ گئے تھے۔
"منصور! میرے بیٹے' میرے بچے۔" وہ بڑی جذباتی کیفیت میں تھے۔ میں ان کے شانوں پر ہاتھ رکھے رہا۔
"کیسے ہیں امجد بھائی؟"
"منصور۔ منصور یہ تم ہی ہو لیکن ------ مجھے تو ------ مجھے تو کچھ اور ہی بتایا گیا تھا؟"
"آیئے بیٹھئے اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" میں نے کہا اور امجد بھائی تھوک نگلنے لگے آگے بڑھے۔ ان اعلیٰ درجے کے صوفوں پر بیٹھنے کی انہیں ہمت نہیں ہو رہی تھیں اور وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہے تھے۔
"ارے بیٹھئے نا۔ کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" میں نے کہا اور وہ تھوک نگلتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں ان کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔
"بھابی اور بچے کہاں ہیں؟"
"انہیں ایک شناسا کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ دراصل بڑے عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں منصور۔ تمہیں دیکھ کر سخت متحیر رہ گیا ہوں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے؟"
"نہیں امجد بھائی یہ سب کچھ میرا نہیں ہے اس دنیا میں کسی کا کیا ہے' آپ بہتر جانتے ہیں' یہ ساری چیزیں ضمنی حیثیت رکھتی ہیں۔ اصل چیز انسان کی ذات ہے۔"
"ٹھیک کہا تم نے منصور بیٹے۔ مگر تم میرا مطلب ہے پرنس دلاور کہاں ہیں اور وہ کون ہیں؟"

وہ میں ہی ہوں امجد بھائی۔"

"تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ مگر تم۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ مجھے جلدی سے بتاؤ' میں زیادہ الجھن برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔" امجد بھائی نے کہا۔

"امجد بھائی۔ آپ یہ بتایئے کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟"

"بتا دوں گا۔ یہ بھی بتا دوں گا' پہلے تم مجھے یہ یقین دلا دو کہ تم ہی پرنس دلاور ہو۔"

"یقین دلانے کا ذریعہ کیا ہو گا۔ اچھا ٹھہریئے میں آپ کو آپ کی آمد کی وجہ بتا دوں تب تو آپ مجھے پرنس دلاور تسلیم کر لیں گے۔ سیٹھ جبار نے آپ کو نوکری سے نکال دیا ہے کیوں۔ یہی بات ہے نا؟"

"ہاں۔ ہاں مگر۔"

"اور یہ صرف ایک پروگرام ہے ایک پلان' سیٹھ جبار صرف یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ کیا منصور ہی پرنس دلاور ہے اور اس کے لئے انہوں نے آپ کا انتخاب کیا ہے' آپ کو اسی پروگرام کے تحت نوکری سے نکالا گیا ہے اور آپ سے کہا گیا ہے کہ پرنس دلاور کے ہاں جا کر نوکری حاصل کریں اسے بتائیں کہ آپ سیٹھ جبار کے ڈرائیور رہ چکے ہیں اور اس کے رازوں سے واقف ہیں جو آپ مجھ تک منتقل کریں گے اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اس سے اس بات کا اظہار نہ کریں کہ آپ منصور کی حیثیت سے مجھے پہچانتے ہیں یا پہچان گئے' کیوں یہی ساری باتیں ہیں نا؟"

"ہاں یہی ساری باتیں ہیں' مجھے واقعی ایک پروگرام کے تحت وہاں سے نکالا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ میں بڑی کسمپرسی کے عالم میں تم تک پہنچوں اور تمہیں بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوا۔" امجد بھائی نے کہا۔

"بس تو پھر آپ یہ اندازہ لگا لیجئے کہ میں کون ہو سکتا ہوں؟"

"مگر۔ مگر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" امجد بھائی آنکھیں پھاڑ کر بولے۔

"امجد بھائی آپ بھی تو میرے لئے سیٹھ جبار کے ہاں کام کر رہے ہیں۔"

"ہاں منصور بیٹے' مگر میں نے تو آج تک کچھ بھی نہیں کیا تمہارے لئے؟"

"نہیں امجد بھائی آپ نے بہت کچھ کیا ہے میرے لئے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ فینی نے ایک ملازم کے چائے اور دوسرے لوازمات بھجوا دیئے۔ امجد بھائی میرے والد کی باتیں کر رہے تھے اور آنسو بہا رہے تھے۔ امی اور فریدہ کے لئے وہ بہت غمزدہ تھے۔ میں نے انہیں چائے بنا کر دی۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے' منصور میاں؟" وہ چائے پیتے ہوئے بولے۔

"آپ کا کیا خیال ہے امجد بھائی۔ میں آپ کو نوکری دوں گا؟"

"اوہ۔ نہیں دو گے۔ پھر میں اس سے کیا کہوں؟"

"اس نے خود ہی آپ کو نکال دیا۔ یہ اچھا ہوا ورنہ شاید میں آپ سے کسی وقت یہ درخواست کرتا کہ آپ اس کی ملازمت چھوڑ کر میرے پاس آ جائیں' بہرحال امجد بھائی۔ آپ جس مقصد کے تحت یہاں بھیجے گئے ہیں میں چاہتا تو اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن میں آپ کے کاندھے پر اب یہ بوجھ نہیں ڈال سکتا۔"

"میں نہیں سمجھا منصور۔"

"میں چاہتا امجد بھائی تو سیٹھ جبار کی خواہش کے مطابق آپ کو یہاں نوکری دے دیتا اور اپنی پسند کی خبریں آپ کے ذریعہ اس تک پہنچاتا اور اسکی چال اسی پر الٹ دیتا لیکن اس میں آپ کے لئے خطرات پیدا ہو جائیں گے وہ بہت چالاک ہے کسی بھی وقت میرے اور آپ کے گٹھ جوڑ کے بارے میں اندازہ لگا لے گا اور آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ میں نے آپ کے لئے ایک اور فیصلہ کیا ہے۔ امجد بھائی بہت کچھ کر چکے ہیں زندگی میں اب آرام کریں۔"

"گویا۔ گویا اب تمہارے سر پڑ جاؤں؟"

"ایسی بات نہ کہیں امجد بھائی۔ میری محرومیوں کا اندازہ ہے آپ کو۔ آپ میرے ابا کے دوست ہیں اور بھابی میرے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مجھے اتنی خدمت کرنے کا موقع نہیں دیں گے؟"

امجد بھائی نے گردن جھکا لی۔ پھر بولے۔ "میں بھی بہت تھک گیا ہوں منصور۔ زندگی میں دور دور تک کوئی ایسا شجر سایہ دار نہیں تھا جس کے سائے میں بیٹھ کر سستا لوں۔ اگر تقدیر تمہارے ذریعے مجھے یہ موقع دے رہی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا مجھے کچھ عرصہ دم لے لینے دو۔"

"میں آپ کو اس کوٹھی میں نہیں رکھوں گا امجد بھائی۔ آپ تیار ہو جایئے میرا ایک آدمی آپ کو ایک جگہ لے جائے گا۔ وہ ماحول آپ کو پسند آئے گا۔ میرے اپنوں کا گھر ہے۔ سکون سے وہاں رہیں اور وہاں اپنی مصروفیت تلاش کر لیں۔"

امجد بھائی خاموش ہو گئے۔ میں انہیں وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آیا اور وہاں سے میں نے پروفیسر شیرازی کو فون کیا۔ سرخاب نے فون ریسیو کیا تھا پروفیسر کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔

"تمہارے اس دارالامان میں کچھ اور ممبروں کا اضافہ کر رہا ہوں سرخاب قبول کر لو

گی؟"

"اعلیٰ حضرت کے حکم سے انکار کی مجال ہے کسی میں؟" سرخاب نے کہا۔

"امجد بھائی کے بارے میں تذکرہ کر چکا ہوں تم سے' میرے ابو کے دوست ہیں میر بہترین مددگار رہ چکے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"میرے کرم فرماؤں نے ان کے ذریعہ میرے خلاف جاسوسی کرنے کا منصوبہ بنایا اور انہیں نوکری سے نکال کر یہاں بھیجا تھا لیکن بدنصیب کی ہر چال الٹی ہو رہی ہے۔ ! نے امجد بھائی اور ان کے بچوں کو تمہارے پاس بھجوانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ہم ان کے استقبال کے لئے تیار ہیں۔"

"کوئی بھی رہائش گاہ منتخب کر دینا ان کے لئے' ان کا احترام کیا جائے میں انہیں اع کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔"

"او۔ کے۔" سرخاب نے کہا۔ اعظم کو بلا کر میں نے ہدایت کی کہ وہ امجد بھائی کو ک بند گاڑی میں لے جائے جہاں ان کے بیوی بچے ہوں' وہاں سے انہیں ساتھ لے اور ایگا روڈ پہنچا دے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے امجد بھائی کو رخصت کر دیا۔ اینجل کی سالگرہ مسئلہ ذہن میں اٹکا ہوا تھا۔ اس میں شریک ہونے کے لئے سیٹھ جبار کی کوٹھی میں جانا تھا کیا یہ مناسب ہو گا۔ کوئی حرج بھی نہیں نظر آیا تھا۔ مجھے کیا فرق پڑتا۔ وہ بزدل میرا ک بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا اب۔ بہرحال میں نے ذرا شان سے وہاں جانے کا فیصلہ کیا تھا!

دوسرے دن صبح سو کر بھی نہیں اٹھا تھا کہ فینی نے آ کر جگا دیا۔

"خیریت فینی؟"

"عدنان آئے ہیں' آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ میں ڈرائنگ روم میں آ رہا ہوں۔ بٹھاؤ اسے۔" میں نے کہا اور پھر جلدی جلدی تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ عدنان کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔

"شرمندہ ہوں پرنس لیکن برداشت نہ کر سکا۔ یہ اخبار دیکھئے؟ اس نے اخبار میرے سامنے کر دیا۔ ایک چھوٹی سی ایک کالمی خبر لگی ہوئی تھی۔

"یونان کا ایک کارگو جہاز کھلے سمندر میں تباہ ہو گیا۔"

ملک کی سرحد سے تقریباً" سو میل دور ایک یونانی کارگو جہاز اچانک دھماکوں سے تباہ ہو گیا۔ جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس میں شدید دھماکوں کے بعد آگ لگ گئی۔ یہ جہاز سامان سے بھرا ہوا تھا۔ اس سے کافی فاصلے سے گزرتے ہوئے ایک اور یونانی جہاز نے اس

میں شعلے اور دھماکے دیکھے اس جہاز سے فوراً" امدادی کشتیاں روانہ کی گئیں لیکن عملے کے کسی فرد کو نہیں بچایا جا سکا۔ جہاز سمندر میں غرق ہو چکا ہے۔"

"ویری گڈ۔ مجھے یقین تھا عدنان کہ تم کامیاب ہو گے۔ دلی شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"غوزی خان سمندر کا بادشاہ ہے۔ ہم اس کا بہترین استقبال کریں گے۔ تغلق خان سے کوئی رابطہ ہوا پرنس؟" عدنان نے پوچھا۔ اور میں اسے تغلق خان کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ میں نے عدنان کو پرنس فورسیا کے بارے میں بھی بتایا اور عدنان حیران رہ گیا۔

"آپ نے پہلے کبھی اس بارے میں نہیں بتایا پرنس ویسے یہ اطلاع میرے لئے نئی ہے کہ ایک باقاعدہ شہزادی بھی اسمگلر ہے۔ طریق کار واقعی عمدہ ہے پرنس۔"

"ہاں عدنان' سوری میں بھول گیا تھا۔ ویسے تغلق خان ہمیں اس کے آتے ہی اطلاع دے گا۔"

"تب تو مجھے فوراً" غلام پور پر توجہ دینی چاہئے۔ بھلا ہم سیٹھ جبار کو وہاں کیوں کامیاب ہونے دیں گے۔ اس کی تقدیر میں اب ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں ہے----- مجھے واقعی حیرت ہے پرنس۔ بہرحال میں اب پرنس فورسیا کے سلسلے میں مصروف ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ پرنس آج دن میں کسی وقت راکیش نامی ایک نوجوان مصور آپ کے پاس پہنچے گا اسے دن کا کوئی وقت دے دیجئے گا۔ بہترین مصور ہے مجھے امی اور بہن کی تصویریں جلد فراہم کر دی جائیں۔"

"راکیش نام ہے؟"

"جی ہاں مذہباً" ہندو ہے لیکن نہایت قابل اعتماد نوجوان ہے۔"

مصور دن کو دو بجے میرے پاس پہنچا اور نرم خدوخال کے اس نوجوان کے بارے میں میرا بھی یہی اندازہ تھا کہ وہ بہت شریف ہے۔ "لیکن تم تحریر سے ذہن کو کیسے پڑھو گے دوست؟" میں نے پوچھا۔

"آسان طریقہ ہے جناب! آپ کو ان لوگوں سے جذباتی لگاؤ ہو گا۔ میں آنکھوں سے ابتدا کروں گا۔ آنکھیں ہمیشہ انسان کے ذہن میں محفوظ رہتی ہیں براہ کرم میرے چند سوالات کے جواب دیں۔ لڑکی کی عمر کیا تھی' فطرتاً" وہ کیسی تھی اور کس ماحول سے متعلق تھی؟"

میں نے تفصیل سے تمام معلومات اسے فراہم کر دیں۔

"ٹھیک ہے تو مجھے کوئی جگہ بتا دیجئے جہاں میں کام کر سکوں۔" راکیش نے کہا اور میں نے اسے ایک پر سکون گوشہ بتایا۔ راکیش اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ تین گھنٹے بعد اس نے مجھے آنکھوں کے دس نمونے پیش کئے۔ تیسرے نمبر پر جو آنکھیں میں نے دیکھیں وہ میری فریدہ کی آنکھیں تھیں۔ میرا دل لرز کر رہ گیا۔ میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ یہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں مجھے پکار رہی تھیں۔

"شکریہ جناب۔ اب میں اس کی پیشانی بناؤں گا۔" راکیش نے میری آنکھوں سے سب کچھ پڑھ لیا تھا اور مجھے جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی لیکن فریدہ کی آنکھیں۔ یہ آنکھیں مجھے رات بھر رلاتی رہی تھیں۔ ان آنکھوں نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ اس رات امی اور فریدہ بری طرح یاد آئی تھیں۔ دوسری صبح بھی طبیعت بھاری تھی لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔ دوسروں پر اس غم کا اظہار کیا کرتا جو پہلے سے میرے لئے غمزدہ تھے۔ روزمرہ کے کاموں میں مشغول رہا پھر راکیش آ گیا۔ تھوڑا وقت دیا اور وہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ آج رات اس نے کل کی نسبت زیادہ کام کیا تھا۔ کچھ اور چیزیں ساتھ لایا تھا جن کی مدد سے وہ اس تصویر کو جلدی مکمل کر سکتا تھا۔ اپنے کام کا ماہر تھا۔ آج اس نے فریدہ کا آدھا چہرہ مکمل کر لیا تھا۔

یہ کام میرے لئے مشکل ترین تھا لیکن اس سے باز بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ فریدہ کی تصویر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی لیکن ممکن ہے ان دونوں کی تصویریں تیار ہو جائیں تو کام بن جائے۔ عدنان آفاقی صلاحیتوں کا مالک تھا ممکن ہے وہ میرے درد کا مداوا بن جائے۔ میں نے دل پر جبر کر کے یہ کام کرا دیا تھا۔

شام کو پروفیسر کا فون ملا۔ "تمہارے لئے ایک بڑی خوشخبری ہے منصور۔"

"جی؟" میں نے آواز سنبھال کر کہا۔ پروفیسر پر میں دلی کیفیت کا اظہار نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"ایاز کا معائنہ ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے شدید اذیت دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے لیکن بہتر علاج سے اس کی ذہنی حالت بحال ہو سکتی ہے۔ میری خواہش پر ڈاکٹر گھر پر علاج کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ کل تک دو نرسیں یہاں آ جائیں گی اور کل ہی سے علاج شروع ہو جائے گا۔۔۔۔۔ کوئی خاص ضرورت پڑی تو اسے عارضی طور پر ہسپتال لے جایا جائے گا۔"

"شکریہ پروفیسر۔ ایاز کی صحت بحال ہو جائے تو مجھے واقعی دلی مسرت ہو گی۔"

"کیا بات ہے کچھ بجھے بجھے سے ہو۔"

"نہیں آپ کو محسوس ہو رہا ہے۔"

"بھئی اب بچہ بھی تصور نہ کرو، ٹھیک ہے دھوپ میں بال سفید کئے اور تمہاری اس دنیا کو نہیں جان سکے لیکن اب اتنے بھی نہیں۔۔۔۔۔"

"یقین کریں پروفیسر۔ کوئی خاص بات نہیں۔"

"یقین کر لیں گے لیکن اتنی دور سے نہیں۔ سرخاب کی خواہش ہے کہ رات کا کھانا یہیں کھاؤ۔ اس نے کچھ خاص چیزیں پکائی ہیں، عظمت اور راشدہ بھی آ رہے ہیں۔"

"بہتر ہے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ خدا حافظ۔ رات کا کھانا تمہارے آنے کے بعد کھایا جائے گا۔"

پروفیسر نے فون بند کر دیا۔

رات کو اس نئے مکان میں بڑی رونق تھی۔ بہت سے افراد جمع ہو گئے تھے۔ بڑے ہال میں نشست جمی ہوئی تھی۔ گل، سرخاب، بہروز، شمو اور اس کی ماں، ایاز، امجد بھائی، بھابی اور بچے، حسینہ اور بھوندو، ان کے علاوہ عظمت اور راشدہ بھی آئے ہوئے تھے۔ پروفیسر شیرازی ان لوگوں کے درمیان بچے بنے ہوئے تھے۔ ایاز خاموش ایک گوشے میں بیٹھا تھا۔ پروفیسر مجھے ڈاکٹر کے بیان کے بارے میں بتانے لگے۔ میں نے اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے میں نے پروفیسر کو اپنی اداسی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ بلا وجہ اس خوشگوار ماحول میں اداسی پھیل جاتی۔ میں خود بھی خوشگوار ماحول میں قہقہے لگاتا رہا۔ راشدہ اور عظمت سے گفتگو کرتا رہا اور پھر رات گئے واپس آ گیا۔ دوسرے دن میں نے اینجل کو فون کیا وہ فون پر ملی۔ میری آواز سن کر خوش ہو گئی تھی۔

"کیسے مزاج ہیں جناب۔ بڑا مشکل وقت گزر رہا ہے ہم پر تو۔"

"خیریت اینجل۔"

"روز ملنے کو جی چاہتا ہے لیکن اتنی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں کہ بس۔"

"شرمندہ کر رہی ہو اینجل۔ ویسے تم تو مصروف ہو گی۔"

"وہ کس سلسلے میں حضور والا؟"

"سالگرہ کی تیاریوں میں۔"

"یاد ہے آپ کو ہماری سالگرہ۔ خوشی ہوئی یہ سن کر، بہرحال تیاریاں کیا ہیں۔ ملازم کارڈ تقسیم کر رہے ہیں۔ دیگر انتظامات منیجر کے سپرد ہیں۔ ڈیڈی بے چارے بیمار پڑ گئے ہیں نہ جانے کیوں وہ ان دنوں بہت پریشان ہیں۔"

"اوہ۔ کیا بیمار ہیں سیٹھ جبار۔ خیریت؟"

"زیادہ کاروبار بھی جان کا عذاب ہوتا ہے۔ کسی کاروباری نقصان کی اطلاع ملی ہے۔ یورپ میں ہمارے ایک پرانے کارکن طارق کا انتقال ہو گیا ہے بس ایسی خبریں جنہوں نے انہیں بیمار کر ڈالا ہے۔"

"بہت افسوس ہوا' اور تو کوئی خاص بات نہیں۔"

"ہے۔" اینجل کے لہجے میں شرارت تھی۔

"کیا؟"

"منا ہے آپ سے۔"

"جواب عرض کروں۔"

"ارشاد۔ ارشاد۔"

"آتش شوق بھڑکتی رہنی چاہئے۔ اس طرح جذبوں میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ پیاسی آنکھیں آپ کو سالگرہ کے دن ایک شعلے کے روپ میں دیکھنے کی خواہش مند ہیں۔"

"سبحان اللہ۔ کیا خوب شاعری ہے۔ بہرحال احترام کیا جائے گا اس خواہش کا لیکن آواز سے تو محروم نہ رکھا جائے۔"

"کل پھر فون کروں گا۔" میں نے کہا۔ اور ایسی ہی تھوڑی سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔ ایک عجیب سا احساس دل میں بیدار ہو گیا تھا۔ لیکن جلدی سے جھٹک دیا۔ وہ میرے قاتل کی بیٹی تھی اور بس۔ خواہ کچھ بھی ہو میرے اور اس کے درمیان ابھی صرف فریب کا رشتہ ہے۔

راکیش نے دل و دماغ تہ وبالا کر دیئے تھے۔ دوسرا دن تو اور بھی قیامت خیز ثابت ہوا۔ آج وہ اپنے ساتھ بہت سی چیزیں لایا تھا۔ مختلف انداز کے چہرے ناک' ہونٹ اور بال۔ آج اس نے تین گھنٹے میرے ساتھ گزارے اور فریدہ کی تصویر مکمل کر لی۔ طویل عرصہ کے بعد فریدہ کا مکمل چہرہ سامنے آیا۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس کے بعد اس نے یہ چہرہ مکمل کر کے مجھے دے دیا۔ میں پاگلوں کی طرح اس تصویر کو چومتا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسے سینے میں بٹھا لوں۔ پھر میں نے فینی سے کہا کہ وہ خود جائے اور اس تصویر کے بہت سے پرنٹ اتروا لائے۔ فینی نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ میں نے رات ہی کو عدنان کو طلب کیا اور پرنٹ اس کے حوالے کر دیئے۔ عدنان میری جذباتی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔

"عدنان کا عزم ہے پرنس۔ آپ کی بہن کی تلاش میری زندگی کا سب سے اہم مقصد

ہے۔ میں اگر آپ کے سامنے پیش نہ کر سکا تو اپنے آپ سے زندہ رہنے کا حق چھین لوں گا۔"

بڑے مضبوط الفاظ تھے۔ مجھے بڑی ڈھارس ملی تھی۔ دوسرے دن سے راکیش کو ماں کی تصویر شروع کرنی تھی۔ صبر نہ ہو سکا تو رات کو اچانک پروفیسر کے گھر پہنچ گیا۔ وہ لوگ تو ہمیشہ مجھے دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ جب میں نے تصویر ان کے سامنے پیش کی اور تو کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا۔ لیکن سرخاب تصویر دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔

"کون محترمہ ہیں بھئی یہ۔" گل نے پوچھا۔

"گل باجی۔ میں بتاؤں؟" سرخاب نے کہا۔

"جانتی ہو انہیں۔ ویسے حسین بچی ہے۔" پروفیسر شیرازی بولے۔

"ڈیڈی یہ فریدہ ہے۔ منصور بھیا کی بہن۔" سرخاب کے الفاظ سب کے لئے حیرانی کا باعث تھے۔ پروفیسر نے جلدی سے تصویر اٹھائی اسے غور سے دیکھتے رہے پھر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ میرا جواب شاید انہیں میرے چہرے سے مل گیا تھا۔

"کہاں سے آئی۔ یہ رنگوں اور برشوں کی مدد سے بنائی گئی ہے کیا یہ بالکل صحیح تصویر ہے۔ تم نے خود بنائی ہے۔"

"نہیں ایک باکمال مصور نے۔ ماں کی تصویر بھی بنا رہا ہے وہ میری یادداشت کے سہارے۔"

"بدقسمتی صرف بدقسمتی۔ یہ خیال پہلے کیوں ذہن میں نہیں آیا۔ منصور تم اس کے بہت سے پرنٹ بنوا لو۔" پروفیسر شیرازی بولے۔

"بنوائے ہیں۔ میں نے۔ نیگیٹو محفوظ ہے اور بنوا لوں گا۔"

"ان کی مدد سے ہم کوشش کر سکتے ہیں۔"

"یہ عدنان کا پروگرام ہے۔ اسی نے یہ راستہ سجھایا ہے۔ پروفیسریوں تو میرے اردگرد تمام بہترین لوگ بکھرے ہوئے ہیں۔ لیکن عدنان اس قدر ذہین ہے کہ ناقابل بیان۔ میں نے اس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لی ہیں۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر گل بولی۔ "سرخاب تم نے یہ تصویر کیسے پہچان لی؟"

"بس دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ منصور بھیا! آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا؟"

"نہیں۔ میں تمہارے لہجے کے اعتماد پر حیران ہوں۔"

"بالوں کی یہ لٹ کوئی کہانی یاد دلاتی ہے آپ کو ------!" سرخاب نے کہا۔ اور

میرے ذہن میں ماضی کے کچھ اوراق الٹ گئے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

"کون سی کہانی ہم بھی سنیں گے۔" گل بولی۔

"اور ہم بھی۔" پروفیسر نے بچوں کی طرح ٹھنکتے ہوئے کہا۔

یہ لوگ میرے دل کا بوجھ کم کرنا چاہتے تھے۔

"سنا دو سرخاب۔" میں نے کہا۔

"ہوا یہ جناب کہ اپنے یہ منصور بھیا اس وقت تک صرف ہمارے منصور صاحب تھے۔ ایک دن ہم سے بولے کہ ہم اپنے بالوں کی یہ لٹ نہ ہٹایا کریں۔ ہم بھلا یہ بات کہاں سننے والے تھے۔ ہم نے کہا کہ ہم سے ایسی بات آئندہ کبھی نہ کہی جائے لیکن جب ہمیں اس لٹ کی حقیقت معلوم ہوئی تو بس کیا بتائیں کہ کیا ہوا دل چاہا کہ اپنے سر پر دو جوتے لگائیں۔ یہ فریدہ کی لٹ تھی جو ہمارے ماتھے پر آگئی تھی اور اس لٹ نے ہمیں ایک بھیا دے دیا۔"

"اوہ۔" گل آہستہ سے بولی۔ اس کے بعد دیر تک یہ تصویر سب کا موضوع بنی رہی پھر میں واپس آگیا۔

دوسرے دن عدنان نے غوزی خان کی واپسی کی اطلاع دی تھی۔ غوزی خان نے جہاز کی تباہی کی تصدیق کر دی تھی۔ اینجل کا فون موصول ہوا اس کی بے تکلفی کچھ اور بڑھ گئی تھی اور اب وہ کھلم کھلا اظہار عشق کرنے لگی تھی۔ انسانوں کی شناخت میں، میں آج تک مہارت نہیں حاصل کر سکا تھا۔ حالانکہ دوستوں کے سلوک نے بڑے تجربات بخشے تھے۔ لیکن دنیا کے بارے میں کچھ ایسی بے یقینی کا شکار ہوا تھا کہ کسی پر یقین نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی تو اینجل کا یہ التفات فریب معلوم ہونے لگتا تھا اور کبھی اس کی باتوں پر یقین آتا تھا۔ اس وقت ذہنی کیفیت زیادہ بہتر نہیں ہوتی تھی اور دل میں ایک کرب سا ابھرنے لگتا تھا۔ کیا میں واقعی اینجل کا شکار ہو گیا ہوں، دل میں ایک نرمی سی محسوس ہوتی تھی۔ اینجل کی تصویر بار بار آنکھوں میں ابھرنے لگتی تھی۔ کہیں مجھے بھی اس سے محبت تو نہیں ہو گئی ہے۔

اینجل کی سالگرہ کی تقریب کا وقت آگیا۔ میں اس تقریب میں شریک ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تحفے کے طور پر میں نے خوبصورت اور بے حد قیمتی ہیروں کا نیکلس خریدا تھا۔ فینی نے حسب معمول مجھے نوک پلک سے سنوارا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر میں جھینپ گیا تھا۔ کمال کی حرکتیں کی تھیں، میری اس سیکریٹری نے۔ کمرے میں میرے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ فینی ناقدانہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کے سانسوں

میں بہت انتشار محسوس کیا۔۔۔۔۔ وہ نڈھال سی ہو رہی تھی۔

"فینی۔۔۔۔۔ کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ کیا ہو گیا ہے؟؟" وہ کھوئے کھوئے انداز سے بولی۔

"ضرور کچھ ہو گیا ہے تم معتدل نہیں ہو۔" میں نے کہا۔

"قصور ہے میرا اس میں پرنس۔ کیا گستاخی ہو گئی ہے کوئی مجھ سے، معافی چاہتی ہوں، شرمندہ ہوں، سزا دے دیجئے اگر مجھ سے قصور ہو گیا ہو تو۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اس کے انداز میں سسکیاں سی بھری ہوئی تھیں۔

میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا، یہ پر اسرار لڑکی آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی، ابتدا میں تو یہ اور ہی رنگ میں میرے سامنے آئی تھی، لیکن بعد میں۔۔۔۔۔ بے حد سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جب ستھو فورے والے کیس میں یہ میرے ساتھ باہر گئی تھی تو پھر اس کی کیفیت بحال ہو گئی تھی لیکن پھر وہی، نجانے کیا اسرار پوشیدہ تھے، اس کی ذات میں، میں اس کی شخصیت کے بدلے ہوئے روپ پر دو چار بار غور کر چکا تھا لیکن میری اپنی ذہنی مصروفیات اتنی تھیں کہ میں کسی پر مکمل توجہ نہیں دے سکتا تھا اور اس وقت اس کی حالت بہت زیادہ غیر نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچا اور اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

"کیا بات ہے فینی، پلیز مجھے بتاؤ، میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں۔"

"شکریہ پرنس، کیا یہ الفاظ میرے لیے کم ہیں کہ میرا آقا اور مالک میری عزت کرتا ہے، ہم ملازموں کے لیے تو یہی الفاظ کافی ہوتے ہیں۔ پرنس، آپ کا بے حد شکریہ، میرا خیال ہے کہ اب آپ تیار ہیں۔" اس نے رخ بدل لیا لیکن میں نے اس کے شانے نہیں چھوڑے تھے۔

"فینی مجھے نہیں بتاؤ گی، تمہارا آقا یا تمہارا مالک تو صرف خدا ہے، میرے ساتھ رہ کر تم انسانوں کی طرح وہ سب کچھ کر رہی ہو، جو انسان کرتے ہیں، تو کیا تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں کہ مجھے اپنی ذہنی کیفیت بتا دو۔"

"میری ذہنی کیفیت بالکل درست ہے پرنس، بس کبھی کبھی طبیعت میں ایک ہلکا پن پیدا ہو جاتا ہے، بس کبھی کبھی۔" اس نے میرے چہرے پر نگاہ ڈالی، سرسری نگاہ تھی لیکن پھر وہ میری آنکھوں پر جم کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے احساسات پل رہے تھے۔

میں اب اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ اس کی ذہنی کیفیت کو نہ سمجھتا لیکن یہ سب کچھ میرے لیے الجھاووں کا باعث تھا۔۔۔۔۔ کمال کی بات تھی، راشدہ نے ایک معمولی سے

ڈرائیور کی حیثیت سے مجھے چاہا لیکن بے مقصد' بے کار' زندگی کی بہت سی محرومیوں میں گئی' پتہ نہیں دل کو کون کون سے بہلا وے دینے پڑے ہوں گے۔ پھر گل لیڈی جہانگیر' بیوہ تھی لیکن بے حد مظلوم حیثیت رکھتی تھی' اس نے میرے لیے اپنا سب کچھ تج د لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے' کسی نے اس کی آنکھوں میں میرے لیے پیار دیکھا لیکن وہ دیکھنے والا میں نہیں تھا کیونکہ میری نگاہیں تو کچھ اور ہی تلاش کر رہی تھیں۔ اس کے بعد۔ اینجل' پتہ نہیں۔ وہ بھی سچی ہے یا مجھ سے فریب کر رہی ہے۔ میں اتنی سار محبتوں کے درمیان گھر گیا تھا کہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اپنی ذات کے کتنے ٹکڑے کرور سب سے بڑی تو یہ بات تھی کہ میری ذات ہی میری اپنی نہ تھی' میں تو کسی کا قرض تھا فینی نہ جانے کب کی جا چکی تھی اور میں خیالوں کی گرفت میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ میں نے گردن جھٹکی' سیٹھ جبار کی کوٹھی پر جا رہا تھا' خود کو پوری طرح چاق و چوبند رکھنا بے حد ضروری تھا' ویسے میں چھچھورے پن کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا لیکن خود عدنان کی یہی خواہش تھی' فینی نے یہی کہا تھا اور سب لوگ اس بات پر مصر تھے کہ سیٹھ جبار کے یہاں شان سے جایا جائے' اس طرح جیسے ایک دولت مند دوسرے دولت مند کے گھر جاتا ہے' یہاں پر صرف دولت کا مظاہرہ ہی ایک حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ میرے لیے اول تو اعلیٰ درجے کی کار سواری کے لیے منتخب کی گئی تھی۔ اس کار میں میرے ساتھ طاہر اور اعظم تھے' دوسری دو چھوٹی کاروں میں میرے چار اور آدمی میرے ساتھ سفر کرنے والے تھے' گویا یہ میرے باڈی گارڈ تھے۔

بہر طور جب ان سب لوگوں کی یہ خواہش تھی تو بھلا میں اس سے کیسے انکار کر سکتا تھا' چنانچہ اسی شان سے میں چل پڑا۔ ایک کار میری کار کے آگے تھی اور دوسری پیچھے' درمیان میں میری کار چل رہی تھی۔ راستہ طے کرتے ہوئے ہم سیٹھ جبار کی کوٹھی میں داخل ہو گئے۔

سیٹھ جبار دروازے پر موجود نہیں تھا بلکہ کچھ اور افراد مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے' جن میں ڈی آئی جی طاہر علی بھی تھے' جو میرے پرانے شناسا تھے۔

لان پر بہت وسیع و عریض بندوبست کیا گیا تھا۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے' اسٹیج بھی بنایا گیا تھا جو رنگین روشنیوں اور قیمتی اشیا سے جگمگا رہا تھا۔

میری کار رک گئی' تمام ہی نگاہیں اس طرف اٹھ گئی تھیں' دونوں کاریں میری کار کے دونوں سمت کھڑی ہو گئی تھیں۔ سب سے پہلے باوردی ڈرائیور نیچے اترا' پھر اس کے نزدیک سے طاہر اور اعظم خوب صورت سوٹوں میں ملبوس نیچے اتر آئے۔ بڑے چست و چالاک

اور تنومند تھے۔ یہ دونوں نوجوان بہترین لباسوں میں ملبوس تھے' جن میں بیلٹ لٹکی ہوئی تھی اور دو ہولسٹر لٹکے ہوئے صاف نظر آ رہے تھے' ان کی شخصیت بھی بے حد شاندار تھی۔

پھر پچھلا دروازہ کھول کر طاہر نے مجھے نیچے اتارا اور میں آہستہ آہستہ پر وقار قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ استقبال کرنے والے چند قدم آگے بڑھ آئے تھے' انھوں نے رسمی جملے کہے اس وقت میں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ عجیب سا تماشا تھا۔ میں خود بھی اپنے آپ کو عجوبہ سا محسوس کر رہا تھا لیکن اس کا اظہار میں نے اپنے چہرے سے نہیں ہونے دیا تھا۔

اینجل اسٹیج کے قریب اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں بہت حسین نظر آ رہی تھی' گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی' مجھے دیکھ کر وہ والہانہ انداز میں آگے بڑھی اور میرے قریب پہنچ گئی۔

"پرنس دلاور!" اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ مجبوراً" مجھے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے پڑے تھے' میں نے نیکلس کا ڈبہ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"مس جبار کی خدمت میں یہ حقیر سا تحفہ۔۔۔۔"

"اوہ تھینک یو پرنس۔" اینجل نے برق پاش نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ڈبے کا ریپر پھاڑ کر اسے کھول لیا۔ نیکلس دیکھا اور اطراف میں کھڑے ہوئے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئی تھیں' دو تین لڑکیوں کے حلق سے گہری گہری سانسیں بھی نکل گئی تھیں' جن میں ان کی ہلکی سی آوازیں بھی شامل تھیں۔

"اتنا قیمتی تحفہ پرنس' میں آپ کے ہاتھ سے اسے اسی وقت پہنوں گی۔۔۔۔"

اینجل بے قابو ہو رہی تھی حالانکہ ایک انتہائی دولت مند باپ کی بیٹی تھی' یہ زیورات اور یہ چیزیں اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں لیکن وہ مجھے ایک خاص حیثیت دینا چاہتی تھی' میں نے ادھر ادھر دیکھا' بہت سی نگاہیں معنی خیز انداز میں ہم دونوں کی جانب اٹھی ہوئی تھیں' بہر طور اس کی فرمائش تھی اور سب لوگوں کے سامنے اس نے کہا تھا' اگر میں اسے رد کر دیتا تو اس کی بڑی توہین ہوتی' میں نے خفیف سے انداز میں مسکراتے ہوئے نیکلس ڈبے سے اٹھایا اور اس نے گردن جھکا دی' میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں حمائل ہو گئے اور میں نے نیکلس کے ہک لگا دئے۔

اینجل نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا' چاروں طرف سے تالیاں بجنے لگی تھیں۔۔۔۔ حاجی الٰہی تالیاں بجانے والوں میں پیش پیش تھے۔

اینجل میرا ہاتھ پکڑ کر آگے لے گئی لیکن عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"مس جبار' پرنس دلاور تو ایک ایسی عنقا شے ہیں جو کبھی کبھی ہی ہم لوگوں کے ہاتھ لگتے ہیں' اللہ نے آپ کو اتنی سیلیاں دے دی ہیں' انھیں ہمارے لیے چھوڑ دیجیے۔" لوگوں کا ایک قہقہہ ابھرا تھا' بولنے والے سیٹھ مسعود احمد تھے' میں نے ان سے پرتپاک انداز میں مصافحہ کیا لیکن اینجل ان کے ان الفاظ پر جھینپی نہیں تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"قرض کے طور پر آپ کو دے رہی ہوں مسعود انکل واپس کر دیجیے گا۔" اس بات پر پھر قہقہہ پڑا تھا۔ زیادہ تر افراد میرے ہی گرد جمع ہو گئے تھے' سیٹھ جبار نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے حاجی الہٰی سے پوچھا۔

"سیٹھ جبار صاحب کہاں ہیں؟"

"اوہ آپ ان سے مل لیں پرنس' وہ بے چارے' صاحب فراش ہیں' اٹھ کر نہیں آ سکے' اینجل سب سے معذرت کر چکی ہیں۔"

"اچھا' اچھا ٹھیک ہے کوئی بات نہیں' مل لیں گے ان سے۔" میں نے کہا۔

اس کے بعد یہاں موجود لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں' اینجل اپنی سہیلیوں میں گھسی ہوئی تھی' قہقہے ابھر رہے تھے' ان میں کبھی کبھی میرا نام بھی ابھر آتا تھا' کئی لڑکیاں مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھیں' مجھ سے آٹوگراف بھی لیے گئے تھے حالانکہ یہ احمقانہ حرکت مجھے کبھی بھی پسند نہیں آئی تھی' بس بلاوجہ کا پریشان کرنا ہوتا ہے' بہرطور رسم چل چکی تھی' میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔

ڈی آئی جی صاحب بھی میرے قریب قریب ہی رہے ان سے بھی گفتگو کرنے کا موقع ملا اور ڈی آئی جی نے موقع پا کر مجھ سے کہا۔

"پرنس۔ پرنس منصور۔ آپ میری مسرتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے' اس کوٹھی میں آپ کبھی کسی اور ہی حیثیت سے داخل ہوئے تھے لیکن آج سچ ہے خدا ہر انسان کو اس کا مقام دیتا ہے۔"

"آپ نے مجھے پرنس منصور کے نام سے پکارا ہے ڈی آئی جی صاحب!"

"بھئی میں آپ کو کسی بھی نام سے پکاروں' مجھے معاف کر دیا کریں۔" ڈی آئی جی صاحب نے محبت بھرے' لہجے میں کہا۔

"چلیے ٹھیک ہے معاف کیا۔" میں نے کہا اور وہ شکریہ ادا کر کے مسکرانے لگے۔

خاصی ہنگامہ خیزیوں میں وقت گزرا' اینجل نے سالگرہ کا کیک کاٹا' ضیافت ہوئی اور یوں بہترین وقت گزرتا رہا۔۔۔۔۔۔ فوٹوگرافروں نے میری بہت ساری تصاویر بنائی

تھیں' اینجل نے تنہا میرے ساتھ کھڑے ہو کر کئی تصاویر بنوائی تھیں۔

بہرطور میں ان سب لوگوں میں گھل مل گیا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے صورت حال کو بھول گیا تھا۔ طاہر اور اعظم مجمع میں میرے اطراف موجود تھے اور ان کی عقابی نگاہیں ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میری باڈی گارڈ بھی کار کے نزدیک مستعد کھڑے ہوئے تھے' لوگوں کی نگاہیں بار بار ان کی جانب اٹھ جاتی تھیں۔

پھر تفریحات کا طوفان تھمنے لگا' ایک گلوکار نے چند نغمے سنائے۔ اس کے بعد ڈنر کا اہتمام ہوا' ڈنر سے فارغ ہوئے تو خاصا وقت ہو گیا تھا۔

مہمان اب بھی کافی تعداد میں لان پر موجود تھے اور لان تیز سرچ لائٹوں سے جگمگا رہا تھا' کچھ اور تفریحات بھی تھیں جو ہونے والی تھیں' اینجل میرے نزدیک آئی اور کہنے لگی۔

"ڈیڈی سے نہیں ملیں گے پرنس۔؟"

"اوہ ہاں۔ میں نے سوچا تھا کہ واپسی میں ان سے ملاقات کرتا جاؤں گا۔"

"ابھی کہاں۔ ابھی تو کچھ اور چھوٹے موٹے پروگرام ہیں۔ میں ان کے بغیر آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ دیکھیے نا ابھی تو تمام مہمان رکے ہوئے ہیں' ابھی کون جا رہا ہے؟"

"تو پھر ٹھیک ہے' آیئے سیٹھ جبار سے بھی ملاقات کر لی جائے۔" میں نے کہا اور اینجل مجھے لیے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

طاہر اور اعظم نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی' مقصد یہی تھا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے وہ مطمئن رہیں۔

میں اینجل کے ساتھ سیٹھ جبار کی کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا اور عین اسی جگہ پہنچ گیا' جہاں ایک بار سیٹھ جبار نے مجھ سے ملاقات کی تھی' طارق میرے ساتھ تھا وہ میری سفارش کر رہا تھا اور سیٹھ جبار بے اعتنائی سے مجھے ٹھکرا رہا تھا' اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔

"اگر اس کا دماغ درست ہو جائے تو اسے ہمارے خادموں میں شامل کر دو' ورنہ دوسری صورت میں اس کے لیے مناسب جگہ کا بندوبست کر دو۔"

وہی جگہ تھی بالکل وہی۔ سیٹھ جبار مسہری پر دراز تھا اور اس کے آدھے بدن پر ایک اونی کمبل پڑا ہوا تھا۔ چہرے سے واقعی نقاہت ٹپک رہی تھی۔ ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔ مجھے اور اینجل کو دیکھ کر اس نے تکیوں پر کہنی ٹکائی اور دانتوں میں دبا ہوا پائپ نکال کر برابر رکھی ہوئی صندلیں میز پر رکھ دیا۔ پھر وہ نقاہت بھری آواز میں بولا۔

"سوری پرنس بڑی آرزو تھی کہ آپ کبھی ہمارے غریب خانے پر بھی تشریف لاتے'

آپ نے یہ آرزو اس وقت پوری نہ کی، لیکن جب ہماری تقدیر کھلی تو کیسی بد نصیبی ہے کہ ہم بستر پر پڑے ہوئے ہیں، بہرطور اس عمارت میں آپ کی آمد کا دلی شکریہ۔ موقع تو نہیں ہے پرنس کہ آپ سے درخواست کی جائے کہ تھوڑا سا وقت ہمیں تنہائی میں دے دیں لیکن باز بھی نہیں رہ سکتے، اگر آپ اس طرف کی دلچسپیوں کو تھوڑی دیر کے لئے ایک بار کے لئے نظرانداز کر دیں اور کچھ وقت ہمیں دے دیں تو ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔"

"کیوں نہیں سیٹھ جبار، میں آپ کے ساتھ جتنا وقت آپ چاہیں گزارنے کے لئے تیار ہوں۔"

"لیکن بھئی شرط یہ ہے کہ یہ جو ہماری صاحبزادی ہیں یہ بھی ہمیں اس کی اجازت دے دیں۔"

"ڈیڈی اس وقت؟" اینجل نے ٹھٹکتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ درخواست ہے ہماری آپ دونوں حضرات سے، ویسے آپ کی مرضی۔ ایک بیمار آدمی بھلا کسی کو پرزور الفاظ میں کیا حکم دے سکتا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے مس اینجل، آپ کے ساتھ جو وقت گزارنا ہے وہ اس ملاقات کے وقت میں سے نکال دیا جائے گا اور آپ جب تک کہیں گی، میں یہاں رکوں گا۔"

"وعدہ۔" اینجل نے شوخ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا اور اینجل مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

سیٹھ جبار گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"براہ کرم یہ دروازہ بند کر دیجئے اور دیوار پر لگا ہوا یہ سرخ بٹن دبا دیجئے تاکہ ہماری گفتگو میں کوئی اور شریک نہ ہو سکے۔" سیٹھ جبار نے کہا اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا، ویسے میرے حواس خمسہ پوری طرح بیدار ہو گئے تھے۔ میں ایک ذہنی بیمار کے سامنے تھا، یہ اس کی اپنی رہائش گاہ تھی اور یہاں کے کیا کیا اسرار تھے۔ اس کے بارے میں میری معلومات کچھ نہ تھیں۔ تاہم میں نے خود کو پوری طرح محتاط کر لیا تھا۔

"بہت بہت شکریہ آیئے تشریف رکھئے" اس نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں اس پر بیٹھ گیا۔ سیٹھ جبار گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے میں اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ بڑا اداکار قسم کا آدمی تھا۔ چند لمحات پہلے جو نقاہت اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی اب اس کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں

خون کی سرخی لہرا رہی تھی، چند لمحات وہ مجھے اسی طرح دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً" اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"عجوبہ کہوں یا معجزہ، بعض اوقات صحیح الفاظ کا استعمال کتنا مشکل ہوتا ہے۔ انسان کے لئے ادوار بدلتے دیکھے ہیں۔ لمحات بدلتے نہیں دیکھے، آپ کو دیکھ کر پرنس بڑے عجیب عجیب سے احساسات ذہن میں جاگ اٹھتے ہیں۔"

"ممکن ہے سیٹھ جبار۔ انسان اپنے ماضی کو بھی بھولتا نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسے اپنے سینے کی گہرائیوں میں دبا لے اور اس پر بہت سی تہیں چڑھا کر مطمئن ہو جائے کہ ماضی دفن ہو چکا۔"

"میں سمجھا نہیں پرنس۔" سیٹھ جبار نے کہا۔

"سمجھا تو میں بھی نہیں سیٹھ جبار۔ یوں لگتا ہے کہ ہمارے درمیان نامعلوم الفاظ کا تبادلہ ہو رہا ہے۔"

"نہیں، دل کی گہرائیوں سے ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ یہ الفاظ نامعلوم یا ناقابل فہم نہیں ہیں۔ ان کا ایک مقصد ہے۔"

"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔" میں نے لاپرواہی کے انداز میں کہا۔

"لیکن ایک دوست کی حیثیت سے یہ جاننا تو میرا فرض تھا کہ منصور کو بلندیاں کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

"سولی پر چڑھ کر۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ کون سی سولی ہے جس سے اترنے کے بعد ذہن اور فطرت اس طرح تبدیل ہو جاتی ہے؟"

"یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا سیٹھ جبار، کبھی منصور بن کر دیکھئے۔"

"گول مول الفاظ میں گفتگو کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ ہم سیدھے راستوں کو اختیار کریں۔"

"جو آپ بہتر سمجھیں لیکن یہ فرمایئے کہ آپ کے اس کمرے میں کتنے ٹیپ ریکارڈز چھپے ہوئے ہیں۔ ان پر ریکارڈ ہونے والی گفتگو کہاں کہاں سنی جا رہی ہے اور ان کے ذریعے آپ اپنا کیا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے پوچھا اور سیٹھ جبار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بات یہ ہے منصور کہ ہم لوگ، ہم کاروباری لوگ بلاشبہ ایک دوسرے کے خلاف کاروباری چالیں چلتے رہتے ہیں لیکن ہم اپنے معیار کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی

طور ہم سے برتر ہو خواہ اس کا ماضی کتنا ہی کمتر کیوں نہ رہا ہو۔ ہم اس کی کمتری بھول جاتے ہیں اور برتری سامنے رکھتے ہیں اور ہماری فطرت بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی بدل جاتی ہے اگر تم یہاں محسوس کر رہے ہو کہ تمہاری آواز اور اس گفتگو کو ریکارڈ کرنے کے لئے کوئی بندوبست کیا گیا ہے تو میں سیٹھ جبار اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار قتل اپنے ہاتھوں سے کئے ہیں۔ یہ صرف اس لئے اعتراف کیا جا رہا ہے کہ اگر ہماری گفتگو ریکارڈ کی جا رہی ہو تو اس کا یہ حصہ میری گردن پھنسانے کے لئے استعمال کیا جائے۔"

"سیٹھ جبار آپ نے یہ اپنے معیار کی بات نہیں کی۔ کیا ہم لوگ بچے ہیں جو بچگانہ باتوں سے بہل جائیں اگر آپ نے اس وقت کی گفتگو ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کیا ہی ہے اور اس کا انتظام کر لیا ہے تو آپ کے اس اعتراف کا حصہ اس فیتے سے نکالا نہیں جا سکتا؟"

"اوہ۔ اوہ۔ یہ تو بڑی مشکل پیش آ گئی پھر یوں کرو پرنس کہ یہاں سے کسی بھی ایسی جگہ چلتے ہیں جس کا انتخاب تم خود کرو۔ وہاں بیٹھ کر ہمارے اور تمہارے درمیان باتیں ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ جبار اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو یہی سہی آئیے۔" میں نے اس سے کہ اور سیٹھ جبار اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ہم دونوں اسی دروازے سے نکل آئے۔ پہلے تو ہم نے نچلی منزل کے کچھ کمروں کی تلاشی لی اور اس کے بعد میں اوپری منزل کی جانب بڑھ گیا میں نے اوپری منزل کے ایک سادہ سے کمرے کا انتخاب کیا تھا جس کی کھڑکی سے باہر کے مناظر نمایاں نظر آتے تھے' اس کے بعد میں نے سیٹھ جبار کے لباس کی تلاشی لی۔ اس کی کلائی میں بندھی گھڑی اور انگوٹھی کو چیک کیا اور جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ ٹرانسمیٹر یا ٹیپ ریکارڈ ٹائپ کی کوئی چیز اس کے پاس موجود نہیں ہے تو میں اس کا شکریہ ادا کر کے کھڑکی کے نزدیک کرسی گھسیٹ کر آ بیٹھا۔ سیٹھ جبار بھی میرے سامنے ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ میری اس تمام کاروائی کو وہ اپنی شدید توہین محسوس کر رہا تھا لیکن شاید مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین بھی تھا کیونکہ میری تمام باتیں برداشت کر رہا تھا۔

چند لمحات خاموشی رہی پھر وہ کہنے لگا۔

"ماضی کی کچھ یادیں بہت سے بھولے ہوئے فسانے یاد دلاتی ہیں۔ پرنس دلاور آپ کو دیکھ کر مجھے بار بار ایک بچہ یاد آتا ہے جو بڑا پرعزم اور بہت ہی پرجوش تھا لیکن خرابی کچھ اس میں' وہ کتابیں پڑھ پڑھ کر ان پر عمل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ وہ

چارہ نہیں جانتا تھا کہ کتابیں صرف نیکیوں کا سبق دینے کے لئے لکھی جاتی ہیں لیکن چونکہ نیکیوں کی بنیاد یہی تمام باتیں بتائی گئی ہیں اس لئے وہ ان سے انحراف بھی نہیں کر سکتے۔ اگر مجھے آزاد طور پر وقت اور ماحول کے بارے میں تبصرہ کرنے کے لئے کہا جائے تو میں دنیا کو یہ بتاؤں کہ نیکی اور شریفانہ زندگی کا مفہوم بدل چکا ہے تم ایک شخص کو بدلنے کی کوشش کرتے ہو' معاشرے کو بدلنے کا بیڑہ کون اٹھائے گا؟ کوئی شخص تمہاری کتابیں پڑھ کر سچائی کے راستوں پر آنے کی کوشش کرے تو یہ راستے کون سی سمت میں ملیں گے اسے' وہ جس راستے کو سچائی کا راستہ سمجھ کر آگے بڑھے گا اس کا اختتام ایک ایسی بلند چٹان کے قریب ہو گا جس کی دوسری سمت پہنچنا ناممکنات میں سے ہو گا تو پھر ان راستوں کے بجائے وہ انداز کیوں نہ اختیار کرو۔ وہ باتیں کیوں نہ بتاؤ۔ جن کا وجود ہو۔ میں شاید تقریر کے انداز میں گفتگو کر رہا ہوں پرنس دلاور لیکن اس بچے کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں نے اپنے آدمی سے کہا کہ اس کی تراش خراش کرو اور اسے اس کا وہ مقام دے دو جو ہونا چاہئے۔ لیکن ضدی بچہ نہ مانا اور اپنی حرکتوں میں مصروف رہا۔ پھر کہیں سے اسے الہ دین کا چراغ مل گیا۔ یہ چراغ وہ کہاں سے لایا' اس کے بارے میں مجھے ابھی تک کچھ نہیں معلوم۔ پرنس دلاور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں لیکن چراغ کے جن کی مدد سے اس نے ایک ایسی دیوار کو اکھاڑنے کی کوشش کی جس کی تعمیر صدیوں میں ہوتی ہے اور جسے اکھاڑنے کے لئے بھی صدیاں درکار ہیں۔ جب کہ اس معصوم بچے کی عمر بہت کم ہے۔ تاہم پرنس وہ دیوار اس معصوم بچے سے تعاون کرنے کی خواہش مند ہے ہم دور کی بات کر چکے ہیں' ادوار جوں جوں تبدیل ہوتے ہیں' ان کے اقوال بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں کی تلقین کتابوں میں سجتی ہے۔ اور انسان کو یہ کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں لیکن کہانیوں کے طور پر کیونکہ کہانیوں سے باہر کی دنیا مختلف ہوتی ہے۔ سوری پرنس مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس بار میں پھر بھٹک گیا ویسے آپ کی کامیابیوں پر ایک بار پھر مبارکباد دیتا ہوں آپ کو۔ آپ نے یہ سب کچھ جہاں سے بھی حاصل کیا بلاشبہ ایک طلسمی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن طلسم کو توڑا بھی جا سکتا ہے۔ آپ نے اس دوران بہت کچھ کیا۔ ستھو فورے اور ایسے بہت سے دوسرے معاملات جو میرے لئے خاصے دلچسپ رہے لیکن ایک مسئلے میں ابھی تک میرا ذہن کوئی ایسی بات تلاش نہ کر سکا جو میرے ذہن کو مطمئن کر دے۔"

"وہ کیا سیٹھ جبار؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جہاز کیسے ڈوب گیا جس کے لئے میں نے ایک عظیم سرمایہ خرچ کیا تھا؟"

"سیٹھ جبار ہر عروج کا زوال ہوتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط دیواریں پرانی ہو کر

کھنڈرات کی شکل میں رہ جاتی ہیں ان کے اثرات باقی رہ جاتے ہیں لیکن ہواؤں کے تیز جھونکے ان کی اینٹیں گراتے رہتے ہیں پھر ایک وقت وہ زمین بوس ہو جاتی ہیں اور ان کی کھدائی کر دی جاتی ہے پھر ان پر نئی عمارتیں بن جاتی ہیں۔ تمہاری تمام کوششیں اب کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ تم نے جو کچھ کیا اس جہاز کے ذریعے تم جو مفادات حاصل کرنا چاہتے تھے میں نے ان کی جڑ ختم کر دی اور یہی نہیں سیٹھ جبار تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ ذہنی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی۔ بہتر یہ ہوتا ہے کہ ساری زندگی اکھاڑے میں لڑنے والا پہلوان ایک دن دوسروں کی برتری تسلیم کر کے باعزت طریقے سے لنگوٹ کھول دیتا ہے۔ یہی وقت تم پر آگیا ہے۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ سیٹھ جبار باقی وقت صرف ایک دیکھنے والے کی حیثیت سے گزار دو۔ دوسروں کو آگے بڑھنے کا موقع دو انہیں تسلیم کرو۔"

"آپ کو تو میں نے تسلیم کر لیا ہے پرنس دلاور" دیکھ نہیں رہے آپ۔ میں مسلسل آپ کو آپ کے نقلی نام سے پکار رہا ہوں۔" سیٹھ جبار نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا وقت نے تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کر دیا سیٹھ جبار۔"

"نہیں میرے دوست' وقت کی لگام اب بھی میرے ہاتھ میں ہے وہ معصوم بچہ اب بھی میری مٹھی میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کی گردن میرے شکنجے میں ہے۔ یقین نہ آئے تو دیکھو' اس کھڑک سے دوسری طرف۔ تمہارے دیکھنے کے قابل منظر ہے۔" سیٹھ جبار نے کہا اور اٹھ کر سامنے والی کھڑکی کھول دی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ اس کھڑکی سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ لان پر خوشنما قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ خوشنما رنگوں میں ملبوس لڑکیاں نوجوان' بوڑھے اور بچے اتراتے پھر رہے تھے۔ میں نے سیٹھ جبار کے اشارے پر اس طرف دیکھا اور پھر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔"

"ہاں۔ تمہاری کوٹھی کے لان پر پھول کھلے ہوئے ہیں۔"

"نہیں۔ میں ان پھولوں کی بات نہیں کر رہا۔ اس کالے گلاب کو دیکھو جو میری انگلی کی سیدھ میں ہے۔ اس درخت کے قریب۔" سیٹھ جبار نے کہا اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئی تھیں۔ سیاہ رنگ کے حسین لباس میں ملبوس ایک نوجوان لڑکی کھڑی خاموشی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لمحے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پورے بدن کی رگیں تن گئی تھیں۔ میری ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ یہ چہرہ۔ میرے لئے سب سے بڑی مسرت تھا۔ ہاں یہ فریدہ تھی .... میری گمشدہ بہن فریدہ ....۔

میرے پورے وجود میں تھرتھراہٹ سی پیدا ہو گئی اور ہوش و حواس ایک لمحے کے لیے ساتھ چھوڑ گئے۔ میری پھٹی پھٹی سی نگاہیں' اس پر جمی ہوئی تھیں۔ فریدہ بڑی ہو گئی تھی اور عمدہ لباس میں تھی۔ بے حد خوبصورت نظر آ رہی تھی لیکن وہ خاموش خاموش ایک جگہ کھڑی تھی۔ میرا جسم سن ہر کر رہ گیا تھا اور میں کوشش کے باوجود جنبش نہیں کر سکا تھا۔

سیٹھ جبار گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ "کیا خیال ہے' پرنس؟" دفعتاً" اس کی آواز ابھری اور میں چونک پڑا۔ میں نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ "بات یہ ہے' پرنس! کہ دولت بہت کچھ دے دیتی ہے لیکن اصل چیز تجربہ ہے۔ تم نے مختصر عرصے میں وہ کر دکھایا ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔ تمہاری پرواز قابل تعریف ہے۔ میں حیران رہ گیا ہوں لیکن ابھی میرے ہاتھ میں کئی کارڈ ہیں------ اور یہ تجربے کی بات ہے۔"

میرے بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ میں وحشیانہ انداز میں پلٹا اور سیٹھ جبار کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ نوجوان ہیں' پرنس! جذباتی ہونے کی کوشش نہ کریں۔ صورت حال' میرے حق میں ہے۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور وہ ہنس پڑا۔

"یہ بات آپ کو زیب نہیں دیتی کہ آپ پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے نیچے جائیں اور ہنگامہ کریں۔ دوسری بات یہ کہ جب آپ وہاں------ پہنچیں گے تو وہ جا چکی ہو گی۔ ایک بار پھر باہر دیکھ لیں۔"

میں نے بے اختیار کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سفید سوٹ میں ملبوس' ایک نوجوان فریدہ کے پاس کھڑا تھا------ پھر وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ ان کا رخ دروازے کی طرف تھا۔

"دیکھا' آپ نے' پرنس! آپ کسی رفتار سے بھی جائیں' ان دونوں کو نہیں پا سکیں

گے۔ میں نے اس کا مکمل انتظام کر رکھا ہے۔"

کم بخت نے اس وقت ایسا داؤ مارا تھا کہ میں چاروں خانے چت ہو گیا تھا۔

"آؤ' پرنس! اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔" سیٹھ جبار نے کہا اور کھڑکی سے ہٹ آیا۔ "تشریف رکھیے۔" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔

میں تیز نظروں سے اسے گھورتا رہا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا رہا پھر قدرے توقف سے بولا۔

"مجھے اجازت دیں' پرنس! کہ میں' آپ کو منصور کہہ کر مخاطب کروں۔ دراصل اس نام میں بڑی اپنائیت ہے۔ خواہ مخواہ ہمارے اور آپ کے درمیان تکلف پیدا ہو گیا ہے۔"

میں تھوک نگل کر رہ گیا۔ میرا ذہن آگ اگل رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی تھی۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ فریدہ' اس کی تحویل میں تھی' ماں بھی اس کے پاس ہی ہو گی وہ آسانی سے تو ان دونوں کو میرے حوالے نہیں کرے گا۔ خود کو سنبھالنا ضروری ہے۔ چنانچہ بہ مشکل تمام' میں خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"تم کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو' سیٹھ جبار!"

"کیا مطلب۔۔۔۔۔؟"

"نہ جانے اس دوران میں تم کیا بکواس کرتے رہے ہو؟ میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آئی۔"

"خوب۔۔۔۔۔ کوئی نئی بات ذہن میں آ گئی ہے' شاید۔۔۔۔۔ کھیل کچھ اور لمبا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔۔۔۔۔ بہر حال' میں تعاون کی پیشکش کر چکا ہوں۔"

"کیسا تعاون اور کس سلسلے میں؟ مجھے سمجھاؤ سیٹھ جبار!"

"تم نے مجھے جو نقصانات پہنچائے ہیں' ان کی فہرست بہت لمبی ہے لیکن ابھی سکت ہے' مجھ میں۔ میں طویل عرصے تک جنگ کر سکتا ہوں۔ میں نے تمام زندگی یہ کھیلے ہیں' جیتتا بھی رہا ہوں' اب ہارنے کی باری ہے۔"

"اگر تمہارے ذہن میں کوئی کھیل ہے تو کھیلتے رہو۔۔۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔۔۔ اب اجازت دو گے؟"

"اوہ نہیں۔۔۔۔۔ بیٹھو' پرنس! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ میری شرائط بہت آسان ہیں۔ تم' وہ کالا گلاب تو دیکھ ہی چکے ہو۔"

"ہاں' جو کچھ تم نے دکھایا ہے' وہ میں دیکھ چکا ہوں۔"

"کیا تمہارے دل میں اس کے حصول کی خواہش نہیں ہے؟"

"ابھی نہیں۔۔۔۔۔ بہت عرصہ گزر گیا ہے۔ اب کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے' ہمارے درمیان۔"

"میں فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"مگر میں تیار نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟ ابھی تو تم نے کہا تھا کہ۔۔۔۔۔"

"فیصلہ ذو معانی لفظ ہے۔ اس کا دوسرا مطلب بھی نکلتا ہے۔ اس کھیل کا آغاز' تمہاری پسند سے ہوا تھا۔ انجام' میری پسند کا ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گویا تم نے اس کھیل کو تسلیم کر لیا ہے؟"

میں خاموشی سے مسکراتا رہا لیکن دل پر جو گزر رہی تھی' وہ میں ہی جانتا تھا۔۔۔۔۔ لیکن فی الحال یہی کافی تھا کہ مجھے' فریدہ کی شکل نظر آ گئی تھی۔ وہ زندہ ہے' سکون سے ہے۔ اب اس کا حصول ناممکن نہیں تھا۔ تقدیر میں ہے تو ضرور ملے گی۔ صبر سے کام لینا چاہیے۔

"ہاں' کھیل تو شروع ہوا ہے۔ تم بھی تو جوابی چالیں چل رہے ہو۔"

"لیکن اس وقت تقدیر تمہارے ساتھ ہے۔"

"ایک بات بتاؤ' سیٹھ جبار۔۔۔۔۔ تم' مجھے منصور کیوں ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"اس لیے کہ تم منصور ہو۔"

"منصور کون تھا؟"

"ایک عاقبت نا اندیش' آوارہ لونڈا جو بذات خود کچھ بھی نہیں تھا اور نہ اب ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"میرے دشمنوں نے اسے پرنس دلاور بنا دیا۔ ورنہ وہ اس قابل نہیں تھا کہ خود' مجھ سے ٹکرا سکے۔"

"تمہارے وہ دشمن کون ہیں؟"

"یہی تو پتہ نہیں چل سکا لیکن بہر حال' وہ شکست خوردہ لوگ ہیں جو مجھ سے مات کھا چکے ہیں۔"

"اور اب مات دے رہے ہیں۔۔۔۔۔ یہ تو ہوئی' ان کی اور۔۔۔۔۔ تمہاری بات۔۔۔۔۔ لیکن مجھ پر تمہارے مظالم کیوں جاری ہیں۔ وہ جہاز اگر پہنچ جاتا تو میری کیا پوزیشن ہوتی؟"

"کاش! وہ تباہ نہ ہوتا----- پھر میں تمہیں دیکھتا' پرنس!"

"تسلیم کر لو کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ اب تم میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ کسی سے مقابلہ کر سکو۔"

"یہ صرف ایک خواب ہے' تم لوگوں کا----- پرنس دلاور محدود ہے۔ میری دسترس کو نہیں پہنچ سکتا۔"

"پھر پریشان کیوں ہو؟"

"پریشان نہیں ہوں۔ میں کاروباری آدمی ہوں۔ سودا کر کے نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں' تمہاری ان چھوٹی چھوٹی شرارتوں کو اہمیت نہیں دیتا۔ اپنی دانست میں تم' مجھ پر کاری ضربیں لگا رہے ہو۔" سیٹھ جبار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تعجب ہے' سیٹھ جبار! تم کئی دنوں سے مجھ سے ملاقات کے خواہش مند تھے اور جب میں اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر تمہاری اس تقریب میں شرکت کے لیے آیا تو تم نے فضول گوئی شروع کر دی۔ کیا یہ تمہیں زیب دیتا ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ' نہیں----- ڈیئر منصور! تم سے ملاقات کا تو میں بہت عرصے سے شائق تھا۔ اگر یہ تمام باتیں تمہیں ناگوار گزری ہیں تو کوئی بات نہیں۔ کسی اور وقت کا تعین کر لو۔"

"ٹھیک ہے' اس کا فیصلہ کر کے' میں تمہیں آگاہ کر دوں گا----- سیٹھ جبار!"

"بہتر ہوتا کہ تم اس وقت یہاں سے' دوستانہ ماحول میں واپس جاتے۔" سیٹھ جبار بولا۔

"جی نہیں----- میں دوستانہ ماحول میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ یہ تمہاری کوٹھی ہے۔ قرب و جوار میں تمہارے بے شمار آدمی پھیلے ہوئے ہوں گے۔ انھیں حکم دو کہ مجھ پر گولیاں چلائیں۔ لطف تو اسی وقت آئے گا جب میں' تمہاری ہی کوٹھی میں تمہیں ذلیل و خوار کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیٹھ جبار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میں اگر چاہوں تو یہ کوٹھی' تمہارا مقبرہ بن سکتی ہے----- لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"کیوں' سیٹھ جبار؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"میں' تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر غور کرو اور اپنے مستقبل کے لیے بہتر فیصلہ کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم آپس کے اختلافات طے کر لیں' میں' تمہیں' تمہاری ان حرکتوں پر معاف کر دوں' تمہاری والدہ اور بہن کو تمہارے حوالے کر کے یہ اجازت دے دوں کہ تم' اس ملک سے باہر جا کر کسی پر

سکون جگہ پر باقی زندگی گزار دو۔"

"خواہش تو میری بھی یہی ہے' سیٹھ جبار! لیکن میں یہ سب کچھ تمہارے توسط سے نہیں کروں گا۔ وہ وقت جلد ہی آئے گا جب میں اپنی ماں اور بہن کو لے کر اپنی پرسکون دنیا میں واپس پہنچ جاؤں گا لیکن یہ سب کچھ تمہاری موت کے بعد ہو گا----- اور تم اس بات کو یاد رکھنا کہ کتے کی طرح' تم اپنے گھر میں شیر ہوئے تھے' تم نے مجھے دھمکی دی تھی----- ان الفاظ کا بدلہ تم سے ضرور لیا جائے گا۔ اگر تم واقعی اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہو تو اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو ورنہ زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔" میں نے انتہائی ترش لہجے میں کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

سیٹھ جبار' مجھے تکتا رہ گیا تھا۔

باہر نکلا تو سامنے ہی اینجل نظر آئی۔ وہ' مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولی۔ "میں' ڈیڈی سے لڑنے ہی آ رہی تھی۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ میرے مہمان کو کمرے میں بند کر رکھا ہے۔"

"اینجل! تمہارے ڈیڈی بہت عظیم ہیں۔ بہت شاندار گفتگو کی' انھوں نے مجھ سے----- اور اب تم' مجھے اجازت دو۔"

"کک----- کیا ہوا؟ کیا ہو گیا پرنس؟ آپ کے لہجے میں تلخی چھپی ہوئی ہے۔"

"ارے' نہیں----- جو کچھ کہہ رہا ہوں' سادہ سے لہجے میں کہہ رہا ہوں۔ تم شاید کچھ غلط سمجھیں۔"

"مگر ابھی تو آپ کو رکنا ہے۔"

"اس وقت نہیں' اینجل! پھر کبھی سہی۔"

"ضرور کوئی بات ہے' پرنس! مجھے نہیں بتائیں گے؟"

"نہیں' اینجل! میں نے کہا' نا' کوئی خاص بات نہیں ہے اور اگر ہے تو اپنے ڈیڈی سے پوچھ لو۔"

"تو آپ جا رہے ہیں؟"

"ہاں' اب میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکوں گا۔"

"چلئے' میں' آپ کو آپ کی کار تک چھوڑ آؤں۔"

"نہیں' اینجل! اس وقت نہیں۔ کل' میں کسی وقت تمہیں فون کروں گا۔"

"میں انتظار کروں گی لیکن میری یہ رات بڑے کرب میں گزرے گی۔ پتہ نہیں' ڈیڈی سے آپ کی کیا بات چیت ہوئی۔"

"بھئی، تمہارے ڈیڈی ہیں، تم بھی تو ان سے پوچھ سکتی ہو۔" میں نے کہا اور اینجل خاموش ہو گئی۔ تاہم وہ کار تک میرے ساتھ ساتھ آئی تھی۔

طاہر اور اعظم بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے سکون کی سانس لی------ ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا اور میں کار میں بیٹھ گیا۔

اینجل نے پریشانی سے گردن ہلاتے ہوئے مجھے خدا حافظ کہا۔ کار اسٹارٹ ہوئی تو جلدی سے کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکی------ اور بولی۔" پرنس، کل مجھے فون ضرور کیجیے گا۔ میں ٹھیک گیارہ بجے، آپ کے فون کا انتظار کروں گی۔"

"او۔کے، اینجل! میں تمہیں فون ضرور کروں گا۔" میں نے کہا اور کار، سیٹھ جبار کی کوٹھی سے نکل آئی۔

میرے دانت ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے اور جبڑوں کے مسلز ابھر آئے تھے بے شک، میں نے خود کو بہت سنبھالا تھا لیکن فریدہ کا خیال آتے ہی دل ڈوبنے لگتا تھا۔ ا فریدہ، میری بہن------ میری بیٹی------ نہ جانے میری ماں کس حال میں تھی؟"

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ میرے خیالات کا تسلسل، اس وقت ٹوٹا جب کار، کوٹھی کے پورچ میں رکی۔ کوٹھی کے حالات حسب معمول تھے۔ میں اتر کر خاموشی سے اندر چلا گیا۔ اس وقت کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

میں اپنی خواب گاہ میں بند ہو کر، ان واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ فریدہ کی ایک جھلک نے میرے دل و دماغ کو تہ و بالا کر دیا تھا------ مجھے احساس ہوا کہ میں پھر جذباتی ہو رہا ہوں۔ یہ جذباتیت مجھے کچھ نہیں دے گی۔ جو کچھ کرنا ہے، سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔

بہت سے منصوبے، میرے ذہن میں بنتے اور بگڑتے رہے اور پھر ایک خیال میرے ذہن میں جم گیا۔ فریدہ کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا------ سیٹھ جبار کو وہی سزا دی جائے جو اس نے مجھے دی تھی اور یہ سزا تھی، اینجل کا اغوا------

ہاں، فریدہ اور امی کے عوض، اینجل کو میں اپنی تحویل میں رکھوں گا اور سیٹھ جبار کو بلیک میل کروں گا کہ وہ، فریدہ اور امی کو میرے حوالے کر دے یا پھر اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔

اس فیصلے سے مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ درحقیقت سیٹھ جبار کا بھی اینجل کے سوا کوئی نہ تھا۔ میری اس کارروائی سے سیٹھ جبار ایک بار پھر چاروں خانے چت ہو جائے گا۔

اینجل کے اغوا کا فیصلہ، میرے خیال میں بے حد مناسب تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ا

ن، اس سلسلے میں کوئی کارروائی کروں------ لیکن میں جانتا تھا کہ جلد بازی کام بگاڑ تی ہے۔

وہ رات میں نے انتہائی بے چینی کے عالم میں گزاری۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سکا تھا۔ ساری رات، میں اپنے اس منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ میرے نے میں آگ دہک رہی تھی۔ فریدہ کی صورت بار بار نگاہوں کے سامنے آ جاتی ی------ لیکن سوچ کر کچھ اطمینان ہو جاتا تھا کہ سیٹھ جبار نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میں کہہ نہیں سکتا کہ میں اپنی شرافت اور انسانیت کو کہاں تک برقرار رکھ سکتا تھا۔

سیٹھ جبار نے فریدہ کو یہ تحفظ دے کر، اس وقت اپنی بیٹی کی زندگی بچالی تھی لیکن طور، مجھے وہ سب کچھ کرنا تھا جس کا میں فیصلہ کر چکا تھا۔

دوسرے روز صبح ہی سے میں نے اس کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے اس کے قیام ے لیے ایک مناسب جگہ منتخب کر لی تھی۔ گیارہ بجے میں ٹیلی فون کے قریب پہنچ گیا اور نجل کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً" ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔

"ہیلو------ مس اینجل سے بات کرنی ہے؟"

"میں ہی بول رہی ہوں، پرنس!"

"اوہ، اینجل! کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں بالکل------ آپ سنائیے؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"پرنس! میں، رات سے بہت بے چین ہوں۔"

"کیوں خیریت؟"

"نہ تو آپ نے کچھ بتایا اور نہ ہی ڈیڈی نے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ر ڈیڈی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ ڈیڈی تو پر سکون تھے۔ کہنے لگے کہ بڑے اچھے ماحول ں پرنس سے گفتگو ہوئی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جو ان کی طبع نازک پر گراں گزرتی ن میں مطمئن نہیں ہوئی، پرنس!" اینجل نے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، اینجل؟" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں نے تو خود بھی یں مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ درحقیقت، تمہارے ڈیڈی سے ایسی کوئی بات ہی ں ہوئی جو مجھ راں گزرتی۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"بہر طور، میں بہت پریشان رہی۔ رات بھر سو نہ سکی کیا کر رہے ہیں، اس وقت

آپ؟"

"کچھ نہیں-----"

"تو آ جائیے، پرنس! تھوڑی دیر آپ سے بات چیت کروں گی تو طبیعت بہل جائے گی۔ پلیز، میری بے تکلفی کو محسوس نہ کریں۔"

"نہیں، بھئی----- اب تم تکلف سے کام لے رہی ہو۔ لیکن میں کہاں آ جاؤں؟ تمہارے اس فون نمبر کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" میں نے کہا۔

"اوہ، سوری----- آپ، بریٹو روڈ کی کوٹھی نمبر بائیس میں آ جائیے۔ پیلے رنگ کی عمارت ہے۔ بریٹو روڈ کے چوراہے سے کوئی بیس قدم آگے بڑھیں تو الٹے ہاتھ پر آپ کو نظر آ جائے گی۔"

"پہنچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

مجھے تو خود اس وقت اینجل کی تلاش تھی۔ اسی نے بلا لیا تھا، یہ بہتر ہوا تھا۔ وہاں سے اسے اغوا کرنے میں آسانی ہو گی۔ دوسرے مجھے وہاں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اینجل نے ایسی جگہ کا انتخاب کیا ہو گا جو سیٹھ جبار کے علم میں نہیں ہو گی۔

میں نے چہرے پر میک اپ کر لیا۔ کیونکہ میں، اینجل سے اصلی شکل میں نہیں ملنا چاہتا تھا----- پھر میں نے وہ کار نکالی جو عام طور پر استعمال نہیں ہوتی تھی----- میں چل پڑا۔ میں نے اعظم اور طاہر کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ ایک پستول ضرور ساتھ لے لیا تھا۔ میں یہ کام تنہا انجام دینا چاہتا تھا۔

میری کار، برق رفتاری سے سڑکوں پر دوڑتی رہی پھر بریٹو روڈ کے چوراہے پر پہنچ کر میں نے رفتار سست کر دی۔

اینجل کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق، کوٹھی نمبر بائیس، تیسری کوٹھی ثابت ہوئی۔ ہر کوٹھی کے درمیان کافی جگہ چھوڑی گئی تھی اور یہ علاقہ کافی سنسان تھا----- پتہ نہیں کوٹھی میں اینجل کے علاوہ اور کون کون ہو گا۔

بہر طور گیٹ پر پہنچا تو ایک چوکیدار موجود تھا۔ اس نے سوالیہ----- نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا۔ "گیٹ کھولو۔ میں مس اینجل کا مہمان ہوں۔"

"اوہ، ٹھیک ہے، صاحب! ابھی بی بی صاحب، میرے کو بولا کہ اس کا کوئی مہمان آنے والا ہے۔" چوکیدار نے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

میں چوڑی روش پر گاڑی اندر لیتا چلا گیا اور پورٹیکو میں روک دی۔ وہیں اینجل کی گاڑی بھی کھڑی تھی۔

میں صدر دروازے سے داخل ہو کر چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ سامنے والے دروازے پر ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔ اس کے چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار تھے۔

"ہیلو----- کیا آپ پرنس دلاور ہیں؟" اس نے مودبانہ انداز میں سوال کیا۔

"جی ہاں----- میں، مس اینجل سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ویری سوری----- انھیں ایک بہت ضروری کام پڑ گیا تھا----- غالباً" سیٹھ صاحب نے فوری طور پر طلب کیا تھا۔ لیکن آدھے گھنٹے بعد وہ، ڈالمیا کراس پہنچ جائیں گی۔ مجھے ہدایت کر گئی تھیں کہ آپ کو وہیں لے آؤں اور ان کی طرف سے، آپ سے معذرت کر لوں----- پرنس! براہ کرم، آپ محسوس نہ کریں۔" لڑکی نے شستہ لہجے میں کہا۔

"ڈالمیا کراسنگ میں کس جگہ چلنا ہے؟"

"سمندر کے کنارے، ہٹ نمبر بیس میں۔"

"تو ٹھیک ہے، آدھے گھنٹے بعد، میں اسی جگہ پہنچ جاؤں گا۔ مس اینجل کو اطلاع دے دیجیے گا۔"

"پرنس! مس اینجل مجھے ہدایت کر گئی ہیں کہ میں، آپ کو لے کر وہاں پہنچوں۔ مالکہ کا حکم ہے۔ براہ کرم، مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں۔" لڑکی نے لجاجت سے کہا۔ میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے----- آؤ، میرے ساتھ۔"

"شکریہ، پرنس!" اس نے کہا اور میرے ساتھ باہر آ گئی۔

اینجل کی کار پر نظر پڑتے ہی میں نے چونک کر پوچھا۔ "اینجل اپنی کار نہیں لے گئیں؟"

"جی نہیں----- سیٹھ صاحب نے اپنی گاڑی بھیج کر انھیں بلوا لیا تھا-----"

"چلو، ٹھیک ہے۔ میں، لڑکی کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ چند لمحوں بعد گاڑی سڑک پر نکل آئی۔ میرے ذہن میں کچھ خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا----- سیٹھ جبار نے اینجل کو فوری طور پر بلا لیا تھا----- کیا اینجل، سیٹھ جبار کو بتا کر آئی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور کس سے ملنے جا رہی ہے؟ میں نے سوچا۔ چلو، ڈالمیا کراسنگ بھی دیکھ لیا جائے۔ ویسے وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ اس علاقے میں بہت عرصے پہلے سیٹھ جبار کا مال آیا کرتا تھا لیکن اب اس علاقے میں ایک ساحلی تفریح گاہ بنا دی گئی تھی اور کچھ ہٹس بھی وجود میں آ گئے تھے۔ اس طرح یہ علاقہ، اسمگلنگ کے لیے

غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ ممکن ہے، وہاں سیٹھ جبار کا بھی کوئی ہٹ موجود ہو۔

کار مناسب رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ آدھا گھنٹہ بہت ہوتا ہے---- چند منٹ میں وہاں پہنچا جا سکتا تھا۔ لڑکی عقب نما آئینے میں غور سے دیکھ رہی تھی---- پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر آئینے کا رخ تبدیل کر دیا۔

"کیوں کوئی خاص بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ نیلی فوکس ویگن ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"اوہ! تم دیکھ چکی ہو----؟ میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں----"

"آئینے کا رخ بدل لوں----" میں نے پوچھا۔ اور لڑکی نے گردن ہلا دی۔

میں نے آئینے کا رخ بدل کر دیکھا۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر نیلے رنگ کی فوکس ویگن ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ اس میں موجود لوگوں کی شکلیں نظر نہیں آ سکتی تھیں۔ اور نہ ہی ان کی تعداد کا انداز ہو سکتا تھا۔

"کون ہیں، اس نیلی کار میں؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی---- ممکن ہے، شہباز فور ترے ہو۔"

"وہ----" میں چونک پڑا۔

"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں، جناب!" لڑکی بولی۔

"ہاں، ہاں---- بتاؤ۔"

"خدا کے لیے آپ میرے بارے میں کوئی غلط رائے قائم مت کیجیے گا۔ میں مس اینجل کی ملازمہ ہی نہیں، ان کی راز دار دوست بھی ہوں۔ میں جانتی ہوں، وہ آپ کو چاہتی ہیں۔ وہ رات ہی سے سیٹھ جبار کی قید میں ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے فون پر ان سے گفتگو کی تھی۔"

"وہ میں تھی، پرنس! میں مس اینجل کے لہجے میں نقل اتار سکتی ہوں۔"

"لیکن تم نے فون پر مجھ سے جو گفتگو کی تھی، اس میں وہ تمام باتیں تھیں جو میرے اور اینجل کے درمیان ہوئی تھیں۔"

"کوئی بھی بات ایسی نہیں تھی، پرنس! جو سیٹھ جبار کو معلوم نہ ہو۔ رات، آپ کے جانے کے بعد، مس اینجل، سیٹھ جبار کے پاس گئی تھیں اور ان سے پوچھا تھا کہ آپ کے اور ان کے درمیان کیا بات ہوئی؟ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر انھوں نے نہ بتایا تو وہ پرنس سے معلوم کریں گی۔ آج گیارہ بجے آپ، انھیں فون کریں گے---- لیکن سیٹھ

جبار پر وحشت سوار تھی انھوں نے اپنی چہیتی بیٹی کو کوٹھی کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ میں مس اینجل کے ساتھ تھی لیکن سیٹھ جبار، مجھ پر اعتماد کرتے ہیں---- اور پھر اس کام کے لیے مجھے پانچ ہزار روپے نقد پیش کیے گئے تھے۔"

"کس کام کے لئے؟"

"سیٹھ جبار جانتے ہیں کہ میں، مس اینجل کی آواز کی شاندار نقل کر لیتی ہوں۔ لہٰذا مجھے ہدایت کی گئی کہ جب گیارہ بجے، آپ کا فون آئے تو میں فون ریسیو کر کے آپ کو بیٹو روڈ والی کوٹھی میں بلاؤں اور پھر آپ کو ڈالمیا کراس کے ہٹ نمبر بائیس میں پہنچا دوں۔ وہاں آپ کے لیے خطرناک اقدامات کیے گئے ہیں۔"

"ہوں---- گویا جال بچھایا گیا ہے، میرے لیے۔"

"جی ہاں---- آپ شدید خطرے میں ہیں۔"

"لیکن تم یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"میں نے عرض کیا نا، پرنس! کہ میں مس اینجل کی دوست اور ان کی راز دار بھی ہوں۔ اس لیے میں وہی کر رہی ہوں جس کی ہدایت انھوں نے مجھے دی تھی۔"

میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا---- پھر میں نے اس سے پوچھا۔ "اب کیا کرنا چاہیے؟"

"کسی طرح ان لوگوں کو ڈاج دے کر، ان سے پیچھا چھڑائیں اور مجھے بے ہوش کر کے کہیں سڑک پر ڈال دیں---- پھر آپ نکل جائیں۔ میں کوئی نہ کوئی بات بنا کر اپنا بچاؤ کر لوں گی لیکن آپ کو خطرے میں نہیں پڑنے دوں گی۔ جلد ہی تدبیر کریں۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہم ڈالمیا پہنچ جائیں گے۔"

میں چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں علم ہے کہ اس گاڑی میں کتنے آدمی ہیں؟"

"نہیں، پرنس! میں نہیں جانتی---- البتہ سیٹھ جبار نے میرے سامنے شہباز ور ترے---- کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے ساتھ چار آدمیوں کو لے کر جائے اور آپ کو قتل کرنے کے بعد آپ کی لاش کو وہیں ریت میں دفن کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے، لڑکی! تمھارا بہت بہت شکریہ! میں چاہتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے قتل کر کے، میری لاش، ریت میں دبا دیں۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور کار کی رفتار کچھ اور تیز کر دی۔

"پرنس! پلیز---- اپنی جان بچائیے۔" وہ لجاجت سے بولی۔ مجھے سرخرو ہونے کا موقع

دیجیے۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو مس اینجل خود کشی کر لیں گی۔"

"میں نے کہا نا' تم بالکل بے فکر رہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" میں نے دوبارہ عقب نما آئینے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

لڑکی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اس نے دو تین بار پھر مجھ سے' ان سے نہ الجھنے کی درخواست کی لیکن ہر بار میں نے اسے خاموشی سے دیکھتے رہنے کا مشورہ دیا۔

ڈالمیا کراس نزدیک آتا جا رہا تھا۔ اطراف میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ابھرے ہوئے تھے۔ یہ وہی ٹیلے تھے جہاں ایک بار میں نے سیٹھ جبار کے آدمیوں کو دھوکا دیا تھا۔

بہرطور' کار آگے بڑھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔ "تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس ہٹ میں انکے علاوہ کسی اور کے ملنے کے امکانات ہیں؟"

"ہاں----- وہاں چوکیدار ہو گا-----" لڑکی نے کہا۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ میں ڈرائیونگ کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ہٹس نظر آنے لگے۔

"ہمارا مطلوبہ ہٹ کون سا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ دائیں طرف-----" لڑکی نے روہانسی آواز میں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا----- اور میں کار کو ہٹ کی جانب لیتا چلا گیا۔

وہ ہٹ کیا' پوری کوٹھی ہی تھی۔ دور ہی سے وسیع و عریض لوہے کے پھاٹک کے پیچھے' لان پر سبز گھاس اور پودے لہلہاتے نظر آ رہے تھے۔ کار پھاٹک کے قریب پہنچی تو بند پھاٹک کے عقب میں چوکیدار نظر آیا۔ ہماری کار کو دیکھتے ہی وہ ذیلی کھڑکی سے باہر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے قریب آکر پوچھا۔

"گیٹ کھولو' خان! سیٹھ صاحب نے ہمیں بھیجا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا اور چوکیدار نے گردن ہلا دی۔

میں نے کار کو گیٹ کے اندر لے جاتے ہوئے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ نیلی کار کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ غالباً" وہ کسی اور طرف سے مڑ کر ہٹ کے پیچھے پہنچنا چاہتے تھے۔ میں نے کار گیٹ سے اندر لے جا کر چند گز آگے روک دی اور کار سے اتر آیا۔ چوکیدار گیٹ بند کر کے پلٹ رہا تھا۔

میں نے اشارے سے اسے قریب بلایا اور وہ میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ "میں تم سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مخصوص انداز میں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے صاحب؟" چوکیدار نے پوچھا۔ دوسرے ہی لمحے میرے دونوں ہاتھ

حرکت میں آئے اور چوکیدار کے کانوں پر پڑے' اس کا منہ کھل گیا۔ میرے دوسرے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی----- پھر مزید دو تین وار کرنے کے بعد میں نے اسے اٹھایا اور کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے اندر ٹھونس دیا اور دوبارہ بیٹھ کر میں نے کار آگے بڑھائی اور پورٹیکو میں روک دی۔

لڑکی میری اس حرکت سے متوحش نظر آ رہی تھی۔ اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ "تم بڑے سکون سے اندر چلی جاؤ اور بے فکر رہو' تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔" میں نے اترتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے خاموشی سے میری ہدایات پر عمل کیا پھر میں نے پچھلا دروازہ کھول کر چوکیدار کو باہر گھسیٹ لیا اور کندھے پر لاد کر لڑکی کے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گیا۔

بڑا خوبصورت ہٹ تھا۔ تعیشات کے ہر سامان سے آراستہ۔ چوکیدار کو لیے ہوئے میں تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ اندر پہنچ کر میں چوکیدار کو چھپانے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگا----- پھر مجھے ایک دو چھتی نظر آ گئی۔ میں نے چوکیدار کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دو چھتی میں ٹھونس دیا لیکن اس سے قبل میں' اس کی کنپٹی پر ایک دو ہاتھ مارنا نہیں بھولا تھا۔ اب وہ چار گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں۔ لڑکی طرف متوجہ ہوا جو میرے قریب ہی آ کھڑی ہوئی تھی۔ "کیا تم اس ہٹ میں پہلے بھی آ چکی ہو؟"

"جی ہاں----- دو تین بار-----" لڑکی نے بمشکل جواب دیا۔

"کتنے کمرے ہیں' اس ہٹ میں؟"

"تین----- درمیان میں ایک بڑا ہال ہے۔"

"ٹھیک ہے' ڈیئر! اب تم ایسا کرو کہ کسی کمرے میں جا کر خود کو اندر سے بند کر لو۔"

"پ-----پرنس! خدا کے واسطے اپنی حفاظت کیجیے ورنہ میں مس اینجل کو منہ نہ دکھا سکوں گی۔"

"تم فکر مت کرو' ڈیئر! میں نے جو کچھ کہا ہے بس اس پر عمل کرو۔ یہ تمھارا میرے ساتھ بہترین تعاون ہو گا۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اس نے ایک کمرے میں داخل ہو کر اندر سے چٹخنی لگا لی۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور تیزی سے اس عمارت کا جائزہ لینے لگا۔ کچن تھا۔ دو باتھ روم تھے۔ باقی دو کمرے بھی بیڈ رومز کی حیثیت رکھتے تھے۔ درمیان میں ایک بڑا ہال تھا۔ ایک راہداری تھی جس کا دروازہ عقب میں بھی کھلتا تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ لوگ عمارت میں

داخل ہونے کے لیے عقبی راستہ ہی استعمال کریں گے۔ میں جنگ کی صورت حال کے لیے ایک نقشہ ترتیب دے لینا چاہتا تھا۔ خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو بہرحال مجھے سب سے نمٹنا تھا۔ چنانچہ میں عقبی دروازے کے قریب کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے ان پر نگاہ رکھ سکوں۔

اچانک ہی راہداری کے دوسرے سرے پر مجھے ایک دوچھتی نظر آگئی۔ دوچھتیاں یہاں اسٹور روم کی کمی پوری کرنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ میں اچھل کر دوچھتی پر چڑھ گیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ یہاں کچھ ٹوٹی ہوئی کرسیاں' بید کے مونڈھے اور ایسا ہی کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ رسی کا ایک لچھا بھی نظر آیا۔ سمندر میں تیرنے کے لیے کچھ ٹیوبس بھی پڑی---- تھیں۔ مجھے لوہے کی راڈ بھی مل گئی جس کی لمبائی تقریباً" تین فٹ تھی۔ یہ راڈ میرے کام کی چیز تھی۔

میں دوچھتی پر پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ میرا رخ دروازے ہی کی سمت تھا۔ آڑ کے لیے میں نے کچھ ٹوٹا پھوٹا سامان اپنے آگے رکھ لیا۔ اب میں عقبی سمت سے داخل ہونے والے کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا لیکن آنے والے کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

چند لمحوں بعد مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں قدموں کی آوازوں پر کان لگائے' یہ اندازہ کرتا رہا کہ آنے والے کتنے ہیں۔ جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ وہ صرف ایک آدمی ہے۔ غالباً" وہ چاروں طرف پھیل کر مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ اس طرح میں بہ آسانی ان سب سے نمٹ سکتا تھا۔

اسی وقت راہداری کے ایک دروازے پر ایک آدمی نمودار ہوا۔ چست لباس اور چہرے مہرے ہی سے وہ کوئی پیشہ ور غنڈہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا وہ محتاط نظروں سے راہداری کا جائزہ لے رہا تھا---- پھر وہ راہداری میں آگیا۔ اب وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا اور حتی الوسیع کوشش کر رہا تھا کہ اس کے قدموں کی آہٹ نہ ہونے پائے۔ اس کا رخ دوچھتی کی طرف ہی تھا۔

میرے جسم میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ میں نے لوہے کی راڈ کو مضبوطی سے تھام لیا اور دوچھتی کے کنارے کی طرف سرکنے لگا۔ غالباً" اسے سرسراہٹ کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم رک گیا اور پلٹ کر عقبی دروازے کی سمت دیکھنے لگا---- پھر وہ بدبخت میری طرف کھسک آیا۔ غالباً" دیوار سے لگ کر کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میرا ہاتھ---- تیزی سے گھوما اور راڈ اس کی کنپٹی پر پڑی۔ وہ مڑ کر اپنے حملہ آور کو دیکھنے کی حسرت لیے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

میں دوچھتی سے کود کر نیچے آگیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کی کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔ راڈ کی ضرب اتنی شدید تھی کہ مجھے یقین تھا کہ اب وہ دوبارہ مزاحمت کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ میں نے اسے بھی چوکیدار کی طرح اٹھا کر دوچھتی پر ڈال دیا---- اور اس کا پستول اٹھا لیا۔ اب میرے ایک ہاتھ میں پستول اور ایک ہاتھ میں راڈ تھی---- میں دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔

دفعتہ" کسی دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور میرا ذہن ایک لمحے کے لیے اس طرف مبذول ہو گیا۔ یقیناً یہ دستک اسی کمرے کے دروازے پر دی جا رہی تھی جس میں لڑکی تھی۔ وہ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ گویا اب اس طرف کسی کے آنے کا امکان نہ تھا۔

میں تیزی سے اس طرف بڑھنے لگا جہاں دستک دی جا رہی تھی۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دو آدمی بڑے محتاط انداز میں دستک دے رہے تھے۔ وہاں قرب و جوار میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں میں خود کو چھپا سکتا۔

ایک لمحے تک میں سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے۔ غالباً" اب وہ لوگ خود کو ظاہر کر دینے پر آمادہ تھے۔ لہٰذا میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ خود کو ظاہر کر دوں۔

لوہے کی راڈ پوری قوت سے میرے ہاتھ سے نکلی اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی۔ اس کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔ دوسرے نے پھرتی سے پلٹ کر فائر جھونک مارا لیکن اسے اپنے ہدف کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اب میرے پاس بھی فائر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی پنڈلی کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ میں بلاوجہ انھیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ شہباز فورترے اپنے ساتھ' سیٹھ جبار کے آدمیوں کی بجائے کرائے کے غنڈے ہی لایا ہے۔ میری گولی' اس کی پنڈلی کی ہڈی کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا اور وہ پنڈلی کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اسی وقت دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر اندھا دھند فائرنگ کی جانے لگی۔ وہ لوگ مجھے دیکھ نہیں سکے تھے لیکن فائرنگ کر کے مجھے خوف زدہ کرنا چاہتے تھے۔

میں وہیں ایک ستون کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آنے والے دو تھے---- ان میں سے ایک دبلے پتلے جسم کا مالک تھا اور دوسرا قدرے بھاری جسامت والا---- وہ چہرے سے غیر ملکی معلوم ہوتا تھا اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ شہباز فورترے تھا۔

وہ دونوں' ان زخمیوں کے پاس آکر رک گئے۔ شہباز فورترے نے اپنے اطراف کا

جائزہ لیا اور پھر ایک سمت میں چلانگ لگا دی----- غالباً" اسے میری پوزیشن کا اندازہ
گیا تھا۔ دوسرا آدمی متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا----- پھر اس سے قبل
کہ وہ، شہباز فورترے کی تقلید کرتا، میری گولی کا نشانہ بن گیا۔ گولی نے اس کی ران کی ہڈ
توڑ دی اور بھی گر کر اپنے کراہنے والے ساتھیوں میں شامل ہو گیا۔

اب مجھے ان کی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ اپنے ہی کرب کا شکار ہو چکے تھے۔ البتہ شہب
فورترے ایک مناسب آڑ لے کر، اس ستون پر فائرنگ کر رہا تھا جس کے پیچھے میں چھپا ہ
تھا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ ستون زیادہ دیر تک میری حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس
لیے میں کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کرنے لیے آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگا۔ درحقیقت
صورت حال بڑی نازک تھی----- اگر شہباز فورترے بدحواس نہ ہو جاتا تو وہ بہ آسا
مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں کھسکتا ہوا کافی پیچھے ہٹا اور پھر ایک چبوترے سے نیچے کود گیا۔

شہباز فورترے نے صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا۔ لہٰذا اس نے بھی پوزیشن بدل
دی اور ستون کی آڑ لیے ہوئے میری طرف بڑھنے لگا۔

اس کے چبوترے سے کودنے کی آہٹ سنی تو میں چالاکی سے کام لے کر دوبار
چبوترے پر چڑھ گیا اور سینے کے بل لیٹ کر سانپ کی طرح، اس طرف کھسکنے لگا جس طرف
وہ کودا تھا۔ میں نے اسے چبوترے کے کونے سے دوسری جانب مڑتے دیکھا۔

جب اس نے دوسری سمت میں بھی مجھے نہ پایا تو رک گیا اور متحیرانہ نظروں سے
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں نے فائر کرنے کی بجائے اس کے پیچھے پیچھے چلنا مناسب سمج
اور چبوترے سے اتر کر بلی کی طرح چلتے ہوئے اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ اب ہمار
درمیان صرف چبوترے کا کونہ حائل تھا----- اور شہباز فورترے گردن جھکائے چبوتر
کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

میں نے چند قدم آگے بڑھ کر اس پر چھلانگ لگا دی لیکن شاید میرا سایہ اسے محسو
ہو گیا تھا۔ اس نے پھرتی سے پلٹ کر مجھ پر فائر جھونک دیا۔ گولی میرے لباس کو چھوتی ہو
گزر گئی----- لیکن شاید اس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔ اگر اس کے پستول میں
ایک گولی اور ہوتی تو اب تک میری کہانی ختم ہو چکی ہوتی۔ اس نے فوراً" ہی دوسرا فائر ک
لیکن پستول سے صرف ٹرچ کی آواز نکل کر رہ گئی

شہباز فورترے نے جھنجلا کر پستول مجھ پر کھینچ مارا جو میرے سر پر سے ہوتا ہوا
دوسری جانب جا گرا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک طرف چھلانگ لگا دی لیکن بھلا اب

ں اسے کہاں جانے دیتا۔ میں نے اپنے پستول سے اس پر ایک فائر کیا اور غرائی ہوئی آواز
ں بولا۔

"رک جاؤ، شہباز فورترے! میرا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا۔"

اسے شاید احساس ہو گیا تھا کہ دوڑنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ چنانچہ وہ رک گیا
ر میری طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔

"دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔" میں نے کہا اور اس کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ میں اس سے
ند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

اس کی آنکھیں بے حد خطرناک تھیں۔ گول اور چھوٹی چھوٹی جن میں سانپ کی
نکھوں کی طرح مقناطیسی کشش تھی۔ جبڑے بھاری اور بھنچے ہوئے تھے۔

"تو تم ہی پرنس دلاور ہو؟" وہ بولا۔

"ہاں----- تمہارے آدمی تو جہنم رسید ہو چکے۔ کیا خیال ہے اب تم ہی سے کیوں
، باتیں کی جائیں؟"

"کیسی باتیں-----؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ تم، مجھے یہاں گھیر کر قتل کرنے آئے تھے اور اب ہم دونوں آمنے
امنے ہیں تو کیوں نہ تھوڑا سا تبادلہ خیال کر لیں۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو یہ
وشش بھی کر دیکھو، شاید کامیاب ہو جاؤ۔"

"میرے پستول میں گولیاں ختم ہو چکی ہیں، پرنس دلاور!"

"لیکن تمہاری جیب میں ضرور ہوں گی۔" میں نے کہا

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے پاس کارتوس موجود ہیں لیکن پستول بھی میرے
تھ سے نکل چکا ہے۔"

"ہوں----- تو اب کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اگر گفتگو ہی کرنی ہے تو آؤ کسی مناسب جگہ چلتے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں پہلے تمہاری تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے
تمہارے پاس کوئی دوسرا پستول موجود ہے۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ مزید بلند کر دئے۔" میں اسے کور کیے
وئے گھوم کر اس کی پشت پر پہنچ گیا۔

جونہی میں نے ایک ہاتھ سے اس کی تلاشی لینے کی کوشش کی اس کا ایک ہاتھ
مخصوص انداز میں پیچھے کی جانب گھوما۔ یہ سیوکا تا تھا جسے جوڈو اور کراٹے کا کافی ماہر ہی

استعمال کر سکتا تھا۔ اب اس کا توڑ یقینی طور پر صرف فری اسٹائل ہی تھا۔ سبوکاتا کے
کے ذریعے اس نے میری کلائی اور بغل پھنسالی۔ یہ وہ ہاتھ تھا جس میں پستول تھا۔ اس
جھٹکے سے پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا۔۔۔۔۔ لیکن وہ سبوکاتا کے بل پر مجھے اٹھا
سکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی ٹانگ اس کی ٹانگوں میں پھنسائی اور ایک زو
بل دے کر اسے گرا دیا۔ گرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے اور میری کلائی
کی گرفت سے آزاد ہوگئی۔ میں نے اچھل کر دونوں پاؤں اس کی رانوں پر مارے۔

شہباز فورترے حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر الٹ گیا۔ میں نے اس کی پسلیوں
ٹھوکریں لگائیں۔ اسی اثنا میں وہ پھر سیدھا ہوگیا۔ اب اس کے چہرے پر کسی قدر خوف
آثار نظر آنے لگے تھے۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ مد مقابل بھی مارشل آرٹس کا ماہر۔

اس نے دوسری ضرب کھانے کے بعد اپنے بدن کو سمیٹا اور دونوں گھٹنے اوپر
وئے۔ میں نے اچھل کر اس کے گھٹنوں پر پیر رکھے اور الٹی قلا بازی کھا گیا۔ ش
فورترے نے اپنے گھٹنے موڑے اور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ میری اس مسکراہٹ نے اس پر جلتی پر تیل ک
کیا۔

اس نے دھاڑ کر کراٹے کا پوز بنالیا۔ میں نے بھی اپنا پستول اٹھانے کی کوشش
کی لیکن میری نگاہ اس پر تھی کیونکہ شہباز فورترے کسی وقت بھی اس پر جھپٹ سکتا
میں نے سوچ لیا تھا کہ موقع ملتے ہی اسے ٹھوکر سے کسی طرف اچھال دوں گا۔ کیونکہ
میں اسے اٹھانے کی کوشش کرتا تو شہباز فورترے مجھ پر حاوی ہو جاتا۔ خاصا چس
چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ خاصی دیر تک پینترے بدلتا رہا پھر اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ اس کی ٹا
مختلف انداز میں گردش کرتی ہوئی میرے سر کی جانب بڑھی تھیں لیکن پھر اسے خود
اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ میرے سر پر سے اچھل کر دور کیسے جا گرا۔

شہباز فورترے ایک بہترین کراٹے ماسٹر تھا۔ زمین پر گرتے ہی وہ یوں اٹھ کھڑا ہو
جیسے وہ زمین تک پہنچا ہی نہ ہو۔ اس کے بعد وہ پھر اچھلا اور اس کی دونوں ٹانگیں
طرف آئیں لیکن میں نے اب پہلے والا داؤ آزمانے کی بجائے اس کے گھٹنوں پر کھ
ہتھیلیوں کی ضرب لگا کر اسے الٹ دیا اور اچھل کر ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر ر
کی۔ میری فلائنگ کک بھرپور پڑی تھی اس سے فوراً ہی نہیں اٹھا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا تو میں نے بڑھ کر اس کے لات رسید کر دی۔ وہ

گر پڑا۔ میں نے ایک اور ضرب لگائی تو اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ میں جب
دوبارہ اس کی طرف بڑھا تو وہ ایک ہاتھ اٹھا کر گھگھیایا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ پلیز' نہیں۔۔۔۔۔ میں شکست تسلیم کر چکا ہوں۔"

"گڈ۔۔۔۔۔ تو آؤ' بیٹھ کر باتیں کریں۔"

میں نے اپنا پستول اٹھا کر جیب میں رکھا اور شہباز فورترے کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا
کر دیا۔ اس سے بہ مشکل چلا جا رہا تھا۔ لیکن میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ میں
اسے سیڑھیوں سے چبوترے پر لایا پھر ہم' راہداری سے گزرتے ہوئے ہال میں پہنچ گئے۔

"شہباز فورترے! تمہارے چار آدمی ہلاک یا زخمی ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ
تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھی طرح سوچ کر بتاؤ۔ اگر جھوٹ ثابت ہوا تو میں' تمہاری زندگی کی ضمانت نہ
دے سکوں گا۔"

"نہیں کوئی نہیں ہے۔"

"اب یہ بتاؤ' تم میرے پیچھے کیوں آئے تھے؟"

"تمہیں قتل کرنے۔"

"سیٹھ جبار کے حکم سے؟"

"ہاں۔۔۔۔۔"

"کیوں۔۔۔۔۔؟"

"میں اس کا ملازم ہوں اور صرف اس کے احکامات کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔"

"اور وہ لڑکی جسے مجھے یہاں لانے کے لیے بھیجا گیا تھا؟"

"وہ بھی سیٹھ جبار کی ملازم ہے۔"

"اینجل کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کے بارے میں صرف سیٹھ جبار جانتا ہے۔"

"اسے کہاں قید رکھا گیا ہے؟"

"میں نے کہا نا۔۔۔۔۔ میں سیٹھ جبار کا ملازم ہوں۔ لہٰذا ان کے ذاتی معاملات سے
میرا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو اب یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

"جس طرح تم مناسب سمجھو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

میں چند لمحوں تک گال کھجاتا رہا پھر بولا۔ "بہر حال' اب میں------ تمہیں سیٹھ جبار کے ہاتھوں میں نہیں جانے دوں گا۔ کیونکہ تم اس کے خلاف میرے لیے ایک بہترین گواہ ہو۔"

"مم------ میں مطلب نہیں سمجھا؟"

"سنو------" میں چند قدم آگے بڑھا پھر میں نے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے اس کی گردن کی مخصوص رگوں پر رسید کر دیئے۔ اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ دوسری ضرب اس کی گدی پر پڑی تو اس کے ہوش میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا------ پھر میں اس دوچھتی کی طرف گیا جس پر میں نے ایک غنڈے کو بے ہوش کر کے ڈالا تھا۔ وہ اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ میں دوچھتی پر سے رسی کا لچھا اٹھا لایا اور شہباز فورترے کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیے------ پھر میں اس دروازے کے قریب پہنچا جہاں تین افراد بے ہوش پڑے تھے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔

"لڑکی دروازہ کھولو۔ میں پرنس دلاور بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اب دروازہ کھول دو' لڑکی! خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا۔

لڑکی کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے کے سامنے پھیلا ہوا خون دیکھا تو چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ڈرو نہیں------" میں نے کہا۔ "یہ سیٹھ جبار کے آدمی ہیں۔"

"پپ------ پرنس------ آپ نے انھیں ہلاک کر دیا؟"

"نہیں------ کرائے کے غنڈوں کو قتل کرنا میں پسند نہیں کرتا۔ میں نے انھیں صرف زخمی کیا ہے؟"

"اوہ------ میرے خدا------" لڑکی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

"تم باہر آؤ۔" میں نے کہا اور لڑکی کمرے سے نکل آئی------ وہ وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ "ڈرو نہیں' ڈیئر! اب یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اور وہ------ وہ------ میرا مطلب ہے------ شہباز فورترے------؟"

"وہ بھی ہال میں بے ہوش پڑا ہے۔ آؤ تمہیں دکھاؤں۔" میں نے کہا اور اسے لیے ہوئے ہال میں آ گیا۔ شہباز فورترے اسی طرح اوندھا پڑا تھا۔ لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"گویا------ گویا' پرنس! آپ نے------؟"

"ہاں ڈیئر! اس سلسلے میں میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا------ ورنہ ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی کامیاب ہی ہو جاتا۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔" میں نے کہا۔ "تم یہ بتاؤ کہ اب تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"مم------ میں کیا بتاؤں' پرنس؟" لڑکی روہانسے لہجے میں بولی۔

"سنو لڑکی! میں تمہاری زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر سیٹھ جبار کی طرف سے تمہیں یہ خطرہ ہو کہ وہ تمہیں اس ناکامی کی سزا دے گا تو میں تمہیں اپنے ساتھ لیے چلتا ہوں------ اور اگر تم یہ محسوس کرتی ہو کہ کوئی بات بنا کر سیٹھ جبار کو مطمئن کر لو گی تو پھر تم جس طرح چاہو' یہاں سے جا سکتی ہو۔"

لڑکی چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی' پرنس! میرے والد اور بھائی' سیٹھ جبار کے لیے کام کرتے ہیں۔ اگر میں غائب ہو گئی تو سیٹھ جبار کو مجھ پر شبہہ ہو جائے گا اور وہ ان لوگوں کو نقصان پہنچائے گا۔"

"ٹھیک ہے' جیسی تمہاری مرضی------ لیکن یہ بتاؤ کہ یہاں کے بارے میں انھیں کیا بتاؤ گی؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں' پرنس!"

"اس کے لیے ہمیں ڈرامہ ترتیب دینا ہو گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا پرنس؟"

"میں تمہارے چہرے پر دو چار خراشیں ڈال دوں گا' تمہارے بال الجھا دوں گا' ایک دو جگہ سے لباس پھاڑ کر تمہارے ہاتھ پشت پر باندھ دوں گا۔ تاکہ سیٹھ جبار تمہاری طرف سے مشکوک نہ ہونے پائے۔ کیا خیال ہے؟"

"ہاں ایسا ضرور کریں پرنس! اس طرح میں شک و شبے سے بالاتر ہو جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور خواہ مخواہ اس بے چاری لڑکی پر ظلم کرنا شروع کر دیا------ لیکن یہ ظلم' اس کی بھلائی کے لیے تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر کئی خراشیں ڈال دیں۔ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"سوری ڈیر! یہ تمہاری زندگی کے لیے ضروری تھا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پھر میں نے اس کا ایسا حلیہ بنا دیا جیسے بڑی جدو جہد کے بعد اس پر قابو پایا گیا ہو
اس کے بعد میں نے اس کے ہاتھ پشت پر اس طرح کس دیئے کہ اگر وہ کوشش کرے
کھل جائیں۔

"مجھے یقین ہے' سیٹھ جبار کو جب اس کارروائی کی رپورٹ نہیں ملے گی تو وہ یہا
کسی نہ کسی کو ضرور بھیجے گا اور آنے والے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے----- لی
اگر تم دیکھو کہ کوئی نہیں آیا ہے اور تم تکلیف دہ مراحل میں داخل ہو گئی ہو تو اپنے ہا
کھول لینا اور کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔"

"ٹھیک ہے' میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گی۔ ویسے آپ کا شہباز فورترے ے
بارے میں کیا پروگرام ہے؟"

"میں اسے اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ تم کوئی بھی کہانی گھڑ کر سیٹھ جبار کو مطمئن
دینا۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ اب میں صورت حال کو کسی نہ کسی حد تک سنبھال لوں گی۔"

میں نے شہباز فورترے کو کندھے پر ڈالا اور لڑکی کو خدا حافظ کہہ کر' اپنی کار ے
قریب پہنچ گیا----- پھر میں نے شہباز فورترے کو کار کی ڈگی میں ٹھونسا اور ڈگی مقفل ک
دی۔ اس کے بعد اطمینان سے کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑا۔

سیٹھ جبار بہت چالا آدمی تھا۔ فریدہ کو میرے سامنے لانے کے بعد وہ محتاط ہو گ
تھا----- اور اس نے بھی میرے انداز میں سوچ کر فیصلہ کر لیا ہو گا کہ اب اینجل (
سامنے لانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میں اس کی ذہنی پہنچ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ ا
نے اس مرحلے پر بھی مجھے شکست دی تھی۔ اگر اینجل میرے قبضے میں آ جاتی تو یقینی طور
میں اس کے عوض فریدہ اور امی کو واپس لے لیتا----- اب اس نے اینجل کے تحفظ
معمولی بندوبست نہ کیا ہو گا۔

راستے بھر میں یہی باتیں سوچتا آیا تھا۔ ویسے میں نے اطراف پر بھی نگاہ رکھی تھ
اب میرے پاس اتنے وسائل ہو گئے تھے کہ میں' سیٹھ جبار کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن ا
ہلاک کر دینے کا مقصد تھا کہ میں امی اور فریدہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ پتہ نہیں اس موذی
ان دونوں کو کہاں چھپا رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں کوٹھی پہنچ گیا۔ وہاں کے حالات معمول پر تھے۔ میں نے طاہر ا
اعظم کو ہدایت کی کہ ڈگی میں بند بے ہوش آدمی کو نکال کر تہہ خانے میں پہنچا دیں۔ طا
اور اعظم متحیرانہ انداز میں چابی لے کر کار کی طرف بڑھ گئے اور میں اندر آ گیا۔

تھوڑی دیر تک میں اپنی خواب گاہ میں بیٹھا سوچتا رہا پھر میں نے عدنان کو فون پر
طلب کیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ' میرے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو' پرنس! کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ عدنان! کوئی خاص بات تو نہیں؟"

"جی نہیں۔ راکیش نے امی کی تصویر' مجھے دے دی تھی۔ وہ آپ کا انتظار کرتا رہا
جب آپ سے ملاقات نہ ہو سکی تو وہ' میرے پاس پہنچ گیا تھا۔" عدنان نے بتایا۔

"اوہ----- دکھاؤ۔" میں نے کہا اور عدنان نے رول کی ہوئی تصویر میرے سامنے کر
دی----- میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔ بہت عرصے کے بعد امی کی تصویر نگاہوں
کے سامنے آئی تھی۔ میں دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا۔ دل بھر بھر آ رہا تھا لیکن میں نے خود
کو سنبھالا اور تصویر' عدنان کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

"عدنان! اس کی دو تین کاپیاں مجھے بھی بھجوا دینا۔"

"گویا یہ تصویر مناسب ہے؟"

"ہاں----- راکیش واقعی اپنے فن کا ماسٹر ہے۔ اسے ان تصویروں کی منہ مانگی
قیمت دے دو۔"

"شکریہ جناب! میں نے اپنی کارروائیوں کو اب تک اسی لیے ملتوی کر رکھا تھا کہ امی
کی تصویر بھی مل جائے۔"

"مگر اب تم کیا کرو گے' عدنان؟"

"ان تصویروں کی کاپیاں بنوا کر ممکنہ جگہوں پر پھیلا دوں گا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں
پرنس! مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ امی اور فریدہ ایک نہ ایک دن ہمیں ضرور مل
جائیں گی۔"

"شکریہ عدنان! ویسے اس دوران میں کچھ اور واقعات بھی ظہور پزیر ہوئے ہیں۔"

"وہ کیا' جناب؟"

"شاید تمہیں علم ہو گا کہ گزشتہ روز میں' سیٹھ جبار کے ہاں مدعو تھا۔"

"جی ہاں' مجھے علم ہے۔"

"سیٹھ جبار سے میری گفتگو ہوئی ہے۔ اسے اب اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ میں
پرنس دلاور نہیں بلکہ منصور ہوں لیکن اب تک وہ یہ پتہ نہیں چلا سکا ہے کہ میں منصور
سے پرنس دلاور کیسے بن گیا----- بہر طور' سیٹھ جبار نے خود کو بیمار ظاہر کر کے مجھ سے
تنہائی میں ملاقات کی پھر اس نے ایسی حرکت کی جس نے میرے دل و دماغ کو تہہ و بالا کر

دیا---- اس نے دور سے مجھے فریدہ کی جھلک دکھائی۔ میں اوپر اس کے کمرے میں تھا اور فریدہ نیچے لان میں---- اس سے کم از کم یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ فریدہ زندہ ہے اور وہ دونوں، اسی منحوس کے قبضے میں ہیں۔ میں نے سیٹھ جبار سے اپنے منصور ہونے کا اعتراف نہیں کیا اور فریدہ کے مسئلے کو بھی طرح دے گیا۔"

"گویا، اس نے فریدہ کو آپ کے سامنے پیش کر کے، آپ کی اصلیت جاننا چاہی تھی؟" عدنان غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"ہاں میں نے طویل عرصے کے بعد اپنی بہن کو دیکھا تھا---- تم نہیں سمجھ سکتے کہ میری کیا کیفیت ہوئی ہو گی---- لیکن میں جانتا ہوں کہ اب اسے سیٹھ جبار سے حاصل کرنا زیادہ مشکل کام نہیں---- اسی سلسلے میں، آج میں نے اس کی بیٹی اینجل کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سیٹھ جبار چالاک آدمی ہے۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ فریدہ کو دیکھ لینے کے بعد میں، اسے حاصل کرنے کے لیے کیا قدم اٹھاؤں گا۔ لہٰذا اس نے اینجل کو قید کر دیا اور اس کی جگہ، ایک دوسری لڑکی نے فون پر مجھ سے گفتگو کی۔" پھر میں نے عدنان کو اب تک کے تمام واقعات بتا دیئے۔

"اوہ پرنس! آپ نے یہ سب کچھ تنہا ہی کر ڈالا۔ افسوس کہ میں، آپ کے ساتھ نہ ہوا اور میں اس بات پر بھی افسردہ ہوں کہ فریدہ آپ کے سامنے آ کر دوبارہ اس کے قبضے میں پہنچ گئیں۔ کاش! ہم لوگ بھی وہاں ہوتے تو سیٹھ جبار کو دوبارہ کامیاب نہ ہونے دیتے۔"

"اگر مجھے، اس کی امید ہوتی تو میں یقیناً" کوئی بندوبست کر کے چلتا---- بہرطور، عدنان! ہر کام کا ایک وقت متعین ہے۔ میری تسلی کے لیے یہی کافی ہے کہ فریدہ زندہ ہے اور بہتر حالت میں ہے۔ اب اس کے خاص آدمی شہباز فورترے کو میں تمھاری تحویل میں دینا چاہتا ہوں۔ وہ سیٹھ جبار کے خلاف ہمارے پاس ایک بہترین ثبوت ہے۔"

"میں تو اس سے اور بھی کام لوں گا لیکن اب فریدہ کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"کچھ نہیں---- ابھی صبر سے کام لینا ہو گا۔ ابھی تقدیر ساتھ نہیں دے رہی ہے---- لیکن کب تک؟ میں کبھی نہ کبھی اینجل کو ضرور اغوا کر لوں گا---- اور پھر فریدہ اور امی کو حاصل کر لینا نہایت آسان ہو گا۔"

"میں خود بھی اینجل کو تلاش کروں گا، پرنس! میرے لیے اور کوئی ہدایت ہو تو فرمائیے۔"

"نہیں فی الحال اور کچھ نہیں۔ تم اپنے طور پر کام جاری رکھو۔ شہباز فورترے کو لے

جاؤ---- لیکن کہاں رکھو گے؟"

"اس کی آپ فکر نہ کریں---- بس اسے میرے حوالے کر دیجیے۔"

"ٹھیک ہے، آؤ۔" میں نے کہا اور اسے لے کر تہہ خانے میں پہنچ گیا۔

شہباز فورترے ہوش میں آ چکا تھا اور ایک کاؤچ پر بیٹھا، خلا میں دیکھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر چونک پڑا---- پھر عدنان کو میرے ساتھ دیکھ کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کے ہاتھ ہنوز---- پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو، پرنس دلاور؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جہنم میں، ڈیئر فورترے---- اور اب تم میرے دوست کی تحویل میں رہو گے۔ سیٹھ جبار کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو، بتا دینا ورنہ مجھے، تمھاری زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔" میں نے کہا۔

شہباز فورترے گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔

عدنان نے اس کے قریب پہنچ کر، اس کی کنپٹی پر گھونسہ رسید کر دیا اور شہباز فورترے پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا---- پھر عدنان اسے لاد کر باہر نکل آیا۔ اس نے بھی شہباز فورترے کو ڈکی ہی میں ٹھونسا تھا۔ شہباز فورترے کے لیے سفر کی یہ بہترین جگہ تھی۔

عدنان رخصت ہو گیا---- اور میرے ذہن میں بہت سے خیالات آتے رہے۔

شام کو تقریباً" چار بجے، فینی نے مجھے، غلام پور سے ٹرنک کال کی اطلاع دی۔ میں پھرتی سے فون پر پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے، تغلق خان کی آواز سنائی دی۔

"پرنس! خان بول رہا ہے۔"

"ہاں کہو---- تغلق خان! خیریت سے تو ہو؟"

"جی ہاں، پرنس! کل رات ساڑھے آٹھ بجے وہ یہاں پہنچ رہی ہے۔"

"اوہ---- کیا تصدیق شدہ اطلاع ہے؟"

"جی ہاں----" تغلق خان نے جواب دیا۔

"تم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی، تغلق خان؟"

"جہاں آپ حکم دیں، پرنس!"

"تو پھر ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں---- اور ملاقات کے لیے وہی جگہ مناسب رہے گی جہاں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

"ٹھیک ہے، پرنس! آپ کب تک پہنچ رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے، کل دن میں کسی وقت---- یا تم کہو تو آج ہی پہنچ جاؤں۔"

"اگر آج پہنچ جائیں تو اچھا ہی ہے۔ کل میں مصروف رہوں گا ممکن ہے' ملاقات نہ ہو سکے۔ آج رات گیارہ' بارہ بجے کے درمیان' میں اسی جگہ منتظر رہوں گا جہاں پہلے ملاقات ہوئی تھی۔"

"او۔ کے! میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور تغلق خان نے فون بند کر دیا۔

پرنس فورسیا آ رہی تھی۔ ابھی تک اس کے بارے میں' میں نے کوئی پروگرام ترتیب نہیں دیا تھا۔ پرنس فورسیا اگر ہمارے قبضے میں آ جائے تو یہ بھی سیٹھ جبار پر ایک کاری ضرب ہو گی کیونکہ اس نے زبردست انتظام کیا تھا اور وہ اس کی کاروباری شخصیت تھی۔

میں نے اس سلسلے میں عدنان سے بھی مشورہ کر لینا مناسب سمجھا۔ فون کیا تو وہ وہاں موجود نہ تھا البتہ دوسری طرف سے نمبر بتا دیئے گئے کہ یہاں رنگ کر لیا جائے۔ میں نے ان نمبروں پر فون کیا تو عدنان سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"میں دلاور بول رہا ہوں۔"

"حکم' پرنس! خیریت تو ہے' نا؟"

"ہاں' ایک بار پھر تم سے ملاقات کی ضرورت پیش آ گئی ہے---- ٹیلی فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ ویسے نمبر کہاں کا ہے؟"

"میری ایک پرائیویٹ رہائش گاہ کا' پرنس!" عدنان نے جواب دیا۔

"تو تم پہنچ رہے ہو؟"

"پندرہ منٹ بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں عدنان کا انتظار کرنے لگا۔ عدنان وقت کا پابند تھا۔ وہ ٹھیک سولہویں منٹ پر میرے سامنے پہنچ گیا۔

"یقیناً کوئی خاص بات ہی ہو گی جس کے لیے آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"ہاں' پرنس فورسیا کل رات ساڑھے آٹھ بجے پہنچ رہی ہے۔"

"کہاں---- غلام پور میں؟"

"ہاں' میں تمہیں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"ذرائع اطلاعات کیا ہیں' پرنس؟"

"تغلق خان-----"

"اس کا مطلب ہے' اطلاع اطمینان بخش ہے مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے' پرنس! کہ ہم اس سلسلے میں کیا کریں گے؟"

"کچھ سوچنا ہو گا' عدنان! میرا خیال ہے' دوسرے پروگرام کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر

ویسے شہباز فورترے صحیح حفاظت میں ہے؟"

"بالکل' پرنس! آپ اس کی طرف سے بے فکر رہیں۔ میں اپنے فوری پروگرام ملتوی کر دیتا ہوں اور اس سلسلے میں ہم کوئی بہتر لائحہ عمل ترتیب دے لیتے ہیں۔"

"لیکن وقت بہت کم ہے' عدنان! میں آج ہی کسی وقت وہاں روانہ ہو جاؤں گا۔ رات گیارہ بارہ بجے کے دوران مجھے تغلق خان سے ایک مخصوص جگہ ملاقات کرنی ہے۔"

"تب پھر یوں کیجیے' پرنس! آپ روانہ ہو جایئے۔ میں کچھ انتظامات کر کے وہیں' آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔"

"وہاں ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تاج محل ہے۔ تم وہیں میرے پاس پہنچ جانا۔"

"آپ وہاں کس نام سے مقیم ہوں گے؟"

"ہوٹل کے رجسٹر میں' میں اپنا نام شیخ خاور درج کراؤں گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' میں کل وہیں آپ سے ملاقات کروں گا۔"

"او۔ کے-----" میں نے جواب دیا----- پھر عدنان کے رخصت ہونے کے بعد میں تیاری میں مصروف ہو گیا۔

شام چھ بجے میں مکمل تیاریوں کے ساتھ' غلام پور کے لیے روانہ ہو گیا سفر کے لیے میں نے کار ہی کا انتخاب کیا تھا۔ میک اپ بھی کر لیا تھا۔

بہر طور غلام پور کا راستہ بغیر کسی وقت کے طے ہو گیا اور میں ہوٹل تاج محل جا پہنچا۔ مجھے بہ آسانی دوسری منزل پر ایک کمرہ مل گیا جس کا نمبر پینتیس تھا۔ میں نے رجسٹر میں اپنا نام شیخ خاور ہی درج کرایا تھا۔

رات دس بجے میں نے ہلکا سا کھانا کھایا۔ چونکہ ابھی تغلق خان سے ملاقات کرنی تھی۔ نہ جانے اس سلسلے میں کیا بھاگ دوڑ کرنی پڑے۔ اس لیے وزن ہلکا رکھنا مناسب تھا۔

گیارہ بجے میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں چند روز قبل' ایک خطرناک شخص کا خاتمہ کیا تھا۔ کار بھی میں نے اسی جگہ کھڑی کی جہاں پچھلی دفعہ کھڑی کی تھی۔ تقریباً' ساڑھے گیارہ بجے' تغلق خان میرے پاس پہنچ گیا۔ حالانکہ میری کار' اندھیرے میں کھڑی تھی پھر بھی اس نے میری کار پہچان لی تھی۔ وہ میرے نزدیک کار روک کر اتر گیا۔ وہ تنہا ہی آیا تھا۔

"کیسے مزاج ہیں' پرنس!" وہ مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "میں تو آپ سے اس طرح کٹ کر رہ گیا ہوں کہ مجھے وہاں کے حالات بھی معلوم نہیں ہوتے۔ جبکہ میرا ذہن ہر وقت آپ ہی کی طرف لگا رہتا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں' تغلق خان! کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو'

میرے لیے ہی کر رہے ہو اور میں اسے بہت اہمیت دیتا ہوں۔"
"شکریہ پرنس! کیا خیال ہے۔ یہیں بیٹھ کر باتیں کریں یا کہیں اور چلیں؟"
"میرے خیال میں یہیں مناسب ہے۔ ویسے بھی سنسان جگہ ہے۔ کوئی دخل ا
کرنے والا نہیں۔"
"پرنس فورسیا، کل رات ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے آ رہی ہے۔ دارالحکو
بجائے وہ، شمالی گڑھ کے ہوائی اڈے پر اترے گی۔ شمالی گڑھ سے یہاں تک کا
بذریعہ کار آدھے گھنٹے سے زیادہ---- نہیں ہے۔ وہ نو یا سوا نو بجے تک غلام پو
جائے گی اور یہاں ہوٹل شانزے میں قیام کرے گی۔ شانزے میں چھ کمرے اس کے
مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلیاں بھی کر دی گئی ہیں۔"
"وہ کیوں-----؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"اس کی وجہ شاید چمن کی موت اور آنند سنگھ کے اڈے کی تباہی ہے۔ مجھے ہدای
تھی کہ میں، چمن کی موت کی تحقیق کروں اور میں نے اس سلسلے میں ایک رپورٹ
دی ہے کہ کچھ نامعلوم افراد---- آنند سنگھ کے اڈے میں داخل ہوئے اور قتل و
گری کر کے، ان قیدیوں کو چھڑا لے گئے جنھیں چمن لایا تھا۔ چمن لاپتہ ہے اور اس کی
جاری ہے۔ بہر حال، ابھی تک اس سلسلے میں مجھ سے اور کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ یوں
ہے جیسے سیٹھ جبار ذہنی طور پر بہت منتشر ہو۔ وہ کسی ایک طرف پوری توجہ نہیں دے
ہے۔"
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "لیکن چونکہ پرنس فورسیا کا مسئلہ ذرا
ہے، اس لیے اس کی توجہ اس طرف ضرور ہو گئی۔" میں نے کہا۔
"جی ہاں، اس نے مجھے نئی ہدایت بھجوائی ہے کہ میں بھی اپنی ساری توجہ پرنس
اور اس کے آس پاس کے ماحول پر رکھوں۔ کیونکہ وہ پر اسرار لوگ جو آنند سنگھ کے ا
کو تباہ کرنے کا باعث بنے ہیں، کچھ اور بھی کر سکتے ہیں۔"
"گڈ---- گویا سیٹھ جبار کو چمن اور آنند سنگھ کے معاملات کا پتہ چل چکا ہے؟
یقیناً پرنس! وہ اتنا بے خبر نہیں ہے۔"
"تم نے معلوم نہیں کیا کہ اس نے اس سلسلے میں کیا اقدامات کیے ہیں؟" میں
پوچھا۔
"نہیں جناب! یہ نہیں معلوم ہو سکا۔ ویسے سیٹھ جبار خاصا پریشان دکھائی دیتا ہے۔"
"دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے، تغلق خان! یہ بتاؤ، فورسیا کی کوئی تصویر

تمہارے پاس؟"
"جی ہاں---- مجھے فراہم کر دی گئی تھی۔ یہ ہے۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر
پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر نکالی۔
"کوئی کاپی ہے، اس کی؟"
"کاپی تو نہیں ہے لیکن اگر آپ رکھنا چاہیں تو رکھ لیں۔ اب اس کی کوئی خاص
ضرورت بھی نہیں ہے۔"
میں نے تصویر لے کر جیب میں رکھ لی۔
"اس کے علاوہ، پرنس! اس سلسلے میں چند معلومات ہیں---- ممکن ہے، آپ کے
کام آ جائیں۔ ہمارے جتنے آدمی وہاں موجود ہوں گے، وہ اپنے لباسوں پر گلاب کی تین تین
مصنوعی کلیاں لگائے ہوئے ہوں گے۔ یہ میرے ان آدمیوں کی نشانی ہے جو شانزے میں
فورسیا کے نگران ہوں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ یہ بھی تم نے اچھا کیا۔ انھیں بھی نگاہ میں رکھوں گا۔" میں نے جواب
دیا۔
"فورسیا کے بارے میں آپ نے کیا پروگرام ترتیب دیا ہے؟"
"تغلق خان! صورت حال کو جانے بغیر کوئی بڑا پروگرام نہیں بنایا جا سکتا۔ کسی طرح
بھی ہو، بس سیٹھ جبار کو اس سلسلے میں ناکام ہونا ہے---- فورسیا اپنے ہاتھ جو جواہرات
لا رہی ہے، وہ ہمارے پاس پہنچ جانے چاہئیں۔" میں نے کہا۔
"پرنس فورسیا کے ساتھ، پانچ آدمیوں کی آمد متوقع ہے جو اس کے باڈی گارڈز کے
فرائض انجام دیتے ہیں۔ یقیناً وہ اس کے ہم نسل ہی ہوں گے، انھیں بھی سنبھالنا ہو
گا---- ویسے اگر آپ کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ ہو تو مجھے آگاہ کر دیجئے تاکہ میں
بھی حتی الوسع، اس میں معاون ثابت ہو سکوں۔"
"تم صرف اتنا تعاون کرو، تغلق خان! کہ اپنے آدمیوں کو کنٹرول میں رکھو۔ میں، قتل و
غارت گری سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ تمہیں اپنے تحفظ کا بندوبست بھی کرنا ہے۔
فورسیا کے سلسلے میں ناکامی، تمہیں، سیٹھ جبار کے عتاب کا شکار بھی بنا سکتی ہے۔"
"آپ اس طرف سے بے فکر رہیں، پرنس! جب میں محسوس کروں گا کہ سیٹھ جبار
مجھ سے غیر مطمئن ہو گیا ہے تو میں، اسے چھوڑ دوں گا۔"
"مناسب---- میں تمہارا تحفظ بھی چاہتا ہوں۔"
"شکریہ، پرنس! ویسے اگر آپ کوئی موثر پروگرام ترتیب دے سکیں تو کل.. پھر ایک

بجے تک مجھے اس نمبر پر فون کر لیں۔" تغلق خان نے ایک کارڈ مجھے دیا۔

"مناسب ہے، میں تمہیں فون پر اطلاع دے دوں گا۔"

"اور کوئی حکم، پرنس!" تغلق خان نے پوچھا تو میں مسکرانے لگا۔

"نہیں ----- تغلق خان! تم نے جس طرح میرا ساتھ دیا ہے، میں اسے فراموش نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کس پائے کے آدمی ہو۔ میں صرف تمہارا شکریہ ہی ا کر سکتا ہوں۔"

"تغلق خان، آپ کا خادم ہے، پرنس! اور پھر آپ جیسے لوگوں کے لیے تو کچھ کر۔ میں بھی لطف آتا ہے۔ اب اگر کوئی خاص بات نہ ہو تو مجھے اجازت دیجئے۔"

"ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔" میں نے کہا ---- اور تغلق خان اپنی کار میں جا بیٹھا۔

جب اس کی کار کی روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو میں نے بھی کار اسٹار کی اور اپنے ہوٹل کی طرف چل دیا۔

دوسری صبح کافی دیر سے اٹھا۔ فی الوقت کوئی کام بھی نہیں تھا۔ چنانچہ انتظار کرتا ر ٹھیک ساڑھے دس بجے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو عدنان مسکراتا انداز آ گیا۔

"ہیلو ---- عدنان!"

"ہیلو پرنس سب ٹھیک ٹھاک ہے؟"

"ہاں بالکل ----"

"کوئی خاص اطلاع ملی، اس سلسلے میں؟"

"ہاں، وہ آج ساڑھے آٹھ بجے، شالی گڑھ پہنچے گی اور نو، سوا نو بجے، شانزے میں گی۔ ہوٹل شانزے میں اس کے لیے چھ کمرے بک کرائے گئے ہیں۔ پانچ آدمی اس ساتھ ہوں گے۔ باقی سیٹھ جبار کے آدمی ہیں جو منتشر رہ کر پرنسس فورسیا کی نگرانی کر گے۔ ان کی پہچان، گلاب کی تین کلیاں ہیں جو ان کے لباسوں پر موجود ہوں گی۔"

"ویری گڈ، پرنس! کیا اس افریقی شہزادی کی کوئی تصویر مل سکی ہے؟" عدنان پوچھا۔

میں نے جیب سے پرنسس فورسیا کی تصویر نکال، کر اس کے سامنے رکھ دی۔ عد تصویر پر جھک گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔

"بس، ذرا سی الجھن ہے۔ اگر ہمیں اس کی جسامت اور قدو قامت کا پتہ چل جا زیادہ بہتر تھا۔"

"کیوں، کوئی خاص بات ہے، تمہارے ذہن میں؟"

"جی ہاں، پرنس! ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں۔ میں چاہتا ہوں کہ پرنسس فورسیا کو موقع دیئے بغیر، اس پر ہاتھ ڈال دیا جائے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ کوئی پروگرام بنائیں، ہم، اسے لے اڑیں۔"

"وہ کس طرح؟"

"ہمارا کام صرف اتنا ہو گا کہ اسے، ہوٹل شانزے سے نکال لائیں اور دارالحکومت پہنچا دیں۔"

"کیا یہ کام اتنا ہی آسان ہے، عدنان؟"

"میں نے اس سلسلے میں رات بھر سوچا ہے، پرنس! پہلے میں نے سوچا تھا کہ پرنسس فورسیا کو اغوا کر کے، اس کی جگہ دوسری لڑکی کو پہنچا دیا جائے۔ ریٹا نامی ایک لڑکی، میرے کارکنوں میں شامل ہے۔ وہ بہترین افریقی زبان جانتی ہے۔ وہ خود بھی افریقی ہی ہے اور اچھی جسامت کی مالک ہے ---- لیکن اس منصوبے کو میں نے اس لیے مسترد کر دیا کہ مجھے، پرنسس فورسیا کے قد و قامت کا اندازہ نہیں تھا۔ ورنہ اسے ساتھ لے آتا۔ اور اب اتنی جلدی اس سلسلے میں کوئی کارروائی ذرا مشکل ہو گی۔"

"ہاں، یہ تو ہے لیکن میں تمہاری اس تجویز سے متفق ہوں کہ اگر ہم ایسی کوشش کر سکے تو یقیناً سیٹھ جبار اور فورسیا کے کاروباری تعلقات سے متعلق اور بھی کئی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔"

"بس جسامت کا مسئلہ ہے، پرنس! اگر اس سلسلے میں کوئی کام بن گیا تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ فی الحال، اسے جواہرات سمیت یہاں سے دارالحکومت پہنچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔ مجھے بتاؤ کہ تم مجھ سے اور کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں، پرنس! بس اب آپ آرام کریں۔ یہاں کے معاملات میں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔"

"اس کے باوجود، میں تمہارے ساتھ اس کارروائی میں شامل رہنا چاہتا ہوں۔"

"آپ صرف دور سے نگرانی کرتے رہیں، کسی معاملے میں بذات خود دخل نہ دیں۔ یہ میری درخواست ہے۔" عدنان نے کہا۔

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ میں عدنان کی اس درخواست کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ صرف میرا تحفظ چاہتا تھا۔ کاش ---- ایسے مخلص لوگ، اس وقت مجھے مل

جاتے جب میں برا نہیں تھا۔

عدنان تھوڑی دیر بعد واپس چلا گیا۔ اب میں رات تک فارغ تھا۔ ایک بجے میں نے تغلق خان کو فون کیا۔ تغلق خان فون پر موجود تھا۔ ہیلو، تغلق خان! کیا صورت حال ہے؟"

"سب ٹھیک ہے، پرنس! پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ وہ وقت مقررہ پر پہنچ جائے گی۔"

"او۔ کے، تغلق خان! آج رات ہی کام ہو جائے گا۔ تم بے تعلق رہنا اور اگر کوئی گڑبڑ ہو تو اس طرف توجہ مت دینا۔ باقی معاملات دیکھ لیے جائیں گے۔"

"میرے لیے اور کوئی خدمت پرنس؟"

"شکریہ۔۔۔۔ بس، اتنا ہی کافی ہے۔ خدا حافظ!" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وقت گزرتا رہا۔۔۔۔ پھر میں تیار ہو کر ہوٹل شانزے کی جانب چل پڑا۔ شانزے کے ریستوران میں کافی رونق تھی۔ بہت سے غیر ملکی بھی نظر آ رہے تھے۔ آرکسٹرا بج رہا تھا۔

میں نے ایک میز پر بیٹھ کر کافی طلب کی اور اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔ وقت بہت سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔۔۔۔ تقریباً نو بجے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔۔۔۔ پھر باہر نکل آیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

یہ انتظار کافی طویل ثابت ہوا۔ تقریباً پونے دس بجے کچھ گاڑیاں شانزے پہنچیں۔ ان میں سے ایک گاڑی بہت شاندار تھی جو یقیناً سیٹھ جبار نے فورسیا کے لیے بھیجی تھی۔ ایک گاڑی، اس کے آگے تھی اور دو، اس کے پیچھے۔۔۔۔

گاڑیاں، شانزے کے کمپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئیں۔۔۔۔ پھر میں نے اس خوبصورت کار سے افریقی شہزادی کو اترتے دیکھا۔ تغلق خان اور اس کے ساتھی، آگے والی کار میں تھے۔ جبکہ پچھلی کار میں وہ پانچوں محافظ تھے۔ اچھے تن و توش کے مالک اور چاق و چوبند نظر آتے تھے۔ ان میں سے دو تو باڈی بلڈر بھی تھے۔

پرنسس فورسیا مناسب قد و قامت کی عورت تھی۔ چہرے کے نقوش بھی اتنے بھدے نہ تھے جتنے افریقیوں کے ہوتے ہیں، وہ شاہانہ انداز میں چلتی ہوئی لفٹ کے قریب پہنچ گئی۔ ہوٹل کا منیجر، اس کے ساتھ ساتھ تھا پھر لفٹ نے اسے اوپر پہنچا دیا۔

اس دوران میں، میں بھی اپنی کار سے نکل کر ہوٹل میں آ گیا تھا پھر سیڑھیاں طے کر کے اوپر راہداری میں پہنچ گیا۔۔۔۔ پرنسس فورسیا کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا پھر کافی دیر تک منیجر اور ہوٹل کا سینئر عملہ، اس کے گرد چکراتا رہا تھا۔

تغلق خان بھی فورسیا سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں یہ تمام کارروائی دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ ابھی تک عدنان اور اس کے ساتھیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ویسے عدنان کی طرف سے مطمئن تھا کہ وہ زیادہ دور نہ ہو گا۔

گیارہ بجے تک، پرنسس فورسیا کی آمد کے سلسلے میں منیجر اور عملے کے افراد بھاگے بھاگے پھرتے رہے پھر انھیں کھانا پہنچایا گیا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی اور میں ہوٹل سے نکل کر دوبارہ اپنی کار میں آ بیٹھا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب شانزے کی رونق ختم ہونا شروع ہو گئی۔ اب صرف چند کاریں رہ گئی تھیں۔

میں اپنی کار میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ عدنان نے ابھی تک اپنی کارروائی کا آغاز کیوں نہیں کیا۔۔۔۔ کہ دفعتاً شانزے کے ایک حصے سے شعلے بلند ہوئے۔ ہوٹل میں آگ لگ گئی تھی۔ میں چونک پڑا۔ یہ آگ اتفاقیہ لگی تھی یا عدنان کے منصوبے کا آغاز تھا۔

ذرا سی دیر میں چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔۔۔۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں، اسٹیئرنگ پر مستعد ہو گیا۔ تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو میں وہاں سے بہ آسانی نکل سکوں۔

شانزے کا ایک بڑا حصہ، آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور کمروں میں مقیم مہمان، اب بھاگ رہے تھے۔ میں نے ان پانچوں کو بھی دیکھا۔ فورسیا، ان کے درمیان تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ ویسے تو وہ کافی سازو سامان کے ساتھ آئی تھی لیکن اس وقت بریف کیس کے علاوہ اور کوئی سامان، ان کے ساتھ نہ تھا۔ فورسیا، ان پانچوں کے گھیرے میں ہوٹل سے باہر آ رہی تھی کہ دفعتاً نکلنے والے افراد کا ایک ریلا دروازے کی جانب آیا اور فورسیا کے محافظوں کا حصار ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی سب کچھ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہوٹل کی پوری۔۔۔۔ عمارت میں تاریکی پھیل گئی تھی اور تاریکی میں شور و پکار کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ عدنان نے یہاں بھی شاندار اور مربوط کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بہر طور، اب میرے یہاں رکے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔۔۔۔ اب اپنے ٹھکانے پر اس کارروائی کے نتیجے کا انتظار کرنا تھا۔ میرے خیال میں یہاں جو کچھ ہوا تھا، نہایت مناسب تھا۔ اگر اور کوئی خاص بات نہ ہوئی تو عدنان یقیناً کامیابی حاصل کر لے گا۔

چنانچہ میں نے کار اسٹارٹ کی اور واپس تاج محل کی طرف چل پڑا۔ میں بے حد مطمئن تھا۔ عدنان نے بلاشبہ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے کافی طلب کی اور اس کے گھونٹ لیتا ہوا انتظ
لگا۔ ڈھائی بجے' میرے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"آپ کا خادم-----" دوسری طرف سے عدنان کی آواز آئی۔

"میں دیکھ چکا ہوں۔ کیا رہا؟"

"کامیابی' جناب-----"

"گڈ' اب کیا پروگرام ہے۔"

"میں اسی وقت واپس جا رہا ہوں' آپ جس وقت چاہیں پہنچ جائیں۔ وہیں
گفتگو ہو سکے گی۔"

"میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔" میں نے کہا اور عدنان نے سلسلہ
دیا۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہو کر' میں نے ہوٹل کا حساب بے باق
دارالحکومت کی جانب چل پڑا۔ سفر معمول کے مطابق ہی طے ہوا اور میں اپنی ر
پہنچ گیا۔

سفر کی تکان دور کرنے کے لیے میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور آرام کر
فی الحال کوئی کام نہ تھا۔ عدنان کے فون یا خود اس کی آمد کے بعد ہی کچھ کیا جا سکتا
سہ پہر تک عدنان کا کوئی فون موصول نہیں ہوا تو میں الجھ سا گیا۔ کیا عدنان
پہنچا نہیں ہے؟ اگر پہنچ گیا ہے تو اس نے مجھے مطلع کیوں نہیں کیا؟ کہیں راستے :
گڑبڑ نہیں ہو گئی۔ میں نے خود فون کیا۔ ریسیور' اس کی سیکریٹری مس نشاط نے اٹھا

"پرنس دلاور-----" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"لیں' سر----- کیا حکم ہے' پرنس؟"

"عدنان کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی' وہ یہاں تو نہیں ہیں۔ ویسے اگر آپ فرمائیں تو میں انھیں آپ ک
اطلاع دے دوں۔ میرے پاس' ان کا ایک فون نمبر موجود ہے۔"

"وہ دارالحکومت پہنچ چکا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں' انھوں نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی۔"

میں نے نشاط سے فون نمبر لے کر' عدنان سے رابطہ کیا تو میری آواز سن کر
تعجب کا اظہار کیا۔

"میرا یہ نمبر یقیناً آپ کو نشاط نے دیا ہو گا۔"

"ہاں----- میں صبح سے تمھارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔"

"میں یہاں پہنچنے کے بعد سے اب تک بے حد مصروف رہا ہوں' پرنس! اس لیے آپ
کو اطلاع نہیں دے سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔ خیریت سے پہنچ تو گئے تم؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں' پرنس----- ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں' ہاں----- کہو۔"

"یہ فون نمبر' ڈائمنڈ ہاؤس نامی ایک عمارت کا ہے۔ میں نے اسے کرائے پر حاصل کیا
ہے۔ اگر آپ اسے گستاخی تصور نہ فرمائیں تو یہاں ڈائمنڈ ہاؤس پہنچنے کی زحمت کریں۔ یہ
بہت ناگزیر ہے' پرنس! ورنہ میں خود آپ کے پاس حاضر ہوتا۔"

"ٹھیک ہے' میں پہنچ رہا ہوں لیکن یہ ڈائمنڈ ہاؤس کون سے علاقے میں ہے؟"

"کراؤن ونگ علاقے میں----- بڑی مشہور عمارت ہے۔ آپ کراؤن ونگ پہنچ کر
کسی سے بھی معلوم کریں تو وہ آپ کو پتہ بتا دے گا۔"

"ٹھیک ہے' میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

پندرہ منٹ' میں نے میک اپ پر صرف کیے پھر کار لے کر ڈائمنڈ ہاؤس کی طرف چل
پڑا۔ ڈائمنڈ ہاؤس کے بارے میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ کراؤن
ونگ پہنچتے ہی مجھے وہ عمارت نظر آ گئی۔

بھدے طرز کی پرانی عمارت تھی اور اس کے اوپری سرے پر پتھر کا ایک بڑا سا ہیرا بنا
ہوا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس کا نام----- ڈائمنڈ ہاؤس رکھا گیا تھا۔

عمارت کے گیٹ سے گزرنے کے بعد' میں نے کار' پورچ میں روک لی۔ عدنان شاید
میرا منتظر تھا۔ کار کی آواز سنتے ہی وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس نے پر جوش انداز میں میرا
استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"اس زحمت کے لیے انتہائی معذرت خواہ ہوں' پرنس! لیکن آپ کا یہاں تشریف لانا
بے حد ضروری تھا۔"

"ٹھیک ہے' بھئی! پر تکلف گفتگو مت کیا کرو۔ تم جانتے ہی ہو میں کتنا بڑا پرنس
ہوں۔" میں نے کہا تو عدنان ہنسنے لگا۔

"اس حیثیت سے ہٹ کر' آپ' میرے لیے جس قدر محترم ہیں' میں بیان نہیں کر
سکتا۔"

"ٹھیک ہے' یہ تمھاری محبت ہے۔ اچھا' سناؤ----- رات' میں تمھاری کارروائی

دیکھ چکا ہوں، کوئی دقت تو نہیں ہوئی---- یا تمہارے آدمیوں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"نہیں، پرنس! میں کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کروں۔" عدنان نے کہا اور مجھے لیے ہوئے ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

"تشریف رکھیے، پرنس! پہلے میں، آپ کو تمام حالات سے آگاہ کر دوں، اس کے بعد پرنسس فورسیا سے ملاقات کراؤں گا۔"

"تم، اسے یہیں لائے ہو؟"

"جی ہاں----"

"ٹھیک ہے---- اس کے پاس جو زیوارت وغیرہ تھے---- ان کا کیا ہوا؟"

"وہ محفوظ ہیں، پرنس! ابھی پیش کرتا ہوں۔" عدنان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد عدنان، ڈرائنگ روم مین داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں وہی بریف کیس تھا، جسے میں، پرنسس فورسیا کے پاس دیکھا چکا تھا۔ اس نے بریف کیس، میرے سامنے میز پر رکھ کر کھول دیا اور میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

بریف کیس میں ایک انتہائی حسین ہار موجود تھا جس میں کافی بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک پیکٹ تھا جس میں چھوٹے بڑے، مختلف قسم کے ہیرے بھرے ہوئے تھے۔ بریف کیس میں کروڑوں روپے کی مالیت کے ہیرے موجود تھے---- جو سیٹھ جبار کے لیے لائے گئے تھے۔

"ویری گڈ، عدنان! میں نے بریف کیس بند کرتے ہوئے کہا۔ "شاید یہ سیٹھ جبار کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گی۔ میرا خیال ہے، یہ اس کے لیے سب سے بڑا نقصان ہو گا۔"

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا، پرنس! کہ یہ نقصان سیٹھ جبار کا ہو گا یا پرنسس فورسیا کا۔ کیونکہ ہیرے ابھی سیٹھ جبار کی تحویل میں نہیں گئے تھے۔" عدنان نے کہا۔

"ممکن ہے، سیٹھ جبار پہلے ہی ان کا سودا کر چکا ہو۔ بہر حال، اب یہ ہماری ملکیت ہیں۔"

"بلاشبہ، پرنس! اور میں اس سلسلے میں، آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

"شکریہ، عدنان! میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ یہ سب کچھ تمہاری محنت کا نتیجہ ہے۔"

"عدنان، آپ کا خادم ہے۔"

"ان پانچوں افراد کا کیا ہوا جو اس کے ساتھ تھے؟"

"میں نے ان پر توجہ نہیں دی، پرنس! بس، میں نے شانزے کے ایک حصے میں آگ لگائی اور جب عملے کے سارے افراد اس طرف متوجہ ہوئے تو میں نے بھگدڑ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فورسیا کو بے ہوش کر کے، بریف کیس سمیت وہاں سے اغوا کر لیا---- پھر آپ کو ٹیلی فون کرنے کے بعد وہاں سے چل پڑا۔"

"گڈ، عدنان---- تمہاری کارکردگی قابل تعریف ہے۔" چلو اب ذرا پرنسس فورسیا سے بھی ملاقات کر لی جائے۔" میں نے کہا اور عدنان اٹھ کھڑا ہوا۔

ہم، ڈرائنگ روم سے نکل کر، راہداری سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ کمرہ خاصا کشادہ تھا۔ باہر سے بھدی نظر آنے والی یہ عمارت اندر سے اچھی خاصی---- اور قیمتی سازو سامان سے آراستہ تھی۔ ہم جس کمرے میں داخل ہوئے، وہاں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ آبنوسی فرنیچر، اس قالین پر خوب جچ رہا تھا۔

ایک بڑی اور بھاری کرسی پر پرنسس فورسیا بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ، کرسی کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ اس نے تیکھی نظروں سے مجھے اور عدنان کو دیکھا اور کرسی پر کسمسانے لگی۔ عدنان نے بڑھ کر، اس کے ہونٹوں پر سے ٹیپ اتار لیا۔

پرنسس فورسیا کے حلق سے غراہٹ نکلی اور وہ نہایت غصے کے عالم میں، کسی نا معلوم زبان میں کچھ کہنے لگی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا---- پھر میں نے انگریزی میں کہا۔

"ہم، آپ کی زبان نہیں سمجھتے، پرنسس!"

"میں پوچھتی ہوں، تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" وہ حلق پھاڑ کر چیخی۔ اس بار، اس نے انگریزی زبان استعمال کی تھی۔

"ہمیں، آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ ہم تو بس، آپ کے اس کاروبار کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرے ہیرے کہاں ہیں؟" وہ غرائی۔

"بس----" عدنان ہاتھ اٹھا کر بولا اور پرنسس خاموش ہو گئی۔ پھر عدنان، مجھ سے مخاطب ہوا۔ "سوری، پرنس! یہ آپ کی خادمہ ریٹا ہے۔" اس نے کہا اور حیرت سے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"پرنس! میں نے ہوٹل تاج محل میں، آپ سے ریٹا کا ذکر کیا تھا اگر ہمیں، پرنسس

فورسیا سے متعلق کچھ معلومات پہلے ہی حاصل ہو جاتیں تو میں ریٹا سے کچھ اور کام لیتا۔"

"ہاں' تم نے کہا تو تھا۔"

"یہ ریٹا ہے۔ اتفاق سے قدوقامت میں پرنسس فورسیا سے ملتی جلتی ہے۔ معمولی سے میک اپ اور اس کی آواز کی تھوڑی بہت ریہرسل کے بعد' میں نے اسے فورسیا بنا دیا ہے۔"

عدنان نے ریٹا کے ہاتھ کھول دیئے اور وہ مسکراتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی۔

"لہجے کی گستاخی کی معافی چاہتی ہوں' پرنس!" ریٹا نے کہا۔ اب اس کی آواز بالکل بدلی ہوئی تھی۔

"پروگرام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پرنسس فورسیا' اسی عمارت میں ہماری قیدی ہے۔ ریٹا کو ہم ہوٹل اسپارکو کے ایک کمرے میں پہنچا دیں گے۔ وہاں سے وہ' سیٹھ جبار سے رابطہ قائم کرے گی۔ سیٹھ جبار یقیناً اسے اپنے ہاں لے جائے گا----- وہاں پہنچ کر ریٹا' ہمارے لیے کام کرے گی۔" عدنان نے کہا۔

"پروگرام تو اچھا ہے لیکن مس ریٹا' پرنسس فورسیا کا کردار بخوبی ادا کر سکیں گی؟"

"ریٹا کا خیال ہے کہ وہ بآسانی ایسا کر سکتی ہے۔ چند پراسرار لوگ' ریٹا کو ہوٹل اسپارکو میں چھوڑ جائیں گے اور پھر جب ہوٹل کے عملے کا کوئی فرد' اس کے کمرے میں جائے گا تو پرنسس فورسیا دیوانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے زخمی کر دے گی۔ یہ دیوانگی ہوٹل والوں کے لیے پریشان کن ہو گی۔ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دیں گے۔ چنانچہ' فورسیا' پولیس کی تحویل میں پہنچ جائے گی اور وہاں کسی حد تک بہتر ہو جائے گی اور سیٹھ جبار سے شناسائی کا اظہار کرے گی۔ اس طرح وہ' سیٹھ جبار کے ہاں پہنچ جائے گی اور چونکہ وہ ذہنی صدمے سے دوچار ہو گی' اس لیے اس کی ذہنی حالت بھی اعتدال پر نہیں ہو گی اور سیٹھ جبار' اس وقت تک اسے اپنے پاس رکھے گا جب تک پرنسس فورسیا نارمل ہو کر' اسے ہیروں کے بارے میں نہیں بتاتی۔ اس دوران میں وہ' سیٹھ جبار سے متعلق معلومات حاصل کرتی رہے گی۔"

میں دلچسپی سے عدنان کا پروگرام سن رہا تھا۔ پھر میں نے کہا۔ "مس ریٹا کو سخت امتحان سے گزرنا ہو گا۔"

"لیکن اس کے عوض ہمیں قیمتی معلومات حاصل ہو گی۔ سیٹھ جبار نے فریدہ بہن کو سامنے لا کر' آپ کے احساسات کو جو ضرب لگائی ہے' میں' اس کا بھرپور انتقام لوں گا۔

ریٹا کی کلائی پر ایک گھڑی ہو گی جس میں ایک ٹرانسمیٹر لگا ہوا ہے۔ اس کا ریسیور' آپ کے پاس ہو گا۔ تاکہ آپ حالات سے آگاہ رہیں اور نئی ہدایات جاری کر سکیں۔"

"اوہ----- اور وہ گھڑی-----؟"

"میں نے فراہم کر لی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مس ریٹا کی حفاظت کا معقول بندوبست کیا جائے۔"

"یہ میری ذمے داری ہے' پرنس! آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"اس کے علاوہ' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ریٹا کو ان تمام حالات کا علم ہے جو میرے اور سیٹھ جبار کے درمیان تنازعے کا باعث بنے ہوئے ہیں؟"

"کسی حد تک' جناب!"

"کیا مطلب-----؟"

"میں نے ریٹا کو صرف اسی حد تک حالات سے آگاہ کیا ہے جن کا تعلق' اس کے کام سے ہو گا۔"

"او۔ کے عدنان! تم نے جو کچھ کیا ہے' میں اس سے کبھی----- غیر مطمئن نہیں رہا۔"

"شکریہ' جناب! اب آپ میڈم فورسیا سے ملاقات کر لیجیے۔ وہ بھی آپ کی منتظر ہوں گی۔" عدنان نے کہا----- اور میں بھی عدنان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

عدنان' مجھے لے کر ایک اور کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ عدنان نے کارنس کے نیچے لگے ہوئے دو بٹن دبائے۔ کارنس کے ساتھ ہی دیوار میں ایک چھوٹا سے خلا پیدا ہو گیا۔ ہم دونوں اس خلا سے اندر داخل ہو گئے۔

دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ہلکی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک مسہری پر سیاہ فام فورسیا نیم دراز تھی۔

ہمیں دیکھ کر وہ کہنیوں کے بل اوپر کو کھسکی اور مسہری کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ہمارے پیچھے خلا پھر برابر ہو گئی تھی۔ عدنان نے بٹن دبا کر کمرے میں تیز روشنی کر دی۔

فورسیا سپاٹ نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے تردد کے آثار نہیں تھے۔ وہ بہت مطمئن اور پروقار نظر آ رہی تھی۔

"ہیلو-----" اس نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"میڈم فورسیا کے مزاج کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں ----- تم میں سے پرنس دلاور کون ہے؟" اس نے غیر متوقع طور پر پوچھا تم ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

"آپ، پرنس دلاور کے بارے میں کیسے جانتی ہیں، میڈم؟" عدنان نے سوال کیا ----- اور فورسیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہماری زندگی میں ایسے کھیل انوکھے نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے، جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں ہمارا واسطہ ہر قسم کے لوگوں سے پڑتا ہے۔ کبھی ہم، ان پر حاوی ہو جاتے ہیں ا کبھی وہ ہم پر۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ لوگ کسی غلط فہمی کی بنا پر مجھے یہا نہیں لائے ہیں، بلکہ آپ لوگوں نے ہوٹل شانزے میں بڑی کامیابی سے افراتفری پھیلا مجھے اغوا کیا ہے اور میرے ساتھ لاکھوں پونڈز کی مالیت کے وہ ہیرے بھی آپ لوگوں حاصل کر لیے ہیں جو دراصل کسی اور کے لیے لائے گئے تھے ----- ویسے کیا میں پو سکتی ہوں کہ آپ دونوں میں پرنس دلاور کون ہے؟"

"آپ پرنس دلاور کے بارے میں کیوں معلوم کرنا چاہتی ہیں -----؟" عدنان پوچھا۔

"اس لیے کہ ہم، دوستانہ ماحول میں گفتگو کر سکیں۔" فورسیا نے کہا۔ وہ ایک سلجھی ہوئی عورت معلوم ہوتی تھی۔

"ٹھیک ہے، میڈم! یہ ہیں، میرے باس، پرنس دلاور۔" عدنان نے میری طرف اشا کرتے ہوئے کہا اور فورسیا مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی ----- پھر قدرے توقف سے بولی۔

"میں نے اتنی چھوٹی عمر میں اتنا خطرناک آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں مجھے اطلاعات فراہم کر دی گئی تھیں۔"

"اور یہ اطلاعات آپ کو کہاں سے فراہم کی گئی تھیں؟"

"دیکھو بھئی، میں تمہارے قبضے میں ہوں اور تم مجھ سے ہر قسم کا سلوک کر سکتے ہو لیکن مجھ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ میں خواہ مخواہ کسی کی برتری قبول نہیں کرتی تمہارے متعلق سنی سنائی باتیں ہی میرے علم میں ہیں ----- اگر تم چاہو کہ ایک قیدی حیثیت سے مجھ سے سوال کرو تو میں، تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔"

"ٹھیک ہے، میڈم فورسیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ فرمایئے کہ کیا چا ہیں۔ میں چند باتیں آپ سے عرض کر دوں۔ وہ، ہیرے آپ کی ملکیت ہیں اور انھیں سیٹھ جبار تک نہ پہنچ کر صرف آپ کو نقصان ہوا ہے تو وہ میں، آپ کو واپس دے دوں

کیونکہ ہماری، آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اگر سیٹھ جبار، انھیں خرید چکا ہے، ان کی قیمت ادا کر چکا ہے تو میں، آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ سیٹھ جبار کو زک دینا، میرا مشن ہے۔"

"ویری گڈ! یہ ہوئی نا بات دوستی کی ----- لیکن میرا نام فورسیا ہے، ڈیئر پرنس! میں ہار کر بھی اتنی ہی خوش ہوتی ہوں۔ جتنا جیت کر۔ یہ سب کچھ میرا مشغلہ ہے، میری روزی کا ذریعہ نہیں۔ ویسے یہ ہیرے سو فی صدی سیٹھ جبار کی ملکیت ہیں۔ وہ، ان کی ادائیگی کر چکا ہے۔ اب مجھے صرف ان ہیروں کی وصولیابی کی رسید وصول کرنی ہے جو بہرطور میں حاصل کر لوں گی۔ میرے یہاں پہنچنے کے بعد، اس کی ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ، میرے تحفظ کا مکمل بندوبست کرے۔ میرا کام اتنا تھا کہ میں اپنی حیثیت کی آڑ میں، انھیں کسٹم وغیرہ سے نکال لاؤں۔ ائرپورٹ سے باہر آنے کے بعد، گویا ہیرے سیٹھ جبار کی تحویل میں پہنچ گئے۔ اب اس کے بعد جو نقصان ہو گا، وہ سیٹھ جبار کا ہو گا، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

فورسیا نے واقعی ہمیں حیران کر دیا تھا۔ اگر وہ چاہتی تو آسانی سے میری دی ہوئی مراعات سے فائدہ اٹھا سکتی تھی ----- لیکن اس نے بڑے پروقار انداز میں ہیرے، سیٹھ جبار کی ملکیت قرار دے دیئے تھے اور اپنی ملکیت ظاہر کر کے، انھیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس بات سے میرے دل میں اس کا احترام بڑھ گیا تھا۔

ہرچند کہ فورسیا اسمگلر تھی لیکن بہرحال ایک اصول پرست ----- عورت تھی۔ میں نے اس کے ان الفاظ کو سراہتے ہوئے کہا۔

"بلاشبہ، پرنس فورسیا! آپ نے کسی ریاست کی شہزادی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کے ان الفاظ کا میں دل سے احترام کرتا ہوں۔ میرا جھگڑا سیٹھ جبار سے ہے۔ اگر آپ محسوس کرتی ہیں کہ ہیرے میری تحویل میں آجانے کے بعد، آپ کو ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچا ہے تو میں مخلصانہ طور پر آپ کو ہیرے واپس کرنے کو تیار ہوں۔ سیٹھ جبار کو ذہنی کرب میں مبتلا کرنے کے بعد، میں، آپ کو نہایت عزت و احترام سے الوداع کہوں گا۔"

"شکریہ ----- مجھے، سیٹھ جبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تنہا شخص نہیں ہے، جس سے میرا کاروبار ہے۔ میں تو دنیا کے بیشتر ممالک میں بہت سے لوگوں کے لیے کام کرتی ہوں۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید تم حیران ہو کہ میں ایک ریاست کی شہزادی ہونے کے باوجود، یہ سب کچھ کیوں

کرتی ہوں۔"

"قدرتی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"تم یہ سن کر مزید حیران ہو گے کہ میں یہ سب کچھ سرکاری طور پر کرتی ہوں----- دراصل ہماری ریاست بہت چھوٹی سی ہے اور ہم قدرتی ----- وسائل سے بھی محروم ہیں۔ اپنے عوام کو زندہ رکھنے کے لیے ہمیں سخت جدو جہد کرنا پڑتی ہے۔ میرا بھائی اس ریاست کا حکمران ہے اور میں بھی اپنی ریاست میں ایک بڑی عہدے دار ہوں----- میں ایسے کاموں کے لیے جب بھی کسی دورے پر نکلتی ہوں تو وہاں کی حکومت کو اپنے بارے میں آگاہ نہیں کرتی یعنی کسی بھی ملک میں میری آمد' سرکاری سطح پر نہیں ہوتی۔ میری یہاں آمد بھی خفیہ ہے اور میں ایک عام افریقی شہری کی حیثیت سے آئی ہوں----- اور میں نے یہ سب کچھ صرف اس لیے بتا دیا ہے کہ ایک باظرف دشمن میرے سامنے ہے۔" پرنس فورسیا نے کہا۔

"نہیں' پرنس! آپ مجھے دشمن نہ سمجھیں----- میں' آپ کا دوست ہوں اور آپ کو اس دوست سے مایوسی نہیں ہو گی۔" میں نے خلوص سے کہا۔

پرنس فورسیا' مسہری سے اتر آئی۔ چند قدم آگے بڑھ کر اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور میں نے نہایت گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"شکریہ پرنس! میں اس نئی دوستی کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ جیسا کہ میں' تمہیں بتا چکی ہوں کہ ہیروں سے اب میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ سیٹھ جبار کی ملکیت ہیں۔ اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ ہیرے اس کے ملک میں پہنچانے میں' میں اس سے تعاون کروں۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب وہ خود ان کی حفاظت نہ کر سکا تو یہ اس کا قصور ہے----- اور چونکہ آپ کی سیٹھ جبار سے دشمنی ہے اور آپ' میری وساطت سے اسے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے پندرہ دن ہیں' ان پندرہ دنوں میں آپ جو چاہیں کریں۔ لیکن اس کے بعد مجھے آزاد کر دیں تاکہ میں اپنے وطن واپس چلی جاؤں۔ اگر اس دوران میں' سیٹھ جبار نے آپ سے ہیرے حاصل کر کے' مجھے آزاد کرا لیا تو تب بھی ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میں آپ کو یاد رکھوں گی۔"

مجھے ہنسی آ گئی۔ "بڑی دلچسپ گفتگو ہے' آپ کی۔ بہرحال----- آپ پندرہ دن کے آزمائشی عرصے میں' سیٹھ جبار کو دیکھ لیں۔ اس دوران میں آپ' مجھے میزبانی کا شرف بخشیں۔ اس کے بعد اگر آپ پسند کریں تو ہمارے درمیان بھی کاروباری معاملات طے ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ بھی میں' آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمایئے۔"

"میرے ان پانچوں آدمیوں کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟"

"نہیں۔ آپ کو وہاں سے حاصل کرنے کے بعد ہم نے ان پر توجہ نہیں دی تھی۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر وہ آزاد ہیں تو کسی نہ کسی طرح وہ یہاں ہر حالت میں پہنچیں گے۔ آپ اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ انھیں نقصان نہ پہنچائیں' صرف گرفتار کر لیں۔"

"گویا وہ اپنے طور پر یہاں پہنچیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں یقیناً----- آپ نہیں جانتے۔ وہ پانچوں دنیا کے بہترین آدمی ہیں' مختلف صفات کے مالک----- ٹابو' مارشل آرٹس کا ماہر ہے----- جوزف بہترین الیکٹریکل انجینئر ہے' مارتوش ایک بڑا مہم جو ہے اور بہترین نشانے باز جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ اسی طرح فائزر بھی بے مثال قوتوں کا مالک ہے اور ان میں اہم ترین شخصیت لوبو کی ہے۔ لوبو بچپن سے میرے ساتھ پلا ہے۔ ویسے بھی وہ میرا چچا زاد ہے۔ مجھے بے پناہ چاہتا ہے اور میری بو' اس کے نتھنوں میں اس طرح رچی ہوئی ہے کہ اگر میں پچاس میل کے دائرے میں ہوں تو وہ مجھے یقیناً تلاش کر لے گا۔ بلکہ ممکن ہے' وہ میری راہ پر لگ بھی گیا ہو۔ پلیز' ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے' پرنس فورسیا! دوستی اور خیر سگالی کے اظہار کے طور پر ایسا ہی کیا جائے گا لیکن اگر انھوں نے یہاں پہنچتے ہی----- قتل و غارت گری شروع کر دی تو-----؟"

"یہ سب آپ کی صلاحیتوں پر' منحصر ہے' پرنس! کہ آپ کس طرح انھیں قابو میں کرتے ہیں۔"

"او۔ کے' پرنس فورسیا! اگر وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے تو انھیں یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"بہت بہت شکریہ----- اور اب آپ بھی بھروسہ کیجئے کہ میں پندرہ دنوں سے پہلے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کروں گی۔"

اس کے بعد' ہم لوگ تقریباً" آدھے گھنٹے تک وہاں بیٹھے کافی پیتے رہے۔ پرنس فورسیا' مجھے اپنی ریاست کے بارے میں بتاتی رہی پھر ہم نے اس سے اجازت چاہی۔

"کیا خیال ہے' تمھارا؟" وہاں سے نکلنے کے بعد میں نے عدنان سے پوچھا۔

"متاثر کن شخصیت کی مالک ہے------ اور یقیناً سچ بول رہی ہے۔"

"ہاں' اس میں کوئی شک نہیں۔ ویسے کیا خیال ہے' سیٹھ جبار تلملا نہیں جائے گا۔"

"یقیناً پرنس------ میں' آپ سے متفق ہوں۔"

"لیکن ان سیاہ فاموں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کی نشاندہی پرنس فورسیا نے کی ہے۔"

"یہ افریقی بلاشبہ عجیب و غریب قوتوں کے مالک ہوتے ہیں------ بہرطور' ان کے لیے بھی کوئی معقول بندوبست کیا جائے گا۔"

"وہ خطرناک بھی ہو سکتے ہیں' عدنان! انھیں فوری طور پر کیسے روکو گے؟"

"میں' اس کے لیے انتظامات کرلوں گا' پرنس! آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے' عدنان! میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہر کام پوری توجہ سے ہو اور دونوں طرف سے کسی کا جانی نقصان نہ ہو۔"

"بے فکر رہیں' سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ میرے ذہن میں صرف یہ تردد ہے کہ وہ سیاہ فام کہیں سیٹھ جبار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور اس کے آلہ کار بن کر ہمارے خلاف صف آرا نہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو صورت حال سنگین ہو جائے گی۔"

"تمھارا خیال درست ہے' عدنان! اس سلسلے میں صرف ایک کارروائی کی جا سکتی ہے' وہ یہ کہ تم اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دو' اگر وہ سیاہ فام' ان تک پہنچیں تو ان پر تشدد نہ کیا جائے بلکہ انھیں بے ہوش کر کے تم تک پہنچا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے' پرنس! میں آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گا۔"

"بس تو پھر مجھے اجازت دو۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

"بڑے دلچسپ واقعات تھے اور واقعات کی یہ کروٹ بڑی سنسنی خیز تھی۔ سیٹھ جبار بلاشبہ مضبوط اعصاب کا آدمی تھا۔ اتنے بڑے بڑے نقصانات اٹھانے کے باوجود زندہ تھا اور سب کچھ برداشت کر رہا تھا------ بس اینجل کے معاملے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی ورنہ سیٹھ جبار کا اپنی جگہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ اگر اینجل ہاتھ آ جاتی تو فریدہ اور امی کا حصول بھی آسان ہو جاتا۔

کار ایک سگنل پر رکی تو میں خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ اطراف میں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں------ ایک گاڑی پر نظر پڑتے ہی میں بری طرح چونک پڑا۔ ایک چیک دار گاڑی میں پچھلی نشست پر جو شخصیت براجمان تھی' وہ میرے لیے ناقابل یقین تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر دھوکا ہونے لگا۔ اسی وقت سگنل کھلا اور وہ کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ

گئی۔ میں نے بدحواسی کے عالم میں گاڑی کو آگے بڑھانا چاہا تو گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہو گئی۔ اس دوران میں وہ چیک دار گاڑی کافی آگے نکل چکی تھی۔ میں نے دوبارہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی لیکن اب دیر ہو چکی تھی------ اگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں تو وہ طارق تھا------ وہی طارق جو مر چکا تھا۔

میری نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا حالانکہ گاڑیوں کے درمیان شیشے کے دوسری طرف سے میں نے اسے دیکھا تھا لیکن اب میرا ذہن اتنا کمزور بھی نہیں تھا کہ کسی مفروضے کا شکار ہوتا۔ وہ طارق ہی تھا' سو فیصد طارق۔ مجھے اس پر اس قدر حیرت نہ ہوتی اگر میں اس کی موت کی خبر نہ سن لیتا لیکن پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے یہ اطلاع غلط ہو۔ ظاہر ہے جس نے مجھے یہ اطلاع دی تھی اس تک بھی کسی اور ذریعے سے ہی پہنچی ہو گی۔ خود اس نے اپنی آنکھوں سے طارق کو مرتے ہوئے نہ دیکھا ہو گا۔ بہرطور طارق علاج کی غرض سے لندن گیا تھا اور اب وہ واپس آ گیا۔ اس کا ایک ہاتھ میری بھینٹ چڑھ چکا تھا اور آخری جنگ میں اس کی شکل بھی بگڑ گئی تھی لیکن یورپ میں اس کا علاج ہوا ہو گا' اور ممکن ہے سیٹھ جبار نے ہی اس کی موت کی اطلاع عام کی ہو۔ اس نے سوچا ہو کہ اب پرنس دلاور کی حیثیت سے میرے وسائل بڑھ گئے ہیں کہیں طارق کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے میں اسے یورپ میں تلاش نہ کروں' اس لیے اس نے طارق کی حفاظت کی تھی کیونکہ وہ اس کا پہلا ساتھی تھا اور اس کے کالے کرتوتوں کا سب سے بڑا رازدار۔

سگنل سے آگے بڑھ کر میں نے دور تک اس کار کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کی۔ غلطی میری تھی۔ میں نے کار کا نمبر نہیں دیکھا اور لمحہ بھر کے لیے ذہنی جھٹکے سے معطل ہو گیا' ورنہ طارق کے بارے میں معلومات حاصل کر لینا زیادہ مشکل نہ ہوتا' ویسے یہ بات تو تسلیم شدہ تھی کہ طارق نے کہیں اور پناہ نہ لی ہو گی۔ وہ یقیناً سیٹھ جبار کی کوٹھی میں تھا بلکہ ممکن ہے آج ہی یہاں پہنچا ہو۔ میں نے مجنونانہ کارروائی ترک کر دی کیونکہ اس کی تلاش میں کار دوڑانا عقلمندی کی بات نہیں تھی اگر وہ یہاں ہے تو اس سے مڈبھیڑ کہیں بھی ہو سکتی ہے چنانچہ میں نے کار کا رخ اپنی کوٹھی کی سمت موڑ لیا۔

کئی دن سے پروفیسر وغیرہ سے نہ تو ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی فون پر گفتگو ہوئی تھی چنانچہ فینی سے یہاں کے حالات معلوم کرنے کے بعد میں نے پروفیسر کو فون کیا۔ سرخاب سے بات ہوئی تو اس نے خیریت کی اطلاع دیتے ہوئے میری مصروفیات کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے اسے مطمئن کر دیا اور فون بند کر کے آرام کرنے چلا گیا۔

دوسرے دن تقریباً" گیارہ بجے عدنان آیا۔ وہ ٹرانسمیٹر سیٹ کا ریسیور لایا تھا۔ کافی بڑا

باکس تھا ۔۔ میں بہت سے ٹرانسمیٹروں کے ریسیور تھے۔ ان پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ عدنان نے مجھے بتایا کہ یہ ٹرانسمیٹر واچ اس نے جاپان سے منگوائی ہیں۔ کافی دن پہلے اس نے ان کا آرڈر دیا تھا یہ اس کا مین ریسیور تھا۔ ویسے تمام ٹرانسمیٹر واچز پر ایک دوسرے کے پیغامات وصول کیے جا سکتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ گھڑیاں اپنے خاص لوگوں کو فراہم کرے گا تاکہ ٹیلی فون کے جھگڑے سے نجات مل جائے اور یہ احساس ذہن سے مٹ جائے کہ آپس میں ہونے والی گفتگو کہیں سنی جا سکتی ہے۔ میں نے عدنان سے کہا کہ ان میں سے ایک گھڑی وہ مجھے بھی فراہم کرے۔

"میں خود ہی آپ کو پیش کرنے والا تھا! پرنس، براہ کرم!" یہ کہتے ہوئے اس نے گردن جھکا دی اور جیب سے ایک خوبصورت سی گھڑی نکال کر مجھے دے دی۔ یہ نہایت قیمتی اور نفیس گھڑی تھی۔ عدنان اسے آپریٹ کرنے کا طریقہ بتانے لگا۔

"یہ تو واقعی بے حد خوبصورت ہے اور عام حالات میں اسے کلائی پر بھی باندھا جا سکتا ہے۔"

"میں نے اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا تھا، پرنس! تمام گھڑیاں مختلف ڈیزائن کی ہیں لیکن ان میں نصب ٹرانسمیٹروں کی فریکونسی ایک ہی ہے۔ میں انھیں اپنے خاص خاص آدمیوں میں تقسیم کروں گا۔ اگر آپ کو زیادہ کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیجیے، میرا مطلب ہے تغلق خان وغیرہ کے لیے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔ ویسے تم نے کتنی گھڑیاں منگوائی ہیں؟"

"فی الحال تو بیس گھڑیاں منگوائی ہیں اور یہ ان کا مین ریسیور ہے۔ زیادہ گھڑیوں کا آسانی سے نکل آنا ممکن نہ تھا۔ ویسے مجھے کچھ اور چیزیں بھی منگوانی ہیں۔ اگر پرنس ولاور نے جاپان کا کبھی رخ کیا تو اسی کے ذریعے یہ سامان منگواؤں گا۔ میری مراد اپنے شپ سے ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اس سامان کی ایک فہرست مجھے بھی دینا۔"

"او۔ کے، باس!" عدنان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس کے بعد وہ مجھے مین ریسیور آپریٹ کرنے کا طریقہ بتانے لگا اور پھر اس نے سات نمبر کی فریکونسی سیٹ کر دی۔ میں دلچسپی سے ریسیور سیٹ کو دیکھنے لگا جس کے اسپیکر سے اب آوازیں ابھر رہی تھیں۔ یہ گنگناہٹ کی ہلکی ہلکی آوازیں تھیں۔ میں نے تعجب سے استفہامیہ نظروں سے عدنان کو دیکھا وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ شاید وہ میرا مطلب بھانپ گیا تھا۔

"پرنس فورسیا، سپارکو کے کمرہ نمبر پینتیس میں پہنچ چکی ہیں اور اس وقت وہ اپنی

مادری زبان میں گنگنا رہی ہیں۔" عدنان نے کچھ اس طرح سے کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"ویری گڈ! تم نے اسے کب منتقل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو دو بجے پروگرام کے مطابق، ان افراد میں، میں بھی شامل تھا جو فورسیا کو ہوٹل سپارکو پہنچانے گئے تھے۔ میں ایک بوڑھے آدمی کے میک اپ میں تھا۔ میں نے منیجر سے کہا کہ یہ بیمار ہیں اور انھیں بغرض علاج لایا گیا ہے۔ ہمیں فوری طور پر کمرہ درکار ہے۔ منیجر نے فوراً" ہی کمرہ مہیا کر دیا تھا۔ میں نے ڈبل روم لیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ میں بھی اس کے ساتھ رہوں گا اس لیے وہ مطمئن تھا۔۔۔۔۔ لیکن اب پرنس تنہا ہیں اور ہوش میں آنے کے بعد وہ کسی کو۔۔۔۔۔" دفعتاً" عدنان رک گیا۔۔۔۔۔ ٹرانسمیٹر پر دستک سنائی دی تھی اور پھر قدموں کی چاپ، غالباً" دروازہ کھولا گیا تھا اس کے ساتھ ہی کسی نامعلوم زبان میں ریٹا کی دھاڑیں سنائی دیں۔ پھر کچھ دھماکے ہوئے اور اس کے بعد ایک گھبرائی گھبرائی سی آواز۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا۔

"کیا ریٹا اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی؟" میں نے گھورتے ہوئے عدنان سے پوچھا۔

"جی ہاں! اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ ساڑھے گیارہ بجے اپنا ڈرامہ شروع کر دے۔" عدنان نے جواب دیا اور میں نے متحیرانہ انداز میں گردن ہلا دی۔ ٹرانسمیٹر پر اب افریقی زبان میں کسی وحشیانہ نغمے کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی توڑ پھوڑ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں پھر بہت سے آدمیوں کا شور سنائی دیا۔ گویا فورسیا کے روپ میں ریٹا اپنا کام شروع کر چکی تھی۔

"سنئے تو سہی، سنئے تو پلیز، مس پلیز! آہ!" برتن کی کھنکھناہٹ کے ساتھ ہی ایک کراہ سنائی دی اور اس کے بعد پھرتی سے دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ اب شور کی مدھم مدھم آوازیں ابھر رہی تھیں غالباً" یہ شور ریٹا کے کمرے سے باہر ہو رہا تھا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ کبھی کبھی کوئی چھوٹا موٹا دھماکہ سنائی دے جاتا اور اس کے ساتھ ہی وحشیانہ قہقہے ابھرنے لگتے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور میں بھی مسکرا دیا۔

"یہ ریٹا واقعی کام کی لڑکی ثابت ہو رہی ہے۔" ہم ان آوازوں کو سنتے رہے۔ آدھے گھنٹے تک کوئی خاص بات نہ ہوئی لیکن اس کے بعد ایک بار پھر دروازہ کھولا گیا اور ریٹا نے ریل کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالی۔

"اوہ یہ افریقی نژاد ہے۔" ایک آواز ابھری۔

"یس سر! بس رات کو تقریباً" دو یا ڈھائی بجے دو تین افراد کے ساتھ آئی تھی۔ ایک بوڑھا آدمی بھی اس کے ساتھ تھا لیکن ویٹر کا کہنا ہے کہ صبح کو اس نے بوڑھے کو نہیں

دیکھا تھا۔"

"صبح کو ویٹر نے اس کے کمرے میں ناشتہ پہنچایا تھا اور اس نے پر سکون انداز میں ناشتہ کیا تھا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہو گیا۔"

"ناشتے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ برتن کہاں ہیں جن میں اسے ناشتہ دیا گیا تھا؟"

"جناب عالی' ایسی کوئی بات نہیں۔ اس وقت بہت سے کمروں میں ناشتہ سپلائی کیا گیا تھا۔ آپ کچن کی تلاشی لے سکتے ہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"اس کا سامان؟"

"سس---- سامان!" بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر اسی آواز نے کسی اور کو پکارا۔

"اے رمضان! ان کے ساتھ سامان نہیں تھا۔"

"تھا صاحب! ایک بڑا سا سوٹ کیس تھا۔"

"تلاش کرو' وہ کہاں ہے؟"

"جی صاحب!" جواب ملا' لیکن شاید سوٹ کیس کی تلاش میں ناکامی ہوئی تھی۔ عدنان آہستہ سے بولا۔

"سوٹ کیس میں واپس لے آیا تھا۔" بہر حال یہ اندازہ لگانے میں دقت نہ ہوئی کہ پولیس پہنچ چکی ہے اور یہ گفتگو غالباً" پولیس آفیسر اور مینجر کے درمیان ہو رہی تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو مینجر! اور اس سلسلے میں تمہارا کیا بیان ہے؟" پولیس آفیسر کی آواز سنائی دی۔

"جناب عالی! ہوٹل میں تو بہت سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ صحیح الدماغ تھیں اور صبح سے ان کی کیفیت بھی ٹھیک تھی۔ یہ کوئی دورہ پڑا ہے شاید! آہ' دیکھئے انہوں نے تمام فرنیچر کو تباہ کر کے رکھ دیا' بڑے قیمتی ڈیکوریشن پیس تھے۔" مینجر کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی پھر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"براہ کرام! آپ انہیں اپنی تحویل میں لے لیجئے' ہم اپنے ہوٹل میں افراتفری نہیں چاہتے۔ آپ کو علم ہے کہ سپارکو کا ایک معیار ہے۔ ہمارے دوسرے مہمانوں کو تکلیف ہو گی۔"

"ٹھیک ہے مینجر! لیکن آپ کو بھی اس سلسلے میں پریشانیوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ ویسے میرا ماتحت آپ کا کچن چیک ضرور کرے گا---- جاوید! تم دو آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ کچن کے تمام سامان کو اپنی تحویل میں لے لو اور اس کے تھوڑے تھوڑے سے

نمونے حاصل کر کے انھیں کیمیاوی تجزیے کے لیے بھجوا دو' میں انہیں لے کر چلتا ہوں۔ میرے خیال میں انھیں پولیس ہاسپٹل لے جانا مناسب ہو گا۔" یہ اسی پولیس آفیسر کی آواز تھی۔ اس کے بعد قدموں کی چاپ کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دی۔ پھر کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ گویا سارا ڈرامہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ عدنان نے گھڑی کا وہ کمال دکھایا تھا جو بے مثال تھا پھر غالباً" ریٹا پولیس ہاسپٹل پہنچ گئی لیکن اب وہ پر سکون تھی۔ عدنان نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا۔

"کیا خیال ہے پرنس! یہ انتظام مناسب ہے؟"

"ہاں بالکل عدنان۔ تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ واقعی میرے لیے یہ دلچسپ مشغلہ ہے۔ آج تو سارا دن اسی وائرلیس سیٹ کے سامنے گزرے گا۔"

"مجھے اجازت دیجئے پرنس اگر کوئی خاص بات ہو تو دفتر رنگ کر لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔" میں نے کہا اور عدنان چلا گیا واقعی ایک دلچسپ مشغلہ تھا میرے لیے۔ آج کے دوسرے تمام پروگرام ترک کر دینے پڑے تھے۔

فینی کمرے میں آئی تو میں' وائرلیس سیٹ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس پر ابھرنے والی آوازیں سننے لگی۔ قدموں کی چاپ اور کچھ---- ہلکی ہلکی سی آوازیں۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"آج کا سارا دن اسی انداز میں گزرے گا فینی۔ میرے لیے کافی بھجوا دو اور باقی کوئی پروگرام نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہتر جناب۔ جو حکم۔" فینی نے جواب دیا اور چلی گئی۔ کافی آ گئی ابھی تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی بس ویسی ہی ہلکی ہلکی آوازیں آہستہ آہستہ ابھر رہی تھیں۔

پھر غالباً" کچھ افراد اندر آئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے' یہ ڈاکٹر تھے جو سب ریٹا کے بارے میں تبصرہ کر رہے تھے۔ انھوں نے اس کی اس کیفیت کو کوئی ذہنی دورہ ہی قرار دیا تھا۔ پھر ان میں سے کسی نے انکشاف کیا کہ یہ اذیتوں کا شکار ہوئی ہے۔ غالباً" ان کے ساتھ پولیس آفیسر بھی تھا۔ پولیس آفیسر ڈاکٹروں سے اس سلسلے میں سوالات کرنے لگا۔ ڈاکٹروں میں سے کسی ایک نے کہا کہ وہ اسے ذہنی سکون کا انجکشن دے رہے ہیں اگر یہ سو جائے تو ممکن ہے اس کی ذہنی حالت بحال ہو جائے۔ انھوں نے پولیس آفیسر سے درخواست کی تھی کہ وہ اس وقت تک لیے اپنی تحقیقات ترک کر دے جب تک وہ اس انجکشن کا اثر نہ دیکھ لیں اور پولیس آفیسر نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی شاید ڈاکٹر اپنا کام کر کے واپس چلے گئے

تھے۔ تقریباً" تین چار منٹ بعد ٹرانسمیٹر سیٹ پر ایک سرگوشی سنائی دی۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ کوئی سیٹ پر موجود ہے؟"

"ہاں۔ ریٹا میں موجود ہوں پرنس دلاور۔"

"اوہ۔ سر صورت حال ذرا گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"سر۔ انھوں نے مجھے نیند کا انجکشن دیا ہے۔ اب میرے ذہن میں سناٹا سا طاری ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے میں سو جاؤں گی اس واچ ٹرانسمیٹر میں ایک تھوڑی سی گڑبڑ ہے سر' یہ آن رہتا ہے تو اس میں ایک ننھا سا سرخ بلب اسپارک کرتا رہتا ہے ہم نے پہلے اس پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ تو اتفاقیہ طور پر میری نگاہ اس بلب پر جا پڑی۔ گو اس کی روشنی زیادہ نہیں ہے لیکن اسکا جلنا بجھنا صاف دیکھا جا سکتا ہے' مجھے جب یہ احساس ہوا سر تو میں نے اپنا ہاتھ اس پوزیشن میں رکھا کہ ڈائل کسی کو نظر نہ آئے لیکن بے ہوش ہونے کے بعد میں اپنا یہ عمل جاری نہ رکھ سکوں گی اس لیے براہ کرم آپ سیٹ بند کر دیں میں بھی اس کا سوئچ آف کر رہی ہوں۔" ریٹا کی سرگوشی میں غنودگی کا احساس صاف جھلک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے ریٹا! تم اسے بند کر دو۔ جس وقت بھی ہوش میں آؤ اور حالات ساز گار دیکھو تو رابطہ قائم رکھنا۔"

"ٹھیک ہے خدا حافظ پرنس۔" ریٹا نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں نے سوئچ آف کر کے اسے دوبارہ آن کیا اور اس بار میں نے وہ نمبر لگا دیا جو میری اپنی ٹرانسمیٹر واچ کا تھا۔ ٹرانسمیٹر واچ کا ڈائل بظاہر سپاٹ اور عام قسم کا تھا لیکن میں نے اس کے ایک حصے میں سرخ رنگ کا بلب روشن دیکھا۔ درحقیقت یہ ننھا سا بلب بہت زیادہ واضح نہیں تھا لیکن اگر تاریکی ہوتی تو اس کی روشنی نمایاں ہو جاتی۔ وہ مسلسل اسپارک کر رہا تھا۔ ریٹا کا کہنا درست تھا بے ہوشی کے عالم میں اس روشنی کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔

بہر طور اب تو مجبوری تھی میں مسلسل اس کے سامنے تو نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے فینی کی ڈیوٹی لگا دی اور اسے ہدایت کی کہ وہ اس وائرلیس سیٹ کے سامنے بیٹھی رہے۔ فینی بے چاری تو میرے احکامات کی پابندی ہی کرتی تھی چنانچہ اس نے یہ ڈیوٹی سنبھال لی۔ پورا دن گزر گیا ٹرانسمیٹر پر اور کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا پھر میں نے فینی کی ڈیوٹی ختم کر کے مس نادرہ کو یہ ذمے داری سونپ دی۔

رات کو تقریباً" پونے دس بجے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا تھا میں اس وقت سیٹ

کے قریب ہی موجود تھا۔ نادرہ سیٹ آپریٹ کر رہی تھی اس نے جلدی سے مجھے متوجہ کیا اور میں سیٹ کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو۔ ہیلو پرنس۔ ریٹا بول رہی ہوں۔"

"ہیلو ریٹا کیسے مزاج ہیں؟"

"سارا دن سوتی رہی پرنس۔ اب جاگی ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے کچھ پولیس آفیسر میرے پاس آئے تھے میں نے صحیح الدماغی کا مظاہرہ کیا۔ بس کراہتی رہی۔ میری تصویریں حاصل کی گئی ہیں اور کوئی خاص بات نہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مجھے اذیتیں دی گئی ہیں جن کی وجہ سے میرا دماغی توازن الٹ گیا ہے لیکن کبھی کبھی میں نارمل بھی ہو جاتی ہوں۔ کوئی خاص ہدایت ہو تو فرمائیے۔"

"نہیں ریٹا۔ کوئی ہدایت نہیں ہے رات کو سکون سے سو جاؤ اگر کوئی تبدیلی ہو تو اطلاع دینا۔ ویسے چار چار گھنٹے کے بعد اگر ممکن ہو سکے اور کوئی خاص دقت نہ ہو تو اطلاع دیتی رہو۔ ہر چار گھنٹے کے بعد ہم تمھاری طرف سے اطلاع کا انتظار کریں گے۔"

"او کے سر' ویسے اگر چوتھے گھنٹے میں میری طرف سے آپ کو کوئی اطلاع نہ ملے تو انتظار کر لیجیے گا کیونکہ ممکن ہے میں ہوش میں نہ ہوؤں یا پھر ایسی صورت حال ہو کہ میں آپ کو اس سے آگاہ نہ کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور ریٹا کی طرف سے آواز آنا بند ہوگئی۔ وقت دیکھ لیا گیا تھا میں نے فینی کو ہدایت کر دی کہ چار گھنٹے کے بعد دوبارہ اپنی ڈیوٹی سنبھال لے اور فینی سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

دوسرے دن میں نے اخبار میں ریٹا کی تصویر دیکھی۔ پولیس کی طرف سے چھوٹا سا اشتہار دیا گیا تھا کہ یہ خاتون جو ذہنی توازن کھو چکی ہیں۔ پولیس کو ملی ہیں اگر ان کا کوئی شناسا موجود ہو تو پولیس سے رابطہ قائم کرے گویا پولیس افسران نے ریٹا کی تصویر اسی لیے حاصل کی تھی۔

بہرصورت عدنان کا سارا پروگرام حرف بہ حرف کامیاب ہو رہا تھا اب اس کے بعد مجھے ریٹا کی طرف سے ملنے والی اطلاع کا انتظار تھا۔ چار گھنٹے گزرے' آٹھ گھنٹے اور پھر پورا دن گزر گیا لیکن ریٹا کی طرف سے کوئی پیغام موصول نہ ہوا' ہم خود اس سے گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے عدنان کو اس بارے میں اطلاع دی تو اس نے کہا کہ وہ ابھی معلومات حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے۔ رات ساڑھے گیارہ بجے عدنان نے اطلاع دی کہ ریٹا پولیس اسپتال سے لے جائی جا چکی ہے۔ کون لے گیا ہے اور کہاں لے گیا ہے

یہ نہیں معلوم ہو سکا۔

مجھے کسی قدر بے چینی سی ہونے لگی تھی۔ ساری رات گزر گئی فینی اور نادرہ نے حسب معمول اپنی ڈیوٹی انجام دی تھی تو پھر دوسرا دن بھی پورا گزر گیا اب ہمیں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ریٹا کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔ عدنان بے چارہ اپنی تمام تر کوششوں میں مصروف تھا۔

دوسری طرف وہ پرنس فورسیا کی خبرگیری بھی کر رہا تھا اور اس کے آدمی عمارت کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اس طرف سے بھی کوئی خاص پیغام موصول نہ ہوا۔

چوتھے دن صبح تقریباً" آٹھ بجے جب کہ میں سویا ہوا تھا۔ فینی دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچی۔

"پرنس براہ کرم جاگیئے۔ براہ کرم جاگیئے۔ ریٹا کی طرف سے پیغام موصول ہوا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔" میں جس حالت میں تھا اسی حالت میں اٹھ کر دوڑتا ہوا اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وائرلیس سیٹ موجود تھا۔ اس کا سوئچ آن تھا اور ریٹا دوسری طرف انتظار کر رہی تھی۔

"ہیلو ریٹا۔ پرنس دلاور بول رہا ہوں۔"

"ہیلو پرنس۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں ریٹا۔ چار دن سے تمھاری طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔"

"گڑ بڑ ہو گئی ہے پرنس۔ صورت حال بڑی پریشان کن ہے میں نہیں جانتی کہ آنے والے لمحات میرے لیے کیسے ثابت ہوں؟"

"کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ ہوا کیا؟"

"پرنس شاید آپ کسی حد تک حالات سے آگاہ ہوں۔ جس عرصے میں' میں آپ سے رابطہ قائم نہ کر سکی اس میں جو واقعات پیش آئے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے۔ غالباً" میری تصویر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ صبح کا اخبار بازار میں آتے ہی تقریباً" دو گھنٹے کے بعد سیٹھ جبار کے آدمی اسپتال پہنچے اور مجھے فوری طور پر اسپتال سے چھٹی دلا دی گئی۔ وہ لوگ مجھے ایک کار میں لے کر سیٹھ جبار کی کوٹھی پہنچ گئے اور پھر میں سیٹھ جبار کے سامنے پیش ہوئی۔ سیٹھ جبار نے مجھ سے بے پناہ ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ فوری طور پر میرے بہترین علاج کا بندوبست کیا جائے۔ مجھے ایک بڑے سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ سارا دن میں اس کمرے میں رہی------ چار ڈاکٹر میری نگہداشت کرتے رہے۔ انھوں نے مجھے طرح طرح کی دوائیں پلائیں اور انجکشن دئے لیکن ان میں بے

ہوشی کا کوئی انجکشن نہ تھا بس غنودگی سی طاری رہی تھی البتہ یہ غنودگی ایسی نہ تھی کہ میں حواس کھو بیٹھتی۔ پھر تقریباً" رات کو ساڑھے آٹھ بجے پانچ آدمی اندر داخل ہوئے مجھے علم ہے پرنس فورسیہ کے ساتھ پانچ افراد آئے ہوئے تھے۔ آنے والے یہ پانچوں افراد سیاہ فام ہی تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا چار افراد نے تصدیق کر دی کہ میں فورسیا ہوں وہ میرے لیے بے حد بے چین نظر آ رہے تھے لیکن پانچواں آدمی بے حد عجیب و غریب تھا وہ مجھے سونگھتا رہا بالکل کتے کی طرح ناک سکوڑ سکوڑ کر وہ مجھے سونگھتا رہا تھا اور پھر اس نے اعلان کیا کہ یہ پرنس فورسیا نہیں ہے۔ اس بات پر وہ چاروں افراد بھی چونک پڑے اور خود سیٹھ جبار بھی۔ اس نے اس شخص سے جس کا نام موبو لیا تھا' پوچھا کہ وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ فورسیا نہیں ہے تب وہ کہنے لگا کہ میں لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔ یہ لوگ صرف آنکھیں رکھتے ہیں لیکن میں ناک اور ذہن بھی رکھتا ہوں۔ سیٹھ جبار کڑی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا اور پھر کسی خیال کے تحت چونک کر اس نے اپنے ایک آدمی کو طلب کی اور اسے ہدایت کی کہ میرے چہرے پر میک اپ تلاش کیا جائے اور اس کے بعد پرنس' انھوں نے امونیا کے ذریعے میرے چہرے سے میک اپ اتار دیا اور میری اصلی شکل نمایاں ہو گئی۔ سیٹھ جبار پاگل ہو گیا اس نے مجھے لاتوں اور گھونسوں سے مارا۔ میرے چہرے پر تھپڑ لگائے بال وغیرہ نوچے بڑی درندگی کا مظاہرہ' کیا اس نے اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں کون ہوں۔ صورت حال کچھ ایسی تھی پرنس کہ میں اس اعتراف کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ میں پرنس دلاور کی نمائندہ ہوں اور انھی کے ایماء پر اس طرح بھیجی گئی ہوں۔ سیٹھ جبار نے پہلے تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مجھے قتل کر کے میری لاش کسی گٹر میں ڈال دی جائے لیکن پھر اس نے اپنا یہ فیصلہ بدل دیا اور مجھے ایک بند گاڑی میں بٹھا کر کہیں بھیج دیا گیا پرنس۔ یہ جگہ جہاں میں قید ہوں کوئی بحری جہاز ہے۔ مجھے یہاں تک ہوش کے عالم میں ہی لایا گیا اور اسٹیمر کے ذریعے یہاں پہنچایا گیا۔ اب میں اس جہاز کے ایک کیبن میں قید ہوں۔ اس کیبن کے دوسری طرف سمندر صاف نظر آتا ہے میں اس جہاز کے بارے میں تو کچھ نہیں جان سکی لیکن میرے کیبن کے عقب میں وکٹوریہ نامی جہاز سمندر میں لنگرانداز ہے اس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے اسٹیمر چلتے رہتے ہیں۔ میرے کیبن کے برابر ایک اور کیبن ہے پرنس جس میں سیٹھ جبار کی لڑکی اینجل بند ہے۔ دونوں کیبنوں کے درمیان ایک کھڑکی ہے۔ جس سے دوسری جانب با آسانی دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔ اینجل بھی یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے وقت گزار رہی ہے۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں سوالات کیے اور پھر اپنے بارے میں بتایا اسے خود بھی نہیں معلوم کہ اس جہاز کا کیا نام ہے بہرطور

ابھی تک یہیں غنیمت ہے کہ انھیں اس ٹرانسمیٹر کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ان کا
شبہہ اس طرف نہیں گیا ہے۔ سیٹھ جبار نے ابھی تک مجھ سے اس کے علاوہ کچھ اور معلوم
کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

ریٹا کے انکشاف نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے۔ میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا ہو
گیا تھا۔ خاص طور سے اینجل کا نام سن کر تو میرے حواس ایک لمحے کے لیے جواب ہی
دے گئے تھے دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر وہاں تک پہنچ جاؤں اور اینجل کو حاصل کر لوں بیچاری
ریٹا بھی زندگی اور موت کی کش مکش کا شکار ہو گئی تھی۔ ویسے اس کے بیان کی تصدیق
پرنس فورسیہ کے بیان سے بھی ہوتی تھی۔ یقیناً موبو نے سونگھ کر اسے پہچان لیا ہو گا اور
اس کی وجہ سے سارا کھیل بگڑ گیا۔ بہرطور میں نے ریٹا کو پر سکون رہنے کی ہدایت کی اور
اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر مت کرو ہم تمھاری رہائی کا فوری بندوبست کر لیں گے تب
ریٹا نے کہا۔

"مجھے بالکل پرواہ نہیں ہے پرنس! آپ کے مقصد کے لیے اگر میں زندگی ہار بھی
بیٹھوں تو مجھے افسوس نہیں ہو گا۔ مجھے بتایئے کہ ان حالات میں میرے لیے مزید کیا ہدایات
ہیں؟"

"مزید کچھ نہیں ریٹا اگر ممکن ہو سکے تو ٹرانسمیٹر کی حفاظت کرو اور کسی بھی طرح ان
کی توجہ اس طرف نہ ہونے دو اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو تم دوبارہ اسے آن کر سکتی ہو
تاکہ ہم تمھارے حالات سے آگاہ ہو سکیں۔"

"بہتر پرنس! اگر کوئی پریشان کن صورت حال ہوئی تو میں اسے آن کر دوں گی۔"

"او کے ریٹا خدا حافظ۔" میں نے کہا اور ریٹا کی طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے
بعد میں نے بھی ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ لیکن اب میری وحشت عروج پر تھی۔ دوسرے لمحے
میں نے فون پر عدنان کو مخاطب کیا اور عدنان سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اسے ساری
تفصیل بتا دی۔ عدنان بھی یہ تفصیل سن کر سکتے میں رہ گیا تھا۔

"صورت حال بڑی پریشان کن ہو گئی ہے پرنس لیکن اب کیا پروگرام بنانا چاہیے؟
میرا خیال ہے اب ہمیں قوت استعمال کرنا ہو گی؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس جہاز کا پتہ کیسے چلاؤ گے؟"

"یہ کام میں ابھی شروع کرائے دیتا ہوں فوری طور پر انتظامات کرتا ہوں اور یہ اندازہ
لگانے کی کوشش کرتا ہوں کہ وکٹوریہ نامی جہاز کے اطراف میں کون کون سے جہاز موجود
ہیں ممکن ہے وہاں اور بھی کئی جہاز ہوں اور ریٹا صرف وکٹوریہ ہی کو دیکھ سکی ہو۔"

"میں خود بھی نکل رہا ہوں عدنان میں خود بھی تلاش کروں گا۔"

"تب آپ ایک زحمت کریں پرنس۔" عدنان نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں کہو۔"

"بہتر یہ ہے کہ آپ پرنس دلاور تک پہنچ جائیں ہم اپنی نئی مہم کا آغاز وہیں سے کریں
گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے پرنس دلاور پر ہی ملاقات کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور
عدنان سے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔

پھر میں نے فینی کو باقاعدہ اس ٹرانسمیٹر سیٹ پر تعینات کر دیا۔ میں نے اسے ٹرانسمیٹر
سیٹ آپریٹ کرنے کے تمام طریقے بتائے اور اس سے کہا کہ میری کلائی پر بندھی ہوئی
ٹرانسمیٹر واچ کا نمبر بارہ ہے۔ وہ اگر کوئی خاص اطلاع دینا چاہے تو اس نمبر پر مجھے اطلاع
دے سکتی ہے۔ فینی کو تمام تر صورت حال سمجھانے کے بعد میں نے پھرتی سے اپنی شکل
میں کچھ تبدیلی کی اور چل پڑا۔

پرنس دلاور تک پہنچنے میں مجھے دو گھنٹے لگے جب میں وہاں پہنچا تو عدنان کا اسٹیمر بھی
پرنس دلاور سے لگا ہوا تھا۔ وہ میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سیڑھی لگا دی گئی اور میں اوپر
پہنچ گیا۔ عدنان اس دوران کئی کشتیوں سے رابطہ قائم کر چکا تھا اور انھیں وکٹوریہ کی تلاش
میں بھیج دیا گیا تھا۔ پرنس دلاور کے ایک کیبن میں بیٹھ کر ہم نے کافی پی۔ عدنان بھی اتنا
ہی پر جوش تھا جتنا میں۔ وہ مجھ سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کرتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ
وکٹوریہ کے بارے میں کب اطلاع ملتی ہے؟

اس کام میں زیادہ دیر نہ لگی ہمارے ایک مخبر نے آ کر ہمیں بتایا کہ وکٹوریہ جہاز یہاں
سے تین میل کے فاصلے پر سمندر میں لنگرانداز ہے اور اس کے نزدیک ہی "دی کنگ" نامی
ایک جہاز موجود ہے۔ آس پاس کوئی اور جہاز نہیں ہے اور اس کا مطلب ہے کہ دی کنگ
نامی جہاز ہی ہمارا مطلوبہ جہاز ہے۔ عدنان اطلاع دینے والوں سے اس جہاز کے بارے میں
تفصیلات معلوم کرتا رہا۔ چھوٹا سا مال بردار جہاز تھا جس کے بارے میں یہ تفصیلات نہیں
معلوم ہو سکی تھیں کہ کون سی کمپنی کا ہے اور کب سے یہاں لنگرانداز ہے؟

بہرطور یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی کہ ریٹا اور اینجل اسی جہاز پر قید
ہیں ـــــ اب یہ معلومات حاصل کرنا ذرا مشکل کام تھا کہ جہاز پر کتنے افراد ہیں۔ سیٹھ
جبار خود وہاں موجود ہے یا نہیں، ان تمام باتوں کا جواب حاصل کرنا مشکل تھا تاہم عدنان
نے مزید انتظامات کیے۔ وہ اپنے اسٹیمر سے ساحل پر چلا گیا اور پھر اس نے اپنے بہت سے

آدمیوں کو طلب کر کے کرائے کے اسٹیمر حاصل کیے ان میں لڑکیاں اور لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ رنگین لباسوں میں ملبوس یہ افراد سیر و تفریح کی غرض سے آنے والوں کا روپ اختیار کر کے سمندر میں دور دور تک پھیل گئے اور وقفے وقفے سے یہ اسٹیمر "دی کنگ" کے آگے اور پیچھے سے گزرنے لگے۔ وہ دی کنگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

شام تک اس کارروائی کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ سات بجے عدنان سے پھر میٹنگ ہوئی اور ہم نے طے کیا کہ ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر کسی بھی لمحے دی کنگ پر پہنچ جائے اور وہاں حالات جیسے بھی ہوں ان سے نمٹ کر اینجل اور ریٹا کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ عدنان نے اس سلسلے میں انتظامات کرنے کے لیے مجھ سے اجازت چاہی اور وہ پھر چلا گیا۔

اس دوران پرنس دلاور کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ایک ایسے اینگل پر لے آیا گیا تھا جہاں سے فاصلہ ضرور تھا لیکن دی کنگ پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ جہاز میں استعمال ہونے والی بڑی بڑی دوربینوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر دی کنگ پر فوکس کر دیا گیا تھا اور وہاں ہونے والی ہر کارروائی کا گہرا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ یہ سارے انتظامات بڑے ہی ہنگامہ خیز تھے اور میں کسی حد تک ان سے مطمئن تھا۔ خدشہ صرف یہ تھا کہ اس دوران وہ لوگ ریٹا کو وہاں سے کہیں لے جانے کی کوشش نہ کریں اور اسے ہلاک نہ کر دیں۔

رات کو میں نے ٹرانسمیٹر واچ پر فینی سے رابطہ قائم کیا اور فینی نے مجھے اطلاع دی کہ ابھی تک ریٹا کی طرف سے اور کوئی پیغام موصول نہیں ہوا ہے۔

بہرحال میں نے اسے ہدایت کر دی کہ یہ رات سونے کے لیے نہیں ہے۔ صورت حال پر نظر رکھنے کے لیے اسے جاگنا ہو گا۔ فینی مستعد لڑکی تھی اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ میں اس طرف سے مطمئن رہوں۔

○

رات کو تقریباً پونے دو بجے عدنان میرے پاس پہنچا۔ اس نے اطلاع دی کہ اس وقت تقریباً پچاس آدمی دی کنگ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ سب غوطہ خور ہیں اور بادبانی کشتیوں میں ماہی گیروں کی حیثیت سے دی کنگ کے اطراف میں پھیل گئے ہیں۔ اسٹیمروں کو خاص طور سے استعمال نہیں کیا گیا کہ کہیں ان کی آواز سے دی کنگ پر موجود عملے کے افراد ہوشیار نہ ہو جائیں۔ یہ اندازہ اب تک نہیں ہو سکا تھا کہ دی کنگ پر کتنے افراد تھے عدنان یہ بھی پتہ نہیں چلا سکا تھا کہ یہ جہاز کون سے ملک اور کون سی کمپنی کا ہے اس کے لیے اسے وقت ہی نہیں ملا تھا۔ اس نے اپنے انتظامات کی تفصیل بتاتے ہوئے کہاں کہ دی کنگ کے عرشے تک جانے کے لیے اس نے چار مخصوص قسم کی سیڑھیوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس نے مجھ سے اجازت چاہی اور کہا کہ اب وہ آپریشن پر جانا چاہتا ہے۔ میں نے خود بھی جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

عدنان تھوڑا ہچکچایا تو میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"نہیں عدنان۔ میں اس مہم میں خود بھی شامل رہنا چاہتا ہوں------ براہ کرم اس سلسلے میں تردد مت کرو۔" میرا لہجہ اتنا ٹھوس تھا کہ اس کے بعد عدنان کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں بھی غوطہ خوری کے لباس میں ملبوس اور اسٹین گن سے مسلح ہو کر پرنس دلاور سے نیچے اتر آیا جہاں ایک بادبانی کشتی ہمارے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی چنانچہ ہم اس مہم کی تکمیل کے لیے چل پڑے۔

کشتی کا سفر اچھا خاصا طویل تھا۔ تقریباً ڈھائی بجے ہم دی کنگ کے بالکل قریب پہنچ گئے اوپر ہلکی ہلکی روشنیاں ہو رہی تھیں اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی عدنان نے ٹرانسمیٹر پر اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کیا یہ واچ ٹرانسمیٹر بڑے موقعے سے کام آ رہے تھے۔ بادبانی کشتیاں سمٹنے لگیں اور بے آواز دی کنگ کے نزدیک پہنچ گئیں۔ شاید ان جگہوں کا انتخاب کر لیا گیا تھا جہاں اس کی سیڑھیاں پھینکی جانے والی تھیں۔ چار سیڑھیاں اوپر پھینکی گئیں۔

سب سے پہلی سیڑھی سے میں اور عدنان اوپر چل پڑے تھے۔ چاروں طرف سے

ہمارے آدمی دی کنگ پر چڑھ رہے تھے بڑی ہی سنسنی خیز کیفیت تھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ رات کو وہاں سمندر پر نگاہ رکھنے کا معقول بندوبست کیا گیا ہے یا نہیں ویسے سیٹھ جبار غافل انسان نہیں تھا اور ایسی حماقتیں نہیں کر سکتا تھا۔ ہرچند کہ یہ بات اس کے ذہن میں نہیں ہو گی کہ کسی طرح ہمیں "دی کنگ" کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی ہیں لیکن پھر بھی چونکہ یہ جہاز اس کے مفادات کے لیے استعمال ہو رہا تھا اس لیے ممکن ہے اس نے سمندر پر نگاہ رکھنے کا بندوبست کیا ہو اور میرا یہ اندازہ درست ہی نکلا۔

ہم دونوں اوپر پہنچ گئے' اس طرف کوئی نہیں تھا' ہم نے انتہائی برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ایک ایسی جگہ کی آڑ لے لی جہاں سے ہم دور دور تک نگاہ دوڑا سکتے تھے۔ ہمیں عرشے کے داہنی سمت کے حصے میں دو افراد ٹہلتے ہوئے نظر آئے اور پھر یہ ہمارے آدمیوں کی بدنصیبی تھی کہ وہ ان کے بالکل قریب ہی ابھرے تھے' ہم نے ان دونوں کو محتاط ہوتے دیکھا اور جونہی ہمارے پہلے دو آدمی عرشے پر پہنچے' انھوں نے فائر کھول دیے۔

دو دلخراش چیخیں اسٹین گن کی آوازوں کے درمیان ابھری تھیں اور وہ جو سب سے پہلے اوپر پہنچے تھے۔ غالباً" موت کا شکار ہو کر واپس سمندر میں جا پڑے۔

لیکن اب انتظار کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اسٹین گن سے فائرنگ کی اور ان دونوں کو ہلاک کر دیا۔ اسی وقت عقب سے تین چار آدمی دوڑتے نظر آئے۔ اس دوران ہمارا ایک آدمی اور اوپر پہنچ چکا تھا پھر اس کے پیچھے دوسرا' دوڑنے والوں نے فوراً" ہی فائرنگ شروع کر دی لیکن نئے آنے والے غالباً" اپنے دو ساتھیوں کے حشر سے آگاہ ہو چکے تھے چنانچہ جلدی سے عرشے پر لیٹ گئے۔

البتہ عدنان کی اسٹین گن سے نکلنے والی گولیوں نے دوڑنے والوں کو چاٹ لیا تھا۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے اور اس کے بعد "دی کنگ" کے عرشے پر جگہ جگہ روشنیاں ہونے لگیں پھر اس کے کچھ کیبنوں سے ہم پر فائرنگ شروع ہو گئی۔

رات کے سناٹے میں یہ فائرنگ بے حد ہولناک محسوس ہو رہی تھی اور اس کی آواز یقیناً دور دور تک سنی جا رہی تھی۔ میں نے وکٹوریہ پر بھی روشنیاں ہوتے دیکھیں۔ فائرنگ کی آواز سے اس دوسرے جہاز پر موجود لوگ بھی ہوشیار ہو گئے تھے پھر تیز سرچ لائٹیں سمندر پر گشت کرنے لگیں۔ لیکن اب اس طرف توجہ دینے کا موقع نہیں تھا۔ زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

"دی کنگ" پر بھی سیٹھ جبار کے کافی افراد معلوم ہوتے تھے اور وہ سب کے سب اسٹین گنوں سے مسلح تھے۔ میری طرف جو سیڑھیاں لگی تھیں ان پر سے کچھ اور آدمی اوپر

پہنچ گئے اور اب عرشے پر ہمارے آدمیوں کی تعداد کافی ہو گئی تھی لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ ہمیں کوئی ایسی پوزیشن نہیں مل رہی تھی جہاں سے ہم کیبنوں سے ہونے والی فائرنگ کا مقابلہ کر سکتے اس لیے ہم منتشر ہو گئے اور بھاگتے دوڑتے------ نشانے لگا رہے تھے۔ یہ نشانے بھی ہم اندھا دھند ہی لگا رہے تھے۔

مجھے اس بات کا بڑا قلق تھا کہ میرے دو آدمی تو ہلاک ہو ہی چکے ہیں اور جو یہاں موجود ہیں وہ بھی غیر محفوظ ہیں۔ بہر طور سب کے سب اپنی زندگی کی حفاظت اور اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف تھے۔

مجھے نہیں پتہ تھا کہ عدنان کس طرف نکل گیا ہے۔ چاروں طرف سے ہولناک فائرنگ ہو رہی تھی اور کبھی کبھی اس فائرنگ میں چیخیں بھی ابھر جاتی تھیں۔

میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور کیبنوں کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا' عرشے سے نیچے جانے والی سیڑھی پر مجھے دو آدمی نظر آئے' انھوں نے مجھ پر اسٹن گن سے فائرنگ کھول دی تھی۔ بے شمار گولیاں میرے آس پاس سے نکل گئیں لیکن تقدیر یاور تھی کہ نشانہ صحیح نہیں لگا ورنہ میری دونوں ٹانگیں تو گئی تھیں۔

میں نے اندھا دھند ان پر فائرنگ کرتے ہوئے نیچے چھلانگ لگا دی اور بری طرح لڑھکتا ہوا نیچے آ گرا کافی چوٹ لگی تھی لیکن اس وقت چوٹ پر دھیان کون دیتا' سامنے ہی ایک شخص نظر آیا اور ہم دونوں نے ایک دوسرے پر اندھا دھند فائرنگ کی۔

اس بار میں پھر بچ گیا تھا جبکہ میرا شکار نہیں بچ سکا تھا۔ میں اب بھی اندھا دھند دوڑ رہا تھا۔ غالباً" زیادہ تر لوگ اوپر ہی موجود تھے۔ یہاں مجھے صرف تین آدمیوں سے واسطہ پڑا۔ جنھیں میں نے با آسانی شکار کر لیا تھا اور اس کے بعد میں نے زور سے آواز لگائی۔

"ریٹا کہاں ہو تم۔ ریٹا تم کہاں ہو؟" اور میری اس آواز کا جواب بھی فوراً" ہی مل گیا۔ ایک کیبن سے ریٹا کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

دفعتاً" عقب سے کچھ اور گولیاں میری طرف لپکیں اور میں نے جھکائی دے کر اپنی جان بچائی پھر میری اسٹین گن سے بہت سے شعلے نکلے اور ایک کیبن کا دروازہ بری طرح چھلنی ہو گیا۔

اس کے پیچھے سے دھاڑتی ہوئی آوازیں سنائی دی تھیں غالباً" کیبن کے پیچھے موجود آدمی نے دروازے میں جھری کر کے مجھ پر فائرنگ کی تھی اور میری جوابی فائرنگ کا شکار ہو گیا تھا۔

میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اس کیبن کی طرف بڑھ گیا جہاں سے ریٹا کے درو بجانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے باہر سے کیبن کے دروازے پر زور دار لا ماریں۔ تین چار لاتیں مارنے کے بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

ریٹا اندر موجود تھی اور بری طرح کپکپا رہی تھی۔ باہر ہونے والی فائرنگ اب شدید تھی۔ میں نے ریٹا سے اس کی خیریت پوچھی۔

"میں۔۔۔۔۔ میں ٹھیک ہوں، جناب! لیکن آپ آپ۔۔۔۔۔؟"

"میں پرنس دلاور ہوں۔" میں نے کہا۔ چونکہ میں غوطہ خوری کے لباس میں تھا ا میرا چہرہ بھی ماسک سے ڈھکا ہوا تھا اس لیے ریٹا مجھے پہچان نہیں سکی تھی۔

"اینجل کہاں ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"برابر والے کیبن میں۔" اس نے جواب دیا اور میں اسے وہیں رکنے کا اشارہ کر کے بر کے کیبن پر پہنچ گیا۔ اس کیبن کے دروازے کو بھی توڑنے میں مجھے کوئی زیادہ مشکل پ نہیں آئی تھی۔

اس وقت میری کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی حالانکہ دروازے اتنے کمزور نہیں لیکن میں نے انھیں بری طرح دھنک کر رکھ دیا۔

اندر اینجل موجود تھی۔ شب خوابی کے لباس میں ملبوس خوف سے سفید پڑی ہو تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ڈرو نہیں اینجل میں پرنس دلاور ہوں۔" میں نے کہا اور وہ بری طرح چیختی ہوئی سے لپٹ گئی اس کے بدن پر بھی تھرتھری طاری تھی۔

"بہت ہوشیاری سے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اینجل، صورتحال بہت خراب ہو ہے۔" میں نے کہا اور اس کا بازو پکڑ کر ریٹا کے دروازے پر آ گیا۔

"ریٹا آؤ لیکن بہت ہوشیاری سے۔" وہ دونوں میرے ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔ م چاروں طرف سے چوکنا تھا اور ان دونوں کو لیے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ او ہونے والی فائرنگ میں اب سستی آ گئی تھی لیکن وکٹوریہ نامی جہاز پر سائرن بج رہا تھا، غالباً بحری پولیس کو متوجہ کرنے کے لیے یہ سائرن بجایا گیا تھا۔

ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، سیڑھیوں تک پہنچیں اور نیچے اتر جائیں۔ چنانچہ میں ان دونوں کو سنبھالے ہوئے حتی الامکان گولیوں سے بچتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا، جدھر سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ سیڑھی کہاں ہے؟

دفعتاً میرا ایک آدمی دوڑتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا اور ہانپتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آپ۔۔۔۔۔ آپ نیچے اترنے کی کوشش کریں۔ ان دونوں خواتین کو نیچے لے جائیے۔ میں حالات سنبھالے ہوئے ہوں۔" اس نے کہا اور ایک طرف فائرنگ کرنے لگا۔ اس طرف سے کچھ گولیاں ہماری سمت آئی تھیں۔

"اینجل سنبھل کر، ریٹا بہت ہوشیاری سے! کوئی لغزش نہ ہونے پائے۔" میں نے چیخ کر کہا۔۔۔۔۔ پھر ریٹا اور اینجل کو سہارا دے کر سیڑھی تک پہنچا دیا۔ وہ بری طرح کانپتی ہوئی نیچے اتر رہی تھیں سیڑھی کشتی سے لگی ہوئی تھی۔ میں جھکا جھکا انھیں دیکھتا رہا اس کے ساتھ ساتھ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ کئی بار مجھے شبے کی بنیاد پر فائرنگ کرنی پڑی لیکن یوں لگتا تھا جیسے اب وہاں زیادہ لوگ باقی نہ رہ گئے ہوں۔ کبھی کبھی چیخوں کی آوازیں ابھرنے لگتی تھیں پھر جب میں نے دیکھا کہ ریٹا اور اینجل کشتی میں پہنچ چکی ہیں تو میں نے ایک زور دار آواز لگائی۔

"عدنان کام ہو گیا ہے۔ واپس۔۔۔۔۔" دوسرے لمحے چاروں طرف سے سیٹیاں بجنے لگیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو بھاگ دوڑ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ شاید ان زخمیوں کو بھی اٹھا رہے تھے۔ جو جہاز کے عرشے پر موجود تھے۔

شناخت مشکل نہیں تھی کیونکہ ہمارے تمام آدمی غوطہ خوری کے لباس میں ملبوس تھے۔ بہر صورت ان لوگوں کو تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میں خود بھی نیچے اتر گیا اور بادبانی کشتی مجھے لے کر فوراً" چل پڑی۔ اس کشتی میں چونکہ اینجل اور ریٹا تھیں اس لیے اس کا پرنس دلاور تک پہنچنا بہت ہی ضروری تھا۔

ہم پرنس دلاور پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں اوپر لے جانے کا معقول بندوبست تھا۔ ریٹا اور اینجل کو پرنس دلاور پر پہنچا دیا گیا پھر میں بھی عرشے پر پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ بادبانی کشتیاں تیزی سے پرنس دلاور کی طرف سفر کر رہی ہیں۔ وکٹوریہ سے سرچ لائٹیں ان کشتیوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔

میں مضطرب ہونے لگا۔ میرا خیال تھا کہ عدنان کو اس سلسلے میں بھی کوئی کارروائی کرنی چاہیے۔ بہر طور عدنان احمق نہیں تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد میں نے وکٹوریہ کی لائٹوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا ان کا جانا۔ فائرنگ کی گئی تھی اور نشانے بڑی کامیابی سے لگائے گئے تھے۔

وکٹوریہ سے بھی ان کشتیوں پر کچھ فائر ہوئے تھے۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو کچھ کامیابی ہوئی تھی یا نہیں۔ بہر صورت کشتیاں تیز رفتاری سے ایک سمت بڑھ رہی تھیں۔

میں نے ایک عجیب و غریب بات محسوس کی اور وہ یہ کہ کشتیاں پرنس دلاور کی طرف نہیں آ رہی تھیں صرف دو کشتیاں ایسی تھیں جو ایک لمبا چکر لے کر پرنس دلاور کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر ایک اور منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ دفعتاً" ان کشتیوں میں ہولناک دھماکے ہونے لگے۔ یہ دھماکے شاید بم کے تھے۔

کشتیوں کے ٹکڑے اڑ رہے تھے۔ میرا دل خون ہو گیا۔ یہ کیا ہو رہا تھا' یہ کیا ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال میری سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ دونوں کشتیاں جو ایک لمبا چکر لے کر پرنس دلاور تک پہنچی تھیں اب نزدیک آ گئی تھیں اور پھر ان پر سے زخمیوں اور لاشوں کو پرنس دلاور پر پہنچایا جانے لگا۔

بڑے ہی زبردست انتظامات تھے' ذرا سی دیر میں یہ دونوں کشتیاں بھی خالی ہو گئیں اور پھر دو آدمی انھیں لے کر پرنس دلاور سے دور چلے گئے' اس کے بعد میں نے ان دونوں کشتیوں میں بھی دھماکے ہوتے دیکھے تھے۔ ان کشتیوں کے بھی ٹکڑے اڑ گئے تھے۔

پھر غوطہ خوری کے لباس میں ملبوس جوان پرنس دلاور کی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ تب صورت حال میری سمجھ میں آئی۔ ان کشتیوں کو جان بوجھ کر تباہ کر دیا گیا تھا۔

تقریباً" ایک گھنٹے کے بعد عدنان میرے پاس پہنچا۔ اس نے اپنے جوانوں کی تعداد کی گنتی کی۔ سات آدمی ہلاک ہوئے تھے اور چھ زخمی تھے---- تمام لاشوں کو ایک جگہ جمع کیا جانے لگا پھر پرنس دلاور سے ایک بڑا اسٹیمر نیچے اتارا گیا۔ دوسری جانب بحری فوج کی گشتی لانچوں کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ بحری فوج یقیناً" دی کنگ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یقیناً" انھیں اطلاع دی گئی ہو گی۔

ہمارے زندہ بچ جانے والے جوانوں نے فوراً" لباس تبدیل کیے اور جہاز کے عملے کے لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی پھر پرنس دلاور پر بھی روشنیاں کر دی گئیں اور سرچ لائٹیں سمندر پر گھومنے لگیں۔

وہ بڑا اسٹیمر جو پرنس دلاور سے نیچے اتارا گیا تھا ہمارے لیے تھا۔ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ ریٹا اور اینجل کو اسٹیمر پر منتقل کیا اور پھر خود بھی اسٹیمر پر آ گیا۔ چار افراد اسٹیمر پر موجود تھے۔ انھوں نے اسے اسٹارٹ کر کے روشنیاں جلائے بغیر برق رفتاری سے ایک سمت موڑ دیا تھا۔ عدنان جہاز پر ہی رہ گیا تھا۔ اس بے چارے کو ہر طرح کے معاملات سے نمٹنا تھا۔

میں اب بھی مستعد تھا اور میں نے غوطہ خوری کا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا اور اسٹین گن ہاتھ میں لیے اسٹیمر کے ایک ایسے حصے میں کھڑا تھا جہاں سے میں چاروں طرف

نگاہ رکھ سکتا تھا۔ چونکہ اسٹیمر پر کوئی روشنی نہیں کی گئی تھی اور اس کے انجن کی آواز بھی بے حد ہلکی تھی اس لیے وہ بغیر کسی دقت کے ایک مخصوص سمت سفر کر رہا تھا۔

عدنان کی اب تک کارروائی بہت ہی شاندار تھی' سوائے اس کے کہ ہمارے کچھ آدمی ہلاک اور زخمی ہو گئے تھے۔ پتہ نہیں وہ بے چارہ ان لوگوں کو بھی کیسے ٹھکانے لگائے گا۔ مجھے ان کی موت کا بہت افسوس تھا لیکن اس کے جواب میں ہم نے سیٹھ جبار کے بے شمار افراد ہلاک کر ڈالے تھے اور یقیناً سیٹھ جبار اب مصیبتوں سے نہ بچ سکے گا۔

ہم ایک ویران ساحل پر پہنچ گئے۔ اسٹیمر پر عملے کے افراد جن کی تعداد صرف چار تھی۔ صورت حال سے پوری طرح واقف تھے اور عدنان کے پروگرام میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی یعنی ہم اسی جگہ پہنچے تھے' جہاں سے ہمیں لے جانے کے لیے سواری کا بندوبست کیا گیا تھا۔

ایک بند وین کھڑی ہوئی تھی' کنارے پر دو آدمی موجود تھے جنھوں نے ہمیں ٹارچ سے سگنل دیئے اور اسٹیمر کنارے پر پہنچ گیا پھر ہمیں ساحل پر اتارا گیا اور ہم بند وین میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔

وین کے عقبی حصے سے میں نے اسٹیمر میں ہولناک دھماکے ہوتے دیکھے تھے۔ غالباً" اسے بھی تباہ کر دیا گیا تھا۔ عدنان نے جو کچھ کیا تھا اس کے لیے تعریف کے الفاظ میرے پاس نہیں تھے لیکن مضطرب ضرور تھا۔

حکومت ان خوفناک ہنگاموں سے بے خبر نہیں رہ سکتی یقیناً اس کی زبردست تحقیقات ہوں گی۔ پتہ نہیں پرنس دلاور سے جو اسٹیمر اتارا گیا تھا ان پر کچھ نشانات تھے یا نہیں یا پھر وہ بادبانی کشتیاں جہاں سے حاصل کی گئی تھیں' وہاں سے پرنس دلاور کا کوئی نشان ملتا یا نہیں۔ یہ تمام باتیں عدنان ہی سے معلوم ہو سکتی تھیں لیکن عدنان کا پرنس دلاور پر انتظامی امور کے لیے موجود رہنا بے حد ضروری تھا۔ میں نے وین ڈرائیور کو ہدایات دیں اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا۔

اینجل اور ریٹا بہتر حالت میں نہیں تھیں۔ ان ہنگاموں سے ان کا ذہن وقتی طور پر ماؤف ہو گیا تھا۔ میں انھیں سہارا دے کر اندر لے آیا اور انھیں ایک بہتر جگہ منتقل کر دیا۔ میں نے انھیں سکون کی تلقین کی تھی لیکن میں خود مضطرب تھا۔ پرنس دلاور اگر ان ہنگاموں میں ملوث پایا گیا تو پھر صورت حال بے حد مشکل ہو جائے گی۔ کم از کم اینجل اور ریٹا کو یہاں سے ہٹا دینا بے حد ضروری تھا لیکن میں اس سلسلے میں عدنان سے بھی مشورہ کر لینا چاہتا تھا۔

عدنان کے بارے میں حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہ وہ کب مل سکے گا؟
چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اینجل اور ریٹا کو فوری طور پر یہاں سے منتقل کر دیا جائے تاکہ اگر کوئی ہنگامی کارروائی ہو ہی جائے تو ان کا پتہ نہ چلے اور اس کے لیے وانسن ایوینو کا وہ بنگلہ ہی محفوظ ترین جگہ تھی جو ابھی تک کسی کی نگاہ میں نہیں آیا تھا۔

چنانچہ میں نے اس سوچ پر فوری طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ طاہر اور اعظم کو میں نے ان دونوں کے ساتھ روانہ کر دیا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ میرے دوسرے احکامات ملنے تک وہیں رہیں۔

اس کے بعد میں اس ٹرانسمیٹر سیٹ پر پہنچ گیا جہاں نینی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ عدنان اس پر مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اور میرا یہ خیال غلط نہیں نکلا۔ اس وقت میں گرم گرم کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہا تھا جب اشارہ موصول ہوا اور میں نے جلدی سے سوئچ آن کر دیا۔

"ہیلو، فورٹی نائنٹین۔ فورٹی نائنٹین۔ اوور!"

"یس پرنس دلاور۔" میں نے کہا۔

"ہیلو سر آپ پہنچ گئے، کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟"

"نہیں عدنان۔ تم وہاں کے حالات کی اطلاع دو، کیا صورت حال ہے؟"

"ٹھیک ہے جناب، بحری فوج کی گشتی لانچوں نے اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ پرنس دلاور کی طرف سے سرچ لائٹیں روشن کرنے کی کارروائی بڑی سود مند ثابت ہوئی ہے۔ بحریہ کے افسران پرنس دلاور پر بھی پہنچے تھے۔ ہم نے از سر نو سیڑھیاں ڈال کر انھیں اوپر بلایا اور ان سے بذات خود اس ہنگامے کے بارے میں دریافت کیا۔ افسران کو ہم پر کوئی شبہہ نہیں ہو سکا، وکٹوریہ اور "دی کنگ" کو پوری طرح نرغے میں لے لیا گیا ہے۔ اور اس وقت دونوں جہازوں پر بحری پولیس موجود ہے۔ پرنس دلاور پر بھی چار جوان ایک افسر کے ساتھ تعینات ہیں اور محتاط ہیں۔ باقی تھوڑی سی الجھنیں ہیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان سے نمٹ لوں۔"

"کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے عدنان! اس وقت میں تم سے کچھ خاص گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی جی فرمایئے۔"

اسٹیر "پرنس دلاور سے جو اسٹیمر روانہ کیا گیا تھا اس پر پرنس دلاور کے نشانات تھے۔ اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔"

"یہ میری ہی ہدایت تھی سر، کہ اسے تباہ کر دیا جائے، آپ بالکل مطمئن رہیں اس پر کوئی نشان نہیں ہے اور وہ لوگ بھی کبھی یہ پتہ نہیں لگا سکیں گے کہ اس اسٹیمر کا تعلق ہم سے تھا۔"

"ویری گڈ! اور وہ بادبانی کشتیاں؟"

"وہ ماہی گیروں کی کشتیاں تھیں جو چرائی گئی تھیں۔ ان کے مالکان کو وہیں بے ہوش کر کے ڈال دیا گیا ہے لیکن کشتیاں چرانے والے نقاب پوش تھے اور کوئی ماہی گیر انھیں شناخت نہیں کر سکتا، ان کا نقصان میرے لیے باعث تکلیف ہے۔ دعا کریں پرنس کہ ہم کسی شبہے کا شکار ہونے سے بچ جائیں اور میں اپنی وہ کارروائی پوری کر لوں جس کے لیے میں پریشان ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں عدنان، میرے لائق جو خدمت ہو وہ بتاؤ۔"

"جی نہیں، بس اس وقت ذرا سا تردد یہ ہے کہ پرنس دلاور پر جو افراد موجود ہیں ان کی چھان بین نہ ہو جائے۔ ہم پرنس دلاور پر اتنے عملے کی موجودگی کا کوئی مناسب جواز پیش نہیں کر سکتے۔ دیکھیے حالات کیا رخ بدلتے ہیں!"

"اگر تم مناسب سمجھو تو میں کچھ اور کارروائی کروں، میرا مطلب ہے ہوم سیکریٹری وزیر داخلہ سے اس سلسلے میں بات کی جائے۔"

"میرا خیال ہے ابھی نہیں پرنس، اگر کوئی مشکل پیش آئے تو پھر حالات آپ کو سنبھالنا ہوں گے۔ ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہے، میں مطمئن ہوں۔"

"او کے عدنان، میں بے چینی سے تمھارے دوسرے پیغام کا انتظار کروں گا۔"

"او کے پرنس، اگر کوئی خاص بات ہوئی تو میں فوراً آپ کو اطلاع دوں گا ورنہ پھر صبح کو حالات سے مطلع کیا جائے گا۔" دوسری طرف سے عدنان نے کہا اور میں نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ساری رات آنکھوں میں کٹی، صبح سات بجے پھر عدنان کا پیغام موصول ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ حالات بالکل ٹھیک ہیں، جو کام اس کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا وہ کر لیا گیا ہے۔ بحریہ کا افسر اور چاروں جوان صبح ہوتے ہی پرنس دلاور سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان کے رخصت ہوتے ہی میں نے اپنے آدمیوں کو وہاں سے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ وہ تفریحی اسٹیمر جو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے، کچھ اور دور ہٹ گئے ہیں اور ہمارے آدمی غوطہ خوری کے لباس میں سمندر کے نیچے نیچے ان تک پہنچ کر ان کے ذریعے واپسی کا سفر شروع کر چکے ہیں۔ میں خود بھی اب پرنس دلاور سے

رخصت ہونے والا ہوں' وہ سامان ضائع کر دیا گیا ہے جس کے پکڑے جانے کا شبہہ ہو سکتا تھا۔"

"اور لاشیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کے سلسلے میں پرنس! تھوڑا سا غیر انسانی کام کیا گیا ہے' یعنی ان سے وزن باندھ کر انھیں سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ویسے ان کے بدن پر ایسے لباس وغیرہ نہیں چھوڑے گئے جن سے ان کی نشاندہی ہو سکے۔ یہ کام بحالت مجبوری کیا گیا ہے ورنہ ہمارے لیے یہ غم بہت بڑا ہے۔ ہم اپنے ساتھیوں کا غم اپنے سینے میں محسوس کر رہے ہیں۔ زخمیوں کو بھی منتقل کرنے کے انتظامات کر لیے گئے ہیں اگر بحری فوج کا گھیرا اتنا تنگ نہ ہوتا تو ہمیں اس میں زیادہ مشکلات پیش نہ آتیں۔ بہرطور سارے معاملات کسی نہ کسی طور حل ہو ہی گئے ہیں۔ پرنس دلاور اب ہر قسم کے شبہے سے محفوظ ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

"شکریہ عدنان' اس کے بعد تم سے کب ملاقات ہو گی؟"

"میں ٹھیک بارہ بجے آپ کو آخری پیغام دوں گا۔ آخری پیغام سے میری مراد یہ ہے کہ میں شہر آنے کے بعد آپ سے گفتگو کروں گا۔"

"او۔ کے عدنان' خدا تمھیں کامیاب کرے۔" میں نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

فینی بے چاری رات بھر میرے ساتھ جاگتی رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ میرے سامنے بڑی مستعد بیٹھی تھی۔ میں نے اس کی سرخ سرخ آنکھوں کو دیکھا اور مجھے اس پر ترس آ گیا۔

"فینی بہت بہت شکریہ تمھارا' اب جاؤ سو جاؤ۔ تردد کی وہ گھڑیاں جو میرے لیے بہت مشکل تھیں' تم نے میرے ساتھ گزاری ہیں' ان کے لیے میں تمھارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"آپ نہیں سوئیں گے پرنس؟"

"نہیں فینی' اول تو میں ٹھیک ہوں' کوئی دقت نہیں ہو رہی ہے مجھے' نیند آئی تو سو جاؤں گا۔"

"پرنس آپ کافی پریشان معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں فینی ایسی کوئی بات نہیں ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جس مشن کے لیے کام کر رہا ہوں۔ اس میں پریشانیاں تو میرے دوستوں نے بانٹ لی ہیں۔ میں تو بہت سکون سے ہوں جاؤ پلیز تم سو جاؤ اگر تم دو تین گھنٹے نیند لے لو تو مجھے مسرت ہو گی۔ پلیز فینی

جاؤ۔ مجھے تمھاری یہ سرخ آنکھیں اچھی نہیں لگ رہیں۔" میں نے کہا اور وہ مجبوراً اٹھ کر باہر نکل گئی پھر میں نے وانسن ایوینو میں فون کر کے طاہر سے اینجل اور ریٹا کی خیریت معلوم کی۔ طاہر نے اطلاع دی کہ وہ دونوں ٹھیک ہیں لیکن ساری رات سو نہیں سکیں۔ ابھی اس نے انھیں ناشتہ کرایا ہے اور سونے کی تلقین کر کے باہر نکل آیا ہے۔ اطراف کا ماحول پر سکون ہے اور وہ اچھی طرح ان کی خبر گیری کر رہے ہیں۔

فون بند کر کے میں سوچ میں ڈوب گیا۔ سب ہی منتشر ہو گئے تھے۔ صورت حال ضرورت سے زیادہ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ بہرطور اب تو جو بھی ہونا ہے ہو کر ہی رہے گا۔ ابھی اس سلسلے میں پروفیسر شیرازی وغیرہ کو بھی کچھ بتانا بے کار تھا۔

مجھے بے چینی سے بارہ بجنے کا انتظار تھا' تاکہ عدنان سے مزید صورت حال معلوم ہو سکے لیکن ساڑھے گیارہ بجے عدنان خود ہی میرے پاس پہنچ گیا۔

نہا دھو کر اور شیو بنا کر آیا تھا۔ ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ میں نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"تم خود ہی آ گئے عدنان؟"

"جی ہاں پرنس! میں نے سوچا کہ بالمشافہ بیٹھ کر گفتگو کر لوں۔ آپ بھی رات کے واقعات سے پریشان ہوں گے۔" عدنان نے کہا۔

"ہاں۔ ہماری توقع کے خلاف جہاز پر زبردست مزاحمت کی گئی۔ کچھ پتہ چل سکا کیا پوزیشن رہی؟"

"صحیح صورت حال تو معلوم نہیں ہو سکی۔ سنا گیا ہے کہ جہاز سے بائیس لاشیں اتاری گئی ہیں اور دو تین افراد شدید زخمی حالت میں اسٹریچروں پر ڈال کر اسپتال تک لے جائے گئے ہیں اور کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی' ہمارے سات آدمی موقع پر ہلاک ہو گئے تھے دو بعد میں چل بسے' چار آدمی شدید زخمی ہیں لیکن ان کی زندگیوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ گولیاں بازوؤں' رانوں اور پیٹ کے نچلے حصوں میں لگی ہیں۔ آپریشن کر کے ان گولیوں کو نکال دیا گیا ہے لیکن بہرصورت وہ تشویشناک حالت میں ہیں۔"

"اوہ اتنے آدمیوں کا نقصان بہت ہی غم ناک ہے۔"

"پرنس براہ کرم اس طرف توجہ نہ دیں ظاہر ہے ہم لوگ ----- پنگ پانگ کھیلنے نہیں گئے تھے۔ دشمن بھی آخر کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ بہرطور جو لوگ ہلاک یا زخمی ہوئے ہیں ان کے ورثا کو کسی بھی طور تکلیف کا شکار نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

"زخمیوں کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"میں نے ان کا انتظام اپنی رہائش گاہ پر رکھا ہے۔ ہمارے اپنے ڈاکٹر ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔" عدنان نے جواب دیا۔

"اپنے ڈاکٹر سے تمھاری کیا مراد ہے؟"

"میں نے ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے اپنے گروہ میں تین بہترین ڈاکٹروں کو شامل کر لیا ہے اور یہ سب پرنس دلاور کے وفادار ہیں۔"

"گڈ' ویری گڈ۔" میں نے کہا۔ "اور وہ لاشیں؟"

"ان کے لیے میں افسردہ ہوں پرنس کہ انھیں عزت و احترام کے ساتھ دفن نہ کر سکا۔ پرنس دلاور کو آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹایا جا رہا ہے۔ میں نے تیر غوطہ خوروں کو سمندر میں اتار کر لاشوں کی کیفیت معلوم کرائی تھی۔ حسب توقع مچھلیوں نے لاشوں کو نوچ کر کھا لیا ہے اور اب ان کی شناخت ممکن نہیں ہے۔ کبھی پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ کون تھے؟"

"افسوس! ان بے چاروں کے ساتھ بہت برا سلوک ہوا۔ باقی معاملات کی کیا پوزیشن ہے؟"

"میرے خیال میں یہ ہنگامہ طول پکڑ لے گا۔ وی کنگ کس کی ملکیت ہے۔ اس بارے میں چھان بین ہو گی۔ ویسے آج کے اخبارات میں اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں ہے ممکن ہے دوپہر کے اخبارات کوئی خبر دیں اگر سیٹھ جبار نے اس معاملے میں ہمیں ملوث تو کیا پروگرام رہے گا پرنس؟"

"دیکھا جائے گا۔ حالات کا مقابلہ کریں گے بس کوئی نشان نہیں رہنا چاہیے۔"

"میں نے کوشش تو کی ہے کوئی نشان باقی نہ رہے۔ آگے اللہ مالک ہے۔ اینجل اور ریٹا خیریت سے ہیں۔"

"ہاں۔ میں نے انھیں کوٹھی میں نہیں رکھا۔"

"پھر کہاں ہیں وہ؟"

"وانسن ایونیو کے ایک بنگلے میں۔ یہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔"

"اوہ گڈ۔ احتیاطی اقدام کے طور پر یہ مناسب ہے۔ ویسے پرنس کیا اینجل اس سلسلے میں ہم سے تعاون کرے گی؟ اسے سخت نگرانی میں رکھنا ---- ہو گا۔ ہمارے خلاف خطرناک گواہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اس کا امکان کم ہے لیکن اگر ایسی کوئی صورت حال ہوئی تو اسے ختم کر دیا جائے گا۔ تم کسی وقت وانسن ایونیو کے اس بنگلے کا جائزہ لے لینا اگر وہاں ان دونوں کا رکھ

ن نہ ہو تو انھیں وہاں سے کہیں اور منتقل کر دیں گے۔"

"بہتر۔ ویسے ایک درخواست اور ہے پرنس۔"

"کیا؟"

"آپ کی نقل و حرکت محدود ہے تو بہتر ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ آپ پر خصوصی نگاہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں خیال رکھوں گا!"

"ریٹا کے پاس ٹرانسمیٹر موجود ہے۔ اس سے اینجل کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔ طاہر اور اعظم کے پاس بھی کچھ لوگوں کو اور بھجوا دیں گے۔"

"او کے۔"

"ایک اور اہم مسئلہ فورسیا کا ہے پرنس' اس کے لیے کیا کریں گے؟"

"ہاں یہ معاملہ بھی قابل غور ہے۔ پتہ نہیں اس کے ذہن میں کیا ہے اگر اس نے پری دل سے ہم سے یہ تعاون کیا ہے اور ہمارے چنگل سے نکل کر وہ سیٹھ جبار سے مل ئی تو ہمارے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔"

"بظاہر وہ جس ٹائپ کی عورت ہے اس سے اس کا امکان تو نہیں ہے لیکن سیٹھ جبار ذہن میں رکھنا ہو گا اگر فورسیا اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا تو؟"

"ہاں۔ اس پہلو کو مد نظر رکھنا ہو گا۔"

"کیا خیال ہے اس کی چھٹی کر دی جائے؟" عدنان نے پوچھا۔

"ابھی نہیں عدنان۔ اس وقت تک میں اسے قتل نہیں کر سکوں گا جب تک مجھے اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

عدنان مسکرانے لگا تھا۔ "میں آپ سے متفق ہوں پرنس۔ ویسے وہاں کی خبر نہیں مل سکی۔"

"فون کرو گے؟"

"کہاں ڈائمنڈ ہاؤس؟"

"ہاں۔"

"یہاں سے نہیں کروں گا پرنس۔ باہر جاؤں گا تو کر لوں گا! اگر کوئی خاص بات ہوئی تو آپ کو اطلاع دوں گا۔"

"او۔ کے عدنان۔ رات سے آرام تو نہیں کیا ہو گا؟" میں نے سوال کیا

"نہیں پرنس۔ فرصت نہیں مل سکی اور ابھی اس کے امکانات بھی نہیں ہیں۔ ویسے پرنس میں مضبوط انسان ہوں۔ رات ہی کو سوؤں گا بشرطیکہ کوئی خاص بات نہ ہوئی۔"

"بس عدنان۔ اب تو تمہارے بارے میں کچھ کہنے کے لیے بھی نہیں رہ گیا۔"

"آپ میرے بارے میں صرف ایک بات مجھے بتاتے رہیں پرنس کہ میں اپنا فرض بہتر طور پر انجام دے رہا ہوں یا نہیں۔ آپ کے مشن میں جو کچھ بھی کر سکتا ہوں اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں۔ اب اجازت دیجیے گا۔" عدنان نے کہا اور میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

اس کے بعد کوئی ایسی بات نہیں رہ گئی تھی جو ذہن کو پریشان کرتی۔ چنانچہ میں نے کچھ دیر سونے کی ٹھانی۔ سونے کے لیے لیٹ گیا اور رات کو دس بجے آنکھ کھلی تھی۔ دیر تک سونے سے طبیعت بوجھل ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر چہل قدمی کی فینی کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ سو رہی ہے۔ عدنان کو بھی مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فیصلہ کیا کہ رات کو سونے کے بعد دوسرے دن ہی کوئی کام کیا جائے اگر اس وقت کوئی الٹی کارروائی کی اور کوئی الٹی سیدھی بات سن لی تو رات کی نیند بھی جائے گی۔

کھانے میں صرف جوس لیا اور مس نادرہ کو ہدایات دینے کے بعد پھر سونے لیٹ گیا دوسری صبح بالکل تازہ دم تھا اور یہ تازہ دم صبح بہت سی اطلاعات کا انبار لے کر آئی تھی ناشتے پر پہلی ملاقات فینی سے ہوئی۔ اس نے میرے سامنے اخبارات رکھ دیے تھے۔

سب سے بڑی سرخی "دی کنگ" کے بارے میں تھی۔ میں جلدی جلدی خبر پڑھنے لگا۔ بندرگاہ سے کچھ دور لنگرانداز جہاز میں قتل و غارت گری۔ جہاز ہانگ کانگ کی ایک کمپنی کی ملکیت تھا۔

رپورٹر۔ پچھلی رات بندرگاہ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے ایک جہاز "دی کنگ" پر اچانک ہلاکت خیزی شروع ہو گئی------ ستائیس افراد موت کا شکار ہو گئے۔ ان میں چودہ افراد کا تعلق جہاز کے عملے سے ہے اور وہ ہانگ کانگ کے باشندے ہیں باقی لوگ مقامی تھے۔ پانچ لاشیں سمندر سے برآمد ہوئی ہیں ان کے پیروں میں وزنی پتھر اور دیگر وزن باندھ کر سمندر برد کر دیا گیا تھا۔ مچھلیوں نے ان کے بدن سے گوشت صاف کر دیا جس کی وجہ سے ان کی شناخت نا ممکن رہی۔ دی کنگ نامی جہاز پچھلے ماہ بیروت سے آیا تھا۔ یہ مال بردار جہاز ہانگ کانگ کی ایک کمپنی سروسواتو کی ملکیت ہے----- اور ایک ٹیکسٹائل کے لیے بھاری مشینری لے کر آیا تھا۔ یہ ٹیکسٹائل مل ایک بڑے اور معزز سرمایہ دار سیٹھ جبار کی ہے۔ مشینری اتارنے کے بعد یہ سمندر میں لنگرانداز ہو گیا تھا اور اس کے انجن کی

مرمت کا کام ہو رہا تھا۔ پچھلی رات اس پر اچانک اسٹین گن سے فائرنگ ہونے لگی۔ نزدیک ہی کھڑے ہوئے ایک برطانوی جہاز وکٹوریہ سے اس پر روشنیاں پھینکی گئیں لیکن کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ وکٹوریہ سے خطرے کے سائرن بجانے پر بحریہ کے گشتی اسٹیمر اس طرف چل پڑے اور انھوں نے دور دور تک سمندر میں گھیرا ڈال لیا لیکن کچھ لوگ بادبانی کشتیوں سے فرار ہو گئے۔ فرار ہوتے ہوئے انھوں نے یہ کشتیاں ٹائم بم سے تباہ کر دیں۔ کچھ افراد ایک اسٹیمر سے بھی فرار ہوئے اور ایک ویران ساحل پر جا نکلے۔ ساحل پر اتر کر انھوں نے وہ بڑا اسٹیمر بھی ڈائنا مائیٹ لگا کر تباہ کر دیا----- اور شہر میں داخل ہو گئے۔

پولیس کے اعلیٰ افسران اس ہلاکت خیزی کی تفتیش کر رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاز کا عملہ تخریب کاروں پر مشتمل تھا اور وہ کسی نامعلوم مشن پر یہاں آئے تھے۔ امکان ہے کہ وہ کسی تخریب کار ملک کے ایجنٹ ہوں اور کسی خاص مقصد سے یہاں آئے ہوں لیکن جن لوگوں نے ان سے جنگ کی ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ جہاز کا یہ عملہ کل چودہ افراد پر مشتمل تھا اور وہ سب ہلاک ہو گئے ہیں۔ مرنے والے مقامی لوگوں کی شناخت کے لیے کارروائی کی جا رہی ہے اور------ حملہ آوروں کی تلاش جاری ہے۔ اس سلسلے میں تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ بادبانی کشتیاں جیٹی کریک پر مچھلیاں پکڑنے والے ماہی گیروں کی ملکیت ہیں۔ ماہی گیروں کا بیان ہے کہ کچھ پراسرار لوگ جن کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ گاڑیوں میں بیٹھ کر آئے اور انھوں نے ماہی گیروں پر حملہ کر کے انھیں بے ہوش کر دیا۔ پھر ان کی کشتیاں لے گئے۔ ماہی گیروں کو لاکھوں روپے کے نقصانات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

میں نے اس خبر کو کئی بار پڑھا۔ بظاہر اس سے کسی ایسی بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا جو میرے خلاف جاتی۔ سیٹھ جبار کا نام بھی اس حد تک آیا تھا کہ جہاز سے آنے والی بھاری مشینری اس کی ملکیت تھی۔ ممکن ہے کوئی اور معاملہ ہو اور سیٹھ جبار کی گردن ناپ لی گئی ہو۔ بہرصورت اس بارے میں ابھی کوئی معلومات حاصل ہونا ناممکن تھا۔ خبر میرے لیے تشویشناک نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عدنان آ گیا۔ ڈرائیور کے میک اپ میں تھا۔ سفید وردی پہنے اور ناک کے نیچے مونچھیں لگائے۔ ایک لمحے کے لیے تو میں اسے پہچان نہیں سکا تھا لیکن پھر میں نے اسے پہچان لیا۔

"صرف احتیاط----- " اس نے کہا۔ "خبر پڑھ لی ہو گی آپ نے؟"

"ہاں۔"

"مجھے شبہہ تھا کہ ممکن ہے سیٹھ جبار نے اس سلسلے میں تفتیشی افسران کو کچھ

اشارے د...ے ہوں اور کوٹھی کچھ لوگوں کی نگرانی میں ہو۔ اس لیے میں ان کی نگاہوں
محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔"

"عمدہ خیال ہے' خبر کیسی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جو کچھ اخبارات میں ہے اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ سیٹھ جبار خود بھی پ
کو کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ویسے میں نے اس بارے میں بہت کچھ سوچا
میرا اندازہ ہے پرنس کہ سیٹھ جبار کسی قیمت پر پولیس کو آپ کے بارے میں کچھ
بتائے گا۔ مشینری کے بارے میں وہ یہ کہہ کر گلو خلاصی کر سکتا ہے کہ اس کا مال اس
پاس آگیا پھر اسے جہاز سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جہازراں کمپنی
بارے میں کیا جواب دیتی ہے ممکن ہے سیٹھ جبار کا تعلق صرف اس کے عملے سے
ویسے تو یہ انکشاف بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس جہازراں کمپنی کا شیئر ہولڈر یا اس
ڈائرکٹران میں سے ہو۔"

"ہاں یہ تعجب کی بات نہ ہو گی کیونکہ بہر حال وہ ایک اسمگلر ہے۔" میں نے ک
دیا۔

"لیکن وہ بہت چالاک ہے' پرنس۔ بہر حال اینجل اب آپ کے قبضے میں آ چکی
سیٹھ جبار کے ہاتھ یوں بھی کٹ گئے ہیں۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

"میں نے کچھ خاص لوگوں کو متعین کیا ہے وہ ہمیں تازہ ترین خبروں سے آگاہ ر
گے۔ دوسری اہم خبر سنئے۔ پرنس فورسیا کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔"

"کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"موبو اس کی بو سونگھتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا۔ چار آدمی اس کے ساتھ تھے لیکن
نے یہاں ایک ذہین آدمی کو تعینات کر دیا تھا اس نے موقع کے لحاظ سے صورت
سنبھال لی۔"

"گڈ' پھر کیا رہا؟"

"وہ سب ڈائمنڈ ہاؤس میں داخل ہوئے اگر ہم چاہتے تو انھیں نقصان پہنچا سکتے
نادر نے ان کا استقبال کیا اور پوچھا کہ وہ پرنس فورسیا کی تلاش میں آئے ہیں پھر اس
انھیں پرنس فورسیا سے ملا دیا۔ پرنس فورسیا نے خیر سگالی کے جذبات کے طور پر ان
ہتھیار ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیئے ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ وہ پرنس دلاور
ملاقات کرنا چاہتی ہے اور جس وقت بھی پرنس کو فرصت ملے اس مل لیں۔"

"لیکن عدنان وہ لوگ سیٹھ جبار کے چنگل سے کیسے آزاد ہو گئے؟" میں نے کہا اور
عدنان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"فون۔ میں فون استعمال کرنا چاہتا ہوں پرنس۔" اس نے کہا اور میں نے فون کی
طرف اشارہ کر دیا۔ عدنان نے ڈائمنڈ ہاؤس کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔
اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔ کافی دیر تک وہ ریسیور کان سے لگائے رہا---- پھر
پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔" چوٹ ہو گئی۔"

"فون نہیں ریسیو کیا جا رہا ہے؟"

"ہاں۔ کچھ گڑ بڑ ہے۔" عدنان نے جواب دیا اور میں پرخیال انداز میں کان کھجانے
لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔

"نادر کے علاوہ وہاں ہمارے کتنے آدمی اور تھے عدنان؟"

"پانچ نادر سمیت کل چھ افراد تھے۔"

"ڈائمنڈ ہاؤس ہماری ملکیت ہے؟"

"جی نہیں۔ یہ ولی بھائی کے نام سے کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔ وہ ایک پارسی کی
ملکیت ہے اور اسے سالانہ کرایہ ولی بھائی کی طرف سے پہنچ جاتا ہے۔ عمارت کا کوئی مسئلہ
نہیں ہے سر۔ پہلی بات تو یہ کہ ہمارے آدمیوں کا کیا ہوا۔ کیا وہ سیٹھ جبار کی قید میں چلے
گئے۔ دوسری بات یہ کہ پرنس فورسیا ان کے قبضے میں آئی یا نہیں اگر وہ سیٹھ جبار کے
قبضے میں آ گئی تو ممکن ہے وہ خود ساری حقیقت کا اعتراف نہ کرے لیکن سیٹھ جبار اگلوا لے
گا۔ صورت حال یوں ہو سکتی ہے کہ سیٹھ جبار نے ان سیاہ فاموں کو اس نظریئے کے تحت
چھوڑ دیا ہو کہ ممکن ہے موبو' اصلی فورسیا کو تلاش کر ہی لے اس نے ان لوگوں کے
تعاقب کے لیے آدمی تعینات کر دیئے ہوں گے اور وہ موبو کے سہارے ڈائمنڈ ہاؤس پہنچ
گئے۔"

"ہاں' اسی کے امکانات ہیں۔" میں نے ہونٹ سکیڑ کر کہا پھر میں نے پوچھا۔ "فورسیا
کے بارے میں یہ اطلاع کب موصول ہوئی؟"

"پچھلی رات مجھے آج صبح پتہ چلا ہے۔"

"اطلاع دینے والا کون تھا؟"

"میرے ادارے کا ایک فرد۔"

"نہیں۔ ڈائمنڈ ہاؤس سے یہ اطلاع کس نے دی؟"

"نادر نے ہی فون کیا تھا۔" عدنان پشیمان لہجے میں بولا۔

"اس سے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے عدنان۔ کیا ان لوگوں نے نادر وغیرہ کو موقع دیا کہ وہ فورسیا سے بات کر لے۔ وہ لوگ ہتھیار ان کے حوالے کر دیں اور پھر نادر تمہیں فون کر لے؟"

"ہاں۔ اس کے امکانات ہیں پرنس! ممکن ہے وہ لوگ عمارت کے بارے میں صورت حال کا اندازہ لگا رہے ہوں۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں چلتا ہوں پرنس۔ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا اور عدنان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میں عاجزانہ درخواست کرتا ہوں پرنس! آپ اس میں حصہ نہ لیں۔ آپ کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔"

"تم کیا کرو گے؟"

"کوئی ترکیب نکال لوں گا اگر کچھ کر سکا تو آپ کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع دوں گا۔"

"او کے۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور عدنان چلا گیا۔ میں پریشانی سے گردن ہلانے لگا تھا۔ کتنے ہنگامے کھڑے ہو گئے تھے------ بہر حال ان سے مردانہ وار نبرد آزما ہونا تھا۔ طارق بھی واپس آ گیا تھا اور پھر وہ شیطانی ذہن کا مالک تھا اس کی واپسی اس وقت سیٹھ جبار کے لیے بڑی تقویت کا واعث تھی۔

عدنان نے شام پانچ بجے رابطہ قائم کیا۔ "صورت حال کسی قدر بہتر ہو گئی ہے پرنس' میں تفصیل سے عرض کرتا ہوں۔ ڈائمنڈ ہاؤس سے تقریباً" دو فرلانگ دور الیکٹرک کمپنی کی ایک گاڑی الیکٹرک پول درست کر رہی تھی۔ ہم نے گاڑی پر کام کرنے والے آدمیوں کو بے ہوش کر کے گاڑی پر قبضہ کر لیا اور پھر اسے لے کر ڈائمنڈ ہاؤس پہنچ گئے۔ پہلے ہم نے باہر سے جائزہ لیا پھر الیکٹرک وائر مینوں کے لباس میں اندر داخل ہو گئے۔ عمارت خالی تھی۔ تہ خانے میں بھی کوئی نہیں تھا لیکن عمارت سے کچھ فاصلے پر ایک فقیر موجود تھا۔ اس سنسان علاقے میں بھیک مانگنے والے کو دیکھ کر ہمیں شک ہو گیا۔ ہم نے اسے پکڑ لیا اور گاڑی وہیں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ فقیر پر تشدد کیا گیا تو اس نے سب کچھ اگل دیا۔ وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے اور عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے پاس سے ٹرانسمیٹر بھی برآمد ہوا ہے۔ اس سے علم ہوا کہ ہمارے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے اور انھیں ایک نواحی بستی کے----- مکان میں لے جایا گیا ہے بہر حال پرنس میں نے مختلف پروفیشن کے لوگوں کے

بھیں میں اپنے آدمی اس مکان تک بھیجے۔ ان میں سے کچھ کو بھنگی تک بنا دیا گیا تھا ؤشخبری یہ ہے کہ نادر اور ہمارے بقیہ ساتھی ہمیں اس عمارت میں مل گئے۔ نادر زخمی ہے لیکن کوئی خاص زخم نہیں ہے۔ البتہ فورسیا اور اس کے ساتھی اس عمارت میں نہیں لائے ئے۔ عمارت میں موجود دونوں آدمی جو نادر وغیرہ کی نگرانی کر رہے تھے عام سے آدمی تھے در انھیں کچھ نہیں معلوم تھا۔ نہ فقیر بنے ہوئے آدمی کو یہ معلوم تھا کہ فورسیا کو کہاں لے بایا گیا ہے اس لیے انھیں چھوڑ دیا گیا۔ کم از کم ایک الجھن سے نجات مل گئی ہے پرنس! ارے آدمی سیٹھ جبار تک نہ پہنچ سکے لیکن پرنس فورسیا سیٹھ جبار کے قبضے میں پہنچ گئی ہے۔"

"ویری گڈ عدنان تمھارا کیا خیال ہے کیا پرنس ہمارے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے؟"

"کچھ نہیں عرض کیا جا سکتا پرنس! ویسے میرا خیال ہے کہ ابھی اس سلسلے میں کوئی بڑی ارروائی ممکن نہیں ہے۔ دی کنگ کا مسئلہ سیٹھ جبار کے لیے کافی پریشان کن ہے اور پھر چل دیکھنا یہ ہے کہ اب سیٹھ جبار میں کتنا دم خم باقی رہ گیا ہے۔"

"او۔ کے۔ جو کچھ تم کر چکے ہو بہت کافی ہے۔ اول تو پرنس فورسیا یہ ہیرے قانونی رپر نہیں لائی تھی وہ اس کا کیا جواز پیش کرے گی اور اگر کوئی صورت نکل بھی آئے تب ٹ لیا جائے گا ان لوگوں سے۔" میں نے کہا اور پھر مختصر گفتگو کے بعد ٹرانسمیٹر بند کر ۔ میرے ذہن میں ایک دم تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ مجھے کون سی جائداد بچانی تھی جرم کیا جرائم کی دنیا میں آیا تھا تو ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت ہونی چاہیے چنانچہ ہ حالات جو بھی رخ اختیار کریں۔

اب میں یہ معلوم کرنے کا خواہش مند تھا کہ دی کنگ کے سلسلے میں سیٹھ جبار کی کیا زیشن ہے اور اس کے لیے میں نے ایک دوسرا راستہ نکالا یعنی صائمہ روشن علی۔ میں اسے ہدایت کی کہ دی کنگ کے ہنگامے کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ میں اپر مجروح ہونے والوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ صائمہ روشن علی نے حاجی الٰہی کا حوالہ دیا نکہ حاجی الٰہی نے بھی اس جہاز سے کچھ مال منگوایا تھا۔

حاجی الٰہی تو میرے حاشیہ برداروں میں تھا۔ میرے ایک فون پر دوڑا چلا آیا۔ میں نے کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں اس کا استقبال کیا تھا۔ حاجی صاحب بچھے جا رہے تھے۔

"میری خوش قسمتی پرنس کہ آپ نے مجھے یہ عزت دی۔ میں آپ کی رقم------!"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں حاجی صاحب۔ کیا آپ کے خیال میں' میں نے آپ کو رقم

کے لیے بلایا ہے؟"

"میں آپ کا مقروض ہوں پرنس!"

"یہ بات آپ ذہن سے نکال دیں اور اگر مزید تسلی چاہتے ہیں تو میں اس کے آپ کو پانچ سال کی چھوٹ دیتا ہوں۔"

"آپ فرشتے ہیں پرنس! آپ نے میری عزت سنبھال لی ہے خدا آپ کو مزید ع دے۔" حاجی صاحب مخلص لہجے میں بولے۔

"شکریہ حاجی صاحب! میں نے آپ کو ایک اور سلسلے میں زحمت دی ہے۔"

"فرمایئے پرنس!"

"آپ نے دی کنگ نامی جہاز کا ہنگامہ سنا؟"

"وہ۔ جی ہاں۔ میں نے بھی اس سے مال منگوایا تھا۔"

"اور سیٹھ جبار نے بھی؟"

"جی! سیٹھ جبار تو میری طرح پھنس گیا ہے۔"

"اوہ۔ کیسے؟"

"لمبے چوڑے معاملات میں۔ ان گوداموں کو سیل کر دیا گیا ہے جہاں ٹیکسٹائل م اتری ہے۔ تحقیقات ہو رہی ہے۔ دی کنگ نامی جہاز بھی مشکوک حیثیت کا حامل عجیب و غریب انکشاف ہو رہے ہیں اس کے بارے میں۔"

"مثلاً کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ معلومات شپنگ کارپوریشن کے ایک آدمی نے مجھے دی ہیں پرنس' جو سالے کا دوست ہے اور میرے پاس آتا رہتا ہے خیال یہ ہے کہ دی کنگ سیٹھ ملکیت ہے۔"

"مگر وہ تو ہانگ کانگ کی ایک کمپنی کا جہاز ہے۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں لیکن سیٹھ جبار نے یہ جہاز اس کمپنی کو دیا ہے۔ وہ اس کا خفیہ شیئر ہو اسی بنیاد پر تو مال پر چھاپہ پڑا ہے۔ جہاز کمپنی کے نام پر ہے لیکن صرف سیٹھ جبار کام کرتا ہے اور اس پر عملہ ہانگ کانگ کا تھا۔ کمپنی کو جہاز سے منافع دیا جاتا تھا۔"

"یہ بات حکومت کے علم میں آ چکی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اوہ حاجی صاحب! بڑی افسوسناک خبر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سیٹھ جبا

؟" میں بو

"یہ کائنات ایک سمندر ہے پرنس! اور سمندر کسی کا تابع نہیں ہوتا۔ قدرت کے ہاتھ لمبے ہیں۔ سیٹھ جبار ہمیشہ دوسروں کو ڈبونے کی کوشش کرتا رہا ہے اب اگر سمندر کی کوئی لہر اس پر چڑھ دوڑی ہے تو اس میں افسوس کیسا۔ برائی کے نتائج تو فطری عمل ہوتے ہیں آپ کو شاید کبھی اس کی شیطنت سے سابقہ نہیں پڑا۔ ہم جانتے ہیں پرنس اس نے ہر چھوٹے بڑے سرمایہ دار کو نقصان پہنچایا ہے وہ کاروبار کی دنیا کا بے تاج شہنشاہ ہے جسے چاہے بنا دے جسے چاہے بگاڑ دے۔ بہت سے چھوٹے موٹے سرمایہ دار اس کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ سیٹھ جبار کو جو چیز پسند ہوتی ہے وہ اسے اپنی ملکیت بنا لیتا ہے۔ میری نگاہوں میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے محدود سرمائے سے کسی کاروبار کا آغاز کیا اور سیٹھ جبار کو اس میں کوئی دلچسپی نظر آئی تو اس نے حکم نامہ بھیج دیا کہ اس کاروبار کو اس کے حوالے کر دیا جائے اور اس کی کوڑیاں لے لی جائیں۔ اب آپ خود سوچئے کہ جو شخص اپنی تمام پونجی اور تمام تر ذہانت کسی کام میں صرف کر کے اس کی ابتدا کرے۔ وہ اپنی روزی اسے کیسے دے سکتا ہے لیکن سیٹھ جبار نے جو کہہ دیا بس وہ کہہ دیا۔ اس نے حکم عدولی کرنے والے کو اس طرح ڈبویا ہے کہ پھر وہ بے چارہ سڑکوں پر ہی بھیک مانگتا ہوا نظر آیا۔ پتہ نہیں کتنے مظلوموں کی آہیں اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ آپ اس کا افسوس نہ کریں پرنس! ویسے مجھے تو یقین نہیں ہے کہ سیٹھ جبار ڈوب جائے اس کے ہاتھ اتنے دراز ہیں کہ وہ بڑے سے بڑے مسئلے کو اپنے حق میں کر لیتا ہے۔ ہم ابھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آج کل وہ دن رات اپنی گلو خلاصی کی فکر میں سرگرداں ہو گا اور آپ دیکھ لیجئے کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ ان مسائل سے نکل آئے گا۔" حاجی الٰہی مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر بولے۔

"آپ کے خیال میں حاجی صاحب مشینری کے گودام پر چھاپہ کیوں پڑا ہے؟"

"بس منہ نہ کھلوایئے پرنس ہو سکتا ہے کہ وہ تمام مشینری ڈھول کا پول ہو---- ان کے اندر کوئی اور ہی چیز موجود ہو۔ بات تو صرف یہ ہے کہ صحیح صورت حال سامنے آجائے۔"

"ہوں۔ بہر طور حاجی صاحب جو برا کر رہا ہے اسے سزا ملے گی میں نے تو ایک انسان کی حیثیت سے اظہار تاسف کیا تھا مجھے علم ہوا تھا کہ اس جہاز سے آپ نے بھی کچھ مال منگوایا ہے تو میں نے سوچا کہ کہیں آپ کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھے بتایئے میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"پرنس! بخدا میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں آج کل پریشان ضرور ہوں لیکن ناجائز

ذرائع سے اپنی ساکھ بنانے کا خواہش مند نہیں۔ بھائی بے ایمانی، برائی، چوری چکاری میں کروں گا اور کھائیں گے سب لوگ پھر میں ان جھگڑوں میں اپنی جان کیوں پھنساؤں، کوشش کر رہا ہوں کہ بال بچوں کے لیے کچھ چھوڑ جاؤں۔ چھوڑ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ ان کی تقدیر۔"

"آپ نے ٹھیک کہا حاجی صاحب! میں نے اسی لیے آپ کو زحمت دی تھی۔"

"شکریہ پرنس، میں آپ کے احسانات کو کبھی نہیں بھول سکتا اور ان کے عوض صرف آپ کو دعائیں ہی دے سکتا ہوں۔"

"آپ کی دعائیں میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں حاجی صاحب۔" میں نے کہا اور پھر حاجی الٰہی کو رخصت کر دیا۔ سیٹھ جبار کی مسلسل خاموشی کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی اور یہ خاموشی کئی دن تک جاری رہی۔

چار پانچ دن گزر گئے تھے۔ سیٹھ جبار نے اینجل کے سلسلے میں کوئی خاص کارروائی نہیں کی تھی ویسے میرا اور عدنان کا یہ خیال مشترک تھا کہ دی کنگ نامی جہاز پر ہونے والی کارروائی کو سیٹھ جبار نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا اور جانتا ہو گا کہ اس میں پرنس دلاور ہی کا ہاتھ ہے لیکن حیرت کی بات تھی کہ سارے وسائل ہونے کے باوجود اس نے ابھی تک پرنس دلاور کو ان واقعات میں ملوث نہیں کیا تھا جب کہ اس کی پوزیشن محفوظ نہیں تھی اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ اول تو اینجل، دوئم یہ کہ اسے پرنس دلاور کی پہنچ کا بھی بخوبی احساس تھا۔ دوہری دشمنی مول لے کر وہ بالکل ہی دلدل میں دھنسنا نہیں چاہتا تھا۔

پانچویں دن عدنان نے ایک اور اطلاع دی جو میرے لیے خاصی سنسنی خیز تھی اس نے کہا کہ پرنس فورسیا اپنے پانچوں ساتھیوں کے ساتھ ہوٹل سپارکو میں موجود ہے۔ میں اس اطلاع پر چونک پڑا۔

"یہ کیسے ممکن ہے عدنان؟"

"میں خود جائزہ لے چکا ہوں پرنس۔ ہر چند کہ میں نے اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی لیکن میں اور میرے آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"اس میں کوئی فریب؟"

"نہیں کہہ سکتا۔ پرنس فورسیا لگ تو ٹھیک ٹھاک ہی رہی ہے اور اس کے تمام ساتھی بھی لیکن ممکن ہے یہ سیٹھ جبار کی کوئی چال ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمیں اس کے قریب دیکھنا چاہتا ہو۔"

"اس کا انتظام ہو سکتا ہے چیف۔" عدنان لاابالی انداز میں کہنے لگا

"وہ کیسے؟"

"آپ خود فورسیا سے ملنا چاہتے ہیں پرنس؟"

"ہاں بھئی کم از کم ایک دفعہ قریب سے اس کا جائزہ تو لیا جائے۔ معلوم کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا بیتی؟"

"تو پھر آپ کو زحمت کرنا ہو گی۔ میں انتظامات کیے دیتا ہوں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو آج شام پانچ بجے مجھ سے ملاقات کر لیں۔"

"میں پہنچ جاؤں گا لیکن کہاں؟"

"تاج کمپلیکس نامی ایک عمارت ہے جس میں دفاتر ہیں۔ اس عمارت کے کمرہ نمبر بیس میں آ جائیے۔ یو۔ کے برادرز کے نام سے ایک فرم کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ چند افراد وہاں موجود ہوں گے فکر نہ کیجئے وہ میرے ہی آدمی ہیں۔ میں اپنے کیبن میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر اسی شام پانچ بجے عدنان کی بتائی ہوئی عمارت میں پہنچ گیا۔ یو۔کے برادرز کا بورڈ نظر آ گیا تھا۔ کمرہ خاصا کشادہ تھا۔ دو، تین آدمی میزوں پر بیٹھے فائلوں پر کام کر رہے تھے۔ ایک شاندار کیبن ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ میں اس کیبن کی جانب بڑھ گیا۔

عدنان نے کیبن سے نکل کر میرا استقبال کیا تھا۔

"کمال ہے بھئی نہ جانے تم نے کیا کیا بکھیڑے پھیلا رکھے ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور عدنان بھی مسکرانے لگا۔

"آپ کے ساتھ کام کرنے کا یہی تو مزہ ہے پرنس کہ مجھے ہر معاملے میں آپ کا دست نگر نہیں رہنا ہوتا۔ یہ سب کچھ جو میں نے کیا ہے اس میں بلاشبہ اخراجات بہت وسیع ہو گئے ہیں لیکن میرا قصور نہیں ہے آپ نے یا آپ کے محکمے کے کسی فرد نے مجھ سے اخراجات کا حساب نہیں مانگا اور جب بے حساب خرچ کرنے کے لیے موجود ہے تو جو دل چاہتا ہے کرتا رہتا ہوں۔"

"عدنان میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ میرے مفادات کے لیے ہے اور پھر تم پر پورا بھروسہ ہے مجھے اس لیے حسابات وغیرہ چیک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرطور اب یہ بتاؤ کہ تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"میرے آدمی سپارکو میں اپنا کام دکھا چکے ہیں۔ سپارکو کے دو ویٹرز اغوا کر لیے گئے ہیں اور اب ہماری تحویل میں ہیں ان کی جگہ میرے دو آدمیوں نے تین بجے اپنی ڈیوٹی

سنبھال لی ہے۔ تین سے گیارہ بجے تک وہ اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا ہے جن کی جسامت پر ہم پورے اترتے ہیں جب ہم سپارکو پہنچیں گے تو وہ لوگ ہمارا استقبال کریں گے اور ہمیں اپنی جگہ دے دیں گے اس طرح ہم ویٹرز کے روپ میں فورسیا تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"ویری گڈ لیکن ہمارے چہرے؟" میں نے سوال کیا اور عرفان نے کیبن میں رکھی ایک بہت بڑی میز کی دراز سے دو ماسک نکال لیے اور ان کے پیکٹ کھول کر انھیں میرے سامنے رکھ دیا۔

"یہ میرے اور آپ کے چہرے پر بالکل فٹ ہوں گے۔ میں نے حساب سے حاصل کیے ہیں۔" عدنان نے کہا۔ "آپ چاہیں تو ان کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔"

"ٹھیک-----" میں نے دلچسپی سے کہا اور عدنان وہ ماسک میرے چہرے پر لگانے لگا پھر میں نے باتھ روم کے آئینے میں جا کر اپنا چہرہ دیکھا۔ کمال کی چیز تھی' چہرہ بالکل ہی بدل گیا تھا اور ایک سیدھے سادے جاہل سے آدمی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ تب عدنان نے کہا۔

"میں بھی اپنا ماسک لگا لیتا ہوں چیف۔ ہمارا ڈرائیور ہمیں سپارکو کے پاس چھوڑ دے گا۔ سپارکو کے قریب ہی ہم لباس بھی تبدیل کر لیں گے تاکہ راستے میں کسی کو کوئی شک شبہ نہ ہو سکے یا پھریوں کرتے ہیں کہ لباس یہیں پہن لیتے ہیں۔ سپارکو کے مونوگرام کا کوٹ' سپارکو کے نزدیک جا کر پہن لیں گے اور پھر اپنے آدمیوں کو چھٹی دے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم سپارکو کے ویٹرز کے لباس میں ایک کار میں بیٹھے سپارکو جا رہے تھے۔ ہمیں ہوٹل کی عقبی سڑک پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں پر دو آدمی تعینات تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی خدمات پیش کیں اور ان دونوں ویٹرز کو بلانے کے لیے اندر چلا گیا جن کی جگہ ہمیں لینی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد اسی چہرے مہرے کے دو آدمی جو ویٹرز کے لباس میں تھے ہمارے پاس پہنچ گئے تھے۔

میں نے اور عدنان نے ان کے بیج لے کر اپنے اپنے سینوں پر آویزاں کیے۔ ویٹر کار میں بیٹھے اور کار واپس چلی گئی۔ ہم دونوں اطمینان سے ہوٹل سپارکو کی جانب دوڑ گئے تھے سپارکو اعلیٰ پائے کا ہوٹل تھا۔ بے شمار ویٹر کام کرتے تھے یہاں اور پھر یقیناً عدنان نے جن ویٹرز کو اغوا کیا ہو گا وہ اسی شکل و صورت کے ہوں گے۔ ہم موقع تلاش کرتے رہے۔ عدنان کو فورسیا کی رہائش گاہ معلوم تھی۔ ایک طویل راہداری سے گزرتے ہوئے

اس نے ایک کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"فورسیا اس میں مقیم ہے اور برابر کے چار کمرے اس کے ساتھیوں کے لیے مخصوص ہیں یقیناً وہ لوگ اندر ہی موجود ہیں۔"

"پھر کیا پروگرام ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بس موقعہ نکال کر کسی بھی لمحے ہم دونوں فورسیا کے کمرے میں داخل ہو جائیں گے۔" عدنان نے جواب دیا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

بلاوجہ ہی ہم دونوں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ہمیں تو یہ بھی علم نہ تھا کہ ہماری ڈیوٹیاں کہاں کہاں ہیں پھر ایک موقعہ پر راہداری بالکل سنسان نظر آئی تو عدنان نے آگے بڑھ کر فورسیا کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا اور عدنان غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔

میں راہداری کے کونے پر کھڑا ہوا تھا وہ مجھے اشارہ کر کے اندر داخل ہوا تھا۔ میں بھی دور تک نگاہیں دوڑا کر تیزی سے اس کمرے کی جانب بڑھ گیا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ عدنان' فورسیا سے کچھ بات چیت کر رہا تھا جب میں اندر داخل ہوا تو فورسیہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"دو----- دو کیا بات ہے؟" اس نے شبہے کی نگاہوں سے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"میں پرنس دلاور ہوں میڈم فورسیا۔" میں نے کہا اور وہ اچھل پڑی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہ۔ مائی گاڈ۔ کیا واقعی؟"

"ہاں۔" میں نے چہرے سے اپنا ماسک اتار دیا اور وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"مجھے آپ جیسے لوگ بے حد پسند ہیں پرنس۔ میں جانتی تھی کہ آپ کسی نہ کسی طور مجھ سے ملاقات ضرور کریں گے لیکن اس رنگ و روپ میں' میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ درحقیقت وہ لوگ شاندار ہوتے ہیں جو خود کو موقع کی نزاکت کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔"

"پرنس فورسیا۔ ہم آپ سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"صورت حال وہاں تک تو تمھارے علم میں ہو گی۔ جب میرے ساتھی میرے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد سیٹھ جبار کے آدمیوں نے تمھاری اس عمارت میں داخل ہو کر ہمیں حاصل کر لیا تھا۔"

"جی ہاں۔ اس کے بعد سیٹھ جبار سے کیا سلسلہ رہا۔ کیا آپ ہمیں بتانا پسند کریں گی

اور اس سے پہلے یہ بتائیے کہ کیا سیٹھ جبار کے آدمیوں کی یہاں موجودگی ممکن ہے؟"

"سو فی صدی ممکن ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ میری باتوں سے مطمئن نہیں ہوا؛ لیکن کر بھی کیا سکتا تھا میرے خلاف؟"

"شکریہ ویسے کیا آپ نے ہم سے تعاون کیا ہے میڈم فورسیا؟"

"یقیناً پرنس۔ میں جو کچھ کہتی ہوں اس کی مکمل پابندی کرتی ہوں۔ میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ اس کے بعد کے معاملات میرے اور آپ کے درمیان ہوں گے۔ سیٹھ جبا[ر] جیسے لوگ دولت کمانے کے لیے تو برے نہیں ہیں لیکن وہ اتنے ہوشیار نہیں ثابت ہو[تے] اور بعض اوقات ان جیسے لوگوں کی حماقتیں ہمیں بھی پھنسا دیتی ہیں۔ میں آپ کو بتا چک[ی] ہوں پرنس کہ میں جس مشن پر کام کر رہی ہوں اس سے بہت مخلص ہوں۔ میں عام قسم [کی] جرائم پیشہ نہیں ہوں، صرف دولت کما لینا ہی میرا مقصد نہیں، اپنا وقار بھی رکھنا چاہتی ہو[ں] اور یہ بات میرے وقار کے منافی تھی کہ جب میں آپ سے آئندہ کاروبار کرنے کا فیصلہ [کر] چکی ہوں تو پھر سیٹھ جبار کو آپ کی نشاندہی کر دوں۔"

"میں آپ کے اس خلوص کا اور ان اصولوں کا تہ دل سے قدر دان ہوں۔ میڈ[م] فورسیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ سیٹھ جبار سے آپ کی کیا بات چیت رہی؟"

اس نے مجھے وہاں سے حاصل کر لیا پھر جب اس کا میرا سامنا ہوا تو میں اس پر بر[س] پڑی۔ میں نے کہا کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کاروبار جاری رکھا جا سکے وہ اپ[نے] دشمنوں میں گھر کر میرے تحفظ کا بندوبست بھی نہیں کر سکا میں نے اس سے کہا کہ ہیر[ے] کس کی تحویل میں جا چکے ہیں وہ کون ہے یہ میں نہیں جانتی میں نے اسے تمام صورت حال صحیح بتا دی تھی پرنس دلاور سوائے آپ کے نام کے، اس نے مجھ سے ان لوگوں کے حلیے پوچھے جو میرے سامنے آئے تھے اور جنھوں نے مجھ سے یہ ہیرے حاصل کیے تھے میں نے اسے مختلف حلیے بتا دیئے جو مقامی لوگوں کے علاوہ کسی کے نہیں ہو سکتے تھے لیکن میں نے یہی کہا کہ کسی کا نام میرے علم میں نہیں آیا اور اس نے مجھے معمولی جرائم پیش[ہ] لوگوں کے ہاتھوں پٹوا دیا----- میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ اس شخص [کے] بارے میں یا اس گروہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے [تو] اس عمارت کے بارے میں چھان بین کرائے جس میں مجھے قید کیا گیا تھا۔ بس یوں سمجھ لیجئے پرنس کہ بہت معمولی سی ردوبدل کے ساتھ میں نے اسے تمام واقعات سنا دیئے اور ان میں آپ کا نام کہیں نہ آیا۔ تب اس نے مجھ سے ایک اور درخواست کی اس نے کہا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو وہ اعلیٰ حکام کے سامنے پرنس دلاور کا نام لے لے۔ لیکن میں نے

اس سے انکار کر دیا میں نے کہا کہ یہ ضرورت کس قسم کی ہو سکتی ہے؟ کیا مجھے یہاں مقامی حکام کے سامنے پیش کیا جائے گا؟ اگر ایسا ہوا تو کیا میری ریاست کی ساکھ کی مٹی پلید نہ ہو جائے گی کیا ہمیں جرائم پیشہ نہ قرار دے دیا جائے گا۔ مجھے یہ بھی شبہ تھا پرنس کہ سیٹھ جبار اپنے نقصان کو برداشت نہیں کر سکے گا ممکن ہے مجھے پھنسانے کی کوشش کرے۔ اس لیے میں نے اس سے اس بات کا وعدہ کیا کہ کسی نہ کسی ٹرپ میں، میں اس کا یہ نقصان پورا کرنے کی کوشش کروں گی اور اس کے لیے میں نے اسے چند پیش کشیں بھی کیں جن سے وہ کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ بڑی ہی بری طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ پرنس دلاور نامی ایک شخص اس کے کاروبار کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ کافی خطرناک آدمی ہے اور اسے ختم کرنا چاہتا ہے اس نے مجھے یہ بھی پیش کش کی کہ چونکہ میں غیر ملکی ہوں اور غیر ملکی ہونے کی حیثیت سے مجھے یہاں کچھ تحفظات بھی حاصل ہوں گے اس لیے میں اپنے آدمیوں کی مدد سے پرنس دلاور کو پھانسوں اور اس سے رابطہ کرنے کے بعد اسے قتل کرنے کی کوشش کروں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس بارے میں سوچ کر بتاؤں گی بس گلو خلاصی چاہتی تھی میں اس سے۔ چنانچہ ان تمام شرائط کے بعد اس نے مجھے ہوٹل سپارکو میں منتقل کر دیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ فی الحال وہ مصروف ہے جب بھی اس کی مصروفیت ختم ہو گی وہ مجھ سے کام لے گا۔ اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ قانونی طور پر یہاں میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں اطمینان سے رہتی رہوں اور اگر اعلیٰ حکام کسی طرح میری طرف متوجہ ہو جائیں تو ان سے یہی کہوں کہ میں خاموشی سے سیر و تفریح کی غرض سے آئی تھی اور چونکہ میرا دورہ سرکاری نہیں ہے اس لیے میں خاموشی سے یہاں آرام کر رہی ہوں۔ یہ تمام باتیں ہوئی تھیں۔ میرے اور اس کے درمیان لیکن آپ مطمئن رہیں پرنس میں نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی پابند ہوں۔ سیٹھ جبار کو میں نے صرف اس لیے اپنے حق میں رکھا ہے کہ اس کے ذریعے میں باآسانی یہاں سے واپس چلی جاؤں گی کیونکہ میرا سامان ضائع ہو چکا ہے اس لیے مجھے اس کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی اگر ایسا نہ ہوتا تو میں جا چکی ہوتی آپ کے خیال میں، میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے غلط کیا ہے؟"

"نہیں پرنس فورسیا بلکہ آپ نے میرا نام چھپا کر مجھ پر احسان کیا ہے اور سیٹھ جبار کی یہ بات نہ مان کر کہ آپ اس سلسلے میں پرنس دلاور کا نام لے دیں۔ آپ نے میرے ساتھ بہترین تعاون کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں بھی آپ کو پیش کش کرتا ہوں پرنس فورسیا کہ اگر آپ کو یہاں سے روانہ ہونے میں کوئی دقت پیش آئے تو میں آپ کی مدد کروں گا

پرنس دلاور اتنا بے وقعت نہیں ہے کہ آپ کے لیے کچھ نہ کر سکے ویسے اگر آپ کوئی
جھگڑا مول نہ لے کر خاموشی کے ساتھ نکل جانے کی خواہش مند ہوں تو انتظام کر لیں۔
آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ آپ مجھ سے فرما دیں۔ میں آپ کو فراہم کر دوں
گا۔" میں نے کہا۔

"پرنس! کرنسی ختم ہوتی جا رہی ہے میرے پاس' اور اب چونکہ سیٹھ جبار سے میرا
کوئی معاملہ نہیں بن سکا ہے اس لیے میں اس سے مانگنا نہیں چاہتی۔ آپ کم از کم بچاس
ہزار روپے مقامی کرنسی میں مجھے فراہم کر دیں۔ ہم بعد میں اسے اپنے ہی حساب میں لگا لیں
گے۔"

"رقم آپ کے پاس رات تک پہنچ جائے گی مجھے مسرت ہے کہ آپ نے اپنائیت سے
کام لیتے ہوئے مجھ سے اس بات کا اظہار کر دیا۔"

"ٹھیک ہے پرنس۔ کاروبار میں نقد ادھار تو چلتا ہی رہتا ہے۔ ویسے میں سیٹھ جبار کو
ان ہیروں کی مد میں ایک روپے کی رعایت نہ دوں گی کیونکہ یہ اصول کی بات ہے۔"

"شکریہ پرنس فورسیا رقم آپ کو پہنچ جائے گی یہ ایک ٹیلی فون نمبر رکھ لیجیے۔ میں نے
جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "جب بھی میری ضرورت
پیش آئے آپ مجھے اس نمبر پر رنگ کر سکتی ہیں۔"

فورسیا نے شکریہ ادا کیا تھا۔

ہم دونوں تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد باہر نکل آئے اس کے بعد یہاں رکنے کا جواز
نہیں تھا۔

چنانچہ اپنے اطراف سے باخبر رہتے ہوئے ہم ہوٹل سپارکو سے باہر نکلے اور پھر ایک
ٹیکسی روک کر چل پڑے تھے۔ عدنان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا تھا کہ وہ سپارکو کی
نگرانی ختم کر دیں۔ اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی۔

عدنان ٹیکسی میں میرے پاس پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھا ہوا تھا اور ہم دونوں ہی اپنے عقب
کی نگرانی کر رہے تھے۔ تھوڑی دور نکلنے کے بعد میں نے عدنان سے پوچھا۔

"کیا پوزیشن ہے؟"

"ٹھیک ہے' میرا خیال ہے لائن کلیر ہے' کسی کو ہم پر شک نہیں ہو سکا۔" وہ سرگوشی
کے انداز میں بولا۔

"اگر یہ بات ہے عدنان' تو پھر میرا خیال ہے میں ایک بار اینجل سے ملاقات کر لوں
موقع اچھا ہے' کئی دن گزر چکے ہیں' نہ جانے اس کی کیا کیفیت ہے اسے تسلی دینا ضروری

ہے کیونکہ اس وقت وہ ہمارے ہاتھ میں ایک اہم کارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"ٹھیک ہے پرنس' اس وقت واقعی موقع بہتر ہے کوئی ہماری جانب متوجہ نہیں ہے۔"

میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو واٹسن ایونیو چلنے کے لیے کہا اور آگے چوراہے سے ٹیکی واٹسن
ایونیو کی طرف مڑ گئی۔

میں نے ٹیکسی اس بنگلے سے کافی دور رکوائی تھی' جو میری ملکیت تھا اور جسے عظمت
نے میرے لیے خریدا تھا۔ ہم دونوں نیچے اتر گئے' عدنان نے بل ادا کیا اور ہم دونوں ٹہلنے
کے سے انداز میں آگے بڑھ گئے۔

ویٹرز کا مونوگرام ہم نے اتار لیا تھا اور وردی کے کوٹ بھی اتار کر ہاتھوں پر ڈال لیے
تھے۔ سفید پتلون تھی اور سفید قمیض جس پر بو لگی ہوئی تھی۔ بو بھی اتار کر ہم نے جیب
میں رکھ لی اور اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم کسی ہوٹل کے ویٹر ہیں۔ کافی دور تک
ہم ٹہلنے کے سے انداز میں چلتے رہے اور واٹسن ایونیو کے اس بنگلے سے کافی آگے نکل
گئے۔

اطراف میں اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے لیکن کسی کے بھی انداز سے ایسا نہیں لگتا تھا
کہ وہ کسی پر نگاہ رکھے ہوئے ہو ادھر یہ عام قسم کے سیدھے سادے لوگ تھے' چنانچہ میں
اور عدنان گھوم کر بنگلے کی پشت پر پہنچ گئے۔

ہر طرح کی احتیاط پر نگاہ رکھنی تھی۔ کوٹھی کی چار دیواری کود کر ہمیں اندر داخل
ہونے میں کوئی دقت پیش نہ آئی لیکن جونہی ہم اندر کودے' ہماری نگاہ سامنے اٹھ گئی۔

اعظم دونوں ہاتھوں میں پستول لیے سامنے ہی کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں
میں خطرناک تاثرات تھے۔ میں نے اور عدنان نے دونوں ہاتھ اٹھا دئے اور ہاتھ اٹھائے
اٹھائے ہم آگے بڑھنے لگے۔

اعظم کڑی نگاہوں سے کسی بت کی طرح ساکت کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ جب ہم اس
کے نزدیک پہنچے تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اب اپنی آمد کا مقصد بتا دو؟"

"اعظم میں دلاور ہوں۔ پرنس دلاور!" میں نے کہا اور وہ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ
گیا لیکن اس کی مستعدی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے عدنان کی طرف دیکھا اور
عدنان مسکرا کر بولا۔

"میں عدنان ہوں۔ اس کے ساتھ ہم دونوں نے اپنے چہروں سے ماسک اتار دئے
تھے۔ اعظم نے ایک پستول جیب میں ڈال لیا۔ لیکن دوسرا پستول اس نے ہاتھ ہی میں رہنے

دیا تھا۔ ہمارے نزدیک آکر اس نے ہمارے چہروں کو ٹٹولا‘ گردن کے پیچھے ہاتھ ڈالا اور اس کے بعد دو قدم پیچھے ہٹ کر مسکراتا ہوا بولا۔

”معافی چاہتا ہوں جناب‘ تشریف لائیے۔“ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

ہم اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ عقبی راہداری سے گزر کر ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں اعظم کے بیان کے مطابق اینجل اور ریٹا موجود تھیں دونوں ایک ہی کمرے میں تھیں۔ میں نے سرگوشی کے سے انداز میں اعظم سے ان کی خیریت پوچھی۔

”دونوں ٹھیک ہیں لیکن بس عجیب سکتے کی سی کیفیت کی شکار ہیں۔“

میں نے گردن ہلا کر دروازے پر دستک دی اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔

”دروازہ کھولنے والی ریٹا تھی۔ ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑی پھر اس نے عدنان کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اوہ آپ لوگ۔ آئیے آئیے تشریف لائیے۔“ اس نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ عدنان میرے پیچھے تھا۔ سامنے ہی اینجل ایک مسہری پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھا اور جلدی سے رسالہ رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس چہرہ اترا ہوا تھا‘ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے‘ ہونٹ خشک تھے‘ وہ بہت نڈھال نظر رہی تھی۔ مسہری پر پاؤں ٹکائے وہ چند لمحات مجھے دیکھتی رہی اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

”ہیلو پرنس۔“

”ہیلو اینجل‘ کیسی ہو؟“ میں دو قدم آگے بڑھ گیا تھا‘ وہ خاموش ہو گئی تھی‘ میری اس بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے عدنان سے کہا۔

”عدنان‘ تم ریٹا کو لے کر باہر چلے جاؤ‘ مجھے‘ اینجل سے کچھ بات کرنی ہے؟“

”یس سر۔“ عدنان نے کہا اور ریٹا کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ اینجل اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

”کیسی ہو اینجل؟“ میں نے مسہری کے نزدیک پہنچ کر کہا اور دوسرے لمحے اینجل اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ میرے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی‘ میرے ہاتھ بے اختیار اس کے بالوں تک پہنچ گئے۔ اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس----- بلا ارادہ ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار ہوا تھا۔

اینجل میرے سینے سے سر ٹکائے روتی رہی اور میں بے اختیار اس کے بالوں میں

انگلیاں پھیرتا رہا۔ میرے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

”رونے کی ضرورت نہیں ہے اینجل میں موجود ہوں۔ میری زندگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی‘ اینجل تم نے جو کچھ کیا ہے میرے لیے کیا ہے‘ پلیز مت رو‘ اینجل مت رو پلیز۔ میں اسے پچکارتا رہا اور اس کے آنسو آہستہ آہستہ تھمنے لگے وہ مسہری پر بیٹھ گئی۔

میں نے اپنی قمیص کی آستین سے اس کے آنسو خشک کیے تھے۔ پتہ نہیں زندگی میں پہلی بار اینجل پر اتنا پیار آیا تھا۔ میں اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ اینجل کے لیے میں اپنے جذبوں کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ کئی بار میں متضاد کیفیات کا شکار رہا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ میری زندگی میں کوئی اہمیت رکھتی ہو اور کبھی میں اسے صرف اسی در فریدہ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ بہرطور اس وقت کی کیفیت ان تمام احساسات سے مختلف تھی۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی اینجل؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں‘ ڈیڈی کیسے ہیں؟“

”یقیناً ٹھیک ہوں گے؟“

”انھیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟“

”نہیں اینجل‘ میرے ہاتھوں انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا ابھی تک۔“ میں نے جواب دیا اور وہ روتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

”ڈیڈی نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے نا پرنس؟“

”پرنس نہیں اینجل‘ منصور کہو مجھے‘ وہی منصور جس سے پہلی ملاقات پر تم نے کہا تھا کہ سولی پر لٹکنے آئے ہو یاد ہے اینجل؟“ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اینجل نے آنکھیں جھکا لیں۔

”ہاں یاد ہے۔“

”اب تک تم مجھ سے سوال کرتی رہی تھیں کہ میں منصور ہوں یا پرنس دلاور۔ میں نے تمہیں ڈھکے چھپے انداز میں بتا دیا تھا کہ میں منصور ہی ہوں لیکن اینجل آج میں کھلی زبان سے یہ اعتراف کرنے آیا ہوں کہ ہاں میں منصور ہوں‘ میں وہ ہوں اینجل جو اس شہر کے ایک چھوٹے سے علاقے کے چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ تمہارے والد کے ڈرائیور کا بیٹا‘ تمہیں اپنا آقا سمجھنے والا‘ سیٹھ جبار کو ان داتا جاننے والا----- اور جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تو میری نگاہ صرف اسی گھر کی جانب اٹھی جہاں سے مجھے رزق مہیا ہوتا

تھا۔ میرے ذہن میں صرف یہی تصور تھا کہ نوکری صرف سیٹھ جبار دے سکتے ہیں۔ میں اپنے والد کا حوالہ دے کر ان تک پہنچ گیا اور انھوں نے کمال مہربانی سے کام لیتے ہوئے مجھے اپنے ڈرائیور امجد کے حوالے کر دیا اور اس سے کہا کہ مجھے ڈرائیونگ سکھائے۔

"میں نے بہت جلد ڈرائیونگ سیکھ لی اینجل! اور تمھارے والد کے وفاداروں میں شامل ہو گیا لیکن اینجل! میں کچے ذہن کا مالک تھا' میں نے اس وقت تک کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ ملک کی بقا اور سلامتی کے لیے شدید محنت اور دیانت کی ضرورت ہے۔ ملک کے قاتل وہ ذخیرہ اندوز' چور اور اسمگلر ہیں جو ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں' وطن عزیز کی بقاء اسی میں ہے کہ وطن کو ایسے لوگوں سے نجات دلائی جائے' میں نے اس وقت تک یہی پڑھا تھا اینجل اور صدق دل سے اس پر ایمان رکھتا تھا چونکہ یہ میری زندگی کا پہلا سبق تھا۔ میں اس پہلے سبق کو اپنی زندگی کا آخری سبق بنا لینا چاہتا تھا۔

لیکن جب معلوم ہوا اینجل! کہ سیٹھ جبار اسمگلنگ کرتے ہیں اور میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ ملک کی بقاء کے لیے خطرے کی حیثیت رکھتا ہے تو میرا دل مچل اٹھا۔ ہاں اینجل میں نے اپنے مالک سے غداری کی لیکن میں اپنے وطن سے غداری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں پولیس اسٹیشن پہنچا اور میں نے انسپکٹر سے کہا کہ میں اسمگلروں کو پکڑوا سکتا ہوں میرے سینے میں سیٹھ جبار کے خلاف کوئی جذبہ نہیں تھا میں بس ملک دشمنوں کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ اس انسپکٹر نے تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ مجھ سے کہا کہ ٹھیک ہے وہ اس سلسلے میں کارروائی کرے گا اور دوسری طرف اس نے سیٹھ جبار کو اطلاع دے دی اور سیٹھ جبار کی ہدایت پر میرے گھر میں چرس رکھوا دی گئی اور مجھے چرس فروشی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ گھر میں میری ماں اور بہن کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں اس گھر کا کفیل تھا۔ کسی نے مجھ پر توجہ نہ دی اور مجھے پانچ سال قید بامشقت کی سزا ہو گئی۔ ہاں ----- اینجل ایک معمولی سے جرم کی سزا پانچ سال۔ یہ سزا زیادہ سے زیادہ تین مہینے کی ہو سکتی تھی لیکن سیٹھ جبار کی خواہش تھی کہ میں پانچ سال جیل میں رہوں اور پانچ سال کے بعد اس کے مطلب کا آدمی بن کے باہر نکلوں۔

میں بلاشبہ مجرم بن کر باہر نکلا تھا۔ جیل کی پانچ سالہ زندگی کم نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے استادوں نے مجھے بڑے بڑے گر سکھائے تھے۔ میں باہر نکلا تو میرے ذہن میں سیٹھ جبار کے لیے کوئی برا جذبہ نہیں تھا۔ مجھے تو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ میرے گھر میں چرس رکھوانے والا ----- وہ بڑا آدمی ہے جو اپنے معمولی سے اشارے پر انسانوں کی تقدیریں بدلنے کی قدرت رکھتا ہے۔ میں گھر پہنچا تو میری ماں اور بہن مجھے گھر میں نہ ملیں۔ میں ان

کے لیے پاگل ہو گیا۔ مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ ماں اور بہن کو گھر سے بے گھر کرنے والا کون ہے؟ میں ان کی تلاش میں مصروف ہو گیا لیکن سیٹھ جبار نہیں چاہتے تھے کہ میں زندگی کی لطافتوں سے ہمکنار ہو سکوں۔ مجھ پر قتل کا الزام عائد کیا گیا اور اس کے بعد اس بات کا اظہار کر دیا گیا کہ میرے اوپر جو کچھ بیتی ہے وہ سیٹھ جبار کے اشارے پر ہے وہ میری تقدیر کا مالک ہے۔ وہ میرے لیے خدا بننا چاہتا ہے۔ میں نے کسی انسان کی خدائی قبول نہیں کی اور اس کے خلاف نبرد آزما ہو گیا۔ تب اینجل۔ مجھ پر زندگی تنگ کر دی گئی۔ میرے ساتھ وہ سب کچھ ہوا جو کسی انسان کے ساتھ روا نہیں ہو سکتا تھا مجھے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں میرے کچے ذہن کو ایسے ایسے کرب سے گزرنا پڑا کہ میں تم سے بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے ----- میں نے ہمیشہ ان سے اپنی ماں اور بہن کی بھیک مانگی لیکن مجھے تحقیر آمیز قہقہے کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ سیٹھ جبار چاہتے تھے کہ میں ایک پکا مجرم بن جاؤں۔ انھیں اس بات پر یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن میں ان کے سامنے آکر گڑگڑاؤں گا اور اس وقت تک میرے مجرمانہ ذہن کی تربیت ہوتی رہے گی۔

میری زندگی کو جہنم بنا دیا گیا تھا اور میں اس جہنم میں سلگتا رہا میرے دل میں آگ بھڑکتی رہی' یہاں تک کہ مجھے سیٹھ جبار کے ایک گرگے نے ملک سے باہر نکال دیا۔ جزیروں میں مجھے غلامی کی زندگی ----- بسر کرنا پڑی اور میں غیر انسانی زندگی گزارتا رہا لیکن اینجل جب میں ان تمام حالات سے نمٹ کر واپس پہنچا تو بہت کچھ بن چکا تھا اور اس کے بعد بھی اگر میرے دل میں سیٹھ جبار کے خلاف نفرت کا جہنم نہ روشن ہوتا تو میں اپنے انسان ہونے پر بھی شک کرنے لگتا۔ میں پرنس دلاور بن گیا اور اس کے بعد میں سیٹھ جبار کے لیے بہت ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

سیٹھ جبار اس بات پر حیران ہے کہ منصور' پرنس دلاور کیسے بن گیا اور اس کے لیے اینجل' اس نے تمھیں استعمال کیا۔ تم میرے سامنے آئیں مجھے تم سے کوئی شکایت کوئی نفرت نہ تھی۔ میں نے اپنے سینے میں تمھارے لیے احترام پایا لیکن ماں اور بہن کی محبت مجھے کسی طرف مائل نہیں ہونے دے رہی تھی۔ ہاں۔ اینجل تمھارے والد کو معلوم ہے کہ میری ماں اور بہن کہاں ہیں لیکن انھوں نے مجھے ان سے محروم کر رکھا ہے اور اس کے بعد کے حالات سے تم بھی واقف ہو اینجل! میں جو کچھ ہوں اپنی شخصیت' اپنی حیثیت ہر اس شخص کو دینے کو تیار ہوں جو مجھے میری ماں اور بہن سے ملا دے اگر وہ دونوں مجھے آج بھی مل جائیں تو میں انھیں لے کر اس ملک سے چلا جاؤں گا اس شہر سے چلا جاؤں گا کسی ایسی جگہ جو کوئی میرے لیے متعین کر دے' مجھے کسی سے کوئی پر خاش نہ رہے گی میں

اپنی چھوٹی سی دنیا پھر سے آباد کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک طویل عرصے سے ان سے جدا ہوں اور میرا سینہ ہمیشہ غم سے پھٹتا رہا ہے۔ میری ہر رات آنسوؤں کے درمیان گزری ہے۔ میں نے ہر لمحہ انھیں یاد کیا ہے۔ مجھے بتاؤ اینجل! ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر منصور سیٹھ جبار سے نفرت کرتا ہے تو کیا غلط ہے؟"

اینجل کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ میری کہانی میں اس طرح کھو گئی تھی جیسے سب کچھ بھول گئی ہو۔ میں خاموش ہوا تو وہ آنسو بہاتی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر وہ اٹھی اور دوبارہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم تھا' مجھے یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میرے ڈیڈی اتنے گرے ہوئے شخص ہیں۔ بہت برا ہوا منصور! میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں لیکن یقین کرو منصور! میں تم سے الگ نہیں ہوں' میں تمھارے ساتھ ہوں اگر میرے ڈیڈی نے تمھاری امی اور بہن کو تم سے جدا کیا ہے تو ٹھیک ہے اب میں خلوص دل سے اس کے لیے تیار ہوں کہ تم مجھے ان سے جدا کر دو۔ زندگی بھر تم انھیں میری شکل نہ دیکھنے دو' منصور! میں تمھارے ساتھ ہوں' میرے پاس تمھاری ان تکالیف کا یہی ایک بدل ہے' تم جس طرح چاہو' جیسے چاہو مجھے رکھو۔

میں کبھی واپس جانے کی ضد نہیں کروں گی۔ ہاں ڈیڈی کو سزا ملنی چاہیے' تم جانتے ہو منصور! ڈیڈی مجھے بہت چاہتے ہیں' اتنا چاہتے ہیں وہ مجھے کہ شاید ساری دنیا میں کسی کو نہ چاہتے ہوں۔ تم نہیں سمجھتے ان حالات میں ان پر کیا گزری ہو گی لیکن اب مجھے کسی بات کا تردد نہیں ہے' مجھے کیا معلوم تھا کہ ڈیڈی اتنے درندہ صفت ہیں۔" اینجل جذب کے عالم میں بول رہی تھی' اس کی آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں اور یہ آنسو بلا شبہہ اس کی سچائی کا مظہر تھے۔

وقت نے مجھے کچھ بھی بنا دیا تھا لیکن ابھی اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ سچائیاں مجھ پر اثر انداز نہ ہوتیں اس بار میں نے جذباتی انداز میں اینجل کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

" تمھارے ان آنسوؤں نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اینجل' میں تمھارا شکر گزار ہوں کہ تم میرے لیے روئیں۔ میں ان آنسوؤں کی قیمت میں اپنی زندگی دے سکتا ہوں۔ سیٹھ جبار نے مجھے لمحہ لمحہ اذیت دی ہے اینجل۔ بہت پتھر دل انسان ہیں وہ۔ وہ میرے زخم ہرے کرتے رہتے ہیں۔ اس دن میں تمھاری سالگرہ میں شریک ہوا تھا' تمھاری خوشی میں شریک ہوا تھا لیکن انھوں نے میرے دل میں خنجر بھونک دیا تھا۔"

"اس دن؟" وہ چونک کر بولی۔

"ہاں اینجل۔"

"کیا ہوا تھا منصور؟" اینجل اپنائیت سے بولی۔

"انھوں نے مجھے اپنے پاس روک لیا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور تمہیں وہاں سے ہٹا دیا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"وہ مجھے مجبور کرتے رہے کہ میں اپنے منصور ہونے کا اعتراف کر لوں۔ میں اس لیے تو نہیں گیا تھا اینجل۔ میں انھیں ٹالتا رہا اور پھر انھوں نے میرے دل پر کاری وار کیا۔ لان پر میں نے فریدہ کو دیکھا سیٹھ جبار نے مجھے مجبور کرنے کے لیے اسے میرے سامنے پیش کیا تھا۔ میں اس وقت ان کے پاس تھا اور فریدہ لان پر۔ میرے سامنے ہی انھوں نے اسے وہاں سے روانہ کر دیا۔ کئی سال کے بعد میں نے اپنی بہن کی شکل دیکھی تھی۔ تم خود غور کرو اینجل میری ذہنی حالت کیا ہوئی ہو گی؟"

"پھر کیا ہوا منصور؟" اینجل نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے صبر کرنا سیکھ لیا ہے۔ میں تقدیر پر شاکر ہوں میں نے کوئی اعتراف نہیں کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے تمہیں' تمھارے دیئے ہوئے نمبر پر فون کیا تو تمھاری آواز سنائی دی تو تم نے مجھے بریٹوروڈ کی کوٹھی نمبر بائیس میں بلایا تھا۔"

"اوہ------ اوہ------ میں نے تمہیں بلایا منصور؟" اینجل جلدی سے بولی۔

"فون پر مجھے تمھاری ہی آواز سنائی دی تھی۔"

"میں جانتی ہوں وہ رخسانہ ہو گی۔ لیکن رخسانہ ------!"

"میں وہاں پہنچ گیا' اینجل۔ وہاں تمھارے بجائے وہ لڑکی ملی۔ اس نے کہا کہ تم نے مجھے' ڈالمیا کراسنگ کی ہٹ نمبر بائیس میں بلایا ہے میں اس کے ساتھ چل پڑا لیکن راستے میں اس نے مجھے صورت حال بتا دی۔ اس نے کہا کہ تمھارے اور سیٹھ جبار کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی ہے؟"

"آپ ڈالمیا کراسنگ گئے تھے پرنس؟"

"ہاں لیکن سیٹھ جبار وہاں بھی مجھ پر قابو نہیں پا سکے تھے۔"

"مزید واقعات مجھ سے سنو منصور۔ خدا کی قسم مجھے یہ علم تھا کہ زیادہ دولت نے ڈیڈی کو بے حد مغرور بنا دیا ہے اور بعض اوقات وہ لوگوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں

لیکن وہ انسانیت سے اتنی دور چلے گئے ہیں اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ میں نے ڈیڈی سے پوچھا تھا کہ پرنس سے کوئی تلخ گفتگو ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے پرنس دلاور کبھی مجھے فون کریں گے تو میں ان سے پوچھ لوں گی۔ ڈیڈی اس بات پر ناراض ہو گئے اور انھوں نے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد غالباً رات کے کھانے میں مجھے خواب آور دوا دے دی گئی تھی۔ دوسرے دن مجھے جب ہوش آیا تو میں جہاز پر تھی۔ ریٹا میرے برابر کے کیبن میں موجود تھی۔ خدا کی قسم منصور اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم!"

"مجھے یقین ہے اینجل! بہر حال مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہو گیا اور میں تمہیں وہاں سے نکال لایا۔"

"ریٹا نے مجھے بتایا تھا منصور! کہ میں پرنس ڈلاور کی مہمان ہوں لیکن میں مضطرب تھی۔ خدا کی قسم میں اب پر سکون ہوں اور منصور ------ اب میں نے ایک عہد کیا ہے مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اس عہد پر قائم رہنے میں مدد دو گے۔"

"کیا عہد ہے اینجل؟"

"اگر ڈیڈی تمہاری امی اور بہن کو تمہارے حوالے کر دیں تو تم انھیں میرا پتہ بتا دینا اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پرنس خواہ پوری زندگی گزر جائے تم انھیں ان کی بیٹی سے محروم کر دینا؟"

میں خاموشی سے اینجل کو دیکھتا رہا۔ اس نے وہ کہا تھا جو خود میرے ذہن میں تھا لیکن اس کا عہد بہت عظیم تھا۔ اس کی پیش کش میرے تصور سے بہت بلند تھی۔ اس نے مجھے جیت لیا تھا۔ ہاں اس نے ایک عورت کی حیثیت سے مجھے جیت لیا تھا۔ اس نے میری ذات کے لیے، انسانیت کے لیے ایک عظیم قربانی کی پیش کش کی تھی۔

"تمہیں اس پر اعتراض تو نہیں ہے منصور؟"

"مجھے ساری زندگی تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں ہو گا اینجل۔"

"ساری زندگی؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں ساری زندگی۔"

"بہت مشکل بات کہی ہے تم نے منصور!"

"سوچ سمجھ کر کہی ہے اینجل۔"

"کیا تم ایک ایسے شخص کی بیٹی کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتے ہو جس نے تم پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہیں؟"

"میں تمہیں اس حوالے سے قبول نہیں کروں گا اینجل، تمہاری شناخت تمہارے وہ الفاظ ہیں جن کی قیمت اس کائنات میں نہیں مل سکتی تم نے حق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"میں تمہارے مشن کے لیے جان دے دوں گی منصور! یہ اینجل کا عہد ہے ممکن ہے ابھی تم ان الفاظ پر یقین نہ کرو لیکن آنے والا کوئی لمحہ مجھے اس عہد سے نہیں ہٹا سکتا۔"

"خدا کی قسم اینجل! زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ وقت نے مجھے چٹان بنا دیا لیکن اعتراف کرتا ہوں کہ آج یہ چٹان پگھل گئی۔ میں کچھ نہیں رہا اینجل۔ اینجل! تم میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہو اگر حالات نے کبھی سکون کے کچھ لمحات دیئے تو وہ تمہاری امانت ہوں گے۔"

"منصور!" اینجل نے ایک بار پھر میرے سینے پر سر ٹکا دیا۔ وقت نے چھلانگ لگائی اندھیرا پھیل گیا لیکن ہمیں کوئی احساس نہیں تھا پھر دروازے پر ہونے والی دستک سن کر ہم چونک پڑے۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا تھا۔

"اگر آپ مزید رکنا چاہیں پرنس تو میں اجازت چاہوں گا۔" عدنان نے کہا۔ ریٹا بھی اس کے ساتھ تھی۔

"نہیں بس میں بھی چلوں گا۔ ریٹا اینجل کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے، ان کا خیال رکھنا۔ اینجل مجھے اجازت دو اور وہاں ریٹا تم اپنا واچ ٹرانسمیٹر اینجل کو دے دو اور انھیں اس کے بارے میں سب کچھ سمجھا دو۔ اینجل میں دن میں ایک بار تمہیں ضرور کال کروں گا۔"

"ٹرانسمیٹر؟" اینجل نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اس کے بارے میں آپ کو میں تفصیل بتا دوں گی اینجل!" ریٹا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عورت تھی شاید حالات کا کسی حد تک اندازہ کر چکی تھی پھر ہم دونوں ان سے رخصت ہو کر باہر نکل آئے۔ طاہر اور اعظم کو میں نے کچھ اور ہدایات دی تھیں اور عدنان نے اس عمارت کی مکمل حفاظت کے لیے کچھ اور لوگوں کو بھیجنے کی پیش کش کر دی تھی۔

وانسن ایونیو سنسان علاقہ تھا۔ دور دور تک ٹیکسی کا پتہ نہیں تھا چنانچہ ہم پیدل چل پڑے۔ باہر نکلتے وقت ماسک دوبارہ چہروں پر لگا لیے تھے۔

"اینجل واپس جانے کے لیے تو بضد نہیں تھی پرنس!"

"نہیں عدنان وہ بہت برے باپ کی بہت اچھی بیٹی ہے اس نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔"

"اوہ۔ مجھے احساس ہو رہا تھا۔"

"اس نے خود ہی مجھے پیش کش کی کہ جب تک اس کا باپ میری ماں اور بہن کو میرے حوالے نہ کر دے' اسے اس کی بیٹی سے محروم رکھا جائے۔"

"وہ اپنے الفاظ میں مخلص تھی پرنس؟"

"ہاں عدنان! میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔"

"تب وہ ہمارے لیے قابل احترام ہے۔" عدنان نے جواب دیا۔ تھوڑی دور چل کر ہمیں ٹیکسی مل گئی۔ عدنان نے مجھے میری کوٹھی چھوڑا اور خود اسی ٹیکسی سے واپس چلا گیا۔ کوٹھی آکر میں نے ماسک اتار دیا تھا۔ فینی میری منتظر تھی۔ شاید کوئی اطلاع تھی میرے لیے۔"

"ہیلو فینی۔ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"جی جناب۔ ممکن ہے آپ اسے خاص تصور فرمائیں۔ سیٹھ جبار دوبار ٹیلی فون کر چکا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ پھر رنگ کرے گا اگر پرنس آجائیں تو اس کی درخواست ہے کہ اس سے ٹیلی فون پر بات کرلیں۔"

"دوسری بار کب ٹیلی فون کیا تھا اس نے؟"

"تقریباً" آدھا گھنٹہ پہلے اس سے قبل بھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی کیا تھا۔ اب اگر اس کا فون آئے پرنس تو آپ اس سے بات کرنا پسند کریں گے؟"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں جا کر لباس وغیرہ تبدیل کرنے لگا۔ لباس تبدیل کر کے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ اینجل سے جو گفتگو ہوئی تھی بڑی متاثر کن تھی۔ میرے دل میں نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ درحقیقت زندگی نے کبھی اتنا موقعہ ہی نہیں دیا کہ اس بارے میں سوچتا دل مردہ ہو کر رہ گیا تھا وہی پاس نہ تھے جو میری امنگوں کو جلا بخشتے۔ فریدہ کی شادی کرتا اور اس کے بعد امی میری شادی کے بارے میں تگ و دو شروع کر دیتیں۔ وہ کہیں بھی کسی بھی محلے کی کسی غریب سی لڑکی سے میرا رشتہ طے کرویتیں جیسی بھی شکل و صورت ہوتی وہ جو کچھ بھی ہوتی میں اسے قبول کرلیتا اور زندگی کے دھارے اسی سمت چل پڑتے جہاں ازل سے بہہ رہے ہیں۔ میں خود بھی ایک اچھے انسان کی حیثیت سے اس معاشرے کا ایک فرد بن کر اپنی زندگی گزار دیتا لیکن حالات نے راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور مجھے یہ رخ بخش دیا اور اس رخ پر آنے کے بعد بھلا زندگی میں ان جذبوں کی کیا گنجائش رہتی تھی۔

راشدہ پہلی بار میری زندگی میں ایک خاص حیثیت سے داخل ہوئی وہ ان لڑکیوں میں

سے تھی جنھوں نے مجھے عورت کی حیثیت سے روشناس کرانے کی کوشش کی لیکن میں بدنصیب بھلا ان جذبوں کے اہل کہاں سے ہو سکتا تھا اگر درحقیقت گل کے ڈرائیور کی حیثیت سے زندگی کی ابتدا ہوتی اور راشدہ اس طرح مجھ تک پہنچتی تو میں فوراً" اسے قبول کرلیتا۔ وہ ہر طرح ایک بہتر لڑکی ثابت ہوتی۔ محبت کرنے والی سمجھ دار اور حالات کا شکار' جو ہر حالت میں گزارہ کرلیتی میرے ساتھ۔ لیکن تلوار کی نوک پر رکھی ہوئی زندگی بھی بھلا زندگی تصور کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد گل کے لیے کچھ ایسے الفاظ دوستوں نے کہے جو میرے ذہن سے تو نہیں اترتے تھے اگر گل کا تجزیہ کرتا تو درحقیقت اس کی آنکھوں میں محبت کی ایک پیاس نظر آتی تھی۔ ہرچند کہ عمر کے لحاظ سے وہ میرے جوڑ کی نہیں تھی لیکن اگر میں ایک عام انسان کی حیثیت سے سوچتا اور زندگی میں خوبصورت لمحات' آسودگی اور مالی اطمینان کی تلاش ہوتی----- تو گل بھی میرے لیے قابل قبول ہوتی۔ میں سطحی انداز سے سوچتا اور شاید یہ فیصلہ کرلیتا کہ گل کے ساتھ زندگی گزارنے میں مجھے ایک بڑی حیثیت حاصل ہو رہی ہے۔ تیسری شخصیت بہروز کی تھی۔ ہرچند کہ بہروز نے مجھے کبھی اظہار محبت نہیں کیا تھا لیکن اگر میں اس کی جانب ذرا بھی ملتفت ہوتا تو ممکن ہے کہ ایک عورت کی حیثیت سے میری طرف راغب ہو جاتی۔ میں تو خود کو انسان سمجھنے کی صلاحیتیں ہی کھو بیٹھا تھا۔

بس ایک مشین تھی ایک مشن تھا اور جب بھی وقت کا اختتام میری ذات پر ہو جاتا میں خود موت کی آغوش میں جا سوتا۔ ایسے لمحات میں محبت کا تصور ہی بے معنی تھا لیکن----- یہ دلِ وحشی بعض اوقات اتنا سرکش ہو جاتا ہے کہ انسان اس کی فطرت پر متحیر رہ جاتا ہے۔

اینجل کے بارے میں بھی متضاد خیالات کا شکار رہا تھا۔ بار بار دل اس پر مائل ہوا لیکن پھر یہ احساس مجھے سنبھال لیتا کہ اول تو وہ ایک اتنے دولت مند شخص کی بیٹی ہے کہ جس کی دولت کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسرے اس کا تعلق میرے دشمن سے ہے میں اسے اپنے دشمن کے خلاف آلہ کار تو بنا سکتا ہوں لیکن اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا تصور بھی میرے لیے ایک حماقت تھا۔ اینجل مجھ سے متاثر ہو گئی تھی۔ اپنی فطرت کے خلاف لیکن یہ بات بھی قابل غور تھی کہ اس نے اس وقت مجھے پرنس دلاور کی حیثیت سے قابل توجہ سمجھا تھا اگر میں منصور ہوتا صرف اس کے باپ کا ایک معمولی ڈرائیور ہوتا تو شاید وہ میری طرف بھرپور نگاہ ڈالنا بھی پسند نہ کرتی۔ پرنس دلاور کی حیثیت سے میں نے اس لڑکی کو اپنے لیے صرف آلہ کار بنایا تھا لیکن اب جب کہ اس نے منصور کہا اور سمجھا

تھا---- پھر اس کے بعد میرے ساتھ زندگی بھر کا ساتھ نبھانے کا عہد کیا تھا' حق کا ساتھ دینے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تھا' وہ مجھ سے اور میری کہانی سے متاثر ہوئی تھی اور---- جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ میرے لیے اپنا ماحول' اپنا ماضی فراموش کرنے کو تیار تھی تو پھر بھلا میرے سینے میں ہلچل کیوں نہ مچتی؟

میں اس وقت خود کو منافق نہیں بنا سکا تھا۔ اینجل کی اس پیش کش نے میرے دل کے بند سوتے کھول دیے تھے اور اب ان سے محبت بہہ رہی تھی۔ ایک گدگدا دینے والا احساس میرے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ اینجل کی شکل و صورت' اس کے پیکر پر پہلی بار غور کیا تو محسوس ہوا کہ زمانے کی حسین ترین لڑکی ہے اور اس کے قرب کے لمحات کا تصور انسان کو بے خود کر دینے کے لیے کافی ہے۔ جب اس نے میرے سینے پر سر ٹکایا تھا تو اس کے بالوں کی ریشمی نرماہٹ اور اس کے وجود کی حسین خوشبو میرے دل و دماغ پر حاوی ہو گئی تھی۔ میں اپنے آپ کو بہت قیمتی انسان تصور کر رہا تھا۔ ہاں میں وہی منصور تھا اور اسی منصور کی حیثیت سے اینجل نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو پھر بھلا میں اس کی محبت کو کیسے ٹھکرا سکتا تھا آخر انسان تھا۔ میں نے اس کے سامنے کھل کر اعتراف کیا کیونکہ میں حقیقتوں کو چھپانے کا عادی نہ تھا۔ اور اب اس کا تصور میرے لیے ایک حسین لمحہ بن گیا تھا جب بھی ذہن تھکن محسوس کرے اس تصور کو دل میں زندہ کر لیا جائے ساری تھکن دور ہو جائے۔

ماں اور بہن کا حصول زندگی کا پہلا مقصد تھا تو اینجل کی محبت کو میں دوسرا نمبر دے سکتا تھا۔ تنہائی کے یہ لمحات بڑے اجنبی اجنبی سے تھے کیونکہ ان کی سوچ اجنبی تھی اور اس اجنبی سوچ کو فینی نے توڑ دیا۔ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ سینے کے زیروبم میں ذرا تیزی تھی۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"فون۔ سیٹھ جبار کا فون!"

"اوہ مگر مضطرب کیوں ہو فینی؟"

"نہیں جناب ذرا دور تھی۔ میں نے سوچا کہ دوڑ کر آپ کو اطلاع دے دوں۔" فینی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ اٹھ گیا۔

"ریسیور میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر کان سے لگا لیا اور اپنے لہجے کو سنبھالتا ہوا بولا۔

"ہیلو۔"

"کون پرنس دلاور----؟" ---- میں نے سیٹھ جبار کی آواز صاف پہچان لی

تھی۔

"ہاں۔ میں پرنس بول رہا ہوں۔"

"پرنس۔ پرنس میں کئی بار آپ کو فون کر چکا ہوں۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور سیٹھ جبار فرمایئے۔"

"اینجل کہاں ہے؟ مجھے بتاؤ اینجل کہاں ہے؟" اس نے مضطربانہ انداز میں سوال کیا اور میں نے ایک قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا۔ ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد میں نے چند لمحات انتظار کیا اور میرا اندازہ درست نکلا۔ فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی تھی۔ میں نے ریسیور دوبارہ اٹھا لیا۔

"جی۔" میں پروقار لہجے میں بولا۔

"پرنس! سوچ لو۔ غور کرو' تمہیں اینجل کے بارے میں بتانا ہو گا' اینجل مجھے واپس کرنا ہو گی!"

"آپ شاید ذہنی طور پر بالکل دیوالیہ ہو گئے ہیں سیٹھ جبار' کون اینجل؟ میں اسے نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھو پرنس۔ اینجل میری زندگی کا محور ہے' اینجل میری زندگی کا سبب ہے اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو تمہاری دنیا تہ و بالا کر کے رکھ دوں گا وہ کچھ کروں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو پرنس دلاور کہ اینجل کو کوئی نقصان پہنچا کر مجھ سے جدا رکھ کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو گا بلکہ تم ان شدید نقصانات سے دو چار ہو جاؤ گے جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تم نے ایک ساکھ بنائی ہے اپنا ایک مقام پیدا کیا ہے معاشرے میں۔ مجھے اپنی جگہ سے سرکا کر اپنے لیے جگہ بنائی ہے۔ میں نے سب کچھ برداشت کر لیا لیکن تمہارے اس اقدام کو میں نہیں برداشت کر سکوں گا۔" میں پھر ہنس پڑا تھا۔

"میں نے کہا نا سیٹھ جبار کہ آپ ذہنی طور پر بالکل دیوالیہ ہو گئے ہیں اور ایسی احمقانہ گفتگو کر رہے ہیں جس کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اینجل مجھے واپس کر دو۔ سمجھے تم۔ اینجل آج رات کے کسی حصے میں میرے پاس پہنچ جانی چاہیے۔" سیٹھ جبار نے کہا اور میں نے پھر فون بند کر دیا۔

لیکن اس بار میں نے ریسیور کریڈل پر نہیں رکھا تھا بلکہ کریڈل سے الگ کر دیا تھا۔ باہر نکل کر میں نے فینی سے کہا کہ اب سیٹھ جبار کا کوئی فون ریسیو نہ کیا جائے۔ فینی نے

گردن ہلا دی تھی۔ میرے دل میں مسرت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ سیٹھ جبار کے لہجے سے اب اس کے اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا۔

کاش میں پہلے ہی یہ سب کچھ سوچ لیتا۔ درحقیقت اینجل سیٹھ جبار کی زندگی کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ میں نے اس کی اس رگ کو نہیں چھوا تھا اگر پہلے ہی میں یہ سب کچھ کر لیتا اور اس پر اپنی توجہ صرف کرتا تو شاید مسئلے کے حل ہونے کی امید پیدا ہو سکتی تھی۔ بہرطور میں تو تڑپ ہی رہا تھا اب سیٹھ جبار کے تڑپنے کی باری تھی۔ پتہ نہیں اس نے رات کو فون کیا یا نہیں لیکن دوسری صبح ساڑھے آٹھ بجے میں بستر سے اٹھا تو فینی میری منتظر تھی۔ اس نے جب یہ اندازہ لگا لیا کہ میں جاگ چکا ہوں اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو چکا ہوں تو وہ میرے کمرے میں آ گئی۔

"پرنس۔ سیٹھ جبار ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ اتنی صبح!"

"وہ صبح سات بجے یہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں جنھیں اس نے باہر کار میں چھوڑ دیا ہے۔ صبح سات بجے سے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ پرنس کو جگا دیا جائے۔ دو چار بار تو میں نے بڑی آہستگی اور نرمی سے کہا کہ پرنس اپنی مرضی سے جاگیں گے۔ اس کے بعد میں نے ذرا سختی سے کہا کہ اگر وہ پسند کرے تو انتظار کر لے ورنہ واپس چلا جائے۔ جب پرنس جاگیں تب آ جائے۔ اس کے بعد سے اس نے خاموشی اختیار کر لی ہے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ۔ گڈ ناشتہ لگواؤ فینی۔" میں نے کہا اور فینی مسکرانے لگی۔

"گویا آپ ابھی اس سے نہیں ملیں گے؟"

"ہاں۔ بعد میں بتاؤں گا تمہیں۔" میں نے جواب دیا اور فینی گردن جھکا کر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے اطلاع دی کہ ناشتہ لگ گیا ہے۔ میں نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔ ناشتے کی میز پر میں سیٹھ جبار کے بارے میں سوچتا رہا تھا پھر میں نے ایک فیصلہ کر لیا فینی کو بلایا اور بولا۔

"میں جا رہا ہوں فینی۔ میرے جانے کے بعد تم سیٹھ جبار سے کہہ دینا کہ پرنس اس وقت مصروف ہیں۔ شام کو چار بجے وہ آپ کو ملاقات کا وقت دے سکتے ہیں اگر مناسب سمجھیں تو اس وقت آ جائیں۔"

"آپ واقعی جا رہے ہیں پرنس؟"

"ہاں فینی جانا ہی ہو گا۔" میں نے جواب دیا اور فینی پر خیال انداز میں گردن ہلانے

لگی۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا۔ ڈرائیور کو ہدایت بھجوا دی گئی تھی کہ پرنس کہیں جانے والے ہیں اس لیے گاڑی تیار کر لے اور پھر میں پرنس دلاور کی حیثیت سے لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ میں نے سیٹھ جبار کی کار بھی دیکھی تھی۔ اس میں دو آدمی بیٹھے تھے۔

ان لوگوں نے مجھے تعجب سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں میں نے ڈرائیور کو صائمہ روشن علی کے دفتر چلنے کو کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں دفتر پہنچ گیا۔

شاید دوسری بار اس دفتر میں آیا تھا۔ صائمہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پورا عملہ ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا اور صائمہ سے اس کے کاموں کی تفصیلات معلوم کرنے لگا صائمہ ایک بہترین کارکن تھی۔ اس نے وہ تمام تفصیلات مجھے فراہم کر دیں جو مجھ سے متعلق تھیں یعنی پرنس دلاور نے ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے جو کچھ کیا تھا یہ اس کے بارے میں تھیں۔ میں انھیں دیکھتا رہا۔ کچھ نئی ہدایات جاری کیں میں نے اور صائمہ انھیں نوٹ کرتی رہی۔

مسئلہ وقت گزاری کا تھا اور سیٹھ جبار کو ذہنی طور مفلوج کرنے کے لیے جتنا بھی وقت گزرتا میرے حق میں تھا۔ اس کے بعد میں نے پروفیسر شیرازی کو فون کیا۔ گل نے ریسیو کیا تھا اور پروفیسر اس وقت بھی موجود نہ تھے۔

"ہیلو گل۔ کیسی ہیں آپ؟"

"اوہ۔ پرنس۔ خیریت سے ہوں؟"

"میرا دوست کس حال میں ہے؟"

"بہت بہتر ہے۔ میرا خیال ہے بہت جلد وہ اپنی ذہنی قوتیں بحال کر لے گا ویسے پرنس آپ نے بڑے بڑے دلچسپ نمونے یہاں جمع کر دیے ہیں۔ میں، سرخاب اور پروفیسر شیرازی اس جھمگھٹ سے بہت خوش ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر طرح کے انسانوں کا تجزیہ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ شمو اک معصوم سی جاہل سی لڑکی ہے۔ معصومانہ باتیں کرتی ہے۔ اس کی ماں ایک بزرگ، جہاندیدہ عورت ہے لیکن مخلص ہے۔ اپنے آپ کو اس ماحول میں ضم نہیں کر پا رہی جگہ جگہ، چونکی چونکی سی رہتی ہے اور اس احساس کا شکار ہے کہ اسے، اس کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ امجد علی ڈرائیور ہیں اور ان کے اہل خاندان بڑے نروس ہیں بے چارے اور بار بار درخواست کر رہے ہیں کہ انھیں ملازموں کے کوارٹر میں رہنے کی جگہ دی جائے۔ وہ مالکان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ تم مجھ سے شکایت مت کرنا پرنس۔ میں نے ہر

ممکن کوشش کی کہ وہ ہمارے ساتھ برابر کی حیثیت سے ہی شریک ہوں۔ تمہارے بھیجے
ہوئے لوگ تھے بھلا ہم کس طرح انھیں کم تر سمجھ سکتے ہیں لیکن بہرطور ان سب کی شدید
خواہش پر ان کے لیے علیحدہ جگہ مہیا کر دی گئی ہے اور اب وہ مطمئن ہیں۔

"کوئی حرج نہیں ہے گل۔ میں بھی حالات کا شکار ہوں۔ تم میری الجھنیں جانتی ہو
ابھی مجھے ایسے لمحات میسر نہیں آئے کہ میں رزم سے ہٹ کر بزم پر توجہ دوں بلکہ مجھے
صرف یہ افسوس ہے کہ میں تمہارے لیے بھی باعث الجھن بنا ہوا ہوں اور ایسے ایسے
لوگوں کو تم تک پہنچا دیا ہے۔ جو بہر طور انسان ضرور ہیں لیکن تمہارے معیار کے لوگ
نہیں ہیں۔

"نہیں پرنس۔ براہ کرم اس انداز میں نہ سوچئے ہم بھٹکے ہوئے لوگ ہیں----- جو
خود کو عام انسانوں کی صف سے ذرا سا الگ کر کے سوچتے ہیں حالانکہ ہر شخص فطری طور پر
ویسا ہی ہے جیسے اور انسان ہوتے ہیں۔ بس خواہ مخواہ ہم نے اپنے آپ کو دوسروں سے
منفرد محسوس کر لیا ہے۔ یہ ہماری سوچ ہے' ہماری حماقت ہے میں تمہیں یہ اطلاع صرف
اس لیے دے رہی ہوں کہ اگر تم کبھی یہاں آؤ اور ماحول میں ذرا سی تبدیلی دیکھو تو کسی
غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاؤ۔

"نہیں گل' بھلا آپ کے بارے میں' میں غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔ میں نے
کہا۔

"بہت بہت شکریہ پرنس اور سناؤ کیسے حالات چل رہے ہیں۔ ہمیں تو کبھی تفصیل سے
کچھ جاننے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

"کاش۔ میں آپ کو تفصیل سے سب کچھ بتا سکتا لیکن گل اتنا ضرور عرض کر رہا ہوں
کہ میرے خیال میں اب یہ لمحات زیادہ طویل نہیں رہے ہیں میں نے آپ کی مدد سے جس
مشن کا آغاز کیا تھا اس کی تکمیل کا وقت آچکا ہے۔ پروفیسر کہاں ہے؟

"گئے ہوئے ہیں کہیں۔-- بہت ہی دلچسپ آدمی ہیں بڑے خوش ہیں کہ زندگی کے اس
طویل سفر میں جو لمحات دنیا سے دور رہ کر گزارے تھے اب ان میں تبدیلی آئی ہے اور یہ
احساس ہوا ہے کہ دنیا کی لطافتیں مسرتیں تو بہت ہیں' آدمی اگر ان سے خود ہی دور رہے تو
اس میں لطافتوں کا کیا قصور؟ حسینہ ہے' بھوندو ہے۔ مزے کے لوگ ہیں ہنساتے ہی رہتے
ہیں ہمیں تو اور میں یہ سوچتی ہوں کہ کیسے بدنما خول چڑھا رکھے تھے ہم نے اپنے اوپر۔

"مجھے مسرت ہے کہ میں تم لوگوں کے لیے کسی دلچسپی کا باعث بنا۔

"اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے؟ گل نے پوچھا۔

"نہیں بس۔ تمہاری خیریت معلوم کرنا تھی سو ہو گئی۔ او۔ کے۔" میں نے کہا اور
بند کر دیا۔

باقی وقت بھی میں نے دفتر ہی میں گزارا تھا۔ ساڑھے تین بجے میں پھر کوٹھی پہنچ گیا
دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ سیٹھ جبار کی کار وہیں اسی جگہ کھڑی
تھی اور وہ دونوں آدمی بھی اس میں موجود تھے۔

کوٹھی میں موجود میرے ساتھیوں نے میرا استقبال کیا۔ کچھ خاص اہمیت دی گئی تھی
کے استقبال میں اور میں سمجھ گیا تھا کہ یہ نینی کی کوششیں ہوں گی۔ اس ذہین لڑکی
سیٹھ جبار پر رعب ڈالنے کے لیے یہ سارے انتظامات کیے ہوں گے۔

نینی بھی مجھے استقبال کرنے والوں میں نظر آئی اور میں اس کے ساتھ اندر آگیا باقی
لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ میں نے نینی سے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"یہ سیٹھ جبار کب آیا؟"

"گیا ہی نہیں سر۔ جب سے یہیں بیٹھا ہے آپ ذرا غور فرمایئے یہ شخص صبح سات
بجے سے یہیں بیٹھا ہے اور اس کے وہ دونوں آدمی بھی----!"

"خدا کی پناہ۔ کیا کرتا رہا اس دوران؟"

"بس ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے چائے بھجوائی تو اس نے
یہ ادا کر کے اسے واپس کر دیا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا ہے البتہ اس کے
ان ساتھی دو بجے کے قریب کھانا کھانے چلے گئے تھے۔"

"گویا سیٹھ جبار بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا ہے۔"

"جی ہاں۔ میں نے بہت کہا کہ چائے پئے' کھانا کھائے لیکن اس نے خشک لہجے میں
منع کر دیا اور کہا کہ وہ ایک مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا اگر پرنس دلاور نے اسے
مہمان بنانا پسند کیا تو پھر وہ پرنس کے ساتھ بیٹھ کر ہی چائے پئے گا؟"

"گڈ ویری گڈ۔ ٹھیک ہے نینی چائے لگوا دو اور اس کے ساتھ ذرا کچھ اور چیزیں بھی
لگوا دینا اگر وہ میرے بارے میں پوچھے تو اسے کہہ دینا کہ میں آچکا ہوں اور تھوڑی دیر
بعد اس سے ملاقات کروں گا لیکن ڈرائنگ روم میں نہیں نینی بلکہ اسے ڈائننگ روم میں
لا بٹھا دینا۔"

"او۔ کے پرنس۔" نینی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں اندر چلا گیا پھر اطمینان سے
میں نے غسل کیا۔ سلک کا ایک خوبصورت سوٹ پہنا' اس پر گاؤن ڈالا اور پھر ڈائننگ روم
میں پہنچ گیا۔ سیٹھ جبار ڈائننگ ٹیبل کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا اس

نے بڑی خونخوار نگاہوں سے مجھے گھورا اور میں مسکرا دیا۔

"ہیلو سیٹھ جبار کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک
پر جا بیٹھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس جلتی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ پھر
گھنٹی بجا کر ملازم کو بلایا اور اسے کافی بنانے کا حکم دیا۔ ملازم نے ادب سے دو پیالیاں
بنا کر ایک میرے اور دوسری سیٹھ جبار کے سامنے رکھ دی۔

"براہ کرم کچھ لیجیے۔ سیٹھ جبار!" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"اینجل کہاں ہے؟" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے عرض کیا نا' پہلے کافی پیجئے اس کے بعد ہمارے اور آپ کے درمیان گفتگو
گی۔"

"نہیں شکریہ۔ میں کچھ کھانے پینے نہیں آیا ہوں یہاں۔"

"تو آپ صرف اینجل کی تلاش میں آئے ہیں؟"

"ہاں۔ میں تم سے ایک بار پھر کہہ دینا چاہتا ہوں پرنس دلاور سارے معاملات
جگہ لیکن اینجل کا مسئلہ تمہارے لیے اچھا نہیں ثابت ہو گا۔"

"میں اچھے یا برے کی کبھی پروا نہیں کرتا سیٹھ جبار اور آپ سے بھی یہی درخواست
کرتا ہوں کہ میزبانی کے کچھ آداب ہوتے ہیں تو مہمان کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں
آپ یہاں ایک مہمان ہی کی حیثیت سے آئے ہیں نا؟ اگر مہمان کی حیثیت سے آئے
تو پھر مہمانوں کے سے انداز میں گفتگو کیجیے آپ کا یہ رویہ مجھے ناپسند ہے اور ممکن ہے اس
کی بنیاد پر میں آپ سے کوئی گفتگو نہ کر سکوں' اس لیے میری گزارش ہے کہ براہ کرم
پیجئے' کچھ کھائیے۔ اس کے بعد ہم اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" میں نے سیٹھ جبار کو
دیکھا۔ جس کرب اور اذیت کا وہ شکار تھا اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ میں وہ شخص تھا جس
سے اس نے سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کیا تھا' مجھے وہ لمحات یاد تھے جب طارق مجھے
اس کے پاس لے کر گیا تھا اور اس نے بڑی نخوت سے کہا تھا کہ ابھی اسے سڑکوں پر جھک
دو' انسان بننے میں کچھ دیر لگے گی۔ اس سے زیادہ اس نے میرے بارے میں کچھ کہنا پسند
نہیں کیا تھا اور آج اس سڑک کے آوارہ چھوکرے کے سامنے وہ ایک بے بس انسان
حیثیت سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ پرمسرت لمحات میرے لیے اور کیا ہو سکتے تھے؟
میرے ذہن کے کسی گوشے میں جھنجلاہٹ نہیں تھی۔ میں تو بس اس کی اذیت
لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ایک مغرور کا سر زمین پر آ ٹکا تھا۔ ایک جابر اور وحشی انسان بے بسی سے اپنی

تھا اور اب اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ اس نے اس وقت کا تصور خواب میں
کیا ہو گا' سیٹھ جبار کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی
سے سر ٹکا دیا' چند لمحات اسی طرح بیٹھا رہا اور اس کے بعد سیدھے بیٹھ کر کافی کی
اپنی جانب سرکا لی۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔

اس نے خاموشی سے کافی ختم کی' میں نے ایک بار پھر اسے کھانے کی چیزوں کی پیش
کی تھی لیکن اس نے ان میں سے کچھ نہ لیا۔ میں بھی خاموشی سے کافی کے چھوٹے
گھونٹ لیتا رہا تھا۔

کافی پینے کے بعد اس نے ہونٹ خشک کیے اور مجھ سے بولا۔

"پرنس دلاور میں تم سے بہت صاف صاف گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"حاضر ہوں سیٹھ جبار' آپ میرے ہاں تشریف لائے ہیں اس لیے میرے لیے قابل
م ہیں۔"

"اینجل کہاں ہے؟"

"آپ غلط فہمی کا شکار ہیں' اینجل سے میرا کیا تعلق وہ آپ کی بیٹی ہے آپ کے پاس
؟"

"ایسی باتیں نہ کرو' ایسی باتیں نہ کرو پرنس دلاور' ایسی باتیں نہ کرو۔"

"ہوں' اینجل کہاں سے غائب ہوئی ہے سیٹھ جبار؟"

"میں نے کہا نا ان تمام باتوں کو جانے دو' میں اس وقت تمہارے شکنجے میں پھنس گیا
"

"تعجب کی بات ہے" سیٹھ جبار جیسی شخصیت کسی معمولی سے انسان کے شکنجے میں
جائے۔"

"وہ وقت گزر گیا ہے' تمہارے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ یقیناً تم ذہین انسان ہو
تمہاری ذہانت کو جلا مل جائے تو تم بہت بڑی شخصیت بن سکتے ہو۔ تم میرے راستے
آ سکے لیکن کسی اور راستے سے تم نے وہی حیثیت حاصل کر لی' جس کی میں پیش
چکا تھا۔ براہ کرم مجھ سے یہ نہ کہو کہ تم منصور نہیں ہو' ہم کب تک ایک دوسرے
دیتے رہیں گے۔" سیٹھ جبار نے کہا۔

"اگر آپ اس منصور کی بات کر رہے ہیں سیٹھ جبار جو احمد علی کا بیٹا تھا اور جو آپ
ڈرائیور کی نوکری کے لیے آیا تھا اور جسے آپ نے ڈرائیونگ سکھا کر اپنے غلاموں
مل کر لیا تھا اور پھر وہ اپنی معصومیت لے کر پولیس اسٹیشن پہنچا تھا اور پھر آپ نے

اس کے گھر میں چرس رکھوا کر سزا دلوا دی تھی اور پھر اس سزا کو آپ نے اپنے ا
سے کام لے کر اس کی زندگی کے پانچ سالوں پر محیط کر دیا تھا اور اس کے بعد جب
پہنچا تو اس کی ماں اور بہن غائب تھیں اور پھر وہ آپ کے سامنے گڑگڑاتا رہا اور آ
اسے زندگی سے محروم کرنے کی بے شمار کوششیں کیں، آپ نے جس کی زندگی میر
کر دیا، جس کی آنکھوں سے روشنی چھین لی، چمن جیسے آدمی کو اسے دھوکا دینے پر ما
طارق جیسے ذلیل آدمی کو اسے اذیتیں دینے کا فرض سونپا اور اس کے بعد اس کے
مسلسل زیادتیاں کی جاتی رہیں۔ معاف کیجئے گا سیٹھ جبار، وہ منصور اب اس دنیا میں
ہے، وہ منصور مرچکا ہے۔ اب اگر پرنس دلاور کو آپ منصور کا نام دیتے ہیں اور
اس طلب کرتے ہیں تو آپ کو بہت سے اعترافات کرنے ہوں گے۔"

"کیسے اعترافات؟" سیٹھ جبار کی آواز میں عجیب سی بے کسی تھی۔

"کیا آپ نے اس منصور کے ساتھ یہ ظالمانہ کاروائی نہیں کی-----"

"ہاں منصور، میں یہ سب کچھ کرتا رہا ہوں۔"

"کیا آپ نے اس کی ماں اور بہن کو اس سے جدا نہیں کیا تھا۔"

"نہیں۔" سیٹھ جبار نے جواب دیا اور میں متحیر رہ گیا۔

"کیا مطلب سیٹھ جبار صاحب کیا آپ مذاق کرنے تشریف لائے ہیں مجھ
میرے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

"منصور۔ منصور۔ میری بات سنو، براہ کرم مجھے بتا دو انجیل کہاں ہے؟"

"سیٹھ جبار----- براہ کرم مجھے بتا دیں میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" میں
لہجے میں پوچھا۔

"میری بات پر یقین کرو، میری بات پر یقین کر لو منصور، میں ان کے بارے م
نہیں جانتا۔"

"نہایت احمقانہ اور گھٹیا بات کہہ رہے ہیں آپ۔" میں نے حقارت آمیز ل
کہا۔

"نہیں منصور، خدا کی قسم نہیں۔ خدا کی قسم نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہا۔
اندر اب جھوٹ بولنے کی سکت نہیں رہ گئی۔ میں نہیں جانتا تمہاری ماں اور بہن
ہیں؟ میں بالکل نہیں جانتا؟"

"بکواس کرتے ہو تم؟"

"نہیں منصور، میری بات پر یقین کرو، میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"میں نے کہا نا سیٹھ جبار، تم بکواس کر رہے ہو۔"

"کیوں منصور۔ کیوں؟"

"ابھی چند روز پہلے تم نے میرے سامنے فریدہ کو پیش کیا تھا۔"

"وہ فریدہ نہیں تھی، یقین کرو وہ فریدہ نہیں تھی، میں نے کسی اور لڑکی کو تمہارے
سامنے پیش کیا تھا۔ وہ فریدہ نہیں تھی۔"

"کیا میں اس احمقانہ بات کو تسلیم کر سکتا ہوں۔ تمہیں کیسے معلوم کہ میری بہن کے
خدوخال کیا تھے، کیسی تھی وہ؟" میں نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔

"میں نے----- میں نے اس کی تصویریں حاصل کی تھیں۔ میں نے اس کے
لیے-----"

"یہ تصویریں تم نے کہاں سے حاصل کیں سیٹھ جبار؟"

"اس کے اسکول سے، اس کے ایڈنٹٹی کارڈ سے۔ گو بہت پرانا ریکارڈ تھا یہ لیکن میں
نے اس کے بچپن کے چہرے کو تھوڑا سا بڑا کر کے ایک لڑکی کے چہرے پر اس کا میک اپ
کر دیا اور اسے تمہارے سامنے لایا۔ میرا مقصد یہی تھا کہ پرنس دلاور کی حیثیت سے تم
نے مجھے جو نقصانات پہنچائے ہیں، اپنی بہن کو میرے شکنجے میں دیکھ کر ان کی تلافی کر دو۔
میں تمہیں نیچا دکھانا چاہتا تھا منصور۔ اس لیے میں نے یہ کوششیں کی تھیں۔ میں اس لڑکی
کو اب بھی تمہارے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ وہ فریدہ نہیں تھی یقین کرو وہ فریدہ نہیں
تھی۔"

میرے دل و دماغ پر پھر ایک دم بوجھ آ پڑا تھا۔ امید کے جو دیئے روشن ہوئے تھے وہ
ٹمٹما کر بجھ گئے تھے۔ سیٹھ جبار کی بات پر کیسے یقین کر لیتا، یہی تو میرے ماضی اور حال کا
قاتل تھا۔ اس نے تو منصور کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔ میں اسے گھورتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہاری کسی بات پر یقین کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے سیٹھ جبار۔ تم ایک شاطر
اور گھٹیا فطرت کے انسان ہو۔ اپنی مطلب برآری کے لیے تم ہر چال چل سکتے ہو۔ کیا تم
اس بات سے انکار کرو گے کہ ریٹا اور انیجل کو تم نے دی کنگ نامی جہاز پر نہیں رکھا تھا؟
کیا تم نے انیجل کو صرف اس لیے میرے پیچھے نہیں لگایا تھا کہ وہ میرے بارے میں
معلومات حاصل کرے اور تمہاری مخبر بن جائے، کیا تم نے ایک باپ ہی کا کردار ادا کیا تھا
اس سلسلے میں، اپنی بیٹی کو اپنے دشمن کے پیچھے لگا کر کیا تم نے ایک شریف انسان ہونے کا
ثبوت دیا تھا؟"

"نہیں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوئی

ہے۔" سیٹھ جبار نے کہا۔

"نہیں سیٹھ جبار زندگی کی سب سے بڑی غلطی وہ تھی تمہاری' جب تم نے ایک سیدھے سادے اور بھولے بھالے انسان کو جیل بھجوایا تھا۔ میں تمہارے معیار کا تو نہ تھا' بھلا ایک معصوم اور سیدھے سادے بچے سے کیا دشمنی تھی تمہاری۔ میں نے جو کچھ کتابوں میں پڑھا تھا انھی پر عمل کرتے ہوئے میں نے جرم کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے بتاؤ' تم مجھ سے انتقام لینے پر کیوں تل گئے' مجھے بتاؤ کیا میں تمہارے انتقام کے قابل تھا؟"

"نہیں منصور۔ تم ٹھیک ہو' مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"تو پھر تم اس غلطی کا خمیازہ بھگتو سیٹھ جبار۔ میں کبھی نہیں مان سکتا کہ تمہیں میری ماں اور بہن کا علم نہیں ہے۔ کہاں گئیں آخر وہ وہاں سے تمہارا گرگا اسی مکان میں رہ رہا تھا' میں فیروز دادا کی بات کر رہا ہوں۔ وہ شخص جسے تم نے میرے لیے پھانسی کا پھندا بنانے کی کوشش کی تھی۔ بتاؤ کیا یہ وہی شخص نہیں تھا جس نے میرے گھر میں چرس رکھی تھی اور کہا تھا تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"مجھے اعتراف ہے منصور! لیکن میں نے صرف طارق کو حکم دیا تھا کہ تمہیں آزاد نہیں رہنا چاہیے۔ تمہیں ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوتے رہنا چاہیے۔ جن کی وجہ سے تم مجبور ہو جاؤ اور تمہیں اس کوشش کی بھرپور سزا ملے جو تم نے میرے خلاف کی تھی۔ طارق ہی یہ سب کچھ کرتا رہا تھا۔ یقین کرو میں نے بذات خود یہ پلاننگ نہیں کی تھی اور اس کے بعد میں نے طارق سے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس نے تمہارے خلاف کیا کیا کچھ کیا۔ اگر تمہاری ماں اور بہن تمہارے گھر سے غائب ہوئیں تو اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا' نا ہی میں نے اس کی ہدایت کی تھی' میں نے تو کبھی طارق سے پوچھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"گویا اس قدر حقیر تھیں میری ماں اور بہن' اس قدر حقیر تھے انسان تمہاری نگاہ میں سیٹھ جبار۔ بہرطور طارق واپس آ گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم؟ وہ غلیظ انسان ایک ہاتھ کھو بیٹھا ہے میرے ہاتھوں اور شاید اس نے اپنے چہرے پر بھی پلاسٹک سرجری کرا لی ہے' ورنہ میرے نشانات اس کے چہرے پر نمایاں تھے' وہ میری ماں اور بہن کو تلاش کر کے میرے حضور پیش ہو' مجھ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگے اور اپنے کرتوتوں کی معافی---- اور اس کے بعد اپنی ماں اور بہن سے گفتگو کر کے میں یہ معلوم کروں گا کہ وہ شخص قابل معافی ہے یا نہیں' اس وقت تک دوبارہ اینجل کا

ت لینا سیٹھ جبار۔ وہ میرے پاس یرغمالی کی حیثیت سے رہے گی اور اگر ایک متعین وقت---- میں یہ دونوں مجھے نہ مل گئیں' تو پھر تم اینجل سے ہمیشہ کے لیے محروم جاؤ گے۔ یہ میرا عہد ہے۔ منصور کا عہد۔"

"نہیں نہیں منصور---- خدا کے لیے نہیں---- خدا کے لیے نہیں اگر میں ان بارے میں جانتا ہوتا تو انھیں لے کر تمہارے پاس حاضر ہوتا۔"

"میں نے تمہیں اس کا موقع دیا ہے۔ طارق سے بات کرو۔"

"کک' کس سے؟"

"طارق سے سیٹھ جبار' طارق سے کیا تم اس سے انکار کرو گے کہ وہ واپس آ گیا ہے؟"

"نہیں---- میں بات کروں گا مگر اینجل مجھے واپس کر دو۔"

"تم جا سکتے ہو سیٹھ جبار۔"

"منصور---- منصور---- میری بات تو سنو' میری بات سنو منصور!" سیٹھ جبار کہا لیکن میں نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی تھی۔ ملازم فوراً ہی اندر آ گیا۔

"سیٹھ جبار کو عزت و احترام کے ساتھ باہر چھوڑ آؤ۔"

"منصور---- پلیز منصور---- میں ---- میں اینجل کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں لیز منصور!"

"تم نے سنا نہیں' سیٹھ صاحب کو باہر چھوڑ آؤ اور اگر یہ اس طرح جانا پسند نہ کریں مدد کے لیے کچھ اور آدمیوں کو بلوا لو۔ آپ جا سکتے ہیں سیٹھ جبار!" میں نے کہا اور رسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

سیٹھ جبار بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے پھر نسو گالوں پر لڑھک آئے۔

"مجھے معاف کر دو منصور' مجھے معاف کر دو' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ماں اور تم تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کروں گا لیکن اینجل۔ خدا کے لیے میری اینجل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں نخوت سے بھاری بھاری قدم رکھتا ہوا ڈائننگ روم دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔

میرے سینے میں سکون کا سمندر موجزن تھا------- سیٹھ جبار کی یہ حالت میر لیے بہت ہی سکون بخش تھی۔ وہ عفریت رو رہا تھا' گڑگڑا رہا تھا جس نے کبھی نیچے نہ دیکھا تھا۔ آگ اور خون برسانے والی آنکھیں آج آنسوؤں کی لذت سے آشنا ہوئی تھ ------- اور اس کے یہ آنسو میرے جلتے ہوئے دل کے لیے ٹھنڈک فراہم کر ر تھے۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ سیٹھ جبار کے اس انکشاف نے' کہ وہ لڑکی فریدہ نہ کوئی اور تھی' مجھے ایک بار پھر مایوس کر دیا تھا------- امی اور فریدہ کی بازیابی ا میرے لیے محض ایک خواب ہو کر رہ گئی تھی اس لیے اس بار میری مایوسی میں زیادہ شد نہیں تھی۔ اب میں نے اپنے بے قرار دل کو سمجھانے کے اسلوب سیکھ لیے تھے۔ بس کی ذات سے آس تھی کہ اگر اس کی مرضی ہوئی تو شاید زندگی میں کبھی ان کا سراغ جائے۔

سیٹھ جبار نے جو کچھ کہا تھا' اس میں حقیقت تھی۔ اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ منصور جیسے بے حقیقت شخص کی ماں اور بہن کو اپنی تحویل میں رکھتا------- کی فطرت شخص تو طارق تھا جو سیٹھ جبار کی آڑ میں ہر قسم کے جرائم کر گزرتا تھا۔

خدا کا شکر تھا کہ طارق زندہ تھا۔ اگر وہ مرگیا ہوتا تو امی اور فریدہ کا راز بھی اس سینے میں دفن ہو جاتا------- میں نے اندازہ لگا لیا تھا------- کہ سیٹھ جبار ا بیٹی اینجل کے لیے تڑپ رہا ہے' اب وہ خود ہی طارق سے سب کچھ معلوم کر لے گ چنانچہ میں جلد بازی کر کے کھیل کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فینی آئی تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا ------- "کیا وہ گیا؟"

"جی ہاں ------- میری خوشامد کر رہا تھا کہ ایک بار اور پرنس سے اس ملاقات کرا دوں پھر وہ چلا جائے گا لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ پھر مجبور ہو کر وہ گیا۔"

"ٹھیک ------- اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں' جناب! فینی نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گئی۔"

میں کافی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ دل و دماغ پر جو بوجھ آپڑا تھا' سمجھ میں نہیں آرہا تھا' کیا کروں؟ اچانک اینجل کا خیال آگیا اور میں بے اختیار ہو گیا۔ چہرے کی مرمت کرنے کے بعد' میں نے اپنا جائزہ لیا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ احتیاطاً" پستول بھی ساتھ لے لیا تھا۔ کافی دیر تک ادھر ادھر گھوم پھر کر اپنے تعاقب کا اندازہ لگاتا رہا------- پھر مطمئن ہونے کے بعد' وانسن ایونیو کا رخ کیا۔

بنگلے کے سامنے' ایک درخت کے سائے میں ایک شخص مونگ پھلی کا ٹھیلہ لیے کھڑا تھا اور عقب میں چند افراد سروے کر رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ عدنان کے آدمی ہیں جو بنگلے کی حفاظت پر مامور ہیں۔ بعد میں طاہر سے اس کی تصدیق ہوگئی۔

"مونگ پھلیوں کے ڈھیر کے نیچے' اسٹین گن اور دستی بم موجود ہیں اور سروے کرنے والے ایک لمحے میں آگ و خون کی ہولی کھیلنا شروع کر دیں گے۔"

"لیکن یہ سب کچھ روز تو نہ ہو سکے گا۔"

"نہیں' پرنس' ہر روز کا ایک نیا پروگرام ہے۔ کل یہ لوگ ٹیلیفون کے تار درست کریں گے اور پرسوں الیکٹرک کمپنی کی گاڑی آجائے گی۔ ٹھیلے والے کو تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ایک شخص' امرود کا ٹوکرا سر پر رکھے علاقے کا گشت کر رہا ہے اور دور دور تک نگاہ رکھے ہوئے ہے۔" طاہر نے بتایا۔

"ویری گڈ-------"

"یہ پلان عدنان صاحب کا ہے۔" طاہر نے کہا اور میں مطمئن ہو کر بنگلے کی طرف بڑھ گیا۔

اینجل کے پاس جانے سے پہلے میں نے اپنے چہرے سے میک اپ ماسک اتار لیا۔ اینجل مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ "ارے ------- منصور' آپ------- اور اچانک -------!" اس نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔

"بس' آپ سے ملنے کو جی چاہا' آگیا۔" میں نے جواب دیا پھر ریٹا سے مخاطب ہوا۔ "کہو ریٹا! آپ بھی کیا سوچتی ہوں گی کہ ہماری الجھن میں پھنس کر' آپ کو کیسے کیسے مراحل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔"

"نہیں' پرنس! میں تو آپ کی خادم ہوں۔ آپ نے مجھ سے کام ہی کیا لیا ہے ------- ہم سب صرف آپ کے خادم ہی نہیں ہیں بلکہ آپ سے دلی محبت بھی رکھتے

ہیں۔"

"بے شک! میں، آپ لوگوں کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ہر طرح کا سہارا دیا ہے۔"

"سر! آپ کافی پینا پسند کریں گے یا کوئی اور مشروب؟"

"جو بھی آپ پلا دیں۔ آپ کے مہمان ہیں۔" میں نے کہا۔ ریٹا اٹھ کر چلی گئی اور اینجل مسکراتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ بہت جلدی آ گئے، منصور! مجھے، آپ کے اتنی جلد آنے کی توقع نہیں تھی۔"

"کیوں------"

"آپ کی مصروفیات کی بنا پر میں، ریٹا سے یہی کہہ رہی تھی کہ پرنس بے حد مصروف آدمی ہیں، اس لئے ممکن ہے، کئی روز تک نہ آ سکیں۔"

"آپ نے مجھے دل سے یاد کیا ہو گا، اینجل! پھر بھلا میں کیسے رہ سکتا تھا؟"

"منصور! اس دوران میں کیا آپ میرے بارے میں سوچتے رہے ہیں؟"

"ہاں، میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔ اب زبان کھل گئی ہے تو سب کچھ کہہ دینے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو کہہ دیجئے۔" اس نے شرگیں مسکراہٹ سے کہا۔

"اینجل! میرا خیال ہے کہ ہر ذی ہوش حقیقت پسند ہوتا ہے۔ ہم ابتدائے آفرینش سے حسن و عشق کے بارے میں سنتے چلے آئے ہیں------ اور ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو دوسروں سے سنتے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات دوسروں کی کہی ہوئی باتوں پر ہمیں ہنسی آتی ہے------ میرا خیال ہے میں اپنا مطلب واضح نہیں کر پا رہا ہوں۔ اگر میں، تم سے اپنے جذبات کا اظہار کروں تو وہ عامیانہ سے الفاظ ہوں گے اور مجھے شاید خود بھی ان الفاظ پر شرم محسوس ہو------ لیکن میرے پاس، ان الفاظ کا نعم البدل بھی نہیں ہے۔"

"کہتے رہیے------ میرا خیال ہے کہ آپ اپنی زبان میں خود الجھ گئے ہیں۔"

"کیا کہوں------ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"

"میں جو کچھ سمجھ رہی ہوں، اسے واضح الفاظ میں سننا بھی چاہتی ہوں۔"

"بس، تو پھر سن لو کہ اس وقت کے بعد سے میں مستقل تمہیں یاد کرتا رہا ہوں۔ دل و دماغ میں عجیب سی روشنی پھیلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اب تمہارے پاس آیا تو جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"اتنا بے خود نہ کیجئے، منصور! یہاں کس بدبخت کا دل چاہتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے

بھی آپ کی نظروں سے اوجھل رہے۔"

"سچ، اینجل------ کیا آپ کے محسوسات بھی یہی ہیں؟"

"کیوں، کیا آپ محبت میں مجھے کسی طور کمتر پاتے ہیں؟"

"نہیں، نہیں------ خدا نہ کرے۔ میرا یہ مطلب نہیں۔"

"مطلب تو میرا بھی وہ نہیں۔ لفظ 'کمتر' میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ میری محبت بھی آپ سے کم نہیں ہے۔"

"چلئے، حساب برابر ہو گیا۔" ہم دونوں ہنس پڑے۔ اسی وقت ریٹا، کافی کی ٹرے اٹھائے اندر آئی اور ہمارے سامنے رکھ کر الٹے قدموں کمرے سے نکل گئی------ پھر کافی پینے کے دوران ہم باتیں کرتے رہے۔ امی اور فریدہ کا ذکر آیا۔ اینجل کرید کرید کر مجھ سے ان کے بارے میں پوچھتی رہی پھر اس نے میری زندگی کے دوسرے واقعات بھی سنے۔

میں نے اسے بتایا کہ کس طرح سیٹھ جبار نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا------ پھر کس طرح سرخاب اور پروفیسر شیرازی، مجھ سے ملے، کس طرح گل مجھے ملی اور انھوں نے میرے لیے کیا کیا ایثار کیا------ ایاز، عظمت اور دوسرے کردار بھی زیر بحث آئے۔ انہی باتوں میں رات ہو گئی۔

پھر جب ریٹا نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو ہم دونوں چونک پڑے۔ "ارے، ریٹا! کھانے کا انتظام کر لیا، تم نے؟"

"جی، مس اینجل! کیا آپ لوگ کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تم نے خود ہی------"

"یہ میرا فرض تھا۔ اب آپ لوگ کھانا کھا لیجئے۔"

"کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں پھر نشست گاہ میں آ بیٹھے۔

"منصور! جتنے عظیم لوگوں کا تم نے ذکر کیا ہے، ان کا موازنہ میں ڈیڈی سے کرتی ہوں تو شرم سے کٹ جاتی ہوں۔ ایک میرے ڈیڈی ہیں جنھوں نے تم سے، امی سے اور فریدہ سے مسرتیں چھین لیں، ایک وہ ہیں جنھوں نے اپنا سب کچھ بے غرض، تم پر لٹا دیا۔ میں ان عظیم لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں، منصور! مجھے ان سے کب ملاؤ گے؟"

"ابھی نہیں، اینجل! تھوڑا سا انتظار کرنا ہو گا۔ ابھی ہمیں زندگی کے بہت سے کٹھن مراحل سے گزرنا ہے۔ کچھ وقت یہیں گزارو، اس کے بعد------"

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں بھی سکون سے ہوں۔ ریٹا بہت اچھی لڑکی ہے، میرا بہت خیال رکھتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد' میں اینجل سے رخصت ہو کر باہر آ گیا------ اور طاہر اور اعظم سے پوچھا کہ کیا وہ' اینجل کے تحفظ کے انتظامات سے مطمئن ہیں یا کچھ اور بندوبست کیا جائے؟ تب اعظم نے کہا۔

"نہیں' پرنس! آپ یہ ذمے داری ہمیں سونپ دیں۔ یہاں اگر پوری فوج بھی آ جائے تو مس اینجل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" میں اس طرف سے مطمئن ہو کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔

کوٹھی کے حالات بالکل پر سکون تھے۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ سیٹھ جبار کی کیفیت کا مجھے بخوبی انداز تھا۔ اس کے حواس گم ہو گئے تھے' اب وہ یقیناً کسی جارحانہ کارروائی سے گریز کرے گا۔

دو روز خاموشی سے گزر گئے۔ تیسرے روز' مجھے' ہوم سیکریٹری کا فون ملا۔

"ہیلو! پرنس دلاور------ کیسے مزاج ہیں' آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں' جناب! کیسے یاد فرمایا؟"

"بھئی' قاعدے سے تو ہم لوگوں کی ملاقات تو کبھی کبھار ہوتی رہنی چاہیے۔ ضروری نہیں یہ ملاقاتیں سرکاری ہوں۔ ہم ذاتی طور پر بھی مل جل کر اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ آپ' ملک کی ترقی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں' پرنس دلاور! میں نے آج ہی آپ کے ان کارناموں کی فہرست دیکھی ہے جو آپ نے ملک کے لیے انجام دئے ہیں۔ اب اگر اس کے بعد بھی کوئی آپ کو محب وطن نہ سمجھے تو بڑی افسوس ناک بات ہے------ اس لحاظ سے میری خواہش ہے کہ ہم کم از کم مہینے میں ایک بار ہی کہیں مل بیٹھیں اور نئے منصوبوں پر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کر لیا کریں۔ اس کے علاوہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو یاد کر لیا کریں۔"

"شکریہ' جناب! آپ لوگوں نے مجھے جو عزت بخشی ہے' وہ میرے دل کی گہرائیوں میں محفوظ ہے۔"

"آج شام' کوئی مصروفیت تو نہیں' پرنس؟"

"کوئی خاص نہیں' فرمایئے؟"

"بھئی ملنا چاہتا ہوں' آپ سے۔ اگر آپ محسوس نہ کریں------ تو رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھا لیں------ اور ہاں' ایک خاص بات------ کھانے کی اسی میز پر میں نے سیٹھ جبار کو بھی مدعو کیا ہے۔ سیٹھ جبار نے مجھ سے کچھ گفتگو کی ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں' پرنس کو بھی بلا لوں گا۔ گفتگو چونکہ آپ ہی سے متعلق ہے

اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ تشریف لایئے۔"

"اگر آپ نے وعدہ کر لیا ہے' جناب! تو میری کیا مجال کہ میں انکار کروں۔"

"یہ نشست چونکہ بالکل نجی نوعیت کی ہے اس لیے میں ذرا الجھا ہوا تھا کہ کہیں آپ کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے۔"

"نہیں' میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تو پھر تقریباً" آٹھ بجے' میں' آپ کا انتظار کروں گا۔"

"ویسے' محترم میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سیٹھ جبار' مجھ سے کس قسم کی گفتگو کرنے کا خواہش مند ہے؟"

"نہیں' پرنس! باقی باتیں یہیں ہوں گی۔ آپ اس وقت تک کے لیے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیجیے۔"

"بہتر ہے------ ویسے اگر میں اپنے کسی دوست کو ساتھ لے آؤں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہو گا؟"

"سر' آنکھوں پر------ اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔"

"بہت بہت شکریہ! میں آٹھ بجے حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا اور ریسیور رکھا دیا۔

میں جانتا تھا' سیٹھ جبار اب ہوم سیکریٹری کی وساطت سے اینجل کی بازیابی کے لیے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ مجھے تو ایسے موقعے کا مدت سے انتظار تھا۔ فوری طور پر جس شخصیت کا نام میرے ذہن میں ابھرا' وہ ڈی۔ آئی۔ جی آفتاب احمد تھے۔ میرے اور سیٹھ جبار کے مالی معاملات' ان سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے انھیں فون کیا۔

"پرنس دلاور------؟" انھوں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی------ آفتاب احمد صاحب! آپ کا خادم!"

"کہئے' کہئے------ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے مخاطب کیا------ میرے لائق کوئی خدمت؟"

"یہ لہجہ اختیار کر کے' آپ مجھے کئی بار شرمندہ کر چکے ہیں------ میں' آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہوں۔ رات میں کوئی مصروفیت تو نہیں ہے' آپ کی؟"

"ارے صاحب------ ہو بھی تو آپ کے کسی کام سے بھلا انکار کیا جا سکتا ہے------ آپ حکم تو دیجیے۔" آفتاب احمد صاحب نے کہا۔

"تو پھر آج شام' کھانے کی دعوت قبول فرمایئے۔ میں ذرا کفایت شعار قسم کا آدمی ہوں اور عموماً اپنے دوستوں کو دوسرے دوستوں کے ہاں مدعو کرتا رہتا ہوں۔ ہماری شام کو

دعوت ہوم سیکریٹری صاحب کے ہاں ہے۔"
"میں سمجھ نہیں سکا' پرنس!" آفتاب صاحب نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔
"بہتر ہو گا کہ ہم دونوں وہیں چل کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ ویسے اس دعو
سیٹھ جبار بھی شریک ہوں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"اوہ! کوئی اہم مسئلہ معلوم ہوتا ہے----- اور اس میں اپنی شمولیت واقعی
لیے بھی باعث دلچسپی ہے۔ کس وقت حاضر ہو جاؤں' پرنس؟"
"اگر گستاخی تصور نہ فرمائیں تو ساڑھے سات بجے تک یہاں تشریف لے آئ
دونوں ساتھ چلیں گے۔"
"بہتر ہے' حاضر ہو جاؤں گا۔" آفتاب صاحب نے کہا اور میں نے ان کا شکر
کے فون بند کر دیا۔
آفتاب صاحب حسب وعدہ ساڑھے سات بجے پہنچ گئے میں نے پرتپاک انداز
کا خیر مقدم کیا۔
"مجھے مسرت ہے' پرنس! کہ آپ مجھے اتنی اہمیت دے رہے ہیں اور تجسس
کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟" انھوں نے میرے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ
کہا۔ ڈرائنگ روم میں انھیں بٹھانے کے بعد' میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔
"میرے خیال میں معاملہ وہی ہے' آفتاب صاحب! جو آپ بخوبی جانتے ہیں۔"
"جانتے تو ہیں' پرنس! لیکن ثابت کرنے کی جرات نہیں پاتے اور پھر ہمیں
اہمیت بھی نہیں دی گئی۔ حالانکہ ہم شروع ہی سے اس معاملے سے متعلق ہیں۔"
"اہمیت کی کوئی بات نہیں ہے' آفتاب صاحب میں نے اس نشست میں
انتخاب اسی لیے کیا ہے کہ اگر میری ذات کچھ لوگوں کے لیے قابل قبول نہ ہو تو آ
سہارا دے سکیں۔"
"آپ فکر نہ کریں' پرنس! میں حقیقتوں کو نظر انداز نہیں کروں گا' خواہ اس
مجھے اپنے عہدے کو داؤ پر لگانا پڑے۔" ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے کہا اور میں
نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔
ٹھیک آٹھ بجے ہم' ہوم سیکریٹری صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ پورٹیکو ہی
استقبال کیا گیا۔ استقبال کرنے والوں میں ہوم سیکریٹری' سیٹھ جبار اور طارق شا
میرے ساتھ ڈی۔ آئی۔ جی آفتاب احمد صاحب کو دیکھ کر' ان کے منہ حیرت
گئے۔ سیٹھ جبار اور طارق کے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں۔ البتہ ہوم سیکریٹر

نے مسکرا کر آفتاب صاحب کا استقبال کیا۔
"خوش آمدید----- تشریف لائیے۔" ہوم سیکریٹری صاحب نے پر خلوص لہجے میں کہا۔
ڈرائنگ روم میں ہماری تواضع پھلوں کے رس سے کی گئی----- ہوم سیکریٹری صاحب نے زیادہ گھماؤ پھراؤ اختیار نہیں کیا اور تھوڑی دیر بعد صاف ستھرے لہجے میں بولے۔
"اس نشست کا اہتمام' محترم دوست سیٹھ جبار کے ایما پر کیا گیا ہے۔ ویسے یہ لمحات میرے لیے بھی باعث مسرت ہیں کہ آپ جیسے حضرات کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملا۔ سیٹھ جبار کی خواہش تھی کہ وہ میری موجودگی میں پرنس سے گفتگو کریں----- چونکہ انھوں نے گفتگو کے لیے مجھے اپنا وسیلہ بنایا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ان کی خواہش کا اظہار اپنے الفاظ میں کروں؟"
میں نے سیٹھ جبار کی طرف دیکھا تو وہ منہ کھول کر رہ گیا۔ میں نے نرم لہجے میں ہوم سیکرٹری صاحب سے کہا۔" جی جی----- فرمائیے' جناب! میں حاضر ہوں۔"
"سیٹھ جبار کا خیال ہے' پرنس! کہ آپ' ان سے کاروباری مخاصمت رکھتے ہیں اور بیشتر مواقع ایسے آچکے ہیں کہ جب آپ نے سیٹھ جبار کو زبردست کاروباری نقصان پہنچایا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے' پرنس؟"
"ممکن ہے' یہ حقیقت ہو محترم! لیکن میں ان نقصانات کی تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
"ہاں تو' جبار صاحب! اب آپ دونوں دوست آمنے سامنے ہیں۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ افہام و تفہیم کے معاملات' آپ ہی کو طے کرنے ہیں۔"
"مم----- میں----- میرا مطلب ہے۔" سیٹھ جبار نے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور وہ آہستہ سے مسکرا دیے۔
"جیسا کہ محترم مسعود علی صاحب نے فرمایا ہے' یہ نشست خالص نجی نوعیت کی ہے اور یہاں میری آمد بھی ایک دوست کی حیثیت سے ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں جو بھی گفتگو ہو گی' وہ آف دی ریکارڈ ہو گی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" سیٹھ جبار بری طرح جھینپ گیا..... پھر بھاری لہجے میں گویا ہوا۔ "پرنس! میں آپ سے پھر وہی درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم' میری بیٹی' مجھے لوٹا دی جائے اور اس کے عوض' آپ مجھ سے جو کچھ بھی چاہیں' میں اس کے لیے حاضر ہوں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے ہوم سیکریٹری کی طرف دیکھا اور بولا----- "سیٹھ جبار نے مجھ پر الزام لگایا ہے، جناب! کہ ان کی بیٹی اینجل میرے قبضے میں ہے۔ اس سے قبل بھی سیٹھ صاحب نے یہی الفاظ کہے تھے اور میں نے عرض کیا تھا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہیں----- اگر ان کے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی ہے کہ ان کی بیٹی کو میں نے اغوا کر لیا ہے تو بہتر تھا کہ وہ پولیس میں میرے خلاف اغوا اور حبس بے جا میں رکھنے کا مقدمہ درج کرا دیتے----- سیٹھ جبار جیسے با اثر آدمی کے ساتھ، محکمہ پولیس کچھ زیادہ ہی تعاون کرتا----- انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"نہیں----- نہیں، پرنس دلاور! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارے اختیارات بھی بے حد وسیع ہیں اور پولیس کے ذریعے میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

"اتفاق سے یہاں پولیس کے ایک اعلیٰ افسر موجود ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے آفتاب صاحب کی طرف دیکھا۔ "ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کیا اس بات کی وضاحت کرنا پسند کریں گے کہ اگر پولیس کے پاس کسی بڑی شخصیت کے خلاف کوئی رپورٹ درج کرائی جائے تو پولیس اس سے چشم پوشی اختیار کر لیتی ہے؟"

آفتاب صاحب ایک لمحے کے لیے گھبرا گئے۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بھاری لہجے میں گویا ہوئے۔ "میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کرتا ہوں کہ اکثر صاحب حیثیت لوگ، پولیس کے معاملات پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اگر پولیس دیانت دارانہ طور پر کسی تفتیش کو آگے بڑھانا بھی چاہے تو نہیں بڑھا سکتی----- کیونکہ اسے اوپر کی ہدایات کی پابندی بھی کرنی پڑتی ہے۔"

"پھر تو مجھے افسوس ہے، سیٹھ صاحب!" میں نے کہا۔ "اب آپ ایسے ذرائع تلاش کیجیے جن کے تحت، آپ میرے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں، میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو ہوم سیکریٹری صاحب کی وساطت سے، تم سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں، پرنس! کہ مجھے میری بیٹی دے دو" سیٹھ جبار گڑگڑایا۔

"میں، آپ سے پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں۔ کہ آپ کی بیٹی، میرے پاس نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ اگر آپ اپنے کاروباری نقصانات کا ازالہ، مجھے چند لوگوں میں بدنام کر کے، کرنا چاہتے ہیں تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہاں ہوم سیکریٹری صاحب تشریف فرما ہیں، ڈی۔ آئی۔ جی صاحب موجود ہیں، اگر

قانون کو با اثر پاتے ہیں تو ہم دونوں کے خلاف تحقیقات کریں۔"

سیٹھ جبار بری طرح نروس ہو گیا تھا۔ ہوم سیکریٹری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ چند لمحے وہ، سیٹھ جبار کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"سیٹھ صاحب! اس میں شک نہیں کہ آپ، میرے لیے ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں اور پرنس دلاور بھی۔ کیا یہ بات مناسب ہو گی کہ ہم اس نجی اور دوستانہ محفل میں ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کریں اگر آپ پورے وثوق اور یقین سے یہ بات کہتے ہیں کہ اینجل، پرنس دلاور کے قبضے میں ہے تو آپ کو اس کی وجہ بھی بتانا ہو گی کہ اینجل پرنس دلاور کے قبضے میں کیسے اور کیوں پہنچی۔"

"مم----- میں، پرنس سے مصالحت کی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو انھیں ناگوار گزرے۔ کیونکہ میں ان کے ہاتھوں میں پھنسا ہوا ہوں۔"

"سیٹھ صاحب! آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے کہ کیا معاملہ ہے؟" ہوم سیکریٹری نے بظاہر نرم لہجے میں پوچھا۔

"بب----- بس----- میں جانتا ہوں۔"

"ثبوت پیش کیجیے، اس بات کا----- کیونکہ پرنس، اس الزام کی صحت سے انکار کر رہے ہیں۔"

"ثبوت میرے پاس موجود نہیں ہے۔"

"تو معاف کیجیے گا" سیٹھ جبار صاحب!" ہوم سیکریٹری قدرے ناگوار لہجے میں بولے۔ "کیا آپ نے مجھے تماشا بنانے کے لیے یہ درخواست کی تھی کہ آپ انتہائی دوستانہ ماحول میں پرنس سے ایسی گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس سے ان کے اور آپ کے درمیان پیدا شدہ تمام اختلافات اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔"

سیٹھ جبار کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ طارق اب تک خاموش تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا ہوا تھا۔ سیٹھ جبار نے خوف زدہ نگاہوں سے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بس، یہ ایک باپ کے دل کی آواز ہے۔ میری بیٹی، مجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ میں اس کی بازیابی کے لیے ہر طرح کا تعاون کرنا چاہتا ہوں۔ پرنس دلاور کو مجھ سے جتنی بھی شکایات ہیں، میں ان سب کا ازالہ کر دوں گا۔" سیٹھ جبار تقریباً" رو پڑا۔

"لیکن مجھے، آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، سیٹھ صاحب----- میں جانتا ہوں کہ آپ ایک گھٹیا قسم کے کاروباری آدمی ہیں۔ اسمگلنگ، بلیک میلنگ، ذخیرہ اندوزی، دولت کے

حصول کے لیے جو بھی غلط طریقے ہیں' وہ آپ کے کاروبار میں شامل ہیں اور رہیں گے۔ اب تک آپ نے مجھ پر جتنے بھی کاروباری وار کیے ہیں' وہ ناکام رہے ہیں۔" پھر میں ہوم سیکرٹیری سے مخاطب ہوا۔ "کیا آپ یقین فرمائیں گے' جناب! کہ سیٹھ جبار نے ایک چارٹرڈ جہاز میں ایسا اسلحہ اور سامان منگوایا جو ملک میں تخریب کاری کے لیے استعمال ہو سکتا تھا۔ یہ سب کچھ بیرونی ممالک سے میرے نام سے حاصل کیا گیا تھا اور میرے ہی نام سے یہاں پہنچنے والا تھا لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ جہاز کسی حادثے کا شکار ہو کر ڈوب گیا۔ مجھے بہت بعد میں سیٹھ جبار صاحب کی اس سازش کا علم ہوا تھا------ اب آپ' سیٹھ صاحب سے دریافت فرمائیے' کیا انھوں نے ایسا کیا تھا۔"

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ایسا کیا تھا------ اور میں ان تمام جرائم کا بھی اعتراف کرتا ہوں جو میں کر چکا ہوں۔ میں اپنی بیٹی کے حصول کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں جو پرنس دلاور چاہتے ہیں------ پرنس! میں آپ کی والدہ اور ہمشیرہ کی بازیابی کے سلسلے میں بھی ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہوں۔ صرف میری بیٹی مجھے واپس کر دیں۔"

میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر ہوم سیکرٹیری کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری جانب ہی دیکھ رہے تھے۔

"جناب! کیا آپ اس گفتگو سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکے ہیں؟"

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' سیٹھ جبار صاحب! یہ سب کیا ہے؟ آپ کس کی والدہ اور ہمشیرہ کی بات کر رہے ہیں؟ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اصل کہانی کیا ہے؟" ہوم سیکرٹیری نے پوچھا۔

"ک------ کہانی------" سیٹھ جبار ہکلا کر رہ گیا۔

"اب یہ کہانی' سیٹھ جبار سے آپ خود سن لیں۔ میں نے جو کچھ کہا تھا' سیٹھ صاحب نے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس کی روشنی میں اب آپ خود اندازہ لگا لیں کہ سیٹھ صاحب' مجھ سے کس قدر مخاصمت رکھتے ہیں------ میں معذرت خواہ ہوں کہ ان حالات میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ مجھے اجازت دیجیے۔" میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"پرنس------" ہوم سیکرٹیری بھی کھڑے ہو گئے۔ "میں شرمندہ ہوں' پرنس! میں سیٹھ جبار کو ایک سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا اور ان سے ایسی نادانی کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ یہ میرا گھر ہے اور یہاں آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے مدعو ہیں۔ اس لیے میں' آپ سے بے حد معذرت خواہ ہوں۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں' آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے' جناب!" میں دوبارہ بیٹھ گیا۔ "میں اس بات کا خواہش مند ہوں کہ سیٹھ جبار صاحب کو اب اس موضوع پر گفتگو کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

"ٹھیک ہے' اب یہ موضوع ختم------ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سیٹھ جبار صاحب' براہ راست آپ پر ایک بے بنیاد الزام عاید کر دیں گے۔ میں' ان کی طرف سے آپ سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ بہرصورت یہ بھی ایک مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"مناسب------" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ طارق بالکل خاموش تھا۔ سیٹھ جبار برسوں کا مریض نظر آنے لگا تھا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا اور آنکھیں دھندلائی ہوئی لگتی تھیں۔

کھانے کی میز پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ جو تلخ ترین گفتگو ہمارے درمیان ہو چکی تھی' اس کے اثرات نمایاں تھے۔ چنانچہ کھانا بڑی سنجیدگی سے کھایا گیا۔ بس' ایک فرض پورا کرنے والی بات تھی۔

ہوم سیکرٹیری چاہتے تھے کہ کھانے کے بعد سیٹھ جبار رخصت ہو جائے لیکن سیٹھ جبار کی کیفیت عجیب تھی۔ بہرطور' اس سے پہلے میں نے واپسی کی اجازت چاہی اور ہوم سیکرٹیری پہلو بدل کر رہ گئے۔

"بہتر' پرنس! آج جو کچھ ہوا' اس نے میری پوزیشن خراب کر دی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ان افسوسناک واقعات کو آپ کے ذہن سے کیسے محو کر سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں ہے' جناب! بعض اوقات ایسے تکلیف دہ واقعات سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کون کتنی ذہنی بلندی یا پستی کا مالک ہے۔"

"ویسے' میں' آپ سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ جب آپ کو ان واقعات کا علم ہوا تھا تو آپ حکومت کو اس سے مطلع کرتے۔ آپ کے خلاف جو سازش ہوئی تھی' وہ معمولی تو نہ تھی------ خیر' اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔" ہوم سیکرٹیری نے کہا۔

"نہیں' جناب! میں انھیں معاف کر چکا ہوں اور میں جن لوگوں کو معاف کر دیتا ہوں' ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ نے اس بات کو اس انداز میں محسوس کیا------ ویسے سیٹھ جبار صاحب کو اجازت ہے کہ وہ' میرے خلاف جو چاہیں' کارروائی کریں' مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے کرم فرما اور دوست' میرا تحفظ کریں گے۔"

"یقیناً------ یقیناً------" ہوم سیکرٹیری' ہمیں باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی آفتاب احمد کا چہرہ جوش جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ سیٹھ جبار اور طارق' کوٹھی

کے برآمدے ہی میں ٹھہر گئے تھے۔

میں اور آفتاب صاحب کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔ آفتاب صاحب راستے بھر کچھ نہیں بولے تھے۔ ہم دونوں خاموشی سے کوٹھی پہنچ گئے۔ ”میں ابھی آپ کا تھوڑا سا وقت اور لوں گا‘ خواہ آپ خود کو کتنا ہی تھکا ہوا محسوس کر رہے ہوں۔“ آفتاب صاحب نے کہا۔

”ضرور----- ضرور----- میں بالکل نہیں تھکا ہوں۔ براہ کرم‘ آپ اندر تشریف لائیے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور انھیں----- ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

”منصور میاں! میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں ابن الوقت ہوں‘ اس وقت میں نے سیٹھ جبار کا ساتھ دیا تھا اور اب آپ کے ساتھ ہوں‘ تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا----- لیکن اپنی صفائی میں اتنا ضرور کہوں گا----- کہ اس وقت میں ایک بہت چھوٹا افسر تھا۔ میں مجبور تھا اور مجھ پر اوپر سے دباؤ تھا کہ سیٹھ جبار کے تمام مفادات کا خیال رکھا جائے----- بہر صورت اس وقت جو کچھ ہوا تھا‘ اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ آپ اس کے عوض مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔“

”بھلا دیجیے‘ آفتاب صاحب! ان تمام باتوں کو میں اتنا ناسپاس بھی نہیں ہوں۔ آپ نے فیروز دادا کے سلسلے میں میرے لیے جو کچھ کیا تھا‘ وہ بھی ایک حیثیت رکھتا ہے----- آپ نے اپنے ضمیر سے مجبور ہو کر‘ ایک خطرہ مول لیتے ہوئے میری مدد کی تھی۔ لہٰذا میرا دل‘ آپ کی طرف سے بالکل صاف ہے۔“

”آج میں نے سیٹھ جبار کی جو حالت دیکھی ہے‘ اس سے مجھے بڑی عبرت ہوئی ہے----- اگر آپ‘ سیٹھ جبار کے خلاف رپورٹ درج کرا دیں تو میرا خیال ہے‘ یہ اس کے تابوت میں آخری کیل ہو گی۔ کیونکہ وہ ہوم سیکریٹری جیسی شخصیت کے سامنے اعتراف کر چکا ہے۔ کسی وقتی جذبے یا مروت کے تحت تو کسی کے ساتھ تھوڑی بہت جانبداری برتی جا سکتی ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ حکومت کے اعلیٰ عہدے دار‘ باطل کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائیں۔“

”اب میں کچھ نہیں کرنا چاہتا‘ بس حالات کا منتظر ہوں۔“

”منصور صاحب! کیا آپ کی والدہ اور بہن کے بارے میں ابھی تک کوئی موثر بات نہیں ہو سکی؟ کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ‘ سیٹھ جبار کی تحویل میں ہیں؟“

”خدا جانے----- وہ تو کہتا ہے کہ اسے ان کے بارے میں کچھ نہیں

معلوم----- لیکن اس کے ساتھ جو طارق نامی شخص تھا‘ اس زمانے میں وہ‘ اس کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ سیٹھ جبار کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی کی ہے۔ لہٰذا میں نے سیٹھ جبار سے کہہ دیا ہے کہ وہ‘ طارق سے معلومات حاصل کر کے مجھے اطلاع دے۔“

”دے گا----- وہ ضرور دے گا۔ بس‘ آپ سے اسی قدر گفتگو کرنی چاہتا تھا۔ اب اجازت دیں۔ میرے دل و دماغ پر بھی ایک بوجھ سا آن پڑا ہے۔“

میں نے آفتاب صاحب کو رخصت کر دیا۔ جو کچھ ہوا تھا‘ وہ----- بہت ہی دلچسپ اور دلکش تھا----- اور اب صرف مجھے‘ اس کے نتائج کا انتظار تھا۔

رات کو تقریباً‘ بارہ بجے‘ میں بستر پر لیٹا انھی معاملات پر غور کر رہا تھا کہ فینی نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ بہت پریشان تھی‘ وہ۔

”مصیبت بن گیا ہے‘ جناب! بری طرح رو رہا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“

”کون----- ؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”سیٹھ جبار----- میں نے بہت معذرت کی‘ سخت الفاظ بھی استعمال کیے لیکن اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ کہنے لگا کہ صرف ایک بار پرنس سے ملاقات کرا دی جائے۔ اس کے بعد وہ‘ انھیں تکلیف نہیں دے گا۔“

”ٹھیک ہے‘ فینی! اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔“

”بیٹھا ہوا ہے‘ جناب! اس کے ساتھ ایک شخص اور بھی ہے۔“

”کون ہے؟“

”میں نے نام تو معلوم نہیں کیا لیکن وہ ایک بازو سے محروم ہے۔“

”ٹھیک ہے‘ اس سے کہو‘ میں آ رہا ہوں۔“

فینی کے جانے کے بعد‘ میں نے ہاتھ‘ منہ دھویا‘ گاؤن پہنا اور اس کی جیب میں ریوالور ڈالتا ہوا۔ کمرے سے نکل آیا۔ فینی‘ مجھے کوریڈور میں مل گئی۔ میں نے اسے کافی بھجوانے کے لیے کہا اور خود ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

سیٹھ جبار اضطراری طور پر اٹھ کھڑا ہوا اور رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ درحقیقت اس کی شکل پر یتیمی برس رہی تھی۔ کوئی بھی اس پر رحم کھا سکتا تھا----- لیکن میں اس شخص پر کیسے رحم کھاتا جس نے اس طرح مجھے دربدر کیا تھا کہ آج تک میرا دل خون کے آنسو روتا تھا۔

”منصور! خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا----- ”میں نے شکست تسلیم کر لی ہے‘ مجھے اعتراف ہے کہ میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا----- ہاں‘

منصور! مجھے آج اعتراف ہے کہ میں نے تم سے زندگی کے چند قیمتی سال چھین لیے تھے۔
مجھے معاف کر دو، منصور! خدا کے لیے میری بیٹی مجھے دے دو۔"

"سیٹھ جبار! یہی وہ طارق ہے نا، جس کے ساتھ میں، تمہارے پاس پہنچا تھا۔ میں نے تم سے اپنی ماں اور بہن کی بھیک مانگی تھی---- لیکن تم نے کہا تھا کہ ابھی یہ درست نہیں ہوا۔ ابھی اسے انسان بننے کے لیے وقت چاہیے---- تو سنو، سیٹھ جبار! آج تمہارے الفاظ، میں تمہی کو لوٹا رہا ہوں۔ ابھی کچھ وقت اور گزارو۔ طارق، انھیں لے جاؤ۔ ابھی انھیں دنیا دکھاؤ۔ انھیں احساس دلاؤ کہ جو کچھ کر چکے ہیں، انہی کے نتائج، ان کے سامنے ہیں۔ جب انھیں اچھی طرح احساس ہو جائے گا تو میں خود انھیں بلاؤں گا اور سوچوں گا کہ مجھے، ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔"

"منصور---- خدا کے لیے، منصور---- " سیٹھ جبار دوبارہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔

"میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ طارق! انھیں یہاں سے لے جاؤ۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے مایوس نہ کرو، منصور! خدا کے لیے میری اینجل، مجھے واپس دے دو۔"

"اور میری ماں اور بہن---- ؟" میرے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی۔

"میں اسی سلسلے میں، تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ جو کچھ میرے بس میں ہے، کروں گا۔ تم میری بات تو سن لو، منصور!"

"کہو---- " میں نے سرد مہری سے کہا۔

"میں نے اس ذلیل شخص طارق سے بات کی تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ خواتین میرے لیے اتنا بڑا مسئلہ بن سکتی ہیں لہٰذا میں نے ان پر کبھی توجہ بھی نہیں دی تھی۔ میرے تمام معاملات، اس وقت طارق ہی کے ذمے ہوا کرتے تھے اور ان کی آڑ میں طارق اپنی من مانی کرتا رہتا تھا۔ تمہاری ماں اور بہن کی گم شدگی کا بھی یہی ذمے دار ہے۔ میں، اسے یہاں لے آیا ہوں۔ اب اس سلسلے میں تم خود، اس سے بات کر سکتے ہو۔"

"میں اسے تمہارے حوالے سے جانتا ہوں، سیٹھ جبار! میرا واسطہ تم سے تھا، تمہارے کارکنوں سے نہیں۔ وہ سب تمہاری ہی زیر ہدایت کام کرتے تھے۔ جہاں تک میرا اور طارق کا ذاتی معاملہ ہے، وہ میں اس سے کسی حد تک طے کر چکا ہوں اور جو باقی رہ گیا ہے، وہ بھی کر لوں گا---- لیکن میری ماں اور بہن کا مسئلہ، تمہاری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ میں اس مسئلے پر طارق سے کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ تم نے اس سے جو گفتگو کی

ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلا؟"

"طارق---- ذلیل تو بتاتا کیوں نہیں کہ تو نے وہ سب کچھ میری اجازت کے بغیر کیا تھا۔ مجھے، منصور سے پرخاش تھی۔ لیکن میں نے تجھ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس کے گھر کو تباہ کر دے---- وہ سب کچھ تو نے کیا تھا۔ تجھے ہی اس کا حساب دینا ہے۔"

طارق گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ آہستہ سے بولا۔ "میں جو کچھ کہوں گا، منصور! بالکل سچ کہوں گا، یقین کریں---- "

"خاموش رہو، بکواس مت کرو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "میں اس وقت صرف سیٹھ جبار سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان جو معاملات ہیں، ان سے بھی نمٹ لوں گا۔"

"سن تو لو، منصور!" سیٹھ جبار جلدی سے بولا۔ "پوری بات تو سن لو---- پھر تم جو فیصلہ کرو گے، مجھے منظور ہو گا۔"

"نہیں۔ اگر تم مصالحت چاہتے ہو، سیٹھ جبار! تو طارق کو میرے حوالے کر دو۔ میں اسے جو کچھ معلوم کرنا چاہوں گا، کر لوں گا۔ تم اس وقت صرف اپنی بات کرو۔"

"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔ طارق تمہارے قبضے میں ہے۔ اب تم، اس کے ساتھ جو جی چاہے سلوک کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"سیٹھ صاحب! میں، آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ---- "

"بکواس مت کرو۔" سیٹھ جبار غرایا۔ "میں تمہارے ہاتھوں---- جو نقصان اٹھا چکا ہوں، اب اس کا اعادہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اپنے معاملات تم خود بھگتو۔"

"لیکن، سیٹھ صاحب! آپ نے وعدہ کیا تھا۔" طارق بے بسی سے بولا۔

"کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ میں نے تمہیں کچھ ہدایات بھی تو دی---- تھیں۔ کیا تم نے ان پر عمل کیا۔ میں اب تمہارے سلسلے میں بالکل لاتعلق رہوں گا۔ تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔"

"مگر---- مگر منصور، مجھے مار ڈالیں گے۔"

"وہ، تمہاری قسمت---- میں کچھ نہیں جانتا۔"

میں نے گھنٹی بجا کر ملازم کو طلب کیا پھر اسے چند افراد کو بلا لانے کے لیے کہا۔

طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا---- میں اس کے لیے تیار تھا۔ میں نے پستول نکال کر، اس کا رخ طارق کی طرف کر دیا۔ "بیٹھ جاؤ، طارق! یہاں اس کوٹھی میں تمہاری کوئی بھی غلط حرکت تمہاری موت کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر مرنا چاہتے ہو تو تمہاری یہ آرزو بھی

پوری کر دی جائے گی لیکن ابھی مرنے کی کوشش مت کرو۔" میں نے سرد آواز میں کہا۔۔۔۔۔ اور طارق ساکت رہ گیا۔

چند لمحے بعد وہ لوگ آ گئے، جنہیں میں نے طلب کیا تھا۔ میں نے انھیں ہدایت کی کہ اس شخص کو لے جا کر تہ خانے میں بند کر دیا جائے اور وہ لوگ، طارق کو اس کے اکلوتے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

سیٹھ جبار خاموش بیٹھا، خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر، اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہاں، سیٹھ جبار! اب کہیے، کیا کہنا چاہتے تھے، آپ؟"

"منصور! اینجل، مجھے واپس کر دو۔ میں نے زندگی میں جو کچھ کیا ہے، اسی کے لیے کیا ہے۔ اگر وہ نہ رہی تو پھر میرے لیے دنیا میں کچھ نہیں رہے گا۔ وہ میری زندگی کا محور ہے۔ خدا کے لیے میری اینجل، مجھے لوٹا دو۔"

"خوب۔۔۔۔۔ آپ کو بھی خدا کا نام لینا آ گیا ہے۔ اس سے قبل تو آپ صرف وقت اور حالات کو خدا مانتے تھے۔ آج کون سے خدا کی بات کر رہے ہیں، آپ؟" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"اسی خدا کی، جسے میں بھول گیا تھا اور اب اس کی سزا پا رہا ہوں۔ یقین کرو، منصور! تمھاری ماں اور بہن کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ بھی ہوا، اس کا ذمے دار طارق ہے۔ وہ، مجھ سے اعتراف کر چکا ہے۔ تم خود بھی اس سے معلومات حاصل کر سکتے ہو۔"

"چلیے ٹھیک ہے، میں نے مان لیا۔۔۔۔۔ لیکن آپ اس سے تو انکار نہیں کریں گے، سیٹھ جبار! کہ آپ نے میرے سلسلے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔۔۔۔۔ تو کیا خیال ہے، اس کے لیے بھی آپ کو معاف کر دیا جائے؟"

"ہاں، منصو! مجھے معاف کر دو۔ ایک بڑے انسان کی حیثیت سے مجھے معاف کر دو۔"

"نہیں، سیٹھ جبار! ہرگز نہیں میں احمق نہیں ہوں۔۔۔۔۔ اس سلسلے میں سودا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں، منصور! جو سودا بھی تم مجھ سے کرنا چاہو، میں اس کے لیے تیار ہوں۔" سیٹھ جبار نے کہا۔

"جلد بازی سے کام نہ لیں، سیٹھ جبار! اس پر اچھی طرح غور کریں، سوچیں۔۔۔۔۔ پھر جواب دیں۔"

"نہیں، اینجل کی بازیابی کے سلسلے میں، میں کچھ سوچنے کو تیار نہیں۔ تم جو فیصلہ کرو

گے، مجھے منظور ہے۔"

اسی دوران کافی آ گئی۔

"تو پھر اطمینان سے بیٹھیے اور کافی پیجیے۔"

"میرا دل کسی چیز کے لیے نہیں چاہ رہا۔ تم کسی سودے کی بات کر رہے تھے۔"

"کافی تو پیجیے۔۔۔۔۔ اب میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ گھر آئے مہمان کی تواضع نہ کر سکوں۔ بہرطور، آپ کچھ بھی ہیں لیکن میرے مہمان تو ہیں۔" میں نے کہا۔

سیٹھ جبار خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ میری پیش کی ہوئی کافی، اس نے قبول کر لی اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔

"آپ کا کاروبار بہت وسیع ہے، سیٹھ جبار! کون کون سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے؟"

"لندن، سوئٹزرلینڈ، ویسٹ جرمنی اور مشرق وسطی کے ایک ملک میں۔ تھوڑا سا کام ہانگ کانگ اور جاپان میں بھی ہے۔"

"ویری گڈ۔۔۔۔۔ میرا کاروبار اتنا وسیع تو نہیں ہے، سیٹھ جبار۔۔۔۔۔ لیکن میں اسے وسعت دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔۔؟"

"مطلب بھی سمجھ میں آ جائے گا۔۔۔۔۔ دراصل، میں نے اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے فیصلہ کیا ہے کہ آپ سے آپ کا تمام کاروبار اور اثاثے خرید لوں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا، منصور!"

"ایک دولت مند کی حیثیت سے آپ نے دنیا اچھی طرح دیکھ لی ہے، سیٹھ جبار! اب ذرا غربت کی زندگی اپنا کر دیکھیے کہ جس ماحول میں منصور رہتا تھا، وہ کیسا ہے؟"

"میں نہیں سمجھا، منصور! براہ کرم مجھ سے صاف صاف گفتگو کرو۔"

"تو سنیے، سیٹھ جبار! آپ ایک ایک کر کے، اپنے مقامی اور غیر مقامی اثاثے میرے ہاتھ فروخت کریں گے۔ صورت حال یہ ہو گی کہ قانونی طور پر تو میں ان اثاثوں کی پوری پوری قیمت آپ کو ادا کروں گا۔ یہ قیمت آپ کو کیش کی صورت میں ادا کی جائے گی لیکن اس کے فوراً بعد وہ کیش آپ، مجھے لوٹا دیں گے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں، آپ کے کاروبار کی کوئی قیمت ادا نہیں کروں گا لیکن وہ میری ملکیت ہو گا۔ کہیے آپ کو یہ سودا منظور ہے؟"

"سیٹھ جبار حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحے اس کی یہی کیفیت رہی پھر وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ "آہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے بڑی محنت سے یہ سب کچھ

حاصل کیا ہے ——— خدا کے لیے، منصور! مجھے اتنی بڑی سزا نہ دو۔ اپنی بڑائی کو سامنے رکھو۔"

"بڑا تو میں اس وقت بنا چاہتا تھا، سیٹھ جبار! لیکن تم نے اور حالات نے مجھے چھوٹا بنا دیا۔ یہ سب کچھ تو تمہی نے سکھایا ہے، مجھے۔"

"مگر ——— مگر مجھے بھی تو زندگی گزارنے کے لیے کچھ درکار ہو گا۔"

"وہ، میں تمہیں اپنے ہاں ڈرائیور رکھ کر دے سکتا ہوں ——— اور یقین کرو، میں تمہیں ڈرائیور بنانے کے بعد، کبھی غلط کاموں کے لیے استعمال نہیں کروں گا۔ میں، رہنے کے لیے تمہیں گھر بھی دوں گا۔"

"ایسا نہ کرو، منصور! ایسا نہ کرو۔"

"ایک بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں، سیٹھ جبار! اور یہ وقت شریف آدمیوں کے سونے کا ہوتا ہے۔ میں نے اگر تمہارے واویلے پر تمہیں گفتگو کے لیے کچھ وقت دے دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ساری رات ضائع کر دو۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

"ٹھہرو، منصور ——— رک جاؤ۔ میری بات تو سنو۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور بات سننا پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنے اثاثے فروخت کرنے پر تیار ہو۔"

سیٹھ جبار، گردن جھکائے، چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اور اس کے بعد، تم اینجل کو میرے حوالے کر دو گے؟"

"ہاں، شاید میں ایسا ہی کروں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ کل تم اس سلسلے میں مجھ سے مفصل گفتگو کر سکتے ہو۔"

"کل تم اپنے تمام گوشوارے مجھے پیش کرو گے۔ اس کے بعد میں اپنے طور پر بھی تحقیقات کراؤں گا اگر تمہارے دئے ہوئے گوشوارے درست ثابت ہوئے تو ہمارے درمیان سودا طے پا جائے گا۔"

"اس میں بہت وقت لگے گا، منصور! اور میں اتنے عرصے اینجل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری موت کے بعد اینجل کو ایک بار تمہاری قبر پر ضرور لے جاؤں گا۔" میں نے بے رحمی سے کہا۔

سیٹھ جبار گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھی اور آنسو رخسار پر بہنے لگے تھے لیکن مجھے اس کمینے شخص سے کوئی ہمدردی نہیں تھی ——— پھر اس نے

ہچکی لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں کل تمہیں گوشوارے پیش کر دوں گا۔"

میں اسے باہر تک چھوڑنے آیا ——— میرے دل کو بڑی ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔

بہرطور، اس کے بعد طارق رہ جاتا تھا ——— بھلا طارق سے گفتگو کئے بغیر میں سکون کی نیند کیسے سو سکتا تھا۔ چنانچہ میں تہ خانے کی جانب چل پڑا۔ جہاں طارق موجود تھا۔

تہ خانے میں روشنی ہو رہی تھی اور طارق ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور وہ بے حد خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ سیٹھ جبار نے جس طرح اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اسے شاید اس کی امید نہ ہو گی مجھے دیکھ کر، اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"ہاں، طارق! میرے دوست ——— اب معاملہ براہ راست میرے اور تمہارے درمیان آ گیا ہے۔ تم نے سیٹھ جبار کے ایما پر جو کچھ میرے خلاف کیا، بے شک وہ سب کچھ سیٹھ جبار کی وفاداری کے طور پر تھا ——— لیکن میری ماں اور بہن کے سلسلے میں تم نے جو کچھ کیا، مجھے اس کی تفصیل بتاتے چلو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

"سیٹھ جبار بڑا ناسپاس آدمی ہے۔ میں نے اس کے لیے کیا کچھ نہیں کیا لیکن وہ کمینہ مجھے اس طرح چھوڑ کر چلا گیا۔"

"ہاں، کمینہ فطرت آدمی اسی طرح ہوتا ہے ——— تم، ان باتوں کو جانے دو۔ یہ بتاؤ، امی اور فریدہ کہاں ہیں؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری والدہ اور بہن، تمہارے جیل جانے کے بعد بڑی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان کے اخراجات کس طرح چل رہے تھے۔ اس زمانے میں میں ہر قسم کا کام کر لیتا تھا۔ ہر طرح کے لوگوں سے میں نے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ سیٹھ جبار کے بل پر، میں نے اس سے پوشیدہ طور پر اپنا ایک کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ آج میرے پاس بے پناہ دولت ہے لیکن میری زندگی محفوظ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ آج سیٹھ جبار بھی میرا ساتھ چھوڑ گیا ہے ——— اب میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گا سچ بتاؤں گا۔ تم جس طرح چاہو، اس کی تصدیق کر لینا۔ فیروز دادا نے میرا کام کرنے کے عوض، مجھ سے وہ مکان مانگا جو تمہارا تھا اور میں نے اجازت دے دی کہ اس کا جو دل چاہے، کرے ——— کچھ عرصے بعد، اس نے مجھے بتایا کہ اس نے تمہاری بہن کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے تمہاری ماں سے کہا تھا کہ وہ، فریدہ کو اس کے حوالے کر دے لیکن تمہاری ماں نے ہنگامہ کر دیا ——— فیروز دادا مشتعل ہو گیا اور اس نے رجب علی

دلال کے ذریعے تمہاری ماں اور بہن کو اٹھوا دیا----- رجب علی جرائم پیشہ شخص تھا اور بردہ فروشی کرتا تھا۔ بہت سی طوائفوں سے اس کے تعلقات تھے۔ وہ عموماً لڑکیاں اغوا کر کے طوائفوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتا تھا۔ فیروز دادا نے تمہاری ماں اور بہن کو رجب علی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس کے بعد سے ہمیں، ان دونوں کا کچھ علم نہ ہو سکا۔"

"بکواس کرتے ہو، تم----- میں نے تم سے کہا تھا، طارق! کہ میں تمہاری دونوں آنکھیں نکال لوں گا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اپنی کہی ہوئی بات پر عمل کروں----- میں، تمہیں اندھا کر دوں گا۔" میں نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"کر دو، منصور! مجھے اندھا کر دو----- ایسی اذیتیں دے دے کر مجھے قتل کرو جن کی مثال نہ ملتی ہو----- لیکن میں اب جو کچھ بھی کروں گا اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے کروں گا۔ میں نے تمہیں جو کچھ بھی بتایا ہے، سچ بتایا ہے۔"

"او، کمینے! اس کا مقصد ہے کہ میری ماں اور بہن بالکل ہی تاریکی میں چلی گئیں۔ اب میں انھیں کبھی نہیں پا سکوں گا۔"

"منصور! کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"کس طرح----- مجھے بتاؤ؟"

"تم ایسا کرو کہ کسی بھی صورت، طوائفوں کے علاقے سے رجب علی دلال کے بارے میں معلوم کرو۔ اگر ہمیں، رجب علی دلال مل جاتا ہے تو ہم، اس سے ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"اتنا طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ کیا اس کمینے کو یاد ہو گا کہ اس نے ان دونوں کو کس کے ہاتھ فروخت کیا تھا؟"

"کیوں نہیں----- ایسے آدمی بھولتے نہیں ہیں۔" طارق نے جواب دیا۔

میں غور کرنے لگا----- پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ کام بھی تم ہی انجام دو گے، طارق! تم، میرے ساتھ چلو گے لیکن تمہاری زندگی ہر لمحے موت کے منہ میں رہے گی۔ کہیں بھی تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔"

"میں نے تو خود تم سے کہا ہے کہ میرے ساتھ کوئی رعایت نہ برتنا----- مجھے اس وقت تک کی زندگی دے دو، جب تک میں اپنے گناہوں کا کچھ بوجھ ہلکا نہ کر لوں۔ تم اس وقت مجھے بے شک قتل کر دینا جب تم اپنی ماں اور بہن کی بازیابی سے بالکل مایوس ہو جاؤ۔ میں وہ ہر ممکن کوشش کروں گا جس کے ذریعے، تمہاری ماں اور بہن تمہیں مل سکیں۔ تم جس طرح چاہو، اپنا اطمینان کر سکتے ہو----- میں اب نہ تو جھوٹ بولنے کے موڈ میں

ہوں اور نہ زندہ رہنے کے۔" طارق نے کہا۔

اس کی آواز میں ایسی بے بسی اور نا امیدی تھی کہ میں اسے نظر انداز نہیں کر سکا۔ میں نے سوچا ممکن ہے، اس کی انسانیت لوٹ آئی ہو----- کیوں نہ اس کی ان کوششوں سے استفادہ کیا جائے----- چنانچہ میں نے آمادگی ظاہر کر دی اور باقی معاملات دوسرے دن کے لیے اٹھا رکھے۔

میں ایک بار پھر غم و اندوہ کا شکار ہو گیا تھا۔ اس غلیظ شخص نے، جس کا نام طارق نے رجب علی بتایا تھا، میری ماں اور بہن کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کیا تھا۔

میں رات بھر جاگتا رہا----- دوسری صبح ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے بعد عدنان کو طلب کر لیا----- وہ فوراً ہی میرے پاس پہنچ گیا----- پھر مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"خیریت، پرنس! طبیعت کچھ ناساز گار معلوم ہو رہی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ، عدنان! تمہیں تفصیل سے بتانا پڑے گا۔" پھر میں نے اسے، ہوم سیکریٹری کے ہاں سیٹھ جبار سے ملاقات، آفتاب احمد کو ساتھ لے جانے کا واقعہ، اس کے بعد سیٹھ جبار اور طارق کی آمد اور ان سے گفتگو تک کی تمام روداد سنا دی۔ عدنان پریشان نظر آنے لگا۔

"رجب علی کے بارے میں کہاں سے معلومات حاصل ہو سکتی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

طارق کا کہنا ہے کہ رجب علی کا پتہ، بازار حسن سے مل سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں کے لوگ اسے جانتے ہیں۔"

"میں یہ کام ابھی کیے لیتا ہوں، پرنس! میں اسے تلاش کر لوں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔"

"نہیں عدنان! میں نے تمہیں دوسرے کام کے لیے بلایا ہے۔"

"جی فرمایئے۔"

"تم، سیٹھ جبار کے تمام اثاثے، اس کے دیئے ہوئے گوشواروں کے تحت چیک کرو گے----- اور پھر اس کی تمام جائداد اور کاروبار کی خریداری شروع کرو گے۔ اس سلسلے میں جو رقم، تم اسے ادا کرو گے، وہ تمہیں واپس دے دی جائے گی۔" میں نے عدنان کو تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

عدنان نے مستعدی سے گردن ہلا دی۔ اس کے چہرے پر مسرت کے آثار صاف نمایاں تھے پھر وہ، مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔

عدنان کو تفصیل بتانے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس کام کو

نہایت ذمے داری سے سرانجام دے گا۔

اب مجھ میں انتظار کی تاب نہیں تھی۔ میں ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔۔۔۔ پھر بھی میں نے چند افراد کو بلا کر' انھیں مخصوص ہدایات دیں۔ میں فی الحال طارق پر مکمل بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ مکار شخص' زندگی بچانے کے لیے کوئی بھی ڈرامہ کر سکتا تھا۔ بہر طور' زندگی کا سب سے نازک وقت پڑا تھا' مجھ پر۔ امی اور فریدہ کے بارے میں جو آس تھی' وہ دم توڑتی نظر آ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں طارق کے ساتھ ایک کار میں بیٹھا' بازار حسن کی جانب جا رہا تھا۔ راستے میں' میں نے طارق سے پوچھا۔ "کیا بازار حسن میں تمھاری کچھ شناسا طوائفیں موجود ہیں جو تمہیں رجب علی کے بارے میں بتا سکیں؟"

"ہاں' پرنس! صنوبر نامی ایک عورت سے میرے کافی گہرے مراسم تھے۔ اگر وہ نہ ملی تب بھی رجب علی' اس علاقے کے لیے کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو اس کا پتہ ضرور چل جائے گا۔"

میں نے کار' بازار حسن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جگہ پارک کر دی اور اتر کر آگے بڑھ گئے۔ حکومت کی پابندی کے باوجود بازار حسن کی رونق' دن کی روشنی میں بھی جوں کی توں تھی۔ غلاظتوں کے سوداگر اسی طرح اپنی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔

ہم ان سوداگروں کے درمیان سے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک کریہہ شکل کے میلے کچیلے سے آدمی نے طارق کو جھک کر سلام کیا۔۔۔۔ اور طارق چونک کر رک گیا۔

"ارے جواد! ادھر آ۔۔۔۔ کام ہے' تجھ سے۔"

"حاضر' سرکار! حکم۔۔۔۔ بازار حسن میں تو قیامت آئی ہوئی ہے۔" اس نے مکروہ آواز میں کہا۔

"فضول باتیں مت کر۔ بتا رجب علی کہاں ہے؟"

"کون رجب علی' سرکار؟"

"تو رجب علی کو نہیں جانتا؟ وہی جو سپلائی کرتا تھا۔"

"اوہو! اچھا' اچھا' وہ۔۔۔۔ وہ تو اسپتال میں پڑا ہوا ہے' سرکار! کینسر ہو گیا ہے' سالے کو۔"

"اوہ۔۔۔۔ کون سے اسپتال میں ہے؟" طارق نے پوچھا اور جواد نے اسے اسپتال کا پتہ بتا دیا۔ طارق نے گردن ہلائی پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو کسی اور سے بھی اس کی تصدیق کر لوں۔"

"جیسا مناسب سمجھو۔ صنوبر سے بھی مل لو۔" میں نے کہا اور طارق' میرے آگے آگے چل پڑا۔

صنوبر کا کوٹھا بڑا صاف ستھرا تھا۔ ایک بوڑھی اور خوش شکل عورت نے طارق کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ وہی صنوبر تھی۔ ویسے وہ' طارق کے سامنے مودب نظر آ رہی تھی۔

"ارے' طارق میاں! یہ تمھارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ کوئی ایکسیلنٹ وغیرہ ہو گیا تھا کیا؟"

"صنوبر بائی! اس وقت تمھارے پاس' میں ایک خاص کام سے آیا ہوں۔"

"ہاں' ہاں کہو' میاں! ویسے تمھاری حالت دیکھ کر مجھے بڑا افسوس ہوا ہے۔ تم تو شہنشاہ مانے جاتے تھے' اس بازار کے۔"

"میں نے کہا' نا۔۔۔۔ تمھارے پاس میں ایک خاص ضرورت سے آیا ہوں۔ اس لیے بے کار باتوں سے پرہیز کرو۔" طارق نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"تو کہو نا' میاں! صنوبر بائی بھلا تمھارے احکامات پر عمل نہ کرے گی۔ جسے کہو حاضر کر دوں یا کسی کا پتہ معلوم کرنا ہے؟"

"رجب علی کہاں ہے؟" طارق نے سوال کیا تو صنوبر بائی اپنا گال کھجانے لگی۔

"ارے' وہ اپنا رجب علی۔۔۔۔ وہ تو اسپتال میں بیمار پڑا ہے' کینسر ہو گیا ہے' اس کو۔"

"کون سے اسپتال میں ہے؟" طارق نے پوچھا تو صنوبر بائی نے بھی اسی اسپتال کا نام بتا دیا جس کا نام جواد بتا چکا تھا۔

"کیا کام تھا' میاں! اس سے؟" صنوبر نے پوچھا۔

"بس' اسی سے ملنا تھا۔ تم ملی ہو' اس سے؟"

"نہیں' میں وہاں تو نہیں جا سکی لیکن خبریں ملتی رہتی ہیں' اس کی۔ بڑا اچھا آدمی تھا۔"

ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر ہمارا رخ اسپتال کی جانب ہو گیا۔ وہ اسپتال ایک دور دراز علاقے میں تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ ویسے میں نے طارق میں کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی تھی کہ مجھے اس کی طرف سے چوکنا ہونا پڑا۔ وہ صدق دل سے اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

اسپتال کے جنرل وارڈ میں ہمیں، رجب علی مل گیا۔ زندگی کی سانسیں پوری کر رہا تھا۔ طارق کو دیکھ کر، اس نے سلام کیا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ طارق رسمی انداز میں اس کی خیریت دریافت کرتا رہا پھر وہ اصل موضوع پر آ گیا۔

"تم فکرمت کرو، رجب علی! تمھیں علاج کے لیے جتنی رقم درکار ہو گی، میں دوں گا۔ اس وقت ایک ضروری کام سے تمھارے پاس آیا تھا۔"

"اب ہم کس قابل رہ گئے، سرکار؟ تھوڑی سی زندگی باقی ہے، موت کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تو مرنے سے پہلے، ایک نیک کام کرو رجب علی! ذہن پر زور دے کر بتاؤ تقریباً سات آٹھ سال پہلے، فیروز دادا نے دو ماں، بیٹی، تمھارے حوالے کی تھیں۔ لڑکی خوبصورت سی تھی۔ اس کا نام فریدہ تھا۔ ذہن پر زور دو۔ کیا وہ یاد ہیں تمھیں؟"

"پتہ نہیں، سرکار! یہ کیسی منحوس بیماری لگی ہے کہ جسم گھلتا ہی جا رہا ہے---- مگر دماغ نے ساتھ نہیں چھوڑا ہے، ابھی۔ کیوں نہ یاد ہوں گی، وہ ہمیں۔"

"تت---- تو وہ تمھیں یاد ہیں؟" طارق نے جلدی سے پوچھا۔

"جی ہاں، سرکار! رشیدہ بائی کے ہاتھ بیچ دیا تھا، ان دونوں کو---- عورت جو لڑکی کی ماں تھی، درمیانی عمر کی ضرور تھی مگر دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک تھی۔ رشیدہ بائی نے اسے بھی اس لیے خرید لیا تھا کہ کسی نہ کسی کام تو آ ہی جائے گی۔"

"فضول باتوں سے پرہیز کرو، رجب علی۔ صحیح صحیح واقعات بتاؤ۔" طارق نے جزبز ہوتے ہوئے کہا۔

"بس، سرکار! رشیدہ بائی کے ہاتھ، ان دونوں کو ہم نے پندرہ ہزار میں بیچ دیا تھا---- مگر رشیدہ بائی تو اب یہاں نہیں ہے۔ وہ انھیں لے کر چلی گئی تھی---- پھر ہماری اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

"کہاں لے کر چلی گئی تھی؟"

"وہ دوبئی بھاگ گئی تھی، سرکار! ہمارے ذریعے ہی اس نے پاسپورٹ وغیرہ بنوایا تھا۔ اس کے کوٹھے پر ایک بڑے آدمی کا قتل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد پولیس، اس کے پیچھے لگ گئی اور رشیدہ بائی کو یہ ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ وہ دوبئی گئی تھی؟" طارق نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان پوچھا---- اسے پھر خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔

"رشیدہ بائی ہم سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی، سرکار! قتل کے اس کیس میں ہماری ٹانگ بھی پھنسنے لگی تھی۔ وہ تو نیک بخت رشیدہ بائی ہمیں بچا گئی اور اسی چکر میں بھاگ دوڑ کر کے، ہم نے اس کا پاسپورٹ بنوا دیا تھا۔"

"اور ان دونوں کا بھی؟"

"ہاں، سرکار! پتہ نہیں، رشیدہ بائی کو، اس لڑکی کی ماں سے کیا الفت ہو گئی تھی کہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے گئی۔"

"ہوں، اس کے بعد، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا؟"

"نہیں سرکار! وہ چلی گئی پھر واپس نہیں آئی۔"

طارق نے گردن ہلاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔

"کیا تمھیں یقین ہے، طارق! کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں---- یہ لوگ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ کیونکہ یہ مجھ سے بڑے بڑے فائدے حاصل کر چکے ہیں---- اور پھر مجھے ایک خطرناک آدمی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔" طارق نے جواب دیا---- پھر میں نے رجب علی سے کہا۔

"تمھاری زندگی ختم ہو رہی ہے، رجب علی! کیا تم مرتے ہوئے بھی جھوٹ بولو گے۔ مجھے بتاؤ جو کچھ تم نے کہا ہے، سچ ہے؟"

"ہاں، صاحب جی! ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ اب تو موت کی گھڑیاں گن رہے ہیں۔ جھوٹ کیا بولیں گے۔"

"کون بڑا آدمی قتل ہوا تھا، اس کوٹھے پر؟"

"وہ، صاحب---- ایک پولیس والے کا سالا تھا۔ اسی لڑکی کا پھڈا تھا۔"

"کیا چکر تھا؟"

"صاحب جی! آپ پولیس والے تو نہیں؟" رجب علی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"نہیں---- جو کچھ کہنا ہے، صاف صاف کہو۔"

"رشیدہ بائی نے اس لڑکی سے دھندہ کرانے کی کوشش کی تھی۔ مگر لڑکی کی ماں نے اس گاہک کو قتل کر دیا۔"

"اوہ---- پھر---- ؟"

"رشیدہ بائی نے ہم سے کہا کہ اگر یہ ماں، بیٹی، پولیس کے ہاتھ لگ گئیں تو ان کا جو حشر ہو گا سو ہو گا لیکن، رجب علی! تو بھی پولیس کے ہاتھوں نہ بچ سکے گا اور، صاحب جی!

ہم نے جمیلے سے مل کر ان کا پاسپورٹ بنوا دیا۔"

"دوبئی کا ------؟"

"ہاں، صاحب جی ------"

"لیکن تمہیں کیسے معلوم کہ وہ دوبئی ہی گئی تھیں؟"

"لو، جی ------ معلوم کیوں نہ ہوتا۔ ہم خود جو پھنس رہے تھے۔ خود ہی انھیں جہاز میں سوار کرا کے آئے تھے۔"

طارق کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے اسے وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کیا ------ پھر ہم دونوں باہر آ گئے۔ میں بالکل خاموش تھا۔ طارق بھی خاموشی سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کے سائے تھے۔

"اور بھی کہیں چلنا ہے، طارق؟" میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔

میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ امی اور فریدہ کی مصیبتوں کا تصور کر کے ہی کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ میری ماں اور بہن کیسے خطرناک لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی تھیں ------ جی چاہتا تھا، مرجاؤں یا اس کائنات کو فنا کر دوں۔

میں واپس کوٹھی پہنچ گیا۔ دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ طارق میری حالت کا اندازہ لگا رہا تھا پھر اس نے کہا۔" ایک درخواست کرنی چاہتا ہوں، منصور!"

"کہو ------" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرے ساتھ دوبئی چلو۔"

"وہاں جاکر کیا کر لو گے؟"

"کچھ کرنا چاہتا ہوں، منصور! اجازت دو یا میرے ساتھ چلو۔"

"تمہیں اجازت دوں؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں، مجھے اجازت دو یا میرے ساتھ چلو۔ اگر یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تو مجھے گولی مار دو۔ اگر گولی نہ بھی مارو گے تو میں خود کشی کر لوں گا۔ فیصلہ کرو، منصور! میں سچ بول رہا ہوں۔" طارق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"آج تم سب رو رہے ہو ------؟ کاش! تمہارے دل میں یہ گداز پہلے پیدا ہو جاتا۔"

"مجھے ایک موقع دو، منصور!"

"ٹھیک ہے، طارق! میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"میرا پاسپورٹ، میرے سامان میں موجود ہے۔ سیٹھ جبار کے ہاں سے منگوا لو اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے، تیاری کر لو۔"

"او۔ کے!" میں نے کہا اور اسے دوبارہ تہ خانے میں پہنچا دیا۔ بہر حال اب میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد، میں نے بہت سے فیصلے کیے تھے۔ ساری دنیا سے دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

عدنان کو فون کر کے، دوبئی روانگی کی تیاری کی ہدایت کی۔ اس سلسلے میں اسے تفصیل بتانی پڑی تھی۔ طارق کا سامان بھی سیٹھ جبار کی کوٹھی سے منگوا لیا۔ دو تین دن میں سارے انتظامات مکمل ہو گئے اور تیسری رات، ہم ایک فلائیٹ سے دوبئی روانہ ہو گئے ------ راستے میں طارق نے بتایا۔

"------ دوبئی میں کئی ایسے افراد موجود ہیں جو لڑکیوں کی خرید اور فروخت کا کام کرتے ہیں۔ سری رام نامی ایک شخص سے میری ملاقات ہے۔ وہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔"

سفر بہت طویل تھا۔ بہرحال، ہمارا طیارہ، دوبئی ائرپورٹ پہنچ گیا۔ وہاں ہم نے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ اس فائیو اسٹار ہوٹل کا قیام بہت دلچسپ تھا لیکن اب زندگی کی دلچسپیوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میرا ایک ایک لمحہ، انگاروں پر گزر رہا تھا۔ یہ رات خاموشی سے گزری۔ دوسرے روز، صبح کو میں اور طارق باہر نکل آئے۔ میں نے طارق سے سری رام کے بارے میں پوچھا۔

"ہندو ہے، بڑے پیمانے پر کام کرتا ہے۔ ایک سال قبل میری اس سے لندن میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے اس سے اس کے کاروبار کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"پھر ------؟"

"ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، اس کا کاروبار۔ یہاں یہ لوگ ------ چوری چھپے سارے کام کرتے ہیں۔"

"کوئی مخصوص اڈا ہے، اس کا؟"

"جے۔ آر ہاؤس نامی ایک فرم کھول رکھی ہے، کسی کی شراکت میں ------ لیکن اس کے حصے دار کو بھی نہیں معلوم کہ اس کا اصل کاروبار کیا ہے۔"

جے۔ آر ہاؤس کی تلاش میں ہمیں کوئی وقت پیش نہیں آئی ------ ریفریجریٹر اور ایئر کنڈیشنرز امپورٹ ایکسپورٹ کرنے والی فرم تھی۔ ہم اس کے مینجر کے پاس پہنچ گئے۔ وہ بھی ہندوستانی تھا۔

"میرا نام طارق ہے اور میں سری رام کا دوست ہوں۔ سری جی کو میرے آنے کی

اطلاع دو۔"

"میں' آپ کو جانتا ہوں' طارق صاحب! آپ پہلے سیٹھ جبار کے ساتھ کام کرتے تھے۔" مینیجر نے کہا۔

"ہاں---- سری رام جی تو خیریت سے ہیں نا؟؟"

"جی ہاں' صاحب---- لیکن وہ بمبئی گئے ہوئے ہیں۔ گیارہ تاریخ کو واپس آئیں گے۔"

"اوہ----" طارق نے مایوسی سے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"کوئی ضروری کام ہو تو مجھے بتائیے' میں حاضر ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ مالک سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔"

"نہیں' کوئی خاص کام نہیں ہے۔ دوبئی آئے تھے تو سوچا کہ سری رام سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ وہ ہوتا تو یہاں تفریح کر لیتا۔"

"وہ تو اب بھی ہو جائے گی' طارق جی! حکم کریں۔ کہاں قیام ہے' آپ کا؟"

طارق نے ہوٹل کا نام بتا دیا۔

"ہوٹل تو ٹھیک ہے لیکن آج کل خطرات بڑھ گئے ہیں۔ آپ سری رام جی کی کوٹھی میں آ جائیں۔"

"اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو؟"

"آپ' سری رام کے دوست ہیں اور ہم' آپ کے خادم---- اعتراض کی کیا بات ہے؟"

"تو انتظام کر دو---- لیکن ہم ہوٹل میں بھی اپنا کمرہ رہنے دیں گے صرف راتیں تمہاری کوٹھی میں گزاریں گے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔ آج رات کچھ---- ؟"

"ہاں' ضرور----"

"کوئی خاص چوائس ہو تو---- ؟"

"یہ میرے دوست منصور صاحب ہیں۔ اپنے وطن ہی کے لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلیے' میں آپ کو کوٹھی پہنچا دوں۔"

"ابھی نہیں۔ ہم شام تک سیر کریں گے۔ اس کے بعد۔"

"کچھ [illegible]ے؟"

"نہیں۔ بس' اجازت دو۔ شام کو کس وقت اٹھو گے' یہاں سے؟" اور ہاں تمہارا نام

معلوم نہیں ہو سکا۔"

"رام گوپال----" اس نے بتایا پھر بولا۔ "آپ ٹیکسی سے آئے ہوں گے' یہاں؟"

"ہاں----"

"میں کار دیے دیتا ہوں' آپ کو۔ آرام سے استعمال کریں۔" یہ کہہ کر رام گوپال نے ایک فون کیا اور تھوڑی دیر بعد ایک سرخ رنگ کی گاڑی پہنچ گئی۔ میں' طارق کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ بہر حال' میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ ہم شہر میں گھومتے رہے۔ میرا دل و دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ لہٰذا میں نے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لی۔

شام چھ بجے' ہم واپس فرم پہنچ گئے۔ رام گوپال' ہمارا منتظر تھا۔ وہ ہمیں' سری رام کی شاندار کوٹھی میں لے آیا۔ کوٹھی میں موجود ملازموں کو اس نے ہمارے آرام کی ہدایت دی۔

اس کے جانے کے بعد طارق' مجھ سے مخاطب ہوا۔ "ممکن ہے' اس طرح ہمیں کوئی ایسی شخصیت مل جائے---- میں نے اسی لیے----"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' منصور! میں جانتا ہوں' تمہارے دل پر کیا بیت رہی ہو گی لیکن----"

"ٹھیک ہے' طارق! اس موضوع کو ختم کرو۔"

"دو لڑکیاں آئیں گی' منصور!" طارق نے کہا۔ "ہم دونوں اپنے اپنے طور پر ان سے معلومات حاصل کریں گے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ہمیں اس خوبصورت کوٹھی میں دو کمرے دے دیے گئے---- رات دس بجے' ایک لڑکی' میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بے تحاشا میک اپ کیے ہوئے تھی۔ اس کا تعلق' میرے ہی وطن سے تھا۔ اس نے اندر آ کر مجھے سلام کیا۔

میں لرز کر رہ گیا۔ ایک لمحے کے لیے فریدہ' میری نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ وہ بھی اسی طرح کسی کے سامنے آئی ہو گی۔ اسی طرح---- ایک گولا سا حلق میں آ پھنسا اور آنسو روکنے مشکل ہو گئے۔

"ہیلو----" اس نے مصنوعی مسکراہٹ سے کہا۔

"ہیلو----" میں بمشکل بولا۔

"چہرے سے آپ، ہندوستانی باشندے لگتے ہیں۔ اسی لیے میں نے سلام کیا تھا۔۔۔۔ ہندو ہیں یا مسلمان؟"

"ہم جیسے گندے لوگوں کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"مجھے تو آپ کہیں سے گندے نظر نہیں آتے۔" اس نے کہا۔

میں اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ بس، اسے دیکھتا رہا۔ میری آنکھ اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اس کے چہرے کے نقوش، میک اپ کی گہری تہ میں دبے ہوئے تھے۔

"میری ایک بات مانو گی؟" میں نے کہا۔

"آج رات، میں تمھاری ہر بات مانوں گی، بولو۔"

"چہرے سے یہ میک اپ اتار دو۔ منہ دھولو۔ وہ باتھ روم ہے۔"

"کیوں۔۔۔۔ ؟ بری لگ رہی ہوں؟"

"ہاں۔۔۔۔"

"میک اپ اتار دوں گی تو اور بری لگوں گی۔" اس کے لہجے میں ایک لمحے کے کرب پیدا ہو گیا جسے میں نے محسوس کر لیا تھا یا یہ صرف میرے احساسات تھے۔

"یہ رات، میرے لیے ہے، نا؟"

"ہاں۔۔۔۔"

"تو میری بات مان لو۔ میں تمہیں، تمھاری اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، دیکھ سکو گے، بابو! ہم لوگ خود کو چھپانے کی بڑی مشق کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحے بعد وہ، منہ دھو کر، بال سنوارتی باہر آ گئی۔ زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو گیا تھا۔

"مایوسی ہوئی ہے، نا؟ کیسی لگ رہی ہوں؟"

"بہت اچھی۔۔۔۔ مریم کی طرح پاک۔"

"کیوں کفر بک رہے ہو؟ توبہ کرو۔" وہ لرز کر بولی۔

"ممکن ہے، میں جذباتی ہو گیا ہوں۔ یہ بوجھ تم نے خود اپنے اوپر لادا ہے یا زمانے نے؟" میں نے سوال کیا۔

"کہانی سننے آئے ہو؟ کہانی نویس ہو؟"

"کیوں۔۔۔۔ ؟"

"ویسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ اس سے پہلے دو کہانی نویسوں کو اپنی کہانی سنا چکی ہوں۔ ممکن ہے، انھوں نے اسے تراش خراش کر کوئی اچھی کہانی بنالی ہو، نام کمایا ہو۔۔۔۔ لیکن ایسی راتیں مجھ پر بہت کٹھن گزرتی ہیں۔"

"کیوں۔۔۔۔ ؟"

"زخموں سے کھرنڈ اتر جاتے ہیں اور کئی دن تک ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں۔ دوسری رات، میں مسکرا نہیں سکتی۔ تیسری اور چوتھی رات بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ سارا دھندہ خراب ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ۔۔۔۔ ؟"

"یہ رات تمھاری ہے۔ میں تمھارا دل لبھانے کے لیے موجود ہوں۔ ایک رات کی قیمت، ایک ہزار۔۔۔۔ کہانی سنو گے تو چار ہزار ہوں گے کیونکہ تین راتیں مجھے کرب میں گزرانی ہوں گی۔"

میں نے نوٹوں کی ایک گڈی، اس کی طرف بڑھا دی۔۔۔۔ وہ مسکرانے لگی پھر اس نے نوٹوں کی گڈی احتیاط سے رکھتے ہوئے کہا۔ آج پہلی بار منافع ہوا ہے۔ اب میں تمہیں اپنی پوری کہانی سناؤں گی۔ کیا نوٹس نہیں لو گے؟"

"تم سناؤ، میں ذہن میں رکھوں گا۔"

"کیا نام ہے؟"

"منصور۔۔۔۔"

"نام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میرا اصلی نام صابرہ تھا۔ اب شگوفہ کے نام سے پہچانی جاتی ہوں۔"

"ہاں، شاید۔۔۔۔ نام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔"

"میں ایک گلاس پانی پی لوں۔"

"ضرور۔۔۔۔" میں نے کہا اور وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔۔۔۔ چند لمحوں بعد وہ پانی سے بھرا ہوا جگ اور ایک گلاس لے آئی۔

"سینہ جلنے لگتا ہے۔ پانی پینے سے ذرا ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔۔۔۔ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"شکریہ۔۔۔۔" وہ اطمینان سے بیٹھ گئی اور مسہری کے تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ کھیل رہی

تھی---- پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"افسانہ نگار تو تم ہو---- لیکن میں جب بھی کسی کو اپنی کہانی سناتی ہوں تو وہ ایک افسانے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اپنی کہانی وہیں سے شروع کروں جہاں سے میں نے اپنے آپ کو محسوس کیا تھا۔ جب میں وہاں سے اپنی کہانی سناتی ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا ماضی لوٹ آیا ہو' بڑی مسرت ہوتی ہے---- میں اس بستی' اپنے گاؤں کا نام نہیں بتاؤں گی۔ کیونکہ وہ نام' میرے نام کے ساتھ مل کر گندا ہو جائے گا---- جو کچھ میں بن گئی ہوں' بھلا اس میں میری بستی کا کیا قصور؟ وہ مقدس سرزمین میری وجہ سے کیوں بدنام ہو۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ہم اسی چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے۔ میری ماں تھی' بھائی اور بابا تھے لیکن بابا اچھے نہیں تھے' کوئی کام دھندہ جم کر نہیں کرتے تھے۔ کبھی کچھ کر لیا' کبھی کچھ---- کبھی کھانے کو مل گیا اور کبھی فاقوں میں گزری۔ بابا کی یہ عادتیں' ماں کو بہت ناگوار گزرتی تھیں۔ بے چاری ماں' نہ جانے کہاں کہاں محنت مزدوری کر کے' ہم سب کو پال رہی تھی۔ جوں جوں میں بڑی ہوتی گئی' احساس کی دیواریں بلند ہوتی گئیں---- میں نے ان کچی دیواروں سے عسرت کو جھانکتے دیکھا تو میرے دل میں عجیب عجیب سے خیالات پیدا ہونے لگے۔

میں نے ماں کے کاموں میں ہاتھ بٹانا چاہا لیکن ماں کے دل میں نہ جانے میرے لیے کیا تھا' وہ میرے ہاتھ گندے نہیں ہونے دینا چاہتی تھی---- میرے ہاتھ دیکھو' منصور بابو! ابھی تک اچھے ہیں۔ یہ ماں کی مہربانی ہے۔ اس نے ان ہاتھوں کو کبھی خراب نہیں ہونے دیا۔ پگلی تھی نا' بے چاری---- پتہ نہیں کیا کیا سوچتی تھی' میرے بارے میں---- لیکن انسان کی سوچ ایک مذاق ہوتی ہے۔ فیصلے تو تقدیر کرتی ہے۔ بابا نے اپنی زندگی بڑی غیر ذمے داری سے گزاری تھی۔ دولت کی خواہش کسے نہیں ہوتی۔ وہ خود بھی اس کے خواہش مند تھے لیکن محنت مزدوری کر کے' دولت جمع کرنا' ان کے بس میں نہ تھا---- اور ان کی عمر بھی کافی ہو گئی تھی۔

میں سترھویں' اٹھارویں سال میں تھی۔ میں نے پڑوس کی استانی سے پوری پانچ کتابیں پڑھی تھیں۔ استانی جی کا کہنا تھا کہ میں بہت ذہین ہوں۔ اگر مجھے باقاعدہ تعلیم دلائی جاتی تو اچھا خاصا پڑھ جاتی لیکن مجھے اس پڑھنے لکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

پھر یوں ہوا کہ ہمارے بابا سخت بیمار ہو گئے۔ بستی کے چھوٹے موٹے ڈاکٹر' ان کا علاج نہ کر سکے۔ انہوں نے مشورہ دیا۔ کہ بابا کو شہر کے بڑے اسپتال میں لے جایا

جائے---- بھلا بتاؤ' منصور بابو! ایک ایسا گھرانہ جس کی زندگی رو رو کر سسک سسک کر گزر رہی ہو' وہ شہر میں علاج کرانے کا متحمل کیسے ہو سکتا تھا؟

تب ماں کو اپنے دور کے رشتے کے ایک بھائی یاد آ گئے جو شہر میں رہتے تھے۔ غریبوں کو بھولنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ میری ماں کے وہ بھائی کبھی بستی میں نہیں آئے تھے---- لیکن اب جبکہ ماں پر پڑی تو ماں نے سوچا کہ وہ آئیں یا نہ آئیں' ہم تو کم از کم اپنائیت کا ثبوت دیں---- ماں جس نے ساری زندگی بابا سے نفرت کی اور انھیں برا بھلا کہتی رہی' جب بابا زندگی اور موت کی کشمکش میں پہنچے تو ماں کی ساری محبتیں امڈ آئیں۔ اسے محسوس ہوا کہ ساری برائیوں کے باوجود' اس کا شوہر' اس کی زندگی کا ساتھی ہے----

سو' اس نے اونے پونے وہ چھوٹا سا مکان بیچ دیا اور شہر پہنچ گئی۔ چونکہ ساری زندگی اپنے بھائی سے نہیں ملی تھی' اس لیے مروتاً" وہ بڑے اخلاق سے ملے۔ وہ اچھے خاصے کھاتے پیتے آدمی تھے' بہت بڑا مکان تھا۔ ماں کی بپتا سن کر' انھوں نے اسے اپنے مکان کے ایک حصے میں جگہ دے دی۔ وہ بے چارے بڑے نیک نفس آدمی تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ دو' تین بچے تھے جن کے ساتھ وہ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

بابا کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ جو کچھ تھا' انکے علاج پر خرچ ہوتا رہا۔ تقدیر نے انہیں زندگی تو دے دی لیکن اب وہ اس قابل نہ تھے کہ محنت مزدوری کر کے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکتے۔ ادھر میں جنگلی بیل کی طرح بڑھ رہی تھی' جوان ہو گئی تھی۔ ماموں نے میری ماں کو مشورہ دیا کہ میری شادی کر دی جائے---- لیکن ہمارے پاس تھا ہی کیا جو ماں' میری شادی کے بارے میں سوچتی۔ ماموں جی کا یہی احسان کیا کم تھا کہ انھوں نے ہمیں سر چھپانے کا ٹھکانہ دے دیا تھا---- ماں خاموش ہو گئی۔ ماموں جی بھی مجبور تھے' جو کچھ ان سے ہو سکتا تھا' ہمارے ساتھ کر رہے تھے۔ آگے ان کی بھی اولاد تھی---- البتہ انھوں نے مجھے ایک انڈسٹریل ہوم میں داخل کرا دیا جہاں کڑھائی سلائی سکھائی جاتی تھی۔ یہ انڈسٹریل ہوم' میرے لیے ایک اجنبی جگہ تھی لیکن مجھے بہت پسند آئی۔ میں نے وہاں کام سیکھنا شروع کر دیا۔ میں بہت جلد کام سیکھ گئی اور اس کے بعد مجھے سلائی کا کام ملنے لگا---- ماموں جی نے ازراہ کرم' ایک سلائی کی مشین مجھے لے دی۔ میں اب اچھی طرح کام کرنے لگی تھی۔ پاس پڑوس کا بہت سا کام مجھے مل جاتا تھا۔

جب آمدنی ہونے لگی تو ماں نے میری شادی کا خیال ذہن سے نکال دیا۔ ابھی تو اور بھی بچے تھے۔ لڑکیاں جوان ہو رہی تھیں---- لڑکوں کے مستقبل کا بھی سوال تھا۔

تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا تو ان کے لیے ضروری تھا۔ ماں' باپ نے فیصلہ کیا کہ میں اس گھر کو سنبھالنے کا ذریعہ بن جاؤں۔ میری شادی ہو یا نہ ہو' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باقی بچوں کا مستقبل بن جائے گا۔

میں نے بخوشی اپنے کنبے کا سہارا بننا منظور کر لیا۔ میں دن رات محنت کرتی رہی۔ زمانے اور وقت نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ میرے چھوٹے بہن بھائی' اسکول میں داخل ہو گئے۔ گھر کے حالات جس طرح بھی چل رہے تھے' ان پر مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ میں صابر و شاکر تھی۔ میرا نام ہی صابرہ تھا لیکن تقدیر صابر نہیں رہنے دیتی۔

"ہمارے پڑوس میں ایک جیلانی صاحب رہتے تھے۔ متمول افراد میں ان کا شمار ہوتا تھا لیکن بیگم صاحبہ ذرا لڑاکا قسم کی تھیں اور اکثر ان کے گھر سے شور شرابے کی آوازیں آتی رہتی تھیں------ ایک روز بیگم صاحبہ کا بھانجا آ گیا۔ بڑے کر و فر کا آدمی تھا۔ روز نئی طرح کی شرٹیں اور جرسیاں پہن کر گھر سے نکلتا تھا۔ بہت بڑا آدمی تھا۔ دوبئی سے آیا تھا۔ میں' ان کے گھر کے کپڑے بھی سیتی تھی۔

ایک روز' میں ان کے بچوں کے کپڑے لے کر گئی تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ' مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگا لیکن میں' اس کی طرف توجہ دیئے بغیر' کپڑے دے کر واپس آ گئی۔ دو تین دن گزر گئے------ پھر ایک شام گھر میں میٹنگ ہوئی جس میں ماموں جی، میری ماں اور بابا شریک تھے۔ اس میٹنگ میں ماموں جی نے ماں اور بابا کو بیگم صاحبہ کے بھانجے اسلم کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اسلم' دوبئی میں ملازم ہے۔ پیسہ کما کر لاتا ہے۔ بہن کا گھر بھر کر رکھ دیا ہے۔ جب بھی آتا ہے' ریڈیو' ٹیپ ریکارڈر فریج اور نہ جانے کیا کیا سامان لے کر آتا ہے۔ مستحکم مالی حیثیت کا مالک ہے' شادی کرنا چاہتا ہے۔ ماموں جی نے ماں کو یہ بھی بتایا کہ شاید اسے اپنی صابرہ پسند آ گئی ہے۔ جیلانی صاحب نے ان سے بات کی ہے۔

ماں اور بابا سوچ میں ڈوب گئے۔ نوٹ بنانے کی یہ مشین کسی اور کے قبضے میں چلی گئی تو پھر نوٹ کیسے چھپیں گے؟ ان کی اس مشکل کو ماموں جی نے حل کر دیا۔

تم نہیں سمجھتے' عابد میاں! اگر تم نے صابرہ کی شادی اسلم سے کر دی تو تمہارے دن بھی پھر جائیں گے۔ وہاں کسی شیخ کی پارٹنرشپ میں اسلم کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ لاکھوں کی آمدنی ہے۔ اگر اپنی صابرہ میں صلاحیت ہوئی تو تمہارے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ کیا کما لیتی ہے۔ روتے پیٹتے زندگی گزر رہی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ صابرہ کی شادی کر ہی دو۔"

ماں اور بابا نے جو یہ سنا تو ان کے منہ میں پانی آ گیا۔ انھوں نے ماموں جی سے کہا کہ اس سلسلے میں اسلم اور جیلانی صاحب سے بات کر لی جائے۔ چنانچہ اسلم کو دعوت دی گئی۔ وہ ایسے ایسے تحائف لے کر ہمارے ہاں آیا کہ بابا کی آنکھیں کھل گئیں۔ مسالہ پیسنے کی مشین' بچوں کے قیمتی کھلونے' بابا کے لیے سگریٹ کیس اور لائٹر------ اور ایسی ہی نہ جانے کیا کیا چیزیں وہ پہلے ہی مرحلے میں لے آیا۔ جبکہ ابھی اس سے شادی کی بات چیت بھی نہ ہوئی تھی------

ماں اور بابا بھلا ایسے آدمی سے متاثر کیوں نہیں ہوتے۔ بابا نے اسلم کو اپنے کوائف بتاتے ہوئے کہا کہ صابرہ ہی اس گھر کی واحد کفیل ہے۔ وہ خود تو بیمار ہیں اور باقی بچے ابھی چھوٹے ہیں۔

"میں خود بے سہارا انسان ہوں۔ ماں' باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ بس ایک بہن اور بہنوئی ہیں جنھیں اپنا سمجھتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ دنیا ابن الوقت ہے۔ ساری محبتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے' میں مصنوعی محبتیں نہیں چاہتا۔ مجھے حقیقی محبت چاہیے' وہ ماں' باپ چاہئیں جن کی خدمت کر سکوں۔ اگر آپ لوگ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں تو میں ساری زندگی' آپ کی خدمت کروں گا۔ لاکھوں کا کاروبار ہے' میرا۔ سب کچھ آپ ہی کے لیے ہو گا۔ میرے کس کام کا------ مجھے تو بس ایک چھوٹا سا گھر چاہیے۔ صابرہ میری زندگی میں شامل ہو جائے تو کچھ عرصے بعد میں اپنا سارا سرمایہ سمیٹ کر یہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ میں صرف اس لیے باہر کی دنیا میں بھٹک رہا ہوں کہ یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔"

بہت بڑا لالچ تھا۔ میں نے بھی یہ تمام باتیں سنیں اور میری آنکھوں میں روشنی پھیل گئی۔ میں نے سوچا کہ واقعی دن رات مشین چلا چلا کر ان لوگوں کو دو وقت کی روٹی ہی مہیا کر پاتی ہوں------ اگر ایسا ہو جائے اور اسلم واقعی ان سب کے لیے پناہ بن جائے تو مجھے اپنی قربانی دینے میں کوئی عار نہیں ہے------ یوں بھی زندگی میں کبھی کسی مرد کا تصور نہیں کیا تھا------ اب ایک ایسا مرد مل رہا تھا جو میرے اہل خاندان کو زندہ رکھنے میں مدد دے رہا تھا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

ماں اور بابا تیار ہو گئے۔ انھوں نے میری مرضی پوچھی تو میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ پھر ماموں جی نے جیلانی صاحب سے ہاں کر دی۔ اور اسلم نے فیصلہ کیا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر شادی ہو جانی چاہیے۔ پہلے ہفتے منگنی ہوئی اور دوسرے ہفتے نکاح ہو گیا پھر میں رخصت ہو کر' جیلانی صاحب کے گھر پہنچ گئی۔

چار روز تک بڑی چاہ سے میری خاطر مدارات ہوتی رہی------ اس دوران میں ا
سے میری ملاقات ہوئی۔ بڑا عجیب سا آدمی تھا------ میرے قریب آ کر' ان کے بدا
کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ تیسری رات' اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"صابرہ! تم کسی پھول کی طرح شگفتہ اور نازک ہو۔ میں جب تمھارے سامنے
ہوں تو احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے تمھا
ساتھ شادی کر کے اچھا نہیں کیا------ تم کہاں' میں کہاں------ تم انتہائی حسین ہو
میں بد صورت ہوں۔"
"نہیں' اسلم یہ بات آپ کے ذہن میں کیسے آئی؟" میں نے تڑپ کر پوچھا۔ "ب
انداز میں ایسی کون سی بات آپ نے پائی جس سے آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا؟"
"نہیں' صابرہ! یہ احساس خود میرے ذہن میں ہے۔"
"براہ کرم! آپ اس احساس کو ذہن سے نکال دیں۔ جو کچھ گزر رہی ہے' اس
کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے ذرہ برابر کسی بات کا کوئی احساس نہیں ہے۔ آپ' میرے
ہیں' میں آپ کی غلامی کو فخر سمجھتی ہوں۔"
"تم بہت اچھی ہو' صابرہ! میں آہستہ آہستہ ہی اپنے ذہن کو تمھاری طرف ما
سکوں گا خدا کے لیے دل میں کوئی بدگمانی نہ لانا۔"
"کیسی باتیں کرتے ہیں------ آپ نے تو ہم لوگوں کو نئی زندگی دی ہے۔" م
کہا اور اس نے میرے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر چھوڑ دیا۔
"صابرہ! میں ساری زندگی تمھاری قدر کروں گا۔ تمھیں بڑی عزت و احترا
رکھوں گا۔ میں' تم جیسی بیوی کو پا کر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا۔"
مجھے اسلم کی باتوں پر یقین آ گیا۔ بے چارہ معمولی شکل و صورت والا ضرور ہے
اب ایسا بد شکل بھی نہیں ہے اور پھر شوہر کی حیثیت سے وہ میرے لیے سب کچھ ہے
اسلم نے میری ماں اور بابا کو بہت کچھ دیا------ پھر اس نے میرا پاسپورٹ بنو
ایک دن مجھے لے کر چل پڑا۔ میں بہت خوش تھی۔ میری قسمت ہی بدل گئی تھی۔
یہاں لا کر' اس نے مجھے ایک فلیٹ میں رکھا' جو ائر کنڈیشنڈ تھا۔ اس کے
ٹی۔وی' ریڈیو' فریج اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ ایک انوکھی دنیا تھی جس کا میں نے کبھی
بھی نہیں کیا تھا۔ دس' بارہ دن تک اسلم مجھے مختلف علاقوں میں گھماتا پھراتا رہا۔ ا
یہاں مجھے بہت سی خریداری کرائی تھی...... اور پھر ایک شام' اس نے مجھے ایک شخص
ملوایا۔ اس کا نام سری رام تھا۔ بلند و بالا قد و قامت کا مالک' یہ شخص مجھے آنکھوں

نہیں لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں شیطانیت پائی تھی..... میں نے اسلم سے اس کا
تذکرہ کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"نہیں' صابرہ! وہ بہت اچھا انسان ہے۔ مجھ پر اس کے بڑے احسانات ہیں۔ یوں سمجھ لو
کہ میں جو کچھ نظر آ رہا ہوں' اسی کی وجہ سے ہوں۔ چنانچہ تمھیں بھی اس کی عزت کرنی ہو
گی اور ہمیشہ اس کے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔"
اس کے بعد سری رام کا ہمارے فلیٹ میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ وہ بڑی عامیانہ اور
چھچھوری گفتگو کرتا تھا------ پھر ایک دن اسلم' مجھے ایک خوبصورت سے مکان میں لے
گیا اور ایک بیڈ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ مکان اس کے ایک بہت گہرے دوست کا
ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد یہاں ایک محفل جمے گی------ کافی دیر گزر گئی۔ میں حیران تھی
کہ اسلم کہاں چلا گیا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھنا چاہا تو خواب گاہ کا دروازہ باہر سے بند تھا۔
میں دروازہ پیٹنے لگی تو باہر سے کس نے مجھے ڈانٹ دیا کہ خاموش بیٹھی رہوں۔ میرے دل
میں خوف جاگزیں ہو گیا۔
"اور پھر' منصور بابو! تھوڑی دیر بعد وہاں کچھ افراد آ گئے۔ میرے لیے اجنبی ہی تھے۔
ان میں سے تین آدمی دروازہ کھول کر خواب گاہ میں داخل ہو گئے۔ پتہ نہیں کون
تھے۔ انھوں نے عجیب و غریب گفتگو شروع کر دی۔ میں نے متوحش ہو کر وہاں سے بھاگنا
چاہا تو انھوں نے مجھے پکڑ لیا------ اور اس کے بعد------" صابرہ کی آواز بھرا
گئی------ "اس مدہوشی کے عالم میں مجھ پر جو کچھ گزری' اس کی تفصیل سے یقیناً تمھیں
کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔ میں جب ہوش میں آئی تو عجیب سی کیفیت محسوس کی۔ میں اپنے فلیٹ
میں تھی اور میرے برابر اسلم سو رہا تھا۔ میں نے جھنجوڑ کر اسے جگایا اور چیخ چیخ کر' اس
سے رات کے واقعات کے بارے میں پوچھا۔ اسلم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس
کی شکل ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ معصوم اور مسکین سی صورت' نہ جانے کہاں غائب ہو گئی
تھی۔ اس کی آنکھوں سے شیطان جھانک رہا تھا۔
"ڈیر! ہوش و حواس میں رہو۔ تم اسی مقصد کے تحت یہاں لائی گئی ہو اور اب تمھیں
اسی طرح زندگی گزارنا ہو گی۔"
"کیا کہہ رہے ہو' اسلم؟ تم میرے شوہر ہو۔ جو کچھ مجھ پر بیتی' وہ نہیں سنو گے' اپنی
بکے جاؤ گے۔"
"جو کچھ تم پر بیتی' وہ میری مرضی سے بیتی۔ بس' اب تم خاموشی سے اسی طرح زندگی
گزارتی رہو۔ اگر ایسا نہ کیا تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔" اس نے غراتے ہوئے کہا اور

میں سہم کر رہ گئی۔ کون تھا' میرا یہاں ------ ؟ اگر کوئی احتجاج بھی کرتی تو کس سے کرتی؟ کیسے جان بچاتی؟ میرا شوہر' میرا مجازی خدا' میری عزت کا گاہک بن گیا تھا۔ میں نے واویلا کیا تو اس نے مجھے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا اور میرے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

پھر روز مجھے نت نئی اذیتیں دی جانے لگیں اور پھر مجھے وہ سب کچھ کرنا پڑا جو کسی عورت کے لیے موت کے مترادف ہوتا ہے۔ میں مجبور تھی' بے بس تھی اور اب یہی زندگی میرا مقدر بن گئی تھی۔ میں' لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکی تھی۔ میرے والدین اور بہن بھائیوں کے خطوط میرے پاس آتے رہتے تھے۔ انھیں باقاعدگی سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ مل رہا تھا۔ میرے بہن' بھائی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور میرے والدین بہت خوش تھے۔ ان کے خطوط' مجھے اسلم لا کر دیا کرتا تھا اور ان کے جواب اپنی مرضی سے لکھوایا کرتا تھا۔

اسلم تو اب ایک طرح سے' میری زندگی سے نکل ہی چکا تھا------ میری باگ ڈور' سری رام کے ہاتھ میں تھی۔ وہی میرے لیے گاہکوں کا بندوبست کرتا تھا اور مجھ پر نگاہ رکھتا تھا۔ اسلم کبھی مہینے' پندرہ دن میں ایک بار میرے پاس آ جاتا تھا۔ یا تو والدین کے خطوط لے کر یا پھر کسی اور مقصد کے تحت------ مجھے اس کی صورت سے نفرت ہو گئی تھی------ لیکن کیا فائدہ؟ جہاں میں پہنچ چکی تھی' وہاں کسی سے نفرت کرنا بھی بے مقصد تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس زندگی کی عادی ہوتی گئی۔ سری رام سے بھی اب میرا کوئی واسطہ نہ رہا تھا بلکہ اس کے ایجنٹ' میرے لیے سارا کام انجام دے رہے تھے۔

ایک روز کاروباری اوقات کے دوران' میری ملاقات ایک لڑکی سے ہوئی۔ اس کا نام شاہدہ تھا۔ وہ بھی اس زندگی کو قبول کر چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ بھی اسلم کی بیوی ہے اور اسلم ہی شادی کر کے اسے یہاں لایا ہے۔ اس کی کہانی بھی مجھ سے مختلف نہ تھی------ اور اب وہ بھی سری رام کی سرگرم کارکن تھی۔

اسلم کا کاروبار یہی تھا کہ بھولے بھالے اور غریب والدین کو دولت کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھانستا۔ اپنی دولت اور امارت کا مظاہرہ کرتا پھر کسی لڑکی سے شادی کر کے اسے یہاں لے آتا اور یوں وہ' اس کے روزگار کا ذریعہ بن جاتی۔

بعض اوقات ہمارے والدین کتنی بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔ بیٹی کے سنہرے مستقبل کے خواب' ان کی آنکھوں میں جگمگاتے رہتے ہیں------ اور وہ چمکتے چہروں کو دیکھ کر خوش فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیٹی کو راج کرانے کا تصور' ان کی عقل خبط کر دیتا ہے اور ان کی یہ بے عقلی' ان کی اولاد کو جسے انھوں نے بڑے ناز و نعم سے پرورش کیا

ہے' نہ جانے کون کون سے جہنم کی سیر کرا دیتی ہے------ کاش! والدین کے ذہن سے بیٹیوں کے لیے دولتمند رشتوں کا تصور مٹ جائے۔ اور وہ بے زبان مخلوق جو ان کی عزت کی امین ہوتی ہے' لٹنے سے بچ جائے۔ اگر ہم لڑکیاں' برائی کے راستے پر قدم اٹھا لیں تو والدین کی ناک کٹ جاتی ہے لیکن اپنے ہاتھوں سے جو زندگی وہ ہم پر مسلط کر دیتے ہیں' اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ سری رام جیسے وحشی اور اسلم جیسے شیطان' اس دنیا کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں جو معصوم لڑکیوں کو اپنے چمکتے ہوئے جال میں پھانس کر' زندگی کی تاریک راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔

اب میں خود اپنے والدین کے خطوط کا جواب دیتی ہوں۔ ان کے ڈھیر سارے خطوط' میرے پاس موجود ہیں جن میں وہ' میرے روشن مستقبل پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے چند روز کے لیے اپنے ہاں بلانے کی ضد کرتے ہیں لیکن میں اپنے بہن بھائیوں کا مستقبل تعمیر کر رہی ہوں۔ میں بھلا کیسے جا سکتی ہوں؟

وہاں جا کر میرا پول کھل جائے گا' ان کا سارا بھرم ختم ہو جائے گا۔ ابھی تو اسلم جوان ہے' دولت مند ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں اور کس کس حیثیت سے وہ لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانس رہا ہو گا------ اگر میں یہاں سے جانے کی کوشش کروں گی تو مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

صابرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور میرا دل تہ و بالا ہوا جا رہا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ وہ غم و یاس کی تصویر بنی میرے سامنے بیٹھی تھی------ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"صابرہ! میں کہانی نویس نہیں ہوں۔ میں بھی درد میں ڈوبا ہوا ایک انسان ہوں------ یقین کرو' کسی ذہنی یا جسمانی تلذذ کے لیے میں نے تمھیں یہاں نہیں بلایا ہے۔ بلکہ تمھیں بلانے کا ایک خاص مقصد تھا۔"

"مقصد------؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"ہاں' صابرہ! میں بھی اپنی ایک بہن کو کھو چکا ہوں۔ میری ماں اور بہن ایسے ہی درندوں کی بھینٹ چڑھ کر مجھ سے جدا ہو گئی ہیں۔ مجھے علم ہوا تھا کہ وہ یہاں لائی گئی تھا------ میں' ان کی تلاش میں آیا تھا۔"

"اوہ------ لیکن تم نے انھیں تلاش کرنے کی بجائے سری رام سے رابطہ قائم کیا اور مجھے یہاں بلا لیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا' منصور؟"

"میں' تم سے اپنی بہن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے ------؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، ظاہر ہے، اسے تمہاری ہی طرح یہاں لایا گیا ہے۔ ممکن ہے، وہ بھی ان لڑکیوں میں شامل ہو، جنھیں تم اس حیثیت سے جانتی ہو۔"

"کیا تمہارے پاس، تمہاری بہن کی کوئی تصویر موجود ہے۔"

"ہاں ہے۔" میں نے کہا اور اپنے سامان سے امی اور فریدہ کی تصویریں نکال لیں پھر امید و بیم کی نظروں سے صابرہ کو دیکھتے ہوئے، تصویریں، اس کے حوالے کر دیں۔ وہ بغور تصویروں کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تاثر نہیں ابھرا------ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر، تصویریں مجھے واپس کر دیں۔

"نہیں، مجھے افسوس ہے کہ میں، انھیں نہیں جانتی۔ میں نے ان دونوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔"

"اچھا، صابرہ! یہ بتاؤ، رشیدہ بائی نامی کسی عورت کو جانتی ہو؟"

"رشیدہ بائی------" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "نہیں------ منصور صاحب! میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا۔ میں تو سری رام کے ساتھ ہی ہوں اور آج تک اسی کے لیے کام کر رہی ہوں۔"

مایوسی سے میری گردن لٹک گئی۔ وہ تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے اٹھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کاش! میرا بھی تم جیسا کوئی بھائی ہوتا------ کاش! کوئی مجھے بھی تلاش کرتا ہوا یہاں آتا اور میرے نہ ملنے پر اس کے چہرے پر بھی ایسی ہی مایوسی کے آثار پھیل جاتے------ یہ ایک بہن کے لیے کتنے فخر کا مقام ہے۔ میں تو یہ تصور بھی ذہن میں نہیں رکھتی۔ میرے سب بہن بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔" میں نے آنسو بھری نگاہوں سے صابرہ کو دیکھا------ اور گردن جھکالی۔

دفعتاً" دروازے پر دستک سنائی دی اور ہم دونوں چونک پڑے۔

"کون ہے؟" صابرہ نے پوچھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے طارق کھڑا تھا۔

"منصور! ماں اور بہن کی کوئی تصویر ہے، تمہارے پاس؟"

"ہاں------ کیا کرو گے؟"

"ضرورت ہے------ صبح واپس کر دوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایک ایک کاپی ہی ہے۔ احتیاط سے رکھنا۔" میں نے کہا اور دونوں تصویریں ا

دے دیں۔

صابرہ خاموش تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی پھر اس نے کہا۔ "میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں، منصور بابو؟"

"بیٹھو، صابرہ! بہت سی باتیں کرنی ہیں، تم سے۔"

"دل بہت دکھ چکا ہے، منصور بابو! اب ہمت نہیں رہی ہے۔ اب کوئی ایسی بات نہ کرو------ کاش! میں تمہاری ماں اور بہن کے سلسلے میں، تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔ تمہیں ہی دل کا سکون مل جاتا۔"

"مجھے دکھ ہے تمہاری کہانی پر------ واقعی بعض اوقات والدین کی لغزشیں، اولاد کے لیے کیا کیا گل کھلاتی ہیں۔"

"جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن جب بھی اپنی کہانی کسی کو سناتی ہوں تو دل کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔"

"میں، تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، صابرہ!"

"ایسی باتیں مت کرو------ اگر تم دکھی نہ ہوتے اور دوسروں جیسے ہی ہوتے تو میں، تمہیں اس بات کا تلخ جواب دیتی۔"

"کیا مطلب------؟"

"میری، کہانی سننے والے ہر شخص نے یہی کہا۔ وعدے کیے لیکن مجھے آس دلانے والے کبھی نہ پلٹے۔"

"میں خود بھی چوٹ کھایا ہوا ہوں، صابرہ! تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں، اسی لیے میں نے تم سے کچھ نہیں کہا------ تم، میرے بھائی نہیں ہو۔ اپنی بہن کو تلاش کرو۔ اس کی عزت بچاؤ۔ مجھے اب کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہیں ان درندوں کے درمیان سے نکال لے جاؤں گا۔"

"اب میں یہ نہیں چاہتی۔"

"کیوں------؟"

"دیکھو، منصور بابو! بات اب میرے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ تم نے ری کہانی سن لی، اپنی سنا دی۔ اب آرام سے سو جاؤ۔ صبح جاگو اور اپنے مشن پر روانہ ہو ؤ۔ مجھے اس جہنم سے نکالنے والے گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں اس جہنم میں رہ کر، نھیں جنت کی سیر کرا رہی ہوں------ مگر ان کے درمیان پہنچ جاؤں تو جانتے ہو، کیا ہو ؟ مجھے کیا ملے گا؟ ایک اور جہنم------ نفرت کا دہکتا ہوا جہنم------ ان کی ضرورتیں

رک جائیں گی، وہ پریشان ہو جائیں گے------ اور اس وقت، جانتے ہو، میری سوچیں کیا ہوں گی؟"

میں استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میرا دل چاہے گا کہ ایک پستول خریدوں اور ان سب کو چن چن کر قتل کر دوں، ایک ایک کو فنا کر دوں------ زمین کو ان کے بوجھ سے نجات دلا دوں۔" اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔ "میں ان لوگوں کے لیے مر چکی ہوں۔ کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھے اپنے زندگی سے۔ کیا کروں گی، ان کے درمیان جا کر؟ میں تو صرف ایک نوٹ چھاپنے والی------ مشین ہوں، ان کے لیے۔"

"میں تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں، صابرہ!"

"مجھے دفن کر دو------ دل پر چھوٹ کھائی ہے تو ان کے بارے میں سوچو جو میرے بعد فنا کے گھاٹ اترنے والی ہیں۔ ہمت والے ہو------ تو سری رام کو ختم کر دو۔ جاؤ، اگر ایسا کر سکے تو میں مانوں گی کہ تم سچے مرد ہو۔" وہ اٹھی اور روتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں سکتے کے عالم میں بیٹھا دروازے کو گھورتا رہا۔

تین راتیں، تین لڑکیاں، تینوں کی کہانیاں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یکساں تھیں۔ میرا دماغ پھوڑا بن کر رہ گیا تھا۔ چوتھی رات، میری ہمت نہ ہوئی۔ میں نے طارق کو منع کر دیا کہ اب میرے پاس کسی لڑکی کو نہ لایا جائے۔ جو کہانیاں میں سن چکا ہوں، ان کے بعد اب مجھ میں مزید کوئی کہانی سننے کی ہمت نہیں ہے۔ طارق خاموشی سے گردن ہلا کر رہ گیا۔

ہمیں بے چینی سے سری رام کا انتظار تھا------ اور وہ مقررہ تاریخ پر پہنچ گیا۔ طارق سے اس کے دیرینہ مراسم تھے۔ اس لیے جس رات وہ پہنچا، اس کی دوسری صبح وہ ہم سے ملنے آ گیا۔ شکل و صورت سے وہ ایک انتہائی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گورا چٹا رنگ، بلند و بالا قد و قامت، گہری سیاہ بھویں اور گھنی مونچھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ یہ شخص اس قدر گھناؤنی فطرت کا مالک ہو گا۔

"کہو، طارق جی! اچانک کیسے آ گئے۔ مجھے پتہ چلا ہے، کئی دنوں سے آئے ہوئے ہو، پہلے ہی اطلاع بھجوا دی ہوتی تو میں کہیں نہ جاتا------ یہ کون ہیں؟"

"یہ منصور ہیں، میرے دوست!"

"بڑی خوشی ہوئی جی، آپ سے مل کر۔ طارق جی سے تو ہمارے تعلقات ہیں۔ اکثر دونوں ایک دوسرے کے کام آتے رہے ہیں------ کیا بھائی بھی دھندہ کرتے ہیں۔ اس

نے میری طرف اشارہ کر کے طارق سے پوچھا------ اور طارق جزبز ہو کر رہ گیا۔

"نہیں------ دوبئی کی سیر کرنے آئے ہیں۔"

"لو جی------ دوبئی بھی کوئی سیر کرنے کی جگہ ہے۔ تپتے ہوئے دن اور جھلتی ہوئی راتیں------ جو لوگ اپنے گھربار چھوڑ کر، کام دھندے کے لیے آتے ہیں، ان کے لیے تو خیر ٹھیک ٹھاک ہے اور ہم بھی انہی کی خدمت کر رہے ہیں۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا------ وہ پھر طارق سے مخاطب ہوا۔

"کوئی خاص کام تو نہیں، طارق جی، مجھ سے------ جب تک تمہارا دل چاہے، عیش کرو۔ تمہارا یار موجود ہے۔ کوئی خاص کام ہو تو بتاؤ کیونکہ تین دن بعد مجھے پھر جانا ہے۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"بس، مال لینے۔ سارا مال پرانا ہو گیا ہے۔ کافی روز سے نیا مال نہیں آیا۔ اپنے آدمی ناکام ہو رہے ہیں۔ سارے بڈھے ہو گئے ہیں۔ اب جوان چھوکروں کو ڈھونڈنا پڑے گا------ ویسے طارق جی! یہ اپنے منصور کیسے آدمی ہیں؟ کیا یہ اپنے کام نہیں آ سکتے۔" سری رام نے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، ایسی باتیں ان سے مت کرو۔" طارق نے کہا------ اور سری رام ہنسنے لگا۔

"ٹھیک ہے جی------ ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ شریف آدمی ہوں گے، بے چارے۔" سری رام نے کہا------ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "بھائی جی! شرافت میں تو کوئی حرج نہیں شرافت برقرار رکھنے کے لیے سب سے زیادہ دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دولت نہیں------ تو شرافت نہیں۔" سری رام بے حیائی سے ہنسنے لگا۔

"تمہارے پاس، ہم ایک اہم کام سے آئے تھے، سری رام!" طارق نے کہا۔

"ہاں جی، کہو------ کہو۔"

"ہمارے پس دو تصویریں ہیں۔ ہمارے اپنے بندوں کی ہیں۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"دکھاؤ جی، دکھاؤ------ کیسی تصویریں ہیں۔" سری رام نے کہا اور طارق نے وہ تصویریں نکال کر، اس کے سامنے رکھ دیں۔

"اگر اپنے ہی بندے ہیں تو ان کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کہوں گا۔ ویسے نہیں جانتا------ کبھی دیکھا نہیں ہے، انھیں۔"

"تمہیں یقین ہے، سری رام؟"

"ہاں جی! بالکل یقین ہے۔ اپنی آنکھ تو ایسی ہے کہ جسے ایک بار دیکھ لیا، اسے زندگی

بھر نہیں بھولتے۔"

"رشیدہ نامی کسی عورت کو جانتے ہو؟" طارق نے پوچھا------- تو سری رام گال کھجانے لگا------- پھر دفعتاً" اس نے چونک کر کہا۔

"وہ تو نہیں جو کسی کو قتل کر کے بھاگ آئی تھی؟"

"ہاں' ہاں' وہی۔" طارق نے بے تابی سے کہا۔

"اس کا نام رشیدہ نہیں' فیروز بائی ہے۔ قتل کر کے بھاگی تھی' نا------- شاید پکڑے جانے کے خوف سے سسری نے نام ہی بدل لیا۔ بہرحال' وہ یہیں ایک علاقے میں رہتی ہے۔ ممکن ہے' اس سے ان دونوں کا کوئی پتہ چل جائے۔"

"ٹھیک ہے' سری رام! تم ہمیں اس سے ملوا دو۔"

"ہاں جی' ضرور------- میں اپنا ایک آدمی' آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ وہ' آپ لوگوں کو وہاں چھوڑ دے گا------- یا اگر کہیں تو یہیں بلوالوں' سسری کو۔ اپنا تو سکہ چلتا ہے' اس علاقے میں۔"

"نہیں' نہیں' سری رام! تم بس ہمیں اس کا پتہ بتا دو------- ہم لوگ خود ہی مل لیں گے' اس سے------- ویسے کیا وہ دھندہ اپنے گھر ہی پر کرتی ہے؟"

"ہاں جی' بڑے تعلقات ہیں' سسری کے۔ بڑی دولت کما رہی ہے۔" سری رام نے کہا۔

"اس کا پتہ لکھوا دو' سری رام!" طارق نے کہا اور سری رام نے اس کا پتہ لکھوا دیا۔

"تم کب جا رہے ہو؟"

"دیکھو جی------- ابھی جلدی تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ممکن ہے' دو چار دن لگ جائیں یا ممکن ہے' ہفتہ' دس دن------- یہاں بھی اتنا کام ہوتا ہے کہ بس مصروف ہی رہتا ہوں۔ تم جس طرح چاہو عیش کرو' جس چیز کی ضرورت ہو' بے تکلفی سے بتا دینا۔ میں اگر نہ مل سکوں تو محسوس نہ کرنا۔"

"نہیں' سری رام! کوئی بات نہیں ہے' تمہارا شکریہ!" طارق نے کہا۔

پھر تھوڑی دیر تک سری رام' طارق سے سیٹھ جبار کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا------- دوپہر کا کھانا' اس نے ہمارے ساتھ ہی کھایا پھر اس کے بعد معذرت کرتا ہوا چلا گیا۔

میرے دل و دماغ میں طوفان اٹھ رہا تھا۔ رشیدہ بائی کا پتہ چل گیا تھا------- اور اب

میں اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ طارق نے مشورہ دیا کہ شام کا انتظار کیا جائے اور ہم' گاہکوں ہی کی حیثیت سے اس کے پاس چلیں تا کہ اسے کوئی شبہ نہ ہونے پائے۔ مجبوراً" مجھے چند گھنٹے اور صبر کرنا پڑا۔

شام کو ہم دونوں تیار ہو کر چل پڑے۔ طارق ابھی تک بہت صحیح جا رہا تھا۔ وہ ہر معاملے میں میری معاونت کر رہا تھا۔ رشیدہ بائی کا پتہ پوچھتے ہوئے ہم اس کے ٹھکانے پر جا پہنچے۔

رشیدہ ادھیڑ عمر کی ایک خوش شکل عورت تھی۔ چہرے ہی سے خرانٹ معلوم ہوتی تھی۔ اس نے بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا------- پھر کہنے لگی۔

"پہلی بار آئے ہو۔ تمہیں میرے اڈے کا پتہ کیسے چلا؟"

"بس' فیروزہ جی! تلاش کرنے سے کیا نہیں مل جاتا۔" طارق نے کہا اور وہ ہنسنے لگی۔

"آج کل میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ دو تین لڑکیاں ہیں' وہ مصروف رہتی ہیں۔ تمہیں آج یہاں مایوسی ہو گی۔ ہاں' اگر بہت زیادہ ضروری سمجھتے ہیں تو میں کہیں اور سے منگوا دوں۔"

"اس وقت' اس عمارت میں آپ کے پاس کوئی لڑکی نہیں------- ہے فیروزہ جی؟" طارق نے پوچھا۔

"نہیں' شام پانچ بجے تینوں ہی چلی گئی ہیں۔ ویسے بندو ہے' یہاں پر' کہو تو کسی کو بلوا دوں۔"

"بندو کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارا نوکر ہے جی۔ یہی کام کرتا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے تلاش کر کے لے ہی آئے گا------- ویسے یہاں آپ کو ہر طرح کی سہولت ملے گی۔ محفوظ جگہ ہے' کوئی خطرہ نہیں ہے------- ہوٹل تو آج کل خطرناک ہو گئے ہیں۔ حکومت سختیاں کر رہی ہے اور ہوٹلوں خاص طور پر چھاپے پڑ رہے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے' فیروزہ جی! ہم یہیں رک جاتے ہیں۔ آپ' بندو کو بھیج دیں۔" طارق نے کہا اور فیروزہ نے بندو کو بلا لیا۔

لمبا تڑنگا بندو چہرے ہی سے ریا کار نظر آتا تھا۔ فیروزہ نے اس سے کہا کہ ان دونوں کے لیے دو لڑکیاں تلاش کر لائے اور بندو نے طارق کے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔

طارق نے دو نوٹ نکال کر بندو کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور بندو سلام کر کے نکل گیا۔

"اور فیروزہ جی! کیسا کاروبار چل رہا ہے' آپ کا؟"

"اب کہاں جی ---- کاروبار تو پہلے تھا۔ اب تو یہاں بڑے بڑے کاروباری پیدا ہو گئے ہیں ---- اور پھر ایک دوسرا خطرہ بھی یہاں منڈلانے لگا ہے۔"

"وہ کیا ---- ؟" طارق نے پوچھا۔

"حکومت کو احساس ہو گیا ہے کہ یہ ساری کارروائیاں باہر والوں ہی کو نہیں بلکہ اندر والوں کو بھی نقصان پہنچا رہی ہیں۔ یہاں کی حکومت اپنے عوام کو ان جھگڑوں میں نہیں پڑنے دینا چاہتی۔ اس لیے علاقے ختم کیا جا رہے ہیں۔ فنتوئی کا علاقہ ویران ہو گیا ہے ---- بس اب چند گھروں میں اڈے چل رہے ہیں اور ہم لوگ بڑی مشکل سے گزارا کر رہے ہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ یہاں رشوت نہیں چلتی ---- اگر رشوت عام ہو جائے تو پھر کوئی خطرہ نہ رہے لیکن یہاں کی پولیس اور حکومت کا کوئی بھی کارکن رشوت لینے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ رشوت دینے والا عموماً مشکل میں پھنس جاتا ہے۔"

"ہوں ---- پھر تو آپ واقعی مشکلات سے گزر رہی ہوں گی ---- اخراجات بھی کافی ہوں گے، آپ کے ---- کتنے ملازم ہیں، یہاں؟"

"بس جی، کوئی خاص نہیں۔ بندو ہے جو دن رات یہیں رہتا ہے۔ ایک عورت گھر کا کھانا پکا دیتی ہے، ایک لڑکا ہے جو گھر کا سودا سلف لاتا ہے لیکن شام پانچ بجے سارے ملازم چھٹی کر لیتے ہیں۔ صرف بندو رہ جاتا ہے، اپنے پاس۔"

"باتھ روم کس طرف ہے فیروز بائی؟" طارق نے پوچھا ---- اور فیروز بائی نے اسے باتھ روم کا راستہ بتا دیا۔ میں، طارق کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر باہر کے دروازے بند کرنے گیا تھا۔ دو منٹ بعد وہ واپس آ گیا۔

رشیدہ بائی مسکراتی نظروں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ طارق نے مجھے اشارہ کیا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں تو، فیروزہ بائی! اب ہم، آپ کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔" طارق نے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

فیروزہ بائی کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

"دد ---- دروازہ کیوں بند کر دیا، تم نے؟" وہ بوکھلا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی ---- اور طارق نے جیب سے ایک لمبا سا چاقو نکال لیا۔

"تم سے کچھ سوالات کرنے ہیں، فیروزہ بائی!" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے، میرے مولا ---- یہ ---- یہ کیا بدتمیزی ہے؟ مم ---- میں پولیس فون کر دوں گی۔"

"رشیدہ بائی! تم پولیس کو فون نہیں کر سکتیں۔ اس سے پہلے ہی ہم تمہیں عدم آباد پہنچا دیں گے۔" طارق آگے بڑھتا ہوا بولا۔

میں بھی طارق کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا ---- پھر میں نے رشیدہ بائی کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔ طارق نے چاقو کی نوک ---- رشیدہ بائی کی گردن پر رکھ دی اور وہ حلق پھاڑ کر چیخ اٹھی۔

"اگر اب تمہارے حلق سے آواز نکلی تو گردن الگ کر دوں گا، سمجھیں؟" طارق غرا کر بولا۔

"ارے، میرے مولا! میں مر گئی ---- ارے کیا کرنا ہے، تمہیں؟ کیا چاہتے ہو؟ لوٹنا ہے، مجھے؟ ارے بھائی! میرے پاس کیا رکھا ہے؟ مجھ غریب دکھیاری کو کیوں تنگ کرتے ہو؟" رشیدہ بائی بین کرنے والے انداز میں بولی۔

"تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اور تم بھول رہی ہو کہ میں نے تمہیں رشیدہ بائی کہہ کر پکارا ہے۔"

"رر ---- رشیدہ ---- میرا نام تو فیروزہ ہے۔"

"یہاں ہے ---- لیکن جب تم کہیں اور تھیں تو تمہارا نام رشیدہ بائی تھا، کیا یہ غلط ہے؟ جھوٹ بولنا، موت کی نشانی ہے، سمجھیں تم؟"

"نن ---- نہیں، ٹھیک ہے ---- کیا تم پولیس سے تعلق رکھتے ہو؟" وہ گھگھیانے لگی۔

"ہم جو کچھ بھی ہیں، بس تم ہمارے سوالوں کے صحیح صحیح ---- جواب دو۔ اسی طرح تمہاری زندگی بچ سکتی ہے۔" طارق نے غراتے ہوئے کہا۔

"چھچھ ---- چھری تو ہٹا لو، گردن سے۔ میں مری جا رہی ہوں۔ ذرا ہاتھ بہک گیا تو میری گردن کٹ جائے گی۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے، پوچھ لو ---- لیکن چھری ہٹا لو ---- میں کسی بات سے انکار نہیں کروں گی، میں قسم کھاتی ہوں۔"

"گڈ ---- تمہارا نام رشیدہ بائی ہے نا؟" طارق نے کہا۔

"ہاں، میں رشیدہ بائی ہوں۔"

"اور تم کسی آدمی کو قتل کر کے بھاگی تھیں؟"

"میں نے قتل نہیں کیا تھا ---- اللہ کی قسم! میں نے قتل نہیں کیا تھا۔ تم یقین کرو، وہ تو اس موئی ماری نے، خدا اس کا ستیاناس کرے، اس نے میرا بیڑا غرق کیا تھا۔"

"کام کی بات کرو، رشیدہ بائی! فضول باتوں سے گریز کرو تفصیل بتاؤ، اپنے وہاں سے

آنے کی؟" طارق نے غرا کر کہا۔

"ارے، وہی اللہ مارا، رجب علی سسرمنڈھ گیا تھا، ماں، بیٹی کو میرے۔ اچھی خاصی رقم دی تھی، میں نے۔ سوچا تھا، کچھ کما لوں گی ------ لیکن خدا غارت کرے، ان دونوں کو، میرا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا۔ میرا جما جمایا کاروبار تھا۔ عیش کی زندگی گزار رہی تھی۔ بڑی مشکل سے لڑکی کا سودا کیا تھا۔ بالی عمر تھی۔ میں نے سوچا کہ بڑی رقم مل جائے گی۔ بس ایک بڑے آدمی سے رقم وصول کر کے، اسے دعوت دے دی۔"

"پھر ----- ؟" میں نے تڑپ کر پوچھا۔

"بیٹی تو معصوم تھی، کچھ نہ بولی لیکن ماں کلموہی نے اس بڑے آدمی کو قتل کر دیا ----- میری تو جان جوکھوں میں پڑ گئی۔ بچنا مشکل ہو گیا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی کس طرح جان بچاتی؟ بس ایک ہی راستہ تھا۔ گھربار چھوڑ کر بھاگ آئی۔ ان دونوں کو بھی ساتھ لے آئی کہ کہیں میرا ستیاناس نہ کرا دیں۔ پولیس کے ہاتھ لگ جاتیں تو یہی بیان دیتیں کہ رشیدہ بائی نے قتل کیا ہے ------ اور پھر میرا بچنا مشکل ہو جاتا۔ بہت بہلا پھسلا کر انھیں یہاں تک لے آئی مگر وہ، میرے لیے عذاب ہی بنی رہیں۔" رشیدہ بائی خاموش ہو گئی۔

"رکو، مت۔ بتاتی رہو۔" طارق نے اسے ڈانٹا۔

"پتہ نہیں، کیسے اسے رنگ پر لائی۔ بڑھیا تو بیمار ہو کر پلنگ سے لگ گئی اور بیٹی کو آہستہ آہستہ میں ڈھب پر لے آئی اور پھر میں نے دھندہ شروع کر دیا۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے میں خنجر اتار دیا۔

"ساڑھے پانچ سال تک وہ دونوں میرے پاس رہیں۔ لڑکی بہت اچھی تھی، سیدھی سادی، اللہ میاں کی گائے۔ کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ماں بیمار تھی، اس لیے وہ، میرے قابو میں رہی ورنہ وہ دونوں یہاں بھی میری ریڑھ لگا دیتیں ------ پر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کون ہو، ان کے؟ میں تو بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں زندگی گزار رہی تھی ------ اللہ ماری مصیبت جب گلے پڑتی ہے تو اسی طرح پڑتی ہے۔ اس کے بعد پنپ ہی نہ سکی۔ یہاں بھی عذاب ہی عذاب ہے۔ اور اب تم آ گئے ------ آخر چاہتے کیا ہو، مجھ سے؟ میری جان بخش دو۔ میں تو ویسے ہی اپنی زندگی کو بڑی مشکل سے گھسیٹ رہی ہوں۔" وہ رو دینے والے لہجے میں بولی۔

"بکواس مت کرو، بیان جاری رکھو۔" طارق نے کہا۔

"لو، اب کیا بیان جاری رکھوں؟ بتا تو دیا تمہیں، ان کے بارے میں۔" رشیدہ بائی نے

کہا۔

میری رگوں میں خون جم گیا تھا۔ سارے بدن میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں تاریکی سی پھیل گئی تھی۔

رشیدہ بائی کے الفاظ، پگھلے ہوئے سیسے کی طرح، میرے کانوں میں اتر رہے تھے۔ وہ امی اور فریدہ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ سانحہ گزر گیا، ان کے ساتھ ------ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ میری بہن کو ایک طوائف کی زندگی گزارنی پڑی تھی ------ اسے طوائف بنا دیا گیا تھا۔

"اب کہاں ہیں، وہ دونوں؟" طارق نے پوچھا۔

"وہی تو بتا رہی تھی، تمہیں ------ ایک سرپھرا آ گیا تھا۔ پتہ نہیں کون تھا، اللہ مارا۔ کہیں راستے میں اس نے لڑکی کو دیکھ لیا ہو گا ------ پاگلوں کی طرح آیا اور میرے سر پڑ گیا ------ اس نے بھی میری کھوپڑی پر پستول رکھ دیا۔ پوچھنے لگا، کہاں سے لائی ہو، اس لڑکی کو؟ ایسے میں میں چپ کیسے رہتی، بتانا پڑا۔ ساری باتیں سن کر کہنے لگا وہ اس لڑکی اور اس کی ماں کو لے جانا چاہتا ہے۔"

"کہاں ------ ؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"معلوم نہیں ------ میں نے شور تو بہت مچایا مگر بے سود۔ یہاں کا قانون اندھا ہے۔ میری تو کوئی نہ سنتا، اس کی بات سب مان لیتے۔ پھر بھی میں نے داؤ چلا۔ پورے بیس ہزار لے لیے، اس سے اور دونوں ماں بیٹی کو اس کے حوالے کر دیا۔ میں نے سوچا، بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سہی۔ اگر وہ، پولیس کو بتا دیتی۔ میں نے بھی جان بچائی، وہی یہاں سے لے گیا، ان دونوں کو ------ پھر کہاں گیا، اللہ مارا ------ ؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔"

طارق نے ایک بار پھر چاقو، اس کی طرف بڑھایا ------ اور رشیدہ بائی کانپ گئی۔

"ارے، اب کیوں مار رہے ہو؟ سب کچھ تو سچ سچ بتا دیا۔"

"بکواس کرتی ہے تو ------ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بتا کہاں لے گیا وہ، ان دونوں کو؟"

"مولا کی قسم! مجھے نہیں معلوم ------ بس، وہ لے گیا، انھیں یہاں سے۔ میری جان چھوٹی۔ اس کے بعد بہت دنوں تک میں یہاں ماری ماری پھرتی رہی۔ فاقوں کی نوبت آ گئی۔ وہ تو بڑی مشکل سے ایک لڑکی ہاتھ لگ گئی۔ گھر سے بھاگی ہوئی تھی، اپنے کسی آشنا کے ساتھ ------ وہ اسے یہاں لے آیا اور کسی کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہاں سے بھاگی تو میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ کافی دنوں تک چھپائے بھی رکھا ------ پھر

دھندہ شروع کرا دیا۔ بڑی بھاگوان ثابت ہوئی وہ میرے لیے---- آج کل تین بچیاں ہیں، میرے پاس۔"

"اس کے بارے میں بتاؤ، رشیدہ بائی! کون تھا وہ؟ مقامی تھا یا غیر مقامی؟ کیسی شکل و صورت کا مالک تھا؟ کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ، لڑکی اور اس کی ماں کو کیوں لے جانا چاہتا ہے؟" میں نے زخمی لہجے میں پوچھا۔

"نہیں---- بڑا ہی سر پھرا تھا، وہ بھی۔ بس دھمکیاں ہی دیتا رہا اور اس وقت تک نہ ٹلا جب تک انھیں ساتھ نہ لے گیا۔ اگر وہ پیسے بھی نہ دیتا تو میں، اس کا کیا کر لیتی ---- پھر میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔"

میرا دل بری طرح ڈوب رہا تھا اور آنسو نکل پڑنے کے لیے بے چین تھے۔ جو کچھ میں نے سنا تھا، وہ میری زندگی کا بدترین واقعہ تھا۔ میری ماں اور بہن کا جو حشر ہوا تھا، اس کی مثال ملنی مشکل تھی۔ بے چاریاں زندگی کی صعوبتیں جھیل رہی تھیں اور میں پرنس بنا حکمرانی کر رہا تھا---- کتنے غم کی بات تھی۔

طارق نے میری طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں شرم سے جھکی جا رہی تھیں---- اس نے مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا اور میں لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

رشیدہ بائی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

"میرا خیال ہے، منصور! وہ سچ بول رہی ہے۔" باہر آ کر طارق نے کہا۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

طارق نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اب یہاں رکنا بے مقصد تھا۔ ہم دونوں کار کی طرف بڑھنے لگے۔

کار کے قریب پہنچ کر دفعتاً طارق نے کہا۔ "منصور! ایک منٹ رکو، میں ابھی آیا۔" وہ واپس اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آ کر کار میں بیٹھ گیا تو میں نے کار اسٹارٹ کر دی اور ہم اپنی قیام گاہ کی طرف چل پڑے۔ طارق بالکل خاموش تھا۔

دفعتاً میری نگاہ، طارق کی آستین پر پڑی اور میں چونک گیا۔ اس کی آستین خون سے تر ہو رہی تھی اور تھوڑا سا خون، کوٹ کی آستین پر بھی لگ گیا تھا۔ میں بے اختیار بول اٹھا۔

"طارق! تمھاری آستین پر یہ----"

طارق نے چونک کر اپنی آستین دیکھی پھر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ

پھیل گئی۔

"ہاں خون ہے، منصور! میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ دھولوں گا، اسے۔"

"کس کا خون ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"رشیدہ بائی کا---- میں نے اس کی گردن کاٹ کر الگ کر دی ہے۔" طارق نے سرد لہجے میں جواب دیا---- اور میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ واپس اسی لیے گیا تھا کہ رشیدہ بائی کو قتل کر دے۔

"مجھے کچھ دنوں سے احساس ہو رہا تھا کہ طارق اپنے کیے پر واقعی نادم ہے۔ اس کے چہرے سے زندگی بالکل غائب ہو گئی تھی---- اور وہ سنجیدہ رہتا تھا۔

بہر طور، میں کچھ نہ بولا---- تھوڑی دیر بعد ہم اپنی قیامگاہ پر پہنچ گئے۔ طارق باتھ روم میں چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ میری ذہنی کیفیت خدا ہی جانتا تھا۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا---- لیکن کیا فائدہ تھا، اس رونے پیٹنے سے۔ امی اور فریدہ پر جو کچھ گزر چکی تھی یا جو کچھ گزر رہی ہو گی، وہ ان کا دل ہی جانتا تھا، میں تو اس کا صحیح طور پر اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔

پھر بھی میرے دل میں آگ بھڑک رہی تھی، میں اندر سے جل رہا تھا۔ میرا ذہن چیخ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب سانسوں کا سلسلہ منقطع ہونے والا ہے۔

یہاں آ کر بھی مایوسی ہوئی تھی---- نہ جانے وہ کون تھا، جو ان دونوں کو لے گیا تھا۔ کہاں لے گیا؟ کچھ معلوم نہ تھا اور اب یہاں رک کر، ان کی تلاش میں وقت ضائع کرنے والی بات تھی۔ چنانچہ شام کو طارق سے کہا۔

"طارق! اب واپس چلنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے، منصور! میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ صرف تمہارے فیصلے کا منتظر تھا۔ یہاں رکنے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔"

"تو پھر جس قدر جلد ممکن ہو سکے، واپسی کا بندوبست کرو۔"

"ٹھیک ہے، میں، سری رام سے بات کیے لیتا ہوں۔ میرا خیال ہے، کل دن میں ہمیں کوئی فلائیٹ مل جائے گی۔"

دوسرے روز، طارق نے بتایا کہ اس نے سری رام سے بات کر لی ہے۔ آج کوئی فلائیٹ نہیں ہے۔ البتہ کل رات، ہم یہاں سے روانہ ہو سکیں گے۔"

باقی وقت میں نے اپنے کمرے میں ہی گزارا تھا۔ طبیعت پر ایسا بوجھ آ پڑا تھا کہ کسی سے بات تک کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ بستر ہی پر پڑا رہا۔

دوسرے روز صبح، میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں لباس تبدیل کر کے اپنے کمرے سے نکل آیا۔

دوبئی کی سڑکوں پر کوئی خاص رونق نہ تھی۔ بازار تمام کھلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک میڈیکل اسٹور میں داخل ہو کر کچھ چیزیں خریدیں اور واپس اپنی قیام گاہ پہنچ گیا۔

ہمیں، آج رات ساڑھے گیارہ بجے والی فلائیٹ سے وطن واپس روانہ ہونا تھا اور اس کے لیے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔

شام ساڑھے سات بجے، سری رام، ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اور کافی دیر تک طارق سے بات چیت کرتا رہا۔ وہ طارق کو اپنے کسی خاص کاروبار میں شریک کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے سیٹھ جبار سے کچھ مراعات مانگی تھیں اور طارق سے کہا تھا کہ وہ، اس کی سفارش کر دے۔ طارق نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

بہر صورت، رات کا کھانا، سری رام نے ہمارے ساتھ ہی کھایا اور اس دوران میں، میں نے اپنا کام کر دیا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ سری رام کے ساتھ کھانے کا موقع مل گیا تھا ورنہ میں نے سوچا تھا کہ اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے، اسے ائرپورٹ چلنے کی دعوت دوں گا۔

بہر طور، تھوڑی دیر بعد وہ یہ کہہ کر اٹھا گیا کہ وہ طبیعت میں کچھ خرابی محسوس کر رہا ہے، اس لیے زیادہ دیر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکے گا—— البتہ وقت پر ائرپورٹ پہنچ جائے گا—— اس کے بعد وہ ہم سے اجازت لے کر چلا گیا۔

ساڑھے دس بجے، ہم دونوں ائرپورٹ کی جانب چل پڑے۔ تھوڑا سا وقت وہاں کی ضروریات میں صرف ہوا۔ طارق، سری رام کا انتظار کر رہا تھا۔ گیارہ بج گئے لیکن سری رام ائرپورٹ نہ پہنچا۔

امیگریشن کے قوانین کے تحت، اب ہمیں مخصوص علاقے سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد جہاز کی روانگی کا اعلان ہونے لگا اور ہم رن وے کی طرف چل پڑے۔

جہاز میں، اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد، طارق نے کسی قدر تجسس سے کہا۔ "سری رام وعدے کے مطابق پہنچا نہیں۔ اسے تو مجھ سے بہت ضروری کام تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کے لیے کچھ کاغذات میرے سپرد کرے گا۔"

"اوہ—— وہ کاغذات تمہارے لیے اہم تو نہ تھے؟" میں نے پوچھا تو طارق چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"نہیں—— اس کا اپنا ہی مسئلہ تھا—— لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ سری رام، اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

طارق بری طرح اچھل پڑا' اس نے متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"کک کیا مطلب' میں سمجھ نہیں سکا۔" اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"کیا سری رام کی زندگی مناسب تھی' کیا وہ بھیڑیا کچھ اور لڑکیوں کو زندگی سے محروم نہ کر دیتا' میں نے اسے ختم کر دیا۔ طارق' میں نے اسے کھانے میں زہر دے دیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور طارق نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ اس کے بدن میں ہلکی سی لرزش تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا پھر وہ فضا میں بلند ہو گیا۔
راستے بھر طارق گم سم رہا تھا' ہمارے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ہم اپنے وطن پہنچ گئے۔ ایئر پورٹ کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی روکی' اور اس میں بیٹھ کر اپنی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ طارق میرے ساتھ تھا۔ وہ بھی ضرورت سے زیادہ ہی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔
کوٹھی پہنچنے کے بعد میں اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ طارق سے میں نے کوئی بات نہیں کی تھی' ظاہر ہے کہتا بھی کیا اس سے۔ میں شدید مایوسی کا شکار ہوا تھا' امی اور فریدہ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اس نے میری حالت تباہ کر دی تھی۔ میری بہن اور ماں درندوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔
فینی میرے کمرے میں آئی تو میں نے اس سے معذرت کر لی۔ "فینی اس وقت کوئی بات نہیں سن سکوں گا' نا کسی کو میرے آنے کی اطلاع دو اور نہ ہی مجھے کسی کا پیغام تک پہنچاؤ جب تک میں تم سے خود نہ کہوں' مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"
"ٹھیک ہے میں خیال رکھوں گی۔" فینی نے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
میں نے روشنی گل کر دی تھی اور تاریکی کا سہارا لے لیا تھا' شاید اب یہی تاریکی میرا مقدر بن گئی تھی۔ میں اس تاریکی سے لپٹ گیا۔ میرے وجود سے چیخیں اٹھ رہی تھیں لیکن یہ کرب یہ اذیت بے آواز تھی۔ میں کسی لاش کی طرح چت لیٹ گیا تھا' اور آنکھوں سے اپنا ماضی دیکھ رہا تھا۔ وہ کون تھا جو میری ماں اور بہن کو لے گیا تھا' معصوم اور نازک فریدہ کو کیا زندگی گزارنا پڑی تھی' کس کیفیت میں رہ رہی ہو گی

احساسات ہوں گے اس کے' بہت سے خیالات' بہت سے سوالات تھے' جو ساری رات میرے ذہن کو کریدتے رہے اور میرا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا' ساری رات میرے آنسو نہیں رکے تھے' جوں جوں ان کے بارے میں سوچتا' میری کیفیت خراب ہوتی جاتی۔ صبح کو مجھے تیز بخار تھا۔
تقریباً" نو بجے فینی نے دروازے پر دستک دی' میں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر آ گئی۔ پھر اس نے بے تکلفی سے ہاتھ بڑھا کر میرا ماتھا چھو لیا اور بے چینی سے بولی۔ "پرنس آپ کو بخار ہے۔"
"مرنے دو مجھے فینی' کوئی بات نہیں' تم لوگ فکر مت کرو۔"
"نہیں پرنس اتنے بڑے امتحان میں نہ ڈالئے مجھے۔ میں یہ امتحان نہیں دے سکوں گی' آپ کی نمک خوار ہوں' آپ کسی بھی تکلیف' کسی بھی کرب کا شکار ہوں' میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔"
"فینی پلیز میں کچھ نہیں چاہتا' کچھ بھی نہیں چاہتا۔" میں نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔
"سر میں آپ سے کوئی سوال کر کے آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔ دل چاہے تو مجھے اپنا ہمراز بنا لیجئے۔ سر میں۔ میں۔" فینی کی آواز لرز گئی۔
"فینی۔ خدا کے لئے فینی' میں اس وقت کچھ بھی نہیں چاہتا' بس تنہائی چاہتا ہوں' مجھے تنہا چھوڑ دو' مجھے تنہا چھوڑ دو۔" میں نے بے چینی سے کہا اور وہ آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔ "کاش میں اس قابل ہوتی کہ آپ کا درد بانٹ سکتی' چائے تو پی لیجئے سر' صرف ایک پیالی چائے۔" اس نے اتنی لجاحت سے کہا کہ میری زبان بند ہو گئی' تھوڑی دیر کے بعد وہ خود میرے لئے چائے بنا لائی تھی۔ اس کے ساتھ بسکٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔ زبردستی اس نے مجھے دو تین بسکٹ کھلائے اور بڑی ہمدردی سے چائے پلاتی رہی' میں چائے پینے کے بعد خود کو کسی حد تک بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔
دفعتاً" مجھے باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی پھر کوٹھی کی منتظم مس نادرہ میرے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ بے حد بوکھلائی ہوئی تھی۔
"مس فینی۔ وہ طارق صاحب نے' طارق صاحب نے۔" اس نے ہکلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں بری طرح چونک پڑا۔
کیا ہوا۔ "کیا بات ہے مس نادرہ؟"
"سر طارق صاحب نے خود کشی کر لی ہے' انہوں نے چھت میں رسی کا پھندا ڈال کر

خود کو پھانسی دے دی ہے۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور میں ساکت رہ گیا۔

نادرہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ فینی کی نگاہ کبھی مجھ پر پڑتی اور کبھی نادرہ پر پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ نادرہ ایک لمحے پریشان کھڑی رہی پھر وہ بھی میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

میں دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ طارق کی کیفیت ذہن میں آ رہی تھی۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔ بے پناہ نفرت۔ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اس کی موت پر افسوس کیا جائے۔ نہ جانے کتنی زندگیاں برباد کی تھیں اس نے۔ اس کے لئے یہ سزا مناسب ہے۔ میں نے سوچا اور پھر خود کو سنبھال کر باہر نکل آیا۔ کوٹھی کے بیشتر فرد اسی کمرے میں تھے۔ ادنیٰ قسم کے ملازم باہر کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر سب منتشر ہو گئے' اور میں اندر داخل ہو گیا۔ طارق کی لاش اب بھی چھت کے کنڈے سے جھول رہی تھی۔ اس کی زبان باہر نکل آئی تھی اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے ایک نگاہ دیکھا۔ اس وقت فینی نے ایک پرچہ میری طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے یہ؟"

"یہاں زمین پر پڑا ہوا تھا جناب۔" وہ آہستہ سے بولی اور میں پرچہ کھول کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔ "ڈیئر منصور۔ میں نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ میں تم سے درخواست کرتا کہ مجھے قتل کر دو لیکن تم میری درخواست کو مکاری سمجھتے اور شاید مجھے قتل نہ کرتے' ممکن ہے تمہیں مجھ پر رحم آ جاتا۔ میں رحم نہیں موت چاہتا تھا نہ جانے کب آخری وقت میں یہ کمبخت ضمیر جاگ اٹھا۔ ایک پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ ویسے ضمیر بڑی ظالم چیز ہے منصور' اس سے بڑا محاسب کوئی نہیں ہے اور کوئی چالاکی اس کی منتخب کی ہوئی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ میں نے اس کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے اور مر رہا ہوں۔ تم سے معافی نہیں چاہتا' تمہارا کرب' میرے ہاتھوں تباہی کا احساس' اس کی جرات نہیں کرنے دے رہا۔ سنا ہے ہمارے مذہب میں خودکشی حرام ہے اور یہ بھی ہے کہ زندگی میں جسے دکھ دیئے ہوں اگر وہ معاف نہ کرے تو خدا بھی معاف نہیں کرتا۔ میں اس دنیا سے اپنے لئے عاقبت کا عذاب لے کر جا رہا ہوں۔ اس دنیا میں تو عیش کی گزاری' بہرحال سزا ضروری ہے اور وہ مجھے ملے گی' کس کس سے معافی مانگتا پھروں گا۔ مجھے تو ان کے نام تک یاد نہیں ہیں۔ میں دعا کرنے کے قابل نہیں۔ ورنہ خدا سے یہ دعا مانگتا کہ تمہاری ماں اور بہن تمہیں مل جائیں۔ خدا حافظ۔ تمہارا گنہگار۔ طارق۔"

میں نے خط کے پرزے پرزے کر دیئے۔ پھر فینی سے کہا۔ "ملازموں سے اس کی لاش اتروا

اور عدنان کو فون کر کے طلب کر لو۔" اس کے بعد میں اس کمرے سے نکل آیا۔

تقریباً" دو بجے عدنان میرے پاس آیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ عدنان نے کہا۔

"فینی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے سب سے ملاقات کے لئے منع کیا ہے لیکن میں خود کو باز نہ رکھ سکا۔"

"کوئی بات نہیں ہے بیٹھو۔"

"شکریہ۔" عدنان بیٹھ گیا۔

"لاش کا کیا کیا؟"

"دفن کرا دی ہے۔ ایک گم نام آدمی کی حیثیت سے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔

"صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں پرنس۔ کیا ان دونوں کی موت کی تصدیق ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔"

"کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"چلا تھا۔ فریدہ ایک طوائف کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ ماں بیمار تھی کوئی خدا ترس یا بوالہوس اسے خرید کر کہیں اور لے گیا۔ امی کو بھی وہی لے گیا۔"

"کہاں؟" عدنان نے پوچھا۔

"یہ نہیں پتہ چل سکا۔"

"جھوٹ تو نہیں بولا گیا آپ سے؟"

"نہیں۔ رشیدہ بائی سے ملاقات ہو گئی تھی۔"

عدنان چند لمحات سوچتا رہا' پھر بولا۔ "رشیدہ بائی نے اس کی تفصیل بتائی تھی؟" ایشیائی تھا وہ شخص یا کسی اور ملک کا باشندہ۔

"نہیں ایشیائی ہی تھا' اس سے زیادہ کوئی اور تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔"

"رشیدہ بائی وہیں ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"نہیں طارق نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"اوہ رشیدہ بائی سے اس شخص کا حلیہ بھی پتہ نہ چل سکا۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ عدنان پھر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے پرنس کہ ابھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے' براہ کرم مجھے وہاں

کے واقعات سنائیے' پرنس! یہ عدنان کی درخواست ہے۔ اپنے ذہن سے ہر بوجھ جھٹک ڈالئے جو کچھ ہو چکا ہے ہم اسے واپس نہیں لا سکتے' لیکن جو کچھ ہونے والا ہے اسے روکنے کی کوشش جاری رہے گی' خواہ اس میں ہماری زندگی کیوں نہ ختم ہو جائے' میں آپ سے پہلی بار یہ پرزور درخواست کر رہا ہوں' پرنس اس سے قبل میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا۔ میں اس امید کو توڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے آج بھی یقین ہے کہ وہ ہمیں مل جائیں گی۔ ہماری تلاش جاری رہے گی۔ یہ میرا عہد ہے اور اگر آپ نے مجھے اس سے روکنے کی کوشش کی' تب بھی میں اسے قبول نہیں کروں گا' اس گستاخی کے لئے میں ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

"جذباتی باتیں مت کرو عدنان' کہاں تلاش کرو گے انہیں؟ وہ ہمیں نہیں ملیں گی۔"

"نہیں ملیں گی' کم از کم ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھے رہیں گے۔ ہم اپنا فرض جاری رکھیں پرنس! براہ کرم مجھے سارے واقعات سنائیے۔"

میں نے ایک نگاہ عدنان کو دیکھا' اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا اور میں اس کی اس خواہش کو ٹال نہ سکا۔ میں نے آہستہ لہجے میں اسے ساری کہانی سنا دی' سری رام کے بارے میں بتایا۔ صابرہ کی کہانی سنائی اور پھر رشیدہ بائی کی تلاش اور اس کی سنائی ہوئی پوری کہانی عدنان کو بتا دی۔ عدنان صبر وسکون سے یہ سب کچھ سن رہا تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا وہ تقدیر میں تھا پرنس ہم سب تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہیں' لیکن زندگی کا کوئی مقصد ضرور ہونا چاہئے' ہمارا مقصد ان کی تلاش ہے' سو انہیں تلاش کرتے ہوئے فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے' ہم ان کی تلاش ترک نہیں کر سکتے۔ آپ خود کو پرسکون رکھیں پرنس' میں دنیا بھر کے تمام اخبارات میں امی اور فریدہ کی تصاویر شائع کراؤں گا' ایک ایسے مضمون کے ساتھ کہ اگر وہ شخص ذرا بھی صاحب دل ہے تو انہیں ہمارے پاس پہنچا دے گا' میں یہ سلسلہ مسلسل جاری رکھوں گا' دیکھوں گا کب تک ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوتی' لیکن میری آپ سے درخواست ہے پرنس کے زندگی کے معمولات میں اسی طرح دلچسپی لیتے رہیں۔ اگر آپ ہمت ہار بیٹھے تو کیا رہے گا ہمارے پاس' بتایئے کیا زندگی گزارنے کا کوئی وسیلہ رہ جائے گا۔"

"لیکن عدنان۔"

"نہیں پرنس۔ آپ کو میری یہ بات ماننا ہی ہو گی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں' خدا کے لئے پرنس! عدنان کے لئے جسے زندگی میں کبھی کچھ نہیں ملا' ایک یہ سہارا ملا ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے' تو ہم اسے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک فریدہ

اور ماں کی لاشیں ہمارے سامنے نہ آجائیں' یا ان کی قبریں ہمیں نہ مل جائیں' سمجھے آپ پرنس! یہ ہو گا' یہی ہو گا۔" عدنان کی آواز میں بھراہٹ پیدا ہو گئی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے عدنان! میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ پرنس عدنان اس احسان کو کبھی نہیں بھولے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا' میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی' چند لمحات کے بعد عدنان دروازے سے باہر نکل گیا اور میں اس سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دل کے اندر جو غبار تھا وہ آنکھوں کے راستے باہر نکل آیا۔ دروازہ اندر سے بند کیا اور جتنا رو سکتا تھا رویا۔ درحقیقت خداوند قدوس نے انسان کے جسمانی نظام میں وہ تمام ضرورتیں پوری کر دی ہیں جن کے بغیر وہ مکمل نہیں ہوتا۔

آنسو گویا دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اکسیر ہوتے ہیں۔ میں نے خود کو بہت بہتر حالت میں پایا تھا' البتہ کچھ فیصلے کئے تھے میں نے اس دوران۔

طارق کی موت کا مجھے ذرہ برابر افسوس نہیں تھا۔ وہ اسی قابل تھا' درحقیقت وہ اسی قابل تھا۔ اس کا ضمیر جاگا تو مجھے کیا ملا؟ اسے ایسی ہی موت مرنا چاہئے تھا' میں اس کی موت سے بہت مطمئن تھا۔

وہ رات بھی گزر گئی اور دوسری صبح میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھا' میں نے ایک ملازمہ کو بلا کر ناشتہ طلب کیا اور چند ہی لمحات کے بعد ناشتہ لگا دیا گیا' ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے فینی کو بلایا اور وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ یہ سب بے چارے میرے ملازموں کی حیثیت سے تو ضرور رہتے تھے لیکن میں نے ان کے اندر ایک خاص ہمدردی پائی تھی۔ وہ سب مجھ سے محبت کرتے تھے۔

میں نے فینی کو دیکھا۔ فینی کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ مجھے بہتر حالات میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیسے مزاج ہیں پرنس' میرا خیال ہے اب آپ کچھ بہتر ہیں۔"

"ہاں فینی۔ تم سناؤ میری غیر موجودگی میں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں' کوئی خاص بات تو نہیں' بس مس اینجل کئی بار ٹرانسمیٹر پر آپ کو کال کر چکی ہیں' ریٹا نے بھی ٹرانسمیٹر پر آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی' میں نے

انہیں یہی جواب دیا کہ پرنس موجود نہیں ہیں' مس اینجل شاید پریشان ہیں آپ کی غیر موجودگی سے۔"

"ہوں' فینی تم خود بھی خیال رکھو اور یہاں موجود ان لوگوں کو بھی ہدایت کر دو جو یہاں فون موصول کرتے ہیں کہ اگر کبھی ریٹا یا اینجل کا فون آئے تو میرے بارے میں انہیں یہی بتایا جائے کہ میں ابھی واپس نہیں پہنچا' انہیں مسلسل یہی بتایا جاتا رہے' جب تک میں خود اس سلسلے میں ہدایات نہ دوں۔"

"بہتر ہے پرنس۔" فینی نے جواب دیا۔

فینی کو یہ ہدایات دینے کے بعد میں تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ اب چھپنے کا کوئی جواز نہیں تھا' اس لئے میں نے چہرے پر میک اپ نہیں کیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر عدنان کے دفتر چل پڑا۔ میں نے ڈرائیور کو ساتھ لیا تھا' تھوڑی دیر کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں عدنان سے ملاقات کا امکانات تھے۔

عدنان اچانک مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔

"پرنس آپ تشریف لائے' مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"نہیں' کیا ہو رہا ہے؟"

"بس پرنس' بہت سی مصروفیات ہیں۔" عدنان نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی' پھر بولا۔ "آپ کے لئے کچھ منگواؤں پرنس۔"

"ہاں کافی منگواؤ۔" میں نے جواب دیا اور عدنان نے خود باہر جا کر اپنے اردلی سے کافی منگوائی۔"

"سیٹھ عبدالجبار کے معاملے میں کام شروع ہو گیا ہے' میں نے اس سے رابطہ قائم کیا ہوا ہے' جو گوشوارے اس نے مجھے پیش کئے ہیں' ان کی تحقیقات کے لئے میں نے مختلف جگہوں پر اپنے لوگوں کو روانہ کر دیا ہے' یا پھر کچھ ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں ہمارے نمائندے پہلے سے موجود تھے' مجھے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں' مقامی طور پر سیٹھ جبار اپنی دو ٹیکسٹائل ملز اور ایک فیکٹری ہمارے حوالے کر چکا ہے' فیکٹری کو نیلام کیا گیا تھا' اسے میں نے صرف دو دن پہلے خریدا ہے' ایک مختلف نام سے' پروگرام کے مطابق سیٹھ جبار کو اس سلسلے میں باقاعدہ ادائیگیاں کی گئیں' اور اس نے ہمیں وہ رقم جوں کی توں واپس کر دی ہے۔ وہ بیمار ہے۔"

"ٹھیک ہے' میرے بارے میں تو کچھ معلوم نہیں کیا اس نے۔"

"نہیں' بس پوچھ رہا تھا پرنس کہاں ہیں؟" میں نے گول مول سا جواب دے دیا۔ میں

نے کہا وہ مصروف رہتے ہیں اور ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟"

"ٹھیک ہے کام جاری رکھو۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں عدنان کے ساتھ بیٹھا کافی پیتا رہا' کافی کے دوران عدنان نے مجھے بتایا۔ "پرنس میں نے اپنا کام کر لیا ہے' اس کی اطلاع شاید میں نے آپ کو دی تھی۔"

"جاری رکھو عدنان' مجھے اس بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔"

"اوکے چیف!" عدنان نے جواب دیا' تھوڑی دیر تک میں اس کے پاس بیٹھا رہا' پھر اٹھ گیا' کہیں دل نہیں لگتا تھا۔ پروفیسر شیرازی کے بارے میں سوچا لیکن پھر خیال آیا کہ وہ لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔ بے چارے اپنے تمام اثاثوں پر صبر کئے بیٹھے تھے۔ خواہ مخواہ انہوں نے یہ بوجھ مجھ پر لاد دیا تھا۔ امی اور فریدہ کو نہیں ملنا تھا' وہ میری تقدیر سے نکل چکی ہیں۔ ایک لمحے کے لئے تو دل چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی خاموش گوشے میں پناہ لوں' ان تمام چیزوں سے مجھے کیا حاصل ہوا۔ امی اور فریدہ کا پتہ تو سیٹھ جبار کو بھی نہیں معلوم' طارق' جو اس سلسلے میں زیادہ کار آمد شخص تھا' ناکام ہو کر موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔ اب کیا کیا جائے' پرنس دلاور کا ڈرامہ کب تک جاری رکھا جائے' بعض اوقات تو مجھے اس ڈرامے سے کوفت ہونے لگتی تھی' بس اگر کوئی چیز اسے قائم رکھنے کے لئے مجبور کرتی تھی تو صرف شیرازی اور گل کا خلوص' کچھ اور لوگ بھی تھے جو مجھ سے مخلص تھے' ان کے بارے میں سوچتا تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرے بعد ان کا کیا ہو گا۔ دل کہتا تھا کہ جہنم میں جائیں سب کے سب' جب میرے لئے جینے کے سہارے چھن چکے ہیں تو میں دوسرے لوگوں کے لئے پریشان کیوں ہوتا رہوں۔

بہت دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ آنکھیں سڑکوں' بازاروں اور گلیوں میں نجانے کیا کیا تلاش کرتی پھر رہی تھیں' پھر کوٹھی ہی کا رخ کیا اور کوئی کام نہیں تھا۔ کچھ روز یونہی گزر گئے۔ پھر ایک دن سیٹھ جبار اچانک میرے پاس پہنچ گیا۔

اس کی حالت قابل رحم تھی' چہرہ اتر گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں' داڑھی بڑھی ہوئی تھی' بال منتشر تھے' بھکاریوں کی سی شکل بنائے وہ میرے سامنے آیا تھا۔

"میں اپنا کام کر چکا ہوں پرنس' میں نے سارے گوشوارے تمہارے آدمیوں کو دے دئے ہیں' اور تم دیکھ لو' میں نے اب اپنی ساری کارروائیاں ترک کر دی ہیں۔ وعدہ کرتا ہوں اب تمہارے خلاف کبھی کچھ نہیں کروں گا' بہت دن ہو گئے ہیں پرنس..... اینجل مجھے واپس کر دو' جو کچھ تم کہو گے' میں ویسا ہی کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں پرنس؟"

"ابھی نہیں سیٹھ جبار' یہ بات مشروط ہے' اپنا کام مکمل کر لو' اس کے بعد اینجل کے بارے میں بات چیت ہو گی۔"

"سنو تو سہی پرنس! دیر تو تمہاری طرف سے ہو رہی ہے۔ میں تو سب کچھ تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں' لکھوا کر لے لو مجھ سے' میں نے تمام چیزیں ظاہر کی ہیں ان کے علاوہ کچھ نہیں ہے میرے پاس' بالکل کچھ نہیں ہے' اگر تم چاہو تو جس کوٹھی میں میں رہ رہا ہوں وہ بھی تمہارے حوالے کر دوں۔ اسے بھی لے لو' میں اینجل کو لے کر کسی چھوٹے سے مکان میں آباد ہو جاتا ہوں' جب یہ سب کچھ تمہارے نام ہو جائے تو ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دے دینا' ہم لوگ یہاں نہیں رہیں گے پرنس' کہیں دور چلے جائیں گے۔"

"انتظار کرو سیٹھ جبار' انتظار کرو' ابھی وقت نہیں آیا۔ اینجل مل جائے گی تمہیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ سارے کام ہونا ضروری ہیں۔ میرے آدمی کام کر رہے ہیں۔ ذرا تفصیل معلوم ہو جائے' اس کے بعد اینجل تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔"

"سنو سنو ایسا مت کرو' براہ کرم ایسا مت کرو۔ اب تو میں نے ہار مان لی ہے تم سے' ایک ہارے ہوئے آدمی کے ساتھ یہ سب کچھ کر کے تمہیں کیا ملے گا۔"

"سیٹھ جبار میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے' اس سے اختلاف ممکن نہیں ہے میرے لئے۔"

"تو آواز ہی سنوا دو مجھے اس کی' میں تمہارا بڑا شکر گزار ہوں گا۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا سیٹھ جبار۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور وہ مایوسی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے اور رونے لگا۔

"جب تم رو چکو تو یہاں سے چلے جانا' میں مصروف ہوں۔" میں اس کے پاس سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ اس سنگدلی پر مجھے کوئی افسوس نہیں تھا' آدھے گھنٹے کے بعد فینی نے اطلاع دی کہ سیٹھ جبار واپس چلا گیا ہے۔

میں نے لاپرواہی سے شانے ہلا دئے تھے' اس واقعے کے دو دن کے بعد ایک شام جب میں اپنی کوٹھی کے لان پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے گیٹ سے ایک کار اندر آتے ہوئے دیکھی' کار پورٹیکو میں رکی اور تغلق خان اتر کر نیچے آ گیا۔ جس آزادانہ طور پر وہ آیا تھا اس پر مجھے تھوڑی سی حیرت ہوئی' لیکن پھر حالات کا تجزیہ کر کے میں خاموش ہو گیا' تغلق میرے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میرے اشارے پر بیٹھ گیا۔

"پرنس سیٹھ جبار شاید بازی ہار چکا ہے اور اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

"گڈ' دلچسپ اطلاع ہے میرے لئے' تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟"

"بس ان دنوں اس کی حالت عجیب ہے' یہ دیکھئے اس نے مجھے دو لاکھ کا چیک دیا ہے' یہ رقم اس نے مجھے دے دی ہے اور کہا ہے کہ شہر کے جتنے آدمی مجھے حاصل ہو سکتے ہیں' انہیں حاصل کروں اور شہر کے چپے چپے میں اینجل کو تلاش کروں۔ اینجل کہاں ہے پرنس؟"

"میری تحویل میں ہے تغلق خان اور ابھی اسے کوئی تلاش نہیں کر سکتا۔"

"یقیناً میں جانتا ہوں' لیکن سیٹھ جبار کی ذہنی کیفیت بگڑتی جا رہی ہے' وہ تو کسی چوہے کی طرح خوفزدہ رہتا ہے۔ میں نے اسے کئی بار روتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔" تغلق خان نے کہا۔

"وہ روئے گا زندگی بھر اس نے کام ہی ایسا کیا ہے۔ اسے رونے دو تغلق خان' اور میرا خیال ہے اب تمہارا اس کے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے' ظاہر ہے اسے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

"جیسا آپ حکم دیں پرنس' میں تو بس یونہی آپ کے پاس حاضر ہو گیا تھا' سیٹھ جبار کی طرف سے مجھے کوئی ہدایت نہیں ہے' بہت عرصے سے اس نے آپ کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا۔" تغلق خان نے بتایا۔

"ٹھیک ہے تغلق خان' تم اب آرام سے بیٹھو' ظاہر ہے اینجل کو ابھی سیٹھ جبار کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔"

"ایک اجازت مانگنے آیا ہوں پرنس' اگر ممکن ہو تو۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"غوزی خان ان دنوں ملک سے باہر ہے' سنا ہے بیمار ہو گیا ہے' اگر اجازت ہو تو اس سے مل آؤں' میرا ایک ہی بھائی ہے اور میں اسے ساری دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے' تم آرام کرو' رقم کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لینا۔"

"نہیں پرنس رقم کی کیا ضرورت ہے ابھی تو سیٹھ جبار کے دیئے ہوئے دو لاکھ روپے کافی عرصے تک میرا ساتھ دیں گے۔"

"تو کب جا رہے ہو؟"

"بس آپ کی اجازت مل گئی ہے' ایک آدھ دن میں چلا جاؤں گا' ہاں میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

"نہیں شکریہ، تم اپنے باہر جانے کے انتظامات کرو۔" میں نے جواب دیا۔

تغلق خان تھوڑی دیر تک میرے پاس بیٹھ کر چلا گیا۔

رات کو فینی نے پھر اینجل کے رابطہ قائم کرنے کی اطلاع دی تھی۔ اس نے اینجل کو یہی جواب دیا تھا کہ پرنس کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں ہے۔

تقریباً" ساڑھے دس بجے طاہر نے ٹیلی فون کیا۔ ٹیلی فون اتفاق سے میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو، میں مادام فینی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کون بول رہا ہے؟"

"طاہر۔"

"تمہارے آس پاس کون ہے طاہر؟" میں نے پوچھا اور اس بار طاہر میری آواز پہچان گیا۔

"اوہ پرنس آپ تشریف لے آئے، مس اینجل کی کیفیت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے، صبح کو وہ بے ہوش ہو گئی تھیں، دو گھنٹے تک بے ہوش رہیں، میں نے اپنے ایک اعتماد کے ڈاکٹر کو بلایا، اس نے ان کا معائنہ کیا اور بولا کہ یہ شدید ذہنی الجھن کا شکار ہیں، ان کی صحت بھی گرتی جا رہی ہے پرنس، اور وہ اس بات پر متوحش ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے۔ وہ آپ کی خیریت کی جانب سے بھی متفکر ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہے اسے اسی طرح رہنے دو۔" میں نے جواب دیا۔

"پرنس وہ بار بار کہہ رہی ہیں کہ انہیں وہاں سے جانے دیا جائے۔"

"اگر زیادہ تکلیف دہ بن جائے تو اسے قید کر دو، مرتی ہے تو مرجانے دو، فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ طاہر کی آواز ایک لمحے کے لئے بند ہو گئی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"جو حکم پرنس، میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"سنو طاہر میرے آنے کی اطلاع ریٹا کو بھی نہیں ملنی چاہئے، بہتر ہے تم اس گفتگو کو میرے اور اپنے درمیان ہی رہنے دو، کسی تیسرے کو اس گفتگو کا علم نہیں ہونا چاہئے۔"

"بہتر ہے پرنس، ایسا ہی ہو گا۔" طاہر نے جواب دیا۔ دوسرے دن صبح کے اخبار میں میں نے سیٹھ جبار کی کوٹھی کی نیلامی کا اشتہار پڑھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیٹھ جبار اپنی کوٹھی نیلام کر رہا تھا۔ میں نے عدنان کو فون کیا تو عدنان نے مجھے بتایا کہ وہ یہ اشتہار دیکھ چکا ہے۔ سیٹھ جبار نے رات ہی کو اس سے رابطہ قائم کر کے اس

اشتہار کے بارے میں اطلاع دے دی تھی۔

"تو پھر جا رہے ہو سیٹھ جبار کی کوٹھی خریدنے؟"

"جی ہاں پرنس۔"

"ہمارے اوپر کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہئے عدنان، جو کام بھی کرو، سوچ سمجھ کر کرو۔"

"آپ مطمئن رہیں پرنس، یہ سارے کام با آسانی کر لوں گا۔"

"اوکے، ویسے عدنان، میں خود بھی کوٹھی کے نیلام ہوتے وقت وہاں موجود ہوں گا۔" میں نے کہا اور عدنان نے فون بند کر دیا۔

بڑا ہی دلچسپ منظر تھا۔ دن کے دس بجے کوٹھی کے قریب ہی ایک جگہ مقرر کر لی گئی اور وہاں کوٹھی نیلام کی جانے لگی۔ عدنان کے ایک آدمی کو میں نے بڑھ چڑھ کر بولی دیتے ہوئے دیکھا تھا، ظاہر ہے وہ جو بولی دے رہا تھا، دوسرے اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ ہمیں جو رقم خرچ کرنی تھی وہ تو ہمارے پاس واپس پہنچ ہی جاتی۔ اور یہی ہوا، بولی ہمارے آدمی کے نام رک گئی...... سیٹھ جبار کے تمام اثاثے ہماری تحویل میں آتے جا رہے تھے اور میں اس پر مسرور تھا۔ پھر ایک دن ڈی آئی جی آفتاب احمد نے میری کوٹھی پر مجھ سے ملاقات کی، بڑے افسردہ سے نظر آ رہے تھے، میرے پاس پہنچ کر چند لمحات مجھے دیکھتے رہے۔

"کیا بات ہے آفتاب احمد صاحب، خیریت۔"

"منصور برائی کا خاتمہ یقینی ہے، کوئی نہ کوئی وقت ہر انسان پر ایسا آ جاتا ہے جب اس کے تمام کس بل نکل جاتے ہیں، میں سیٹھ جبار سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا، نا ہی تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم اس سے کوئی رعایت برتو۔ میں انسانیت کے نام پر تم سے ایک اپیل کرنے آیا ہوں۔"

"جی فرمایئے آفتاب احمد صاحب۔"

"سیٹھ جبار کے تمام اثاثے فروخت ہو رہے ہیں۔ میں ان کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے سیٹھ جبار سے بات نہیں کی؟"

"کی تھی۔"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

"وہ کچھ نہیں بولا، اس کی حالت تو عجیب ہوتی جا رہی ہے۔ سنا ہے اس کی بیٹی ابھی تک اسے نہیں ملی۔"

"ممکن ہے۔"

"منصور میں تمہارا بزرگ ہوں‘ کوئی نہیں لگتا میں تمہارا‘ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ تمہیں کوئی حکم دیتے ہوئے میری گردن خود ہی شرم سے جھک جاتی ہے‘ لیکن درخواست تو کر سکتا ہوں تم سے۔"

"جی فرمائیے۔ میں نے کہا۔"

"اسے معاف نہیں کر سکتے۔"

"نہیں‘ آفتاب احمد صاحب آپ میری شرط پوری کر دیجئے۔ میں اسے معاف کر دوں گا۔"

"شرط؟" آفتاب احمد صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں مجھے میری امی اور بہن سے ملوا دیجئے‘ آپ جو کچھ کہیں گے میں بخوشی مان لوں گا۔"

آفتاب احمد خان کی گردن جھک گئی‘ چند لمحات وہ خاموش بیٹھا گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر بولا۔ "کاش یہ میرے بس میں ہوتا۔ کاش یہ میرے بس میں ہوتا۔"

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں آفتاب احمد صاحب جو کسی کے بس میں نہیں ہوتیں سیٹھ جبار کی تباہی اس کی تقدیر بن چکی ہے اور اب اسے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔"

"اسے کہا گیا ہے کہ پرنس کے خلاف تحریری رپورٹ دے دے‘ کچھ مخصوص ذرائع سے یہ اطلاعات ملی ہیں کہ سیٹھ جبار کے تمام اثاثے پرنس دلاور خرید رہے ہیں چنانچہ حکومت کے اعلیٰ ارکان کو اس بات پر تشویش ہے کہ آخر یہ کایا پلٹ کیوں ہو رہی ہے؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟"

"حکومت پرنس دلاور کے خلاف تحقیقات کر سکتی ہے۔" ہمارا کاروبار اتنا وسیع ہے آفتاب احمد صاحب کہ ہم یہ تمام چیزیں خرید سکتے ہیں‘ آپ کسی بھی وقت قانونی طور پر ہمارے دفتر تشریف لائیے یا وہاں چھاپہ ماریئے اور ہر وہ چیز تلاش کرنے کی کوشش کیجئے جو قانون کی گرفت میں آتی ہو۔"

"میں جانتا ہوں منصور‘ تم نے اپنے ہاتھ...... بے حد مضبوط کئے ہیں‘ ان کے لئے تمہیں کیا کچھ کرنا پڑا ہے یہ میرے علم میں نہیں ہے‘ لیکن نہ صرف میں بلکہ آئی جی صاحب اور ہوم سیکرٹری صاحب خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ بہت مضبوط شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کے خلاف کوئی جرم ثابت کرنا ناممکن ہے‘ اس کے علاوہ حکومت...... اور عوام کے ساتھ آپ نے جو تعاون کیا ہے اس سلسلے میں حکومت آپ کی

شکرگزار ہے‘ میرا خیال ہے اگر آپ کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے تو شاید صدر مملکت بھی اس میں مداخلت کر سکتے ہیں‘ ہرچند کہ آپ کی پہنچ براہ راست ان تک نہیں ہے‘ لیکن آپ کا نام ان کے کانوں تک پہنچ چکا ہے۔"

"ان ساری باتوں میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ڈی آئی جی صاحب۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"جب میں آپ کو پرنس کہتا ہوں تو آپ کا احترام میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اور جب منصور کہہ کر مخاطب کرتا ہوں تو محبت کا ایک اور جذبہ میرے دل میں گھر کر لیتا ہے اور نجانے کیوں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں گا‘ اسے منوا لوں گا۔"

"نہیں! ڈی آئی جی صاحب‘ صرف سیٹھ جبار کے مسئلے میں خاموشی اختیار کر لیجئے‘ باقی کوئی بات ذہن میں آ جائے تو منصور سمجھ کر کہہ دیجئے گا‘ آپ کو کبھی مایوسی نہیں ہو گی۔"

"میں جانتا ہوں بیٹے‘ تمہارے دل کا درد بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ کم بخت نہ جانے کیوں ضد پر اڑا ہوا ہے‘ اگر وہ صحیح طور پر ان دونوں کی نشاندہی کر دے تو میرا خیال ہے اس کے بعد تم اسے ضرور معاف کر دو گے۔"

"جی ہاں یہ میرا وعدہ ہے آپ سے‘ مجھے امی اور فریدہ چاہئیں‘ انہیں میرے سامنے لے آیئے‘ مجھ سے جو کہیں گے میں مان لوں گا۔" میں نے کہا اور ڈی آئی جی گردن ہلانے لگے۔ پھر بولے۔ "تمہارا مطالبہ درست ہے‘ اجازت ہو تو میں اس سے بات کروں؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے میں آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"کیا اس نے کسی سے یہ بات کہی ہے کہ اینجل میرے قبضے میں ہے۔"

"نہیں۔"

"پھر آپ نے ایسا کیوں سوچا؟"

"بس عام خیال یہی ہے منصور بیٹے کہ تم نے اسے اسی طرح زیر کیا ہے۔"

"تو پھر ڈی آئی جی صاحب اس سے میرے خلاف تحریری رپورٹ لے لیجئے اور اس کے خیال کے مطابق میرے خلاف تحقیقات شروع کرا دیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"نہیں نہیں بھئی‘ میں قانون کی بات کب کر رہا ہوں‘ میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھر رہا ہے۔"

"وہ بھی پوچھ ڈالئے۔"

"پروفیسر شیرازی کہاں گئے؟"

"میں آپ سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنے سے معذور ہوں آفتاب احمد صاحب۔"

"تم اپنے اصولوں میں بہت سخت ہو گئے ہو' بہر طور منصور اس بات کو ذہن میں رکھو' حکومت کے بعض ارکان بلاشبہ جانبداری برت لیتے ہیں' لیکن سیٹھ جبار بھی ایک شخصیت رکھتا ہے' اس کے ہمدرد بھی ہیں' ممکن ہے بات آگے بڑھ جائے' میں تمہیں ہوشیار کرنا چاہتا ہوں' اپنے آپ کو محتاط رکھنا' کسی بھی وقت کوئی الجھن پیش آ سکتی ہے۔"

"میں یہی چاہتا ہوں آفتاب صاحب کہ میرے خلاف الجھنیں کھڑی کی جائیں' میں اور سیٹھ جبار کمرۂ عدالت میں آمنے سامنے کٹہروں میں کھڑے ہوں' تب میں کمرہ عدالت میں سیٹھ جبار سے' اراکین حکومت سے' جج سے سوالات کروں گا کہ سرمائے کی فراوانی انسان کی ذات کو اتنا بلند کیوں کر دیتی ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔ یہ مملکت اسلامی ہے اور ہمارے مذہب نے کسی کو اتنا حق نہیں دیا کہ وہ دوسروں کی زندگی چھین لے' تو پھر اس اسلامی مملکت میں ایسے لوگ کیوں موجود ہیں جو صرف کسی کی دولت کو دیکھ کر اس کے پیچھے دم ہلانے لگتے ہیں اور دوسرے انسانوں کی زندگی کتوں کی مانند تصور کر لی جاتی ہے۔ میں آپ سے مودبانہ درخواست کرتا ہوں کہ جو کچھ بھی اس سلسلے میں کیا جا سکتا ہے کیا جائے' مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ سیٹھ جبار کو کوڑی کوڑی کے لئے محتاج کر دیا جائے گا' میں اسے سڑکوں پر بھیک مانگنے کے لئے مجبور کر دوں گا' اگر ان تمام کارروائیوں کو رکنا ہے تو سیٹھ جبار سے میری ماں اور بہن واپس دلوا دی جائیں' اس کے بعد منصور ایک شریف شہری کی حیثیت سے آپ کے سامنے گردن جھکا دے گا۔" اس کے بعد ڈی آئی جی صاحب کوئی گفتگو نہ کر سکے اور مجھ سے اجازت لے کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے عدنان کو ایک بار پھر ان باتوں سے ہوشیار کر دیا اور کہا کہ آئندہ جو بھی اقدامات ہوں وہ بہت ہی سائنٹیفک انداز میں کئے جائیں تاکہ حکومت کو ہمارے خلاف کوئی واضح ثبوت نہ مل سکے۔

"عدنان نے مجھ سے وعدہ کیا اور مجھے بتایا کہ وکیلوں کا ایک پورا پینل اس کے ساتھ ہے جن کی زیر نگرانی یہ کام ہو رہے ہیں اور قانونی مشوروں کو نگاہ میں رکھا جا رہا ہے' اس نے یہ بھی کہا کہ سیٹھ جبار کی بہت سی صنعتیں پرنس دلاور کے نام سے بھی خریدی جا رہی ہیں اور ان رقومات کی ادائیگی کے سلسلے میں بہترین حوالے پیش کئے جا رہے ہیں' انکم ٹیکس کا تمام نظام درست ہے' اور ہر وہ قانونی پوائنٹ محفوظ ہے جو ہمارے خلاف جا سکتا ہے' پرنس میں نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے اور انہی بنیادوں پر اپنے کاروبار کو آگے بڑھایا ہے کہ ان میں کوئی قانونی سقم نہ رہے' ہم لاکھوں روپے انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں' ہر کاروبار کا

گوشوارہ ہے ہمارے پاس' بلکہ ہم نے کچھ ایسے کاروبار بھی فرض کر رکھے ہیں جن کا وجود نہیں ہے لیکن جن سے ہمیں معقول آمدنی ہے اور ہم حکومت کو اس آمدنی پر ٹیکس ادا کرتے ہیں۔"

"عدنان تم میرے لئے ایک مضبوط قلعے کی مانند ہو جس کی پتھریلی دیواروں کے پیچھے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی' میرے دوست! میں اپنی زندگی میں تمہاری شمولیت کو ایک نیک فال تصور کرتا ہوں اور یہی سمجھتا ہوں کہ میری تقدیر بنانے میں تمہارا بھی ہاتھ ہے اور حقیقت میں میں ان تمام چیزوں کو نہیں سمجھتا' لیکن تم نے مجھے جس طرح سنبھالا ہے اس کے لئے میں تمہارا ممنون ہوں۔"

"پرنس اگر مناسب سمجھیں تو عدنان کو منصور کا دوسرا روپ دے دیں' اسے اپنی زندگی کا ایک حصہ تصور کر لیں' جب کسی کے مشن سے متفق ہو جایا جائے تو بہتر یہی ہے کہ خود کو اس مشن کا ایک حصہ بنا لیا جائے' یہی انسانیت کی طلب ہوتی ہے۔ آپ شکریہ ادا کر کے میری توہین نہ کریں۔ میرا پیار منصور کے ساتھ ہے اور میرا دل اس کی تڑپ میں اس طرح شامل ہے جیسے خود اس کا دل۔" عدنان نے جذباتی لہجے میں کہا' اس کے بعد رسمی گفتگو ہوئی اور پھر ہمارے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں کافی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا' پھر میں نے ٹرانسمیٹر واچ پر ریٹا سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم ہو گیا اور میں نے ریٹا سے اینجل کے بارے میں پوچھا۔ ریٹا نے کسی قدر سف سے بتایا۔ "اینجل کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے جناب۔ وہ بہت زیادہ الجھ گئی ہے' اگر آپ سے ملاقات ہو جاتی جناب! تو شاید وہ پرسکون ہو جاتی' آپ کے نہ ملنے سے بے حد بے چین ہے' میں کوشش کر رہی ہوں کہ اسے نارمل رکھوں' لیکن اب ورتحال میرے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ پرنس کی گمشدگی اس کے لئے ذیتناک ہے' کیا وہ خود اس سے ملنا نہیں چاہتے' کم از کم صحیح صورت حال سے آگاہ کیا ئے۔ اس نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی تھی جس پر طاہر صاحب نے اسے بند کر دیا ہے' کل سے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا' ہر چیز کو اٹھا کر پھینک دیتی ہے۔ ہم اس کے لئے بے حد پریشان ہیں۔"

"ریٹا صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ہم اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برت ے' جس طرح بھی مناسب سمجھو اسے ٹریٹ کرو' اگر صورت حال زیادہ ہی خراب ہو ئے تو پھر اسے بے ہوشی کے انجکشن دینا ہوں گے' بہر طور میں اسے ابھی کسی قیمت پر ں مل سکتا' نا ہی اسے میرے بارے میں اطلاع دی جائے۔"

"جو حکم جناب۔" ریٹا نے جواب دیا اور میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

دراصل اینجل کے لئے میرے دل میں کوئی برائی نہیں تھی لیکن نئی صورت حال نے مجھے اس سے بھی بددل کر دیا تھا' اگر میرا مقصد حل نہ ہوا تو پھر ان ساری باتوں سے کیا حاصل' میں تو مایوس ہی ہو گیا تھا۔

سیٹھ جبار کو میری ماں اور بہن کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ طارق مر چکا تھا' ان کی تلاش کی تگ و دو ناکام ہو گئی تھی تو اب میری زندگی کے لئے کیا گنجائش رہ گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ سیٹھ جبار کو فنا کر دوں اور اس کے بعد خود بھی فنا ہو جاؤں۔ میں ان حالات میں زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اگر میری ماں اور بہن اسی طرح ذلیل وخوار زندگی گزارتی رہیں میری زندگی پر لعنت ہے' ان کی تلاش میں کامیاب نہیں ہو سکا تو مر تو سکتا ہوں اور ایک ایسے شخص کو زندگی میں کسی سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے' جو خود ہی موت کا آرزو مند ہو۔ چنانچہ اینجل کی طرف سے میں نے اپنا دل سخت کر لیا تھا' میں صرف اسے سیٹھ جبار کے لئے اپنے پاس رکھ رہا تھا۔ سیٹھ جبار کو اس کی آخری منزل تک پہنچا دوں' اس کے بعد اینجل میرے لئے بے مقصد ہو گی۔

زندگی کے وہ حسین تصورات جو میں نے اینجل کی ذات سے منسوب کئے تھے خاک میں مل گئے تھے' اب میں اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا' فریدہ جس حال میں پہنچ گئی تھی اس کی مجھے اطلاع مل گئی تھی۔ اس کے بعد کوئی بھی غیرت مند بھائی، کم از کم ایک ایسی لڑکی کو زندگی کا ساتھی نہیں بنا سکتا تھا جس کے باپ کی وجہ سے اس کی ماں اور بہن ایسی زندگی گزار رہی ہوں' میں نے اپنے دل کے تمام دروازے بند کر لئے تھے اور اب ان دروازوں کا کھلنا ممکن نہیں تھا۔

میں زندگی کے اس اتار چڑھاؤ سے تنگ آ گیا تھا۔ زندگی بے مقصد ہو کر رہ گئی تھی اور اس بے مقصد زندگی کو گزارنا آسان کام نہیں تھا۔ میں مرنا چاہتا تھا لیکن موت ابھی مجھ سے دور تھی' میں اپنی ماں اور بہن کو تلاش کرنا چاہتا تھا' اور اس کام کے لئے میرا سب سے بڑا معاون عدنان تھا۔ عدنان جس کی شخصیت کسی قلعے کی طرح مضبوط تھی' گو وہ دنیا بھر کا ٹھکرایا ہوا انسان تھا' لیکن بزدل نہیں تھا اور اسی نے مجھے ماں اور فریدہ کے سلسلے میں بزدلی کے بھنور سے نکالا تھا' اس کی ذات میرے لئے بہت بڑا سہارا تھی' وہ میرے اور ذہنی ہر قسم کے مسئلے کو حل کرنے میں کوشاں تھا' اور اس کی یہ کوششیں معمولی نہ تھیں۔

میں اس کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور اس سلسلے میں کئی بار اس کا اظ

کر چکا تھا۔ لیکن عدنان بے حد وسیع دل و دماغ کا مالک تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب کسی کے لئے سوچ ہی لیا تو پھر پیچھے کیا ہٹنا۔ اس دن بھی وہ میرے پاس پہنچا تھا۔ کافی دیر مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر اینجل کے بارے میں پوچھنے لگا۔ "پرنس اینجل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کوئی خاص نہیں ہے عدنان' وہ میرے دل سے اتر چکی ہے' اس کے باپ نے جو کچھ کیا ہے وہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ اسے نظرانداز کر دیا جائے۔"

"لیکن پرنس آپ اس سے محبت بھی تو کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے عدنان' میں اسے چاہتا تھا' لیکن اپنی ماں سے زیادہ نہیں۔ میری فریدہ اس کے باپ کی وجہ سے کن حوادث کا شکار ہوئی' یہ کوئی معمولی بات ہے۔ میرا ضمیر اس لڑکی کو کیسے قبول کر سکتا ہے جس کے باپ کی وجہ سے میری بہن کی زندگی برباد ہو گئی۔ بتاؤ عدنان جواب دو؟"

"ہاں پرنس' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" عدنان نے تاسف سے جواب دیا۔

عدنان کا کام جاری تھا۔ سیٹھ جبار کے دیئے ہوئے گوشوارے کے تحت وہ قانونی طور پر تمام اثاثوں کی خریداری میں مصروف تھا۔ سیٹھ جبار اپنا قول نبھا رہا تھا۔ اس دوران تین بار اس نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ شرط کی پابندی کر رہا ہے بہت نڈھال نظر آتا تھا۔ اس نے بہرحال آنے کی کوشش نہیں کی تھی..... میرے پاس ہر بار گڑگڑاتا تھا کہ اسے کم از کم اینجل کی آواز سنا دی جائے۔ لیکن اب میرے دل میں اس کے لئے رحم کا کوئی شائبہ نہیں تھا' میں خود جس آگ میں جل رہا تھا اس کا اظہار ناممکن تھا جو کچھ میرے ساتھ بیت چکی تھی اس پر تو نہیں بیتی تھی کم از کم اینجل کی عزت محفوظ تھی جب کہ میری بہن نہ جانے کتنے درندوں کا شکار ہو چکی تھی اور نجانے اس پر کیا بیت رہی تھی۔ تصور کرتا تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ میری معصوم فریدہ جس نے میری انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا جس کا لمس آج بھی مجھے اپنے سینے پر محسوس ہوتا تھا۔ وہ فریدہ زندگی کی غلاظتوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھی اور اس کا محرک یہی شخص تھا۔ اگر میں اس شخص پر رحم کھاتا' تو یہ انسانی فطرت نہ ہوتی اور میں فرشتہ نہیں تھا۔

عدنان نے مجھے اپنا کام مکمل ہو جانے کی اطلاع دی۔ اس نے مجھے بتایا کہ سیٹھ جبار کے دیئے ہوئے گوشواروں کے تحت اس کا تمام کاروبار ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔ قانونی طور پر تمام دستاویزات کی لکھا پڑھی ہو چکی ہے اور اب ہم اس کے کروڑوں روپے کی جائداد کے مالک ہیں۔ عدنان نے مجھ سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو ان تمام تفصیلات کو دیکھ

سکتا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے چند قانونی نمائندے مقرر کئے ہیں اور انہیں اُن ممالک روانہ کرنے والا ہے تاکہ وہ وہاں کا چارج لے لیں۔ اس سلسلے میں اس نے چند نا میرے سامنے پیش کئے تو میں نے درمیان میں اس کی بات قطع کر کے کہا۔ "عدنان برا کرم مجھے ان الجھنوں میں نہ ڈالو جب تم میری تمام ذہنی الجھنیں سمیٹ چکے ہو تو پھر مجھے کیوں پریشان کرتے ہو۔ جس طرح مناسب سمجھو کرتے رہو۔"

"ٹھیک ہے پرنس' میں اپنے طور پر مطمئن ہوں' اب آپ اس سلسلے میں جو آئند اقدامات کرنا چاہیں۔" میں نے عدنان سے کہا کہ میں اب دوسری کارروائی کا آغاز کر دوں' وہ مطمئن رہے۔

تیسرے دن صائمہ روشن علی نے مجھے اطلاع کی کہ وزارت داخلہ کی جانب سے کچ نوٹس موصول ہوئے ہیں جن میں کہا گیا کہ وہ تمام اثاثے ظاہر کئے جائیں جو پرنس دلاور ملکیت ہیں۔ کاروبار کی ایک مکمل تفصیل فراہم کر دی جائے اور جو بڑے ہی ادارے کام ک رہے ہیں ان کے اخراجات کے ذریعہ اور ان سے متعلق ضروری کاغذات فراہم ک جائیں۔ عدنان نے بھی ایک ایسی ہی اطلاع مجھے دی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں عدنا سے مشورہ کیا اور عدنان نے ایڈوو کیٹس کی ایک فہرست مجھے فراہم کر دی۔ اس نے کہا اسی بات کا انتظار کر رہا تھا۔ ظاہر ہے سیٹھ جبار اگر اپنے طور پر کسی سے کچھ نہ بھی تب بھی سرکاری طور پر تشویش لازمی بات تھی کیونکہ جس طرح سیٹھ جبار کے اثاثوں فروخت شروع ہوئی تھی اور جس طرح وہ دوسروں کی تحویل میں چلے گئے تھے۔ اس بارے میں حکومت کو تشویش ضرور ہوگی۔ بہر صورت میرے وکلاء کا پینل ان تمام کاغذا کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا جو حکومت کو پیش کئے جانے تھے۔ مجھے اس سلسلے میں کو تشویش نہ تھی البتہ چند ہی روز کے بعد مجھے ایک اور نوٹس موصول ہوا جس میں مجھ میرے بارے میں سوالات کئے گئے تھے۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ میں نے اپنے کاروبار آغاز کہاں سے کیا اور اس کے لئے میرے پاس دولت کہاں سے آئی' نیز یہ کہ پرنس دلا کا تعلق کہاں سے ہے اور اس سے قبل وہ کہاں تھے؟"

یہ نوٹس بھی مجھے وزارت داخلہ کی جانب سے ملا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں ہ سیکرٹری سے بات کی۔ انہوں نے بڑے نرم لہجے میں مجھ سے کہا کہ پرنس' سیٹھ جبار جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی بلکہ یہ کارروائی ایک قانونی حیثیت رکھتی ہے اور اس جواب دہی آپ کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوتی اگر ممکن ہو سکے تو اس سلسلے حکومت کو مطمئن کر دیا جائے۔

"ٹھیک ہے جناب۔ میں حکومت کو مطمئن کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا اور ہوم سیکرٹری صاحب نے اس بات پر میرا شکریہ ادا کیا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اب تک کی تمام کارروائی کی رپورٹ پروفیسر شیرازی اور گل کو دوں اور ان سے کہوں کہ اب پرنس دلاور کی حیثیت کو منظر عام پر لے آیا جائے۔ ماں اور بہن کی طرف سے تو اب ایک طرح کی مایوسی ہو گئی تھی چنانچہ میں اپنی یہ تمام ذمہ داریاں ختم کرنے کا خواہشمند تھا۔ یہ سارے بوجھ میری ذات کے لئے ناگوار تھے۔ پرنس دلاور کی حیثیت سے ایک دولت مند شخص کی طرح اب تک جو کچھ میں کر چکا تھا۔ وہ صرف ایک ذلت تھی۔ یہ سب میری پسند کی باتیں نہیں تھیں۔ میں تو ایک معمولی سی زندگی گزارنے کا خواہشمند تھا۔ امی اور فریدہ نہ ملیں تو کسی بھی گوشے میں جا چھپوں گا۔ سیٹھ جبار تباہ ہو چکا ہے۔ رہی سہی کسر اب اس سے جو ملاقات ہو گی اس میں پوری ہو جائے گی اور اس کے بعد میرے لئے کوئی راہ عمل نہیں رہی۔ دنیا گردی کروں گا اپنی مرضی سے زندگی گزاروں گا' اگر زندگی کے کسی حصے میں ان لوگوں کا کوئی پتہ چل گیا تو خاموشی سے ان کے ساتھ زندگی گزار لوں گا۔ ورنہ صرف موت کا انتظار کروں گا۔

زندگی کی دلچسپیوں سے اب میرا کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ پروفیسر سے اس موضوع پر بات کروں اور اسی رات اس ڈرامے کا ڈراپ سین نزدیک آ گیا۔ سیٹھ جبار میرے پاس پہنچا تھا۔ پہلے اس نے مجھے فون کر کے مجھ سے ملاقات کی اجازت چاہی اور میں نے اسے طلب کر لیا اور وہ میرے پاس پہنچ گیا..... ڈرائنگ روم میں' میں نے اس سے ملاقات کی۔ سیٹھ جبار کی حالت قابل دید تھی۔ اس کے گال پچک گئے تھے اور آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ ہاتھوں میں رعشے کی سی کیفیت تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ کروفر' رعونت اور غرور اب اس کے چہرے پر کہیں نظر نہیں آتا تھا جو اس کی شان تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بھکاریوں کی سی شکل بنا کر بولا۔ "پرنس' پرنس میں سیٹھ جبار ہوں۔ میں عبدالجبار ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا ہاں۔ لیکن آپ کی حالت تو بہت خراب ہو گئی ہے عبدالجبار صاحب سیٹھ عبدالجبار صاحب۔ کیا ہوا آپ کو بیمار ہیں کچھ؟"

"مذاق نہ اڑاؤ۔ خدا کے لئے میرا مذاق نہ اڑاؤ پرنس!"

"کمال ہے آپ تو بار بار خدا کا نام بھی لینے لگے۔ وہ خدا کہاں گیا جو انسانوں کی تقدیر کا مالک تھا جس کے ہر لفظ سے غرور ٹپکتا تھا جس کی آنکھوں میں فرعونوں کی سی رعونت

تھی۔ سیٹھ جبار صاحب میں اس عبدالجبار سے ملنا چاہتا ہوں جس نے مجھ سے کہا تھا کہ ابھی میں دنیا کی ٹھوکریں کھاؤں انسان بن جاؤں گا' اور کما کھاؤں گا۔ آپ نے مجھے اس دنیا میں امتحان کے لئے بھیجا تھا۔ تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا مجھے آپ نے' میں نے تھوڑی بہت تربیت حاصل کی ہے' کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا اب اس دنیا میں رہنے کے قابل بن چکا ہوں یا پھر ابھی کچھ اور ٹھوکروں کی ضرورت ہے مجھے بتایئے سیٹھ عبدالجبار؟"

"کچھ نہ کہو۔ کچھ نہ کہو۔ میں ہارا ہوا جواری ہوں۔ میری درخواست ہے۔ مجھ سے کچھ نہ کہو۔ جو کچھ میں کر چکا ہوں اس کا ازالہ نہیں کر سکتا لیکن احساس ہے دل میں' میں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا ہے جانتے ہو میں کہاں رہتا ہوں آج کل۔ ایک چھوٹے سے مکان میں بہت مختصر سا سرمایہ رکھا ہے میں نے اپنے پاس۔ تم میری اینجل مجھے واپس کر دو' میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا' یہاں رہوں گا یا کہیں اور نکل جاؤں گا۔ از سر نو زندگی کا آغاز کروں گا' اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا۔ کسی اچھے سے انسان کے ساتھ اور پھر باقی زندگی کسی تاریک گوشے میں گزار دوں گا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ مجھے مل چکا ہے۔"

"نہیں سیٹھ جبار صاحب۔ ابھی نہیں۔"

"کک۔ کیا مطلب؟ کیا اب بھی تم اینجل کو میرے حوالے نہیں کرو گے؟"

"کیسے کر دوں سیٹھ صاحب؟" میری فریدہ کہاں ہے میری ماں کہاں ہے؟"

"تم جانتے ہو منصور کہ میں ان کے بارے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں سیٹھ صاحب کہ آپ نے طارق کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ مجھے تباہ کر دیا جائے۔ مجھے جیل بھجوا دیا جائے' میرا دماغ درست کر دیا جائے اور آپ کی اس ہدایت کے تحت مجھے جیل بھیجا گیا۔ پانچ سال کی سزا ہوئی تھی۔ بتایئے کیا چرس فروشی کی سزا پانچ سال ہوتی ہے۔ سیٹھ جبار صاحب' آپ نے تو اپنے تعلقات سے کام لے کر میری زندگی برباد کر دی تھی' مجھے تباہ کیا تھا آپ نے' چلئے میں تباہ ہو گیا تھا کوئی حرج نہ تھا۔ جب میں جیل سے آتا تو مجھے میرا وہ گھر پھر سے تو مل جاتا۔ میری ماں اور بہن کی جس طرح بھی زندگی گزر رہی ہوتی۔ میں کسی دفتر میں کلرکی کر کے ان کا سہارا تو بن جاتا۔ میرے دل میں بھی خواہش تھی کہ میں اپنی فریدہ کی شادی کروں۔ اس کے بعد میں اپنی زندگی گزارنے کے لئے بھی کچھ منصوبے رکھتا تھا۔ سیٹھ جبار صاحب کیا آپ نے مجھے تباہ نہیں کر دیا۔ کیا آپ ہی کے ایما پر یہ سب کچھ نہیں ہوا تھا؟"

"ہوا تھا۔ مجھے اعتراف ہے لیکن اب جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں لایا جا سکتا اگر وقت واپس آ سکتا ہے تو میری ماں اور بہن کو بھی میرے پاس آنا چاہئے اور اگر وقت واپس آ سکتا ہے تو اینجل بھی آپ کو ملنی چاہئے۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"یہی کہ جب تک میری ماں اور بہن مجھے نہیں ملیں گی اینجل آپ کو نہیں ملے گی۔ میں نے جتنا وقت اذیت کے عالم میں کاٹا ہے اور جتنا وقت میں آئندہ کاٹوں گا کم از کم آپ کو اس کا شریک رہنا چاہئے۔ سیٹھ جبار صاحب! سمجھے آپ۔ طارق کے ساتھ میں دوبئی گیا تھا۔ طارق نے میری ماں اور بہن کو بازار حسن میں فروخت کر دیا تھا۔ دوبئی میں میری بہن گھناؤنے قسم کی زندگی گزارتی رہی ہے اور اس کے بعد کسی گاہک نے اسے ہمیشہ کے لئے خرید لیا اور کہیں لے گیا۔ کہاں؟ آپ بتا سکتے ہیں سیٹھ جبار صاحب؟"

"مم۔ میں۔ میں' کیا بتا سکتا ہوں؟"

"آپ اینجل کے بارے میں بھی کبھی نہیں جان سکتے' جس طرح آپ مجھے میری ماں اور بہن کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے۔ اسی طرح میں آپ کو اینجل کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ سمجھے آپ اب اینجل بھی وہی زندگی بسر کرے گی جو میری بہن کو بسر کرنا پڑی ہے۔"

"نہیں نہیں۔" سیٹھ جبار حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ میں تمہیں فنا کر دوں گا سمجھے تم۔ میں لاکھ کمزور ہو گیا ہوں لیکن اب بھی' اب بھی میرے اندر اتنی قوت باقی ہے کہ میں تمہاری جان لے سکوں۔"

"تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ سیٹھ جبار سمجھے تم' میں تمہارے سامنے کھڑا ہوا ہوں آؤ مجھ پر حملہ کرو اور مجھے قتل کر دو۔" میں نے سینہ تان کر کہا اور سیٹھ جبار کپکپانے لگا۔ اس کا ذہنی ہیجان عروج پر پہنچ گیا تھا۔ چہرہ آگ کی طرح سرخ نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں شیشے کی گولیاں لگ رہی تھیں۔ وہ وحشت کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

"تو اینجل کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتا' سمجھا کتے' میری اینجل کہاں ہے؟ مجھے اینجل واپس دے دو۔"

"کون اینجل' میں کسی اینجل کو نہیں جانتا۔"

"تو جانتا ہے' تو جانتا ہے' میں کہہ رہا ہوں تو جانتا ہے۔"

"تم کون ہو؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔ نکال دو اس بوڑھے پاگل کو یہاں سے۔" میں نے غرا کر کہا اور میرے کچھ ملازم اندر گھس آئے۔

"اسے لے جاؤ اور کوٹھی سے دور دھکے دے کر نکال دو۔ لے جاؤ اسے۔" میں نے گرج کر کہا اور میرے ملازموں نے سیٹھ جبار کے بازو پکڑ لئے۔ سیٹھ جبار بری طرح چیخ رہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ اینجل مجھے دے دے' اینجل' فرشتے' خدا' کہاں ہے تو' میری اینجل کہاں ہے۔" وہ دیوانہ وار بکواس کرنے لگا اور پھر اس کے قہقہے میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے بال نوچ ڈالے' کپڑے پھاڑ ڈالے لیکن میرے آدمی اسے باہر کھینچتے ہوئے لے گئے تھے۔ فینی' نادرہ اور دوسرے تمام لوگ عجیب سی نگاہوں سے سیٹھ جبار کو دیکھ رہے تھے۔ ان سب ہی کو اب حالات کا علم ہو گیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ میرے اور سیٹھ جبار کے درمیان کیا چپقلش ہے' آج وہ فرعون کا غرور خاک میں ملتے دیکھ رہے تھے۔

سیٹھ جبار کو کوٹھی سے کافی دور بھگا دیا گیا وہ قہقہے لگا رہا تھا اور اچھل اچھل کر چیخ رہا تھا۔ اس کے الفاظ بے ربط تھے' وہ ذہنی توازن کھو چکا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ نوچ لیا تھا اور جگہ جگہ اس کے چہرے پر خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے ملازموں سے کہا کہ اسے دھکے دے کر کوٹھی سے اور دور چھوڑ آؤ اور ملازم اسے گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھوں کے حلقوں سے دو انگارے سلگ رہے تھے۔ کنپٹیاں گرم ہو رہی تھیں اور کانوں سے آگ نکل رہی تھی۔

میرے دل ودماغ پر بھی لرزہ طاری تھا جو کچھ میں نے کیا تھا وہ انتقام تھا۔ ہاں۔ وہ منصور کا انتقام تھا۔ سارے منصور سولی پر نہیں لٹکائے جاتے۔ کبھی کبھی دوسروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

میں اپنے اس اقدام سے مطمئن تھا۔

فینی نے اخبارات میرے سامنے لا کر رکھے تھے۔ ایک خبر کو سرخ پینسل سے انڈر لائن کیا گیا تھا۔ میں وہ خبر پڑھنے لگا' سیٹھ جبار سے متعلق تھی۔ شہر کا انتہائی دولت مند شخص سیٹھ جبار اچانک دیوالیہ ہو کر پاگل ہو گیا۔ یہ سرخی لگائی گئی تھی اور اس کے بعد جو خبر تھی وہ کچھ اس طرح کی تھی۔ نامہ نگار۔ شہر کی سڑکوں پر ایک باوقار شخصیت کو خاک اڑاتے اور قہقہے لگاتے دیکھا گیا۔ وہ گاڑیوں پر پتھراؤ کر رہا تھا اور لوگوں کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس لئے پولیس نے اسے گرفتار کر لیا جب اس شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں تو پتہ چلا کہ یہ ملک کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار اور بہت سے رفاہی اداروں کا سربراہ سیٹھ جبار تھا جو اچانک دیوالیہ ہو گیا۔ اس کا کاروبار بہت سے ممالک میں پھیلا ہوا

تھا لیکن یہ سارا کاروبار فروخت کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی اپنی کوٹھی بھی نیلام ہو گئی۔ وہ دولت جو اس سرمایہ دار نے اپنے اثاثے بیچ کر حاصل کی تھی لاپتہ ہے اور اس کے بارے میں کوئی نشان نہ مل سکا کہ وہ کہاں گئی؟ پولیس اس سلسلے میں اعلیٰ حکام کے ایما پر تحقیقات کر رہی ہے کہ سیٹھ جبار کے ساتھ یہ سب کچھ کیسے ہوا' سیٹھ جبار کی ایک بیٹی اس کی تمام دولت اور جائداد کی وارث تھی وہ لاپتہ ہے اور اس کے بارے میں کہیں سے سراغ نہیں مل سکا۔ سیٹھ جبار کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ایک دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے اور پولیس تندہی سے اس کی اس کیفیت کے بارے میں تفتیش کر رہی ہے۔

میں نے اس خبر کو پڑھ کر فینی کی جانب دیکھا۔ فینی منتظر کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ فینی اچھی خبر ہے اور کچھ!"

"نہیں جناب۔ بس میں نے سوچا شاید آپ کو اس خبر سے کچھ دلچسپی ہو۔"

"شکریہ فینی آرام کرو۔" میں نے جواب دیا اور پھر آرام سے ناشتہ کرتا رہا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔

ڈرائیور کو میں نے عدنان کے دفتر چلنے کو کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں عدنان کے سامنے تھا۔ عدنان کافی مصروف نظر آ رہا تھا لیکن غیر مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح میرا استقبال کیا اور میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"سیٹھ جبار کے بارے میں خبر دیکھی عدنان؟"

"جی ہاں۔ اور دوسری خبر آج کے اخبارات کو نہیں مل سکی یقیناً کل کے اخبارات میں یا آج شام کے اخبارات میں وہ خبر چھپی ہو گی۔"

"وہ کیا؟"

"سیٹھ جبار دماغی اسپتال سے نکل بھاگا ہے۔ اس نے ایک ڈاکٹر اور دو نرسوں کو زخمی کر دیا ہے۔ ابھی تک وہ پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا غالباً" کہیں روپوش ہو گیا ہے۔"

"گڈ۔ گڈ۔ سیٹھ جبار اب اپنی زندگی کا صحیح لطف حاصل کر رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے جناب سرکاری پیمانے پر بڑی ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔ نجانے یہ کون ہمدرد ہیں' سیٹھ جبار کے جو ہمارے بارے میں باقاعدہ چھان بین کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وزارت داخلہ کی طرف سے آپ کے لئے کچھ اور کارروائی ہو گی۔ حکام اس معاملے میں کافی سنجیدہ ہیں اور یقیناً ہوں گے کیونکہ سیٹھ جبار کافی عرصے تک بہت سے لوگوں کا دوست رہا ہے اور اب وہ لوگ اس سے وفاداری کا ثبوت تو دیں گے ہی۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا عدنان۔ ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔ میں اس سلسلے میں اپنے طور پر بھی کچھ منصوبہ بندی کر رہا ہوں۔ تمہیں بہت جلد اس سے آگاہ کروں گا۔"

"یقیناً جناب ہم جن چیزوں کو قانونی طور پر کرتے رہے ہیں ان کا پورا پورا حساب دیں گے۔ میں بھی ان دنوں کافی مصروف ہوں۔ بلکہ میں نے کچھ اور لوگوں کو اپائنٹ کیا ہے۔ جو میرے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔ سارے کام اسی انداز ہونے چاہئیں جس طرح میں نے تمہیں ہدایت کی ہے۔"

"بہتر پرنس۔ آپ مطمئن رہئے۔" عدنان نے جواب دیا۔

اس رات جب میں کھانے سے فارغ ہوا دفعتاً فینی نے مجھے ایک اطلاع دی اور میں چونک پڑا۔ اس سے قبل کبھی بھی پروفیسر شیرازی میرے پاس نہیں آئے تھے۔ اس کوٹھی میں انہوں نے پہلی بار قدم رکھا تھا۔ فینی نے مجھے ان کے اور ڈی آئی جی آفتاب احمد کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ میں فوراً ہی ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

ڈرائنگ روم میں پروفیسر شیرازی موجود تھے اور ڈی آئی جی آفتاب احمد ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہی کھڑے ہو گئے تھے۔

"اوہ۔ آپ تشریف رکھئے۔ آپ نے کیسے زحمت کی؟" میں نے ان دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی یہ اپنے آفتاب احمد مجھے گھسیٹ لائے سر راہ ملاقات ہو گئی تھی۔ ان سے بہت سی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد یہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ وہاں سے سیدھے ہم یہاں آ رہے ہیں۔" پروفیسر شیرازی نے جواب دیا۔

"شکریہ۔ تشریف رکھئے! فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں، میں آپ دونوں حضرات کی؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد مجھے گھور رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "سیٹھ جبار کے بارے میں آپ نے آج کے اخبارات میں خبر پڑھ لی ہوگی پرنس دلاور!"

"جی ہاں۔ بڑی دلچسپ خبر تھی۔ ایک بڑا آدمی اچانک ہی دیوالیہ ہو گیا۔ اچانک تو اس طرح دیوالیہ نہیں ہوا جا سکتا ڈی آئی جی صاحب!"

"منصور مجھ سے تو کم از کم ایسی گفتگو نہ کرو۔"

"اوہو ہو۔ آپ مجھے غلط نام سے مخاطب کر رہے ہیں ڈی آئی جی صاحب۔ پرنس دلاور کہئے۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں منصور ہوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے

گہری سانس لے کر پروفیسر شیرازی کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔

"پروفیسر آپ بھی انہیں پرنس دلاور کہیں گے؟" پروفیسر خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر بولے۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں آفتاب صاحب؟"

"پروفیسر میں جو بھی گفتگو کر رہا ہوں ایک قانونی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے کر رہا ہوں۔ کیا مجھے اس کی اجازت دلا سکتے ہیں، پرنس دلاور سے؟"

"جی، جی فرمائیے۔"

"پروفیسر کیا میں جان سکتا ہوں کہ پرنس دلاور سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"آپ کا یہ سوال پولیس آفیسروں کا سا ہے کیا میں اس کا جواب دینے کے لئے مجبور ہوں۔" شیرازی نے کہا۔

"نہیں اگر اس میں پولیس افسران کے سے لہجے کی کچھ بات آ گئی ہے تو اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں اسی حیثیت سے آپ سے یہ سوال کر رہا ہوں جس حیثیت سے آپ کی پہلی کوٹھی میں حاضر ہوا تھا اور آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ منصور کی مدد کی جائے اور اس کے لئے میں نے اپنے عہدے کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ میں صرف اسی حیثیت سے یہاں آیا ہوں اگر اس حیثیت سے مجھے قبول نہ کیا جا سکے تو میں واپسی کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"کیوں پرنس کیا خیال ہے؟"

"پروفیسر! آپ کے بہت گہرے تعلقات ہیں ڈی آئی جی صاحب سے بھلا میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ آپ ان کی کوئی حیثیت قبول نہ کریں۔"

"یہ حیثیت تمہیں بھی قبول کرنا ہو گی منصور بیٹے! میری بات مان جاؤ۔ آخر تمہارے والد بھی تھے، تم ان کا احترام تو کرتے ہو گے۔"

ڈی آئی جی آفتاب احمد کہنے لگے۔

"خوب، تو آپ احترام کے رشتے سے بات کر رہے ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب۔"

"ڈی آئی جی صاحب نہ کہو۔ چچا کہہ لو۔ آفتاب احمد کہہ لو، جو دل چاہے کہہ لو۔ وقت مجھے ڈی آئی جی نہ کہو۔"

"جی حکم دیجئے چچا جان۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟"

"اینجل کے بارے میں بتا دو جو کچھ ہوا ہے وہ تمہارے اور حکومت کے درمیان ہے۔ اس کی بیٹی اسے دے دو تو شاید اس کا ذہنی توازن درست ہو جائے۔"

"شرط وہی ہے ڈی آئی جی صاحب، امی اور فریدہ مجھے دے دیں تاکہ میرا ذہنی توازن بھی درست ہو جائے۔"

"کاش میں انھیں لا سکتا۔"

"تو پھر آپ مجھ سے ایک ایسی شے کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں جس کا میں نے اعتراف بھی نہیں کیا۔"

"صرف انسانیت کے نام پر۔"

"انسانیت تو میرے لیے بھی کچھ کر سکتی ہے۔ آفتاب احمد صاحب! خدا کے لیے میرے لیے بھی کچھ کیجیے۔"

"نگران کا پتہ اسے نہیں معلوم وہ جو کچھ کر چکا ہے' میرے خیال میں اس کو اپنے کیے کی بھرپور سزا مل چکی ہے۔ شاید ہی کسی کو زمانے میں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہو۔"

"کمال کی بات ہے آپ سب کو اس سے ہمدردی ہے مجھ سے نہیں۔"

"نہیں منصور۔ تم سے بھی اتنی ہمدردی ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے لیے کیا کیا جائے۔"

"صرف ایک کام۔" میں نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"کیا---- بتاؤ؟"

"آپ لوگ بالکل خاموش رہیں۔ اسے سزا ملنے دیں' اسے موت کے گھاٹ اترنے دیں۔ یوں سمجھ لیں آفتاب احمد صاحب کہ خدا نے مجھے میرے ذہن و دل پر قابو دیا ہے ورنہ میں اس طرح سڑکوں پر گشت رہا ہوتا تو آپ لوگ میرے لیے یہ جد و جہد نہ کرتے۔"

"ہاں۔ میں اعتراف کرتا ہوں اس بات کا' شاید حکومت کو اور دوسرے لوگوں کو تم سے اتنی ہمدردی نہ ہوتی۔"

"اس کے باوجود۔ میں آپ کو اپنے دوستوں میں تصور کروں۔"

"نہیں منصور۔ تم سے بحث نہیں کی جا سکتی لیکن بیٹے میں تمھیں آفتاب احمد کی حیثیت سے اور اس رشتے کی حیثیت سے جو ابھی میرے اور تمھارے درمیان قائم ہوا ہے ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"حکم فرمائیے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"وزیر داخلہ براہ راست تمھیں طلب کرنے والے ہیں۔ تمھارے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی۔ تمھارا پس منظر پوچھا جائے گا۔"

"تو آپ کا خیال کیا ہے؟ کیا میں یہاں کمزور پڑوں گا؟"

"نہیں لیکن تم سے پوچھا جائے گا کہ تم منصور سے پرنس ولاور کیسے بنے؟"

"نام تبدیل کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ آفتاب احمد صاحب۔"

"بے شک نہیں ہے لیکن وہ دولت وہ سرمایہ جس سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا۔" آفتاب احمد صاحب بولے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اس کا بھی تسلی بخش جواب دوں گا' آفتاب احمد صاحب لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی مطالبہ کروں گا اس میٹنگ میں کہ سیٹھ جبار کا پس منظر اس کی دولت اور اس کے حصول کا ذریعہ بھی معلوم کیا جائے اور اس کے بعد مجھ سے پوچھا جائے کہ میرے پاس یہ دولت کہاں سے آئی۔ میں ان لوگوں کو بھی بے نقاب کروں گا جو سیٹھ جبار کو ایک سرمایہ کار سے خدا بنانے میں معاون رہے ہیں' بہت سی باتیں سامنے آئیں گی' آفتاب احمد صاحب جب ان باتوں سے میری تشفی ہو جائے گی تو میں اپنے بارے میں بھی بتا دوں گا اگر مجھے غلط کاریوں کا مجرم پایا گیا اگر میرا سرمایہ ناجائز ذرائع سے سامنے آیا تو میں بھی وہ سزا قبول کر لوں گا۔ جو میرے لیے تجویز کی جائے گی۔" آفتاب احمد صاحب پریشان کن نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے پھر وہ پروفیسر سے بولے۔ "پروفیسر آپ ہی میری مدد کریں اس سلسلے میں۔"

"میاں تم اتنے پریشان کیوں ہو آخر' مرے کیوں جا رہے ہو' سیٹھ جبار کے لیے۔ اس بچے کو بھی تو جواب دو۔ تمھیں اندازہ ہے کہ یہ کتنا معصوم تھا۔ تمھارے تو علم میں ہے یہ بات کہ اس پر قتل کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا' اگر تم میرے کہنے سے میرے اوپر احسان کرتے ہوئے اس کی جان نہ بچالیتے تو کیا پھانسی نہ چڑھ چکا ہوتا۔ کس منہ سے کہہ رہے ہو یہ بات۔ کس بنیاد پر کہہ رہے ہو---- ہر ذی روح برابر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک آدمی کو تم نے آسمان پر چڑھا دیا اور دوسرے کو زمین ہی پر دیکھنے کے خواہش مند ہو۔ ہاں ٹھیک ہے یہ بات میں کہہ رہا ہوں اگر اعلیٰ سرکاری پیمانے پر پرنس کے بارے میں تحقیقات کی جاتی ہے تو میں چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ پرنس ولاور اپنی جگہ پر بالکل صحیح نکلے گا۔ اس نے کوئی بلیک مارکیٹنگ نہیں کی' کوئی جعل سازی' ڈاکا زنی نہیں کی۔ دولت اس کے پاس جہاں سے آئی ہے۔ یہ اس کا ثبوت دے گا اور اس کے بعد دولت جس طرح بڑھی ہے' یہ اس کا بھی ثبوت دے گا۔ سارے کاروبار صاف ہیں اس کے' اس نے کہیں بھی غلط کاریاں نہیں کی ہیں۔ آفتاب میاں! سمجھے' ان چکروں میں مت پڑو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ جو کچھ کیا گیا ہے ٹھوس بنیادوں پر اور سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا صرف ایک آدمی ذہین ہو سکتا ہے؟"

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا پروفیسر شیرازی کہ آپ منصور کے ساتھ ہیں' میں آپ کے

بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں آپ کی بڑی عزت اور بڑی قدر کرتا ہوں پروفیسر! آپ کو میں نے ہمیشہ ایک آئیڈیل سمجھا ہے۔ درحقیقت پرنس دلاور بے سبب پرنس دلاور نہیں بنا۔ اس کے پس پشت بہت بڑے بڑے لوگ تھے۔"

"تو تم ان بڑے بڑے لوگوں کو پکڑ کر پھانسی دے دو' پھانسی چڑھا دو۔ صرف اس جرم کی بنا پر کہ انھوں نے ایک بے سہارا' بے کس انسان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"نہیں۔ میں خود بھی منصور کے ساتھ ہوں' پرنس دلاور کے ساتھ ہوں۔ میری خدمات ہر طرح حاضر ہیں بس یونہی چاہتا تھا کہ منصور اتنے برے نہ بنیں۔ مجھے ان سے دلی لگاؤ ہے۔" آفتاب احمد صاحب ڈھیلے پڑ گئے۔

"آفتاب احمد صاحب' میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ سے گفتگو کرتے ہوئے میرا لہجہ تلخ ہو گیا لیکن میرے حقائق پر بھی تو غور کیجئے۔ مجھے بھی تو بتایئے کہ میں کیا کروں؟ ---- اگر میں آپ کو سڑکوں پر اسی طرح پتھر مارتا ہوا نظر آتا تو آپ مجھ سے اتنی ہمدردی کا مظاہرہ کرتے؟ اگر کرتے تو صرف اتنا کہ مجھے کسی دماغی امراض کے ہسپتال میں داخل کرا دیتے اور میرے علاج کا بوجھ اٹھا لیتے۔ ڈی آئی جی صاحب! میں وہ سب کچھ نہیں بن سکا لیکن میری اندرونی کیفیت بھی وہی ہے۔ خدا کے لیے مجھ سے ہمدردی کیجئے اور مجھے بھی انسانوں ہی میں شمار کیجئے۔" ڈی آئی جی صاحب اس کے بعد کچھ نہ بولے۔ بس گہری گہری سانسیں لیتے رہے پھر انھوں نے پروفیسر شیرازی سے کہا "پروفیسر میں شکر گزار ہوں آپ کا کہ آپ نے میرے لئے اتنی زحمت کی۔ درحقیقت مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ پرنس دلاور کے خلاف کوئی جرم ثابت کرنا ممکن نہ ہو گا اور پھر اعلیٰ حکام میں بھی آپس میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ پرنس دلاور کے خلاف باقاعدہ تفتیش کی جائے اور کچھ کا کہنا ہے کہ پرنس دلاور جیسا نیک طینت انسان جرائم میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ اس کی توہین نہ کی جائے۔ بہر صورت دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے منصور میاں! اجازت دو مجھے۔"

"میری خواہش تھی کہ آپ کافی پی کر جاتے۔"

"ٹھیک ہے منگواؤ بھئی' مجھے تم سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں۔ میں تمہارا ہمنوا ہوں لیکن ان تمام باتوں کا کوئی حل نہیں نکل رہا۔ کاش میں اس سلسلے میں خود بھی کچھ کر سکتا۔"

کافی پی گئی' پروفیسر شیرازی' آفتاب احمد کے ساتھ باہر تک آئے۔ انھوں نے کہا کہ "یہاں کچھ دیر تک رکیں گے۔ آفتاب احمد صاحب شکریہ ادا کر چلے گئے۔ پروفیسر شیرازی

ہاتھ ملتے ہوئے میرے ساتھ اندر آ گئے۔

"منصور میاں! ساری تفصیلات مجھے نہیں معلوم ہو سکیں' میں تو اخبار پڑھ کر خود حیرت زدہ رہ گیا تھا' اور سچ مانو تو میں سیٹھ جبار کا یہ حشر دیکھنے کے لیے ہی باہر نکلا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہسپتال جا کر ذرا اس کی عیادت کروں' دیکھوں تو سہی کس کیفیت میں ہے کہ ڈی آئی جی آفتاب احمد مجھے مل گئے اور انھوں نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں' تمہارا حوالہ دیا اور کہنے لگے کہ میں نے تم پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا ہو گا۔ میں نے انحراف نہیں کیا۔ اس بات سے منصور میاں کیونکہ جھوٹ بولتے ہوئے مجھے وحشت سی ہوتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہاں منصور سے میرا رابطہ ہے۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ وہ منصور اور پرنس دلاور سے اچھی طرح واقف ہیں تو پھر میں نے ان کے ساتھ یہاں آنا منظور کر لیا۔ بڑی درخواست کی تھی۔ انھوں نے مجھ سے۔ میں انکار نہ کر سکا۔"

"ٹھیک کیا آپ نے۔ میں نے اب یہ بات صاف صاف کہہ دی ہے لوگوں سے کہ میں منصور ہوں پرنس دلاور کس طرح بنا' یہ میرا اپنا ذاتی معاملہ ہے اسے میں جانوں اور میرا کام۔ پروفیسر شیرازی اگر حکومت ہمارے سلسلے میں اعتراض کرتی ہے تو کیا آپ اپنے سرمائے کی تفصیل نہیں پیش کر سکیں گے؟"

"کیوں نہیں بھئی؟"

"کیا کل کا کاروبار ناجائز تھا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"کیا آپ دونوں کا سرمایہ اتنا نہ تھا کہ منصور پرنس دلاور بن سکتا؟"

"یقیناً تھا اور ہے اور اس کے بعد ہم نے جو کاروبار کیا' اس نے ہمارے اثاثے بڑھائے اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے میں عدالت میں پیش ہوں گا اور اپنے بارے میں یہی تفصیلات بتا دوں گا۔ اس میں حرج کیا ہے؟"

"کوئی حرج نہیں منصور! سرمایہ ہمارا اپنا تھا۔ ہم نے جس مد میں بھی خرچ کیا وہ ہمارا اپنا معاملہ ہے کسی کو اس سے کیا؟"

"تو پھر پریشانی کس بات کی؟"

"نہیں پریشانی کوئی نہیں ہے' لیکن تم مجھے تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"

"ہاں یقیناً یہ میری ذمے داری ہے بلکہ میں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا۔ کھیل ختم ہو چکا ہے پروفیسر۔ اب اس کھیل کو مزید آگے بڑھانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی

ہے۔ بہتر ہوتا کہ گل بھی ہمارے پاس ہوتیں بلکہ یوں کرتے ہیں، گل کو ہم ٹیلی فون کر کے بلائے لیتے ہیں۔ میں اپنی ساری رپورٹ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔"

پروفیسر نے گردن ہلا دی اور ہم دونوں ٹیلی فون کے نزدیک پہنچ گئے۔ میں نے ایگل اسکوائر کے بنگلے کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سرخاب نے فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو سرخاب۔ میں منصور بول رہا ہوں۔"

"بھیا۔ خیریت۔ آپ نے خبر پڑھی؟"

"ہاں سرخاب پڑھی ہے دل چاہے تو تم بھی آ جاؤ۔ ذرا گل کو بلا دو۔"

"اچھا اچھا ابھی بلاتی ہوں۔" سرخاب نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گل فون پر موجود تھی۔

ہیلو منصور یہ خبر سچ ہے کیا؟"

"کمال ہے سیٹھ جبار سے میرا کون سا ایسا گہرا رشتہ ہے گل جو آپ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ خبر سچ ہی ہو گی، تب ہی تو اخبار میں چھپی ہے۔"

"لیکن منصور یہ سب کیسے ہوا؟ بڑی عجیب سی باتیں ہیں۔ کیا میں ان پر یقین کر لوں۔"

"اگر یقین کرنے میں کوئی دشواری ہو رہی ہے تو پرنس دلاور کی کوٹھی پہنچ جاؤ۔"

"کیا مطلب۔ مم۔ میں۔ میں۔"

"ہاں پروفیسر شیرازی بھی یہاں موجود ہیں۔ تم اور سرخاب بھی چلی آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"مگر۔ کیا۔ کیا میرا وہاں آنا مناسب ہو گا؟"

"بالکل مناسب ہو گا تم آ جاؤ۔" میں نے کہا۔

"اچھا میں پہنچ رہی ہوں۔" گل نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔ پروفیسر شیرازی اور میں، گل اور سرخاب کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں پہنچ گئیں۔ گل نے شاید پہلی بار پرنس دلاور کی کوٹھی دیکھی تھی مسکراتی ہوئی میرے پاس آئی اور معنی خیز انداز میں کہنے لگی۔ "تو یہ ٹھاٹ ہیں جناب کے۔ دیکھا سرخاب، پرنس دلاور نے کبھی ہمیں اپنی کوٹھی پر مدعو نہیں کیا۔ اگر ایک وقت کا کھانا کھلا دیتے تو کیا حرج تھا۔" سرخاب مسکرانے لگی تھی۔ میں مسکراتا ہوا ان دونوں کو اندر لے آیا، پروفیسر شیرازی اندر ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔

گل اور سرخاب کو میں نے بڑے پیار سے بٹھایا اور خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"پروفیسر بہتر ہو گا کہ آپ ان لوگوں کو تفصیل سے آگاہ کر دیں۔"

"نہیں بھئی میں اپنے اندر یہ ہمت نہیں پا رہا۔ تم خود ہی بتاؤ۔ پروفیسر نے جواب دیا اور میں خاموش ہو کر الفاظ کا انتخاب کرنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ "گل صاحبہ! پروفیسر شیرازی اور سرخاب بہن! تفصیل میں جانا بے کار ہے۔ میرے حالات آپ لوگوں کے علم میں ہیں۔ امی اور فریدہ کے بارے میں آپ کو یہ علم ہے کہ کس طرح انہیں مجھ سے جدا کر دیا گیا۔ میں نے ان کی تلاش کے سلسلے میں جو جو صعوبتیں اٹھائیں ان میں سے کچھ آپ کے علم میں ہیں لیکن کچھ اور بھی میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ جبار سے بہت سے معاملات چلے، اس کا ایک خاص کارکن طارق جو درحقیقت ذاتی طور پر میری امی اور فریدہ کی تباہی کا باعث بنا اب مر چکا ہے۔ ذرا اس کی تفصیل عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ نے مجھے منصور سے پرنس دلاور بنایا۔ اس سے قبل میں جن حالات کا شکار ہوا تھا۔ اس کی تفصیل میری اور بہروز کی زبانی سن چکے ہیں۔ پرنس دلاور بننے کے بعد میں نے آپ کے زیر ہدایت سیٹھ جبار کے خلاف عمل کا آغاز کر دیا۔ اور عدنان میرا پشت پناہ ہی نہیں بلکہ میرے اس تمام سلسلے کو مکمل طور پر آگے بڑھانے میں سرفہرست رہا ہے۔ اس ذہین آدمی نے ہر مرحلے پر جتنی ذہانت سے میری عزت رکھی ہے۔ اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا اور آپ لوگوں نے جس طرح میرے لیے ایثار کیا، اس کے لیے میں آپ سے عرض کر سکتا ہوں کہ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔ ایک مظلوم اور بے سہارا انسان کو آپ نے کیا سے کیا بنا دیا۔ یہ آپ کی شرافت اور نیک نیتی ہے۔ میں آپ کے کون کون سے احسانات کا تذکرہ کروں گا۔ اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں۔ سیٹھ جبار میرے ہاتھوں پے در پے شکست کھاتا رہا۔ میں اس کے بارے میں مکمل طور پر منصوبہ بندی کرتا رہا کہ کس طرح اس کو زچ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کے بے شمار افراد کو قتل کیا وہ جس راستے سے بھی آگے بڑھا میں نے اس راستے کو مسدود کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ میرے سامنے چاروں خانے چت آ گرا۔ اس کی بیٹی اینجل میری جانب ملتفت ہوئی اور میرے لیے اپنے باپ کے خلاف کام کرنے کو تیار ہو گئی۔ میں نے اسے اپنی تحویل میں لیا تو سیٹھ جبار کے تابوت میں آخری کیل ٹھک گئی۔ اور اس کے بعد میں نے اینجل کے بل پر سیٹھ جبار کو مجبور کیا کہ وہ اپنے تمام اثاثے میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ قانونی طور پر ان اثاثوں کا اندراج مکمل ہے۔ لیکن جو رقم میں سیٹھ جبار کو ان کے عوض دیتا رہا۔ وہ میرے پاس واپس آتی رہی اور اب میں اس کی ہر چیز کا مالک ہوں، یہاں تک کہ اس کی کوٹھی بھی

میرے قبضے میں ہے اور وہ سڑکوں پر پاگل کتے کی طرح پھر رہا ہے لیکن اس کا پس منظر بہت المناک ہے اور میں آپ کی ہمدردی کا متمنی ہوں۔ طارق نامی شخص نے اس وقت جب کہ میں جیل میں تھا۔ سیٹھ جبار کے ایما پر میری ماں اور بہن کو گھر سے اغوا کیا اور انھیں ایک بیسوا کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ وہ عورت انھیں لے کر دوبئی چلی گئی۔

وہاں میری بہن کو عصمت فروشی پر مجبور کیا گیا پھر کوئی شخص ان دونوں کو اس عورت سے خرید کر لے گیا۔ میں خود دوبئی گیا۔ طارق میرے ساتھ تھا' وہاں سے مجھے یہ تمام معلومات حاصل ہوئیں جو حقائق پر مبنی ہیں اور ان میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب وہ کہاں ہیں' ان کا پتہ چلانا ناممکن ہے میرے لیے۔" میری آواز بھرا گئی تھی اور ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

دفعتاً" سرخاب پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ گل کے رخسار بھی بھیگ گئے۔

"یہ ہو چکا میری بہن۔ سرخاب یہ ہو چکا ہے۔ میں کتنا بے غیرت بھائی ہوں۔ دیکھو لو ایک بے غیرت انسان کو۔ میری معصوم فریدہ بیسوا بن گئی ہے اور میں زندہ ہوں۔ کیا مجھ جسے انسان کو خودکشی نہیں کر لینی چاہیے کیا میں اس کے بعد بھی زندہ رہوں؟"

"نہیں منصور بھیا۔" تم خودکشی نہیں کرو گے۔ تم زندہ رہو گے۔ میرے لیے' اپنی سرخاب کے لیے۔"

اس کے باوجود ڈی آئی جی صاحب کہہ رہے تھے کہ میں سیٹھ جبار کو معاف کر دوں۔ اس کے ہمدرد اس کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ کیا سمجھتے ہیں مجھے۔ پاگل ہوں یا میں فرشتہ ہوں۔ میں ساری دنیا سے جنگ کروں گا۔ اس کے ایک ایک ہمدرد کو مٹا دوں گا۔ روئے زمین سے۔ دیکھتا ہوں کون میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ میں قتل عام کروں گا۔ بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی سیٹھ جبار سے ہمدردی کرنے والوں کو۔"

پروفیسر شیرازی کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ وہ ذہنی طور پر بہت منتشر نظر آ رہے تھے۔ گل کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ سرخاب بدستور رو رہی تھی۔

"ہاں بیٹے۔ اب بھی تم ہمیں غیر سمجھتے ہو۔ میں تمھارا باپ نہیں ہوں لیکن کیا تم مجھے میری محبت کی سزا دو گے۔ کیا میں تمھاری جدائی برداشت کرنے کے لیے زندہ رہوں گا۔" پروفیسر نے کہا اور سرخاب کی سسکیاں پھر جاری ہو گئیں۔

"میں تو آپ کو سگے بھائی کی طرح جانتی ہوں بھیا۔ جب سے آپ ملے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اپنی پشت پر آپ کا ہاتھ محسوس کیا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ مان نہیں دیں گے۔"

"نہیں سرخاب۔ میں تم سب کے سہارے جیوں گا بیٹے۔ مجھے جینا ہو گا۔" میں نے گلوگیر ہو کر کہا۔

"فریدہ فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ اگر وہ ہمیں مل گئی تو ہم اس کے دل سے سارے داغ دھو دیں گے۔" گل نے کہا۔

"چھوڑو بھی ان باتوں کو گل! اب اس کا انتظار کرو کہ منصور کے بارے میں ہم وضاحت کر دیں۔ منصور کے سارے کام قانونی ہیں کوئی سقم نہیں۔ کچھ نہیں مل سکے گا ہمارے خلاف۔ میں اور گل اپنا مافی الضمیر کھل کر بیان کریں گے۔ ہم نے کاروبار کیا ہے۔ کوئی فراڈ نہیں کیا۔"

"میں سیٹھ جبار کے سلسلے میں کوئی لچک نہیں پیدا کروں گا۔ اینجل کو اس کے حوالے نہیں کروں گا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔"

"اینجل اب محفوظ جگہ ہے۔"

ہاں۔ ابھی اس کی تلاش ناممکن ہے۔ ہاں اگر پولیس کسی طرح اس تک پہنچ گئی تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔"

"ابھی نہیں منصور۔ ابھی اس طرح مت سوچو------ وہ لڑکی بے قصور ہے۔ اگر وہ ہماری راہ کی رکاوٹ نہ بنے تو اس بے قصور کو ہلاک کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں------" پروفیسر نے کہا۔

"یہ اس شکل میں ہو گا جب مجھے اس کا سیٹھ جبار کے ہاتھ لگ جانے کا خطرہ ہو گا۔"

"اگر ایسا ہو بھی جائے تو تم اسے میرے حوالے کر دینا' میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ کبھی سیٹھ جبار تک نہیں پہنچ سکے گی!" پروفیسر نے کہا۔ کافی دیر تک ان لوگوں کے ساتھ نشست رہی پھر پروفیسر نے واپسی کی اجازت مانگی۔

"آپ لوگ جائیے ڈیڈی' میں بھیا کے پاس رہوں گی آج رات' باتیں کریں گے ہم لوگ"۔

"او۔ کے"۔ پروفیسر نے کہا اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔ سرخاب میرے ساتھ خواب گاہ میں آ گئی تھی۔

"بھیا اب موڈ بدل دو۔ ٹھیک ہو جاؤ اب۔ میں تم سے باتیں کروں گی"۔

"میں ٹھیک ہو سرخاب"۔

"میں اگر ایک تجویز پیش کروں تو برا تو نہیں مانو گے؟"

"کہو"۔

"دیکھو جو منہ میں آرہا ہے بک رہی ہوں۔ اچھا نہ لگے تو ڈانٹ دینا' کینہ دل میں نہ رکھنا۔"

"ٹھیک ہے"۔

"اینجل کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"میں جانتا تھا کہ تم یہی سوال کرو گی؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ جانتے تھے ------- کیسے؟"

"سرخاب کو جانتا ہوں بس یہی کہہ دینا کافی ہے" میں نے کہا۔

"تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میں کیا تجویز پیش کروں گی؟"

"جو تجویز تم پیش کرو گی سرخاب' اب اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"مجھے آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"سیٹھ جبار نے اسے میرے سامنے خود پیش کیا تھا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ اینجل میرے بارے میں کھوج لگائے کہ کیا میں منصور ہی ہوں۔ اینجل مجھ سے ملی .... اور پھر وہ مجھ سے متاثر ہو گئی۔ اس نے میری کہانی سنی تو مجھ سے مخلص ہو گئی اور اپنے باپ کے خلاف کام کرنے پر تیار ہو گئی۔ اس نے خوشی سے خود کو میری تحویل میں دے دیا اور سرخاب میں نے بھی سوچا کہ اگر امی اور فریدہ مجھے مل گئیں تو شاید میں سب کچھ بھول جاؤں۔ اینجل مجھے منصور کی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار ہے لیکن دوبئی سے واپسی پر جب مجھے حقیقت حال کا علم ہوا تو میرے دل سے جینے کی خواہش ہی نکل گئی۔ میں اس بدترین شخص کی بیٹی کو دل اور اپنی زندگی میں کیسے جگہ دے سکتا ہوں۔"

"گویا آپ بھی بھیا' آپ بھی اس سے متاثر ہوئے تھے۔"

"یہ سارے کھیل اس وقت تک کے تھے جب مجھے فریدہ کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہوئی تھیں۔ اس کے بعد مجھے اس سے بھی نفرت ہو گئی۔ میں نے سیٹھ جبار کی کوٹھی خریدلی ہے۔ میں اس کی کوٹھی پر بلڈوزر چلوا کر وہاں اصطبل بنواؤں گا یا کارپوریشن کو دے کر وہاں پیشاب گھر تعمیر کروا دوں گا۔ مجھے جبار سے متعلق ہر شے سے بے پناہ نفرت ہے۔ اور اب یہ گفتگو مت کرو سرخاب۔"

سرخاب خاموش ہو گئی۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔ "مجھے اینجل سے ملوا دو گے منصور بھیا!"

"ابھی یہ کیسے ممکن ہے سرخاب ممکن ہے پولیس بھی اس کی تلاش میں ہو۔ ہماری

ذرا سی لاپرواہی ہمارے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔"

"ابھی نہ سہی لیکن تمہیں میری قسم بھیا۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ یہ ظلم ہو گا۔ میں تمہیں ظلم کرنے نہیں دوں گی۔ ویسے تمہارا جو دل چاہے کرو اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔"

"ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا"۔ میں نے کہا۔ سرخاب مجھے خوب سمجھاتی رہی۔ دوسرے دن بھی وہ دوپہر تک میرے ساتھ رہی تھی اور پھر اس کی خواہش پر میں نے اسے واپس بھجوایا۔

سیٹھ جبار کے بارے میں اور بھی کئی خبریں ملیں۔ وہ ایک پارک میں پکڑا گیا۔ اور اسے دوبارہ دماغی ہسپتال بھجوایا گیا تھا اور خبر ملی کہ اس نے خود کو زخمی کر لیا ہے۔ کافی دن گزر گئے۔ میرے خلاف سرکاری طور پر کارروائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ میری ہدایت پر عدنان نے خود ہی اس سلسلے میں ہوم منسٹری اور ایڈمنسٹریشن سے معلومات حاصل کیں اور منسٹری میں اسے میرے کارندے کی حیثیت سے طلب کر لیا گیا۔ واپسی میں اس نے مجھے کافی دلچسپ اطلاعات دی تھیں۔ اس نے بتایا کہ منسٹری میں میری فائل بند کر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہوم منسٹر نے بذات خود احکامات جاری کیے اور لکھا کہ پرنس دلاور نے اس قدر سماجی خدمات انجام دی ہیں کہ حکومت ان کے خلاف کسی تحقیقاتی کارروائی کا آغاز کر کے ناسپاسی کا ثبوت نہیں دے سکتی۔ سیٹھ جبار کے کیس کی تفتیش کا حکومت کو اس وقت تک کوئی اختیار نہیں ہے جب تک سیٹھ جبار خود کوئی الزام نہ لگائے اور رپورٹ نہ کرائے۔ اس کی دولت کہاں گئی۔ اس کے اثاثے کیا ہوئے؟ اس کی جواب دہی کسی طور پرنس دلاور پر واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر سیٹھ جبار کا ذہنی توازن درست ہو جائے اور وہ ثبوت کے ساتھ کوئی رپورٹ دے تو کیس درج کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ان ثبوتوں کی روشنی میں تحقیقات کی جا سکتی ہے۔"

عدنان بہت خوش تھا۔ "ہمیں بہت بڑی فتح حاصل ہوئی ہے پرنس اور سیٹھ جبار کے جو پوشیدہ دوست یہ سب کچھ کر رہے ہیں انھیں شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔"

"اینجل کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوئی؟"

"کوئی خاص نہیں۔ بس پرنس دنیا کے رنگ ہیں اگر سیٹھ جبار کا سورج چڑھا ہوتا تو شاید شہر کے گھر گھر کی تلاشی لینے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔"

میں خاموش ہو گیا لیکن دل کو ایک بار پھر سکون کا احساس ہوا تھا۔ سیٹھ جبار اور اس کے حواری شکست پر شکست کھا رہے تھے۔ آج اس کی وہی کیفیت تھی جو کبھی میری تھی۔

آج وہ بے سہارا تھا اور اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔

عدنان نے میرے سامنے بہت سے غیر ملکی اخبارات پیش کیے جن میں امی اور فریدہ کی تصویریں شائع ہوئی تھیں۔ ان میں بڑے بڑے انعامات کا اعلان کیا گیا تھا لیکن ان کا کوئی بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ مجھے امید بھی نہیں رہی تھی۔ خود عدنان بھی الجھا ہوا تھا۔ میں اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیتا تھا۔ اخبارات دیکھنے کے بعد طبیعت پر کسی قدر تکدر چھا گیا تھا۔ دل بہت بے چین ہوا تو باہر نکل آیا۔ کار لی اور چل پڑا۔ بس یونھی سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا تھا پھر ایک سڑک سے گزرتے ہوئے کار روکنی پڑی۔ آگے کسی وجہ سے ٹریفک رک گیا تھا۔ سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر ایک کار آگے بڑھی پھر دوسری اور پھر تیسری تب میں نے اسے دیکھا۔ وہ سیٹھ جبار ہی تھا۔ بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں وحشت تھی۔ ایک ہاتھ میں سیٹی دبی ہوئی تھی اور وہ زور زور سے سیٹی بجا کر گاڑیوں کو روک رہا تھا۔ ہر کار کی کھڑکی میں سر ڈال کر وہ کچھ کہتا تھا اور پھر مایوسی سے کار کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا تھا۔

پھر اس نے سیٹی بجائی اور میری کار کے پاس آ گیا۔ "رکو، خبردار رک جاؤ۔" اس نے کہا۔ وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا پھر اس نے گردن اندر ڈال کر کار کی سیٹیں دیکھیں اور راز داری سے بولا۔ "اینجل ہے۔"

میرے بدن میں جھرجھری آ گئی۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے ------ اس نے ایک سسکی سی لی اور رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ بھی خالی ہے۔ پتہ نہیں کہاں گئی۔ راستہ بھول چکی ہو گی۔ جاؤ جاؤ۔ آگے بڑھو۔ جاؤ آگے بڑھو۔" اس نے سیٹی میں پھونک ماری اور دوسری کار کی طرف بڑھ گیا۔

میرے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ سر چکرانے لگا۔ سینہ بوجھل ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے مجھے سردی سے بخار آنے والا ہو۔

"دو ڈیوٹی کانسٹیبل تیزی سے اس طرف دوڑتے ہوئے آئے اور صورت حال معلوم کرنے لگے۔ پھر انھوں نے سیٹھ جبار کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"پاگل ہے۔ سارا ٹریفک جام کر دیا۔"

"ٹھوکر مارو ------ سالے کو۔" دوسرے کانسٹیبل نے کہا۔ ان میں سے ایک دھکے دیتا ہوا سیٹھ جبار کو سڑک کے کنارے لے گیا۔

"چلیے بابو جی۔ سارا ٹریفک رک رہا ہے۔" کانسٹیبل نے گاڑی کو دیکھ کر نرم لہجے میں کہا۔

میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گیئر ڈالا اور گاڑی آگے بڑھا دی لیکن چند گز چل کر ہی مجھے احساس ہو گیا کہ میں کار ڈرائیو نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ میں نے بائیں سمت کا انڈیکیٹر دیا اور گاڑی سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ دماغ ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ سیٹی کی آواز میرے حواس پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف سے سیٹیاں بج رہی تھیں اور ان میں سے ایک آواز ابھر رہی تھی۔ "اینجل ہے۔ پتہ نہیں کہاں گئی۔ راستہ بھول گئی شاید۔"

زور سے بادل گرجے اور زمین و آسمان تاریک ہو گئے۔ کانوں میں سیٹیوں کا شور بڑھتا گیا پھر اس شور میں ایک آواز ابھری' اور جو ایسے غیرت مند ہیں کہ جب ان پر کسی طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے اس پر بھی جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'

بادل زور سے گرجے اور میں نے لرز کر کان بند کر لیے لیکن یہ آواز تو میرے سینے سے اٹھ رہی تھی۔

"ہر نیک و بد کے ساتھ نیکی کر اگر وہ نیکی کرنے کے قابل نہیں۔ تو تو اس لائق ہے۔ جنت ان پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے جو خدا کے نام پر غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں بے شک انھیں خدا دوست رکھتا ہے۔"

"اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو انھوں نے معاف کر دیا انھیں جو ستانے والے تھے۔"

شور' بے پناہ شور۔ بہت سی آوازیں پھر کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "------ یہ نو پارکنگ۔ گاڑی سائڈ روڈ پر لے جائیے۔ ٹریفک میں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اوہ۔ شاید آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" میں نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ڈیوٹی کانسٹیبل تھا۔

"سوری۔" میں نے کار دوبارہ اسٹارٹ کر دی' تو پھر وہ بولا۔

"اگر طبیعت خراب ہے سر تو براہ کرم تھوڑی سی ہمت کیجیے اس سائڈ روڈ پر گاڑی لے آیئے۔"

"نہیں کانسٹیبل شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں۔ ایک بات سنو۔ وہ بوڑھا کہاں گیا جو سیٹیاں بجا کر گاڑیاں روک رہا تھا؟"

"پاگل ہے بے چارہ۔ وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے۔" کانسٹیبل نے ایک طرف اشارہ کیا

اور میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ میں نے گاڑی آگے بڑھائی اور اسے گھما کر سائڈ روڈ پر کھڑا کیا اور پھر میں نیچے اتر آیا۔ میرے پیروں میں لرزش تھی۔ سر چکرا رہا تھا لیکن میرے قدم سیٹھ جبار کی طرف اٹھ رہے تھے۔ نہ جانے میں نے کس طرح سڑک پار کی اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"اینجل سے ملو گے؟" میرے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی اور وہ اچھل پڑا۔

"اینجل۔ ہاں اینجل۔" لیکن یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس نے میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ "میری بیٹی ہے وہ۔ میری چھوٹی سی بیٹی۔ منی سی بیٹی۔ اواو۔ اواو۔ اواو۔" وہ پیار سے کسی کو چمکارنے لگا۔

"آؤ۔ میں تمہیں اینجل کے پاس لے چلوں۔" میں نے کہا۔

"چلو۔ چلو۔" وہ بولا۔ اور میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ خاموشی سے سڑک پار کر کے وہ میری کار کے قریب آ گیا۔ میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھا لیا تھا۔

کمپاؤنڈ میں طاہر اور اعظم موجود تھے۔ فوراً ہی میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا۔ پھر ان کی نگاہ اس بوڑھے پر پڑی لیکن وہ اسے پہچان نہیں سکے تھے۔

"اسے باہر نکالو۔" میں نے آہستہ سے کہا اور سیٹھ جبار سیٹیاں بجانے لگا۔ دفعتاً طاہر بے اختیار بول اٹھا۔

"ارے ارے۔ یہ تو۔ یہ تو۔"

"اوہ۔ یہ سیٹھ جبار ہے۔" اعظم نے کہا۔ دونوں متحیر رہ گئے تھے۔ انھوں نے بمشکل سیٹھ جبار کو باہر نکالا۔

"اینجل ہے۔" سیٹھ جبار نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ وہ دونوں تھوک نگل کر رہ گئے تھے۔

"اندر لے چلو اسے۔" میں نے کہا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

"یہ سیٹھ جبار ہی ہے نا سر؟" طاہر نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"پاگل ہو گیا ہے نا یہ۔ ہم نے اخبار میں پڑھا تھا۔" اعظم بولا۔۔۔۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے کہنے سے سیٹھ جبار کو ایک ایسے کمرے میں پہنچایا گیا جہاں فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔ بغرض احتیاط میں نے یہ ہدایت کی تھی۔ اسے وہاں بند کر

ے میں باہر نکل آیا۔

"اینجل کیسی ہے؟"

"بری حالت ہے اس کی۔ بہت مختصر کھاتی پیتی ہے۔ بے حد چڑچڑی ہو گئی ہے۔ تہہ خانے میں رکھا ہے ہم نے اسے۔" طاہر نے جواب دیا۔

"نکال کر لاؤ اسے۔" میں نے کہا اور طاہر گردن خم کر کے چلا گیا۔ میں انتظار کرنے لگا۔ ماحول میں ایک حبس سا تھا۔۔۔۔ فضا میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی سنسنی میرے رگ و پے پر طاری تھی۔ باہر قدموں کی چاپ ابھری اور پھر اینجل اندر داخل ہوئی۔

"کہاں ہے وہ۔ کہاں ہے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بتاؤ۔۔۔۔" اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس کی آنکھوں میں چبھن پیدا ہو گئی۔ "اوہ تم واقعی موجود ہو۔ تو تم موجود ہو۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ تم میری موت کی اطلاع پر ہی آؤ گے۔ دشمنی ہے نا تمہاری سیٹھ جبار سے۔ چھوٹے انسان، تم سے کسی بڑی بات کی توقع کی تھی میں نے، میں نے تمہارے تم کو اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔ تم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا یا ابھی کچھ باقی رہ گیا ہے؟ اس سے زیادہ کچھ اور کر سکتے تھے تم۔ میں سب سمجھ گئی ہوں۔ میری ہمدردی، میری محبت حاصل کر کے تم نے ضرور میرے باپ کو بلیک میل کیا ہو گا؟ میں نے تو خود اس پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میری ہمدردی حاصل کرنے کے لیے محبت کا کھیل کیوں کھیلا تم نے؟"

"غلطی کی تھی اینجل۔ غلطی کی تھی۔" ضبط کے باوجود میری آواز نکل گئی۔

"غلطی نہیں۔ وہ تمہارا منصوبہ تھا۔ ایک ڈرائیور کا بیٹا۔ ایک نمک حرام اس سے بڑا منصوبہ اور کیا بنا سکتا تھا۔ پرنس دلاور۔ نام ہی سنا ہے صرف پرنس کا یا کسی شہزادے کو دیکھا بھی ہے۔ منصور ہو تم۔ منصور بھی نہیں ہو۔ تم نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو کبھی کسی نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہو گا۔ باپ کا بدلہ بیٹی سے۔ تمہارے ایما کے بغیر کوئی مجھے قید کر سکتا تھا۔ بولو جواب دو؟" وہ میرے نزدیک آ گئی اور اسی وقت اس کی نگاہ سیٹھ جبار پر پڑی اور وہ ٹھٹک گئی۔ پہلے اس نے سرسری نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دہشت نظر آنے لگی۔ پھر اس کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی۔

"ڈیڈی۔ آہ یہ تم ہو۔" وہ دوڑ کر سیٹھ جبار سے لپٹ گئی۔ "ڈیڈی یہ کیا حالت ہو گئی تمہاری۔ ڈیڈی۔ آہ ڈیڈی۔" سیٹھ جبار سکتے کے عالم میں تھا۔ وہ خلا میں نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ "کیا ہو گیا انھیں۔ منصور کمینے ذلیل، یہ کیا کر دیا تو نے؟ یہ کیا کر دیا تو نے میرے ڈیڈی کو؟ یہ سیٹھ جبار ہے یہ؟ آہ ڈیڈی۔ میرے ڈیڈی۔ خدا اسے غارت کرے۔ خدا

کرے منصور تو ہمیشہ تڑپتا رہے۔ تیری ماں اور بہن تجھے کبھی نہ ملیں۔ تیرے ساتھ جو کچھ ہوا اچھا ہوا تو اسی قابل تھا۔ ڈیڈی کچھ بولتے کیوں نہیں آپ؟" وہ سیٹھ جبار سے لپٹ گئی۔

میں اس کمرے سے نکل آیا۔ طاہر اور اعظم باہر موجود تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

"وہ اگر جانا چاہے تو ان دونوں کو جانے دینا۔"

"بہتر ہے۔" طاہر نے کہا اور میں واپس اپنی کار میں آ بیٹھا۔ دل ڈوب رہا تھا۔ احساس شکست سارے وجود پر حاوی تھا۔ ہاں مجھے شکست ہو گئی تھی۔ اینجل سیٹھ جبار کو مل گئی تھی اور میں محروم تھا۔

دیر تک سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ذہن بہت سے فیصلے کر رہا تھا۔ اب مجھے ان ہنگاموں سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میں اب کسی سنسان گوشے میں پناہ چاہتا تھا۔ پھر میں نے کار کا رخ ایگل اسکوائر کی طرف کر دیا۔ ان سب لوگوں کو اپنی شکست کی کہانی سنانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس بنگلے میں داخل ہو گیا۔

پروفیسر ابھی کہیں سے آئے تھے۔ کار کے دروازے لاک کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر رک گئے۔

"ہیلو۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔

"ہیلو پروفیسر۔"

"آؤ۔ بڑے افسردہ ہو۔ میں راشدہ کو دیکھنے گیا تھا۔ عظمت کے گھر۔ کچھ طبیعت خراب ہے اس کی۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ پروفیسر مجھے لیے اندر پہنچ گئے۔ گل اور سرخاب نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔

"اوہ۔ منصور بھیا آئے ہیں۔ آیئے منصور بھیا——— شاید کافی آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی، ڈیڈی بھی آ گئے۔ چلو بھئی حسینہ، اے حسینہ کافی لے آؤ، بیٹھے منصور بھیا،" سرخاب نے حسب معمول پر تپاک انداز میں کہا۔

"کیا بات ہے منصور، بہت مضمحل سے ہو، کوئی خاص بات تو نہیں؟" گل نے کہا اور میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی———

"نہیں گل، میری زندگی میں اتنی ساری خاص باتیں۔ ہو چکی ہیں کہ اب خاص باتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور سب میری شکل دیکھنے لگے۔

"کوئی نئی بات ہوئی ہے، منصور؟" پروفیسر شیرازی آہستہ سے بولے۔

"ہاں میں ہارا ہوا جواری ہوں پروفیسر، سب کچھ ہار چکا ہوں اور آج میں نے اپنے کھیل کا اختتام کر دیا۔"

"کیا ہوا بھئی کیوں پریشاں کر رہے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں پروفیسر، طویل عرصے آپ کو پریشان کیا ہے اور اب اس دنیا کو پریشان کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے کوئی پر سکون گوشہ دے دیں۔" میری آواز بھرا گئی اور وہ سب پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"کوئی خاص بات ہے منصور؟"

"نہیں، گزر رہا تھا راستے سے تو سیٹھ جبار کو دیکھا، گاڑیوں میں جھانکتا پھر رہا تھا اور ایک ایک سے پوچھ رہا تھا کہ اینجل اس کی گاڑی میں تو نہیں ہے، کہہ رہا تھا پتہ نہیں کہاں گئی، راستہ بھول گئی ہے۔ میں نے اسے راستہ بتا دیا پروفیسر، اس سے زیادہ قوت برداشت، میرے اندر نہیں تھی۔"

"کیا ہوا۔ کیا ہوا آخر کچھ بتاؤ تو سہی، کیا کیا تم نے؟"

"اسے اینجل کے پاس پہنچا دیا، بس میں نے کہا نا چھوٹا سا آدمی ہوں اس سے زیادہ قوت برداشت نہیں تھی مجھ میں۔ ہم لوگ تو شاید مظالم سہنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں، شاید خالق حقیقی نے ہی دو طبقے پیدا کیے ہیں، ایک ظالم دوسرا مظلوم۔ ظالم کو اس نے ظلم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے اور مظلوم کو ظلم سہنے کے لیے۔ مظلوم، ظالم بننے کی کوشش کرے تو مضحکہ خیز ہو جاتا ہے جیسے میں، ہمیں تو وہ قوت ہی عطا نہیں ہوتی جو ظلم کرنے کے قابل ہو، سیٹھ جبار کو اس کیفیت میں دیکھ کر میری قوت برداشت جواب دے گئی اور میں نے اپنے سارے حساب بند کر لیے، اس سے زیادہ انسانیت کی تذلیل میں برداشت نہ کر سکا پروفیسر میں نے اسے سڑک سے اٹھایا اور وہاں پہنچا دیا جہاں اینجل موجود تھی، میں نے دونوں باپ بیٹی کو ملا دیا۔ اور اس کے بعد اینجل نے مجھے بددعائیں دیں، کہنے لگی کہ میں نے اس کے باپ کی یہ حالت کی ہے۔ خدا مجھے میری ماں اور بہن سے محروم رکھے، ٹھیک ہے پروفیسر خدا اگر مجھے میری ماں اور بہن سے محروم رکھنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے اس کے کاموں میں مداخلت کون کر سکتا ہے؟"

پروفیسر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ان کے بدن میں کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی، پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"تو نے۔ تو نے سیٹھ جبار کو اس کی بیٹی سے ملا دیا منصور! تو اس کی یہ کیفیت برداشت

نہیں کر سکا' کیوں یہی کیا ہے نا تو نے؟" پروفیسر نے پوری قوت سے میرا بازو پکڑ لیا۔

"ہاں پروفیسر' یہی کیا ہے میں نے۔" میں نے بمشکل تمام جواب دیا۔

تب پروفیسر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' وہ روتے ہوئے بولے۔ "خداوند قدوس میں نے جب محسوس کیا کہ میرے افکار و خیالات میری نیکیوں کے ارادے' دنیا کے بارے میں میرا یہ خیال کہ نیکی اور اچھائی کے راستے برتر ہیں۔ بدی کے راستوں سے۔ باطل ثابت ہوا تو میں نے ان ہی راستوں کو اپنا لیا' جن پر دنیا چل رہی تھی۔ میں نے اپنا سب کچھ اس راہ پر لٹا دیا' میں تجربہ کرنا چاہتا تھا اس دنیا کے بارے میں اور کائنات کا یہ کھیل میری سمجھ میں آنے لگا لیکن مجھے احساس تھا کہ یہ تیرے احکامات کے منافی ہے۔ میں نے خود کو مجرم سمجھا میرے معبود! میں نے دنیا کے خلاف تو سب کچھ کیا لیکن اب بتا میں کیا کروں۔ اب تو یہ کھیل صرف تیرا ہے' میرے معبود مجھے روشنی دکھا' میرا ایمان بھٹک رہا ہے میرے آقا۔ مجھے روشنی دے۔" پروفیسر ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

"ڈیڈی۔ خدا کے لیے ڈیڈی۔ خود کو سنبھالیے۔ خدا کے لیے۔"

"پروفیسر آپ تو سمجھدار ہیں۔" گل بھی روتے ہوئے بولی۔

"کیا خاک سمجھدار ہوں گل۔ کچھ بھی تو نہیں سمجھ سکا۔ کچھ بھی تو نہیں جان سکا۔ کیا معلوم کسی کو مجھ پر کیا بیتی ہے۔ کون جانتا ہے کہ میں نے کتنا کٹھن وقت گزارا ہے خود پر۔ میں نے ساری زندگی کے لیے ایک لائحۂ عمل بنایا تھا۔ میں کشاں کشاں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کتابیں میری دوست تھیں اور ان ساری کتابوں کو پڑھنے میں' ان پر یقین کرنے میں زندگی بسر کی تھی۔۔۔۔ سچ سمجھا تھا میں نے سب کچھ۔ ایک راستہ منتخب کر لیا تھا میں نے کہ ایک سنسان رات میں یہ بھٹکا ہوا میرے پاس آیا' میں نے اپنے علم کی نگاہ سے اسے دیکھا اور جانا کہ بچہ ہے حالات کے ستم کا شکار ہے۔ میں نے برتر سمجھا خود کو اس سے اور اس کا رہنما بننے کی کوشش کی۔ میں نے اسے برائی کا جواب بھلائی سے دینے کے لیے مجبور کیا اور خود اس کا ہم رکاب ہو گیا۔ یہ کٹھن ترین سفر تھا لیکن میں سچائی کی راہ سے کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ کونسی کوشش نہیں کی میں نے لیکن یہ کوشش ناکام رہی تب ان کتابوں سے میرا ایمان اٹھ گیا۔ میں نے انھیں جلا دیا۔ ان کی تحقیر کی اور ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس کے بعد سے کتاب سے مجھے نفرت ہو گئی۔ اس کے بعد سے میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ پھر میں نے دنیا گردی کی۔ اپنا سب کچھ لٹا کر پرنس دلاور تخلیق کیا۔ میری تخلیق نے جو تخریب کی میں اس پر ہر لمحہ رد دیا لیکن میں مجبور تھا۔۔۔ میں نے اپنی ہر رات کرب میں گزاری اور دعا مانگی کہ معبود مجھے منزل دے۔ میری منزل منصور کا سکون

تھا۔ اس کی جائز طلب تھی لیکن جواب تمہارے علم میں ہے اور اس کے بعد آج یہ سب ہو گیا۔ اس کے اندر کی اچھائی جاگ اٹھی۔ یہ انسانیت کے لیے قتل ہو گیا۔ کیا اس نام کی ہی تقدیر ہے۔ کیا منصور صرف سولی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ کیوں آخر کیوں؟"

"خدا کے لیے ڈیڈی۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالیے۔۔۔۔" سرخاب نے روتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر خاموش ہو جائیں۔" گل بولی۔ میں خاموش بیٹھا تھا۔ بڑی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی میرے اندر۔

اسی وقت حسینہ کافی لے آئی۔ ہنس رہی تھی وہ بے چاری۔ ماحول کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

"لو جی۔ چھلے میاں کی صبح ہو گئی۔ لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔" اس نے کافی کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے چونک کر سب کو دیکھا پھر بکسر بول پڑی۔ "آئے ہائے۔ یہاں تو مرثیے ہو رہے ہیں۔ تازیے نکل رہے ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو حسینہ۔" گل جھلا کر بولی

"میں بکواس نہیں کر رہی بی بی جی اور ڈرامہ ہو رہا ہے۔ ہیرو ہیروئن گلے مل رہے ہیں۔ سنسر ہو رہی ہے بی بی جی۔"

گل نے بے چینی سے ایک ایک کو دیکھا پھر بولی "اچھا ٹھیک ہے تو جا۔"

"تو جا رہے ہیں بی بی۔ بھوندو۔ ارے او بھوندو۔" اس نے آواز لگائی لیکن دروازے پر شمو نے اندر جھانکا اور پھر رک گئی۔ "لو جی ہیروئن آ گئی۔" پھر ہنس پڑی۔

شمو کے پیچھے ایاز بھی تھا۔ جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ میں چونک پڑا۔ ایاز کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے ایک ایک کی شکل دیکھی اور مجھ پر نگاہ پڑی تو وہ بے اختیار ہو گیا۔

"بھیا۔ منصور بھیا۔" اس کی آواز بھرا گئی اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی تھی کہ ایاز کا ذہنی توازن درست ہو گیا ہے۔ ایاز پاگلوں کی طرح مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ مجھے بے پناہ چاہتا تھا۔ حسینہ کی بات اب سب کی سمجھ میں آ گئی۔

ایاز بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ "میرے منصور بھیا۔۔۔۔ میرے بھیا۔" پروفیسر' گل اور سرخاب بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری ایاز؟"

"ٹھیک ہوں بھیا۔ بالکل ٹھیک ہوں۔ امی کہاں ہیں؟ فریدہ بہن کہاں ہیں؟" اس نے

ادھر ادھر دیکھ کر کہا اور میرے دل پر ایک گھونسہ سا پڑا۔

"بیٹھو ایاز۔" میں بھاری' لہجے میں بولا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں؟" اس نے پھر کہا۔ وہ بے چارا سمجھ رہا تھا کہ شاید امی اور فریدہ مل گئی ہیں۔"

"حسینہ کافی بناؤ۔" میں نے کہا۔ ایاز گل وغیرہ کی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا۔ حسینہ کافی بنانے لگی پھر اس نے بھوندو کو آواز دے کر کہا کہ کچن سے کچھ اور پیالیاں لے آئے۔

"تم بھی بیٹھو شمو۔ کیسا محسوس کر رہے ہو ایاز؟" میں نے ماحول بدلنے کی غرض سے کہا۔ ایاز کے ٹھیک ہو جانے سے مجھے خوشی ہوئی تھی۔

"بڑا پریشان ہوں بھیا۔ یہ ماحول میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا۔" ایاز نے کہا۔

"یہ پروفیسر شیرازی ہیں۔ یہ سرخاب ہے اور یہ گل۔"

"جی۔ میں جانتا ہوں۔ شمو نے بتایا ہے یہ منصور بھیا کی کوٹھی ہے۔"

"اور کیا بتایا ہے شمو نے؟"

"یہ کہ آپ اسے یہاں لے آئے ہیں۔ بس پھر میں نے اور کچھ نہیں پوچھا۔ آپ کا نام سن کر دل پر قابو نہیں رہا تھا۔ شمو نے بتایا کہ آپ ابھی آئے ہیں اس نے دیکھا تھا آپ کو——— میں ادھر آ گیا۔"

"لو کافی پیو۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن ہلا دی پھر بولا۔ "اس شیطان سے کیسے پیچھا چھوٹا بھیا؟"

"چمن سے؟"

"ہاں!"

"طویل کہانی ہے۔ تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ چمن نے دھوکا کیا تھا میرے ساتھ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں لیکن بہت بعد میں۔ جب وہ جزیرے سے چلا تو اس نے مجھے بے ہوش کر دیا تھا اور پھر بس تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش آتا رہا۔ وہ کوئی بے ہوشی کی دوا دے دیتا تھا کھانے پینے میں پھر شہر آ کر ہی ہوش آیا تھا جب میں نے اس سے تمہارے بارے میں پوچھا کہ تم کہاں ہو تو اس نے بتایا کہ تمہارا مشن بہت طویل ہے اور تم لمبے عرصے کے لیے باہر رہو گے۔ اس نے مجھ سے پھر دھندا شروع کرا دیا مگر تمہارے لیے میں بے چین تھا۔ پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی گھپلا ہوا ہے مگر میں کیا کرتا۔ کوئی

ذریعہ نہیں تھی اس کی زبان کھلوانے کی۔ میں کام کرتا رہا بھیا اور پھر خدا نے مجھے امی اور فریدہ بہن سے ملا دیا۔"

پروفیسر کے ہاتھ سے کافی کی پیالی چھوٹ گئی تھی۔ گل کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا لیکن ایاز ان تمام کیفیات سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ "فیضان نے تمہیں وہ قصہ بھی سنایا ہو گا۔ ہوا یوں کہ میں دھندے پر نکلا ہوا تھا۔ آر ایم اسپتال کے سامنے میں نے ایک شکار تاڑا۔ میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ رہا تھا وہ۔ میں نے اس سے ٹکرا کر اس کی جیب صاف کر دی لیکن جب وہ میڈیکل اسٹور کے سامنے رکا تو میرے دل کو ایک احساس ہوا کہیں وہ کسی بیمار کے لیے دوا خریدنے نہ جا رہا ہو۔ میرے قدم رک گئے۔ میں نے اسے دوائیں نکلواتے ہوئے دیکھا پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اسے چکر آ گیا۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کی جیب کٹ گئی ہے تو اس نے گردن ہلا دی۔ میں نے اس کی رقم واپس کی تو وہ چونک پڑا۔ تب میں نے اعتراف کیا کہ میں جیب کترا ہوں اور میں نے ہی اس کی جیب کاٹی تھی تو وہ بڑا حیران ہوا۔ میں نے اسے بتایا کہ اسے میڈیکل اسٹور کے سامنے رکتے دیکھ کر میرے قدم رک گئے تھے۔ اور پھر میرے دل نے اس کی اجازت نہیں دی کہ کسی بیمار کی دوا کے پیسے اڑا لوں۔ میں نے اسے وہ رقم واپس کر دی اور یوں ہماری دوستی کا آغاز ہو گیا——— فیضان نے دوائیں خریدیں۔ مجھے چائے کی پیش کش کی اور میں اس کے ساتھ اسپتال چلا گیا۔ وہاں بھیا میں نے ماں جی کو پہلی بار دیکھا۔ میں انہیں فیضان کی ماں سمجھا تھا۔ فیضان سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ماں جی جس دن اسپتال سے ریٹائر ہوئیں میں بھی فیضان کے ساتھ تھا لیکن جب ہم ماں جی کو لے کر گھر گئے تو انہیں تمہارے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ میں نے فیضان سے کہا کہ یہ گھر کیا اس نے خرید لیا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ اس کے بچپن کے دوست منصور کا مکان ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ فیضان تمہارے بچپن کا دوست ہے میں اس سے لپٹ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں بھی منصور بھیا کا بھائی ہوں تو اس کی حالت خراب ہو گئی۔ تب اس نے مجھ پر انکشاف کیا کہ ماں جی اس کی ماں نہیں بلکہ منصور کی ماں ہیں' اور اندر فریدہ بہن بھی موجود ہیں۔ یہ سن کر میری جو حالت ہو گئی تم خود اس کا انداز لگا لو بھیا میں ان کے قدموں سے لپٹ گیا۔ میں نے فریدہ کو سینے سے لگا لیا اور رو رو کر انہیں بتایا کہ منصور پر کیا گزری۔ ان دونوں کی بھی بری حالت ہو گئی تھی بھیا۔ فیضان نے بتایا کہ وہ خود منصور کو تلاش کر کے تھک گیا ہے نہ جانے وہ کہاں گیا؟ میں نے انہیں اور کچھ نہیں بتایا

اور وہاں سے سیدھا چمن کے اڈے پر پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا کہ منصور کہاں ہے؟
چمن نے حیرانی سے مجھے دیکھا اور بولا۔" آج پھر تجھ پر منصور کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔"

"منصور جہاں بھی ہے اسے فوراً واپس بلاؤ چمن استاد!" میں نے غرا کر کہا اور وہ ہنسنے لگا! پھر بولا۔ "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ جہاں وہ پہنچ گیا ہے وہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ چمن کے یہ الفاظ سن کر میں پاگل ہو گیا تھا۔ منصور بھیا اور پھر میں اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اسے بہت مارا بھیا لیکن اس کے گرگے آ گئے اور انھوں نے میرے سر کا حلواڑہ بنا دیا بس اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا اور اب یہاں ہوش آیا ہے۔"

"خداوند۔ خداوند۔" پروفیسر کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سجدے میں گر گئے۔ وہ بری طرح رو رہے تھے۔ ان کے حلق سے روتے ہوئے آوازیں نکل رہی تھیں۔ تو عظیم ہے مالک تو نے میرا ایمان بچا لیا۔ میرے معبود۔ تو نے مجھے مایوسی سے بچا لیا۔"

ایاز حیرانی سے یہ مناظر دیکھ رہا تھا پھر بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ تعجب سے بولا۔ "تت تو کیا۔ تو کیا تم ابھی تک ان لوگوں سے نہیں ملے بھیا۔ کیا تمہیں۔"

"نہیں ایاز۔ ہمیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ جلدی چلو ارے جلدی تیاری کرو۔" گل نے کہا اور باہر دوڑ گئی۔---- تھوڑی دیر کے بعد کئی گاڑیاں اس علاقے کی طرف دوڑ رہی تھیں جہاں میرا گھر تھا۔ میں اپنے دل کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا تھا۔

راستے میں پروفیسر نے کہا۔ "بولو منصور اور کیا چاہتے ہو؟ اس سے۔ اب بھی اسے نہیں مانو گے۔ بتاؤ وہ کسی کا قرض رکھتا ہے۔ کتنی دیر گزری تمہیں اس سے سودا کیے ہوئے منافع مل گیا نا۔ تم نے ادھر درگزر کرنے کے حکم پر عمل کی اور اس نے تمہیں انعام سے نواز دیا۔ بتاؤ---- اس سے بڑا کوئی اور انعام چاہتے؟" میرے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

تمام کاریں انہی شناسا جگہوں میں داخل ہوئیں' اور میرے گھر کے سامنے رک گئیں۔ سب لوگ نیچے اتر آئے۔ دروازے کا پردہ ہل رہا تھا۔ مین پاگلوں کی طرح اندر بھاگا---- میرے پیچھے باقی لوگ بھی لپکے تھے۔ برآمدے میں تخت پڑا ہوا تھا جس پر اماں بی بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ باورچی خانے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"کون ہے۔ کون ہو بھائی؟" اماں بی آنکھیں پھاڑنے لگیں۔

"تیرا منصور۔ امی میں تیرا منصور ہوں۔ منصور ہوں تیرا میں امی۔ میری ماں۔" میں

نے اپنا سر امی کی آغوش میں رکھ دیا۔ فریدہ باورچی خانے سے دوڑی آئی تھی۔

"بھیا۔ اس کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی۔ وہ گرنے لگی تو سرخاب نے اسے سنبھال لیا۔ لاغر پریشان سی فریدہ میرے سینے سے لپٹ گئی۔ امی کے حلق سے آہستہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔ "میرا یقین نا قابل شکست تھا۔ مجھے یقین تھا۔ میں نے اسے خدا سے مانگا تھا۔ کسی انسان کے سامنے میں نے دست سوال دراز نہیں کیا تھا۔" وہ بے ہوش ہو گئیں۔

اسی وقت عظمت ڈاکٹر کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ راشدہ بھی تھی۔ یہ گل کا کارنامہ تھا جب وہ باہر کاروں وغیرہ کا بندوبست کرنے گئی تھی تو اس نے عظمت کو فون کر کے کہا تھا کہ ڈاکٹر کو لے کر فوراً منصور کے پرانے مکان پر پہنچے۔ اس کی ماں اور بہن مل گئی ہیں۔ ڈاکٹر نے فوراً امی کو سنبھال لیا۔ فریدہ بلک بلک کر رو رہی تھی اور میں نے اسے کلیجے میں سمو لیا تھا۔

باہر بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ وہ صورت حال معلوم کرنا چاہتے تھے اور پھر ایاز باہر نکل کر انھیں صورت حال بتانے لگا۔ دوسری بہت سی عورتیں بھی اندر گھس آئی تھیں ان میں کچھ شناسا عورتیں بھی تھیں جو مجھے پہچانتی تھیں۔ کون کیا کہہ رہا تھا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں تو فریدہ کو سنبھالے ہوئے تھا۔

"فریدہ بیٹے خود کو سنبھالو۔ ہمارا امتحان پورا ہو گیا ہے۔ خدا نے ہمیں پھر یک جا کر دیا ہے۔" میں نے بمشکل خود کو سنبھال کر کہا۔

"مجھے یقین دلا دو بھیا۔ مجھے یقین دلا دو۔ مجھے اس خواب کا یقین دلا دو۔" فریدہ ایک ہی تکرار کر رہی تھی۔

"منصور میاں! باجی کی حالت اب بہت بہتر ہے۔ لوگ مجمع لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مناسب سمجھو تو ان دونوں کو یہاں سے لے چلو؟" پروفیسر نے کہا۔

"نہیں پروفیسر۔ فیضان نہیں ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر میں انھیں یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔ میرے دوست نے میرے بھائی نے مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"اوہ۔ ہاں واقعی میں بھول گیا تھا۔ فریدہ بیٹی فیضان کہاں ہیں؟"

"دلاور سوپ فیکٹری۔" فریدہ نے جواب دیا۔ کیسی ستم ظریفی تھی۔ کیسے کیسے انکشافات ہو رہے تھے۔ لیکن کارخانہ قدرت یہی ہے۔ عظمت خاموشی سے باہر نکل گیا۔ غالباً وہ فیضان کے لیے فون کرنے گیا تھا۔ پھر فیضان آ گیا۔ وہ بے چارہ باہر موجود کاروں اور ہجوم کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا تھا اور پھر جب اسے صورت حال معلوم ہوئی تو وہ بھی

بے اختیار ہو کر مجھ سے آ لپٹا۔

"میرے دوست! میرے بھائی! میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو دوستی کا قرض تھا مجھ پر۔ مجھے شرمندہ نہ کرو منصور۔" بہرطور لاتعداد جذباتی مناظر سے گزر کر ہم لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ گھر کو تالا لگا دیا گیا۔ امی ہوش میں آ گئیں۔ کار میں وہ پچھلی نشست پر میرے دائیں سمت بیٹھی ہوئی تھیں' بائیں سمت فریدہ تھی آگے فیضان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری گاڑیوں میں دوسرے لوگ تھے۔

پھر سب پہلی بار ایک ساتھ دلاور ہاؤس میں داخل ہوئے تھے۔ فینی اور مس نادرہ مصروف ہو گئیں۔ ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا چاروں طرف۔ میں اس منظر پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔ یہی کیفیت فریدہ کی تھی لیکن امی جائے نماز پر جا بیٹھی تھیں۔ انکا یقین آسمان تھا۔ انھیں یقین تھا کہ ایک دن ایسا ضرور ہو گا۔

فیضان سے تفصیل معلوم کرنے کا موقع کئی دن کے بعد ملا تھا۔ خدا کے فضل سے سب ٹھیک تھا۔ سب لوگ دلاور ہاؤس میں جمع تھے۔ پروفیسر نے چراغاں کر ڈالا تھا۔ امی فریدہ اور فیضان میرے کروفر دیکھ کر دنگ تھے۔ اور جب عظمت نے اسے بتایا کہ وہ منصور کی ہی فیکٹری میں ملازم ہے تو وہ ہنس پڑا تھا۔

"ہاں تقدیر کی کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ بہر حال میری اس سے تنہائی میں گفتگو ہوئی تھی۔ "فریدہ اور امی تمہیں دوبئ میں ملی تھیں فیضان؟"

"ہاں منصور بھیا۔ فریدہ کی کہانی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میری بہن۔ میری بہن------"

میں نے سسکی لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ فیضان نے گردن جھکا لی پھر وہ بولا۔

"فریدہ کو اس حال میں دیکھ کر میں پاگل ہو گیا تھا۔ بہر حال خدا کے فضل سے میرے پاس رقم جمع ہو گئی تھی۔ میں نے اس کمبخت کو منہ مانگی رقم ادا کر دی تھی۔ امی کی حالت بہتر نہیں تھی۔ میں انہیں علاج کی غرض سے لے آیا اور منصور بھیا میرے پاس جو کچھ تھا میں نے۔ تمہاری تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن تقدیر کا متعین کردہ وقت پورا نہیں ہوا تھا۔"

" تمہاری امی اور نانی کہاں ہیں فیضان؟"

"انتقال ہو گیا تھا ان کا اب میرا کوئی نہیں ہے۔"

"میری زندگی میں۔ امی اور فریدہ کی موجودگی میں بھی یہ الفاظ کہہ رہے ہو فیضان۔"

"اب نہیں کہوں گا۔" فیضان مسکراتے ہوئے بولا۔

ایک ہنگامہ تھا۔ پروفیسر بچے بن گئے تھے۔ بچوں کی طرح ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ سرخاب' گل' بہروز' راشدہ' عظمت' ایاز ان کے شریک کار تھے۔ فریدہ کو ایک پھول کی حیثیت دی گئی تھی۔ سرخاب تو اس پر جان نچھاور کیے دے رہی تھی------ ہنستے ہنستے رو پڑتی تھی۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ میرا دل روتا تھا لیکن فریدہ کے گزرے دن نہیں بدل سکتا تھا۔ اس کے دل کا داغ نہیں مٹا سکتا تھا۔ اس کی زندگی میں بہار خزاں بن کر آئی تھی اور وہ احساس کے کچوکوں کا شکار تھی۔ ایک محرومی ہمیشہ اس کے چہرے سے جھلکتی رہتی تھی۔ بہت سمجھدار ہو گئی تھی۔ اب نپی تلی باتیں کرتی تھی۔

اس شام عدنان امی سے ملنے آیا تھا۔ فریدہ امی کے پاس تھی۔ دونوں باتیں کر رہی تھیں نہ جانے کیوں میں نے انھیں گفتگو پوری کرنے کا موقع دیا تھا اور دروازے پر دستک نہ دی۔

فریدہ کہہ رہی تھی۔ "آپ نے مجھے جنم دیا ہے امی۔ میرے بدن کی ساری غلاظتیں آپ ہی کے وجود میں پروان چڑھی ہیں۔ آپ میرے تعفن زدہ وجود کو ہر شکل میں برداشت کر سکتی ہیں لیکن بھیا۔ آپ نے ان کے اطراف پھیلے ہوئے فرشتے نہیں دیکھے۔ ان فرشتوں نے میرے بھیا کو ایک پاکیزہ زندگی دی ہے۔ کیا ان پاک روحوں کے درمیان ایک سڑا ہوا بدن زیب دیتا ہے۔ امی میں احساس کمتری کا شکار رہتی ہوں۔ سرخاب میرے بدن سے چھو جاتی ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے گناہ کیا ہے۔ وہ میری گھناؤنی زندگی سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتی کہ میں کیا بن چکی ہوں۔ طوائف ایک کوڑھ ہوتی ہے۔ کوڑھ میں جراثیم ہوتے ہیں امی۔ یہ پاک فضا میرے وجود سے آلودہ ہو رہی ہے۔ میں کیا کروں؟ بھیا کو نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن میرا بھیا' میرا منصور وہ کیا سوچے گا میرے بارے میں۔ امی کیا فیضان بھیا نے میرے بارے میں بھیا کو نہ بتا دیا ہو گا؟"

"میں نے فیضان سے نہیں پوچھا فریدہ۔" یہ امی کی آواز تھی۔ "آپ نے بھی بھیا کو نہیں بتایا؟"

"جرات نہیں ہوئی۔ اس نے بھی نہیں پوچھا۔"

"ممکن ہے بھیا جانتے ہوں۔ کیسی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے وہ مجھے۔ کیا سوچتے ہوں گے اپنی بہن کے بارے میں۔ کیسا کیسا دل کٹتا ہو گا' ان کا میرے بارے میں سوچ کر۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے فریدہ۔ تمہیں زبردستی بیسوا بنایا گیا تھا۔"

"قصور کی بات چھوڑیے امی۔ ہم ہونے کی بات کرتے ہیں۔ میں ان کے درمیان بیٹھ کر خود کو بہت پست محسوس کرتی ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ کیا کروں؟"

"امی اگر بھیا کو ابھی تک معلوم نہ ہوا اور پھر معلوم ہوا تو کیا وہ اپنے ہم چشموں میں نگاہ اٹھانے کے قابل ہو گے۔"

"بتا دوں اسے؟"

"نہیں۔ خدا کے لیے نہیں۔ آہ نہیں امی۔ خدا سے رہنمائی طلب کیجئے۔ وہی ہماری مشکل حل کرے گا۔" فریدہ سسکنے لگی------ میرا وجود سرد پڑ گیا تھا۔ ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی۔ عدنان نے سب کچھ سن لیا تھا۔ وہ مجھے سنبھال کر خاموشی سے ایک کمرے میں لے آیا۔

"میں کسی وقت امی سے مل لوں گا پرنس۔ میری گزارش ہے کہ پوری ہمت سے اس طوفان کو سنبھالیے۔ یہی لمحے فیصلہ کن ہیں۔ آپ سے کوئی لغزش ہو گئی تو پائے ہوؤں کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھیں گے۔ یہ فیصلے صرف آپ کو کرنے ہوں پرنس------ کوئی اس سلسلے میں آپ کا مددگار نہیں ہو گا۔" عدنان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ میرے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ فریدہ کی یہ کہانی مجھے معلوم تھی لیکن بہن بھائی سے شرمندہ تھی۔ پگلی ایک ایسی بات سے شرمندہ تھی جس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

دو تین دن مزید گزر گئے۔ سب کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ تیسرے دن عدنان نے ہم سب کو ایک دعوت نامہ پیش کیا۔ اس کی سالگرہ تھی۔ امی کے پاس جاکر اس نے کہا۔

"امی جان میری دلی آرزو ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے میری سالگرہ منائیں۔ میری ماں نہیں ہے۔ میں تنہا ہوں۔ آپ کو خدا نے آپ کا بیٹا دے دیا لیکن میں جانتا ہوں کہ میری ماں مجھے کبھی نہیں ملے گی۔ کیا آپ میری یہ حسرت مٹا سکتی ہیں؟"

"یہ عدنان ہیں امی۔ میرے ساتھی! انھوں نے مجھے زندہ رہنے میں مدد دی ہے۔" میں نے امی سے عدنان کا تعارف کرایا۔

"بیٹے۔ اگر مجھے اس قابل سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے------"

عدنان کی سالگرہ بھی اسی جشن کا ایک حصہ بن گئی------ عدنان پوری تقریب کے دوران فریدہ کے قریب رہا تھا۔ فریدہ کچھ الجھی الجھی نظر آ رہی تھی۔ لیکن عدنان نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بات اس وقت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

دوسرے دن عدنان پھر دلاور ہاؤس آ گیا۔ وہ فریدہ سے ملا تھا۔ امی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔ پھر تیسرے اور چوتھے دن بھی اس نے زیادہ وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارا۔ امی مجھ سے اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔

"اس نے مجھے ماں کہا ہے تو اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ اتنا پیار کرنے لگا ہے مجھ سے کہ میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔ دیکھو آج یہ جانے کیا کیا خرید لایا ہے میرے اور فریدہ کے لیے۔"

"وہ بہت اچھا انسان ہے امی۔" میں نے جواب دیا۔

سارے کاروبار بدستور تھے۔ وہ ساری رونقیں جو ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں اب دلاور ہاؤس میں لوٹ آئی تھیں۔ امجد بھائی بھی یہیں آ گئے تھے۔ ایک شام سیٹھ جبار کا ذکر نکل آیا۔ امی وغیرہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھیں اس روز تمام واقعات بتا دیئے گئے تھے۔

"وہ منحوس اب کس حال میں ہے؟" امی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کہاں ہے؟ لعنت بھیجیں امی اس پر۔"

"خداوند قدوس نے ہم سب کو دکھا دیا کہ کئے کی کیا سزا ملتی ہے۔ پرسوں اینجل مجھے بازار میں ملی تھی۔" امجد بھائی نے بتایا۔

"اوہ کہاں؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"رابسن روڈ کے ایک میڈیکل اسٹور کے سامنے کھڑی بے بسی سے راہگیروں کو دیکھ رہی تھی۔"

"پھر آپ سے بات ہوئی امجد بھائی۔ وہ آپ کو پہچانتی ہو گی؟" پروفیسر بولے۔

"ہاں اسے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میں بھی آپ لوگوں کے پاس ہوں۔ انسان کتنا ہی برا ہو بہر حال انسانیت کے ناتے اس کی حالت پر دکھ ہوتا ہے۔ اس کے پاس دواؤں کا پرچہ تھا لیکن پیسے نہیں تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"سیٹھ جبار سرکاری ہسپتال میں داخل ہے۔ باہر سے کچھ دواؤں کی ضرورت تھی۔ لیکن اینجل کے پاس پورے پیسے نہیں تھے۔ مجھے دیکھ کر رونے لگی۔ بمشکل تمام اس نے اصل بات بتائی۔ میں نے جو کچھ میرے پاس تھا اسے دے دیا۔ میں جانتا ہوں یہ بات آپ لوگوں کو پسند نہیں آئے گی۔ لیکن کیا کروں نمک کھایا ہے ان کا۔" امجد بھائی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ماحول پر سناٹا چھا گیا تھا۔ پھر امی نے پوچھا۔

"اینجل کہاں رہتی ہے امجد میاں؟"

"اسپتال میں باپ کے پاس ہے۔ ان کے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"اگر سیٹھ جبار اسپتال سے نکلا تو کہاں جائیں گے وہ لوگ؟"

"خدا جانے۔" امجد بھائی بولے۔ پروفیسر گہری نگاہ سے کبھی مجھے اور کبھی امی کو دیکھ رہے تھے۔ تب امی گلوگیر لہجے میں بولیں۔ "منصور بیٹے۔ تم نے بتایا تھا کہ تم نے سیٹھ جبار کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی احساس جاگا تمہارے دل میں امجد میاں کی بات سن کر؟ امجد بھائی نے کہا ہے کہ وہ اینجل کی بے بسی برداشت نہیں کر سکے اور جو کچھ ان کی جیب میں تھا نکال کر اسے دے آئے۔

..... انہوں نے کہا کہ انہوں نے سیٹھ جبار کا نمک کھایا ہے وہ تمہاری رگوں میں بھی ہے منصور! تمہارے والد مرحوم' جبار کے نوکر تھے۔ اور تم اس سے پروان چڑھے ہو' کچھ کہوں' مان لو گے؟"

"جی امی۔"

"ان کی کوٹھی انہیں دے دو۔ اتنا دے دو انہیں کہ سیٹھ جبار پھر سے وحشی نہ بن جائے۔ اور پھر اینجل بے قصور ہے وہ کیوں در در ماری پھرے۔ بھائی صاحب! آپ کی رائے ہے؟" امی نے پروفیسر شیرازی سے پوچھا۔

"جس وقت منصور نے سیٹھ جبار کو معاف کر کے اس کی بیٹی اسے دے دی تھی۔ اس وقت میں نے آپ کے بارے میں بھی سوچا تھا بہن۔ میں نے اس آغوش کے بارے میں سوچا تھا جس میں منصور نے آنکھ کھولی تھی۔ آج اپنے تصورات کو آپ کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ بے شک منصور کی ماں کو اتنا ہی حلیم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے بدترین دشمن کے نمک کو نہ بھولے۔ اینجل کو اس کی کوٹھی اور کچھ کاروبار ضرور واپس کر دیا جائے۔ میں آپ سے متفق ہوں۔ کیوں منصور میاں! کیا تم اختلاف کرو گے؟"

"اب مجھے کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

"تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر اینجل سے ملوں بلکہ اگر کچھ اور عظمت کا ثبوت دینا چاہو تو تم خود بھی میرے ساتھ چلو۔"

"ہاں منصور جائے گا۔" امی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ میرے لئے انکار کی کیا گنجائش تھی۔ صرف میں اور پروفیسر اسپتال گئے تھے۔ سیٹھ جبار جنرل وارڈ میں تھا۔ شدید بخار میں بھن رہا تھا.... اینجل میلے کچیلے لباس میں اس کے پلنگ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ بال گرد سے اٹے ہوئے تھے۔

"اینجل!" میں نے اسے آواز دی اور اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ سپاٹ نگاہوں

سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"کہو۔ کیسے آئے؟"

"کیسی حالت ہے جبار صاحب کی؟"

"تمہارے لئے تسلی بخش۔ بے فکر رہو۔ ایک مسخرے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ان کا ذہنی توازن یہاں درست نہ ہو سکے گا۔ انہیں امریکہ لے جاؤ۔ پچھلے چند روز سے شدید کھانسی بخار میں مبتلا ہیں اور اب تو دو دن سے ہوش ہی نہیں آیا۔ بس یوں سمجھو تمہاری خوشیاں پوری ہونے کو ہیں۔"

"میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں اینجل۔"

"میری یا اپنے مالک کی منصور اس کی جس کے ہاں تم ڈرائیور تھے۔" اینجل نے کہا۔

"وہ نوکری میں نے اس لئے چھوڑی تھی اینجل کہ میں ایک ملک دشمن اسمگلر کے لئے کام نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس گناہ کی پاداش میں سیٹھ جبار نے مجھ سے میری معصومیت چھین لی تھی۔ فریدہ سے اس کی عصمت چھین کر اسے طوائف بنا دیا۔ امی کو جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے انسان سے وحشی بنا دیا اس نے۔ یہ بدبخت اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔ اسے اس سے بھی کڑی کوئی سزا ملنی چاہئے۔ سمجھیں تم؟"

"سزا دینے آئے ہو۔ دو سزا اس بدنصیب کو۔ ہمیں اس اسپتال سے بھی نکلوا دو۔ یہ کسی سڑک پر مر جائے گا تم صاحب اقتدار ہو۔ کر دو ایسا ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"اینجل۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں؟"

"تم ہماری کیا مدد کرو گے منصور۔ ایک ڈرائیور کے بیٹے' ایک گھٹیا سے انسان' چھی۔ تم نے میرے باپ سے بدلہ لینے کے لئے مجھے آلۂ کار بنایا۔ مجھے اپنی محبت کے جال میں پھانسا تم نے' اور میں کور چشم تمہارے پیار کو سچ سمجھ بیٹھی۔ تم نے مجھے میرے ہی باپ کے خلاف استعمال کیا۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ میں نے زندگی کا سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ میں تم سے کوئی مدد نہیں چاہتی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہار کوئی مدد قبول نہیں ہے۔"

میں نے پروفیسر کی طرف دیکھا۔ پروفیسر کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ "اینجل۔ ہر انسان اپنوں کے لئے ایسی ہی اذیت کا شکار ہوتا ہے۔ منصور بھی اپنی ماں اور بہن کے لئے ایسے ہی تڑپا ہے۔ بہرحال اس وقت یہ موقع نہیں ہے اگر تم اپنے باپ کو امریکہ لے جانا چاہتی ہو' اگر تمہیں ان کی زندگی درکار ہے تو تکلف مت کرو

ہم اس سلسلے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔"

اینجل نے گردن جھکا لی۔ وہ سسکیاں لے کر رونے لگی تھی پھر اس نے روتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے ڈیڈی کی زندگی درکار ہے۔ کوئی بھی تو نہیں ہے ان کے سوا میرا اس دنیا میں۔ مجھے بھیک دے دیجئے۔ ہاں مجھے میرے ڈیڈی کی زندگی کی بھیک دے دیجئے! جناب۔ میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ لوگوں نے مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے جو میرے ڈیڈی کے ادنیٰ غلام تھے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پروفیسر نے اینجل کے سر پر ہاتھ رکھ دیا پھر بولے۔ "تمہاری کوٹھی تمہاری منتظر ہے اینجل۔ اگر چاہو تو وہاں منتقل ہو جاؤ۔ اس دوران جبار صاحب کی امریکہ روانگی کا بندوبست ہو جائے گا۔ یہ صحتمند ہو جائیں تو واپس آ کر اپنا کاروبار سنبھال لیں۔ منصور کو دولت کی ہوس نہیں ہے۔ سیٹھ جبار کو سبق دینا تھا ممکن ہے اس کے بعد وہ ایک بدلے ہوئے انسان کے روپ میں نظر آئیں۔ اگر ایک انسان کی حیثیت سے تم سوچو اینجل تو منصور تمہیں غلط نہیں نظر آئے گا۔ بہرحال ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور ہاں میں اپنے کچھ آدمیوں کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ سب کچھ ٹھیک کر لیں گے۔ اچھا اب اجازت دو۔"

○

اسی رات سرخاب نے مجھے تنہائی میں پکڑ لیا۔ "بھیا کچھ کہنا چاہتی ہوں اور ہمیشہ کی طرح اس اعتماد کے ساتھ کہ میرے بھیا مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔"

"تمہارا اعتماد مجھے زندگی سے زیادہ عزیز ہے سرخاب!"

"اینجل آپ سے محبت کرتی ہے؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"مجھے اینجل پسند ہے۔ امی اور فریدہ مل گئیں۔ آپ نے سیٹھ جبار پر فتح حاصل کر کے اسے معاف کر دیا۔ اب میں اینجل کو اپنی بھابی بناؤں گی۔"

"میری پیاری بہن حقیقتوں سے گریز مت کرو۔ نفرت اور محبت کا فلسفہ کتابی الفاظ ہیں۔ یہ اب قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ میں تمہیں اس کی وجہ ضرور بتاؤں گا سرخاب۔ فریدہ کو دیکھتی ہو۔ وہ دکھ کا سمندر ہے۔ اس کی ہنسی مصنوعی ہے۔ ہمارے درمیان وہ سہمی سہمی رہتی ہے کہ کہیں اس کی ذات کا وہ گھناؤنا داغ عریاں نہ ہو جائے۔ سرخاب اینجل اگر میری زندگی میں داخل ہو گئی تو میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکوں گا کہ فریدہ کو طوائف بنانے والا اس کا باپ تھا۔ وہ کبھی یہ نہ بھول سکے گی کہ میں اس کے باپ کو سڑکوں پر لے آیا تھا۔ ہم دونوں ان حقیقتوں کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔"

"اوہ گویا؟"

"ہاں سرخاب۔ اینجل کو اب بھول جاؤ۔ یہ سب ناممکن ہے۔"

سرخاب گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔

○

زندگی کے شب و روز یونہی جاری تھے۔ پروفیسر وغیرہ نے اینجل اور سیٹھ جبار کو امریکہ بھجوا دیا تھا۔ اینجل نے کہا تھا کہ اگر وہ اسے کچھ دینا چاہتے ہیں تو نقد رقم کی شکل میں دے دیں۔ وہ اب امریکہ سے واپس نہیں آنا چاہتی۔

پروفیسر نے اسے ہر طرح ٹٹولا اور پھر مجبور ہو کر انہوں نے بہت بھاری رقم امریکی بینکوں میں اس کے نام منتقل کرا دی۔ یہ اتنی دولت تھی کہ اینجل امریکہ جیسے ملک میں اعلیٰ پائے کی زندگی گزار سکتی تھی۔ اینجل کے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔

میں اب اپنی زندگی کے آخری فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں کافی دنوں سے سوچ رہا تھا۔ ایک شام میں نے ہمت کر ہی ڈالی۔ میں نے گل اور پروفیسر کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ میری سنجیدہ شکل دیکھ کر وہ دونوں بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"کوئی خاص بات ہے منصور؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"ہاں پروفیسر۔ میرا دل زخمی ہے۔ مجھے سکون چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے احساسات کو غلط معنی نہ پہنائے جائیں گے۔"

"کیا بات ہے بھئی؟"

"پرنس ولاور کون ہے پروفیسر؟ کیا وہ کوئی جیتا جاگتا کردار ہے؟ کیا اب اس کا وجود باقی رہنا چاہیے؟"

"حرج بھی کیا ہے۔ اس نام سے ایک عظیم کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ اب ہم کوئی غلط کام نہیں کریں گے لیکن کاروبار تو جاری رہے گا۔"

"میں اب اپنے کاندھوں سے یہ بوجھ اتارنا چاہتا ہوں۔"

"مطلب بیان کرو منصور؟"

"آپ نے اور گل نے جو کردار اپنا تمام سرمایہ لگا کر تخلیق کیا تھا اسے اب ختم ہو جانے چاہیے۔ میں ایک ڈرائیور کا بیٹا ہوں۔ اپنی محنت سے آئندہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ آپ کا کاروبار آپ کو مبارک۔ مجھے میرے گھر میں واپس جانے دیں۔ میں اسی گھر سے زندگی کا نیا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔"

پروفیسر کا چہرہ ایک دم اتر گیا تھا۔ گل بھی ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"بات یہ ہے منصور بیٹے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تم جیسا نوجوان یہی کہہ سکتا تھا لیکن تم نے کبھی یہ احساس نہیں دلایا کہ تم ہماری محبت کا یہ طلسم اچانک یوں توڑ سکتے ہو۔ غلطی ہو گئی تھی منصور۔ یہ سوچا تھا کہ سرخاب بیٹی ہے اور تم بیٹے ہو۔ اپنی بہن کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کرو گے۔ مجھے یہ احساس بخشو گے کہ میری موت کے بعد سرخاب تنہا نہیں ہے۔ بس ہو گئی غلطی۔ گل یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس سے کہو کہ جو کچھ اس نے اس دولت کے ذریعے کمایا ہے اس میں سے ہمارا کمیشن نکال کر باقی اپنا حصہ اپنے پاس رکھے۔ پائی پائی کا حساب کر لو اس سے گل۔ کوئی چیز۔" پروفیسر کی آواز بھنچ گئی۔ ان کی کئی سسکیاں نکل گئیں اور وہ اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

"محبتوں کے۔ خلوص کے صلے یوں نہیں دیئے جاتے منصور؟" گل آنسو بھری آواز میں بولی اور وہ بھی اٹھ گئی۔

"لیکن گل۔ میں نے تو۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے قبول کیا تھا کہ سیٹھ جبار کے خلاف ایک محاذ تھا۔ سنو تو گل۔ سنو تو-----" گل دروازے پر رکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "ہمارے تھے تم' ہم سب کے تھے۔ اب کسی کے نہیں ہو۔ کاروبار کیا تھا۔ تم سے ہم نے۔ پاگل تھے نا ہم سب۔ گھاٹا ہوا ہے ہمیں۔ خدا کی قسم گھاٹا ہوا ہے' محبت کے اس سودے میں۔"

"میری بات تو سنو گل۔"

"میرا باپ رو رہا ہے۔ پروفیسر روتا ہوا گیا ہے منصور۔ میں نے اس کے سینے میں دھماکے سنے ہیں۔ میں نے اس کا دل ٹوٹنے کی آواز سنی ہے۔ میں اسے جانتی ہوں تم نہیں جانتے-----" گل نے روتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی۔

میں سن ہو کر رہ گیا تھا۔ چند لمحات کے لیے تو سوچنے سمجھنے کی قوت ہی چھن گئی تھی۔ آخر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پروفیسر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ گل پروفیسر کے پاس موجود تھی۔ پروفیسر کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ میں پروفیسر کے نزدیک پہنچ گیا۔ گلاب کی طرح شگفتہ چہرہ پہلی بار آنسوؤں میں بھیگا نظر آیا تھا۔ ہاں یہ عظیم انسان رو رہا تھا۔ جس نے میرے لیے اپنی زندگی بدل دی تھی۔ میں پروفیسر کے قریب پہنچا' جھکا اور پھر میں نے اس کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

"پہلی گستاخی تھی تیرے حضور فرشتے! اپنی عظمت کے صدقے معاف کر دے۔ مجھے

معاف کر دے میرے محسن----- شرمسار ہوں بس غلطی ہو گئی۔ ہو گئی بس غلطی۔" میں پروفیسر کے قدموں سے آنکھیں رگڑنے لگا۔ پروفیسر نے جلدی سے میرے شانوں کو پکڑا اور پھر مجھے سینے سے لگا لیا۔

"آئندہ ایسا مت کرنا منصور۔ بس اب اٹھو۔ اٹھو بیٹے' میں کتنا بڑا انسان ہوں۔ وہ سر میرے قدموں میں جھکا ہے' جسے سیٹھ جبار جیسا فرعون بھی نہیں جھکا سکا' جسے ساری دنیا مل کی نہیں جھکا سکی۔ ہمالیہ کی سربفلک چوٹیاں جس کی بلندی کے سامنے پست ہیں۔ تم نے دیکھا اس نے میری بڑائی قبول کی ہے۔ بچہ ہے میرا۔ بیٹا ہے میرا۔ باپ نے اس لیے گستاخی معاف کر دی۔ ٹھیک ہے منصور! کوئی بات نہیں بیٹے۔ تمھارے لیے میں اندر کا بہت کمزور ہوں' آئندہ اس طرح کبھی مت سوچنا۔"

"یہ ہمارا خاندان ہے منصور! میں نے کبھی تمہیں بھائی نہیں کہا لیکن آج میں سچے دل سے تمہیں بھائی کہہ رہی ہوں۔ کتنی بہنوں کے بھائی ہو تم۔ ایک ماں اور ایک باپ کے سہارے ہو۔ تم سربراہ ہو اس خاندان کے۔ سربراہ ہی اگر اپنے خاندان کو چھوڑ دے تو پھر کون رہ جائے گا ہمارے لیے!"

"مجھے معاف کر دو گل۔ بس غلط سوچ بیٹھا تھا۔ انسان ہی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں ان معاملات کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔"

"پروفیسر نے معاف کر دیا تمہیں ورنہ سزا دی جاتی-----"

گل نے آنسو خشک کر لیے۔ بہروز ہمیں تلاش کرتی ہوئی اندر آ گئی۔ لیکن کسی نے اس کسی خاص بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

○

پروفیسر کوئی ہنگامہ چاہتے تھے۔ چنانچہ ایاز اور شمو کی شادی کا فیصلہ کر لیا گیا اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ بھلا ہنگامے میں کیا دیر لگتی۔ دو گروہ بن گئے۔ گل' بہروز' امجد بھائی لڑکی والے بن گئے۔ میں پروفیسر' امی اور فریدہ لڑکے والے۔ حسینہ درمیان کی چیز تھی دونوں طرف سے۔ اس کی الھڑ حرکتیں لوٹ پوٹ کر دیتی تھیں۔ بہرحال ان دونوں کی شادی کر دی گئی۔ تحفوں کے انبار لگ گئے تھے۔ فریدہ کو اس ہنگامے میں وقتی خوشی مل گئی تھی لیکن اس کی کیفیت کو مجھ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ ہنستے ہنستے اچانک چپ ہو جاتی تھی۔ گھبرا کر ایک ایک کو دیکھنے لگتی تھی۔ ان لمحات میں میرا کلیجہ نکلنے لگتا تھا لیکن کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی جس سے اس کی اس کیفیت کو دور کیا جا سکتا۔

ایاز اور شمو کی شادی کا تیسرا [illegible] گل تمام قدیم روایتوں کو دہرا رہی [illegible] بھو تھی

کی رسم آج بڑے اہتمام سے ادا کی گئی تھی۔ دن بھر خوب ہنگامہ رہا تھا۔ ابھی تک اندر ہنگامہ جاری تھا البتہ باہر کے مہمان چلے گئے تھے اذر تو اور محترمہ فینی بھی ان سارے ہنگاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ اس "خوفناک" عمارت کا ماحول ہی بدل گیا تھا۔ پرنس دلاور کے اپنے ملازمین ہی اتنی تعداد میں تھے کہ باہر والوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔

بہر حال اندر کے ہنگامے سے اکتا کر میں عقبی باغ میں جانکلا جہاں ایک خوشگوار تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نم ہوا کے جھونکوں کو سینے میں سموتا ایک نیم کے پاس پہنچ گیا لیکن دفعتاً ایک آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ آواز کنج کے دوسری طرف سے آ رہی تھی۔ میں نے متحیرانہ انداز میں اس طرف کان لگا دیئے اور پھر۔ میں اس آواز کو پہچان گیا۔ یہ فریدہ کی آواز تھی۔ ہاں فریدہ تھی۔

"آپ ہوش میں ہیں عدنان صاحب؟"

عدنان۔ میرے ذہن پر دوسرا تازیانہ پڑا۔

"خدا کے فضل سے۔ میں زندگی میں کبھی بے ہوش نہیں ہوا۔"

"اگر بھائی جان کو پتہ چل گیا۔ آپ کی اس حرکت کا تو' آپ کو آنے والے وقت کا احساس ہے؟"

"میں نے سر ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو یہاں بلایا ہے فریدہ صاحبہ۔" یہ آواز سو فیصد عدنان کی تھی۔

"میں اس بکواس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔"

"تو پھر فریدہ صاحبہ۔ کل میں یہ شہر چھوڑ دوں گا۔ آپ لوگوں سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں آپ کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں لیکن دل وحشی ہوتا ہے۔ یہ سرکش کچھ نہیں مانتا۔"

"آپ کی حرکتوں کو میں صرف خلوص سمجھتی تھی لیکن معاف کیجئے آپ نے' آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"صرف ایک بات بتا دیجئے فریدہ۔ صرف ایک بات۔ کیا میں بہت برا انسان ہوں۔ کیا میں اس قابل نہیں کہ آپ کو اپنی زندگی میں شامل کر سکوں؟"

"اپنی بات نہ کریں۔ خود میں اس قابل نہیں ہوں سمجھے آپ۔ آپ بھٹک رہے ہیں اس لیے کہ میری حقیقت نہیں جانتے۔ آپ دیوانے ہیں بالکل پاگل ہیں۔ فیضان بھیا سے پوچھیں میرے بارے میں۔ حالات نے مجھے۔ حالات نے مجھے!" فریدہ کی آواز جذبات سے

لرز رہی تھی۔

"حالات نے آپ کو کوٹھے پر جا بٹھایا تھا۔ حالات نے آپ کو طوائف بنا دیا تھا۔ پھر فیضان نے آپ کو خرید لیا اور اس کے بعد اس نے آپ کو بہن بنا کر رکھا۔ کیوں یہی نا۔ بتایئے فیضان اتنا ہی عظیم ہے آپ کی نگاہ میں کہ آپ اس کی بہن بن گئیں۔ کوئی دوسرا اس بلندی کو نہیں چھو سکتا۔ صرف اس لیے نا فریدہ کہ فیضان آپ کے بھائی کا دوست تھا اور میں اس کا ملازم۔"

"آپ۔ عدنان آپ یہ سب جانتے ہیں؟" فریدہ کی آواز پھٹی پھٹی تھی۔

"ہاں۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو تو آپ مجھے بتا دیں۔"

"بھیا کو بھی یہ معلوم ہے؟"

"وہ خود آپ کے لیے دوبئی گئے تھے۔ وہاں انہیں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔"

"اس کے باوجود سب میرا احترام کرتے ہیں۔" فریدہ کی آواز ڈوبی ڈوبی تھی۔

"خدا کی قسم فریدہ۔ وقت کے وہ تازیانے آپ کے وجود کی چمک ہیں۔ آپ کے چہرے کا حسن ہیں۔ آپ شریف زادی تھیں' ہیں اور رہیں گی۔ لباس پر غلاظت کی چھینٹیں پڑ جائیں تو وہ دھل جاتا ہے۔ ہم اسے پھینک تو نہیں دیتے اصل شے خمیر ہے۔ اگر آپ اس دور سے نہ گزری ہوتیں تو میں آپ پر کوئی توجہ نہ دیتا۔ میں تو اس عظمت کا پجاری ہوں' جو نامساعد حالات میں بھی آپ سے دور نہ ہو سکی۔ مجھے اپنے دل میں جگہ دے دیں فریدہ۔ خدا کی قسم فریدہ ساری کائنات سے زیادہ چاہتا ہوں آپ کو۔"

"آپ پاگل ہیں عدنان' آپ دیوانے ہیں کیا؟" فریدہ کی آواز میں محبت تھی۔

"فریدہ۔ مجھے زندگی کی یہ خوشی دے دیں۔ ورنہ میں ہمیشہ کے لیے تاریکیوں میں گم ہو جاؤں گا۔"

"عدنان۔ آپ نے' آپ نے تو مجھے زندگی کے سب سے تاریک' سب سے گہرے گڑھے سے نکال لیا ہے۔ آہ میں تو خوشیوں کے اس عظیم الشان خزانے میں آکر بھی گم تھی۔ مجھے کوئی شے اپنی نہیں لگتی تھی۔ آپ نے یہ ساری کائنات مجھے دے دی۔ آپ کا شکریہ عدنان۔ آپ کا شکریہ۔"

"تو میں۔ تو میں پرنس دلاور۔ معاف کیجئے آپ کے منصور بھیا کے پاس پیغام بھیج دوں!" عدنان نے پوچھا۔

"خدا حافظ۔ میں اندر جا رہی ہوں۔" فریدہ کی شرمائی ہوئی آواز سنائی دی اور میں جلدی سے پیچھے ہٹ آیا۔ فرشتے۔۔۔۔۔ فرشتے میرے چاروں طرف بکھرے تھے۔ سب

نے مجھے احسانات کے بوجھ تلے دبا دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کسے اپنا سب سے بڑا محسن سمجھوں۔ عدنان۔ یہ مجھ پر اتنا بڑا احسان کر ڈالے گا۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ مجھے وہ وقت یاد تھا جب فریدہ اور امی کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی اور عدنان نے یہ سب سن لیا تھا۔ یقیناً" اس کا احسان ہمالیہ سے بھی بڑا تھا۔

عدنان نے عظمت سے امی کی بات کہی۔ عظمت نے پروفیسر سے اور پروفیسر نے فرحت اللہ صاحب کے ساتھ آکر یہ رشتہ مجھے پیش کیا۔ میں نے پروفیسر کو شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "فاؤل کر رہے ہیں پروفیسر۔ گل آپ انھیں سمجھا لیں۔ ان کے ہوتے ہوئے بھلا میں فریدہ کے بارے میں سوچنے کا کیا حق رکھتا ہوں۔"

"وہ تو ہم جانتے ہیں بس مذاق کر رہے تھے۔ ہوں۔ تو میاں فرحت اللہ ولد صبغت اللہ ہمیں آپ کے فرزند نمبر دو یعنی عدنان کا یہ رشتہ منظور ہے۔ شادی کی تیاریاں کریں!" فرحت اللہ صاحب ہنسنے لگے تھے۔

گھر میں ایک بار پھر خوشیوں کا طوفان امنڈ آیا۔ فریدہ پر اچانک نکھار آگیا تھا۔ اور اسے ہنستے مسکراتے دیکھ کر میری آنکھیں فرط مسرت سے نم ہو جاتی تھیں۔

دوسری شادی کی تیاریاں جاری تھیں کہ ایک شام امی نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ "مجھے تم سے ایک ضروری مسئلے پر بات کرنی ہے۔"

"جی امی۔ فرمایئے۔"

"خداوند قدوس نے مجھے عمر دی۔ زندگی دی اور پھر اتنی خوشیاں دے دیں کہ سمیٹے نہ سمیٹ سکوں لیکن آخری خوشی اور ہے بیٹے انکار تو نہیں کرو گے۔"

"آپ کی کسی بات سے انکار میں کفر سمجھتا ہوں امی!"

"خدا تمہیں اور عظمت دے بیٹے۔ "فریدہ کے ساتھ میں تمھاری شادی بھی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے پروفیسر سے سرخاب کے بارے میں بات کی تھی۔ پروفیسر نے مجھے بتایا کہ سرخاب تم سے بھائیوں کی چاہت رکھتی ہے اور فریدہ کی غیر موجودگی میں تمھارے لیے فریدہ بنی رہی ہے اور یہ کہ ذہنی طور پر تم کبھی اس کے لیے تیار نہ ہو گے۔ کیا یہ درست ہے بیٹے؟"

"ہاں امی وہ میری دوسری فریدہ ہے۔"

"اور بہروز؟" امی نے پوچھا۔

"ایں؟" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"امی وہ بھی اچھی ہے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے-----"

"تمہیں انکار تو نہیں ہے۔" میں ایک لمحے کے لئے چکرا گیا اور پھر مجھے ہنسی آ گئی۔

"آپ سے انکار کفر ہے امی۔" میں نے کہا اور امی نے مجھے گلے لگا لیا۔

رات کو میں بہروز کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ بہروز کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے عقب سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور وہ چونک پڑی۔

"خیریت؟"

"یار بہروز ایک بات بتاؤ" میں نے کہا۔

"کہئے؟"

"شادی کرو گی ہم سے۔" میں بولا اور وہ بھونچکی رہ گئی۔ "ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ فریدہ کی شادی کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی شادی کر لینی چاہیے کیا خیال ہے؟"

بہروز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا بدن لرزنے لگا تھا اور پھر اس نے فرط جذبات سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ "یہ میرا اٹل فیصلہ ہے بہروز' انکار مت کر دینا۔" میں نے آہستہ سے کہا اور بہروز کے ہاتھوں کی گرفت میرے ہاتھوں پر سخت ہو گئی۔ اس نے اٹھ کر اپنا سر میرے سینے سے ٹکا دیا تھا۔

ختم شد